

عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

کوہِ برا

پہلا حصہ



داور نے آہنی ہینڈل جیل کے پھانک سے نکل کر وہیں جبر سے سانس لے اور دھیرے دھیرے گریٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ سارے چار برس جیل میں گزارنے کے بعد اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے نیا جنم لیا ہے جیل میں اس نے وہی مشقت کی تھی۔ محافل کی گاہیاں اور عمارتیں کھائی تھیں جیسی سزا پانے والے قیدیوں نے بتائی تھیں۔ چار ماہ داور کو اچھی طرح یاد تھا۔ اس کا خوب تسل نکلا تھا۔ بڑی خدمت کرانی تھی آخر تنگ آکر اس نے ڈیھو کر پھانک شرافت سے کام نہیں چلے گا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہی ہے۔ گلا اس نے خیر دل رکھ کر کھوسوت مال سے آگاہ کر کے اس کی مدد چاہی تھی۔

جیلر نے مسکرا کر زنی سے کہا تھا: یہ تمھارا اپنا مسو ہے اور اسے تم ہی حل کر سکتے ہو۔ میں اس معاملے میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ آئی ایم بری ساری۔ میں قیدیوں کے اس قسم کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہ میرا اصول ہے اور میں تمہی سے اس کی پابندی کرتا ہوں۔

”پھر آئی کیا کہے گا جیلر صاحب! چار بار پانچ عرصہ کے سزا قیدیوں کے سرواڑے ہوئے ہیں۔ ان شیطان کا مالک کرلوں نے اپنا جنگی خواہ کر دیا ہے۔ داور نے بھرتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”سوہی۔ میں تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں جیلر ہوں تم کن قیدیوں کی بات کر رہے ہو۔ ان خبیثوں کی سرواڑی کو ختم کرنا میرے بس کا وہ نہیں ہے البتہ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ تم چاہو تو ان سے اپنے طور پر بحث کئے ہوئے نکالو۔ ہونے پر میں تمھارے خلاف کوئی ایجنٹ نہیں لوں گا۔ میں اتنا ہی تمھارے لیے کر سکتا ہوں۔ ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لڑائی مار پیٹ میں تمھارے ہاتھوں کوئی بدعاش مرقبایا شدید نہیں ہوگا تو میں تمھاری پوسٹ کفہر مجبور ہوں گا۔“

جیلر کی اجازت ملنے پر داور کو بڑا حوصلہ ملا تھا اور اس نے بدعاشوں سے فتنے کے لیے ایسی چال چلی تھی کہ سارے جیلر نے

مسلحہ عت مشقت غیر معیاری غذاؤں اور منشیات کے سوا سوا استعمال نے سارے چار سالوں میں داور کا حلیہ خراب کر دیا تھا۔ اس کی صحت بری طرح متاثر ہوئی تھی۔

داور جیل میں داخل ہوا تھا تو اس کا وزن دوسو پونڈ سے زائد تھا۔ گال سرخ و سفید اور بھرے بھرے تھے۔ محراب اس کا وزن ڈیڑھ سو پونڈ سے بھی کم ہو گیا تھا۔ گالوں میں گڑھے بڑھ گئے تھے۔ چہرے کی خوبصورتی اور دل کشی جاتی جاتی تھی۔ وہ بڑا نانی بنی زندہ مریض لگ رہا تھا۔

جیلر نے داور کے بہترین طرز عمل کے باعث اسے رہائی کے محکمہ پر نیا جیل بھیج دیا تھا۔ وہی جیب خاص سے داور کو ہوجاس دے دیتے ہوئے جیلر نے شرفیادہ زندگی گزارنے اور محنت کی کمانی کھانے پر لیا چھوڑا دیا تھا۔ داور نے جیل کی طبیعت آمیز باتیں ایک کان سے دیکھیں اور دوسرے کان سے نکال دی تھیں۔

داور نے چلتے چلتے جیلر سے کہا تھا: ”ایک بات بولو جیلر صاحب! مجھ نہیں ملنے کا کیا؟“

”ہاں ہاں بولو داور۔ تم ایک شریف اور گھناؤنی دھبہ ہو میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔“ جیلر نے زنی سے کہا تھا۔

”آپ کو غلطی لگا ہے جیلر صاحب! ایدھر آٹا معاملہ ہے۔ اپنی ہت کھرب آدی ہے۔ ماں کسم ہاں شریف بالکل نہیں ہے۔“

”مگر تمھارا جیل کارکنانہ بہت اچھا ہے۔ سارے چار برس تم نے بڑی شرافت سے گزارے ہیں۔ کچھ تین سال سے تم قیدیوں کے مجبور دار بھی رہے ہو۔“

داور نے ایک مہراسنے لے کر کہہ لیا: ”آپ کا غلطی ہے جیلر صاحب! میں نے ایدھر آپ کا جیل میں ایک کا نام لکھ لیا ہے۔“

جیلر کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرے تھے اور اس نے کچھ خیر نہیں دیا۔ کہا تھا: ”میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا اور تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”بڑا خطرناک بات ہے جیلر صاحب! داور نے پچھلے روز کہا: ”آپ میں کا تو سلاطین کا کچھ بھی نہیں ملے گا۔ آج جیل میں ابن کا انگریز دن ہے۔ اس لیے آپ کو آپ کا سوا کا سوا کا سوا آپ کو ایک وجہ دینا پڑے گا۔“

”کیسا بچہ! داور۔“ جیلر نے حیرت سے پوچھا۔

”ہم کو چھین دو جیلر صاحب! آپ بات کسی اگے نہیں بولے گا تم۔“

”اچھا بھئی، میں دجن دیتا ہوں کہ کسی کو نہیں تباہی
 آئے۔“
 ”آپ کو یاد ہے جیلر صاحب، ایدہ چار سال پہلے چار
 گنڈا لوگ لاخوت تھا۔ اپن آپ کا پاس مدد کے واسطے
 آیا تھا۔“
 جیلر نے اشارت میں سر ہلایا کہ تھا ہاں مجھے بھی طرح
 یاد ہے۔ میں نے تجھے ان سے ملنے کی اجازت دینی تھی مگر اس
 کی کوتاہی نہیں آئی تھی۔ وہ چاروں لوگ اس میں لڑے تھے۔
 جیل میں زبردست فساد ہوا تھا جس میں دوسروں کو مارے
 گئے تھے اور دو کا تبار لوہا نیل میں کھڑا کیا تھا۔“
 ”وہی تو اپن کا کارنامہ تھا جیلر صاحب۔ اپن نے ان کو
 لڑا دیا تھا۔ سالوں کا دھڑن مختہ کر دیا تھا۔ اب آپ کیا بولنا ہے
 جیلر صاحب۔ آپ نے تو اس پر یہ سیدھا بھاشا کر دیا۔ بڑا نہیں
 ماننے کا لہجہ دینا بھی جیل کا مالک ہے۔ اپن چھوٹی تھیل سے نکل
 کر بڑی تھیل میں جا بیٹا ہے۔ آپ کا بھاشن پر عمل کرنے سے
 اپن بھوکا مر جائے گا۔“
 ”اوفر جیلر کو جیران اور پریشان چھوڑ کر باہر آیا تھا۔
 بڑے گیٹ سے بس اسٹاپ نصف لنگ لڑا گنڈا اور تھا۔ بکاش
 ایک پُرانا قیلولہ پر گیت گنگنا تا تھا اس اسٹاپ کی طرف بیٹھے
 لگا۔ وہ بڑی دھیمی سے عمارتوں اور گاہروں کو دیکھنے لگا۔ سارے
 چار برس میں بہت کچھ تبدیل ہو چکی تھی جیسے کہ دابیں جانب
 ایک میدان تھا اور اب یہی بلند و بالا عمارتیں بن چکی ہیں۔
 سڑکوں پر ٹریفک دو گنا ہو چکا تھا۔ فٹ پاتھوں پر اور گھیرنے کے
 برتن کو دیکھ کر وہ ہمدرد ہو رہا تھا۔ لوگوں کا ایک سیل رواں تھا
 جڑ بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ کسوے سے گھوما چل رہا تھا۔
 بس اسٹاپ پر سٹوٹ پان کے ایک کسوے کے پاس دلوں
 رنگ گیا اور دو پوشاک کا جائزہ لینے لگا۔ جیسے کالے کپڑے
 مارواڑی سے سٹوٹ پان کے خریدے اور سٹوٹ پان کے
 پیکے کش لینے لگا۔ کش فٹش و لگاڑی دو سالوں اور پانچ برس
 پہن کر سٹوٹ پان میں پانچ کر رہی تھیں۔ سفید دھوئی پہنے
 ہوئے ایک موٹا شخص بار بار اٹھیں گئی اٹھیں گے دیکھ کر
 تھا اور ہنسن پڑنا پھر رہا تھا۔ سوتھے شخص سے چند قدم
 کے فاصلے پر ایک اینگلو انڈین لڑکی کڑی تھی صاف ظاہر ہوسا
 تھا کہ وہ کسی کا اختیار کر رہی تھی۔ مغربی مغربی، کلائی ٹھری دیکھ
 رہی تھی۔
 بس آئی اور داور کھل ہی نشست کے کونے میں بیٹھی

[illegible]

داور کے ساتھ اس نے بھی ڈانکے کی دادرلوں میں حصہ لیا تھا۔ ادب و ادب ساتھ چار سال سے اس نے فننگ کی شکل میں نہیں دیکھی تھی۔

”پتہ نہیں چلتا کہاں ہوگی۔“ داور نے ایک مرد اور بچہ کو سوچا ممکن ہے اس نے شادی کر لی ہو مگر شادی کی قودہ کا کمال نہیں جانتی ہو سکتا ہے۔ وہ عجل کے ساتھ کام کر رہی ہو مگر وہ یہاں ہوگی جس اسے خود نکلنا دل میں نہیں لے سکتا۔ وہ میرے لہیر رہ سکتی ہے۔“

داور نے جیل میں ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ رہائی کے بعد وہ نینا اور عجل کے ساتھ وہاں رہے۔ ہاتھ مارے گا اور ہاتھ سات لاکھ روپے جمع کرے گی ان دنوں کی خرید و فروخت کا کام شروع کرے گا۔ اسے ابھی طرح یاد تھا کہ نینا نے ایک روز مریض کی کیفیت میں اس کے ایک بات کی تھی اس نے بے رحمی سے کہا تھا کہ اذل تو کسی سے شادی نہیں کرے گی اور کرے گی تو صرف اسی سے کرے گی۔

داور نے نینا سے شادی کے امکان پر بھی غور کیا تھا نینا ابھی لڑکی نہیں تھی۔ اس کا سفید سپاہ داور کے سامنے تھا اسے بھی بھاری سادھی نہیں تھا۔ وہ جیسی بھی تھی اس کے سامنے تھی۔ داور کا اندازہ تھا کہ نینا میں مدھرنے کے جڑے جو تھوڑے پتہ نہیں کیوں داور کو یقین تھا کہ نینا شادی کے بعد صرف اسی کی ہو کر رہے گی۔ اس نے سوچا تھا کہ نینا کی مرضی ہوئی تو وہ اس سے شادی کر کے اسے مدھرنے کا موقع ضرور دے گا۔

داور نے اراٹھالو کی کے اسٹاپ بک کے امینا کے اکبر اسائن کیا۔ وہ مریض کی کیفیت میں غریبوں کی اسٹیج کو دیکھنے لگا۔ لبتی و لبتی ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ کوئی خاص تبدیلی دغا نہیں ہوئی تھی غریبوں کی استیوں میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ ان میں مدھرنے اور ترقی دینے کے بڑے وعدے کیے جاتے ہیں مگر ان میں ادا کرنے کی فرت ہی نہیں آتی۔ خاص کر ان کی شش کے موسم میں بڑے بڑے نینا ہاتھ جوڑے جاتے ہیں غریبوں کو لگا لگا کر ان میں ہزیم و دکھاتے ہیں۔ دوت حاصل کرنے کے لیے ہوسو جن کرتے ہیں، لڑی ہوئی کا زور لگاتے ہیں اور کامیاب ہونے کے بعد ان میں انہی فرصت بھی نہیں ملتی کہ اس گندی لبتی کا سامنا کریں۔ ہر اٹھالو کی میں بھی اناد کی لبتی کے بعد سے بھی ہور ہر اٹھالو کی منتخب ہوتے رہے۔ لبتی بلڈ میچس کھڑی کرتے رہے۔ ہر اٹھالو کی لبتی کی قسمت آج تک نہیں بدلی تھی۔

سلطانی بھی اسی لبتی کے ایک کملی نام مکان میں اپنی لڑی لگنا

ماں اور سچے بھائی کے ساتھ رہی تھی۔ داور کو بھی بہا کر وہ جاگزیڑی ہوئی اور سسکی سے ملنے لگا پھر پھر سوچ کر اس نے ارادہ منسوب کر لیا کہ اس سسکی بندو نفعاً کے لیے رہا بہانا شروع کر دے گی۔ نیکی اور دیہی پر بیکھڑ بننا شروع کر دے گی۔ اور اسی الحال وہ ایسے کسی نیچر کو سننے کے لیے وہیں نہیں تھا۔

داور گلے کے پتھر پر کھڑا ہستی کی رونق دیکھ رہا تھا۔ بچہ جھٹکے سے پیلے پتے پتھر پر رہے تھے، ٹرٹے سے سوئی ہوئی گایاں یک رہتے۔ مار پیٹ کر رہتے۔ پوٹھیلی کے نکلے پھر جڑیں اور لہجہ رہی نہیں۔ یہ ان کا زمانہ نامعلوم تھا۔ شاید نادری اسلام تو بہ تھا کہ ان میں لڑائی نہ ہوتی ہو۔ داور نے ان بھولوں کی کوئی نحو اور پرکشش چیز تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب کی سب بے رونق اور اجڑی ہوئی تھیں۔ بچے جن جن کو مل جاتی تھیں۔ مفلسی کے مصائب اور ناگانی غیر معیاری غذاؤں نے ان کا خون پختہ کیا تھا۔

داور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا راجن کے ہوٹل میں پہنچ گیا۔ ہوٹل پہلے سے زیادہ صاف ستھرا اور نرخیہ و سرت دکھائی دے رہا تھا۔ راجن نے حال ہی میں رنگ و روغن کروایا تھا جس سے ہوٹل کی شان دوبالا ہو گئی تھی۔ اس نے تیار فرمچہ خرید لیا تھا۔ داور ہوٹل کو حیرت اور خوشی سے دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے اس کی بے شمار یادیں وابستہ تھیں۔ اچھے بڑے بہت سے دن اس نے یہاں گزارے تھے اور دیتے دن اسے یاد آ رہے تھے۔

کاڈنر کوئی پانچ بجی بھڑا تھا۔ دولا پڑا دعدا اور مدقوق سال کا داور کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”راجن کہاں ہے؟“ داور نے اپنے بچے میں دیکھ بھیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

”بچے لڑکے کے بقیے دعدا سے پرہیز کرنا نظر ڈالی ادبلا۔“

”راجن نہیں ہے۔ ممکن ہو؟“

”اس سامے کو لو تو تھا استاد داور؟“ بچہ نے۔ داور سخت یسے میں بولا۔ ”بے وقوف کا مانگ ہمارا نہ کیا دیکھتا ہے۔ سالہ جلدی کرو۔“

”اچھا صاحب۔ اچھا ماں باپ تم ابھر کر سی پڑھو۔ میری آجین کو بلا لے۔ چلنے بیٹیں گا صاحب۔ ملائی والا چلے۔“ دیکھنے لگتا ہے ہوتے کہا۔

داور کاوش کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور انہیں میز پر رکھ لیں۔ میز پر چائے کی ایک گندی سیالی بہت سی کھجیاں تھیں۔ وہی تھیں۔ داور کو اس لڑکے پر شدید غصہ آ رہا تھا جس نے

جانی داکر کے سے انداز میں اس سے بات کی تھی۔ اگر وہ لڑکا داور سے واقف ہوتا تو اسے دیکھتے ہی ہتھ پکڑ پکڑنے لگ جاتا۔ اس طرح اطمینان سے بیٹھا نہ رہتا۔ سارے چار برس میں یہ ایک بڑی تبدیلی تھی جو دماغ ہونی تھی جیل جانے سے پہلے چھوٹے بڑے بد معاشی بچے جو ان بڑے داور کے نام سے کاپٹے تھے مرانا کالونی میں کسی کی مجال نہیں تھی جو اس سے اوپر کی آواز میں بات بھی کرتا۔

داور نے یہ کہہ کر خود کو تسلی دی کہ زیادہ تر لوگ اب یہاں سے واقف ہیں اور جو وقت نہیں ہیں وہ جلد جان جائیں گے۔ اس نے بیکر کا کہنے لگوں کو وہ بہت جلد ہی اہمیت کا احساس ملا دے گا۔ اٹھن دینی عزت اور توجہ کرنے پر غور کرو گے گا۔ غور ہی دیریں اور دیر غور کیا۔ راجن گھبرا ہوا جیسی دھڑا سے نمودار ہوا۔ وہ ایک غلط فہمی سے ہاتھ پوچھ رہا تھا۔ داور پر نظر پڑے ہی اس نے حالت نکال دیے اور بڑی طرح اس کی طرح اس کی طرف پکا۔ داور! اسے او داور! تو آج کا ہے! اپنے کو غیب جاگ گئے!

راجن کو غصہ نہیں آتا داور سے ہٹ گیا۔ اس کے جسم سے پسینہ آئے اور مسالوں کی ملی جلی بسا تھا۔ داور نے اس سے کہا: "کیسے ہو راجن؟ دھندلا پانی کیسا ہے؟" داور نے اس کی ایش پر ہنسی سے کہہ کر بول دیا۔

"اوہ! دھندلا کمر ہے داور۔ تھنڈا گرم چلتا ہی رہتا ہے۔ تیرے جانے سے قادی بھر کی روٹی تھی ختم ہو گئی! استاد۔ ماں کی کم کسی چیز میں این کا دل نہیں لگتا تھا۔ اوہ سے ایک نیا دانا جو ابھر گیا ہے۔ سلا بہت حرامی ہے۔ بڑا نقصان کہا ہے اس نے این کا؟ راجن کی آواز بھر گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے۔

"اسے! تم سلا بچہ کو کرسی کا مالک روڑا ہے ایسی جی جی تم بھکرت کرو۔ این اس حرام زادے کا بھتیجہ ہے کہ وہ سلا ابھر لکھا راجن میں برتن دھوئے گا۔ لکھا راجن میں جھاڑو لگائے گا لکھا دن میں تم کو نہیں سلام کرے گا اور تم جو بھگے گا کرے گا۔

"بھگوان! تم کو کھوٹ کر رکھے داور۔ این سلا ابھر لکھا راجن کے لیے دعا کرتا تھا۔ لکھا راجن واسطے این سے ہومان مندر میں ناپیل چڑھا تھا۔ این سے مننت بھی مانا تھا کہ وہ اپنے لکھا تو سلا ہومان مندر کا شری جھگڑش کو پا کر بھلوٹھا دے گا۔ راجن نے جھک کر داور کے گھٹنے پر گھسے ہوئے کہا۔

داور نے راجن کو راندوں سے بڑے لکھا دیا اور بڑے

پیارے بولا: "اب تم سلا روڑا دھونا بند کرو۔ یہ بتاؤ سلا شوک دادا کدھر گیا۔" ماما کالونی میں اس کا راجن بات چیت تھا۔ سلا شوک دادا سے لکھا راجن ماما معافی کہا۔

"شوگ دادا ہندت بن گیا ہے استاد۔" راجن نے غیظ قہر سے اپنے آنسو پونچھے ہوئے کہا۔ "کیا لوٹا ہے! دیکھ راجن! این سوئی جاک لیند نہیں کرتا کیا۔" داور غیر لفظی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "این ٹھیک بولا استاد۔ شوگ دادا ہندت بن گیا ہے لکھا کالونی میں اس نے آنا چھوڑ دیا ہے۔

"یہ تو تم نے اچھا نہیں سنا یا راجن، لکھا ہے شوگ دادا کا مچ پر لکھا ہے۔ اگر تو شوگ دادا پہلے میں میں چلا گیا ہے تو این لفظیں کرتا پرتو یہ ہندت والا ماما اپنا کھوٹی کی میں نہیں آتا۔ تم نے بہت داور کو نہیں بی لیا راجن،" داور نے اپنے شوگ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں استاد! تم تو این کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ہم سلا داور کا دھندلا جوڑ کر تپا ہے مگر داور بیٹا نہیں ہے۔ ہم سلا شوگ دادا کا لکھا آنکھوں سے دیکھا ہے استاد، سلا پکا ہندت بن گیا ہے۔ داور کو راجن تیش کا آشرم میں رہتا ہے۔

"ہر تو شوگ دادا سے لکھا اس کے کیا کیا راجن؟" داور نے بولا۔ "ہم اپنا گل خرید کا ساتھ دوہینہ پہلے چو پانی پر لکھا تھا داور سلا شوگ دادا سے این کا ملاکت ہوا تھا۔ داور میں بھوکری اس کا ساتھ تھا۔ ہم نے شوگ دادا سے بھوکری لوگ کا بارے میں پوچھا۔ تو لاکر یہ تیش آشرم کی داسیاں ہیں۔ شوگ دادا میں بھوکری کو بھیل پوری کھلائے اور ناپیل پانی پلانے کا واسطے چو پانی پر لکھا تھا۔ پھر ہم نے شوگ دادا سے پوچھا کہ تم دادا گیری کاسے کو چھوڑا تو معلوم وہ کیا بولا۔

"کیا بولا۔" "سلا این کو آٹھ مار کے بولا: یہ ہندت کا دھندلا دادا گیری سے اچھا ہے۔ رام رام جینا پر ایا مال اپنا۔ سلا وہ بہت کھوٹ لکھا استاد۔ ابھر شوگ دادا کو کوئی دسی بھوکری بھی لوٹ نہیں دیتا تھا۔ اس نے تپا لکھا آشرم میں بہت امرن بھوکریاں ہیں۔ معلوم این کا شوگ دادا سے کیا بولا۔

"کیا بولا؟" "بولا! تم بھی ہندت بن جاؤ۔ بھگوان! راجن میں ابھی چلوں پرت مہربان ہے۔ این کو بولا آشرم میں پیش ہی پیش ہے جی جی جی

سلا بھگوان کے ساتھ بھی دھندلا کرتا ہے، راجن نے بڑا سادہ بنا کر کہا۔

"وہ سلا لکھا ملنا کہاں ہے؟" داور نے پوچھا۔ "ہومان مندر۔" کیا جو میں پورے لکھا کا نال لکھا۔ لکھا پچان یا با کو ادھر سے بھگوان لکھا لکھا ہے۔ ادھر سلا وہ جوابی کر دتا ہے۔ بھوکریاں اس کا دارو نام لکھی اسٹینڈ پر بھی پلائی کرتا ہے۔ لکھا کالونی کا رکا دنا سے وہ یا پرتو بوج نہیں لینا ہے شروع میں این نے اس کو نہیں نہیں دیا تو اس کے گردوں نے ابھر دنگا فساد کیا، این کو مارا پٹیا، سارا فریج کر کر کی اوڑو کالونی تو دیر اور پھر بول کو آگ لگا دیا۔ این لکھا استاد بیاو ہو گیا۔ آٹھا دس بج کر لکھا ہوا ہے۔

راجن سے بداشت نہ ہو سکا اور وہ پھر بھوت بھوت کر رونے لگا۔

داور اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا، اس نے آگے بڑھ کر ایک زور دلا دلا راجن کی کمر پر دیا۔ اور وہ میری طرح بھلا تا اور قلا بایاں کھانا دوار سے جانکا اور پاؤں سے کتے کی طرح لپٹے لگا۔ "سلا پھر بھوکری کا مالک ہوتا ہے۔" داور نے لفظ اور حقارت سے کہا: "ہم تو بولا، بھوکرت کرو۔ این اس حرامی دے رکھو کالونی میں ایک کر دیں گا۔ سلا کیا بھلا استاد مر گیا ہے؟ وہ لوزا پرتو بھوکری سے کوس کا میں، بھار کھائی میں رکھ کر دیں گا اور وہ سلا لکھا راجن میں جی میں گا۔

"اب نہیں نہیں رو میں گا استاد۔ بالکل نہیں رو میں گا، راجن نے آٹھ ہوئے کہا: تم سلا استاد میں کسی بھی گزری؟ بہت کورو ہوئے ہو۔

"جیل اور سسرال میں مرناف ہوتا ہے راجن۔ ماما تو میں تو دونوں جگہ ہوتی ہے مگر ان میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ سالوں نے ہر باتوں پوچھ رہا ہے۔

"کوئی بات نہیں استاد۔ ہر روز تیرے واسطے پیش کھانے پکواؤں گا۔ کھاؤ گے ہو گے تو بھیک ہو جاؤ گے۔ آؤ اندر میرے کمرے میں جاؤ۔

راجن داور کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا کہ کمرے کے وسط میں ایک بڑا در چار کمریاں بھی تھیں۔ دایں طرف شراب کی بوتلی کے بہت سے کمرے تھے اور کمرے ہوتے تھے۔ بائیں جانب ایک صاف صاف بڑا کمرہ تھا کہ جن پر نظر پڑتے ہی داور نے اپنے ہاتھوں پر زبان پھیری اور راجن مسکرایا۔ "وہیسی مال ہے استاد مگر میں آج تیرے کو جانی داکر پلاؤں

لکھا۔ راجن نے بھیک طرف بڑے ہوئے کہا۔ داور نے وہ بارہ ہاتھوں پر زبان پھیری اور ایک کرسی گھنٹ کر بیٹھ گیا۔ راجن نے بھیک کے پیچھے سے جانی داکر کی ایک بوتل نکالی، اسے جہارت سے کھولا اور ایک گلاس میں دھکی کر بھیل کر داور کی طرف بڑھا دیا۔ داور نے بیٹائی سے جھپٹ کر گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں پھر چلا گیا۔

راجن نے گلاس دوبارہ بھر دیا اور بولا: "تیرے کو پیئے دیکھ کر بہت کھوٹی ہوئی ہے استاد! ماں کسم داور کے دھندے کا اصل مجاہد لکھا ہے۔

داور نے تیسرا گلاس خالی کر کے ایک گلاس لیا اور بولا۔ "جیو! راجن جیو۔ اب اس حرامی دے رگھو سے بات کرنے کا زمانہ ہے۔"

"تمہاری جیب تو خالی ہو گئی استاد! دو بج رہے ہیں کہ لو! راجن نے تو لوں کی ایک گڈی داور کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "چیک بک کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"نوٹ واپس جیب میں رکھ لے راجن،" داور نے غصے میں کہا: "آج میں رگھو سے تیرے دس بجارو کے ساتھ دھول کر لے گا۔ اصل تو رکھ لینا، اپنا کام سو دے پہل جانے گا۔ ہاں وہ جیک بک میرے کوسے دے۔"

راجن نے لہجے کی ایک بڑائی الماری سے ایک نئی کوئی جیک بک نکالی اور داور کو دکھا کر بولا: "دیکھ استاد! میری تم چھوڑ گئے تھے ویسی ہی پڑی ہے۔"

داور نے جیک بک پٹوں کی جیب میں ٹھونس لی اور بولا۔ "میں اسے بارے میں تیرے کو کچھ معلوم ہے! راجن؟ وہ آج کل کہاں ہے لکھا رہی ہے۔"

راجن نے رنجھ کا لیا اور جی آواز میں بولا: "منا بھول جاؤ استاد۔ وہ تیرے بھگوان ہے۔ این بڑے کھیلے بولا تھا وہ دیشیالا لکھی تھی ہے۔"

"بات کہا ہے راجن؟ اگر وہ کسی بھیک کھیل نہ گئی ہے تو کوئی نئی بات نہیں ہے! این ایک سچی بھائیں گا اور این کے بھگوان سے آجائے گی،" داور نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس نے شادی کر لی ہے استاد! ایک مارواڑی بھگوان تری مناکے پکارت دیتے ہیں۔ وہ ہاندے کے ایک بھگوان کی گوری ہم کی طرح رہ رہی ہے۔ تیری سچی اکام نہیں آئے گی! "کیا بولا تھا؟ رے! اسے لکھا سنا ہے راجن! داور کلہو غصے سے لال بھوکرا ہوا۔

"تیرے کو معلوم ہے استاد! این کی جوت کی عادت نہیں ہے۔"

جینا نے میرے کو سادی میں بلا لیا۔ بہت دھوم دھام کی تھی اس لمحے مارواڑی سیٹھ نے "ہاں نے ڈری ڈری آوازیں کہا۔" میں اس حرامیہ کے ساتھ چلتا ہوں گا۔" داور نے غصے کی شدت سے کہنے کیلئے ہلکا ہلکا۔

"بات اپنی کچھ نہیں آئی ہے استاد۔ جیسا کہ کسی بھی رکھیل ہونے میں میرے کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب اس نے سادی کی ہے تو تم کہہ دو۔ سادی کے بغیر ہاتھ پاؤں پاپ ہے راجن حیرت سے ہلکا۔

"کسی کو جان دے کہ پھر جانا بھی پاپ ہے راجن۔" نے غصے سے تھلنے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی کو جان دی تھی کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو صرف اپن سے کرے گی۔ اگر اس کو کوئی مجبور تھی تو وہ کسی کو جیل بھیج کر مری مری معلوم کر سکتی تھی۔ بات پاپ اور راجن کی نہیں ہے راجن، بات جیانی کی؟ جیانا کہ شادی بہت پہنچی ہوئی ہے۔

راجن نے لڑکے کو بیچ کر مار دیا تو اس کے گھر سے لوہا اور اسے دو مرغیاں بھوننے کی ہدایت کی۔ پھر اس نے داور کے لیے سو ڈالر برف کا انتظام کیا اور اس کے برابر کڑی بریجہ لیا۔

داور نے اپنی نشست سے اٹھ کر زوردار آواز لائی اور نرم پتیر جو توں بہت دراز ہو گیا۔ چند لمحے وہ انھیں موندے لیتا رہا پھر بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ جیسے کوئی اہم بات اسے یاد آگئی ہو اس نے خارا کو آواز دینا سنا۔ میرے بارے میں کیا حال ہے؟

آج کل وہ سالانہ کہہ رہے ہیں۔

"عبدال ایکسٹرا سید انٹرن گیلے استاد۔ فالتو ٹیچر ہے دارو کا دھندا کرتا ہے؟" راجن نے کہا۔ تمہارا جیل جانے کے بعد تو وہ ایک دم جہاد کو لیا رہا۔ نکلیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کارون کا عجیب سے پاس آگیا ہو۔ روز چوٹی پر چھوڑ کر اس کے سنگ موندنا تھا۔ ہر عرصے کو اپنے فیلڈ میں ڈرنگ مارا کرتا تھا۔ ایک سال میں سالانہ اپنی اصلی لائن پر آگیا۔ تیسرے کو بہت یاد کرتا ہے استاد۔ جیانی میں تیرے کو یاد نہیں کرتا تھا۔ اب مندی میں ٹھہرا کر تیری یاد میں روتا ہے۔ معلوم کیا ہوتا ہے؟

"کیا بولتا ہے؟"

"بولتا ہے استاد۔ داور ایک سال میں جیل میں نہیں چھوڑا تو وہ اپنے آپ کو باطل کھلا کر لے گا۔ تیرے بغیر وہ بہت دھمی ہے استاد۔"

"سالا حرامیہ جادو، اور حقارت سے فرش پر گھسک

گنہگار کھلا س ہو گیا ہے تو میں کو یاد کرتا ہے۔ اس کا کاڑی تو اپن کے بغیر نہیں چل سکتا۔"

داور اور راجن فیروز پٹے ہوئے دوسری کی چسکیاں لیتے رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد باورچی نے کھانا تیار کر دیا۔ داور کو زوروں کی بھوک لگی تھی۔ وہ چسکیوں کی طرح کھانے پر ڈوٹ پڑا۔ جیسے ہی روز کا بھوکا ہوا جیل میں اسے سلیم کی ہی بدولت آچھا کھانا لایا۔ بھوکا تھا۔ زیادہ تر اس کا گندہ پتلی ہے مزہ دال اور غیر معیاری روٹی پر ہوتا تھا۔

داور نے ڈٹ کر کھانا کھا لیا اور پھر دو تین ڈکاراں لے کر مسکراتے ہوئے راجن کو دیکھنے لگا۔ راجن نے لڑکے کو بلا کر برتن اٹھوائے اور دین کی صفائی کرادی۔

"کیا کھال ہے راجن کھو دادا کے آگے بڑھا جائے دیکھنا ہوں سالانہ کتنے پانی میں ہے؟" داور نے ایک ٹکڑی سلگا کر دو تین گہرے کش لگا کر بولا۔

راجن نے لڑی کھانی گھری میں وقت دیکھا اور سہمے ہوئے انداز میں بولا۔ وہ راجن کی اس وقت اپنے آگے پر ہرگا مگر تیرا کیلے جانا ٹھیک نہیں ہے استاد۔"

داور نے ایک حقہ لگا دیا اور بولا۔ "لکھتا ہے تو سالا بیک بھول گیلے ہے۔ تیرا کچھ لکھتا ہے نہیں ہوگا۔ راجن کو بھول گیا۔ جیل جانے سے پہلے اپن ابھرا رہا ہوتا تھا۔ اشوک دادا بھی اپنا اچھا کرتا تھا۔ سالا تو ابھی ایک دم چور کی کا مافک بات کرتا ہے۔ اچھا یہ تیرا۔ اشوک دادا کے جیسے اب کہاں ہیں؟"

"مگر بدل گیا ہے استاد، جیلے وہیں کھڑے ہیں، راجن نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اب یوں سارے کس کی مجال ہے جو اپن کے سامنے سر اٹھا کر کھڑے ہو سکیں؟" داور نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "سالا ایک بھی میرے سامنے کھڑا نہیں ہوگا اور باقی اس کو کچے لٹکے دھوا دادا سے اپن اکیلا نمٹ لے گا جیل اب اچھ جاسا لے۔"

راجن، داور کو لے کر رگھو دادا کے آگے پہنچ گیا۔ لکھی کی ٹال ختم ہو گئی تھی۔ رگھو نے وہاں میں کچے کچے کے بنوائے تھے۔ احاطے میں دو بدعاش بیٹھے گھسٹا شرب سے شعلہ کر رہے تھے۔ راجن کو دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر ہنسیاں مسکراہٹ بھری۔

داور نے انھیں ہلکی نظر میں پچان لیا تھا۔ دونوں ہی

اشوک دادا کے زمانے چیلے تھے۔ ان میں سے ایک چیلے نے لڑکی کو چھینے پر داور سے مار پیٹ کھائی تھی۔ وار نے لافوں گھونٹوں اور غصوں سے اس کی اچھی طرح مرگوت تھی اور وہ ایک جینے تک بستر سے اٹھ نہیں سکا تھا۔ دونوں داور کو پچان نہیں کئے تھے انھوں نے داور کو غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ سرخ نشین دالے بدعاش نے لگے ہیں پتا ہوا سالی چیلے رو مال درست کیا اور گردن اکڑا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ حقارت اور نفرت سے راجن کو دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے وہ راجن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتا رہا پھر طنز سے بولے۔ "ابھرا کالے کو آیا ہے راجن۔ تیری سہلی سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرے بہت ہیں پیر درد اٹھتا ہے۔"

"وہ بڑا پاپ رگھو کدھر ہے؟" داور نے مسکرا کر بولے۔

سرخ نشین دالے نے داور کے لیے کی تھی پر اسے چونک کر دیکھا۔ چند ہی لمحوں میں اس کے چہرے کا رنگ آٹھ گیا۔ اس پر سہلے کی کسی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر اس کی آنکھیں پکپکاتے لگیں اور وہ کھاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "داور اتم،"

"ہاں میں بڑا پاپ داور ہوں۔ تو میری مار کو بھول تو نہیں گیا بھوئے ناخ۔" داور نے نہ زہر سے بوجھا پیر ناخ جیسے داور نے طنز بھولا ناخ کھاتا کھاتا کھاتے ہوئے ہونٹوں پر زہن کا پھیر کر بولا۔ استاد داور۔ مال کسم اپن تیرے کیسے بھول سکتا ہے۔ تو اپن کا مالی پاپ ہے داور۔"

داور نے آگے بڑھ کر ایک زوردار پھینچ پیر ناخ کے رسید کیا۔ وہ دو تین قدم پیچھے لڑکھایا اور لافوں برفزار دنگے ہوئے پشت سے کل زہن پر پڑا پھر بولا۔ داور نے آگے بڑھ کر ایک زوردار ہتھوڑ پر پیر ناخ کی پٹیلوں میں رسید کیا۔ پیر ناخ تھل تھلایا اور اپنے پکپکاتے ہوئے ہاتھ معانی مانگنے کے انداز میں جوڑے اور پوری طرح ٹھکھکاتے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے اور دادا زہر بھری تھی۔

"سارے کتے، کینے کیوں نہیں بولتا کہ تو اپنے پاپ کو بھول گیا تھا؟" داور نے چند لمحے کچھ سوچا پھر قد سے زنی سے بولا۔ "پیر ناخ میں تیرا کوئی قصور بھی نہیں۔ اب جاپا ہے جیجی جی کو جاکے لول کر تیرا پاپ اٹھالے۔ جیسا میں نے بولا تو دلہا ہی جاکے بول دے۔"

پیر ناخ ہاتھ بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے کا پیتا ہوا کھڑا ہو گیا اور بے بسی سے اپنے سہلی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "جیل پورٹ

تو بھی میرے ساتھ چلے۔"

پلوٹ نے ہونٹوں پر زہن پھیر کر اس طرح داور کی طرف دیکھا جیسے اس سے اجازت طلب کر رہا ہو۔ داور نے ایک شان بے نازی سے پلوٹ کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے رگھو دادا کے آگے کی طرف چل دیے۔ ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی داور نے زہن کی پشت پر ہلکی سی پٹکی دی اور ایک حقہ لگا کر بولا۔ "اب دیکھنا راجن۔ اب تیرے کو بہت مجاہدے کا۔ سالا ایسا سین پاٹ لے لے اٹی اٹھا چند کی ہیں نہیں دیکھا ہو میں گا۔ وہ حرام جادو رگھو ہاتھ جوڑ کر کسے معافی مانگے تو اپن کا سہلی پر لعنت دے دینا۔ کہا کھتا۔"

"اس کینے نے اپن کو ٹراٹکلیف دیا ہے استاد۔ اپن کا جینا حرام کر دیا تھا سارے نے۔ اس حرامیہ سے رگھو کا اہلیت بنا دوا استاد۔"

"تو چھکرتو راجن جیانی؟ اپن رگھو کو انڈا امیٹ نہیں انڈا گھوٹا بنا دیا گا؟" داور نے چھاتی ہوئی کہے کہا۔

راجن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے بھی اس طرح سینہ پھیلا لیا جس طرح مرغ افان دینے سے پہلے پھیلا تا ہے۔ وہ دونوں خاموشی سے انتظار کرنے لگے۔

دس بندہ منٹ بعد ایک دراز قد اور مضبوط جراث کا دھیر عمر سیاہ فام شخص گردن اکڑا کر ہونے ان کے سامنے دالے کمرے سے نکل اور دونوں نظروں سے داور کو گھورتے ہوئے، دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ داور نے اس کے تیزوں سے اٹھانے لگا پھر رگھو اسی کینڈے کا نام ہے اس نے راجن کو دیکھا جس کے چہرے کا رنگ اٹھا ہوا تھا اور مانجیں ایک خاص مزین پکپکاری تھیں۔ داور نے ایک زوردار ہاتھ راجن کی پشت پر رسید کیا اور سخت لہجے میں بولا۔

"سارے چھکری کا مالی کالے کو ڈرتا ہے۔ بیدھان کھڑا ہو سارے نہیں تو تیرا کچھ مہلے ناؤں گا۔"

رگھو دادا داور سے پانچ قدم دور تک کھڑا ہو گیا اور زنی مسکراہٹ ہونٹوں پر دیکھ کر سنا پاپ اس کا جاتوہ لینے لگا۔ وہ داور کی زندہ دلی اور زہرین سے کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ داور کو شاہد ایک عام سادا گیر کھڑکھاس کی چٹنی بنانے آیا تھا۔ مگر داور کے جہازانہ اور بے خوف رویے سے اسے ٹھیک پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود رگھو دادا

داور سے مرعوب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے اپنی جسمانی طاقت اور گھوڑے بازی پر بڑا ناز تھا۔ داور کو یہ کام مخدور اور گمنامی جیو کر سمجھ رہا تھا۔ پھر گھوڑے راجن کو دیکھا جھپٹے ہوئے داور کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رگھو کے جیسے پر استبراد پر مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پرسکون آواز میں بولا۔ یہ جیو کر اٹھیک بولتا ہے راجن یہ سالا تم جیو کی کامانگ کا کوڑا ہے۔ تم کو سالا جیو کا مانگ ڈرنا چاہیے۔ جیو کا جیو کی لگ سے زیادہ ڈرنا ہے۔ اور تم سالا ابن سے اس لیے ڈر رہے کہ تم ابن کو اچھی طرح جانتا ہے اور یہ بنا بچی ابھی ایک گھٹنے کے بعد ابن سے بالکل بھلا مانگ ڈر رہا ہے۔

”رگھو دادا تمہارا جیو کر ابائی کدھر ہے؟“ داور نے پرسکون آواز میں پوچھا۔

”کیرا مطلب کیا بولتا ہے تم جو بولنا ہے صاف صاف بولو۔ ابن کو اس کی بیکی بات پسند نہیں ہے۔ ابن کا کچھ کھراب ہو گیا تو تمہارا جیو کر ہی کا دو جیو کر ابائی کی بے گودا دے گئے سے کھوئے ہوئے غم کو کہا۔

داور کی پیشانی پر ایک شکن بھی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی اور وہ مضبوطی سے اپنی جگہ جھک رہا تھا۔ اس نے پھر پرسکون آواز میں کہا۔ رگھو دادا ابن اس جیو کر ابائی کا بات کرتا ہے جس نے ابن کا دوست راجن کا ہونٹ توڑا تھا۔ ذرا اپنے جیلوں کو آواز دو سے ابن تم کو ایک تمنا دے گا۔

رگھو دادا کے جیسے پر اٹھنے کے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ اب کسی قدر پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ داور نے پرسکون انداز میں اسے ٹھوسا سا گڑا دیا تھا۔ رگھو نے راجن سے جوابات کی تھی اس کا مقصد داور کو مرعوب کرنا تھا۔ رگھو نے راجن کی دھمکی کا ردی براہی اثر نہیں ہوا تھا۔ اور یہی بات رگھو کی پیشانی کا باعث بنی ہوئی تھی اور اب داور نے اس کے چیلے جانوں کو بولا اپنا تھا تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ رگھو چلنے طیش کے عالم میں داور کو گھورتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور وہ طنز پر لبے میں بولا۔

”تم ابن کو مداری معلوم پڑنا ہے مداری کا تمنا شایں کو بہت پسند ہے جو کہ یہ کہہ کر رگھو نے ایک مخصوص انداز میں سنی بجائی اور بٹ کر دو دوازے کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک ایک کے

ہوئی تھیں۔ نظرس داور پر مرکوز تھیں جو پرسکون اور مطمئن اس کے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

داور کے قریب پہنچ کر بتالال نے ایک زوردار گھونر رسید کرنے کے لیے ہاتھ لہرایا۔ داور نے بڑے مزے سے بائیں کبھی پر بتالال کا وار روک لیا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا۔ اس کا زوردار گھونر بتالال کے پیٹ پر پڑا اور وہ ڈر کر ہٹا ہوا الٹ کر رگھو کے قدموں میں جا پڑا۔ رگھو نے ایک موٹی سی گالی دے کر زوردار گھونر اس کی پسلیوں میں رسید کی۔ پھر اس کے پیچھے چلانے کی پروا نہ کرتے ہوئے رگھو نے بجلی کی سی تیزی سے جھک کر بتالال کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور دوبارہ داور کی طرف دھکیل دیا۔ داور نے پھر پے دو تین گھونرے بتالال کے منہ پر رسید کئے اور پھر اچھل کر ایک فلائنگ کلک اس کے سینے پر رسید کی۔ بتالال فضا کی طرح اڑ چکا ہوا دوبارہ رگھو کے قدموں میں جا پڑا۔

رگھو نے پھر ایک زوردار لات بتالال کو رسید کی۔ اسے دو تین گالیاں دیں اور اپنے جیلوں چانٹوں کو ناکارہ اور دلو سے خوفزدہ سمجھتے ہوئے تیزی سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ غرتے ہوئے اس نے داور کو لالوں اور گھونٹوں پر رکھ لیا۔

داور کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اس کے سامان دکان میں بھی نہیں تھا کہ رگھو دادا یوں اچانک اس پر حملہ کرے گا۔ اپنے استاد اور حاجی کو قہقہے دیکھ کر راجن ہٹکا بٹکا رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی کھنکھناتی تھی اور اور وہ آنے والے سنگین لمحات کے خیال سے پکپکا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ داور کی اچھی طرح دھناتی کرنے کے بعد رگھو دلو اس کی خبر لے گا۔ اسے داور کو لانے کا مزا اچھی طرح چکھائے گا۔

رگھو نے داور کو سنبھلنے اور جوابی حملہ کرنے کا ذرا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ وقفہ وقفے سے وہ ایک آدھ لات بھی داور کو رسید کرتا جا رہا تھا۔

داور کا ایک اور پری دانت ٹوٹ کر باہر آ چکا تھا اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اور سر میں شدید دھماکے ہو چکے تھے۔ رگھو نے ایک زوردار لات رسید کی تو وہ جان بوجھ کر قذرا بایاں کھاتا ہوا دو جا پڑا۔ اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے جیسے اس پر بے ہوشی طاری ہو رہی ہو۔

رگھو سینہ پھلائے اڑتا ہوا داور کے قریب پہنچ گیا اور شدید نفرت اور حقارت سے اس کی پسلیوں میں جھک کر لانے کے لیے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور سی لٹے داور نے بجلی کی سی پھرتی سے اس کی ٹانگ جھپٹ کر دہری لایا۔ رگھو اپنی ٹانگ چھڑکنے کے لیے جدوجہد کرنے لگا۔ وہ ایک ٹانگ پر بنا چڑھا تھا۔ اسے توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ داور نے پوری قوت صرف کر کے رگھو کی ٹانگ پر سی طرح مردودی اور جھوٹے قہقہے کی ماہر کی طرح نعرہ لگا کر اسے اچھال دیا۔ رگھو کے سین پر گرتے ہی داور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پوری قوت سے ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں رسید کر دی۔ رگھو نے تکلیف کی شدت سے ہونٹ جھنجھ لیے۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ داور مضبوط اور بھاری فوجی ہوتے ہی ہتھ پھٹے ہوئے تھا۔

داور نے رگھو کو اٹھنے دیکھا تو فوری اسٹال کشنی کے جا بانی ماہر کی طرح اچھل کر اس کی چھاتی پر کود گیا۔ رگھو نے مونہ پاتے ہی دونوں ہاتھوں سے داور کی گردن دہری کی رگھو نے ایک جھکے سے اپنی گردن چھڑائی اور تار پڑا تو پٹھنے رگھو کے منہ پر مارنے لگا۔

راجن نے بازی بیٹے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات کیر تہ تبدیل ہو گئے تھے۔ اس کی جان میں جان الگ تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے اپنے استاد کے گھونٹے بازی کے فن کو دیکھ رہا تھا۔ داور نے چند ہی منٹ میں رگھو کا کلیہ بگاڑ دیا اسے لہو لہا کر دیا۔

رگھو دادا کو اوجھل کر کے داور اس کی چھاتی سے اتر گیا۔ اسے یقین تھا کہ رگھو میں اب اتنا دم خم نہیں رہا کہ دوبارہ اس پر حملہ کرنے کے لیے سوچ بھی سکے۔ وہ فاجانہ انداز سے راجن کو دیکھتے ہوئے بولا۔ کیوں رے ہانتا ہے نا؟

راجن دھڑکتا ہوا اگر خوشی سے داور سے لپٹ گیا اور چلا کر بولا۔ تیرے کو کون نہیں جانتا استاد۔ اٹھا جی تیرے کو مانتا ہے۔ تو نے تو رگھو دادا کا پھلادہ بنا دیا۔ سالا بہت اگڑا تھا۔ اب کیرا سنگھ کا مانگ بڑا ہے۔

داور نے راجن کی بات پر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ہاں تو راجن، ابن ایدھر کھٹے کو آتا تھا؟

راجن نے حقارت سے رگھو دادا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کہنے نے ابن کا بہت نقصان کیلئے استاد۔ انا تیرے داور جیل میں تھا تو ادر یہ گیدر تیرے بن لکھتا تھا۔ اس

رگھو نے اپنے جیلوں کو خوفزدہ دیکھا تو غصے کی شدت سے اس کا ساہ جڑھ کچھ اور ساہ بڑھ گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک دوازہ قدر فوری الجھنے کیلئے گریبان پکڑ لیا۔ اسے داور کی طرف دھکیل کر بولا۔ سالا، تم بڑا ہیرو بننا تھا۔ اپنا آپ کو سالا اپنا ہیرو سمجھتا تھا اب تمہارا آپ ایدر خان آکھلیا ہے چلو اپنا پھلہ شروع کرو۔ سالا دیکھتا ہے کہ تم کتنا بڑا ہیرو ہے۔

طویل قامت بدعاش داور نے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوگا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے رگھو کو بے بسی سے دیکھنے لگا۔

رگھو دادا نے نفرت اور حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کاٹ وار آواز میں کہا۔ کیوں سے بتالال آگے کیوں نہیں بڑھتا ہے۔

رگھو کا مانگ ہم کو کیا دیکھتا ہے۔

داور نے راجن کو ایک طرف دھکیل دیا اور اسے تین کا بن کھول کر اسے بڑھانے لگا پھر کچھ سوچ کر اس نے بٹشٹ کے سامنے بن کھول دیے اور اسے اتار کر ایک طرف اچھال دیا۔ رگھو دادا کے تمام چیلے بڑی دلچسپی سے داور کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ وقتی طور پر راجن چھوٹنے سے ان کے چہروں پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

بتالال اب بہت حد تک سنبھل گیا تھا۔ رگھو نے اس کی خاصی بے عزتی کی تھی۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اگر وہ آگے نہیں بڑھتا تو رگھو نے روٹی کی طرح دھک کر کھڑے گا اور یہ گویا اس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ رگھو کے طنز پر جلوہ نے بتالال کے تن بدن میں آگ سی بھری تھی۔ اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ غصہ خوب بڑھ رہا تھا۔

جدا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال ابھر اٹھا کہ مارا اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ اگر اس نے داور سے مقابلہ کرنے اور اس کے ہاتھوں میں اٹھنا منظور نہ کیا تب بھی وہ پتے بغیر نہیں ہے گا لہذا اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا تھا چل بیٹا بتالال، بڑھ جا سو لی پر، رام بجلی کرے گا۔

بتالال نے ایک گہرا سانس لیا اور خود بخود انداز میں اڑا۔ وہ بڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھانیں بڑھ

رگھو نے اپنے جیلوں کو خوفزدہ دیکھا تو غصے کی شدت سے اس کا ساہ جڑھ کچھ اور ساہ بڑھ گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک دوازہ قدر فوری الجھنے کیلئے گریبان پکڑ لیا۔ اسے داور کی طرف دھکیل کر بولا۔ سالا، تم بڑا ہیرو بننا تھا۔ اپنا آپ کو سالا اپنا ہیرو سمجھتا تھا اب تمہارا آپ ایدر خان آکھلیا ہے چلو اپنا پھلہ شروع کرو۔ سالا دیکھتا ہے کہ تم کتنا بڑا ہیرو ہے۔

طویل قامت بدعاش داور نے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوگا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے رگھو کو بے بسی سے دیکھنے لگا۔

رگھو دادا نے نفرت اور حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کاٹ وار آواز میں کہا۔ کیوں سے بتالال آگے کیوں نہیں بڑھتا ہے۔

رگھو کا مانگ ہم کو کیا دیکھتا ہے۔

داور نے راجن کو ایک طرف دھکیل دیا اور اسے تین کا بن کھول کر اسے بڑھانے لگا پھر کچھ سوچ کر اس نے بٹشٹ کے سامنے بن کھول دیے اور اسے اتار کر ایک طرف اچھال دیا۔ رگھو دادا کے تمام چیلے بڑی دلچسپی سے داور کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ وقتی طور پر راجن چھوٹنے سے ان کے چہروں پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

بتالال اب بہت حد تک سنبھل گیا تھا۔ رگھو نے اس کی خاصی بے عزتی کی تھی۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اگر وہ آگے نہیں بڑھتا تو رگھو نے روٹی کی طرح دھک کر کھڑے گا اور یہ گویا اس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ رگھو کے طنز پر جلوہ نے بتالال کے تن بدن میں آگ سی بھری تھی۔ اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ غصہ خوب بڑھ رہا تھا۔

جدا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال ابھر اٹھا کہ مارا اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ اگر اس نے داور سے مقابلہ کرنے اور اس کے ہاتھوں میں اٹھنا منظور نہ کیا تب بھی وہ پتے بغیر نہیں ہے گا لہذا اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا تھا چل بیٹا بتالال، بڑھ جا سو لی پر، رام بجلی کرے گا۔

بتالال نے ایک گہرا سانس لیا اور خود بخود انداز میں اڑا۔ وہ بڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھانیں بڑھ

حائل نے اپنا چہرہ ہاتھی کو بھیج کر این کا ہوش توڑ دیا تھا۔ اپن کو اس راکشہ شخص نے بہت مارتا تھا۔ اس کا اپن اکھا ہفتہ بستر پر لٹائے کو بلو کرتا تھا۔

دوڑنے آگے بڑھ کر ایک بھر پور ٹھوکر لگو کی پسلیوں میں رسید کی اور سفاک لہجے میں بولا۔ کیوں سے تیرے کو کسی نے نہیں بولا تھا کہ یہ راجن اپن کا دوست ہے، اواد کا یار جانی ہے۔ وہ داور جس سے اکھا بھی اور اوصا سند دسٹا ڈرتا ہے۔ اپن جلی گیا تھا تو اودھر کا دادا اشوک تھا۔ وہ سالاب پڑت بن لٹیکے۔ اشوک دادا بھی اور بھر رانجا کالونی میں اپنا ڈیر میں دادا گری چلاتا تھا۔ سن سے گڈ سنگھ آج سے تیرا دادا گری کھلاں کیا، اب مرنا تھا کالونی میں اپن کا راج پاٹ چلیں گا۔ کوئی مانی کالال اپن کا مرضی کا بغیر ایدھر والی گری نہیں چلا سکتا۔

داور نے شعلے برساتی آنکھوں سے دگو دادا کے چلیوں چاتوں کو دیکھا جو سر جھکائے اسے کھڑے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کی مجال بھی نہیں تھی کہ داور سے انکھیں ملا سکے۔ داور نے قریب کھڑے ہوئے پریم ناتھ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”مجھو نے ناتھ جی، اپنے گڈ سنگھ کو اٹھا کر اندر کرے میں چلو، اپن اس سالے سے حساب کتاب کرنا ناگوار ہے۔“

داور شام سات بجے اپنے دوست اور پارٹنر عبدل کے گھر پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر عبدل پر سکے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اور پھر وہ گر جھوٹی سے داور سے لپٹ گیا تھا۔ عبدل اس سے بغلی گیر ہوتے ہوئے رونے لگا تھا۔ داور نے آنے سے پہلے اس نے سستے اور گھٹا پڑا ٹھوسے کی ادھی بوتل چڑھائی تھی اور اس نہیہے ہوئی کی کیفیت میں وہ کچھ زیادہ جی جذباتی ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے۔

داور کی عبدل سے بارہ سال پرانی دوستی تھی۔ اس کے دکھ سکھ میں عبدل نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا تھا۔ زیادہ تر وارداتیں دونوں نے مل کر کی تھیں۔ داور اچھی خاصی رقم عبدل کو دے کر چلی گیا تھا اور اب وہ فطری نفس دکھائی دے رہا تھا۔ ٹھوسے کی بوتل دکھ کر ہی داور کو اس کی ناگفتہ بہ حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ یہاں اسے سے پہلے راجن بھی اسے عبدل کے فلا ش ہونے کی خبر دے چکا تھا۔

یہ عبدل کی پرانی عادت تھی۔ داور کے ساتھ اس نے لاکھوں روپے کائے تھے اور اپنی شاہانہ طبیعت کی وجہ سے فیکر فیکر ہی رہا تھا۔ پیسے اس کی جیب میں تھتے ہی نہیں تھے۔ اس نے کبھی اسے والے لک کی پروا نہیں کی تھی۔

رسمی علیک دلیک کے بعد داور جوتوں سمیت عبدل کے ڈبل بیڈ پر دراز ہو گیا تھا۔ عبدل پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پیار بھری نظروں سے داور کو دیکھنے لگا۔ داور بری طرح تھک گیا تھا۔ لگھو دادا کے اڈے پر اس کی اچھی خاصی ورزش ہو گئی تھی۔

سارے چار سال جیل میں شرافت سے گزارنے کے بعد جیل میں مرتبہ ہاتھ پاؤں جلائے کا موقع ملا تھا۔ داور نے جیل سے نکلنے ہی پر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ پولیس کی نظروں سے بچ کر پونا میں اپنے بیک سے دس ہندہ ہزار روپے نظر لائے گا اور عبدل کے ساتھ مل کر سیر و تفریح کے لیے شملہ یا رینگ چلا جائے گا۔ داور کا ارادہ زیادہ دیر نہ ٹھہریں میں، ہٹے گا نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجرموں کی زیر زمین دنیا میں اس کی رہائی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ اس دنیا میں داور کے دوست کم اور دشمن زیادہ تھے۔ وہ داور سے اس بات پر جلتے اور نفرت کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنے پیر اچھری کے منصوبوں میں شریک نہیں کرتا تھا۔ بہت سی جرائم پیشہ افراد کی کئی منظم تنظیموں نے داور کو ملائی کو تشکی کی تھی۔ مگر داور نے ان کی التجاؤں اور دھمکیوں کو رد و براعتا نہیں سمجھا تھا۔ وہ اپنی فطرت کے خلاف کسی بھی فرد یا تنظیم کا پابند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ داور نے اسی بنار پر اپنا کوئی گروہ بھی نہیں بنایا تھا۔ وہ ہر واردات کے منصوبے کے مطابق معقول معاوضہ پر باصلاحیت لوگوں کی خدمات حاصل کرتا تھا اور واردات کے بعد انہیں مقررہ رقم دے کر جان چھڑا لیا کرتا تھا۔

داور نئی واردات کا منصوبہ بنانے سے پہلے جیل کی تلقین بھلائے کے لیے لمبی عیاشی اور بھر پور آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی رہائی کی خبر پھیلے ہی چوبے ملی کارپانکھیں شروع ہو جائے گا۔ دشمن ہتھیار اٹھائیں گے اور اسے اپنی حفاظت کے لیے چکر بڑا کاروبار دھارنا پٹ گا۔ بھٹی کے چوٹی کے بدعاشوں میں وہ کو برائے نام سے مشہور تھا۔ داور کے اس دہشت انگیز نام سے لاقاداد ہنگامے وابستہ تھے۔ داور کی الحال کو برا کو حیرت ناہنیں چاہتے

تھا۔ ایک کچھ ماہ کے بعد وہ اس نظر نام کا نام کو اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لبوں پر لانا چاہتا تھا۔ وہ داور کو پھیل کی تھکن اور یوریت دور کرنا چاہتا تھا۔ اپنی زندہ زندگی کا لاٹھ عمل مرتب کر کے لیے اسے سکون اور آسودگی کی ضرورت تھی اور یہ سکون اسے کم از کم مہینوں میں رکھ کر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

پر وگرم کے مطابق داور کو آج رات ہی پونا روانہ ہونا تھا۔ اس نے رات اٹھ بجے کی آرام دہ ایرکٹر فیڈر لک کار سے پونا روانگی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اس کا خواب پورا ہوتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا۔ راجن کے چکر میں داور کے بچے کھٹے نفع ہو گئے تھے اور وہ آج رات پونا روانگی کو ملتوی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اب اس نے کل صبح کی ریل کار سے روانہ ہونے کا پروگرام بنایا تھا۔ پونا جانے سے پہلے داور سلمی سے ملنا چاہتا تھا۔ حسین و جمیل سلمی جس کا خیال آتے ہی داور کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں اور سینے میں مدھما مدھما سا درد ہونے لگتا تھا سلمی اسے جیل میں ملنے مسلسل آتی رہی تھی۔ داور کے اور اس کے نظریات میں یہی آسمان کا فرق تھا۔ سلمی زندگی میں ایک راہ دانے کی قائل تھی اور داور کی کی راہوں کا مسافر تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ بڑی کویدی نہیں سمجھتا تھا۔ اس بارے میں داور کا اپنا ایک فلسفہ تھا جس سے سلمی اتفاق نہیں کرتی تھی۔

”دیکھو سلمی، میں تجھے نہیں ہوں اور نہ ہی میں ان پڑھ ہوں۔ تم میری تعلیمی استعداد اور قابلیت سے بخوبی واقف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے حالات کے تحت اپنے اوپر ایک خول چڑھا رکھا ہے۔ ایک روز داور نے سلمی کی نصیحتوں سے تنگ کر لیا تھا۔ ”میں نے بہت دیکھے کھائے ہیں۔ دہ کی ٹھوکروں سے مجھے بٹے نفع جرات حاصل ہوتے ہیں۔ اب تک میں نے تو زندگی گزار لی ہے اس کے تحت ایک ہی بات میری سمجھ میں آئی ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں صرف طاقتور ہی کی حکمرانی ہے۔ چلے کوئی عام آدمی ہو یا حکومت، یہاں جس کی لاٹھی اس کی جھنڈی کی مثال صادق آتی ہے۔ جو جتنا دولت مند اور طاقتور ہے لوگوں کی اتنی ہی زیادہ عزت کرتے ہیں۔ نامور مجرموں اور ملنگروں سے حکومت تک مرعوب ہو جاتی ہے۔ اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر دیتی ہے۔ یہاں جا ریت ہی قلع مندی کا باعث ہوتی ہے۔“

بڑی جلی جھوٹی جھل کھاجانی ہے اور میں بھاری بھاری ہاتھوں میں آکر جھوٹی جھلی بنتا چاہتا۔“

سلمی داور کو حیرت سے دیکھتی رہی تھی اور پھر خوب خیر بے میں بولی تھی۔ یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو داور کو کئی گلی کا کوئی لفٹا اس قسم کی باتیں کرتا تو مجھے کوئی انخوس نہ ہوتا۔ جرم ایک بڑے کچے شخص ہو، اسکول کالج کی دوسری کتا لوں سے ہٹ کر بڑی تم نے بہت کچھ پڑھا ہے کیا تم اتنی ہی بات ہی نہیں کچھ کر ساری دنیا جھوٹ بولنے لگے تھے تب ہی جھوٹ تو جھوٹ ہی رہے گا۔ بھائی اور لوٹ مار کو کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا شخص جائز نہیں کہہ سکتا۔ بڑت اقدار کی بڑی اہمیت ہے داور نیکی اور شرافت کی ہر دور میں قدر ہوتی ہے۔ یورپ اور امریکا میں ٹوکا دول کو کر پڑ بٹھا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجھے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اپنا یہ بدعاشوں اور تیروں والا خول آتا رہو داور۔ یہ نہیں تنہا کر دے گا۔ تم نہیں سمجھ رہے ہو کہ تم میری راہوں پر چل رہے ہو۔ ان کا اعتقاد جیل کی کال کو ضروری یا بھائی کے لئے ہے۔ ہوتا ہے۔ ان ملاؤں سے لوٹ آؤ اور جی کی کوئی منزل نہیں ہے۔ ”تم انسانی جبلت سے واقف نہیں ہو سکتی“ داور نے سیدھ کے کہا تھا۔ ”انکھیں نہیں معلوم لغس کہا چیز ہے۔ دنیا کی ساری خرابیاں انس کی بڑی منت ہیں۔ یہ باتیں تم اس لیے نہیں جانتیں کہ کتنا عالم کتابی ہے۔ علی زندگی کا انکھیں کئی خاں تجربہ نہیں ہے جبکہ میں نے ہر دور ہی ٹھوکروں میں چالی ہے انسانی زندگی کے میں نے عجیب و غریب نمائش دیکھے ہیں میں نے اپنے اوپر خول نہیں چڑھا رکھا۔ اپنے باطن کا ورہ رکھا ہے میں معلوم ہے بہت سے لوگ اس لیے بڑے نہیں ہوتے کہ انکھیں بڑی کی طرف مائل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ جیسا کہ میں نہیں ہوتے کہ انکھیں چوری کے لیے سازگار ماحول نہیں ملتا۔ حال ہی میں امریکا کے سب سے بڑے اور ترقی یافتہ شہر نیواک میں ایک گھنے کے بے جلی جلی تھی اور بولا شہر جنگل میں لگا تھا۔ ایک گھنے میں بھارے ایڈیل ترقی یافتہ اور مذہب لوگوں نے اپنے چولے آسار پیچھے تھے اور غزلوں اور ادائیں کروا لیں۔ انکھیں لکھنے نے کھٹے کھینے کا موقع فراہم کیا تھا اور یوں ساری اخلاقی اقدار دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ تم اس امر کی بات کر رہی ہو نا جس نے جاپان کے دو شہروں میں ایٹم بم گرنے سے لاکھوں انسانوں کو موت کی ہیند سلا دیا تھا۔ طاقت کا مظاہرہ کے جاپان کو بھتیجا ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

داور اور سلی جب بھی ملے اس قسم کی گفتگو ہوتی تھی۔ سلی بھی ک
برستار تھی۔ داور دیکھ کر دلدادہ تھا اور دونوں دنوں ایک جگہ
کے بہت قریب ہوتے ہوئے بھی بہت دور تھے۔ اسی تفاوت نے
انھیں یکجا نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نظر باقی جنگ سے داور کی
موسی پریشان ہو جاتی تھی۔ جنگ اگر وہ دونوں کو برا بھلا کہنے
لگتی تھیں اور داور دیکھتے سے ان کے گھر سے کھسک لینا تھا۔
سلی کا خیال اُسے ہی داور کا تھا۔ بیچا اور عبدل پر نظریں
مرد کو زبردستی جوڑی کی محبت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ داور کھٹکتے
دیکھ کر وہ چونک کر ادا در لولا۔ راجن تیرے کو بہت یاد کرتا تھا
داور۔ اوپر صراحتاً کالونی میں ایک نیا داردار رکھا گیا ہے اس
نے راجن کا دھڑن تختہ کر دیا تھا۔
داور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے سلی کی تڑکی سے
اٹھ کر عبدل کی کرسی پر ٹھوکر رسید کی اور وہ کرسی ت آٹ روہ
جاگڑا۔ داور نے جھپٹ کر کہا۔ "ہاں تو ادا دھڑی میٹرل جیل میں بند
تھا۔ تو نے باجن کا مدد کیوں نہیں کیا سارے؟ تو کیا امیر لگا تھا؟
عبدل نے سر کو دوڑتے جھٹکے دیئے اور مسکرا کر نرم لہجے میں
بولایا۔ "مگر کامے کو ہوتا ہے یا تیرے کو مالوم ہے کہ ہاں تیرے لڑیر
بیڑی کی کاما لگے ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ تم ہاں کا ساتھ ہوتا ہے تو
ہاں کا اٹھا جسم جیل گزرتا دوڑتے لگتا ہے۔ تم سلا جیل میں لگتا تو
ہاں کا فیور بھی اڑ لگتا تھا۔ وہاں جا آ گیا ہاں۔ تو نے ہاں کو کلاتا ملا
ہے تو ادا راجن کا جسم جیل گزرتا آ رہا ہے۔ جیل یا راتھ اس کیسے گھر
کی تیل مالش کے لیے مرا تھا کالونی چلے ہیں۔"
"ہاں نے اس سالے کا بیڑی ڈاؤن کر دیا ہے؟" داور نے
گردن اٹھا کر کہا۔ "وہ سالہ ایک مٹھہ اٹھ نہیں سکیں گا۔ راجن کا
نقصان ہاں نے ہوا کر لیا ہے کیا؟"
"جینو داور۔ طبیعت کھوش کر دیا تھے؟" عبدل جھومنا
ہوا اٹھا اور دھڑکتے ہوئے تھرتے کی بوتل میرے اٹھا کھا داور کو
تھا دی۔
داور نے حقارت سے تھرتے کی بوتل اٹھا کر ہوا پر دے ماری
اور عبدل خیرت سے پلکیں چپکاتے ہوئے بولا۔ "یہ کیا استناد کرنے
داور پینا چھوڑ دیا ہے؟"
داور نے سو سو کے دس نوٹ جیب سے نکالے اور عبدل
کے منہ پر مار کے بولا۔ "سالہ اٹھندہ ویسی شہزادمت پینا چل لگا
جلی وا کر کی بوتل لے۔ ہاں کو ہر تھرو کلاس چیز سے گرفت ہے
کیا سمجھا۔ کچھ کھانے کا واسطے بھی لے آنا۔ ہاں ایک ضروری کالم

سے جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹہ بعد تمھارے سنگ ڈونک کرے گا۔
کیا سمجھا؟"
"سمجھ گیا استناد مگر تم جلدی آنا۔ جانی داکر کو دیکھ کر ہاں نے
سبز نہیں ہوئیں گا۔ وہاں کالونی روٹ مانو تو ہے کیا۔ عبدل نے
نوٹ بیٹ کر جیب میں تھولتے ہوئے کہا۔
داور نے انہماک سے سر ہلایا اور دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔
جہاں ایک خوبصورت عورت کی الماری میں اس کے کپڑے اور
روز نوشتہ تنگ کی دوسری چیزیں پڑی تھیں۔ اپنے کپڑے وغیرہ
سلامت دیکھ کر داور نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ اس کے
پانچ چھ خوبصورت سوٹ سینگڑوں میں رنگ رہتے۔ عبدل
نے ان پر بلا سنگ لیٹ کر تیری عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔
داور نے ایک گھر سے کلک سا نوٹ نکال لیا جو اس نے دو تین
بار سے زیادہ نہیں پہنا تھا۔ جیل جانے سے پہلے یہ سوٹ داور کے
جسم پر تنگ پڑتا تھا۔ اس سوٹ میں وہ اپنے جسم کو جھپٹا کر
کرنا تھا اور کسی وجہ سے کمر ہاڑنے سے تین چار ماہ پہلے داور
نے اسے پہننا چھوڑ دیا تھا۔ لیبل کی صورتوں نے داور کا وزن کافی
کم کر دیا تھا۔ لیکن اب یہ سوٹ اس کے جسم پر بالکل نوزوں تھا۔ اسی
لنگھا تھا جیسے داور نے کل ہی ملوایا ہو۔ سوٹ پہن کر اس نے خود
کو آئینہ میں دیکھا اور زبردستی مسکراتے ہوئے اپنے بال سنوارنے لگا
ساتھ ہی وہ ایک بڑا ناگیزہ ٹنگنا نا جا رہا تھا۔ ہر طرح سے تیار
کر اس نے ایک ناقدانہ نگاہ کیجئے پر ڈالی اور عبدل کے فلیٹ سے
باہر آ گیا۔
داور نے عبدل کے گھر سے باہر کر ایک میٹھی پکڑی اور سلی کے
گھر پہنچ گیا۔ اس نے میٹھی کھوڑو چھوڑی تھی اور کرایہ دار کے بیل کی
سلی کے گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر اس وقت مسکرا
تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سلی ایک بار پھر اسے آگے ہاتھوں سے لگی ایک
بار پھر اس کے سارے سلی کے درمیان نیکی اور بدی کا فلسفہ شروع ہو
جائے گا۔ لیکن اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سلی
کی باتوں میں اگر کبھی فطرت بدل نہیں سکتا۔ پھر بھی اس رکے سے
ملنے کی خواہش ہوتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اس کی بھولی مجال باہر
سخی جاوے۔ ہر شخص نے دنیا کو بدی لگا ہوں سے دیکھا ہے۔ ہر لکھ
کے تجربے محدود ہوتے ہیں سلی نے ہجاری کو کیا معلوم کہ زندہ رہنے
کے لیے کتنا دل کا مارنا پڑتا ہے۔ اس دنیا میں خوشی جیسا کہ
سے نہیں جینے سے ملتی ہے۔
جب وہ سلی کے گھر پہنچا تو دو دروازے برسرے ہوئے تھے

کو دیکھ کر اس کا منہ بند ہو گیا۔ "وہ تیری کی۔ نہ جلدی نہ لڑکی
کہاں رہتی ہے؟"
وہ بلبلا ہوا عبدل کے فلیٹ واپس آیا۔ یہاں ایک اور
معیشت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عبدل کمرے کے فرش پر اس طرح
بیٹھا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ داوے ہاتھ سے
کچھ میٹھے بھائی داکر کی ایک بوتل اڑھکی ہوئی تھی جس میں
آدھی شراب باقی تھی۔ جبکہ اس بوتل سے کچھ فاصلے پر دو خالی
بوتلیں ایسا حال سنار ہی تھیں جو نے سے قریب پہنچا ہوا تھا۔ اسی
رکھا تھا۔ مرنے کی غالی ہڈیاں جھیں بہت بے دردی سے پھینک دیا گیا
تھا۔ داور یہ دیکھ کر غصہ میں پھر گیا۔ اس نے ایک نوٹ داوالت
عبدل کی کمر پر رسید کر دی۔
"اسے بابا۔ کیا کرتا ہے؟ عبدل مدد ہوئی کے عالم میں پڑ گیا
"میرے کو کالے کو مارنا ہے۔"
داور نے ایکسالت اور برسر کر دی۔ "سالہ تم لوگ کو اچھا حال
بہضم نہیں ہوتا۔ جانی داکر کو دیکھا اور مچ گیا۔ بہت تیری کی؟
وہ عبدل کو میٹھی ٹھوکر رسید کرنے ہی والا تھا کہ اس کی
نگاہ کاغذ کے ایک تختہ پر پڑی۔ یہ کاغذ صوفے کے نیچے فرش پر
گرا ہوا پتھر پڑا رہا تھا۔ داور نے جلدی سے اسے دلچ لیا۔ وہ ایک
خط تھا۔ مینا کا خط۔ داور اس کی تحریر کو بہت اچھی طرح پہچانتا
تھا۔ اس خط میں مینا نے لکھا تھا۔
"پیارے داور!
مجھے معلوم ہے کہ تم واپس آچکے ہو۔ یہ یمن کی بہت
خوشی ہوئی۔ شاید تمھیں یہ بتا دینا ہو کہ میں نے ایک
ماہ آڈی میٹھے سے شادی کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں
غصہ بھی آیا ہو۔ لیکن جب تم مجھ سے ملو گے تو تمھیں ب
پتہ چل جائے گا کہ میں تم سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ لیکن
تم سے ملاقات نہ ہوئی۔ البتہ عبدل مدد ہوئی پڑا ہوا تھا
میں یہ خط لکھ کر جاری ہوں میری کوئی کاہرہ ہے۔
"جینو جی روہا ہاں۔ میں تمھارا انتظار کر رہی ہوں
تمھاری مینا۔"
مینا کا خط پڑھ کر داور نے اپنے منہ سے کھڑے بہت اونچی
آڑی تھی لیکن واپس لیکن وہ مینا سے ناراض نہیں رہ
سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس دھندے میں اس سے بھی لڑکی
کوئی نہیں مل سکتی۔ اس کا ذہن بھی خوب چلتا تھا۔ اسی دو دن کو ہاں
ولایت کی خود اور مرنے جبران رہ جانا۔ سب سے بڑی بات یہ بھی کہ وہ

بہت حوصلے والی لڑکی تھی۔ خوف زدہ ہونا تو اس نے کبھی نہیں
تھا صورت شکل کی ایسی تھی کہ جو ایک بار دیکھ لیتا وہ اس کے
آگے پیچھے ہونے لگتا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوتا کہ داور کی خواہش
ہے تو پھر کوئی بھی اس کے قریب نہیں چلتا تھا۔ مینا کی سب سے
بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ گایاں بے تحاشہ دبا کرتی۔ وہ اس معاملے
میں اتنی منہ پھٹ تھی کہ کسی کا لانا بھی نہیں کرتی مگر داور نے ایک
بار اس سے یہ کہا تھا کہ اگر اس نے داور کے سامنے کبھی گالی دی تو
وہ اس کی زبان پیچھے لے گا۔ اس کے بعد سے وہ داور کے سامنے
اعتیاد کر کے ملتی تھی۔
"جینو جی روہا ایک بڑی کوئی تھی۔ بیٹھی میں عام طور پر
ایکے کھلے ہوئے مکانات بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ یہاں لوگ ایک
دوسرے کے اوپر پیچھے رہنے کے عادی ہیں بلکہ چند بہت تیر کرنے
جالتے ہیں اور کسی کوئی مالے وجود میں آجالتے ہیں۔ ان میں ہر ماہر
اپنے اندر بے شمار زمین زدہ اور مرنے ہوئی جاں ہیں اور کھولیاں رکھنا ہے
اور ہر کھولی میں دو تین بھرا فراڈ کھتے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا
ہے جیسے میٹھی انسانوں کا کہیں بلکہ میرے سکڑوں کا شہر ہے۔ جن
لوگوں کو جاں ہیں اور کھولیاں بھی غیب نہیں ہوتیں۔ وہ بڑے
آرام کے ساتھ قہر پا بخوں پر لیبر کر لیتے ہیں۔ اور فٹ ہاتھ ایسے
معلوم ہوتے ہیں جیسے ان پر شیل لگا ہوا ہو۔
لیکن "جینو جی روہا ایک بڑی کوئی تھی۔ میٹھی کی عمارت
سیلئے کا احاطہ اور سیلئے کے وہ دو نیپالی کو رکھا جو لوہے والے تھے
گت پر پیر سے دے رہے تھے۔ داور نے بڑی لاپرواہی سے گیت کے
اندر جیلنے کی کوشش کی لیکن ان دونوں نے اسے روک لیا۔
"اسے موالی کہہ رہا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ
ہمیں ہے کچھ بھی پڑ۔"
"صاحب نہیں تو کیا ہو اٹھا راہیم صاحب تو ہوئی گا داور
اپنی ایک آنکھ دباتے ہوئے بولا۔ وہ ان دونوں سے پیچھے پھارنے
کے موڈ میں تھا۔
"جینو ہوا دھرے؟" دوسرے نے اسے دھتک دیا۔ "وہ نہایت
پھاڑیوں کا۔"
"اچھا۔" داور نے اپنی قمیض اوپر اٹھا دی۔ "ایسا بولا تو پتہ
پھاڑ۔ دہیٹ۔ ہاں بھی دیکھ لیں گا۔"
وہ دونوں اس کی اس حرکت پر حیران ہو کر رہ گئے۔ پھر انھوں
نے کچھ کہا ناچا لیکن اندر سے کسی کی آواز آئی۔
"اوہا سلام سنگھ بابا بات ہے کیا ہو رہا ہے؟ یہ آواز کسی لڑکی

واوہنے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ ایک لڑکی تھی۔ انیس بیس برس کی۔ بہت خوب صورت۔ اس نے نیلی چٹت اور سبک مینشن پہن رکھی تھی۔ اس کے لانے بال اس کی پشت پر لہرا رہے تھے اس کے ہاتھ میں ایک چابک تھا جسے گھما تی ہوئی وہ گیسٹ کی طرف آئے گی۔

”یہ موالی اندر جا رہا ہے۔“ ایک گورکھے نے داور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس لڑکی کو بتایا۔
”اچھا۔“ وہ لڑکی داور کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ جرسی وچیری سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ”کیا بات ہے؟“ اس نے پوچھا۔ ”کس سے ملنا ہے؟“

”اب تو ایسا لگتا ہے کہ تم ہی سے ملنے آیا ہوں۔“ داور نے ہنسا لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ خوبی بہت طویل مشق کے بعد حاصل کی تھی۔ وہ جب جاتا تھا تبھی کسی کو ایوں کی زبان بولنے لگتا اور جب جاتا اس کا اہر مہذب اور صاف ہو جاتا۔
”تم بڑے مہذب۔“ اس لڑکی نے داور کا جواب سن کر کہا چابک اچانک گھمادیا۔

داور اس موقع کی توقع کر رہا تھا۔ اس لیے وہ چہرے سے ایک طرف ہٹا اور اس نے وہ چابک لڑکی کے ہاتھ سے چھین لیا۔ چابک چھینے ہی وہ لڑکی اور بھی مشتعل ہو گئی۔ اس نے جھڑپ کر ایک موٹی سی گالی داور کی طرف لڑھکا دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے دونوں گورکھاؤں کو اشارہ کیا کہ وہ داور پر ٹوٹ پڑیں۔

داور نے ابھی تک سب کچھ بہت آرام سے برداشت کیا تھا وہ یہاں لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے یہاں آنے کا مقصد کچا در تھا۔ لیکن اب صورت حال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ اگر ان گورکھاؤں کے سامنے پسپائی اختیار کرنا تو وہ دونوں اُسے رگبک کر دیکھ دیتے۔ ان نیپالی گورکھاؤں نے اپنی روایت کے مطابق اپنی کمرے آئے ہوئے جاتو نکال دیے۔ ان چاقوؤں کی ساخت بہت مختلف ہوا کرتی تھی۔ یہ گنگے سے غموار ہوتے آئے اور کہا جاتا تھا کہ گورکھاؤں سے بہتر اس چاقو کا استعمال کوئی نہیں کر سکتا۔

داور جانتا تھا کہ چاقو کا کھیل آسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مشکل بھی ہوتا ہے۔ اس میں آسانی تو یہ ہوتی ہے کہ یہ دورہ کر کے کوئل نہیں کرنا۔ اور مشکل یہ ہوتی ہے کہ اگر لڑکا چوک جائے تو اچھے اچھے سوراخیں چاقو کے گھاؤ سے نہیں نکال سکے۔ اس میں آنکھوں کو بالکل بند کرنا پڑتا ہے۔ پکیں تک نہیں جھپکائی جائیں۔

چاقو بازوں کا فن داور نے استاد گن خان سے حاصل کیا تھا۔ جو رام پور کے سب سے بڑے چاقو باز استاد کے جانتے تھے اور اس وقت استاد حق کا بتایا ہوا فن اس کے کام آ سکتا تھا۔ اگر اس کے مقابلے میں دوسرے لوگ ہوتے تو داور کھاتی ہاتھیں نہیں ہوتی۔ لیکن دونوں چاقو بازی کے فن میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ان کے چاقوؤں کو پکھننے کا انداز ہی بتا رہا تھا۔

وہ دونوں بچے تھے انداز سے قدم بہ قدم داور کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ بڑے دوران الگ چاکر لڑکی ہو گئی تھی۔ داور کو اس لڑکی پر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو چاقوؤں کو دیکھ کر ہی اس کے ہوش اڑ جاتے۔ لیکن یہ بڑے اطمینان کے ساتھ اس تشدد کو دیکھنے کی منتظر تھی جو کچھ ہی دور میں شروع ہونے والا تھا۔

وہ دونوں آگے بڑھتے رہے اور داور نے بنی لگائیں ان پر چما دیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں کی طرف پھیلایے تھے۔ یہ اس کا خاص انداز تھا۔ جس طرح عقاب اپنے پنجوں میں اپنے شکار کو دبا کر دبا کر لیا کرتا ہے۔ وہ اسی طرح اپنے شکار کو گرفت میں کر لیا کرتا تھا۔ دونوں گورکھے اب اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اور ان دونوں نے بیک وقت اس پر حملہ کر دیا لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے سامنے داور کھڑا ہے۔ اس نے فوراً اپنے پاؤں کی ٹھوک سے ڈھیر کی مٹی اڑا دی۔ یہ بہت آسمان حرم تھا۔ اور ایسے موقعوں پر یہ حربہ بہت کام آتا کرتا تھا۔

آؤتی ہوئی مٹی کے بہت سے ذرات ان دونوں کی آنکھ میں جا گئے۔ وہ بوکھلا گئے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے چہرے کی طرف لائے اور اس نے دونوں گورکھاؤں کے چاقو داور کے قبضے میں آگئے۔ اس نے بڑی برق رفتاری سے دونوں کے ہاتھوں سے چاقو اٹک لیے تھے۔

”بہت خوب۔“ وہیل ڈن “وہ لڑکی بے ساختہ تالیاں بجانے لگی۔ ”ونڈ فل۔ کمال کر دیا۔“

داور نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے سر کو خم کر لیا اور دونوں چاقو اس کی جانب اچھال دیے۔ وہ دونوں چاقو اس لڑکی کے ہاتھوں کے پاس جا گئے۔ وہ لڑکی ہلکے کچھ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جبکہ وہ دونوں گورکھا اچھی تک اپنی آنکھیں ملے میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ساتھ ہی ساتھ داور کو دھمکیاں بھی دیتے جا رہے تھے۔

”بے بی۔“ تارند سک طرف سے دوسری کاروائی اور داور نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ مینا کی آواز تھی۔

مینا بڑی تیزی سے گیسٹ کی طرف آئی پھر داور کو دیکھ کر ٹھکڑی ہو گئی۔ ”اے داور۔ تم آئے۔“

”میں تو بہت پیچھے چکا تھا لیکن تم نے اپنے راتے میں دوا ریں کھڑی کر دی ہیں۔“ اس نے دونوں گورکھاؤں اور مٹی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ ہر پتی ہے۔“ مینا نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ شہر کی بیٹی۔“

”یہی تمہاری بیٹی؟“ داور نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہاں ایسا ہی کچھ لو۔“ اندر آ جاؤ۔“

”مٹی۔ یہ کون ہیں۔“ پوچھتی تھی۔

”یہ داور ہے۔“ مینا نے بتایا۔ ”اسا ایک نمبر۔“ اس نے

گالی دینی چاہی لیکن پھر اپنے ہونٹ بچھنے لگے۔

”تمہاری پرانی عادت ابھی تک نہیں گئی کیوں؟“ داور مسکرتے ہوئے بولا۔

”اب یہ عادت کہاں جائے گی۔ تم آؤ اندر تو جاؤ۔“

وہ اُسے مکان کے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ پرتی ان اُن کے ساتھ یہاں نہیں آئی تھی۔ دو کئی اور طرف چلی گئی تھی۔

”چلو بیٹھو تو ابھی۔“ مینا نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ داور کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوئی جا رہی تھی۔

”پہلے تمہارے ٹھاکر تو دیکھ لوں۔“ داور نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ”لیکن نہیں آتا کہ یہ ڈرائنگ روم کی مارواڑی سیٹھ کا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”یہ گداؤں کا قلعہ۔“

داور دل پر ہلکی ہوئی خوبصورت پیکنگ زیر فائوس۔ ”یہ تو منہ آگئے مینا۔“

”کیا مرے؟“ مینا نے منہ نہایا۔ ”میں تو بس یہاں اپنا وقت گزار رہی ہوں۔“

”میں تو بہت غصے میں آیا تھا۔ اس لیے کہ تم نے مجھ سے بے وفائی کی۔ تم نے کہا تھا کہ اگر شادی کی تو مجھ ہی سے کرو گی۔“

پھر تم نے اس سیٹھ سے کہیں شادی کر لی۔“

”تو اور کیا کر تی تم کو جانتے ہی ہو کہ کبھی کیسا شہر ہے۔ یہاں قدم قدم پر بھیرے گھومتے رہتے ہیں۔ جب تک تم میرے ساتھ تھے کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن تمہارے

جیل جانے کے بعد سب کے سب مجھے دیکھ کر مرنے لگے۔ ان میں سے ہر ایک مجھے جھپٹ لینے کی کوشش کرنے لگا۔“

”اچھا۔“ داور غصے سے بل کھانے لگا تھا۔ ”ذرا نام تو بتاؤ کون کون تھا۔؟“

”اب کس کس کا نام بتاؤں۔“ مینا نے کہا۔ ”وہی سب سے زیادہ تنگ کرنے والا بھولا ہے۔“

”کون بھولا۔ بھولا نا تھا؟“ داور نے پوچھا۔

”ہاں وہی۔ وہ کہتا تھا کہ تو مجھ سے شادی کر لے تو پھر زندگی بھر عیش کرے گی۔ اور میں داور کی جیل سے نکلے نہیں دوں گا۔“

جیل ہی میں اس کا کام تمام ہو جائے گا۔“

”پھر تم نے کیا کیا۔؟“ داور نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

”اس کے بدن میں چنگاری سی دوڑنے لگی تھی۔“

”مجھ پر کیا کرنا تھا۔“ میں نے پہلے تو اسے ایک گالی دی پھر اس نے منہ پر ٹھوک دیا۔

”یہ تم نے بہت اچھا کیا۔“ داور خوش ہو گیا تھا۔ ”میں اسی لیے تم پر غرور کرتا ہوں۔“

”پھر آج بھی سنبھل کر کیا لڑی۔“ اس نے مجھے اٹھوایا تھا۔

”کیا کہہ رہی ہو تم۔“ داور نے غصے سے اپنی دونوں ٹھیکان بھینچ لی تھیں۔ ”اس کی یہ جال۔“

”ہاں۔“ دیکھو داور میں کوئی پارا سوت نہیں ہوں۔ میں تو ایسی کئی پتنگ کی طرح ہوں جو نہ جانے کتنے انگنوں میں تری ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اپنی مٹی سے ہوا ہے۔ آج تک کچھ بڑی نے جبر نہیں کیا۔ بس کچھ غرور تھا میرے پاس۔ اس نے عروہ اور کھایا کیا۔ لیکن اس بھولا نا تھا کی اولاد نے مجھ سے عروہ جی چھین لیا۔ جبراً اس نے معذرت کر دیا تھا۔ اس نے۔“

”میں اس سے ٹکڑے کر کے بیٹی کی فٹ پائوں پر بکھر دوں گا۔“ داور نے سناٹا لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ ایسا مت کرنا۔“ مینا جلدی سے بول پڑی۔ ”میری خودی مر جائے تو وہ اپنی ہادی کا تمنا شائے دیکھ سکتا ہے اُسے تو ایسا سبق دو کہ تو نہ مٹی بھر یاد رکھے۔ کوئی ایسی بات ہو اس کے ساتھ کہ پورا شہر لطف لے۔“

”یہ سب ہو گا۔ تم حکومت کرو۔“ داور نے تسلی دی۔

”صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔“ اُسے بتاؤ۔ اُسے کہا ہوا ہے۔“

”دی تو بتا رہی ہوں کہ ایسی حالت میں اس سے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ میں کسی کا ہاتھ بڑاؤں۔ پھر بڑا مارواڑی دھم

داس مجھ سے ٹکرا گیا اور میں نے اُس سے شادی کر لی۔ یہ ایک وقتی شادی ہے۔ تم قدرت کرو تم جب چاہو میں اُسے چھوڑ کر تمہارے پاس آسکتی ہوں۔“

”اوہ تو یہ بات بھی“ داور نے اپنے ہونٹ سیکھڑے کیے اور یہ بڑی کون ہے؟“

گیارہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا ہی نہیں ہے کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اس کی صورت شکل کیسی ہے وہ اپنے کارندوں کو فون کے ذریعے احکامات دیا کرتا ہے۔“

”اور ہو۔ یہ تم کیسی خبر سناہی ہو تمہیں میں آج کل ایسا بھی ہونے لگا ہے۔“

”تمہیں کیا معلوم، تم جو جیل میں تھے اُس رستہ اپنی ایک تنظیم بنائی ہے جس کا نام بھوانی بندھن ہے۔“

”پھر وہ رستم بندہ ہوا یہ کیوں؟“ گانام تمہاری لوگ استعمال کیا کرتے ہو؟“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ جو اس تنظیم میں ہندو مسلمان، سکھ عیسائی سبھی شامل ہیں۔“ مینا نے بتایا۔ ”تم تو جانتے ہی ہو کہ بھوانی دیوی کس بات کی علامت ہے۔ خیر تو اس کی یہ تنظیم آج کل بہت زوروں پر جا رہی ہے۔ اس تنظیم نے شہر بھر کے بہت سے داواؤں اور وسطی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔“

”یہ سب کچھ تو میں گھبرا گیا لیکن اس سے تمہارا کیا تعلق؟“

”میں بتا تو رہی ہوں تم کو شروع ہی سے یہ بات جلدی معلوم کر لینے کے چڑھیں رہتے ہو پہلے یہ بتاؤ چائے ٹھنڈا پو گئے یا کچھ اور منگوادوں۔“

”اچھی کچھ نہیں۔ کالم کے وقت کام کی بات۔“ داور نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔ ”تم مجھے پہلے ساری باتیں بتاؤ۔“

”میرا بچہ دھرم داس اس کے ہاتھوں ذلت اٹھایا ہے۔“

مینا نے بتایا۔ ”ایک بار رستم نے فون کر کے دھرم داس سے دس لاکھ روپوں کا مطالبہ کیا اور وہ دی کر اگر اس نے دقت پر ادائیگی نہیں کی تو بیچ مانتے ہیں اس کی بے عزتی کر دی جائے گی اور اُس کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ دھرم داس کو اس وقت تک یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ رستم ہے کون اور اس کے وسائل اور اختیارات کتنے ہیں اُس نے دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار کو لایے کہ قریب قریب لوگوں نے دن دہائے دھرم داس کی گاڑی روک دی اُسے گاڑی سے کھینچا گیا اور اُس کے جسم کے سارے کپڑے اُتار دیے گئے۔ اب تم خودی سوچو کہ بیچ سڑک پر اگر اسی کوئی بات ہو جائے تو کتنی بے عزتی ہوتی ہے۔ دھرم داس کا یہ حال دیکھنے کے لیے سکاڑوں آدمی جٹ ہو گئے۔ اور وہ بے چارہ ان کے درمیان بغیر ہڈیوں کے پڑا تھا۔ اُس کا یہ حال کرنے کے بعد رستم کے غمڈے دابھ چلے گئے۔ بس وودن ہے اور آج کا دن کہ بے چارہ دھرم داس کچھ دینی طور پر

ہے یا نہیں؟“

”کیوں نہیں کرنا۔ اور اسی کام کے سلسلے میں تمہارے پاس بھی کئی بھی جہاں عبدال شراب پئے مدبوش پڑا ہوا ملا تھا۔“

”ہاں وہ کچھ زیادہ ہی چڑھا گیا تھا۔“ داور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ اپنے نوٹے سے چپکا رہا ہے زہی ہو۔“

”ابھی نہیں؟“ مینا دھیرے سے بولی۔ ”ابھی اُس کا ایک مرض ہے چھ پر میں اُس قرض کو تارنے کے بعد تمہارے پاس آؤں گی۔“

”کیسا قرض؟“ داور نے جہت سے پوچھا۔ ”صاف صاف بات کرو۔“

”دیکھو داور۔ تمہارے بھی رستم کا نام سنا ہے۔“

”رستم؟“ داور کی پیشانی پر یکیزوں پرکڑیں۔ وہ رستم کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ پھر اچانک اُسے یاد آگیا۔ ”ہاں سنا ہے وہی رستم تو نہیں جو ایک بار اٹلنگٹک میں پڑا گیا تھا جس کا ایک بکری جہاز بھی تھا۔“

”نہیں۔ یہ وہ رستم نہیں ہے۔ یہ رستم آج تک نہیں پڑا

ماؤں سا ہو گیا ہے۔ وہ دھرم داس کے سامنے آنے سے شرم محسوس کرتا ہے۔ جنم اس کی حالت کچھ رہے ہو گئے۔ اُس نے کاروباری طرف بھی دھیان دینا ختم کر دیا ہے۔“

”میں کچھ باہر ہوں۔ تمہارے نوٹے داور آدمی کے ساتھ بہت برا سلوک ہوا ہے۔ تو اب تم یہ چاہتی ہو کہ رستم سے بدلہ لیا جائے یہی قرض ہے تمہارا۔“

”ہاں یہی قرض ہے۔“ مینا نے گردن ہلا دی۔ ”اور اس میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔“

”ارے بابا۔ ہم پہلے ہی تو ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ اگر تم کو اس رستم کی آہٹیں نکال لاؤں۔“

”یہ معاملہ اتنا آسان نہیں جتنا تم کچھ رہے ہو۔“ مینا نے کہا۔ ”یہ رستم کوئی معمولی غنڈہ نہیں ہے جس کے بیٹے میں تم چاؤ آتا رہو گئے۔ یہ ایک ایسا آدمی ہے جسے اس تک دیکھا نہیں گیا صرف فون پر باتیں کیا کرتا ہے۔ اگر تم اس کی کھوج میں رہے تو اس میں برسوں لگ جائیں گے۔ اس لیے یہ سب چھوڑ دو۔“

”جیندی سے میری بات سنو۔“

”تو پھر بتاؤ نا میں اس کے لیے کیا کروں۔“

”میں خود بھوانی بندھ میں شامل ہو گئی ہوں۔“ مینا نے بتایا۔

”کیا کہا۔“ داور نے جہت سے اُس کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا دماغ تو خراب نہیں تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔“

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں میں اس رستم کا کھوج لگانے اور اُس سے بدلہ لینے کے لیے اس کے گرد میں شامل ہوئی ہوں۔ دھرم داس والے واقعے کے دوسرے دن میرے پاس رستم کا فون آیا تھا۔ وہ میرے ماضی سے واقف ہے اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے گرد میں شامل ہو جاؤں گی کہ میں اُس کے گرد میں چھ مہینے لڑی نہیں ہے اور میں اس کے لیے بہت کام آسکتی ہوں۔ اس نے دھرم داس کی بے عزتی کا بھی حوالہ دیا اس نے کہا کہ اُسے دھرم داس سے روپے نہیں لینے۔ یہ حرکت اس نے صرف اس لیے کی کہ تمہاری احساس ہو جائے کہ رستم کے ہاتھ پر کچھ اور شہنشاہ تک بیٹھ سکتے ہیں۔ رستم نے مجھے سوچنے کے لیے ایک دن کا وقت دیا تھا۔“

”پھر تم نے اپنے نوٹے سے مشورہ لیا ہوگا۔“ داور بول پڑا۔

”اور اس نے کہا ہوگا کہ جھگڑا کر کے لیے اُس کی بات مان لو۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”ہاں یہی ہوا تھا۔ جب میں نے دھرم داس سے بات کی تو اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ وہ بے چارہ خوف سے لرزنے لگا۔ اُس نے یہی کہا کہ اپنی اور اُس کی جان کی خاطر میں رستم کی بات مان لوں ورنہ وہ مجھ کو نہیں چھوڑے گا۔“

”بزدل۔“ داور نے غصے سے قالین پر ہتھک دیا۔ ”وہ جانے تمہارے کیسے آدمی سے شادی کر لی۔“

”وہ بے چارہ چاہے۔“ لیکن اُس نے مجھے اتنی عزت دی ہے کہ میں ایسا بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تم ہی بتاؤ مجھ جیسی لڑکی کو کوئی اپنے گھر میں ٹھہر سکتا تھا لیکن یہ کارنامہ صرف دھرم داس نے انجام دیا ہے۔ اور یہی قرض میرے سر رہے ہیں اسے اتار لوں تو پھر میں آزاد ہو جاؤں گی کچھ مہینے لڑی بھی تو بھی کبھی کسی کی احسان مند ہو جائی ہے۔ تو خیر میں اس تنظیم میں شامل ہو گئی اور رستم مجھ سے کام لینے لگا۔ یہ کام بہت لمبی ہو کر رہے ہیں۔ مثلاً فلاں کو فلاں پیٹنا پڑی اور فلاں کو فلاں چیز دے آؤ میں نے رستم سے کسی حکم کو رو نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ رستم رستم میں اُس کے قریب ہوئی چلی گئی۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے اُسے دیکھ لیا ہے؟“ داور نے جلدی سے پوچھا۔

”میں۔“ ایسی کئی بات نہیں ہوئی لیکن اُس کے لیے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس حرام میرا مطلب ہے کہ وہ غیبت مجھ پر بھروسہ کرنے لگا ہے۔ اور میں اس کو کشش میں ہوں کہ اُس کے اور قریب ہو جاؤں تاکہ اُس سے دھرم داس کا انتقام لیا جاسکے۔“

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔“ داور نے اپنے ہونٹ کھینچے۔

”جب ایک بندہ سامنے ہے یہی نہیں تو تم اُس سے بدلہ کس طرح لو گی۔“

”نہی تو سوچ رہی ہوں۔“ مینا نے ایک گہری سانس لی۔

”تمہیں میں نے ہی بے بلا کہا کہ تم کوئی نہ کوئی بڑے سوچا بس ایک بار اُس کا دھرم تختہ ہو جائے۔ پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد مجھے دھرم داس کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ میں اُسے بول جاؤں گی کہ میں اُسے چھوڑ رہی ہوں۔“

”تم ایسا کرو مجھے اپنے شوہر سے ملو اور۔“ داور نے کہا۔ ”دیکھو تو یہی کہ وہ ٹوٹا گیا آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے رستم کا کوئی پتہ چل جائے۔“

”وہی بھی ادھر ادھر سے میں اُس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ اچھا میں اب چلتا ہوں اور ہاں اس برقی کو تو بٹاؤ۔“

”کوئی بددعا شی ہے۔“ مینا نے جھٹک کر کہا۔ ”تم جاؤ یہاں سے شام کو آ جانا۔ دھرم داس بھی واپس آ جانے کا“

گیٹ پر موجود دو لوگ گھڑوں کے تکیوں پر کودنے لگے۔ دادر مسکرا دیا۔ اس کی طرف دیکھا۔ پھر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ دادر مسکرا دیا۔ اگر اس کے پاس وقت ہوتا تو وہ ان دونوں سے اور بھی چھڑ چھاؤ کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اسے سب سے پہلے بھولنا تھا۔ یہ تمنا تھا جس نے مینا کی عرق کی تھی۔ اس کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی کہ کوئی اس کی محبوبہ پر زبردستی ہاتھ ڈال دے۔ مینا ایسی لڑکی تو نہیں تھی جس کے لیے جھکنا اکر کیا جا سکتا۔ لیکن سارا معاملہ اس کی اپنی رضامندی کا تھا۔

بھولنا تھا کہ اسے پاس جانے سے پہلے دادر عیدل سے فلیٹ میں واپس آ گیا۔ اس وقت تک اس کی مدد بوشی ختم ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک فرش پر بڑا ہوا تھا۔ دادر کو دیکھ کر اس نے اپنی پلکیں چپکا کر ناشرع کر دیں جیسے اُسے پہچانے کی کوشش کر رہا ہو پھر وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔

”ماں کسم استاد۔ ابن کو تیر ہی نہیں جلا کر اپن کس طرح انٹرا غیل ہو گیا۔ اس سالی تو بول سے دوچار گھوٹ ہی لیا تھا۔“ ”اس تو کچھ کچھ مت بھڑاؤ۔“ دادر غصے سے بولا۔ ”تم سالابو ہوش میں نہیں تھا۔ ابھر ہم باہر گیا اور دھرم داروئی کر لیا۔ ہو گیا۔ تم لکھنا کاسا تھو نہیں چل سکتا۔ اپن تیرے کوئی ٹھوکر بھی مارا۔ پر تم سالامر گھٹلا تھا۔ اگر کوئی تیرے کو چاؤ بھی مار دیتا تو سالابو اس طرح سو بار بتاتا۔“

”نہیں دادر بھائی کتنی ہوئی۔“ عیدل کوشش کر رہے تھے ابھی برو گیا تھا۔ سالابو جانی دار بھی بالکل چھو کر کی کاما فک ہے ایک بار باہر تھا۔ آواز نہ دے چھڑنا چلا گیا۔ ابن اب تو یہ کہتا ہے۔ ”اچھا اچھا یوم مت چاؤ۔“ دادر نے کہا۔ ”ابن کو یہ بناؤ ایدھر کوئی ڈاکٹر ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس عین ملا کوئی ڈاکٹر ہے۔“ تو کاما فک اپن کا مسئلہ یاد کیٹتا ہے۔ ”سے!“ ”سے کیوں نہیں۔ دودو ڈاکٹر ہے۔“ عیدل نے بتایا۔ ”پر دادر بھائی یہ ڈاکٹر لوگ کو کیا کرنے کا ہے۔ کس کا طبیعت کھراب ہے۔“

”ہرا۔“ دادر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ”اب تم ایدھر سے اپنے سفل گم کرو اور کسی ڈاکٹر کو پکڑ لاؤ۔ اس کا بلیک بوکس سامنے لا کے کیا۔“

”استاد خان جنہیں ہونے کا تیرا مچ تو نہیں بھر گھٹلا۔“

”تم سالابو چاٹ کھاؤں گا۔“

”بھئی۔“ عیدل نے اپنی گردن ہلائی اور جلدی سے باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد دادر کمرے میں ٹہنے لگا۔ پورے کمرے میں شراب اور کھانے کی ڈھیلی بولی تھی۔ ہر طرف تو سگریٹوں کے ٹوٹے پڑے ہوئے تھے اور کمرے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ عیدل کی زندگی اس طرح گذر رہی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے بالکل اس کی عمر جو لوگ زندگی کی پہلی دہائیوں سے جھٹک کر سیاہ راستوں پر چلے جاتے ہیں۔ ان کے تمام رشتے اس طرح ختم ہو جاتے ہیں جیسے کوئی جہاز اچانک زن دے سے اوپر اٹھ جائے۔ زمین سے ان لوگوں کا پھر کوئی ناظم نہیں رہتا۔ ان کی دنیا ان کے اپنے اندر ہوتی ہے۔ ان کا ساتھ کوئی بھی نہیں دیا کرتا۔ ان کا معاشرہ بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ دادر بھی ایسی دنیا کا تنہا انسان تھا اور عیدل بھی۔ اور ان کی طرح دنیا بھی تھی اور مینا کی طرح دھرم لڑکیاں بھی۔ ہوں گی۔ اور دادر اور عیدل کی طرح دوسرے بھی تھے۔ یہ سب ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے اور وہ برادری تھی جرائم پیشہ افراد کی۔ پس ان کی شناخت بھی ہو تھی۔ اس کے علاوہ ان کے کوئی رشتے نہیں تھے۔ کوئی دھرم نہیں تھا۔ کوئی مذہب نہیں تھا۔

”اچھا آ جاؤ ڈاکٹر صاحب۔“ عیدل کی آواز سنائی دی اور وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک مونساسا ڈاکٹر بھی تھا جس نے سفید قمیض اور بلی جینوں پہن رکھی تھی۔ وہ صورت ہی سے کامیاب آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ”اچھا عیدل نے پھر کہا۔ یہ ابن کی فلیٹ ہے۔ آؤ۔“ ڈاکٹر جھنجھٹا ہوا کمرے کے وسط تک آ گیا۔ عیدل نے دادر کے اشارے پر دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دادر نے ایک ڈاکٹر کو بلوایا ہے۔

”مریض کہاں ہے؟“ ڈاکٹر نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

”ڈاکٹر صاحب۔ کیا میں مریض دکھائی نہیں دے رہا؟“ دادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم؟“ ڈاکٹر کی جینوں تن گئیں۔ ”نہا ہوا ہے نہیں؟“ ”ہر دیکھیں ڈاکٹر صاحب۔“ دادر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ”بخش دیکھ لیں میری۔“

ڈاکٹر اپنا بیگ مین پر رکھ کر دادر کی طرف بڑھا۔ دادر

نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مائی طرف کھینچ لیا۔ ڈاکٹر بیگ میں آگے آیا اور دادر نے ایک سینا تار ہاتھ اس کی پٹی پر جڑ دیا۔ یہ صرف ایک لمبے کی ضرب تھی۔ بہت لمبی۔ لیکن اس ضرب نے ڈاکٹر کو بے ہوش کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ فرش پر گرنا داور نے اُسے سنبھال لیا تھا۔ اُس نے بڑی آہستگی سے فرش پر رلنا دیا۔ عیدل بڑی جیتی جیتی آنکھوں سے یہ کاروائی دیکھ رہا تھا۔

”ماں کسم۔ دادر بھائی۔ یہ کیا کر رہے۔ یہ بے چارہ تو بوش ہو گیا۔“ عیدل بھی جیسا تھا سمجھو کر سیدھی سا دیر پر آ گیا۔ ”ہاں۔ ادب۔ تم اس فلیٹ میں رہنا۔ دادر کو سب سے گولا میں ایک گھٹنے میں واپس آتا ہوں۔ اور مونساسا ڈاکٹر کو جانے کی اجازت مت دینا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہارا پیچھا کر دوں گا۔ کسی کو یہ نہ چلے کہ ڈاکٹر یہاں ہے کچھ گئے۔“

”بھئی کیا استاد۔“ عیدل کی جھڑپ لگی۔ ”تک دوڑ نہیں ہونی تھی۔“

دادر نے اپنا سوٹ اتار دیا اور بلی کی ایک قمیض اور اینٹ پہن لی۔ پھر اس نے عیدل اور بے ہوش ہوئے ڈاکٹر پر ایک نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اب اس کا رخ بھولنا تھا کہ جو خانے کی طرف تھا۔

بھئی میں داداؤں اور غزنوؤں نے الگ الگ علاقے میں اپنی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک علاقے کا غزنو دوسرے علاقے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایک طرح کی سلطنت تھی ان لوگوں نے بھی شہر کے نقشے میں اپنی اپنی ٹیپوں کھینچ رکھی تھیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا۔ سب اپنے اصول تھے۔ اپنے کارندے تھے۔

بھولنا تھا کہ دادر کے علاقے میں اپنا حوالے چلا تھا۔ اس کا یہ جواخان آؤ کی آؤ کی عمارتوں کے عقب میں واقع تھا اور سامنے ایک بڑا سا ہوٹل تھا۔ سن شائن ہوٹل۔ اس ہوٹل کی پشت پر جواخان آباد تھا۔ تاؤ اوقت لوگوں کو یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہاں ہوٹل کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور اسے ہوٹل کے گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ دراصل بھولنا تھا کہ جواخان تھا۔ جس کے دور استے تھے۔ پہلا راستہ سن شائن ہوٹل سے ہو کر جاتا تھا۔ جو اکیلے والوں کے لیے تھا۔ جگہ دوسرے راستے کاظم خاص خاص لوگوں کو تھا۔ یہ بھولنا تھا کہ کارندے ہوا کرتے تھے۔

دادر دوسرے راستے سے جواخان کے دروازے پر پہنچ

گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ہراسا لینا تھا جیسے وہ کسی دھوکے میں آیا ہو۔ دروازے پر ایک لائے تڑکے صحت مند سے آدمی نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ اس نے آدھی آستینوں والی بنیان پہن رکھی تھی۔ جن سے اس کے سر کی ہانڈ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ شاید دادر کو نہیں جانتا تھا۔ ”کیا بات ہے؟“ اس نے درشت لہجے میں پوچھا۔ ”کہاں جا رہے ہو تم؟“

”بھئی مجھے بھولا نا تھا۔ سے ملنا ہے۔“ دادر نے نرم لہجے میں کہا۔ ”میں اس سے ملنے کے لیے بہت دور سے آیا ہوں۔“ ”ادھر کو؟“ بھولنا تھا کہ نہیں ہے۔ وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ ”مجموعہ میں ادھر آؤ۔ چلی ٹو سانسے سے۔“

”الہامت کرو بھائی۔“ دادر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”جانتا ہوں کہ بھولنا تھا اندر ہے۔ میں اس کے گاؤں سے آیا ہوں۔ اس کی ماں مری ہے۔“

دادر نے یہ بات پس پس کی کہ وہی تھی۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ آدمی تیزی سے مڑا اور دادر کو اپنے ساتھ آگے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ اندر آتے ہوئے دادر کی آنکھیں اس طرح جھک رہی تھیں جیسے اس جیتنے کی آنکھیں جو اپنے شکار کو سامنے دیکھ رہا ہو۔ اندر ایک گہری تھی۔ جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس گہری میں غمناکی تھی اور سامنے کی طرف ایک دروازہ تھا۔ وہ آدمی اس دروازے کو دھکا دے کر اندر چلا گیا۔ اس نے دادر کو اشارہ کر دیا تھا کہ وہ باہر ہی اس کا انتظار کرے۔ بدادو وہیں دروازے کے پاس کھڑا رہ گیا تھا۔

دادر نے اس قسم کی کوئی حرکت پہلی بار کی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی خوفناک برویش فطرت کو قابو میں کرنے میں کامیاب ہو سکے گا یا نہیں۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے ابھی تک بہت جھٹکا کا مظاہرہ کیا تھا۔ ورنہ اس کے لیے دروازے پر کھڑے ہونے آدمی کو راستے سے ہٹا کر لگا جانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ اس نے یہ کھیل بان بوجھ کر اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شروع کیا تھا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور کئی آدمی باہر لگے۔ وہ سب کے سب چھوٹے چھوٹے آتش ہفتیوں سے مسلح تھے۔ اور ان کا رخ دادر کی طرف تھا۔ دادر اس وقت بھی بہت سکون کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ جیسے ان آدمیوں نے ہاتھوں میں کھلے ہاتھ اٹھا رکھے ہوں۔ دادر کے لیے یہ سب نے جبر سے تھے

ایسا لگتا تھا جیسے بھولانا تھوڑے ایسے اور دگر دھڑلے لوگوں کو رکھ چھوڑا ہو۔ ویسے بھی وہ ایسا آدمی تھا جو زیادہ دیر تک کسی ہر اعمادہ نہیں کیا کرتا تھا۔

”کون ہو تم؟“ ان میں سے ایک نے سوال کیا یہ کیا نام ہے تمہارا۔“

”اپنے پاس سے مجھ کو وہ خود اگر گئے سے سوالات کرے“
 داور نے کہا۔ اس نے تم لوگوں کو متوجہ کرنا چاہا نہیں کیا۔
 ”ابھی تم خود پاس کے پاس جانے والے ہو، وہی آدمی اپنا ہسٹول والا ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ چواندر! اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

داور یہی جا رہا تھا۔ اس نے بڑے مطمئن انداز میں ان لوگوں کو دیکھا اور سیٹی بجاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔
 سامنے ایک بڑی سی میز تھی۔ اور اس میز کے عقب میں ایک کرسی تھی جس پر بھولانا بیٹھا تھا۔ آدھی داور کو باہر سے لے کر آیا تھا وہ ایک طرف کھڑا ہوا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرے جا رہا تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اس کے بدن سے ہلکا خون پھوڑ لیا گیا ہو۔

داور کو دیکھتے ہی بھولانا تھوڑے کچھ گنٹ سال کا وہاں بڑی طرح کرسی سے اچھلا کر گرتے گرتے پڑا تھا۔ اس پر جیسے سکت طاری ہو گیا تھا۔ اس آدمی کی طرح وہ بھی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ لیکن اس کے خوف کی یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔ اس نے بہت جلدی خود ”تو پوچھا تھا۔“

”داور۔ تم وہ پھنکار رہی ہو؟“ آواز میں بولا۔ تم یہاں کیا کرنے کے لئے آئے ہو۔“

”نہیں۔“ داور نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ میں نہ ملنے کے لئے آیا ہوں اور نہ کسی کو مارنا چاہتا ہوں۔“

”پھر یہاں کیوں آئے ہو؟“ بھولانا تھوڑی حیرت جڑتی جا رہی تھی۔ کیا کہہ رہے ہو۔“

”اچھا۔ تم جانتے ہو؟“ بھولانا تھوڑی حیرت جڑتی جا رہی تھی۔ کیا کہہ رہے ہو۔“

داور نے سوال کیا۔
 ”تبدیلی“ بھولانا تھوڑی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہاں۔ تبدیلی تو ہے۔ تم تو بہت طوفانی ہو اگتے تھے۔ تم آتے آتے اس سے تو کبھی نہیں آئے۔ لیکن اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا یہ کوئی چل

تھیں ہے؟“
 ”دیکھو بھولانا تھوڑے داور تلخ لہجے میں بولا۔ تم بھی طرح

ہو کہ میں چال چلنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں تو کچھ بھی کرتا ہوں۔ بولا کرتا ہوں۔ پھر تھے چال بازی کرنے کی کیا ضرورت۔ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں اگر چاہوں تو تمہارے اس سوا خاٹے کو نہیں ہنس ہنس کے یہاں سے جاسکتا ہوں۔ کیا تمہارے کسی آدمی میں اتنی ہمت ہے کہ مجھے روک سکے۔ بتاؤ کیا ایسا کوئی مافی کا لال ہے؟“

”مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ بھولانا تھوڑے ا پتا نہ چھٹکا۔“
 کیسے ہو سکتا ہے۔ نہیں داور۔ تم کوئی اور پتہ چلانے والے ہو۔
 ”کیوں ایسی بات کر رہے ہو بھولانا تھوڑے داور غصے سے بولا۔ کیا مجھے کوئی پتہ چلانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر تم ایسا ہی سمجھتے ہو تو میں واپس جا رہا ہوں۔“

وہ دروازے کی طرف مڑا اور پڑے، ہی اس نے اپنے ہر دوں کے پاس آنکھیں ماری، ہونٹوں کی طرف اچھل دی جو دروازہ روک کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ حرکت اتنی اچانک ہوئی تھی کہ وہ اس کرسی کو سمجھنا نہیں سکے تھے۔ اور وہ کرسی ان سے اچھڑ کر فرش پر گر پڑی۔ ان میں سے ایک نے داور کی طرف ایک گولی بھی جھونک ماری تھی، لیکن دارو اتنی دیر میں جست لگا کر بھولانا تھوڑے کے سین عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے بول کھلائے۔
 ”بھولانا تھوڑے کی گردن پر اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ بھولانا تھوڑے کی آنکھیں باہر نکل آئیں جیسا کہ اس کے آدمی ہکا بکا سے کھٹے رہ گئے تھے۔“

”اب اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اپنے اسلئے فرش پر ڈال دیں۔“ داور نے پھنکاری ہوئی آواز میں حکم دیا۔
 گردن ٹوٹ جائے گی۔“

بھولانا تھوڑے بڑی مشکل سے پھنکی پھنکی آواز میں اپنے آدمیوں کو اسلئے پھینک دینے کی ہدایت کی۔ وہ لوگ کچھ دیر تک ابھی ابھی لگا ہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتے رہے پھر باری باری اپنے اسلئے فرش پر ڈال دیئے۔ داور کی ہدایت پر وہ سب کے سب دھلوارے جا گئے تھے۔ اس کے بعد داور نے بڑے اطمینان سے بھولانا تھوڑے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا ہسٹول نکال لیا۔ اب بھولانا تھوڑے کی طرح اس کے بس میں آتا تھا۔ داور نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہسٹول بھی اس کی کپڑی پر رکھ دیا تھا۔

”ہاں۔ اب تم بھولانا تھوڑے وہ مکرانے ہوئے بولا۔ میں تمہیں ہندو کی طرح بچا سکتا ہوں یا نہیں۔“

بھولانا تھوڑے اس پر ایک قہر کو لڑکا ڈال کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ نہ جانے کیا کر رہا تھا۔
 ”لیکن میں یہ سب نہیں کروں گا۔“ داور نے اپنا بوجھ بدل لیا۔ میں جب تم سے کہہ رہا تھا کہ میں یہاں کسی بڑی ہمت سے نہیں آیا ہوں تو پھر نہیں مجھ پر مجھو کہہ کر لینا چاہیے تھا۔ تم خود ہی اندازہ کر لو کہ میں اگر چاہوں تو کیا نہیں کر سکتا ہوں۔“
 بھولانا تھوڑے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ داور نے اسے اپنے بس میں کر لیا تھا۔
 ”اور اب میں تمہیں یہ ہسٹول واپس کر رہا ہوں۔“ داور نے ہسٹول میز پر رکھ دیا تھا۔

بھولانا تھوڑے جھپٹ کر ہسٹول اٹھا لیا۔ وہ اب بری طرح اچھڑ گیا تھا۔ ہسٹول اس کے ہاتھ میں تھا لیکن اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار تھوک نکل کر رہا تھا۔
 ”بھولانا تھوڑے سے الگ ہوئے ہوئے دیکھ کر اس کے آدھوں نے بھی بڑی پھرتی کے ساتھ فرش پر پڑے ہوئے۔ بھولانا تھوڑے اب ایک بار پھر ان بھتیجیوں کے رخ داور کی طرف ہو گئے تھے جس کے اطمینان میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔“

”یہ سب کیا چکر ہے داور۔ بھولانا تھوڑے بول پھرا۔ تم نے تو مجھے پاگل کر دیا ہے۔ تم یہاں کیوں آئے ہو، کیا چاہتے ہو۔“

”پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں مجھ پر یقین ہوا ہے یا نہیں۔“ داور نے کہا۔ اگر یقین نہیں ہے تو پھر تمہارا وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔“

بھولانا تھوڑے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ داور پر یقین کرے یا نہ کرے۔

ڈاکٹر نے کسم کسم آنکھیں کھول دیں۔ وہ اندازے سے پہلے ہوش میں آ گیا تھا۔

عہد اسے ہوش میں آتے دیکھ کر اس کی طرف جھپٹ پڑا۔ پھر اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے جو فہرہ معلوم ہو رہا تھا اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے ہلکے ہلکے ہاتھوں نے اس کے ہاتھوں میں فرش ہڈیوں پر کھڑے ہوئے کی کوشش کی لیکن عہد جلدی سے بولا۔
 ”بس بس۔ ڈاکٹر صاحب۔ تیرے کو لیٹا رہنے میں کیا راز ہے۔ بس لیٹے رہو۔ اور کھڑے ہونے کی بات مت کرو۔“
 ڈاکٹر خوف سے ہم کھڑا ہوا گیا تھا۔ اس نے بڑی بے

سے عہد کی طرف دیکھا اور بھڑائی آواز میں بولا۔ کون ہو تم لوگ۔“ کیوں بے ہوش کیا تھا مجھے۔“

”اس کا جواب تو استاد ہی دیں گا۔“ عہد نے کہا۔ اپن کو تو بس اتنا معلوم ہے کہ تیرے کو داور سے جانے نہیں دیتا چاہے رات ہی ہو جائے۔“

”میں بولیں گے پاس جاؤں گا۔ تم لوگوں نے مجھے قید کر لیا ہے۔ میں بولیں گے کسب کچھ بتا دوں گا۔“

”ارے بابا۔ جب تم داور سے چھوٹے کا بٹ تو بولیں گے پاس جاؤں گا۔ نکال آئی ابھی سے کیا نظر اذات ہے۔ بس لیٹنا رہو۔ جب چاہو۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک کمانی دار چاقو نکال لیا۔ چاقو کھول کر وہ اسے ڈاکٹر کی آنکھوں کے سامنے لہرائے لگا تھا۔ کھلے ہوئے چاقو کو دیکھ کر ڈاکٹر کی حالت اور خیر ہوئی۔ عہد کی فلی ون کی طرح ہنسنے لگا تھا۔ ڈاکٹر کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کا بی چاہ رہا تھا کہ جانی ڈاکٹر کی کم از کم ایک ہسٹول واپس جانے تاکہ وہ اس منظر کا پورا پورا لطف حاصل کر سکے۔ اسے یہ سب بہت اچھا لگا رہا تھا۔ داور کے جانے کے بعد اس کی زندگی اس حد تک بے زار بن گئی تھی کہ ایک جگہ بڑے بڑے رنگ لگے لگے لگا تھا۔ نہ کوئی ہنگامہ نہ کوئی طوفان، نہ کوئی جھگڑا۔ کچھ بھی نہیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنی ساری صلاحیتیں کھوٹ جا رہا ہے۔ لیکن داور کے آتے ہی زندگی میں پہلی شروعت ہو گئی تھی۔ داور اپنی جگہ خواب طوفان تھا۔ اس نے جیل سے رہا ہونے ہی عہد کی رگوں میں خون کا دریا دوڑا دیا تھا۔

داور نے ہر ہونے والی دنگ نے عہد کو چن کر دیا۔ وہ صوفے سے اٹھا اور جلدی سے ڈاکٹر کے پاس آ گیا۔ دیکھو ڈاکٹر کوئی شوری نہیں کرنے کا کیا۔ اگر شوری تو اسی فلیٹ میں کھلاس کر دیں گا۔ تیرے کو بچانے والا بھی کوئی نہیں آئے گا۔ کچھ۔“

ڈاکٹر نے سب سے ہونے انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔ عہد نے چاقو بند کر کے اپنی جیب میں ڈالا اور اسے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر ایک بولچہ عورت کھڑی ہوئی تھی جس نے اپنے ہاتھ میں ایک پتیلی اٹھا رکھی تھی۔ عہد نے دروازہ کھولنے میں احتیاط یہ بھی کر لی کہ وہ دروازہ صرف اس حد تک کھولا تھا کہ اندر کے حالات معلوم ہو سکیں۔ خود کو اس نے کھلے ہوئے دروازے کے درمیان میں رکھا تھا۔

”کس سے ملنے کا ہے ادنیٰ؟“ عہد نے سوال کیا۔ پھر داور

فحشہ ڈاکٹر تولوی سے ملنا ہے۔ عورت نے کہا میں نے

ان کو ادھر ہی آتے دیکھا ہے۔

عبدل ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ حالانکہ اس نے ڈاکٹر کو یہاں تک لانے میں بہت احتیاد برتی تھی۔ پھر بھی اس بوڑھی عورت نے اسے دیکھا کیا تھا۔

”ادھر لیٹ گیا ہے۔ عبدل عورت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ڈاکٹر تولوی کا ایڈھر کیا کام۔ جاؤ ادھر سے۔ دھتھرے کو اپنا دکان پر ملیں گا۔“

”اسے جھوٹ مت بول۔ عورت بگڑی ہوئی۔ میں اب اتنی بوڑھی بھی نہیں ہوں کہ ڈاکٹر تولوی کو نہ پہچان سکوں۔ میں نے اسے خود تیرے فلیٹ میں آتے دیکھا ہے۔ میں تیرے بازو والے فلیٹ میں رہتی ہوں۔ بتا کہاں ہے وہ۔“ فحشہ اس سے بہت ضروری ملنا ہے۔ کل رات سے نیند نہیں آئی۔ سر میں درد ہے۔ ذرا دکھا دو بول۔“

عبدل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس عورت کا کیا کرے۔ داوڑ نے اسے ڈاکٹر کے بارے میں دوسروں سے چچا پنے کے لیے کہا تھا۔ اور اس پر دھیانے آکر سلام لیا تو بچہ کر دیا تھا۔ یہ بوڑھی عورتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ دوسروں کی کھوج میں رہنے والی۔ اگر یہ بوڑھی عورت کچھ دعا درز ڈاکٹر کو دیتی تو کیا نقصان ہو جاتا۔

”ٹھیک ہے اماں۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا آج اندر ڈاکٹر صوفے پر بیڑا ہے۔“

عورت اسی موقع کی منتظر تھی۔ وہ جلدی سے فلیٹ کے اندر گئی۔ اس کے اندر آتے ہی عبدل نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور چاقو نکال لیا۔ چاقو کو دیکھ کر اس عورت کے اوسان خطا ہو گئے جبکہ ڈاکٹر کی حالت پہلے ہی غیر ہوشیاری تھی۔

”اب تیرے کو کیا کرے ماں۔“ عبدل چاقو لہراتا ہوا بولا تو توغالی بیٹی اس لشکر سے میاں لگلی ہے۔ اور میں اب تیرے کو نہیں سکتا۔ استاد کا حکم ہے۔“

”ارے میں نے تمہارا کیا کرنا ہے۔ میں تو خود میرے ہوں۔ تم نے مجھ پر چاقو کیوں کھولا ہے؟ یہ کیا ظلم ہے؟“ بوڑھی نے شور مچا کر نثار شروع کر دیا۔

”اے اماں جیسا ہی بومیں جانے لگا۔“ عبدل نے اسے چاقو دکھاتے ہوئے کہا۔ ”اپنا کام کچھ پھر کیا تو تیرا مزیدار کورہ میں کاروا۔“

بڑھیا نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”بس چپ رہو موسیٰ، یہ بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ عبدل مسکراتا ہوا پھر صوفے پر بیڑہ گیا۔ اس کے سامنے اب دوسرے ہوتے قیدی موجود تھے۔

”تمہیں معلوم ہو گیا نا کہ میں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آیا ہوں۔“ داوڑ نے کہا۔

اس وقت وہ خود بھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ بھولانا تھا ابھی تک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی انجھو دور نہیں ہو سکی تھی اسی لیے وہ بھی اپنے ہاتھ میں بیٹے ہوئے بیسٹول کو دیکھتا اور کبھی داوڑ کو دیکھنے لگتا۔ اس کے آدمی جیسے کی طرح داوڑ کے پاس ایسا وہ تھے۔ کمرے کی بدلتی ہوئی صورت حال نے انہیں سکے میں مبتلا کر دیا۔

”دیکھو بھولے۔“ داوڑ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ یہ لائن ایسی ہے کہ اس میں دوستی اور دشمنی چلتی ہی رہتی ہے بلکہ یہ لھیل ہی دوستی دشمنی کا ہے۔ کبھی کسی میاں بھو جاتا ہے کہ دوست دشمن بن جاتا ہے اور دشمن دوستی کرنے لگتے ہیں۔ یہ طاقت اور وسائل حاصل کرنے کی لائن ہے۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ اگر کسی معاملے کو خراب کرنے کے لیے تو اس میں کسی لڑکی کو ڈال دو، وہ معاملہ تباہ ہو جائے گا۔ میں پہلے مینکے سسٹے میں بہت سنجیدہ تھا۔ تم تو اچھی طرح جانتے ہو۔

لیکن اب مجھ میں عقل انکھی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میں اب تک اپنا وقت برباد کر رہا ہوں۔ صرف ایک چھوڑی کے لیے اپنی لائن کے کسی آدمی سے دشمنی کرنے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔“

”تمہیں یہ معلوم ہے کہ میں نے۔“ بھولانا تھا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ”میرا مطلب ہے کہ اس کے باوجود تم میرے کہہ رہے ہو۔“

”ماں مجھے معلوم ہے کہ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔“ بھولانا تھا نے کہا۔ ”چلی بات تو یہ ہے کہ جب تم نے سنا تو غصے سے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ بھولانا تھا اگر اس وقت تم میرے سامنے آ جالتے تو میں تمہارے ٹوٹے پڑے تیار لکین میں نے اس پر بہت غور کیا۔ بہت سوچا اور اگر نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سب جڑی باقی نہیں ہیں۔ اگر میں تمہارے چکر میں پڑا ہوں تو رابرٹ گولابہ میرے ہاتھ سے نکل جائے۔“

”رابرٹ گولابہ۔“ بھولانا تھا نے حیرت سے کہا۔ ”ماں یہ رابرٹ گولابہ؟“

”کیا تمہارے ان دونوں پر پھر دیکھا جاسکتا ہے؟“ داوڑ نے بھولانا تھا کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔

”ہاں۔ ہاں بالکل جیسو سرے۔ لیکن تم بات تو بناؤ۔“ پیلے انہیں کمرے سے باہر کر دیا۔ ”داوڑ نے کہا۔“

میں جب ان کے سامنے تھیں قابو کر سکتا ہوں تو مجھے پھر ان کو باہر نکلانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن یہ بات دوسری ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ پیلے انہیں باہر کر دو، پھر میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔“

بھولانا تھا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ سب کمرے سے باہر چلے گئے۔ ”ماں اب بتاؤ، کیا کہہ رہے۔“ بھولانا تھا نے پوچھا۔ ”تم نے کسی آدمی کا حوالہ دیا ہے۔“

”رابرٹ گولابہ بالذات کا ایک مشہور حواری ہے۔“ داوڑ نے بتایا۔ ”اس کا کام دنیا بھر میں گھوم پھرنے کا ہے۔ کو تلاش کرنے کے لیے جو اکیلے کے لیے شوقین ہوں۔ وہ ان کو ہمدرد بن جاتا ہے۔ ان کی طرف سے جو اکیلے تھے اور وہ خود بھی بہت بڑا شاعر ہے۔ اس لیے شروع شروع میں وہ جیسا رہتا ہے۔ پھر بار بار شروع کر دیتا ہے اور فوٹ میں انکسپیرینسی ہے کہ وہ آدمی تباہ ہو کر رہ جاتا ہے، کنگال ہو کر رہ جاتا ہے۔“

”اچھا۔“ بھولانا تھا نے حیرت سے کہا۔ ”تو پھر اس معاملے سے میرا کیا تعلق؟“

”وہی تو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔“ رابرٹ اس دفعہ ایک کوڑی تاج کو فرانس سے جہان سے لے کر اپنے ساتھ نہرو لایا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے مزاج کا کوئی ایسا جو غاد مل جائے، جہاں کی انتظامیہ اسے ایمانی میں اس کا ساتھ دے۔ اس فرانسسی تاجر نے لاکھوں روپے مینک کے ذریعے پہنچا سگو لایے ہیں۔ رابرٹ کسی ایسے خواہنے کی تلاش میں گھوم رہا تھا کہ مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ اور میں اسے اپنے ساتھ لے آ رہا۔ وہ دونوں اس وقت میرے فلیٹ میں موجود ہیں۔ ان کے آنے کے بعد میں سوچتا رہا کہ کس کو بیڑوں ایسا کو ساتھ لانا ہو سکتا ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر تمہارا نام میرے ذہن میں آیا۔ پھر اس دوران تمہارا دینا کا معاملہ بھی تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں، تمہارا ساتھ

میںا کے معاملے میں اچھا رہوں یا نہ اس کی بات کروں۔ پھر میں نے بہت سوچ سمجھ کر فحشہ کو بھولانا تھا کے ساتھ برٹس کر لینا چاہیے۔ مینا کی بات تو بعد میں کی جاسکتی ہے۔ ”ابھی تک تمہاری بات کا یقین نہیں آیا۔“ بھولانا تھا نے کہا۔ ”یہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ اگر رابرٹ گولابہ والی بات سچی ہے تو۔“

”اب کوئی بات نہیں ہوگی۔“ داوڑ نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں ٹائیکل کے خواہنے کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سودا ہی سے ہوگا۔“ رابرٹ نے تیس فی صد کمیشن کی بات کی تھی۔“

”ڈرامی بات تو سنو۔“ بھولانا تھا بول پڑا۔ ”میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے تم سے بڑس نہیں کرنا۔ لیکن تم خود پتو مجھے حیرت ہوئی چاہیے یا نہیں؟“

”ٹھیک ہے۔ تم حیرت کرتے رہو۔ میں ٹائیکل کو رابرٹ سے ملوا دیتا ہوں۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے اور میری طرف سے کسی دھوکے یا جال بازی کی توقع مت کرنا۔ میں اگر چاہتا تو جس وقت تمہیں بے بس کیا تھا اسی وقت بے بس کر کے یہاں سے نکال لے جاتا تھا۔“

پاس وقت نہیں ہے اور میری طرف سے کسی دھوکے آدمی میرا کیا کر سکتے تھے؟“

”اچھا۔ اچھا میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ۔“ بھولانا تھا جلدی سے بولا۔ ”میں دس فیصد کم کو بھی دوں گا۔“

”مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے خود ہی رابرٹ سے معاملہ کر لیا ہے۔“ ماں اگر تم میرے ساتھ چلے رہے ہو تو احتیاط کے طور پر اپنے کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ رکھ لو۔ یہ لوگ ساتھ رہیں گے تو تمہاری ہمت بندھی رہے گی۔ میں یہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔“

”اور اب ایسی بھی کیا بات ہے۔“ داوڑ بھائی۔“ بھولانا تھا نے دانت نکال دیے۔ ”میں خود بھی آتا گیا کروں تو نہیں ہوں۔ پھر تم تو میرے بڑس پائٹر بن گئے ہو۔“

داوڑ دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ بھولانا تھا کو کسی طرح اس خواہنے سے نکال لے جائے۔ اس نے اسے قابو میں تو کر لیا تھا۔ وہ اگر خوش کرتا تو شاید وہ اسی طرح بھولے کو لے جانے میں کامیاب ہو جاتا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس خواہنے میں بھولانا تھا کے نہ جانے کتنے مسلح آدمی موجود ہوں گے اور

کہاں کہاں جھپے ہوئے ہوں گے۔ اسی لیے اندھیرے کے تیر سے بچنے کی خاطر اس نے یہ حرکت کی تھی۔
 جھولا داو کو لے کر اس کمرے سے گیلیری میں آ گیا۔
 یہاں جھولا کے آدمی بالکل چوکس کسی بھی حادثے کے لیے منتظر کھڑے تھے۔ ان ہی میں وہ آدمی بھی موجود تھا جو دوہر کو اندر تک لے آیا تھا۔ اس آدمی پر نظر پڑتے ہی جھولا غصہ ناک ہو گیا۔

”اما،“ بھولا نے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا: ”میں
واپس آ کر تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تو زندگی بھر مار دے رکھے گا“
اب اسے چھوڑ دو بھولا نا تھا۔“ اور بول پڑا: ”اس
بے چارے کو کیا قصور، وہ تو میں نے ہی ایسا جکڑ چلا یا تھا۔“
”یہ بات نہیں اور بھائی، اصل بات اس کی لاپرواہی ہے
اس طرح تو یہ کسی کو بھی انداز سکتا ہے۔ اور میری اماں کو تو
سورگ کا سن ہوئے بھی بہت دن ہو گئے۔ اسی لیے تو تب
اس نے یہ بات سنائی تو میں کھٹک گیا تھا۔ میں نہیں سمجھ رہا
تھا کہ وہ کون ہے جو اس طرح دھوکے دے گا اندر چلا آ رہا ہے۔
کوئی اور ہوتا تو اب ملک اس کے ٹکڑے ہو چکے ہوتے لیکن
تمہاری توات ہی اور ہے اور بھائی۔ اب تم سے کوئی کیا
بولے۔“

وارن نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ بھولانا تھ
 کے ساتھ چلتا ہوا جو امانت سے باہر آگیا۔ بھولانا تھ کے
 آدمیوں نے اس کا ساتھ دینے کی کوشش کی تھی لیکن
 بھولانا تھ نے ان سے منع کر دیا۔ وہ سب ان لوگوں کو
 ایک ساتھ باہر جاتا دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر
 پہلے کی صورت حال کچھ اور تھی اور اب کچھ اور ہو گئی تھی۔
 نتیجی داور نے ان کے سامنے ان کے ہائی کی گردن اپنی گرفت
 میں لے کر اسے بری طرح سے پس کر دیا تھا۔ اور اب وہی بالی
 ہنسنا مسکراتا ہوا اور کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔

باہر بھولانا تھ کی اوہی گاڑی کھڑی تھی۔ جو اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کا دھند خوب چلنے لگا ہے۔ بھولانا تھ نے ڈرائیوگ سیٹ سے نیچا لی تھی جبکہ داور اس کے برابر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے گاڑی ایک طرف بڑھادی۔ داور نے اسے عدل کے فیلڈ کا پتہ دے دیا۔

میں نے تو بہت دنوں سے تمہارا ڈانہیں دیکھا ہے
 واپس آؤ اور اس کا دھیان مرکوز رکھنے کے لیے اس سے گفتگو
 شروع کر دو۔ اس وقت کتنے آدمی بوا کھلانے پر ہیں

مشینیں کسی ہیں؟ بشار پرکتے ہیں، ہر روز انکٹنے کی ہیرا پھری ہو جاتی ہے۔“

سن وقت جو اکھلانے پر صرف چار آدمی ہیں، بھولانا نے بتانا شروع کیا۔ ”لیکن یہ چاروں بہت زبردست ہیں۔“

اس سے ایک بڑھ کر کہتے باز، جمال نے جو ایک جھپک جھپک سے ڈانے کو پتہ نہیں چلتا اور ہیرا پھری ہو جاتی ہے۔

مشینیں دو ہیں، اصل بات یہ ہے کہ مشینوں سے کھیلانے میں زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ ہر سال مشینیں وقت پر دھوکہ دے جاتی ہیں کبھی کبھی سامنے والے کا بیڑا پر بھی روتی رہا۔ جبکہ آدمی کے ساتھ ایسی نہیں ہوتا کیوں ٹھیک ہے نہ۔

داور بھائی،“

”بالکل ٹھیک ہے“ داور نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔
 ”بس اب تم کا کڑی اس درخت کے پاس روک دو، دو سالنے
 جو عمارت نظر کر رہی ہے اس کی دوسری منزل پر چار منبر کا
 فلیٹ ہے۔ پہلے میں جاتا ہوں، پھر تم آجانا۔“ اچھوٹو
 دونوں ساتھ چلتے ہیں جب برنس کرنا ہے تو پھر دوسروں
 کا خیال کیوں کریں؟

”اور کیا دودھ بھائی نہ بننا کل سچ بولا۔“ بھولا ناٹھنے
 ایک بار پھر واپس نکال دیے۔ وہ اس وقت بہت خوش
 نظر آ رہا تھا۔ اس کے تصور میں لونٹوں کی گڈیاں پھر رہی
 تھیں۔

”اب مجھے جانے دو نا بھائی! ڈاکٹر نے عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے رفیق میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”ہاں مجھے بھی جانے دونا؛“ بوڑھی بھی بول پڑی
 ”میں نے کیا قصود کیا ہے یہ تو بہت بری بات ہے۔“
 اچھا ختم دونوں اودھم مت بجائو۔“ عبداللہ نے دونوں
 کو ڈانٹ دیا۔ چپ چاپ رہو، ابھی استاد آئے والا ہوگا
 وہ آجائے لوں گا۔
 ”میں کہتا ہوں کہ تم جیسا نہیں کر رہے،“ ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ
 ملا یا۔“ یولیس تمہیں نہیں سمجھوٹے گی۔“

بیٹھا ہی تھا کہ دروازے پر پھر دستک ہونے لگی عبدال
نے پہلے کی طرح ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور
دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اور اور بھولانا تھ
اُڑا گئے۔ بھولانا تھ خود اکڑا اور بو بھی کو دیکھ کر ترست
میں رہ گیا تھا۔ جبکہ خود اور بھی اس بو بھی عورت کو دیکھ
کر تیراں ہو رہا تھا۔ اکڑا اور بو بھی ان دونوں کو دیکھ کر
مدی سے کھٹے ہو گئے۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے یہاں؟“ سمجھو لانا تھکنے والے سے
پوچھا۔ ”کون ہے یہ؟“ تنہارا رابرٹ کہاں ہے؟“
”ابھی تیار ہوں، داد سے جلدی سے دو واژہ بن کر لیا۔“
پھر اس نے عبدل کی طرف دیکھا۔ ”عبدل! یہ بڑھیا کون
تھی۔“

کیا تاوے داور بھائی " محمد نے ایک گہری سانس لی۔ "اپنا تو ٹھیک ٹھاک اس ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا کہ یہ دروازے کو بیٹھے لگی اس نے تو لفٹ اُگڑ رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو ایسا حیرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسی لمحے میں اسے اندر لے آئے۔"

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ اور غصے سے بولا
اب اس کو کہاں سے نہیں گئے۔ یہ تو مصیبت کھڑی کر
نے لگی۔
”میں پوچھتا ہوں آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟“ سچولا ہانپنے
پر کانک جب سے پستول نکال لیا۔

نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے میرے کئے عقب میں گرے ہوئے بھولا ناتھ پر بھجلا لگائی اور گریبان پھوٹ کر کھڑا کر لیا۔
 ”تم دونوں بالکل چپ چاپ رہنا،“ عبداللہ نے ڈاکٹر اور بوڑھی سے کہا۔ ”ابھی ڈاکٹر جنگ ہوتا ہے اور ادھر ہم تم دونوں کو کھلا کر دے گا۔“
 بوڑھی تو تورا کر سونے پر گر پڑی۔ جبکہ ڈاکٹر اپنے دل قائم رکھے اپنے پیروں پر کھڑا رہا۔ لیکن حالت اس کی بھی غیر یقینی جابہی تھی۔

داور نے ایک زوردار دھکائے کر مہولانا تھکے کو صوفے پر گرادیا۔ وہ بھی اب کسی تپے کی طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کی ساری کارکن ختم ہو چکی تھی۔ داسی دیہ میں داور نے اس کے کس بل نکال دیے تھے۔

”تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے داور؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میں تم کو نہیں چھوڑوں گا“

”وہو کہ تو تم سے بھی کیا تھا۔ نہیں معلوم تھا کہ مینا میری
سے لیکن میں ادھر جیل گیا اور ادھر تم نے مینا کو بے پردہ کر
دیا۔ آخر کیوں؟ کیا میرے ساتھ وہو کہ نہیں ہے۔ اور
ویسے بھی پیار سے محبت اور جنگ میں سب چلتا ہے۔ ادھر
تم نے وہو کہ دیا اور میرے ساتھ وہو کہ کیا۔ حساب برابر“

”لیکن میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا۔“
 جھولانا تھ بولا ”میں تو ایسی ہی لڑکی ہے۔ تم اس کے لیے
 میرے ساتھ ایسا سلوک کرنے چلے ہو۔“
 ”میں جانتا ہوں کہ وہ ایسی ہی لڑکی ہے۔ لیکن اس کے
 ساتھ معاملہ ویسے کہ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ میں اس
 کو بہت بڑا جرم سمجھتا ہوں کہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف
 ایسے اُردو کیا جائے۔ پھر تم نے تو کچھ کیا ہے میرے غصے میں
 کیا ہے، تم میری دیکھانے کے لیے کیا ہے اور میں نے
 کسی آدمی کو معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں سمجھ گئے؟“
 ”پھر کیا تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟“ جھولانا تھ نے

داؤد نے ایک زوردار چھپر اس کے گال پر سید کر دیا۔
 چھپر کھاتے ہی الٹ پڑا۔ اس کے ہونٹوں کے نچلے حصے
 گئے اور ان سے خون بھی رسنے لگا تھا۔ داؤد کی انگلیاں
 اس کے گال پر سرخ نشان بنا دیے تھے۔ ڈاکٹر اور بوٹھی تو
 نے اپنے چہرے دوسری طرف کر لیے۔ ان کے لیے یہ سب
 کچھ نیا تھا۔ انہوں نے کبھی اتنا درد نہیں دیکھا ہوگا۔
 جب کہ عبدل اس صورتحال سے پوری طری لطف اندوز
 ہو رہا تھا۔

بھولانا تھک کے صوفے پر گرے ہی داؤد نے دونوں
 ہاتھوں سے اس کے بالوں کو جھٹکے دئے شروع کر دیے۔ یہ
 جھٹکاتے شدید تھے کہ بھولانا تھک کی شخصی گھٹی چپٹیں کر
 میں گونجنے لگی تھیں۔ آٹھ دس باس نے جھٹکے دینے کے
 بعد اس کے بال چھوڑ دیے اور اس کے ساتھ ہی اس کی پٹی
 پر ایک مخصوص مہر بپرسید کر دی۔ بھولانا تھک بے ہوش ہو چکا
 تھا۔

”دیکھو ڈاکٹر! عبدل خوش ہو کر بولا۔ اپنا استاد کس
 طرح بے ہوش کرتا ہے۔ تم لوگ تو دوا لگاتا ہے۔ استاد کو
 اس کی بھی ضرورت نہیں۔“
 ”کیوں مت کرو عبدل۔“ داؤد نے اسے جھڑک دیا۔

”ڈاکٹر کو میرے پاس بھیج دو۔“
 عبدل نے کہنے ہوئے ڈاکٹر کو دھکیل کر داؤد کے
 پاس پہنچا دیا۔ اس لڑکے کا کیا کریں استاد۔
 ”اس کو دوسرے کمرے میں بند کر دو۔“ داؤد نے
 کی۔ ”اور اس سے کہہ دینا کہ ذرا سہمی آواز نہیں لگالے۔“
 بوٹھی میں آواز لگانے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ وہ
 کسی کی طرح عبدل کے شانے پر چلتی ہوئی اس
 کمرے میں داخل ہو گئی جس میں دنیا بھر کا کھجور کا بھجور
 رہتا تھا۔

”ڈاکٹر! داؤد نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ تمہارا کام فرما
 اتنا ہے کہ کل آؤ کیسے دونوں کان کاٹ دو۔“
 ”نہیں! ڈاکٹر پورے بدن سے لرز اٹھا۔ یہ مجھ سے
 نہیں ہوگا، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔“

”یہ کام تو تمہارا ہوگا تھکے ڈاکٹر! داؤد سفاک لہجے میں
 بولا۔ ”ورنہ آؤی تمہارے کان کاٹ دے گا۔“ اس نے
 عبدل کی طرف اشارہ کیا جو اس درمیان بوٹھی کو دوسرے
 کمرے میں بند کر رہا تھا۔ یہ مجھ سے زیادہ بے رحم اور زبردست

آؤی ہے۔“
 یہ کام تم مجھ سے کیوں کر دار ہے۔ تم خود کیوں نہیں
 کرتے۔

”تم ایک ڈاکٹر ہو۔ اس لیے یہ کام تم سے کر لینا جا رہا
 ہے کہ تم اس کے کان ذرا سہمی سے کاٹو گے۔ اس کے ساتھ
 ساتھ دوا بھی لگاتے جاؤ گے۔ اگر سن کر دلنے والی دوا
 تمہارے پاس تو پھر ٹھیک ہے۔ اگر نہیں تو کوئی بات نہیں
 بیش خیال رکھنا کہ غون زیادہ نہ بیٹے پائے۔“

”تم واقعی بہت بے رحم آؤی ہو۔ میں نے تم جیسا
 آؤی نہیں دیکھا۔“
 یہ استاد۔

”ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ بھولانا کام شروع کر دو ورنہ
 وہ اپنا چاقو تلے کر ڈاکٹر کے پاس آگیا۔
 ڈاکٹر نے دیکھا کہ اس کیس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس
 میں اس کی دوا میں رکھی تھیں۔ وہ بار بار ہلٹ کر داؤد کو اس
 طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے اسے ایسا کرنے سے
 روک دے گا۔ لیکن داؤد کے چہرے کی سفاکی دیکھ وہ اونچو
 لڑنے لگا۔ داؤد کا لہجہ اس وقت کسی پتھر کے کیسے کی طرح
 ہو رہا تھا بے جان اور بے حس، جس پر کوئی تاثرات نہ ہوا
 کوئی جذبہ نہ ہو۔

”چلو ڈاکٹر! عبدل نے اپنا چاقو تھرا لیا۔ جلدی کر دو
 لوگوں کے پاس ٹیم نہیں ہوتا۔“
 ڈاکٹر نے لڑنے سے اور کراہتے ہوئے کیس کھول لیا
 اس میں بے شمار شکاری شیشیں اور ٹولوں میں دوا میں بھری
 ہوئی تھیں۔ قنبچی تھی، ایک تیز دھار ستر تھا اور مہر
 پٹی کا سامان رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کا کبس آلات سے بھرا
 ہوا تھا۔

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بھٹی، ایک دوا دیا۔ ایک
 تیز دھار ستر نکال لیا۔ اس کے بعد پھر داؤد کی طرف دھکا۔ اس
 کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بے توقع کر رہا ہو کہ داؤد سے روکے گا
 لیکن داؤد نے کوئی بھی طاری کر دہی تھی جیسو عبدل بھی ڈاکٹر
 کے پاس ہی آکھڑا ہوا تھا۔ وہ حملہ ہوا تو ابھی تک اس کے
 ہاتھ ہی میں تھا۔ جو ڈاکٹر کو خوف زدہ کر رہا تھا۔

”چلو جلدی کرو۔“ داؤد نے غصے سے کہا۔ ”دیکھو کیوں کہ
 ڈاکٹر نے بھولانا تھک کے ایک کان پر دوا لگائی اور انھیں
 کر کے اسے سکی دھار اس کے کان پر رکھ دی۔ وہ اسے کچھ

ہاتھ کے کان پر رکھنے کے بعد ہی انتظار کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بھولانا
 چاقو کی نوک ڈاکٹر کے چہرے کی طرف ترہائی اور اس کے گال پر
 رکھ دیا۔ چاقو کا مس محسوس کرتے ہی ڈاکٹر نے ستر جلا دیا۔
 وہ ستر بھولانا تھک کے کان میں اس طرح اترتا ہوا گیا جیسے تلوار
 موم میں آنار دی جائے۔ ایک جھٹکے سے وہ کان بھولانا تھک کے
 چہرے سے الگ ہو گیا۔ کان کٹنے کی افیت اتنی شدید تھی کہ بھولانا
 تھک پہلے ہی جوشی کے عالم میں اس طرح ترپنے لگا جیسے کسی
 بکرے کو آدھا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ وہ اچھل کر نہ
 بیٹھا تھا جس کے نتیجے میں ڈاکٹر کو بھی جھٹکا لگا اور وہ کچھ
 ہچکے رہ گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں جب اس نے بھولا
 تھک کے کمرے سے کان اور ہتھکے ہوئے خون کو دیکھا تو مارے
 خوف کے اس کی کھجکی بندھ گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا
 چہرہ چھپا لیا۔ بھولانا تھک اس حصے سے جہاں کچھ دیر پہلے ایک
 کان ہوا کرتا تھا اس طرح خون بہہ رہا تھا جیسے کوئی نل ٹھول دیا
 گیا ہو۔

”جلود دھرا کان بھی کاٹو اس کا۔“ داؤد نے ڈاکٹر کے شانے
 پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”جلدی کرو۔“
 ”مجھ سے نہیں ہوگا۔“ ڈاکٹر نے اپنے دونوں ہاتھ تھپتھے۔
 ”بھنگوان کے لیے ایسا باپ مت کرواؤ۔“
 ”یہ تو آدھا باپ ہوا۔“ عبدل نے مسکراتے ہوئے کہا باپ
 دوا ہونا چاہیے کیوں استاد۔“
 ”نہیں۔ نہیں۔ یہ میں نہیں کروں گا۔“ ڈاکٹر اپنا منہ زرد
 زور سے بلانے لگا۔

”دیکھا ہے کہ ایسے نہیں ملنے گا۔“ عبدل داؤد کی طرف دھچکے
 ہستے بولا۔ ”اپنے کو بولوا استاد! اس ڈاکٹر کا بھی ایک کان کاٹ
 دو۔“

”نہیں رہے دھاس کو۔“ داؤد نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس
 بھولانا تھک کو اب چھوڑ دیتا ہوں۔ کتنی سزا ملی ہے۔ سالہا
 تھا اٹھ بار دھکے۔ کبھی کسی عورت سے جو بھرتی نہیں کرے گا
 اس اب تو یہاں سے چلنے کی تیاری کر۔“

”لوں کیوں استاد۔“ اپن یہاں سے کہاں جائے گا۔“
 ”بے خوف۔ اس گھر میں نہ کافر آؤں گے نہ کہہ کیا اسات
 گھر کو یہ چل جائے گا کہ اسے اس گھر میں یہ سب کیا ہے۔ پس
 پھر تیری خبر نہیں ہوگی۔“ لودو گہرا ہو جا رہا تھا۔ بے پڑا
 رہنے دے سامان کو ان سائیرے باپ کا ہے۔ بلیٹ بھی لائے
 فادر سامان بھی قسط والوں کا۔ جھٹکے پھروں گے بعد میں

خود ہی۔ اب یہ فلیٹ تیرے لیے نہیں رہا۔“
 ”یہ بھی تم نے جھٹک بولا استاد! عبدل نے کہا۔“ ”پن کو بھی
 اس فلیٹ میں مجا نہیں آتا تھا۔ وہ سائے والی جھکر کی پٹی
 لٹی ہے۔ پھر ابھر رہے کیا فائدہ۔ جھٹک ہے استاد۔ پس
 جلدی جلدی پکڑے سیٹ لیوے۔ پھر تیرے ساتھ چلتا ہوں۔“
 داؤد نے ایک سٹریٹ سلکان اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر خود
 بھی اب نیلے ہوئی کے عالم میں تھا۔ اس کے باوجود وہ بھولانا تھک
 کے زخم پر کوئی دوا لگانے میں مصروف تھا تاکہ خون کی روانی
 بند ہو جائے۔ بھولانا تھک یہ نہ کر چکے تھے لگتا تھا۔ اسے ہنسی
 تو آگیا تھا لیکن زخم کی تکلیف نے اس کے حواس کو گم کر دیئے تھے۔
 وہ تکلیف اس شدت میں تھی کہ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ساتھ
 کیا ہوا ہے۔ وہ بار بار اپنا سر جھٹکے لگتا تھا۔

شام ہونے ہی۔ اور ایک بار پھر در و دراز اس ماداری
 سیٹ کے منظر پر پہنچ چکا تھا۔

اس وقت بھی وہ بہت سستے کے لباس میں یہاں آیا تھا اور
 گیٹ پر کھڑے ہوئے گورکھاؤں نے اس سے کوئی بات ہی نہیں کی
 اور وہ براہ راست گیٹ سے اندر داخل ہوتا ہوا چلا گیا۔ وہ اوٹریل
 اپنا تمام سامان میٹ کس فلیٹ سے نکل آئے تھے۔ انھوں
 نے زخمی بھولانا تھک، ڈاکٹر اور اس پوری عورت کو وہیں چھوڑ دیا
 تھا۔ ان دونوں کے پاس سے چلنے کے لیے سامان ہی لگایا تھا۔
 بس دو سوٹ کیس جن میں کپڑے مٹوس لیے گئے تھے۔

داؤد نے رہنے کا انتظام جنگیش کے یہاں کر لیا تھا۔
 یہ اس کے اسکول کے زمانے کا ساتھی تھا۔ ایک بینک میں کلرک
 تھا۔ اور ملکی طرح اچھے اور بینک جذبول برقیں رکھتا تھا۔
 داؤد اس کی بھی نہیں کرتا تھا۔ داؤد اس سے پہلے بھی
 جنگیش کے پاس گئی بارہ جکا تھا۔ اس کی بیوی سوشل بہت ہی
 اچھے کھانے پکا باکری تھی۔ اس کے دونوں بیٹے داؤد سے بہت مانوس
 تھے۔ جنگیش ایک ایسا آدمی تھا جس پر داؤد ہمیشہ اعتماد کرتا رہا۔
 اس کے گھر کی جو کچھ برائیاں جو لہ آتا رہ چکی تھیں۔ انڈا کرڈہ بہت
 مہذب اور مہربان بن جانا۔ ایک ایسا شخص جو ایک خوش و خرم
 خاندان کو دیکھ کر خود بھی خوشی محسوس کرتا ہو۔

جنگیش نے ان دونوں کے لیے فوراً ہی ایک کمرہ غنیمت
 کر دیا۔ یہ اس کا اپنا مکان تھا اس لیے فاصلہ دینے وغیریں تھا
 وہ ہندوستان جیسے ملک میں ایک کلرک اپنا مکان کس طرح
 بنا سکتا ہے۔ داؤد نے جنگیش سے کہہ دیا تھا کہ ان دونوں کے

ساتھ بٹھک دیکھ کر اپنے اعصاب منتشر ہو گئے۔ اس کے اسان غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اور دادو اُسے دیکھ کر مسکراتا تھا مینا نے اس بار بہت ہی عجیب آدمی کا انتخاب کیا تھا۔ عداوت کے خیال میں ایسے لوگوں کے سامنے سے آن کی بڑیوں کو بھی اٹھالیا جائے تو یہ بڑیوں نہیں کریں گے۔ دادو کا یہ ایمان تھا کہ ایسے لوگوں کو خود کوئی کوئی چاہیے۔

”میں نے بات کر لی ہے۔ مینا نے کہا۔ کیا تم نے ایک گھنٹے کے بعد رستم تم سے بات کرے گا؟“

”کہاں بات کرے گا؟“ دادو نے پوچھا۔

”اس فون پر، مینا نے جواب دیا۔ میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ تم اس سے بات سے ملنا چاہتے ہو۔ اس پر اُس نے کہا کہ دادو رخصتی رستم سے اس موقع پر بات کرے۔ وہ اس معاملہ میں اپنے پاس سے کچھ نہیں کہے گا۔“

”بہت رعب معلوم ہو رہا ہے اس پاس کا۔“ دادو نے کہا۔

”بہت زیادہ،“ مینا نے گردن ہلاتی ”میں دیکھ چکی ہوں۔ ایک بار اس کا ایک آدمی کسی جگہ وقت پر نہیں پہنچ سکا حالانکہ اس سے پاس گاڑی بھی تھی، پھر بھی وہ بے جاہ ٹریفک میں، پھنس کر رہ گیا تھا۔ اُس کو ستر ابر دی گئی کہ اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس طرح کی ستر میں دے کر اس نے مقامی دادو پر اپنی دہشت بٹھا دی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس شہر کے کتنے غنڈے اُس کے لیے کام کر رہے ہیں؟“

دوسرے کمرے سے فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ مینا جلدی سے فون سننے کے لیے چلی گئی۔ پھر اُس نے واپس آکر سمجھ دھرم داس کو بتایا کہ کسی بھاری مل نے اُسے چادروں کے گو دام پر فوراً پہنچنے سے کہا ہے۔

”کیا یہ نصیحت ہے بابا؟“ مینا نے کہنے لگا۔ ”میرے کو کسی ٹائم چین نہیں ملتا۔ کوئی آرام سے بیٹھ بھی نہیں دیتا۔ اب تو جانا ہی ہوگا۔ جس کا معاملہ ہے۔ نہ چاول تو پہنچیں یہ بھاری مل کیا نقصان کر دے۔ اچھا بابا۔“

وہ بڑی مشکوک سے صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی توند کرتے کے اندر سے ڈھنگ کی چٹنی کی طرح پھٹنے لگی تھی۔ دادو جی دیکھی ہے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ بیٹھنے جاتے ہوئے بھی دادو سے ہاتھ ملایا اور اس سے اجازت لے کر باہر چلا گیا اس کے جانے کے بعد دادو نے مینا کی طرف دیکھا۔

”ایسا عجیب تو دور ہے۔ مینا میں کوئی نہیں ہوگا۔“

”مت بولو۔ یہ میرا شو ہے۔“ مینا ہنس بڑی۔ لیکن تم

نے دیکھ لیا تا آدمی ایسا سوائے بڑنس کے اور کچھ نہیں جانتا۔

”اچھا یہ جانا کہ وہ رستم کی طرح غنڈوں کو اپنے ساتھ شامل کیا کرتا ہے۔“ دادو نے پوچھا۔

”اس کے طریقے مختلف ہیں،“ مینا بتانے لگی۔ ”کبھی کسی کو دولت سے خرید لیا جاتا ہے۔ جو دولت سے قبضے میں نہ آئے انہیں کسی خطرناک جرم میں پھنسا کر ان کے بارے میں پورا دیکھا دیکھ لیا کسی کی شہائی کو رادی کی کسی بڑی پولی جھوادی۔

”جسے جیسے سرکاری آفیسری اس کی صفی میں لیں اور ان آفیسروں کو دولت اور عورت کے ذریعے قابو میں کیا گیا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔“

دادو نے سوچتے ہوئے کہا۔

”بہت زیادہ۔ وہ اندھیرے کا تیر ہے۔ وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے زیر زمین دنیا کے ہر اہم آدمی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لیے وہ تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کام ایسا ہو کہ سوائے تمہارے اور کوئی نہ کر سکے۔“

”میں اس جہے کو اس کے مل سے نکال کر ماروں گا۔“ دادو نے کہا۔

”لیکن بہت بلا ٹنگ کے ساتھ یہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ رستم عام غنڈوں کی طرح گلیوں اور سڑکوں پر مار مارا نہیں پھرتا ہاں۔ تم یہ تو بتاؤ کہ بھولا ناتھ کے ساتھ کیا ہو تو تم مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ کیا ہوں دادو اس خبر نے میرے سینے میں کتنی ٹھنڈ بھر دی ہے۔ تم واقعی میرے لیے سب کچھ کر سکتے ہو۔“

”ہاں سنناؤ نا۔“

دادو نے بڑی تفصیل سے ساتھ اُسے بھولا ناتھ کے چورا خانے میں داخل ہونے سے لے کر اُس کے آپریشن تک روداد سنائی۔ مینا یہ سب سن کر حیران رہ گئی تھی۔

”تم واقعی شہر ہو دادو، اُس نے کہا۔“ مجھے یقین ہے کہ تم رستم کو بھی اُس کے بل سے باہر آؤ گے۔“

دادو نے کچھ کہنا چاہا کہ فون کی گھنٹی بج گئی تھی۔ مینا دادو کی ہون فون کی طرف چلی گئی۔ وہ فوراً ہی واپس آئی اور اس نے اشارے سے دادو کو بلالیا۔ دادو تیزی سے آگے بڑھا اور اُس نے ریسپور اٹھا لیا۔

”دادو، دوسری طرف سے سمراتی ہوئی آواز آئی۔ یہ تم ہی ہونا۔“

”ہاں میں دادو کی پولی رہا ہوں۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”بہت اکتاہٹ ہوئے معلوم ہوتے ہو دوست۔“

”دوست مت کہنا مجھے۔“ دادو تیزی سے لولہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم کیسے آدمی ہو۔ میں ہر دے میں چپے ہوئے آدمی کو اپنا دوست نہیں سمجھ سکتا۔ اگر تم پر دے سے باہر کر ملاقات کرو تو پھر سوچ لو کہ تم میرے دوست بننے کے قابل ہو یا نہیں۔“

”یہی ہو جائے گا۔“ وہ ہنس بڑا۔ ”تم واقعی بہت دلیر ہو۔ تم میرا کام کر سکتے ہو۔“

”میں معلوم ہے کہ میں جو کچھ کرنا ہوں اپنے لیے کرتا ہوں۔ کسی دوسرے سے لیے میں نے کبھی کام نہیں کیا۔“

”ہاں یہ میں جانتا ہوں۔ لیکن اس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے بارے میں مینا نے کہا ہے جس پر میں بہت بھروسہ کرنے لگا ہوں۔ حالانکہ وہ اس کو نے چوبے کی بیوی ہے۔ پھر بھی وہ بہت دلیر ہے۔ اس نے میرے لیے بہت کام کیے ہیں۔ اسی لیے میں نے تم سے رابطہ قائم کیا ہے۔“

”کام بتاؤ۔ کام کیا ہے؟“ دادو نے پوچھا۔ اُس کے بعد ہی کوئی بات ہوئی۔

”کیا تم پیڈرو گنزرا کو جانتے ہو؟“ دوسری طرف سے دریافت کیا گئی۔

”پیڈرو گنزرا؟“ دادو نے اپنی جنٹری سیکرٹریڈ سے اس پیڈرو کی بات تو نہیں کر رہی تھی۔ جس نے یہاں بہت وارداتیں کی تھیں۔ پھر بھی سے بھال کر گواچالیا اور آج تک وہیں ہے۔

”ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ رستم نے کہا۔ اُس نے گواے بارہ میل کے فاصلے پر ایک جہزمے میں اپنا ایک بہت بڑا جواخانہ قائم کر لیا ہے جس کا نام پیڈرو گنزرا ہے۔ اس جہزمے پر ایک طرح سے پیڈرو کی حکومت قائم ہے۔ وہیں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ اس نے جہزمے پر چاروں طرف اپنے مسلح آدمی پھیلا رکھے ہیں۔ اُس کی مرضی کے بغیر کوئی اس جہزمے پر نہیں جاسکتا۔“

”تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟“ دادو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم نے بھی تیرا کام نہیں بتایا۔“

”تم کسی طرح اس پیڈرو کو وہاں کے کوچہ کوچہ میں لے آؤ۔“

اس نے کہا۔

”کیوں؟“ دادو نے سن کر حیران رہ گیا تھا۔ اس سے کیا

ہوگا؟

”یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ دادو! اس کی آواز آئی۔ اُس کی آواز بہت کبھی ہوئی اور بوجہ بہت قہر تھا۔ وہاں کے حالات ایسے ہیں کہ میں خود وہاں جاسکتا ہوں اور وہیں کسی اور کو بھیج سکتا ہوں۔ اور یہ کام تمہارے علاوہ اور کوئی کر نہیں سکتا۔ تم اس کے جواخانے میں سے جو کچھ بھی حاصل کرو وہ تو تمہارا ہوگا۔ میں تو صرف پیڈرو کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور وہی زندہ باقی رہے۔ تم میری پچھنچا اس کا سبب کیا ہے۔ ہر شخص اپنے سر پر قرض کا بوجھ اٹھانے پھر رہا ہے۔ میرے سر پر اس کا ایک قرض ہے۔ اور میں ہر حال میں وہ قرض اٹارنا چاہتا ہوں۔ بولو کیا کہتے ہو؟“

”میں پہلے سوچ لوں۔“

”نہیں دادو۔ یہ تم جیسے آدمی ایسے معاملات میں سوچ نہیں کرتے۔ یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہوتی ہے۔ تم تو آگ میں کود پڑنے والے انسان ہو۔ تم آخر اوقات کی برواہی مت کر دینا۔ تمہیں اس کام کے لیے اسی وقت پانچ لاکھ دینے کو تیار ہوں بولو منظور ہے۔“

”پانچ لاکھ؟“ دادو نے اپنی آنکھیں پچھائی۔ ”اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت بڑا معاملہ ہے۔“

”یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ اگر تمہارے زندہ لے کر آؤ گے تو پانچ لاکھ اور دہی دوں گا۔ اس کے علاوہ تمہارے سامنے بھی آج کل کا بڑا بڑا دیکھ سکو گے۔ مل سکو گے۔ بولو کیا کہتے ہو؟ اگر منظور ہے تو میں نہیں پانچ لاکھ بھولنے کا بندوبست کر دیتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ دادو نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھے منظور ہے۔ اس پیڈرو کا ایک قرض میرے سر پہ بھی ہے۔“

۔۔۔۔۔

وہ چھوٹی لیکن مضبوط لاپٹ لہر دس کے دوش پر اچھی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

اُس کے عرشے پر دادو اور عبدل کھڑے ہوئے تھے۔ اُن دونوں نے ٹیلی فونیں اور سفید چٹائیں پہن رکھی تھیں۔ عبدل کے ہاتھ میں دو بڑی تھی۔ دونوں نے پی کیپ پہن رکھے تھے۔ وہ دونوں ہی اس وقت ایسے سناٹ معلوم ہو رہے تھے جیسے جہنم کی سیڑھیاں نکلے ہوں۔ لاپٹ چلائے والا ایک آدمی تھا۔ اُس کو عبدل اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ اس وقت لاپٹ کے اکھ کے پاس بیٹھے کو سنبھالے کھڑا تھا۔ اُس کا نام کالو تھا۔ کالو کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ سمندر سے اس طرح واقف ہے جیسے کوئی

اپنے ہاتھ کی کھجوروں سے ہوا کرتا ہے۔ اس ایک خولی سے علاوہ اس میں خولی بھی کئی کہ بہت جی دادادی قتلہ اپنی بات سے پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہیں تھا۔ چاقو سے نہ کر پتنگ جلا کر کرتا تھا۔ کالو سے علاوہ اس لایچ پر ایک اور دادی بھی موجود تھا جس کا نام کوپی تھا۔ اس کی فطرت بھی کالو سے مختلف نہیں تھی لیکن اس میں ایک خولی یونی کس کا لاشا غضب کا تھا۔ وہ اس وقت لایچ کے پتھ جھٹے میں ایک گن لیے جو کس بیٹھا تھا۔

رستم نے اپنے وعدے کے مطابق پانچ لاکھ روپے اسی رات بھجوا دیئے تھے۔ یہ روپے اس کا ایک آدمی نے کرایا تھا۔ داور نے رستم کو کوپی کے ایک بھول کا پتہ دیدیا تھا یہاں وہ آدمی ایک بریف کیس لے آیا اور اس نے وہ بریف کیس داور کے حوالے کیا اور ایک لفظ کہے "ٹے نیف واپس ہو گیا۔"

داور نے جب اس ہم سے بارے میں عبدل کو بتایا تو جب کہ عبدل نے کھانے پینے کا ڈھیر سا سامان فراہم کر لیا تھا۔ وہ خوشی سے جھل بڑھتا تھا۔

"واہ استاد۔ ان کا بارٹ ٹھہر گیا۔ البسا کام پھیلے گئے کو نہیں کیا تھا۔ اب پانچ لاکھ میں جانی واکر کا لاشا تو لے آئے گا۔"

"دیکھ عبدل! داور نے اسے ڈانٹ دیا۔ یہ پیسے شرب پینے سے لیے نہیں ہیں۔ اس میں بہت کام کرنے ہیں۔"

"پھر بھی تمہارا بہت قواسم کا ہوئے گا نا باس! عبدل نے کہا۔ "ورنہ کیا آئے گا۔ کس کھالی پیلی جاؤ اور واپس آ جاؤ۔ اچھا اچھا۔ بدم مدت چاؤ۔ لے لینا لڑتیں بھی۔ لیکن پہلے آدمیوں کا بندوبست کرو۔"

پھر عبدل بھی کالو اور کوپی کو ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ داور اس طرح باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے کو نام کرنے والا تھا۔ ورنہ اب تک اس نے جو کچھ کیا تھا یہی کیا تھا۔ وہ دونوں دادیوں کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اس سے خوفزدہ تھے اور ان کے لیے یہ ایک اعزاز کی بات تھی کہ انہیں داور سے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ راتوں رات ہی انہوں کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔

یہ کالو کی تجویز بھی کوپی سے گواہک کا سفر لایچ کے ذریعے کیا جائے گی۔ کوپی اس کے خیال کے مطابق اس طرح تو وہیں کچھ دن ٹھہر کر اس جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ اس لایچ ہی سے وہاں تک جایا جاسکتا تھا۔ لایچ کو گیا ان کا ہیڈ کوارٹر ہونے والی تھی۔ کالو اپنے ساتھ سمندر کی نقشہ بھی لیتا آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کوپی سے گواہک جو کہ ہندوستان کا

ہی ساحل ہے اس لیے آئے جانے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوگی۔

کالو کی یہ تجویز پسند کر لی گئی۔ اسلوں کی خریداری کے لیے کوپی کو بھیجا گیا تھا جب کہ لایچ کا سودا کرنے کا کام تھا۔ عبدل کے ذمے کھانے پینے کے سامان کی فراہمی تھی۔ جب کہ داور اپنے طریقہ کار پر غور کرنے لگا تھا۔ ابھی تک اس کے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ جب وہ اس جزیرے پر پہنچ جائے گا تو پھر کوئی رکاوٹ رستم نکل ہی آئے گا۔ اس کے ساتھ ہمیشہ سے ہی ہوتا آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وقت بہت سوچے جانے بس دی کر لینا چاہیے۔

صحیح ہوتے ہوئے ہر ایک چیز کا بندوبست ہو گیا۔ کوپی نے اسلوں کے ڈھیر لگا دیے۔ کالو ایک چھوٹی لیکن مضبوط لایچ خرید لیا۔

اور اب ان کا سفر کوئی طرف جاری تھا۔ تیز رفتاری سے لایچ عقب میں پانی کے جھاگ اٹائی ہوئی دوڑی چلی جا رہی تھی۔ یہ لوگ دوسری شام کو اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ رات بھر کے سفر میں کسی نے اس سے تعرض نہیں کیا۔ ان کے بارے میں کوئی لاپرواہی نہ رہی۔ کوپیوں کے موٹر بوٹ گزرے لیکن انہوں نے اس لایچ کی طرف دھیان نہیں دیا۔ جس کا نام کالو نے کوہلا رکھا تھا۔

"کوہلا داور! ای کا دوسرا نام تھا۔ زہر زمین دنیا کے لوگ اسے دو فل نام سے جانتے تھے۔ داور کو جہاں اپنی دہشت پھیلانی ہوئی وہاں وہ اپنا یہ لقب بتا دیا کرتا۔ اس کے بعد اس مقام پر سستی پھیل جاتی۔ قریبی جاننے والے اسے داور کوہلا کہتے تھے۔ جبکہ دوسروں کے لیے وہ کوہلا تھا۔"

داور جس وقت بھی کسی جہتی پر عبدل کے ساتھ پہنچا تو اس لایچ پر گھبرا اٹھا۔ وہ دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ اسے یہاں معلوم تھا کہ یہ حرکت کالو کی ہے۔

"کیا اس لایچ کا نام کوہلا ہے عبدل! اس نے پوچھا۔"

"نہیں استاد! عبدل جلدی سے بولا۔ اس کا نام تو میتا ہے لیکن اپنا کالو بھائی ہے نا۔ یہ جانتا ہے کہ تم کوہلا ہے۔ اسی لئے اس نے اس پر کوہلا لکھوا دیا ہے۔ دیکھو کیا لکھا ہے۔" بے ناچور در۔ میں تو بولتا ہوں کہ یہ کالو بہت کا کا آدمی ہے۔ داور کی پیشانی پر دل بڑھ گئے۔ اسے بہت سی باتیں یاد آئیں تھیں۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ داور تھا لیکن کوہلا میں تھا۔ خود نہیں معلوم تھا کہ وہ کوہلا کیوں ہے۔ بس ہوش سنبھالتے ہی اس نے دیکھا تھا کہ اس کے دائیں بازو پر کوہلا لکھا تھا

یہ وہ اس کے بازو پر قلم لکھا ہوا ہے۔ سیاہ رنگ سے اس طرح لکھا ہوا تھا کہ جب وہ بھی لپٹی اس میں اوپر کرتا تو دیکھنے والے دور ہی سے اس نشان کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ داور نے اس بات پر کالو سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کالو نے یہ اس کی غرضوری کے لیے کیا تھا۔

ڈرا دیکھنا استاد! عبدل نے آواز لگائی۔ وہ کچھ دکھائی دے رہا ہے بہت دور! داور نے اس کے ہاتھ سے دور بین لے کر انکھوں سے دیکھا۔ اس وقت جمع ہو چکی تھی اس لیے دور دور تک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے سروں کے اوپر سے کئی پرندے بھی پرواز کر رہے تھے جو اس بات کی علامت تھے کہ ساحل قریب آ جا رہا ہے۔

"یہ جہاز گہرے ستاروں کا لولے آواز لگائی! میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

ابھی صرف ایک منہری لکڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاز بہت سیریز تھا اور کچھ پرنداری تھی کہ ساحل کے کسے بہت سے درخت بھی موجود تھے۔ ان کی لایچ جیسے جیسے آگے بڑھتی رہی۔ ساحل کے مناظر واضح ہوتے چلے گئے۔ اب داور کو پام اور ناندیل کے اونچے اونچے درختوں سے علاوہ چھوٹے چھوٹے پانچ جیسے مکانات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ان گاہکوں کے تختہ میں کچھ عداوتوں کا سلسلہ پھولا ہوا تھا۔ داور نے دور بین اپنی آنکھوں سے بٹائی۔

"اس جہاز میں ابھی خاصی آبادی ہے استاد! کالو نے بتایا۔ زیادہ تر عیسائی آباد ہیں۔ یہ گواہی کا ایک حصہ ہے۔"

عبدل جزیرہ لنگر لے کر خوشی میں نیچے جا کر ایک بول لے آیا اور بول کو منہ سے لگا کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ زیتون کا انتظام اس نے داور کے منہ کرنے کے ساتھ کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دو چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا ایک داور استاد داور کو بولیں۔ اگر وہ دونوں ساتھ ہوں زندگی میں مرزا آجاتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی کم ہو جائے تو جیسے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت وہ دونوں ہی جہازیں اس کے ساتھ تھیں۔ داور سامنے خطرہ اٹھا اور بول اس کے ہاتھوں میں اس لیے زندگی اس کے لیے بہت حسین ہوئی تھی۔ اس نے ترنگ میں آکر زور زور سے گانا شروع کر دیا۔

"لکھا مت جائیو رے زیتون میں کمر ڈال کے۔ ہاتھوں میں کمر ڈال کے! اس کی بھونڈی آواز دور تک ابرائی پئی گئی

بندر کو یہ پہنا گا نا کالو نے اسے جھڑک دیا۔ ایک لایچ ہمارے پیچھے آ رہی ہے۔"

داور نے مرکز دیکھا۔ ایک چھوٹی لیکن تیز رفتار لایچ بڑی تیزی سے کوہلا کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اس کا فاصلہ کچھ کم ہو جاتا تھا۔ عبدل جلدی سے ہاتھ میں بھی بولی بول نیچے بکھڑا۔ اس نے گولی کو ہوشیار بننے کی تاکید کر دی تھی کچھ داور نے اپنی دوڑ میں ایک طرف لگی اور آنے والی لایچ کے استقبال کے لیے تیار ہو گیا۔ کالو ہوشیار ہوئے پر جھک رہا اس نے اپنے تاثرات میں کوئی تہمتی نہیں آنے دی تھی۔

وہ چھوٹی لایچ لہروں کے دوش پر اچھلتی کودتی ہوئی کوہلا کے قریب آئی۔ اس لایچ میں تین آدمی تھے۔ وہ تینوں ہی نوجوان اور طاقت ور معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دور بین تھی۔ جبکہ دوسرے ہندو قین اٹھا رکھی تھیں۔ لیکن ان ہندو قین کا رخ لایچ کی طرف تھا۔ وہ لایچ کوہلا کے پہلو میں آکر برابر برابر چلنے لگی۔ کچھ دوسرے بند ان میں سے دور بین والے شخص نے دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ کے قریب ایک بھونچو بنایا اور زور سے بولے ہوئے پچھا "کیا تم راسم بھول گئے ہو؟ کہاں جانا ہے نہیں۔"

اس سے پہلے کہ داور اس کے سوالوں کے جواب دے سکتا عبدل بول پڑا۔ "ہاں راسم کبھی نہیں بھولتا۔ بھائی رستم! اپنی کو بھول جاتا ہے۔ جب سرنگ پر چلتے ہیں تو کسی دوری کھوئی میں گھس جاتے ہیں۔ اور جب سمندر میں ہوتے ہیں تو کسی اور طرف جا لگتے ہیں۔ سلا جلدی میں یہی سب ہوتا رہتا ہے۔"

عبدل کی بات سن کر وہ تینوں ہنس پڑے۔ ماحول کا تناؤ اچانک ختم ہو گیا تھا۔

"اگر تم لوگ جہاز کی طرف جا رہے ہو تو بہت ہوشیار رہنا سمندر میں خطرناک چٹانیں ہیں۔ وہیں۔ اور میرے دکھائی بھی نہیں دیتیں۔ لیکن بڑی بڑی لاپرواہی ہو جاتی ہیں پہلے ہی طرح دیکھ لینا۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بھائی! داور نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ویسے اپنے ساتھ تو آدمی ہے وہ سمندر کی ہر چٹان کو جانتا ہے۔ اس نے کالو کی طرف اشارہ کیا۔ تم نے ہمیں آگاہ کر دیا تمہاری مہربانی۔"

اس آدمی نے ہاتھ ملانے اور وہ چھوٹی لایچ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ آگے جا کر اس نے ایک لمبا چکر مارا

اسی طرف واپس ہو گئی جہاں سے آئی تھی۔ وہ تینوں حیرت سے اس کی طرف دیکھتے رہے تھے۔ اس دوران کوئی بھی اُدھر آگیا تھا۔ اس نے اپنی بندوق نیچے، رکھ دی تھی۔
”یوں لوگ تھے استاد، عبد نے داری کی طرف دیکھتے ہوئے بلوچھا۔

”اے کو کیا معلوم بابا، داد نے لاہور داری سے جواب دیا کہ جل کر شہید معلوم ہو جائے۔“

وہ جزیرہ اب اور قریب آگیا تھا۔ اب ساحل کے ساتھ ساتھ، یہی ہوئی سیاہ منظر پر آدنی بھی چلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ کالو نے تھیک ہی کہا تھا اس جزیرے پر اچھی خاصی آبادی تھی۔ کالو جاتا تھا کہ جہاں نہیں بلوچیدہ چٹانیں ہیں کہاں ہیں۔ اس نے وہ بڑی احتیاط سے لائی چلا تا ہوا جزیرہ کے ساحل تک لے آیا۔ ساحل پر پہلے شمار چھوٹی بڑی لائیں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے لائوں کی نماں لگائی ہوئی ہو۔

”یہ اتنی لائیں یہاں کیوں ہیں؟ داد نے کالو سے پوچھا۔
”کچھ نہیں کہہ سکتا استاد، کالو نے جواب دیا۔ میں یہاں ایک بار بہت پہلے آیا تھا۔ اب دیکھتا ہوں اس جزیرے کی صورت حال کیا ہوئی ہے۔ ویسے میں نے لائوں کا رش اتنا پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے دور دراز سے لوگ اس جزیرے کی طرف آئے ہوں۔“

”وہ لائیں پھر ہمارے پیچھے بے استاد یہ گپنی نے بتایا۔“

”کہو تو کچھ کروں؟“

”نہیں؟ داد نے سختی سے انکار کر دیا۔ ابھی نہیں آگئی انہیں نظر انداز کر دو۔“

وہ لوگ جزیرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جواب ان کے بہت قریب آگیا تھا۔ کالو نے ایک طویل چکر لگا کر اپنی لائیں ایک طرف کھڑی کر دی۔ وہ چھوٹی لائیں اب پھر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوگ بے مقصد ہی عمدہ میں گشت کرتے پھر رہے ہوں۔

لائیں کا آجین بند کر کے وہ تینوں نیچے بنے ہوئے کمرے میں آ گئے۔ جہاں ان لوگوں نے کھانے پینے کا سامان اور اسلحہ کر رکھا تھا۔ یہ کالو ہوشیار تھی کہ اسلحہ اس طرح چھپا دیا گیا تھا کہ تلاش کے باوجود ان کے ملنے کا امکان نہیں تھا۔ اس کمرے میں ایک بستر تھا اور بستر کے برابر ایک میز اور دو کرسیاں بھی رکھی تھیں۔ کالو نے اپنے ساتھ لایا ہوا بڑا نقشہ میز پر

بھیلا دیا۔
”یہ دیکھو استاد۔ اس نے نقشہ پر ایک جگہ انگلی رکھ دی۔ تم یہاں پہنچ چکے ہو۔ اور میں یہاں سے لام کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ کالامس چڑیا کا نام ہے استاد۔ عبد نے بلوچھا۔
”یہ وی جزیرہ ہے جہاں پہلے روئے اپنا شاندار جوا فاد بنا پایا ہے۔ داد نے جواب دیا۔

”استاد! اول یہ دیکھو، کالو کا بوجھ و کوشش ہو گیا تھا۔ یہاں سے کالام بہت قریب ہے۔ یوں مجھ کو صرف بیس میل کے

فاصلے پر ہے اور رستے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ ہم چاہیں تو اس جزیرے میں رک کر کالام کے جوا فادے پر حملہ کر سکتے ہیں۔“

”یہ تو بہت اچھی بات بتائی تم نے؟ داد بھی خوش ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں گوا جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ گوا جانے میں بکھرے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔“

”ہو سکتا ہے کہ یہاں نہیں کوئی ایسا آدمی مل جائے تو کالام سے واقف ہو، داد نے کہا۔ ہم اس کی مدد سے کالام کا نقشہ بنوا سکتے ہیں۔ یہ ایک بڑا کام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس جزیرے کی پوری تفصیل میرے پاس ہو۔“

”ایسے کوئی ضرور مل جائیں گے۔ گوہی نے کہا۔ میرا ایک دوست تھا۔ پھر۔ وہ پہلے بھی یہی میں رہتا تھا۔ پھر اس کے خلاف ایک کیس بنا اور وہ بھاگ کر کالام کی طرف آگیا۔ بہت دنوں کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔“

”پہلے تو قہمت سے لوگوں کا نام ہوتا ہے۔ پھر اسے داد نے کہا۔ اسے کیسے تلاش کریں گے؟“

”وہ بہت اچھا گاتا ہے استاد۔ کالو نے بتایا۔ گانے والا کبھی اپنی فطرت نہیں سمجھتا۔ وہ ہمارے میں بھی نہیں دیکھیں گارہا ہو گا۔“

”ہاں۔ یہ ایک آسان پہلے ہے۔ عبد ملنس بڑا آفا تھا اب سب لوگ ذرا جمنا کر دیکھ لیں۔ اس کا مکھڑا کچھ بڑا ہے۔ وہ چاروں کہیں سے عرشے پر آگئے۔ لیکن ابھی انہوں نے لائیں سے اترنے کے لیے قدم بڑھانے ہی تھے کہ لائیں کے دونوں پہلوؤں سے دو بڑی بڑی لائیں آگئیں۔ ان دونوں لائوں پر پولیس والے کھڑے۔ ان میں سے ایک مسلح تھا۔

انہوں نے اپنی بندوقوں کے رخ ان کی طرف کر رکھے تھے۔
”ہاتھ اچھا دھو۔ دو لوگ۔ بلوچیس کے ایک آفیسر نے آواز دی۔

”کیوں ہاتھ دھو رہا تھا تھا دس؟ داد بھلا گیا تھا۔ ہم شریف لوگ ہیں۔ کیا کیا ہے؟“

”تم لوگ اپنے ساتھ اسلحہ لے کر گئے ہو؟ ای آفیسر نے کہا۔ پھر اس نے تو بیویوں کی طرف دیکھا۔ چلو کر دنا کر لو انہیں۔“

”پولیس والے ان لوگوں کی طرف بڑے اور وارو دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو اتنی دوسرے پہنچے لیا کہ اس کے گالوں کی ہڈیاں ٹنگ بھڑکی۔

اس نے اپنے چہرے پر بے وقاری کے تاثرات لاتے ہوئے کہا۔
”کالو نے لفظ آڈا اسے جو دوا صاحب۔ اپن بزنس بھڑا دئی ہے۔ کجا ب اپن پول دیا کہ اپن کالام میں کوئی مارا مارائی کلاہا نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے۔ سالا اپن نے اکھا جندگی بہتوں بندوک کا سکل نہیں دیکھا کیا۔“

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ پولیس آفیسر گرجا۔ ہمیں تلاشی لینی ہوگی۔ ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”تلاشی سوچ سے دو ملانی آپ۔ ہر تو اس کا پہلے اپن کا ایک بات سن لو؟ داد نے دھیمی آواز میں کہا۔ اپن اب صر تو کہ اکھا بھڑا جین بھڑا ہے گا۔ ماسم اپن کو سب کچھ بتا دے گا کیا؟“

پولیس آفیسر اس کی بات سن کر کٹکٹکٹ میں مبتلا ہو گیا۔ دوسرے پولیس والوں کے ہنستے ہوئے قدم بھی بگ بگ گئے تھے۔

وہ سب اپنے آفیسر کے دعوے کا انتظار کر رہے تھے۔
”تھیک ہے۔ میں آتا ہوں تمہارے پاس۔ پولیس فیم بولا۔ لیکن کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔“

”اپن کا یہ کہنا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگا۔ داد نے کہا۔ اپن خالی ہوتی گڑبڑ نہیں کرتا۔ ابھی پھر اپن کا ٹنگ بھی نہیں ہے۔ داد نے اپنا کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ لگا دیئے۔

پولیس آفیسر داد کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاں بتاؤ۔ کیا بات ہے۔ اس نے پوچھا۔ پھر بڑھتا ہوا۔

پولیس آفیسر کے قریب پہنچنے ہی داد نے اپنا ہاتھ بوجھ کر کہا اور میٹھی بھاشا کو کچھ تو کھانا خالص اردو میں دیکھی آواز میں بولا۔
”اپن کو صاحب۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھڑاؤں گا۔ جو کہیں جا رہا ہوں آپ کے کھانے کے بغیر میں اپنا کام پختہ نہیں کر سکتا۔ میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں جناب۔ اگر آپ نے ہمیں پھر دنا کر حکام کے حوالے

کر دیا تو آپ کو کہا ملے گا؟ ایک تعریفی سند اور ہزار بار بچ سونف لیکن اس سے آپ کا کہنا ہے گا۔ ہنگامی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ پولیس والوں کو بہت کم کھائیں دی جاتی ہیں۔ آپ کی طرح ہمارے بھی چھوٹے بچے ہیں۔ ایک صاحب اگر کم ایک دوسرے سے کھانا دن دن تو ہمارے بہت سے مکے حل ہو سکتے ہیں۔ ہم خطرناک مجرم نہیں ہیں۔ میں ذرا تیرا بھیری کا دھندلا کرتے ہیں یعنی ادھر کا مال ادھر دھکا دھکا مال ادھر ہم بمبئی سے تھوڑا اسلحہ لاتے ہیں۔ اس علاقے کے ایک بڑے آدمی نے ہمیں آڈو دیا تھا۔ وہ آج ہمیں کچا اس ہزار روپے دے کر اپنا مال لے جانے کا بھجاس ہزار میں میرا منافع نہیں ہزار ہے جو ہم کتنی فتنی کر دیں گے۔ دس ہزار آپ کے ادس ہزار ہمارے۔“

داد نے یہ سب کچھ اتنے اعتماد اور یقین سے کہا کہ پولیس آفیسر ایک پادری کش مکش میں مبتلا ہو گیا۔ اسے سوچتے ہوئے دیکھ کر داد کے ہاتھوں پر کبھی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بھانپ لیا کہ لو ہاگم ہونے لگا ہے۔ پس ایک آخری ضرب کی ضرورت ہے۔

”کیا سوچ رہے ہیں اسپیکر صاحب؟ مال آج رات ہی کہیں چلا جائے گا۔ یہاں نہیں رہے گا۔ جہاں میں کتنی کی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ آپ کے اور ہمارے معاملے کی کسی کو کالو کان جز نہیں ہوگی۔ میں نے تو آپ کے فائدے کی بات کی ہے آگے آپ کی مرضی۔ ویسے میں اسباب سے مزدوروں کا جو فیصلہ کرنا ہے سوچ کر دس کیوں کہو میرے پیچھے بہت جلد ہاتھ ہیں وہ آپ کو یہیں سے نہیں رہنے دیں گے۔“

پولیس آفیسر اپنے ہاتھوں پر زبان بکھیرنے لگا۔ داد کی پیش کش نے اسے بے حد تھکا دیا تھا۔ بالآخر اس نے سرگوشی کی دس سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ بڑھانا ہو گا۔“

”آپ کو بھی ہوا لگتی تھی؟ داد ملنس بڑا۔ چلتے دوادو ہسی۔ بارہ۔ اب تو تھیک ہے۔“

”تھیک ہے۔ پولیس آفیسر نے اپنی گردن ہلا دی۔ لیکن مجھے تلاشی ضرور لینی ہوگی۔ ورنہ لوگ آپ پر بوٹ بھیج دیں گے۔“

”شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور گھوم پھرے واپس آ جاؤں۔“ داد نے مسکرا کر کہا۔

”اور تم۔ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ تم مجھے کب ملے گی؟“

”شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور گھوم پھرے واپس آ جاؤں۔“ داد نے مسکرا کر کہا۔

”اور تم۔ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ تم مجھے کب ملے گی؟“

”شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور گھوم پھرے واپس آ جاؤں۔“ داد نے مسکرا کر کہا۔

”اور تم۔ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ تم مجھے کب ملے گی؟“

”شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور گھوم پھرے واپس آ جاؤں۔“ داد نے مسکرا کر کہا۔

”اور تم۔ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ تم مجھے کب ملے گی؟“

”شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور گھوم پھرے واپس آ جاؤں۔“ داد نے مسکرا کر کہا۔

”اور تم۔ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ تم مجھے کب ملے گی؟“

”شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور گھوم پھرے واپس آ جاؤں۔“ داد نے مسکرا کر کہا۔

”اب میں سب کے سامنے تو رقم نہیں دے سکتا جناب! داور نے کہا نہ شام کو آکر اپنا حصہ لے جائے گا مگر ہماری لالائی کھڑی ہوتی جاوے گی۔“

”ایسا ہی ہوگا“ پولیس آفیسر گونشی میں بولا میرا بی اواز بلند کر کے لولا نہ نہیں۔ تم ساتھ نہیں چلو گے میں خود چاربا ہوں تلاشی لینے۔“

”جاؤ مائی باپ جاؤ! ان کا منگ مت کھرب کرو داور نے بلند آواز میں لب و لہجہ بدل کر کہا۔“

”تم لوگ ان لوگوں پر نگاہ رکھنا“ پولیس آفیسر نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دی اور خود میز صفا کرتا ہوا بیٹھے جا گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور نے عبدل کی طرف دیکھ کر فری ایک آنکھ دبا دی۔ عبدل ایک گھر سانس کے عجیب انداز میں مزہ چلاتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ کالو اور گپنی بی عبدل کے پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ پولیس کی بے وقت آمد نے انہیں تھوڑا سا پریشان کر دیا تھا۔ لیکن اب داور کو مطمئن دیکھ کر وہ بھی مطمئن تھے۔ انھوں نے کھلے لیا تھا کہ داور کوئی کچھ چور نہیں میں کامیاب ہو گیا ہے۔“

پولیس آفیسر کچھ ہی دیر بعد بھولانے ہوئے انداز میں اوپر گیا۔ وہ اپنا رکارڈ برقی خونی سے ڈاکر دیکھتا تھا۔ ”تھک ہے۔ اس وقت تو کچھ نہیں ملا لیکن تم لوگوں پر گہری نگاہ رکھی جائے گی“ وہ داور کے پاس آکر لولا۔

”جناب مجھے ایک بات تو بتائی۔“ داور نے دھیرے سے کہا۔

”کوئی سی بات؟“ پولیس آفیسر نے اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کو کس نے بتایا کہ اس لالچ میں کچھ بڑا بھیجی کامال ہے؟“ داور نے پوچھا۔

”کسی نے نہیں“ پولیس آفیسر مسکرا دیا۔ ”کچھ دنوں سے ہم لوگوں نے ہی طریقہ اپنا رکھا ہے جو بھی لالچ آتی ہے۔ اُسے آکر کھیر لیتے ہیں۔ اگر ان کے پاس مال ہوتا ہے تو پھانسا دیا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو معذرت کہے دالیں چلے جاتے ہیں۔“

”وصت تیری کی؟“ داور نے پھینا ہوا ہتھک دیا۔ آپ بہت ذہین پولیس آفیسر ہیں جناب۔ جواب نہیں ہے۔ آپ کی ہوشیار کاری۔ اچھا آپ کٹھن لیتے ہے جا میں شام کو آجلیے۔“

پولیس والوں کے جانے کے بعد وہ بیٹوں جلدی سے داور کے پاس آگئے۔ داور نے انھیں صورت حال بتا دی تھی۔

”ارے باپ رے! اب بارہ بج رہا ہے کجاں سے دو گئے سارا“ عبدل نے سوال کیا۔

”یہ تو شام کو پتہ چلے گا، داور نے لہجہ ہاری سے جواب دیا۔“ ابھی تو تم لوگ ہمارے گھر پر سر کرنے چلے جاؤ جب تک میں آرام کرتا ہوں۔ اگر تمنا کرنا کہ ہم معاملہ ہے۔ کیسا جبر ہے کہ آگے لوگ رہتے ہیں۔ بلوری خبر لے کر آنا۔“

داور کے کہنے پر وہ بیٹوں لالچ سے انکر ساحل کی عبور

میں گم ہو گئے۔ وہ سب غمناک ہاتھ ہی گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد داور بیٹے کیس میں آگیا۔ وہ حقیقتاً آرام کی گلیا تھا تھا اور اس سے اُنٹے کا بھی جائزہ لینا تھا جو کالو نے فراہم کیا تھا۔ اس نے وہ لفتن اپنے سامنے بھجوا لیا۔ اس لفتن کے مطابق کالام اچھا خاصا بڑا جڑ بڑہ تھوڑی سی زمسن میں وہ جڑو جنگلی جانوروں اور درختوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کشتی رال اس کی طرف جاتے تھے خوف کھا کر گرتے تھے۔ لیکن اب وہ اچھا خاصہ آباد تھا اور اس کی روٹی کی اصل وجہ پیٹو کھڑا تھا جو خانہ تھا جس سے یہ جو خانہ قائم ہوا تھا اس وقت سے یہاں روٹی رہتے تھے۔ وہ جو خانہ دراصل ایک بڑی قلعہ عمارت کا نام تھا جس کے اندر بے شمار کرے اور بال غزو رہتے تھے۔ اور اس پورے جڑ سے ہر ایک طرح پرورد گنزا کی حکومت ہی قائم تھی۔

کالام تک جانے کے لیے ایک صاف ساحل تھا۔ اور آمدورفت اس ساحل کے ذریعے ہوا کرتی تھی جبکہ بیٹوں میں آدھی ادنیٰ چٹائیں تھیں اور ان چٹاؤں کو عبور کر کے جڑ سے میں داخل ہونا بظاہر ناممکن تھا لیکن داور نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جڑ سے میں داخل ہونے کے لیے چٹائی ساحل ہی پر قسمت آزمائی کرے گا۔ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد اس نے نقشہ پھینک کر ایک طرف رکھ دیا اور آرام کرنے کے لیے ریت گیا۔ کچھ دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

اس کی آنکھ ان بیٹوں کی دباویں پر پڑی تھی۔ وہ بیٹوں جھانک کر میرے دالیں آچکے تھے گونپی اور کالو تو بہت جوش دکھائی دے رہے تھے جبکہ عبدل لپٹتا خاموش تھا۔

”اب تیرے سنگ کہاں؟“ پوچھا کالام۔ ”داور نے اس سے پوچھا۔“ تو منہ لٹکا کے کانے کو کھڑا ہے۔ بول سارے۔“

”ابن سالالیا پولیس کا استاد و نمبر ہوا پچھانہ کس کو جا کر سنا میں گا۔ ایک دم ٹرم جوج ہے استاد۔ سالالیا یہ کاردارو بھی ایک دم پولیس ہے۔“

”ارے اوڑھائی کی اولاد۔ تم سالالیا کھا گم دارو ما کھا ہے داور نے اس کی پشت پر دھب جما دیا۔“ اور سالالیا یہ لالچ میں فائنل کی دارو کا جو اسٹاک بڑ بڑا ہے وہ سالالیا تھا باپ

بیٹیں گا۔“

عبدل نے بات کن کر اپنے دانت نکال دیے جیسے اُس کی لٹنی ہو گئی ہو۔

”ہم لوگوں نے بہت کچھ معلوم کر لیا ہے استاد“ گونپی نے کہا۔ یہی بات تو یہ ہے کہ داور ساحل پر جتنی لالچیں کھڑی ہوئی ہیں۔ وہ سب کی سب ان لوگوں کی ہیں جو کالام میں جوا کھینے کے لیے آتے ہیں۔ یہ جہاں ان لوگوں کے لیے ریشٹ ہاؤس کا کام دیتا ہے۔ وہ لوگ ہندوستان بھر سے یہاں آکر جمع ہوتے ہیں پھر انھیں کالام پر جانے کے لیے لوگوں دے دیا جاتا ہے۔ یہ لوگوں پیڑ روکے مقامی آدمی دیا گئے ہیں۔“

”واہ۔ یہ تو بہت اے دن بندوبست کر رکھا ہے اس نے“

”ہاں استاد۔ کالو بھی بول پڑا۔ ایک بات یہ ہے کہ ہر ایک کو کالام تک جانے کے لیے لوگوں ہی نہیں دیا جاتا بلکہ یہ لوگ آسانی دیکھ کر اور دھیرے سے کتا بیٹوں کو گونگ دیا کرتے ہیں۔“

”مگر کچھ بڑے لوگ کہاں ملیں گے؟“ داور نے پوچھا۔ ”میرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں لینے کے لیے ہم ان کے پاس کیسے جائیں گے۔“

”ان کے پاس کسی کو جانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگ خود ہی لالچ والوں سے رابطہ قائم کر لیا کرتے ہیں۔“

”ابھی تک ادھر تو کسی نے شکل نہیں دکھائی“ عبدل نے کہا۔ ”لنگتا ہے ملتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ سب تک کوئی آئی جائے۔“ داور کچھ بچتے ہوئے بولا۔ ”اب نہیں آتا کوئی ترکیب تو سب میں ہے۔“

وہ بیٹوں کیس کے عرش پر آگئے۔ اس وقت سورج غروب ہونے والا تھا اور اس کی جالی ہوتی کر میں بانی میں مل کر ڈھونڈنا شروع کر دی تھیں۔ ساحل پر روشنیاں بھلنے لگی تھیں اور ان روشنیوں میں جھانک کر بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ پر سکون آبادی یہاں کے لوگوں کے اپنے مسائل تھے۔ اپنی زندگی تھی۔

”یار استاد“ عبدل نے داور کو مخاطب کیا۔ ”وہ سالالیا پولیس والا بھی آنے والا ہے تو میں گا۔ سالالیا چھوٹ میں بارہ بجار لینے کا واسطے۔“

”ہاں“ داور نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”اس کے آنے کا وقت تو بیکار ہے لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ کھوڑا اور اچھا ہو جائے۔ یہ اندھ بھی بڑا ظالم ہوتا ہے بہت سی باتوں کو چھپا لیتا ہے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ کس پر کیا گت مٹی ہی لے بیٹھ لوگ اندھ سے میں گناہ کرتے ہیں اور اپنے ضمیر

کو بھی اندھ سے کی چادر میں لپیٹ لیتے ہیں۔“

”واہ واہ استاد کیا دنیا کا مارا ہے تو نے۔“ وہ سالالیا کھا چا احمد عباس تیرے ڈاڑھا لاک میں کا تو تیرے کو مل لیں گا۔ کیا۔ پر استاد ابن کاکھوڑی میں تیرا بات نہیں آیا۔ تو کیا بولتا ہے۔“

”کچھ نہیں“ داور نے اُسے ٹال دیا۔ اس کی نگاہیں تو ساحل پر لگی ہوئی تھیں۔ اندھ اب اچانک زیادہ شدید ہو گیا تھا۔ سورج کے غروب ہوتے ہی تاریکی جیسے پیڑودا کے ٹکس میں رکھی ہوئی ہلاؤں کی طرح لٹل آئی تھی۔

”ذرا دیر میں تو دنیا“ داور نے اچانک عبدل سے کہا۔

عبدل نے دور میں اس کے ہاتھ میں پیڑادی داؤد نے دور میں اپنی آنکھوں سے لگا لی تھی۔ ”وہ پولیس والا آ رہا ہے۔“ اس نے ان تینوں کو بتایا۔ ابھی کنارے سے کچھ دور ہے اس نے اپنی وردی شردی اتار دی ہے تاکہ کوئی اسے نہ جان سکے۔ لیکن اپنی نگاہیں بھی آت ہیں۔ اس نے دور میں لونا دی تھی۔

”وہ سالالیا چھوٹ کامال والا آگیا۔ عبدل نے گھر کر کہا۔“ ابن کی کھوڑی تو کام نہیں کرتی تو نے کچھ سوچا ہے استاد۔“

”گوئی“ داور نے گوئی کو مخاطب کیا۔ ”میں تم سے ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ بولو تیار ہو۔“

”کیسی شرط؟“ گوئی مسند پر گیا تھا۔

”گوئی اس طرح چٹائی چاہیے کہ دونوں آنکھوں کے بیچ میں لے لے اور تیرے نہیں چلے کہ گوئی اس طرف سے چلائی گئی ہے۔ اور یہ کال تم ہی دکھا سکتے ہو۔“

”یہ کام تو ہو جائے گا۔ گوئی ہتھک سے دونوں آنکھوں کے بیچ میں لے لے لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پتہ نہ چلے۔“

”یہ اس طرح ہوگا کہ ہماری لالچ کے بعد جو بھی لالچ میں

اس وقت کوئی نہیں ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے تم داخل لے کر آہستہ سے پانی میں اتر جانا۔ اور تیرے ہونے چوتھی لالچ کے کچھلے حصے میں پہنچ جانا۔ وہاں سے لالچ میں چھب لگانا اور وہاں سے نشانے نہ کروا پس آ جانا۔ داخل ہی برواہ مت کرنا۔ اُسے دھڑی ڈال دینا۔ لیکن اس کام میں بھڑی ہوشیاری کرنی ہوگی۔“

”یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے استاد کچھ ہوگا کام۔“ گوئی مسکرا دیا۔ ”کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔“

”اور وہ جو تھی لائیخ والا خالی پہلی جینس بائیں گا“ عبدال نے پوچھا ”اُن کا کیا ہو گا؟“

”ہمیں ان لوگوں سے کیا لینا ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو تم نے سنا نہیں کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جلتا ہے تو یہ ہم لوگوں کی جنگ ہے۔ اس میں سب چلے گا۔“

گوپی اتنی دیر میں کہیں سے وہ دور مار مارا نفل اٹھا لیا جس پر وہ بھر دوسرے کرتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھ کر دو انگلیوں سے دی کا نشان بنایا اور نفل والے ہاتھ کو سر سے بلند کر کے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے کودنے سے چھپا کر سا ہوا تھا لیکن یہ اتنی بلند آواز نہیں تھی کہ کسی اور کو متوجہ کر سکتی۔ داور نے عبدال اور کا کو کو مہایت کی کہ وہ دونوں لائخ کے عرشے کی دیوار سے ٹک لگا کر اس طرح کھڑے ہو گئے۔ جیسے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہوں۔ جب کہ اس نے دور بین ایک بار پھر اپنی آنکھوں سے لگائی۔

اس دور بین میں پولیس آفیسر ساحل کی طرف آتا ہوا دکھائی دے گیا۔ وہ اب بہت قریب آچکا تھا۔ داور نے اس کی جال میں ترنگ سی محسوس کی تھی لیکن اس پولیس والے نے کو کیا معلوم کہ موت نے اسے ساحل پہنچنے نہ دینے کی قسم کھ کر رکھی ہے۔ وہ انسانی تصور سے بھی زیادہ رفتار سے ساتھ اپنے ہدف پر پہنچتی ہے اور اسے اپنے جنگل میں اڑا لے جاتی ہے۔

داور کے انداز سے ملے مطابق ساحل سے اس کا فاصلہ دو سو گز سے بھی کم رہ گیا تھا۔ دن کی روشنی میں نشانہ لینے کے لیے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن اس اندھیرے میں نشانہ لینا کسی کے لیے بھی بہت مشکل ثابت ہوتا۔ اسے گوپی کی کارگزاری کے بارے میں علم نہیں تھا۔ عبدال بھی گوپی اور کا کو کو لے کر آیا تھا۔ اور داور کو یہ معلوم تھا کہ عبدال لٹکھ لٹو بانی ہی لیکن اس کا انتخاب غضب کا ہو کر رہا ہے۔ اس نے آدمیوں کو پھیلانے بھی غلطی نہیں کی ہے۔

پولیس آفیسر کچھ اور قریب آ گیا۔ برابر کسی لائیخ سے کسی لڑکی اور مرد کا ملا جلا ہفتہ بلند ہوا اور اسی وقت دھماکے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ گوپی اپنے نشانے کا سچا نکلا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گوپی پولیس آفیسر کی دونوں آنکھوں کے درمیان آئی

اور وہ ایک کرہ پر پہنچنے سے ساتھ لٹو کی طرح ٹھوکتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ اس کے گردے ہی پہلے تو سنا پھیلا رہا۔ پھر بہت سے لوگ نہ جانے کدھر کدھر سے نکل کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ داور کے کہنے کے مطابق عبدال اور کا کو نے پیچھے مگر ہی نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ بھی دوسری لائچوں والوں کی طرح اپنی لائیخ کے اگلے حصے میں آئے اور ہاتھ ہلا ہلا کر شور کرنے لگے۔ داور بھی دور بین رکھ کر ان میں شامل ہو گیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ لائیخ کسی کے وزن سے لٹکھوڑا کھائی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ گوپی واپس آچکا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے پیچھے مگر نہیں دیکھا۔ گوپی ان کے پاس آنے کی بجائے سیدھا کہیں میں چلا گیا کچھ دیر بعد وہ آگیا تو اس نے اپنے گیلے کیڑے اتار کر دوسرے کیڑے پہن لیے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں کے قریب آ کر کھڑے ہو گیا۔ داور نے اپنی جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر اس سے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ”یہ تو اپنا انعام۔ دل خوش کر دیا۔ واہ۔ کیسا مارا ہے اس کو۔“

گوپی نے مسکراتے ہوئے وہ نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اب ان لوگوں کی پوری توجہ ساحل کی طرف لگی ہوئی تھی۔ جہاں پہلی جی ہوئی تھی۔ اب بہت سے پولیس والے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ انیسولنس بھی تھی۔ گوپی اس پولیس والے کی لاش کو لے جانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ ادھر سے ادھر لو لائے پھر رہے تھے۔ ان لوگوں کی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی لائیخ پر کھڑے ہو کر اس تماشے کو دیکھنے میں ہی مصروف تھے۔ لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ساحل پر جس کا قتل ہوا ہے وہ پولیس کا ایک اعلیٰ آفیسر تھا۔ ”استاد“ عبدال نے داور کو مخاطب کیا ”وہ مارا والا تو ہو گیا تھا۔ اس کے رشتے دار لائیخ کی تلاشی کے واسطے آئیں گے۔“

”ہاں میں بھی بھی سوچ رہا ہوں“ داور نے تنبیہی سے جواب دیا ”اور اگر اس بار تلاشی لی گئی تو ہمارا راز کھل جائے گا۔“

”سوچو استاد، سوچو۔ ان تو عقل سے ایک دم ہیل ہو گیا ہے۔ داور اپن کا ڈی میں بیٹھ کر کام کا ٹک کام کرتا ہے کیا۔ ان کا انجن تو اس وقت ڈیڈ پڑ گیا ہے۔ ایک دم ڈیڈ کیا۔“

”بس سالہ اب بیٹے پلانے کا بات نہیں کرنے کا۔“ ”داور نے اسے سختی سے تھپا تھپا کر دیا۔ ”ابن کو اس وقت ہوشیار رہنے کا ہے۔ کہہ۔ ویسے ابن کا کچھ میں ایک جو ردارک ٹینڈیا آگیا ہے۔“

”کہہ کیا استاد؟“ گوپی اور کا کو نے بیک وقت سوال کیا۔ ”یہ ابن ابھی نہیں بنائے گا۔ ابھی ابن یہ دیکھنا مانگتا ہے، یہ سالہ پولیس لوگ کیا کرتا ہے۔ اگر وہ لوگ ابن کا لائیخ کا تلاشی کا واسطے آیا تو وہ آٹینڈیا چلے گا۔ شیں تو نہیں چلے گا۔“

پولیس والوں نے سرخ لائش روشن کر دی۔ پوری ساحل ان روشنیوں سے جگمگ کرنے لگا تھا۔ اس روشنی میں پولیس نے تلاشی کا کام شروع کر دیا۔ ان لوگوں کے خدشے درست ثابت ہوئے تھے۔ پولیس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ گوپی کی لائیخ ہی سے چلائی گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے تلاشی سے عمل میں دیر نہیں لگائی تھی۔

”گوپی تم نے رائفل کہاں چھپی تھی؟“ داور نے پوچھا۔

”میں نے اسے لائیخ پر ڈال دیا تھا۔“ گوپی نے جواب دیا ”گوئی غلطی ہو گئی کیا۔“

”نہیں۔ ابھی ابن کچھ نہیں بول سکتا۔ جب کوئی ایسا لفظ آتا ہے اور ابن کا دستک میں کوئی بات نہیں آتا تو ابن سالہ لفظ قسمت پر جھوٹ دیتا ہے اور یہ ابن کا چوڑے کے قسمت نے ابن کا چور ساتھ دیا ہے کیا۔ اس ٹیم پر بھی کچھ ایسا بات ہے۔“

داور نے اتنا کہا ہی تھا کہ تقدیر نے اس کا ساتھ دے دیا۔ جو تھی لائیخ سے وہ رائفل برآمد ہو گئی۔ وہ لوگ جو تھی لائیخ کو دیکھ کر نہیں سکتے تھے۔ لیکن برآمد ہونے والے شور اور مختلف آوازیں نے انہیں یہ بتادیا تھا کہ پولیس نے مصروف وہ رائفل برآمد کر لی ہے جس سے پولیس آفیسر کو گوپی ماری گئی تھی۔ بلکہ اس لائیخ سے دو آدمی بھی بیڑے گئے تھے۔ داور اب اپنے چلتے ہوئے آدمیوں کو بھی زندہ کئی لائیخ سے اتار کر ساحل پر لے جایا جا رہا تھا۔ اس لائیخ پر تو اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ گوپی نے کہا۔

”لگتا ہے لائیخ والا بھی آگیا ہے۔ جلوساے کا ہو گیا دھڑن تھڑن کیا بولا تھا انہوں نے۔ ہے نا ابن کا قسمت جو ردارک

”یہ لفظ تو یقین فضا کا ہو گیا۔ استاد۔ ایک دم روٹنگ سا بھلا گیا۔“ عبدال نے انفسوس ظاہر کیا۔ ”نازل پانی والے نے گوپی چلایا اور بیڑا گیا پھیل پوری والا۔ یہ تو اکھا جلم ہے استاد۔“

”ارے ابو عبدال، سالہ ابھاشن مانتا ہے۔ وہ سالہ کون سا بڑا سا بڑا ہے۔ فالتو بات نہیں کرنے کا کیا۔ وہ لوگ سالہ کون سا دھڑم داتا ہے۔ ایک دم ابن کا مافک ہے۔ ابن ابھیر لوٹ مار کرنے پہلا ہے اور وہ لوگ ہر کھیل کا واسطہ بننے کے کوئی مولوی پنڈت ہوتا تو ابن چور اور انفسوس کرتا کیا۔“

داور کی بات پر کسی نے کوئی بصرہ نہیں کیا۔ وہ سب ہی اس کی فطرت اور مزاج سے واقف تھے۔ وہ اپنی جنگ جیتنے کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا۔ اسے بہت پر غریبی چاہیے تھی۔ چاہے اس کے لیے کچھ ہی کرنا پڑے۔ اس کے لیے زندگی گزارنے کا صرف ایک اصول تھا۔ طاقت طاقت اور صرف طاقت۔ طاقت حاصل کر دے چاہے جس طرح ہی ہو۔ اگر ایسا نہیں کیا تو دوسرے پس منظر میں یہ لوگ پھپھے ہونے یا تھیں کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ ہر چیز کو کھل کر گئے بٹھ جانا چاہتے ہیں۔

کھیل ختم ہو گیا تھا۔ جو تھی لائیخ سے دو آدمی بیڑے گئے تھے اور پولیس انہیں اسے ساتھ لے گئی۔ پولیس آفیسر کی لاش بھی اٹھوائی گئی تھی۔ ساحل پر روشن سرخ لائش اٹھادی گئیں۔ ایک بار پھر اندھرا چھا گیا۔ اور اس اندھیرے کے ساتھ سناٹا بھی پھیلتا چلا گیا۔ اس حادثہ سے پہلے مختلف لائچوں سے لوگوں کے سننے اور بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لیکن اب ہر طرف خاموشی تھی۔ اپنی اپنی لائیخ کے عرشے پر کھڑے ہوئے لوگ بھی اپنے اپنے کہیں میں گھس گئے۔ وہ بیڑوں بھی کہیں میں آ گئے۔

”ابھی کیا کرنے کا ہے استاد۔ ابن کا تو سالہ اکھوڑی گھوم لگتا ہے۔“ عبدال نے ایک سرد آہ بھر کے کہا۔ ”تم اس کی میٹھی باسپٹل میں چلا جاؤ۔ سالانہ ابن کا کچھ بھی کھار کر رہا ہے۔“ داور نے غصے سے کہا۔ ”چلنے کا تیار کرو اور ابن کو ادھر ہی بٹھائیں کہہ لینے کا ہے کیا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے استاد۔“ کا کو نے جلدی سے کہا۔ ”اس لائیخ پر اسلحہ ہے۔ ہم اسکو چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟“

”ایدهر سالاب کوئی نہیں آئیں گا۔ کواد مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ایدهر کا سارا دھن ایتنا فیسر کا جگر میں پڑ گیا ہے۔ وہ سالاب چھٹی لائی والا بھٹنٹا ہے۔ اب پولیس کا سالاب ایدهر کا کام ہے۔“

وہ تینوں فیصلہ کرنے کے بعد لائے سے اتر آئے۔ اس وقت سٹاٹا اور شہید ہو گیا تھا۔ بیشتر لائے والوں نے روشنیاں بجھا دی تھیں۔ ساحل پر کڑے والے بھی اب غائب ہو چکے تھے۔ اس کی ایک وجہ بھی ہو سکتی تھی کہ پولیس آفیسر کے حادثے کے بعد لوگ اس طرف گئے ہوئے گذر رہے ہوں کیونکہ یہ حادثہ ابھی تازہ تھا۔ وہ لوگ تنگ سڑکوں اور بدولادریوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ داور سب سے آگے چل رہا تھا۔ اس کے پیچھے عبدل تھا اور اس کے پیچھے کوئی اور کالو بائیں کرتے ہوئے چلے آئے تھے۔ پھر اچانک ہی داور کو یہ احساس ہوا جیسے کوئی جانی ہو۔ یہ امدادگرچہ بہت مدد تھی لیکن اس سے حساس کالوں نے صرف یہ بتا دیا تھا کہ جتنے والی کوئی لڑکی ہے بلکہ سب کی بھی نشان دہی کر دی تھی۔ سارا وقت کے بے ہوئے ایک ایسے مکان سے نکل رہی تھی جو ان کے سامنے ہی تھا۔ اس مکان کے دروازے پر ایک چھوٹی سی گاڑی بھی کھڑی تھی۔ اور مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس میں سے روشنی کی کیر باہر نکل کر آ رہی تھی۔

وہ جتنے والی اسی مکان میں تھی۔ اس بار داور سے ساتھیوں نے بھی وہ بیچ سنی تھی ماسی لیے سب ہی رکت گئے۔ ”تم لوگ ایدهر دیکھو۔ ایدهر سے ملنے کا نہیں ہے۔“ داور نے ان لوگوں کو ہدایت دی۔ ”ابن جاگو دیکھتا ہے کہ وہ چھوڑ کر آئے کوہم مانتا ہے۔“ ”چھوڑو استاد۔“ کانے کوہم آئے لڑے میں ٹنگری اڑا لے۔ ”ابن لوگیا۔ ابن اس چھوڑ کر کا ٹھیکہ لیا ہے۔“ سالی کو کھٹے میں ڈالو استاد۔ ”تم سالاب اپنا جوئے بند کھو۔ داور نے اسے چھڑک دیا۔“ ”سالاب تم وقت بڑا کامانک بات کرتا ہے۔ تم جانتا ہے ابن سالاب آج تک کسی چھوڑ کر کا بیج پرکان بند نہیں کیا۔ لیکن تم لوگ کو ایدهر ہی رہتے کا ہے۔“ وہ تینوں ایک طرف اندھیرے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ داور نے تاحاتوں جلتا ہوا مکان سے دروازے پر کھینچا۔

لڑکی کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن پرسکیاں اس کمرے سے نہیں آ رہی تھیں۔ بلکہ اس کمرے کے عقب سے آ رہی تھیں۔ ان سسکیوں کے ساتھ ہی کسی مڑکی آواز سنائی دی جو اس لڑکی کو بڑی سختی سے سناٹوں ہو جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ داور اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ کمرہ خالی تھا۔ لڑکی کی سسکیوں اور مڑکی آوازیں اس کمرے کے برابر والے کمرے سے آ رہی تھیں۔ داور نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا گمانی دارجا تو نکال لیا۔ اور اسے کھول کر کمرے کی طرف جھپٹ پڑا۔ وہ تینوں اسی کمرے میں موجود تھا۔ انہیں دیکھتے ہی داور نے کھلا ہوا تیز دھار جا تو اپنی پشت پر چھپا لیا تھا۔ وہ تین تھے۔ دوم داور ایک لڑکی۔ ان دونوں نے اس لڑکی کو ایک کمرے کے ساتھ بائیں دیکھا تھا۔ جب کہ وہ دونوں کمرے سے اس پاس کھڑے ہوئے تھے۔ داور کو اس طرح آئے دیکھ کر وہ دونوں بڑی طرح جوہم چلے۔ لڑکی نے بھی اپنی سسکیاں بند کر دی تھیں۔ داور نے کمرے میں داخل ہونے ہی سسکیوں صورت بنائی تھی۔ اس سے چہرے پر بڑی برس رہی تھی۔

”کون ہو تم؟“ ان میں سے ایک نے بڑے اٹھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”ہم مسافر ہیں جناب۔“ داور نے لہجہ کرنا لیں کھڑی انداز میں کہا۔ ”بڑے کمزور دل کے مالک ہیں۔ ابن معزز خاتون کی بیچ سنی کر ادھر چلے آئے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ حضرت اس خاتون پر اتنا لگے کیوں کر رہے ہیں اللہ کے واسطے اُسے چھوڑ دیجیے۔ ہمارا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ ہم سے یہ ستم برداشت نہیں ہوگا۔ آپ نے انہیں نہیں چھوڑا تو ہم رونے لگیں گے۔ جلا چلا کر تھلے والوں کو کھانا کر لیں گے۔“

”گیت آؤ۔“ ”درازداد اور بھونگ شخص نے غرا کر کہا۔“ ”تم ایدهر روٹنگ سا بند لگایا ہے۔ یہ لکھو نہیں، کھرا ہے نواب صاحب۔ تم روٹیں گا تو ابن ہمارا بیٹ بھاڑ دیں گا۔“

داور نے اس کھڑی مذاق کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے چہرے سے تاثرات دھنٹا بندیل ہوتے اس نے کورا کالزہ خیر روپ دھار لیا۔ ایتنا تیز دھار تو سامنے کر کے وہ ان دونوں کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا

تھا کہ ان دونوں کے ہاتھ خالی ہیں۔ ان میں سے ایک نے اچانک میز پر ہڑا ہوا ٹیبل کیمپ اٹھا کر دھوکا طرف کیچنے مارا۔ مڑکی کا نشانہ چوک گیا۔ کیمپ داور کے برابر دیوار سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ داور نے جھٹکا کر آئے تھیں۔ کیمپ میں ایک مڑکی سی گالی دی۔ اور اس پر جھپٹ پڑا۔ لیکن وہ آدمی داور سے تیز رفتار ثابت ہوا تھا۔ وہ کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دوڑ پڑا۔ اور اس سے پہلے کہ داور سنبھل سکے اس نے باہر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کے ساتھ دوسرے آدمی نے بھی یہی حرکت کی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ دونوں یہ طے پٹے ہوئے ہوں کی جیسے ہی داور دکھائی دے گا وہ کھڑکی کے ذریعے بھاگ نکلیں گے۔ ان کے بھاگ جانے کے بعد داور کے ہوشوں پر سبکدوش دوڑ گئی۔ اس نے اپنا چاقو بند کر کے جیب میں لٹکھا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”اب بتاؤ بے بی۔ تم ان کے چکر میں کس طرح پھنس گئیں؟“ داور نے نشانہ لٹکی سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں؟“ لڑکی سسک پڑی۔ ”اپنی نقدی ہی ابھی ہے۔ یہ دونوں دھوکے سے مجھے یہاں لے آئے تھے۔ پھر انہوں نے زبردستی مجھے کمرے سے باندھ دیا۔“

”اچھا۔ صبر کرو۔ پہلے میں تمہاری یہ سنی کھول دوں۔“

داور نے چاقو نکال کر مڑکی کے ٹکڑے کر دیئے۔ مڑکی کھڑی ہو کر ہاتھ بیروں کو کھینچنے لگی تھی۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اور چہرے پر بھائی ہوئی دہشت اور پریشانی کے باوجود بہت خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے پیش انبل لباس پہن رکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے نفرت کرنے کے لیے نکلی ہو۔ اور وہ دونوں اسے گھیر لائے تھیں۔ ”لان کلیر ہے استاد۔“ باہر سے عبدل نے آواز لگائی۔ اس کی آواز سن کر مڑکی بڑی طرح چوک پڑی۔

”کھیر اؤ نہیں۔“ داور نے بڑا مہیری جان کے ساتھ تو بہت سے لوگ لگے ہوئے ہیں۔ یہ ان ہی میں سے ایک ہے۔ اپنا آدھی آدمی ہے۔“ اتنا کہہ کر اس نے عبدل کی ہیکار کا جواب دیا۔ ”آجائ۔ ادھر میدان صاف ہے۔ کوئی بھی نہیں ہے۔“

وہ تینوں پھرتے ہوئے اندھا گئے۔ لڑکی کو دیکھ کر وہ تینوں ہی حیران ہو رہے تھے۔ ”اس بے چاری کو دو آدمیوں نے ادھر کمرے کے ساتھ

باندھ دیا تھا۔“ داور نے بتایا۔ ”مجھے دیکھ کر وہ دونوں ہی بھاگ گئے۔ کیا نام ہے تمہارا؟“ اس نے یہ بات مڑکی سے پوچھی تھی۔

”روزی۔“ لڑکی نے دھیرے سے جواب دیا۔ ”میں یہیں مہانگ میں رہتی ہوں۔ میں شام کے وقت نادر سے ملنے سینٹ مارٹن گئی تھی کہ راستے میں یہ لوگ مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ فادر ٹویک مکان میں بیمار پڑا ہوا ہے۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے ان کی باتوں کا اعتبار نہ کیا اور ان کے ساتھ یہاں آگئی۔ یہاں آئے کے بعد ان دونوں نے نہ رکتی مجھے اس کمرے سے باندھ دیا۔ اور خود کہیں چلے گئے۔ کچھ دیر پہلے یہ لوگ واپس آئے تھے۔ انہوں نے آئے ہی مجھے نہ سندھ غم عر دیا تھا۔“

”تمہیں پڑا کیوں تھا؟“ کوئی نے پوچھا۔ ”کیا چاہتے تھے یہ لوگ؟“

”کچھ نہیں معلوم۔“ روزی نے جواب دیا۔ ”یہ لوگ ابھی کچھ پوچھ نہیں سکے تھے کہ یہ آگئے۔“ اس نے راوی طرف اشارہ کیا۔

”اور کھیل ختم ہو گیا۔“ داور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”چلو اب یہاں سے تو چلو۔“

وہ سب باہر آ گئے۔ باہر اسی طرح سنسان تھی۔ اس سے پہلے کچھ کالوں میں روشنیاں بھی ہو رہی تھیں۔ لیکن اب وہ بھی خاموش ہو گئی تھیں۔

”ہمارا گھر کہاں ہے؟“ کوئی نے پوچھا۔ ”آؤ ہم تمہیں وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر تم کہیں کیس تو وہ بدعاشی تمہیں پھر گھیر لیں گے۔“

”ہمیں۔“ میں اس وقت گھر نہیں جاؤں گی۔“ لڑکی نے چھوڑ دی۔ ”مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ میں تو اپنے گھر میں آسکی رہتی ہوں۔“

”ابھی تم نے بتایا کہ تم اپنے فادر سے پاس جا رہی تھیں۔“ داور نے پوچھا۔ ”تو یہ فادر تمہارے ساتھ نہیں رہتا کیا؟“

”اوہ۔“ لڑکی نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”وہ ہمارے چرچی کے فادر ہیں یعنی ہمارے پادری۔ یہ لوگ ان کو فادر کہتے ہیں۔“

”ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم لوگ اپنے پادری کو فادر کہتے ہو۔“ داور نے بتا دیا۔ ”اب تم کہاں جاؤ گی؟ ہم تمہیں اس طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جہاں ہو گی۔ تمہیں چھوڑ دیں گے۔“

”بس ایک رات کے لیے کہیں ٹھکانہ مل جائے“
 لڑکی کچھ سوچتی ہوئی بولی ”تو قلعہ صبح اٹھ کر پڑی سسر کے پاس کا لام بلی جاؤں گی“
 ”کالام“ داور چونک پڑا ”تمہاری بہن کا لام میں رہتی ہے“

”ہاں“ لڑکی نے جواب دیا ”وہ کالام میں رہتی ہے میرے بہنوئی نے وہاں ایک دکان کر رکھی ہے۔ میں بھی اکثر آتی جاتی رہتی ہوں“
 ”استاد“ عبدال نے داور سے پاس آکر سرگوشی کی ”یہ چھوڑ کر کام کلام ہے۔ اپن کو اس سے کالام کے بارے میں معلوم پڑے گا“

داور نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔ عبدال نے بڑے بے نیکی بات کی تھی کالام کے مسئلے میں اس دہی عیسائی لڑکی سے مدد مل جاسکتی تھی اس نے جب لڑکی سے بات کی تو وہ فوراً تیار ہوئی اس کا چہرہ اچھا تھا۔

”اپن بھی کالام پر جانے واسطے اب دھر ٹیڈا ہے“
 عبدال نے تیار ”کچھ حوا مو اکیہلنا ہے اوصھر جا کر“
 ”ہاں۔ وہاں تو بڑی کچھ ہوتا ہے“ روزی نے کہا ”میں تم لوگوں کو اس چراخانے کے بارے میں بھی بتا سکتی ہوں میں کئی بار وہاں بھی جا چکی ہوں“

وہ لوگ اس لڑکی کو بے کر لائی پر آئے۔ روزی لائی کو دیکھ کر بھی خوش ہوئی تھی۔
 ”تمہاری لائی تو بہت خوب صورت ہے“ وہ تعریفی انداز میں بولی۔

”بہ صورت تو میں بھی نہیں ہوں“ داور نے جواب دیا۔
 ”آوی کا دل خوب صورت ہو تو ہر چیز خوب صورت ہے۔ آوی میں نہیں کافی پلاتا ہوں“

وہ سب بیڑھیال ان کے کہیں میں آگئے۔ باہر کچھ خشکی سی تھی جبکہ اس کہیں کی فضا کچھ گرم اور پرسکون تھی۔
 ”عبدال!“ داور نے عبدال کی طرف دیکھا۔ ”تمہاری جیب میں پتا تو ہے۔ لیکن بہت تیز ہونا چاہیے“

”ہے استاد“ عبدال نے الجھی ہوئی نگاہوں سے داور کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھ پایا تھا۔
 ”تو پھر جیب سے پتا تو نکالو۔ اس چھوڑ کر کوئی نام کر دو“ داور نے روزی کی طرف اشارہ کیا۔ ”سال کے سارے ہال آثار دو“

”کیا؟“ روزی اچھل کر کھڑی ہو گئی ”کیا کہہ رہے ہو تم؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے؟“
 ”آواز نہیں نکالنا، سمجھیں“ داور غریباں ”ورنہ ملر پانی میں چھینک دوں گا۔ گوئی کا لو تم دونوں اس چھوڑ کر ہاتھ پیر لو اور۔ عبدال تم اس کے سر کے بال صاف کر دو۔ جلدی کرو“

وہ تینوں ہچکچاہے تھے لیکن داور کے تہور دیکھ کر انہوں نے روزی کو بکڑ لیا۔ وہ ان کی گرفت میں بہت بڑی طرح چل رہی تھی۔ داور کے اشارے پر عبدال نے اپنی جیب سے پتا تو نکال لیا۔ ان دونوں نے روزی کو دھکیلے ہوئے دیوار کے ساتھ جا کر لگا کر دیا۔

”مجھے، ذیل!“ روزی نے گلابیں دینی شروع کر دیں پھر سسکتی لگی۔ اس کو روتے دیکھ کر عبدال کے ہنسنے قائم رک گئے تھے۔

”ابن کسی چھوڑ کر پرتا ہے نہیں اٹھا سکتا استاد“ وہ داور کی طرف دیکھ کر بے بسی سے بولا ”تم ان کو پیرا بولو یا کچھ اور بولو۔ اپن سے یہ کام نہیں ہوئیں گا کیا“
 ”پھر سالانہ چھوڑ کر کاٹک روٹے لگا“ وہ غریباں اگر تم نے اس چھوڑ کر کو گناہیں کیا تو اپن یہ کام تیرے سنگ کرے گا سمجھا“

عبدال نے کھلا ہوا چاقو روزی کی پیشانی سے لگا دیا۔ اس کی سنکیاں اب دائر تیز ہو گئیں۔
 ”معاف کر دو مجھے۔ معاف کر دو“ وہ سسکتی ہوئی بولی۔
 ”میں دھوکہ دینے والوں کو معاف نہیں کرتا“ داور نے کہا ”تم لوگوں نے ہمیں کیا ہے و قوت سمجھ رکھا تھا۔“

”عبدال، اب یہ خود ہی بتائے گی“
 وہ تینوں اس کو چھوڑ کر الگ الگ ہٹ آئے۔ لڑکی سسکیاں تو بند ہو گئیں لیکن وہ ابھی تک ناک مڑ مڑا جا رہی تھی۔

”اپنی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی استاد، تم کو یہ معلوم ہوا کہ لڑکی کھلا کر رہی ہے“ عبدال نے پوچھا ”یہ تو مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا“ داور نے ”مجھے بے وقوف بنانا آسان نہیں ہے عبدال۔ اس چھوڑ کو بتا دو کہ وہی کے بدعاش مجھے کو برا کہتے ہیں اور نام سے کہتے ہیں۔ میں جس وقت گھر میں اس کی زدک پہنچا تو یہ لوگ اس طرح بیٹھے تھے جیسے میرا انتظار کر رہے ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں اس طرح بھاگ گئے“

اپنی ڈیوٹی پوری کر رہے ہوں۔ اگر وہ واقعی اس چھوڑ کی کو پریشان کر رہے تھے تو انہیں میرا مقابلہ کرنا چاہیے تھا ایک لمبے لمحے کے لیے پچھلک کر مارا۔ انداز مکتوں کے کیٹنے قاب کا سا تھا۔ واہ! کیا نزاکت تھی، اگر کوئی تجھے بھی وہ لیپ مانتا تو نشانے پر لگتا مگر کیسے لگتا، وہ لمبے لمحے رنا ہی نہیں پھانسا تھا۔ چہرہ بڑی آسانی سے اس حرا مزادی کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور یہ ہمارے ساتھ چلنے کو کیسے تیار ہو گئی جیسے پہلے سے انتظار کر رہی ہو۔ یہ کھپلا نہیں تو اور کیا ہے عبدال، مرا مردھوکہ ہے۔ تمہاری کھوپڑی میں تو گوہر بھرا ہوا ہے۔ تمہیں تو بس دارو چاہیے“

لڑکی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر کہنے کے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔
 ”تو پھر کھلاس کر دوں اس حرا مزادی کو“ عبدال نے کہا ”اس کا پورا اتنا خوفناک تھا کہ وہ لڑکی گھر کر کھڑی ہو لیتی تھی۔“

”نہیں نہیں، ایسا مت کرنا میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا“
 ”چلو یہی بتا دو کس نے بھیجا تھا؟“ گوئی نے پوچھا۔
 ”میں بہتر یہی ہے کہ سچ بتانا“
 ”مجھے اسی طرح بھیجا تھا ہے۔ میں خود مجبور ہوں“ لڑکی نے کہا ”میرے پاس نے نہ انگر میں اپنے بہت سے آدمی بیٹھ رکھے ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں وہ بہت نظر ناک آدمی ہے“

”کون ہے تمہارا پاس؟“ داور نے پوچھا۔
 ”بید و گنرا“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”وہی جو کالام پر یہ ایستاد بادشاہ ہے اور جس کے جوئے خانے میں دور دورے لوگ آتے ہیں“

اور داور نے ایک گہرا سانس لیا۔ اب سمجھا، چلو یہ اپنی اسٹوری سناتی جاؤ۔
 ”اس سے پہلے کسی نے مجھ پر شبہ نہیں کیا تھا لڑکی نے جواب دیا۔ میں اس طرح یاسی اور بہلنے سے ان لوگوں کے قریب آتی ہوں۔ جو کالام جہانے کے لیے آکر تے ہیں۔ برائے نقصد ان لوگوں کو چیک کرنا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کبیں غلط لوگ تو نہیں ہیں جب یہ اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ صرف تو ہی کھینچے آتے ہیں تو پھر لاش کا شواہد دے دیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو توخن جارتی کر دیا جاتا ہے“

”تم سیدھے طریقے سے لگ کر کسی کے پاس جاؤ تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟“ کا لونے کہا ”اتنا دیر نہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”اگر میں براہ راست کسی پارٹی کے پاس جا کر کہہ دوں کہ میں پیر و گنرا کی ایکٹ ہوں تو وہ اپنی اصلیت چھپلے گا پھر یہ نہیں چلے گا کہ آئے والا اس ارادے سے آیا ہے اس شخص قسم کی ترکیب سوچتی ہے کہ ہر امر حقیقت معلوم ہو۔“
 ”باس کو تمہارے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے ہمیں ہدایت کی کہ ہم تم لوگوں کو چیک کریں۔ پھر ہلا دیا آوی تمہارے پیچھے لگا رہا۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم لوگ لا پرن سے اتر کر شہر کی طرف جا رہے ہو اس لیے سچ راستے میں یہی ڈرامہ ترتیب دیا گیا۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم لوگ کسی لڑکی کی پیچ من کر مزدور متوجہ ہو گے اور اس طرح مجھے تمہارے قریب آنے کا موقع مل جائے گا۔“

”واہ!“ داور ہنس پڑا ”یہ تمہارا پاس تو ذریعہ مستعدی معلوم ہوتا ہے کسی شاندار ترکیب لڑائی ہے اس نے۔“
 ”چلو اب یہ بتا دو کہ ہم تمہارا حبیہ معلوم نہ کرتے تو پھر کیا کرتی؟“
 ”کرنا کیا تھا، میں یہاں کے ایکٹ کو بتا دیتی کہ تم لوگ واقعی کھینچے آتے ہو۔ تمہارا اور کوئی ارادہ نہیں ہے پھر تم لوگوں کو نوکری جاری کر دیا جاتا“

”تیرے کو اب ایسا نہ کرنے کا ہے“ عبدال نے سرو ہلے میں کہا ”ہم اب دھر جا کھینچنے کے واسطے آئیلا ہے، کیا۔ ادھر اپنے جیبا پیر کو تم نے ایسا ویسا بات بولا تو اپن تم کو ایک دم کھلاس کر دے گا“

داور کے لیے الجھن یہ تھی کہ وہ اس لڑکی کو رات بھر لا پرن پر نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ خود تو اس معاملے میں بہت سخت واہ تھا۔ عبدال بھی اسی کے مزاج کا تھا لیکن گوئی اور کا کے لیے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تھی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے نہ تھے۔ اس نے ویسے ہی پھوٹ کر لیا تھا کہ وہ دونوں بڑی عجیب نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے لڑکی کو داپس بھیجنا بہت ضروری تھا۔

”چلو اپنے پیر کو بتا دو کہ ہم لوگ کون ہیں“ داور نے لڑکی کو مخاطب کیا۔ ”اس کے بعد تم اپنے گھر چلی جانا۔“
 عبدال، تم میرے ساتھ چلو۔ گوئی اور کا لونے، تم دونوں ادھر ہی رہنا۔ ہم جلدی واپس آجائیں گے“

لڑکی نے کچھ کہنا سنا لیکن داد کے متور دیکھ کر کسی ہمت نہیں بڑی۔ داد و عبدل کے ساتھ اس لڑکی کو لے کر لالچ سے تارتا۔ اس معاملہ بڑی کا انتہائی منظر پیش کر رہا تھا۔ لالچ دلتے بھی روشنیان گل گمے کے سوچے تھے۔ لڑکی ان کی راہنمائی کر رہی تھی عبدل اور داد اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ تینوں ایک ایسے علاقے میں آگئے جہاں زندگی بھیا جاگتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ ایک سرگ تھی جس کے دونوں طرف جھوٹے چھوٹے شراب خانے بنے ہوئے تھے۔ ان میں ابھی رات جو ان تھی۔ لوگوں کے قبضے بلند ہو کر پریچل رہے تھے۔ اور یہاں کے فٹ پاتھ پر آنے جانے والوں کی بھر مار تھی۔ یہاں کا ہول بھی سے قسے مختلف تھا۔ اکثریت دیسی عسائیوں کی تھی۔ یہ وہ بھگڑ اور دھبے بند و ستانی لڑی یہاں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ لڑکیاں اور لڑکے ہاتھ میں ہاتھ دلتے فز سے شہل بے تھے۔ ہندوستانی دسکو گانوں کے ساتھ تیر مغربی موسیقی بھی سنائی دے رہی تھی۔

چاناک ایک آدمی کسی طرف سے نمودار ہوا اور اس نے داد کا راستہ روک لیا۔ داد کو سکتے دیکھ کر عبدل بھی رک گیا۔ تھا جبکہ گتائی ہوئی لڑکی بڑی تیزی سے بڑھ آئی تھی داد نے محسوس کیا کہ لڑکی اس آدمی کو دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔

وہ ایک توہی سیکل آدمی تھا۔ اس نے نیلی قمیص پر بغیر آستینوں والی برسی پہن رکھی تھی۔ اس کے بازوؤں کی۔ مچھلیاں بنائیں تھیں کہ وہ ورزش کرنے کا عادی رہا ہے۔ داد کو اس کے چہرے میں ایک خاص بات یہ دکھائی دی کہ اس کے چہرے پر بال نہیں تھے۔ بھٹیوں تک نہیں تھیں سر پر بھی ایک بال نہیں تھا۔ مجموعی طور پر وہ ایک بھیا کسکی شکل و صورت کا آدمی تھا۔ اس نے اپنی دونوں کلائیوں پر چمڑے کی چوڑی پوڑی پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔

”اے مدین، اس نے داد کے شانے پر ہاتھ بھاری بھر کم ہاتھ رکھ دیا۔ تم اس چھوڑی کو کھرے سے جانتا ہے۔“

یہ کوئی ڈرامہ نہیں تھا کیونکہ داد نے اس لڑکی کے خوف کو محسوس کر لیا تھا۔

”تم سالہا کون ہوتا ہے پوجیے والا؟ داد نے جھلا کر کہ اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ سالہا، اگر تم نے اگر کوئی ڈرامہ کیا تو اپن تمہارا تصور بڑا لان کر دے گا، نام کا ٹانگ، کیا؟“

”یہ نام جوزف ہے اس نے کہا۔ پورا مہانگ جانا ہے کہ ام اس لڑکی سے محبت کرتا ہے۔ میرے کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ اس حرامزانی سے پرور گزرا کے لیے کام کرتی ہے۔ میں میرے کو اس ایڈیٹ مڈرو گزرا کا بھی پروا نہیں ہے۔ ہم کسی دن اس واسطہ پر آئی ناگیں پیر کر چینگے گا۔ یہ فوٹش لڑکی جب کسی کے سنگ اس طرح جھٹکتے تو ابی نا ہم سے رواشت نہیں ہوتا۔ ہم ہر اس آدمی کے ٹکڑے کر کے گا جو اس لڑکی کے سنگ دکھائی دے گا۔“

”جوزف یہ کیا حماقت ہے؟ لڑکی نے آگے بڑھ کر فریٹ دیا۔ تم ہمیشہ سہی کرتے ہو۔ ان سے میر کوئی واسطہ نہیں؟“

”تم اپنی زبان بند رکھو لڑی فول؟“ جوزف غرا پچھ اس نے داد کی طرف دیکھا۔ دیکھو میں، ہم بہت سستا اور کھرا آدمی ہے۔ ہم تمہیں اس لڑکی کے ساتھ کسی روڈ پر چیلنے کا حق نہیں دے سکتا۔ لیکن باقی گاؤں ہم نے بھی کسی پڑھو کے سے خبر نہیں کیا ہم رنگ میں بھی لگا کر مارا ہے ہم تم کو لگا کر مارا ہے۔ ہم تم سے فاسٹ کرنا انگشا ہے میں، اگر تم جیت گیا تو یہ شک پڑے ہانگہ میں اس چوکری کو لے کر گھومتا رہو۔ ہم کچھ نہیں بولے گا اور اگر تم ہار گیا تو کبھی اس ساتھ دکھائی نہیں دینا۔“

”یکسا نظر پڑ گیا استاد، عبدل قریب آکر بولا۔ اگر بوا تو کھلاں کر دوں اس کو؟“

”نہیں، داد نے انکار میں اپنی گردن ہلا دی۔ یہ بھی ہڑ کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پھر اس نے جوزف کو مخاطب کیا۔ پھر ا، اپن کا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے اور اپن کا اس چوکری سے بھی کچھ نہیں لینا دینا لیکن تم خالی پٹی رستے؟“

”اگلیا ہے۔ اسی لیے بات بات مان کر راستہ سے دو یا پھر اپن تم سے بڑے کو تیار ہو جائے گا۔ پھر کچھ مت کہنا۔“

”تم بڑے کو تیار ہو جائے گا؟“ جوزف ہنس پڑا۔ اس ہنسی بھی بڑی وحشیانہ تھی۔ یہ کیا بات کیا تم نے، ایسے ہے تیرے کو اپنا لائف پسند نہیں ہے؟“

”جوزف، بڑی نے اس نا بھی نا شخص کو پھر مخاطب کیا۔ پلیر یہ سب مت کرو۔ مجھے کیوں تماشا بولتے ہو۔ جب جوزف نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا تو اس نے کو دیکھا۔ اس کی بات پر دھیان مت دو، یہ ہمیشہ یہی کرتا ہے میرے ساتھ کسی کو نہیں دیکھ سکتا۔“

اس دن رات ادھر ادھر سے بہت سے لوگ بھی ان کے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ داد نے محسوس کیا

ان میں سے ہر ایک جوزف کو غصے، نفرت لیکن خوف سے دیکھ رہا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ جوزف اس قسم کا تماشا اکثر کرتا رہا ہو لیکن آج تک شاید اسے کسی نے روکنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ اس قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وحشیانہ تہذیب۔

”مجھے اس چوکری سے بہت محبت ہے؟“ جوزف نے پھر کہا۔ اور میں کسی اور کے ساتھ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ جاہ وہ اس کا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے ہم تم دونوں کو بھی نہیں دیکھنا مانگتا۔ اب تم مجھ سے فائیٹ کر کے کو تیار ہو جاؤ۔ لیکن ہم یہ فائیٹ اس لڑکی کا نام پر کرے گا۔ ادھر دیکھو، اس طرح۔“

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مڑی لڑی سی تصویر نکال لی۔ داد بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جوزف نے وہ تصویر داد کی آنکھوں کے سامنے لہرا دی۔ وہ روشنی ہی کی تصویر تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ، نہ جانے کس زمانے کی تھری ہوئی۔ لیکن روزی کے قد و حال پہچانے جا سکتے تھے۔ روزی اپنی تصویر جوزف کے ہاتھ میں دیکھ کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بہت بری طرح ترس اور شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ تماشا دیکھنے والوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”یہ تصویر اس لڑکی کی ہے؟“ جوزف نے کہا۔ ”اور ہم تصویر کو اس ٹانگ فولہ کو دیتا ہے۔ آنا کہہ کر اس نے تصویر کو زبرد مڑ کر اس کا گولہ سنا لیا۔“ اب ہم یہ تصویر بڑے ڈالنے کا تمہارا آدمی دن تو بھر کی لٹے گا اور ہم دونوں تصویر بٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اگر تم نے پہلے اٹھا لیا تو پھر ہم کچھ نہیں بولے گا۔ راستے سے ہٹ جائے گا اور اگر میں نے اٹھا لیا تو پھر تم اس کے ساتھ نہیں ملنا، سمجھ گیا؟“

داد اس پکڑ میں نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ یہ آدمی خود اس کے گلے پڑ گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس لڑکی پر لعنت بھیج کر لالچ کی طرف چلا جائے۔ لیکن اسے اس لڑکی سے کام بھی لینا تھا۔ اسے خود ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو بڑے کے خواہنے میں جا چکا ہو تاکہ وہاں کے اندر دفنی حالات معلوم کیے جا سکیں اور یہ لڑکی اس کے اپنے بیان کے مطابق وہاں کئی بار جا چکی تھی۔ اسی لیے وہ اس جو خانے کے کسے میں مدنیہ حکومت دے سکتی تھی۔ اسی لیے اسے مرحلے پر وہ اس لڑکی سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اسے ہر حال میں اس بھرے ہوئے آدمی سے جنگ کرنی تھی جو کسی گزرتے کی طرح طاقتور معلوم ہوتا تھا اور خود ہی اس سے

اچھڑا تھا۔ استاد اپن کو اس لڑکے میں نہیں پٹنے کا کیا؟ عبدل نے اسے مخاطب کیا۔ یہ چوکری کا گلے زبرد جانے؟


”کچھ بھی نہیں ہوگا؟“ داد نے کہا۔ یہ جنگ میں نے نہیں اس گنڈے نے شروع کی ہے۔“

”تو پھر کیا بولتے تم؟“ جوزف نے مسکرتے ہوئے کہا۔ ”میرے سے فائیٹ کرنا نہیں مانگتا۔“

”کیوں نہیں مانگتا؟“ داد نے ایک گہرا سانس لیا۔ جیکل ہے، تم یہ تصویر چھینک دو۔ اور عبدل تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس نے عبدل سے کہا۔

عبدل اپنے شانے اچکا تا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔ روزی بھی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ قریب کھڑے ہوئے لوگ بھی کئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ جیسے مقابلے کے لیے

عمران ڈائجسٹ کا سنسنی خیز سلسلہ
اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے



ماضی کی کٹر

زمانہ قدیم کے ایک نوجوان نے جب نئی دنیا میں آنکھ کھولی تو حیران رہ گیا، دیوی دیوتاؤں کی سازش کے شکار کی الوھی داستان، وہ اپنے دور کا ناہوا ہمارا تھا، شروع سے آخر تک حیرت ہی حیرت

مکمل ایک حصہ قیمت: ۱۰ روپے ڈاک خرچ، رپے ۱۰ منگو کے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

۳۷ اردو بازار، کراچی

جنگ خالی کی جا رہی ہو۔ بہت سے لوگ داور کو ہر دھڑکا ہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ بظاہر داور اس گینڈے کی جنت میں بہت فرق تھا یا وہ یہ جانتے تھے کہ یہ آدمی کس قدر خطرناک ہے۔

”یہ لوہ میں نے یہ تصویر چھینک دیا۔“ وہ تصویر ایک طرف پھینکتے ہوئے بولا۔ پھر اس نے عبدل کی طرف دیکھا۔ چلو دن تو بھری بولو؟

”دن تو بھری۔“ عبدل اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے چلا یا۔ تھری کے ساتھ ہی وہ دونوں اس تصویر کی طرف چپٹ پڑے۔ سب سے پہلے داور ہی پہنچا تھا۔ اس نے جھک کر تصویر اٹھا لی۔ اور اسی وقت جوزف کی ایک زوردار ٹھوکراس کے ہاتھ پر لگی جس ہاتھ سے اس نے تصویر اٹھا لی تھی تصویر اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف جا گری اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا وہ ہاتھ اس کے جسم سے الگ ہو گیا ہو۔

جوزف نے بڑی بے دردی کے ساتھ ٹھوکرا سید کی تھی۔ ٹھوکرا ماستے ہی وہ تصویر کی طرف دوڑ پڑا۔ اور داور نے اپنا ایک پیر اڑا دیا۔ جوزف اس پیر سے لچھ کر قلا زبیا کھانٹا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ گرتے وقت وہ کسی جھینس کی طرح ڈگرایا بھی تھا۔

داور نے چھوڑ کر تصویر کی طرف لپکا لیکن پھر جانک اس طرح ہلٹ آیا جیسے کوئی اسپرنگ کھینچ لی جائے۔ اس نے جوزف کو سنبھل کر اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ پوری طرح اٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ داور اس کے سر پر مہینچ گیا۔ اس نے بوری قوت سے ایک زوردار ٹھوکرا جوزف کے گھٹنے پر رسید کر دی۔ جوزف تڑپ کر چھوڑ دیا۔ ہو گیا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر داور پھر تصویر کی طرف مڑا۔ اس نے تصویر اٹھا لی اور اسی لمحے جوزف پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔

اس شخص میں بھی جنونی قوت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی برداشت کمال کی تھی۔ داور نے اتنی برداشت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر داور کے ساتھ ایک الجھن یہ ہو گئی تھی کہ جوزف نے اس کے جس ہاتھ پر ٹھوکرا لگائی تھی وہ ہاتھ ابھی تک درد کر رہا تھا۔ اس ہاتھ میں جان ہی نہیں رہی تھی۔

وہاں کھڑے ہوئے لوگ پہلے تو اس مقابلے پر خوفزدہ ہو گئے تھے لیکن اب داور زور سے تالیاں بجا رہے تھے۔ داور کے لیے یہ ایک بے مقصد جنگ تھی جو بس یوں ہی اس

پر مسلط کر دی گئی تھی۔ اور اب وہ اس سے پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔

جوزف نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے جڑے پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ داور اس ضرب سے لڑکھڑکے پیچھے تو ہٹ گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جوزف کے مکے مانے کا انداز پیشہ ورانہ ہے۔ شاید وہ کسی زلنے میں باکسر ہو گیا ہو یا اب بھی اس فن سے متعلق ہو۔ داور کے پیچھے ہٹتے ہی جوزف نے ٹھوکرا ماسے کے لیے اپنا پیر پھر اٹھا یا۔ وہ داور کے اب دوسرے ہاتھ پر ٹھوکرا مارنا چاہتا تھا جس ہاتھ میں داور نے تصویر پرے رکھی تھی۔ لیکن اس بار داور اس سے زیادہ پیر تولا ثابت ہوا۔ وہ ایک طرف گھوم گیا۔ جوزف کی ٹھوکرا خالی چلی گئی۔ اس کا پاؤں فضا میں لہر لہر کر رہ گیا تھا۔ اسی لمحے داور نے ایک ٹھوکرا اس کے اگلے ہونے پیر کے پچھلے حصے پر رسید کر دی۔ یہ بڑی وحشیانہ ٹھوکرا تھی۔

جوزف ہلپلا تا ہوا اس مرک پر ڈھیر ہو گیا۔ داور نے اب اسے ٹھوکروں پر لکھ لیا تھا۔ چار بار پھر ٹھوکروں کے بعد جوزف کے کس بل نکل گئے۔ اس نے اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر تماشاشا دیکھنے والوں نے ہر جوش امانا میں تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ داور ان لوگوں کی طرف دھیان دینے پر غور دل اور رذی کی طرف آ گیا۔ رذی رو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسو سے بھری ہوئی تھیں۔

”یہ لو اپنی تصویر پر۔“ داور نے اپنی مٹھی میں دی ہوئی تصویر رذی کی طرف بڑھا دی۔ تم چھو کر لوگ بھی کیا کیا عاشق پال کر رکھتا ہے۔“

”میں مجبور رہوں۔“ رذی سکے لگی۔ مجھے معاف کر دو۔“

”اچھا اچھا۔“ رذی انہیں داور جلدی سے بولا۔ تاب تم اپنے گھر چلو۔“

روز کی کاکھ اس مرگ کے اختتام پر تھا گھر کیا لیں ایک کرہ تھا جو ایک بڑے سے مکان سے منسلک تھا۔ اس کرس کا دواڑہ باہر لگی کی طرف کھلتا تھا۔ اس کے کاسازو سامان بھی جیسے معمولی تھا۔ ایک چار پائی میں پر معمولی سا بیستر کرے میں رکھی ہوئی دو کرسیاں اور ایک میز ایک چھوٹی کا امارا تو اس کے سامنے باندھا ہوا تھا۔ داور اور عبدل کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے جبکہ رذی کے سامنے والے بیستر پر بیٹھی تھی۔ اس کے آسرو نو بند ہو چکے تھے لیکن اس کی۔

ہمیں سوچی ہوئی تھیں۔

”یہ سب کا لفظ ہے بے بی۔“ عبدل نے اسے مخاطب کیا۔ یہ کیوں پیچھے رہ گیا تھا۔“

”کیا بتاؤں۔“ رذی نے ایک گہرا سانس لیا۔ میں بہت بدتمت لڑکی ہوں۔ ہم دو بہنیں ہیں۔ میں اور بوری وہ مجھ سے بڑی ہے۔ ہم لوگ اس کھولی میں پیدا ہوئے تھے۔ میرا پ میری پرورش کے کچھ دنوں کے بعد مر گیا تھا جبکہ ہماری ماں ہم دونوں کے جوان ہونے کے بعد مری تھی میری بہن سوزی بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ اس نے مائیکل نامی ایک آدمی سے شادی کر لی تھی جو بعد میں بہت غلط ثابت ہوا۔ میں نے جھوٹ کا تھا کہ میرے بہنوئی کی گالام میں دوکان ہے بلکہ وہ میرا بہنوئی پیڑہ و نرس کے جوان خانے میں کام کرتا ہے۔ وہ میری بہن کو بھی اپنے ساتھ لے گیا اور پیڑہ و نرس کے اپنے پانی محبوب بنالیا تھا۔ وہ بے جا رہی مجبور ہو گئی تھی۔ دیکھو وہ دل کی بہت اچھی ہے۔ وہ بھی آج کل کسی کے جوان خانے میں بیٹھی ہے جبکہ پیڑہ و نرس اصر رہا تھا میں مجھے اپنا ایک بٹ منور کر دیا۔ میرا کام آدمیوں کو چوبک کر کے جوا کھیلنے کے لیے اس کی طرف بھیجنا ہے۔“

”اور گینڈا کون ہے؟“ عبدل نے بتایا۔ ”جوان کے متھے لگ گیا تھا۔“

”وہ جوزف ہے؟“ رذی نے بتایا۔ ”سب سے وہ ایک پیشہ باکسر تھا۔ پھر جب اس نے مجھے دیکھا تو دیوانہ کی طرح مجھ سے محبت کرنے لگا۔ جبکہ میں اس سے خوف کھاتی ہوں۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ یہ پورا علاقہ اس سے خوف کھاتا ہے۔ لوگ اس کی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہیستے ہیں۔ وہ میرے محلے میں اتنا حاسد ہے کہ کسی کو بھی میرے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے نہ جانے کس طرح میری تصویر حاصل کر لی تھی جو آج تم نے اس سے چھین لی۔ میرے ساتھ قوادی بھی نظر آتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ میری حرکت کرتا ہے یعنی تصویر ایک طرف چھینک کر اٹھانے کی دعوت دیتا ہے پھر مار مار کر اس کا کلیہ خراب کر دیتا ہے لیکن آج تم نے اس کا سارا غرور خاک میں ملوایا۔ کیا تم بھی باکسر ہو چکے ہو؟“ اس نے یہ سوال بڑی مصومت سے کیا تھا۔

داور اس کی بات سن کر مسکرایا۔ پھر اس نے سوال کیا۔ ”جوزف پیڑہ و نرس آدمیوں کو کچھ نہیں کہتا۔“

”وہ جانتا ہے کہ یہ پیڑہ و نرس آدمی ہیں۔ اسی لیے وہ

انہیں میرے ساتھ دیکھ کر کچھ نہیں کہتا۔ بس ایک ایک کرتا رہتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پیڑہ و نرس ایک جوزف کے خلاف کیوں نہیں قدم اٹھایا۔ جوزف اس کے پاس آئے والوں کی ٹھکانی کر دیتا ہے لیکن پیڑہ و نرس کچھ نہیں کہتا۔“ اچھا اب اب میں جانتا ہے۔“ داور اناک کھڑا ہو گیا۔ ”اب اپن لوگوں کو گالام ملک جانے کے لیے لوگن جاہے۔“

”میں خود ہی لوگوں کے کلک جمع تھا رہے پاس آجاؤں گی؟“ رذی نے کہا۔ وہ دونوں اس کے کمرے سے باہر گئے۔ رات اب اور بھی تاریک اور بولان ہو گئی تھی۔ لیکن جب وہ اس مرگ کے وسط میں پہنچے جہاں شراب خانے اور ہوٹل بنے ہوئے تھے تو یہاں زندگی کی بڑی بڑی پھر دکھائی دینے لگی یہاں ابھی تک لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ شراب خانے اور ہوٹل آباد تھے۔ اور ان سے نکلتی ہوئی آوازیں فضا کو شور مارتی رہی تھیں۔ جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شاید وہ کچھ ہی دیر بعد خود ہی اٹھ کر کسی طرف چلا گیا ہو۔

پھر داور کی نگاہ ایک عورت پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ یہ ایک بوڑھی عورت تھی۔ جو ایک ہوٹل کے سامنے والے فٹ پاتھ پر بیٹھی تھی۔ اس عورت کے جسم پر کپڑوں کے نام پر چھوٹے جھول رہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ خوبصورت بھی رہی ہو۔ لیکن اس وقت وہ اپنے کندھڑ کی طرح ہو رہی تھی۔ جس کی دیوار پر چھترے لگی ہوں۔ اس عورت کی گردن میں ایک چھوٹا سا پتھر بھی تھا جو کھلائے جا رہا تھا اس کے پاس دو چار برتن بھی رکھے ہوئے تھے۔ اور ہوٹل کی دیوار کے پاس ایک ٹشیا بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ عورت راہ گروں کی طرف سرٹ پھری لگا ہوں سے دیکھتی تو تھی لیکن اس کے ہونٹ خاموش رہتے تھے۔

داور کی نگاہ اس طرف سے جاتے ہوئے اس عورت پر نہیں پڑی تھی لیکن اب وہ اسے دیکھ کر اس طرح رک گیا تھا جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے ہوں۔

”کیا ہو گیا استاد؟“ عبدل نے اسے مخاطب کیا۔ کیا دیکھ رہا ہے؟

”تم اس عورت کو دیکھو عبدل۔“ داور نے اس عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ میری ماں ہے۔“

”تمہاری ماں؟“ عبدل نے حیران ہو کر پوچھا۔ یہ کیا کہہ رہا ہے استاد؟ یہ عورت تمہاری ماں کیسے ہو سکتی ہے؟

ہاں، یہ میری ماں ہے اور اس کی گود میں جو بچہ دکھتا ہے نا، وہ میں ہوں۔ نہیں نہیں معلوم، ڈٹ پاتھ پرہنے والا ہر عورت میری ماں ہے۔ ہر بچہ میں ہوں اور سلیم ہے۔ تم سلیم کو بھی نہیں جانتے ہو گے۔ وہ میرا بھائی تھا۔ سالانہ نہیں کہاں چلا گیا۔ یہ بھائی لوگ بھی ایسا ہی ہو کر مرنے ہیں۔ جب ساتھ نہ رہتے ہیں تو سائے کی طرح رہتے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو پتا نشان بھی نہیں دیتے۔ آؤ عبدل میں اپنی ماں سے مل لوں۔“

عبدل کے لیے داور کا یہ روپ قطعاً اجنبی تھا۔ اس نے کبھی داور کو اتنا اداس اور پریشان نہیں دیکھا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ داور کو کوئی بھائی بھی ہے۔ وہ داور کے مامی کے ہاں ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا لیکن آج خود داور نے یہ گفتگو چھیڑ دی تھی۔ وہ بہت ڈوٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ داور اس عورت کے پاس آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ عبدل اس کے ساتھ ہی کھڑا رہا تھا۔

ماں! داور نے اس عورت کو مخاطب کیا۔ میری طرف دیکھ ماں، میں تیرا بیٹا ہوں۔ مجھے یہ پتی ہے کیا؟“

عورت نے بھی ہوتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس عورت نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور اس وقت عبدل کو معلوم ہوا کہ وہ عورت کو گئی ہے۔

”ہاں ماں! داور ایک گہرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔“

”دنیا کی ہر مظلوم عورت تمہاری طرح کوٹھی ہوتی ہے۔“

پھر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بہت سارے نوٹ نکالے اور اس عورت کے قدموں میں رکھ دیے۔ عبدل کے لیے یہ سب کچھ بہت حیران کر دینے والا تھا۔ داور کی شخصیت کا عجیب پہلو اس کے سامنے آ رہا تھا۔ نوٹ ڈھیر کرنے کے بعد اس نے بڑی عقیدت سے اس عورت کو سلام کیا۔ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور عبدل کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تمہارے پاس دارو کے پیسے ہیں عبدل؟“

”ہیں استاد! عبدل نے اپنی جیب پر تھپکی دی۔“

پر تمہیں دارو کی کیا سوجھی؟“

”اُس خاموش رہو، داور چلا گیا۔ بس میرے ساتھ چلے آؤ۔“

وہ دونوں جس شراب خانے میں داخل ہوئے وہ بہت چھوٹا سا تھا۔ ایک طرف ایک کاؤز مڑا ہوا تھا۔ جس کے نیچے دیوار میں کڑی کے غلیظ تھن میں شراب کی بوتلیں بھری رکھی تھیں۔ ان میں مقامی شرابی بھی تھیں اور باہری بھی تھیں۔

شراب خانے میں مگر بیٹوں کا دھول پھیل ہوا تھا اور لوگوں کے مکررہ ہتھوں نے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ان دونوں کو ایک خالی میز مل گئی تھی۔

شراب اگرچہ مقامی طور پر کرشن پید کی تھی لیکن اس کا ذائقہ بہت عمدہ تھا۔ شراب نوشی کے درمیان داور خاموش رہا تھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر اپنے سر کو جھکا دیا پھر شراب کا گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیتا۔ اس کے زخم پر ہونے جارہے تھے۔ اس کی یہ کیفیت عبدل کے لیے بالکل نئی تھی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ وہی دارو ہے جو اپنے ساتھ طوفان لے کر چلا کر آیا ہے۔ نہ جانے کیسی یادوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

شراب کی گردہ دونوں شراب خانے سے باہر آئے عبدل نے بھی اتنی ہی تپتی تھی۔ وہاں سے بنی تھی لیکن داور کے قدم لرختار رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر خود کو فراموش کر دیتا چاہتا ہو۔ پھر اس نے اسی طرح چلتے ہوئے داور سے اس کا ناشروع کر دیا۔ اسے دل کہیں اور چلے گئی دنیا سے سالانہ بھر گیا۔

”کیا بات ہے استاد آج بہت ترنگ میں ہو؟“ عبدل نے اسے لوگ دیا۔

”نہیں باری میں ترنگ میں نہیں ہوں! داور نے نشے میں بھی بھٹکا ہوا کھول کر خاص اردو میں جواب دیا بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ نہیں معلوم ہے فلم میں کیا ہوتا ہے سامنے ایک پردہ ہوتا ہے، سفید سفید سا۔ اس پردے کے سامنے بہت سے لوگ بیٹھتے ہوتے ہیں۔ سب کی آنکھیں اس پردے پر ہوتی ہیں اور بالکل پیچھے ایک آؤنی ایک نشین لے بیٹھا رہتا ہے۔ اسی نشین سے پردے پر فلم دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت بھی میرے سامنے ایک پردہ ہے اور اس پردے پر ایک فلم چل رہی ہے۔ بہت عجیب فلم ہے یہ میری اپنی فلم ہے عبدل۔ میری ماں کی فلم ہے میں نے جب بوجھ سمجھا لاؤ سب سے پہلے نیلے آسمان اٹھتے ہوئے فٹ پاتھ مرگ پر چلتی ہوئی گاڑیاں، ایک بوش بہت سی دکانیں اور اپنی ماں کو دیکھا۔ بالکل اس عورت کی طرح جو ابی صرف فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ میری ماں کے پاس ایک کبیل تھا۔ بڑا سا لیکن اس میں بہت سے سوراخ تھے۔ وہ جب پردے کی رات کو وہ کبیل ہم دونوں بھائیوں پر ڈالی تو بھی ہم دونوں سردی سے کانپتے رہتے۔ اس ایک کبیل کے علاوہ میری ماں کے پاس ایک کتہہ بھی تھا۔ ایک صندوق تھا جس میں

کچھ کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پانی پینے کا مٹکا تھا۔ کچھ برتن تھے اور ایک چوڑھا۔ یہ سب سامان بھی میری ماں نے نہ جانے کیسے جمع کیا ہو گا۔ اہم دو بھائی تھے۔ داور اور سلیم سلیم مجھ سے تین سال چھوٹا تھا۔ میری ماں بہت خوبصورت عورت تھی۔ ادھیری ماں سے بھی زیادہ میرا باپ خوبصورت تھا۔ تھا کیا۔ بلکہ ہے۔“

”ہے۔ یہ تم کیا بولا استاد؟ عبدل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کہ صبر سے تمہارا باپ! اپن کو آج مامو پرڑا کہ تمہارا باپ بھی ہے۔“

”میں تم پر رہا ہوں عبدل! داور نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اتنا بڑا آدمی ہے کہ اس کی طرف گردن اٹھا کر دیکھو تو گردن میں درد ہو جائے۔ اس کے کان اتنی دولت ہے کہ بولتا ہی خرید لے لیکن وہ اس وقت دغمنہ نہیں تھا جب میں اور سلیم اس کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ایک کلرک تھا۔ سی سرکاری محکمے میں لیکن اس کو دارو اور کچھ عادت پڑی ہوئی تھی۔ یہ دونوں بہت لختی تھیں، میں عبدل۔ اس کی طرف ہو گیا وہ مر گیا۔ اور ہم نولے پہلانی مرنے کے لئے ہوئے ہیں۔ تو میں یہ بتا رہا تھا کہ میری ماں میرے باپ کی بہت خدمت کرتی تھی۔ وہ جب رات کو دارو پتی کرتے تھے میں دھت آپا کرتا تو ماں اس کے جوتے اتار لی۔ کیلے کپڑے سے اس کا چہرہ صاف کرتی اور چپکے چپکے روٹی لیتی۔ اس وقت ہم بہت چھوٹا تھا۔ سارا لیکن مجھے لگی تک پاؤں ہے۔ ماں کے انگوٹوں کو زبردستی بھر پاد رہتے ہیں۔ تو وہ انگوٹے بھی یاد ہیں۔ پھر جوتے روئے میری ماں کی آواز بڑھنے لگی تو میرے باپ کو غصہ آجاتا۔ وہ بولتا کہ یہ عورت گھر میں خود مٹھیلائی ہے۔ پھر وہ ماں کو مارنے لگا۔ بہت بڑی طرح مارتا تھا۔ جیل سے جیل مار کھا کھا کر مرنے ہو جاتا۔ پھر جب باپ تنگ جاتا تو ہم سب بڑا جاکر لپٹ جاتا۔ اس بھی تو زندگی تھی اپنی۔ میرے ساتھ میرا چھوٹا بھائی بھی تھا۔ جب جھگڑات بڑھتا تو میں اسے گود میں اٹھا کر باہر چلا جاتا۔ پھر جب واپس آتا تو باپ سوچا ہوتا اور ماں اپنی فخر کو روٹی ہوتی۔ پھر وہ میرے آگے سوچی روٹی دے دیتی۔ پھر عبدل یہ روٹی بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اس کے لیے کیسے کیسے جلنے کرنے پڑتے ہیں۔ کیسی کیسی باتیں سنی پڑتی ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اوپر والے نے انسانوں کو پیدا کیا اور روٹی کے پیچھے رکھ دیا۔ یاد نہ لے سکی سواری کے

اس جانور کو دکھا ہے جو اگر چلنے میں آڑی کرتا ہے تو اس کا مالک ایک ڈھکے سے اس کی غذا باندھ کر اس کے منہ کے آگے لے جاتا ہے اور وہ غذا حاصل کرنے کے لیے میلوں دوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہی حالت ہم انسانوں کی ہے میرا باپ بھی روٹی کے پیچھے دوڑتا رہا تھا۔ یادیں تو بہت سوچا ہوں کہ اگر کسی کو روٹی آدھی ملے وہ بھی تڑپے اور اگر بہت سی مل جائے تو وہ بھی بڑپے۔ آدھی میں انسان میرے باپ کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر دارو پتی کر آنا اور اپنی بیوی اور بچوں کو مارنا اور اگر بہت سی مل جائے تو بھی انسان میرے باپ کی جیسا بن جاتا ہے۔ جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے بچے کہاں ہیں بیوی کہاں ہوگی۔ اور ایک بات اور بتا دوں عبدل اصل چیز روٹی نہیں ہے پیسہ ہے۔ پیسہ انسان کی جیب میں ہوتا تو جھوک بھی نہیں لگتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہریش بھرا ہوا ہو۔ میں پیسے کی طاقت کا ایک واقعہ بتاتا ہوں۔ ایک بار فٹ پاتھ میری ماں عید پر گئی۔ سڑک کے سامنے ایک ڈاکٹر رہتا تھا مالدار میں رات کو اسے بلائے کے لیے گرا پہلے تو وہ اس بات پر بہت ناراض ہوا میں رات میں اس کے دروازے پر چلا آیا تھا۔ پھر بیس روپے مانگے۔ اس وقت ماں کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ کتنی ڈاکٹر فٹ پاتھ کی ایک جران چھوڑی کا ذریعہ علاج کیا کرتا ہے۔ میں نے جب یہی بات ڈاکٹر سے کی تو وہ ہنس کر بولا کہ چھوڑی اور تیری ماں کا کیا غافل چھوڑی ابھی جوان ہے اور تیری ماں بوڑھی ہو چکی ہے میں تجھ کو بتا ہوں عبدل کہ اس وقت مجھے معلوم تھا کہ ڈاکٹر کے اس جملے کا کیا مطلب نکلتا ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو میں اسی وقت اس کا پیٹ بچھا دیتا۔ مجھ میں بہت فاروڈ چلا گیا ہوں، میں نہیں اپنے باپ کے ہارے میں بتا رہا تھا کہ اس نے ہم لوگوں کو کس طرح رکھا ہوا تھا۔“

”پھر نہ جانے کیسے میرے باپ کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے ہوئی جو وہ مگر کام کیا کرتے تھے۔ میرا باپ تو موقع کے انتظار میں نہ رہتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اور اس طرح میرے باپ کے پاس پیسے لگے۔ میں یہ کہت ہوں کہ وہ پھر میرے باپ کے پاس آتا تھا۔ میرے گھر میں نہیں آتا تھا۔ تم اس سے کوئی غلط مطلب نہ نکال لینا۔ کوئی کی جیب میں جب پیسہ آجائے تو بہرانی چیزیں آگے گوارا نہیں ہوتیں۔ وہ ان سے بھی بچھڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں لے پڑے بدل لیتا ہے۔ پر ان فینچر بدل لیتا ہے۔ جہاں لے جوتے بدل لیتا ہے اور بہرانی بیوی بدل لیتا ہے۔

میرے باپ نے بھی الیہائی کیا۔ جب میرے آپاؤ اس نے چکے چکے نیلانی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ میری ماں کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اسے آکر بتا دے۔ بس کئی شادی وہ نیلانی اسی مزاج کی تھی۔ اس کے لیے بھی اس کا بدن جھکا سب کچھ پیسہ ہی تھا۔ وہ اور میرا باپ دونوں مل کر بڑا بڑا کام کرنے لگے۔ بچاؤ ایک دن ایسا آیا کہ دونوں کے پاس بے حد شرف و دولت ہوئی۔ اور اس وقت میرے باپ نے ہم سب کو سے بچھا چھڑا لیا۔

اور اتنا کچھ کر خوش ہو گیا۔ عمل اس کی طرف جرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں بڑے دھیان سے سن رہا تھا۔ آج عبدال کو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ داد نے اپنی زندگی کس طرح گزاری ہے۔ یہ بے جگر انسان اپنے سینے پر کیسے کیسے زخم چماتے زندہ ہے۔ وہ دونوں اس وقت بھی ساحل سے بہت دور تھے۔ اس کے علاوہ ان کی رفتار بھی بہت زیادہ سست تھی۔

”میرے باپ نے جانتے ہو کس طرح میری ماں سے بچھا چھڑا لیا۔ وہ ایک دن میری ماں کے پاس آیا اور اس نے اس کے بہتر پردس ہزار روپے کے سنے سنے نوٹ چھید دیے۔ اس نے کہا کہ اس نے میری ماں کو چھوڑ دیا ہے۔ میری ماں بہت روٹی بہت چلائی۔ اس کے پر تک پر پڑے لیکن میرے باپ نے اس کی ایک بھی نہیں سنی۔ وہ پہلا دن ہے عبدال جب مجھے اپنے باپ سے نفرت ہوئی تھی۔ اس پر غصہ آیا تھا۔ میں نے کوئے میں رکھا ہوا ایک پتھر اٹھا یا اور بلوری قوت سے اپنے باپ کے سر پر مار دیا۔ میرے باپ کا سر پھٹ گیا تھا۔ یاد یہ مرنے کی عورت بھی عجیب ہوئی ہے۔ میرے باپ نے فکر چہ میری ماں کو چھوڑ دیا تھا لیکن میں نے جب اپنے باپ کا سر پھٹا تو وہ مجھ ہی کو مارنے لگی اس سے میری بڑی دھماکی کی میرے باپ نے بھی اس دن مجھے بہت مارا اور اپنے زخم پر ہاتھ رکھ کر کہا ہر چلا گیا۔ اس کی دوسری بیوی نیلم اس وقت باہری گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ میرے باپ کو اسی وقت لے کر تھائی گی۔

”کیا اس کے بعد تمہاری اپنے باپ سے کبھی ملاقات کیا ہوئی؟“ عبدال نے پوچھا۔

”ہاں ہاں یاد پاتا ہوں“ داد نے کہا۔ اتنا فارڈ مت جاؤ۔ دھیرے دھیرے سستے سستے زبوں۔ باپ کے جلنے کے بعد ماں بے چاری بیٹھ گئی۔ وہ تو جاہ ہوئی تھی۔ دل اس نے وہ دس ہزار روپے تو اسی وقت باہر تھی میں پھینکوا دیے تھے

بارجھ وہ مین بھی باو ہے۔ میری ماں نے سارے نوٹ باہر فٹی میں لے جا کر چھینک دیے۔ میں نے اس وقت اچھے اچھے لوگوں کو نٹوں کی طرح لٹاتے ہوئے دیکھا۔ سب کے سب نوٹ جھیننے کے لیے ایک دوسرے کو کھیل رہے تھے ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پورا محل باگ ہو گیا ہو۔ کسی نے بھی نہیں ہلچکا کہ اسے نوٹ میری ماں کہاں سے لائی تھی۔ اس کے پاس کہاں سے آئے۔ کون دے گیا تھا۔ وہ سب نوٹ جھیننے میں لگے تھے۔ میں قہر بہا ہوں عبدال کو نوٹ جھیننے کے چکر میں چاؤ تک نکل آئے تھے۔ یاد رکھو کہ نٹوں کے دو سیاں ایک بڑی چھینک دو۔ پھر دیکھو کیا مٹا شہر ہوتا ہے۔ بس وی وی شرواہن ہو رہا تھا۔ اللہ کی قسم مرا گیا تھا مجھے اس وقت ہتھ چلا کر یہ نوٹ کتنی اہمیت رکھتے ہیں انسان اس کے لیے کس طرح باگ بن جاتا ہے۔ دولت ٹانے کے بعد میری ماں نے جھپٹا ہوتا سامان لیا اور ہم دونوں کو لے کر دینا ناٹھ روڈ کے فٹ پاتھ پر گئی۔ اس لیے کہ اب اس کے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کو کھلی کارواں ادا کر سکتی۔ نہ تو جانتے ہی ہو کر بھی کیسا شہر ہے۔ لاکھوں آدمی یہاں فٹ پاتھ پر رہتے ہیں۔ بلوری دنیا فٹ پاتھ پر ادا ہے۔ ہم لوگوں کو بھی ٹھوڑی سی جگہ مل گئی تھی۔ یہ جگہ ایک ہوٹل کے سامنے تھی۔ میری ماں نے دو باس اٹھا لیے۔ اب ہر ایک پرانا سا مکمل تان دیا بس ہمارا گھر تیار ہو گیا۔ کیا مکمل کلاس گھر تھا۔ اس وقت تو ہم لوگوں کے پاس بہتر بھی نہیں تھا۔ یہ کھلی فٹ پاتھ پر سوتے تھے۔ دل غصہ صوب کی روٹی راجی اور رات کو سرکاری کھجے کا سرکاری باب ہمارے گھر میں روٹی کر دیتا۔ اس وقت فٹ پاتھ پر اور بھی بہت سے لوگ رہتے تھے۔ چلی ہوئی۔ چر سی۔ فیملی والے لوگ تیل ماش اور لوٹ پالش کرنے والے ہوٹل میں کام کرنے والے سب ہی بہتے تھے۔ لیکن سب کے سب مومن کی مرضی سے رہتے تھے۔ اور ہم لوگ مومن بھائی کی مرضی کے بغیر اور چلے گئے تھے۔

”یہ مومن بھائی کون تھا استاد؟“ عبدال نے پوچھا۔

”یہ اس فٹ پاتھ کا ٹھیکیدار تھا۔ مٹی بھی عجیب جگہ ہے یہاں کھویوں کا بھی گھر چلتا ہے۔ اور فٹ پاتھ کا بھی۔ ہر جگہ ٹھیکیدار ہو کر رہتے ہیں۔ اگر فٹ پاتھ پر پیسے نہ دوں گاں اٹھا کر باہر چھینک دیتے ہیں۔ فٹ پاتھ پر رہتے تھے۔ میری ماں دیتے۔ مومن بھائی بھی ای رات کو ہمارے پاس آتا تھا۔ وہ بہت

گرم ہو رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ تم لوگوں نے اپنے ہاتھ کھول ڈیڑا ڈالے۔ اگر ڈیڑا ڈالی دیا ہے تو ہنس روپے ماہانہ دینے پڑیں گے۔ میری ماں کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ پیسے کی مجموعی ایک بار پھر میرے سامنے آئی تھی۔ اس کو ہن بھائی کی بہت خوش آمدی۔ التا آمیز لہجے میں بولی کہ جیسے ہی اس کے پاس پیسے ہوں گے وہ دیکھ سکے گی۔ لیکن وہ کہنا مانتا ہی تھا۔ بار عبدال اس وقت مجھے بہت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ میں تو بہت چھوٹا تھا۔ پھر میری ماں نے اپنی بالیاں اتار کر مومن بھائی کے حوالے کر دیں۔ اور وہ خبیث کا پتہ وہ بالیاں لے کر واپس چلا گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ روٹی کہاں سے لائی جائے۔ زندگی کیسے گزرے۔ تو ایسا ہوا کہ میری ماں نے خود بھی کام شروع کر دیا اور مجھے بھی کام پر لگا دیا۔ ہم دونوں ماں بیٹے نے کام شروع کر دیا وہ کام کیا تھا معلوم ہے؟ کچر اٹھنے کا کام۔ یہ سال پچھڑا چھڑا عجیب کام ہے۔ تم کو نہیں معلوم کہ کچرے کے کسی بھی ڈھیر سے اس علاقے کے آدمیوں کا بہت چل جاتا ہے۔ اگر وہ علاقہ پھر لوگوں کا ہو گا تو پھر انہی ڈھیر ہو گا۔ غریب لوگوں کا ہو گا تو پھر بھی غریب ہو گا۔ امیر لوگوں کے کچرے میں طرح طرح کی رنگین رنگین اور زندہ جانے کی باتیں نہیں مل جاتی ہیں۔ اور غریب لوگوں کے کچرے میں سوائے گندی کے کچے بھی نہیں ہوتا تھا۔ ہماری قسمت ایسی تھی کہ ہم لوگوں کو کچرے بھی غریب ملا تھا۔ جہاں سوائے چھٹے پڑے کپڑوں گندی کے ڈھیر اور اور اور کچرے ہوں گے اور کچرے بھی نہیں ہوتا تھا۔ اب ہمیں یہ بھی بتا دوں کہ اس کچرے کا بھی ٹھیکیدار ہو کر رہتا ہے۔ امیر کچرے میں کچرے چلنے کے دس روپے ہینڈ اور غریب کچرے کا پانچ روپے ہینڈ بہم لوگوں کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ماں نے نہ جانے کہاں سے پانچ روپے جمع کئے ٹھیکیدار کو دے دیے تھے۔ اس نے ہم دونوں کو اجازت دی اور ہم نے کام شروع کر دیا۔ ہم دن بھر کچرے اٹھتے اور کچرے جمع ہوتا وہ ٹانے کے وقت ایک دوسرے ٹھیکیدار کو دے دیا کرتے۔ وہ کبھی دو روپے پکڑا دیتا۔ کبھی تین روپے دے دیتا۔ بس اس سے زیادہ ہماری حیثیت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور بھی جب کچھ نہیں ملتا تو اس دن ہم بھوکے رہتے۔ اس فٹ پاتھ کے سامنے والے فٹ پاتھ پر بھی اس کی ماں رہا کرتی تھی۔ اس کا باپ اس وقت مزدور کرتا تھا۔ جھلا اور ٹھنڈا آتی تھا۔ لیکن وہ لوگ بھی فٹ پاتھ پر رہتے تھے۔ میری ماں نے سلی کی ماں سے دوستی کر لی اور جب ہم دونوں کام ہر

جانے لگے تو وہ سلی کو اس کے پاس چھوڑ جاتی۔ سلیم دن بھر اسی کے پاس رہتا تھا۔

”اس کچرے گھر سے بھی میں نے بہت سے پٹے حاصل کئے ہیں عبدال۔ آدمی جب کچرے حاصل کیے ہمارے تو بلوری دینا اس کے لیے استوئی طرح ہو جاتی ہے کچروں کو دیکھتے دیکھتے مجھے بہان ہوتی تھی کہ فلاں کچرے مکان سے آیا ہو گا۔ یہ شریف لوگ اپنے بہت سے عجیب کچرے بھی پھینک جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح الے کچرے چھپ گئے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ بے جان چیزیں بھی زبان بھتی تھیں۔ ہم لوگ جس کچرے کو گھر میں ہوتے تھے تو وہی ہم سے علاوہ کوئی نہیں آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دلواس کے پاس ایک بلوری عورت بیٹھی ہوتی تھی۔ میں نے اس جیسی عجیب صورت آج تک نہیں دیکھی۔ اس عورت کی ناک غائب ہو گئی تھی۔ اس کی جگہ دو بڑے بڑے سوراخ تھے جن سے ہر وقت کچرے کچرے گرتا تھا۔ اس کی ایک آنکھ لڑو کو دھنسی ہوئی تھی۔ اس کی انگلیاں جھڑنے لگی تھیں۔ اس کے بدن سے ایسی بدبو آتی تھی کہ کورے کچرے کی بدبو ایک طرف اور اس عورت کی بدبو ایک طرف۔ لوگوں نے بتا تھا کہ اس عورت کو کوڑھ ہے۔ اس لیے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے اور اس کو کھدہ والی عورت کے خوف سے کوئی بکر اچھٹنے والا اس کچرے میں نہیں جایا کرتا تھا۔ لیکن میری ماں اصرار طے ہر راضی ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر نہایت میں روٹی نہ ہو تو انسان کے لیے بھوک سب سے بڑا کوڑھ بن جاتی ہے۔ بھوکے رہنے کا خوف کوڑھ کے خوف سے زیادہ تھا۔

”بار عبدال تو نے سلی کو کچھ بچا ہے نا۔ کہیں بائیں کرتی ہے۔ یہ اس زمانے ہی سے ایسی ہے۔ بڑی بڑی سوتی ہوئی بائیں کیا کرتی تھی۔ اس کا باب غریب آدمی نکالیں اسے اپنی بیٹی کو بچانے کا بہت شوق تھا۔ وہ کتابیں لالاکر اس کو دیا کرتا تھا۔ کبھی کی روٹی میں بڑھایا کرتا اور وہ پڑھتی رہتی۔ میری اس سے جان پہچان اسی زمانے سے ہوئی ہے۔ میں اس کی ماں کو اس لیے نوسی کہتا ہوں۔ سلی بھی مجھے کتابیں لالاکر دیتی تھی۔ لیکن مجھے پڑھنا کہاں آتا تھا۔ البتہ میں اس کا دل رکھنے کے لیے وہ کتابیں اس سے لیتا تھا۔ اور کچرے میں اگر کوئی کتاب مجھے مل جاتی تو میں ٹھیکیدار کو دینے کی بجائے سلی کو دے آتا تھا۔ ایک دن اس بات پر اس ٹھیکیدار نے مجھے بد بھلا تھا دیا۔ ہواؤں کہ ایک دن کچرے اٹھتے ہوئے مجھے ایک سوتی کتاب ملی۔ بہت اچھی سی کتاب تھی۔ سوتی سترے بدلو والی

بہت مضبوط تھی۔ میں نے یہ سچ کہا کہ میں جب یہ کتاب ملی
کے جا کر دوں گا تو وہ بہت خوش ہوگی۔ ہم لوگ شام تک اس
کو گھر بیٹھا بیٹھے رہے اور شام کے وقت جب چٹی ہوئی چربا
نے کے قہقہہ بکاردے پاس بیٹھے تو اس نے وہ کتاب میرے ہاتھ سے
چھین لی۔ وہ اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ اس
وقت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اور میں نے صاف صاف
کہہ دیا کہ مجھے یہ کتاب صاحب میں یہ کتاب تم کی نہیں دوں گا میں
نے یہ کتاب کسی اور کے لیے اٹھائی ہے۔ میری یہ بات سن کر مجھ کو
کو بہت غصہ آیا اور اس نے میری ماں کے سامنے ایک پتھر
مار دیا۔ میری ماں نے مجھ کو کہنے اپنے سینے سے لگا لیا اس
کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے تھے اور اس وقت مجھے پیروں کی
حقیقت کے بعد دوسری اس حقیقت کا پتہ چلا کہ انسان کے پاس
ہاتھ پر دل کی طاقت بھی ہونی چاہیے۔ اگر میں برا ہوتا میرے
ہاتھ ہاؤں مضبوط ہوتے تو اس پتھر کے جواب میں مجھ کی
پٹیاں بھی توڑ سکتا لیکن میں تو ایک پتھر تھا۔ کمزور ہے اس
غریب مجبور اس لیے میں پتھر میں نہیں کر سکا۔ مجھ کو بکاردے
مجھے چھوٹی چھوٹی مارے اور میری کتاب بھی چھین لی۔

”یار عبدل! اپنی زندگی میں کہا تھا کہ مجھ کو نہیں۔ دن بھر
کچرے میں ہٹا اور شام کو دوپٹن روپے کے کرواپس آجانا اور اپنی
میں بازار سے روٹی اور اگر میرے ہاتھ تو میرا بڑے لیتا مجھے یاد
نہیں پڑتا کہ میرے اس فٹ ہاتھ پر بھی چوہا مالا ہو۔ چوہا مالا
کے لیے بیڑہ چاہیے ہوتا ہے۔ ہم لوگ دن بھر سوختی کوشش
برداشت کرتے اور رات کو دبیے ہی سو جاتے۔ ایک بار مجھے
کچرے سے کھل کا ایک ٹکڑا ملا۔ میں ماں کے منہ کرنے کے
بعد ہی اسے نہجھانے کے لیے لے آیا۔ بے چارہ سلیم بہت چھوٹا تھا
اس کے لیے لبتہ چاہیے تھا۔ یار میں تو یارم لوگوں کا حال
اور برا ہو جاتا تھا۔ ہمارے سامنے والے فٹ ہاتھ پر ایک مکان
بن رہا تھا۔ جب بادش ہوئی تو ہم فٹ ہاتھ والے لوگ اس
مکان میں جا کر رہنا ہوتے۔ لیکن جب وہ مکان بن گیا اور
اُدھر لوگ آباد ہوئے تو اپنی پناہ کا گھر بھی نہ تھا۔ ہمارے بھی عجیب
چکر ہے۔ اگر ایک کو اس معاملے میں ملے تو دوسرے اس معاملے میں پناہ
”بہر حال ہم لوگ اس معاملے میں بددش پاتے رہے
مٹھو سا میں بھی برا ہو گیا، مٹھو سا سلیم بھی برا ہو گیا۔
جبکہ ماں اور زیادہ بڑی اور کمزور ہوتی گئی۔ اب تو اس
کچرے میں نہیں چٹا جاتا تھا۔ اس لیے میں بے اہل جانے لگا میں نے
ماں کو کہہ دیا کہ اب آدم کرنا چاہیے۔ لگا لگا کر لوہا کرے گا یاں
ایک بات تو بتانا چھوٹا ہی گیا۔ میں نے ایک بار اپنے باپ کو
بھی دیکھا تھا۔ یہ چھوٹا ہی ہوئی بڑی سی گاڑی پر آیا تھا۔

وہ ہمارے لیے نہیں آیا تھا بلکہ وہ دوسرے جا رہا تھا کہ اس کی
گاڑی کا پیڑ پتھر ہو گیا۔ یار اب اپنی نئی بچی کے ساتھ چلی
سب سے پہلے تھا۔ جبکہ گاڑی کا ایک ڈرائیو چلا رہا تھا اس
کے ڈرائیو کی وردی بھی کیا شاندار تھی۔ سینگھتی ہوئی اس
نے ایک قوی ہنر رکھی تھی۔ یار یہ کیسا انداز تھا میرے باپ
کا ڈرائیو تک صاف سمجھنے لباس میں تھا اور اس آدمی کے
بیٹے اور اس کی بچی فٹا تھا کہ پھر سے کی طرح پڑے ہوئے
تھے۔ یار میں نے تو یہ سنا تھا کہ ماں اور باپ کا جو رشتہ
ہوتا ہے نا کہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ باپ بچی کو تو نکال سکتا
ہے لیکن اپنی اولاد کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ نہ چلنے پر باپ کیا
تھا اس وقت میرے باپ نے گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال
کر میری طرف دیکھا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس نے مجھے پکارنا
یا نہیں۔ لیکن میں سمجھا ہوں کہ پکارنا کیا ہوگا خون تو خوش
مارتا ہے نا۔ چاہے آدمی لاکھ لگا بھی پھرتا رہے۔ پھر میں نے
اس دن اپنے باپ پر دوسرا پتھر اٹھایا۔ میں نے پتھر اٹھا کر ڈی
لوقت سے اس کی طرف پھینک دیا تھا۔ وہ میرا دوسرا پتھر تھا
اور اب میں اس پر پتھر پتھر پھینکوں گا۔ وہ آخری پتھر ہوگا
اس پتھر کے بعد مکمل ختم ہو جائے گا۔ وہ بہت زبردست پتھر
ہوگا جملہ۔ وہ دوسرا پتھر جب اس کی گاڑی پر جا کر لگا تو
اس کا ڈرائیو پڑے غصے میں گاڑی سے اتر کر میری طرف پکا
لیکن باپ نے اُسے آواز دے کر روک لیا۔ پتھر نہیں اُسے دم
اٹھا تھا یا وہ ڈر گیا تھا۔ شاید۔ پھر جب ڈرائیو نے گاڑی
کا پیڑ بدل لیا تو وہ گاڑی آگے چلی گئی۔ میں نے اپنی ماں
کو کچھ نہیں بتایا۔ کہا فائدہ تھا بتانے کا۔ لیکن یہ میری بیوی تھی
میں نے سمجھا تھا کہ اس نے دیکھا نہیں ہوگا۔ لیکن اس نے کچھ
لپٹا تھا۔ وہ ایک طرف چھپی ہوئی دیکھ رہی تھی اور دوسری طرف
اس دن میں نے اپنی ماں کے آنسوؤں کو دیکھ کر ایک قسم
کھالی۔ یار کہا بتاؤ! اس وقت مجھے اتنی عقل اتنی فہم
کھا سکتا تھا۔ میں نے قسم کھالی کہ میں اپنے باپ سے انتقام
لوں گا۔ اور ایسا انتقام کر پوری دنیا دیکھے گا۔ یاد اور اتنا کہ
کر خاموش ہو گیا۔

وہ لوگ اس معاملے کے پاس پہنچ چکے تھے۔ لہذا میں
روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی لپٹ میں بھی بدلتی
ہوئی تھی۔ شاید گوئی اور دکھائی ہوئی تک جاگ رہے تھے عبدل
کے لیے وادری کہانی بہت زبردست تجربہ ثابت ہو رہی
تھی۔ اب اسے معلوم ہو رہا تھا کہ آدمی اتنا لڑائیوں سے
اس نے دونوں کو اپنا سب کچھ کیوں بھڑکھا ہے۔

”یار عبدل! داور نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک بار
پھر جاکر پتھر لگاتے ہیں۔ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی
ابھی بہت کچھ یاد رہا ہے۔ ہمارے روموں سے صبح رہا تھا کہ
کسی کو ایک دن سب کچھ بتا دوں۔ سنا ہے کہ آدمی اگر اپنے
دل کی ساری بات کسی کو بتا دے تو اس کا دل ذرا ہلکا ہوتا
ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ میرا دل ہلکا ہوگا یا نہیں۔ لیکن آنا
جاتا ہوں کہ بہت دنوں سے جن آنسوؤں کو میں نے زبردستی
روک رکھا ہے شاید وہ بہر نکلیں۔“

عبدل نے کچھ کہنے بغیر راستہ بدل لیا۔ وہ دونوں ایک
بار پھر شہر کی طرف جا رہے تھے۔

”یار پھر ایسا ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ماں مر گئی اور
میں پھر کھانا شروع کیا۔“ یار نے محنت کرنے والے زیادہ دیر لکھ
نہیں رہے۔ الگ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ماں ایک دم نہیں
مری۔ وہ بہت بیمار پڑی تھی۔ کچھ چھتے بیٹھے اس کے بھی بدن
کا گوشت بھرنے لگا تھا۔ سر کے بال اڑنے لگے۔ لیکن وہ تو بڑی
ماں تھی نا۔ میں اس کی خدمت کرتا رہا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا
کہ تم اس کے پاس صحت جاؤ یہ بیماری تمہیں بھی لگ جائے
گی۔ لیکن میں نے لوگوں کی باتوں پر دھیان نہیں دیا ایک
دن غلے کا ایک ٹکڑا آئی جی آیا تھا اپنی ناک پر رد مال رکھے
ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک دو ڈاکٹر بھی تھے۔ وہ لوگ بہت فحش
سے بات کرتے رہے۔ وہ ہمارے قریب بھی نہیں آ رہے تھے۔
میری ماں کھل کے پاس گولی گولی پڑی ہوئی تھی۔ جبکہ میرا
بھائی سلیم میرے پیروں سے لپٹا ہوا تھا۔ اور میں ان آنے
والوں سے باتیں کر رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں
اپنی ماں کو شہر سے دور بھیج دے گا۔ میں ان سے لڑتا رہا
انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو میں اس روٹی ملری
بھٹیوں کو آگ لگا دوں گا۔ جو لوگ میری ماں کو اٹھانے کے
لیے آئیں گے ان کے سروں کو دوں گا۔ اس پر وہ لوگ اور بھی ناگوار
ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اگر کل تک ماں کا بندہ ولسن
نہیں کہا تو وہ زبردستی اُسے اٹھا کر بھیج دے گا۔ میں نے کہا
بتاؤ عبدل کہ میرا کہا حال ہو رہا ہوگا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ پوری
دنیا میں آگ لگا دوں۔ سب کو مار دوں۔ سب لوگ بھڑے
اسی نفرت کرنے لگے تھے جیسے میں نے کوئی گناہ کر دیا ہو۔ ایک
سلیٹی اور اس کے گھر والے تھے جو اس وقت بھی میرا ساتھ دے
رہے تھے۔ لیکن وہ بھی اس معاملے میں کہا کر سکتے تھے۔ اس رات
ہم دونوں بھائی ماں کے پاس بیٹھ کر بہت دیر تک روتے
رہے۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کہا کریں۔ کس

دل سے اس کو تھکے باہر بھیج دے۔ ماں کو تو ہوش ہی
نہیں تھا۔ گریہ اس کی آنکھیں مٹی پر چھین۔ اور اس کی وجہ
یہ تھی کہ اس کی بیٹیاں بھی چھری چھینیں۔ پھر میرے دل میں یہ آیا
کہ میں اپنی ماں کو دور بھیجے۔ جسے کچھ گھر میں ڈال دینا
آنا تاکہ داور نے مجھے بد بائی انداز میں عبدل کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”یار عبدل۔ بہت سے لوگوں کی قسمت میں کچھ گھر ہوتا ہے
میرے باپ نے ہم لوگوں کو اپنی مرضی سے زبردستی کچھ گھر میں
ڈال دیا تھا اور اب ہم اپنی ماں کو کچھ گھر میں ڈالنے جا رہے
تھے۔ تم خود سوچو یہ کیسا دستور ہے۔ ایسا ظلم ہے ایسی کہانی
ہے کہنا ایسا کوئی ہے جس نے اپنی ماں کو کچھ سے میں ڈال دیا
ہوگا۔ لیکن ہم لوگوں نے یہ بھی کیا۔ یہ بھی کیا عبدل۔ ماں بھی
چیز کو لے جا کر کچھ سے بڑا ڈال دیا۔“

داور نہ حال سا ہو کر فٹ ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں
آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ عبدل اُسے تسلی دینا چاہتا تھا
تھا۔ لیکن اُسے معلوم تھا کہ اس وقت داور کے دل کا غبار وصل
رہا ہے۔ اس لیے اُسے وصل جانا چاہیہ۔ وہ بھی اُس کے ساتھ
ہی بیٹھ گیا تھا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے اپنی ماں کو کس طرح کچھ گھر
تک پہنچایا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی دیکھ نہ سکے کسی کو معلوم نہ ہو
کہ میں اپنی ماں کو کہاں لے رہا ہوں۔ پھر جب رات ہو گئی
اور سب فٹ ہاتھ والے سو گئے۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو میں
نے اپنی ماں کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ ہارکھا بتاؤں اس وقت
سلیم کو کتنا رونا رہا تھا۔ وہ کس طرح بیتاب ہو کر رو رہا تھا
اس وقت اس میں اتنی خاموشی تھی۔ وہ جانتا تھا
کہ میں ماں کو کہاں لے جا رہا ہوں۔ اس لیے روئے کے باوجود
مٹھو سا بہت اس نے بھی ساتھ دیا۔ لیکن ہم دونوں میں
اتنی طاقت نہیں تھی کہ ماں کو گھسیٹ سکیں۔ اس لیے ہم نے ایک
مونی سی رتی لی اور ماں کی کمر میں باندھ دی۔ اور ہم دونوں
بھا بیٹوں نے اس کے دوسرے سرے کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔
بس ایسا لگتا تھا جیسے ہم کچھ کا دھیرا ہی چھین رہے ہوں
یا کسی مردار جانور کی لاش چھین رہے ہوں۔ میری ماں اس
وقت ہلکا رہی تھی۔ نہ جانے وہ کیا لول رہی تھی یا ریح
بتاؤں اب اس کی بات مجھے کچھ نہیں آ رہی تھی کیونکہ
اس کے دونوں ہوتے ہی گل مڑ کر چکے تھے اس لیے جب
وہ بولنا چاہتی تو صرف ادھ آں سنائی دیتی۔ وہ بے چاری
نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ شاید وہ ہم لوگوں کو منع کر رہی تھی
کہ اس کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ پہلے تو اس کے منہ پر سے اُسے چھڑ
دیا تھا اور اب دونوں نے اُسے چھڑ رہے تھے۔ لیکن وہ یہ

میری جانتی تھی کہ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اس بات کا کس قسم اس وقت دل چڑھا جا رہا تھا۔ ہم اسے پیچھے بے جا رہے تھے اور ملتے ہیں اس کے پیروں کی انگلیاں تھڑھڑ کر رہی تھیں۔ بڑی مشکوک سے ہم نے اپنی ماں کو کچھ گھر تک پہنچا دیا۔ اور جلتے ہوئے دم نے وہاں کیا دیکھا۔

”بوتے جاؤ استخوان و عہد دھیرے سے لولہ! اپن کا سینہ پھٹ رہا ہے۔“ ماضی! اپن کو نہیں معلوم تھا کتنا کھارا جندگی ایسا جہان کا مالک گزار ہے۔

”ہاں۔ بہت تجربہ کیے ہیں میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ تو میں بے شمار ہاتھ کا کم لوگ ماں کو چھپتے ہوئے جو گھر پہنچے تو وہاں اس کو میری لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہی لڑکی جو کچھ گھر میں رہا کرتی تھی۔ وہ مر چکی تھی۔ اور قدرت نے اس کی جگہ لینے کے لیے میری ماں کو بھیج دیا تھا۔ پھر میری ماں نے اس کی جگہ سلی۔ وہ کچھ گھر میں پڑی رہتی اور دم دونوں کچھ رچن کر اس کے لیے روٹیاں لایا کرتے۔ لوگ کہتے تھے کہ ایک ایسی بیماری ہے جو گولی کی طرح اپنے نشانے بڑھتی ہے۔ لیکن یار عبدال میں نہیں کیا بتاؤں! مجھے اور میرے بھائی کو تو یہ بیماری نہیں لگی۔ سب کو اس بات پر حیرت بھی تھی۔

”میری ماں روز بروز بگڑتی جا رہی تھی کہ ہوتی جا رہی تھی۔ جیسے کوئی نم مٹی جلا کر چھوڑ دے۔ اس کے جسم سے جھٹے ٹوٹنے لگے تھے۔ وہ اب روٹی بھی ڈھکی شکل سے کھا رہی تھی۔ یا اس زمانے میں یہ روٹی بھی مشکل ہی سے ملتی تھی۔ میں تھے ایک بات سناؤں۔ ایک بار میں کچرے کے ڈھیر سے کچھ بھی نہیں ملا۔ جب کچرے کے ڈھیر سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روٹی بھی نہیں ملتی۔ ہم نے وہ رات بڑی مشکوک سے گزاری تھی۔ ہم تینوں بھی بھوکے رہے تھے۔ پھر صبح سویرے ہی میں اچھے کچرے کی تلاش میں کچھ کچھ پھینچ گیا۔ وہاں میں نے ایک روٹی دیکھی۔ بڑی ٹول ٹول تانہ تانہ روٹی۔ یا یہ روٹی اس وقت ایک کتے سے منہ میں دلی ہوئی تھی جو مجھے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ مجھے نفرت اور غصے پھری لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔ محبت کا دشمن کو جاننا اور ادنیٰ سب برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن روٹی کی دشمنی کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ میں اپنے دونوں ہاتھ پھیل کر اس کی طرف بڑھا اس کتے کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ انسان اس سے روٹی چھینے کر رہا ہے۔ تو میں اس کی طرف بڑھا اور وہ کچھ اگے بڑھ گیا

میں اس کے پیچھے تھا۔ وہ داد دے کر بڑھا۔ میں نے ایک دیواری سا اندیشہ اس کو گھیر لیا۔ وہ ادھر سے لنگھنے کے لیے کوشش کرنے لگا۔ لیکن میں نے اسے جانے نہیں دیا۔ پھر جب میں نے اس پر چب لگا دیا اور اس کے منہ سے وہ روٹی چھین لی۔ یا عبدال میں نہیں کیا بتاؤں اس کتے سے مجھے روٹی کے کچھ کتنی خوشی ہوئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت ہم دونوں ہیں سے جانور کون تھا۔ میں یا وہ کتا۔ میں نے اس روٹی کے تین ٹکڑے کیے تھے۔ سب سے بڑا ماں کو دیا۔ ایک ٹکڑا سلیم کو کھلایا اور دوسرا ٹکڑا میں نے خود کھایا۔

”جانور بھی ٹھیک زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن ہم لوگ تو اس سے بھی بدتر تھے۔ بالکل مجبور رہے کار۔ بدن پر پڑے تک نہیں تھے کچھ دنوں بعد میری ماں مر گئی اسی کچرے میں پڑے پڑے اسے موت آئی۔ ویسے اُسے موت تو بہت پہلے اپنی تھی جس وقت میرے باپ نے اُسے گھر سے نکالا تھا تو اسی وقت اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ لیکن یہ تو اس کی دوسری موت تھی۔

میں اس سے بے پانی لینے گیا تھا اور جب پانی لے کر واپس آیا تو وہ مچکی تھی۔ اس وقت میں بہت رويا تھا۔ پھر بعد میں سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ایسی عورت کا نور جانا ہی بہتر تھا۔ خالی بیبی زندہ رہنے کا کیا فائدہ۔ ہم دونوں بھائی اپنے فٹ پاؤں پر بیٹھ کر بہت دیر تک روتے رہے۔ ماں کی لاش کا بھی ہم کوئی بندوبست نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو بپل کیٹی کا ایک ٹکڑا ماں کی لاش ہوئی لاش کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ پس اس سے ساتھ ہی اس عورت کا قفقہ صدم ہو گیا۔ ہم دونوں بہت دیر تک فٹ پاؤں پر بیٹھے روتے رہے۔ اب ہمارا کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف رہیں گے ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ ویسے تو ماں کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ لیکن جب تک وہ تھی اس وقت تک زندگی اتنی پھیلاںک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس کے بعد تو جیسے کچھ نہیں رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میرے ساتھ صرف میرا ہی ہیٹ نہیں بلکہ میرا بھائی بھی لگا ہوا تھا۔ سلمیٰ کی ماں ہماری بھی مدد کر دیا کرتی تھی لیکن وہ بھی اب تک مدد کرتی۔ اب کچھ گھر کی طرف جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ بہت سوچ کر میں سامنے والے ملہاری کے ہوٹل کا بار والا بن گیا۔ سالہ کی نوکری بھی بے عزت

کرنے والی ہے۔ وہ ملہاری خود اس کی بات پر گالیاں دینے لگا تھا۔ خواہ وہ کچھ بھی نہیں تھی۔ بس کیشی ہی پر کام چلتا تھا۔ اور کیشن بھی بہت کم ملا کرتا تھا۔ میں صبح سویرے اٹھ کر ننگے سے منہ ہاتھ دھو کر بغیر کچھ کھائے ٹیے کام کرنے کے لیے بیچ جانے لگا۔ لیکن وہ ملہاری بھی اس وقت گالیاں دے رہا ہوتا۔ میں نہیں اس وقت کی ایک بات بتانا ہوں عبدال۔ اس رات میرے پاس صرف اتنے پیسے تھے کہ میں صرف دو روٹیاں خرید کر لاسکتا تھا۔ میں نے وہ دونوں روٹیاں سلیم کے آگے دیکھ دیں۔ آخر وہ مجھ سے چھوٹا تھا۔ اور خود مجھ کو اپنی سولہ صبح میں سلیم کو مٹی کے پاس چھوڑ کر کام پر چلا گیا۔ مجھے اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میری آنتیں باہر آ جائیں گی اس صبح ایک گاہک نے ملائی والی چائے اور مسکندہ بند کا آؤر ڈیا تھا۔ ملہاری نے یہ دونوں چیزیں میرے حوالے کر دیں۔ اور اس صبح میں نے زندگی میں پہلی بار غلط کام کیا تھا۔ ملائی والی چائے اور مسکندہ بند کو دیکھ کر میرے سے صبر نہیں ہو سکا۔ خود

سوچا کہ میری عمر کی کیا تھی۔ بچری تھا نا۔ میں نے یہ کیا کہ بچانے چائے کا کاب کو دینے کے میں خوف تھا ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ اس وقت تو میری نیت جوری کی نہیں تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ ملہاری کو جا کر بتا دوں گا۔ وہ میرے کیش سے پیسے کاٹے گا۔ یہ تو کوئی جوری نہیں ہوئی نا۔ خیر تو میں نے وہ چائے کی لی اور وہ مسکندہ بند کھالیا۔ یا عبدال میں تیرے کو کیا بتاؤں کہ اس کی لذت کیسی تھی۔ بہت دنوں کے بعد مجھے ہیٹ بھر کر کچھ کھانے کو ملا تھا۔ اس کام سے نمٹ کر میں ملہاری کے پاس پہنچ گیا اور میں نے اُسے بتا دیا کہ میں نے وہ چائے پی لی ہے اور مسکندہ بند کھالیا ہے۔ میری بات سن کر اس ملہاری کا ماتھا گرم ہو گیا۔

اس کچھ نے میرے پیرے پر ایک تھپڑ مار دیا۔ یا عبدال، میں وہ تھپڑ ابھی تک نہیں بھولا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میری روح تک کو کسی نے زخمی کر دیا ہو۔ اس پتھر نے مجھے آگ کی طرح کر دیا۔ مجھے اس وقت سے اپنے جیسے انسانوں سے نفرت ہونے لگی ہے۔ یہ سب کے سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سب کے لیے پیسہ بڑی چیز ہے۔ میرا باپ ہو یا اس کی ملہاری، سب ایک ہی جیسے ہیں۔ اس نے میرے پیرے پر تھپڑ مارا تھا جیسے مجھے ننگا کر دیا تھا۔ کیا ہم عرب لوگ

اس لیے روگے تھے کہ جس کی مرضی ہو پیرے پیرے پتھر مارنے۔ اس وقت پہلی دفعہ میرے اندر آگ بھڑک اٹھی اور میں نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ اس کا سر تو نہیں بچتا تھا لیکن اسے جوت بہت آئی تھی۔ اور یا اس نے اتنا واوا لایا، اتنا شور کیا کہ سارا محل اکٹھا ہو گیا۔ سب کے سب مجھے گالیاں دینے لگے۔ یا یہ کیسا دستور ہے۔ آدمی اگر تھپڑ کا جواب دے تو لوگ ہاتھ دھو کر پیچھے کہوں پڑ جاتے ہیں۔ اس دنیا میں پہلا تھپڑ دینے والے کو کوئی نہیں دیکھتا۔ کوئی اس کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ اس ہوٹل والے نے اپنے دوسرے نوکر کو لوگوں سے مجھے بہت مار کھلائی اور مجھے ہوٹل سے باہر نکال دیا۔ سالہ کی نوکری بھی میری تھی۔ میں جب اس ہوٹل سے روانہ ہوا تو بار بار اُتو اسی وقت سکندر مل گیا۔ یا یہ سکندر بہت مذہب و است عزیز تھا۔ اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے بہت کچھ سیکھ رکھا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے مجھے یہ بتایا کہ زندگی کس طرح گزارنی چاہی ہے۔ میں جب اپنے فٹ پاؤں پر جا رہا تھا تو اس نے مجھے سے آکر میرا ہاتھ تھام لیا۔

”ہیکوں دل چھوڑ کر گئے ہو؟“ اس نے کہا۔ ”میں سب دیکھ چکا ہوں۔ تم آؤ میرے ساتھ۔“

”میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“ میں صراحت کر دیا۔

”کون ہو تم؟ میں نہیں جانتا۔“

”سب جان جاؤ گے، تم آؤ تو سہی۔“ وہ مجھے کھینچنے لگا تھا۔

یا میں اس وقت اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ بس میں چاہ رہا تھا کہ اس منہ پر سے چلا جاؤں۔ یہ ظالم شہر بھی ہم لوگوں کے رہنے کے لیے نہیں تھا۔ لیکن اس وقت سکندر نے میری ڈھارس بندھائی۔ وہ مجھے اپنی کھولی میں لے گیا۔ اس کی کھولی اتنا رام رو پر تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ آدمی کی آنکھوں

میں اگر اس کو جلدی آجائیں تو یہ دنیا اور بھی زیادہ لالچ کی کوشش کرتی ہے۔ زندہ رہنا ہے تو کسی کی پروا مت کرو۔ طاقتور بنو، بس بڑی فائدہ مند ہے۔ کوئی ایک اسے سے دواؤ اس کا دام خود ٹھکانے آ جائے گا۔ بس وہ سکندر ایسا ہی ٹوٹا تھا۔ اس سے ملنے کے بعد میری دنیا بدلتی چلی گئی۔ میں نے زندہ رہنے کا ہنر جان لیا۔ سکندر نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ہم دونوں کو اپنی کھولی میں اٹھا کر لے آیا۔ پہلے تو اس نے کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد ایک کھولی مل گئی۔ اس کھولی میں حکم تو بہت کم تھی لیکن سکندر کا دل

بہت بڑا تھا ماسمندر کی طرح پھیل رہا تھا۔ اس نے مجھے بڑی
کے بہت سے گھر بنائے۔ چاقو چلانے کا متھوڑا بہت ہاتھ
سکھایا۔ پھر سب سے پہلا نشانہ ہم نے اس ملباری کو بنایا
تھا۔ ہمیں یقین نہیں آئے گا کہ میں نے یہ سب سے پہلا کیا
چودہ برس کی عمر میں مارا تھا اور اسی ملباری کے ہوش میں ڈالا
تھا۔ اس کے منہ پر کھڑا کرنے کی صورت تو پوری نہیں ہوئی تھی
کیونکہ وہ اس وقت وہاں نہیں تھا۔ لیکن ہم دونوں نے جی
مجرم کراس کے ہوش کا کیا ڈاکر دیا۔ اس کا سارا لیش لوٹ لیا۔
سارا فریئر توڑ ڈالا۔ پھر ان ہسوں نے خوب عیاشی کی۔ جی
مجرم کی گتیں سننے لگنے لگیں۔ ایسی بھی تیز زندگی
میں پہلی بار لکائی تھیں اور اس وقت مجھے پتہ چلا کہ گزریں
کچر اپنے میں لگا رہا تو خود کچر سے کا ڈھیر بن جاؤنگا۔ اس
وقت سلیم بھی اچھا خاصا سمجھدار ہو چکا تھا۔ اس کو بھی اصل
انگنی تھی۔ اور کبھی کبھی میں اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا کرتا تھا۔
اسے بھی یہ سب دیکھ کر بہت مزہ آتا تھا۔

پھر ایک دن میری زندگی میں ایک اور پٹا کھایا۔
حالات کبھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ پلی
میں، قی میں، پل میں، شام۔ اسی شمار وہ ایک بڑا کھانا بھی
کبھی میں اور سلیم اس پارک میں چل جاتے تھے۔ جبکہ سکندر
تو بادشاہ تھا۔ نہ جانے دن بھر کیا کرتا پھر جاتا تھا۔ البتہ رات
کو کھانے کے وقت وہ ہر حال میں دایس آجاتا تھا۔ ان میں
اس پارک کی بات تیار ہاتھ۔ وہاں ایک بوڑھا اکبر شہزادہ
تھا۔ وہ بوڑھا تو تھا لیکن اس کے بدن میں جان بہت معلوم
ہوتی تھی۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھتا کرتا تھا۔ نہ جانے
اس نے مجھ میں ایسی کون سی بات دیکھ لی تھی کہ میں جب
کبھی پارک میں جاتا وہ دیکھنے لگتا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے
اپنے پاس بلالیا۔ میں بھی سلیم کو ساتھ لے کر اس کے پاس
پہنچ گیا۔ وہاں وہ دروازہ کھینچا کرتا تھا۔

”کیا بات ہے بابا؟“ میں نے اسے پوچھا۔ مجھ سے کوئی
کام ہے کیا؟“
”ہاں! اس نے اپنی گردن ملا دی۔ تم کو ہو؟ کہاں رہتے
ہو؟ پنہار نام کیا ہے؟ یہاں سے کھڑے کہاں ہیں؟ یہ تو کاہنا
کون ہے؟“
”مخزن کی بات ہے؟“ میں اس کے سوالات سن کر تڑپ
پڑا تھا۔ مجھ سے تمہارا کیا لینا دینا۔ یہ سب پوچھ کر تم کو کیا کرنا
ہے؟“
”میں پہلے بتاؤ تو سہی؟“ وہ سکرہاتے ہوئے بولا۔ مجھے تم
اپنا دوست ہی سمجھو، شاید میں تمہارے کسی کام آ جاؤں؟

یاد عبدل، پوچھی زندگی میں۔ سکندر کے علاوہ دوسرا
آدمی تھا جس نے مجھے انسانی سمجھ کر بائیں کی تھیں۔ ورنہ
جسکو دیکھو تو گالیاں دینے اور تعجب مارنے کے لیے تیار رہتا ہے
اس لیے اس کی بائیں سن کر میری دل بھر گیا۔ سوچا کہ اس
بوڑھے کو اپنے بائیں میں سب کچھ تیار دوں۔ بوڑھا آدمی ہے
یہ میرا کیا کرے گا۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا
اور میں نے اسے ساری کہانی سنائی۔ وہ بے چارہ بڑی ہیر
اور دلچسپی سے میری کہانی سن رہا تھا۔ پھر میرے پیپ ہو
جانے کے بعد وہ بولا۔ ”بہنہ نہیں دیکھتے ہی سمجھ
گیا تھا کہ تم کس طرح اپنی زندگی گزار رہے ہو۔ اس بیکہ میرا
بچپن بھی تمہارے جیسا ہی تھا۔“

پھر اس بوڑھے نے مجھے اپنے بائیں میں بھی بہت کچھ
بتایا۔ وہ ایک بائیں بوڑھا تھا۔ اس کا نام فیروز ہوشنگ تھا۔
اس نے اپنا بچپن بہت عربی میں گزارا تھا۔ لیکن اب اس کے
پاس بہت سی دولت آگئی تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔
بالکل انکلا تھا۔ اس نے مجھے اور سلیم کو اپنے ساتھ رہنے کے
لیے بولا۔ ”کہنے کے لیے کہ وہ تو جب سے پیدا ہوا تھا ہر جگہ پیسے
کی طاقت دیکھتا آیا تھا۔ اور اب یہ مجھے کہہ رہا تھا کہ علم بڑی
طاقت ہے۔ یا یہ کیسا کھلا ہے۔ بہر آدمی کی سوچ تیری الگ
الگ کیوں ہوتی ہے۔ پہلے دن تو میں نے اس کی بات کا کوئی
جواب نہیں دیا۔ اور جب سکندر رات کو واپس آیا تو اسے
سب کچھ بتا دیا۔ سکندر تو بہت حیران ہو گیا تھا۔ وہ فیروز
ہوشنگ کو جانتا تھا۔ اس نے کہا وہ تو بہت بڑا آدمی ہے۔
لکھتی نہیں بلکہ کوڑتی۔ اگر کسی کو ایسا چانس مل جائے تو
فوراً ہاں کر دینا چاہیے۔ یار دل تو میرا بھی چاہ رہا تھا کہ بڑے
سے مکان میں رہوں۔ بڑی سی گاڑی میں گھوموں۔ اچھے اچھے
کھانے کھاؤں، اچھا دوسرے ہنوں، لیکن میں سکندر کی دیر سے
چپ رہا تھا۔ اگر میں سلیم کو لے کر اس کے پاس چلا جاتا تو
سکندر کا دل ٹوٹ سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے اس سے مشورہ
کر لیا۔ اس نے فوراً ہی بھرتی تھی۔ یار وہ ایسا ہی آدمی تھا
دل کا سمندر، دوستوں کی خوشیوں میں خوش۔ میں نے کہا کہ
ہم اس کو چھوڑ کر نہیں جاتیں گے لیکن اس کا کہنا تھا کہ آدمی
کے دروازے پر چائیں صرف ایک مرتبہ ملے۔ اس کو فائدہ
اٹھانا لینا ہے۔ اور وہ ہوشنگ بھی ہمارے پیچھے ہی بڑھ گیا
تھا۔ پھر ہم سکندر سے الگ ہو کر اس کے پاس آ گئے۔ یار
کیا بتاؤں، وہ باب تو نہیں تھا لیکن اس نے ایک باب کی
طرح میں اپنے سینے سے لگا کر رکھا۔ اس نے میرے اور سلیم

اپنے دلوں کا بندوبست کر دیا۔ پھر ہم دونوں کو ایک
پاسکول میں بھیج دیا۔ پس وہاں سے ہماری نئی زندگی
آگئی۔ کیا بتاؤں، کیسا مکان تھا اس کا کیسی گاڑی
اس کے پاس، کیسے کیسے کھانے ملتے تھے اس کے یہاں
ایرانی بات تو یہ ہے کہ میرا دل نہیں ملتا تھا۔ ایسا لگتا
یہ چاروں طرف سے ہوا بند ہو گئی ہو۔ مجھے کبھی کبھی
پیر غصہ بھی آتے لگتا تھا۔ اس نے تو انخواہ ہم لوگوں کو
ہاٹ کے جگہ میں چھنسا دیا تھا۔ میں تو خیر تو اسے جانا
میرے سامنے ہڑا آدمی بننے کی خواہش تھی، لیکن سلیم کو
بہنیں تھا۔ وہ بہت اکسانا رہتا تھا۔ وہ بہتار تھا تھا
لوگ وہاں سے چھوٹ لیں۔ اسے ایسی زندگی پسند نہیں

پھر ایک دن میں بھی اس کی باتوں میں آ گیا۔ میں نے اصرار
ہونے کا رد گرام بنایا۔ پروگرام کیا تھا بس راتوں رات
سے نکل جاتا تھا۔ ہم لوگوں کے واسطے تو کہہ دیا گیا تھا
ایک ٹرکی باہر یار کی طرف کھینچی تھی۔ ہم نے یہ سوچا تھا
تہ ہوتے ہی ہم دونوں اس کھڑکی سے چلا نکلتے۔
لیکن اسے اس بوڑھے کو تہ بھی نہیں چلے گا کہ ہم کہاں
ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہم سکندر کی کھوئی کی طرف بھی
جائیں گے۔ کیونکہ اس بوڑھے کو سکندر کی کھوئی کا معلوم تھا
رات کو اپنے کمرے میں آ گئے اور اس وقت سلیم نے
طرف ایک تھیل بڑھا دیا۔ یہ تھیل اس نے مسہرہ کے
چاند لکھا تھا۔
یہ تو چھائی؟ وہ مجھ سے بولا۔ یہ ہمارے کام آئے گا؟
لیا ہے اس میں؟“ میں نے وہ تھیل اس کے ہاتھ سے

پھر میں نے جب اس تھیل کو کھول کر دیکھا تو یار کیا بتاؤں
ل بڑا اس میں اتنے نوٹ بھرے ہوئے تھے جتنے نوٹ
پوری زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔ لال لال نوٹوں
ان تھیل میں
بہنیں سے لایا ہے تو؟“ میں نے سلیم سے پوچھا۔
”لانا ہے اس بوڑھے کی لاداری سے لیے ہیں چھائی؟“
”نہ بتاؤں اس طرح ہم لوگوں کے پاس بھی پیسے ہیں
دل نہیں ہے؟“
”وقت میرے اندر بھی بڑی جاگ اٹھی میں نے اس
سلیم کو بہت شاباش دی اور رات ہونے کا انتظار نہ
کر رہا۔ رات گہری ہو گئی تو ہم دونوں کھڑکی سے باہر

کو دنگے۔ وہ تھیل میرے ہی پاس تھا۔ لیکن ابھی چلا کر
تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ بوڑھا کسی جن کی طرح ہمارے سامنے
آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کو سامنے دیکھ کر کچھ بات تو یہ ہے کہ ہم
دونوں ہی گھبرا گئے تھے۔

”میں تمہیں جانے نہیں روکوں گا۔ اس نے کہا۔ یہ کہیں مجھ کو
سے کم آتا مزہ بتا دو کہ اب میں کسی کے ساتھ تھیل کروں یا کروں؟“
یار عبدل اس کی بات سن کر مجھے ایسا لگے جیسے کسی نے گڑھا
کھود کر مجھے اس میں چھینک دیا ہو، اور اوپر سے ڈھیر سی مٹی
ڈال دی ہو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے شرمندگی ہوئی تھی۔ اس سے
پہلے مجھے غصہ آتا تھا کسی سے نفرت ہوتی تھی لیکن کسی سے
شرمندگی نہیں ہوتی تھی۔ میں نے گردن ہمیشہ اونچی رکھی تھی لیکن
کاش! اس ظالم کھنکی کی بات نے میری گردن جھکا دی۔ میں نے
لوٹوں سے گھبراہٹ تھیل لے جا کر اس کے پیروں پر رکھ دیا۔ اس
پر اس نے مجھ سے لگ گیا۔ یار وہ بھی عجیب آدمی تھا۔ خود
کی طرح بڑا۔ اور مال کے مانند ہر مان۔ وہ ہم دونوں کو واپس
لے آیا اور سب کچھ بھول گیا۔ اب عبدل ہم ہی بناؤ، ایسا کون ہو
گا جو سب کچھ بھول جائے۔ لوگ کبھی تو بھول جاتے ہیں لیکن بڑائی
کوئی نہیں بھولتی۔ اور وہ ایسا آدمی تھا جس نے ہم لوگوں کی بڑائی
کو بھلا دیا۔ ہم اس کے پاس واپس آ گئے۔ پھر ہماری زندگی کا نیا
دور شروع ہو گیا۔ ہم نے پڑھائی کی۔ خوب پڑھا کی۔ ایک باپ
مل گیا تھا۔ ناپارہ بھی لیکن تھا تو وہ باپ کی طرح۔ اور سارا پیپ
ہو گیا۔ یہ یار۔ یہ تو محنت کے شے کا نام ہے جہاں سے محنت
ملے وہی ہمارا باپ۔ اس نے محنت دی اور ہم نے اسے باپ سمجھنا
شروع کر دیا۔

لیکن یار وہ اپنا بھلی سلیم لائن پر نہیں آیا۔ مجھے نہیں معلوم
کس کی عقل پر پردے کیوں پڑ گئے تھے اسے عیش و آرام تھا نہیں
تھا تھا۔ کھیر اسے اچھا نہیں لگتی تھی۔ اچھا ستم اچھا مل اسے
پسند نہیں تھا۔ لگتا تھا وہ کچر گھر سے چلا آیا ہے۔ لیکن کچر اپنے
ساتھ نہیں لایا ہے۔ اس نے آوارہ گردی شروع کی۔ سال لکھ
لوگوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا۔
ایک شام میں نے اسے روکا تو وہ مجھے انکھیں دکھانے لگا۔
یار اس سے بڑا ستم ہو گیا ہو سکتا ہے تم خود ہی سوچو۔ میں نے اس
ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ دن دن بھر کچر چٹا شام ہوتے ہی اس سے
یہے روئی لایا۔ اس کو زندہ رکھا لیکن ہوا کا۔ وہ میرے سامنے
دونوں آنکھیں نکال کر کھڑا ہو گیا۔ پھر پہلی مرتبہ مجھے اس پر روتا
غصہ آ گیا کہ میں نے اس کے منہ پر پتھر مار دیا۔ پتھر ٹکرا کر وہ
بولا تو کچھ نہیں لیکن اس رات نہ جانے کہاں چلا گیا۔ وہ تو پال گیا

لیکن میں نے بڑے کوششیں کیں۔ اس کے ساتھ چکا رہا۔ اس نے مجھے بہت پرہیز کیا۔ بہت کچھ کھایا۔ آج میں تمہیں ایک عجیب بات بتا رہا ہوں عبدال۔ ایسی عجیب بات تم نے پہلے کبھی نہیں سنی ہوگی میری شخصیت دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ہر آدمی ایک ہی ہوتا ہے لیکن میں دوسری شخصیت کا حامل ہوں میرے وجود میں دو دور ہیں۔ اچھا، ایک اور چکا اور جسے ہوشنگ نے علم کی بجائی میں ایک کرکڑ بنادیا۔ یہ دور انتہائی ہندو اور خوش اخلاق، خوش لباس، خوش گفتار اور خوش اطوار ہے۔ روانی سے انگریزی بولتا ہے، ادب، آرٹ، سیاست وغیرہ میں وسیع معلومات رکھتا ہے، اعلیٰ سماجی کی بڑی تقریبات میں اپنی دفعیہ شخصیت سے محرابی کر دیتا ہے۔ اس کے قطعی برعکس دوسرا دور ہے جس پر فٹ پاختہ کی زندگی کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ فٹ پاختہ کے گروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ ان کی ہی طرح بولتا ہے۔ یہ دور بڑے سے بڑے بدعاش سے بھی نہیں ڈرتا۔ بہترین منصوبہ بندی سے ڈانکے مارنے کا ماہر ہے۔ لڑنے سے بچنے کے لئے دوسرے مارنے سے بالکل نہیں گھبرا تا۔ جان بھری کر رکھ کر ٹھیس سے بڑا کام کر گزرتا ہے اور اس دور کو پوسہ ہندوستان کے بدعاش اور مجرموں کے گروہ کو برا کے نام سے جانتے ہیں۔

کو برا کا نام سننے ہی ان کے چہرے فٹ بھولتے ہیں اور ناگیں خون سے لکھ پانے لگتی ہیں۔ دور کا یہ دوسرا دور بہت خوفناک ہے عبدال۔ اس دور کو بہت سے قریبی جیکانے ہیں۔ اسے اپنے باپ سے بدلہ لینے کے جو ایک مذہبی کی خاطر اپنی محنت کش بیوی اور دو بچوں کو فٹ پاختہ پر چھینک گیا تھا۔ کو برا کو اس حراقت عورت سے ٹھنڈا ہے جس کی وجہ سے اس کی ماں نے گھر ہوئی اور کو برا میں مبتلا ہو کر گھر میں اڑیاں رگڑ کر گھر گھر گئی تھی۔ کو برا کو بہت سے چہرے مسخ کرنے ہیں۔ بہت سے ماتحتوں کو توڑتا ہے جو برہمنوں سے ظلم و جبر کا بازار گرم کر رہے ہوتے ہیں۔ کو برا کو اس فٹ پاختہ کی مٹی ملید کرتی ہے جس نے کین داور کو پٹا پھڑ مار کے طاقت کی اہمیت کا احساس دلایا تھا۔ کو برا کو اس مبارکی کی زندگی اجیرن کرتی ہے جس نے معصوم اور عیسوی داور کو دوسرا پھڑ مار کے اس کے دل میں دولت کی اہمیت کو جا بگر کیا تھا۔ یہ دوسرا دور جسے لوگ کو برا کہتے ہیں، بے رحم، جلاو صفت اور بے حد سفاک ہے۔ تم اس دوسرے داور کو اچھی طرح جانتے ہو عبدال۔ کو برا کے سینے میں بڑا دور پڑھا لکھا، بزدل اور بے وقوف داور ہے، یہ کو برا کو بہت تنگ کرتا ہے۔ اسے اپنی طرح کا بزدل اور ڈرپوک بننے پر کسا تا ہے مگر کو برا اس کی باتوں میں کبھی نہیں آئے گا۔ وہ ان کو ایک دشمنوں کو معاف کرنے کی طاقت کبھی نہیں کرے گا۔ وہ ان کو ایک

ایک کر کے اچن چن گرفت دانا لو کر دے گا۔
تم نے اپنے بھائی سلیم کا پتہ چلانے کی کوشش نہیں کی؟
عبدال نے پوچھا۔
”کیوں نہیں کی تھی یا بہت کوشش کی؟“ داور نے ہر ٹیسے ساتھ ساتھ وہ بے چارہ ہوشنگ بھی خوار ہو گیا۔ لیکن ہی نہیں۔ اب آدمی کہیں چھپ کر بیٹھ جائے تو اسے کیسے جاسکتا ہے۔ جب کوشش میں تنگ گیا تو وہ جیک پوکر بھیڑا کو دوسری رشتہ دار لیویر سے ہیں۔ ایک محنت کا، دوسرا لغزنت فیت کا رشتہ تھا۔ یہ اس کے لیے بھول گیا تھا۔ اس کے علاوہ میرے ساتھ رشتہ لغزنت کے تھے۔ مجھے سب سے تھی۔ لیویر دنیا سے لغزنت۔ اس معاشرے سے لغزنت ہ آدمی سے لغزنت ہوا اپنے سے کمزور کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے۔ کام کرنے کے بعد شام کو دو روٹی دینے میں بھی لکھا کر جا کے جب میں پیہ آجائے تو اس کی آنکھوں سے ترشوں کی ہرجاتی ہے جس کی گروں اگر طمائی ہے۔ ایسے لوگوں کی جید پیہ لگنے والی اور ان کی اکثری ہوئی گروڈوں کو توڑنے کے لیے بتا ہے۔ بلیک بلی، یہ جو بیکار رشتہ ہوتا ہے نا، یہ سب سے ہے۔ اس میں صرف دوسروں کے آئندہ دیکھتے جاتے ہیں۔ دور دیکھا جاتا ہے۔
ڈاکٹر وادادیتے وقت یہ نہیں سوچا کہ اس کا مریض یا مسلمان۔ وہ دونوں کو دوا دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ہے۔ اور ایک اچھے انسان کی ڈوٹی ہے کہ وہ دوسروں ان کی مدد کرے۔ یہ ہوشنگ بھی اتنا اچھا انسان تھا۔ مثال نہیں ملتی۔ میرے لیے ہر آدمی لغزنت کی علامت تھا۔ نے زندگی میں صرف دو ہستیوں کا احترام کیا ہے۔ ایک مار دوسرے ہوشنگ کا۔ بس باقی ان کے علاوہ سب لوگ جھوٹے معاشرہ جھوٹا ہے۔ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک دو دھوکہ دیتے ہیں۔
”یہ تو اکیدم تم ٹھیک لولا استاد عبدال نے ایک گہرے لی۔“ اپن کو راتم ہے کہ وہ دنیا پیہ کا بہت سے ماکھا د پیچھے بھاگ رہا ہے۔ ابھر بھی ہیں کوئی کسی کو پیچھے نہیں اس دنیا میں ہوشنگ جیسے سے لوگ بھی ہیں۔ ہوا پارسی بابا میرے سب کچھ تھا۔ مجھے اپنے سے پیشے کی طرح تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنی ساری جائیداد میرے نام معلوم ہے کہتے ہیں اس کے پاس؟ پچاس لاکھ رو کے پاس۔ پورے پچاس لاکھ؟

ہی لولا استاد؟ عبدال کی کمانیں گلیں پر پچاس لاکھ؟
پورے پچاس لاکھ؟ ایک منٹ استراحت کے بعد اس نے اپن کا پیر گھسٹا ہے۔ تم لولا وہ پارسی بابا میرے کو پچاس لاکھ روپے تھا وہ پچاس لاکھ روپے کو ہر گز استاد۔ حق بولو یہ ایسا تم بولا کہ اپنی لولا۔ ماسکم اڈا اپن کوشے میں مالم پڑتا ہے کیا؟
”میں نہیں بتا ہوں کہ اس دولت کا کیا ہوا۔ ہوشنگ کے مرنے اس کے مکان پر اس کے رشتے داروں کی بھیر جمع ہو گئی۔ یہ رشتہ دار نہیں کہیں سے آئے تھے۔ ایک سے ایک۔ اونچے سے اونچا۔ دی ہوشنگ کی زندگی میں تو کبھی دکھائی نہیں دئے۔ لیکن اس رشتہ ہی پہلے آئے، انہوں نے سوچا کہ اتنی ساری دولت کسی غیر آدمی کو بہت بڑا ہوگا۔ اس دولت کو جاننا نہیں چاہیے۔ لہذا انہوں نے مجھے ایک جھوٹے چکر میں پھنسا دیا۔ اس وقت میں بھگدڑ شریف بن چکا تھا۔ مجھے مار پیٹا اچھی نہیں لگتی تھی۔ سب سے بات کرتا تھا۔ مہذب آدمیوں کی طرح چلتا پھرتا تھا۔ زبان استعمال کرتا تھا۔ اسی لیے میں ان لوگوں کا کچھ نہیں دیکھتا۔
”دیکھنے میں نے ضرور بہت مجایا۔ بہت دوا دیا لیکن کسی نے ایک نہیں سنی۔ ان کا کوئی ٹیکہ بھی بہت حریف تھا۔ اس سے کہیں میں اپنی جان لڑا دی اور مجھے جیل جانا پڑ گیا۔ شیکھر کی ایسا چکر لایا کہ ہوشنگ کی ساری جائیداد ساری دولت مجھ سے بن گئی۔ میں بالکل خالی ہاتھ رہ گیا۔ مجھے ایک سال کے لیے جیل دیا گیا۔
”یاد رکھیے میں سوچتا ہوں کہ ان لوگوں نے یہ اچھا کیا تھا برا کیا تھا۔ تم خود ہی سوچو کہ اگر میں جیل نہیں جاتا تو میرے پاس ابز کہاں سے آتا۔ یہ دنیا بھی کسی کو زیادہ دونوں کی شریف یا رہنے دیتی۔
”جیل میں جا کر میں نے ساری شرافت پر ہٹ کر مار دی۔ میں نے نہ جیل کے باہر نہ کر سکیا تھا اور بہت کچھ جیل کے اندر سیکھ لیا۔ بے کوئی موقع پانچ سے جانے میں وہ دنیا کی کارہنا بہت مشکل ہے کیونکہ کیوں کے لیے آدمی کا نفس اسے قدم قدم پر روکتا ہے۔ اسے انہوں کی ترغیب دیتا ہے نفس کے کہنے پر چلنے پھرنے میں برائیاں زمین کی طرح سرایت کرتی چلی جاتی ہیں۔ میں نے ایک لڑپنا جیل میں گزارا۔ وہاں ایک سے ایک بڑا استاد پڑھا تھا۔ مثال تو ہی رگڑوٹ کی تھی جسے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے جسم کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ پڑا جیل میرا پہلا ٹریننگ بڑا تھا۔ وہاں استاد دونوں نے مجھے خوب گروڈ کے اندر چکر چکا

دیا تھا۔ وہاں استادوں کا ایک استاد تھا۔ اس کا نام تو مجھے نہیں معلوم مگر قیدی اسے تنگ بابا کہتے تھے، وہ ایک خاموش بیچ اور عجیب شخص تھا۔ بہت کم بات کرتا تھا۔ زیادہ تر میرے کے ایک کونے میں خاموش پڑا رہتا تھا۔ وہ کسی قیدی کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ میں پہلے تو اسے ایک سست اور کمال شخص سمجھتا تھا۔ ایسے بزدلوں پورے بھائی کی سڑکوں پر ملتے ہیں۔ کام کے نہ کا ج کے، خوش انانج کے، بھر لیں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بڑا حریف کی طرح طاقتور اور پختہ کی طرح پھرتا تھا۔ لڑنا جیل کے محافظ بہت حریف تھے۔ بات ہے بات پر قیدیوں کی گری طرح مارتے تھے۔ ایک مذہب محافظ ایک پورے کو مار رہے تھے کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں نے ایک زوردار گھونٹہ محافظ کے منہ پر رسید کر دیا۔ اس بادا میں مجھے ایک بھٹنے کی قید تین ماہ کی بھگتی پڑی اور پھر جیلوں کی ماراگ کھائی پڑی یہ قید تین ماہ کی بھی ایک عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ آدمی کو پاگل بنا دیتی ہے۔
”یوں کچھ لو کہ آدمی کو اگر باندھ کر کسی کنوئیں میں لٹکا دیا جائے تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ یہ سزا ایسی ہی ہوتی ہے۔ دل کرتا ہے کہ جیلداروں سے رنج کر کر مارجائے۔ موت آجائے تم سے بھی خوشیوں کو بدن پر جتا ہوا محسوس کیا؟ ایسی ہی چیزیں دماغ میں چلتی ہیں۔ بزاروں لاکھوں چیزیں انسانی زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔ آدمی بولنا نہیں جاتا ہے لیکن میرے ساتھ یہ سزا صرف ایک بھٹنے کی تھی۔ ایک بھٹنے کے بعد مجھے عام بریک میں بھیج دیا گیا۔ اور وہاں مجھے بھیجا گیا وہاں وہ بڑھا استاد بھی موجود تھا۔
”بڑا بڑا بڑھا تھا جسے محافظ کے ماتحتوں نے دیکھ کر میں مشت ہو گیا تھا اور میں نے ایک زوردار گھونٹا مار کے اس ذلیل محافظ کے دودانت توڑ دیے تھے۔ وہ عجیب و غریب بڑھا مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اس پوری جیل میں میرے سب جان کوئی اور نہیں ہے۔ یاد عبدال وہ ایک ایسا آدمی تھا جس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ اس کی یہ بات انوکھی تھی۔
”اس نے مجھ سے کہا کہ یہ جیل اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ جب چاہے اس جیل کو توڑ کر جاسکتا ہے لیکن وہ اس کے لیے جاتا اس کا آگے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ بس یہ جیل ہی اس کے لیے سب کچھ تھی۔ وہ ہندوستان کا رہنے والا نہیں تھا۔ ادھر افراطیے آتا تھا۔ بہت پہلے ادھر چلا گیا تھا۔ اس نے ادھر ایسے ایسے کام کیے کہ آدمی کی عقل دنگ رہ جائے۔ وہ ہندوستان ایک آدمی کو مارنے کے لیے آتا تھا۔ اسے قہم کرنے کے بعد وہ بے کار ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔
”اس نے مجھے بتایا کہ میں نے خواہ مخواہ اس پہریدار کو مارا تھا۔

کیونکہ اس پر ہلکے مارا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ایک شوق کے ذریعے اپنے بدن کو پتھر مٹا کر لیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ جب چاہے اپنے بدن کو پتھر بنا سکتا ہے۔ اس پر کسی کی مار کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اس نے مجھے تجربہ بھی کروایا۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایک مگڑی دی اور کہا کہ اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے مارو۔ پتے تو میں نے اٹکا کر دیا۔ لیکن جب اس نے اصرار کیا تو میں نے وہ مگڑی پورے زور سے مٹا دی کہ اس کی کمر ہلکی۔ لیکن کیا ہوا۔ کچھ بھی نہیں۔ وہ مگڑی ٹوٹ گئی لیکن اس بوڑھے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ فوٹا تھا۔ فوٹا۔

وہ بہت بڑا آدمی تھا۔ عدل، ایسا آدمی اگر جانتا تو میری بیٹی میں آگ لگا سکتا تھا۔ لیکن وہ چپکا ہو کر جیل میں آگیا تھا۔ اس سے میری دوستی ہو گئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اب اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے وہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ کسی سے کچھ نہیں بولتا۔ اپنے آپ کو چپکا کر رکھتا ہے۔ تبہ میں معلوم ہے کہ اس طریقہ میں اس کا نام کیا تھا، اس فرقہ میں اس کا نام تھا کورا۔

”کورا۔“ عدل کو چمک پڑا۔ ”لیکن استاد یہ تو وہ کچھ کہتے کہتے تھک گیا۔“

ہاں۔ اب۔ تو میرا نام ہے۔ کیونکہ اس نے مجھے اس نام کی اجازت دے دی تھی۔ یہ میرے بازو پر جو کورا لکھا ہوا ہے۔ نا۔ یہ بھی اس نے گودا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ کورا ایک خانہ ہے۔ ایک سلسلہ ہے۔ اور اس میں بہت خطرناک اور بہادر لوگ ہو کر رہتے ہیں۔ اور اُسے اس بات کا دھوکہ تھا کہ وہ اپنے خاندان کا آخری کورا تھا۔ اس کے بعد پھر کوئی کورا نہیں ہوئے والا تھا۔ لیکن پھر جب میں نے اس کی بہت خدمت کی تو اس نے مجھے کورا بنا دیا۔

اس نے میرے بازو پر کورا کی صورت میں بنا دی۔ اس نے بتایا تھا کہ ان کے سامنے والے فرقہ میں بہت ہیں جو اسے دیوتا کی طرح پوجتے ہیں۔ اگر میں بھی ان لوگوں کے پاس جا کر اپنا نام بتاؤں اور یہ نشان دکھاؤں تو وہ لوگ میرے لیے جیسا کہ بازی بھی لگے دیں گے۔

مجھے کورا بنانے کے بعد وہ مجھ پر میراں ہو گیا۔ وہ تمبرل آدمی ہے جس نے مجھ سے نفرت نہیں کی بلکہ محبت کی۔ اس نے مجھے لڑائی کے سزے دکھائے۔ چاقو چلا سیکھا۔ نشانہ بازی سکھایا۔ جیل میں تو یہ سب بندوبست نہیں ہو سکتا تھا اس لیے جاقو کا ہم لوگ مگڑی کے ایک ٹکڑے سے لیتے تھے۔ اور نشانہ بازی کے لیے اس کے میرے ہاتھوں کو تربیت دی۔ کہ نشانہ آدمی کا چھپا ہوتا ہے جس کی آنکھیں اور ہاتھ دونوں قابو میں ہوں۔ اس کے

علاوہ اس نے جیل ہی میں مجھ سے اتنی محنت کروائی کہ میں بھی اس طرح کا فوٹا بن گیا۔

بار عدل! میری زندگی میں تین باپ آئے۔ پہلا باپ جس نے فٹ پاتھ پر ڈال کر مجھے نفرت کرنا سکھایا۔ وہ سارا باپ ہر ٹنگ تھا۔ اس نے مجھے علم کے ذریعے سے آراستہ کیا۔ اور میرا استاد کو برا تھا جس نے ہر ٹنگ کیا۔ استاد نے مجھ کو بے کار آدمی بنانے کی مشق ہوگا۔ کر لے۔ جو جوتو۔ جوڑو۔ کراٹہ۔ جاپاناز۔ ہنز تیرے کا ہنز۔ دو بار تو نے کام۔ اس نے کیا کیا نہیں کہ اس کی وجہ سے مجھے بھی شوق پیدا ہو گیا۔ میں دن رات محنت پر رہتا۔ میں نے رات کو رات اور دن کو دن نہیں سمجھا۔ وہ عزم میں کسی وقت شرمع کرتا۔ اس نے بتایا کہ بھوکے رہنے کا طریقہ ہے۔ پیاس کی طرح برداشت کرتے ہیں۔ کندہیں کر ڈالتے ہیں۔ منہ دو گھوڑوں کو کس طرح قابو میں کر سکتے ہیں۔ سچ کہتا ہوں اگر یہ باتیں وہ مجھے جیل سے باہر نکھلا تا تو میں دور کا مارزن ہوتا لیکن اس کے باوجود اس نے جو کچھ بھی وہ آج تک میرے کام نہ رہا ہے۔ یہ مارا مارا میری بھرتی یا یہ یارب کچھ کسی کا کام ہے۔ اس نے مجھے زندہ رہنے کا اصول کہ وہ کر زندہ رہت ہو۔ اور جو کچھ دل میں ہو اسے کہہ دو۔ نفرت کو چھپانا نہیں چاہیے۔ اگر نفرت ہو تو دل دور۔ محبت بنا دو۔ اب تک میں نے اسی اصول پر کام کیا ہے۔ اور آئندہ سبوں کا۔ اس نے میرے لیے پورا ایک سال کھا دیا۔ تین سو اور ہر دن اس نے مجھے ایک نئی بات سکھائی۔ ایک ناہنزا جیل جانے سے پہلے بہت کمزور تھا۔ مائی کے پٹنے کی طرح۔ ذرہ لگا تو سب کچھ ختم ہو کر کھیر کر کھینچے آ جانے والا۔ لیکن جیل میں کر رہا ہے مجھے فلاں کا بنا دیا۔ نہ ٹوٹنے والا فوٹا۔ ایک سال چل چکا کہ میں جب چاہوں اس جیل سے جا سکتا ہوں۔ مجھے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جیل کی اونچی دیواریں میرے لیے کوئی آ نہیں کھتی تھیں۔

یار! اس نے تو میرے بدن میں آدمی اور فوٹا بنا دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کے پاس طاقت ہونی چاہیے۔ ورنہ زندگی بے کار ہے۔ یہ طاقت چاہے پیسے کی ہو۔ چاہے دھار یا چاہے دھن کی ہو۔ اور میرے پاس دو طاقتیں ہیں۔ دھن کی اور دھار کی طاقت۔ اس استاد نے مجھے ایک نئی زندگی دی یہ استاد کو برا کا احسان ہے کہ میں اب اس دنیا کی بڑی سے طاقت سے بھی نہیں گھبراتا۔ اس نے مجھے ناقابل تہیز بنا دیا۔ ہنز میرے سینے میں اٹا کر آنکھیں بند کر لیں۔ یا اس دنیا کے

ہمز کو بھی اپنا پناشو دکھا کر جلا جاتا ہے تو اس کا شرم بھی بچتا۔ اس نے مجھے دکھایا اور چلا گیا اس دن میں بہت دیر تھا ہر ٹنگ کے بعد میرا یہ دوسرا باپ مرا تھا۔ اور کوئی مجھ سے اتنی محنت کرنے والا نہیں ہوگا۔ کوئی اتنے پیار سے سکھانے والا نہیں ہوگا۔ یار وہ مر گیا تو میری سزا کی موت بھی ختم ہو گئی۔ بالکل صاب کتاب والا معاملہ تھا۔ ناپ تول کا پورا ایک سال۔ پھر جب میں جیل سے باہر آیا تو دور کو برا بن چکا تھا۔ میں نے اپنا علم اور اپنا شہرت بھونچ دیا کہ ایک طرف نکھو دیا۔ کہ یہ سب سینے کی آگ ٹھنڈی نہیں کر سکتا تھا۔ میری عمر کی فٹ پاتھ والا دور ہو گیا۔ استاد کو نے مجھے ایک بات بھی بتائی تھی کہ اگر سینے میں کوئی چیز لگی ہوگی آنکھ تو اسے کھانا نہیں چاہیے۔ آدمی مست پر چلے تو اس کے سامنے مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ مقصدی تو زندگی ہے۔ اگر کسی سے نفرت کی ہے تو اس کی نفرت کو ہر وقت تازہ رکھو۔ دل ہی دل میں دہراتے ہو۔ یاد کرتے ہو۔ اگر نفرت کسی آدمی سے ہے تو اس کا چہرہ ہر وقت اپنے دھجیان میں رکھو۔ اس کے چہرے پر غصے نہ ہو۔ بلکہ رکھو کہ اگر تم نے ایک دن بھی ایسا نہیں کیا تو یہ آگ ٹھنڈی ہوتی جاگے گی۔ میں نے اس کی یہ بات بھی اپنی گڑبے باز دھلی ہے۔ میرا دشمن تو عمارت ہے۔ یار! یہ سب قبوئے اللہ مصنوعی لوگ میرے دشمن ہیں۔ ان سے بچنے نفرت ہے۔ اس لیے میں ہر وقت ان کے چہروں پر غصے کرتا رہتا ہوں۔ انہیں یاد کرتا رہتا ہوں۔ اپنے سینے میں مجھے والی آگ کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیتا کہ یہ قوت ہے اور میں پورا قرض ادا کیے بغیر نہیں جانتا۔

واور اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ عدل نے محسوس کیا کہ کچھ دیر پہلے اس کے چہرے پر جو بالوسی کے تاثرات تھے وہ اب ختم ہو چکے تھے۔ کھاس کی جگہ اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھا کہ اس نے اپنی بالوسی ایک بار پھر چمک دی ہے۔ وہ اب پہلا داہر ہو گیا ہے۔ بے باک، بہادر اور دلیر۔ اس کے چہرے کی یہ چمک اس کے عزم اور ارادے کی تھی۔

واور کہ آنکھوں میں بھی ایسی چمک تھی۔ جو کہ برائی آنکھوں میں ہوا کرتا ہے۔ آخر وہ کورا ہی تھا۔

”یار عدل! بولتے بولتے یہ اصل خشک ہو گیا ہے۔“ داہر نے کہا۔ ”پھر تم اس وقت داہر بنو گے گی ناہیں۔“

”بازار تو بند ہو چکا ہوگا۔ اسٹار۔“ عدل نے بتایا۔ ”اب تو صبح ہونے والی ہے۔“ اہن لوگوں نے صبحی رات گزار دی ہے۔

”ہاں یار! پرانی باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں۔ آدمی کے سینے سے لگے نہیں تو سبیل کی طرح کھسکتی جاتی ہیں۔ آؤ لاپنج کی طرف

چلتے ہیں۔“ وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان کے رخ پھر ساحل کی طرف تھے۔ اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ لیکن گھوڑوں اور سڑکوں پر ابھی تک دیوانی سلسلہ تھی۔ انسان تو کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن کتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ یہ کتے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کھینچے گئے۔ پھر عدل کی گھڑی سے بھونکنے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

”استاد تم نے کبھی اپنے باپ سے بھی ملاقات کی؟“ عدل نے راستہ چلتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ جیل سے چھوٹ کر جب اپن باپ آیا تو میں نے اس سے بھی ملاقات کی تھی۔“ داہر نے بتایا۔ وہ بھی ایک عجیب ملاقات تھی۔ خونی رشتوں کی ایسی ملاقات بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ لیکن باپ بچپان نہیں رہا تھا۔ اس لیے کہ بچپن کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت تھی۔ اس کے لیے میں نفرت تھی۔ میں نے کھنے کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر ٹنگ کا سارا پیسہ اس کے رشتے دار لوگوں نے چھینا لیا تھا۔ مجھے ان لوگوں کا بھی قرض ادا کرنا ہے۔ انہوں نے میری زندگی خوار کر دی تھی۔ مجھے دولت و خیر کا دکھ نہیں ہے۔ پیسہ تو سالا ہاتھ کا میل ہے۔ پندرہ دھو کے ہے۔ ان لوگوں نے مجھے دھوکے سے جیل بھجوا لیا تھا۔ اسی لیے ان کے خلاف بھی میرے سینے میں آگ دھک رہی ہے۔ غیر تو میں نہیں اپنے باپ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اب اگر میں نے نہیں اپنے باپ کے بارے میں بتا دیا تو قوم پریشان اور خوف زدہ ہو جاؤ گے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میرا باپ کون ہو سکتا ہے۔ تم نے کبھی ریڈ سرکل کا نام سنا ہے؟“

”ریڈ سرکل! ہاں۔ ہاں بہت سنا ہے استاد! عدل نے کہا۔ ”مکسم وہ تو بہت زبردست تنظیم ہے۔ باپ سے باپ بہت خطرناک لوگ اس پالشی میں ہیں۔ وہ تو آدمی کو دیکھتے ہی کھوکھ کر دیتے ہیں۔ پورے ملک میں ان کا حال کچھ بولے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کو سب کی دشمنی آتی ہوگی نہیں بڑی۔ جتنی بھی ریڈ سرکل کی دشمنی ہوتی ہے۔ پھر اس ریڈ سرکل کا تیرے باپ سے کیا تعلق؟“

”تعلق یہ ہے کہ ریڈ سرکل کا باپ میرا باپ ہے۔“ داہر نے بتایا۔

”کیا؟ عدل حیران رہ گیا تھا۔“ یہ کیا بولا تم نے! ایسا تو میرے نیچے میں ہی نہیں آسکتا۔“

”میں نے نہیں بھول نہیں بتایا۔ ریڈ سرکل کا باپ میرا باپ ہے۔ میرا سگا باپ۔ پورے ہندوستان میں اس کی شہرت ہے۔ تو جیل سے باہر آنے کے بعد میں نے سب سے پہلا.....

کام یہ کیا کہ ایک کھولی لے کر ہتھ لگا۔ میں نے سلمیٰ اور ماسی کا پتہ بھی چلا لیا تھا۔ وہ لوگ فٹ پاتھ سے اٹھ گئے تھے۔ ان کے حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے۔ اور وہ سلمیٰ جو بہت ناہوش تھی اور نیک اور شریف بننے کی باتیں کرتی تھی۔ اب اسے تو وہ کچھ بھی کرتی ہے مگر کسی کی طرف دھیان کون دیتا ہے جیل سے باہر آتے ہی میں نے دامادی شروع کر دی میرے دل اور بدن میں طاققت لگتی تھی نا، اسی لیے میں نے اس معاشرے سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ ڈرنے لگا۔ پھر ایک دن میں نے ریڈر کل کے ایک ٹرک کو لوٹ لیا۔ اپنے باپ کے خلاف میں نے یہ پہلا قدم اٹھا لیا تھا۔ اپنے باپ کے ٹرک کو لوٹ کر مجھے بڑا اڑا تھا۔ وہ لذت میں آج تک نہیں بھول سکا ہوں۔ وہ ٹرک بہت سارا سامان لے کر رام نگر کی چوڑی پٹی کی طرف جا رہا تھا۔ اس میں آٹھ لاکھ کا سامان لدا ہوا تھا۔ گھڑیاں، ریڈیو، کپڑے اور زینے لے کر گیا تھا۔ میں نے دادر پل کے سامنے والے میدان میں اس ٹرک کو روک لیا اور پھر ہم نے ٹرک والوں کا مار مار کر کھسکا لیا۔ اور سامان سامان لوٹ کر چھوڑ پٹی والوں میں بانٹ دیا۔ مجھے کتنے غریب لوگ وہ قیمتی سامان لے کر بہت خوش ہو گئے۔ دھماکا دیتے دیتے ان کی زبانیں سوکھ گئیں۔ مجھے سہلانا ڈاکو والا یہ کام کر کے بہت مزہ آ رہا تھا۔ ٹرک کے ڈرائیور سے کہا کہ اپنے پاس سے جا کر بتا دو کہ یہ کام کو برائے کیا ہوا۔ کوہرا بہت غصہ ناک آدمی ہے۔ اگر وہ کوہرا کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہے تو اسی جگہ کل آکر ملے کوہرا اس کے بہت کام آئے گا۔ میں نے یہ اسکیم بنائی تھی کہ اگر میرا باپ سامنے آیا تو اس کی چھٹی کر دوں گا لیکن وہ بھی بہت جھلاک آدمی ہے۔ میرا باپ پھتا، وہ آیا تو سہی لیکن اس کے ساتھ بہت سے لوگ آئے تھے۔ سب کے سب مسلح، ہتھیار بھرے ہوئے اور وہ خود ایک گاڑی میں بیٹھا تھا جس پر گانے بولتے وقت نے میرے اندر بہت تبدیلی کر دی تھی۔ میں پہلے ایک رینگتے ہوئے کپڑے کی مانند تھا۔ جو بھی جہاں پیروں سے پہن سکتا تھا۔ لیکن اب میں شہر کی طرح تن کر کھڑا تھا۔ اس لیے وہ مجھے ہجان نہیں سکا۔ جبکہ وہ اسی طرح تھا، وہی بہرہ، وہی آنکھیں، بیل، ایک بار تو جی جانا آتا کہ اس سے نہ لٹ جاؤں پھر جب اس کا سلوک یاد آیا تو دل میں بھڑکی آئی اور تیز ہو گئی۔ استاد نے کہا تھا کہ نفرت کے کسی بھی لمحے

میں خود کو کھڑ نہ ہونے دینا۔ ورنہ نفرت ختم ہو جائے گی۔ بگ بیچہ جائے گی اور آدمی کے اندک آگ سمجھ جائے تو وہ دو کوڑی کا ہو جاتا ہے۔ سمجھو وہ مر گیا۔ اسی لیے میں نے اس سے بہت ہی سخت لہجے میں بات کی۔ اس کے چپے میری باتیں سن کر بہت تاؤ کھا رہے تھے۔ لیکن میرے پاس نہ جانے کیوں مجھے نہیں سمجھ گیا۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ اگر میں اس کے ساتھ شامل ہوں گا ارادہ کروں تو وہ دس ہزار روپے مہینہ دے گا۔ اس وقت موقع نہیں تھا اس پر پلچہ ڈالنے کا، پھر ایک بات اور بھی میرے ذہن میں آگئی کہ اس طرح انتقام لینے سے کیا فائدہ؟ ورنہ انتقام تو ایسا لینا چاہیے کہ آدمی کے زہن ہٹنے کے راستے بند ہو جائیں۔ ایسا انتقام دل نہیں دماغ لیا کرنا ہے۔ سو میں نے بھی دماغ سے کام لے کر اسے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ میں سوچ سمجھ کر اس پر ہاتھ ڈالوں گا۔ یہ تو تمہ جانتے ہو عبدل، مگر میں ڈاکے بھی باقاعدہ منصوبہ بنا کر ڈالتا ہوں۔ جیڑیاں تک کا خیال رکھتا ہوں۔ اپنے باپ سے انتقام بھی میں منصوبہ بنا کر لوں گا۔ میں اسے پسے پسی اور لاجپاری کی اس انتہا تک لے جاؤں گا جہاں اس نے میری ماں کو چھوڑا تھا۔ وہ معذور ہو کر رہ جائے گا۔ پانچ بن کر ایک ایک روٹی کو ترسے گا۔ اور پھر میں اسے اس فٹ پاتھ پڈال ڈالوں گا جہاں اس نے میری ماں اور ہم دونوں بھائیوں کو چھینک دیا تھا۔ اسی لیے میں دولت کے پیچھے بڑا ہوا ہوں۔ دولت مل جائے تو اینٹ کا تواب پھر سے دیا جاسکتا ہے۔ مگر مال آدمی اس دنیا میں سوائے شے اور برے آدمیوں کے جو توں تلے کچل جانے کے کچھ نہیں کر سکتا۔

گوئی اور کالو دونوں لاپٹ کے عرصے پر کھڑے تھے۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی اور دور دور تک کا منظر سامنے آ رہا تھا۔ گوئی اور کالو دونوں کو واپس آتے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ ان دونوں نے لاپٹ سے چھلانگ لگا دی اور سامنے پر بڑھ آئے تھے۔

”کیا بات ہو گئی تھی؟“ غیر تو ہے؟“ کالو نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ تو رات بھر پریشان رہے ہیں۔

”ہم ذرا لمبی سیر کر نکل گئے تھے“ دادر نے بات ٹال دی۔ آج تم لوگ دن بھر کراہ کر دو۔ شام کو ہمیں لوٹن مل جائے گا۔ اور آج رات ہی ہم لوگوں کو گالام جانا ہے۔ ہمارا اصل کام تو وہیں سے شروع ہونا ہے۔

پیڈر گنز اس وقت اپنے خوبصورت دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے کو دیکھنے سے یہ احساس ہوتا تھا جیسے یہ دفتر ایک سوٹ امپورٹ یا سی قسم کے کسی کاروبار کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ درمیان میں ایک بڑی سی مہانگی میز جس پر دیگر چیزوں کے علاوہ کئی عدد فائلیں اور دو عدد ٹیلی فون اور ایک انٹر کام بھی رکھا ہوا تھا۔ کرسی کے عقب میں پرسے گا کا ایک بڑا اسفٹ تھا جس میں گالام بھی دکھائی دے رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ کئی عدد خلیف تھے جن میں فائلیں سیٹے کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔

ایک دواہ کے ساتھ صوفے بھی لٹکے ہوئے تھے جن کے آگے جھلالتے شیشوں والی ایک میز تھی۔

پیڈر خود بھی ایک ایسا کاروباری مصلحت پر ہاتھ پڑا ہوا تھا۔ صلیب کے ساتھ اپنے کاروبار کو جاری رکھے ہوئے ہو۔ وہ بھاری جسم کا ایک ایسا آدمی تھا جس کے چہرے پر چپکے کے ہلکے ہلکے دانے تھے اور آنکھوں پر وقت تار ایک شیشوں والی عینک لگی رہتی تھی۔ وہ لباس بھی بڑے صلیب سے پسنا کرتا تھا۔ خوبصورت سے ہونے سوٹ اور ان سے مزج کرتی ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہیرے کی آنکھیں بھی ہوتی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ ایک ایسا آدمی تھا جو دیکھنے والوں پر خوشگوار اثر مرتب کر سکتا تھا۔

اس وقت اس کے ہونٹوں کے ایک گوشے میں ایک سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ اور وہ گہرے گہرے کش لیتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ یہ کہہ کر پھر جواخانے کے ہال سے کچھ قاصدے پر تھا۔ اس کے باوجود لوگوں کے شور اور موسیقی کی آوازیں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ جواخانے میں کاروبار اپنے نہروں پر جاری ہے۔

اس نے یہ جواخانہ بڑی محنت اور ملائگ سے تیار کیا تھا اور اسے فرخشاہ کمرے سے کم بیشیا میں اس نوعیت کا کوئی دوسرا جواخانہ نہیں ہے۔ اس نے اپنے جواخانے کو کایو دی گالام کا نام دے رکھا تھا۔ اس نے یہاں کی ہر چیز ادھر کی طرح رکھی تھی۔ ایک بڑا سیال جواکھیلنے کی قسمی اور دو شیشیوں، ان کے درمیان منڈولی ہوئی حسین و جمیل ٹولیاں جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ رقم لگانے پر اکساتی تھیں۔ ان کے علاوہ اس کے اپنے ہاتھوں میں کئی بڑی بڑی جواکھیلنے والی سیس کیے گئے تھے۔ یہ ساری سہولت پیڈر

کو اس کے بھائی کا سیونگزار کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ گورا کارکنری دیر برہا تھا۔ اور اس کے زلے میں پیڈر نے اپنے پاؤں پھیلائے شروع کر دیے تھے اور اب وہ خود اتنا طاقت ور ہو چکا تھا کہ اس کی طرف اٹھنے والی نگاہیں ویران کر دی جاتی تھیں۔ اس کی جانب بڑھنے والے ہاتھوں کو توڑ دیا جاتا تھا۔ یہ سارا کام اس کے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے، اس لیے کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کالام آکر کوئی گڑبڑ کرے۔ کالام بنیادی طور پر کسی زلے میں مجبور کی بستی ہوا کرتی تھی لیکن اب کا سینوڈی گالام کی وجہ سے وہ بڑبڑا چھوڑنے سے خالی ہو گیا تھا اور پورے بڑبڑا میں ان لوگوں کی رہائش تھی جو کسی نہ کسی طرح کا سینوڈی نفع رکھتے تھے۔ اور پیڈر گنز کو اس بڑبڑا کے کلبے تاج بادشاہ بن گیا تھا۔

پیڈر نے سگریٹ ایش ٹرے میں تیری سے مسلتے ہوئے ایک فون اٹھا لیا۔ کوئی نمبر ملانے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ اس نے ریسپونڈر پس رکھ دیا تھا۔ آنے والا ایک ٹیمپ شیپم آئی تھا۔ جس کے دونوں پہلوؤں پر رولور فلک بھجے تھے۔ وہ صوبت ہی سے انتہائی درشت مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن پیڈر کے سامنے آکر اس کی حیثیت صفر سی ہو گئی تھی۔ وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

”کیا بات ہے جارج؟“ پیڈر نے اس کی طرف دیکھا۔

”اس وقت تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟“

”روزی آپ سے ملنا چاہتی ہے باس“ جارج نے کہا۔

”میں نے اسے کہا بھی کہ باس کے پاس نا تم نہیں ہے لیکن وہ نہیں مانی۔“

”کون روزی؟“ پیڈر کی جھنجھکیاں گئیں۔ پھر وہ کرا دیا۔ ”اوہ، تمہاری سالی؟“

”جی باس، جواکھیل مہانگر میں ایکٹ بھی ہے، حکم ہوتا بھیج دوں اس کو۔“

”اوہ۔ چلو بھیج دو۔“

جارج واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد روزی داخل ہوئی۔ وہ کچھ لکھی ہوئی اور پریشان سی دکھائی دیتی تھی۔

”کیا بات ہے روزی؟“ پیڈر نے بڑے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ کوئی خاص خبر لائی ہے کیا؟

”جی باس، روزی نے اپنی گردن ہلا دی۔ کچھ لوگ بیٹی سے جواکھیلنے آئے ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”تو اس میں نئی بات کون سی ہے؟“ یہاں تو لوگ کہتے ہیں کہ ”تھیک ہے“۔
 ”وہ تو تھیک ہے“ اس لیکن یہ لوگ دوسروں سے مختلف دکھائی دیتے ہیں کہ ان دنوں اس میں ایک بہت خطرناک ہے۔
 کل رات پر دو گم کے تحت ایک مکان میں بند ہو گئی تھی جیسے آدمی بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے کسی سے باز نہ دیا تھا۔ وہ آدمی مجھے چڑانے کے لیے اس مکان میں داخل ہوا اور پہلے کی طرح میرے آدمی کو آجھا لیا۔ ہم نے یہ سارا کام بڑی ہوشیاری سے کیا تھا لیکن نہ جانے کس طرح اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ یہ سب کچھ ڈرامہ ہے۔
 ”بہت خوب!“ یہ پڑھو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آدمی بہت چلاک معلوم ہوتا ہے۔ پھر کیا ہوا؟
 ”وہ صرف چلاک ہی نہیں باس، ڈراما ٹر بھی ہے۔“ روزی نے بتایا۔ کل رات اس نے پچھلے ہوئے جلدی گودا مار کر کھنڈا کر دیا تھا۔ وہی جلدی باس جو مجھے سے عشق کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کسی کو میرے قریب نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ اس طرح نہ جانے کتنے آدمیوں کو بہت بڑی طرح مار چکا ہے۔ لیکن اب اس فائنل نے دو منٹ میں جلدی کو زمین پر لٹا دیا تھا۔
 ”اوہ پھر تو وہ واقعی خطرناک آدمی ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جلدی بھی اپنے کام کا نہیں رہا۔ اس کو بھی الگ کرنا ہوگا۔ میں نے تو اس کا بہت سوچ سمجھ کر انتخاب کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کم از کم دو چار آدمیوں کے بس میں نہیں آسکتا۔ اور جو لوگ ڈراما ٹر سے دکھائی دیتے ہیں ان کی اسی بہانے ٹھکانا بھی ہو جاتی ہے لیکن تم بتا رہی ہو کہ وہ صرف ایک آدمی سے مار چکا ہے کیا نام ہے اس آدمی کا، معلوم ہے تمہیں؟“
 ”جی باس، روزی نے کہا کہ اس کا نام ”داور“ ہے۔“
 ”داور؟“ پڑھو کی پیشانی پر کیریں پر لگیں۔ ”داور؟“
 کچھ اور یاد ہے اس کے بارے میں؟ میرا مطلب ہے کوئی خاص نشانی؟“
 ”وہ بہت صحت مند اور خوبصورت آدمی ہے باس اور اس کی لالچ کا نام کوہا ہے۔“
 ”کوہا؟“ یہ پڑھو اچانک کسی سے ساٹھ کھڑا ہوا۔ تم پرچہ کبہ ہی ہو۔ اس کی لالچ کا نام کوہا ہے۔ اگر وہی ہے تو

”ایسا ہی ہوگا باس“ گو مہلے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ دو گئی۔ ”بس نشانی بتاؤ، وہ لوگ آپس میں جھگڑیں گے۔ بہت دنوں سے ہمارے ہاؤس کو بھی تنگ لگ رہا ہے اور نمندہ کی چھینچھو کو بھی غدا نہیں ملے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ شام کو تمہیں ان کی نشانی بتا دی جائے گی۔ تم خود بھی تیار رہنا اور اپنے آدمیوں کو بھی تیار رکھنا۔“

رات کے اندھیرے میں وہ لالچ پشانی ساحل کے پاس آکر رک گئی۔

یہاں سمندر کی لہریں اتنی پر شور اور شوریدہ مرتھیں کہ لالچ کسی کھنڈے کی طرح پھیل رہی تھی۔ داور کے لیے اس لالچ کو سنبھالے رکھنا بہت دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے یہ منصوبہ بہت ہوشیاری سے بنایا تھا۔ روزی کو اس نے پڑھو کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ داور کے بارے میں اسے بتا دے۔ روزی سے اس کی ملاقات دن میں بھی ہوئی تھی۔ اسے اس لڑکی سے بہت رنج ہو چکی تھی کیونکہ پڑھو کے قبضے میں وہی کی ایسی تصاویر تھیں جن کی اگر نشانی کر دی جاتی تو وہ بہانہ میں بنام ہو کر رہ جاتی۔ روزی اسی لیے پڑھو کی کینز میں کر رہ گئی تھی۔ اس کے ہر حکم کو ماننے کے لیے مجبور تھی۔ داور کا خیال تھا کہ انسان کو ہر کام کرنا چاہیے لیکن وہ کسی لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی نگاہوں میں یہ کام دنیا کا سب سے گھٹیا کام تھا۔ اور کسی لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا امر نامی کے خلاف بات تھی۔ روزی رات والے وقت سے اتنی ناشائستہ ہو چکی تھی کہ اس نے داور کو اپنے باسے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ پھر یہ دور ہی کام مقصود تھا کہ وہ جا کر پڑھو کو اس کے بارے میں بتا دے۔ روزی کی سن کر تیرن رہ گئی تھی۔

”یہ بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی مشر داور!“ اس نے کہا تھا۔ ”اس سے تو وہ ہوشیار ہو جائے گا۔“
 ”میں یہی تو چاہتا ہوں۔“ داور نے کہا تھا۔ ”وہ غیبت نہ ہو جائے۔ پھر اس کا سارا دھیان کوہا لالچ پر ہوگا۔ اوہی ایک دوسری لالچ پر سوار ہو کر اس جزیرے کے دوسرے ساحل پر پہنچ جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس طرف سے جزیرے میں جاسکتا ہوں یا نہیں لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے میں اپنا تمام مال مسالے کے در دوسری طرف سے جزیرے میں پہنچ جائوں گا۔ اور اس کے آدمیوں کا دھیان کوہا لالچ کی طرف ہوگا۔ وہ مجھے ڈھونڈتے ہی رہیں گے۔“

”اور اس لالچ پر کون ہوگا؟“
 ”اس پر میرے آدمی ہوں گے۔ عدل کا اور گونی پر لوگ لالچ سے انحراف نہ اے۔“ وہ کہتے ہوئے ہواخانے میں داخل ہو

جائیں گے۔ دوسری طرف میں بھی جزیرے پر پہنچ جائوں گا۔ اور پھر ہم اپنا کام کر کے نوہ گیارہ ہو جائیں گے۔“

روزی کی سمجھ میں اس کی بات آئی یا نہیں آئی بہرحال اس نے مزید کوئی جرح نہیں کی اور داور کے پاس سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد داور نے مہا مہا سے ایک لالچ کر لیا۔ پھر ساحل کو لی تھی۔ اس طرح کا لالچ کی طرف دو لالچیں روانہ ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک لالچ پر عدل کا اور گونی پر تھے جبکہ دوسری لالچ پر صرف داور تھا۔ اور اس کا یہ جوہ بھی کوہا سے اٹھا کہ دوسری لالچ پر پھر دیا گیا تھا۔ داور کا خیال تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ لالچ کو کھیل کر چٹانوں کو عبور کرتا ہوا جزیرے میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن شوریدہ لہروں کی وجہ سے اسے بڑی پریشانی ہونے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس طرح لالچ کو قتل میں رکھے۔ بالآخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ لالچ کو ساحل سے کچھ فاصلے پر کھڑی کر دے گا جہاں لہروں کی طبیعت میں بہت حد تک جھٹکاؤ تھا۔ اور وہاں سے تیرتے ہوئے ساحل تک پہنچا جا سکتا تھا۔ داور نے یہی کیا۔ وہ اپنی لالچ کا رخ بدل کر ساحل سے کچھ فاصلے پر لے گیا اور وہاں اس نے لالچ کھڑی کر دی۔ پھر اس نے عرشے پر کھڑے ہو کر سمندر میں جھونک لگا دی۔ سمندر بھی آشنا اور نا آشنا ہوتا ہے۔ اگر یہی کھینک لگا لے ہوتا تو داور کے لیے تیرنا کوئی مشکل نہیں تھا کیونکہ وہ کوہی کے ساحل سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کہاں پر چٹانیں ہوں گی، کہاں پر گڑھے ہوں گے۔ کہاں لہریں زیادہ مڑھاتی ہوں گی لیکن اس اجنبی جزیرے کے اجنبی ساحل کی طرف تیز ناس کے لیے بہت دشوار ہو رہا تھا۔ اس رات آسمان پر چاند تو تھا لیکن بادلوں نے اسے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا جس کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ داور کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ہمت باہر کا ہوتا لیکن وہ پیدا ہی ان کاموں کے لیے ہوا تھا۔ وہ پوری قوت سے سر اٹھاتے ہوئے سمجھ رہی ہوئی موتوں کے خلاف تیرتا ہوا چٹانوں کے دامن تک پہنچ رہی تھا۔ راستے میں ایک مقام پر سمندر میں ابھری ہوئی ایک چٹان نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ اتفاق سے عین اس وقت چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا ورنہ داور سیدھا اس چٹان سے جا کر ٹکرا جاتا۔ لیکن جب وہ چٹان سے دکھائی دے گئی تو وہ راستہ بدل کر دوسری طرف ہولیا تھا۔ چٹانوں کے دامن میں اتنی جگہ موجود تھی جہاں کچھ یہ

کے لیے آدم کیا جاسکتا تھا۔ اور بھی سانس لینے کے لیے۔
چٹانی دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے اب اس
سے بڑا مرحلہ اس چٹانی دیوار پر چڑھنا تھا۔ اس نے یہ اندازہ
کر لیا تھا کہ وہ چٹانی کسی دیوار کی طرح سیدھی تھیں اور ان
پر آسانی سے چڑھا نہیں جاسکتا تھا لیکن وہ ایسے ہی موقع
کے لیے اپنے ساتھ رسی بھی لیتا آیا تھا۔ جو اس وقت اس کی
کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے سہاگہ وار ایک بار پھر تیرتا
ہوا لاریچ کی طرف جاتے اور اس میں سے کوئی ہتھیار اٹھالے
لیکن اس نے فی الحال اپنا دھڑلہ ترک کر دیا۔ اسے سب سے پہلے
چٹانوں کی دیوار کے اوپر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا۔
جہاں اسلحہ لاکر ڈھیر کیا جاسکے۔ اسلحہ کے آنے کے بعد ہی
جو آجائے۔ ہر جگہ کی کارروائی کی جاسکتی تھی۔

کچھ دیر آدم کر لینے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی
پشت سمندر کی طرف رکھی اور دونوں ہاتھوں سے چٹانی دیوار
کو ٹوٹنے لگا۔ اس دیوار پر نیچے پھرا جھبے ہوئے تھے۔ اوپر
چڑھنے کے لیے بہت ہوشیاری اور بہارت کی ضرورت تھی۔
اس نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی رسی کھولنے کے لیے اپنا ہاتھ
پرھایا اور اسی وقت کوئی چیز اس کے شانے سے نکل گئی۔
وہ ایک لمحے کے لیے سنبھل گیا تھا۔

چاند نے ایک بار پھر بادلوں کی اوٹ سے اپنا چہرہ دکھایا
اور داور نے شے والی چیز دیکھ لی۔ وہ ایک رسی تھی جو کسی
نے اوپر سے چھین لی تھی۔ اس نے اپنی گردن اوپر اٹھائی لیکن
اسے کوئی دکھائی نہ دیا جو بھی تھا وہ چٹانوں کے اوپر موجود تھا
اور اس نے داور کے لیے رسی چھین لی تھی تاکہ وہ اس کی مدد سے
اوپر آجائے۔ داور کے لیے یہ ایک امدادی رسی تھی۔ اس نے
دونوں ہاتھوں کے گرد اس رسی کو لپیٹ لیا اور ایک جھکے
کر اشارہ کیا کہ وہ اوپر آنے کے لیے تیار ہے۔

اشارہ دیتے ہی اس رسی کو اوپر کھینچنا پھلنے لگا۔ اس نے
اپنے دونوں پاؤں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لیے تھے تاکہ اس کی
چٹانوں سے ٹکرائے نہ جائے۔ اس کے باوجود وہ جھوٹا ہوا
کبھی کبھی مٹکا جاتا تھا۔ لیکن پھر اسے اوپر کھینچ لیا جاتا۔ چٹان
پر آتے ہی وہ ہاتھ آگے بڑھے اور انہوں نے داور کو اوپر کھینچ
لیا۔

وہ کچھ دیر تک پہنچا رہا پھر اس نے لیٹ لیٹے ہی
اپنے ہاتھوں کے گرد بندھی رسی الگ کر کے ایک طرف ڈال
دی۔ اسے کھینچنے والے دوا آدمی تھے جن کے پہرے اندھیرے

طرف چلا دیے۔ پہلا گھونٹہ اس کے بڑے پر پڑا جبکہ دوسرا
گھونٹہ اس کے پیٹ پر پڑا تھا۔ اس کی حالت پہلے والے
سے بدتر ہو گئی تھی۔ وہ کسی فٹ بال کی طرح اچھلتا ہوا دور
جا رہا۔ اتنی دیر میں پہلے والا سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے
داور کو ملنے کے لیے ایک بڑا سا پتھر اٹھا لیا تھا۔ داور کو اس
پتھر کا اطمینان تھا کہ ان دونوں کے پاس پستول وغیرہ نہیں
تھے۔ ورنہ وہ لوگ اب تک گولیاں چلا رہے ہوتے۔

دوسرے آدمی نے اس بڑے سے پتھر کو توڑا اور داور
نے مینڈھے کی طرح اپنی گردن نیچے کر لی۔ وہ پتھر منسنا ہوا
اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ داور نے اسی حالت میں
دوڑ لگادی۔ اور اس کا سر پوری قوت کے ساتھ اس آدمی کے
پیٹ سے جا ٹکرا رہا۔ وہ اس پر سنبھل نہیں سکا تھا۔ وہ ڈھکڑٹا
ہوا پیچھے ہٹا پھر اس کے قدم اٹھ گئے۔ اس نے ہاتھ بٹھا دیے،
لیکن اس کے ہاتھ کوئی سہارا ملا نہیں کہیں کر پڑے۔ وہ اس وقت
چٹانی لکڑے کے پاس ہی گھس رہا تھا۔

اسے گتے دیکھ کر داور نے اسے بڑھنے کے لیے اپنا
ہاتھ آگے بڑھا دیا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ وہ آدمی ایک
بھانک چرخ کے ساتھ چٹان سے نیچے جا پڑا۔ اس کی چرخ کچھ
دیر تک لڑتی رہی تھی۔ پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ داور
کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس پر نصیب کا قسم نیچے گرنے کے
بعد کئی لمحوں میں تقسیم ہو گیا ہوگا۔

وہ ایک لمحے کے لیے جب چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر اس دھڑک
آدمی کی طرف بڑھ گیا جو ابھی تک چٹ لٹا ہوا تھا۔ ایسا
لگتا تھا جیسے اس کے جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ داور
جس وقت اس کے پاس پہنچا تو اس نے آہٹ سن کر
اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھا نہیں گیا۔ وہ بری طرح
ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اس وقت چاند بادلوں کے آغوش سے
نکل آیا تھا۔ اور اس روشنی میں داور نے دیکھا کہ اس آدمی
نے خون کی قے شروع کر دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے
اپنی گردن ڈال دی۔ وہ بھی حرکت کیا تھا۔ داور کے لیے یہ بہت
غیر متوقع صورتحال تھی۔ یہ دونوں خواہانے کے پیر یا نہیں معلوم
ہوئے تھے بلکہ ان کا سلسلہ کچھ اور تھا۔ انہیں کسی لاریچ کے
قریب سے آدمی کے آنے کی توقع تھی۔ جو ان کے لیے کوئی چیز
یا پیغام لے کر آیا ہوگا۔ داور کو انہوں نے وہی آدمی سمجھ
لیا تھا۔ داور انہیں مارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ دونوں گنہگار
کے آدمی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ورنہ انہیں اتنا پوشیدہ رکھ

کارروائی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ داور کا خیال تھا کہ وہ ان
دونوں سے ان کے بارے میں دریافت کرے گا لیکن موت نے
انہیں بہت نہیں دی تھی۔ وہ اتنی جلدی ان پر مسلط ہو گئی
تھی کہ داور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

ابھی داور یہ سب سوچ رہی رہا تھا کہ سمندر کی طرف سے
کسی لاریچ کی آواز سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹی لاریچ
اس کی لاریچ کے پاس آ کر رک گئی ہے۔ شاید اس لاریچ میں
وہی لوگ آئے تھے جن کے لیے رسی لٹکانی تھی۔

کاٹنے کو برا کو دوسری بلے شمار لاریچوں کے درمیان
جا کر کھڑا کر دیا۔
عبدل، گوپی اور کالونینوں ہی اس وقت عرشے پر موجود
تھے۔ ساحل پر بہت رفق تھے۔ چاروں طرف بہت طاقتور
روشنیاں لگائی گئی تھیں جن کی وجہ سے پورا ساحل جگمگ کر
رہا تھا جبکہ لاؤڈ سپیکر نصب تھے جن سے آنے والوں
کو خوش آمدید کہا جا رہا تھا۔ اور موسیقی کی دھنیں نشر ہو رہی
تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بہت رنگارنگ تقریب منعقد
ہو رہی ہو۔ لاریچ سے آنے والے بھی بہت ترنگ میں دکھائی
دیتے تھے۔ وہ شور مکتے اور ہاتھ ہلاتے ہوئے لاریچ سے
اترتے اور دوڑتے ہوئے ساحل کی پیچڑ میں گم ہو جاتے۔ ساحل
پر دوڑتے آہٹیں جھگے بنائے گئے تھے۔ جن کے درمیان ایک
گٹ تھا۔ اور گٹ پر مسیحہ افراد آئے جانے والوں پر نگاہ
رکھنے کے لیے فرائض انجام دے رہے تھے۔

”سالا، ایسا تو در ساحل تو یورپ میں بھی نہیں ہوگا“
عبدل نے کالو اور گوپی سے کہا۔
”ہاں“ گوپی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”ان لوگوں نے
پوری جنت بنا رکھی ہے یہاں“
”سالا، اپنا استلا داور بہت عقل والا آدمی ہے کیا“
عبدل خوش دلی سے بولا۔ ”کچھ نہیں مالوم کہ اندھیرے رات کا اتنا
آدمی ہے۔ بکتا اسلحہ ہے۔ پھر بھی ان کا دھڑن تختہ کرنے کا
کیا۔ اپن کو تو داور کا فکر لگ گیا ہے“
”استاد کا کام ہم لوگوں سے زیادہ مشکل ہے عبدل“
کالونین نے کہا۔ ”اس کو چٹانی ساحل سے صرف جزیرے میں
داخل ہونا ہے بلکہ ہتھیار بھی ساحل تک لانے ہیں۔ اس کے
علاوہ اس کو ٹھیک وقت پر کاسینو پہنچنا ہے۔“
”پر وگرام تو یاد ہے نا تم لوگوں کو؟“ عبدل ساحل کی

طرف دیکھتے ہوئے بولا: ”ابھی تو بجا ہے۔ ٹھیک گیا ہے۔ کبے استاد ہتھیار لے کر کاسینو کے باہر والے گاؤں میں پہنچ جائے گا۔ اس گاؤں کے باغ میں اس چھوکی نے اپنا ٹوک کو سب سمجھا دیا ہے۔ بونے گیارہ بجے اپن ہاں میں گڑ مرچوں کو بے گارے بس بوں جو اٹھائے کھیتے اپن کو لفر اٹھوئے گردنے کا ہے کیا۔ پھر تم... ہاں سے نکل کر گاروں میں استاد کے پاس پہنچ جانا اور اس سے ہتھیار لے کر ہاں میں آتے ہی دارا زاری جانو کر دینا۔ ادھر سالہ استاد ایک کھڑکی سے جو اٹھانے میں داخل ہو کر سیدھے پیدروکے کمرے میں پہنچ جائے گا۔ اپن ٹھیک بولا کہ نہیں بولا، کیا؟“

”ہاں نہیں یا ہے۔“ کا لونے کہا، تم اس کی فکر مت کرو، آؤ اب چلتے ہیں۔“

بہت ڈھیلیا ہے بلیک کنگ، کھانے کا اپن سے جیسا تم تھے
عورت ہے کیا۔ چچر اپن کھانے پینے کے واسطے نہیں آئی
ہے۔ اپن ادھر دو تین ہجرا جوئے میں ہاریں گا اور چلا جائیگا،
کیا؟
”کھانا کھانے میں دیر ہی کتنی لگے گی، صرف آدھ گھنٹے
میں آپ لوگ فارغ ہو جائیں گا اور ویسے بھی یہ ہماری
روایت ہے۔ اگر مجھے ایسا نہیں کیا تو بہت برا ہوگا۔“
”کیا بوتلا ہے جیسا تم لوگ؟“ عبدال نے گا لوار کو پی
کی طرف دیکھا۔ یہ آدمی دعوت دینا جانتا ہے اپن کو؟
”جیسی تہااری مرضی،“ کا لونسے کا پیچر اس نے سرگوشی
کی دیکھے تو کوئی کھلا معلوم ہو رہا ہے۔“

وہ تینوں لازماً سے اس کے اثر کو ساحل کی طرف بڑھ گئے۔
گیٹ پر انہیں بڑی گرم خوش مسکراہٹ سے روک لیا گیا
تھا۔ انہیں روکنے والے مسلح فوجیوں نے جو گیٹ پر تعینات
تھے، پھر عبدل کی نگاہ گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے
افریقائی بڑے بڑے، وہ ایک شاندار کراہی تھا۔ اس کا ڈیل ڈول اس
کا بدلہ اس کے بھروسے سے بازو اس بات کی علامت
تھے کہ وہ ایک بڑا آدمی ہے۔ اس کی رنگت کوٹنے کی طرف تھی۔
اس نے اپنے دونوں ہاتھ کر کے ہوئے تھے اور بڑی گہری
نگاہوں سے گیٹ پر آنے جانے والوں کا معائنہ کر رہا تھا۔
عبدل اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑا تھا۔ پھر
اس نے کسی کی تلاش میں ادھر ادھر کنگاہیں دوڑائیں۔ پھر جب
وہ مطلوبہ شخص سے دکھائی نہیں دیا تو اس نے دوبارہ عبدل
اور اس کے ساتھیوں پر اپنی نگاہیں جمادیں۔ وہ اس کا پیکر لکھا
ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔
”آپ لوگوں کے پاس تو کون توہوں گے پڑا روکنے والے
نے دریافت کیا۔“

گیت سے باہر ایک مردک تھی جس پر ایک وین کھڑی تھی۔ وین کا ڈیڑھ اونچا بنی نشست پر بیٹھا ہوا ان لوگوں کا نظارہ کر رہا تھا۔ عدول اور اس کے ساتھیوں کو یہ معلوم کئے گئے تھے کہ کرطینان ہو گیا تھا کہ اس وین میں کچھ نہ ملے گی تھی۔ یہی وہ دو عورتیں تھیں جو بڑے اشتیاق کے ساتھ کھڑی تھیں۔ اسے نہ نکال نکال کر چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان لوگوں نے بھی روایت کے مطابق کھلانے کے لیے کہا جا رہا تھا۔ ان لوگوں کے آگے ہی وین چل پڑی۔ وہ فریقین کو مارا بھیجا۔ اسے ساتھ ہی اگر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکائی ہوئی مسکراہٹ تھی جیسے وہ جان ولس سے اپنے بہن بھائیوں پر دھڑکتے ہوئے کانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

مجھے ہندوستانی اور غیر ملکی نااہل دکھائی دے رہے تھے۔
گو ماں اس ہال میں آکر کراہنیں بھانک رہا تھا مگر بڑھاپا لگیا
تھا۔ وہ سب اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ ان لوگوں
کو کتنی دواؤں اور کتنے سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں
لے گیا جہاں کھانے کی ایک بڑی سی میز بھی ہوئی تھی اور
اس پر انواع و اقسام کے کھانے سجائے گئے تھے۔ اس کمرے
میں بھی دو مسلحہ محافظ ستونوں کی طرح ایستادہ تھے۔ میرے
رکھے ہوئے شراب کی بوتلیں دیکھ کر عبدال کی رال مٹنے لگی۔
”آپ لوگ تشویش رکھیں، گو مانے کمرےوں کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ چھان غیر ملکیوں کی طرف دیکھ کر انھیں پری میں بولا۔
”آپ لوگوں کے لیے دوسرے کمرے میں انتظام کیا گیا ہے۔ آپ
لوگ اس طرف چلے جائیں“

تھے کہ گومانے اچانک گوبی کی کرسی کو ٹھوکر ماری۔ اس کی ٹھوکر سے وہ کرسی ایک طرف ہلچک گئی۔ اس کے ساتھ ہی گوبی فرش پر گر پڑا۔ پھر اس سے پیسے کہ عبدل اور کالو سنبھل سکتے گومانے ان پر چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ پیسے ہی پلے میں انہیں گریتا ہوا دیوارنگ لے گیا تھا۔ اس دوران میں مسلح حامی ڈنگے اس کمرے کے دروازے بند کر دیے اور اپنے دونوں ہاتھ پر رکھ کر اس طرف کھڑا ہو گیا جیسے اسے اس تماشے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

عبدل نے دیوارنگ کے پاس پہنچ کر سنبھلنا یا کچھ نہ کر کے دیکھا کہ ان دونوں کو اس طرح چھوڑ دیا جیسے رسی ٹھنپتے وقت رسی درمیان سے ٹوٹ جائے۔ اس جھنگلے کالو اور عبدل کے پاؤں اکٹھا دیے۔ وہ دونوں لڑکھٹاتے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ اس دوران گوبی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک کرسی اٹھا کر اپنے سر سے بند کی اور اسے گوما پر مارنے ہی والا تھا کہ گومانہ کسی سانپ کی طرح ہٹ پڑا۔ اس نے گوبی کے پیٹ پر پریک کلک رسید کر دی۔ گوبی بھی کرسی لیے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

گومانہ کی طرف ان پر چھا گیا تھا۔ وہ ان تینوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے حملوں میں اتنی شدت اور پھرتی تھی کہ ڈرامی میں اس نے ان تینوں کو مار مار کر بے حال کر دیا تھا۔ عبدل اور کالو ایک طرف دیوار سے جا گئے۔ گوبی میں ابھی توانائی باقی تھی۔ اس نے ہمت نہ ہاری پھر گومانہ پر چھلانگ لگا دی لیکن گومانہ کسی فٹ بال کی طرح اسے اچھال دیا۔ گوبی اڑتا ہوا اٹھا۔ اس نے میز پر جا پڑا اور اس دھکے سے کھانے والی میز الٹ گئی اور یں کھانا خراب ہو گیا۔

گومانہ کی طرف سے دھیان ہٹا کر پھر عبدل اور کالو کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے کالو کو ایک جھنگلے سے دوڑھنکا کاؤ عبدل کا گریبان پکڑ لیا۔

”ہاں، اب بتاؤ تمہارا چوتھا ساتھی کہاں ہے براہ راست خود بخوارچہ میں دریافت کیا۔

”مے بھائی! مے مائی باپ، اپن کو کچھ نہیں مانوم کہ سہم، تم سالا آدمی ہے یا گڈ ہے آف اڈیا، پتھر کا ٹک، این ٹم کو گنگ کا ٹک، ٹھیک بولا تھا۔“ عبدل نے گومانہ سے کہتے ہوئے کہا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔“ اس نے عبدل کی گردن دبا دی۔

”اگر تم نے نہیں بتایا تو تم تینوں کو جان سے مار دوں گا سمجھے؟“

عبدل نے انکار میں پھر اپنی گردن ہلا دی۔ گومانہ دفعتاً اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔ عبدل کی آنکھیں پھر نکل آئیں اس کے حلق سے دم توڑتے ہوئے شخص جیسی غراہٹ نکلنے لگی اور پھر اس کی گردن ایک طرف دھلک گئی۔

وہ لارچ دوسری لارچ کے برابر میں اکڑ کر گئی۔ داور نے دیکھا کہ لارچ کے عرس پر کچھ آدمی پل پھر رہے تھے۔ پھر ان میں سے دو آدمیوں نے اس لارچ پر چھلانگ لگا دی۔ جسے داور اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ لوگ شاید صورتحال معلوم کرنے کے لیے اس لارچ پر آگئے تھے لیکن مینا کہ انہیں نے آوازیں بھی دی ہوں۔ لیکن سمندر کے شور کو وجہ سے ان کی آوازیں داور تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ آسمان اب بالوں سے صاف ہو چکا تھا اس لیے چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ اور اس چاندنی میں داور نے والی لارچ پر موجود آدمیوں کو دیکھ سکا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق ان کی تعداد چار سے زیادہ نہیں تھی۔ جن میں سے دو نے داور کی لارچ پر چھلانگ لگا لی تھی۔ جبکہ بقیہ دو اپنی لارچ پر کھڑے رہے تھے۔

داور کے لیے یہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ اس لارچ پر اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ اگر وہ اسلحہ ان کے ہاتھ تک جاتا تو وہ اور اس کے ساتھی اس جزیرے میں ناکارہ ہو کر رہ جاتے۔ وہ بڑبڑ کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے اپنی نگاہیں دونوں لانچوں پر جم رکھی تھیں۔ اس کی تیرہویں پر پل پڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے کچھ سوچ رہا تھا۔ گوبی ایسی ترکیب جو لارچ والوں کو قابو کر سکے۔ اور اس کا اسلحہ بھی محفوظ رہ سکے۔

داور کی لارچ پر جاتے والے دونوں آدمی اپنی لارچ میں واپس آگئے اور اتنے فاصلے سے بھی یہ اندازہ لگا نا دشوار نہیں تھا کہ ان دونوں نے اسلحہ دریافت کر لیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک دور مار آفل تھی۔ یہ بر آفل داور اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔

بالآخر ایک ترکیب داور کی سمجھ میں آئی اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے وہ نارچ اٹھا لی جو وہ دونوں اپنے ساتھ لائے تھے اور لڑائی کے دوران یہ نارچ ایک طرف جا گری تھی۔ اس نے نارچ کو اٹھا لی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ لارچ والوں کو کسی قسم کا نشانہ نہ دے۔ وہ ابھی اسی انجمن میں تھا

کہ اسے اپنے عقب میں قمر کی آہٹ سنائی دی اور وہ بڑی چھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ اس طرح آنے والے اسے نہیں دیکھ سکے تھے۔

کے لئے تعلقہ میں تین تھے۔ آدمیوں کی تعداد دو اور کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ لیکن انجمن یہ تھی کہ اگر ان لوگوں نے ایک طرف بڑی ہوئی انجمن دیکھ لی تو پھر وہ ہوشیار ہو کر وہ ہو کر واپس بھی جا سکتے تھے۔ یہ ان دونوں سے ایک کی لاش تھی جنہوں نے داور کو چٹان کے اوپر کھینچا تھا۔ ان میں سے ایک تو اپنی ہی جھونک میں چٹان سے نیچے جا کر اٹھا۔

اس کا ہر شہ درست ثابت ہوا۔ آنے والوں کی نگاہ اس لاش پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رہ گئے۔ پہلے ولے دونوں آدمیوں کے برعکس یہ تینوں مسلح تھے اور چاندنی میں داور نے ان کے ہاتھوں میں دیے ہوئے چھوٹے چھوٹے سیاہ ستونوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ تینوں کچھ درمیک لاش کے پاس کھڑے رہے پھر آہستہ آہستہ اس پشانی لکڑی کی طرف بڑھنے لگے جہاں ایک طرف داور ایک بڑے سے پتھر کے عقب میں بیٹھا ہوا تھا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں کیسا ہنگامہ ہوا ہے؟“ ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کون اس لاش کو یہاں پھینک گیا ہے۔

پھینک نہیں گیا بلکہ اس شخص کو شاید یہیں ہلاک کیا گیا گیا ہو گا۔ دوسرے نے کہا۔ ”آٹار بھی بتا رہے ہیں۔“ وہ دیکھو لارچ! یا تیسرے کی نگاہ جب سمندر کی طرف گئی تو وہ جو تک اٹھا تھا۔

ان کی گفتگو سے داور کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پہلے والے دونوں آدمی اور یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ تھے۔ ان میں آپس میں کوئی ربط نہیں تھا۔ اور لطف کی بات یہ تھی کہ ان دونوں یا تینوں کو کسی لارچ کا انتظار تھا۔ نہ جانے اس جزیرے پر کون سا حیل کھیل جا رہا تھا۔

”پشانا اشارہ تو دو؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ لارچ کسی اور کی ہو؟“

داور نے تجویز کی اوٹ سے اپنا سر زربا پہنکا لیا! اس کی نگاہیں ان تینوں خاکوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی جیب سے ایک نارچ نکال کر اس کا رخ سمندر کی طرف کر دیا اور نارچ روشن کر دی پھر سچائی پھر روشن کی۔ یہ عمل اس نے پانچ بار ہر اٹھا۔ پھر داور نے دونوں لانچوں

کی طرف دیکھا۔ اس دوسری لارچ سے اس اشارے کا اسی طرح جواب دیا جانے لگا۔ اس کا مطلب تھا کہ دوسری لارچ ان تینوں کے ساتھیوں کی تھی۔

”خیر یہ لارچ تو اپنی ہی ہے؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔ لیکن یہ دوسری لارچ کہاں سے آگئی؟“

”کچھ کہہ نہیں سکتے؟ دوسرے نے جواب دیا۔ ”ان لوگوں کے لئے کہ بعد ہی بتا چکے گا۔“

”لیکن ان لوگوں کو بلانے سے پہلے اس پاس دیکھ لو۔“

ہو سکتا ہے کہ کوئی چھپا ہوا ہمارا نگراں گمراہ ہو۔“ داور نے دل ہی دل میں اس شخص کو کئی مدد گالیاں دیں۔ ڈالیں جس نے یہ شور مچا دیا تھا۔ اس کے مشورے پر وہ لوگ اگلے کرنے لگے تو اس کا دیکھ لیا جاتا یعنی تھا۔ ان لوگوں نے پستول اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھے تھے اور یہ ایک خطرناک بات تھی۔ اگر وہ غالی ہاتھ ہوتے تو پھر داور کون کی پروا نہیں ہوتی۔ بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔ اسے تلاش کرنے والے دو آدمی ادھر ادھر پھیل گئے۔ جبکہ تیسرا ہر قسمی سے اس پتھر کے پاس جلا آیا جس کے عقب میں داور چھپا ہوا تھا۔ وہ اس وقت بے حد جوں جوں رہا تھا۔ یہ داور کی خوش قسمتی تھی کہ یہ رات کا وقت تھا۔ چاندنی اور دھوپ میں بہت فرق ہو کر رہا ہے۔ اگر یہ دن کا وقت ہوتا تو اب تک داور دیکھ لیا جاتا یعنی تھا لیکن اس لمحے اندھیرے نے کسی حد تک اسے چھپا رکھا تھا۔

وہ تیسرا جیسے قدم بڑھاتا ہوا پتھر کے پاس گیا! اس کی گردن بڑی شبیہ انداز میں چاروں طرف گھوم رہی تھی۔ داور نے ہاتھ آگے بڑھا کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا لیا اور اس پتھر کو اچھال کر اس آدمی کے آگے پھینک دیا۔ پتھر کی آواز سننے ہی اس آدمی نے اس مقام پر گوبی جھونک ماری جہاں پتھر گر کر اٹھا اور اسی لمحے داور نے پتھر کے عقب سے نکل کر اس کی گردن اپنی گرفت میں لے لی۔ یہ صرف ایک لمحے کا عمل تھا اس میں اندازے کی ذرا سی غلطی خود اس کے لیے مصیبت بن سکتی تھی۔ اس کی گردن کو گرفت میں لے کر داور نے دوسرا ہاتھ اس کے پستول والے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ ایک وقت وہ پستول بھی اس کے ہاتھ میں آگیا اور اس شخص کی گردن بھی پھینک گئی۔

مرنے والا شخص اس کی گرفت میں پھر کا اور داور نے یکایک اسے چھوڑ دیا۔ وہ جھونک لے کر گھر کے کمرے کا دروازہ

ساتھ ہی وہ دونوں تیزی سے مڑے اور داور نے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ اس کی چلائی ہوئی ایک گولی نے ان میں سے ایک کا سینہ چھتا دیا تھا جبکہ دوسرا اپنے ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا پستول ایک طرف پھینک دیا تھا۔ داور پھر کے عقب سے نکل کر اس کے سامنے آگیا۔ اس جو برسے پر اس کی آمدی بناہ کن ثابت ہوئی تھی اب ملک جاکا آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔ اور ابھی یہ اس کمائی کا آغاز تھا۔ انجام تک نہ جاننے کے آدیموں کی لاشیں پھینچنے والی تھیں۔ نہ جاننے کتنے لوگوں کا رشتہ نہایت منقطع ہونے والا تھا۔

”اسی طرح ہاتھ اٹھانے ہوئے قریب آجاؤ، داور نے حکم دیا۔ اگرچہ بڑی تو ایک سوراخ کھوپڑی میں کیوں گا اور دوسرا سوراخ گردن میں بنانا دوں گا۔“ وہ آدمی اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے قریب آگیا۔ قریب آنے کے بعد اس کے منہ و خال واضح ہوئے تھے۔ وہ ایک جوان آدمی تھا لیکن اس کے چہرے کی روشنی ہی غبار کر رہی تھی کہ اس نے اپنی عمر غلط کاموں میں گزار دی ہے۔ اس وقت بے پناہ خوف نے اس کے چہرے کو اور بھی کثرت کر دیا تھا۔

”تم لایح والوں کو لاشیں کلیئر ہونے کا اشارہ دو، داور نے آگے بڑھ کر پستول کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ دی تھی پھر کہتا ہوں کہ کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ میں بہت ہی بے رحم آدمی ہوں۔ دس منٹ میں چار آدمیوں کو مار چکا ہوں۔ تین لاشیں کٹھنہ کے سامنے ہیں اور چوتھی لاش نیچے پڑی ہے۔“ ”کوئی ہوش؟“ اس آدمی نے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا چاہتے ہو؟“

”معاملہ یہ ہے کہ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں تمہاری زندگی کے بارے میں غور کروں گا۔“ داور نے کہا۔ ”ورنہ۔۔۔“ اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

”کس معاملے میں ساتھ دوں؟“ اس آدمی نے پوچھا۔ ”صورت حال یہ ہے کہ وہ دوسری لایح مری ہے۔“ داور نے بتایا۔ اس لایح پر تھوڑا سا اٹھایا ہوا لیکن تھارے ساتھیوں نے جو دوسری لایح سے آئے ہیں اس وقت اس لایح کے اٹلہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب نکال کر میرا اٹلہ لایح پر مزور واپس پہنچ جائے بلکہ وہ اٹلہ یہاں اس جگہ آجائے۔ اس کے بعد میں سنبھال لوں گا۔ سمجھ گئے۔“ وہ اس وقت بہت ہی شائستگی انداز سے بول رہا تھا۔

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو گے؟ اس آدمی نے پوچھا۔ اس کا چہرہ بہت مشکوک تھا۔ ”تمہیں اتنا دیر دوسرا نہ رہی ہوگا۔“ داور ہنستے ہوئے بولا۔ ”اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو نہ دو۔ میں ایک ایسی حالت کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ کہنا ہے جلدی کرو تمہارے منہ کے دلے سامنے تمہارے اشارے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“ اس آدمی نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے لیے مجھے ان کے کسی آدمی کو اوپر بلانا پڑے گا۔ ”کچھ غلطی کرو۔ یہ تمہارا معاملہ ہے۔“ داور نے کہا۔ ”میں دوبارہ اس پتھر کے پیچھے جا کر چھپ رہا ہوں۔ لیکن دھیان رکھنا کہ پستول کا ٹریگر تمہاری طرف ہوگا۔ اور ایک بات یہ بھی سن لو کہ میں اندر سے ہی بھی آؤں اور دھوکے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اور میرا نشانہ ایسا ہی کرتا ہوں جو بھی نہیں سوچے اور تمہاری کھوپڑی میں روشتان بن جائے گا۔“

وہ آدمی خاموش رہا۔ داور اُسے کور کرتا ہوا اس حقیقت پر غور میں چلا گیا جہاں وہ پہلے چھپا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں اُس آدمی پر مرکوز رکھی تھیں۔ اس آدمی نے نیچے گری ہوئی مارچ اٹھائی اور اسے جاکر اس کا ٹریگر سمند کی طرف چلا دیا اور اسی ہاتھ میں اسے مارچ کو ایک دائرے میں گھمادیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے مٹی کا گڑا سا بن گیا ہو۔ یہ ایسا خاص اشارہ تھا جو اس آدمی کی مدد کے بغیر داور کو معلوم نہیں ہوتا تھا۔

اس اشارے کے جواب میں سمند کی طرف سے روشنی کو ایک دائرے میں گھمایا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک آدمی نے لایح سے سمند میں چھلانگ لگا دی۔ لایح والوں کو گویا لاشیں کلیئر ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ اس آدمی کے سمند میں کودنے ہی داور کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے مارچ ایک طرف دھکی۔ اور ایک طرف پڑی ہوئی روشنی اٹھائی۔ وہ بڑی ذمہ داری اور احتیاط سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ایسا تھا جیسے داور کی کسی ہدایت سے سڑکی کی جراثیم ہی نہ رکھتا ہو۔

سمند میں کودنے والا بھی بہت اچھا تیراک معلوم ہو رہا تھا۔ داور نے دیکھا کہ وہ بھی پڑی ہوئی مچروں کے غلات بڑی کامیابی سے جدو جہد کرتا ہوا ساحل کی طرف چلا رہا تھا۔ اس دوران اس آدمی نے دیکھا کہ ایک مسافر بڑے سے لگے کے چاروں طرف لپٹ دیا تھا۔ اور دوسرا اس نے نیچے لٹکا دیا تھا۔ داور بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سب دیکھتا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دھکی پڑی آگیا۔ اس کا مطلب تھا کہ لایح کی طرف سے آنے والے کسی اور چڑھند

شروع کر رہا تھا۔ روشنی کو ہاتھ دیکھ کر چٹان پر کھڑا ہوا۔ آدمی کچھ عرصے میں سا کھائی دینے لگا۔ وہ ذمہ دہ نگاہوں سے اس پتھر کی طرف دیکھتا جس کے عقب میں داور چھپا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر روشنی کی طرف متوجہ ہو جاتا۔

کچھ دیر بعد چٹان کے عقب سے ایک آدمی کا بالکل بلند ہوا اور چٹان پر کھڑے ہوئے آدمی نے اُس شخص کو اپنی طرف کھینٹ لیا۔ نیچے سے آنے والا کچھ دیر تک بے مددہ سا چڑا رہا تھا۔ پھر جب اس کی سانسیں اعتدال پر آگئیں۔ تو وہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت داور اور بھی غماط ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر گرفت مضبوط کر لی اور اپنے کان ان کی طرف لگا دیئے۔ وہ دونوں اب آپس میں باتیں کرنے لگے تھے، آنے والے شخص کی نگاہ لاشوں پر پڑی تھی۔ اس لیے وہ حیران ہو رہا تھا۔

”یہ سب کیا پتھر ہے دھیما۔“ آنے والے نے دریافت کیا۔ ”یہ کس لاش میں ہیں سب کا ٹریگر پڑی ہوئی ہے یہاں۔“ ”ہب لاش پتھر ہو گیا تھا۔“ دھیما نے جواب دیا۔ ”ہم لوگو نے ہمیشہ سے کچھ اٹلہ بھی منگو لیا ہے۔ وہ اٹلہ اسی لایح پر آگیا ہے۔ جو اس وقت سمند میں کھڑی ہے۔ نہ جانے کس طرح ایک دوسرے کو روک کر اسے اٹلہ کا پتھر چل گیا۔ اور اس نے اپنے آدمی ہال پہن دیے۔“ ”بڑے زوروں کا مارا ماری ہوئی۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے۔ ان کے بچے، دو آدمی مر گئے۔ ان میں سے ایک کی لاش تم نے نیچے پڑی ہوئی دیکھ لی ہوگی۔“

”ہاں۔ ایک لاش دکھائی تو دی تھی؟“ آنے والے نے کہا۔ ”میں اسی وقت کٹھنہ گیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ کوئی نہ کوئی ٹریگر پڑا ہوا ہوگا۔“

”بس اس کے بعد ان کے دوسرے سامنے لہاگ لے۔“ اس آدمی نے پتھر پر اشارہ کیا۔ ”میں نے اپنے آدمیوں کو اٹلہ لایح دیکھا ہے۔ وہ آہی آہی دالے ہوئے گئے۔ نہ تو لگایا کہ اس لایح سے جو اٹلہ لیا ہے، انہیں اٹلہ لایح میں رکھ دو۔ بلکہ خود ہی بہت کر تو اٹلہ کو ایک جگہ پر رکھ کر کسی طرح ساحل پر آؤ۔ اور روشنی سے باز رہو۔ میرے آدمی انہیں اوپر کھینچ لیں گے۔ اس کے بعد تم لوگ یہاں سے چلے جا۔ یہاں رکنا نہیں ہے۔ ورنہ بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔“

”اور ان کا کیا ہوگا؟“ آنے والے نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”ہم لوگ اتنی دیر سے مای کی لیے تھوکتے ہیں۔“ ”مال نہیں مل جائے گا۔“ اس نے کہا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ یہ عیبت میں پھنس جاؤ۔ تمہارا دھندہ ایک ملک ہے۔ ہمارے

ساتھ کیوں مارا ماری میں حصہ لیتے ہو۔ کسی کو کچھ ہو گیا تو ساری

ذمہ داری تم پر آجائے گی۔ جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔“ ”یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔“ دوسرا آدمی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”میں تو غراب ہو گیا ہے۔ غیر ہم اٹلہ اور بھی کچھ کر سکتے ہیں۔“ ”لاٹچ سے آنے والا اس روشنی کے سارے دوبارے پر اثر کیا داور کو اس کی مہارت دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ وہ اس معاملے میں بہت ہکا مل کھائی دیتا تھا۔ اب لگتا تھا جیسے وہ برسوں سے اس چٹان پر چڑھنے اور اترنے کی مشق کرتا رہا ہو۔ اس کے غائب ہونے جانے کے بعد داور پھر کے عقب سے نکل کر اس آدمی کے پاس آگیا۔ جس کا نام دھیما تھا وہ بڑی امید بھری نگاہوں سے داور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم نے بہت سستے سے بات کی تھی۔“ داور نے اس کی تعریف کی۔ ”اگر تم نے اسی طرح میرے ساتھ تعاون کرتے رہے تو میں تمہارا دشمن ثابت نہیں ہوں گا۔“

”تم کون ہو۔“ اس نے پوچھا۔ ”اور یہاں کیوں آئے ہو؟ یہ اس کو کس کے لیے لائے ہو؟“

”میں یہ سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔“ داور نے کہا۔ ”یہ لوگ کون تھے؟ انکس مال کی باتیں کر رہے تھے؟“ ”میرا نام تو تم نے سن لیا ہوگا۔“ وہ سمند کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں دھیما ہوں۔ میرا تعلق پٹیدو کے جواخانے سے ہے۔ کچھ لوگوں نے اب اس جواخانے کو ٹوٹنے کا پروگرام بنایا ہے۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے۔“

”اور۔“ داور کی آنکھیں جھپکے لگیں۔ اس آدمی سے اس کی دلچسپی ایک بڑھ گئی تھی۔ ”وہ کون لوگ ہیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”وہ ہمارے لوگ ہیں۔“ دھیما نے بتایا۔ ”کل ملکر پانچ آدمی ہیں۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ ایک لایح کے کراس کی طرف آئیں گے۔ اور جواخانے کو ٹوٹنے کے بعد اس ساحل سے سفر شروع کر دیں گے۔ لایح میں جو لوگ آئے ہیں۔ ان کا کام صرف ہم لوگوں کو کڑے کر

یہاں سے نکل جانا ہے۔ یہ لوگ بس اس حد تک ہمارے ساتھ ہیں۔ جبکہ جواخانے کو ٹوٹنے کا منصوبہ جن آدمیوں نے بنایا تھا۔ ان میں سے دو تمہارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ جبکہ بقیہ تین اس وقت جواخانے میں موجود ہوں گے۔ ہم لوگوں کو کھسک دیں اس لیے یہاں سے چلا تھا کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ ہم لوگوں کو یہاں سے جانے والی لایح آئی ہے یا نہیں۔ لیکن تم نے تو مارا معاملہ ہی چوٹ کے رکھ دیا۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ تینوں جو اس وقت جواخانے میں موجود ہیں۔ وہ اپنے منصوبے پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ پروگرام یہ تھا کہ چلے کچھ ہی دیر ہو جائے ان تینوں کو اپنا کام مکمل کرنا ہے۔“

”یہ قسم بہت عجیب بات بتائی،“ داور نے کہا۔ لیکن تم سے پہلے جو آدمی یہاں آئے تھے، وہ کوئی تھے۔“

”وہ ایک دوسرا مسافر ہے،“ وحیما نے بتایا۔ ”مجھے یہاں آنے وقت یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ایک اور پارٹی آئی گی، اس جگہ کو لٹھنے کا منصوبہ بنا چکی ہے۔ اور اس کے آدمی بھی اس وقت جگہ خانے میں موجود ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے دو آدمیوں کو اس طرح اپنی لٹھ لٹھنے کے لیے بھیج دیا جو گا۔“

اس صورت حال پر داور نہ جگا کر رہا، ایسے دلچسپ حالات اسے کسی پیش نبی ہی آئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک وقت تین مرد پارٹیاں ایک ہی جگہ میں اس جگہ خانے کو لٹھنے کا منصوبہ بنا چکی تھیں۔ ان میں سے ایک پارٹی داور کی تھی۔ اب یہ کھینچنا تھا کہ ان تینوں میں سے کون سب سے پہلے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ یہ ایک تیس کریم کا تھی۔ جوان میں سے کسی ایک پارٹی کو یہ حال میں مبتنی تھی۔ اور سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ پارٹی اپنی اپنی لٹھ لٹھنے کے اسی سمت کے آدمی تھے۔ اور یہ پارٹی کا کوئی ٹھکانہ ہی اس ساحل پر موجود تھا۔ اور بگھا آدمی جگہ خانے میں تھے۔ لیکن داور کو تھوڑی سی وقتیت یہ حال معلوم تھی کہ بقید وقت پارٹیوں کے آدمی ٹھکانے لگ چکے تھے۔ ایک تھا یہی تو وہ اس کے فتنے میں تھا اور داور جب چاہتا تو آسانی سے اس کے ہاتھ سے لٹھ سے شام لگا تھا۔

بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں نے لمبی سیس کی شہرت سنی تھی۔
فیض ہمارے لیے مصیبت پیدا کر سکتا ہے۔“
”آپ ننگوں کرتے ہیں بس۔“ گروما کے جیسے جوسٹ
منسکراتے گئے اہلزار سے کل گئے، اور ان کے درمیان ان کے پیکار
دانت دکھائی دینے لگے۔ ”آپ کو کیا گروما پھر صبر نہیں ہے۔
میں دلوں جیسے دس آدمیوں کو چوتھوئیں کی طرح منسلک نہیں
میں نے اپنی زندگی لیں ہی نہیں گزار دی۔“
”میں جانتا ہوں لیکن داور سے مقابلہ کرتے وقت بہت
استیلا کرنا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ایک بہترین آدمی کی
کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچ جائے۔“
”مگر آپ اتنے ہی ننگے نہ بنیں تو آپ کہیں توہین داور کے
ایک بال بچاؤں۔ وہ اس حال میں آنے کے بعد بے بس ہو جائے
گا۔“
”ٹھیک ہے، تم جون سب سمجھو کہ وہ۔ لیکن بہت احتی
کے ساتھ۔ بہت دلوں کے بعد۔ کسی کی وجہ سے میں بے سکون
رہا ہوں۔“
”اور ان دونوں پارٹیوں کے آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک
جائے؟“ گروما نے پوچھا۔
”اوہ۔ تم ان کی پڑا ہمت کرو۔ انہیں اپنے دوسرے آ
ہی سنبھال سکتے ہیں۔ میں جب چاہوں انہیں بال سے اٹھا
ہوں۔ لیکن ابھی مختصر اساجوائے کر لینے دو۔ تم اپنا ہ
خاؤر کی طرف رکھو بس۔ اگر تم نے اس کو تاہر کر لیا تو روز ہی ہانا
ہو جائے گی۔“
”بس تو میں جا رہا ہوں۔“ گروما کی مسکراہٹ اور گہری
آپ دیکھتے ہیں کہ میں داور کے لیے کیا حال بچاتا ہوں۔“
گروما اتنا کہہ کر پیڑ روک کر سے باہر آگیا۔ یہ کہہ انا
کی اوپر ہی منزل پر پہنچا۔ وہ میٹر تھیں ان کے نیچے اچھی مختلف ک
اور نرآمدوں سے نہ کر کہ وہ کیا ایسے دروازے پر آگیا جس ک
دو جاق وچند سلسلے پر ہار کھڑے تھے۔ انہوں نے گ
دیکھ کر حلقہ سے دروازہ کھول دیا۔
اس کمرے میں فریڈرہام کی صرف تین کرسیاں تھیں جو
دیوار کے ساتھ رکھی گئی تھیں۔ ان کرسیوں کے گولے، کالا
عبدل بندھے ہوئے تھے۔ ان تینوں کی حالت فرسوری تھی
کے چہرے مڑے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹ چکے تھے اور ان کی
شرع فرسوری تھیں۔ عبدل بھی اب ہوش میں دکھائی دے
لیکن اس کی آنکھوں میں بجاے خوف کے نفرت تھی۔ بے
نفرت۔ یہی حال گولی اور کالا تھا۔ وہ دونوں عبدل بھی کی

نصف میں دکھائی دے کر کھڑے ہوئے۔
 مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے جوئے ساتھی کے بارے میں
 نہیں بتاؤ گے۔ گومانے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ہوسکتی بات نہیں۔ یہ تمہاری مذہب۔ اور میری مذہب ہے کہ میں
 اس شخص سے ملو کہ کرو دینا چاہتا ہوں جس کی خاطر تم لوگوں سے
 اپنی زبان بند کر رکھی ہے۔
 پھر تین کا نام کہیں کوئی کرتا ہے، عبدال بول پڑا۔ جاؤ
 باکر اس کا پتہ چلاؤ اور اس سے کھاس کرو۔“
 میں بھی سرسکتا ہوں۔ گومانے سرکھڑا دیا۔ اور تم لوگوں نے یہ
 دیکھ لیا کہ وہ میرے لیے یہ کونسی شکل نہیں ہے لیکن میں نے یہ
 مفید کیا ہے کہ میں اُسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اس کی موت
 کا اندازہ پورا ہوگا۔ میرے لیے خوشخبری کوئی حقیقت نہیں کہتا
 لیکن میرا اس نے جانے کیوں اس کی وجہ سے پریشان ہو رہا ہے۔
 اس لیے میں نے اُسے ٹھکانے لگانے کی ایک ترکیب سوچ لی
 ہے۔ اور تم لوگوں کو اس معاملے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔“
 یہ تم کو کہہ رہے ہو۔ گوئی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا
 تہہ کیا دماغ خراب ہو گیا ہے، ہم کیا اپنے ساتھی کو پھینکانے
 کے لیے تہہ راستہ دیتے گے۔
 ”ہاں۔ نہیں، یہ حال میں ساتھ دینا ہوگا۔ گومانے کہا۔ تم
 لوگوں سے ان کی مرضی کے خلاف کام لینا ہوگا۔ تم لوگ سمجھتے
 رہ کہ میں کیا کرتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ مڑا اور دروازے سے
 باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عبدال نے مٹک کر اپنے
 ساتھیوں کی طرف دیکھی۔ اور وہ تینوں صورت حال کا تجربہ کرنے
 لگے۔
 ابھی وہ لوگ اسی قسم کی باتوں میں مصروف تھے کہ گوگا پھر کمرے
 میں داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک برلیٹ کیس تھا۔ اس نے
 وہ برلیٹ کھینچ کر کمرے کے درمیان میں رکھ دیا اور خود برلیٹ کیس
 کے پاس کی گھنٹوں کے بل پیچے گیا۔ اس برلیٹ کیس میں عجیب، یہ قسم
 کی چھٹی چھٹی نیلی پتلی چیزیں رکھی ہوئی تھیں، ان کی صورت ایسی
 تھی جیسے پھرے پھیرے جھوٹے راکٹ برلیٹ کیس میں بچے ہوئے ہوں۔
 ان راکٹوں کے ساتھ یہ شہزاد بھی منسلک تھے۔ اور ان تاروں
 کے سلسلے برلیٹ کیس ہی میں رکھی ہوئی ایک ایسا لمبا ٹکڑی میس کیسی
 چیز سے منسلک تھے۔
 گومانے ان راکٹوں کو برلیٹ کیس سے نکال لیا۔ اس نے
 ایک راکٹ دروازے پر اس طرح چپکا دیا کہ وہ باہر سے دکھائی نہیں
 دے سکتا تھا۔ پھر اس نے راکٹ کے تار کو برلیٹ کیس میں رکھی ہوئی
 جھولی مشین سے منسلک کر دیا۔ یہ سارے کام وہ بڑے احتیاط اور

اب اس کمرے میں باہر سے صرف تھنڈا سا ہوا آتی تھی۔^۴
اس نے کہا: "اور مجھے انہوں سے ہے کہ وہ تیس دنوں میں دیکھ سکے گا
اور شتم اُسے زندہ دیکھ سکے گا۔"



”اے وصیما، تم سالہا کاٹے کو پہر لیسیاں ہوتا ہے۔ دادا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا: ”یہ اپن کا موسیٰ کا گھرنہ ہے، یہ سالہا لوٹ مار کا دھندا بھی گڑ بڑ گھولنے والا ہوتا ہے۔“

ان لوگوں کی طرف سے یطین ہو کر لڑنے والوں نے ساحل پر موجود لوگوں کی طرف رخ کیا۔ ان کی طاقتور سرچھائیوں نے دُور تک روشنیوں پھیلا دی تھیں۔ اور اس دُور بھی وہ دُور دُور کے مغربی دھبے تھے۔ پہاڑی سے نیچے ساحل پہنچی پہنچ و بیکار شروع ہوئی یہ وہ لوگ تھے جو داد کی لڑنے سے اسلحہ کے ساحل تک آئے تھے۔ ان لوگوں کے لیے هزار کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ سامنے گہرا سمندر تھیں جبکہ پیازوں اور دوڑوں جانب گہری کھائیاں۔ فادر کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس ساحل پر اس وقت کتنے لوگ موجود ہیں۔ لیکن آتھافو معلوم تھا کہ وہ جتنے بھی ہوں گے انھیں بُری طرح بھونچا گیا ہے۔ اس ساحل پر موت کا نقص جاری تھا۔ ذرا سی دیر میں نہ جانے کتنے آدمی موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ کچھ

”میری کچھ نہیں آنا کہ ایک کروں“ وہ پہلے کہا ایک طرف تو میرے سامنے ہی دو دوسری طرف تم لوگ ہو میری طرف لایچ دے رہے ہیں۔ پھر پیڑ روکنے لگا ہے۔ اگے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میں نے اس سے غدار کی ہے۔ میں نے جوئے خلع میں کام کرتے ہوئے بھی دوسروں کے ساتھ مل کر قتل کا کام لیا۔ بڑا اٹھا۔ پیڑ رو بہت باخبر دی ہے۔ اُسے معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں اس کے خلاف سازش میں ملوث ہوں۔ پھر میرا کہاں

تھکا۔ ہوگا؟ میں کیا کروں گا؟

”دیکھو دوست، داور نے ہوجہ بدل کر سیدی سادی سلیس اردو میں کہا۔ یہ درست ہے کہ میں نے بڑی محنت کے بل پر تم کو بقا حاصل کیا ہے لیکن مجھے تمھارے تعاون کی بھی ضرورت ہے۔ تم اس علاقے سے ابھی طرح واقف ہو۔

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں یہاں سے نکلے ہوئے نہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور تم بے دیکھ لو کہ میں تمھارے بارے میں سناؤں سے نہیں ہوں۔ مجھے روکنے کے لیے لوہے کا جگر چاہیے۔

”ہاں۔“ دھیانے ایک گہری سانس لی۔ ”میں نے تمھاری ہمت اور بہادری دیکھ لی ہے۔ لیکن اب تمھارا ارادہ کیا ہے؟“

داور نے جواب دینا ہی چاہا تھا کہ اچانک چاروں جانب سے ایک آواز گونجنے لگی۔ داور اور دھیانہ جرت سے چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔

”داور صاحب جہاں بھی ہوں براہ کرم کا سینو پہنچ جائیں ان کے ایک ساتھی عدیل بڑی طرح زخمی ہو گئے ہیں۔ داور صاحب جہاں بھی ہوں۔“

”یہ کیا پتھر ہے دوست؟“ دھیانے داور کی طرف دیکھا۔ ”یہ اعلان میرے ہی لیے ہے۔“ داور نے بتایا۔ ”عدیل میرا ساتھی ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ دھوکہ ہے۔ وہ لوگ مجھے چھانسن کر کا سینو کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے میرے لیے یہ ایک جال بچھا پایا ہے۔“

”پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟“ دھیانے پوچھا۔ وہ اس وقت بہت ہی سعادت مند دکھائی دے رہا تھا۔

”میں کا سینو ضرور چاؤں گا۔“ داور نے کہا۔ ”اس اعلان کا مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھی ان لوگوں کے پتھر میں چھنس گئے ہیں اور یہی بات حیرت کی ہے۔ وہ لوگ تو زلزلہ تو آئیں گے پھر نہ جانے کس طرح انھیں پکڑ لیا گیا ہے۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے ساتھیوں کو پکڑ لیا گیا؟“ ”سو فیصد۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔“

سمندر کی طرف اب خاموشی تھی۔ ان دونوں لڑکوں کو تباہ کر دینے کے بعد تیسری لڑائی والے بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ ان کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ بہت ممکن تھا کہ وہ راستہ صاف کر لینے کے بعد سامنے پرانے کی بنیادی

کر رہے ہوں۔ داور کا اس سبھی ہاتھ سے نکل گیا تھا جس وقت

تیسری لڑائی کے حاکم اس وقت غراردی طور پر دھڑکتی داور کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ دھیانہ اس کی کچھ دھڑکنے میں ناکام رہا تھا اور وہ رتی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سرسری ہوئی کمرے سے پہنچے جاگتی تھی۔ اس کے بعد ہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ میں نے ان دونوں کو کسی اور طرف دھیانہ دینے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔

”اس پورے جزیرے پر لاڈلا سپر کرا جال بچھا ہوا ہے۔“ دھیانے بتایا۔ ”یہ اعلان اس وقت پورے جزیرے میں سنا جا رہا ہوگا۔“

”مجھ میں انھیں آنا کہ میرے آدمی پیڑوں کے نیچے ہیں کیسے آگے؟“ داور نے پوچھا۔ ”ان میں سے ہر ایک دس پونجاری ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ گوسا تمھارے آدمیوں پر بھاری پڑ گیا ہوگا،“ دھیانے کہا۔ ”اس کی حال معلوم ہوتی ہے۔ وہ پرن بھی ہے اور طاقت ور بھی۔“

”کون ہے یہ گوسا؟“ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”ایک ایسا آدمی جو گینگندے کو بھی بچھانسنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اکیلا نہیں آدمیوں پر بھاری ہے۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ پیڑوں کا سارا کاروبار اس کی وجہ سے قائم ہے۔ وہ طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ بے انتہا ذہنی بھی ہے۔“

”بہت خوب۔“ داور مسکرایا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جزیرے پر مقابلہ کر کے میں مرانے گا۔ ٹھیک ہے اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس کا سینو میں کس طرح داخل ہوں؟ میں سب کی نگاہوں سے بچ کر کا سینو میں داخل ہونا چاہتا ہوں اور یہ تم خود ہی بتانا ہے۔ آج رات ایک وقت میں بین پارہوں نے اس کا سینو کو رستے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اس لیے مجھے تو ایسا راستہ چاہیے جو اب تک دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ ہو۔“

”دیکھو دوست،“ دھیانہ پوچھتے ہوئے لولا۔ ”یہ بات تو ہے کہ اب کسی طرف جانے کے قابل نہیں رہا۔ پیڑوں کی طرف اس لیے نہیں جاسکتا کہ اس کو معلوم ہوگا کہ میں نے اس سے غداری کی ہے۔ ان کی طرف بھی نہیں جاسکتا جنھوں نے کا سینو کو رستے کے لیے میرا تعاون حاصل کیا تھا۔ کیونکہ میری وجہ سے ان کے دو آدمی مر چکے ہیں اور تم بھی بھرا ہوا ہو۔ اس لیے

کر کے کیونکہ میں تمھارے مخالفین میں شامل ہوں۔ اس لیے

میری حیثیت یہاں سب سے مشکوک ہو گئی ہے۔“

”دھیانہ میں تم پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ داور نے جلدی سے کہا۔ ”اس لیے میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ کا سینو میں داخل ہونے کا کواستارہ ہو۔ اس وقت میرے نزدیک سب سے اہم بات اپنے ساتھیوں کی رہائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ بچے گئے۔“

”ہاں اور میں ہر قیمت پر ان کو بچھڑانا چاہتا ہوں۔ میں انھیں پسلی سے مرے کے لیے ان خیموں سے رجم کر رہا ہوں۔ پتھر پھینکنا۔ وقت بہت کم ہے۔ دھیانہ فوری فیصلہ کر دیا کہ تم میرا ساتھ دو گے؟“

”میں ایک خفیہ راستے سے واقف ہوں۔“ دھیانہ دیر بعد لولا۔ ”یہ دراصل گٹر لائن ہے۔ یہاں کواستارہ راستہ ہے۔ ہم اس کے اندر سے ہوتے ہوئے کا سینو میں داخل ہو سکتے ہیں کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔“

”جیسا تم نے ان لوگوں کی اس گٹر لائن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جنھوں نے تمھارا تعاون حاصل کیا تھا؟“

”نہیں۔ میں نے انھیں کچھ نہیں بتایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ راستہ میں نے اپنے لیے رکھا تھا۔ دیکھو مجھے سچی بات یہ ہے کہ میں ذرا بزدل آدمی ہوں۔ اس لیے میں نے وہ آہنی کی راہ ذہن میں رکھی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر اندر کے حالات بہت خراب ہو گئے تو میں اس رستے کے ذریعے کا سینو سے بھاگ نکلوں گا۔ اس لیے میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔“

داور اس کی بات سن کر مسکرایا۔ ”اس آدمی کی یہ صفات گویا اے اچھی لکھی تھی۔ ورنہ کون اس طرح اپنی بزدلی کا اظہار کیا کرتا ہے۔ لاڈلا سپر کرا بھی مجھے دیکھنے سے اعلانات کا سلسلہ جاری تھا۔ داور کے لیے اس وقت سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے پاس سوائے ایک پیٹول کے اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ داور نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”اؤ چلتے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

دھیانہ اور داور دونوں ایک طرف چل پڑے۔ چاند اس وقت بالوں کی آغوش میں تھا اس لیے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ تیسری لڑائی والے کیا کر رہے ہیں۔ دھیانہ ان کی طرف سے اچھا بالکل خاموشی تھی۔ داور نے اس وقت دھیانہ اس لیے

بھروسہ کر لیا تھا کہ اس کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ کا سینو کے اندر گھسنے کے لیے اسے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اندر کا حال جانتا ہو۔ جو تمام راستوں سے واقف ہو سکے سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو قید سے چھڑوانا تھا پھر پیڑوں

کی خرید و بیعت تھی۔ اس سلسلے کو وہ ایسا سبق دینا چاہتا تھا جو وہ عدلیہ میں بھروسہ کر سکے۔ اس بوقت نے داور کے دھوکہ پر ہنگامہ دیکھا ہی تھی اور اب اس کی بربادی لازمی تھی

وہ دونوں اندھیرے میں پتھروں سے ٹکراتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہ جگہ بالکل ویران تھی۔ اس پاس کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک جھوٹے مہمان کو عبور کر لینے کے بعد وہ دونوں جھاڑیوں کے ایک طویل سلسلے کے پاس ٹکڑک گئے۔ خود رو کاٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ دھیانہ جھاڑیوں کے پاس کھڑا ہو کر کچھ دیر تک سوچا رہا۔ پھر اس نے ٹھنوں کے بل دونوں ہوکروں پاٹھوں کی مدد سے ان خاردار جھاڑیوں کو ایک طرف چھاننا شروع کر دیا۔ شامندہ ان کے درمیان سے راستے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر کی کوشش کے بعد وہ جھاڑیوں کو ایک جانب ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اس کی طرف داور کا اشارہ کیا اور بھی اس کے قریب ہی ٹھنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وہ دونوں اس طرح ٹھنوں کے بل چلے ہوئے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگے ان کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ یہ جھاڑیاں ان کے پتھروں سے جھپٹیں اور ان کے ذمیکے کانٹے ان کے لباس اور بدن میں کھب کر رہے تھے۔ انھیں اس انداز سے تباہ کر رہا تھا کہ دس گز تک چلتا پھرتا ہوگا۔ لیکن یہ دس گز کا سفر ہی بڑی مشکلوں سے طے ہوا تھا۔

دھیانہ پھر ایک جگہ ٹوک گیا۔ اس نے دونوں پاٹھوں سے زمین کو ٹوٹنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے داور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مل گیا۔ یہی وہ راستہ ہے۔ یہاں سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر چھٹے خانے میں داخل ہو سکتے ہیں۔“

وہ لوہے کا ایک بڑا سا ڈھکن تھا۔ ایسا ڈھکن جو عام طور پر گھر کے دھانے پر رکھا جاتا ہے۔ اس ڈھکن کے اوپر ایک کزنڈی لگا ہوا تھا۔ دھیانہ اس کزنڈے کو دو دروازے سے چھپنے لگا۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا۔ کزنڈے سے نکلے ڈھکن ٹپ سے کسی بھی نہیں ہوا تھا۔

”تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔“ داور نے کہا۔ ”میں کوشش کرتا ہوں۔“

دھیانہ اپنے بدن کو سمیٹ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ ہی داور نے اس کے کزنڈے پر ہاتھ ڈالا۔ اپنی سائیں روئیں اور ایک دور کا جھٹکا دیا۔ اس کی پہلی کوشش ناکام ہوئی تھی۔ دوسری بھی ناکام ہوئی لیکن تیسری کوشش میں وہ ڈھکن اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس بھاری اور سختی سے جے

ہوئے تو حکم کو چلتے ہوئے داور کو دانتوں میں پسینہ آگیا تھا۔
 ”جناب یہ تو مجھے بے ہوش بھی نہیں رہا تھا، وہ جیسا سناشی
 انداز میں بولا، آپ نے تو کمال کر دیا۔ طاقت میں میں آپ
 سے کم نہیں ہوں۔ ایسی کون سی ٹیکنیک ہے کہ آپ نے اپنے
 سخت دھن کو اکٹھا کر دیا۔“
 ”یہ سب چھوڑو، یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس تاج رہ ہے یا دلور
 نے پوچھا۔“

”ہاں۔ میں تاج رہ اپنے ساتھ ہی لیتا آیا ہوں، وہ جیسا
 نے اپنی جیب سے تاج نکال کر داویک طرف بڑھا دی۔
 داور نے تاج رہ جلا کر اس کی روشنی ٹکڑ میں ڈالی، بیک
 اچھا خاصہ طویل اور بڑا گہرا تھا۔ اس کی تہ میں گنداپانی چمک
 تھا۔ اور دھن بہت جانے کے بعد اس میں سے بدلو اٹھیں
 کے چمکے باہر نکلے تھے۔ اس کے اندر آتے تھے کہ بے گرجا
 کی بیڑھیاں اٹھتی ہوئی تھیں۔ لیکن یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے
 ایک عرصے سے اسے سٹھکانا گیا ہو۔ داور نے گڑھا کا معائنہ کرنے
 کے بعد جیسا کا شانہ کیا اور تاج رہ کی روشنی ڈالنا رہا۔ دجیما
 جلدی جلدی لوہے کی بیڑھیوں کے ذریعے گڑھ میں اترتا چلا
 گیا۔ اس کے اتر جانے کے بعد داور نے تاج رہ اس کی طرف
 پھینک دی۔ اب دجیما اُسے روشنی دکھا رہا تھا۔ داور بھی
 اس کی طرح گڑھ میں اتر گیا۔

وہ دوڑوں گندے بدلو دار پانی میں کھڑے ہوئے تھے
 یہاں بدلو اتنی تیز تھی کہ داور زور زور سے اپنی ناک کوڑنے
 لگا۔ وہ پانی ان دوڑوں کے ٹھنڈوں تک آ رہا تھا اس کے
 علاوہ وہاں اندھیرا اتنا شدید تھا کہ آنکھوں کے آگے جیسے کسی
 نے سیاہ چادر سی تان دی تھی۔ دجیمانے اس موقع پر تاج رہ پھر
 روشن کر دی اور وہ دوڑوں گندے بدلو دار پانی میں چھپ
 چھپ کرتے آگے بڑھنے لگے۔ کچھ دور چلنے کے بعد داور نے غصے
 کہا کہ وہ لوگ اسی طرح اس گڑھ کے اندر چلتے رہے تو ان کا دم
 گھٹ جائے گا یہاں تازہ ہوا آنے کے لئے جانے کا کوئی ذریعہ نہیں
 تھا۔ اس کے علاوہ ٹھنڈی پانی ہوا اُٹنی زہرا دوی تھی کہ داور
 کے پیٹے میں ہی ہونے لگی تھی۔

اس نے دیکھ کر دجیما چلتے چلتے لڑکھڑانے لگا تھا اگر تکی
 زہریلی ہوا اس پر اترنا انداز ہونے لگی تھی۔ اس نے خود کو گڑھ
 سے بچانے کے لیے دیوار کا سہارا لے لیا تھا اور اب وہ دیوار کے
 سہارے سہارے چل رہا تھا۔ داور کی حالت بھی اس سے
 مختلف نہیں تھی، لیکن اس نے اپنے قوت اداوی کے بل پر
 خود کو سنبھال رکھا تھا۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا جب دجیما
 چلتے چلتے زور سے لڑکھڑایا اور جلتی ہوئی تاج رہ اس کے ہاتھ

سے چھوٹ کر پانی میں جا گری۔
 داور تیزی سے تاج رہ کی طرف پہنچا لیکن پھر ٹھٹک کر
 ٹوک گیا۔ وہ تاج رہ حالانکہ جلتی ہوئی حالت میں گری تھی لیکن
 اب اس کی روشنی دکھانی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا مطلب
 یہ تھا کہ جہاں تاج رہ گری تھی وہاں دلور بھی اودا اس دلور
 نے تاج رہ کو نکل لیا تھا۔ اب اندھیرا اور بھی گاڑھا ہو گیا تھا۔
 ”اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔“ داور نے ہدایت دی۔

پھر اس نے اندھیرے میں ہاتھ چلائے اور دجیما کا ہاتھ
 اس کے ہاتھ سے تھم لیا جسے اس نے جلدی سے پکڑ لیا تھا۔
 دجیما بھی اس کے ہاتھ کا سہارا پا کر اس کے قریب آ گیا۔ ان دونوں
 نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ اس دفعہ یہ سفر اندھیرے میں ہو
 رہا تھا۔ داور نے احتیاط یہ رکھی تھی کہ وہ دیوار کے قریب ہی
 رہے تاکہ کسی ناگہانی صورت میں وہ دیوار کا سہارا لے سکے۔
 کچھ دور چلنے کے بعد وہ سرنگ بائیں طرف کو مڑ گئی۔ یہاں نے
 کے بعد گھٹن کا احساس اور بھی شدید ہونے لگا تھا۔ یہاں کی
 ہوا پہلے سے کہیں زیادہ گرم اور بدبو دار تھی۔ داور کو اپنے
 سینے میں جلن سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اپنی زندگی میں
 کبھی کسی گڑھ میں سفر نہیں کیا تھا۔ یہ پہلا تجربہ ہی تھا۔ یہاں تک
 ثابت ہو رہا تھا۔ اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اگر یہ سفر مزید بڑھے
 جاری رہا تو پھر برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ زہرا دوی ہوا
 دوڑوں کے دماغ میں چڑھنے چلنے کی اور شاید دوڑوں، سی
 دہوش ہو کر گڑھ میں گرنے اور پھر اس جہان فانی سے کوہ کرنا
 گئے۔ اس نے یہ جان لیا تھا کہ دجیما کی حالت رفتہ رفتہ خراب ہوتی
 جا رہی تھی کسی بھی لمحے وہ گرنے والا تھا۔ اس اندھیری سرنگ
 میں آگے ایک ہاتھ سے سہارا دیتے رکھنا داور کے لیے بہت
 مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

پھر ایک جگہ وہ تھک گیا۔ داور دیکھ تو نہیں سکتا تھا
 کہ دجیما کیا کر رہا ہے۔ لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شاید وہ
 دوڑوں ہاتھ پھیلا کر دیوار میں کچھ ٹکڑی رہا تھا۔
 ”ہاں یہی جگہ ہے۔“ دجیما بڑبڑاتا رہا۔ یہیں سے دجیما
 اُپر جاتی ہیں۔ اب ہم کا سینو کے اندر پہنچ چکے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے۔ یہ میں تلاش کرتا ہوں۔“ داور نے بھی
 اپنے دوڑوں ہاتھ دیوار پر رکھ دیئے۔
 وہ دوڑوں بہت دیر تک اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھنے
 کرتے ہوئے دیوار سے چھپاں لوہے کی بیڑھیاں تلاش کو
 رہے۔ لیکن وہ بیڑھیاں نہیں مل سکیں۔
 ”کہاں ہیں وہ بیڑھیاں؟“ داور نے پوچھا۔ ”تم کہیں
 آگے تو نہیں نکل آئے۔“

”نہیں۔ نہیں۔ وہ بیڑھیاں یہیں نہیں ہیں۔“ داور نے
 کہا۔ ”مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ یہ بیڑھیاں سینٹ کے ستونوں
 کے پاس ہیں۔ یہ دیکھو۔“ پتھون مل گیا ہے۔ اب بیڑھیاں
 بھی اُپر نہیں ہوتی جا رہیں۔ میں نہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔
 ”دھوکے کی بات نہیں ہے دوست۔“ داور نے سر ہٹا کر
 ”تم کیا دھوکہ دو گے۔ تم تو دھوکے ہی اس صحبت میں میرے
 ساتھ بیٹھے ہو۔“

دجیمانے پھر بیڑھیاں تلاش کرنا شروع کر دیں یہاں
 گزرنے والا ایک ایک لمبو لچل ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیوار
 گزرنے لگی پھر دجیمانے بالکون کی طرح اپنے آپ کو اپنے غنڈے
 کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ زور زور سے چیخ رہا تھا اسی
 کی آواز اس سرنگ میں پھیلتی چلی جا رہی تھی۔
 ”خاموش رہو۔“ داور نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ
 رکھ کر اس کی آواز بند کر دی۔ ”بے وقوف انسان اس طرح ہت
 جلدی بجاو گے۔ جاننے نہیں تھا کہ بیڑھیوں کو تازہ ہوا
 کی ضرورت ہے۔ جتنا چیخے گا اتنا ہی ہوا گرم ہو جائے گا اس لیے
 چپ رہو گے۔“

دجیمانے اپنی گردن ہل کر اس بات پر مامدگی دکھا کر دی
 داور نے اس کے منہ پر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ دجیمانے کو
 تو نہیں تھا پھر بھی یہ صورت حال خطرناک ہو سکتی تھی۔ اگر
 انہیں کچھ اور دیر راستہ نہیں ملتا تو پھر ان کے لیے یہاں سے
 نکلنا ہی مشکل ہو جاتا۔ انہیں ہر قیمت پر تازہ ہونے کا راستہ
 تلاش کرنا تھا۔ یہاں سے واپس چلنے کا سوال ہی نہیں
 پیدا ہوتا تھا۔

پھر جانک اس اندھیرے میں ایک روشنی جگہ لگتی ہوئی
 دکھائی دے لگی۔
 دجیمانے جلدی سے داور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اس روشنی کو
 دیکھ کر بڑی طرح ہلکا گیا تھا۔
 ”یہ۔ یہ کون آگیا یہاں؟“ اس نے لرزتی ہوئی آواز
 میں پوچھا۔

”خاموش رہو۔“ داور نے سرگوشی کی ”اور دیوار سے چپک
 کر کھڑے ہو جاؤ۔“
 وہ دوڑوں دیوار سے چپک گئے۔ یہ روشنی اس طرف سے
 آ رہی تھی جس طرف سے وہ دوڑوں آئے تھے اور یہ اندازہ لگنا
 دشوار نہیں تھا کہ وہ روشنی کسی تاج رہ کی تھی۔ کوئی شخص تاج رہ
 لیے ہونے کی طرف چلا آ رہا تھا۔ داور اور دجیما اس وقت تک
 تو اندھیرے میں تھے لیکن روشنی کسی بھی لمحے ان تک پہنچے ہی

والی تھی۔ داور نے اپنی جیب سے لپٹتول نکال لیا۔ پھر اس نے
 اپنا ہاتھ سیدھا کیا اور اچانک گولی چلا دی۔ گولی کی آواز اس
 سرنگ میں گونج کر مڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی قریب آتی ہوئی
 روشنی گل ہو گئی۔ داور کا نشانہ صبح ثابت ہوا تھا۔ ایک چمک
 سنائی دی۔ پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی اور اندھیرا چھایا گیا۔
 کچھ دیر تک کسی کے کراہنے اور گندے پانی میں ہاتھ پیر
 مارنے کی آواز آتی رہی اس کے بعد خاموشی ہو گئی۔ شاید
 نشانہ بننے والا اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ اس گہری خاموشی میں
 سولے دجیما کی جے ترتیب سانسوں کی آوازوں کے اور کوئی
 آواز نہیں تھی۔

دجیمانے دیوار کے ساتھ چپک کر ایک بار پھر لوہے کی بیڑھیوں
 تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔ داور بھی اس کے ساتھ شامل
 ہو گیا۔ وہ دوڑوں گڑھ کی کافی زدہ دیوار کا لمس محسوس کرتے
 رہے۔ لیکن لوہے کی وہ بیڑھیاں دکھائی نہیں دیں جن کی
 مدد سے اُپر جایا جاسکتا تھا۔ تنگ آ کر داور نے بیڑھیاں
 تلاش کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے اسی راستے پر واپس
 جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس سرنگ سے دم گھٹ کر مر جانے سے
 یہی بہتر تھا کہ واپسی کی راہ اختیار کر لی جائے۔

”بھائی۔ مجھے یاد آگیا۔“ اچانک دجیما کی آواز سنائی
 دی۔ ”میں خود ہی غلط کیا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ داور نے چونک کر پوچھا۔
 ”یہاں سے کچھ پہلے ایک موڑ ہے۔“ دجیمانے بتایا۔
 اسی موڑ سے دائیں طرف کو مڑ جانا تھا۔ وہ غلطی سے بائیں طرف
 آگئے۔“

”تو پھر واپس جلدی کرو۔“ داور نے کہا۔
 وہ دوڑوں گندے پانی میں چھپ چھپ کتے ہوئے
 پھر واپس ہو گئے۔ اس بار دجیما کا اندازہ درست نکلا۔ انہیں
 لوہے کی بیڑھیاں مل گئی تھیں۔ سب سے پہلے داور ہی اُپر
 چڑھا اس نے گڑھا دھن ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کے پیچھے دجیما
 آیا تھا۔ وہ دوڑوں اب ایک لان میں کھڑے ہوئے تھے۔ یہ
 اتفاق تھا کہ گڑھ کا یہ راستہ ان میں لگی ہوئی جھڑیوں کے
 عقب میں تھا۔ اس لیے ان دوڑوں ہر کسی کی نگاہ نہیں پڑ
 سکی تھی۔

داور نے باہر آ کر دوچار گہری گہری سانسیں لیں اور چاروں
 طرف دیکھنے لگا اس کے اعصاب ابھی تک بحال تھے جبکہ
 دجیما ہر طرف جھڑیوں کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس میں
 کھڑے ہوئی کسی بھی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ اس کا یہ حال تھ

کردار و مسکرا با ساس نے ٹکڑے ٹکڑے کو دوبارہ بند کر دیا تھا۔ وہ دھیمائی مدد سے کاسینو کے اندر پہنچ چکا تھا لیکن اصل مسئلے ابھی تک باقی تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کے لیے کاسینو کے چھپے ہوئے بڑے بڑے بچاؤ گاہکوں کا پیڑرونگز اس آدی اس کے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔ پیڑرونگز اس سے بھاری تھا کہ داور کے آدی اس کے قبضے میں نہ آئے اور داور کا پیڑ اس سے بھاری تھا کہ وہ ان کی نگاہوں میں آئے بغیر کاسینو تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کی صورت سے کتنے لوگ واقف ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ پیڑرونگز نے اپنے جن آدمیوں کو چاروں طرف پھیلا رکھا ہو وہ اس کی صورت ہی سے ناواقف ہوں اور وہ ان کے درمیان سے گزرتا نہ چلا جائے۔

اب وہ یہ سب سوچ رہی رہا تھا کہ وہ اعلان پھر ہونے لگا۔ وہی اعلان، وہی الفاظ، وہی اس دوران خود کو بھول کر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کی حالت اعتدال پر آچکی تھی۔ داور نے دھیمائی طرف معنی جیز لگا ہوں سے دیکھا پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔

”کیا پیڑرونگز جانتا ہے کہ تم نے غدا ریکی کی ہے؟“ اس نے دھیمائے پوچھا۔

”یہ میں نہیں کہہ سکتا“ دھیمائے جواب دیا۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق وہ ایک بانجیر آدمی ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں اس کے خلاف ہو گیا ہوں۔ پھر پتی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اندراج صوبت حال معلوم کرو“ داور نے کہا۔ ”میں نہیں رہنا ہوں۔ تم تو اندر کے آدمی ہو۔ انھیں کوئی نہیں روکے گا اور وہ مسکتا ہے کہ انھیں معلوم ہو چکا کہ میرے سامنے کس مہیمیت میں پہنچے ہوئے ہیں میرے بہن سائی ہیں۔ عبدالہوگبی اور ولکو۔ تم ان تینوں کے بارے میں معلوم کرو“

داور کی بات سن کر دھیمائے کش مکش میں مبتلا ہو گیا جیسے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ کاسینو کے اندر جانے کا خطرہ مول لے یا نہ لے۔ پھر اس نے اپنے سر کو جھٹکا اور داور پر ایک لگاؤ ڈالتا ہوا کاسینو کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور جھانڈیوں کے عقب سے باہر نکل آیا۔ وہ اس وقت اس کی عالی شان عمارت کی غلطی سمت کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایک عظیم الشان عمارت تھی جو رنگ رنگی روشنیوں سے سجی ہوئی تھی عمارت سے موسیقی کی آوازیں باہر آرہی تھیں۔ لوگوں کا شور

بھی سنائی دے رہا تھا۔ البتہ اس طرف سنا تھا تھا۔ پیڑرونگز اس حصے میں کسی کو کھڑا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ داور براہ راست کاسینو کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے لیے کوئی خطہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اگر اسے دیکھ لیا جاتا تو اس تک اس پر حملہ ہو چکا ہوتا۔ لیکن اس کی آمد زیادہ دیر پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اچانک بھاگتے دو تھے قدموں کی آواز سنائی دہی۔ داور جانے نہ دے۔ یہ ایک وقت دس بارہ آدمی نکل کر داور کے سامنے آ گئے۔ ان سبھوں کے ہاتھوں میں ہلکی مشین گنیں تھیں جن کے رخ داور کی طرف تھے۔ یہ لوگ لان پر آکر اس کے سامنے ایک قطار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ داور انھیں دیکھ کر اپنا منہ چلانے لگا۔ صورت حال خراب ہو گئی تھی۔ یہ سب لوگ بہت ہی بھروسے ہوئے ہوئے داور کے سامنے آئے تھے۔

داور اس وقت گرجہ خود کو لاپرواہا نظر کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ یہ معاملہ مذاق نہیں ہے۔ دس بارہ مشین گنیں سامنے ہوں تو پہلا وہی اپنی جگہ سے ہل کر رہ جائے ہیں۔ اس کی جیب میں ایک اپستول تو تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ ہتھیار ساکھٹا نا ان شینوں کے سامنے کتنا بے وقعت ثابت ہوگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک ہی دو آدمیوں کو ڈھیر کر کے گاؤر انٹی دیر میں ان گنت گولیاں اس کے جسم میں ان گنت تو راج بنا دیں گی اس لیے جو کچھ بھی کرنا تھا بہت سوچ بچار کرنا تھا۔ ابھی تو ان لوگوں کی انگلیاں ٹیڑھوں پر صرف تھی ہوتی تھیں لیکن کسی بھی وقت ٹیڑھوں پر سکتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں سے کس طرح بچے۔

پھر ایک طرف سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔ داور نے چونک کر اس طرف دیکھا جہاں سے آواز آئی تھی۔ وہ کوئی آدھی تھا لان کی گھاس پر گر کر ترس پڑ گیا تھا۔ داور نے اسے پہچان لیا۔ وہ دھیمائے تھا۔

دھیمائے کو اس حال میں دیکھ کر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اور ہی وقت سیاہ پھر ایک ایک مجسمہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک آدمی تھا۔ انتہائی خوبصورت اور مضبوط بدن جیسے لوہے کو انسانی گوشت پوست میں ڈھال دیا گیا ہو۔ اس کی سیاہ جلد بلب کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ مضحکہ اڑانے والے انداز سے داور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ داور اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ شخص گوما ہو سکتا ہے۔ دھیمائے اس کے بارے میں داور کو بہت کچھ بتا دیا تھا۔

”میں اپنے عزیز بہن کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ گوما نے سنا لیتے ہوئے کہا۔“

”اے بھائی، تم کنگ کا گھبراہٹ کر آدمی کا مالک بات کرتا ہے؟“ داور نے بھی کئی کئی سوالات پر غور کیا۔ اس نے کہا: ”اور یہ تم اپنی کو کیا بولا۔“

”ابن خریف آدمی ہے کیلہ پھر تم نے اپنی کو سوز کا ہے کو بولا؟ سوز بڑی کام۔ سوز بڑی کام تھا ہاں باب۔ سوز بڑی کام تھا ہاں دادا کنگ کا گھبراہٹ کا ہے کو بولا ہے کا لیا۔“

”ایدهر این کے باجو میں آؤ۔ ابن کو تمہارا دشمن ابھی طرح کرنے کا ہے۔ کیا۔ پھر داور نے دھیمائی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

”یہ تم نے سب کچھ میں کیا کر دیا۔ کیا یہ گھٹلا ہے۔ اگر یہ گھٹلا ہے تو بہت بڑا بات ہے۔ ماہر دفا داسی کو کیا نہیں مجبور سکتا۔“

”بہت خوب۔ گوما ساشی انداز میں بولا۔ میں نے تمہاری جو تعریف تھی تم اس پر پورے اثر سے ہو۔ تمہارے سامنے اس وقت بارہ آدمی مشین گنیں لیے کھڑے ہیں اور تمہیں ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اس وقت میں تم اپنے ساتھ دینے والے کی بات کر رہا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ اپنی جان کی خیر ماناؤ۔“

”اپنا یہ میں ہوں کھانا بند کر دیا۔ کیا۔ کا ہے کو بوم مچانا ہے؟“ داور نے شانے اچکا کر کہا۔ دیکھ رہے کا لیا۔ ابن سالاموت دوت سے نہیں ڈرتا کیا۔ تم کاب کا ساعی ماری پھیلانے؟

”مگر تم سالاد کاب کو کیسے چاہیں گے۔ سلام تم کو فریقہ کا بن ماس ہے کیا۔“

گلاب ایدهر مندوستان کا ساعی آدمی تھا۔ سالاد پھول کا دارو پیتا تھا اور چور دار ساعی مانتا تھا۔ کیا۔ اس کا گلاب نے اپنی جیب سے ایک لوگ کا دانے ایک سو مارا ہے۔ سمر کو ابن کو یاد نہیں ہے۔ گلاب کچھ ایسا بولا تھا کہ موت کا ایک نیم مقرر ہے۔ یہ سالانہ اندکھا رات کا ہے کو نہیں آتا۔ تو بھائی کا لیا۔ ابن کا موت کا نیم بھی مقرر ہے۔ اور ابن کھانا بہت اچھے سے سوتا ہے۔ تم سالاد کنگ کا گلاب ابن کا نہیں بگاڑ سکتا۔“

”تم واقعی ایک بہادر انسان ہو اس لیے میدانوں میں نہیں جاہ رہے کہ میں نہیں اپنے آدمیوں کے ذریعے ہلاک کرنا چاہتا اس لیے آج پہلی بار میں اپنے بے پناہ کے حکم کی خلاف ورزی کروں گا جانتے ہو اس نے کیا حکم دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تم جہاں بھی نظر آؤ تمہیں گولی ماری جائے۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔“

”یہ تو بھائی کا لیا۔ ابن تیرے کو سلام مارتا ہے اس بات پر ابن بھی تیرے سگ کشی کرنا مانگتا ہے۔ کیا؟“ داور نے مزید مزاح کر کے کہا۔

”یہ ماریوں والی بھاشا بند کرو داور۔ مجھے معلوم ہے تم بہت اچھی اور دلول لیتے ہو۔ گوما نے برا سامنا کر کے کہا۔“

”اوه؟“ داور نے ایک گری سانس کی ”تم بہت باہر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے میرے لیے اعلان کیوں کر دیا تھا؟“

”اس کی وجہ تم بھی جان گئے ہو گے کہ تمہارے آدمی میرے قبضے میں ہیں۔ گوما نے کہا اور بہتر یہی ہوگا کہ تم ان کے بارے میں سب کچھ جان لو تاکہ تمہیں حسرت نہ رہے۔ میں نے تمہارے بیٹوں کو آدمیوں کو ایک کر کے میں باندھ کر بٹھا دیا ہے۔ ان کی کیسیوں کے ساتھ کم ایک بندھے ہوئے ہیں۔ ویلے ہی کم دروازے کے ساتھ جھکا دیے گئے ہیں۔ کوئی بھی شخص اگر دروازہ کھولنے کی کوشش کرے تو دروازہ کھولنے والا اور تمہارے بیٹوں کو آدمی بیک وقت دھماکے سے اڑ جائیں گے۔ اور اس قسم کو سوائے میرے اور کوئی نا کارہ نہیں کر سکتا۔“

گوما تمہارے آدمی میرے رحم و کرم پر ہیں؟“ داور نے غصے کی شدت سے اپنی تھان میں لیں۔ اگر اس کے سامنے بہت تواتر وہ اس وقت اس شخص کی گردن توڑ کر رکھتا۔ لیکن اس کی طرف بارہ عدد میں کئی تھی ہوتی تھیں اور وہ لوگ ابھی تک پوری طرح بوجس تھے۔ لان پر کھڑا ہوا دھیمائی ہلک اس طرح ٹرپ رہا تھا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی گئی ہو۔

”میں نے میری ہی پروا م تھا کہ جب تم وہ دروازہ کھول کر گھرے میں داخل ہو گے تو نو فریقہ میرے ہاتھ لگائے تمہارا کام تمام ہو جائے گا۔ لیکن اب میں نے تمہاری ہمدردی دیکھ کر لپٹا لڑا ہ بدل دیا ہے۔ میں انفریقہ کے ذریعے کاٹنے ہوں۔ ہم لوگ بہادر دل کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور بھی کسی کو لالکارے بلیر نہیں مارتے۔ بلو اب تم کیا کہتے ہو۔ مقابلہ کر رہے ہو یا۔“

”تمہاری زبان واقعی بہت لمبی ہے کالے انسان۔“ داور غصے میں بھونکا۔ اگر اس وقت میرے سامنے تمہارے یہ آدمی نہ ہوتے تو میں تمہیں دیکھ لیتا۔ تم نے میرے آدمیوں کو قابو میں کر کے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔“

”تم میرے آدمیوں کی پروا مت کرو۔ یہ مجھے کو تمہارے سامنے پتھر کے جھٹے کھڑے ہیں۔ بھٹو۔ میں اس مقابلے کو اور دلچسپ بنا دیتا ہوں۔“

”اتنا کہہ کر اس نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ اور زور زور سے بولنے لگا۔ تم لوگ مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ مجھ میں معلوم ہے کہ گوما جوتا ہے وہی جوتا ہے۔ میں تمہارا چیف گوما اس وقت یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس داور نامی آدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے والا ہوں۔ اور اس مقابلے کی ایک شرط یہ ہے کہ جو مارنے لگے اسے تم لوگ گولیوں سے چھینی

تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ان کی مشین گنیں ابھی تک اٹھی ہوئی تھیں۔ اور ان مشین گنوں سے ان دروہوں میں سے کسی ایک کی موت

اس کی بات سے میں بہت یسری سے ہنسنے لگا۔ اس کی بات کا اگلا حصہ خون سے تر ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ اس قدر دیر تک اس سے بات کرتا رہا کہ اس کی بات

مہرود۔ مہروداور۔ مہرود۔ لوماجی چکی آواز
میں بولا، ایک منٹ“

”ارے بابا۔ کچھ سوچا یا نہیں سوچا؟“ دادو نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ”دو دن ہم دونوں اسی طرح لڑتے لڑتے کھلاں ہو

”ہاں سوچ لے لے۔ ہم دوڑوں کی طرح دوڑتے ہوئے براہ راست میں پہنچ جائیں گے۔ پھر تم اپنا کچھ دوڑتے ہوئے سامنے والے دروازے میں داخل ہو جانا۔ کھارے پیچھے میں بھی دوڑ لگا دوں گا۔ ان لوگوں کو اتنا موقع ہی نہیں ملے گا کہ وہ ہم میں سے کسی پر گولیاں چلا سکیں۔“
”یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ لوگ اگر ادرہ بھی آگئے تو؟“
”ایسا نہیں ہوگا۔ یہ دوڑوں کی طرح ہیں۔ جہاں کھڑا کر دیا کھڑے ہو گئے۔ یہ اندر نہیں جائیں گے۔“
”پھر تو ٹھیک ہے۔ چلو مارا مارا جاؤ کرو۔ سالا جنگی میں کبھی ایسا آدمی اور ایسا لفظی فائنٹ نہیں رہا۔“
ان دونوں نے ہر ایک دوسرے پر گھولنے برسٹلے شروع کر دیے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے براہ راست کے بیڑیوں تک لے آئے۔ پھر انہوں نے بیڑیوں میں طے کر لیں۔ اور یہ جنگ براہ راست میں ہونے لگی تھی۔ کھلا ہوا دروازہ سامنے ہی تھا۔ داؤد کو دوڑتے ہوئے اس دروازے میں داخل ہونا تھا۔ اس نے آخری بار گوما کو دھکیلتے ہوئے دیوار کے ساتھ چپکا یا اور منصوبے کے مطابق دوڑنا ہوا کھٹے ہوئے دروازے سے عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ گوما بھی اس کا تھا کرتا ہوا اندر آیا تھا۔

یہ جنگ پیڑوں گولڈا نے بھی دیکھی۔ وہ اس وقت لائبریری کے برابر والے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے اپنے جگہ خانے میں ایک لائبریری میں بنارہی تھی۔ جہاں کتابیں تو دے ہوئے کے برابر تھیں۔ البتہ رسائی بہت سے موجود تھے۔ یہ رسائی فٹنٹ تصویروں اور فٹنٹ کہانیوں والے رسالے تھے۔ جو مخصوص کاموں کی فرمائش پر انہیں مطالعے کے لیے دیے جاتے۔ اس لائبریری کے بڑے کمرے سے ملحق ایک کمرہ بھی بنا سکرہ تھا۔ جس کی ایک کھڑکی عمارت کے عقبی حصے میں ملتی تھی۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم تھی۔ کہ پیڑوں نے اپنا ایک چھوٹا سا دفتر اس کمرے میں بھی بنا رکھا ہے۔ وہ جب کسی کچھ دیر کے لیے تنہا رہنا چاہتا تو اسی کمرے میں آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اس نے اس کمرے کی کھڑکی سے دھیمادار داؤد کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ داؤد کو دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ وہ داؤد کے چلیے سے پوری طرح واقف تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ داؤد اور دھیمادار ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح آئے دھیمادار کے بارے میں اسے کچھ دیر پہلے معلوم ہو

گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ غدار کی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ داؤد نے دھیمادار کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ان دونوں پر اس کی نگاہ بھی بس اتفاقاً پڑی تھی۔ وہ ہلکا ہوا کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور اس نے داؤد اور دھیمادار کو ایک ساتھ دیکھا تھا۔ اس نے اس وقت آخر کام پر گوما کو اپنے پاس آنے کی ہدایت کر دی تھی۔ گوما ان چند آدمیوں میں سے ایک تھا۔ جسے پیڑوں کے اس دوسرے دفتر کا علم تھا۔
”تم اس آدمی کو دیکھ رہے ہو گوما؟ پیڑوں نے دوسرے طرف اشارہ کرتے ہوئے گوما سے پوچھا تھا۔
”جی ہاں ہاں۔ دیکھ رہا ہوں۔ گوما نے جواب دیا تھا۔
”کون ہے یہ آدمی؟“
”یہ وہی آدمی ہے جس کے لیے تم نے اتنے جال بچلائے تھے۔ پیڑوں نے کہا تھا۔ یعنی داؤد۔“
”کیا؟ گوما حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ کیا کہہ رہے ہو ہاں؟ یہ اندر کیسے آ گیا؟“
”یہ میں نہیں دیکھ سکا ہوں۔ لیکن اتنا مزور جانتا ہوں کہ ہمارا ایک آدمی دھیمادار بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ میں نے ابھی دھیمادار کو عمارت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔“
”ٹھیک ہے ہاں۔ گوما نے اپنی گردن ہلاتی تھی۔ میں ابھی داؤد کا ہندوستان کر دیتا ہوں۔ لیکن میری ایک درخواست ہے۔ کیسے درخواست پیڑوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
”میں نہیں چاہتا کہ اس شخص کو کوئی مار مارا کر لیا جائے۔ میں اس کے ساتھ باقاعدہ مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی بہت تعریف سن لی ہے۔ میں بھی دیکھوں گا اس شخص کو اس کی ماں نے کیسا دودھ پلایا ہے۔ جھوڑی دیر کا تماشا بھی۔“
”ہوں پیڑوں نے ایک گہری سانس لی۔ گویا اس سے خطاب کرنے کے لیے ہمارے بازو جھک رہے ہیں۔“
”ایسا ہی سمجھ لو۔ ایک مصلحت ہو گیا ہے کہ مجھے کوئی دشمن نہیں ملا جس سے مقابلہ کر کے خوشی محسوس ہو۔ یہاں کے لوگ تو جوتے کے ڈھیر ہیں۔“
”ٹھیک ہے جاؤ۔ لیکن بہت سوچ سمجھ کر مقابلہ کرنا دینے احتیاط رہنا۔ اسکو آؤ گویا ساتھ لے لو۔ اور ہاں اس دھیمادار بھی علاج کرو۔“
”اس کا علاج تو میں ابھی کر دیتا ہوں۔ میں اسے منہ کر کے داؤد کے سامنے ہی چھینک دوں گا۔ دیکھتا ہوں وہ کس طرح اس کی جان بچاتا ہے۔“
”تو اس طرح پیڑوں نے داؤد اور گوما کے درمیان وہ جنگ

دیکھی کہ جو ہر لمحے سسٹنی میز بوتلی چار ہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی کسی پر قابو نہیں حاصل کر سکے گا۔ وہ دونوں ہی طوفان بن کر ایک دوسرے پر بھجائے تھے۔ ایک دوسرے کو روند رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کچل رہے تھے۔ پھر اس نے داؤد اور گوما کو دوڑتے ہوئے عمارت کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ یہ دیکھ کر اس کے بیڑیوں پر کراہٹ کی ایک لکیر کھینچی گئی۔ گوما کے آدمی اس طرح حیرت نہیں سمجھتا ہے۔ ہونے لایں لان کھڑے رہ گئے تھے۔ پیڑوں جانتا تھا کہ اب یہ لوگ اس وقت تک اسی طرح یہاں کھڑے رہیں گے جب تک گوما انہیں دوسرا حکم دے۔ ان لوگوں کی تربیت ہی انفرادی میں کی گئی تھی۔
پیڑوں کو دیکھ کر دھیمادار کی کپاس کھڑا رہا۔ پھر اس کمرے سے نکل کر اپنے اس دفتر میں آ گیا جہاں وہ عام طور پر بیٹھا کرتا تھا۔ یہاں اس کا ایک آدمی انتظار کر رہا تھا۔ یہ بھی پیڑوں کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ پرکاش جو کسی زمانے میں فوج میں رہ چکا تھا۔ لیکن وہاں سے فرار ہو کر اس نے پیڑوں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔
”دیکھا بات ہے پرکاش؟ پیڑوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”ہاں! اس وقت ہاں میں دوپہاڑیاں موجود ہیں۔ پرکاش نے بتایا۔ وہ سب ملا کر چھ آدمی ہیں۔ سب مسلح ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم ہاں میں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ حورہ مہالوں میں جھگڑا مچ جائے گی۔ اور ہمارے کی ساکھ خراب ہو جائے گی۔ اس لیے ان پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔“
”ہوں پیڑوں نے ایک گہری سانس لے کر کہہ لیا۔ وہ کچھ سوچتے لگا تھا۔ پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے پرکاش کی ہدایت کی۔ تم ایسا کرو کہ اپنے دو دو آدمی ان میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ لگا دو۔ تمہارے آدمی مسلح ہونے چاہئیں۔ اور۔ بلکہ انہیں تم اپنے آدمیوں کو مت سمجھو۔ ان سے کام خراب ہو جائے گا۔ میں لوگوں کو اس کام پر لگاتا ہوں۔ اگر کوئی خوبصورت آدمی کسی آدمی کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرے تو وہ آدمی انہیں نہیں کر سکتا۔ وہ دھیمادار کی طرح ایک ایک کوبال سے اٹھا کر باہر لے آئیں۔ جہاں ان کو ہلاک کر کے جہر خانے میں چھینک دیا جائے۔ میری بات سمجھ گئے ناں۔ اب یہ کام کس طرح ہوگا۔ ان آدمیوں کو کس طرح باہر لانا ہے۔ جہاں انہیں گولی مانی ہے۔ یہ ساری ذمہ داری تمہاری ہے۔ میں دس منٹ کے اندر اندر

ان چھ کی لاشیں جہر خانے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ بس۔ اب تم جاؤ۔ اور ہاں۔ یہاں سے جلتے ہوئے پتیل کو میرے پاس بھیج دینا۔“
پرکاش کے جانے کے بعد پیڑوں نے آخر کام کر کے کمرہ پرکاش کے دس اور اپنے کمرے میں بیٹھنے لگا۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا کہ کسی عہدہ دار یا ان اس کے کابینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے اندر آئی تھیں۔ یہ سارے لوگ اس کی نگاہوں میں تھے۔ ان میں سے دوپہاڑیوں کو خود اس نے اتنا کھٹے دیا تھا کہ وہ اندر آنے میں کامیاب ہو جائیں۔ جبکہ داؤد کے لیے اس نے ایک دوسرا ہال بچایا تھا۔ اسے سب سے زیادہ غور داؤد ہی کی طرف سے تھا۔ اس نے داؤد کی شہرت سن رکھی تھی۔ اور اب گوما کے ساتھ اس کی جنگ کا انداز بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ تنہا خواتین اس کے لیے مصیبت ثابت ہو سکتا تھا۔
کچھ دیر بعد دو دوا بے پردہ تک ہوئی اور پتیل اندر آیا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جو صرف گولی کی زبان سے بات کرنے کا عادی تھا۔ وہ کھٹے میں کرنے کے قاتل کی حیثیت سے مشہور تھا۔ پھر پیڑوں نے اسے اپنے ساتھ کالام لے لایا تھا۔ اس وقت بھی اس کے دونوں پہلوؤں سے ریپولور تک رہے تھے۔
”فرمائیں ہاں۔ آپ نے مجھے بلایا ہے۔“ پتیل نے پوچھا۔
”ہاں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ روزی آپس بہت پسند ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو مجھے بتا دو۔ میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا راستہ نکالا جائے۔“
”جی ہاں۔“ پتیل نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ گوما۔ میرا مطلب ہے۔“
”میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ لیکن دل کے معاملہ بد کسی کا بس نہیں چلتا۔ تم بھی مجبور ہو اور گوما بھی مجبور ہے۔ وہ بھی روزی کو پسند کرتا ہے۔ سب تم دونوں میں سے کوئی ایک ہی اسے حاصل کر سکتا ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ روزی کو تم حاصل کر لو۔“
”میں۔“ پتیل کی حیرانی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ گوما نہیں ہاں۔ آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔“
”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔“ پیڑوں نے صریح طور پر اس سے مذاق کر دیا۔ گوما نہیں روزی کو حاصل کرنے کا ایک ہی موقع دے رہا ہوں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ روزی کو تم دونوں میں سے ایک ہی حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ فیصلہ تم ہی پر چھوڑنا ہوں کہ تم دونوں میں سے کس کو زندہ رہنا ہے۔“
”ہاں۔“ پتیل کی سانسیں اٹکے لگیں۔ میں ابھی بھی نہیں

سمجھا۔ آہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟
 ”سیدھی جی بات ہے، تم گویا اپنے راستے سے ہٹا کر
 روزی کو حاصل کر لو، پتہ نہ لگا۔
 پٹیل میں ہرگز نہ گیا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے لرزنے لگے
 تھے۔ اس کی حیرت زندہ آنکھیں کبھی سکرھائیں، کبھی پھول جائیں، پھر
 وہ اپنے ہونٹوں پر زبان بچھرنے لگا۔

”جاؤ۔ گویا تلاش کر کے کوئی مار دو۔“ پتہ نہ ملتا ہلاتے
 ہوئے بولا: ”وہ ابھی عمارت کے اندر ہی ہے۔ جاؤ۔ میں یہ
 اجازت دے رہا ہوں اور پاؤں اسے ہر حال میں مرنا ہے۔ میں
 اسے زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ یہ میرا حکم ہے۔ سمجھ گئے؟“
 ”جی۔ جی سمجھ گیا۔“ پٹیل نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔
 ”ایسا ہی ہوگا باس۔ گویا زندہ نہیں رہے گا۔ میں اس کے جسم
 میں آتی گویاں اتار دوں گا کہ اس کی صورت بھی پہچانی نہیں
 جائے گی۔“

”بس اب جاؤ۔ اور جب اسے مار تو آکر مجھے بتا دینا۔“
 پٹیل اسے قدموں والیں ہلا گیا۔ اس وقت پیڑرو کی تھیں
 اس طرح جک رہی تھیں جیسے کوئی چپتا اپنے شکار پھینکنے کے
 لیے تیار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔
 پٹیل کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک دروازے کی طرف دیکھتا
 رہا۔ پھر آخر کام کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے
 جلدی سے انٹر کام کا ریسپور اٹھا لیا۔ کچھ دیر تک دوسری
 طرف سے ہونے والی گفتگو سن رہا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے
 انٹر کام کا ریسپور رکھا اور اندر گیا۔

کمرے سے باہر اس کے محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ جو اسے
 دیکھ کر جھٹکے ہوئے گئے۔ ان لوگوں نے اس کے ساتھ ساتھ چلنا
 چاہا تھا، لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا اور
 اکیلا ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کا رخ تہر خانے کی طرف تھا۔
 تہر خانہ بھی اس کے محافظوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے
 ہندوستان کے کونے کونے سے اپنے کاربنوں کے لیے غنڈوں کی
 پوری فوج تیار کر لی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوائے قتل و غارت
 گری کے کسی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے کشت جہروں
 سے ان کی فطرت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ بھی اسے دیکھ کر
 جھٹکے ہوئے۔ لیکن پیدلہان کی طرف دھیان دینے بغیر تہر خانے
 کی بیڑھیان اترا ہوا تہر خانے میں آ گیا۔ یہاں بھی بہت
 سے لوگ کھڑے تھے۔ یہ بھی اس کے ہاتھوں غنڈے تھے۔
 اس لیے جوڑے تہر خانے میں ہونے والی کاہت معقول انتظام
 کیا گیا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ ہی ایک گٹر تھی جہاں کا مندراس

وقت کھلا ہوا تھا۔ ٹیکسٹریڈ کے بہت کام آیا کرتا۔ اس نے
 نہ جانے کتنی لاشیں اس گٹر میں ڈال دی تھیں۔ گٹر کا پانی ان
 لاشوں کو بہاتا ہوا سمندر میں اٹل رہتا تھا۔ جہاں ان کثرت
 مچھلیاں ان لاشوں کو چھوئے چھوئے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے
 کھا جاتیں اور کاسینو میں غائب ہو جاتے مائلوں کا ناموشان
 تک نہیں ملتا تھا۔

اس تہر خانے میں اس وقت محافظوں کے علاوہ دو
 لڑکیاں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں کاسینو میں کام کرنے والی
 معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں نے ایک ہی قسم کی وردیاں پہن
 رکھی تھیں۔ اور ان دروہوں میں یہ دونوں لڑکیاں بہت خوبصورت
 دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن اس وقت ان لڑکیوں کے نزدیک
 جہروں کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہی بہت خوفزدہ
 معلوم ہر رہی تھیں۔ اور ان کے خوف کی وجہ ایک آدمی قابضے
 یہ لوگ بال میں گھیر کر اس تہر خانے میں لے آئی تھیں۔

ان لڑکیوں نے پرکاش کے کہنے پر عمل کیا تھا۔ اس نے
 بتایا تھا کہ ہاں میں موجود دھڑ آدمی کو باری باری کسی بہانے ہاں
 سے باہر سے جانا ہے۔ اور تہر خانے پہنچا دینا ہے۔ وہ دیاریت
 کے مطابق بیسے آدمی کو ہاں سے اٹھا کر وہاں لے آئی تھیں۔
 ہاں سے باہر تک تو یہ آدمی بہت ترنگ میں دکھائی دے رہا تھا
 اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ دونوں لڑکیاں اسے اپنے ساتھ
 لے جا رہی تھیں۔ لیکن یہاں پہنچ کر جب اس نے اپنے چاروں
 طرف مستح آدمیوں کی حیرت دیکھی تو اس کی حالت غیر ہوئی۔ ان
 آدمیوں کا رد یہ بھی اس کے ساتھ بہت ہی جارحانہ تھا۔ انہوں
 نے کوئی بات کہے بغیر اس آدمی کو دھتکے دیتے ہوئے دیوار سے
 ٹکرا دیا۔ اور اس کی طرف ریلو لڑکال لیے۔ وہ آدمی اب اس
 طرح لرز رہا تھا جسے تیز ہوا میں سوکھے ہوئے پتے لرزتے
 رہتے ہیں۔ اس نے جھبا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ان مستح
 آدمیوں میں سے ایک نے گویا مار کر اس کے ایک ہاتھ کو زخمی
 کر دیا۔ وہ بے جاہ درد سے بری طرح کراہتا ہوا وہیں ڈھیر
 ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے بری طرح خون نکل رہا تھا۔ تھیں ان
 لوگوں کو اس کی پردا ہی نہیں تھی۔

وہ دونوں لڑکیاں ایک دوسری کے ساتھ چپک کر کھڑی
 ہو گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان
 کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس آدمی کے ساتھ ایسا سلوک
 کیا جائے گا۔ وہ اس طرح خود بھی اس آدمی پر ہونے والے تشدد
 میں ملوث ہو گئی تھیں۔

پیڑرو کو دیکھ کر تہر خانے میں موجود لوگ سنبھل کر کھڑے
 ہوئے۔ پیڑرو نے ایک نظر دیوار کے پاس کرے ہوئے آدمی پر
 ڈالی۔ جہاں آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کیا یہ وہی
 آدمی ہے جس کے لیے پرکاش نے بتایا تھا تم لوگوں کو؟“
 ”جی ہاں۔“ ایک آدمی نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے جواب
 دیا: ”یہ وہی آدمی ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں اسے ہاں سے لے
 کر آئی ہیں۔ اس نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا؟“
 ”یہ زندہ ہے یا مر گیا؟ پیڑرو نے دریافت کیا۔ اس کا
 بوجہ یہ حدس رہا تھا۔

”زندہ ہے باس۔ اسی آدمی نے بتایا۔“ صرف اس کے
 ایک ہاتھ پر گولی ماری گئی ہے۔“
 ”اسے زندہ کیوں رکھا ہے۔ چلو مار کر گٹر میں بہا دو۔ پیڑرو
 نے حکم دیا۔“

پیڑرو کی بات سن کر وہ کراہتا ہوا آدمی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
 خوف اور ہشت نے اس کے جہرے کے نقوش مسخ کر دیے
 تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن
 اسی وقت تہر خانہ دو لڑکیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ بیک
 ذہن نہ جانے کتنے آدمیوں نے اس کے بدن میں گویاں اتار دی
 تھیں۔ گویوں کی آوازیں اور اس کی چیخیں دونوں ایک دوسرے
 میں مدغم ہو کر رہ گئیں۔ اس کی لاش تہر خانے کے فرش پر گر گئی اور
 لمبی طرح پھیلنے لگی۔ پھیلنے کا یہ عمل زیادہ دیر تک جاری نہیں
 رہا تھا۔ وہ لاش ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

دونوں لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے جہرے چھپا
 لیے۔ ان کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ وہ دونوں فرش پر بیٹھ
 گئیں۔ پیڑرو کے ہونٹ اس وقت جھنجھنے ہوئے تھے اور
 اس کی آنکھوں کی چپک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ اس کے اشارے پر
 دو آدمیوں نے اس تادی کی لاش کھینچ کر گٹر میں ڈال دی۔
 ایک چپکے کے ساتھ وہ لاش غائب ہو گئی تھی۔
 ”تم لوگ کیا روئے بیٹھ گئیں؟ پیڑرو ان لڑکیوں کی طرف
 دیکھ رہا تھا۔ کھڑی ہو جاؤ۔“

دونوں لڑکیاں خوف سے کانپتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔ ان
 کے جہرے دھواں ہو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود ہی
 بے ہوش ہو کر گر پڑیں گی۔
 ”بڑی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں پیڑرو بھڑکاڑا۔
 یہاں اس طرح باقی باقی آدمیوں کو بھی اس تہر خانے میں
 لٹا دے۔ اور اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی بڑی دکھائی تو

اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس آدمی کا ہو چکا ہے۔ یہ تم دونوں
 کو بھی اسی طرح لڑیں جیسو کا دوں گا۔ جاؤ اپنا کام کرو۔“
 دونوں لڑکیاں لرزتے ہوئے قدموں چلتی ہوئی تہر خانے
 سے باہر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد پیڑرو اس آدمی سے منطاب
 ہوا۔

”اب بار بار بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی یہاں آئے
 اسے مار کر اسی طرح گٹر میں پھینک دو۔“
 اس آدمی نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ اور پیڑرو
 تہر خانے سے نکل کر اپنے دفتر میں آ گیا۔ یہاں پرکاش اس کے
 انتظار میں دو دن ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ بہت سراسیمہ دکھائی
 دیتا تھا۔ جیسے کسی ناگہانی حادثے کے پریشان کر دیا ہو۔ اسے
 دیکھ کر پیڑرو غصے سے بھرا اٹھا تھا۔

”اب تم یہاں کیوں چلے آئے؟“ اس نے غصے سے پوچھا۔
 ”تمہارے ذمے جو کام دیا گیا ہے۔ تم اسے کر دو۔ جاؤ یہاں سے۔“
 ”میں ایک جہرے کا لکڑا ہوں باس۔“ پرکاش نے ڈرتے
 ڈرتے کہا: ”وہ چھ آدمی ہاں سے غائب ہو چکے ہیں۔“
 ”چھ آدمی؟ پیڑرو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
 ”کیا کچھ اس سے یہ۔ ان میں سے ایک آدمی کا اچھی تصدیق مقرر ہو
 چکا ہے۔ اس کی لاش بھی اس وقت سمندر تک پہنچ چکی ہوگی۔“
 ”ہیں باس۔“ پرکاش نے اپنی گردن جھکا لی۔ ”میں ہم سے
 بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ وہ آدمی کوئی اور تھا۔ بل میں موجود
 ایک باری نے اس آدمی سے کچھ باتیں کی تھیں۔ جس پر ہمارے
 آدمیوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ شامل
 ہے۔ وہ بے گناہ مارا گیا۔“

”اوہ بے وقوف انسان۔“ پیڑرو نے جھٹکا کر مزید
 رکھا ہوا پیڑروٹ اٹھا کر پرکاش کی طرف کھینچے مارا۔ پرکاش
 نے اس دھارے سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ پیڑروٹ
 اس کے سینے سے ٹکرا کر تالین پر گر پڑا۔ پیڑرو کا غضب ٹھہرا
 ہی جا رہا تھا۔ تم سب کے سب ناکارہ ہوئے جا رہے ہو۔
 کہاں گئے وہ سب؟“

”معلوم نہیں باس۔“ پرکاش نے دھیمی آواز میں جواب
 دیا: ”وہ دونوں باریاں ہاں سے غائب ہو چکی ہیں۔“
 ”جاؤ پھر تلاش کرو انہیں۔ پیڑرو وہ چیخا وہ خود بخوبی لے
 کر میرے پاس کیوں چلے آئے؟“
 ”پرکاش جلدی سے باہر چلا گیا۔ پیڑرو کا اضطراب بڑھتا
 ہی جا رہا تھا۔ پٹیل نے بھی دایں آکر کوئی خبر نہیں سنائی تھی۔

گوما اسے اپنے ساتھ ایک شاندار مال میں لے آیا تھا۔ یہ مال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ سب کے سب چوکھلانے والی شہینوں پر چبکے ہوئے تھے۔ بائیں لگ رہی تھیں۔ ہائے والوں کی ہون اور جیتنے والوں کے تھپتھپ سے پورا مال گونج رہا تھا۔ اس موقع پر گومانے داور کا ہاتھ پڑ گیا تھا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اسے ایک دوسرے کمرے میں بھیجنے لایا۔ یہاں سے وہ دونوں ایک تیسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ پھر ایک بڑے کمرے میں نکل آئے جہاں بیڑھوں کے برابر ایک ایک گیرن دکھائی دے رہا تھا۔ گوما کارٹ اسی گیرن کی طرف ہی تھا۔

گیرن میں اس وقت ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اس میں ایک جگہ موجود تھی کہ ایک اور گاڑی بھی لاکر کھڑی کر دی جلتے۔ گومانے یہاں آتے ہی گیرن کا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے احتیاطاً گیرن کی اندھیل ہی پہنے دیا تھا۔ داور کو ابھی تک اس کی طرف سے پوری طرح اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس نے گیرن میں اتنے ہی اپنا پسٹول نکال لیا تھا۔ وہ گوما کی ذرا سی حرکت پر اسے گولی مارنے کے لیے تیار تھا۔ لیکن گومانے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو داور کو اس کی طرف سے چوکنا کر سکتی۔

”تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ داور نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تم میرے ساتھ کوئی چال تو نہیں چل رہے ہو؟“ اگر ایسی بات ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ مجھ میں ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت ہے۔“

وہ دونوں گیرن میں ایک دوسرے سے چبکے کھڑے تھے۔ داور کی بدگمانی نے گوما کو افسردہ کر دیا تھا اور وہ بالکل انداز میں داور کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ”آپ اپنے تھوس کو قابو میں رکھیں میرے آقا میں کسی کو بدگمان نہیں لے کر آئے گا۔“ گوما نے نہیں کر سکتا۔ میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں کو برا، آپ کے ذہن میں یہ مخوس خیال کیسے آیا میرے آقا؟ آپ تھوڑی دیر پہلے میرے پتنگل میں چبکے ہوئے تھے۔ میرے دم کو دم پر سے کھینچ کر فرار ہوئے تھے کہ میں اپنی جان بچاؤں میں ڈال کر آپ کو یہاں لے آتا ہوں۔ نیلے ہاتھوں کے دیوتا کی قسم، میں آپ کا وفادار غلام ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کیجیے، آپ مجھ سے جو کام چاہیں لے سکتے ہیں۔ اچھا یہ بتائیے، کو برا بابا سے آپ

کی ملاقات کیسے ہوئی؟ داور وہ اب کہاں ہیں؟“ وہ بڑی سسکیوں اور پچھلیوں سے رونے لگا۔ داور نے صورت گما زوکت کو مسوس کرتے ہوئے گوما کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے سرگوشیوں میں تسلی دینے لگا۔ گوما کی طرف سے مٹھن ہوا اور نہ پسٹول جیب میں رکھ لیا تھا۔

”ٹھیک ہے داور۔ گومانے کچھ دیر بعد ایک گھر کی طرف بھاگ گیا۔ وہ یہاں لیا ہے کہ تم یہاں آکر کھڑے ہو۔“ گوما نے کہا۔ ”ابھی جاؤ۔“ گوما نے کہا۔ ”ابھی جاؤ۔“ گوما نے کہا۔

آپ کو بتا دوں کہ صرف میں ہی نہیں، افریقہ میں ہزار آدمی آپ کے اس نشان کو دیکھ کر آپ کی اطاعت کریں گے۔ آپ کے ایک اشارے پر اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔ آپ کی شخصیت ہمارے لیے بہت مقدس ہے اور محترم ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ منصوبہ کیا ہے؟“ آپ یہاں کیوں آئے تھے؟“ ”سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اس جوا خانے کو لوٹنے لیے آئے ہیں۔“ داور نے بتایا۔ ”اس کے علاوہ تیار پینڈو کو بھی یہاں سے نکال لے جائے۔ ہم چار آدمی آئے ہیں۔ ان میں سے تین کو میں نے ساحل کی طرف سب کے سامنے بھیج دیا تھا۔ جبکہ میں خود پہاڑی چوڑے میں داخل ہوا ہوں۔ میرے تین آدمی تھکے آپکے ہیں اور تم نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے تو تین آدمیوں کو ہار گوانے کی ترکیب سے تو مجھے کرنا ہی ہو گا۔“ گوما بڑبڑایا۔ ”اس کے بعد آپ کو اس بخوری تک بھی لے جا سکتا ہوں جہاں خزانہ چھپا کر رکھا ہے۔ اس کے بعد پینڈو کو یہاں کر کے جانے کا طریقہ آپ خود ہی سوچ لیجیے گا۔“ ”ٹھیک ہے یہ کام میں خود ہی کروں گا۔ تم مجھے کاہ کر دے دیکھا وہ جس میں وہ بیٹھا کر تلے۔“ ”آئیے میرے ساتھ۔“ گومانے پھر اس کا ہاتھ نہیں سب سے پہلے آپ کے آدمیوں کو اس کمرے سے لے گئے۔

وہ دونوں پھر گیرن سے باہر آئے۔ اس طرف اوبر روشنی کا انتظام عمارت کے چپے چپے پر کیا گیا

یہ تیز رفتاری سے ایک طرف چل پڑے۔ گوما کے آگے چل رہا تھا۔ گیرن سے باہر اس عمارت کی ایک راہ رانی تھی۔ گوما اس راہ رانی کی طرف تھا۔ لیکن وہ دونوں اس راہ رانی میں ٹک کر رہ گئے۔ ان کے سامنے مسیح آدمیوں کی ایک قطار بڑی ہوئی تھی۔ یہ وہ لوگ نہیں تھے جنہیں داور اس سے پہلے ان میں دیکھ چکا تھا۔ گوما اور داور کو دیکھ کر وہ سب چوکنا ہو گئے۔ لیکن جب انہوں نے گوما کو پہچان لیا تو ان کے ہاتھوں میں دیے ہوئے پسٹولوں کے منہ نیچے کی طرف ہو گئے۔ ان ہاتھوں کو ابھی تک گوما کے ہاتھوں میں معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ”تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟“ گوما انہیں دیکھ کر جاننے لگا۔ ”جانتے نہیں ہاں میں گٹر پڑ ہو گئی ہے۔“ ”کیسی گٹر پڑ؟“ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

اس طرف تو کوئی نہیں آیا۔ ”میں اس وقت نہیں گٹر پڑ کی تفصیل نہیں سنا سکتا۔“ ”ہاں! اب جو دستور رکھ رہا ہو تھا۔“ بس تم لوگ ہاں میں جاؤ اور گولیاں چلائی شروع کر دو۔“

”کیا؟“ اس آدمی نے چونک کر گوما کی طرف دیکھا۔ ”اب یہ ہو باس؟“ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ ”دے توقف آدمی، کسی انسان پر گولی نہیں چلائی ہے۔“ گومانے کہا۔ ”بس چھت کو نشانہ بناؤ۔“ فانوس کو مار گرو۔ عیون کو نشانہ بناؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ ہاں میں جھگڑے ہو جائے اور سب لوگ وہاں سے گھر کر باہر نکل آئیں۔“ ”چیف، اگر برائے ماہیں تو بتا دیں کہ یہ سب کیلئے ہے؟“ اس آدمی نے پوچھا۔

”اس ہاں میں ٹائم بم رکھ دیے گئے ہیں۔“ گوما جلدی سے بولا۔ ”کسی بلا اعلان کر دیا چکا ہوں لیکن کوئی بھی ہاں سے باہر نہ کوئی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو باہر لانے کے لیے ہاں ایک ہی ترکیب ہے۔ جاؤ جلدی کرو، ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔“ گوما کی یہ بات اس شخص کی سمجھ میں آگئی تھی اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور سب کے سب ایک طرف دوڑ پڑے۔ اب اس راہ رانی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ داور بڑی جلدی سے ساتھ اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جو دیہے ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ذہین بھی تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے گوما جیسے آدمی کا

تعاون۔ حاصل ہو گیا تھا۔ اگر گوما خود ہی اس کا ساتھ دیتے پر کام نہ نہیں ہوتا تو داور کے لیے اس پر قابو پانا بہت مشکل ہو جاتا۔ اسے گوما جیسا بڑے مقابل آج تک نہیں ملا تھا۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد گومانے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کھڑکی سے ہم اس کمرے میں داخل ہو سکتے ہیں جہاں تمہارے ساتھی بندھے ہوئے ہیں۔ ہم اسے اسی لیے یہاں پر موجود لوگوں کو ہٹا دیا ہے۔ اس سے ہمیں دھماکے سے ہونے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ کہ اس کھڑکی تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو گیا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہاں میں جھگڑا شروع ہائے گی۔ اور اس جھگڑے سے۔ فائدہ تھا کہ بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس طرح پینڈو پر بھی ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔“

گوما تم تو واقعی ذہین آدمی ہو، داور نے اس کی تعریف کی۔ ”لیکن اپنے آدمیوں کو چھڑانے کے لیے میں خود اوپر جاؤں گا۔“

”نہیں۔ تم اگر کمرے میں پہنچ بھی گئے تو ہم سسٹم کو ناکارہ نہیں کر سکو گے۔“ گومانے کہا۔ ”اس کو صرف میں ہی۔“ ناکارہ کر سکتا ہوں۔“

”تم اس کی فکر مت کرو۔ میں نے یہ تعلیم بھی حاصل کر رکھی ہے۔“ داور مسکرایا۔ ”میں نہیں اس لیے کہہ رہا ہوں۔ کہ تم یہاں کھڑے رہو گے تو آنے والوں کو روک لو گے کیونکہ سب نہیں جانتے ہیں۔ اور میرا معاملہ دوسرا ہے۔ میں اگر یہاں کھڑا ہوں تو کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔“

گوما کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اس نے داور کو جلدی جلدی اس بریف کیس کے ہاتھ میں بتا دیا جس میں ان بولے کے ریموٹ تھے۔ داور نے گوما سے ہاتھ ملایا اور اس پائپ کی طرف بڑھ گیا۔ جو اس کھڑکی کے برابر سے ہوتا ہوا اوپر چھت کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ کھڑکی دوسری منزل پر تھی۔ داور نے اپنے توتے اتار کر ایک طرف چھینک دیے اور دونوں ہاتھوں سے پائپ پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ اس مقام پر گھر پر راہ رانی اور اس پاس کے علاقے میں بڑھی۔ خاصی روشنی ہو رہی تھی۔ لیکن عمارت کی کھڑکیاں تاریک تھیں۔ بہت ممکن تھا کہ عقبی حصے کے ان کمروں میں اس وقت کوئی موجود نہ ہو۔ وہ ابھی کچھ ہی اوپر گیا تھا کہ اس نے گولیاں چلنے کی

آواز میں سنیں۔ یہ گولیاں ایک تو اسے چل رہی تھیں گولیاں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ گولوں کی چیخ و پکار بھی سنائی دینے لگی۔ جھانگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں، بوکھلاہٹے ہوئے گولوں کی چیخیں، اس کا سینہ میں قیامت برپا ہو گئی تھی اور۔۔۔ قیامت ان لوگوں نے برپا کی تھی جنہیں گومانے والی کی طرف بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے گومانے کہنے پر گولیاں برسائی شروع کر دی تھیں۔

دور کے ہوٹلوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ یہاں کا کھیل ہر لمحہ دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔ دلچسپ اور بھیاںک، کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہو لیکن دور کے لیے سب سے بڑی بات یہی تھی کہ اسے مزا آرہا تھا۔ اس کی جبلت کو تسکین مل رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد ایسا موقع آیا تھا کہ جب اسے اپنے ذہن اور جسم دونوں کی صلاحیتیں بریک وقت استعمال کرنا پڑی تھیں۔ اس کی ساری بہارت یہاں کام آ رہی تھی۔

اس نے کچھ اور اور پر آکر نیچے کی طرف دیکھا۔ گوما بڑی۔۔۔ بے چینی سے لہرائی میں ٹپل ٹپل کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ داور کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے جلدی جلدی دونوں ہاتھوں سے شانے شروع کر دیے۔ وہ داور کو جلدی کرنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ داور مسکراتے ہوئے کچھ اور اوپر آگیا اب وہ کھڑکی کچھ ہی فاصلے پر رہ گئی تھی۔

پھر اچانک اس کی نگاہ ایک اور کھڑکی پر پڑی۔ اس کھڑکی میں بھی اندھیرا تھا لیکن اس اندھیرے کے باوجود اس کی تیز نگاہیں نے کھڑکی کے پاس کسی کو کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کھڑکی کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ آدمی اپنی۔۔۔ دونوں کہنیاں اس کھڑکی پر ٹکرائے ہوئے نیچے دیکھ رہا تھا۔ جہاں گوما کھڑا تھا۔ پھر اس نے داور کے دیکھتے دیکھتے اپنی جیب سے ایک ربو اور نکال کر اس کا رخ گوما کی طرف کر دیا۔

داور نے اپنی سانسیں روک لیں۔ یہ بہت پیچیدہ سی صورتحال تھی۔ وہ آدمی اسے کوئی جونی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے اپنی سادگی تو بڑے گومار پر مرکوز کر رکھی تھی، وہ داور کی طرف دھیان ہی نہیں دے رہا تھا۔ حالانکہ داور اس سے چند گز کے فاصلے پر پائپ سے چٹا ہوا تھا۔ اس آدمی نے اپنا ربو اور والا ہاتھ اٹھالیا۔ وہ کسی بھی لمحے گوما پر گولی چلانے والا تھا۔ داور کے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے اپنی

جیب سے اپنا پستول نکال لیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے پستول سنبھالے ہوئے تھا۔ یہ ایک خطرناک ترین حرکت تھی۔ اس کی ذرا سی بے احتیاطی اسے نیچے کو اسکتی تھی لیکن یہ وقت سوچنے کا تھا۔ بلکہ عمل کرنے کا تھا۔ اس نے بھی اپنا پستول والا سیدھا کر لیا لیکن اس وقت وہ آدمی ذرا سا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

اب داور کے لیے اس کا نشانہ لینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اپنا پستول والا ہاتھ آگے بڑھا کر گولی نہیں چلا رہا تھا۔ جبکہ اس کے لیے گوما کا نشانہ لینا بہت آسان تھا۔ اس کی کھڑکی کے نیچے ہی کھڑا تھا۔ داور کو معلوم تھا کہ اگر اس نے گولی چلا بھی دی تو وہ اس آدمی کو نہیں گتے گی بلکہ کھڑکی کے پٹ سے جا ٹکرائے جائے گی۔ اب اس کے پاس اب ایک ہی ترکیب تھی۔

اس نے ایک زور کی چیخ بلند کی۔ یہ چیخ ایسی تھی کہ کوئی شخص اوپر ہی منزل سے لہرانا ہونے لگا۔ گوما کو اس کو سن کر گوما اور وہ آدمی دونوں ہی بوکھلا گئے تھے۔ گوما تیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جبکہ کمرے والا بوکھلا کر کھڑکی کے پاس آگیا۔ اس نے عین انسانی فطرت مطابق کام کیا تھا۔ اور داور کے لیے اتنا ہی موقع ہر تھا۔ دو گولیاں اس کے پستول سے یکے بعد دیگرے نکالیں اور سنسناتی ہوئیں اس آدمی کے جسم میں پیوست ہو گئیں پہلی گولی نے اس کے سر کو نشانہ بنایا تھا جبکہ دوسری اس کی گروں میں جا گئی تھی۔ وہ ایک بھیاںک چیخ دوسری طرف الٹ گیا۔ اس کے گرتے ہی داور نے اپنا جیب میں رکھا اور دوبارہ پائپ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ تیرت زدہ گوما کو اس صورتحال کے بارے میں بتا سکتا۔

وہ کھڑکی اب اس سے صرف ایک ہاتھ کے فاصلے تھی۔ دوسری کھڑکیوں کے ریسکس اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑا سا اور اوپر آیا اور اس نے اچانک کچھ پکڑ لیا۔ اس نے پائپ چھوڑ دیا۔ اور کھڑکی سے جھولنے اس کے لیے ایک لچھن پر جمی کہ وہ کھڑکی بندھی اور اس شیشوں کو توڑے بغیر وہ کمرے کے اندر نہیں جاسکتا

اس نے پھر اپنا ایک ہاتھ بڑی مضبوطی سے کھڑکی پر جکڑ کر لیا اور دوسرے ہاتھ سے پستول نکال لیا۔ گوما کو کے ذریعے۔۔۔ شیشے توڑ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے پستول سیدھا کیا اور اسی وقت ایک اور خیال اس کے ذہن میں آگیا۔

اس کی چیلانی ہوئی گولی اس کے ساتھ جھولنے کے لیے بھی خطرناک ہو سکتی تھی۔ بہت ممکن تھا کہ وہ تینوں ہی سامنے دو پار پر بیٹھے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ گولی ان میں سے کسی کو بھی لگ سکتی تھی۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا پستول گولہ اپنی جیب میں رکھ لیا اور دونوں ہاتھوں سے پچھنے کو پکڑ لیا اور دھیرے دھیرے اٹھنے لگا۔ وہ پہلے ان تینوں کی پوزیشن دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ اندازہ کر لینے کے بعد ہی شیشے توڑنے کے لیے گولی چلائی جاسکتی تھی۔

وہ اسی طرح دونوں ہاتھوں کے بل پر کسی ماہر جیٹا سٹ کی طرح اٹھتا چلا گیا۔ اب اس کے سامنے اس کے سامنے تھا۔ پھر اس کا جی ہا ہا کہ وہ پچھتے چھوڑ کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پٹینا شروع کر دے۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اس کمرے میں تین کرسیاں تو پڑی ہوئی تھیں لیکن ان پر کوئی بھی نہیں بیٹھا تھا۔

پیرٹرو کو اپنے آدمیوں پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ پرکاش ہال میں موجود آدمیوں کا مزارع نہیں لگا سکا تھا۔ کاسینو کو لوٹنے کے ارادے سے آنے والے اس کے آدمیوں کی لگا ہوں سے غائب ہو کر نہ جانے کس طرف چلے گئے تھے۔ وہ لوگ بھی خطرناک ہی ہوں گے۔ داور جیسے نہ سہی لیکن کاسینو کے لیے تو خطرہ بن ہی سکتے تھے۔ کسی بھی لمحے ان کی طرف سے ہنگامے کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ وہ سب مسلح لوگ تھے اور دوسری طرف گوما اور داور کا مسئلہ تھا۔ اس نے پٹیل کو زور کی کال کر دی کہ بھیج کر دو یا تھا لیکن وہ۔۔۔ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ داور اس کے لیے ویسے ہی خطرناک تھا۔ اور اب گوما بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

اس نے ان دونوں کو دیکھ کر ہی سے جنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہی بڑی سے بڑی سے لڑ رہے تھے۔ پیرٹرو کے لیے یہ بہت سنی خیر اور دلچسپ منظر تھا پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ ان کی لڑائی میں تعصیب پیدا ہو گیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے لڑ نہیں رہے ہیں بلکہ ہرگز نہیں لہا کہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیالے ہوں حالانکہ

وہ جنگ مزارع جھوٹ تھی۔ ان کا یہ مخصوص انداز پیرٹرو کی تیز نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔ اس نے یہ جان لیا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کسی نقطہ کسی بات پر مفاہمت ہو چکی ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ ان دونوں نے کچھ دیر تک ایک دوسرے سے باتیں بھی کی تھیں۔ اور ان باتوں کے بعد ہی ان کے انداز میں تبدیلی آگئی تھی۔ اور اس کی تصدیق اس وقت ہو گئی جب داور اور گوما دونوں ہی دوڑتے ہوئے عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ اس جنگ کا نقطہ اختتام تھا۔

اس نے ایک غلطی یہی تھی کہ گوما کے لیے اس نے صرف ایک آدمی کا انتخاب کیا تھا۔ اور وہ پیش تھا جس کا نشانہ بے مثال تھا اور جس کے دل میں روزی کی محبت نے آگ لگا رکھی تھی۔ پیرٹرو نے اسی لیے اسے اس کا گوما کو گولی مارنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں وہ تینوں بھی تھے جنہیں گولہ مارنے ایک کمرے میں بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق۔۔۔ داور اور گوما سب سے پہلا کام یہی کر سکتے کہ ان تینوں کو آڑا کر ڈالیں۔ ان کے آڑا ہونے کے بعد صورتحال خطرناک ہو سکتی تھی۔ کچھ بھی ہو وہ تینوں داور ہی کے ساتھی تھے۔ اور ان پر صرف گوما ہی قابو پا سکتا تھا اور بد قسمتی یہ بھی کہ گوما بھی داور کے ساتھ چل گیا تھا۔

پیرٹرو نے ایک فیصلہ کر لینے کے بعد ایک آدمی کو انٹرکام کے ذریعے اس کی ہدایت کر دی۔ یہ شخص بھی اس کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ اس کا نام بادل تھا اور وہ ہم پلنے، ڈائنامیٹ اور بموں کو ناکارہ کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ پیرٹرو اس قسم کے تکنیکی کام اسی آدمی سے لیا کرتا تھا۔

”تم نے گوما کا وہ کمرہ دیکھا ہے جس میں وہ ٹرینڈز پر تشدد کیا کرتا ہے؟“ بادل کے منہ کے بعد اس نے دریافت کیا۔

”جی ہاں۔ میں خود بھی اس کمرے میں جا چکا ہوں۔“ بادل نے مستحکم کے ساتھ جواب دیا۔ وہ دوسری منزل کا ایک کمرہ ہے جس کی ایک کھڑکی نیچے کی طرف کھلتی ہے۔“ ہاں۔ اس کمرے میں اس وقت تین آدمی کرسیوں سے بندھے ہوئے ہیں۔“ پیرٹرو نے بتایا۔ ان تینوں کی کرسیوں سے بموں کے اسٹنگ بندھے ہوئے ہیں اور ایک بم اسٹنگ

اس کمرے کے دروازے سے چپکادیا گیا ہے۔ دروازہ کھولنے والا دروازہ کھولتے ہی ایک دھماکے سے اڑ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی وہ تینوں بھی اڑ جائیں گے۔ ان بموں کا تعلق کمرے میں رکھے ہوئے ایک بریف کیس سے ہے جس میں ان بموں کا مینیمم رکھا ہے۔ میری بات سمجھ کر بوا "سمجھ گیا باس۔ لیکن میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم ان تینوں کو اس کمرے سے باہر لے آؤ۔ یہ بڑے خطرے کا۔ اس سلسلے میں یہ دھیان ہے کہ تم دروازے کے رستے نہیں جاسکتے ورنہ آ جاؤ گے۔"

"جی ہاں" بادل نے اپنی گردن ہلا دی۔ میں اندر جانے کے لیے کھڑکی کا راستہ اختیار کروں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

ایک بات یہ بھی سن لو کہ وہ تینوں بہت خطرناک آدمی ہیں۔ انہیں باہر لا کر مسلح آدمیوں کی نگرانی میں میرے پاس لانا ہے۔ ذرا سی بھی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے ورنہ وہ تینوں فرار ہو جائیں گے۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی بڑھ نکلا تو پھر تم جہانے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا۔"

"جانتا ہوں باس" بادل کا ہوجر سنبیدہ ہو گیا تھا۔ میں اپنی جان بچاؤں گا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل کر بھی قیدی ہیں نہیں گے۔"

بادل کو رخصت کرنے کے بعد بیدار دکر سے میں اکیلارہ گیا تھا۔ آج کی کیفیت بہت مختلف تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ایسا مضبوط حصار بنانے میں کہاں کہاں کمزوری دکھائی دی تھی۔ اتنا بڑا ارشد کہاں سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس مضبوط قلعے میں اس کا سب سے مضبوط آدمی۔ گوما تھا۔ اور اب وہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس نے گوما کو سمجھنے میں غلطی کر دی تھی۔ اور اب اس کے ساتھ داور بھی تھا جو اس کے لیے شاید گوما سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

پرکاش نے ابھی تک کہ یہ نہیں بتایا تھا کہ ہال میں موجود کامینو کو لوٹنے کی نیت سے آنے والے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ دوسری طرف پیش بھی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا ایشیاں عمارت کے گوشے گوشے میں اس کے مسلح محافظ بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے کمرے تک کسی مخالف کی رسائی نہیں ہو سکتی اس کے باوجود اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یہ خوف ان گنت لوگوں سے تھا۔ نہ جانے اس لڑت

اس عمارت میں اس کے اور کتنے دشمن گھسے آئے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ اپنی کمرے سے اٹھا اور کمرے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے بک شیلف کے پاس آ گیا۔ اس شیلف میں موٹی موٹی کتابیں بھری ہوئی تھیں لیکن بہت کم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ یہ بک شیلف صرف ایک دھماکا ہے۔ اس کے عقب میں ایک بیڑھی ہے۔ جو ایک چھوٹے سے کمرے میں اترتی ہے اور اسی کمرے میں اس نے اپنا کلا دھن چھپا رکھا تھا۔ اس نے یہ خفیہ دروازہ کھولنے سے پہلے کمرے کے باہر لگا ہوا مرنر بل جلائی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس وقت مصروف ہے کہ کوئی تنگ نہ کیا جاسکے۔

بک شیلف کے پاس آ کر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلے اور بک شیلف کو دونوں کناروں سے پکڑ کر کھمکھم دیا۔ وہ بڑی آسانی سے گھوم گیا تھا۔ اس کے جھکے کاتے ہی ایک خلا سا نمودار ہو گیا۔ اس خلا کے اندر وہ کمرہ تھا جس کی ہوا بھی اگر بہت کم لوگوں کو گنے دی تھی۔

وہ بیڑھیل اتر کر اس کمرے میں آ گیا۔ اس نے بیڑھ پڑا کر اس بک شیلف کو کھمکھم دیا تھا جس کی وجہ سے وہ دروازہ پھر بند ہو گیا تھا۔ اس کمرے میں روشنی کا بہت اچھا انتظام کیا گیا تھا۔ اور یہاں گھٹن کا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس کمرے میں دبیز قالین چھپا تھا۔ صونے رکھے تھے۔ یہ میز تھی اور ایک دیوار کے سہانے وہ تجوری رکھی تھی جو اگر بہت چھوٹی اور لمبی تھی لیکن اسے آسانی سے نہیں کھولا جاسکتا تھا۔ اس تجوری میں اس نے اپنی اب تک کی کافی جمع کر رکھی تھی۔ وہ اپنی دولت بینکوں میں رکھنے کا قائل نہیں تھا۔ بنایا گیا تھا کہ بینکوں میں رکھی ہوئی دولت نگاہوں میں آج ہے۔ چاہے جتنا بھی چھپا کر رکھا جائے۔ اس لیے اس نظر میں یہ تجوری کسی بینک کے لاکر سے بھی زیادہ اہم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سورویے کا نوٹ اگر جیب میں رکھا ہو۔ اس طرف کسی کی بھی نگاہ نہیں جاتی اور اگر دس روپے نوٹ بھی سامنے میز پر پڑا ہو تو ہر ایک کی نگاہ پر جم جاتی ہیں۔

وہ تجوری کو بند دیکھ کر بہت مطمئن ہوا تھا۔ معلوم تھا کہ اس کمرے تک کسی کا بھی آنا محال تھا۔ صرف گوما جانتا تھا کہ وہ اپنی دولت کہاں رکھا کرتا ہے۔ اس نے گوما کے پیچھے ایک ماہر نشانے باز کو لگا دیا تھا۔

یہ سچی کہ اس نشانے باز نے واپس آ کر کوئی خبر بھی نہیں مانی تھی۔

ایمانگ آدمی سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ بہت ہی تیز کی آوازیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس عمارت میں ایک وقت ہزاروں آدمیوں نے حکم کر دیا ہو۔ ہڑاڑاڑا گویا زور لگوں کے چیننے چلانے کی آوازیں، جھلگتے دوڑنے کے قدم چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ اس کا احساس اس کے میں بدل ہونے والی دمک سے ہو رہا تھا۔ سینکڑوں آدمی جب ایک ساتھ دوڑنے لگیں تو اس قسم کی دھمک پیدا کرتی ہے۔ پیڑرو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک یہ ہوا گیا ہے۔

وہ کھل کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے جلدی سے شیلف والے دروازے کو بند کیا اور باہر چلتے ہوئے پرن بک کھینچا دیا۔ بلب کے بجتے ہی اس کے کسی آدمی کا ٹکڑے ہوئے کمرے میں گھسے آئے تھے شاید وہ بہت دیر سے اس کے پاس آنے کے انتظار میں تھے۔

"کیا بات ہو گئی ہاشم خان" پیڑرو نے بڑی بڑی ہونچوں والے ایک آدمی سے دریافت کیا۔ یہ کیسی جھگڑا پئی ہوئی تھی؟

"کیا بتاؤ جناب؟" ہاشم خان پھوٹی ہوئی سانسوں کے درمیان بولا۔ گوما کے مخصوص آدمیوں کیل میں فارنگ شروع کر دی ہے۔ وہ بے تحاشا گولیاں چلا رہے ہیں۔

"گوما کے آدمی" پیڑرو کا ماتھا ٹھنکا۔ پھر بات اس مجھ میں آگئی تھی۔ اس سے ایک اور حاققت ہو گئی تھی۔ اسے گوما کے بائیں میں صرف پیش کو بتایا تھا۔ دوسروں کو نہیں کیا تھا۔ اگر وہ دوسروں کو بھی بتا دیتا تو اب گوما کا پکڑا جانا بالکل ہو جانا یقینی تھا۔ اس نے اپنے امانظوں کو گوما کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ ان آدمیوں کا پیچھا مارا۔ اس نے خود اپنی پسند کے آدمی لے کر ایک چھوٹا سا گروہ بھی بنا رکھا تھا۔ یہ لوگ بہترین فائٹر تھے جن کا تپا دگوانے ہی کیا تھا۔ ہاشم خان کا اشارہ شاید اسی دستے طرف تھا۔ شاید اسی دستے نے جو اٹلنے میں یہ قیامت برپا کی، اور اس کا حکم نہیں گومانے دیا تھا۔ ان لوگوں پر جو کہ بالی حقیقت ابھی نہیں کھلی تھی اسی لیے وہ اس کا ساتھ نہ دے پائے تھے۔ وہ اس کا حکم ماننے کے لیے مجبور تھے۔

"بتم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" پیڑرو غصے سے ہڈاڑا تھا، سب کے سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور گوما جہاں بھی نظر کرنے سے گولی مار دو۔ جاؤ۔"

ہاشم خان چند لمحوں تک حیرت سے پیڑرو کی طرف دیکھتا رہا پھر جلدی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔ پیڑرو کی پریشانی اور بڑھ گئی تھی۔ باہر ہونے والا ہنگامہ بھی تک جاری تھا۔ سب سے پہلے لوگ جھگڑے ہوئے گھوڑوں کی طرح ابھی تک دوڑتے چلے جاتے تھے۔ پوری عمارت میں زلزلہ سا رہا ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو روکنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرے۔ اگر یہ صورت حال کچھ دیر باقی رہ جاتی تو یہ پوری عمارت ٹپٹ ہو کر رہ جاتی۔ اس نے دل ہی دل میں گوما کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور ایک آدمی بوکھلا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے مامی اظہار میں سے ایک تھا۔

"اب تمہیں کیا ہو گیا؟" پیڑرو اس کی طرف دیکھ کر ہڈاڑا کیوں جھگڑے چلے آئے ہو؟"

"ہاں! اس نے گھرائی ہوئی آوازیں کہاں کسی نے عمارت کو آگ لگا دی ہے؟"

"کیا؟" پیڑرو کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اس نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھے لیے۔ ایک غیر متوقع خبر تھی۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"جی ہاں" پوری عمارت تباہ ہونے والی ہے۔ ہر طرف جھگڑا مچی ہوئی ہے، گولیاں چل رہی ہیں۔ آگ لگ رہی ہے۔" وہ گاؤ۔" پیڑرو کی آنکھیں ابل پڑیں۔ وہ بہت بڑی طرح گھبرا اٹھا تھا۔ پھر اس نے اسی وقت ایک فیصلہ کر لیا۔ "دیکھو اس وقت تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"چھ آدمی ہیں باس!" اس نے بتایا۔ برسب باہر ہی کھڑے ہیں۔"

"اس عمارت کو جہنم میں ڈالو، ان سب کو جلدی سے اندر بلا لو۔ شاباش، یہیں فوری طور پر یہاں سے نکل لینا۔"

وہ آدمی جلدی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد پیڑرو اپنی مٹھیاں جینے کر بڑی بے ثباتی سے کمرے میں ٹپٹے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنی میز کی درازیں کھولیں اور بڑی تیزی سے کاغذات سینے شروع کر دیے۔ ان کاغذات کو

اس نے اپنے برف کس میں بھر لیا تھا۔ اتنی دیر میں اس کے محافظ کمرے میں آگئے تھے۔
”ٹھیک ہے، تم لوگ آؤ میرے ساتھ“ پیدرو نے ان کی طرف دیکھا۔ ”میں تم سب کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ اس عمارت میں چاروں طرف ہمارے دشمن گھس آئے ہیں۔ کیا اس موقع پر تم لوگ میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو؟“
”ہم لوگ حاضر ہیں باس“ اس آدمی نے کہا۔ آپ حکم تو دیں۔“

”تم لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ اس عمارت کی چھت پر میرا ایک سہیلی کا پٹر موجود ہے۔ پیدرو نے کہا۔ ”اس تم لوگوں کو ایک خبری اٹھا کر چھت پر پہنچانا ہے۔ سہیلی کا پٹر میں تم کی غشی نش تو نہیں ہوگی۔ اس لیے صرف تین آدمی میرے ساتھ چلیں گے۔ ان میںوں کو میں ایک جگہ چھوڑ کر فوراً واپس آجاؤں گا۔ پھر باقی آدمیوں کو اپنے ساتھ لے لوں گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“

”ٹھیک ہے باس، جو آپ کہیں ہم لوگ آپ کے لیے جان بھی دینے کو تیار ہیں۔ ہم نے آپ کا ٹھکانہ کھا ہا ہے۔“ تو پھر توجہ دے کر پیدرو نے کہا۔ ”پیدرو ان سب کو اس کمرے میں لے آیا جہاں وہ خبری رکھی ہوئی تھی۔ ان آدمیوں کے لیے اس خبری کو اٹھانا دشوار نہیں ہوا تھا۔ چار آدمی بڑی آسانی کے ساتھ اس خبری کو اٹھا کر باہر لے آئے۔ پیدرو بہت ہی چوکنا ہو کر ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس عمارت میں واقعی آگ لگادی گئی تھی۔ مگر یہ عمارت کا یہ حصہ ابھی تک محفوظ تھا لیکن یہاں تک محسوس کی جا رہی تھی۔ لوگوں کے شور اور جگڑے کی آوازوں میں اب اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

اس کمرے سے باہر ایک گیلری تھی جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور دونوں طرف دیواروں پر خوبصورت تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ اس گیلری کے آخر میں ایک زینہ تھا جو بہت کم استعمال ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں کا رخ اسی زینے کی طرف تھا۔ پیدرو بہت مضطرب ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ان لوگوں کو تیز چلنے کی ہدایت کرتا اور وہ لوگ اپنے قدموں کو تیز کر لیتے۔ وہ لوگ بالآخر سیڑھیوں تک پہنچ ہی گئے۔
یہ زینہ چونکہ استعمال میں بہت کم آتا تھا اس لیے اس پر

گرد جھی ہوئی تھی۔ پیدرو نے وہ زینے پر کھڑے ہو کر کیا کہ دونوں طرف کی دیواریں اچھی خاصی گرم ہو رہی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں آگ لگائی گئی تھی وہ جگہ فاصلے پر نہیں تھی۔

چھت تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں راستے میں انہیں کسی نے بھی نہیں روکا تھا۔ کوئی بھی ملاحظہ نہ کیا۔ شاید سب لوگ آگ کے چمک میں آکر اپنی جان بچانے کے لیے جھاگ لیے تھے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ پیدرو اس دروازے کو کھول کر چھت پر پہنچ گیا۔ اٹھائے ہوئے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد پیدرو نے ایک گہری سانس لی۔ دھوئیں کے مرغولے چھت تک پہنچ رہے تھے۔ ابھی انہیں معلوم ہو سکا تھا کہ آگ عمارت کے کس حصے پر لگی تھی یا لگائی گئی تھی۔ مگر حال اس کے لیے اطمینان کی تھی کہ اس کا سہیلی کا پٹر اس کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ پیدرو نے نہ صرف خود فراموش تھا بلکہ اپنی دولت ساتھ لے جاسکتا تھا۔ اسے یہاں سے جانے کا بہتر افسوس تھا۔ اس نے برسوں محنت کے بعد اس جگہ تعمیر کی تھی لیکن اب اس جگہ کو چھوڑے بغیر کوئی نہیں تھا۔

اس نے خبری اٹھانے والوں کو سہیلی کا پٹر تک کی ناکید کی۔ اور اسی وقت، سہیلی کا پٹر کے عقب سے ایک چلی اور ان دو آدمیوں میں سے ایک ڈھیر ہو گیا جو پیدرو کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ پیدرو اور دوسرے محافظ منجیل سکتے، دو گولیاں اور چلیں۔ اور ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جس نے سہیلی کی تھیں۔ اور دوسرا آدمی وہ تھا جس نے اٹھا رکھی تھی۔

اس آدمی کے گرتے ہی خبری ایک دھماکے کے بغیر تینوں آدمیوں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑے۔ فوراً ہی اپنی اپنی جیبوں کی طرف ہاتھ بڑھائے لیکن گولے چلانے والوں نے زیادہ تیز رفتاری کا ثبوت دیا تھا۔ کم گولیاں چلیں اور بغیر تینوں بھی لڑھک گئے۔ اب وہ پیدرو تنہا رہ گیا تھا۔

کمرے کو خالی دیکھ کر داور سانس کی سی تیزی سے پلٹا۔ پھر کی کے پاس آکر اس نے چرخ چرخ کر گوما کو کمرے کے الٹی ہونے کے بارے میں بتا دیا۔
اس کی بات سنتے ہی گومانے دوڑ لگائی اور کسی بندر کی طرح ایک کمرے میں پاپ پڑا اور بندر کی سی تیزی سے پاپ پڑھتا ہوا اس کمرے میں آگیا۔ وہ خود بھی اس کمرے کو خالی دیکھ کر بہت حیران ہوا تھا۔
”میں یہاں کہا ہوں کہ وہ لوگ اس کمرے میں ہی تھے۔“
بھلائے ہوئے انداز میں وہ بولا۔

”مجھے تم پر یقین ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب جگہ کہاں گئے؟“
”یہی بات تو سمجھ میں نہیں آرہی لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہمیں اس قسم کو صرف وہی آدمی ناکارہ بنا سکتے تھے یا تو میں یا پھر بادل۔“ وہ اب سمجھا۔ یہ حرکت بادل کی ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ کام یہاں اور کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔
”ہاں ایسا تو نہیں کہ پیدرو نے کسی خاص مقصد سے ان لوگوں کو اپنے پاس بلوایا ہو، لیکن کیوں؟“

”اب یہاں کھڑے ہو کر سوچنے سے کیا ہوگا؟“ داور نے کہا۔ ”مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدرو کو کسی طرح یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ تم نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم اس کے لیے غصے میں رہے ہو۔ اسی لیے اس نے آنے والے نظروں سے بچنے کے لیے میرے آدمیوں کو اس کمرے سے لٹوا لیا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔“ گومانے اپنی لوز لٹائی۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے گولی کس چلائی تھی؟
”وہ ایک ایسا آدمی تھا جو نہیں مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔“ داور نے جواب دیا۔ ”میری نظر اتفاقاً ہی اس پر پڑ گئی تھی۔ ورنہ تمہارا کام ختم ہو گیا تھا۔“

”اوہ“ گومانے چونک پڑا۔ شاید اس کی لاش اسی کمرے میں موجود ہو۔ لاش کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“

”دونوں اس کمرے سے باہر آگئے۔ یہ ایک گیلری تھی جو دو ٹک چلی گئی تھی۔ اس کے آخر میں سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس گیلری میں اس وقت دو تین آدمی موجود

تھے لیکن انہوں نے گومانے کو داور پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ شاید غیر متعلق ہی معلوم ہوتے تھے۔ وہ دونوں بڑی تیزی کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ جہاں داور نے گولی چلا کر ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔ کمرے میں آنے کے بعد گومانے دروازہ بند کیا۔ اور کمرے کی لاشٹ بھلا دی۔ وہ لاش ابھی تک فرش پر پڑی تھی۔ گومانے لاش کو دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر داور کی طرف مڑا۔

”تمہارا اندازہ درست نکلا۔ اس آدمی کا نام پٹیل ہے۔ یہ پٹیل پیدرو کے خاص آدمیوں میں سے ہے۔ اگر اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے پیدرو کے حکم پر ایسا کیا ہوگا۔ اور اب اس عمارت میں میرے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے۔ پیدرو نے میری تلاش میں چاروں طرف اپنے آدمی پھیلانے ہوں گے۔“
”پیدرو تک پہنچنے کی ترکیب بتاؤ۔“ داور نے کہا۔ وہ اگر قابو میں آجائے تو سارے معاملات ہی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔“

گومانے کچھ بتانا چاہا تھا کہ اسی وقت ہنگام شروع ہو گیا۔ یہ ہنگام گولیوں کا تھا۔ گولوں کے شور کی آوازیں بھانے دوڑنے قدموں کی قیامت، ایسا لگتا تھا جیسے اس عمارت پر دشمنوں کی بوری فوج نے حملہ کر دیا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز لگا ہوں سے دیکھنے لگے۔ گومانے بھیجے ہوئے آدمیوں نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ قیامت ان ہی کی گولیوں نے برپا کی تھی۔

”یہ بہت اچھا ہوا۔“ گومانے بڑبڑایا۔ یہ ہنگام وقت پر شروع ہوا۔ اب پیدرو کا دھیان میری طرف سے ہٹ گیا ہو گا۔ وہ اس ہنگامے کو روکنے کے چکر میں ہو گا۔ یہ ہنگامہ نہیں کا تو پوری عمارت تباہ ہو جائے گی۔“

”تم یہ بتاؤ کہ اگر پیدرو کو اس عمارت سے بھاگنا ہوا تو وہ کیا کرے گا؟“ داور نے پوچھا۔
”اوہ! گومانے آنکھیں جک اٹھیں۔ یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ اگر پیدرو کو فرار ہونا پڑا تو وہ سب سے پہلے اپنی خبری اٹھائے گا۔“

”خبری؟“ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“

ہاں کل! گو مانے اپنی گردن بلائی! اس آدمی نے اپنی ساری دولت اس تجوری میں جمع کر رکھی ہے۔ بہت کم لوگ اس تجوری کے راز سے واقف ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ تجوری اچھا کر جھاگ لگا کا۔ اور یہاں سے فرار ہونے کے لیے اس کے پاس ایک پہلی کا پڑ بھی ہے جسے وہ خود ہی چھوڑا کرتا ہے۔ وہ یہی کا پڑ اس عمارت کی چھت پر ہمیشہ تیار رکھتا رہتا ہے۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کا جی چاہے بھاگتے ہوئے پیڈرو کو پکڑنے کے لیے چھت پر جا سکتا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ گو مانے جواب دیا۔ اور جانے کے لیے صرف تو بھی منزل تک بیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پیڈرو کا دفتر پانچویں منزل پر ہے اور اس منزل پر اس کے خاص آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکتا۔ وہاں ایک زین چھت کی طرف جاتا ہے۔“

”تو پیڈرو بھاگنے کے لیے چھت پر ہی جمانے کا نا۔“ داور نے کہا۔ ”اس کو گھیرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ ہم چھت پر پہنچ جائیں۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“ ”تو پھر آؤ جلدی کرو۔ ابھی جھگڑا مچ ہی ہوئی ہے۔ ہر کسی طرف کوئی دھیان نہیں دے گا۔“

وہ دونوں اس کمرے سے باہر آگئے۔ یہاں کی راہداریاں اب بہت سے لوگ تھے۔ ان میں سے کچھ کا سینو کے متعلق تھے اور کچھ ایسے تھے جنہیں گوما نہیں جانتا تھا۔ ان لوگوں نے گوما کی طرف دیکھا تو جھٹکیاں اٹھائیں اور کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ دوسری منزل سے تیسری منزل پر پہنچنے میں انہیں کوئی ٹھوکر نہیں ہوئی تھی۔ لوگ بوکھلائے ہوئے ان کے برابر سے گزرتے تھے۔ ایک قیامت کا عالم تھا۔

”یار میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کہ صرف گولیاں چلنے سے اتنی جھگڑا کیوں پڑ گئی ہے؟“ داور نے گوما کی طرف دیکھ کر کہا۔

”گومانے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خود بھی اچھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لوگوں کی اس بوکھلاہٹ کی وجہ کیسے ہے؟ لیکن تیسری منزل پر پہنچتے ہی

انہیں اس افوازی کا سبب دکھائی دے گیا۔ اس دن آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ آگ ایک کونے میں لگی تھی۔ کمرے کے سرخ سرخ تند اور تیز شعلے بڑی تیزی کے ساتھ زبانیں نکالے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اس منزل پر جس اور دھواں بھرا ہوا تھا۔ بوکھلائے ہوئے لوگ جانیں بچانے کے لیے بچے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ کتنے اس ہنگامے میں رو جا چکے ہیں۔ لوگ گر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کچل رہے تھے۔ مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ اور بے رحم آگ بڑی تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

تیسری منزل سے اوپر جانے کا زین تقریباً خالی اوپر جانے والا کوئی نہیں تھا۔ سب لوگوں کا رخ یہ طرف تھا۔ جہاں وہ اپنے خیال کے مطابق آگ سے حاصل کمرے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ وہ دونوں بڑی تیزی کے ساتھ چوتھی منزل پر آگئے۔

یہ منزل خالی تھی۔ دور تک پھیل رہا رہا رہا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس پر موجود سارے لوگ نیچے بھاگ لیے ہوں۔ یہاں پہنچے اور جانے والی سیڑھیاں ختم ہو گئی تھیں۔ البتہ ایک لگی ہوئی تھی۔ گومانے لفٹ کا بچن دیا دیا۔ لیکن وہ لہ اس وقت بند تھی۔ داور لفٹ کو بند پا کر بہت بری کا جھلا گیا تھا۔

”اب اوپر کیسے جائیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”یہاں؟“ چلے آئے۔

”میں نے تم سے کہا تھا تاکہ سیڑھیاں تو چھتی منزل آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔“ گومانے کہا۔ ”لیکن یہاں ایک کمرے سے ایک خفیہ زین پانچویں منزل تک جاتا ہے۔ اسی پر پیڈرو کا دفتر ہے۔ آؤ۔ وہ کمرہ اس طرف ہے۔“ اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔

اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ کمرہ بالکل آخر پر تھا۔ اور یہاں کا فرش بری طرح گرم ہو رہا تھا۔ اس مطلب تھا کہ تیسری منزل پر لگنے والی آگ نے سب کچھ پکڑ لی ہے۔ اور اس وجہ سے چوتھی منزل کا یہ حصہ تپ رہا تھا۔

وہ دونوں کھلے ہوئے دروازے سے اندر آگئے۔

تپ رہا تھا۔ اور اس کی ایک دیوار کے ساتھ اوپر جانے کے لیے ایک زین بنایا گیا تھا اور اس زین کے تین تین عدد لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ ان لاشوں کو دیکھ کر وہ دونوں ہی جھٹک کر گر گئے۔ ان تینوں کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ایک آدمی کے سر کی لگی تھی۔ اور اس کی لاش پہلی سیڑھی پر اس طرح پڑی تھی کہ اس کا آدھا جسم نیچے لٹکا ہوا تھا۔ دوسری کمرے کے وسط میں تھی۔ گولی نے اس کے سینے میں رخنہ بنایا تھا۔ اور تیسرے آدمی کی گردن میں سوراخ تھا۔ اس کے کافر ان تینوں کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

”کیا کچھ ہو گیا؟“ داور بڑبڑایا۔ ”کون لوگ یہاں آئے؟“ گوما کی طرف دیکھا۔ ”میں ان تینوں کو پہچانتا ہوں۔“ گومانے ایک گہری سانس لی۔ ”ان میں سے ایک بادل ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کے میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرے علاوہ ہوں کو یہاں ناکارہ کر سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو کس نے مارا؟“ ”تینوں ہی پیڈرو کے آدمی ہیں۔“

داور کچھ دیر تک ان لاشوں کو دیکھتا رہا۔ پھر گومانے طلب ہو کر کھڑا ہوا۔ ”یہاں جانتا تھا کہ کسی طرف سے ایک گولی آوے گی۔ گومانے شانے میں بیوسٹ ہو گئی۔ گومانے ہاتھوں کی کسی تیزی پٹا اور کھلے ہوئے دروازے سے تین ڈانڈ آگئے۔ یہ عبدل آگئی اور کالو تھے۔ گولی کالو نے لی تھی۔ وہ تینوں ہی اس وقت مسلح تھے۔

”لے لنگ کا لنگ، تم سارا ایک باجو ہو جاؤ ورنہ دوسرا سال آتا تھا۔ لکھوڑی کا بار ہو گیا؟“ عبدل پستول والا ظہر لٹا ہوا بلا۔ ”باس، تم دیر پان کا پاس آ جاؤ۔ یہ باہرست حرامی ہے کیا، ایک دم جن کا مالک لڑائی کرتا ہے۔ اپنی اس سال کا لاشا تاکہ مارا کھانچا نہ ہو سکتا۔“

”اب تو قیامت کرو عبدل! داور نے اسے ڈانٹ دیا۔“

”اب تو قیامت کرو عبدل! داور نے اسے ڈانٹ دیا۔“

سارے کا ہاتھ پھوٹے کے مالک لگتا ہے۔ اس حرامی نے مارا کر پانچواں لودہ بنا دیا تھا۔ عبدل نے ایک ہاتھ سے اپنے شانے کو دباتے ہوئے کہا۔ ”اس لنگ کا لنگ کو چھوٹنے کا نہیں ہے استاد۔ سارے کا پلا ستر نکالنے کا ہے۔“ ”یہ اب ہمارے ساتھ ہے عبدل! داور نے کہا۔ ”تم لوگ تمہیں اس کمرے سے نکالنے کے لیے گئے تھے لیکن تم لوگ پہلے ہی نکل چکے تھے۔“

”تم اپن کا سمجھ میں آج تک نہیں آیا استاد! عبدل نے حیرت سے کہا۔“ سالاد دشمن کو ایک دم دوست کیسے بنا لیا، یہ کیا لڑا ہے استاد؟“

”یہ سب بعد میں پوچھنا۔ اس وقت اس کے غم پر دھیان دو۔“ داور نے کہا۔ وہ سب ہی گوما کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے زخمی شانے کو دیا رکھا تھا جس سے خون کی روانی رگ رگ تھی۔ لیکن اس کے ہرے پر زردی چھانے لگی تھی۔ اتنی سی دیر میں اچھا خاصا خون بہ چکا تھا۔ اس کی جھگ کوئی اور ہوتا تو اب تک بے ہوش ہو کر گر چکا ہوتا۔ لیکن اس نے صرف اتنا کیا کہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو مٹی سختی سے چھپنے لکھا تھا۔ دونوں جڑوں کی پٹیاں ابھر آئی تھیں۔

”مجھے معاف کر دو بھائی! کالو نے آگے بڑھ کر کہا۔“ ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم باس کا ساتھ دے رہے ہو۔“ ”کوئی بات نہیں! اس تکلف کے باوجود گومانے ہاتھوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر اس نے داور کی طرف دیکھا۔ ”تم میرے شانے سے گولی نکال کر بیٹھا باندھ دو۔“

”گولی نکالوں؟“ داور کچھ جھجک گیا تھا۔ ”بھائی میں نے کبھی ایسا کام نہیں کیا۔“

”کوئی بات نہیں۔ اگر کسی کے پاس جا تو ہے تو اس کی نوک سے گولی نکالی جا سکتی ہے لیکن پہلے چاقو کی نوک گرم کر لینا۔ میری فکر مت کرو میں یہ تکلیف برداشت کر لوں گا۔ گولی نکل جانے کے بعد مجھے آرام مل جائے گا۔“

داور نے چند لمحوں تک گومانے کو دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس کے ساتھ گولی کی طرف دیکھا۔ گولی نے جیب سے نکل چاقو اور ماچس نکال کر داور کی طرف بڑھا۔ اس دوران عبدل نے اپنی قبض انکار دی تھی۔ داور نے عبدل کی قبض میں آگ

لگا دی۔ پھر جلتے ہوئے شعلوں کے اوپر جا تو کی دھار رکھی۔ کچھ ہی دیر بعد جا تو کی نوک گرم ہو کر سرخ ہو گئی تھی اس دوران گونا گونا گوار کا سہارا لیتے ہوئے فرش پر بیٹھ گیا تھا۔ جبکہ کالو نے اس کے شانے سے قمیص بھاڑ دی تھی اس کا زخم اب نمایاں ہو گیا تھا یہ ایک بڑا زخم تھا۔ گولی شانے کے اندر جا کر دھسن گئی تھی۔

داور نے گرم جا تو لیے ہوئے گوما کے قریب آیا۔ گولی اور کالو نے گوما کو بڑبڑایا جانے لگا اس نے نفی کے انداز میں اپنی گردن ہلاتے ہوئے نہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ چہچہے ہٹ کر بڑی حیرت اور دلچسپی سے اس آپریشن کو دیکھنے لگے۔

داور نے جا تو کی نوک گوما کے زخم کے اوپر رکھی، گولے اپنی انگوٹھیں بند کر لیں اور دانت مضبوطی سے ایک دوسرے پر جادیتے۔ داور نے اپنے ہاتھ کو قابو میں کیا اور ایک ٹھیکے کے ساتھ جا تو کی نوک گوشت میں کاٹھ کر اوپر سے نیچے تک ایک کھیر چھین دی۔

خون جھل جھل کرتا ہوا گوما کے شانے سے مہینے لگا زخم کا منہ اب پوری طرح کھل گیا تھا۔ اور اندر چھینی ہوئی گولی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ گوما کا جسم ایک بار تو بڑی طرح دل گیا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے خود اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے اس طرح جوست کر دیا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی رگیں تک ابھر آئیں تھیں۔ دلوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ جا تو کی نوک زخم کے اندر ڈال دی اور چھینی ہوئی گولی کو کھیر کر دیکر باہر نکالنے لگا۔ گوما حیرت انگیز رفت سے برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ تکلف کی شدت سے بے اختیار ہو کر تڑپنے لگا۔ پھر اپنے آپ کو قابو میں کر لیتا۔ اس کے منہ سے ابھی تک آواز نہیں نکلی تھی۔ یہ اس کے حوصلے کا کمال تھا۔

داور نے گولی باہر نکال لی۔ اس دوران عہد نے اپنے رومال سے پٹیاں بنائی تھیں۔ اس نے وہ پٹیاں دلوں کی طرف بڑھا دیں۔ داور نے بڑی مشاقی کے ساتھ ان پٹیوں کو گوما کے شانے پر بازو دیا۔ اور ایک پٹی اس کی گردن میں ڈال کر اس کا ہاتھ اس میں لٹکادیا۔ گوما اب صرف ایک ہاتھ سے کام کرنے کے قابل رہ گیا تھا۔

نیچے ہونے والا شور ابھی تک جاری تھا اس کمرے کی

تپش اور بڑھ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آگ بھرا رہی ہو۔ اور ابھی تک اس آگ کو بجھانے کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ گولیاں جلنے کی آوازیں بند ہو گئیں۔

وہ لوگ بڑی ستاشی لگا ہوں سے گوما کی طرف دنگے۔ جس نے اب اپنی انگوٹھیں کھول دی تھیں۔ پھر وہ ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”لے بھائی لنگ کانگ“ اب سالانہ مارا طبیعت کو ہے، ”عہد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں تو خیر ٹھیک ہوں، لیکن تم لوگوں کے ساتھ کیا تھا، اس کمرے سے کیسے نکلے تھے؟“

”اپن کو سالایہ آدمی کمرے سے نکلا تھا۔“ عہد فرش پر پڑی ہوئی بادل کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”کھڑکی کا راستے کمرے میں آیا اور سارے بوں کا دھڑا تختہ کر دیا۔ پھر سالایہ اپن کو اس کمرے میں آیا۔ یہ دونوں حرامی بھی اس کے ساتھ تھے۔“ اس نے دوسرے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”ایڈھر اکرا بن اس سے لڑ کر دیا تھا۔ بنین فٹاک، خوب چور دار مارا ماری ہوئی اور بن نے ان تینوں کا روٹ بنا دیا۔ پھر بن تم کو دھڑا کا واسطے جا رہیلا تھا استاد کو تم دونوں کو مارتا دیکھ رہا تھا۔ اس کا کھڑکی اس بیہیم ایک دم کھڑک گیا تھا۔ استاد سالایہ سمجھا کہ یہ کالیا۔ یہ بھائی لنگ کانگ تیرے کو کھیل رہا ہے۔ اسی لیے کالو نے اس پر گولی چلا دی تھی یہ ہے بن کا اکھا اسوری“

”ٹھیک ہے“ داور نے اپنی گردن ہلاتی ”اب اوپر چلنا چاہیے۔ ہمارے پاس وقت ختم ہوتا جا رہا ہے اس نے ایک ہاتھ اٹھ کر بڑھا کر گوما کو سہارا دیا لیکن گوما نے مسکرتے ہوئے انکار میں گردن ہلا دی بچو سب زینے کی طرف بڑھ گئے۔ گولی نے زینے پر پڑی لاش کھینچ کر ایک طرف ہٹا دی۔ سب سے پہلے داور سرخس پر پاؤں رکھا۔ اس کے بعد گوما آیا تھا اور گوما بعد عہد نے قدم اٹھے بڑھایا ہی تھا کیسے بعد گوما آدمی دوڑتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ وہی مشین گنیں لیے ہوئے تھے۔ جن کے رخ ان کی طرف تھے۔ اور مشین گنوں کی موہ، گ، م، ر، لوگ

کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

... ..

پیدرو نے لوکھل کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے پاس اپنے لیے کوئی راستہ تھا۔ اسے بہت بری طرح کھیر لیا تھا۔ اس کے ساتھ آئے ہوئے محافظوں کی لاشیں بڑی بڑی ہوتی تھیں۔ اس کی تجویز ایک طرف کریں۔ اور تین عدد موت اگنے والے پستولوں کے رخ اس کی طرف تھے۔ نیچے ہونے والا شور ابھی تک جاری رہا۔ دھم دھم کر مٹنے لگے۔ اس نے بے چارے کو دیکھا تو اس نے بے چارے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آگ نے بھی اب شدت اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنی رائے سے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی بے بسی اس نے محسوس نہیں کی تھی۔

”سب کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہو کیوں؟“ ان تینوں نے آدمی کے بڑے طرزیہ انداز میں پوچھا۔ ”مگر تم ہم کو کون سے بڑے کہیں جا سکتے۔ ہم بہت دیر سے اس جھٹ پر تھکا مار رہے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم فرار ہونے کے لیے کئی کئی کاپڑ کا سہارا لوگے“

”لگ۔ کون ہو تم لوگ؟“ پیدرو نے اپنے آپ کو سوجھتے دیکھ کر سوال کیا۔ ”کیا چاہتے ہو؟“

”کچھ نہیں۔ ہم صرف تمہاری یہ تجویز لینے آئے ہیں۔“

”آدمی نے ہنسنے ہوئے تجویز کی طرف اشارہ کیا۔ ”بہت دنوں سے اس فرار نے کئی ساٹھ کی طرح بیٹھتے ہوئے ہوئے کالینو ہاتھ کھینے والوں کے ساتھ بے ایمانی کر کے بہت سی لوٹ مار کر لی ہے تم نے۔“

”یہ غلط ہے۔ اس میں سولے کا عدالت کے کچھ نہیں ہے۔“

”جھوٹ مت بولو۔“ اس کا انداز بہت طرزیہ تھا۔ ”ہم نے دن کی تم ہی پر ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔ بہت دنوں کی پلاننگ کے بعد ہم یہاں پہنچے ہیں۔ ہم نے تم تک پہنچنے کے لیے اپنے کھادی گولا دیئے ہیں۔ بے شمار دولت ضائع کر دی ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم نے اپنے چاروں طرف اپنے پالتو غنڈوں کو نوچ کر رکھی ہے۔ اور ان کی موجودگی میں تم پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اسی لیے ہم نے تمہارے کامیون میں آگ لگا دی۔“

”کیا تمہارے کامیون میں جھکڑ پڑج رہا ہے؟“

”کیا یہ آگ تم لوگوں نے لگائی ہے۔“ پیدرو نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”ہاں! اس آدمی نے خور یہ انداز میں اپنا سانس بھلایا۔ ”کہو، یہ پلاننگ کیسی رہی، جب آگ لگی ہو تو کوئی بھی۔“

”شخص اپنے پاس وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ سب کو اپنی اپنی بڑی رہتی ہے۔ آگ لگاتے ہی ہم لوگ اس جھٹ پر آ کر تمہارا انتظار کرنے لگے۔“

”مگر تم لوگ اتنے ہی عقل مند اور بہادرو ہو تو تم نے پھر براہ راست تجویز کیوں نہیں اٹھائی؟“

”اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ تجویز سولے تمہارے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ تم نے اس کی بناوٹ اور ساخت بہت پیچیدہ رکھی ہے۔ اگر ہم اسے اپنے ساتھ اٹھا کر بھی لے جائیں تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم اسے کھول نہیں سکتے۔ اور نہ ہی اسے کسی چیز سے توڑا جا سکتا ہے۔ اس میں انتہائی درجہ حرارت کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ اس کی چادریں شعاعوں سے بھی کالی نہیں جاسکتیں۔ پھر یہ تجویز تو چاہے لیے بے کار ہو جاتی۔ اسی لیے ہمیں اس تجویز کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی ضرورت ہے۔ تاکہ تم شرافت سے یہ تجویز کھول دو۔“

”اوہ! پیدرو نے ایک گہری سانس لی۔ ”اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟“ اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

”تمہارا یہ انکار زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گا۔ اسی آدمی نے کہا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہیں شاید اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوگا۔ اس کا نام ماٹھر ہے لیکن عام طور پر اسے ڈر کر لیا جاتا تھا۔ یہ انسان کا خون پینے میں بہت دلچسپی رکھتا ہے۔ کیوں ماٹھر؟“

”ماٹھر نام اس کے شخص نے اپنے دانت نکال دیئے۔ پیدرو ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اس آدمی کا نام سن رکھا تھا۔ یہ ایک جنونی قاتل تھا۔ یہ بڑی بدمردی کے ساتھ لوگوں کا خون پنی لیا کرتا تھا۔ پولیس کئی بار اسے گرفتار کر چکی تھی۔ لیکن عدم ثبوت کی بنا پر اسے رہا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن زیر زمین دنیا کے لوگ یہ جانتے تھے کہ شہر میں باقی جانے والی عورتوں اور بچوں کی لاشیں کسی کی دندگی کا اعلان کر رہی ہیں۔

”نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے“ پیڑرو پڑا۔ تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے“

”تو پھر اس تجویز کو کھول کر اپنی جان بچالو؟ اس آدمی نے کہا۔ اور اپنے ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہمیں یہاں سے نکال لے جاؤ“

”نہیں، میں تجویز نہیں کھولوں گا۔ پیڑرو بچھا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے دولت جمع کی ہے۔ میں تم لوگوں کو یہاں سے نکال سکتا ہوں۔ لیکن میں اپنی دولت نہیں دے سکتا۔ چاہے تم کبھی کبھار نہ سبھے۔“

پیڑرو کے مضبوط لہجے نے اس آدمی کو گڑبڑا دیا۔ وہ سوچنے لگا تھا لیکن اس کی نگاہیں پیڑرو پر جمی ہوئی تھیں۔ ”کیا سوچنے لگے تم؟“ اس بار پیڑرو ہی نے اسے مخاطب کیا۔ ”چلو، مجھ پر تشدد کر کے دیکھ لو۔ تم لوگ یہ بھول گئے ہو کہ میرا نام پیڑرو گنزل ہے۔ میں طاقت سے مرعوب نہیں ہوا کرتا۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ اس تجویز میں اپنی دولت ہے جو آئندہ آنے والی کئی نسلوں کے لیے کافی ہوگی، اور میں تم تینوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ تجویز کھولنے کو تیار ہوں، ابھی اور اسی وقت۔ اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم تینوں میں سے کون یہ دولت حاصل کرنا چاہتے ہو۔“

”لو اس بند کرو۔ وہ آدمی زور سے دھاڑا۔ ”تم اس طرح ہم میں سے کسی کو ہر گز نہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم تینوں ایک ہیں، سبھی۔“

لیکن پیڑرو نے اپنی باتوں سے ان کے درمیان آگ بھڑکا دی تھی۔ اس کا اندازہ ان تینوں کے رویوں سے ہو رہا تھا۔ وہ تینوں ہی اب ایک دوسرے کی طرف لکڑے ہوئے صلوم ہو رہے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ماتھر نے اپنی جگہ سے جت لگائی اور ہیلی کاپٹر کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو سنہیلنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلیں اور وہ دونوں چھت پر ڈھیر ہو گئے۔ پیڑرو اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ لیکن ماتھر کی بری فکرا حیرت انگیز تھی۔ یہ تشدد پسند انسان حالات کو اپنے اختیار میں کر لینے کا فن جانتا تھا۔ اس نے اتنی تیزی کا مظاہرہ کیا کہ خود پیڑرو دیکھتا رہ گیا تھا۔

پیڑرو نے ان تینوں کو اشتعال دلانے کے لیے ہی یہ بات کہی تھی۔ لیکن وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی بات فنی نہیں۔ ”پیڑرو نے پھر انکار کر دیا۔“ میں نے کہہ

جلدی اپنا اثر دکھا جانے کی اس کا ارادہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے الجھ رہے ہوں گے تو وہ موقع پا کر کچھ نکلے اور بیڑھیوں والا دروازہ بند کر دے۔ پیڑرو ایک بار آدمی تھا جس نے مسلح لوگ اپنے ارد گرد تو رکھے تھے لیکن کبھی مسلح نہیں رہا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی، وہ کبھی بھی اس کوئی ہتھیار نہیں رکھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب اس کے محافظوں کے پاس اسلحہ ہوگا تو اسے تو پھر اسے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی جیب میں پستول باجھالے کھولتا ہے۔ اس وقت اس کی یہی عادت اس کے لیے پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔

ماتھر اپنے ساتھیوں کو ڈھیر کر دینے کے بعد ہیلی کاپٹر کے عقب سے باہر نکل آیا۔ اس کے پستول کا رخ اب کی طرف تھا اور اس کے ہوشوں پر بڑی شیطانی سی کڑواہٹ تھی۔

”تم یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمہاری باتوں میں آکر اپنے ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ وہ پیڑرو کی طرف دیکھتے ہو بولا۔ بلکہ میں بہت دیر سے انہیں مارنے کے لیے نوڑے تلاش میں تھا۔ میں نے ہمیشہ اکیلے کام کیا ہے۔ بس اس ان دونوں کے ساتھ اس لیے شامل ہو گیا کیونکہ ان دونوں پلاننگ کے ذریعہ تم تک پہنچنا مشکل تھا۔ لیکن یہ میں نے سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی تجویز میرے سامنے آئی میں ان کو گولی مار دوں گا۔ میں ذمہ داری کا قائل ہی نہیں ہوں اب بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ یہ تجویز میرے لیے کھل رہی ہے یا نہیں؟“

”نہیں، پیڑرو نے انکار کر دیا۔ میں اس تجویز کو کھول کر اپنے بیڑوں پر کھڑا ہی نہیں مار سکتا۔ مجھے معلوم کہ تجویز کھل جانے کے بعد تم مجھے بھی مار کر بھاگ جاؤ۔“ دیکھو پیڑرو، ”ماتھر کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ”میرے زیادہ وقت نہیں ہے۔ آگ بہت تیزی کے ساتھ بڑھ جا رہی ہے۔ کسی بھی لمحے تمہارا کاسینو جگ سے اڑ جائے اس لیے بہتر یہی ہے کہ میری بات مان لو۔ شرافت کے تجویز کھول دو۔ ورنہ۔“

”نہیں، پیڑرو نے پھر انکار کر دیا۔“ میں نے کہہ نا کہ میں یہ تجویز نہیں کھولوں گا چاہے تم کبھی ہی کہو۔ تمہاری مرضی، ”ماتھر نے بڑی لاپرواہی سے اپنی

جھٹکی اور اچانک گولی چلا دی۔ وہ گولی سنسنائی ہوئی پیڑرو کی کلائی میں لگی اور گشت بھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ پیڑرو ایک کرناک جڑخ کے ساتھ دوسرے ہاتھ سے اپنی زخمی کلائی کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسی لمحے ماتھر نے کسی جیت کی طرح جھلانگ لگادی تھی۔ وہ کسی چونک کی طرح پیڑرو سے چمٹ گیا۔ اس نے اپنا پستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ اور اس نے پیڑرو کا ایک ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے گھٹنے کے نیچے دبایا۔ اور اس کے زخمی ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پیڑرو تڑپ کر رہ گیا اس نے خود کو اس عذاب سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن ماتھر کی طاقت کے سامنے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ ماتھر نے اپنے ہونٹ اگے بڑھائے اور اس کی کلائی کے زخم پر رکھ دیے۔ دوسرے ہی لمحے وہ پیڑرو کی کلائی سے اس کا خون چوسنے لگا تھا۔

پیڑرو کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا ہو۔ اس نے زور زور سے اپنے ہاتھ کو جھٹکا لیکن ماتھر کے ہونٹ اگے ہیں ہوئے۔ وہ ڈر کر ہلائی کی طرح اس کے زخم سے چٹا ہوا اس کا خون چوسے جا رہا تھا۔ پیڑرو کے سامنے بدن پر زور طاری ہو گیا۔ اس کا پورا جسم ہلچلے پھلچلے سے جھپک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس پر غشی طاری ہونے جا رہی ہے۔ اس کا تالو اس طرح خشک ہو گیا تھا جیسے اس میں کانٹے بھر دیے گئے ہوں۔

”بس کرو۔ بس کرو۔“ اس نے فٹی ہوئی مکرور آواز میں کہا۔ ”میں تیار ہوں۔“ اس کی بات سن کر ماتھر نے اپنے ہونٹ اس کی کلائی سے ہٹا لیے۔ اس وقت اس کے ہرے سے وحشت بریں ری تھی۔ اس کی آنکھیں خون ہی کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ پیڑرو کا خون اس کے منہ اور ہونٹوں پر بٹھ رہا تھا۔ اس کی سگڑاٹ آئی جھانک تھی کہ پیڑرو نے سہم کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ”چلو اٹھو، ماتھر نے اس کے شانے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ جلدی کر رہا ہے اس وقت نہیں ہے۔“

پیڑرو نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسے پکڑ لیا۔ وہ پکڑ کر پھر گڑا۔ ماتھر نے اسے سہارا دینے کے بجائے ٹری طرز لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے وہ پیڑرو کی اس شہہ حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ بالاخر پیڑرو خود ہی کھڑا ہوا اور پکڑا ہوا تجویز کی طرف ہل پڑا۔ اس کا ہرہ اس

وقت کو اسے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اس کا بدن رہ رہ کر اس طرح جھٹکے لینے لگتا جیسے کرٹک لگ رہا ہو۔ تجویز تک کا فاصلہ اس کے لیے قیامت ثابت ہوا تھا۔ وہ گری ہوئی تجویز کے پاس آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور ایک گہری سانس لے کر اس نے تجویز کے ڈائل پر انگلی رکھ دی۔ ماتھر اس دوران اس کے قریب ہی آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑی گہری لگا ہوں سے پیڑرو کو تجویز کھولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

تینوں مشین گنوں کے رخ ان ہی تینوں کی طرف تھے۔ گو ما اس دوران ریڈنگ کا سہارا لے کر اس طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ جیسے اس کے جسم کی توانائی ختم ہوتی جا رہی ہو۔ ان لوگوں میں صرف دو ہی ایسا تھا جس نے زخمی اپنے حواس قابو میں رکھے تھے بلکہ اس کی آنکھیں شعلہ برسا رہی تھیں۔ اس کے ہرے پر بے پناہ نفرت اور غصے کے آثار تھے۔ وہ بڑی کھا جلتے والی لگا ہوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جو عین وقت پر نہانے کہاں سے اچکے تھے۔ ان تینوں ہی کے پیور خطرناک معلوم ہوتے تھے۔

اپنے اپنے ہتھیار نیچے چھپک دو۔ ان میں سے دراز قامت شخص نے اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے انہیں ہدایت کی۔ داور نے ایک گہری سانس لی اور پستول ایک طرف۔ چھپک دیا۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ جبکہ گو ما اس طرح ریڈنگ کا سہارا لیے کھڑا رہا تھا۔ ان تینوں نے اسے زخمی دیکھ کر اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ ان میں سے ایک نے ان کے چھپکے ہوئے ہتھیار میٹ کر ایک طرف چھپک دینے تھے۔

”تم سے اپنے ساتھیوں کی موت کا حساب پرکانا ہے۔“ اسی دراز قامت نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے جانی ساحل پر سائے ڈھونڈ، کو ہلاک کیا۔ اور ایک ساتھی کو کمزور گٹر میں غولی مار۔“ پ کاسب سے ہوشیار آدمی تھا۔

”ہم لوگوں نے دیکھا کہ اپنے ساتھ ملا لیا تھا“ در ز قات
 نے جواب دیا۔ ”لیکن جب ساحل کی طرف سے کوئی ہلکا سا
 نہ آیا تو ہمارا وہ آدمی دیکھنے کے لیے اس طرف چلا گیا
 تھا۔ اس نے شاید تمہیں اور دیکھا کہ گٹر میں اترتے دیکھ لیا
 ہو گا۔ اسی لیے اس نے تمہارا تعاقب کیا اور تم نے اسے مار
 ڈالا۔“
 ”تو میں اور کیا کرتا؟“ داور مسکرتے ہوئے بولا۔ ”میں
 کو اس کے گھر پر تو نہیں چٹایا جاتا۔ اگر اسے موقع ملتا تو وہ مجھے
 مار دیتا۔“
 ”بہر حال اسے تو موقع نہیں ملا لیکن ہمیں موقع مل گیا ہے۔“
 در ز قات نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
 ”تمہارے گوما اچھا بول بڑا اس کی آواز اس کے
 میں گونج کر رہ گئی۔ تم لوگ مجھے تو چلنے ہو گے؟“
 ”بہت اچھی طرح۔“ در ز قات کے ساتھ کھڑے ہوئے
 دوسرے آدمی نے کہا۔ ”تم گوما ہو، پیڑوں کے سب سے خالص
 اور سب سے خطرناک آدمی لیکن تم اس وقت بری طرح زخمی
 ہو کر معذور ہو چکے ہو۔ اسی لیے ہم نے تم پر دھیان نہیں دیا
 تھا۔“
 ”اگر تمہیں میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے تو یہ بھی پتا
 ہو گے کہ پیڑوں نے اپنی دولت جس تجویز میں چھپا رکھی ہے،
 اسے سونے میرے اور پیڑوں کے اور کوئی نہیں کھول سکتا اور۔“
 پیڑوں پر چلنے لگا۔
 ”کیا؟“ در ز قات لرز کر رہ گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے
 اسے سکتے ہو گیا ہو۔ کیا؟ ”کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”تمہیں
 تم جھوٹ بول رہے ہو، وہ کس طرح مر سکتا ہے؟“
 ”کیوں؟“ کیا اسے موت نہیں آ سکتی، آج اس کا سینو
 میں موت بہت سستی ہو گئی ہے۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں
 بچھی ہوئی ہیں۔ آگ لگی ہوئی ہے گولیاں برس رہی ہیں۔
 خون کی بارش ہو رہی ہے اور ایسے میں کسی کی موت پتھر ان
 نہیں ہونا چاہیے۔ پیڑوں کی موت بھی آگئی تھی لہذا وہ مر گیا۔
 وہ تینوں ایک دوسرے کو لکھی ہوئی لگا رہا سے
 دیکھنے لگے۔ پیڑوں کی موت نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔
 ”چلو کوئی بات تمہیں؟“ در ز قات خود کو سنبھالتے ہوئے
 بولا۔ ”وہ اگر بھی گیا تو کیا ہوا۔ تم تو زندہ ہو اور تم خود یہ کہہ
 چکے ہو کہ وہ تجویز سونے پیڑوں اور تمہارے اور کوئی نہیں کھول

سکتا۔ یہ بات ہم بھی جانتے ہیں۔ بلانگ کرتے وقت یہ بات
 ہمارے سامنے آئی تھی۔ لیکن ہمارا ارادہ پیڑوں پر قابو پا کر
 اس کے ذریعے تجویز کھولنے کا تھا۔ وہ نہیں ہوا۔ اسی لیے
 اب یہ کام تم کرو گے۔“
 ”ٹھیک ہے میں تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم ان
 لوگوں کو چلنے دو گے، گوما نے داور اور اس کے ساتھیوں
 کی طرف اشارہ کیا۔
 ”یہ کیا کہا گوما تم نے؟“ داور اچانک ہلکا ہوا۔
 ”کیا مجھے مانگی ہوئی زندگی دے ہے۔ ہو۔ بھر تم یہ چاہتے
 ہو کہ ہم تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں۔“
 ”تم خاموش رہو، گوما نے داور کی طرف دیکھا۔ بھروسہ
 شخص سے مخاطب ہوا۔ ”لو لو کیا کہتے ہو، انہیں چلنے دو
 گے یا نہیں۔ ویسے تم لوگ یہ بھی جانتے ہو گے کہ تم زبردستی
 مجھ سے کوئی کام نہیں کروا سکتے ہو۔ مجھ میں تشدد برداشت
 کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں ہیں۔ کتنا تشدد کرو گے؟ اس
 لیے بہتر یہی ہے کہ سودا کرو۔ تم ان لوگوں کو چلنے دو میں
 تمہارے لیے تجویز کھول دوں گا اور ویسے بھی تم لوگ تجویز
 ہی کے لیے آئے ہو۔ ان لوگوں سے تمہارا کیا واسطہ؟“
 ”ٹھیک ہے گوما۔“ در ز قات نے اس کی بات مان
 لی۔ ”میں ان لوگوں کو چلنے کی اجازت دیتا ہوں۔“
 داور غصے سے اپنے پاؤں پیچھے لگا۔ ”مشین گولوں کے
 سامنے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ خود کو گولوں کی
 بوجھاڑ سے بچا بھی لیتا تو دوسرے اس کی لپیٹ میں آ جاتے۔
 ان میں سے کسی ایک کے پاس یہ ہتھیار ہوتا تب بھی وہ
 کچھ نہ کچھ کر گزرتا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ان تینوں کے
 ہاتھوں میں مشین گولیں تھیں۔ جو ذرا سے اشارے سے گولیاں
 کی بارش کر دیا کرتی ہے اور انسان کی ساری ہمارت اس کی
 طاقت، اس کی تیز رفتاری اس کے سامنے گرد ہو کر رہ جاتی
 ہے۔ اس نے گوما سے کچھ کہنا چاہا۔ وہ گوما کے ساتھ ہی کرنا
 چاہتا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ گوما نے کیسا کھیل شرارت
 کیا ہے۔ اس نے پیڑوں کی موت کی خبر اتنی آسانی سے سنا
 دی تھی جیسے اس نے اپنی آنکھوں سے اسے ہلاک ہوتے
 ہوئے دیکھ لیا ہو۔ داور جانتا تھا کہ گوما نے یہ سب کچھ
 اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بچانے کے لیے کیا ہے۔ وہ
 چاہتا ہے کہ وہ سب یہاں سے نکل جائیں۔ یہ کامیاب ہو

جائیں لیکن یہ بات داور کو گوارا نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے
 اپنی زندگی کے لیے کبھی کسی کا اتنا بڑا احسان نہیں لیا تھا۔
 یہ ایک اتنا بڑا احسان تھا جو اس کی برداشت سے باہر ہو
 گیا تھا۔
 گوما نے ایک بار پھر اسے چلنے کے لیے کہا اور وہ غصے
 اور بے بسی کی شدت سے اپنے ہونٹ کاٹا ہوا سرٹھیاں
 چرھنے لگا۔ ”عبدل، کوئی اور کا لو اس کے ساتھ ہی تھے ابھی
 ان لوگوں نے چند ہی سرٹھیاں طے کی تھیں کہ گولیاں چلنے
 کی آواز سنائی دی۔ داور برق رفتاری سے مڑا۔ گوما نے
 سامنے کھڑے ہوئے در ز قات پر چھلانگ لگا دی تھی وہ
 اسے لیے ہوئے نیچے گر پڑا تھا۔ در ز قات کے ہاتھ سے۔۔۔
 مشین گن چھوٹ کر ایک طرف جا گری تھی۔ اور اس کے دونوں
 ساتھی گوما کو خوفزدہ کرنے کے لیے گولیاں چھلانے جا رہے تھے
 داور نے یہ دیکھ کر سرٹھیاں کے اوپر سے جست لگائی
 اور وہ مشین گن دبا کر ہی جو در ز قات کے ہاتھ سے چھوٹ
 کر ایک طرف جا گری تھی۔ ”عبدل، کا اور دو گولیاں رینگے
 چپک کر کھڑے ہو گئے۔ داور مشین گن ہاتھ میں لیے ہوئے
 بڑھکتا ہوا ایک دوار کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دوار کے پاس
 پہنچ کر سنبھلا اور ان دونوں کی طرف گولیاں بوجھاڑ کر
 دی جو اس افتاد سے بکھلائے ہوئے تھے۔ گولیاں نے
 ان دونوں کے جسموں پر اور پستے نیچے تک بھر کر دیا تھا۔ ان
 کے جسموں میں لٹنے سوار ہو گئے تھے کہ ان کی گنتی خالی تھی۔
 ان کے گرتے ہی داور گوما اور در ز قات کی طرف متوجہ
 ہوا لیکن وہ در ز قات اتنی دیر پہ گوما کو ایک طرف الٹا دیکھا
 تھا۔ گوما کا ایک ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوا تھا جس
 کی وجہ سے اسے حرکت کرنے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی
 تھی۔ در ز قات بھی بہت ہی چھری تلا ثابت ہوا تھا اس
 نے اپنے ایک دم کی گری ہوئی مشین گن اٹھائی اور داور کی
 طرف گولیاں بوجھاڑ کر نہ ہی والا تھا کہ گوما اپنی جگہ سے
 اچھلا اور تڑپ کر اس کے سامنے آ گیا۔ در ز قات کی مشین گن
 نے گولیاں اگلیں اور گوما کے بدن میں پست ہوتی گئیں۔
 یہ ایک لمحے کا کھیل تھا جس نے اس کے سب میں سالما
 کھیر دیا۔ گولیاں کی آوازیں تھیں تو سنا مشور کرنے لگا۔ رب
 کے سب تیرت اور سکتے ہیں وہ گتے تھے خود در ز قات کچھ
 دھمکے لیے سٹ پٹا گیا تھا۔ اور یہی وہ موقع تھا جب

داور نے اس کو بھی گوما کی طرح ادھیر کر رکھا دیا۔ اس
 کے چھلانے ہوئے پر سٹ نے اس در ز قات کو مجھد کر
 رکھ دیا۔ یہ گولیاں کی آخری آواز سن تھیں جو وہاں گونجیں۔
 اس کے بعد سناٹا طاری ہو گیا۔ ایسا سناٹا جو ہنگاموں سے
 زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے۔
 ”عبدل، گولیاں اور کالو سرٹھیاں سے نیچے اتر گئے۔
 داور آہستہ آہستہ کھڑا ہوا۔ اس کے ہرے پر بے پناہ وحشت
 تھی۔ ایسی وحشت جیسے اسے اجازت نہ دے دیا گیا ہو۔ اس کی
 آنکھیں خون آگاہ رہی تھیں۔ عبدل نے ان آنکھوں کی ایسی
 کیفیت سیدھے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ داور دھیرے دھیرے گوما
 کی لاش کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ
 جیسے اس کی ماں دوبارہ مر گئی ہو، اس کے بھائی کو موت آ
 گئی ہو، اس کا کوئی گھر دوست دنیا میں نہیں رہا ہو۔
 ”ایرہر سالاسٹ بین فٹاک ہو گولیاں اسٹاؤ؟“ عبدل
 نے داور سے کہا۔ ”آگ بھجھتا جا رہا ہے اور ایرہر سالالو کوئی
 فائر بریک نہیں آئے گا، کیا۔“ کھڑا دیر بعد ایرہر سالالو کا
 امیٹ ہو جا رہا تھا۔
 ”کچھ دیر پہلے عبدل، داور بڑبڑایا۔ ”کیا تو نے کبھی
 ایسی موت دیکھی ہے، کیا بھی اس شان سے کسی کو مرتے
 دیکھا ہے؟“ نہیں دیکھا ہو گا۔ یہ ایک بہادر آدمی تھا عبدل،
 اس کی زندگی بھی بہادریوں والی تھی اور اس کو موت بھی۔
 بہادریوں والی ملی ہے۔ میں اسے سلام کرتا ہوں۔“ وہ اپنا
 ہاتھ پیشانی تک لے گیا۔ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر
 ایک جھٹکے سے در ز قات کی لاش کی طرف مڑ گیا۔ اس نے
 لاش کو ٹھوکر مارنے کے لیے اپنا پر اور پڑا تھا لیکن کچھ بوج
 کر وہ لاش کے پاس سے ہٹ آیا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو عبدل
 ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ پیڑوں
 چھت پڑ ہو گا۔“
 ”گولیاں اور کالو اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے
 بہت جلدی خود پر قابو پا لیا تھا۔ اپنے ہرے پر چھائی ہوئی
 وحشت کم کر لی تھی۔ پھر وہ لوگ سرٹھیاں کی طرف لپک
 لیے سب سے آگے داور ہی جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے وہ
 تینوں تھے۔ اب وہ سب ہی مشین گولوں سے مسلح ہو چکے تھے۔
 چھت پر پہنچنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ جب اس
 اس دروازے کے ذریعے چھت پر پہنچے تو اس وقت تک پیڑ

تجوری کھول چکا تھا اور ماتھر اس کے پاس کھڑا چلائی ہوئی
 ننگا ہوں سے تجوری کو دیکھ رہا تھا۔ چھت پر قدموں کی آہٹ
 باکر ماتھر تیزی سے مڑا اور اپنے سامنے چار مسلح آدمیوں کو
 دیکھ کر سکتے ہیں رہ گیا۔ یہی کیفیت برطرف کی ہوئی تھی وہ
 اپنے زخمی ہاتھ کو سنبھالتے ہوئے بڑی تیزی سے اٹھ کھڑا
 ہوا تھا۔
 ”اوہ! داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ہنٹ
 سکیڑے۔ ہم لوگ ٹھیک ٹائم پر پہنچے ہیں۔ ذرا سی دیہ
 ہو جاتی تو کام خراب ہو گیا تھا، کیوں؟“
 ”کون ہو تم لوگ؟“ ماتھر نے سوال کیا۔ وہ اس سوال
 سے زیادہ پریشان معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ”کیا جانتے ہو؟“
 ”اے بھوتے، سب سے پہلے تو اپنا پستول کیجے گراؤ“
 عبدال نے اسے حکم دیا۔ ورنہ یہ مشین گن ایک سیکنڈ میں
 ایک ہزار گولی چلائی ہے۔ کیا۔“
 ماتھر نے بڑی کد تیز نگاہوں سے عبدال کی طرف دیکھا
 اس کی آنکھوں میں نفرت بھری ہوئی تھی۔ بے ناہ نفرت،
 ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ خطوں کی پروا کے بغیر اپنا
 پستول عبدال کے سینے پر فانی کر دے گا۔ پھر جانے کیا سوچ
 کر اس نے اپنا پستول ایک طرف پھینک دیا۔ جسے کالونے
 آگے بڑھ کر اٹھا لیا تھا۔
 ”تم شاید مجھے اچھی طرح جانتے ہو گے پیڑرو۔ داور
 نے پیڑرو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم نے میرے لیے ہر
 طرف جال بچھا رکھے تھے۔ لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ داور
 والا کس روکھنا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ آج کا
 دن تمہاری بدقسمتی کا دن تھا اور یہ رات تمہاری بدقسمتی کی
 رات ہے۔ تمہاری جمع کی ہوئی دولت تمہارے کام نہیں آئے
 گی۔ اب تمہاری یہ دولت ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اور تم
 بھی ہمارے ساتھ ہو گے۔ ہم تمہیں بھی لے جانا چاہتے ہیں
 سمجھے؟“ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ گولی
 کالو، تم دونوں یہ تجوری اٹھا کر سہلی کا پٹر میں رکھ دو۔ ہم
 اسی کے ذریعے اس جزیرے سے باہر نکلیں گے۔“
 ”نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔ ماتھر بول پڑا۔ میں
 بڑی مشکلوں سے نہ جانے کتنی لاشوں سے گزر کر یہاں تک
 پہنچا ہوں۔ میں یہ دولت تم لوگوں کو نہیں لے جانے دوں گا۔“
 کیا تم نہیں روک سکو گے؟“ داور نے مسکراتے ہوئے

ہوں گی۔ ان گنت لوگ مر گئے تھے اور انہیں بوجھنے والا
 کوئی بھی نہیں تھا۔ لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں اور
 پیڑرو کی برسوں کی کمانی ہوئی دولت اس رات غیروں کے
 حوالے ہو گئی تھی۔ جس دولت کے لیے اس نے یہ سارا کھیل
 رچا رکھا تھا۔ آج وہ اس کے کام بھی نہیں آ رہی تھی۔
 سہلی کا پٹر نے اس جزیرے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ وہ
 اب سمندر کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ اس کی پرواز میں توازن
 نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ اس بری طرح ڈگمگاتے لگتا جیسے
 وہ تیس گرنے ہی والا ہو۔ ایسے موقع پر پیڑرو دیکھ کر ہولی ہدایت
 کرتا اور داور اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ڈگمگاتے
 ہوئے سہلی کا پٹر کو فابوئیں کر لیتا۔ اس سہلی کا پٹر کا رخ
 مہانگر کی طرف تھا۔ کیونکہ وہ ایک ایسی جگہ تھی یہاں سے
 یہ لوگ بھٹی کے لیے روانہ ہو سکتے تھے۔ داور گونا گونا نہیں
 تھا کہ مہانگر پہنچنے کے بعد کیا صورتحال ہوگی۔ لیکن اس کے
 علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ گالام میں سہلی کا پٹر کو
 اٹکنے کی کوشش نہیں تھی۔ یہاں ہر طرف دوڑتے بھاگتے
 لوگ تھے۔ ایک افزائری مچی ہوئی تھی اور وہ اس افزائری
 سے بڑھ کر نکل جانا چاہتا تھا تھا۔ اس کے دونوں مقاصد بے
 ہو چکے تھے۔ کاسینو کی پوری دولت بھی اس کے ہاتھ آگئی۔
 پیڑرو بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس کی یہ ہم بھی تک کیا
 ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ مہانگر پہنچ کر اس
 آدمی کو چھوڑ دے گا جسے وہ اپنے ساتھ سہلی کا پٹر میں لے جا کر
 لے آئے تھے۔ پھر کسی لاپرواہی و بے درستی کے یہ لوگ گوا
 سے نکل لیں گے۔ دولت باپس ہو تو راستے کی بہت سی۔
 رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔
 مہانگر کا تیز یہ زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے
 اطراف میں چھائی ہوئی بلند سہاڑی چٹانیں اذہر سے کے
 باوجود وہ بہت ناک یا تھیلوں کی طرح دکھائی دینے لگی تھیں
 یہاں پہنچ کر پیڑرو کی آنکھیں ایک ایک چمک اٹھیں۔ اس کے
 ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ چھیل گئی۔ ایسی مسکراہٹ
 جیسے داور سمیت کوئی بھی محسوس نہ کر سکتا تھا۔
 ”اب اس آئے کو اپنی طرف کھینچ لو۔“ اس نے داور کو
 ہدایت دی۔ ہم مہانگر پہنچنے ہی والے ہیں۔“
 داور نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس کے
 بتائے ہوئے آئے کو کھینچ لیا۔ اس عمل کے ساتھ ہی وہ

سہلی کا پٹر اس شدت سے لڑا جیسے کوئی عمارت بھاگ
 زلزلے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار
 بہت تیز ہو گئی تھی۔ اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ ڈگمگاتے
 لگتا تھا۔
 ”کیا ہو رہا ہے؟“ داور چیخ پڑا۔ بتاؤ کس طرح
 سنبھالوں اس کو؟“
 ”اب اس کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں رہی۔ پیڑرو نے
 عجیب انداز میں بولا۔ اس کی نقابہت اچانک ہی ختم ہو
 گئی تھی۔ اب اس سہلی کا پٹر کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں
 بچا سکتا۔ میں نے کہا تھا نا کہ یہ دولت میری ہے۔ اسے کوئی
 بھی نہیں لے جا سکتا۔ جب یہ میرے کام نہیں آئے گی تو یہ
 کسی کے کام بھی نہیں آ سکتی۔“
 ”بکواس بند کرو۔“ عبدال نے پیچھے سے اس کی گردن
 دبوچ لی۔ جلدی بتاؤ ورنہ گردن تو زردوں کا۔“
 اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پیڑرو نے بھینچی
 بھینچی سی آواز میں کہا۔ ”میرے ساتھ تم سب مر جاؤ گے۔“
 اور میں یہی چاہتا ہوں۔ وہ دیکھو سامنے۔“
 بے اختیار سب سامنے کی طرف دیکھنے لگے۔ کالی کالی
 چٹانیں بہت تیزی سے قریب آ رہی تھیں۔ سہلی کا پٹر کسی
 بھی نے ان چٹانوں سے ٹکرانے والا تھا۔
 ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے سہلی کا پٹر
 میں موجود سب لوگوں کو سانس سونگھ گیا ہو۔ سیاہ پیب چٹانیں
 تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔
 عبدال نے اچانک پیڑرو کی گردن پھر پکڑ لی۔ وہ بہت
 بری طرح اس کی گردن جھکڑ رہا تھا۔ لیکن پیڑرو اس وقت
 بالکل بے حس تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی
 زندگی کی کوئی پروا ہی نہ رہی ہو۔ انسان جاب یا پوسی کی انتہا
 پر پہنچ جانے تو اس کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو اس وقت
 پیڑرو کی تھی۔ وہ عبدال کے تشدد پر آف نہیں ہو گیا تھا۔
 وہ پہاڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ سہلی کا پٹر کسی بھی
 لمحے اس سے ٹکرانے والا تھا۔ داور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
 کہ اب وہ کیا کرے، یہ تو بہت عجیب سی موت ہوتی ہے۔ ایسی
 کی موت۔ اس نے تو ایسی موت کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا اس
 کے ذہن میں اپنی موت کا تصور بہت مختلف تھا۔ وہ لڑتے
 ہوئے مرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے روتا

زندہ رہنا چاہتے ہو تو دوڑ لگا دو۔ دوڑو۔

”میں کہتا ہوں دوڑو۔ پیڈرو چلا یا۔“ ہم کسی بھی لمحے پھٹنے والا ہے۔“

اُس کے جزیروں میں اُسے مار کر حلا کیا تھا اور وہ بھی اس

اس کی سالگہ ختم ہوئی تھی۔ پیدرو نے اسی مقصد سے اُسے

پڑا دیا کرتا تھا یہ پیدرو کا دلچسپ مشغلہ تھا اور دوسری طرف جوزف اس کام کے لیے اس لیے بھی راضی ہو جاتا کہ وہ

اس لئے رزوی سے محبت کی سزا اور رزوی پر پیدار رزوی ایجنٹ بن گئی تھی۔ وہ براہ راست تو پیڈرو سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن رزوی کے ساتھ ایک خاصہ تعلق تھا۔

اپنے دل کی بھڑاس بھی نکال لیتا۔
وہ کسی زمانے میں پیشہ ور باکسر رہ چکا تھا۔ اُس نے

بائیں اور دایرے میں کھڑے ہو کر پیچھے روئے پاس آئے کے بعد اس نے مار پیٹ کی باقاعدہ تربیت بھی حاصل کی تھی اس طرح وہ

ہوا کرتے اس سے مقابلے میں کوئی نہیں ٹھہرا کرتا۔ اس سے مار کھالے والے خاموشی سے مہانگرے لیے جا کرتے۔

سر ہٹھکانی مردی سی۔ نوٹوں کے دل سے اس کا خوف حتم

سب سے پہلے سیکھنا۔ دولتِ اسلامیہ کی روشنی سے زیادہ سیکھیں۔
 ہوا کرتی تھیں تو دیکھ ہی لیتے۔ تھکے پاس ایک مضبوط
 قلعہ تھا، ہر دست سے آدمی ان کے راستے پر نہ آ سکتا تھا۔

نہیں۔ تم بالکل خالی ہاتھ ہو اور کسی چیز پر غور کی طرح بے بس ، تمہاری بے پناہ دولت تمہارے کس کام آئی ؟ کیا تم نے کبھی

پھر تہاڑی حکومت کہاں گئی؟ کیا ہو گیا اسے؟

لگائی۔
 "میں سب سمجھتا ہوں داور"، پیدر و کچھ دیر بعد پولا۔

چھین لی گئی ہے۔ میرے نہ جانے کتنے ساتھی مر چکے ہیں۔

”تم کس بنیاد پر ایسی بات کہہ رہے ہو؟“ داور نے
بڑے غم سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے نے داور کو

کہا: ”تم جانتے ہو کہ یہ سہیلی کا پٹر میرا ہے۔ میں نے اپنی مرضی

ہو سکتی۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس بدن کو دہانے سے کیا ہوگا؟
میں نے پرواز کے دوران ہی کم سے ایک ایسا بدن آن کر دیا

رویل ہے اور اب یہ ہیلی کا پٹر سی بھی مجھے بجوری سمیت چھینے والا ہے۔

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میری گھڑی کے مطابق اس

rrr

وہ سب کے سب اس مہیلا کا پٹری سے باہر آ گئے۔ ان
 یوں نے اس اڑتے ہوئے بچے سے نجات حاصل کرنے

میں پر تو اُسی گئے تھے، جہاں قدموں کو کھڑے ہونے کی

میتھے ہوئے پوچھا: تم میرے ساتھ کیا سلوک کرنے

وہی اور کالو نے پیگرو اور ماسکری طرف اسٹین بن اتھارہی
 تھیں۔ جبکہ عبد اللہ لاپرواہی سے منہ چلاتا ہوا ایک طرف

یہ بھی کہ ہر ایک تناؤ کی حالت میں تھا ان کے

متھی۔ اور ان میں سے ہر ایک موت اور زندگی کی تسکین میں مبتلا تھا۔

کرٹے والا ہوں۔" داؤ نے خشک ہجے میں جواب دیا۔ اس وقت اس نے سلیس لہجہ اختیار کر رکھا تھا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ

”کیا تم مجھے اور اس بھوری کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو جاؤ گے؟“ یہیڈرو نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

اپنے زخمی ہاتھ کی طرف بھی نہیں دھیان دے رہا تھا اس سے
 ابھی تک خون رس رہا تھا، دیکھو داؤر! اس نے ایک گہری

زندگی کو اتنی آسانی کے ساتھ دوسروں کے حوالے نہیں کر سکتا۔

۱۱) بے آواز لکائی۔ ”جلدی سے اس اسٹوری کو پھیلانے لے دو“

کھول دیا تھا۔ اور صرف اسی کی مہربانی بلکہ اس معاشرے کے ہر دور کو نباہ کرنے کے فتنے دار ایسے ہی لوگ تھے۔ یہ نام نہاد

اور بوسیدہ کپڑوں کی طرح مچھٹی ہوئی ہوتیں۔ وہ ایسے ہی لوگوں کے خلاف لڑتے ہوئے مرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے موت بھی آ۔

مہم سبقت بہیدرو کا علم حصول کے لیے ان کے لیے سر پر
سکتا تھا۔
پھر میں تمہیں بتا ہوں کہ ”ما تمہا جانک بول ڈار۔“

امٹھ جلتے گا۔“
داور کو اس مانتھ پر بھی بھروسہ نہیں تھا۔ وہ بھی بیدار

میں ہاتھ کرنے سے بنایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسی کا بیڑہ اور اٹھنے لگا۔ آہستہ آہستہ پھر تیزی کے ساتھ آہستہ

قریب سے آکر گزر گئی تھی۔ داور نے ایک لہری سا سانس لے کر اپنے آپ کو ٹھیل اچھوڑ دیا۔ عبدال نے ابھی تک پیڈل و

مجبوری سے وہ بھی کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا، وہ خاموش ہی رہا تھا۔

کوہنگنا ہے۔ اڑن کھوٹے پر اڑ جاؤں، سالانہ تیرے ہاتھ
 نہیں آؤں کیا۔ سالانہ، اپن کامیج پھر گئی ہے۔

اس میدان میں ہسپتلی کا پٹر کو لینڈ کر سکتے ہو۔ میں نہیں جس طرح کہیں، اسی طرح کرتے رہو۔ ہسپتلی کا پٹر لینڈ کر جائے گا۔

پیدا کرتا ہوا اس میدان کے اوپر چکر کاٹنے لگا جو۔۔۔۔۔

پیاز کی ساتھ ملا ہوا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس

کی ہدایت پر عمل کر کے داور نے وہ سہیلی کا پٹراس میں اتار لیا

کردہ تھا۔ اور اب وہ داور سے انتقام لینے کے لیے اس مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا جسے پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا گیا ہو۔

اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ داور اور اس کے ساتھیوں کی سڑائی شروع کر دی تھی۔ اس نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ داور اور اس کے ساتھی جس لالچ پر یہاں تک آئے تھے اس کا نام کوہا ہے۔ اس نے داور کے مزید قریب ہونے کے لیے خود ایک لالچ حاصل کی اور کوہا کے لیے کچھ خاصے بر کھڑی کر دی۔ وہ ان لوگوں کو در خاص کر داور کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ روزی اس شخص سے بہت متاثر دکھائی دے رہی تھی وہ اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اسی لیے اس نے روزی سے بھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بس اپنی لالچ میں بیٹھا ہوا ان لوگوں کی سڑائی کرتا رہا۔ اسی رات کو اس نے دیکھا کہ داور نے ایک دوسری لالچ کو لے کر بھاگ کر لے گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب ان لوگوں سے پاس بیٹھے سے ایک لالچ موجود ہے تو دوسری لالچ کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ داور اور اس کے ساتھی کو بمانی لالچ سے اور خود داور دوسری لالچ سے کالام کی طرف روانہ ہو گئے ہیں تو کسی حد تک بات اس کی سمجھ میں آئی۔ داور محافلوں کی نگاہوں سے چھپ کر کالام میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ یہ بیڑہ روکے خلاف کوئی سازش بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن جوزف کو یہ پتہ ہو چکا تھا کہ وہ تو مجبوراً اس کے لیے کام کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ اور اس وقت تو اسے صرف داور کی پردہ بازی جو اپنی لالچ کو کالام کی طرف بھگانے کے لیے چاہا تھا جوزف نے بھی اپنی لالچ اس کے نقاب ہی میں دیکھی تھی۔ اس نے اپنی لالچ کی ساری روشنیاں بجھا رکھی تھیں۔ اس لیے داور کو نقاب کا شک نہیں ہو سکا تھا۔

اس نے اپنی آنکھوں سے چٹائی ساحل پر ہونے والے سارے ہنگامے دیکھ لئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب داور ساحل پر اترے گا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ ہی اتر پڑے گا۔ اور اس بار وہ اس شخص کو لٹکا کر اسے بغیر کوئی مار کر ہلاک کر دے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک رائل بھی حاصل کر لی تھی۔ لیکن ساحل پر پہلے در پہلے ہنگاموں نے اس کی توجہ اپنی طرف چھین لی اور وہ بہت ہو کر سب کچھ دیکھتا رہا۔ ان ہنگاموں نے اس پر اتنا اثر ڈالا کہ وہ

اپنی لالچ کو وہاں سے ہٹا کر بہت دور لے گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گولیاں چل رہی تھیں۔ لالچیں گری رہیں۔ ایک لالچ کا دوسری لالچ پر حملہ ہو رہا تھا۔ ہم برس رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دو ملکوں کی چھوٹی موٹی جنگ شروع ہوئی ہو۔ وہ اس جنگ میں حصہ لینے کو تیار نہیں تھا۔ اس کا مقصد صرف داور سے تھا جو ایک چٹائی ساحل پر اتر کر اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ساحل پر پہنچنے کی یہ ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ گویا ان ہنگاموں کا ڈھ داور ہی شخص کی طرف سے خود کار دے ہو رہے تھے۔ ہر وہ کچھ سب کر رہا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اتنے شدید ہنگاموں کا مقصد کیا ہے۔

اس نے دیکھا کہ ایک لالچ آئی اس میں سے کچھ لوگ کوہا کے ساحل کی طرف چلے گئے۔ پھر اس نے ایک دوسری لالچ کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس دوسری لالچ نے بربریت کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا۔ اس نے آتے ہی دوسری لالچ پر گولیاں برساتی شروع کر دیں۔ جوزف اس وقت شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ اپنی لالچ بہت پیچھے ہٹا لیا تھا۔ ورنہ اسے والی دوسری لالچ سے جوڑتی سمندر میں پھینک دیتی تھی اس کی وجہ سے خود اس کی لالچ بھی نظروں میں آ سکتی تھی۔ اور اس کا بھی وہی حشر ہو جاتا جو وہاں کھڑی ہوئی دوسری لالچ کے آدمیوں کا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ جا میں پکارتے تھے۔ یہ سمندر میں کودتے تھے لیکن دوسری لالچ والوں نے تاک تاک کر ان پر گولیاں برساتی شروع کر دیں۔ پھر جب ایک ایک کر کے سب ختم ہو گئے تو ان دوسری لالچ والوں نے دوسری لالچ اور داور کی لالچ دونوں کو بھونکے سے اڑا دیا تھا۔ زور دار دھماکے کے ساتھ دونوں ہی لالچیں آگ کا گولہ بن گئیں۔ پھر ان لالچوں کا وہ جنگ ختم ہو گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر دوسری لالچ والے اس طرح واپس چلے گئے جیسے اپنا فرض ادا کر کے واپس جا رہے ہوں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اسی مقصد کے لیے یہاں آئے ہوں کہ قتل و غارتگری کا بازار گرم کر کے اپنی منزل کی طرف لوٹ جایا جائے۔

اس لالچ چلے جانے کے بعد جوزف نے اطمینان کی سانس لی خود اس کو بھی اپنی جان کے لئے بڑے خطرے تھے۔ اس نے اسے خون ریزی آج تک نہیں دیکھی تھی اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔ وہ بزدل آدمی نہیں تھا۔ اس نے بہت سی گولیاں چیتی ہوئی دیکھی تھیں۔ ہزاروں لالچیں اس کی نظر سے گزری تھیں۔ لیکن آج اتنی جتنا کہ

خون ریزی اس کے تجربے سے باہر تھی۔ اگر وہ لالچ والے اس کی طرف پلٹ پڑتے تو وہ ان کا کچھ نہیں لٹکا سکتا تھا۔ وہ لوگ ہر قسم کے اٹکوں سے لیس تھے۔ اور اس کے پاس سوائے ایک رائل کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ ان کی نگاہوں سے محفوظ رہا تھا۔ ان لوگوں نے اس کی لالچ کی طرف کوئی دھبہ ان نہیں دیا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ اس کی لالچ پر ان کی نظری نہ پڑی ہو۔ کیونکہ وہ اپنی لالچ بہت پیچھے لے آیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ انہوں نے جوزف کی لالچ کو مایہ نازوں کی لالچ سمجھ کر چھوڑ دیا ہو۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو اس کی جان پر کئی مٹی اور اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

اس لالچ کے چلے جانے کے بعد جوزف رائلنگ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ یہاں ہنگامے اب واپس ہو جانے۔ پھر جانک اس کی نگاہ کی چیز پر پڑی۔ جانک اس وقت گئے ہاٹوں کی اوٹ سے لٹل آیا تھا۔ اس لیے جانک میں اسے وہ چیز دکھائی دے گئی جو سمندر کی سطح پر بہتی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی نگاہیں اس پر مقناہیں پھیراں۔ احساس ہوا کہ وہ دراصل کوئی انسان تھا۔ جو ہمہ دلوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا۔ یہ شخص بھی شاید ان ہی لوگوں میں سے تھا جنہوں نے سمندر میں کود کر اپنی جائیں پیمانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن لوگوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ اس شخص کی زندگی باقی تھی جو پیمانے ساحل کی طرف جانے سے اس طرف نکل آیا تھا۔ جوزف نے اس شخص کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ ہنگامے کیوں ہو رہا تھا۔

وہ آدمی تیرتا ہوا اپنی طرف آ رہا تھا۔ اس نے شاید جوزف کی لالچ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے زندگی بچانے کے لیے جدوجہد تیز کر دی تھی۔ جوزف نے عرشے پر بڑی ہوئی رسی لٹکا کر اس کی طرف پھینک دی۔ وہ شخص اب بہت قریب آ چکا تھا۔ لیکن بے اہتمام تھا۔ اس نے بھی ہتھ پڑا تھا۔

”پلو رسی“ جوزف نے ہدایت کی۔ ”اوہین رسی پلو۔ لائف بچاؤ دانی“

اس آدمی نے رسی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور رسی اپنی گرفت میں لے لی۔ جوزف نے اسے کھینچنا شروع کر دیا اور بھڑکی دیر بعد وہ آدمی عرشے پر لٹا ہوا لگہری گہری سانس لیتے رہا تھا۔ جوزف اسے پانی سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جوزف خود بھی اس آدمی کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ ایک

نوجوان آدمی تھا۔ جسے تھوڑا سی اور مضبوط بدن والا آدمی اس نے پینٹ اور بیس پہن رکھی تھی۔ وہ تیرا کام بھی معلوم ہو جاتا تھا۔ ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی دیر میں ڈوب چکا ہوتا۔ کچھ دیر بعد جب اس کے اوسان بحال ہوئے تو وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ بڑی جرئت سے جوزف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جوزف کی ہینٹ نے اسے کچھ خوفزدہ بھی کر دیا تھا۔

”ہاں اب بتاؤ کون ہو تم؟“ جوزف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کس بات کا ردوالا چاہا ہوا تھا تم ادھر کا آدمی تو نہیں معلوم ہوتا“

”میں اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرے ہوئے کہا۔ ”میں کہتی سے کیا ہوں؟“

”وہ تو تیری صورت سے لگتا ہے۔ لیکن تجھ کی ہے۔“

کاپے کو اتنا آدمی ادھر گیا۔ تم لوگ کس واسطے ادھر آ رہا تھا۔ دیکھو میرے کوصاف صاف بتاؤ۔ وہم پولیس کا آدمی نہیں ہے۔ اور ہم بیڑہ روکا آدمی بھی نہیں ہے۔ ہم بس پولی ہی تم سے کوئی کرتا ہے۔ جلد بتاؤ۔ ٹھیک ٹھیک بتانا“

”ہم لوگ کا یٹو کو مٹنے آئے تھے۔ اس آدمی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ پیڑرو کی ساری دولت ایک تجوری میں بند ہے۔ ہم نے اسی تجوری کو بھجائی۔ لیکن بھائی تھی۔ لیکن مخالف لوگوں نے اگر ہمارے ایک ایک آدمی کو مار دیا سب کے سب مارے گئے۔ میں تیرتا ہوا اس طرف نکلا ہوں۔“

”ہاں۔ ہاں۔ یہ سارا ڈرامہ ہم نے بھی دیکھا ہے۔ باقی کاڈ۔ بہت ہی خطرناک لوگ تھے۔ ایسا مارا مارا کیا جیسے فلم چلو ہو گیا ہو۔ ہم نے بھی اس تجوری کے بارے میں بہت سنا ہے۔ لیکن دیکھا بھی نہیں۔ اب تم لوگ اس کو بھجائے والا تھا۔ یہ تو بہت زبردست بات ہے۔ خیر اب تم کیا کرے گا پھر؟“

”وہ آدمی لوگ تو ڈبڈب ہو گیا۔“

”وہ تجوری آج ہر حال میں اس کا سینورے غائب ہو جائے گی۔“ وہ آدمی مسکراتے ہوئے بولا۔ ہمارے کچھ آدمی کا سینورے میں پہنچے ہیں۔ ان کے علاوہ داور پارٹیاں بھی تجوری کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ وہ دونوں ہی کا سینورے میں موجود ہوں گی۔ لیکن اب میں ساحل پر نہیں جاسکتا۔ اب تم بتاؤ ہتھار کیا فیصلہ ہے؟“

”اوہ۔ یہ تو بہت بڑا چکر ہے۔“ جوزف نے اپنے ہونٹ سیکڑے۔ ”وہ سالا تجوری اگر میرے کو مل جائے تو معاملہ حل جائے۔ اپنی لائف سڈھ جائے۔ اچھا۔ بتاؤ۔ تم لوگ اگر اپنی اسیم میں کامیاب ہو گیا تو پھر تجوری کے کدھر سے لگیں گا۔“

جزیرے پر تو چاروں سائینڈ پیڈر روکے آدی پھیلے ہیں۔
 ”اس کے لیے ہم لوگوں نے پیڈر روکا دیلی کا پٹر استعمال
 کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس آدی نے بتایا کہ میں یہ معلوم
 ہوا ہے کہ پیڈر روکا ایک سیلی کا پٹر ہر وقت چھت پر تیار رہتا
 ہے۔ ہم نے یہی سوچا تھا کہ اس سیلی کا پٹر کے ذریعے فرار ہو
 جائیں گے۔“

”یہ تم جھٹک بولا تو لوگوں کے پاس سالابانگل پرنٹ
 انفارمیشن ہے۔ پیڈر کا سیلی کا پٹر کاسینو کی چھت پر رہتا ہے۔
 لیکن اس سے میرے کو کیا۔ ہم سالانہ نوادھ سمندر میں خوار
 ہونا رہے گا۔ اور دوسرا لوگ تجوی کے کرکل جائیں گا۔
 لیکن ہم تو ادھر سی اور کھڑے آہ تھا۔ سالانہ بھی نہیں ہوا۔
 ”ہمنا را کیا کام تھا؟“ اس آدی نے دریافت کیا کہ کیا
 کسی کا انتظار کر رہے ہو؟“

”نہیں۔ میرے کو ایک آدی سے بدل لینے کو تھا۔ لیکن
 وہ سالاساحل پر جا کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ہم لوگوں
 کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ہم بس دیکھنا ہی رہ گیا۔ خیر وہ آدی
 مہا ستر آئے گا۔ ہم اسی ٹائم اس کو وہاں گلا وہ بھی کیا یاد
 کرتے گا۔“

وہ آدی ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہوا اور عرصے پر
 ادھر ادھر ٹھٹھے لگا۔ وہ بہت پریشان ادبے قرار دکھائی
 دے رہا تھا۔ اس کا سارا منصوبہ چوٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس
 کے دل جانے لگتے تھے اس کا کیا کر دینے لگے تھے۔ اس کے
 باوجود اس کے کچھ ساتھی کاسینو میں موجود تھے۔ اور اپنے
 منصوبے کی تکمیل کے لیے اس کا ان ساتھیوں تک پہنچنا بہت
 ضروری تھا۔ لیکن ساحل تک پہنچنے کا اس کے پاس کوئی بھی
 ذریعہ نہیں تھا۔ سوائے اس ایک لائٹ کے جو ایک عجیب
 سے آدی کی تھی۔ اور جو اپنی جسامت اور بدن کی ساخت
 سے بہت مضبوط دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے بڑی بات
 یہ تھی کہ وہ مست بھی تھا۔ اور اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں
 تھا۔ وہ مار پیٹ کے ذریعے اس آدی پر کسی بھی حال میں
 قابو نہیں پاسکتا تھا۔

جوزف اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنی دونوں ٹانگیں
 آگے کی طرف پھیلا کر زمین کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے
 اپنی نگاہیں اس آدی پر جمی تھیں۔ جو جوزف کے خیال
 کے مطابق بہت اچھا ہوا اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔
 جوزف نے اپنی نگاہیں فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اسے اس آدی
 کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ کیا اسے مار کر سمندر میں پھینک
 دے۔ یا اسے ساحل تک چھوڑ دے۔ یا اسے اپنے ساتھ

مہا ستر لے چلے۔ دیے خود اس نے اپنے بارے میں بھی
 کچھ نہیں سوچا تھا۔ اس کا شکار تو اس کے ہاتھ سے نکل گیا
 تھا۔ ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس کی دلی
 کا انتظار کرے یا مہا ستر واپس ہو جائے۔

وہ آدی عرصے پر بیٹھ بیٹھ اپنے چانگ جوزف کی طرف
 دیکھ کر کیا تمہارے پاس پیٹنے کے لیے کچھ ہوگا؟“ اس نے
 پوچھا۔

”نہیں۔ اس ٹائم کچھ بھی نہیں ہے۔“ جوزف نے جواب
 دیا۔ ”ہاں ہم پیٹک کے لیے ادھر سے نہیں چلا تھا۔“
 وہ آدی اب اس کے اور قریب آ گیا تھا۔ اس کی نظر پر
 اس رائفل پر تھیں جو جوزف کے پہلو میں رکھی ہوئی تھی۔
 ”مجھے تو بہت زوروں کی پیاس لگ رہی ہے۔“ اس
 نے کہا۔

”تو یہ کیا کرے؟“ جوزف کو غصہ آنے لگا تھا۔ ”پانی پینا
 ہو تو سمندر میں۔“

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ اب آدی نے اچانک
 اس کی رائفل کو ہٹ کر سید کر دی۔ وہ رائفل جھسکتی ہوئی
 ایک طرف گئی اور اس کے ساتھ ہی اس آدی نے رائفل پر
 چھلانگ لگا دی۔ دوسرے لمحے وہ رائفل اس کے ہاتھ میں
 آچکی تھی جس کا رخ اس نے جوزف کی طرف کر دیا تھا۔ اور
 اب جوزف اپنے آپ کو اور اس آدی کو گالیاں دینے لگا
 تھا۔ اس کے خیال کے مطابق وہ اب انسا کو رو رہا تھا کہ
 ہر شخص اس پر براہ آسانی قابو پا لیتا تھا۔

”میں نہیں مارنا نہیں چاہتا۔“ اس آدی نے کہا۔ ”میرے
 تمہارے میری جان بچانی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے ساحل
 تک پہنچا دو۔ بس اس کے بعد میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔
 تم واپس چلے جانا۔ میں قسم کھاتا ہوں۔“

”تو مجھے کون سا سونو پہنچا دے؟“ اس نے اپنے ساتھ رکھے
 کا۔ ”جوزف چھلانگ کر دیا۔“ تو دیے ہی بول دیتا تو میں تیرے
 کو ساحل پر چھوڑ آتا۔“

”بس تم میرا کام کرو۔ میں ادم سے کچھ نہیں چاہتا
 ہوں۔ میرے ساتھی کاسینو میں مہا ستر انتظار کر رہے ہوں گے۔
 ”جھٹک بے گھبراہٹ سے جوزف نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے
 لائٹ کا کھنکھارہ کر دیا۔

وہ لائٹ ادھر سے اس کی طرف چلتی ہوئی ساحل
 کی طرف بڑھنے لگی۔ جوزف نے پیٹنے سے بھٹکا لیے تھے۔ وہ لگتی
 تھی کہ ریٹنگ کے پاس ہی کھڑا تھا۔ پھر اچانک جوزف نے
 بڑی قوت کے ساتھ پیٹ کو ایک طرف گھما دیا۔ وہ لائٹ کسی

لٹکی طرح نالٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی جوزف ٹکٹہ چلنے سے
 بچنے کے لیے اڑوں پیٹنگ لگا کر بھاگ نکلا۔ وہ آدی خود کو سمجھا
 نہیں سکا تھا۔ لائٹ کے پھونکنے کے لیے وہ بڑی طرح اڑتا
 ہوا پیٹنے کے پاس آکر۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر
 ایک طرف جا گئی تھی۔

جوزف نے لائٹ کو سمجھا لیا۔ یہ اس آدی سے
 جڑے ہر ایک مقرر کر سید کر دی۔ اس کی ایک ہی مقرر اس
 سے حق میں خطرناک ثابت ہوئی تھی۔ اس کے دل جانے لگتے
 دانت جھڑکتے تھے۔ اور کرناک پیٹ کے ساتھ وہ بے ہوش
 ہو گیا۔ اس کے بے ہوش ہوجانے کے بعد جوزف نے بڑی
 چھری کے ساتھ دو تھپائی لائٹ کو قبا میں کر لیا۔ اس نے
 لائٹ کا کھنکھارہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔ پھر وہ ٹھٹھوں کے بل جھٹک
 کر اس آدی کو دیکھنے لگا جس کے منہ سے بھل بھل خون نکل
 رہا تھا۔ اس کی گردن ایک طرف دھکی ہوئی تھی جو جوزف
 نے جھٹک کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔
 صرف بے ہوش ہوا تھا۔

جوزف نے جھٹک کر دونوں ہاتھوں سے اس آدی کو
 اڑے اٹھا لیا۔ اس کا وزن اس کے لیے ایسا ہی تھا جیسے
 اس نے کوئی معمولی چیز اٹھائی ہو۔ وہ اسے اسی طرح اٹھائے
 ہوئے عرصے کے ریٹنگ تک آ گیا۔ پھر اس نے اس کے ہوش
 جسم کو عرصے پر ڈال دیا۔ وہ اسے سمندر میں پھینکے گا۔ ارادہ
 ترک کر چکا تھا۔

جھٹک اسی وقت جزیرے کی طرف سے ایسا شور مچنے
 لگا جیسے ہزاروں ہمدردیں جھینے لگی ہوں جو جوزف اندھیرے
 میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جزیرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس
 کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک یہ کیسا شور شروع ہو گیا
 ہے۔ اس نے ٹو لیاں چلنے کی آواز سنیں۔ یہ تو لیاں اتنے
 نواز سے ساتھ چل رہی تھیں جیسے کسی دشمن فوجوں نے اس
 جزیرے پر حملہ کر دیا ہو۔ بات صرف یہیں تک نہیں رہی
 تھی بلکہ ان ہنگاموں کے بعد جزیرے کے درمیان سے
 آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دکھائی دیے۔ نئے شعلے
 آگ کے بلند تھے جیسے بہت زبردست آگ لگی تھی۔ اس
 آگ نے پورے جزیرے میں آجالا سکر دیا تھا۔

”ادھا گا۔“ جوزف بڑبڑایا۔ ”میں یہ آگ کاسینو میں
 تو نہیں لگتی ہے۔“

لیکن اس کے سوال کا جواب دینے والا کوئی بھی نہیں
 تھا۔ ساحل دیران تھا اور ساحل سے بڑے جزیرے کے

میں وسط میں ہنگامہ ہر اٹھارہ ایسا ہنگامہ تھا جس نے
 ساحل سے انکر سمندر تک کو اپنے کپڑے میں لے لیا تھا۔
 اسی موقع پر جوزف نے غصوں کہا کہ عرصے پر مہا ستر ہوا آدی
 کلہاڑے لگا تھا۔ اسے ہوش آنے لگا تھا۔ جوزف ساحل کی
 طرف سے دھیان ہٹا کر اس آدی کو دیکھنے لگا۔ پھر کچھ عرصے
 کراس نے اپنی رائفل اٹھائی اور لائٹ کے کہیں نہیں آ گیا۔ پھر
 واپسی نہیں اس کے ہاتھ میں پانی کی ایک بوتل تھی۔ اس نے
 پانی کی وہ بوتل اس آدی کے منہ سے لگا دی۔ اور کچھ پانی
 اس کے چہرے پر چھڑک دیا۔

وہ آدی کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے منہ میں ابھی تک خون
 بھرا ہوا تھا۔ جوزف نے وہ بوتل اس کی طرف بڑھادی اور
 اس آدی نے بوتل اپنے منہ سے لگائی اور وہیں عرصے پر
 پانی کرنے لگا۔ اس طرح اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی اور
 اس نے کسی حد تک اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا۔ وہ کسی دسی دسی
 طرح کھڑا ہوا اور ریٹنگ کے پاس آ گیا۔ یہاں آکر اس نے
 دو جاگہری گہری سانسیں لیں۔ پھر اچانک چونک کر جوزف
 کو دیکھنے لگا۔

”یہ شور کیا ہے؟“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”لگتا ہے
 بہت بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔“

”میں بھی بہت حیران ہوں۔“ جوزف اس کے قریب
 پہنچ کر بولا۔ ”لیکن تم میرے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا؟“
 ”بس کیا بتاؤں۔“ اس نے زور سے اپنے سر کو جھٹکا
 دیا۔ ”بس ساحل پر جانے کا جنون سوار ہو گیا تھا مجھے۔ پر مجھے
 نہیں معلوم تھا کہ تم اس طرح مجھ پر قابو پاؤ گے۔“
 ”خیر فارٹ اٹ۔“ جوزف نے اس کے شانے پر پھینکی
 دی۔ ”ہم تیرے کو ایک بات بتانا ہے۔ ہم نے اپنی ہول لائف
 میں جیسی کسی برے رسم نہیں کھائی۔ کسی برے رسم نہیں کھایا۔
 جب تم بے ہوش پڑا تھا تو ہم تیرے کو اڑا کر سمندر میں
 پھینکنے والا تھا۔ پھر کچھ دھیان آ گیا۔ ہم سوچا کہ جس کو ہم سمندر
 سے نکالا تھا اسے سمندر میں ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ بس یہ
 سونے کرک لگا۔ خیر اب یہ سوچو کہ تیرے کو کیا کرنا ہے ساحل
 پر جانا ہے تو چھوڑ آئے۔“

”نہیں۔ میں اب وہاں جا کر کیا کروں گا۔“ اس نے
 کہا۔ ”وہاں تو کوئی زبردست گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔“
 ”تو پھر میرے ساتھ مہا ستر چلو۔ قبول ہوا تو اس تجوی

کو یہ سارا اثر بڑی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔“
 اس آدی نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ کسی سیلی کا پٹر کی آواز

کنے لگی۔ ان دونوں نے جو تک کرا اور لگا میں جماریں تھیں۔ ایک پہلی کا پڑ ڈنگنا ڈالنا ہوتا ہوا جھانک کر طرف جاتا تھا۔
 ”اوہ گاڈ! جوزف بڑا بڑا میڈن پیرڈو کا بیٹی کا پڑ معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے سالانہ تجویزی سے کہ جہاں تک رہا ہے۔
 ”ہاں! اس آدمی نے بھی گردن بلادی۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تو ہم اس سے کچھ چلتا ہے۔ دیکھتا ہے یکس طرف جانے گا۔ ادھر تو ایسا لکھتا ہے جسے پہلی کا پڑ کو گولی لگ گیا ہے یا اس کو اڑانے والا دارو پی کر اڑا رہا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ سالانہ سمندری میں گر پڑے۔
 وہ آدمی کچھ نہیں بولا وہ اڑتے ہوئے پہلی کا پڑ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا جوزف نے اچانک لائی کا انجن بھی اشارت کر دیا۔ لائی نے مڑنے سے لیے ایک طویل چیز نکالا اور پوری رفتار سے پہلی کا پڑ سے پیچھے دوڑ پڑی پہلی کا پڑ بہت آگے جا چکا تھا۔ لیکن جوزف جانتا تھا کہ اس کا پڑ جہاں تک پہنچ کر اس طرف ہے۔ اور وہاں پہنچ کر وہ پہلی کا پڑ اس کی زنگ ہول سے بچا نہیں رہے گا۔ اس کے دل سے اس وقت پیرڈو کا خوف بھی ختم ہو چکا تھا۔

”رک جاؤ! پیرڈو چلا جائے۔“
 ماتھر نے ٹھکر بھی ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ گولی نے مشین گن کا رخ دوڑتے ہوئے ماتھر کی طرف کر دیا۔ لیکن داور نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”رہتے ہو، اگر پیرڈو روکھ کھتا ہے تو تمہیں گولیاں مٹانے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”لیکن وہ تجویزی۔“ گولی نے پہلی کا پڑ کی طرف اشارہ کیا۔
 ”کیا تم تجویزی کو جھوٹو کہہ چکے جاؤ؟“
 ”یہ اپنی اپنی قسمت ہے گولی۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ جو پیرڈو ہاتھ آ کر نکل جائے، اس کے لیے پریشان نہیں ہوا کرتے۔

ماتھر اس دولن پہلی کا پڑ تک پہنچ چکا تھا۔ وہ سب اسے بڑی حیرت اور دل چسپی سے دیکھ رہے تھے۔ پہلی کا پڑ کے پاس پہنچ کر وہ رکا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔
 ”پیرڈو جھوٹ کہتا ہے۔ اس پہلی کا پڑ میں ایسا کوئی۔۔۔ سسٹم نہیں ہے۔ یہ دولت اب میری ہے، اسے مجھ سے کوئی۔۔۔“
 لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ ٹھیک اس وقت

بم بھٹ پڑا تھا۔ اس پہلی کا پڑ کو دفعتاً نشانوں نے گھیر لیا تھا۔ ایک ایسا نور دور جا کر ہوا جس نے اس پر سے غلطے کو لرزاکر رکھ دیا۔ وہ سب کے سب پتھر میں زمین پر گر پڑے تھے۔ جلتے ہوئے پہلی کا پڑ کے ٹکڑے اڑتے ہوئے بہت دور دور تک گئے تھے۔ وہ اتنا طاقتور تھا جس نے ڈا سی دیہ میں اس پہلی کا پڑ کو جھوٹے کے ڈھیر کا مانند بکھیر کر رکھ دیا۔

گوئی ختم ہوئی وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماتھر کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ کچھ بھی نہیں رہا تھا قسبی پہلی کا پڑ اس کے اندر رکھی ہوئی دولت اور دولت کی ہوس میں بسا ہوا ایک ایسا انسان جس نے خون شام کا روپ اختیار کر رکھا تھا۔ موت ایک ہی جھٹکے میں لے اپنی گرفت میں لے کر اڑ گئی تھی۔ اب وہاں سناٹا تھا۔ ہر طرف پھیل ہوئی پہاڑیاں تھیں۔ اور ان پہاڑیوں کے درمیان کچھ ایسے لوگ تھے، جن کی بساط الٹ چکی تھی۔ جو حیرت کر بھی مانگتے تھے۔
 داور اور اس کے ساتھی سائلے کے عالم میں کھڑے تھے۔ پیچنگ پیرڈو رہنے والے کے بعد بھی جیت لی تھی۔ وہ خود تو تباہ ہو گیا تھا لیکن اس نے کسی اور کو بھی کچھ حاصل نہیں کرنے دیا تھا۔ وہ اس وقت دشمنوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہونے کے باوجود بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

”گیم کھلاں ہو گئے۔ استاد! عمل نے ایک مرد آہ بھر کر کہا۔“
 ”تقریباً پچھتر سال کا ایک کرس کو سنا گیا۔ سالانہ اڑن کھولائیں ٹھاک ہو گیا، کیا سالانہ کا نصیب میں کچھ اور خوار کی کھٹا ہے۔“
 ”سالانہ ٹھیک ہوتا ہے۔ داور نے بھی بھانپا تھا، افسوس کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ اپنا کا نصیب ہی کھٹا ہے۔ اپنی دولت کے پیچھے جھگڑ رہے ہیں اور سالی دولت راکٹ کے مالک آگے نکل جاتی ہے۔“
 ”یہ بڑے سالی دولت اور زندگی۔ دونوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ہے۔ کیا؟“

”اب بتاؤ، میرے ہاتھ میں کیا سوچا ہے تم نے؟ پیرڈو نے دریافت کیا۔ کیا کرنا چاہتے ہو تم؟“
 ”تمہارا معاملہ یہ ہے کہ میں نے ایک شخص سے وعدہ کیا ہے۔ داور نے بتایا۔ اس نے کہا تھا کہ پیرڈو کی ساری دولت تمہارے لینا اور پیرڈو کو میرے پاس لے آنا۔ اب دولت تو میرے پاس ہے پہلی کی۔ یہ میرا نقصان ہے۔ لیکن میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ کیونکہ یہ میرا وعدہ ہے، سمجھ گئے؟“
 ”ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی لیکن وہ آدمی کون ہے؟“

داور نے اسے بتانا چاہا کہ کسی طرف سے ایک گولی چلی ہو سکتی ہوئی اس کے کان کے پاس سے گزر گئی۔ بس وہ بال بال بڑک گیا تھا۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس نے خود کو زمین پر گر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی بڑی جھرتی سے اس کی تقلید کی تھی۔ پیرڈو بھی زمین پر گر پڑا تھا۔ اس ایک گولی کے بعد دوسری گولی آئی اور داور کے سامنے زمین میں ہلکے دھن دھن گئی۔ یہ گولیاں ایک بڑے سے پتھر کے عقب سے چلائی جا رہی تھیں۔ اور اس نے یہ محسوس کر لیا کہ اصل ہدف وہی تھا۔ کیونکہ گولیاں اسی کے آس پاس گری تھیں۔ اس کے ساتھ اور لوگ بھی زمین پر پڑے ہوئے تھے لیکن گولیوں کا رخ ان کی طرف نہیں تھا۔ گویا کوئی بھی تھا وہ اسی کو مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک کوئی پیرڈو اس کے قریب آ کر گر گیا۔ وہ اسٹیپل گن تھیں جو کالو نے اس کی طرف اچال دی تھی اسٹین گن اٹھا لینے کے بعد داور نے اسے پتھر کی طرف گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے دیکھا کہ عبدال ریگنا ہوا بڑی احتیاط سے کسی طرف چلا جا رہا تھا۔ وہ کسی گروٹ کی طرح پڑائی زمین پر۔ ریگن رہا تھا۔

سامنے کی طرف سے کچھ گولیاں اور چلیں اور پیرڈو اچھل پڑا۔ وہ بہت دور نکلنا نہیں چتا تھا۔ گویا اس کی کہانی بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ شخص جسے بہت پسند کرنا چاہیے تھا اسے اب موت ہی تھی۔ پہلی کا پڑ کا ڈھانچہ ابھی تک جل رہا تھا اسی لیے اور گرد و اچھی خاصی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور شاید اسی روشنی کی وجہ سے پیرڈو کو نشان بنانا ناممکن ہو سکا تھا۔ داور کو اس بات کی بھی پوری تھی کہ اس روشنی میں چلے گیٹا ہو ایک طرف جا رہا تھا لیکن گولیاں اس طرف نہیں جا رہی تھیں اور دوسری حیرت کی بات یہ تھی کہ پیرڈو کو گولی لگنے کے بعد۔ گولیوں کا سلسلہ اس طرح ختم ہو گیا تھا جیسے اصل نشانہ داور نہیں بلکہ پیرڈو ہو۔

پھر اس بڑے پتھر کے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔
 ”اوہ، ہم اب گولی نہیں چلائے گا۔ ہم اور تمہارا ساتھی باہر آ رہا ہے۔ خدا کے لیے ہم پر گولی مت چلاانا۔“
 داور اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ ہوسکتا تھا کہ یہ سب اسے دھوکے میں رکھنے کے لیے کہا گیا ہو لیکن اگر ایسی بات ہوتی تو خود وہ آدمی پتھر کے عقب سے آنے کی بات نہیں کرتا۔ اس آواز نے دوبارہ یقین دہانی کرائی اور داور نے جرح کرنے کے ساتھ گولیاں چلانے سے روک دیا۔ اس کی آواز سن کر عبدال بھی رک گیا تھا۔ اب وہ سب اس بڑے سے پتھر کی

طرف دیکھ رہے تھے جس کے عقب سے وہ آدمی ہاتھ اوپر اٹھاتے۔ باہر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایک درم دار نفل تھی، اس نے اسی نفل سے گولیاں برساتی تھیں داور نے اس گولیاں کی آواز کو پہچان لیا تھا۔ وہ وہی شخص تھا جس سے ہمارے کچھ ایک بازار میں اس کی لڑائی ہوئی تھی۔ اس شخص نے قریب آ کر اپنی نفل ایک طرف جھینک دی۔ اب وہ خالی ہاتھ ہو چکا تھا۔ داور اور اس کے ساتھی بھی یہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”ہم نے سارا ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس آدمی نے قریب آ کر کہا۔ ہم کو اس آدمی کو مارنا تھا۔ اس نے پیرڈو کی طرف اشارہ کیا۔ ہم تم پر گولیاں نہیں چلا دیتا۔ باقی گاڈ! ہم کو تم سے بھی دشمنی ہے اور اس آدمی سے بھی لیکن دونوں کا معاملہ مل گیا ہے۔ یہ ڈر نہیں کسی کو لگاؤ تاہیں تھا، چوکی سے مانتا تھا۔ اس لیے ہم بھی اس کو جوڑی سے گولی مار دیا۔ ہولی کرائسٹ، ہم کو معاف کرے، لیکن ایسا آدمی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اور تمہارا معاملہ دوسرے، تم ہم کو پیٹنے سے مارا تھا، اس لیے ہم تم کو لڑائی کا چیلنج کرتا ہے، ایک بار پھر تمہارا فائنٹ ہوئیں گا۔“

”تم کچھ بالکل معلوم ہوتے ہو۔ داور نے غصے سے کہا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے میرا کتنا بڑا نقصان کر دیا ہے۔ میں اس آدمی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔“
 ”یہ ہم کو نہیں معلوم۔ ہم کو تو اس دولت سے بھی کچھ نہیں لینا تھا تو اس پہلی کا پڑ کے ساتھ فتنش ہو گیا۔ ہم دوسرے مارنے کا آدمی ہے۔ ہم دل میں آج چلا لیا تو اس کو سمندر بھی بچھلنے کو نہیں سکتا۔ ہم پہلی کا پڑ کو دیکھ کر بیان رہ گیا تھا کہ تم تمہارے ہی لیے لائیے کہ کالام کی طرف گیا تھا۔ ہم تم سے فائنٹ کرنا مانگا تھا اور ابھی پھر فائنٹ کرین گا۔ بولو تم تیار ہے یا نہیں۔ تم اپنے آدمی لوگ سے بتادو کہ وہ الگ ہو جائے۔“

داور چند لمحوں تک اپنے ہونٹوں کو جھینپتے ہوئے اس آدمی کی طرف دیکھتا رہا جس نے آکر اس کا کھیل لگا رکھا تھا۔ پہلے خود پیرڈو نے پہلی کا پڑ اڑا کر ساری دولت خاک کر ڈالی تھی اور اب اس آدمی نے پیرڈو کو ہلاک کر کے اسے خالی ہاتھ کر دیا تھا۔ یہ ہم کو سراسر ناکام ہو گئی تھی۔ کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو نشانہ مانے کو اس کے ہاتھ کا ایک ایک جوڑ بھل جائے۔ یہ آدمی خواہ وہ ہی اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ پہلے بھی یہ شخص بازار میں اس کی جان کو اٹھایا تھا اور اب لڑائی کے لیے اسے چیلنج کر رہا تھا۔ گویا

اسے اب ایک ایسی جنگ لڑنی تھی جو بے سود تھی، اگر وہ اس میں جیت بھی جاتا تو کیا ہوتا؟^۱

”ہیں کو بھی تھوڑا اور ورزش کرنے دو اسٹوڈنٹ“

اچھے کران دو دنوں کے پاس آگیا۔ مارا ماری تو سب لاپٹن بھی کر سکتے۔^۲

گیا۔ اس کا جیمہ غیر متوازن ہوا اور داور نے اس کے بڑے
 گھونسلہ رسید کر دیا جو فو ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کے گھونسلے
 داور نے جست لگائی اور اس کے سینے پر سولہ ہونے کی
 شش کی لیکن ابیسی وقت ہنزف نے گروٹ بدل لی کہ وہ رکھنا
 اچھہ دور چلا گیا تھا۔ داور اپنے ہی زور میں زمین سے ٹکرا
 با۔ داور نے اٹھنے میں کچھ دیر لگا لی تھی، ابیسی دیر میں ہنزف
 شجیل کر اس پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس نے داور کے شانے پر
 رو اور اٹھ کر رسید کر دی تھی، اس ٹھوکر نے داور کے شانے
 کو سن کر دیا تھا۔ جوزف نے دوسری ٹھوکر لگائی چاہی لیکن
 داور نے کسی دیکھی طرح گروٹ لے لی تھی جو فو کا داور خالی
 یا اس کی ٹانگ ہو ایں ہل کر رہ گئی اور داور نے ہنزف
 عین ناف کے نیچے ایک ٹھوکر لگا دی۔ اس کا پیر جیسے اس
 کی ناف کے نیچے چھس گیا تھا، یہ آخری داؤ تھا۔ اس کے
 ہنزف میں کھڑے رہنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ وہ
 کچھ کچھ لہرا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ یہ اس جنگ کا آخری مرحلہ ثابت
 ہوا تھا۔

داور کھڑا ہوا اور اس نے انتہائی غصے کے عالم میں اس شخص کو دھتک کر رکھ دیا۔ چند لمحوں تک جو توفانی آوازیں گونجتی رہیں، چھڑا ہستہ آہستہ آہستہ وہ آوازیں دم توڑتی چلی گئیں۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

مینا گھر پر اکیلی تھی۔ دھرم داس کہیں گیا ہوا تھا اس کے کبھی اپنے شوہر کے معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شوہر بہت مصروف آدمی ہے۔ اس کے کاؤنٹر بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف رستم کی خوف کی تلواری بھی اس کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔ وہ رستم کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ رستم کی بھالی طرح دھرم داس کے اعصاب سے جڑ گیا ہے۔ رستم نے دھرم داس کو اپنے قبضے سے آزاد کرنے کی ایک شرط رکھی ہے کہ دو اور پیڑروکے جواخانے کو لوٹ کر پیڑروک کو اپنے ساتھ لیتا آئے۔ یہ کام رستم نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے دھرم داس کے ذریعے مینا پر زور دے لیا تھا۔ اور مینا نے دو اور کو اس مشکل مہم کے لیے رضا مندر کیا تھا۔

دینا اور ہی کے قصور میں بھیجی مٹی کے درم و اس اپنی
 اور سنا ہوا گھر میں داخل ہوا اس کے ساتھ دو آبی اور
 بھی تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ درم و اس اپنے گھر میں دینا کو
 سامنے بیکری کو لے آیا تھا۔ وہ دونوں شکل صورت سے
 باہر بھی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کی وضع قطع ایسی
 تھی جو دنیا کے لیے نئی نہیں تھی۔ وہ اس قسم کے آدمیوں
 کو بپا پتی تھی۔ یہ دونوں صورت سے غلط طور و قاتل
 معلوم ہوتے تھے۔

سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ خود دوسرے اس کے پیو
 دیے ہوئے تھے۔ وہ اس سے پہلے مسکراتا ہوا اس کے پاس
 آتا تھا لیکن آج اس کے چہرے سے خشونت ٹپک رہی تھی۔
 اس کی آنکھیں ششے برساتی رہی تھیں۔ اس نے ہونٹوں کو بھیجنے
 کرکھا تھا۔ جس کی دھڑ سے اس کا بیروت پھرہ اور بھی بدلتا
 ہو گیا تھا۔
 مینا کے دیکھ کر حسب معمول جلدی سے کھڑی ہو گئی۔
 لیکن آج زہ زہلے کیوں اس کا دل زہ زہ زہ سے دھڑک رہا
 تھا۔

”کیا یہی وہ لوگ ہیں جو سیدناؑ نے ان دونوں میں سے ایک نے مینا کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی بڑی اونچوں والا آدمی تھا۔“

”ہاں ویہی ہے۔“ دھرم داس نے نفرت بھرے انداز میں ہونٹ اور سیکڑے پر یہ آج کل میری دھرم پتی ہے۔“

”کیا بات ہو گئی ہے؟“ مینا نے پوچھا۔ یہ آپ کی کیا کہہ رہے ہیں؟ کون ہیں یہ لوگ؟“

”تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟“ دھرم داس نے مینا کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

میں میں چھپنے والی کون سی بات ہے۔ آپ میرے پتی ہیں۔ آپ نے ہی مجھے یہ عزت دے لی ہے، یہ گھر دیا ہے۔
 لیکن تمہارے عاشق نے مجھے کیا دیا ہے؟ وہ کون سا غصے سے دھاوا؟ اس نے میرے ساتھ وہ کھوکھلے اور تھیں اس دھوکہ کا بدلہ لینا ہو گا؟
 کیا کہہ رہے ہیں آپ؟۔ مینا کا چہرہ رفتی ہو گیا تھا۔
 کون کا عاشق۔ کس کی بات کر رہے ہیں؟۔

”وَلَمْ يَنَالُوا“ ”ہم اس نے اسے مغلوب کیا میں نے“
 تمہیں کچرے سے اٹھا کر اپنے گھر کی زینت بنایا ہے میں نے
 تمہیں عزت دی، دولت دی حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا
 کہ تم مس کے لیے بے قرار رہو تھے۔ داور کے ساتھ بننا اکیسا
 ناظر ہے لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ اور تم نے بھی
 ایسا ہی ساتھ دیا۔ پھر مجھ پر ایک نصیب آگئی۔ رستم

یہ سچے پیچھے بڑا گیا۔ اس نے کہا کہ داور اس کے ایک دشمن کو
 پکڑ کر لے آئے تو وہ میرا بیچا چھوڑ دے گا، کہیں یہی بات
 ہے نا؟

”بالکل یہی بات ہے۔“ مینا دھکے پر بولی لیکن میں نے بھی ہنسنے کے ساتھ بہت کچھ کیا؟ اس نے اپنا ہوج بدل لیا تھا۔
دورنہ مجھ جیسی عورت تم جیسے آدمی کے ساتھ کہاں نباہ کر سکتی ہے۔ میں نے تنہا کے کہنے پر داد کو اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ وہ پیڑرو کو گھارے آئے۔ یہ سب میں نے کس لیے کیا۔ تنہا کے لیے، کیونکہ تم میرے بچے ہو۔“
”لیکن تمہارے داور نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔“ دھرم داس نے غصے سے کہا۔

”دھوکہ نہ کیسا دھوکہ؟۔ وہ تو اجماعی واپس بھی نہیں آیا۔“
 ”کیوں نہیں آیا، اسے بھیجی میں آئے ہوئے چار دن ہو چکے ہیں اور وہ عبدال کے غلبہ میں جیسا بیٹھا ہے۔ جانتی ہو اس نے کیا کیا، اس نے پیڑرو کو مار ڈالا اور اس کی ساری دولت برقیضہ کر لیا۔ وہ دولت اس وقت اسی کے پاس ہے۔“

”داور ایسا نہیں کر سکتا“ عینا طرح کر لوی، وہ بزدل نہیں ہے کہ اس طرح منہ چھڑا کر بیٹھ جائے۔“

”یہ میں نہیں جانتا لیکن میرے آدھریوں کی خبر جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اور اب اگر تم مجھے اپنا سچی سمجھتی ہو تو تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا“

”تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“ عینا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”تمہیں داور کو اپنے ساتھ ایک جگہ لانا ہوگا“ دھرم داس نے کہا۔ ”جہاں میرے یہ دو دوست آدمی موجود ہوں گے“ اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ دو دوست داور کو کوئی مارکر ہلاک کر دیں گے۔ رستم اب اسی طرح میری جان چھوڑ سکتا ہے۔ ورنہ وہ مجھے مارنے لگا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ مینا بوکھلا گئی تھی۔ میں ’اور کو دھوکے سے کیسے لاسکتی ہوں۔ میں اپنے ہاتھوں سے اسے کیسے م وادوں۔ تم خود سوچو“

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی بات کی ہے، دھرمدا
 بہت دیکھا ہو گیا تھا۔ اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو میں یہ
 سمجھوں گا کہ تم معرت نہیں بلکہ صرف دھوکہ ہو۔ تم نے میری
 دولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے مجھ سے شادی کی ہے
 اب تم خود ہی سوچو کہ تمہیں اپنا پتہ کیا ہے؟ وہ داور اور
 تمہیں معرت ہو۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ مرے اور اس کے

دور میں دھرم کی کھائی بھی موجود ہے۔ تم تو میرے دھرم کی ہوا اور وہ مسئلہ ہے۔ کیا تم ایک مسئلے کے لیے اپنے بچہ کی بات نہیں مانو گی؟

مینا کا کہہ کر مٹی اس کا رنگ اور بھی زرد ہو گیا تھا۔ اس دھرم داس نے اسے غصے میں ڈال دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ یہ درست ہے کہ اس نے داور سے بے پناہ محبت کی تھی۔ کئی رحلوں میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ رہ کر زندگی اور موت کی بازی کھیل چکی۔ اس کی پریشانی اس نے اپنے دل پر محسوس کی تھی لیکن دور کی طرف دھرم داس نے اس سے شادی کر لی تھی۔ اسے اپنے گھر میں جگہ دی تھی۔ دھرم داس کا بیہوشانہ بہت تھا کہ اس نے اس جیسی ایک عورت سے شادی کی تھی اس کے علاوہ داور کا مستقبل کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ جیل یا پھر کسی طرف سے آئی ہوئی ایک گولی جو کسی بھی لمحے اسے زندگی کے میدان سے راز کو راستگی تھی۔ جبکہ دھرم داس نے اسے انڈیا فرڈا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اس نے مینا کو ایک نام دے دیا تھا۔ اپنا نام، وہ اب منور دھرم داس کہلاتی تھی۔ اس کا بچہ چاہا کہ وہ دھرم داس سے اقار کر لے۔ داور کو بہانے سے بلا کر ان دونوں کے تولے کر دے۔ وہ جانتی تھی کہ داور اس کے ایک اشلے پر ڈر رہا تھا۔ لگا کر دیکھو وہ اس پر بہت بھروسہ کرتا تھا۔ بھر وہ۔ نو کیا وہ اس شخص کو بلا کر ڈرنا سکتی تھی تو اس پر اتنا بھروسہ کرتا ہو۔ اور اس پر جو خانے کی طرف دھرم داس کے کہنے پر تو گیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا آدمی تھا جس نے ہمیشہ اپنی مرضی سے کام کیا تھا۔ کبھی دوسروں کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں چلائے تھے۔ لیکن مینا کے کہنے پر وہ بے خطر اس آگ میں کود پڑا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس ہم سے اس کی واپسی بھی ہوگی یا نہیں۔ لوراب اس کا پتی دھرم داس اسے اسی داور کو دھوکہ دینے کے لیے بھیج رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کے دماغ کی گرہیں بھی جھٹکتی گئیں۔ وہ دواستوں کے درمیان کھڑی کر دی گئی تھی کاٹھ دھرم داس نے ایسی شرط نہ رکھی ہوتی۔

”اب تم کیا سوچنے لگ گئیں؟“ دھرم داس نے اسے مخاطب کیا۔ لگتا ہے نہیں اپنی بیتی سے زیادہ اس آدمی کا خیال ہے۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے“ مینا نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تم اپنے ان آدمیوں کو ویسے ہی اس کی طرف کیوں نہیں بھیجتے۔ میری کیا ضرورت ہے؟“

”یہ بہت مشکل ہے۔“ دھرم داس نے اپنی موٹی گردن

ہلاتی۔ ”تم کو تو معلوم ہی ہے کہ وہ سالانہ خطرناک آدمی ہے وہ تو ان دونوں کی بچی بنا کر رکھ دے گا۔“

”آپ جس حکم تو دیں سیٹھ صاحب“ مونجھ والا۔

بے اختیار بول پڑا۔ شاید اس سے اپنی توہین برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔

”تم چپ رہو۔“ دھرم داس نے اسے چپ کر دیا۔ ”تم لوگ دوسرے شہر سے آئے ہو اس لیے داور کو نہیں جانتے۔ میں نے جو منصوبہ بنایا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے۔“ آنا کہ کر اس نے مینا کی طرف دیکھا۔ ہاں تو پھر تم کیا کہتی ہو؟

”ٹھیک ہے۔“ مینا نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں تمہاری مان لیتی ہوں۔ میں داور کو لے آؤں گی۔“

”یہ بات ہوئی نا۔“ دھرم داس نے بے اختیار مسکرا دیا۔ ”تم ایسا کرو ان دونوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ یہ لوگ شاید ایک پارک پر اتر جائیں گے۔ تم جانتی ہی ہو کہ وہ پارک کتنا ویران رہتا ہے۔ اس کے وسط میں پیل کا ایک بہت بڑا سا پٹر ہے۔ تمہیں شاید اس پٹر کے بلانے میں معلوم ہو۔“

”وہی پٹر تو نہیں جسے عاشقوں کا پٹر کہا جاتا ہے۔“

دینے پر چھا۔ وہ جانتی تھی کہ شیدا جی پارک کے وسط میں پیل کا ایک بڑا سا پٹر ہے جس کے تے پر ان گنت لڑکے اور لڑکیوں نے اپنے اپنے محبوب کے کام خود رکھے تھے، اسی لیے اس پٹر کو عاشقوں کا پٹر کہا جاتا تھا۔

”ہاں وہی۔“ دھرم داس نے کہا۔ یہ دونوں آدمی اس پٹر کے پاس جیسے ہوتے ہوں گے۔ اور تم داور کو کسی بہانے اس پٹر تک بلا کر لے آؤ گی۔ اب میں یہ نہیں جانتا کہ تم نے کس طرح لاؤ گی، کیا ہبانہ کرو گی، یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس کو وہاں تک لے آئیں تو میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہوتے ہیں۔ جاؤ، میں نے تمہیں زندگی کے پہلے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ تم کامیاب ہوئی ہو یا نا کام۔“

وینے تمہارا ہوا تو داور کے ساتھ ہی رہ سکتی ہو۔ چاہو تو واپس ہی نہ آؤ۔ یہ سب کچھ تم پر منحصر ہے۔ دیکھنا یہی ہے کہ تم کیا کرتی ہو؟

”میں ضرور آؤں گی“ مینا نے پر غم لہجے میں کہا۔ ”اور داور کو اپنے ساتھ بھی لاؤں گی۔ وہ میری بات ٹال نہیں سکتا۔ وہ ہر حال میں آئے گا۔“

دھرم داس ان دونوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ پھر دھرم داس کے کہنے پر مینا اس کی گاڑی بی بیجھ گئی۔ شاید داور کو پہلے ہی ہدایت کر دی گئی تھی کہ اسے کہاں لے جانا ہے جبکہ وہ دونوں بھی ایک جیب میں بیٹھ کر

اس طرف روانہ ہو گئے تھے۔ مینا جانتی تھی کہ یہ لوگ سواری پارک کی طرف گئے ہوں گے۔ دھرم داس اس کام دینے لگا۔ چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے مینا کو اسی وقت روانہ کر دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے مینا جس کشش میں مبتلا تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی شاید اس نے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کوئی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اور داور کو گاڑی کو پری تیز رفتار سے عبدل کے فلیٹ کی طرف دوڑنے جا رہا تھا۔

دونوں نے عبدل کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ بہت سی آنے کے بعد گولی اور کا اس سے آگ ہو گئے تھے۔ وہ دونوں بہت افسردہ اور دل شکستہ تھے۔ اس ہم میں کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ خالی جیب گئے تھے اور اسی طرح واپس آ گئے تھے۔ جبکہ عبدل ہمیشہ کی طرح اپنی ترنگ میں تھا۔ اسے دوا ہی نہیں تھی کہ وہ لوگ کامیاب لوٹے ہیں یا نا کام، اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اس کا یار داور اس کے ساتھ تھا۔ فلیٹ میں آنے کے بعد داور میں کا ہو کر رہ گیا تھا۔ عبدل نے اس کے لیے داور کا بندوبست کر دیا تھا۔ وہ دن بھر اس ہم کے بلے میں سوچتا رہتا۔ اسے سب سے زیادہ شرمندگی دینا سے تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح مینا کے سامنے جائے۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اس سے کسی کام کے لیے کہا تھا۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ اپنی پوری کوشش اور جان لڑا دینے کے باوجود وہ پٹری کو اپنے ساتھ نہیں لاسکا تھا۔ اس کی دولت بھی اس کے ہاتھ نہیں لگ سکی تھی۔ اٹا اس نے دھرم داس کی بھی خاصی رقم خرچ کرادی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہ ستم کو فون کر کے اسے صورت حال سے آگاہ کرے۔ اپنی ناگاہی اعتراف کرے لیکن نہ جانے کیوں اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اس کا یہ حال دیکھ کر عبدل بھی پریشان ہو گیا تھا۔ داور نے سمجھی تھی مایوسی میں دکھائی تھی۔

”تم تو اٹھا دلپ کار کا کامک دیو داس بن گئیلے تے تدا“

عبدل نے داور کا ایک ٹھوٹے کر کہا۔ ”تم بہت جلد اور چھل تھا استاد۔ دلپ کار بالکل تمہارا ناٹک ایڈنگٹ گئیلے تھا۔ خالی بولی پریشان ہونے کا کوئی بچاؤ نہیں ہے استاد، جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ابھی تو اٹھا جند کی پڑ گئیلے ہے۔ کھلا ہو گئیلے ہے کیا؟“

”نہیں یاد۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”ابن سالابکل مارا میری ہی ہوا۔ آتا لوگ بھی تڑک گیا۔ پھر بھی ہاتھ کچھ

نہیں کیا؟“

”تو اس میں ابن لوگوں کا کیا دوش؟“ وہ سالابکل رو ایک ٹمکے کا حلی تھا۔ سارے نے مرتے مرتے بھی اڑن کھٹولا زمین ٹٹاک کر دیا۔

”اس لیے تو اور بھی پریشان ہوں سوچتا ہوں مینا سے کیا بولے گا جا کر، وہ سالابہت بوم کرے گی۔ بڑا نظر ہو جائیں گا یار۔“

”تو اس طرح فلیٹ میں بند رہنے سے کام چلے گا کیا؟“

ابن لوگوں کے پاس تو فون بھی کھلا ہو گئیلے ہے۔ باہر نکلو، کچھ دھندہ سوچو۔ اپنے تے تو ایک دھندہ سوچ لیا ہے۔ بڑا جو دار دھندہ ہے۔ مجھا آئے گا۔ ایک دم سے چلا دھندہ ہے۔ اچھا کام شروع اور دھڑوٹ۔“

”ایسا کون سا دھندہ ہے؟“ داور نے اس کی طرف دیکھا۔

”ابن سالابکل اس سہلائی کر سں گا۔ عبدل نے کہا نہیں نہیں، ابن کو کھلمت سمجھنا۔ وہ والی لڑکیاں نہیں بلکہ کھلم کھنی والوں کو، کیا بولتے ہو۔ ایکڑ اسپلاٹرو ابن کا ایک جاننے والے نام تو پتہ نہیں کیا ہے لیکن سب لوگ اسے چھوٹے اس بولتے ہیں۔ سالابچوٹ کے مال پر جندہ ہے۔ تو اس چوٹ داس نے ایک جو دار آچھس بنایا ہے، زمینان روڈ پر۔ اس کا دھندہ بالکل سیٹ ہے۔ کوئی نظر نہیں۔ وہ دو چار ہینوں کے لیے یا تزا پر جارہیلا ہے۔ تو وہ سالابچھس میرے کوٹے کر جارہیلا ہے۔ بولتا تھا کہ جتنی اکھ ہو وہ سب میری وہ سالابک پانی بھی نہیں لے گا۔ وہ اپنی رکھیل بھی میرے تولے کرے جارہیلا ہے۔ اس کی رکھیل بھی سالابچوٹ کا مال معلوم ہوتی ہے، جھینس کی طرح موٹی۔ نئی نام ہے اس کا۔ آچھس کا باجوسی میں ایک کرہ بنا کر اس نے نئی کو رکھا ہو لیا ہے۔ سالابہت تری آدی ہے۔ آفس کا آفس اور گھر کا گھر، تو باس ابن تو یہ دھندہ سنبھالے جارہیلا ہے۔ تم بہت تک اس فلیٹ میں آرام کرو۔ اور جب کوئی کام کرے کوئی چاہے تو ابن کو فون کر دینا۔ اس سالے کے دفتر میں فون بھی ہے میں اس کا نمبر دے دیتا ہوں۔“

”کیا مطلب، کیا تم سالابا دھروا پس نہیں آئیں گے؟“

داور نے تیرت سے پوچھا۔

”کیا کرنا ہے، جب آفس اور گھر دونوں ساتھ ساتھ ہوں تو ادھر آنے کا کیا جروت، اور ویسے بھی کسی عیبت سے سبوا کر لے بہت قیم ہو گئیلے ہے۔ چلے وہ سالی کتنی

ہی موٹی ہو، آخر ہے ناعورت۔ کھانا تو پکا کر سے گی اپڑے
تو دھوا کر سے گی، کیوں ٹھیک ہے نا؟ اچھا اپن اب چلت
ہے۔ تم پر نمبر رکھ لو؟

تو اس طرح عبدل جھوٹ داس کے دفتر کا فون نمبر سے
کر چلا گیا۔ اور دونوں سے اور فیلڈ میں اکیلا تھا۔ ایسا
پوچھل بن اس نے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے دولت چاہیے
تھی، اس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ معاشرہ لوہے کی طرح تھا۔
اور اس لوہے کو دولت کے لوہے ہی سے کاٹا جاسکتا ہے۔

لیکن یہ دولت کہاں سے آتی ہے اس کے پاس سولہ آن پائس
ہزار روپوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا جو دیک میں رکھے ہونے
تھے۔ اور یہ پچاس ہزار روپے بھی کب تک اس کا ساتھ دے
سکتے تھے جیسی جیسے شہر میں تو نوٹ پر لگا کر ڈھالتے ہیں۔
اس نے دروازے پر دستک سنی اور بری طرح پوک
اٹھا۔ وہ اس وقت اپنے لیے گزرتے باورچی خانے میں کھسا ہوا
چلے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ عبدل نے اس پر سے
فلٹ کو کاٹا ڈھانکنا کر رکھ دیا تھا۔ برتن کہاں، اودھ چلے

کی پتی وغیرہ سس طرح، پیا لیا کہیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ بند
آواز میں عبدل کو برا بھلا کہتا ہوا چلے کے سامان کو کچا کرتے
میں مصروف تھا کہ اسی وقت دروازے پر دستک پڑنے لگی۔
اس نے چلے کی کشتی جو ہے اسے اتاری اور جلدی سے جا کر
دروازہ کھول دیا۔ مینا بھی حشر سامانیوں اور سبھی مسکراہٹ
کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے مینا کو دیکھ کر
اپنے ہونٹ بیکر لیے۔ اسے مینا کے آنے کی توقع نہیں تھی۔

کیا تم مجھے اندر آنے کے لیے نہیں کہو گے؟ مینا نے
مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور تم اس طرح کیا دیکھ جاتے ہو؟
"ہن سالانہ سے بہت۔" اور مینا نے اسے کچھ کہنا
چاہا لیکن مینا نے جلدی سے اسے ٹوک دیا۔

"مجھ سے یہ سوالیں جیسی زبان مت بولا کرو اس
نے کہا۔ "سیدھے انداز میں بات کیا کرو۔"
"اور تم مجھ کو گالیاں مت دیا کرو۔" اور نے مسکراتے

ہوئے بولا۔
"میں نے گالیاں دینی جھوٹ دی ہیں؟ مینا اب کرے
میں آگئی تھی۔ اور نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔
"کیا تم نہیں معلوم تھا کہ میں واپس آچکا ہوں؟" اور نے

سوال کیا۔
"ہاں۔ مجھے میرے شوہر نے یہ بتایا تھا۔" مینا نے کہا۔

اور اسی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

"مینا میں تم سے اور تمہارے اس موٹے دھرم داس سے
بہت شرمندہ ہوں۔ یہ ایک ایسی ہم تھی جس میں مجھے گالیاں
بھی ہوئی اور نا کامی بھی۔ میں نے بندر رو بھی قابو پا لیا تھا۔
اور اس کی دولت بھی میرے ہاتھ لگ گئی تھی۔ پھر دونوں
چیزیں میرے ہاتھوں سے نکل گئیں اور میں نا کام واپس آگیا۔
"لیکن دھرم داس کا یہ خیال ہے کہ بندر رو کو مار کر تم نے
وہ دولت حاصل کر لی ہے۔ اور اسی لیے تم اس کے پاس نہیں
آئے ہو۔"

"کیا تم بھی مجھے ایسا ہی سمجھتی ہو مینا؟" اور نے اس
کی طرف دیکھا۔

"اگر میں نہیں ایسا سمجھتی تو میں کبھی تمہارے پاس نہ آتی،
دھرم داس کے گھر سے نکلنے ہی کسی اور طرف چلی جاتی یا پھر
نہیں وہ سب کچھ نہیں بتاتی جواب بتانے والی ہوں؟
کیا مطلب؟" اور اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"
"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئی ہوں۔"
مینا نے کہا۔ یہ کام تو میں اس لیے کروں گی کہ اس کا حکم مجھے
میرے شوہر نے دیا ہے اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم وہاں
جاؤ کیونکہ میں نے تم سے محبت کی تھی۔ میرا اور تمہارا ساتھ بہت
پرانا ہے۔"

اور نے میز پر رکھی ہوئی ایک بوتل اٹھائی اور اسے منہ
لگا لیا۔ اس بوتل میں ٹھوڑی سی شراب بھی تھی۔ اس نے وہ
بوتل ایک ہی سانس میں خالی کر کے بوتل ایک طرف پھینکی اور
آستین سے اپنے ہونٹ صاف کرتا ہوا مینا کے قریب آگیا۔
"دیکھو مینا۔ میں بہت جاہل آدمی ہوں۔ تم سیدھی طرز
بتاؤ کہ کیا کر رہے۔ اس طرح گھبرا کر بات مت کرو۔"
"دھرم داس نے تمہیں ہلاک کرنے کیلئے دو آدمی وہاں
چھپائے ہوئے ہیں جہاں میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاتے
والی ہوں۔"

"اچھا؟" اور ہنس پڑا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی
مٹھیاں جھینگیں۔ اور اسی طرح ہنسنے ہنسنے صوفے پر بیٹھ گیا
"اب تم ہنس کیوں رہے ہو حور۔" مینا نے گالی دینے
چاہی پھر اپنے ہونٹ جھنجھکیے لیے۔ البتہ وہ بہت غصے سے
کو دیکھ رہی تھی۔
"اے گالی مت دینا۔" اور نے اپنی ہنسی روک لی تھی

تم عربی بھی ایک ٹکٹ میں دو ٹکٹے دکھا دیتی ہو۔ وہ ایک
دف نہیں اپنے بچی کا خیال ہے اور دوسری طرف میرا بھی خیال
ہے۔ تم اپنے بچی کے کہنے پر مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی
ہو اور اپنی محبت کی خاطر تم نے مجھے خطرے سے بھی آگاہ
کر دیا ہے۔ یار مینا، یہ تو بہت زبردست بات ہو گئی، بالکل
نئی کہانی کی طرح۔ اگر ایسی کوئی فلم بن جائے تو فرما آجائے۔
کیوں؟"

"اچھا اب اپنی بکواس بند کرو۔" مینا جھڑک اٹھی۔ میرا
بڑا مت اڑاؤ۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے، اب تم جانو اور
بتا کر کام۔"

"اوہو۔ اب منہ چلا کر مت بیٹھو، میں تمہیں دھرم داس
کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔ میں چلوں گا تمہارے
ساتھ، تم جہاں بولو گی وہاں چلوں گا۔"
"یہ جانے کے بعد کبھی کرواں۔" مینا نے حیران ہو کر
پوچھا۔

"ہاں یہ جاننے کے بعد بھی؟" اور بڑبڑا ہوا گیا۔ "میں
اپنے وعدے پر پورا نہیں اترتا ہوں اس لیے ٹھوڑی بہت تو
مزا بھی چاہیے۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دوں مینا مجھے
اس مسئلے سے ملنے میں گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا وہ موٹا
دھرم داس وہ نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے
کہ اس کا اصل روپ کچھ اور ہے لیکن ابھی تک اس کا کوئی
ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے بے نقاب کرنے کی کوشش
کرنے لگا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے کامیوں کو قابو
میں کر لیا جائے۔ یہ ایک اچھا موقع تھا آگیا ہے۔ مجھے کس
موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، کیوں ٹھیک ہے نا؟"
"اب تم مزے بازی چاہتے ہو تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا
ہے؟" مینا نے برا سامنے بتایا۔ "میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا
ہے۔"

"بھلا؟" بتاؤ، میں جانا کہاں ہے؟ اور کس طرح جانا ہے؟
"میں شادیوار پارک تک جاتا ہے۔" مینا نے بتایا۔ اس
وقت ہال سناٹا ہو گیا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ اس پارک کے
ایک درخت کے پاس لے چلوں گی، بس اس کے بعد میرا کام
تم ہو جائے گا۔"
"اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کبھی رستم سے تمہاری ملاقات
ہوئی؟" اور نے پوچھا۔
"کبھی نہیں، میں اس کے گھر میں شامل تو ہو گئی ہوں"

لیکن ابھی تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ اس
نے مجھ سے کوئی بڑا کام بھی نہیں لیا ہے۔"
"تو پھر آؤ چلتے ہیں۔" اور صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ "ان
بے چاروں کو زیادہ دیر تک انتظار میں رکھنا اچھا نہیں ہے؟
دھرم داس کی گاڑی نیچے ہی کھڑی ہوئی تھی۔ پھر وہ گرام
کے مطابق مینا کو خود گاڑی چلائی تھی۔ اسی لیے وہ ڈرائیور
مینا کو یہاں پہنچا کر چلا گیا تھا۔ مینا نے ڈرائیورنگ سیٹ بچھا
لی۔ جبکہ اور اس کے بلبریں پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس وقت
کچھ سوچ رہا تھا۔ مینا نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے مڑی
مرگ پر لے آئی۔ یہاں سے شیواجی پارک تک سیدھا

راستہ تھا۔
"وہ دونوں مست ہیں اور،" مینا نے کچھ حیر کے بعد اس
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بہت احتیاط سے کام لینا
ہو گا۔"

"میں ہمیشہ محتاط رہتا ہوں جان؟" اور مسکرا دیا۔ "لیکن
تم کسی دھرم پیتی ہو کہ بچی کے علاوہ کسی اور کی فکر کر رہی ہو؟
مینا کچھ نہیں بولی، وہ خاموشی سے گاڑی چلائی رہی تھی۔
شیواجی پارک اب قریب آگیا تھا۔ اس وقت رات ہو چکی
تھی۔ پارک کے باہر تو بجلی کے کھمبے لگے ہوئے تھے لیکن پارک
کے اندر گہرا اندھیرا تھا۔ شیواجی پارک کا بڑا گیٹ ڈھانکا ہوا
تھا اور اس کے درمیان سے ایک ٹوک گزر رہی تھی۔ یہ
مرگ اسی درخت کے پاس سے ہوتی ہوئی آگے نکل جاتی تھی۔
پارک کے گیٹ پر دو چار آدمی دکھائی دیے لیکن وہ اپنے
گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ رات کو اس طرف بہت کم لوگ
آگیا کرتے تھے۔

"بس اب تم مجھے نہیں اتار دو۔" اور نے مینا سے کہا۔
"کیا مطلب؟" مینا کا ہر بے اختیار ہر ایک پر بڑا اور
گاڑی ایک جگہ سے رک گئی۔ "کیا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا
ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں، کیا تم نے ان لوگوں کو متوجہ کرنے
کے لیے کوئی اشارہ مقرر کیا ہے؟"
"ہاں۔" مینا نے اپنی گردن ہلاتی۔ "مجھے کہا گیا تھا کہ جب
میں اس درخت کے پاس پہنچ جاؤں تو گاڑی کی روشنی ایک
بار بجھاؤں پھر چلا دوں۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک اشارہ ہو
گا۔ اور وہ تمہارے استقبال کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ تم اپنی گاڑی کی رفتار درست رکھنا۔" اور

نے کہا: "اور درخت کے پاس پہنچ کر اسی طرح اشارہ دینا جس طرح تم سے کہا گیا ہے۔ وہ لوگ گاڑی کی طرف متوجہ رہیں گے اور میں اتنی دیر میں ان کے پیچھے پہنچ جاؤں گا۔"

یہ بات ہے، "میتا مسکرتہ" اپنی ترکیب ہے، ٹھیک ہے اب تم گاڑی سے اتراؤ۔ میں اس کی رفتار دیکھ لیتی ہوں۔" ڈاؤنمینا کی طرف اشارہ کرتی رہا ہوں سے دیکھتے ہوئے گاڑی سے نیچے گیا۔ وہ مرگ سے اتر کر دائیں طرف چلی پڑی اس طرف پھرنے کے لیے لگا لگا گئے تھے۔ اور درمیان میں گھاس پھیل چلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی رفتار بہت تیز رکھی تھی۔ اس نے اس مشہور درخت تک پہنچنے کے لیے ایک مختصر راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ بارک اس وقت سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور لو جا رہا تھا کہ اس پارک میں ہونے والے واقعات کا کوئی گواہ نہیں ہوگا۔

وہ ایک طویل چکر کاٹ کر اس درخت کی پشت پر پہنچا تھا۔ اس وقت سناٹے میں گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی اور نہ ہی وہ لوگ تھے جن کے لیے مینا نے کہا تھا۔ شاید وہ دونوں مرگ پر لنگا ہیں، جائے اندھیرے میں کھڑے ہوں۔

اور اس درخت سے کچھ فاصلے پر خود بھی ایک درخت کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس وقت خود بھی اندھیرے ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔ ہانگ سے آتے ہوئے ان لوگوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ چھپتا ہوا اسلحہ مندر میں چھپکے دینا پڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ مہانگے سے سڑیل کے فاصلے پر ہندوستانی کو برہمن نے ان کے گرد گھیر ڈالا دیا تھا۔ وہ ان کی لالچ کی تلاشی لینا چاہتے تھے۔ اور اس وقت ان لوگوں سے مخالفت مول لینے کے حق میں نہیں تھا۔ اس لیے اس کی ہدایت پر سالار اسلحہ اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا گیا۔

اجانک مرگ پر کسی گاڑی کی سیٹلائٹس روشن ہوئیں پھر کچھ گئیں۔ اس کے بعد وہ سیٹلائٹس پھر روشن ہوئی اور اس اشارے کے ساتھ ہی پستل کے درخت کے اوپر سے دو آدمی کود پڑے۔ اس عمل کے بعد مینا نے گاڑی کی ہی نہیں تھی بلکہ ان کے بارے میں گڑبازی سے گئی تھی جبکہ وہ دونوں یوں ہو کر اس گاڑی کو دیکھتے رہ گئے۔ اور کے لیے اتنا ہی موقع بہت تھا۔ اس کی توقع کے مطابق وہ دونوں اس کے سامنے آگئے تھے۔

اس نے اپنا پستول سیدھا کیا اور گولی چلا دی۔ اس نے

ان میں سے ایک آدمی کے پیر کو نشانہ بنایا تھا۔ گولی گتے ہی وہ آدمی بری طرح اچھل کر ایک طرف جاگرا۔ وہ اتنی زور سے بھاگا تھا کہ اس پاس کے درختوں پر سونے ہوئے پرندے گھر گھر درختوں سے پرواز کئے۔ اس کے گرتے ہی وہ دوسرا آدمی جلدی سے مرگ پر لپٹ گیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک لکیر کھینچ گئی۔ یہ آدمی پوشیدہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ جاننا تھا کہ جب گولی چل رہی ہو، اس وقت جان بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

اور اس کے لیے ایک اور اچھی بات یہ تھی کہ اس آدمی کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس کے سامنے کوڑھی کسے والی گولی کس طرف سے چلائی گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اس کے لیے ایک الجھن یہ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ آدمی مرگ پر گرنے کے بعد اس کی نگاہوں سے اچھل ہو گیا تھا۔ سبیاہ مرگ اور سبیاہ رات نے اس شخص کو بری طرح پوشیدہ کر دیا تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کے مقام کا تعین کس طرح کرے۔ انھیں چھاپا پھانسا کر دیکھنے کے باوجود اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

بالآخر اس نے خود کو کچھ زمین پر گرایا اور کہنوں کے بل دھیرے دھیرے مرگ کی طرف رینگنے لگا۔ اس نے یہ نظارہ اس لیے اختیار کیا تھا کہ وہ آدمی اندھیرے کا حصہ بن چکا تھا اس کے علاوہ اس کے ہاتھ میں انٹینس ہتھیار تھا اور وہ رطانی بھڑائی کے فن سے واقف تھا اور داؤر جانتا تھا۔ انٹینس ہتھیار اگر بچے کے ہاتھ میں بھی دے دیا جائے تو وہ بھی ہانگ کو مار کر گر سکتا ہے۔ اس نے زندگی میں کبھی بھی دشمن کو نہ سمجھنے کی طاقت نہیں کی تھی اور شاید اسی لیے وہ اچھی لگ نہ رہا تھا۔ ورنہ اس کے ان گنت دشمنوں میں سے کوئی بچ اسے نہ جانے کب کا اپنے راستے سے ہٹا چکا ہوتا۔

اس نے رینگنے میں بہت احتیاط برتی تھی۔ اپنی ٹانگ روک لی تھیں۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ نہ اس آواز بھی پیدا نہ ہو سکے۔ اگر اس کے جسم کے نیچے کوئی پتہ آکر مل جاتا تو وہ کچھ دیر کے لیے بے سہارا سلیا رہتا۔ اس اندھیرے نے اس کا کام خراب کر دیا تھا۔ دوسرے آدمی کی چٹخیں اب آہستہ آہستہ کمزور پڑتی جا رہی تھیں۔ اور کو وہ آدمی بھی دکھا نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اس کی آواز یہ بتا رہی تھی کہ وہ کہاں آ رہا ہے۔ اور اور کو اس کی طرف سے ٹکر بھی نہیں سمجھا۔ اصل مشر تو اس کا تھا جس کے ہاتھ میں اس وقت ریلوے

تھا اور اس نے اندھیرے کے سمندر میں چھلا جی لگا دی تھی اور دو کی لنگا ہوں سے اچھل بھی ہو گیا تھا۔

مرگ اب اس سے بہت قریب تھی۔ وہ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی اس مرگ کو برہمنی دیکھ سکتا تھا لیکن اس مرگ پر اسے وہ آدمی نظر نہیں آیا۔ ہوسکتا تھا کہ داؤر کی طرح وہ بھی رینگتا ہوا بہت دور نکل گیا ہو یا ممکن تھا کہ وہ اس وقت مرگ کی پشت پر موجود ہو۔ اور اس کی چلائی ہوئی گولی اور کے جسم میں اثر نہ ہی والی ہو۔

پھر ایک گولی چلی۔ یہ گولی اس کے بہت قریب آ کر گئی تھی۔ اور کا خشر درست ثابت ہوا تھا۔ اس آدمی نے داؤر کی روشنی کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ داؤر کس جگہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور اسے کروٹ بدل لی۔ وہ لڑکھٹا ہوا کچھ دور ہٹ گیا تھا اور اسی وقت اس کے روگرداں اچھل گیا۔

یہ روشنی کسی گاڑی کی تھی۔ وہ گاڑی اس کی پشت پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ اس گاڑی کے سامنے لیٹا ہوا تھا۔ اور اس کے چند قدم کے فاصلے پر وہ دوسرا آدمی موجود تھا۔ اس گاڑی کی تیز روشنی نے ان دونوں کو اچانک ہی بے نقاب کر دیا تھا۔

داؤر نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ آدمی ہانگ گاڑی کی روشنی میں آنے کی وجہ سے بوکھلا گیا تھا۔ اس نے اسی بوکھلاہٹ میں اپنا ایک ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیا۔ اور اس نے داؤر سے اس پر بھی گولی چلا دی۔ اس گولی نے اس آدمی کو بھی بچھڑا دیا تھا۔ داؤر کو برہمنی نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی چلائی ہوئی گولی اس شخص کو کس جگہ لگی تھی۔ اور اس کے پاس یہ سوچنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ وہ آگ آدمی کی طرف سے ملٹن ہوئے ہی کسی سائب کی طرح پٹا اوڑھی وقت مینا کی آواز سنائی دی جو اسے گولی چلانے سے منع کر رہی تھی۔

"بس۔ بس۔ گولی مت چلانا، یہ میں ہوں۔"

مینا کی آواز اس کو داؤر زمین سے کھڑا ہو گیا دینا بھی گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آگئی تھی۔ وہ دونوں خنجر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سبیل شخص اب بے ہوش ہو چکا تھا۔ جبکہ دوسرا ہوش میں تھا۔ یہ بہت سخت جان معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ آیت میں ہونے کے باوجود اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ اور کی گولی اس کی بائیں ران میں گھس گئی تھی۔ یہاں سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا لیکن اس آدمی میں اتنی۔

قوت برداشت تھی کہ وہ بالکل خاموش تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔

"اب بسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالنے کا ہے؟" داؤر نے مینا سے کہا۔ "تم تھوڑا سا سہارا دو۔"

مینا نے اس کی ہدایت پر اس شخص کو سہارا دیا اور اپنی رائے سے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹا دیا۔ گاڑی میں اس کے بعد وہ بولے سے کہا تھا۔ پھر اس نے جلدی سے اپنے ہونٹوں کو لپٹے دانتوں سے بھیجنے لیا جیسے کوئی غلطی کر بیٹھا ہو۔ اور اس کا یہ حال دیکھ کر مسکرایا تھا۔ ان لوگوں نے اس دوسرے بے ہوش شخص کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اس طرح مرگ پر پڑا ہوا تھا۔

"اس دوسرے کا کیا ہوگا؟" مینا نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہونا لگتا ہے۔ اگر اس کی موت نہیں آئی تو زندہ رہے گا۔ ہوسکتا ہے کوئی اور سے گزے اور اس کی نظر پڑ جائے اور اگر موت آ ہی گئی ہے تو صبح تک مر جائے گا۔"

"اور اس کا کیا کرنا ہے؟" ہم نے کہاں تک اٹھائے پھر رہ گئے؟

"اس میں اپنے فلیٹ میں لے جاؤں گا۔" داؤر نے بتایا۔ وہاں اس کی سیدھا کر دوں گا۔ پھر بڑی عزت کے ساتھ اس کو رخصت کر دوں گا۔ ویسے تم کہاں سے چلی آئیں؟"

مینا یہاں سے گئی نہیں تھی۔ "مینا نے کہا: پھر وہاں جا کر مینا نے گاڑی روک دی تھی۔ پھر مجھے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے سمجھا کہ شاید ان دونوں میں سے کسی نے تم پر گولی چلائی ہے۔ اسی لیے صورتحال معلوم کرنے کے لیے آئی تھی کہ تمہیں زمین پر پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تم اندھیرے کی وجہ سے اس آدمی کو دیکھ نہیں پائے ہو۔ اسی لیے میں نے گاڑی اس طرح لاکھڑی کر دی کہ یہ آدمی روشنی میں آجائے۔"

"واہ! داؤر نے ایک گہری سانس لی۔ کبھی کبھی خود تو میں بھی غل اچھاتی ہے۔ تم نے اس وقت کمال کر دیا اور میں تو اس کو اندھیرے میں ڈھونڈتا ہی رہ جاتا۔"

"اچھا خاموش رہو۔ امینا جلدی سے بولی۔ "اب یہ سوچو کہ مر لیا ہے گا۔ دھرم داس کو تو معلوم ہو چکا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ دھوکا دیا ہے۔ تمہیں سب کچھ بتایا تھا۔"

"تو کیا ہوا، تمہیں کوئی سا زندگی بھر اس موٹے کے

ساتھ رہنا تھا۔ تم بھی تو اپنا نام پاس کر رہی تھیں؟
 مینا اس بار کچھ نہیں بولی۔ ان کی گاڑی اب شیواجی
 پارک کے عقبی حصے سے نکل کر ایک طویل چکر کاٹ کر مڑی
 ٹرک پر آگئی تھی۔ داور نے پیچھے مڑ کر اس آدمی کی طرف کیا
 اس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ ایسا لگتا جیسے وہ
 بھی بے ہوش ہو گیا ہو۔
 ”اس کو فلیٹ تک کیسے لے جائیں گے؟“ مینا نے پوچھا۔
 ”سب کے سب متوجہ ہو جائیں گے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔“ داور سنیں پڑا یہ اپنا
 یا عبدال بہت ترنگ کا آدمی ہے۔ سالا اس نے فلیٹ میں
 دن بھر اسی قسم کا ڈرامہ ہوتا رہتا ہے۔ لوگ بھی سمجھیں گے
 کہ چھوٹی بری طرح بی کر واپس آ رہا ہے۔ ہم دونوں اس کو
 اس انداز میں سہارا دے کرے چلیں گے کہ یہی معلوم ہوگا،
 جیسے نئے میں دھت ہو گیا ہو۔
 ”مجھے سہارا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ آدمی ہانک
 بولی پڑا۔ میں اپنے پیروں سے چل کر جا سکتا ہوں۔
 ”واہ میرے شیر۔“ داور نے مسکراتے ہوئے اس کی
 طرف دیکھا۔ تم تو یا بہت حوصلے والے آدمی معلوم ہوتے
 ہو، تمہارا نام کیا ہے؟“

”اشوک۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے
 کسی قسم کی نقابت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ تمام مجھے
 فلیٹ میں کیوں لے جانا چاہتے ہو؟“
 ”تم سے کچھ معلوم کرنا ہے۔“ داور نے کہا اگر تم
 ٹھیک ٹھیک بتا دیا تو پھر میں تمہیں جلتے کی اجازت دے
 دوں گا۔ ورنہ؟“

وہ آدمی کچھ نہیں بولا۔ اس نے پھر اپنی آنکھیں بند کر
 لی تھیں۔ داور کا فلیٹ مینا تھا۔ مینا نے عمارت سے کچھ
 فاصلے پر گاڑی روک لی۔ گاڑی کے رکتے ہی اشوک بھی اپنی
 نشست پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ داور نے سہارا دینے کے لیے اپنا
 ہاتھ آگے بڑھا یا لیکن اس نے انکار کر دیا۔
 مینا اور داور کے اترنے کے بعد اشوک بھی کراہتا ہوا
 نیچے آ گیا۔ اسے چلنے میں بہت دشواری ہو رہی تھی۔ اس کے
 باوجود وہ ان لوگوں کا سامنے سے رہا تھا۔ داور نے اس
 کی طرف سے اپنا دھیان ہٹا لیا تھا، جیسے اس کے نزدیک یہ
 کوئی خاص بات نہ ہو البتہ مینا کچھ پریشان سی دکھائی دے رہی
 تھی۔ وہ کبھی اپنی رفتار تیز کر کے داور کے ساتھ چلی گئی اور

کبھی اس آدمی کے ساتھ چلنے لگتی۔ اشوک نے ابھی تک اپنے
 ہونٹ بڑی مضبوطی سے بچھڑ رکھے تھے۔
 داور نے عبدال کے فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ اور وہ
 سب اندر داخل ہو گئے۔ داور نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔
 اس فلیٹ میں شراب کی بوتلی پڑی ہوئی تھی۔ داور جی خانے کے کمر
 سے بھی ایسی بدبو آ رہی تھی جیسے کوئی چیز مڑھائی ہو۔ کمر
 کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی فوج یہاں گھس آئی ہو مرنے
 لپٹے ہوئے تھے۔ اور فرش پر شراب اور تیلیں لڑھکتی تھیں
 رہی تھیں۔

”تم لوگوں نے اس فلیٹ کا کیا حال بنا رکھا ہے؟“ مینا
 نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایسا لگتا ہے جیسے کبڑی
 کی دوکان پر چلی آئی ہوں۔“
 ”اوہم صاحب!۔“ داور غصا۔ ”تم تو دو دن دھرم داس
 کے گھر رہ کر اپنی اصلیت بھول گئیں۔ چلو خاموش ہو کر ایک
 طرف بیٹھ جاؤ۔ لیکن اس سے پہلے ذرا اسے چاہئے کہ میری
 بچی تو کرو۔ اس گھر میں میری بچی کا پورا سامان موجود ہے۔
 ہم لوگوں کو اکثر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔“
 ”میں جانتی ہوں۔“ مینا نے اپنی گردن ہلاتی ”جاؤ۔
 جلدی سے لے کر آ جاؤ۔“

میرم بچی ہونے کے دوران وہ سب خاموش رہے تھے۔
 گوئی اس آدمی کی ران کے گوشت کو چھاڑتی ہوئی دوسری ران
 نکل گئی تھی میرم بچی کے بعد اسے ایک طرف ٹاڈا لیا گیا۔
 مینا چلتے بنانے کے لیے داور جی خانے کی طرف چلی گئی تھی۔
 اس کے چلتے کے بعد داور اس سے مخاطب ہوا۔
 ”تم اس شہر کے آدمی تو نہیں معلوم ہوتے؟“ اس نے

پوچھا۔
 ”نہیں۔“ اشوک نے جواب دیا۔ ”ہم دونوں کو پونا سے
 لایا گیا ہے۔“
 ”پونا؟“ داور کی آنکھیں جھلک اٹھیں۔ تو تمہارا تعلق پونا
 ہے۔“ اسے پونا کا نام سن کر کچھ یاد آ گیا تھا۔
 ”ہاں، کیوں؟“ کیا تم نے پونا دیکھا ہے؟“ اس نے

پوچھا۔
 ”تمہارے شہر پر میرا ایک قرض ہے۔“ داور نے کہا۔
 ”مجھے وہ قرض وصول کرنے کے لیے پونا جانا ہے۔ تم نے
 اچھا کیا یا بدلا دیا۔ ورنہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ تم یہ تازہ
 آج کل تمہارے شہر پر کس کی حکومت ہے۔ میرا مطلب ہے کہ

زیر زمین دنیا کا بادشاہ کون ہے؟“
 ”کئی نام ہیں۔“ اشوک نے بتایا۔ ”لیکن سب سے بڑا
 نام کرم چند ہے، کیا تم اسے جانتے ہو؟“
 ”بہت اچھی طرح۔“ داور کی آنکھوں میں پگھلائی دیکھنے
 لگی تھی۔ لیکن تم پونا سے کس طرح یہاں آ گئے؟“
 ”ہم بھی کرم چند کے آدمی ہیں۔“ اشوک نے کہا۔
 ”شاید اس شہر کا کوئی آدمی تم پر ہاتھ نہیں ڈال رہا تھا۔
 اسی لیے رستم سیٹھ نے کرم چند سے بات کی اور کرم چند نے
 ہم دونوں کو رستم سیٹھ کے پاس بھیج دیا۔ ہمارا منصوبہ بہت
 اچھا تھا لیکن تم نے ہم پر قابو پا لیا۔ خیر۔“

”رستم سیٹھ؟“ داور نے بے چینی سے پوچھ لڑا۔ کیا
 رستم سیٹھ سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہے؟“
 ”کیوں نہیں، اسی نے تو ہم دونوں کو اس وقت اپنی بیوی
 کے ساتھ تمہیں مارنے بھیجا تھا۔“
 مینا اس دوران چلتے بنا کر لے آئی تھی۔ وہ بھی ان
 لوگوں کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔
 ”کیا کہہ رہے ہو؟“ داور نے حیرت سے اس کی طرف
 دیکھا۔ ”نہیں تو دھرم داس نے جھپٹا ہے۔“
 ”یہ دھرم داس ہی تو رستم ہے؟“ اشوک نے مسکراتے
 ہوئے جواب دیا۔

”کیا؟“ داور چھل کر اٹھ کر ہوا گیا۔ مینا کی حالت بھی
 اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بھی یہ سن کر بہت حیران ہو
 رہی تھی۔
 ”تم کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔“ داور نے کہا۔ ”دھرم
 داس تو خود رستم کی وجہ سے پریشان ہے، وہ کہاں سے رستم
 ہو گیا۔“

”وہی رستم ہے۔ یہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔ میں پہلے بھی
 اس کے لیے دو چار کام کر چکا ہوں لیکن اس وقت یہ نہیں
 معلوم تھا اور اب میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے ہمیں والوں
 کو اپنی ہوا نہیں لگائی ہے۔ وہ ہمیں کے لوگوں سے فون پر
 باتیں کر رہا ہے۔ اپنے آپ کو چھیٹاتا ہے، وہ اس میں ابھی
 گھسا کا لیا ہے۔“

داور نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بچھن کر کمرے میں
 بیٹھنے لگا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی پھر ہوا شیر
 اپنے بچرے میں ٹھل رہا ہو۔ وہ اس وقت بہت بے قرار
 معلوم ہو رہا تھا۔

”میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔“ وہ مینا کی طرف دیکھتے
 ہوئے بولا۔ ”مجھے پہلے ہی اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ میں نے
 بھی تو اپنے کان بند کر رکھے تھے۔ میں نے جب تمہارے
 شور سے فون پر بات کی تھی تو اس نے خود کو رستم ظاہر کیا تھا۔
 مجھ اس کی آواز ہی نہیں پہچانی۔ ایسی غلطی مجھ سے کبھی نہیں
 ہوتی اور اب میری سمجھ میں سب کچھ آ گیا ہے۔ میں سب
 جان گیا ہوں۔ یہ دھرم داس کو تباہ و قوف آدمی نہیں ہے۔
 اس نے بہت دور کی پلاٹنگ کی تھی اس کی پیڑرو سے کوئی
 تھی۔ وہ پیڑرو سے اپنا کوئی پرانا بڑا لینا چاہتا تھا۔ وہ
 جانتا تھا کہ پیڑرو کو تباہ کرنے کا کام میرے علاوہ کوئی اور
 نہیں کر سکتا۔ اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ تمہارا میرا تعلق
 ہے۔ ہم دونوں میں کیسی دوستی ہے۔ اس نے تو بہت بڑی
 چال چلی ہے مینا۔ اس نے تم سے جو شادی کی تھی اس کا
 مقصد صرف یہ ہے کہ تم مجھ پر دباؤ ڈالو کہ میں دھرم داس کے
 لیے کام کرنے کو تیار ہو جاؤں۔ یعنی وہ اس طرح تمہارے ذہن
 مجھ پھانسا چاہتا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ میں اس کے لیے
 پیڑرو کے جو خانے کو تباہ کر دوں۔ تم سے شادی کے لیے
 اس نے تمہارے اغوا کا ڈرامہ رچایا۔ تم کو مینا کے تم کو
 اغوا کرنے اور تمہارے ساتھ زبردستی کرنے والا بھولا نا تھا۔
 بھی اس کا آدمی ہوگا، سمجھیں۔“

”بے جھگولان۔“ مینا نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو اس نے
 اتنا لمبا پوڑا چکر چلایا تھا۔“

”ہاں، وہ موٹا بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے مجھے
 بھی بے وقوف بنا کر رکھ دیا۔ اس نے مجھ سے پنا کا نام نکلوایا۔
 اسے معلوم ہے کہ میں پیڑرو کو اپنے ساتھ نہیں لے سکتا۔
 اور وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ اس کی دولت بھی میرے ہاتھ میں
 لگ سکی ہے۔ اس کے باوجود اس نے تم کو یہی بتایا کہ میں اسے
 دھوکے رہا ہوں۔ یہ سب کچھ اس نے بہت سوچ سمجھ کر
 کیا ہے۔“

”اگر وہ ایسا ہی آدمی ہے تو اس نے مجھے تمہارے پاس
 کیوں بھیج دیا۔ کیا اسے یہ ڈر نہیں تھا کہ میں تم سے مل جاؤں
 گی۔ اور یہ بتا دوں گی کہ دھرم داس نے تمہیں ہلاک کرنے کے
 لیے دو آدمیوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔“
 ”ہوں؟“ داور نے ہنگامی کی۔ یہ بات تو ہے۔ وہ اتنا
 بے وقوف نہیں ہے کہ تمہیں کسی خاص مقصد کے بغیر میرے

کرتا ہوگا۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا، یہ عورت اس کے عصا پر رسوا ہو گئی تھی۔ وہ اس طرف گہری نگاہوں سے دیکھتی اور عبدل کو بھلا کر رہ جاتا۔

عبدل نے یہ دو مین دن بڑی مشکل سے گزارے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ چھوٹک داس کے دفتر کو سنبھالنے ہی بدولت کی ریل پیل ہو جائے گی۔ لیکن ان تین دنوں میں اسے اپنی جیب سے رقم خرچ کرنی پڑ گئی تھی۔ اسے اپنے علاوہ اس کوئی کام بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔ چونکہ وقت میں انسا کھا جاتی تھی کہ جتنا عبدل ایک ہفتے میں کھاتا ہوگا۔ اس نے رنج پر سمجھ لیا تھا کہ اس قسم کے دھندے اس کے بس کا روگ نہیں ہیں۔ اس کے لیے تو بس مارا ماری ہی ٹھیک تھی۔ اس لیے وہ آج سب کچھ چھوڑ چھا کر بھگنے کی فکر کر رہا تھا کہ یہ انسپکٹر ان ٹپکا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ اس ہتھکنی کو اس انسپکٹر سے بچھڑا کر بھاگ لے گا۔

”ہائے عبدل“ غصے نے اسے دیکھ کر کھنکھاتی ٹھنڈی سانس لینا شروع کر دیں۔ یہ تم کچھ دیر میرے پاس بھی تو بیٹھا کرو۔ کیوں نہیں؟ عبدل نے جلدی سے اپنی گردن ہلائی۔ اپن تو نہیں چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ ماسک دل کرتا ہے کہ کھانا چند گنا کافی تیرے پاس رہ جاؤں، پرنو وہ سالہ قرض مانگنے والا بیچیا نہیں چھوڑتا۔ وہ بولتا ہے کہ ابھی میرے ساتھ چلو۔

”کون ہے وہ؟“ غصے میں اس نے آکر اٹھ بیٹھی۔ کون تم کو ایسا بولتا ہے؟“ دیکھ لو جا کر۔ عبدل نے کہا۔ ”وہ سالہ باہری بیٹھا ہے۔ اپنے آپ کو انکم ٹیکس کا انسپکٹر بولتا ہے۔ بوم مارنا ہے سالہ، بولتا ہے یا تو پیسے وہ یا پھر حساب کتاب دکھاؤ۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ساتھ چلو۔ اب اپن اس کے ساتھ چلا گیا تو سالہ ادیس نہیں آنے دیں گا۔

”اس کی تو ایسی تیشی“ غصے نے اپنے دانت پیسے میں ابھی اس کو جا کر دیکھتی ہوں، وہ سالہ کھر جلتے گا۔“ دھیان سے بٹا بادھیان سے۔ عبدل جلدی سے بولا۔ ”جیسا سنی گری مت کرنا۔ اپن جب تک اس مکرے میں ہے۔ تم جاؤ۔“

تمنی کسی ہتھکنی کی طرح جھومتی ہوئی اس مکرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد عبدل نے لیکر کو روانہ بند کر لیا۔ اس نے اس مکرے کی کھلی ہوئی کھڑکی کے راستے بھاگ لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ سامان نام کی کوئی بھی چیز

اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ غالی ہاتھ یہاں آیا تھا اور اسی طرح واپس جاتا تھا۔ وہ ابھی کھڑکی کے باہر پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ چھوٹک داس کا دھندہ کیسا بھی ہو، لیکن اس نے اپنے دفتر میں دو فون مگر کھے تھے۔ ان میں سے ایک فون دفتر میں تھا اور دوسرا اس کے لیے پہلے تو اس کا یہی جی چاہا کہ وہ فون سے بغیر کھڑکی سے باہر چھٹا لگا لگا ہے پھر کچھ سوچ کر اس نے ریسپونڈ بٹن دبا لیا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ داور کا فون ہو۔ اس نے داور کو فون نمبر دیا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف داور ہی تھا جو اسے برا بھلا کہے جا رہا تھا۔ ”اپن کو کیا معلوم باس کہ تمہارے ساتھ کیا غلام ہو گیا ہے۔“ عبدل نے کہا۔ اپن تو ادھر سے ویسے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس موٹی گواہ نے انکم ٹیکس انسپکٹر کے پاس بھیج دیا ہے اور خود کھڑکی سے چپ لگنے والا تھا کہ تمہارا فون آگیا۔ پر بات کیا ہے؟“

”تم فوراً فلیٹ پہنچ جاؤ۔“ داور نے کہا۔ تمہاری ضرورت ہے۔“ کوئی مال وال کا چکر ہے کیا باس؟“ ”مال تو ہم لوگ اب پونا جا کر حاصل کریں گے۔“ داور نے کہا۔

”پونا۔ پونا میں کیا کھینچا ہے۔“ ادھر بھی سالہ بال ٹھنکھن گواہ ہے۔“ وہ رقم بھول گئے ہو جو ہم لوگوں نے سوامی جی کے ہنڈ میں چھپائی تھی۔“ داور نے ایک پرانا حوالہ دیا۔

”ارے وہ۔ ماسک استاد، اپن کے منگے سے لکل گیا تھا۔ اپن ابھی آتا ہے۔ سالہ پونا میں بجا آجائیں گا۔ ابھی آتا ہے استاد۔“

عبدل نے اتنا کہہ کر ریسپونڈ کر دیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہونے لگی۔ دستک کے ساتھ ساتھ ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی جانور بھگا رہا ہو۔ عبدل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ انسپکٹر اور وہ موٹی دونوں ہی دروازے پر پڑے اور ہو گئے ہیں۔ اب اس کے پاس وقت ختم ہو گیا ہے۔ اس نے دستک کی پروا کیے بغیر کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر چھٹا لگا دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

داور فلیٹ ہی میں موجود تھا۔ عبدل نے اپنے اوپر گڑکا ہوئی لہانی سناپی جاتی گرداؤ سے اسے ٹوک دیا۔ ”تمہاری باتیں بعد میں سنوں گا بیٹے۔ یہ سن لو کہ ادھر کیا ڈرامہ ہو چکا ہے؟“ اتنا کہہ کر اس نے دینا کی ملاقات سے

لے کر اب تک کی ساری کہانی سنا دی۔ ”باب ہے۔“ عبدل نے اپنی آنکھیں نمائیں۔ ”تو یہ سالہ دھرم داس تو بہت چالو آدمی نکلا۔ سالہ خود ہی دھرم داس خود ہی رستم۔“

”مجھے اس وقت دھرم داس کی فکر نہیں ہے۔ مینا اور اس زخمی کی فکر ہے، وہ دونوں نہ جانے کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ کل رات بھی نہیں فون کیا تھا لیکن کسی نے ریسپونڈ نہیں کیا تھا۔“

”اپن سالہ اس وقت چھوڑی لوگ کا فونو دیکھ رہا تھا تھا۔ عبدل نے بتایا۔ اسی لیے ریسپونڈ نہیں کیا تھا۔ پر اصراری بات تو یہ ہے کہ تمہارا بیچہ لوگ کھر اڑ گیا۔ وہ لوگ تو سالہ زخمی تھا کھر چلا گیا۔ اور اس مینا کو کیا ہوا؟ پھر سالہ لوگ بلڈنگ سے باہر کیسے گئے؟“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ داور نے کونے میں پڑی ہوئی ایک بوتل اٹھا لی لیکن بوتل کو خالی دیکھ کر اس نے دھم بوتل دیوار پر سے ماری۔ بوتل کی کچیاں بکھر گئی تھیں۔ جی چاہتا ہے کہ اس بوتل کی طرح اس دھرم داس کی بھی۔ کچیاں کر دوں۔“

”تم پین کی ایک بات مان لو باس۔“ عبدل نے اس کی طرف دیکھا۔

”بولو کیا کہنا ہے؟“ داور اب صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس وقت بہت جھنجھٹا یا ہوا لگا رہا تھا۔ ”دیکھو باس، اپن جانتا ہے کہ تم اس وقت غصہ میں بھوت ہو رہا ہے لیکن جب جیب میں پیسے ہونا تو آدمی کو غصہ بھی نہیں آتا۔ اس وقت تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے باس، اپن سالہ ابھی ایک دم ٹوک لگا ہے۔ اس لیے میری مانو تو مینا اور اس آدمی کو کوئی مارو اور دونوں پونا چلتے ہیں۔ اس سارے کرم چند کے پاس اور اس مندر سے اپنا دولت لینے کے لیے۔ اپن کو بہت اچھی طرح یاد ہے۔ ادھر اپن کا پورا پورا لاکھ بٹا ہوا ہے۔ یہ پورا لاکھ بہت ہوتا ہے استاد، پورا ایک سال تک ہم عیش کریں گے۔“

”تمہارا خیال ہے کہ مینا اور دھرم داس کا معاملہ یوں ہی چھوڑ کر پونا چل دوں؟“ داور نے پوچھا۔ ”اور کیا۔ یہ سالہ بھٹی کا لٹرا تو اٹھا چند ہی چلتا ہے گا، ابھی ایک ختم تو دوسرا سر میر، دوسرا ختم تو تیسرا سر میر، اس لیے گوئی مارو سب کو اور چلو پونا، سالہ قسمت مینا اور مینا کو تو مینا بھی مل جائیں گا۔ اور دھرم داس کا بھی دھرم

لے کر اب تک کی ساری کہانی سنا دی۔ ”باب ہے۔“ عبدل نے اپنی آنکھیں نمائیں۔ ”تو یہ سالہ دھرم داس تو بہت چالو آدمی نکلا۔ سالہ خود ہی دھرم داس خود ہی رستم۔“

”مجھے اس وقت دھرم داس کی فکر نہیں ہے۔ مینا اور اس زخمی کی فکر ہے، وہ دونوں نہ جانے کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ کل رات بھی نہیں فون کیا تھا لیکن کسی نے ریسپونڈ نہیں کیا تھا۔“

”ختم ہو جائیں گا۔ اور جی بات تو یہ ہے کہ جب تم نے اس رقم کا بادلا دیا ہے، اپن سے صبر نہیں ہوتا۔ جی چاہتا ہے کہ سالہ لڑ کر لڑ جائے اور پونا پہنچ جائے۔ سالہ پانچ لاکھ، سینے پر سائب پھر گھٹیلے۔“ اپن تو سالہ اچھول گیا تھا۔

”میں عبدل۔“ داور نے انکار میں اپنی گردن ہلا دی۔ ”مینا نے میرے لیے دھرم داس کی مخالفت مول لی ہے اور وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مینا کو کسی مصیبت میں پھنسا چھوڑ کر خود بھی سے باہر چلا جاؤں۔ بیٹے ہم دونوں کو دھرم داس کا حساب کتب کرنا ہے۔ مینا کا پتہ لگانا ہے، اس کے بعد پونا جانا ہے کیوں ٹھیک ہے نا؟“ ”چلو جب تم بولتا ہے تو ٹھیک ہی ہو میں گا لیکن یہ تم مولیوں والا ابجاشا کیوں چھوڑ دیا؟“

”چھوڑا نہیں ہے پر اسے۔“ داور مسکرایا۔ یہ زبان تو میرے مزاج میں رچی ہوئی ہے۔ بس ترنگ کی بات ہے، کبھی ترنگ آتی ہے تو صاف زبان بولنے لگتا ہوں اور جب دوسری ترنگ آتی ہے تو مولیوں والی زبان شروع کر دیتا ہوں۔ خیر، اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ مینا کہاں چلی گئی؟“ ”اپن کے منگے میں تو بس ایک ہی بات آتی ہے استاد۔“

عبدل نے کہا۔ ”اور وہ بات یہ ہے کہ اس بلڈنگ میں دھرم داس کا کوئی آدمی رہتا ہے۔ دھرم داس نے اسے تمہارے پیچھے لگا دیا ہوگا۔ اس نے جب تمہیں باہر جاتے ہوئے، دیکھا تو فلیٹ میں گھس آیا اور ان لوگوں کو اٹھا کر اپنے فلیٹ میں لے گیا۔ اسی لیے وہ سالہ اس بلڈنگ سے باہر نکلتا ہوا نظر نہیں پڑا۔“

داور نے چونک کر عبدل کی طرف دیکھا۔ عبدل نے بہت پتہ کی بات کہہ دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ یہ خیال اس کے ذہن میں کیوں نہیں آتا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس بلڈنگ کے ہر فلیٹ کی تلاش کیسے کی جائے۔ اسے شہر فلیٹس تھے، اور ہر فلیٹ میں ہمیشہ کے دوسرے فلیٹس کی طرح ان گنت خاندان ٹھننے ہوئے تھے۔

”تمہاری بات دل کو لگی ہے عبدل۔“ داور نے کچھ دیر بعد کہا۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ ان دونوں کو کس فلیٹ میں لے جایا گیا ہے۔“

”اس کا پتہ تو اپن چلا سکتا ہے۔ وہ آدمی اپن کا پوچھتا نہیں دیکھا۔ تم ایڈھر ہی بیٹھو۔“ اپن ابھی اس فلیٹ کا پتہ چلا کر آتا ہے۔“

داور کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عبدل اس ایک خاص فلیٹ کا پتہ چلائے کے لیے کون سی ترکیب استعمال کرے گا لیکن وہ عبدل کی صلاحیتوں سے واقف تھا اس نے کئی موقعوں پر داوری کی تجویزیں دور در دور کی تھیں۔ اسی لیے اس نے عبدل کو منع نہیں کیا تھا۔ عبدل فوراً یہی اس حدیث سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد داور صوفیہ پر لپٹ گیا۔ اس وقت اس کے ذہن میں مینا کی بازیابی کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی۔ جتنا کام مسئلہ حل ہو جائے کے بعد وہ دھرم داس کی طرف دھیان دیتا۔ یہ دھرم داس اس کے دشمنوں کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ داور تو اسے جانتا ہی تھا لیکن اس شخص نے خود کو داور کا دشمن ثابت کر دیا تھا۔ اس نے داور کو ہلاک کروانے کی سازش کی تھی اور داور اپنے کسی ایسے دشمن کو چھوڑ دینے کے حق میں نہیں تھا جو اس کی جان لینے کی کوشش کرے۔

عبدل کو گنگے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ داور صوفیہ سے ان کو باورچی خانے میں آگیا۔ اس فلیٹ میں اب شراب کی بوتلیں بھی نہیں بچی تھیں۔ عبدل کے جانے کے بعد داور نے فلیٹ میں بند رہ کر دونوں تک سوئے شراب پینے کے اور کوئی کام نہیں کیا تھا۔ گلام کی ہم کی ناکامی نے اسے بہت بدل کر دیا تھا اور اسے یہ جان کر اور بھی بددی ہو گئی تھی کہ دھرم داس نے اسے دھوکے سے گلام بھیجا تھا۔ باوجودی خانے میں آکر اس نے اپنے لیے جلتے تبارکی اور پالی نے کر باورچی خانے سے ڈرائنگ روم میں آگیا اسی وقت عبدل بھی واپس آگیا تھا۔ وہ بہت پر جوش دکھائی دے رہا تھا۔

”اس سلسلے کا پتہ چل گیا ہے باس“ اس نے بتایا۔

”سالانہ منزل پر بائیں باجو کے فلیٹ میں ہے“

”اچھا“ داور نے جبران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

کیسے معلوم ہوا ہے؟

”باس، اپن نے سالہ آدمی سے دوستی کر رکھی ہے۔ ایک دو دوہ والا بھی اپن کا دوست ہے۔ اتفاق سے وہ سالہ اپن کو خبر آگیا۔ اپن نے جب دو دوہ کو دیکھ لینے کا بات کیا تو سالہ فر پوری بلڈنگ کا حال بتانے لگا۔ اس نے بتایا کہ اس فلیٹ میں کچھ دنوں سے ایک آدمی رہتا تھا، اس کے پاس اس میں ایک دوہ آدمی اور ایک عورت بھی آگیا۔ وہ سالہ آدمی دونوں ہوئیں گے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ان لوگوں کو موقع

مل رہا ہے تو چلتے کیوں نہیں، اسی بلڈنگ میں کیوں بیٹھے ہیں؟“

”یہ بات تو سالہ اپن کی کھوپڑی میں نہیں سمجھتا ہے“ عبدل نے کہا۔ لیکن اپن کو اس سے کیا، سلسلے جلتے یا رہے، اپن کو تو آگ لگاتے سے مطلب۔“

”یہ بھی تم ٹھیک کہتے ہو، تو پھر؟“

”چھپرکا، چلو دونوں چل کر سالے کے فلیٹ میں گھس جاتے ہیں لیکن نہیں، تم سالہ نہیں جانا۔ پہلے اپن اندر جانے کا، کیونکہ تم کو وہ لوگ جانتے ہیں۔“

وہ دونوں سیڑھیاں اتر کر علی منزل پر آگئے جہاں کے ایک فلیٹ میں ان لوگوں نے بسیرا کر رکھا تھا۔ داور دونوں سے دور بیٹ کر دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا جبکہ عبدل نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دے دی۔ دوڑ کھینچنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ دروازہ کھولنے والا ایک ایسا آدمی تھا جو داور کے لیے اچھی تھا۔

”کیا بات ہے بھائی؟“ اس آدمی نے عبدل کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ کس سے ملنا ہے؟“

”اپن کو نہیں باس کو ملنا ہے“ عبدل نے داور کی طرف اشارہ کیا۔

اس آدمی نے اپنی گردن گھما کر داور کی طرف دیکھا اور اسی وقت عبدل نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کی ایک ہی فرما اس آدمی کے لیے کافی ثابت ہوئی۔ وہ لہراتا ہوا دروازے کے پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔ داور بھی اس دوران ایک کر عبدل کے پاس آگیا تھا۔ اس وقت اس منزل پر اوکوئی بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ ورنہ ان دونوں کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔

اب تم اندر جاؤ باس“ عبدل نے داور سے کہا۔ اپن جب تک اس کو سمجھاتا تھا۔

عبدل نے یہ سب کچھ اتنی افراتفری میں کیا تھا کہ خود داور کو بھی سوچتے سمجھتے کاموں نہیں مل سکتا تھا۔ اس نے ایک نظر عبدل اور اس بے ہوش شخص کی طرف دیکھا اور جلدی سے اس فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ ڈرائنگ روم میں دو آدمی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک زخمی تھا جس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس کے پاس ایک ایک دوسرا آدمی بھی تھا جو اس زخمی کو کوئی کتاب پڑھ کر سنا رہا تھا، ان دونوں سے کچھ فاصلے پر ایک عورت کھڑی تھی اور یہ لوگ کوئی اوستھے۔ وہ عورت مینا نہیں تھی یہ آدمی انشوک نہیں تھا، داور کو اس طرح کر سے میں ٹھٹھتے ہوئے دیکھ کر وہ

بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ داور نے اپنا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس کی وجہ سے ان لوگوں پر اور بھی دشت طاری ہو گئی تھی۔ داور کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے عبدل کے کہنے میں اپن کو اس طرح کی حاجت کی تھی۔

ابھی وہ ان لوگوں سے کچھ کہنے کے لیے سوچ رہی رہا تھا کہ عبدل اس بے ہوش شخص کو کھینچتا ہوا فلیٹ کے اندر لے آیا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر فلیٹ میں موجود لوگ اور بھی پریشان ہو گئے تھے۔ وہ سب داور کے پستول کی پروا کیے بغیر اس آدمی کی طرف چھپتے پڑے عورت تو باقاعدہ رونے لگی تھی۔

”اپن کا کچھ پھر ٹیلا ہے باس“ عبدل نے معصوم سی صورت بناتے ہوئے کہا۔ ”ادھر یہ کیا لفظ شروع ہو گیا۔؟“

”تم بے وقوف ہو گئے ہو۔“ داور غصے سے بھٹکا۔

”اٹھ اٹھ کر یہ کوئی اور لوگ ہیں۔“

”اپن کو کیا معلوم باس، اپن کو وہ دودھ والا۔!“

”خاموش رہو۔“ داور بیخ پر اڑا۔ ”تم نے اپنی بے وقوفی سے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔“ لعنت ہو تم پر۔“

”کیا تیار باس، سالہ اس موٹی عورت نے اپن کا دستک پکڑ کر دیا ہے، یہ سب اسی کا دوش ہے۔“

”اچھا اب چلو یہاں سے۔“ داور نے اسے روانے کی طرف دھکا دے دیا پھر ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہمیں معاف کر دینا بھائی، ہم کسی اور کے جھوٹے ادھر آگئے تھے۔ یہ آدمی تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو رہا ہے ابھی ہوش میں آجائے گا۔“

وہ دونوں ان لوگوں کو بیزن چھوڑ کر جلدی سے باہر آگئے۔ داور غصے سے تپا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عبدل کو وہیں پر مارنا شروع کرے۔ عبدل نے ایسی حالت کبھی نہیں کی تھی اور عبدل ہی کی وجہ سے وہ خود بھی دلیل ہو کر رہ گیا تھا۔

”اسی لیے تو بولتا ہے باس کہ لعنت بھیجو سب پر۔“ عبدل نے فلیٹ میں آنے کے بعد کہا۔ ”اپن تو اب اپنا پکھڑا دکھانے کے قابل ہی نہیں رہا۔ یہ سب فلیٹ والا اپن کو پہچانتا ہے۔ وہ بھی سلا سوچتا ہوگا کہ اپن سالہ آدمی کو اپنا ہے۔“

ادھر سے کچھ دنوں کے لیے گول ہوئے کاٹھے، ”کیا؟“

”ٹھیک ہے۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”اب یہی کرنا ہوگا، چلو پونا پلنے کی تیاری کرو۔“

وہ دونوں بس کے دریلے بونا آئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بلب بلب مٹری بیگ تھے اور اپنے لباس سے دونوں ہی ایسے اہل مباح کی طرح ہو رہے جو محض لغزش کے غرض سے بونا آئے ہوں۔ بس میں ان دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ بھی ان کے منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ ان کا ہر گز یہ تھا کہ بس اسٹاپ سے اتر کر وہ دونوں پیدل ہی کرشنا ہوئیں کی طرف چل دیں گے۔ یہ ہوش ان دونوں کا جانا پہچانا تھا اور بس اسٹاپ سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔

وہ دونوں اس وقت ایک دوسرے کے آگے پیچھے کرشنا ہوئیں کی طرف جا رہے تھے۔ یہ شہر ایک سال کے عرصے میں ویسا ہی تھا کہ کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی ان کی طرف ابھی تک کسی نے دھیان نہیں دیا تھا۔ ہر شخص کو اپنی اپنی بڑی ہوئی تھی۔ بونا بھی کی طرح ایک کا بڑی شہر تھا یہاں ہندو مسلم عیسائی سب، ہی سا کرتے تھے اور ہندوستان کے ہر شہر کی طرح اس شہر میں بھی مختلف قوموں کے علاقے بنے ہوئے تھے۔ لیکن مجموعی طور پر وہ سب ایک دوسرے سے مل کر رہا کرتے تھے۔

ہوش کی طرف آتے ہوئے انہوں نے دواروں گمبوں اور درختوں پر چپاں بہت سے بوسم دیکھے۔ ان سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ اس شہر میں میٹر کے انکشافات ہونے والے تھے اور دو آدھوں کے بوسم واضح دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں ایک بوسم تھا اور دوسرا امراری داس برائی داس کے بوسم جو جگہ جگہ ہوئے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ اس شخص کے پاس اپنے پیٹ سے کہیں زیادہ رقم تھی۔ اور وہ دل خوں کر خرچ کر رہا تھا اس کے علاوہ گھر کے مقتدر لوگوں کی حاضرت بھی اسے حاصل تھی۔

دو درمیان کے ایک مقتدر شخص سے ابھی طرح واقف تھا۔ اور وہ مختار مچھتا بونا کی زمین زمین دینا کا بدشاہ۔ اس نے چاروں طرف اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رکھے تھے اس کے پاس بے پناہ وسائل اور بے پناہ دولت تھی۔ اس کی تنظیم بہت خطرناک تھی۔ شہر بھر کے نوخوار لوگ اس کی تنظیم میں شامل تھے۔ داور سے براہ راست اس کی منیجر ٹونز میں ہوئی تھی لیکن منیجر ہم میں کرم چند کے آدمیوں سے اس کی منیجر ضرور ہوئی تھی۔

داور اور عبدل نے بونا میں پانچ لاکھ روپے حاصل کئے تھے۔ یہ رقم بیرون کے ایک اسمگلر سے حاصل کی

مکتی، لیکن اس رقم کے ہاتھ آتے ہی جیسے پورا شہر ان دلوں کے پیچھے بھاگتا تھا، انہوں نے اس رقم کو بونا سے نکال لے جانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی، کرم چند کے آدھوں کے علاوہ مکتی پولیس بھی ان کے پیچھے بھاگتی تھی، چھوڑا دادو وہ رقم ایک موٹی کاغذ میں لپیٹ کر اور ایک چھوٹے سے برتوں میں بند کر کے سوائی جی کے مندر میں چھپائی پڑی تھی۔

یہ مندر عبادت گاہ تھی اور نفع خرچ گاہ بھی۔ اس کے چاروں طرف بہت وسیع دھڑیل بادک تھا جس میں پشپار قسم کے بھولوں کے بونے لگے ہوئے تھے۔ اور درمیان میں ایک تالاب بھی تھا جس کا پانی کدہ ہو چکا تھا۔ دادو نے اس بریفنگ میں کو اس تالاب کے پانی کے نیچے چھپا دیا تھا۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی کی نظر نہیں جا سکتی تھی۔ اس بریفنگ میں کو یہاں تک چھپانے کے مرتبے تھے کہ بہت دشوار ثابت ہوئے تھے۔ گولیاں بھی تھیں۔ ایک آدمی مارا گیا تھا۔ یہ کہ یہ دو دن اس رقم کو یہاں تک لانے میں کامیاب ہو سکے تھے پھر اس بریفنگ میں کو یہاں چھپا کر وہ دو دن بھی واپس گئے تھے۔ راستے میں ان کی تلاشی بھی کی گئی تھی، لیکن ان کے پاس سے کچھ برآمد نہیں ہو سکا تھا۔

اور اب وہ دو دنوں ایک عرصے کے بعد بونا واپس آئے تھے۔ مکتی کے بنگالوں میں دادو کے ذہن سے اس رقم کا خیال ہی اتر گیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اس نے باغ لاکھ روپے سوائی جی کے مندر میں چھپا کر رکھ دیئے ہیں لیکن جیہٹونک نے اسے بتایا کہ اس کا خلیق بونا سے ہے تو بونا کے ذہن کو دادو کو اس رقم کا خیال آ گیا تھا۔

دادو راستے بھراؤں کا شکار رہا تھا۔ وہ مینا کی طرف سے ہلریشن تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ کسی کام کو اس طرح ادھوا چھوڑ کر گئیں اور چلا ہوا تھا۔ اور پہلے بھی مینا کا تھا جس نے ایک زمانے میں اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ بس کے سفر میں راستے بھر وہ اسی فحش میں مبتلا رہا تھا۔ لیکن بونا مینے کے بعد اس نے اپنے ذہن سے سب کچھ جھٹک دیا تھا۔ اب اس کے سامنے ایک ہی منزل تھی، ایک فی ہم تھی۔ اور وہ بھی طرح جانتا تھا کہ اگر آدمی کے ذہن پر بھروسہ ہو تو وہ ایک مکتی کو بھی اپنے جسم سے نہیں اڑا سکتا۔ اسے سب کچھ بھول کر بونا میں اپنی کاروائی کرتی تھی، اور اسے کرنا ہی گھٹیا تھا۔ دن بھر بھول میں قیام

اور رات کے وقت عدل کے ساتھ جا کر اس تالاب سے رقم نکال کر لے آنا، اس کے بعد رات ہی کی کسی بس بیٹھی

کو روائی۔

ان دونوں کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتے ہوئے کرشنا ہول تک پہنچیں گے جہاں سے عدل آگے چلا جائے گا جبکہ دلو کو سٹول میں بندھا رات کے وقت عدل کو دادو کے پاس آنا تھا۔ پھر وہ دونوں سوائی کے مندر کی طرف روانہ ہو جائے۔ مندر پہنچ کر وہ دونوں پھر ایک دوسرے سے الگ ہو جائے۔ دادو نے عدل کا تالاب کے پاس ایک ڈور کے پانے دے دیا تھا۔ عدل کو اسی ڈور کے پاس پہنچنا تھا۔ یہ احتیاط اس نے کی جاری تھی کہ اس شہر میں بھی دادو کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ نہ جانے کتنے لوگ اسے پہنچاتے ہوں گے۔ ممکن تھا کہ کرم چند کے آدمی اس کی تاک میں ہوں پولیس ابھی تک اسے تلاش کر رہی ہو۔ ان کے علاوہ اس اسمگلر کے ساتھی بھی اس رقم کے چکر میں ہوں گے۔ جس سے دادو نے یہ رقم چھپی تھی۔ دادو کسی قسم کی بداحتیاطی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یقین تھا کہ جسمانی طاقت اور مہارت کے ساتھ ساتھ آدمی اگر اپنے ذہن کو بھی استعمال کرے تو کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔

کرشنا ہول آگیا تھا۔ عدل اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آگے بڑھتا چلا گیا جبکہ دادو اس ہول میں داخل ہو گیا۔ یہ سرخ انٹوں سے بنی ہوئی ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کے کمرے سستے اور چھتے ہوئے تھے۔ دادو کا ڈنر کے پاس آگیا۔ اس نے اپنا نام بلزم لکھوا دیا تھا۔ کاؤنٹر والے نے اوپر کی منزل کے ایک کمرے کی چابی اس کے حوالے کر دی۔ وہ اپنا بیگ اٹھاتا اس کمرے میں آگیا جو اس کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ وہ کو دوسری منزل پر تھا۔

رات کا کھانا دادو نے اپنے کمرے میں ہی منگو کر کھایا تھا۔ اس نے چونکہ خود کو ہندو دھارن کر لیا تھا۔ اسی لئے کھانے میں اسے سبزیاں اور دال فراہم کی گئی تھی۔ کھانے سے فائدہ ہو کر وہ کھڑکی کے پاس کھڑکھڑا ہوا گیا۔ اسے عدل کا انتظار تھا۔ وہ کسی بھی لمحے آسٹا تھا۔ کھڑکی سے نیچے سڑک اور ریل روکش تھی۔ گاڑیاں آجادی تھیں۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے اپنے کاروبار میں مصروف تھے۔ ان کو لگا کہ کوئی معلوم کرشنا ہول کے ایک کمرے کی کھڑکی میں ایک ایسا آدمی کھڑا ہوا ہے جو اس شہر میں ایک بنگا م کرنے آیا ہے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اگلے کھلے ہوئے دروازے سے عدل ہونٹوں پر مسکراہٹ سامنے آئے۔

”ابن کا نام تلسی واس ہے استاد۔ لو کو کیسا نام ہے؟“ بہت اچھا۔ اور مسکرایا: اور میں بلزم ہوں۔ چلو اب مندر کی طرف چلتے ہیں۔

”ایک دو تین“ عدل نے آواز لگائی اور کے بعد دو تین تین گولیاں چلا دیں۔ یہ تینوں گولیاں نشانے پر بنی تھیں اس کے قریب کھڑے ہوئے لوگ اس کے نشانے کو دیکھ کر حیران ہوئے جا رہے تھے۔ عدل کی چلائی ہوئی تینوں گولیاں سامنے کھڑے ہوئے کوئی جسم تو بنی عین پیشانی پر پڑی تھیں۔

عدل نے مسکراتے ہوئے اسٹال والے کو اس کا پستول واپس کیا اور جیتی ہوئی رقم جیب میں ڈال کر اس اسٹال سے باہر آگیا۔

وہ اور دادو سوائی جی کے مندر پہنچ کر بہت حیران ہوئے تھے انہیں معلوم نہیں تھا کہ رام لیلیٰ کی خوشی میں اس مندر میں ایک شاندار میلہ لگا گیا ہے۔ یہاں بہت رونق تھی۔ پارک کا ٹیٹنگ لگ رہی تھی۔ رشتہ مندوں سے جگمگا رہا تھا۔ اندر بہت سے اسٹال بنے ہوئے تھے۔ یہ دو دن کچھ دیر تک ٹیٹ کے باہر خاموشی سے کھڑے رہے تھے۔ اس میلے نے ان کے کام کو مشکل بنا دیا تھا۔ میلے میں ہزاروں افراد مشرک تھے۔ اور ان کی موجودگی میں کسی کا تالاب میں اتر کر برہنہ کیس لگانا بہت دشوار تھا۔

”اب کیا کرنا ہے ہاس۔“ عدل نے دادو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہاں تو سال میلہ لگا ہوا ہے۔

”دلی کرنا ہے جو ہم لوگوں نے سوچ رکھا ہے۔ دادو نے کہا۔ ”اپنی کھڑکی ملا۔ اس وقت فوجی ہیں، ٹھیک دیں یہی تم اس فوڈ کے پاس پہنچ جانا جس کے ہاتھ میں ہمیں ملے ہیں بتایا ہے۔ اور یہ بیگ میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“

اس طرح وہ دونوں پارک میں داخل ہو کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔ عدل وقت گزارنے کے لیے غنچن اسٹالوں پر کھیل کود میں حصہ لیتا ہوا دھیرے دھیرے فوڈ کے طرف بڑھتا رہا۔ جبکہ دادو نے عدل کی مخالفت پہن سڑک روک دیا تھا۔ اسے عدل کی طرح کسی اسٹال میں اپنے ٹھکانے بڑی دکھانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ کیونکہ وہ انہی کچھری دور چلا تھا کہ ایک سالبا چوڑا آدمی دونوں بائیں چھپا کر اس کے سامنے آگیا۔

دادو اس آدمی کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ ایک سکھ تھا جس کی گھنہ دلاری اس کے چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی اس

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی۔

”اے بادشاہ ہو۔ وہ دادو کو دیکھتے ہوئے بولا۔ تھی کہ ہر سے آگے ہو۔“

”مٹا کر نامہ دار بھائی میں نے تمہیں نہیں پہچانے۔ دادو نے ہندی سے کہا۔ ”تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ ”اے اے! اس کی مت کرو۔ غلط فہمی تو بڑے لوگوں کو ہوتی ہے۔ ہم تو بہت چھوٹے لوگ ہیں۔“ ”اے میرے ساتھ اس نے ہاتھ بڑھا کر طور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی گرفت غیر دوستانہ تو نہیں تھی۔ پھر دلی دادو کے لئے ابھن برہنہ کی تھی۔ نہ جانے یہ آدمی کون تھا۔ اس نے اپنی بادداشت پر زور ڈالنے کی کوشش کی لیکن اس آدمی کا چہرہ اس کے ذہن کی اسکرین پر نمودار نہیں ہو سکا۔

”اے تلسی آؤ میرے ساتھ۔“ سردار اسے ایک اسٹال کی طرف بھیانکے ہوئے بولا۔ یہ اسٹال چائے کی تھی۔ تھوڑی سی گپ شپ کر رہے تھے۔

دادو ایک گہری سانس لے کر چاک ناول ہونواری اس بلاک کے ساتھ ہولیا۔ ویسے بھی اسے فوڈ سے کچھ نہیں میں ایک ٹھنڈا تھا۔ یہ ایک ٹھنڈا گرمی کے ساتھ گزر جاتا تو کیا برا تھا۔ سردار جی نے اب اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور لیے لیے قدم بڑھا ہوا اسٹال کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اسٹال کے پاس پہنچ کر اس نے خود ہی دو عدد کمریاں کھا کر ایک طرف رکھ دیں اور چائے کا کؤنڈر دیتا ہوا دادو کو بڑھتا ایک کمری پر بیٹھا دیا۔ اس نے خود دوسری کمری سے کھانہ لی تھی۔

”پہلے یہ جاکو تمہارے کلکتہ کا کیا حال ہے۔“ سردار جی نے دادو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”جائے تو وہاں سے گئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔“

”میں پھر کب رہا ہوں سردار جی۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ دادو نے کہا۔ ”بہر التعلق کلکتہ سے نہیں ہے۔“

”چھوڑو یاد۔“ سردار نے اس کی ران پر ہاتھ مار دیا۔ ”میرے کو یہ وقوف مت بناؤ۔ تمہے پہلے بھی ایک بار تیری حرکت کی تھی۔“

دادو نے جھٹکا کر اپنے ہونٹوں کو بچھین لیا۔ وہ سردار کی طرح اس کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ وہ اپنی ہی بولے جا رہا تھا۔ ٹھنڈا گرمی اور بھی خاموش سردار جی کی منگوائی ہوئی چائے آئی تھی چائے پینے کے دوران بھی وہ بہت کچھ بولتا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے صرف اپنی پی کھنے کا بہتر کر رکھا تھا۔ پھر جب چائے کی پیلی آئی

”اوسے“ اس نے غصے بھری نگاہوں سے داور کو دیکھا
 ”تم ہمارے چند تو نہیں ہو“
 ”اوسے نے کہا کہ میں ہمارے چند ہوں؟ داور
 نے مسکراتے ہوئے کہا: ”میں تو کوئی اور ہوں؟“
 ”تو پھر اتنی دیر سے بتایا کیوں نہیں۔ اور چلے بھی نہ
 لی تم نے؟“
 داور چلنے کی بجائے ختم کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ مرداری
 نہ جانے کیا کیا اوسے جا رہا تھا۔ اس کا پس نہیں چل سکتا
 ورنہ شاید وہ داور کو مارنا شروع کر دیتا۔ داور ہشت ہوا اس
 کے پاس سے ہٹ گیا۔ اتنی دیر میں عبدال سے ملنے کا
 وقت ہو گیا تھا۔ مرداری کی وجہ سے اس کا وقت اچھا
 گزر گیا تھا۔
 پارک کے اس حصے میں جہاں وہ تالاب تھا بالکل
 سناٹا تھا۔ حالانکہ اس پارک میں میل لگا ہوا تھا۔
 لیکن یہ حصہ بھرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تالاب کے
 آس پاس کی زمین بکھری ہوئی تھی۔ جبکہ جگہ سنی اور پتھر کے
 ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اسی لیے پارک کی اور میرے کی مدد
 اس حصے کی طرف نہیں آئی تھی۔ سرداری و دیشیاں، سارا صبح
 میل تالاب سے کچھ فاصلے پر رہ گیا تھا۔ تالاب سے کچھ فاصلے
 پر وہ فوراً بنا ہوا تھا جہاں داور نے عبدال کو ملنے کے لئے
 کہا تھا۔
 اس فارے کے ارد گرد ایک تبدیلی نظر نہ آئی تھی۔ فوریہ
 سمیت پارک کے تالاب کو غدار تاروں کی باڑھ سے گھیر دیا گیا
 تھا۔ درمیان میں تو بے کالک گیٹ بنا ہوا تھا۔ ایسا شخص
 ہو رہا تھا جیسے تالاب اور ارد گرد کا علاقہ خود بھی کیپ میں
 تبدیل ہو گیا ہو۔ داور جس وقت وہاں پہنچا اس وقت دس
 بجے میں کچھ دیر تھی۔ اور عبدال ابھی تک وہاں نہیں پہنچ
 سکا تھا۔ یہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کے لئے کسی
 قسم کی بکرائی کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اسی لئے یہاں پر
 اندھیرے کے ساتھ ساتھ سناٹا بھی پھیل رہا تھا۔ داور نے
 خاص طور پر سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس لباس
 نے اسے تاریکی کا ایک حصہ بنا دیا تھا۔
 وہ چاروں طرف دیکھتا تھا تاروں کی باڑھ کے پاس
 اگر کھڑا ہو گیا کیسوں کا ایک اس نے زمین پر رکھا اور اس
 بیگ سے تار کٹنے کا اوزار نکال لیا۔ وہ ہر قسم کا سامان
 اپنے ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔ تار کٹنے میں زیادہ دیر نہیں
 لگی تھی۔ تار کاٹ کر وہ ذرا بے ہوش تھا کہ عبدال بھی اس کے پاس

پہنچ گیا۔ دس بج چکے تھے۔
 ”تم نے بہت اچھا کیا ہاں بھرتا کاٹنے میں زیادہ دیر
 نہیں لگی تھی“ عبدال چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
 ”پس اب جلدی کرو؟ داور بیگ اٹھا کر باڑھ کی طرف
 پہنچ گئی۔ عبدال بھی اس کے ساتھ ہی گیا تھا۔
 وہ دونوں زیر رفتاری سے چلتے ہوئے تالاب کے
 پاس پہنچ گئے تالاب کے درمیان میں ایک بڑا سا ستون نصب
 تھا۔ اس ستون پر بھی کچھ تھیں لہذا روایا جاتا تھا۔ داور نے وہ
 سوٹ کپس پانی کے اندر ایسی ستون سے بانٹ دیا تھا۔ یہ
 ایک مکمل طور پر محفوظ جگہ تھی۔
 تالاب کے کنارے پہنچ کر داور نے بیگ سے زنجیر کاٹنے
 کی تیز دھڑکائی نکال لی۔ وہ سوٹ کپس زنجیر سے ہلکا ہوا
 گیا تھا۔ پھر عبدال کو ہوشیار کرنے کی تاکید کرتے ہوئے اس
 نے تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ جس کا پانی ابھی تک گدلاہ
 بدلو دار تھا۔ ایسا تھا تھا تالاب کی صفائی ستھرائی پر کوئی
 توجہ نہیں دی جاتی ہو۔ ستون کے پاس آ کر داور نے اپنی
 سائیں روئیں اور غوطہ لگا دیا۔
 اس کا ہاتھ ستون کی اوپری سطح سے پھسلنا ہوا نیچے
 تک آ گیا۔ لیکن وہ سوٹ کپس غائب ہو چکا تھا۔
 اس نے بوکھلا کر ادھر ادھر ہاتھ پھیلانے پھر وہ
 زنجیر اس کے ہاتھ میں آئی جس کی مدد سے اس نے سوٹ
 کپس کو ہلکا کر کھینچا تھا۔ کوئی شخص زنجیر کاٹ کر وہ سوٹ
 کیس اپنے ساتھ لے جا چکا تھا۔ اب وہاں سوائے اس
 زنجیر کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔
 وہ تیز سے ہوئے تالاب کے کنارے تک آ گیا۔ عبدال نے
 ہاتھ بڑھا کر اسے اوپر کھینچ لیا تھا۔
 ”کیا لفظ بول رہا ہے؟“ عبدال نے اسے خالی ہاتھ دیکھ کر
 پوچھا۔ ”وہ سالاسوٹ کیس کی طرح ہے؟“
 ”کوئی ہماری دقت پر ہاتھ صاف کر رہا عبدال؟ داور
 نے بیگ سے خشک کپڑے نکالے ہوئے بتایا۔ اس نے اپنا بیگ
 ہوا لباس بدل لیا تھا۔
 ”باپ رہے؟“ عبدال نے اپنے بال فوج لیے۔ ایسا کون کرنا
 ہے باپ؟“
 ”تم کو یاد ہے عبدال کہ چھلی بار جب ہم لوگ اس پارک میں
 آئے تھے۔ اور ہم نے یہاں سوٹ کپس چھپا کر رکھا تھا۔ اس
 وقت اس پارک میں کچھ مقامی غصے بھی موجود تھے۔ اور ہماری
 ان سے بھڑپ بھی ہوتی تھی“

”سب کچھ یاد ہے باپ۔ لیکن کچھ کبھی بہت کام
 لگتا ہے۔“
 ”بہر خیال ہے کہ حرکت ان ہی غصوں کی ہے؟ داور
 نے کہا۔ ”میں ان غصوں کو تو نہیں پہچانتا لیکن ان کے پاس
 کے نام سے واقف ہوں۔ اور وہ بہت کم چند؟“
 وہ مکان بہت خوبصورت تھا۔ دو منزلہ۔ جس کے ایک
 ایک کمرے میں رکھے ہوئے قیمتی فرنیچر اس بات کی گواہی دے
 رہے تھے کہ اس مکان کے مالک کے پاس بے تحاشہ دولت ہے۔
 مکان سے باہر جہاں برآمدے کی سیڑیاں ختم ہوتی تھیں وہاں
 سے لان شروع ہو جاتا تھا۔ اعلان کے درمیان میں ایک جدید
 قسم کا سوٹنگ ہول بنا لیا گیا تھا۔ جس کے کنارے اس وقت
 کئی کمران رکھی ہوئی تھیں جن پر عروسی اور مرد میچھے چکان
 کرم چند کا تھا اور یہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگ کرم چند کے بہان
 تھے۔
 یہ بہان اس کے ماتحت تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے
 کرم چند کے زیر نگرانی چلنے والے ایک کاروبار بٹھال رکھا تھا۔ ان
 میں سے ایک منور لال تھا۔ ٹھکانا اور بھڑاسا۔ جس کے برابر اس کی
 خوبصورت بیوی شیلانی بھی تھی۔ منور لال شہر کے ایک مشہور ہوٹل
 اور کلب کا مالک تھا۔ بٹھا ہوا وہی اس کلب کا مالک تھا لیکن
 وہ کلب دراصل کرم چند کا تھا۔ منور لال کے برابر والی کرسی پر
 آئندہ بیٹھا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ یہ بٹھا ہوا ایک بڑی
 دلکش امیورٹ فرم کا مالک تھا کرم چند اس فرم کے ذیلی مینجنگ
 کوڈیا کرنا تھا۔ آئندہ بیوی اپنی بیوی مالی کے ساتھ آتا تھا ان
 دونوں کے برابر میں پرکاش مہرو بیٹھا تھا۔ یہ ایک ذہین آدمی
 تھا۔ شہر کی ایک بہت بڑی فرم کا اکاؤنٹنٹ۔ لیکن یہ کرم چند
 کے حسابات بھی رکھتا کرنا تھا اور اس کے مالی معاملات کا مینج
 تھا۔ وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی ایک
 خوبصورت عورت تھی۔ جس کا نام دولی تھا۔ وہ شہر کی سماجی
 تقویمات کی جان سمجھی جاتی تھی۔
 کرم چند ان لوگوں کو چاہتے ہیں ایک بار اپنے یہاں مدعو
 کیا کرتا۔ اور انہیں اپنے ہاتھ کی پکائی ہوئی چیزیں کھلا کر پکاتا۔
 لوگ اس کی پکائی ہوئی چیزیں کھاتے اور دل کھول کر شکر
 کیا کرتے تو بعض نگرے کی صورت میں کرم چند کے جھجک جاتے
 کا دل لڑتا تھا۔
 کھانے پینے کے معاملہ میں کرم چند کا اپنا الگ فلسفہ تھا اس کے
 مطابق غذا انسان کے لیے دلہن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور جب
 کرم چند جیسے آدمی نے خود اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز پکائی ہو تو

اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ اس لیے وہ چھپتے ہیں ایک
 بار اپنے خاص خاص لوگوں کو ضرور مدعو کیا کرنا تھا کہ وہ لوگ
 کرم چند کے دلہن کا قرب حاصل کر سکیں۔
 اس وقت ان لوگوں کے سامنے ایک بڑی سی میز پر دو ٹفن
 ڈشیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہر سب کچھ کرم چند کا دو ٹفن تھیں۔
 اس وقت کرم چند رات ہو چکی تھی لیکن کوئی کاروبار نہ تھی
 سے جھگڑا ہوا تھا۔ کرم چند کے مسلح محافظ ان لوگوں سے کچھ فاصلے
 پر ادا رہے اور کھوتے پھر رہے تھے۔
 ”تم بگ یہ دو سا کھو کر کچھ کرم چند نے میز پر رکھی ہوئی ایک
 ڈش کی طرف اشارہ کیا۔ ”انہیں معلوم ہو چلے گا کہ سوا کس کو کہتے
 ہیں؟“
 ”جی ہاں۔ ہم تو آپ کے ٹیبلٹ کے قابل ہوتے ہیں؟“ منور
 لال جلدی سے بول پڑا۔ ”مجھے زیادہ یہ ٹیبلٹ آپ کے کھانوں کی
 تعریف کرنی رہتی ہے۔“
 کرم چند کے چہرے پر نونوں پر ایک بھڑکی سی مسکراہٹ
 پھیل گئی۔ جبکہ شیلانی اس طرح کرم چند کو دیکھا تھا جیسے اس
 پر قربان ہو چلے گا اور وہ کھتی ہو۔
 منور لال کی تقلید میں دوسروں نے کچھ کہنا چاہا تھا لاسی
 وقت سینڈویچز قدم آتھا تا ہوا ان کے پاس آ گیا۔ وہ کرم چند کا
 خاص محافظ تھا۔ اس کا نام ڈوڈو چلنے لگتا لیکن سب اسے
 سینڈو کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ انتہائی شاندار اور خوش چیم کا
 مالک جس کی قمیص کی آستینیں ہر وقت چمچی ریشم اور جن
 کے دولوں پہلوؤں سے بڑا اورنگے ہوئے ہوتے۔ یہ ایک خطرناک
 آدمی تھا اور کرم چند کے سارے ماتحت اس سے خوف زدہ سے
 رہتے تھے۔
 ”ہاں۔“ سینڈو نے کرم چند کے پاس اس کی ٹیبلٹ سے
 مخاطب کیا: ”آپ کا فون آ رہا ہے۔ نام نہیں بتاتا۔ کہنا ہے آپ
 ہی سے بات کرنی ہے۔“
 ”تم نے معلوم نہیں کیا؟“ کرم چند نے چونک کر پوچھا۔
 ”معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کچھ نہیں بتاتا۔ وہ
 کہتا ہے کہ آپ ہی سے بات کرنی ہے۔“
 ”میں اس سے بات کروں باپ؟“ آئندہ کھڑے ہوتے
 ہوئے پوچھا۔
 ”انہیں رہنے دو؟“ کرم چند نے اپنا ہاتھ لایا۔ ”میں بھی تو
 دیکھوں وہ کون ہے؟“
 کرم چند برآمدے میں رکھے ہوئے فون کے پاس آیا۔ ”ہیلو“
 اس نے ریسپونڈ کیا کہ پوچھا: ”کون ہو؟“
 ”تم مجھے ابھی طرح ملتے ہو کرم چند۔“ دوسری طرف سے

آواز آئی۔ "تھیں یاد ہوگا کہ پہلے سال سماجی ہی کے مندر میں پولیس کی وردی میں جلوس ایک آدمی تھیں۔ دو حوکر دے کر تھانے آکر کے جال سے لٹک گیا تھا۔ کیوں یاد آ رہی تھیں؟"

کرم چند نے غصے کی شدت سے اپنی مٹکیاں جھینگیں لیں۔ اسے سب کچھ یاد تھا۔ وہ اس رات کے واقعات بھلا نہیں سکا تھا۔ اس رات پولیس کی وردی میں جلوس اس ذلیل انسان نے اس کا ایک قہقہہ آدی ہلاک کر دیا تھا۔ اودھ کرم چند کے بے شمار دوستوں کے وارے سے صاف لٹک گیا تھا۔

"تھیک ہے میں نہیں بتی جان گیا ہوں۔ کرم چند نے پچھکارا لی۔" اودھ میں تھے پھر مل جاتا ہوں۔

"اگر تم میری رقم واپس نہیں کی تو بہت جلد ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

"تھانے کی کون سی رقم ذلیل انسان کے کرم چند غصے سے دباڑا۔

"میں نے تھانے کی گالی سن لی کرم چند۔ اور ہار گنا کہ میں اس کا حساب لے سکا ہوں۔ لیکن اس وقت صرف اپنی رقم لینے کے لیے تھیں فن کیا ہے؟"

"تھانے کی کوئی رقم میرے پاس نہیں ہے۔"

"وہی رقم جو تم نے سماجی کے مندر میں چھپائی تھی۔ تم وہ رقم لینے والے ہو۔ تم نے تھانے کو روک دیا۔"

"میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔ اور اگر میں نے تھیں کچھ دیا بھی تو وہ تھانے کی موت ہو گئی۔ کرم چند پھر دباڑا۔

"جو شخص کی ضرورت نہیں ہے کرم چند۔ تم نے تھانے کو روک دیا۔ پہلے ایک بار تھانے لال سے بات کرو اس سے پوچھو کہ داد کی رقم واپس کی جائے یا نہیں۔"

"بھئی لال نہ میری زبان کا ایک مستند اور معتبر آدمی تھا۔ کسی زمانے میں اس کی دم شست ہونا اور تھانے میں پہنچنے والی تھی۔

لیکن اگر شہر چیدر میں اسے وہ غائب ہو گیا تھا۔ وہ داد کو کہتے ہیں طرح جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ داد کو اس کا نام ہے۔ اس کا قیام آج کل پونہ میں تھا۔ داد نے اس میں اس کا حوالہ دے دیا تھا۔

"کون بھئی لال؟" کرم چند نے غصے سے پوچھا۔ "میں کسی بھئی لال کو نہیں جانتا۔"

"وہ بھئی لال جسے تم لوگ لڑھا پڑھا کرتے ہو۔ داد نے کہا۔ اس سے صرف یہ معلوم کرو کہ داد کے پاس لاکھ روپے واپس کیے جائیں یا نہیں۔ میں تھیں پھر فون کروں گا میرا خیال ہے کہ اس وقت تک تم کوئی نقصان نہ ہو سکے۔"

کرم چند نے جھلا کر لبہ پور دھن دیا۔ اس کے پورے بدن پر آگ بھڑکی تھی۔ اس شہر میں پہلا موقع تھا کہ کسی آدمی نے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص کے جیسے کے رکھ دے جس نے اپنا نام داد پر لٹا دیا تھا۔ لیکن بہت پر تھی کہ فون کے ذریعے کوئی کاروائی نہیں کی جاسکتی۔ اس نے چاہا کہ وہ بھئی لال کو فون کرے کہ اس سے داد کے بارے میں معلوم کرے۔ دلیہ تو وہ خود ہی اس شخص کا جیالہا بن دیکھ چکا تھا لیکن ہوسکتا تھا کہ بھئی لال اسے کچھ اور بتائے۔

کرم چند کے لیے سب سے بڑی آگ بھڑکی تھی کہ اس زوار کی رقم نہیں لی تھی۔ یہ ادب بات تھی کہ اس کے آدمی وہ رقم تلاش کرنے سب سے تھیں۔ وہ رقم ان کے ہاتھ نہیں لگ سکی تھی اور اب یہ شخص اس رقم کو واپس لینے کے لیے اسے دھمکیاں دے رہا تھا اور وہ بھی اس کے لیے شہر میں۔ جہاں ہر طرف اس کی بیہوش چھائی ہوئی تھی۔

کچھ عرصہ کراس نے لبہ پور پھرا دیا تھا۔ اس بار وہ اپنے ایک خاص آدمی کو فون کر رہا تھا۔ اس آدمی کا نام گردھاری تھا۔ یہ بھائی تھے۔ گردھاری اور تھانے۔ یہ دونوں ہی کرم چند کے خاص آدمیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ پہلے سال سماجی ہی کے مندر میں داد نے تھانے کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس وقت سے گردھاری داد سے انتقام لینے کے لیے جہاں ہوں پھر جاتا تھا اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے بھائی کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ "ہوگر گردھاری کرم چند نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد کہا۔ "میں کرم چند ہوں رہا ہوں۔"

"میں باس یا،" دوسری طرف سے گردھاری جواب دیا تھا۔ "کیا حکم ہے؟"

"کیا تھیں اپنے بھائی کے قاتل سے کوئی دلیہ ہے؟"

"کیوں نہیں باس۔ وہ اس وقت بھی مل جائے تو اس کے پتے کر دوں؟"

"تو پھر سن لو کہ وہ آج کل پونہ آیا ہوا ہے۔ کرم چند نے بتایا۔ "تم اسے تلاش کر سکتے ہو تو کر لو۔"

"میں اسی وقت پورے شہر میں اپنے آدمیوں کو بھینا دیتا ہوں۔ گردھاری نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "دوچ کر نہیں جاسکتا۔"

گردھاری سے گفتگو ختم کرنے کے بعد بھی کرم چند کے ہاتھ فون کے پاس ہی پھیرا رہا تھا۔ وہ ایک ایسی تنظیم کا حکران تھا جس نے پونہ پر اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ یہاں کے لوگ اس کے تہذیبی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ اور اس کی

حکمرانی کو اس شخص نے چیلنج کر دیا تھا۔ اس نے جس لیے نہیں کرم چند سے بات کی تھی وہ کچھ کرم چند کے لیے بالکل اچھی تھا۔

دوسری صبح داد نے عبدال کی اداکارانہ صلاحیتوں سے ناامید اٹھانے کا منصوبہ بنایا تھا۔

فلم والوں کے ساتھ رہ کر عبدال میں خود بھی اداکاری کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھیں۔ اس نے عبدال کو شہر کی ایک لائبریری کی طرف بھیج دیا تھا۔ تاکہ وہ وہاں جا کر پڑھنے اخبارات کے ذریعے کرم چند اور اس کے ساتھیوں کے متعلق معلومات حاصل کر سکے۔ اس کا اندازہ تھا کہ مقامی اخبارات میں کرم چند اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں جنس ضرور شائع ہوتی رہتی ہوں گی۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس شہر میں پوری طرح اپنے ہاتھ پاؤں پھیل کر رکھتے تھے۔

لائبریری کی جانے کے لیے عبدال نے اپنے چیلے میں بھی تبدیلی کر لی تھی۔ وہ نہ جانے کس کس بازار سے اپنے لیے ایک عدد بھائی شیر وانی اور ایک پاجامارے آیا تھا۔ اس لباس کو پہن کر وہ ایک خطا خواص آدمی دکھائی دے رہا تھا جس نے اپنی زندگی کی کتابوں کے لیے وقف کر رکھی ہو۔ داد اس کے چیلے کو دیکھ کر مسکرائے لیکن نہیں رہ سکا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس لباس میں کوئی پروفیسر معلوم ہوتا ہوں،" عبدال نے سلیس اردو بولنے کی کوشش کی۔

"خدا کے واسطے تم اپنی زبان بند کرنا۔ داد نے کہا۔ "یہ آدمی کھنوی اور آدمی بھئی نہیں چیلے گی۔"

"مجھے کیا باس؟" عبدال نے جڑی سواست مندی کے ساتھ اپنی گردن ہلا دی۔ "اپنی اپنی زبان بند کر رکھے گا۔"

عبدال اسی وقت کسی لائبریری کی تلاش میں چلا گیا تھا۔ جب کہ داد اپنے کمرے میں رہ گیا۔ وہ خود بھی کسی لائبریری کی طرف لٹک گیا تھا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ اس کے فون کے کرم چند اور اس کے ساتھیوں میں کھلی جھگڑا ہوئی۔ وہ لوگ پاگلوں کی طرح پورے شہر میں اس کی تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ وہ بھی جانتا تھا کہ ان لوگوں کا رخ شہر کے ہتھکوں کی طرف بھی ہوگا۔

وہ ہتھکوں میں آکر معلوم کر کے کہ حال میں آئے دلیہ سافر کون کون سے ہیں۔ ان کے نام کیا ہیں۔ ان کے چیلے کیا ہیں۔ لیکن داد کوئی الحال اس کی پرواہ نہیں

تھی۔ اس نے اسی شہر میں ایک ایسا مکان دیکھ لیا تھا۔ جہاں وہ اور عبدال بڑی آسانی سے ساتھ کچھ دنوں کے لیے چھپے رہ سکتے تھے۔

یہ مکان آسپ زدہ مشہور تھلا یہ سورت روڈ پر تھلا۔ کرم چند کے فون اس طرف سے گزرتے ہوئے بھی خوف محسوس کیا کرتے تھے۔ اس مکان سے بارے میں یہ روایت تھی کہ کسی زمانے میں یہاں دو آدمیوں کا خون ہو گیا تھا۔ اور ان کی روہیں ابھی تک اسی مکان میں ہی چھڑائی پھری تھیں۔ لیکن داد کو اس قسم کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اپنی جگہ خود ایک بھت تھا۔

اس نے دو پھر کا کھانا اپنے کمرے ہی میں منگو کر کھا لیا۔ عبدال سے آئے میں دیر بھی ہو سکتی تھی۔ اسے کرم چند کے قہقہے ساتھیوں کے ناموں اور تھانے کی ضرورت تھی۔ وہ اپنی کاروائی کا آغاز ان ہی لوگوں سے کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات معلوم تھی کہ اس کے ساتھی بھی آچھے لوگ نہیں ہوسکتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ اگر تھانے کی تھی ہو جائے تو کیا نقصان تھا۔

عبدال سہ پہر کے وقت واپس آیا تھا۔ اس کی حالت بہت اتر چڑی تھی۔ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے دن بھر پھاؤ لڑا تھا۔ تار با تار وہ آئے ہی صوبے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

"باس اپنی کوششیں سن چلانے کو دے۔ دو روپے حوالے کر دو۔ لیکن قلعہ چلا سالا اپنی سے اس کا روگ نہیں ہے۔"

ماسک منہ پر نہیں ہو گیا۔ دلوں کے بعد کچھ کھانے کا ٹرائی کیا ہے۔ سالا اخبار تو اپن الٹ کر ہی نہیں دیکھتا لیکن حرف

نہ ہمارے لیے سالا اخبار کا پورا پورا اثر مل رہا ہے کہ کر کے چھڑا کر لیا۔ "چلو ای بھائے کچھ بھر ڈھو لیا تم نے۔ لیکن کیا ہوا۔

کچھ تیر چلا؟"

"کچھ نہیں باس۔ بہت کچھ تیر چلا۔ وہ سالا کرم چند تو بہت مشہور آدمی ہے۔ اٹھا اخبار والا اس کو جانتا ہے۔ اس کا چرنا چھاپتا ہے۔ اس کا بہت بڑا کاروبار ہے باس۔ نہ جانے کیا کیا ہے۔ بڑا بڑا لوگ اس کو دعوت دیتا ہے۔ اس کا ساتھی لوگ بھی اس کے ساتھ بہت شہر ہو رہے۔"

"کیا تم نے اس کے ساتھیوں کے نام پتے لے لیے؟"

داد نے پوچھا۔

"میں تو نہیں یاد کر پئے۔" عبدال نے بتایا۔ "ابن کا کھوچ

اشاک مارکٹ کا مالک ہے۔ دینا بھر بات یاد رہتا ہے۔ اس کے ایک خاص ساتھی کا نام منوہر لال ہے۔ وہ سالا سارا

کلب اور بول کا مالک ہے۔ دوسرا آند لال ہے۔ یہ سالہ ایک سو پورٹ کر تہا ہے۔ اور تیسرا پر کاٹل مہرہ ہے۔ یہ ایک اکاؤنٹ ہے۔

”ہوں“ اور دوسرے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے پرخیاں انداز میں اپنی گردن بلا دیں۔ چٹیک ہے۔ ہم منوہر لال سے کام شروع کریں گے۔ ہمارا پہلا نشانہ یہی ہوگا۔

منوہر لال کے ساتھ بڑی تیز رفتاری۔

اس نے ایک رات پہلے کرم چندے یہاں جھکائے کھائے تھے وہ ابھی تک ہضم نہیں ہوئے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے غلطی سے اس نے شیشے جیا لیے ہوں۔ اور وہی شیشے اس کی آنتوں کو کاٹ رہے تھے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ کھائے کرم چندے اپنے باغیوں سے تیار کیے تھے۔ اسی لیے ان کی صرف تعریف لازمی تھی بلکہ انہیں کھانا بھی ضروری تھا۔

اس وقت رات ہو چکی تھی یہ دوسری رات تھی اور اس کا پٹ ابھی تک صبح نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے کلب میں موجود تھا۔ کلب کے معاملات سے لیے وہ کسی بھی بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ اس کا تجربہ بھی موجود تھا۔ لیکن رات گیارہ بجے کے بعد وہ چلا جا کر تھا۔ اور منوہر اس وقت تک کلب میں بیٹھا رہتا تھا۔ کلب میں کام کرنے والے ایک ایک کمرے اپنے گھروں کو رخصت نہیں ہوجاتے۔ سالہ حساب کتاب سمیت لینے کے بعد وہ جتنی سے پہلے بھری باتیں کرتا تھا۔ خود بھی کلب بند کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوجاتا۔

جونی اس کے کلب کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ وہ بیک وقت اس کلب کی رقا صبر بھی بنی اور اکاؤنٹ بھی۔ دن بھر کا سارا حساب اسی کے ذمے ہوتا کرتا اور رات کے وقت وہ پانی پانی کا حساب دے کر رات پنا حق سے کر خود بھی اپنے گھر کی طرف چل دیتی۔ اپنے معاوضے کے لیے اسے کلب میں نفس کرنا اور منوہر لال جیسے بے ڈھنگے شخص کے ساتھ گزار بھری باتیں کرنی ہوتی تھیں اور جونی کے خیال میں یہ سودا جھنگا نہیں تھا۔

اس وقت کلب میں تقریباً ستا ہوا چکا تھا۔ اکاؤنٹ کا مالک تھے بھی تو وہ واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے جونی لینڈ روم کی طرف لٹی ہوئی تھی اور منوہر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ٹوٹ لٹنے میں مصروف تھا۔ پیٹ کے درد سے

باوجود یہ کام کرنے ہوئے اُسے خوشی محسوس ہو رہی تھی اور نوٹوں کی جھلک اس کے لیے ہمیشہ سے خوشگوار ثابت ہوئی آتی تھی۔

اس نے اپنے عزیز کا کہوں کے لیے نقد کے علاوہ ہنڈ دینے کی سہولت بھی رکھی ہوئی تھی جن کا کہوں کے پاس ٹوٹ نہیں ہوتے وہ ہنڈ دے دیا کرتے۔ وہ اس وقت لوہنڈز اور نوٹوں کو الگ الگ کر کے رکھ رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور جونی بھولائی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔

”یہ یہ لوگ“ اس نے کچھ تیرانے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ منوہر لال نے گردن اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دو قوی پہیل آدمی کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ ان دونوں سے اندازہ سے بڑی بے نیازی ظاہر ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک بہت لانا چوڑا اور خوبصورت آدمی تھا جبکہ دوسرا صحت مند ہونے کے باوجود ایسے مسخرے کی طرح معلوم ہوا تھا جو اس سے انزیر منوہر لال کے پاس آ گیا ہوا۔ ان دونوں نے کمرے رنگ سے لباس پہن رکھے تھے۔ اور دونوں کے ہاتھ جیبوں میں تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر منوہر لال کے بدن میں خوف کا ایک نامعلوم سا احساس بیدار ہوا۔ ان میں سے مسخرے تمام شخص نے اندر آئے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ جبکہ دوسرا بڑی لاپرواہی سے قدم بڑھا ہوا اس کی میز کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

جونی جلدی سے دو دروازے ٹیک لگا کر پڑی ہوئی۔ اس نے ایک بار پھر منوہر لال کو تیرانے کی کوشش کی تھی۔

”یہ یہ دونوں میرا مطلب ہے کہ“ ”ہاں۔ ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔“ منوہر لال نے کمرے دینے والے انداز میں اپنا ہاتھ ہلایا۔ ”یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“ ”تم نے ٹھیک کہا۔“ آگے بڑھنے والے نے اپنا ایک پیرکری پر رکھ دیا۔ ”تم جانے ہو کہ ہم لوگ کس ارادے آئے ہیں۔“

اس کی گفتگو سے دوران وہ مسخرہ نظر آنے والا شخص جونی کے قریب جا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”تم لوگوں نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔“ منوہر لال اُسے ٹھوڑا ”تم شاید یہاں سے حالات نہیں جانتے۔“ ”مگر تم نے اپنے دونوں ہاتھ میرے نہیں رکھے تو کیا غلطی ہوگی۔“ وہ آدمی غریبا۔

منوہر لال نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ میرے رکھ دینے کا تم نہیں جانتے کہ تم لوگ کس کی رقم پر لگاؤ گے۔“ ”ہم سب جانتے ہیں۔“ اس آدمی نے میز پر رکھے ہوئے ٹوٹ اور بانڈ شیشے شروع کر دیے۔ ”ہم جان کر ہی اس حرف آئے ہیں۔“

”نہیں۔ تم نہیں جانتے۔“ مگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دولت کس کی ہے۔ تو تمہارے ہوش ٹھٹھکانے آجائیں گی۔ تمی دقت ہے باز جاؤ۔“ اس آدمی نے منوہر کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔

وہ بڑی مستعدی لیکن بے نیازی کے ساتھ اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ اس نے ٹوٹوں اور بانڈز سے بہت سے ہنڈل بنی جیبوں میں محسوس کیے۔ پھر اس نے ٹوٹوں کی ایک بستی لکڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا جو سو سے نوٹوں پر مشتمل تھی۔ یہ لکڑی منوہر لال نے ایک خانے کے پیچھے رکھ دی تھی۔ لیکن اس شخص کی تیز نگاہوں نے اس لکڑی کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ اسی لیے اس نے اس لکڑی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

منوہر لال نے مضطرب ہو کر اس لکڑی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور اسی وقت اس آدمی نے ایک زوردار ٹھونس اس کے

جہڑے پر رسید کر دیا۔ منوہر لال کا سر ایک جھپٹے سے کمرے کی پشت سے ٹوٹ گیا۔ اس کی ہتھیلی ٹپ ٹپ تھی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے خون بہنے لگا تھا۔

”اے دو قوی منٹ کرو۔“ وہ آدمی غریبا۔ ”ورنہ میں اس سے برا حشر بھی کر سکتا ہوں۔“

اس نے میز پر پھیلے ہوئے سارے ٹوٹ اور ہنڈز اپنی مہول میں محسوس کیے۔ اس دوران اس کا دوسرا سامنے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہوا تھا۔ نوٹوں کو جیبوں میں بھر لینے کے بعد اس آدمی نے اپنی جیب سے سینول نکالا اور اس کی طرف منوہر لال کی طرف کر دیا۔ منوہر لال کی سانسیں رک گئیں۔ مثمل وہ اپنے خنک ہونٹوں پر جلدی جلدی زبان پھیرنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ آدمی سسر لاپر ہراس نے ہتھوں کا رخ تبدیل کیا اور دیے بعد دیر سے تین کوئیاں چلا دیا۔

پہلی کوئی نے کمرے میں رکھے ہوئے ایک خوبصورت ٹیبل ایب کے کمرے آرا دیے تھے۔ دوسری کوئی نے ایک خوبصورت شیف کا کباڑہ کر دیا اور تیسری کوئی نے میز سے

قیمتی شیشے کو کچی کچی کر دیا۔ اس کمرے میں کوئیاں کی آواز اس طرح گونجی تھی جیسے کپوں کے دھماکے ہوتے ہوں اور اعصاب تلک چھٹنے لگے تھے۔ ان آوازوں کی گونج ختم ہوئی تو سناٹا چھا گیا۔ ایک ایسا سناٹا جو بہت زردہ کرنے والا تھا۔ لیکن یہ بہشت منوہر لال اور جونی کے لیے تھی۔ جب کہ وہ دونوں بہت لاپرواہ دکھائی دے رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں کوئی ترانہ دکھانے کے لیے آئے ہوں۔ ان کے منانے نے منوہر کے دفتر کا ناس کر دیا تھا۔ یعنی خدا کے بڑے اچھے تھے قیمتی میز پر تھانے ہو چکی تھی۔ شیف ٹوٹ چکا تھا۔ ”تم اپنے اس چوبے کرم چندے کہہ دینا کہ میں آج حرف سو دے جا رہا ہوں۔“ کوئی چلانے والے نے کہا۔ اور اسے یہ بھی بتا دینا کہ داد یہ کہہ گیا ہے کہ اصلی رقم ابھی باقی ہے۔ میری بات سمجھ گئے۔ مگر کچھ گئے ہو تو اسی طرح دہراؤ جس طرح میں نے دہرایا ہے۔“

منوہر لال نے کسی طوطے کی طرح اس شخص کی بات کو دہرا دیا جس نے اپنا نام داؤر بتایا تھا۔

”شاباش! داؤر سے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اب ہم تمہاری اس ٹرکاپا اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ یقیناً دیر کے بعد اس کو واپس کر دیا جائے گا۔“

جونی نے بھلا کر منوہر لال کی طرف دیکھا لیکن اس وقت وہ خود بے بس تھا۔ اس لیے اس نے اپنی نگاہیں جی دوسری طرف کر لی تھیں۔

”اؤ چلو۔“ اور جونی سے مخاطب ہوا۔

جونی اپنے خنک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی منوہر لال کی میز کی طرف بڑھی پھر دروازے کی طرف چل دی۔ وہ دونوں چڑے اطمینان کے ساتھ اُسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گئے تھے۔ اُن کے جانے کے بعد بھی منوہر بہت دیر تک سکتے سے عالم میں بیٹھا رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کرم چندے کے شہر میں کوئی شخص اس کے خلاف اتنی جرات کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ یہ جونی لوگ اپنی جائیں چھیلی بڑے پھر رہے تھے۔

فون اس کی میز پر بجا ہوا تھا۔ لیکن اس کی ہتھیلی نہیں ہو رہی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ کہیں قریب ہی موجود ہوں۔ منوہر لال کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ انہیں کچھ دیر چلے جانے کا موقع دے دے۔ وہ لوگ جونی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ نہ جانے اسے بے چاری کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا تھا۔

لیکن جونی اس کی توقع کے خلاف بہت جلدی ہی

وایس آئی، ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہمیں سے دور تھی ہوئی
آری ہوا اس کی سانسیں بہت تری طرح پھول رہی تھیں
”ان لوگوں نے مجھے سڑک سے موڑ کر پھوڑ دیا تھا، اس
نے بائیں ہونے کہا، ”ان کے پاس ایک گاڑی تھی مگر
بریک لیٹ نہ تھی۔“
”وہ گاڑی یقیناً چوری کی ہوئی، منسوبہ لال نے کچھ سوچتے
ہوئے اپنی گردن ہلاتی۔

جوتی دھال سی ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی منسوبہ لال نے
اس بار فون کا ریسپونڈر اٹھایا۔ وہ گرم چندے گھر کا نمبر مل رہا
تھا۔
”ہیلو، اس نے سینڈو کی آواز بچانے کے بعد کہا، ”اس
سے بات کرنی ہے میں منسوبہ لال بول رہا ہوں۔ ہاں، میں
جانتا ہوں کہ وہ اس وقت سو رہے ہوں گے لیکن یہ بہت
طروری ہے بہت طروری۔“ انہیں ابھی اٹھاؤ۔ ہاں سال
پاس ناراض نہیں ہوں گے۔“

اسی رات دینے آج شہر میں ایک اور واقعہ ہوا۔ یہ
واقعہ ایک بہت بڑے گودام اور اس سے ملحقہ دفاتر میں
پیش آیا تھا۔ یہ گودام اور یہ دفاتر آئندہ لال کے فتنے جو کرم چند
کے بچے ایچ پیورٹ اہیورٹ کے قانونی نام سے غیر قانونی کالم
کی کرنا تو وہام میں وہ مال بھرا تاج کی قانونی حیثیت
تھی اور گودام سے پیچھے ایک خفیہ گودام میں ناجائز چیزوں
کے ڈھیر تھے ہوتے۔ وہ گودام اسمگلنگ کے سامان سے بھرا
ہو تا تھا۔ ان میں سب سے اہم غیر ملکی شراب کی بوتلیں تھیں۔
اس گودام میں ایسی ہزار ہا بوتلیں رکھی رہتی تھیں۔ یہ شرابیں
دقے دقے سے بھاری جہت کے عوض پورے شہر میں
پھیلادی جاتی تھیں۔

ان گوداموں اور دفاتر کی حفاظت کے لیے آئندہ لال
نے کوئی خاص انتظامات نہیں کیے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی
کہ شہر کے جرائم پیشہ افراد کو معلوم تھا کہ سب کچھ آئندہ لال
کا نہیں بلکہ کرم چند کا تھا۔ اور کرم چند سے مال کی طرف
آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات کس میں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے
رات کے وقت صرف ایک ہی چوکیدار سے کام چلایا جاتا تھا
تھا جس کا نام تھی تھا۔ وہ ایک سابق فوجی تھا۔ اسے اس
بانت سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ان گوداموں میں کس قسم کا
مال بھرا ہوا ہے یا کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے
یا نہیں۔ اسے بس اپنی ذیولٹی سے مطلب تھا۔ اسی لیے وہ
رات بھر اپنا فرض ادا کرنے کے لیے پوری مستعدی سے لگھ
گوداموں اور ملحقہ دفاتر کے چکر لگا رہا تھا۔ اس وقت اس

سے ہاتھ میں ایک ٹارگٹ ہوئی اور اس کی کمرے اس کا سر
رہا اور لگا رہتا۔ ویسے اس رہا اور کو استعمال کرنے کی کو
نوت بہت کم پیش آنی تھی۔ ٹارگٹ بھی وہ بہت کم استعمال
کیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے قدم ان راستوں سے اچھی طرح
آشنا تھے۔ وہ جانتا تھا کہ کہاں پر کیا چیز رکھی ہوئی ہے۔ کس
طرف ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے اور کس طرف راستہ صاف
ہے۔

اس وقت بھی وہ معمول کے مطابق اپنی گشت پر نکل
ہر طرف سناٹا تھا۔ اسے اس سناٹے سے کبھی خوف محسوس
نہیں ہوا تھا۔ سناٹے اور اندھیرے اس کے ساتھی بن گئے
تھے۔ رات بھر کے ساتھی۔ وہ اس وقت بھی اندھیروں اور
سناٹوں سے بائیں کرتا ہوا اس عمارت کی بیڑھیاں چڑھنے
لگا جس عمارت میں دفاتر بنے ہوئے تھے۔

پھر پہلی دفعہ اسے احساس ہوا جیسے وہاں کوئی اور
بھی موجود ہو۔ ان دفاتر میں سے کسی ایک میں کوئی دھڑ
تھا۔ یہ احساس بلاوجہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے کان بہت
حساس تھے اور ان حساس کانوں نے ایک آواز سن لی
تھی۔ وہ آواز گرج بہت ملتی تھی۔ لیکن وہ قسم کھا کر کہہ سکتا
کہ وہ کسی کے چلنے کی آواز تھی۔

اس کا دل ڈوبے لگا۔ کبھی ہوتی ٹارگٹ اس کے ہا
میں نر کر رہ گئی۔ اس نے اپنے پہلو کو تھو لا پھر، جان کر
ہو گیا کہ پہلی بار وہ اپنا رہا اور بھی اپنی کوٹھری میں بیٹھوں
تھا۔ اس کے ساتھ ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔ ایسی لاپرواہی
نے کبھی نہیں کی تھی لیکن آج اس سے جو کچھ ہوئی تھی وہ
اب رہا اور لینے کے لیے اپنی کوٹھری کی طرف بھی نہیں
سکتا تھا۔ وہ جس جگہ کھڑا تھا وہیں پتھر کے تیسے کی طرح کا
رہ گیا۔

پھر اچانک کسی طاقت و زنا پر جکی روشنی اس کے
پر پڑی۔ اور وہ بولکھار دو قدم پیچھے ہٹ آیا۔ وہ اپنے آپ
کو سنبھال نہیں سکا تھا۔ اس کے پیچھے پھسل گئے اور وہ
بیڑھیاں سے پیٹھ ٹھٹھکنے لگا تھا کہ ٹارگٹ والا دور تھا
اس کے پاس آیا اور اسے پکڑ لیا۔ اس نے تسلی کو کرتے
بچا لیا تھا۔

”تم ٹھیک تو ہو یا؟“ تسلی کو اس آدمی کی آواز سنا
دی۔ اس کا بوجہ بہت ہی نرم تھا۔ ”تمہیں جوت نہیں آتیں؟“
اس شخص نے اب اپنی ٹارگٹ بچھا دی تھی اس نے اپنے
کو اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ
کی مضبوط گرفت نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ وہ ایک جوان

مضبوط آدمی ہے۔ اور وہ تسلی کو کوئی نقصان بھی نہیں
پہنچا ناچاہتا۔ وہ نواب تک کچھ کر چکا ہوتا۔
”کیوں ہو؟“ تسلی نے اپنی جھراٹ پر ترقی پلاتے
ہوئے پوچھا۔ ”کون ہو تم؟“
”میں ایک چور ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اور میرا
ساتھی چور ہے۔ وہ اس وقت تمہارے مالک کی تجوری
تھلے کی کھینچ کر رہا ہے۔“
”لیکن مالک اپنی تجوری میں کچھ نہیں رکھتا۔ تسلی نے
جلی سے کہا۔

”تمہیں نہیں معلوم بابا، اس شخص نے ایک گہری
سانس لی۔ تم تو اپنے کام سے کام رکھتے ہو۔ تم نے معلوم کر لیا
ہے کہ تمہارا مالک دن بھر میں حاصل ہونے والی غیر ملکی
خرالوں کی ناجائز آمدنی تجوری میں ہی رکھتا ہے۔ اس
تجوری کی رقم دوسرے دن نہیں اور پہچا دی جاتی ہے۔ یہ
روز کا معمول ہے۔ لیکن تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا مالک کون
کون سے دھندے کرتا ہے۔ خیر اب تم یہ بتاؤ کہ تم اس
منزل پر آنے کے بعد کیا کرتے ہو۔“

”میں۔۔۔ تسلی جواب دینے سے پہلے ہلکا سا پھر بول پڑا۔
”میں گشت کرتا ہوں۔ اس سرے سے کلاس سرے تک۔“
اس نے اس منزل کی ایک دیوار سے دوسری دیوار کی طرف
اشارہ کیا۔ ”اس کے بعد میں اپنی کوٹھری میں واپس ہو جاتا
ہوں۔ وہاں چلنے پر کچھ ہلکا ہوتا ہوں۔ اس طرح رات بھر
گشت کرتا رہتا ہوں۔“

”بہت خوب۔“ وہ آدمی مسکرا دیا۔ ”چوروں کی سلطنت
میں تم جیسا ایمان دار اور فرض شناس آدمی بھی موجود ہے۔
ام نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس
لیے تمہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ بس اب آؤ میرے
ساتھ۔“

”تمہارے ساتھ؟“ تسلی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
”تم مجھے کہاں لے جاؤ گے؟“
”میں تمہارے ساتھ گشت کروں گا۔“ اس نے
جواب دیا۔ ”جب تک میرا دوسرا ساتھی اپنا کام ختم نہ کرے
گا۔ اس وقت اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔ بونو کو وہ ایک
اندلی کوٹھری کی آوی ہے۔ اسے جڑے ہوئے دریا نہیں ملتی۔
نیرم آؤ۔“

اس آدمی نے ایک طرف قدم بڑھا دے۔ تسلی بھی اس
کے ساتھ قدم سے قدم کھینچنے لگا تھا۔ اس کی بچہ میں انہیں آہ

تھا کہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ آدمی کس مزاج کا ہے۔ اس
نے ایسا سوچا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جوائے اطمینان
کے ساتھ اپنی کاروائی کرتا ہو۔

وہ دونوں قدم بہ قدم چلتے رہے۔ تسلی کو یہ سب کچھ ایک
خواب کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ پھر مذکورہ دکھائی دے رہا
تھا۔ کہا ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اوپر اسے واپس آئے ہوئے
اس نے پھر ایک آواز سنی۔ یہ آواز دفتر کے کس کمرے سے باہر آئی
تھی جس میں تجوری رکھی رہتی تھی۔ تسلی اس تجوری کے بارے
میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ وہ اسی کمرے میں ہے۔ اس کے
علاوہ اسے اور کچھ نہیں معلوم تھا۔ اسے جو تھکے دیکھ کر سنا تو چلنے
والا چور مسکرا دیا۔ وہ لوگ جہاں چل رہے تھے وہاں روشنی
ہو رہی تھی۔ اور اس روشنی میں تسلی کا اس چور کا چہرہ مت
دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک خوبصورت آدمی تھا۔ بہت ہی
مضبوط۔ جیسے لوہے کو چھلکا کر بنایا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں
میں چلنے جیسی چمک تھی۔ اس کے ہاتھ خود تسلی کو اس سے
کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

”تمہارے خیال میں اس تجوری میں کتنی رقم ہوئی؟“
تسلی نے چپکے چپکے پوچھا۔
”کچھ زیادہ نہیں۔“ اس نے بڑی لا پرواہی سے جواب
دیا۔ ”بہی کوئی سات آٹھ ہزار۔“
”کیا صرف سات آٹھ ہزار کے لیے تم لوگ اتنا بڑا خطہ
مول لے رہے ہو؟“

”بات راز کی نہیں۔ کچھ اور ہے۔“ اس نے کہا۔ ”بھرتی
کی طرف دیکھا؟ چلو نہیں اپنے ساتھی کا بھی دیدار کرادوں۔“
تسلی نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن خاموش رہا اس
شخص نے آگے بڑھ کر اس کے کادروازہ کھول دیا جس
کے اندر وہ تجوری رکھی ہوئی تھی۔ اور آواز اب آری تھیں۔
ایک آدمی اس کمرے میں بھی موجود تھا۔ وہ اس دوران
تجوری کھول چکا تھا۔ اور تجوری میں کئی بھی رقم بیٹھنے
میں مصروف تھا۔ وہ بھی اس سے پہلے ہی شخص کی طرح
بے پرواہ ثابت ہوا تھا۔ اس نے غور سے نہیں دیکھا کہ اس
کمرے کا دروازہ کھولنے والے کون تھے۔

”کیا کام ختم ہو گیا عمیل؟“ تسلی کے ساتھ والے نے
تجوری کھولنے والے سے دریافت کیا۔
”سہڑ پڑے۔ سہڑ باس۔“ تجوری کھولنے والے
نے جواب دیا۔ جس کا عمیل تھا۔ ”تمہارے ساتھ یہ بابا کون
ہے۔“ اس نے غور سے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن کوئی

گارڈ دکھتا ہے۔
ہاں۔ یہ چونکہ ارہے کو دوسرے نے بتایا پھر تھی
کی طرف دیکھا نہ پایا۔ اب ہم لوگوں کا کام ختم ہو گیا ہے اور
ہمیں یہاں سے جانا ہے لیکن جانے سے پہلے تم کو ایک
پیغام دینا ہے۔ یہ پیغام تم اپنے مالک آندلا تک پہنچاؤ
گے۔

”کون سا پیغام؟“ تلمی نے اپنے ہونٹوں پر زبان کو
پھیرا۔ تم لوگ جو بھی کر رہے ہو اس کا اہتمام میرے سر پر لگاؤ۔
”ہمیں جب تک تم اپنے مالک کو ہمارا نام بتاؤ گے
تو وہ سمجھ جائے گا کہ تم ہمیں روک نہیں سکتے تھے۔ تم اپنے
مالک سے کہہ دینا کہ وہ اپنے مالک کرم چند سے یہ کہہ دے
کہ داروں نے کچھ اور منافع حاصل کر لیا ہے لیکن اصل رقم
ابھی بھی باقی رہ گئی ہے۔“

”کون کرم چند؟“ تلمی حیران رہ گیا تھا۔ ”میں تو کسی
کرم چند کو نہیں جانتا۔“
”ہمتا سے جاننے کی بات ہی نہیں ہے۔“ داروں نے کہا۔
”تم صرف یہ پیغام اپنے مالک کو پہنچا دینا۔ چلو اب پیغام
دہراؤ۔“

تلمی نے مسکے مسکے داروں کا پیغام لفظ بہ لفظ دہرایا۔
اس دوران تجوری کھولنے والا عبد اللہ بھی ان دونوں کے
پاس آیا تھا۔ اس کی بھولی ہوئی آنکھیں یہ بتا رہی تھیں کہ
اس نے تجوری میں رکھے ہوئے نوٹ جیبوں میں بھر لیے
ہیں۔

”ٹھیک ہے۔“ داروں نے اپنی گردن ہلائی۔ ”اب تم اس
کمرے میں بند ہو جاؤ اور اس وقت تک باہر نہ نکلا۔ جب
تک کہ تم یہاں سے چلے نہ جاؤ۔“ سمجھو۔
”تلمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ داروں نے عبد اللہ کو
چلنے کا اشارہ کیا اور اسی وقت ایک گولی سنسنائی ہوئی
اس کے سر سے اوپر سے گزری۔“

داروں نے جڑی مشکوں سے خود کو بچایا تھا۔
اس نے تلمی کو دستک دے کر ایک طرف گرایا اور ساتھ ہی
خود بھی ایک جانب چلا۔ لنگ لٹاری عبد اللہ بھی خود کو زمین
پر گرا چکا تھا۔ اس ایک گولی کے بعد وہاں سناٹا ہو گیا تھا۔ شاید
گولی چلانے والا ان کے باہر نکلنے کی جانب سے کسی ردعمل
کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ
تھا کہ جس نے بھی یہ گولی چلائی تھی وہ اس وقت کو دام کے

پاس کھڑا تھا۔ اور اس نے کمرے میں روشنی دیکھ کر اور ان تیروں
میں سے کسی ایک کو متحرک دیکھ کر گولی چلا دی تھی۔
کچھ دیر اسی خاموشی میں گزر گئے۔ دوسری گولی نہیں
چلائی گئی۔
”ان کا تو بیٹے بیٹے تختہ ہو گیا ہے۔ باس! عبد اللہ نے آواز
لگائی۔ ”سالا ایک گولی چلا کر بھول ہی گیا ہے۔“

لیکن گولی چلانے والا محسوس نہیں تھا۔ عبد اللہ کی بات
ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ دوسری گولی کھڑکی کے راستے اندر آئی
اور وہ پورے لگ کر پڑ گئی۔ یہی ایک طرف جی گئی۔ پھر داروں
سے بھی ایک بات آئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا کو دام کے پاس پہنچ
تھا بلکہ کو دام کی چھت پر تھا۔ کو دام دوسری منزل کے کسی کمرے
میں بند کی سے نشانہ لیا جاسکتا تھا۔ اور اس کمرے کی دروازہ
بھی اس کے لیے آسانیاں پیدا کر رہی تھی۔

داروں نے اپنا بیٹول نکال لیا تھا۔ پھر اس نے ایک کمرے
پر دھکی دیا۔ کمرے کے بلب کو اڑا دیا۔ بلب کی کڑکیاں بکھر گئیں۔
اور کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ اندھیرا ہونے کی داور پھٹ گئی۔
رینگنا ہوا اس کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے اپنے عقب میں
تلمی اور عبد اللہ کی آوازیں بھی سنیں۔ تلمی خوف سے ڈرا
رہا تھا۔ جب کہ عبد اللہ اسے اندھیرے میں ہدیہ تسلیم دینے جا
تھا۔ داروں کو پتہ نہیں چلا جانا تھا۔ وہ اسی منزل پر کسی اور کمرے
تلاش میں تھا۔

کمرے سے باہر آکر وہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کوریدرو
وڈرنگا دی۔ پہلا کمرہ بند۔ دوسرا بھی بند تھا۔ جب کہ تیسرا
کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ چھری سے اس کمرے میں
ہو گیا۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی بھی کو دام کی طرف کھلی تھی۔
اس کھڑکی کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
چلانے والا شخص بے وقوف معلوم ہوتا تھا۔ یا شاید نہ
توقع نہیں ہوئی کہ اس پر کسی اور طرف سے بھی نشانہ لیا
ہے۔

داروں دھیرے دھیرے کھڑکی سے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔
اندھیرا تھا اور اس اندھیرے نے کوئی چلانے والے شخص
چھپا رکھا تھا۔ وہ صرف ایک ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ
اسنے وقفے کے بعد اور صرف ایک ہی سمت سے نہیں
جائیں۔ داروں نے اپنا بیٹول والا ہاتھ اٹھایا۔ اب اسے
گولی چلنے کا انتظار تھا۔ صرف ایک گولی۔ اور اس بار اس
کی نشان دی ہو جاتی۔ داروں کو اس کی پوزیشن کا اندازہ
پھر وہ گولی بھی چلی یہ تیسری گولی تھی جو اس کمرے

سے چلائی گئی تھی۔ جس میں کچھ دیر پہلے داروں موجود تھا۔ کو دام کی
چھت پر ایک شعلہ سا چمکا اور داروں نے شعلہ کی سمت ٹھکرا دیا۔
وہ کو دام کی چھت سے کسی کی بیچ سنائی دی اور اندھیرے میں
لپٹا ہوا ایک سایہ چھت سے ٹھکھٹا ہوا اپنے گریبا کیسٹل ختم
ہو گیا تھا۔

کمرے سے باہر دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔
پھر عبد اللہ نے اسے لپکا کر شروع کر دیا۔
”باس! کہیں تم کو کھلا اس نہیں ہونے۔ سالا جدھر جاؤ
اٹھو گولیاں ہی چلتی ہیں۔ ان جیسے شریف آدمیوں کے لیے سلی
جنگ کی گھبراہٹ ہو گئی ہے۔“

داروں کے سے نکل کر باہر آ گیا۔ عبد اللہ اور تلمی ایک ساتھ
کھڑے تھے۔ تلمی کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ سوکھے پتے
کی طرح کانپ رہا تھا۔ شاید اس کی ملازمت کے دوران ایسے
واقعات اس کے ساتھ کبھی پیش نہیں آئے ہوں گے۔ ویسے
اس کے پاس دوسری صبح لوگوں کو سنانے کے لیے ایک زوردار
کہانی موجود تھی۔ کسی طرح دو عجیب و غریب چور فیکٹری میں
ٹھس آئے۔ کسی طرح انہوں نے چوری کی کسی طرح انہوں
نے کرم چند اور اس کے مالک کو دھمکیاں دیں۔ پھر کسی طرح
ان پر گولیاں چلائی گئیں اور انہیں سے ایک چور نے کس قدر
ہوشیاری کے ساتھ گولی چلانے والے کا صفایا کر دیا۔ اس قسم
کی بہت سی باتیں اس کے ذہن میں جمع ہو چکی تھیں۔
”ابن اس کو بچی کی اولاد کو چلی کر دیکھ تو لیں۔ باس! عبد
لہ! سالا جنگ کافی سے محروم ہو گیا۔ ابھی ملک اٹھ رہا ہے۔“

”ہاں چلو۔“ داروں نے اپنی گردن ہلائی۔ ”دیکھ لیتے ہیں کہ
کون ہے؟“

تلمی بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی نکلے آ گیا تھا۔ اس گولی
چلانے والے کی لاش کو دام کے نیچے بھاڑیوں کے درمیان
پھنسی ہوئی تھی۔ وہ اوپر سے لڑھک کر جھاڑیوں میں پھنس
گیا تھا۔ داروں کی چلائی ہوئی گولی نے اس کے سینے میں ایک
سوراخ بنالیا تھا۔ جس سے ابھی تک تازہ تازہ خون نکل رہا
تھا۔

”کیا تم پہچانتے ہو اس کو؟“ داروں نے تلمی کی طرف دیکھتے
ہوئے پوچھا۔ ”جاؤ قریب سے جا کر دیکھ لو۔“
تلمی جھکتا ہوا لاش کے پاس آیا۔ پھر جھک کر لاش کی
صورت دیکھی۔ پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔
”ہاں میں جانتا ہوں۔“ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے

ہوئے۔ ”لو! یہ مجھ سے ہے۔ سینے اسی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اور
چوری کرتا تھا۔“ میں نے ایک رات اسے پکڑ لیا تھا۔ اور میری
شکایت پر مالک نے اسے نوکری سے نکال دیا تھا۔ شاید شہید
یہ مجھ ہی کو مارنے آیا تھا۔“

”تم کو تو ایسا ہی ہے۔“ داروں نے بڑبڑایا۔ ”انداز میں کہا۔
”بہر حال تم اوپر والے کمرے میں جا کر بند ہو جاؤ۔ اور ہم نے
جو پیغام دیا ہے۔ وہ تمہیں یاد ہے نا۔ وہ بات لفظ بہ لفظ اپنے
مالک سے کہی ہے۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ تو ہم دوسری رات
پھر آ جاؤ گے۔“

تلمی کسی سپاہی جیسے کھلونے کی طرح جلدی جلدی اپنی
گردن ہلانے لگا۔

انہوں نے کرم چند اور اس کے ساتھیوں کے درمیان
پہلی چوڑی کھلی۔ ان دونوں کو اندازہ تھا کہ جب ان واقعات
کی اطلاع کرم چند کو ہوئی تو اس کا کیا حال ہوگا۔ وہ غصے میں
اپنی بوڑھیاں نوچنے لگا۔ اس کے اپنے ہی شہر میں اس کے
گالوں پر پتھر مارے گئے تھے۔ اس کے آدمیوں کو لوٹ لیا گیا
تھا۔ اور وہ بھی کھلی ہوئی دھمکی کے ساتھ۔ اس کے لیے یہ بہت
نورسین بات تھی۔ وہ ایسی تو لیں کا عادی نہیں تھا۔ اس لیے
وہ اپنے آدمیوں کو پورے شہر میں پھیلوا دے گا۔

داروں جانتا تھا کہ اس کے لیے پورے شہر میں جال بکھا
دینے والے ہوں گے۔ جگہ جگہ تلاشی لی جا رہی ہوگی۔ بہت ممکن
تھا کہ مقامی پولیس بھی اس کی مدد کر رہی ہو۔ ایسی صورت
میں داروں اور عبد اللہ کے لیے ہونٹوں میں پھرے رہنا مناسب
نہیں تھا۔ انہیں سب سے پہلے اپنی رہائش تبدیل کرنی تھی۔
اس لیے وہ دونوں اس رات سو رت روڑے کے اس مکان

میں ٹھس آئے جو آسبب زدہ مشہور تھا۔ یہاں آنے سے
پہلے انہوں نے ایک دکان کھلو کر بہت سی موسم بیدیاں وغیرہ
بی لے لی تھیں۔ ناکاروئی کا مناسب انتظام کیا جاسکے پھر
عبد اللہ نے کھلانے پینے کی بھی بہت سی چیزیں خرید لی تھیں۔
چرائی ہوئی گاڑی انہوں نے کہیں چھوڑ دی تھی۔ وہ انہیں
چاہتے تھے کہ اس آسبب زدہ مکان کے آس پاس کسی قسم
کی کوئی گاڑی دیکھی جاسکے۔ اس طرح لوگوں کو غصہ ہو سکتا
تھا۔

”ابن سالا پوری دنیا میں وہی چیزوں سے ڈر رہا ہے۔
باس! عبد اللہ نے اس آسبب زدہ مکان کے پاس آکر کہا۔
اس نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے خیمے اٹھا رکھے تھے۔
جب کہ داروں کے پاس سفوی بیگ تھے۔ وہ اپنا سالا سامان

ایسی سبب زندہ مکان میں اٹھائے تھے۔
 ”کن دو چیزوں سے دور رہو، پہلا وہ دورے عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے بوجھا۔
 ”ابک اس سال پھوٹ داس کی موٹی عورت سے اور دوسرا جن بھوتوں سے۔ سالایہ جن بھوت کا لفظ اپنی کے بس کا روگ نہیں ہے۔
 ”خاموش رہو، داور نے اسے جھک دیا۔ انسان سے زیادہ ڈرانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ جن بھوت کسی کی زندگی ختم نہیں کرتے کچھ۔
 ”کچھ بھی ہو باس، اگر کوئی جن سامنے آگیا ہے تو ترسے ہی کو سنبھالنے کا ہے کیا۔ اپنا سالانہ کسی کوئے میں جا کر چپ جائے گا۔“
 ”اچھا ایسا چپ ہو جاؤ، داور نے کہا، وہ مکان آگیا ہے۔“
 یہ مکان قدیم طرز کا ایک ایسا مکان تھا جس کی تعمیر سرخ شیش استعمال کی گئی تھیں۔ اس کا احاطہ بھی بہت بڑا تھا۔ لیکن دیوار جگہ جگہ سے کچی تھی۔ اس عمارت کے کئی کمروں کی چیتیں بھی کڑی تھیں۔ برآمدے کے ستون چھوٹے رہے تھے۔ اگر وہ عمارت آسیب زدہ کے طور پر مشہور نہ مچی ہوتی تب بھی اس کی خاموش حالت کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر جانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اس دیران مکان کے آس پاس بھی کوئی مکان نہیں بنا ہوا تھا اس لیے اس کی دیرانی اور بڑھی تھی۔
 وہ دونوں اگلے کی ٹوٹی ہوئی دیوار سے ہوتے ہوئے اندر آئے۔ ہر طرف اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر بڑے ہوئے تھے جن کے درمیان سے چلتے ہوئے انہیں ٹھوکر بھی لگ رہی تھی۔ اس وقت رات کے تین گھنٹے تھے اور داروازہ دیکھنے کے لیے بائیں چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ برآمدے سے گزر کر وہ دونوں کمرے کے دروازے پر آکر کھڑے ہوئے۔ اس دروازے کی حالت بھی خستہ تھی۔ اس کا ایک پٹ چھوٹ کر ٹک رہا تھا۔ جب کہ دوسرا پٹ اپنی جگہ پر بڑی مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ سب سے پہلے داور کے میں داخل ہوا۔ اس کے بعد عبدل نے بھی قدم رکھ دیا۔
 کمرے میں آتے ہی گرد و غبار دیرین زندہ بدلوئے ان کا استقبال کیا تھا۔ تاریکی ختم نہ ہوئی کہ انہیں بھلا کر بھیجے کے باوجود کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کمرے میں ہر مذہب بھی تھے جو قدیموں کی ہیٹ سنی کر پھر پھرنے لگے تھے۔

”اپن ہمارے دیچے ہے باس“ عبدل نے سرگوشی کی ہوئی بھوت دوت سامنے آجائے تو خود ہی ٹٹ لینا۔ سالانہ اپن کو تم تکلیف مت دینا۔“
 داور نے بڑی سختی کے ساتھ اپنے پوٹ پیچھے اس کے حساس کانوں کے ایک آواز سن لی تھی۔ یہ آواز اس مکان کے کسی دور افتادہ کمرے سے آئی تھی۔ یہ کسی جانور یا بندے کی آواز نہیں تھی بلکہ ایسی آواز تھی جیسے کوئی ٹھٹ رہا ہو یا دوسرے دھیرے چل رہا ہو۔ بہت ہلکی آواز تھی۔ لیکن داور نے غسوس کر لی تھی۔
 ”یا تو ان کا کان سالانہ بہت ایدو اس ہو گیا ہے۔ یا ان نے کوئی آواز سنی ہے“ عبدل نے بھی بتایا۔
 ”تم جیک کہتے ہو؟ داور نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے مکان میں ہمارے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔“
 ”سالانہ بھوت کے ساکن موجود ہو سکتا ہے۔ یہی لوگ ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ اپن کو تو بتا ہے باس کہ اپن اس بھوٹ داس کی موٹی عورت کے ساتھ رہے گا لیکن اس بھوت کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رہ سکتا۔ سالانہ لوگوں کے موڈ کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔“
 ”خاموش رہو، داور نے اپنے ہاتھ کے سفری پتیلوں کو فرش پر رکھتے ہوئے کہا، ایک موم جی جلاؤ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس مکان میں کون ہے۔“
 عبدل نے دوتے دوتے چلتے میں سے ایک موم جی نکالا وہ موم جی روشن کر دی گئی۔ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اگر وہ بالکل خالی تھا۔ فرش پر دھول جی ہوئی تھی۔ اس کمرے کی ایک دیوار سے ساتھ ایک طاق بھی جی ہوئی تھی۔ ایک چوکاڑ اس طاق میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جو روشنی دیکھ کر پھر پھرنے ہوئی کہ کمرے میں پھر لگائی۔ داور نے اپنا بیستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آئے۔ یہ کمرہ بھی خالی تھا۔ لہذا یہاں ایک دیوار کے پاس ایک ٹوٹی ہوئی کرسی رکھی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں بھی ایک دروازہ تھا۔ وہ دونوں اس دروازے سے گزر کر ایک کمرے سے ہا میں آئے۔
 اس ہال میں کچھ فرنیچر موجود تھا۔ پرانے طرز کا جس پر دھول جی ہوئی تھی۔ اس ہال کی دیواروں پر بدولہ تصویر بھی لگی ہوئی تھیں۔ اس ہال میں بھی ہر مذہب کے موجود تھے۔ جو آدمیوں کو مداخلت کرتے ہوئے دیکھ کر شق سے بولنے اور اڑنے لگے تھے۔ لیکن ان ہر مذہب کے علاوہ اس ہال میں

کوئی جاندار نہیں تھا۔
 ان دونوں نے وہ پورا مکان دیکھ لیا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سارے کمرے خالی تھے۔
 ”اپن کو تو یہ سب بھوت کا کچھ معلوم پڑتا ہے باس“ عبدل نے اس کمرے میں آنے کے بعد کہا جہاں سے انہوں نے اس مکان میں سفر شروع کیا تھا۔
 ”ہیں؟ داور نے پوچھا۔ انداز میں اپنی گردن ہلائی۔
 ”ہیر خیال ہے کہ اس مکان میں کوئی تہہ خانہ موجود ہے۔ یہ آواز دیکھ سے آئی ہے۔“
 عبدل نے داور کو روک کر اسے کی کوشش کی۔ لیکن داور تہہ خانہ تلاش کرنے کے لیے نکل پھرا۔ یہ لوگ اس بار کوئی کمرہ کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن کسی کمرے میں کسی تہہ خانے کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہو سکا۔ بالآخر تھک ہار کر یہ لوگ پھر پیچھے والے کمرے میں واپس آئے۔
 وہ آواز پھر سنائی دی۔ اور اس بار یہ آواز پہلے سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ اور بہت قریب سے آئی ہوئی غسوس ہوئی تھی۔ اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس بار یہ آواز اسی کمرے کے کہیں کوئی جی ہوئی اس کے بہت ہی قریب تھا۔
 اس کمرے میں ایک الماری جی ہوئی تھی۔ لکڑی کی الماری جس کا پٹ بٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے بھی تب اس الماری کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن یہ آواز اسی الماری کی طرف آئی تھی۔ داور ایک کمرہ الماری کے پاس پہنچا اور اس نے الماری کے پٹ کھول دیے۔ الماری خالی تھی۔ لیکن اس کے اندر یہ مٹی جی ہوئی تھیں۔ یہ مٹی مٹیوں پر بنا دی تھیں کہ اس مکان کے تہہ خانے کا یہی راستہ ہے۔ داور نے عبدل کے ہاتھ سے موم جی اپنے ہاتھ میں لے لی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے یہ مٹیوں طے کرتے ہوئے تہہ خانے میں آئے۔
 عبدل نے بیستول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ موم جی کی زبردستی میں وہ تہہ خانہ بہت بڑا سا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے مٹیوں میں زندہ کمرے۔ فرش پر گودا کرکٹ کا ڈھیر۔ اعضاء کو منتشر کرنے والی بو اور ایک دیوار کے ہمارے پٹھا ہو ایک بوڑھا آدمی۔
 موم جی کی روشنی بڑے ہی وہ آدمی اچھل پھرا ہو گیا۔ اس کے سر کے بال اور داڑھی بڑے ہی تیزی کے ساتھ بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم کا لباس خستہ ہو کر چھوٹا رہا تھا لیکن اس کی محنت بہت شاندار تھی۔ گردنے والے ماعاب کے باوجود اس کے قوی بہت مضبوط دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی

آنکھیں بھی بہت بڑی اور سرخ ہو رہی تھیں۔ ان لوگوں نے اس مکان میں کوئی نہ والی آواز شہدای کی تھی عبدل نے اسے دیکھتے ہی اپنا بیستول اس کی طرف اٹھایا تھا۔
 ”اپن کو یہ بھوت تو نہیں معلوم پڑتا ہے باس“ عبدل نے کہا۔ بھوت لوگوں کا چوکن اتنا خراب نہیں ہوتا۔
 عبدل کی بات سن کر موم جی اس آدمی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ دیوار کے ہمارے لگا ہوا ان دونوں کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔
 ”دون ہو با با تم؟ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”بابا؟ اس کی آواز تہہ خانے میں سرخ شیش کی تم مجھے بابا کہہ رہے ہو یا میں نہیں بابا دکھائی دیتا ہوں؟“
 ”تو ادر کیا ترسے کو ان سالانہ دیواروں پر بیکار کیا؟“ عبدل نے فتح دیا۔ ”ذرا غصے میں اپنا کھڑا تو دیکھو۔“
 ”ہو سکتا ہے؟“ اس نے اپنی گردن جھٹکی شروع کر دی۔
 پھر ایک گہری سانس کے گرد ہار دیوار کے ہمارے پٹھ گیا۔ ”پتہ نہیں۔ مجھے کتنے دن ہوئے ہیں۔ لیکن تم لوگ کون ہو؟ کیا اسی بدعاش کے ساتھی ہو جاؤ اس سے بول دو کہ تمھونا تھ نے ابھی تک بار نہیں مانی ہے۔“
 ”تم کسی کی بات کر رہے ہو بھائی؟“ داور اس کے قریب آگیا۔ ”تم لوگ کسی کے ساتھی نہیں ہیں۔“
 ”تم بھٹو بولتے ہو؟“ وہ سن پڑا اس کی ہنسی بھی بہت وحشیانہ تھی۔ ”تم لوگوں کو اسی نے بھیجا ہو گا۔“ وہ میں نہیں ہمارے پہلے ساتھی کا شہر دکھاؤں۔“
 داور اور عبدل ایک دوسرے کو سختی سے نظر لگا رہے تھے دیکھتے دیکھتے وہ آدمی پھر پھرا ہو گیا تھا۔ ”اُدھیرے ساتھ؟“ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔
 اتنا کہ وہ ایک طرف چل پڑا۔ عبدل اور داور بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ انہیں تو کچھ بھی نہیں تھی کہ یہ تہہ خانہ اتنا وسیع بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک بڑا سا مٹی جی بنا ہوا تھا۔ ہال کے لمبی کمرے تھے جن میں خالی ڈوم، پڑنا فرنیچر اور بچانے کیا کیا بھرا ہوا تھا۔ عبدل نے موم جی اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی وہ دونوں اس آدمی کے پیچھے چل رہے تھے۔ لیکن موم جی کی روشنی سے باوجود انہیں جیسے جیسے دشواری پیش آرہی تھی لیکن وہ شخص اتنے اطمینان سے ساتھ چلا جا رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہوں۔
 وہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں

لے آیا۔ اس کمرے کے فرش پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔
”یہ دیکھو! اس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ پہچان لو
اس کو۔ یہ کہتا رہا سنا جی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس
کی گردن توڑ دی تھی۔“ سمجھے۔

داور نے موم جی عبدل سے ہاتھ سے لے لی وہ لاش
اس کے لیے اچھی تھی۔ اس آدمی نے دیکھی کہا تھا۔ اس کی
گردن توڑ دی تھی۔ اور وہ بھی اس بے رحمی کے ساتھ کہ
گردن کا رخ دوسری طرف ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر
آخری لمحوں میں جو کرب نمودار ہوا تھا وہ ابھی تک لاش
کے چہرے پر برتا ہوا تھا۔ زبان دانستوں سے تڑکے کھٹ گئی تھی۔
اور دونوں ہتھکڑیوں سے خون بہہ کر ہڈیوں پر پھینک دئی کی
طرح نجد ہو گیا تھا۔ اس لاش سے بدبو اڑھ رہی تھی۔ شاید یہی
بدبو تھ خالے میں محسوس ہو رہی تھی۔

”دیکھ لیا تم نے؟“ اس آدمی نے پھنکاری لی جس نے پنا
نام رنگو ہاتھ بتایا تھا۔ ”میں اپنے ہتھکڑیوں سے ساتھ ہی کرتا
ہوں۔ اُس چور سے جا کر دیکھو کہ میں ابھی تک ویسا ہی ہوں۔
میرے بازوؤں میں ابھی تک قوت ہے۔ میں ایک دن اسی
طرح اس کی گردن بھی توڑ دوں گا۔“ سمجھے۔

”تم نہیں غلط کچھ رہے ہو؟“ داور نے اطمینان سے کہا۔
”مجھے نہیں معلوم کون کس کی بات کر رہے ہو۔ وہ کون آدمی ہے
جو ہتھاراد ملے؟“

”کیا تم لوگ کرم چند کے زرخید اور باسوغلام نہیں ہو؟“
اس آدمی نے حیرت سے پوچھا۔

کرم چند کا نام سن کر داور اور عبدل دونوں کی جیران ہو
گئے تھے۔

”دن سالہ تو راجک جانے گا پاس؟“ عبدل نے کہا۔
”ادھر تو ایسا بدلو اٹھتا ہے جیسے بکھر گھر میں آگیا ہو۔“

عبدل کی بات سن کر رگھوناتھ ہنس پڑا۔
”تم لوگ شاید اس بدعاش کے آدمی نہیں معلوم ہوئے۔“

اُس نے اپنی ہنسی روک کر پوچھا۔
”نہیں۔ اگر تم اس کرم چند کی بات کر رہے ہو جو اس شہر

کالے تاج بادشاہ کہلاتا ہے تو کرم لوگ اس کے آدمی نہیں ہیں۔“
داور نے کہا۔

”ہاں۔ میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔“ رگھوناتھ نے کہا۔ ”اگر
تم اس کے آدمی نہیں ہو تو پھر تم کون ہو؟“

”اپنی انگشتوں پر ہے۔“ عبدل پھر بول پڑا۔ ”ہاں اس
مسلور جونی فلم والی۔ لیکن اس کا کم پہلے ایدھر سے تو چلو۔“

وہ سب پھرا کی کمرے میں آگئے جہاں رگھوناتھ سے داور
اور عبدل کی ملاقات ہوئی تھی۔
”ہاں۔ اب بتاؤ تم لوگ کون ہو؟“ رگھوناتھ نے داور سے
پوچھا۔

”ہماری کہانی صرف اتنی ہے کہ کرم چند کے دشمن ہیں۔“
داور نے جواب دیا۔ ”اس نے ہمارے بائیں لاکھ روپے گول کر
دیئے ہیں۔ اور ہم اس روپے کو وصول کرنے کے لیے بیٹھ گئے
یہاں آئے ہیں۔ اور ہر قیمت پر وہ رقم واپس لے کر جا بیٹھے۔“
”یہ بہت مشکل ہے۔“ رگھوناتھ نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”وہ
بہت کینڈ انسان ہے۔ وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا۔ اٹا تم
لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“

”یہ ہم بھی جانتے ہیں۔ لیکن ہم نے بہت سوچ کچھ کر لے
چینے دیے۔“ داور نے کہا۔ ”لیکن کم اے بارے میں بتاؤ تم
کون ہو۔ اس تہ خطرے میں کہاں سے آگئے؟“

”بیٹھ جاؤ تم لوگ۔“ رگھوناتھ دو بار کے پاس بیٹھے ہوئے
بولے۔ ”میں تم لوگوں کو اپنے بارے میں بتا دیتا ہوں۔“

داور اور عبدل اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ عبدل
نے اب پستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

”میں نے بھی اپنے ہاتھ پاؤں بہت پھیلا رکھے تھے۔“
رگھوناتھ ایک گہری سانس کے ساتھ بولا۔ ”یہ بات اب سے

کئی برس پہلے کی ہے۔ اس وقت کرم چند کچھ بھی نہیں تھا بلکہ
وہ میری آدمی تھا۔ میرے ہی تحت کام کیا کرتا۔ لیکن اس کے

پاس مکاری نما ذہانت تھی۔ اس نے اسی مکاری کے بل پر
مجھ پر قیالو بایا۔ مجھے یہ حیثیت کر دیا۔ اور اس نے مجھے غائب

کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے مجھے کہاں رکھا ہوگا۔ کسی
یہاں بھی وہاں۔ اور آج کل میں یہاں ہوں۔“

”یہ تو بہت ہی مختصر بات بتائی تم نے۔“ داور نے کہا۔ ”کہا تھا
یہ کہنا ہے کہ تم بھی کسی زمانے میں کرم چند کی طرح تھے۔“

”ہاں میں بھی ویسا ہی تھا۔ لیکن اس سے زیادہ طاقتور
اور باحوصلہ۔ تو دیکھا کہ اور بڑا آدمی ہے۔ ایسے آدمی سامنے

اگر وار نہیں کیا کرتے۔ چپکے چپکے وار کرتے ہیں کرم چند نے بھی
میری پشت میں چپکے کھنچو اتارا ہے۔ میں نے اس پر اعتماد

کر لیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک رات جب کرم چند اپنے کمرے
میں سو رہا تھا۔ اس نے میرے ہی محافظوں کے ذریعے مجھے

اغوا کر لیا۔ آدمی کو بند تھے۔ وہ نہیں تھی۔ اور جب میرے چہرے پر
کاغذی تھوڑا سا بخلائی قدرت کی دھڑکی دھڑکی رہ جاتی ہیں۔

جب کرم چند بدل سکتا ہے تو میرے محافظوں کیوں نہیں بک

سکتے تھے۔“

”چلو یہ تو مان لیا۔ لیکن اس نے تمہیں اب تک زندہ
کیوں رکھا ہے۔“ داور نے پوچھا۔ ”تم کو کھانے وغیرہ کرنے کے

لیئے بھی لگوا سکتا تھا۔“
”ہاں۔ وہ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن بنیادی طور پر وہ ایک

بڑا آدمی اور لڑائی آدمی ہے۔ اس نے میرے سارے کاروبار پر
بندھ کر رکھا تھا۔ لیکن میری چھٹیائی ہوئی رقم نہیں مل سکی

فی۔ تقریباً ایک کروڑ روپے میں نے کہیں رگھو ادبے ہیں۔
ان کی ہوا بھی کرم چند کو نہیں لگ سکی ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ عبدل بڑبڑایا۔ ”ایک کروڑ ماکسم
تے نوٹ کو کتنے گنتے سمجھتا ہو جائے۔ این سالہ آج تک اتنے

وٹ نہیں دیکھا۔ اچھا کسی طرح دکھانے کا بندوبست کرو۔
نویں سالہ اکھٹا چند گانی احسان ماننا رہے گا۔“

”جو اس مت کرو۔“ داور نے گھر کی دی “تم ہر جگہ فائو
بائیں کرنے لگتے ہو۔“

عبدل منہ چلاتا ہوا دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔
”تو اسی ایک کروڑ روپوں کے لیے اس نے مجھے آج تک

زندہ رکھا ہے۔“ رگھوناتھ نے پھر کہنا شروع کر دیا۔ ”تم اندازہ نہیں
کر سکتے کہ میں نے کیسے کیسے تشدد برداشت کیے۔ تم میرے جسم

پر تشدد کے نشانات دیکھ سکتے ہو لیکن میں جانتا ہوں کہ
جس دن میں نے اُسے ان روپوں کا نشان دیا وہی میری

زندگی کا آخری دن ہوگا۔“
”کیا اس جہ خالے میں تم بہت دنوں سے قید ہو؟“

داور نے پوچھا۔
”مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون سی جگہ ہے۔“ رگھوناتھ نے جواب

دیا۔ ”کرم چند اس معاملے میں بہت ذہین اور ہوشیار آدمی
ہے۔ وہ مجھے زیادہ دنوں تک ایک جگہ نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی

وہ اپنے کسی محافظ کو زیادہ دنوں تک میری نگرانی کے لیے مقرر
کرتا ہے۔ اُسے کسی پھر جبر و سر نہیں ہے۔ اسی لیے وہ آئے دن

جگہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہاں مجھے مل پھرتا رہا تھا۔ اور وہ
محافظ میرے ساتھ تھا جس کی تم نے لاش دیکھی ہے۔ اس

نے مجھے پڑ بھلا کہا تھا۔ پس نہ جانے کیوں مجھ سے برداشت
نہیں ہوا اور میں نے اسے ہلاک کر ڈالا۔“

”تم اسے مارنے کے بعد یہاں سے نکل سکتے تھے۔ پھر تم
نے ایسا کیوں نہیں کیا؟“

”کیسے نکلتا۔“ رگھوناتھ نے ٹراسا منہ بنایا۔ ”مجھے یہ بتایا
گیا ہے کہ اگر تم تقریباً اس سطح پر بیدار موجود ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ داور سگڑا دیا۔ ”ایسا صرف
جب میں دھوکہ دینے کے لیے کہتا رہا ہے۔ ورنہ اس ویران مکان

میں ہتھارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔“
”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ رگھوناتھ پھل پڑا۔ ”میں تو یہ سمجھ

رہا تھا کہ یہاں بہت سے آدمی ہوں گے۔ اسی لیے ان کو مارنے
کے بعد میں نے صرف اس کی لاش چھپا دی تھی۔ خود باہر نہیں

نکلا۔ اور اب تم یہ کہہ رہے ہو ویسے یہ جگہ کوئی ہے۔ کیا نہیں
معلوم ہے؟“

”ہاں۔ یہ اسباب زندہ مکان کہلاتا ہے۔ سورت روڈ والا۔“
داور نے بتایا۔

”ادھ تو رگھوناتھ ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔“ وہ
مؤدی شخص یہاں بھی رہتا رہا۔ لیکن اب۔ اب میں اس

کی اینٹ سے اینٹ کی یادوں گا۔ اس تنظیم میں ابھی میرے
وقار اور وجود ہوں گے۔ میں ان کی مدد سے کرم چند کو جہنم

رہسید کر دوں گا۔ تم لوگوں کا بہت بہت شکریہ کر تم لوگ یہاں
آئے اور مجھے آزادی کی خبر سنائی۔“

داور یہاں آکر گھبرا گیا تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا
تھا کہ وہ اس رگھوناتھ کے ساتھ کیا کرے۔ رگھوناتھ کے اس

مکان میں پائے جانے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مکان بھی کرم چند
اور اس کے ساتھیوں کی نگاہ میں تھا۔ اور وہ لوگ رگھوناتھ

کو دیکھنے کے لیے کسی وقت بھی آسکتے تھے۔ رگھوناتھ ان کے
لیے بہت اہم آدمی تھا۔ اس کے پاس ایک کروڑ روپے تھے

اور ان روپوں کے لیے کرم چند دوسری دنیا میں بھی اس
کا بیچنا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

”اپنی کو یہاں سے بڑا بستر اٹھانا ہوگا پاس؟“ عبدل
ایک جہاں لیتا ہوا بولا۔ ”سالہ صبر محنت تو نہیں کیا ہے نہ تو

کرم چند کا مارا لوگ آجائے گا۔“
”پہلے میں بھی اپنی سبیا رہا تھا۔“ داور نے کہا۔ ”لیکن

اب میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے
ایک ہی رات میں اس کرم چند کو لوٹا دیا ہے۔ اس کے آدمی

پانچ کنٹوں کی طرح شہر میں نہیں ڈونڈ رہے ہیں۔ اسی لیے
کسی کا دھیان اس مکان کی طرف نہیں آسکتا۔“

”کیا کیا ہے تم لوگوں نے کرم چند کے ساتھ؟“ رگھوناتھ
نے اشتیاق پھرے کچے میں پوچھا۔

داور نے مختصر نظروں میں اسے اب تک کی کہانی
سنائی۔

”یہ بات ہوئی نا؟“ رگھوناتھ نے خوش میں اپنی مٹھیاں

لہری شروع کریں؟ اس حرامزادے کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ تم لوگ وفا کی بہت جیلے ہو۔ اس پرنا میں اس کا ہاتھ روکے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن تم دونوں نے اس کے جتنے چڑا دیے ہیں۔ میں تم دونوں سے استاغفر ہوں کہ اس ایک کروڑ میں سے نہیں بھی دینے کو تیار ہوں۔ ”تھمارا شکر ہے دوست، داد دے برا سامنے بنایا۔ شکر اپنا شکر خود ہی تلاش کر لے۔ یہیں تمہاری رقم نہیں چاہیے۔ تو پھر تم دونوں ہماری تنظیم میں شامل ہو جاؤ۔ یہ وہی تھا جس نے پیش کش کی۔

”واہ! بھئی واہ! عبدالہسن بڑا نام سالا بھی کسی شے جلتی سے کہ نہیں معلوم ہوتا۔ یہی تو تم خود بھی اچھا چھوٹا ہے اور ابراہن لوگوں کو تنظیم میں شامل کر رہا ہے۔“

”خاموش رہو عبدالہ داد دے اس کی طرف دیکھو بھر دھوننا تھے سے مخاطب ہوا۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم نے یہ بات سن بنیاد پر کی ہے۔ تم یقیناً اپنی تنظیم میں اپنی حیثیت دوبارہ عمل کرو گے۔ سو سکتا ہے کہ تمہارے وفادار تمہارا ساتھ دے جاؤں گے لیکن میں نہیں اچھی اس مکان سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”وہ کیوں؟“ دھوننا تھے نے چونک کر پوچھا۔ ”تم مجھے کیوں روک رہے؟“

”تمہارے ہی فائدے کے لیے۔“ داد دے نے جواب دیا۔ ”اس وقت گرم چند زخمی رکھ کر طرح بچھا رہا ہے۔ میں نے اس پر کاری خیزیں لگائی ہیں۔ سو سکتا ہے کہ تم جوش میں آکر کسی ایسے آدمی کو اپنے ساتھ ملاؤ جو تم سے تمہاری دولت حاصل کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہو جائے۔ اس دنیا میں دولت رکھنے تک ہل دیا کرتی ہے۔ اسی لیے نہیں چوچھ کرنا ہوگا۔ بہت سوچ بچھ کرنا ہوگا کہ گرم چند کا تختہ اٹھائے کیسے نہیں بہت سوچ بچھ کرنا ہوگا کہ انتخاب کرنا ہوگا اس سے علاوہ گرم چند سے اس وقت بڑی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ اور میں اس جنگ میں کسی اور کو شامل نہیں کرنا چاہتا۔ یہ جنگ میں نے شروع کی ہے اور میں ہی اسے ختم کروں گا۔“

داور کی بات سن کر دھوننا تھے سوچ میں پڑ گیا تھا بھر وہ اٹھ کر کمرے میں چلے گیا۔ اس کی حالت ایسے شریک کی ہو رہی تھی جس کے لیے بچہ کا دار و خانہ کو کھول دیا گیا ہو لیکن اس کے ساتھ کی ہرول میں زنجیر کی بھی ڈال دی تھی ہوں۔ ”ٹھیک ہے میں نے تمہاری بات مان لی۔“ بالآخر اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔ ”تم لوگوں پر مجھے اعتماد ہو گیا ہے تم جس

وقت کہو گے میں اسی وقت اپنی کاروائی شروع کر دوں گا۔“ دھوننا تھے رات گزارنے کے لیے دوبارہ تہ خلع میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد داد اور عبدالہ نے کوئی ہوئی رقم کی گنتی شروع کر دی۔ دونوں چلوں سے انہوں نے سولہ ہزار روپے حاصل کر لیے تھے۔ ایک رات کی جدوجہد میں اتنی رقم کم نہیں تھی۔

لوٹوں کی گنتی کے بعد داد نے ان لوٹوں کو سفری پیسے میں منقسم کر لیا۔ وہ اپنی کاروائی سے بہت مطمئن معلوم ہوتا تھا۔ ”ہنگامہ قریب دو قاف ہے پاس عبدالہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سالا! بڑا بڑا ہے کوٹ مار میں کچھ نہیں رکھا یہ کوئی ان کے دل سے پوچھے کہ اس میں کیا رکھا ہے۔ سالا! ان ایک سال تک بھی اس بچھوٹے داس کے دفتر میں رہتا تو اتنی رقم نہیں لے سکتا تھا۔“

”تمہاری آج رات کی بات کی تمہیں نہیں ہوئی عبدالہ میں آج رات ایک جگہ کاروائی کرتی ہے۔“

”ایک کو لو اب نیندا کر رہا ہے پاس۔“ اپن ایک بات کی میں تو لکھتی نہیں ہو سکتا۔ کچھ کے لیے بھی رہنے دو۔ ”تمہارے وقوف ہو میں یہ سب کچھ رقم حاصل کرنے کے نہیں کر رہا۔ بلکہ اس کا مقصد گرم چند کو دہشت زدہ کرنا ہے۔“

”مجھے کیا پاس کچھ گیا؟“ عبدالہ نے اپنی گردن ہلائی۔ ”ابن سالا تمہاری بات نہیں سمجھ گاؤں کی کچھ گاؤں پر تو پاس اس سلسلے دھوننا تھے کا کیا ہے گا۔ اس کا کیا کرنا ہے؟“

”کرنا کیا ہے۔ اس سے تمی کام لے جاسکتے ہیں۔ وہ ایک با اثر آدمی ہے۔ وہ گرم چند کی دیوار میں خرد ڈال سکتا ہے۔ لیکن ہم لوگ اسے ابھی نہیں بلکہ مناسب وقت پر استعمال کریں گے۔ ابھی تو ہم لوگوں کے پاس اس حوصلہ موجود ہے۔ ہم اس کی مدد کے بغیر بھی گرم چند کو پریشان کر سکتے ہیں۔“

”سالا! ایک تو تمہارا ریکارڈ اپن سے منک میں نہیں آتا عبدالہ نے کہا۔“ اب سیدھا صا دھایا ہو لو کہ کرنا کیا ہے؟“

”گرم چند کا ایک خاص آدمی باقی رہ گیا ہے۔ لی بکاش فہرہ جو اس کا اکاؤنٹنٹ بھی ہے لیکن اس نے شہر سے دور ایک جو خانہ بھی کھول رکھا ہے۔ اس کے جو خانے میں رات بارہ بجے سے روتی شروع ہوتی ہے اور صبح تک جاری رہتی ہے۔ ہمارا تیسرا چھاپا اسی جو خانے پر ہوگا۔ وہاں تک جانے کے لیے ہم کوئی گاڑی چوری کر لیں گے۔“

”ابن نے اچھی چند گانی سوائے چوری کے اور کام ہی کون سا کیا ہے؟“ عبدالہ نے برا سامنے بنا دیا کبھی تو اپن کو یہ بتا دو گاڑی خریدی ہے جب بولو گے چوری کی بات بولو گے جیسے ابن سالا بیداری اسی کام کے لیے ہوا ہو۔ ”اچھا خاموش رہو۔“ داد نے اس کے شلے پر ایک ہاتھ رکھ کر دیکھ کر وہ وقت کے بے باقی بولتے رہتے ہو۔ چلو اب مومن جی کچھ آؤ اور یہاں سے چل دو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ صبح ہونے والی ہے یا صبح ہونے سے پہلے یہ تیسرا کام بھی ختم کر لینا چاہتا ہوں۔“

عبدالہ نے چونک مار کر مومن جی کچھ آؤ۔ اس کمرے میں اندر بھاگ گیا۔ وہ لوگ اسی اندر سے میں اس مکان سے باہر گئے۔ انہوں نے اپنے سفری بیگ اسی کمرے میں چھوڑ دیے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں دھوننا تھے کی طرف سے بھی اطمینان تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ وہیں جانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

اس وقت چاند کہہ تھے۔ پونا کی ہوا میں ٹھنکی رہی ہوئی تھی۔ عبدالہ نے اپنے دونوں ہاتھ پیٹتے کی جیبوں میں ٹھونس لکھے تھے جب کہ داد نے سر ٹیٹ سلگائی تھی۔ وہاں کبھی بھی کسی سگریٹ یا مارتا تھا۔ اس مکان سے نکل کر وہ ایک طرف چل دیے تھے۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ بد نصیب گاڑی اس وقت کہاں پر کھڑی ہوئی جیسی انہیں چوری کرنی تھی۔ اس روڈ پر اس وقت ہو گا کا تھا۔ البتہ کبھی بھی کوئی کتا بھونکتا اور غراتا ہوا ان کے سامنے سے گزر جاتا۔

انہوں نے سب سے پہلے اس روڈ پر بنے ہوئے مکانوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس علاقے میں کچھ بڑے بڑے مکانات بنے ہوئے تھے۔ اور ہر مکان احاطہ بھی رکھتا تھا کچھ احاطے کے اندر جھانکنے سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ کسی مکان میں بھی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ ایک مکان کے احاطے میں ایک پرانی فلیٹ دکھائی دی تھی تو اس مکان سے ہرونی لیٹ بڑ بہت موٹا سا تالا پڑا ہوا تھا۔ داد نے اس تالے کو کھولنے کے ارادے سے ہلا کھلا کر دیکھا بھر کچھ سوچ کر اس مکان سے آگے بڑھ گیا۔

پھر اس روڈ پر سامنے سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دے گی۔ اس کی ہرول لائٹس نے اس سڑک پر آجلا کر دیا تھا وہ دونوں ٹھٹھک کر پھڑپھڑے ہو گئے۔ اس گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ ان سے قریب سے گزرتی جی جی پھر بھٹکے آگے جا کر اس کے پیچھے چر جائے اور وہ رک گئی۔ داد نے اپنے دانت

مضبوطی سے بیچھے لیے۔ اس نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے پستول پر ہراڑی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ گاڑی روکے والوں نے ان دونوں کو دیکھ کر ہی گاڑی روک دی۔

پھر وہ گاڑی ریورس میں چلی ہوئی ان کے قریب آئی۔ اور اس وقت داد نے پہچان لیا۔ وہ پولیس والوں کی گاڑی تھی جس کے اندر دو پولیس والے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گاڑی چلا رہا تھا۔ جب کہ دوسرا اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا۔

”اے کون ہو تم لوگ؟“ گاڑی چلانے والے نے پھری سے سر نکالتے ہوئے پوچھا۔ کہاں سے آ رہے ہو اس وقت داد نے ایک نظر پھر اس پولیس والے کی طرف دیکھا جس نے سوالات کیے تھے۔ وہ کوئی سب اہلکار معلوم ہو نہ تھا جب کہ اس کے برابر والا اپنے غم کے لیے لحاظ سے خالدار تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر داد کی آنکھیں پٹک اٹھیں۔ اس نے جلدی سے پریشان حال لہجے میں جواب دیا۔ ”جو گرم لوگ تمہا نے کی طرف جا رہے ہیں۔ پڑا انیلے ہو گیا ہے ہمارے ساتھ۔“

عبدالہ نے حیرت سے داد کی طرف دیکھا پھر اپنے ہونٹ بیچھے لیے۔ وہ کچھ بکا تھا کہ داد نے کوئی ڈرامہ شروع کر دیا ہے۔ ”کون سی سہتا پڑی ہے تم لوگوں پر؟“ دوسرے پولیس والے نے سینٹے ہوئے پوچھا۔ ”کہاں رہتے ہو تم لوگ؟“

”ہم لوگ نزدیک ہی رہتے ہیں جناب۔“ داد نے جواب دیا۔ ”دو آدمی ہمارے گھر میں ٹھہرے ہیں۔ ہم جڑی مشکلوں سے جان بچا کر باہر نکلے ہیں۔“

ان دونوں نے اپنی تیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر گاڑی چلانے والا داد سے مخاطب ہوا۔ ”کون دو آدمی؟ کہاں سے آئے ہیں وہ لوگ؟ کیا چاہتے ہیں؟“

”ہم کو کیا معلوم سکر۔ ہم تو بس گھر سے بھاگ لیے۔ اور ہمارے گھر کی زنانیاں باہری ہوئی ہیں۔ اسی لیے کوئی زیادہ کھٹکا تو نہیں ہے۔ پھر وہی ڈرگ رہا ہے۔“

”لیکن یہ وہی دونوں نہ ہوں۔“ برابر کی نشست پر بیٹھے ہوئے حوالہ دے لے کہا۔ ”ہم سوکتا ہے سب اہلکار نے اپنی گردن ہلا دی۔ پھر داد کی طرف دیکھا۔ ”چلو بیچو تم لوگ اپنا کمر بناؤ۔“ داد اور عبدالہ جلدی سے کچھ نشست پر بیٹھ گئے۔ داد سے ہر حرکت میں پولیس والوں کی سرزد ہوئی تھی۔ وہ دن اس قسم

کے پہلے تلاش کا عادی نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اس کی یہ حرکت اس کے کام آئی تھی۔ پولیس والوں نے کسی دکان پر کا حوالہ دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے تھا کہ گرم چند نے ان کی تلاش میں پولیس والوں کو بھی مقرر کر دیا تھا۔ اس سے بات بھی ظاہر ہوتی تھی کہ گرم چند کا عمل دخل پولیس کے حکمے میں بھی تھا۔ پولیس انسپکٹر نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ وہ دونوں ہی بہت پر جوش دکھائی دے رہے تھے۔

”ہاں۔ اب بناؤ کہاں ہے ہتھالا دکان کا حوالہ دے اپنی گردن عمامے ہوئے پوچھا۔

”بس اسی روڈ پر جے جیس سرکار۔“ داور نے جواب دیا۔ ”آگے چل کر ایک گلی آئی۔ اور اس کے بعد ہی“

”اتنا کہہ کر اس نے اپنی جیب سے ہسٹول نکال کر گاڑی چلانے والے کی کپٹی پر رکھ دیا۔ یہی حرکت عبدال نے بھی داور کے ساتھ کی تھی۔

”بس۔ اب خاموشی سے چلتے رہو۔“ داور غریبہ ورنہ مجھے سر میں سوراخ بناتے ہوئے خدا بھی درمیں لگتی۔“

”یکہ یہ۔“ سب انسپکٹر بڑی طرح گڑبڑا کر ”کیا کہہ رہے ہو تم میں پولیس آفیسر ہوں۔ اس سے گڑبڑانے کی وجہ سے گاڑی بہت تیزی سے چلتی۔“

”گاڑی کو سنبھالو۔“ داور نے ہوشیار کیا۔ ”اور میڈھے سیدھے چلتے رہو سمجھو۔“

”بہت دیر کی بعد میرا لاماری کا ٹائم آ گیا ہے۔ استلا۔“ عبدال نے کہا۔ ”اُن کو بولو تو مختصر سا ہاتھ پیرول میں کوئی اتار دے۔“

”نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ داور سرکا دیا۔ ”یہ دونوں شریف معلوم ہوئے ہیں۔ ہاں تو تم لوگ کس کو تلاش کرنے لگے ہو۔“

”کئی کوئیں۔“ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔ اس نے اب خود پر قابو پا لیا تھا۔ اسی لیے اس کا بوجھ بھی معنی تھا۔ اور اس کے ہاتھ بھی ہر سٹون تھے۔

”جھوٹ مت بولو۔“ داور نے ہسٹول کی نال اس کی کپٹی میں گڑو دی۔ ”تم دونوں کو گرم چند نے دو آدمیوں کی تلاش پر بھیجا ہے نا۔“

”سب انسپکٹر ایک گہری سانس لے کر رہ گیا جب کہ حوالدار اپنی نشست پر بیٹھ بولنے لگا۔

”بناؤ۔“ داور نے پھر پوچھا۔ ”تمہیں اسی نے بھیجا ہے نا۔“

”ہاں۔“ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔ ”میں اسی نے بھیجا ہے۔“

اور شاہد تم دونوں وہی ہو۔“

”سوال نے دی ہیں۔“ عبدال چمک اٹھا۔ ”اُن جیسا منکر اٹھا۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

”اٹھا۔“ عبدال نے کئی اور نہیں ملے۔ ”تم سالانہ کیلئے خارج کے کوئی ڈیوٹی دھو۔“

تھا جان سے نہیں مارنا تھا۔ چلو اب آگے بیٹھ جاؤ۔“

عبدال ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ جب کہ داور نے ڈرائیورنگ سیٹ بنگال کی تھی پھر اس نے گاڑی

ایڈجسٹ کی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی رات ختم ہونے میں اب زیادہ درمیان نہیں رہے تھے لیکن سیکرٹری ایڈجسٹ سنان بڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں پولیس والوں کو بھی

انہوں نے ایک دوسرا مقام پر رکھا تھا۔

”باس نہیں معلوم کہ سالانہ پر کاش چہرہ کا حوالہ دے کر صر ہے۔“ عبدال نے پھر دوبارہ سوال کیا۔

”معلوم تو نہیں ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ ایک سیدھی بات ہے جو خانے کی طرف جاتی ہے۔“ داور نے جواب دیا۔

عبدال نے اپنا سر نشست سے اٹھا کر انہیں بند کر دیں۔ داور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی چلانا رہا تھا۔ وہ اس

جو خانے کو لوٹتا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ اور یہ منصوبہ اسی وقت مکمل ہو سکتا تھا جب اس جو خانے کی عمارت دیکھی جاتی تھی۔ داور نے سب سے پہلے دیکھی۔

اور اس جو خانے کی عمارت دیکھی تھی۔

وہ ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کے پچھلے حصے میں گاڑیاں کھڑی کرنے کی جگہ ایک ہوٹل اور ملازمین کے کمرے بنائے

گئے تھے جبکہ دوسری منزل پر عوام کا قمار تھا۔ جو خانے کے باہر بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جو اس بات کی دلیل

تھیں کہ یہ کاش چہرہ کا کاروبار بہت زور و شور سے چل رہا ہے۔

داور نے گاڑی کچھ فاصلے پر رکی تھی۔ اس جگہ اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ اسی لیے اسے اندازہ لگانے میں دشواری

نہیں ہوئی تھی کہ عمارت جو خانے کی ہے۔ پولیس کی اس گاڑی کو جو خانے کے قریب لے جانے میں خطرہ تھا۔ اس

نے گاڑی کے پس میں اتار کر روکی تھی اور اب وہ دونوں ہاتھ ایڈجسٹ کر رہے ہوئے جو خانے کی طرف دیکھ رہا تھا اس

وقت اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو خاص خاص موقعوں پر ہوا کرتی تھی۔

”عبدال۔“ کچھ دیر بعد اس نے عبدال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ایک گاڑی چاہیے۔“

”کیا کہہ رہے ہیں۔“ عبدال اس کا اٹھا ہنس کر جواب دیا۔ ”اُن کے پاس یہ سالانہ پولیس والا گاڑی ہے نا۔“

”نہیں نہیں ہمیں واپس کے لئے دوسری گاڑی کا

بند و بست کرنا ہے۔“ وہ سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

یہ گاڑی کچھ دیر بعد تیار ہونے والی ہے۔“

عبدال کی سمجھ میں داور کی بات نہیں آئی تھی پھر بھی اس نے اپنی گردن ہلا دی۔

”اب تم جاؤ اور کوئی گاڑی انڈر میرا لے آؤ۔“ داور نے پھر کہا۔ ”اور اب سالانہ کی ضرورت نہیں ہے عقل سے

کام لینا ہو گا ہم یہاں جھانڈنے نہیں آئے۔“

”تو پھر کیا پلن دیکھ کر آئے ہیں کیا۔“

”ایسا ہی سمجھ لو۔“ داور سرکایا۔ ”تم جاؤ اور گاڑی حاصل کرنے سے پہلے جو خانے کے کسی آدمی کو کھیر لاؤ۔“ اس آدمی کو

لائے کے بعد پھر کوئی گاڑی چوری کر لینا لیکن یہ دونوں کام بہت ہوشیاری سے کرنے ہوں گے۔“

”اُن کی ہوشیاری صرف مالاماری میں ہوتی ہے۔ بال پھر بھی تم لوٹے ہو تو رٹنا ہی پڑے گا کیا۔“ ایسی باتیں عبدال گاڑی سے اتر کر جھٹکا دیا جو خانے کی طرف

بڑھ گیا۔ داور کو اس قسم کے کاموں کے لئے عبدال پر بھروسہ بھروسہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عبدال ہنگاموں کو بھی کھولنے کا

تجربہ رکھتا ہے۔ اس کے کسی گاڑی یا دروازے کا لاکہ ہوتا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

عبدال کی واپسی بہت جلد ہوئی تھی۔ لیکن وہ ان کیلین تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔ یہ آدمی معمولی لباس میں ملبوس تھا۔ اور اپنے چلنے سے بھی کوئی غصہ ہی آدمی

معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک پتیلی اٹھا رکھا تھا جس میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ عبدال اس آدمی کو گاڑی کے

پاس آئی ہے آیا۔

”اُن کو تو یہی ملایا ہے۔“ عبدال نے داور کو بتایا۔ ”تین آدمی کو بھی اس کے لیے رکھے۔“

داور نے محسوس کیا کہ گاڑی کے پاس اگر داور کو دیکھ کر وہ آدمی کچھ بے چین سا ہو گیا تھا۔

”کون ہو تم۔“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اپنے اچھے بہت زور دیا تھا۔

”مہم بہت گریب آدمی ہے۔“ اس نے داور کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”مہم اور صاحب لوگوں کو دعا دیتا ہے۔“

داور نے اس کے ہاتھ کو لے کر دیکھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ قہر سے

طرف دیکھا۔ وہ خواہنے کے کسی ملازم کی بجائے ایک بھاری گواہنے سے ہاتھ لے کر تھا۔

”اب اپنی جگہ پر آکر تباہ“ عبدال گولڈر گولڈر جلدی میں بیٹھ کر اس کا ہاتھ پھیلایا۔ ”مختارین کی گواہی کے لیے“ ”ٹھیک ہے اس سے بھی کام چل جائے گا۔“ اور کچھ سوچتے ہوئے بولا پھر اس آدنی کی طرف دیکھا۔ ”تم اس خواہنے کے مالک سے واقف ہو۔“

”تم گریب آدنی میں مانی پاپ جلدی کی جاتی کہ تم ان سے واقف چل۔“ البتہ کہ جلتے دیکھتے ہیں۔ ہم ان کو پہنچتے ہیں۔“ ”ٹھیک ہے تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ اور دوسرے تمہارا تم تم سے ایک کام لیں گے اور اس کام کا تمہیں محض معاوضہ دیا جائے گا۔“

وہ آدنی ٹھیک کر لیکر قدم بھی مٹ گیا۔ اور کی بات اس کے لیے نہیں پڑی تھی۔ وہ بہت گھبرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ”بیٹھ جاؤ“ عبدال نے اسے گاڑی کی طرف دھک دیا۔ ”پاس بیٹھنے کو بلا ہے تو بیٹھ جاؤ۔ اگر اس کا کچھ بھریا ہو پھر لکھا جندگی کھڑا ہو گے۔“

عبدال کی بات سن کر اس آدنی کا خوف اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے چاروں طرف اس انداز سے دیکھا جیسے اپنے فرار کی راہ تلاش کر رہا ہو۔ پھر دوسرے کمرہ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا خیال اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ اور بری طرح کانپنے جا رہا تھا۔

”عبدال“ داور نے عبدال کی طرف دیکھا۔ اب جا کر کوئی گاڑی لے آؤ لیکن جلدی صبح ہوئے والی ہے۔“

عبدال بس پاس ہوتا ہوا وہ خواہنے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس آدنی نے داور سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن شاید اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ داور نے اس کی طرف سے دھیان ہٹایا تھا۔ اس کی نگاہیں دوبارہ خواہنے کی طرف لگ گئی تھیں۔

عبدال کی ویسی اس بدیہی بہت جلدی ہوئی تھی وہ اپنے ساتھ ایک گاڑی بھی لے گیا تھا۔ یہ ہمدردستان کی بیٹی تھی۔ ہونی گاڑی تھی لیکن یہ معلوم ہوئی تھی۔ عبدال نے وہ گاڑی پولیس گاڑی کے قریب کھڑی کی اور خود گاڑی سے اتر کر داور کے پاس آگیا۔

”اب اپنی جگہ پر آکر تباہ“ ابھی بولو تو سلا اس خواہنے کو بھی اٹھا لائے۔“

”اب تم اس گاڑی میں سے کچھ بیڑوں نکال کر کسی ٹرے میں بھر دو اور خواہنے کی دیوار پر چھڑک دو۔“ داور نے حکم دیا۔ ”ماں کہ ان سالانہ نہیں سمجھ کر۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم کو آج کسی فلمی اسٹوری لکھنے کا ہے۔“ ”تم صاف صحت بتاتے کیوں نہیں۔“

”تم کہہ رہا ہوں وہی کرو۔“ داور غصا ہوا۔ ہمارے پاس بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ صبح ہوئے والی ہے۔“

عبدال نے بیڑوں نکالنے کے لیے پانچ اور ڈبے کی تلاش شروع کر دی۔ وہ اس کام کے دوران بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ بالآخر اس نے دونوں بیڑوں تلاش کر لی۔ یہ دونوں بیڑی اسی گاڑی سے ملی تھیں۔ جیسے وہ چاکر لایا تھا۔ اس نے پانچ کایک سر پائیس گاڑی کی منگلی میں ڈالا اور چونک مار کر دوسرا ڈبے میں ڈال دیا۔ اس نے بیڑوں نکل نکل کر ڈبے میں جمع ہوئے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ڈبے بیڑوں سے بھر گیا۔

”اب اپنی جگہ پر آکر تباہ“ عبدال نے ڈبہ اٹھا لے ہوئے بول چھا۔ ”اب اپنی سالانہ بیڑوں لے لے۔“ ”نہیں۔ سامنے والی دیوار پر چھڑک کر جاؤ۔“ داور نے کہا۔

عبدال نے یہ کام بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔ اس نے بیڑوں چھڑک لینے کے بعد وہ پانچ اور وہ ڈبے کے پاس ہی پھینک دیا تھا۔

”اب تم اس کو لے کر دوسری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“ داور نے کہا۔ پھر اس آدنی کی طرف دیکھا۔ ”جاؤ۔ جا کر اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

”تم کو جانے دس سر کڑے۔“ وہ آدنی ٹھیک لے لگا بہت لم گریب آدنی میں بھاری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔“ عبدال نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اس دوسری گاڑی میں بیٹھا دیا۔ اور خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ آدنی اتنا خوف زدہ اور کھلا ہوا معلوم ہو رہا تھا کہ اس سے کسی قسم کی جرات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ داور کے کہنے کے غلام کام نہیں کر سکتا تھا۔

اب جو کام کرنا تھا وہ داور کو کرنا تھا۔ اس کا ارادہ تھا جلتے کو لوٹنے کا نہیں تھا بلکہ وہ اس خواہنے کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ بھی اس انداز سے کہ جالوں کا زیاں نہ ہو۔ امید تھی کہ عبدال جس آدنی کو پکڑ کر لایا تھا وہ پکڑا کاش چھڑا دیا ہو ایسا ضرور پہنچا دے گا۔

داور پولیس گاڑی سے اتر کر اس آدنی کے پاس آگیا۔ عبدال کے برابر بیٹھا ہوا ٹھیکہ اسے ہاتھ تھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے۔“ داور نے کھڑی ہر جگہ سے ہونے کو چھڑا۔ ”مقام دیال سر کڑے۔“ اس نے جلدی سے جواب دیا۔ بہت گریب آدنی ہوں۔“

”نام دیال۔“ ”تم یہ رکھو۔“ داور نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

وہ آدنی نوٹ لینے میں ہچکچاتے لگا تھا۔ ”گھر آؤ نہیں۔“ ”لو۔“ رکھ دو اور نہ کہنا۔“ یہ میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں۔“ ”رام دیال نے کاپتے ہمارے ہاتھوں سے داور کے دینے ہوئے نوٹ رکھ لئے۔“

”اور اب تمہیں اس رقم کے عوض ہمارا ایک پیغام اس خواہنے کے مالک تک پہنچانا ہے۔“ سمجھ گئے۔“

”جی جی تمہاری۔“ ”رام دیال نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ آپ جو کام گئے وہ بتا دو گا۔“

”اس سے کہنا کہ وہ اپنے آقا کرم چند سے کہہ دے کہ ان کے بعدی رقم نہیں دی تو میں اس طرح آہستہ آہستہ تباہ کر دیتا گا۔“ ”اس نے عبدال کی طرف دیکھا۔ ”تم رام دیال کو یہ پیغام یہ دلا دے۔“ ”میں اپنا کام ختم کر کے آتا ہوں۔“

داور اس گاڑی کے پاس سے ہٹ کر پولیس گاڑی کے پاس آیا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھ کر اپنی سائیکل کر دیا۔ اس کی نگاہیں خواہنے کی اس دیوار کی طرف لگی ہوئی تھیں جس پر پولیس نے کچھ دیر پہلے بیڑوں چھڑک رکھا تھا۔ اس نے بریک پر سے اپنا تیر ہٹایا۔ سائیکل دوڑا۔ وہ گاڑی پوری رفتار سے اس دیوار کی طرف دوڑ پڑی۔ اس کا فاصلہ لمبے لمبے ہوتا جا رہا تھا۔ عبدال کی تیر ہٹا کر دوسری گاڑی سے باہر آگیا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ داور کیا کر رہا ہے۔ اس کے برابر بیٹھا ہوا رام دیال بھی اٹھ کھڑے ہوئے داور کی اس حرکت کو دیکھ کر رہا تھا۔

داور کے قریب پہنچ کر داور نے اپنی طرف کا دواڑا کھولا اور پانچ باہر پھیلانے لگا۔ وہی کہیں میں کچھ دور تک حرکت چلا گیا تھا۔ گاڑی راکٹ کی رفتار سے دیوار کے پاس آئی اور ایک دھماکے کے ساتھ دیوار سے ٹکرائی۔ داور کو دیکھ کر دیکھ کر عبدال نے اس کی طرف دوڑ لگا دی لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی داور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی کے دیوار سے ٹکرائے۔ دیوار ایک طرف بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ہی دیوار پر چھڑک کر ہوئے بیڑوں نے آگ پکڑ لی۔

داور کا کام ختم ہو گیا تھا۔ اس نے عبدال کا ہاتھ پکڑ کر دوسری گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی۔ دوسری گاڑی کے پاس آکر وہ دونوں بھی ٹھٹھک کر گر گئے۔ رام دیال موقوف پا کر اس گاڑی سے بھاگ نکلا تھا۔

”یہ سلا تو آؤں پھر نکلا پاس۔“ عبدال نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جانے دوس کو ہم نے اپنا کام ختم کر لیا ہے۔“ پھر وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ گاڑی تیز رفتار کے ساتھ شہر کی طرف دوڑ پڑی۔ ان کے عقب میں جلتا ہوا پورا اندازہ لگایا تھا۔ جواہنے میں گھرے ہوئے لوگوں کی چیخیں بھیس تو جیت دھک ستانی دیتی رہی تھیں۔

وہ عملت گرچہ خستہ حال تھی لیکن اس کے اندر ہٹا ہوا دفتر بہت شاندار اور وسیع تھا۔

اس شہر میں اس قسم کی دفاتر تھے جنہیں وہ مختلف مواقع پر استعمال کرتا تھا۔ یہ دفتر ہنگامی نوعیت کی مینگیل میں کام آکر تھا۔ اس وقت بھی وہاں ایک ہنگامی نوعیت کی مینگیل بوری تھی۔ اور اس میں کرم چند کے علاوہ اس کے قابل اعتماد ساتھی موجود تھے۔ پر کاش ہر آئندہ سال منوہر لال سب کی موت دیکھتے دواڑے پر سینڈل دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے کھڑا تھا۔ جبکہ ایک طرف وہ دو پولیس والے بھی بیٹھے تھے جن سے غرضتہ رات نہ صرف ان کی گاڑی پھینکی گئی تھی بلکہ انہیں بے ہوش کر کے گاڑی سے بچے بھی پھینک دیے گئے۔ ان تمام لوگوں میں سب سے خستہ حالت ان کی ہی تھی۔ وہ دونوں بہت بڑی طرح خوف زدہ تھے۔ ان کے چہرے اتارے ہوئے تھے اور ان کی دودھیاں بڑی طرح شکستہ ہو رہی تھیں۔

کرم چند اس کمرے میں اس بے تابی سے ٹپ رہا تھا جیسے وہ اس طرح اپنے اعصاب کو ٹوٹنے سے بچانا چاہ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر غصے کی کئی کیفیت تھی اور وہ کچھ غصہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ جبکہ اس کے تمام ساتھی اس کی طرف دزدانہ نگاہوں سے دیکھتے پھر لڑی کر دیکھ لیتے۔ ”کچھ میں نہیں آتا کہ وہ آدنی ہے یا بلا ہے۔“ کرم چند کر کے درمیان رک کر ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”آپ اس کی طرف سے زیادہ برے نشان دہوں پاس۔“ منوہر لال جلدی سے بولا۔ تم نے چاروں طرف اپنے آدنی پھیلادینے میں۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو یہ کرم چند بھولک اٹھا اس نے ایک رات میں تمہاری چادی ہے میرے دوا کے لوٹ لئے۔ جو خانے میں آگ لگا دی۔ مجھے کھلم کھلا دھکیلی جس اور تم کہہ رہے ہو کہ میں پریشان نہ ہوں، وہ اتنا آسان نہیں ہے کہ دھاری اس نے کوئے میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھا جس کی کھٹی نوچیں اس کے جیسے ہم بہت بھی لگ رہی تھیں۔ تم نے کیا معلومات کیں؟“

”تم نے یہ پتہ چلایا ہے پاس کہ اس آدمی نے کسی حقانی بندے کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی ہے۔ اور وہ بھی حقانی ہے اس کیساتھ آیا ہوگا کیونکہ وہ بھی حقانی نہیں ہے۔ بس یہی دونوں کرم بھگت مہا پائے ہوئے ہیں۔ ہماری آدمیوں نے ہولوں کی بھی پھان بین کی۔ کل شام تک وہ دونوں ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے لیکن شام کے بعد کہیں چلے گئے ہمارے آدمیوں نے سمجھ لیں کہ ان کی تلاش میں پورا شہر مارا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اس شہر میں کوئی مکان حاصل کر لیا ہے۔“

”سب سے زیادہ پریشانی تو ہمارے ساتھ ہوئی ہے۔ پولیس سب انسپکروں پر مشام ہماری تو گاڑی بھی تھک ہوئی ہے۔“

”تم دونوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے تھا؟“ کرم چند اس پر ٹوٹ پڑا۔ تم کیسے پولیس والے ہو۔ تمہیں ذرا بھی عقل نہیں وہ دونوں تمہارے سامنے آئے۔ تمہاری گاڑی میں بیٹھ گئے انہوں نے تمہیں ایک کہانی سنائی اور تمہیں اس پر یقین کیا پھر کیا ہوا۔ وہ دونوں تمہیں بے ہوش کر کے تمہاری گاڑی لے آئے۔ اور وہ گاڑی بھی تمہاری نہیں بلکہ پولیس کی تھی۔ مجھ میں نہیں آتا کہ تم اپنے خیمے کو کیا جواب دہ گے؟“

”حمہ امی لئے تو پریشان ہیں۔ پولیس سب انسپکروں سے ملوئے ہمیں وہ صبح ہی ہوش آیا تھا۔ ہوش آتے ہی ہم یہیں چلے آئے۔ اپنے خیمے والوں کے پاس چاہنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی ہے۔ جواب دہی بھی مشکل ہوئی ہے۔“

”اور اس کی ہمت تو دیکھو کہ اس نے ہر ایک کے ذریعے مجھے پیغام بھیجوا ہے؟“ کرم چند نے کہا۔

”کیا کی طرح اس شخص کا بدلہ لے گا؟ وہ نہیں مل سکتا پاس۔ ہر کاش ہر وہ نے پوچھا۔

”برائے کارڈ؟“ کرم چند سوچ میں پڑ گیا۔ ”شاید اس شخص نے مجھے بنی لال کا حال دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر

میں اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہوں تو بنی لال سے معلوم کر سکتا ہوں۔ منہ پر ذرا تم بنی لال کا نمبر لکھو۔“

”کوہ؟“ بنی لال، وہی بڑا خیر باس۔ ”منہ پر لال؟“

”ہاں، وہی کرم چند نے بنی لال کو بلایا۔ وہ شاید اس داور کو جانتا ہو۔ داور نے اسی لئے اس کا حال دیا تھا۔“

”منہ پر لال اس کرسی سے اٹھ کر میز کے پاس آیا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے فون پر بنی لال کا نمبر ملایا اور لیو کرم چند کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو؟“ کرم چند نے دوسری طرف سے آواز سن لینے کے بعد کہا۔ ”مجھے بنی لال سے بات کرنی ہے۔“

”ہل رہا ہوں؟“ دوسری طرف سے لڑھے بنی لال کی عزائی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز ابھی تک حجاز تھی۔ ”تم کون ہو؟“

”میں کرم چند ہوں۔“ کرم چند نے بتایا۔ ”تمہاری ہی دنیا کا باسی؟“

”وہ کرم چند دوسری طرف سے ایک گہری سانس لی گئی۔ ”ٹھیک ہے میں سمجھ گیا کہ تم کون ہو۔ کیا بات ہے آج میں کیسے یاد آگیا۔“

”بنی لال! میں تم سے بھی کے داور نانی ایک آدمی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”داور؟“ بنی لال نے حیرت سے دہرایا۔ ”یہ وہ شخص کہاں سے مل گیا؟“

”وہ آج کل پونا آیا ہوا ہے۔“ کرم چند نے بتایا۔ ”اور کاہ بھرتے کہ میں نے اس کے دو لاکھ روپے لئے ہیں۔“

”کیا تم نے اس کے روپے لئے ہیں۔“ بنی لال نے پوچھا۔

”نہیں۔ ہم نے نہیں لئے۔“

”اگر تم نے نہیں بھی لئے ہیں۔ اور اس کاہ بھرتے کہ وہ رقم تمہیں ادا کرنے پر تو ہمت ہی ہے کہ وہ رقم سے ادا کر دے؟“

”کیا تمہیں اس سے خوفزدہ کرنا چاہیے ہو؟“

”نہیں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں۔ اگر وہ ہوتا ہے کہ رقم دے دو تو دے دو۔ ورنہ تمہاری جان چھوٹی شکل ہو جائے گی۔“

”میں اسے ایک پان لکھی نہیں دوں گا۔“ کرم چند نے غصے سے کہا۔ ”یہ تمہیں میرے ہیں۔ میں نے یہاں بڑی شکل سے اپنی حکومت قائم کی ہے۔ میں اس داور کے رعب اس کی دھکی میں نہیں آؤں گا۔ اس شخص نے ایک دت

میں میرا اچھا خاصا نقصان کر دیا ہے۔ لیکن اس کا بدلہ اس سے چاہا جائے گا۔ میں اسے اس کے بل سے نکال کر ماروں۔“

”تم یہ خبر سن لیتا۔ میں اسے جھوٹوں کا نہیں۔“

”تمہاری مرضی؟“ دوسری طرف سے بنی لال نے لیو رکھے ہوئے کہا۔ ”میں نے تمہیں نیک مشورہ دے دیا ہے۔ کرم چند نے بھی ریسور رکھ دیا۔ اس نے بنی لال کی بات ماننے سے انکار تو کر دیا تھا لیکن بنی لال کی بات نے اسے اچھا بن دیا تھا۔ بنی لال جیسا دلیر آدمی، بھی داور سے خوفزدہ معلوم ہوتا تھا۔ نہ جانے اس میں کون سی کہانی پلے شیعہ تھی لیکن جو کچھ تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بنی لال کو کئی داور کا تجربہ ہو چکا ہے۔

کرم چند نے لے ایک الجھن کی بات ہے تھی کہ رقم اس نے نہیں لی تھی۔ اس رقم پر کسی اور نے ہاتھ صاف کر دیا تھا اور اب داور اس بنی دوار کے سے پیچھے ہو گیا تھا۔ اس نے ایک رات میں کرم چند کا اچھا خاصا نقصان کر دیا تھا کہ کرم چند نے بڑی مشکل سے اس شہر میں اپنے پاؤں جملے تھے اور وہ اس قسم کے اختلافات مول لینے کے حق میں نہیں تھا۔ لیکن دوسری طرف داور کے خلاف بھی بھرا ہوا تھا۔

اس کمرے میں بیٹھے ہوئے سب نوک الجھی ہوئی لگا پڑے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کرم چند نے ابھی بھی بنی لال سے اپنی گفتگو ختم کی تھی لیکن ان میں سے کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کرم چند سے سوال کرے کہ بنی لال سے اس کی کیا گفتگو ہوئی ہے۔

پھر اچانک فون کی کھٹی بج اٹھی۔ کمرے کی فائش میں کھٹی کی آواز ان کے اعصاب پر برس پڑی تھی۔ سب ہی بڑک بڑکے تھے۔ چرکاش ہر وہ نے ریسور اٹھا کر کچھ بنا پھر جلدی سے ریسور کرم چند کی طرف بڑھا دیا۔ اس کا ہاتھ لڑ رہا تھا۔

کرم چند نے لکھو اپنے کان سے لگا لیا۔ بھراں طرح الجھ پڑا۔ اسے کچلی کا بھڑک لگ گیا ہو۔ دوسری طرف داور تھا۔

”تم؟“ کرم چند نے حیرت اور خوف بھرے لہجے میں پوچھا۔

”نہیں یہاں کا فون تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“

”تمہارے گھر سے؟“ داور نے جواب دیا۔ ”اب کلہ کی بات کرو کیا سوچا ہے تم نے۔ میری رقم واپس کر رہے ہو؟“

”منہ پر لال؟“ کرم چند جلدی سے ملوئے۔ ”میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”میری رقم واپس کر رہے ہو یا نہیں۔“

”میں اس کی سلسلے میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم بس مجھ سے ملو۔ یہ ملاقات بہت ضروری ہے۔ میری بات لیو۔“

”ٹھیک ہے۔ میں آؤں گئے۔ بعد سوچ کر تمہیں تادوں گا۔“ داور نے کہا۔ ”اور تم ہی فون نمبر پر ملنا۔“

کرم چند کے دفتر کی عمارت سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔

اس وقت اس ہوٹل کے سامنے دو پولیس والے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شام تھا اور دوسرا راجندر شام کی بات بات ہم بھولک اٹھنے والا آدمی تھا جبکہ راجندر بھٹلے مزاج کا آدمی تھا۔ ان دونوں کو گزشتہ رات ہونے والی واردوں کا سراغ لگانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے پاس کوئی لائسنس نہیں تھا۔ یہ بس ان دونوں آدمیوں کی تلاش میں پورے شہر میں گھومتے پھرتے تھے۔ جنہوں نے گزشتہ سال اس کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔

وہ اس رات سواری کی کئی مندر میں ان دونوں کو پکڑنے کے لئے ٹھس گیا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ دونوں اس آسانی سے اس بھڑکا بول پالیں گے۔ ان میں سے ایک نے اسے بے بس کر لیا تھا اور دوسرے نے اس کی وردی اگرتی تھی۔ پھر ان میں سے ایک اس کی وردی بہن کرکھا لنگے میں کاٹیاں ہو گیا تھا۔ جبکہ دوسرے نے فرار کے لئے کوئی اور طریقہ استعمال کیا تھا۔ اور اب وہ دونوں پھر اس کے شہر میں آکر دھم مچا رہے تھے۔ اور انہوں نے کرم چند کی زندگی عذاب میں کر رکھی تھی۔

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے شام کو بیٹھ میں دردمانوس ہونے لگا۔ وہ پہلو بوند لگا۔ راجندر چائے پینے کے لیے ہوٹل میں گیا ہوا تھا۔ شام کو چائے کی خواہش نہیں تھی اتنی نے وہ گاڑی میں بیٹھا رہ گیا تھا۔ اور اب اسے بے چینی سی ہونے لگی تھی۔

اس بے چینی کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت دیر سے ٹرانٹ کی طرف نہیں گیا تھا۔ اس نے بے تاب ہو کر ادھر ادھر ٹرانٹ دوڑا۔ پھر مٹی کے ایک ڈھیر کے عقب میں فارغ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ڈھیر کے پاس آیا۔ اور اسی وقت کسی نے اسے آواز دی۔

”شام“

شام نے بے ساختہ آواز دینے والے کی طرف مڑ کر دیکھا

اور اکی وقت ایک گولی لے اس کی پیشانی کے درمیان لیک
سورج بخار دیا جس سے خون ابل ابل کر باہر گرنا لگا۔
شیم کے قتل کے شک آدھ گھنٹہ بعد رگھوناتھ اس
آسیب زدہ مکان کے تہہ خانے سے باہر اُگڑا۔ وہ ان دونوں
کے سہارے نکلیں بند کمرے کی طرف جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں
پانی پانی بات کے کمرے معلوم ہوتے تھے۔ رگھو نے اپنی زندگی
آجیوں کی فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے گزار دی تھی۔ وہ جانتا
تھا کہ اس کا بوجھ سب سے اور کون کون سے کونے کی ہمت رکھتا ہے
اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ دونوں
اپنی بات کے دھنی معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اسے طے طور پر بھی
کچھ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اسے اب نہ ہمت نہ ہر آدمی کا رکھا گیا تھا۔ یہی تاثر دینے
کی کوشش کی تھی جیسے اس کے کمرے سے باہر سرخ میز فٹول
کی پوری فوج موجود ہے۔ لیکن اب ان دونوں نے اسے یہ بتا
دیا تھا کہ سب غلط تھا۔ اس کے لئے کسی کو کچھ سے پہچانیں
رکھا گیا تھا۔ یہ سب جھوٹ تھا۔

صبح سے وہ دونوں ہی دکھانی نہیں دے رہے تھے
اس لئے اس تہہ خانے سے باہر آنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے
ہو سکتی تھی۔ وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اگلے پورے
دروازے سے باہر اُگڑا۔ ان آجیوں کی بات درست ثابت
ہو رہی تھی۔ اس کی نگرانی کے لئے کسی کو بھی معور نہیں کیا گیا
تھا۔ اگر کوئی ہوتا تو اب تک اسے سامنے آ جانا چاہیے تھا۔
لیکن مکان سے باہر آنے کے بعد بھی کسی نے اس کا راستہ
روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اس مکان سے باہر آنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ اسے
کہاں رکھا گیا تھا۔ یہ مکان اس کا جائیداد نہیں تھا۔ یہ اس کے
شہر کا ایک عام مکان تھا جو آسیب زدہ شہر تھا۔ کرم چند نے
اس مکان کا انتخاب کیسے بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا کہ
کاڑھیاں ہی اس کی طرف نہیں جاسکتا تھا۔ کوئی نہیں کہہ
سکتا تھا کہ اس آسیب زدہ مکان کے تہہ خانے میں کسی کو
قید رکھا گیا ہے۔ اور کرم چند سے زیادہ وہ دونوں ہی جانا
ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے ہی اس مکان کا انتخاب کر کے
عقل مندی دکھانی تھی۔

اس وقت دو مہرہ ہو رہی تھی۔ مکان سے باہر والی
سڑک پر چیل پہل تھی۔ گاڑیاں آجاری تھیں۔ لوگ چلتے
پھرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ رگھوناتھ کو بہ سب
کچھ بہت عجیب اور اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا بہت ڈرنا

کے بعد اس نے آزادی محسوس کی تھی۔ نیلا آسمان دیکھتا
کھلی ہوئی فضا اس کے سامنے آتی تھی تیزی سے دھڑکی
ہوئی گاڑیاں اور اپنی اپنی منزلوں کی طرف جاتے ہوئے لوگ
اسے دکھائی دے رہے تھے اسے یقین ہی نہیں کہہ سکتا تھا
وہ اتنی آسانی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ یہ آزادی اس کے
لئے خواب بن کر رہ گئی تھی، کمزور چند نے اسے قید میں رکھ
کر اس کی زندگی کم کر دی تھی۔ وہ چلنے کتنے دن کرم چند کے
کھاتے میں چلے گئے تھے۔ قید میں رکھنے کے علاوہ رگھوناتھ
پر تشدد بھی کیا گیا تھا۔ اس تشدد کے نشانات اس کے جسم
پر موجود تھے۔

اس نے غصے میں اپنی مٹھیاں بھیج لیں۔ وہ اب زیادہ
ہو چکا تھا۔ اور کرم چند سے اپنا حساب لے سکتا تھا۔ کچھ
جو اس کا آدمی تھا اور جس نے اس پر دھوکے سے قابو پا
لیا تھا۔ جس نے اسے لے لیں کر کے قید میں ڈال دیا تھا کہ
رگھوناتھ کو جو اپنی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا بڑے بڑے
لوگ جس کی صورت ہی دیکھ کر خوف سے منجھ رہے ہوا چلے
اور اسی رگھوناتھ کا یہ حال تھا کہ اس کے جسم پر چڑچڑاہٹ
چھیل رہے تھے۔ اس کی داڑھی بڑھ چکی تھی۔ اس کے جسم
میں کچیل کی موٹی سی تہہ چھنی تھی اور اس کے اعصاب
شکستہ ہوئے تھے۔ اس کا یہ حال کرم چند نے کیا تھا۔ اور
کسی بھی حال میں کرم چند کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔
اسے یاد آیا کہ ان دونوں میں سے ایک نے جس نے
اپنا نام داؤد بتایا تھا اس سے یہ کہا تھا کہ کرم چند سے اس
کو جنگ کرنی ہے۔ اس نے رگھوناتھ کے خلاف کھ کھ کرنے
منع کر دیا تھا۔ لیکن کرم چند تو رگھوناتھ کا دشمن تھا اس کا
سے پہلے کرم چند پر رگھوناتھ کا حق تھا۔ داؤد سے پہلے تو
رگھوناتھ کو اس سے بدلہ لینا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ جب وہ مکان سے باہر نکلے گا تو
لوگ اس کے چلنے کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے
وہ اسے پاگل سمجھنے لگیں گے لیکن ایسی کوئی بات نہیں
ہوئی کہ اگر کوئی تک اس کی طرف سے نہ دھیان نہیں
دیتا تھا اور نہ ہی کرم چند کسی آدمی نے اسے گرا سے روکا تھا
اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے لئے راستہ صاف تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کہاں جائے۔ کس کے پاس
جائے جس وقت وہ اپنی تنظیم کا سربراہ تھا اس وقت اس
کے پاس سب کچھ تھا۔ دولت بھی تھی اور وسائل بھی تھے
جب سے کرم چند نے اس پر قابو پایا تھا اس وقت سے

وسائل ختم ہو گئے تھے۔ وہ اب ایک بے دست و پا انسان کی
رجہ بن گیا تھا۔ اس کے جو آدمی تھے انہوں نے اپنی تمام
بددلیاں کرم چند سے منسوب کر لی تھیں۔ جرائم کی دنیا
دریا میں کی دنیا ایک ہی طرح کی ہو گئی تھی۔ کوئی جب
نہ سیر اقتدار پر تھا ہے۔ اس کی پلو جاکر جاتی ہے۔ ایک
اس کے آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں اور جہاں وہ کمرہ پڑ
جاتا ہے وہاں لوگ اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں سب
ذمہ داریاں کرتے ہیں۔ اس کا ساتھ دینے والا بھی کوئی نہیں
ہوتا۔ ہر ایک کو اپنی زندگی اور اپنا مفاد مزید ہوتا ہے لوگ
اسے داؤد پر لگانا نہیں چاہتے۔ اس دنیا میں چڑھتے سوچ
کی پلو جاکر جاتی ہے۔ اور رگھوناتھ اس وقت ڈھلتے ہوئے
سورج کی طرح تھا۔ ایسے سورج کی طرح جس کی طرف سے کھانچا
کوئی نہیں دیکھتا۔

پھر اسے وہ دونوں ایک طرف سے آتے ہوئے دکھائی
دے گئے۔ رگھوناتھ کے لئے یہ بہت مشکل مرحلہ تھا۔ وہ ان
کے سامنے جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں اگر اسے دیکھ لیتے
تو دوبارہ اسی مکان میں لے جاتے۔ کیونکہ ان دونوں نے
اپنے طور پر کرم چند سے فیصلے کا ارادہ کیا تھا۔

رگھوناتھ اس مکان کے سامنے گئے ہوئے ایک درخت
کی آڑ میں چھپ گیا۔ ادھر ادھر کرتے جاتے لوگوں نے ابھی
انہی اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ رگھوناتھ کو ان
دونوں کی دیر پا ہرجورت ہوئے لگی تھی۔ ان کو یہ معلوم تھا
کہ انہوں نے کرم چند جیسے کینہ پرورش شخص کو اپنا دشمن بنا
لیا ہے اس کے باوجود وہ بڑی بے دھرمی کے ساتھ شہر کی
سیر کرتے پھر رہے تھے۔ رگھوناتھ درخت کی آڑ میں چھپا ہوا
ان کی طرف دیکھتا رہا۔ ان میں سے ایک نے جس نے اپنا نام
عبدل بتایا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ایک پتیلیا تھا رکھا تھا
رگھوناتھ کے اندلے کے مطابق اس میں کھانے پینے کی چیزیں
بھری ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کا سامنی داؤد خالی ہاتھ تھا۔ اور
رگھوناتھ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دونوں اس مکان میں
نہیں داخل ہوئے بلکہ اس کے سامنے سے گزرتے چلے گئے
پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ وہ دونوں کہاں جا
رہے ہیں لیکن جب وہ دونوں دوسری جگہ میں مڑ گئے تو
رگھوناتھ کی سمجھ میں آ گیا۔

اس مکان کی پشت پر ایک میدان تھا۔ جس میں
بھڑیل اُگی ہوئی تھیں۔ رگھوناتھ کے خیال کے مطابق وہ
دونوں اس مکان میں عقیقی طرف سے دھڑل پھانک کر داخل

ہونے والے تھے۔ یہ بھی ان کی احتیاط پسندی کی دلیل تھی
وہ اگر سامنے سے جاتے تو یقیناً لوگوں کی نگاہوں میں آ جاتے
کیونکہ اس آسیب زدہ مکان میں کوئی بھی جایا نہیں کرتا
پھر جب وہ دونوں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو
وہ درخت کی آڑ سے باہر اُگڑا۔

رگھوناتھ نے یہ سوچ لیا تھا کہ اسے مدد حاصل کرنے
کے لئے کسی کے پاس جانا ہے۔ بغیر کسی کی مدد کے وہ کرم چند
پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور اس کام کے لئے ہر کاش ہر
سے مناسب آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ رگھوناتھ جانتا
تھا کہ ہر کاش ہر کرم چند کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اس کا
آدمی نہیں تھا۔ اس کی تمام ذمہ داریاں اور ہمدردیاں رگھوناتھ
کے ساتھ تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رگھوناتھ کی بیٹی اوشا
اس سے محبت کرتی تھی۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے سے
شادی کرنے والے تھے۔

ہر کاش ہر کا خیال آتے ہی رگھوناتھ کے بدن میں
توانائی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی آنکھیں جھپکے لگیں۔ اس
موقع پر صرف ہر کاش ہر ہی اس کے کام آ سکتا تھا اس
نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اس نے اگر ہر کاش ہر کی
مدد سے دوبارہ اپنی طاقت حاصل کر لی تو وہ اوشا اور
ہر کاش ہر کی شادی میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔

ہر کاش ہر کا گھر سورت روڈ سے زیادہ فاصلے پر
نہیں تھا۔ رگھوناتھ کو وہ مکان معلوم تھا۔ اس نے ہر کاش
ہر کے مکان کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ہر کاش ہر کے مکان کے بیرونی گیٹ پر کوئی نہیں
تھا۔ اسی لئے اندر آنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی
لیکن مکان کے برآمدے میں اسے روک لیا گیا۔ وہ دو
آدمی تھے جنہوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ رگھوناتھ نے
ان دونوں کو نہیں پہچانا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں اس
کے بعد تنظیم میں شامل ہوئے ہوں۔

”اے چلو باہر نکلو! ان میں سے ایک رگھوناتھ کو لکھا کہ
”تمہارا بھائی اندر چلے آ رہے ہو۔“

رگھوناتھ اس کو ٹھوکر کر رہ گیا۔ وہ ایک نیم فٹیم آدمی تھا
جس کے چہرے پر ایسی ہی داڑھی تھی اور دائیں طرف پیشانی
پر کسی زخم کا نشان بننا ہوا تھا۔ اس کا سامنی بھی اسی کی عمر کا ایک
مضبوط آدمی تھا۔ وہ دونوں رگھوناتھ کو دیکھ کر غصہ میں
آ گئے تھے۔

”مجھے ہر کاش ہر سے ملنا ہے“ رگھوناتھ نے انہی

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”اوہ وہ دونوں ہی اس طرح ہنس پڑے جیسے
 رگھوناتھ کا مذاق اڑا رہے ہوں۔“ چلو باہر ان میں سے
 ایک نے رگھوناتھ کو دھکا دے دیا۔
 رگھوناتھ کے بدن میں سرسرنے والا ہوا کھول اٹھانے
 اس کی قوانین تھی۔ اس کے اقتدار کے دور میں ان جیسے
 لوگوں کو اس کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رہتی
 تھی۔ اور اس وقت اس جیسے لوگ اسے دھکا دے رہے
 تھے۔ اس کا پورا بدن غصے کی شدت سے لرزے لگا۔
 ”لے دیکھتا کیا ہے؟“ دڑی والا جھلکا کر اس کی طرف
 بڑھا۔ ”جاتا ہے یا نہیں؟“

ہات اب برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ رگھوناتھ دڑی
 والے سے بڑھ گیا۔ اس کے اندر سویا ہوا ہرانا رگھوناتھ جاگ
 اٹھا تھا۔ اس نے دڑی والے کے گرد اپنے دونوں بازو عمل
 کئے اور ای جھٹکے میں اسے اپنے ساتھ لئے بھٹے اس طرح
 گھوم گیا کہ اس کی پشت دیوار سے جا ٹکی جہ کہ وہ دڑی والا اس
 کے سامنے تھا۔ اس نے اپنا ایک بازو دڑی والے کی گردن
 کے گرد اس طرح ڈال دیا کہ وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ رگھوناتھ
 نے اس کی گردن بعد بازو ڈالنا شروع کر دیا۔
 دڑی والے کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ اپنے ہاتھ
 پاؤں پھینکنے لگا جبکہ دوسرا سٹ پنا کر رہ گیا تھا۔
 ”ہاؤ۔ ہرکاش ہرہ کو ہار کے آؤ رگھوناتھ میرا بازو
 میں تھامے اس سانچی کو جان سے مار دوں گا۔“
 ”چھوڑ داس کو؟“ دوسرے والے نے لڑی جیب سے
 پستول نکال لیا تھا۔ ”ورنہ گولی مار دوں گا۔“
 ”چلاؤ گولی؟“ رگھوناتھ ملس بڑا۔ اس کی ہنسی بھی بہت
 وحشانہ تھی۔ ”تمہاری چلائی؟“ ہونے پر گولی تھامے سانچی کے
 سینے میں لٹکی۔“

پستول بردار نے کسی سے اپنے ہونٹ چہلنے لگا تھا
 اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس ہوشے اور والوں جھول
 شخص کو پھٹی کر کے رکھ دیتا لیکن ٹوڑنے سے اس کے سانچی
 کو اس طرح بے بس کیا ہوا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔
 دڑی والے کی خراب حالت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس وقت
 سخت اذیت میں مبتلا ہے۔
 ”میں نے کہا کہ اپنے باس کو بلاؤ رگھوناتھ نے بھر کہا
 ”ورنہ میں اس کی گردن ایک جھٹکے سے توڑنے والا ہوں۔“
 اس نے دڑی والے کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دیا ڈاؤر

بڑھا دیا۔ دڑی والا اپنے پناہ گرب کے عالم میں اپنے
 ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ دوسرا شخص کچھ دیر تک غصے اور فوٹ
 بھری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ہرکارا ہوا اور
 چلا گیا۔ رگھوناتھ نے اس دڑی والے پر اپنی گرفت قرار دے رکھی
 تھی۔ کچھ ہی دیر میں ہرکاش مر رہی ہوا تھا۔ وہ جی اپنے
 ہاتھ میں ایک پستول لیتا آیا تھا۔ اس کے ساتھ وہ دوسرا شخص
 بھی تھا۔

”کوئی ہونے پر ہرکاش ہرہ نے غصے سے بڑھتا وہ
 پہلی نظر میں گھونٹا کو پہچان نہیں پایا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ
 کھلے اور کھلے ہوئے آؤ۔“
 ”خبردار رگھوناتھ دباؤ“ خاموش رہا۔ اس کے ساتھ
 ہی اس نے دڑی والے کی گردن چھوڑ دی۔

”ہٹ باؤ تم لوگ؟“ ہرکاش ہرہ نے ان دونوں سے کہا
 ”تسب خنک ہے۔ یہ میرے اپنے آدمی ہیں۔“
 ”دڑی والا اپنی گردن مسلتا ہوا اس ہنڈی پر لٹے ایک
 طرف چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا آدمی بھی رگھوناتھ کو
 عجیب سی لگا ہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا تھا۔
 ”باس آپ ہرکاش ہرہ ایک کر رگھوناتھ کے پاس آگیا
 اس نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔
 ”ہاں میں؟“ رگھوناتھ نے گہری سانس لی بہت مشکو
 سے بچ کر گیا۔

”ہاں اند آجائیں ہرکاش نے کمرے کی طرف اشارہ
 کیا۔ وہ رگھوناتھ کو دیکھ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔
 ”میرا خیال ہے کہ تم مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو۔“
 رگھوناتھ نے بوجھا۔
 ”نہیں باس۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ ہرکاش ہرہ
 جلدی سے بولا۔ ”میں حیران ہو رہا ہوں۔ میں سوچ رہی تھی
 مسکتا تھا کہ آپ اس طرح میرا مطلب ہے کہ اس طرح سامنے
 آجائیں گے؟“

ہرکاش ہرہ رگھوناتھ کو ڈرائیگ روم میں لے آیا۔ رگھوناتھ
 کی نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ وہ اس کمرے کی
 آرائش کا بخور جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ بڑے اطمینان سے مٹا
 ایک مونسے پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے دلی
 میز پر رکھ لئے۔ پرانا رگھوناتھ تو زندہ ہو گیا تھا۔
 ”تم کیوں کھڑے ہوئے؟“ رگھوناتھ نے ہرکاش ہرہ کی طرف
 دیکھا۔ ”تم بھی بیٹھ جاؤ۔“
 ہرکاش ہرہ اس طرح اس کے سامنے والے صوفے

پر بیٹھ گیا جیسے اسے دھکا دے کر بیٹھا گیا ہو۔ رگھوناتھ کی
 اچانک آمد نے اسے خاس پاش کر دیا تھا۔
 ”مجھے تم سے ایسی کمزوری کی امید نہیں تھی۔“ رگھوناتھ
 نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں یہ سمجھتا تھا کہ اس تنظیم میں
 میرے کچھ وفادار موجود ہیں جو مجھ پر کوئی آٹھ نہیں لانے
 دیں گے لیکن مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ تم جیسے لوگ
 بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے۔ کیا تم لوگوں میں کرم چند کے
 خلاف کچھ کرنے کی قوت نہیں رہی؟“

”مے نے بہت کوشش کی باس۔“ ہرکاش ہرہ نے
 جلدی سے کہا۔ ”لیکن کرم چند نے ہوائی نہیں لگتے دی
 ہم تو بے سمجھے تھے کہ شاید۔“
 ”لیکن تمہارے خیال میں مجھے مار دیا گیا تھا، کیوں؟“
 رگھوناتھ غریبا۔

”کچھ ایسا ہی تاثر دیا تھا باس اس نے، وہ بہت گہرا
 آدمی ہے باس۔ اس نے آپ کے معاملے میں ہم میں سے کسی
 کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ شاید اسے ڈینھا کہ ہم میں سے
 کوئی اس کے خلاف کچھ نہ کرے۔“ اس نے بالکل نئے لوگوں
 کو لے کر آپ کے مکان پر چڑھ گیا تھا۔ دوسری صبح ہیں بہتر
 چلا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ سب ہو چکا ہے۔“

”ہاں مجھے سب کچھ یاد ہے۔“ رگھوناتھ نے اپنے دونوں
 ہاتھوں کی مٹھیاں جھنجھکیں۔ ”پرانی یادوں نے اس کے بدن
 پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ وہ رات مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس
 رات میں اکیلا تھا۔ اوشاشام ہی کو بھی واپس چلی گئی تھی۔
 اس کے جلنے کے بعد مجھے تنہائی ستانے لگی تھی۔ بیوی کے
 رنے کے بعد وہی میرا سہارا ہے۔ وہ جب میرے ساتھ ہوتی تھی
 تو مجھے دنیا کا کوئی غم پریشان نہیں کرتا تھا لیکن اس کے جانے
 کے بعد میں اجازت ہو جاتا تھا۔ اس رات بھی مجھے بے قراری
 تھی اس لیے میں بہت دیر تک جاگتا رہا۔ میں اپنے کمرے میں
 رات کے ٹنگ جھٹتا رہا۔ میں نے اپنے دل کو مہلات کے لیے
 غراب بھیجی۔ لیکن نہ جانے کیوں گھبراہٹ برپا ہو گئی تھی

اسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ یہ زمان
 بھی بہت عجیب ہوتا ہے مہرہ، اسے آنے والے حادثے
 کا اور ک تو ہوا تھا کہ نہیں وہ پھر غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے
 میرے ساتھ بھی یہی ہوا، میں نے غصوں کو کر لیا تھا لیکن اپنے
 بھانڈے کے لیے میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ بس اوشاشام یادوں میں
 کھو رہا۔ ہاں، یہ اوشاشام کیسی ہے۔ کہاں ہے؟“
 ”اوشاشام۔“ ہرکاش ہرہ چونک پڑا۔ وہ بھی یہی ہیں

ہے باس۔ اس کو اس حادثے کی خبر ملی تھی۔ وہ ہونا آنا
 چاہتی تھی، لیکن میں نے اسے یہاں آنے سے روک دیا۔ اس
 کے لیے میں نے کہیں اور ہارٹش کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ
 بہت آرام سے ہے۔ میں کسی گھبراہٹ سے جا کر رول لیتا
 ہوں۔ لیکن یہ بات کرم چند کو نہیں معلوم۔“
 ”ہوں۔“ رگھوناتھ مسکرا دیا۔ ”بس کچھ دنوں کے بعد
 نہیں چوری چھپے اس سے ملنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔
 میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔“

”پرکاش ہرہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔
 ”پھر اس رات میرے گھر پر حمل ہو گیا۔“ رگھوناتھ نے
 خوابناک لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔ ”زچلنے کتنے لوگ میرے
 گھر میں گھس گھس آئے۔ انہوں نے میرے عیظوں کو لاک کر دیا۔
 میرے گھر میں آگ لگا دی گئی اور مجھے بے بس کر کے گرفتار کر لیا
 گیا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن ان لوگوں نے اس طرح
 گھر لیا تھا کہ میں اپنے کمرے سے باہر بھی نہیں نکل سکا۔ مجھ پر
 ان کثرت بندوبست اچھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کی آنکھوں
 سے بے رحمی عیاں تھی۔ وہ مجھے بے بس دیکھ کر بہت خوش ہو
 رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت میں نے اگر ذرا سی

بھی مزاحمت کی تو مجھے چھید کر رکھ دیا جائے گا۔ میں ان میں
 سے کسی کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ سب اجنبی تھے۔
 مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ یہ لوگ لوگ ہیں
 جنہوں نے اتنی دیر سے مجھے لہذا کر رکھ دیا ہے۔ یہ مجھ
 سے کیا چاہتے ہیں؟“

”وہ سب نئے لوگ تھے باس۔“ ہرکاش ہرہ نے بتایا۔
 ”کرم چند نے ان لوگوں کو دوسرے شہروں سے بلوایا تھا۔ کسی
 مقامی آدمی کو اتنی ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ آپ پر ہاتھ ڈالنے
 کا خیال بھی دل میں لائے۔ اس نے اس سسے میں بڑی راز
 داری اور ہوشیار سے کام کیا تھا۔“

”ہاں۔“ مجھے اس وقت تک کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ میں ان
 لوگوں سے پوچھتا ہی رہا لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔
 مجھے مار پیٹ کر زبردستی گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ پھر مجھ ایک
 مکان میں لے جایا گیا اور وہاں سے مجھ پر تشدد کا سلسلہ
 شروع کیا گیا۔ اور وہاں مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ کرم چند کا
 کیا دھرا ہے۔ اس نے مجھے پٹا تو دیا تھا لیکن وہ مجھے مار
 نہیں سکا بلکہ وہ مجھے اس وقت تک مارنا نہیں چاہتا تھا
 جب تک کہ ایک کروڑ روپوں کا سرخ اپنے سے نہیں جھٹائے
 ہوئے تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ روپے ہی میری زندگی کی نجات

ہیں گئے۔ وہ مجھ پر رشقہ دو کر تا کہ اس نے مجھے ہلاک نہیں کروایا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں وہ روپے اس کے حوالے کر دوں لیکن میں یہ جانتا تھا کہ جس دن بھی میں نے ایسا کیا وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا تھا باس“ پرکاش مہر نے ایک گہری سانس لی۔ ”آپ کو شاید اسی لیے زندہ رکھا گیا ہے۔“ ہاں، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کرم چند کون ہے۔ روپوں کے بارے میں کیسے علم ہوا۔ اسے کس نے بتایا کہ میرے پاس اتنی رقم موجود ہے۔“

”اس تنظیم میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں باس“ پرکاش مہر نے کہا۔ ”کون سوچ سکتا ہے کہ وہ جس سے بات کر رہا ہے وہ اس کا دوست ہے یا دشمن۔ کوئی نہیں جانتا۔ آپ خود ہی بتائیں۔ کیا کبھی آپ کے تصور میں تھا کہ کرم چند آپ سے دھوکہ کر جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کا کوئی اور بھی آدمی ایسا ہو جس نے آپ کے روپوں کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا ہو۔“

”ظاہر ہے۔“ رگونا تھا نے نے پر خیال انداز میں اس کی گون ہلائی۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچا جاسکتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ میرے بعد یہاں کیا گزر رہا؟

”بہت خوب۔“ رگونا تھا نے سنس بڑا۔ اس کی ہنسی پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی تھی۔ پرکاش مہر اس ہنسی کو سن کر کانٹ اٹھا تھا۔

”میں آپ کے لیے نہیں دھوئے اور دوسرے لباس کا بندوبست کر رہا ہوں باس“ پرکاش مہر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ابھی نہیں۔“ رگونا تھا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔ ”میرے جسم کا یہ میل کرم چند کے خون سے دھوے گا میں اس وقت تک اپنا لباس تبدیل نہیں کروں گا جب تک اس کے جسم کی دھجیاں نہ بکھر دوں۔ اور اس سلسلے میں تم میرا ساتھ دو گے پرکاش مہر۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔“

”میں! پرکاش مہر چونک پڑا۔ لگ کر یوں نہیں۔ میں فزوں ساتھ دوں گا۔ میں ساتھ نہیں دوں گا تو کچھ کرنا دے گا۔“

وہ اب کسی ہو گئی ہوگی۔ پانچ برس ہو گئے ہیں اسے دیکھئے۔ یہ پانچ برس کہ نہیں ہوئے پرکاش۔ اس میں موسم بار بار ہیں جغرافیائی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں زندگی بہت آگے کر جاتی ہے۔

”مجھے احساس ہے باس“ پرکاش مہر نے اپنی گون ہلائی۔ ”آپ اوشاکے لیے پریشان نہ ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

”میں جب اس کے سامنے پہنچوں گا تو وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔“ رگونا تھا جیسے اپنے آپ سے بول رہا تھا۔ بہت شکایت کر کے گی مجھ سے۔ وہ مجھ سے کہے گی کہ ڈیڑی آپ تو میرے بغیر تنہا نہیں رہ سکتے تھے۔ مجھ آپ نے میرے بغیر پانچ برس گزار دیے۔“

رگونا تھا نے خاموش ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔ شاید اس کے تصور میں اوشاک چلی آتی تھی۔

”آپ نے یہ تو بتایا نہیں باس کہ آپ کرم چند کی قدرے کس طرح آزاد ہوئے؟“ پرکاش مہر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہاں۔ میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔“ رگونا تھا نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ”مجھے گذشتہ کچھ دنوں سے ایک ایسے مکان میں رکھا گیا تھا جو اس لیے مشہور ہے۔ یہ مکان سورت روڈ پر واقع ہے۔ اس مکان کی طرف کوئی نہیں جاتا کرتا۔ لوگوں میں اس مکان کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔“

”میں سمجھ گیا باس۔“ پرکاش مہر جلد کیسے بولا۔ ”اس مکان سے واقف ہوں۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اس مکان میں کرم چند نے آپ کو وہاں رکھا ہوگا۔“

”میں پہلے کہیں اور تھا۔“ رگونا تھا نے بتایا۔ ”مجھے دو دن پہلے اس مکان میں منتقل کیا گیا تھا۔ میں نے وہاں کے محافظ کو ہلاک کر دیا تھا لیکن نہ خائفے سے باہر آنے کی ہمت نہیں کر سکا کیونکہ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اوپر پیر ہر جو ہیں۔ مجھ کو آدمی نہ جانے کس طرح اس تہ خانے میں چلے آئے۔“

”کون سے دو آدمی باس“ پرکاش نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا وہ کرم چند کے آدمی تھے؟“

”میں آپ کو اس گاڑی میں لے چلوں۔“ پرکاش اور بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ”میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟“

”تم کر سکتے ہو۔“ اچھا یہ بتاؤ، کرم چند کسی کی گاڑی پر چلے گا۔“

”میری گاڑی پیرا۔“ پرکاش نے جواب دیا۔ ”یہ تو اور بھی اچھا ہے۔“ رگونا تھا مسکرایا۔ ”تم مجھے اپنی گاڑی کی ڈکی میں چھپا کر لے چلو گے۔ اور جب داور سے کرم چند کی ملاقات ختم ہو چکی ہوگی۔ اس وقت میں ڈکی سے نکل کر کرم چند سے اپنا معاملہ طے کر لوں گا۔ سمجھے۔“

پرکاش نے کرم چند کو دیر تک سوچا تھا۔ پھر اس کی۔ ”آکھیں چک اٹھیں۔“ ٹھیک ہے باس۔“ اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ”ایسا ہی ہوگا۔ وہ گاڑی میرے پاس ہی موجود ہے۔ کرم چند کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ڈکی میں کون چھپا ہوا ہے۔“

”بہت خوب۔ اور ہاں مجھے ایک حدیستولی کی ضرورت ہوگی۔“ رگونا تھا نے کہا۔

پرکاش مہر نے اپنی گاڑی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑا دی۔

اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا کرم چند بہت سبے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو دلاتا، کچھ کہنے کے لیے اپنے ہونٹ کھولتا پھر خاموش ہو جاتا۔ وہ آج اپنی سبکی بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی سے دب کر بات کر سکی۔ پیشکش کی نتیجی اور وہ بھی اس لیے کہ مزید بتائی نہیں چاہتا تھا ایک ہی رات میں اس کے کئی مفادات کو نقصان پہنچا تھا۔ اس داور نے اسے بھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے تمام آدمیوں پر بھاری پڑ گیا تھا۔ دوسری طرف بنسی لال نے بھی اسے بھلا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر داور رقم کا مطالبہ کر رہا ہے تو بتر ہے کہ اسے رقم ادا کر دی جائے۔ بنسی لال جیسے آدمی نے اگر ایسی بات کہی تھی تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر کہی ہوگی۔

داور نے کرم چند کی بات مان لی تھی۔ وہ اس سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن شرط یہی تھی کہ دونوں فریق اپنے ایک ایک آدمی کو ساتھ لائیں گے۔ کرم چند نے پرکاش مہر کا نام بوجھ کر کیا تھا۔ جس پر داور نے کہا تھا کہ اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اس کے بعد بڑے پایا کہ کرم چند اپنے ساتھی کو لے کر گاڑی میں شہر سے

”کیسے ہو سکتا ہے باس“ پرکاش مہر جلد ہی سے بولا۔ ان کی ملاقات ایک ویرانے میں ہو گئی۔ آپ وہاں کیسے پہنچے ہیں؟“

”میں آپ کو اس گاڑی میں لے چلوں۔“ پرکاش اور بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ”میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟“

”تم کر سکتے ہو۔“ اچھا یہ بتاؤ، کرم چند کسی کی گاڑی پر چلے گا۔“

”میری گاڑی پیرا۔“ پرکاش نے جواب دیا۔ ”یہ تو اور بھی اچھا ہے۔“ رگونا تھا مسکرایا۔ ”تم مجھے اپنی گاڑی کی ڈکی میں چھپا کر لے چلو گے۔ اور جب داور سے کرم چند کی ملاقات ختم ہو چکی ہوگی۔ اس وقت میں ڈکی سے نکل کر کرم چند سے اپنا معاملہ طے کر لوں گا۔ سمجھے۔“

پرکاش نے کرم چند کو دیر تک سوچا تھا۔ پھر اس کی۔ ”آکھیں چک اٹھیں۔“ ٹھیک ہے باس۔“ اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ”ایسا ہی ہوگا۔ وہ گاڑی میرے پاس ہی موجود ہے۔ کرم چند کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ڈکی میں کون چھپا ہوا ہے۔“

”بہت خوب۔ اور ہاں مجھے ایک حدیستولی کی ضرورت ہوگی۔“ رگونا تھا نے کہا۔

پرکاش مہر نے اپنی گاڑی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑا دی۔

اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا کرم چند بہت سبے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو دلاتا، کچھ کہنے کے لیے اپنے ہونٹ کھولتا پھر خاموش ہو جاتا۔ وہ آج اپنی سبکی بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی سے دب کر بات کر سکی۔ پیشکش کی نتیجی اور وہ بھی اس لیے کہ مزید بتائی نہیں چاہتا تھا ایک ہی رات میں اس کے کئی مفادات کو نقصان پہنچا تھا۔ اس داور نے اسے بھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے تمام آدمیوں پر بھاری پڑ گیا تھا۔ دوسری طرف بنسی لال نے بھی اسے بھلا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر داور رقم کا مطالبہ کر رہا ہے تو بتر ہے کہ اسے رقم ادا کر دی جائے۔ بنسی لال جیسے آدمی نے اگر ایسی بات کہی تھی تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر کہی ہوگی۔

داور نے کرم چند کی بات مان لی تھی۔ وہ اس سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن شرط یہی تھی کہ دونوں فریق اپنے ایک ایک آدمی کو ساتھ لائیں گے۔ کرم چند نے پرکاش مہر کا نام بوجھ کر کیا تھا۔ جس پر داور نے کہا تھا کہ اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اس کے بعد بڑے پایا کہ کرم چند اپنے ساتھی کو لے کر گاڑی میں شہر سے

”کیسے ہو سکتا ہے باس“ پرکاش مہر جلد ہی سے بولا۔ ان کی ملاقات ایک ویرانے میں ہو گئی۔ آپ وہاں کیسے پہنچے ہیں؟“

باہر جانے والی سڑک پر پہلے گا۔ راستے میں کل دیپ پور کا ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔ اس مقام پر سوائے اس بورڈ کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ کرم چند کی گاڑی اس بورڈ کے پاس ٹھہر کر جاتے تھے۔ پھر داور اپنی گاڑی پر اس کرم چند کی گاڑی کے برابر سبز رنگ کے کادو کرم چند کی گاڑی کا تعاقب کرے گی۔ پھر دونوں گاڑیاں اس بورڈ سے جیسے دو میلانگے پر پڑا میں رک جائیں گی۔ اور یہاں ان دونوں کی ملاقات ہوگی۔

کلب پر پورا بورڈ قریب آگیا تھا۔ پرکاش بہرے اس بورڈ کے قریب گاڑی لا کر روک دی۔ ان دونوں کے درمیان ابھی تک خاموشی طاری تھی۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گاڑی رکنے کے بعد بھی ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔

انہوں نے اپنی نگاہیں پیچھے جمادیں جہاں سے داور کی گاڑی آنے والی تھی۔ اس سڑک پر بہت کم گاڑیوں کی آمد و رفت بہت کم ہوا کرتی تھی۔ اس لیے کم چند کھیتیاں تنہا کہ دور سے آتی ہوئی داور کی گاڑی کو پہچان کے گا گا بلاخود دوسری گاڑی دکھائی دے ہی گئی۔ وہ اپنے طرز کی ایک گاڑی تھی۔ جس کا رنگ تک اڑا ہوا تھا۔ صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ گاڑی پہنکی کسی سڑک سے اٹھائی گئی ہے۔ کرم چند کو یہ دیکھ کر تیرت ہوئی تھی کہ اس گاڑی میں صرف ایک ہی آدمی تھا جو گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ گاڑی اسی ان کی گاڑی کے قریب آکر تھمت ہوئی۔ پھر گاڑی چلائے والے نے ہاتھ باہر نکال کر انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

”کیا یہی داؤر ہے باس۔“ پر کاش مہر نے کرم چند کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اتنی دیر میں یہ پہلی بات کی تھی۔

”نہیں، میرا خیال ہے کہ یہ اس کا ساتھ ہی ہے۔“ کہہ کر مجھ نے آگے جانے والی گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ دو سو مرانہ چلتے کہاں ہے؟“

”شاید وہ پہلے ہی سے وہاں پہنچا ہوا ہو، پر کاش مہر
نے اپنا خیال ظاہر کیا۔“ وہ بہت جلد ایک آدمی معلوم ہوا

کرم چپڑنے اس بات پر کوئی مبصرہ نہیں لیا۔ اس نے اپنی لگا ہوا سلسلے ہی جمائے رکھی تھیں۔ دو میل کے سفر کے بعد آگے والی گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی چہرہ سرخ کے کنا رے آگے ہوئے ایک جگہ سے درخت کے پاس جا کر روک گئی۔ پرکاش مبصرہ نے بھی اپنی گاڑی روک لی تھی۔ کچھ

دیر کی خاموشی کے بعد آگے والی گاڑی کی پچھلی نشتر کے درمیان سے کسی کارسٹینڈ پڑنا ہوا دکھائی دیا۔ پھر ایک شخص گاڑی سے اتر کر نیچے آ گیا۔ گاڑی چلسے والا بھی اس کے ساتھ ہی باہر آیا تھا۔ کرم چند شخص کو دیکھ کر کرم کی سانس لے کر رہ گیا تھا۔ یہاں بھی ان دونوں فزٹ سے کام لیا تھا۔ وہ داور گاڑی ہی میں بیٹھ کر پکاش اور کرم چند بھی اپنی گاڑی سے نیچے آئے وہ ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھتے رہے۔

”میں داور ہوں۔“ داور نے قریب آ کر اپنا تعارف کروایا۔ پھر اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ اور یہ میرا مراد عمل ہے۔“

”تم نے یہاں بھی ہوشیار رہ کر کام لیا ہے اور
 کرم چند نے اپنے ہوشوں کو سکڑاتے ہوئے کہا
 ”اپنا پاس اسی ملک کام کیا کرنا ہے؟“
 عدیل بولنے لگا تھا۔ ”سالانہ ایک دم فیسٹ کلاس آؤ
 اس کے معجز میں آئے۔“ سالانہ فیسٹ قطع بہت دیکھی
 لیکن اس میں برائی صرف یہ ہے کہ سالانہ آپس کو جیتا سوتی
 نہیں دیتا۔ (ابن کو بولتا ہے کہ تم سالانہ بولنا ہے
 اپنی سالانہ نہیں بولنا۔“
 ”بس بس۔“ اور نے اتنا اٹھا کر اسے ٹوک دیا
 ”بس میں ٹری تمہاری گاڑی۔“

”ابن سالار کی مکاری بھلائی گئی۔“ عبدالجبار نے کہا۔
 ”ابن تو مجھ کو بولنے کو ترس گیا ہے۔ وہ سالار کا نا ہے
 ہونٹوں کو کسی نے بالٹ کر سالارات ادھو کر رکھ گیا ہے۔
 رات ادھو کر کیسے رہتا ہے۔ یہ اپنی کی سمجھ میں آج
 نہہر آ گیا ہے۔“

وادرنے دھکے دے کر عبدل کو آگے بڑھا دیا
 بڑی حیرت سے عبدل کو دیکھے جا رہا تھا۔ اسے یقین
 رہا تھا کہ اس قسم کی بک بک کرنے والا اتنا لابی آدمی
 خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ عبدل دھکا کھا کر جھوٹا

پرمکاش مہر کے پاس آگئے۔
 "تم سالا کبھی بیوفائی کے چکر میں مت آنا۔" اس نے کہا
 مہر کا بازو بڑھٹا۔ "آؤ، اس دونوں گاڑی میں بیٹھ کر آؤ۔"

دوسرے کا حال چال معلوم کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کو کہتا ہے کہ:

میں نے دو - آؤ

پہلے کا شہر ہونے پر ہی بے بسی سے کرم چند کی طرف دیکھ کر گڑی میں بیٹھ گیا۔ عبدالجبار اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ کرم چند اور دو اور شہریت ہوئے اس کا گڑی سے دھکا دیا۔

اس جگہ سنا تھا اور نہائی تھی۔ دودھ وڑک تھنالی
 دودھ وڑک کوئی مکان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
 بھی نہیں تھے۔ لڑکھ بھی ویران تھی۔ ایسا غسوس
 تھا جیسے کسی مصوے کے کوئی تصویر بنا دیا ہو بخاوشی
 بانی کی تصویر۔ داور نے ملاقات کے لیے بہت اچھی جگہ
 انتخاب کیا تھا۔
 تم مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے؟ داور نے گنگو کا

تھی۔ "کرم چند نے اپنی گردن بلائی " میرے ساتھ پہلے
 رہے شامہ الحسنیں ہیں۔ میں اب مزید الجھنوں میں پڑنا نہیں
 چاہتا۔ اسی لیے میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔"

داور نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جمادیں۔ اسے ہیرت
پر ہی تھی کرم چند کا یہ لہجہ اور رویہ اس کے لیے ناقابل فہم

پوچھتاؤ کیا بات ہے؟“ واور نے اس کی طرف دیکھے
ہرے پوچھا: ”تم جیسا آدمی کیسی الجھن میں پھنس سکتا ہے
میں نے بنی لال سے دو بابت کا تقاضا کیا مگر تم چندنے
لا۔ اس کا کوئی چمک اگر میں نے تمہارا رقم لے لے تو یہ
ہے کہ لے لو آپس کر دوں لیکن میری الجھن یہ ہے کہ میں
تمہارا رقم نہیں لے سکتا“

ہوں یہ داورنے ایک گہری سانس لی اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کچھ وقت لینا چاہتے ہو۔
نہیں نہیں۔ یہ بات وقت کی نہیں ہے بلکہ مسئلہ یہ

ہے کہ میں نے رقم لی ہی نہیں۔ وہ رقم میرے پاس آئی ہے۔
 مگر تم نے نہیں تو تمہارے کسی آدمی نے لی ہوگی۔

ابھی ہے۔“
 ”میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔“ کرم چند جلدی
 دلا۔ ”میں اپنے کسی آدمی کی پورکی طرح ضمانت تو نہیں دے

ملکہ۔ لیکن اسٹنمزو جانتا ہوں کہ میرا کوئی آدمی ایسی حماقت
رات نہیں کر سکتا۔ بہر حال، میں نہیں جانتا کہ تمہاری
ہاں ہے یا نہ۔

”دیکھو کہ میں چند“ دلوں غرایا۔ ”باہر کا کوئی آدمی اس کے پاس میں نہیں جان سکتا تھا۔ یہ بات تو ہم دونوں معلوم تھی یا پھر تمہیں یا تمہا ہے آدمیوں کو۔ مگر خیال

کہ تمہارا کوئی آدمی اس وقت ہماری نگرانی کر رہا ہوگا
لو اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں نے رقم کہاں چھپائی ہے

میرے جانے کے بعد اس نے رقم نکالی لی ہوئی۔ اس رقم کی کہانی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی، سمجھ گئے یا نہیں ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہوا جو کہ گرم پڑنے کے کہانیاں ہیں کہہ رہا کہ اس قسم کے امکانات نہیں ہیں۔ بلکہ میں کہہ رہا ہوں کہ رقم میں سے نہیں لی ہے۔ دیکھو دادو، میں یہاں کھڑے ہو کر تم سے جوابات کر رہا ہوں۔ وہ اس لیے نہیں کہ میں دب گیا ہوں یا تم سے خوفزدہ ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ کچھ اور ہے۔ اگر یہی حوالہ تھا آپ سے دو ماہ پہلے ہوئی تو اب تک کی کہانی بہت مختلف ہوتی میں کم لوگوں کی تلاش میں پورے شہر میں ہنگامہ کر دیتا لیکن اس وقت میں کچھوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں یہی مناسب سمجھا کہ تم سے بات کرتے نہیں تین دلداد دلا دیا جائے۔ ان کے گرم چند خاموش ہو گیا۔ دادو کہہ کر لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

”تو میں اس وقت جنگ کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“
 محکمہ چننے کے پھر کہنا شروع کیا۔ ”یہ وقت میرے لیے بہت
 نامناسب ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہونا کی گلیوں میں بٹنگ لے
 ہوں، یہاں ایسے سڑکوں پر فوج ہے۔ میں اس وقت اس شہر
 کو مکمل سکون میں دیکھنا چاہتا ہوں لیکن تم نے یہاں آنے
 کے بعد صحت اچانک سے برابرا کر دینے ہیں۔“

”آخر میں؟“ اور نے مستکہ کر پوچھا۔ ”کیا تم نے نسل وراثت گری سے توبہ کر لی ہے؟“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ کرم چند نے خشک لہجے

میں جواب دیا۔ میں نے پارسائی اختیار نہیں کی ہے میں ابھی
 جیسی وہی ہوں۔ لیکن اس وقت اس شہر میں میٹرک کے امتحانات
 ہونے والے ہیں۔ تبہیں یہ معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں کا کام ان

سے چلتا ہے۔ یہ لوگ نہ ہوں تو ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے۔ اس لیے ہمیں کسی ایک امیدوار کی ہر طرح کی حمایت کرنی ہوتی ہے۔ اس وقت میں نے اپنے سارے آدمی ایک

رقم چاہیے۔ دو لاکھ روپوں میں سے ایک لاکھ میرے ہیں اور ایک لاکھ میرے ساتھ تھی۔ اس لیے میں اپنی رقم پر کما جاؤں۔ اب تم خود دیکھو کہ تمہارے کس آدمی نے یہ حرکت کی ہے۔ یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے۔

کرم چند نے عجیب لگا ہوں سے داؤ کی طرف دیکھا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ یہ سن کر بڑے غائب کیا کر رہ گیا ہے۔ اگر اس کا پس چلتا تو وہ اسی وقت اس شخص کو گولی مار دیتا جس نے اس کے ساتھ بڑائی کی برائی کی تھی۔ جو اس کے سامنے آئے اطمینان سے کھڑا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ کچھ دیر بعد بولا ”میں ایک ہفتے کے اندازہ نہیں چھان بین کر کے بتا دوں گا۔“

ایک مہفتہ نہیں۔“ وہ اور غزایا۔ ”میں کل شام سات بجے نہیں فون کروں گا اور اس مدت میں نہیں میری رقم کا پتہ چلا لینا ہے۔“

”کل شام سات بجے۔“ کرم چند کے تئیں یہی چڑھ گئے تھے۔ ”اتنی جلدی کیسے ہو سکتی ہے؟“

”سب کچھ ہو سکتی ہے۔“ وہ اور نے بڑی لاپرواہی سے اپنا ہاتھ دلیا۔ ”وہ سب تمہارے آدمی ہیں۔ تم سے دہشت زدہ رہتے ہیں۔ تم ان پر داؤ ڈال کر اگرچہ ہوتو ایک ہی شخص میں سب کچھ معلوم کر سکتے ہو۔ اس کے ڈوبو میں نہیں ایک دن کی مدت دے رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ کرم چند کی ہچے میں بولا۔ ”اس وقت میری ایک کڑی کر دی گئی ہے۔ ہاتھ میں لگتی ہے اسی لیے تم مجھے دھونس دے رہے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر انتخابات کے بعد تم اس شہر میں نظر آئے تو تمہیں کہیں نہ بھی نہیں ملے گی۔ میں تمہارے لیے اس شہر کو بہت بڑا کر رکھ دوں گا۔“

”مجھے۔“

گونا گونا گئے کرم چند کی آواز پہنچائی تھی۔ اس آواز کو سننے ہی سے اس کے بدن میں ہلچل مچنے لگی۔ اس کی کہیں کی رگیں ہلچل اٹھیں۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی گردن میں ہلچل ہو رہی ہو۔ اس کی جلد کو چرتا ہوا بار بار زلزلے آئے گا۔

انتہائی غصے اور نفرت کے جذبات نے اس پر غلبہ کر دیا تھا اس کی مٹھیاں کھٹنے اور بند ہونے لگیں۔ وہ اس شخص کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا۔ اس قابل نفرت شخص نے اسے جو اذیتیں پہنچائی تھیں۔ ایسی اذیتیں اس کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ لیکن اس کے لیے خود پر ہونے والا تشدد کوئی

مشدد نہیں تھا۔ اس کا مسئلہ تھا کہ اس کی توہین کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا تھا۔ اور گونا گئے میرا آدمی تو بہت اور دھوکے صاف کرتے گا عادی نہ تھا۔ پر کاش مہر نے اسے گاڑی کی ڈکی میں بند کر دیا۔ یہ وہ بھی اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ لیکن کرم چند نے کسی طرح خود کو سکیر کر ڈکی میں داخل ہو کر گیا تھا۔ پر اس نے ایک ہسپتال بھی اسے دے دیا تھا۔ جس میں گولیاں لگا دی گئیں تھیں۔ بڑے بڑے ہاتھ کے ملاقات کے بعد یہ گاڑی واپس ہوئی تو پرکاش مہر کا کارو روک لے گا۔ پھر گونا گئے ڈکی کھول کر باہر آجائے گا۔ اہ ہسپتال کے بل پر کرم چند نے اپنے واجبات وصول کر لے گا۔ وہ اس سے شتاخت کر دے گا۔ اس کے مطالبہ یاد کر لے گا کہ اس نے ہسپتال کی گولیاں اس کے سینے میں اتار دے گا۔ اس کے سر کو پاش پاش کر دے گا۔ اس کا چہرہ مس کر دے گا۔ اس نے کرم چند کی آواز بھی سنی۔ پھر دوسرے شخص عبدل کی آواز بھی اس کے کانوں تک آئی۔ وہ شاید پرکاش مہر ہی سے باتیں کر رہا تھا اس کی سمجھ میں ان کی باتیں نہیں آ سکی تھیں۔ اسے ان کی باتیں سننے کا خیال بھی نہیں تھا۔ وہ اس وقت کے تصور میں ڈوبا ہوا تھا جب کرم چند کی لاش اس کے سامنے ٹرپ رہی ہوگی۔

پھر اس نے کرم چند کی آواز سنی۔ وہ پرکاش مہر سے چلنے کے لیے کھڑا تھا۔ شاید وہ اسے ملاقات ختم ہو گئی تھی۔ گاڑی ایک جگہ کے ساتھ چل پڑی۔ گونا گئے محسوس کیا کہ گاڑی واپسی کے لیے مڑ گئی ہے۔ پھر اس نے ایک دوسری گاڑی کی آواز سنی جو بڑی تیزی سے چلے گئی تھی۔ شاید یہ داؤ کی گاڑی تھی جو ملاقات ختم کر کے واپس جا رہا تھا۔ گونا گئے کا دل زبرد زبرد سے دھڑکنے لگا۔ ہسپتال کی طرف قریب لگتی تھی۔ کتنے دفن کے بعد اسے یہ موقع مل رہا تھا۔

گاڑی چلتی رہی پھر چاکر گاڑی دھچکا کر رک گئی وقت آگیا تھا۔ پرکاش مہر نے منصوبے کے تحت گاڑی روک لی تھی۔

گاڑی کے رکنے ہی گونا گئے نے ڈکی اٹھائی اور اچھل کر باہر آگیا۔ گاڑی ویران مقام پکھڑی ہوئی تھی۔ وہ دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنا ہسپتال اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کرم چند کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔ وہ پرکاش مہر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

نیا وہ بات بہت حیران ہوا تھا کہ پرکاش نے بھی خاموشی ہو کر گاڑی کھڑی کر دی ہے۔

گونا گئے کرم چند والی کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت کرم چند کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ بوکھلا کر رہ گیا۔ اس نے جلدی سے اپنی جیب کی طرف بڑھا یا اور اسی وقت گونا گئے نے ہاتھ آگے بڑھا کر ہسپتال اس کی ہڈی پر رکھ دیا۔

سہو شاری مت دکھانا کرم چند۔“ وہ غزایا۔ ”اور دیکھو کہ یہ کیوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور تمہارا مکروہ واقعہ۔“

یادوں طرف پھر جھانکے گا۔

کرم چند نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن حرف ہونے چلا کر رہ گیا۔ گونا گئے کو چاکر دیکھ کر وہ دہشت زدہ تو ہو گیا تھا لیکن اب وہ اپنے خوف کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ ”چلو۔ اپنا ہسپتال جیب سے نکال کر باہر پھینکو۔“ گو گونا گئے نے پھر کہا۔ ”اور ایک بار پھر ہوشیار کر رہا ہوں۔“

کرم چند نے قہر کو دکھایا ہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی جیب سے ہسپتال نکال کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ پرکاش مہر اس دوران اس طرح مسکراتا رہا تھا جیسے کرم چند کو بے بس دیکھ کر اسے دلی خوشی ہو رہی ہو۔ گونا گئے نے اس دوران اس کی طرف توڑ بھی نہیں کی تھی۔

”چلو اب تم بھی باہر آ جاؤ۔“ گونا گئے دو قدم پیچھے ہٹ آیا۔ اس کی ہسپتال کی نال کارن بدستور کرم چند کی طرف تھا۔

کرم چند نے الجھی ہوئی نگاہوں سے پرکاش مہر کی طرف دیکھا۔ پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اس کے اترنے کے بعد پرکاش مہر بھی اتر گیا تھا۔

”اب بتاؤ کرم چند۔“ گونا گئے غزایا۔ ”میں پہلی گولی نہیں کھائی ماؤں۔ تمہارے سینے میں بائیں ہاتھ کی کھڑکی پر۔“

کرم چند نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کچھ کہنا چاہا پھر خاموش ہو رہا۔ پرکاش مہر اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ تمہارے اپنے دو دفن ہاتھ اپنی جیبوں میں ٹھونس رکھے تھے۔

”تم۔“ وہ کرم چند کی آواز سنائی دی۔ ”تم باہر کیسے آئے ہو۔“

”تمہارا کیا خیال تھا کہ میں زندگی بھر تمہاری قدیم رہنما رہا تھا غزایا۔“ تم دلیل انسان۔ اگر مجھے پیٹنے سے معلوم ہو

جانا کہ میں اپنی سب باتیں بال بال رہا ہوں تو میں اسی وقت تمہارا سر کھلی دیتا۔ تمہارے میرے ساتھ جو مسلک کیا ہے۔ میں آج اس کا پورا پورا بدلہ لوں گا۔“

”دیکھو گونا گئے۔“ کرم چند جلدی سے بولا۔ ”تم چاہو تو میرے ساتھ سودا کر سکتے ہو۔“

”جو کس بند کرو۔“ گونا گئے نے کہا۔ ”وہ دن موصول گئے جب تم نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے میرے گھر کو آگ لگائی تھی۔ میرے آدمیوں کو ہلاک کیا تھا۔ مجھے بے بس کر کے مجھ پر تشدد کیا۔ اور وہ بھی صرف رقم کے لیے۔ اس رقم کے لیے جو کبھی تمہاری قسمت میں نہ تھی اور نہ ہوگی کرم چند، آج یہ تمہارا آخری دن ہے۔ میں آج تمہاری کمانی ختم کر دے والا ہوں۔ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ میں ہمیشہ کے لیے بے بس ہو گیا ہوں۔ کیوں؟“

”انہا کہہ کر اس نے ہسپتال والا ہاتھ سیدھا کر لیا کرم چند دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”گھبراؤ نہیں کرم چند۔“ گونا گئے ہنس پڑا۔ ”میں نہیں ایک دم ہی ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ سسکا سسکا کر ڈنکا کا۔ سب سے پہلے تمہیں اپنا بڑا کرنا گا۔ پھر جب تم ڈنکا گے سسکیاں لو گے۔ اس وقت رقم کے تمہارے پیٹ میں گولیاں اتار دیں گا۔ پھر باقی گولیاں تمہاری کھوپڑی میں اتار دوں گا۔ اور اب تیار ہو جاؤ کرم چند۔“

اس نے ہسپتال والا ہاتھ اٹھایا اور بڑبڑا دیا۔ ایک بار۔ دوبار۔ تین بار۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ اس نے بوکھلا کر ہسپتال کی طرف دیکھا اور اسی وقت پرکاش مہر ہنس پڑا۔ اس نے ہنسنے ہوئے اپنی جیب سے ہسپتال بھی نکال لیا تھا جس کا رخ گونا گئے کی طرف تھا۔

”یہ۔“ یہ سب کیا ہے؟“ گونا گئے نے بوکھلا کر پوچھا۔

”وہ اپنا ہاتھ جھٹکتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے اس۔“ پرکاش نے بچہ میں نظر تھا۔ ”تم نے یہ سمجھا تھا کہ میں اپنے موجودہ پاس سے غدار کر دوں گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب اب تم مجھے کہو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے۔ میں نے جو ہسپتال تمہیں دیا اس میں گولیاں نہیں ہیں۔ تم بڑے ہو گئے ہو گونا گئے، تمہیں عقل نہیں رہی۔ اگر تم نے اسے تو میں ہسپتال چیک کر کے دیکھ لینا چاہیے تھا۔ لیکن تم نے انکھیں بند کر کے مجھ پر مجھوسہ کر لیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کسی پر اس طرح کا مجھوسہ نہ کرو۔“

متم دھوکے باز ہو گئے۔ رگوناختہ غصے سے بولا پرکاش
 مجھے تباہ سارے میں بھیجنا ہاں میں تو یہ سمجھا تھا کہ
 اوشا کی محبت تمہارے دل میں زندہ ہوگی اور۔۔۔
 کس اوشا کی بات کر رہے ہو رگوناختہ؟ پرکاش ہنس
 پڑا۔ وہ بھاری تو بہت پہلے مر چکی ہے۔
 رگوناختہ کے ہونٹوں کے گوشے چمچھڑانے لگے اس نے
 ہلے بسی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے سنا کہ کرم چند
 پرکاش کی تعریف کر رہا تھا۔ رگوناختہ کو اچانک محسوس ہوا۔
 جیسے اس کی دلچسپی غیب ہو گئی ہو۔ اب اسے کسی چیز سے
 کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اوشا کی موت کی خبر سننے سے
 بڑھال کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جان پر ساری مصیبتیں سہی
 کے لیے برداشت کی تھیں۔ اور جب وہی نہیں رہی تو پھر
 وہ ایک کروڑ روپے کس کام کے۔ اس کی اپنی زندگی کس کام
 کی؟۔۔۔
 ”ذرا آنکھیں تو کھولو رگوناختہ! کرم چند کی زہری
 آواز سنائی دیتی۔ اس طرح ماموس ہونے سے کیا فائدہ ہوگا؟
 رگوناختہ نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ اس کے سامنے
 دو دھڑاروں کے چہرے تھے۔ ان دونوں نے اس کے ساتھ۔
 جھوکر کیا تھا۔ اس نے دونوں پر ہنسنے لگا تھا۔ اور دونوں
 ہی اس کے دشمن ثابت ہوئے تھے۔ اس کی سمجھ میں
 نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہے۔
 ”میں سچ کہہ رہا ہوں رگوناختہ۔ پرکاش مہرونے کہا۔
 اوشا واقعی مر چکی ہے۔ وہ ایک حادثے میں ہلاک ہوئی ہے۔
 یہ درست ہے کہ میں نے اس کو حاصل کرنے کی تمنا کی تھی۔
 اور اس رشتے میں تمہارا احترام بھی کرتا تھا لیکن اس کی
 موت کے بعد میرا تعلق تم سے ختم ہو گیا ہے۔ اب تم میرے
 کسی کام کے نہیں رہے۔ خاص طور پر جب تم نے مجھے یہ بھی
 بتا دیا کہ تمہارے ایک کروڑ روپے کہاں رکھے ہوئے
 ہیں۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد تمہاری زندگی کی اب کوئی اہمیت
 نہیں رہی ہے۔“
 ”خاموش رہنا سکتے۔۔۔ رگوناختہ دھاڑا اٹھا۔ اگر تو
 نے اس رقم کے بارے میں کچھ بتایا تو میں تیری زبان کھینچ لوں
 گا۔“
 ”تم کیا کر سکتے ہو؟۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔ پرکاش مہرونے کا ہنسنے
 پر اوشا نے اور مذاق اڑانے والا ہو گیا۔ تم تو خود بے بس ہو،
 کیا اس نے رقم کے بارے میں بتایا ہے۔ کرم چند
 نے خوشی سے بے تاب ہو کر پوچھا۔

”ہاں باس۔ پرکاش نے اپنی گردن ہلاتی۔ اس نے
 مجھ پر ہنسنے کو کہے وہ جگہ بتا دی ہے جہاں وہ رقم پوشیدہ
 رکھی گئی ہے۔“
 یہ بات ہوئی نا کرم چند خوشی سے جھک اٹھا پھر اس
 نے رگوناختہ کی طرف دیکھا۔ دیکھ لیا رگوناختہ تو نے پہچان
 تھا کہ تو میرے آدمی کو غلامی پر کسانے میں کامیاب ہو
 جائے گا۔ لیکن تیری یہ خواہش بھی پوری نہیں ہو سکتی
 اور اب میں واقعی تیری زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ تو نے
 پرکاش مہرونے کو بتا کر اپنے پیروں پر کھلائی ماری ہے۔ اپنی زندگی
 خود ہی قتل کر دی تو نے۔ اور اس غلطی پر کچھ پانے کا موقع
 ہی نہیں ملے گا۔“
 ”تو پھر کیا حکم ہے باس؟۔۔۔ پرکاش مہرونے کرم چند کی
 طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا ہاں کو ختم کر دوں۔“
 ”ہاں! کرم چند نے رگوناختہ کی موت کا حکم صادر کر
 دیا۔
 پرکاش مہرونے پسٹول والا ہاتھ اٹھا یا اور اسی وقت
 کہیں سے ایک گولی چلی اور پرکاش مہرونے کی کلاں میں سوراخ
 بنائی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ پرکاش مہرونے ایک بھیانک
 چرچ کے ساتھ دوسرے ہاتھ سے اپنے زخم کو پکڑے ہوئے
 زمین پر بیٹھ گیا۔ پسٹول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف
 جا کر اٹھا۔ رگوناختہ اور کرم چند دونوں ہی جھوٹے ہو کر
 چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن ابھی تک کوئی دکھائی نہیں
 دیا تھا۔
 کرم چند کا پسٹول گاڑی کے باس ہی گر رہا تھا۔ اس
 نے بڑے غیر محسوس طور پر اس پسٹول کی طرف قدم بڑھایا
 اور اسی وقت دوسری گولی چلی اور اس کے قریب ہی زمین
 میں دھنسن گئی۔ اس گولی نے اچھی خاصی مٹی اڑا دی تھی۔
 اس کے ساتھ ہی درخت کے کنارے لگے ہوئے ایک درخت
 کے اوپر سے کسی کی لٹکار سنائی دی اور کوئی شخص درخت
 سے کود کر نیچے آ گیا۔ ان سبھوں نے اسے پہچان لیا وہ عبدال
 تھا۔ جس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پسٹول لے رکھا تھا۔
 ”ابن سالار زندگی اولاد تو نہیں ہے پھر بھی سالار ابن
 طارزن کی بہت سی غلامیں دیکھ رکھی ہیں۔ اس نے ان لوگوں
 کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ”ابن کو جب بھی میں فشاں کا پانچواں
 ملتا ہے۔ ابن اس سے فائدہ اٹھا لیتا ہے، ابھی دیکھو۔ ادھر
 تم لوگوں نے مارا ماری جا لو کیا ادھر ابن آسمان سے ٹپک پڑا
 متم! رگوناختہ نے ہریت سے اس کی طرف دیکھا۔

”تم۔ تم تو شاید چلے گئے تھے۔“
 ”تم مجھے سالار ابن یونہی آدمی ہے۔“ عبدال نے منہ بنا
 کر کہا۔ ”ابن سالار بولا کہ تم اس مکان میں رہنا لیکن تم ادھر
 سے گول ہو گئے۔ ابن سالار نہیں ڈھونڈتے۔ ڈھونڈتے گول
 ہو گیا۔ تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“
 ”تو نہیں ہمارے درمیان مخالفت کا کوئی حق نہیں ہے۔“
 کرم چند غصے سے بولا۔ تمہارے باس سے ہماری بات ہو
 چکی ہے۔“
 ”ابن سالار ابھی بالکل گاڑی ہے۔“ عبدال نے کہا۔ ”ابن
 نے یہ سمجھا تھا کہ تم مارا ماری سے بھاگ رہے ہو۔ متم
 نہیں جانتا کہ اس شہر میں ہنگامے ہوں۔ ابن دونوں نے
 تمہاری بات پر یقین کر لیا۔ یقین جب متم سالار خود ہی شروع ہو
 گیا تو ابن کیا کرے۔ ابن کو بھی ہاتھ پاؤں چلائے گا ہے کیا؟
 کیا؟۔۔۔
 کرم چند غصے سے اپنے ہونٹ جھا کر کہہ گیا۔ پرکاش مہرونے
 اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ابھی تک ایک ہاتھ سے اپنی نچی کلاں
 پکڑ رکھی تھی۔ وہ بڑی نفرت بھری نگاہوں سے عبدال کو
 دیکھ رہا تھا۔ عبدال کی اس ہریت انگیز آمد نے ان لوگوں
 کو بے حد حیران کر دیا تھا۔
 ”لیکن ابن سالار بدھو نہیں ہے۔“ عبدال نے پھر کہا شروع
 کیا۔ ”ابن جب تمہارے ساتھ گاڑی میں آکر بیٹھا تو ابن کو
 ایسا لگا جیسے گاڑی میں کھٹ پٹ ہو رہی ہے۔ ابن سالار اسی
 وقت سمجھ گیا کہ کوئی ہندہ گاڑی کے اندر چھپا ہے۔ اس ٹائم
 پر چپ رہا۔ کیا بوشا ہے، ہونٹوں کو سی لیا۔ لیکن جب ابن
 اپنے باس کو لے کر چوری کی گاڑی میں چلا تو ابن باس کو سب
 کچھ بتا دیا۔ باس نے ابن کا مذاق بھی اڑایا لیکن جب ابن
 پسر گیا تو ابن نے گاڑی دھڑکھڑکیا اور پاؤں پاؤں
 جلتا ہوا ہاتھ لگا لیا۔ ادھر تم لوگ مہر ڈرامہ کرتا پڑا تھا۔
 تم لوگ آج باموجودی نہیں دیکھا تھا۔ اسی لیے دی اور درخت
 پر پڑ گیا۔ اور تھیک وقت پر ابن مازن کے ہاتھ جب
 لگا دیا تو یہ ہے ابن کی اشتوری۔ اس اشتوری میں سالار فہم
 بھی بن سکتا ہے۔“
 ”تم بالکل تھیک وقت پڑا۔“ رگوناختہ نے لہک کر
 کہا۔ ”لیکن تمہارا درست کہاں ہے؟۔۔۔“
 ”ابن کا باس بھی ادھر بیٹھ گیا ہے۔“ عبدال نے مسکراتے
 ہوئے کہا۔ پھر اس نے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے آواز
 لگائی۔ ”تم بھی نیچے آ جا باس۔“

اس کے ساتھ ہی اور بھی درخت سے جھلانگ لگا
 کر نیچے آ گیا لیکن وہ ان لوگوں کے قریب نہیں آیا تھا۔ وہ درخت
 کے تنے سے ٹپک لگا کر کھڑا ہو گیا۔
 رگوناختہ کی خوشی طویل ہو گئی۔ اس نے
 آگے بڑھ کر کرم چند کا گرا ہوا پسٹول اٹھا لیا۔
 ”میں اب تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے
 اپنا پسٹول والا ہاتھ بلایا۔ اب تم لوگوں کا کھیل ختم ہو گیا
 ہے۔“
 ”نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔“ داوڑ نے آواز لگائی۔ ”میں
 نے تم سے کہہ دیا تھا کہ یہ جنگ میری ہے۔ تم اس میں حصے
 نہیں لو گے۔“
 ”کون مجھے روک سکتا ہے؟۔۔۔ رگوناختہ جھڑک اٹھا۔
 ”میں روکوں گا۔“ داوڑ نے کہا۔ ہمارے درمیان کلی
 شام تک کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس دوران میں یا تم ان
 میں سے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالیں۔
 رگوناختہ نے غصے سے داوڑ کی طرف دیکھا۔ پھر ایک
 گہری سانس لی۔ مڑا اور اسی وقت سانپ کی سی تیزی سے
 سے پلٹ کر اس نے پرکاش مہرونے کی طرف پسٹول کا رخ کر
 دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ داوڑ یا عبدال سے روک سکتے۔ اس
 کی انگلیاں ٹپک ٹپک چلیں اور سیکے بعد بوجھ سے گئی گولیاں۔
 پرکاش مہرونے جسم میں پوسٹ ہو گئیں۔ رگوناختہ نے پہلی
 گولی اس کے سینے میں ماری تھی اور جب وہ گرا تو دوسری گولی
 اس کے سر میں اتر دی۔ پرکاش مہرونے تڑپ کر کمرے کی چھانگ
 کی طرف کھل گیا تھا۔
 پرکاش مہرونے ٹپ ٹپ کر کھنڈا ہو گیا۔ اس کے رنے
 کے بعد وہاں خاموشی طاری ہو گئی۔ اس دیرانے میں گولیاں
 کی آواز سن گئیں تھیں اور اب سناٹا ہو گیا تھا۔
 ”تیرے کیا کیا رگوناختہ۔“ داوڑ درخت کے پاس سے
 چلتا ہوا ان لوگوں کے قریب آ گیا۔
 ”تمہارا معاہدہ کرم چند سے تھا۔ اس نے میں نے اسے کچھ
 بھی نہیں کہا ہے۔“ رگوناختہ نے بہت لہجے میں جواب دیا۔
 ”یہ کرم چند سے زیادہ غدار اور کچھ ثابت ہوا اس لیے میں
 اسے انجام پہنچا دیا ہے اور اب صرف تمہاری خاطر میں نے
 کرم چند کو چھوڑ دیا ہے۔“
 کرم چند ان لوگوں کے درمیان سوکھنے کی طرف لڑز
 رہا تھا۔ اس کے اندر رگوناختہ سے آنکھیں ملانے کی بہت
 بھی نہیں تھی۔

انہوں نے چرائی ہوئی گاڑی شہر کی ایک سڑک پر چھوڑ دی اور پیدل ہی اس مکان کی طرف چل پڑے جہاں انہوں نے بڑا بڑا رہا تھا۔

رگھوناتھ بھی ان دونوں کے ساتھ تھا۔ لیکن اب وہ بالکل خاموش تھا۔ جیسے اس کے لیے دنیا کی کسی چیز میں اب کوئی دلچسپی ہی نہ رہی تھی۔ انہوں نے پرکاش بہرہ کی لاش اسی دیرانے میں چھوڑ دی تھی۔ پھر کرم چند اپنی گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ کرم چند کی روانگی کے بعد یہ تینوں بھی واپس ہو لیے تھے۔

رگھوناتھ نے اس اسباب زدہ مکان کے بارے میں پرکاش بہرہ کو بتا دیا تھا۔ لیکن اس راز کو ظاہر کرنے والا پرکاش بہرہ بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے علاوہ رگھوناتھ نے پرکاش بہرہ پر پھر وہم کر کے اسے وہ جگہ بھی بتا دی تھی۔ جہاں اس نے ایک کروڑ روپے چھپا رکھے تھے۔ لیکن یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ پرکاش بہرہ راز کی کوئی بات نہیں سکا تھا۔ وہ کرم چند کو بتاتے ہی والا تھا کہ کین وقت پر عبدالے لافٹ کر کے یہ کہاں ہی ختم کر دی تھی۔

مکان کے قریب پہنچ کر داور نے رگھوناتھ کو دوبارہ اسی مکان کی طرف بھیج دیا۔ اس کے خیال کے مطابق اب یہ مکان صرف کل شام سات بجے تک کے لیے محفوظ تھا۔ سات بجے کے بعد کرم چند سے مذاکرات کے بعد جو نتیجہ نکلتا داور کو اسی کے مطابق عمل کرنا تھا۔ لیکن وہ ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو فکر و فرامیں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ جو بیس لکھوں کی مہلت اس کے پاس موجود تھی۔

جب وہ لوگ گاڑی سے اتر کر مکان کی طرف بڑھے تو انہوں نے جگہ جگہ لوگوں کی جھڑکھی۔ ایسا محسوس ہوا تھا۔ جیسے شہر میں کوئی حادثہ ہو گیا ہو اور لوگ اس حادثے پر تھکے کر رہے ہوں۔ حالانکہ اس وقت رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پونا بھٹی کی طرح راتوں کو جانے والا شہر نہیں تھا۔ یہاں شام کے بعد سیڑھیں ویران ہونے لگی تھیں۔ اسی لیے داور کو لوگوں کی جھڑک دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ لوگ چلتے چلتے ایک بند دکان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس دکان کے سامنے والے فٹ پاتھ پر بھی کچھ لوگ کھڑے تھے۔

عبدالے داور نے عبدالے کی طرف دیکھا کہ تم ذرا معلوم کر کے آؤ کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔

لوگوں کو کام کی ہڈی ہے باس۔ عبدالے لاپرواہی سے بولا۔ اس کے خیال میں کسی کی جھڑک بھی کھڑے جگہ سے گئی ہوگی۔ یہی وہی بننے کے لیے تو اٹھا تھا۔ پھر دینے کو جمع ہو گیا۔ یہ لوگ سالہا بھی کسی کو چین سے نہیں رہنے دیتا۔ اگر کوئی گھر سے بھی گناہے تو جگہاں کرے۔ اس میں لوگوں کا کیا اچان ہو گیا۔

اور ہو۔ تم بکواس بہت کرتے ہو۔ داور نے اسے جھڑک دیا۔ جاؤ جاکر دیکھو، کیا بات ہے۔ عبدالے ایک ٹھنڈی سانس لے کر آگے بڑھ گیا۔ داور اور رگھوناتھ اسی دکان کے پاس کھڑے رہے تھے عبدالے نے واپسی میں دیر نہیں بگائی تھی۔ وہ بہت پریش دکان سے رہا تھا۔ جیسے کوئی بہت ہی اہم خبریں سنا کر رہا ہو۔

ابن لوگوں نے تو کمال کر دیا ہے باس۔ اس نے داور کے پاس آتے ہوئے کہا۔ سالہا پورے شہر میں۔ اپنی کی تشویش بکھریا ہے۔ یہ سب لوگ اپنی ہی کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ کوئی بولتا ہے کہ ابن سالہا اپنے ساتھ ایچ ایم کے اس شہر میں آیا ہے۔ کوئی بولتا ہے کہ۔ پھر وہی بکواس۔ داور نے ایک کر عبدالے کی گردن بونا لی۔ میں پوچھتا ہوں کیا بات ہے۔

بتاتا ہوں۔ عبدالے نے جلدی سے کہا داور نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ بات یہ ہے باس کہ اس شہر میں ایک پولیس والے کاہر ہو گیا ہے اس کا نام سیتام ہے۔ سب کا یہی خیال ہے کہ ابن دونوں نے اس کو کھلاں کیا ہے۔ بیکو بر وہی پولیس والا تھا جو سماجی جی کے مندر میں لایا تھا۔ اور ابن لوگ نے جس کی وردی آنا لیا تھا سالہا اس کو ابن لوگ نے توہنیا مارا لیکن اس نے اس کو شین ٹاک کر دیا ہے۔

یہ تو بری بات ہوئی۔ داور نے اپنے ہونٹ سیکڑے۔ اس طرح تو ہمارے لیے بہت مصیبت ہو جائے گی۔ مصیبت میں تو چھٹیلنا ہے۔ استاور اب اور کیا ہونے والا ہے۔ تم بھی جھجک رہے ہو۔ داور نے گردن ہلاتی۔ پھر اس نے رگھوناتھ کی طرف دیکھا۔ تم تو جاؤ۔ لیکن پڑنی احوال اس مکان سے مت نکلتا۔ یہ تمہارے ہی جھجکے کے لیے کہہ رہی ہیں۔ اس شہر میں ہر طرف تمہارے دشمن چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن باس۔ عبدالے جلدی سے بولا کہ کرم چند کو تو پتہ چل گیا ہے کہ رگھوناتھ اس مکان سے باہر آ گیا ہے پھر تم اس کو اسی مکان میں بھیج رہا ہے۔ اس طرح تو یہ بچاؤ۔

اور جاکر لڑے میں چھٹیل جائے گا۔ نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ داور مسکرایا۔ یہ انسان کی نفسیات ہے۔ وہ فرار ہو کر اس مقام سے دور جانے کی۔ کوشش کرتا ہے جہاں اسے قید رکھا گیا تھا۔ اسی لیے وہ گھر اسی جگہ رہے تو پھر کسی کا دھیان اس طرف نہیں جاتا۔ کرم چند بھی یہی سمجھتا ہے۔

یہ تم نے بالکل جھجک کہا۔ رگھوناتھ نے بھی اس کی تائید کی۔ اقل تو کرم چند کا دھیان اس طرف جانے کا ہی نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت ہم لوگوں کے پاس اور کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ اب یہاں ہم لوگوں کے رہ گیا ہوں۔ عبدالے نے ایک گہری سانس لی۔ اب یہ بول سکتا ہے کہ ابن سالہا تھوڑی دیر خیر دیکھنے کے لیے جانے گا۔ سالہا جب سنا باے شہر کا صورت بھی نہیں دیکھا۔ کرم چند کو واپس آ جانے کا۔ ہاں۔ تم لڑ کر آؤ۔ داور نے اسے اجازت دے دی۔ میں بھی جب تک ایک دو کام تمہارا کرتا ہوں۔

رگھوناتھ اس اسباب زدہ مکان کی طرف چل دیا۔ عبدالے نے ایک دوسری راہ اختیار کی اور داور ایک طرف چل پڑا۔ اس نے عبدالے کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے کون سے فرنگی کام انجام دینے ہیں۔ اسے اسی وقت ہر حال میں کرم چند سے ملاقات کرنی تھی۔ اس پولیس والے کے قتل کی خبر نے اسے سوچنے کے لیے ایک نئی راہ دے دی تھی۔ وہ اسی قتل کے بارے میں کرم چند سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کرم چند سے فون پر بات کرے۔ اسے اسی وقت ملاقات کے لیے کہہ دے گا۔ اور یہ ملاقات کرم چند کے ساتھ ہونے پتہ پر نہیں ہوگی۔ بلکہ اس بار بھی ملاقات کے لیے وہی کوئی مقام تجویز کرے گا۔ اور کرم چند کو وہاں آنا ہوگا۔

لیکن جب اس نے فون پر کرم چند سے بات کی تو وہ فوری طور پر پڑنے کے لیے تیار تو ہو گیا لیکن اس نے اس ملاقات کے لیے ایک ہونٹ کا نام تجویز کیا تھا۔ داور نے بھی وہ ٹول دیکھا ہوا تھا۔ اس ہونٹ کا نام البسٹرا تھا اور وہ پونا کے پتوں میں شمار ہوتا تھا۔ کرم چند کا کہنا تھا کہ اس ہونٹ کے مجھے ہونے ڈانگ ہال میں کسی ٹو بھی کسی کی طرف سے خطر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ملاقات کے لیے اس سے ہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ داور نے اس کی بات مان لی۔ اس ہونٹ کا ڈانگ ہال بہت شاندار تھا۔ پونا جیسے محو شہر میں اتنا خوبصورت ہونٹ دیکھ کر داور کو حیرت ہوئی۔

تھی۔ ہال میں دو جگہ دو جگہ روشنائیاں تھیں۔ سلیقے سے میزیں اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جن کے درمیان چاکل چوہند ہیرے سفید وردیوں میں ملبوس گھومتے پھر رہے تھے۔ داور نے اس ہال میں اپنے لیے ایک ایسی میز منتخب کی جو کوئی نہ تھی۔ یہاں سے وہ ہال کے دونوں دروازوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔ کرم چند کے آنے میں ابھی دیر تھی۔ اس نے آدھ گھنٹہ بعد کا وقت دیا تھا۔

ایک میرا داور کی میز کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ داور نے اسے گلانے کے لیے کہہ دیا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ ساتھی کے آنے کے بعد کھانے کا آدرا دیا جائے گا۔ مرتب ہیرا بھر کچھ کہہ سکتا ہے کہ اسے ایک طرف چلا گیا۔ داور نے آخری دیر میں پورے ہال کا جائزہ لے لیا تھا کہ کرم چند کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں ہال سے ہٹا کر دروازے پر جمادیں۔ کرم چند کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔

پھر کرم چند ہال میں داخل ہوا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ وہ دونوں بہت عظیم اور خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ داور نے محسوس کیا کہ کرم چند کے ہال میں آتے ہی ہال کے ہیرے اور انتظار سے متعلق دوسرے لوگ متوجہ ہو گئے تھے۔ کئی ایک نے آگے بڑھ کر کرم چند کو سلام بھی کیا۔ جس کا جواب اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے دیا تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ اس ہونٹ میں بھی کرم چند کا اثر و رسوخ تھا۔ یہاں کے لوگ اس کی حیثیت سے واقف تھے۔

داور نے دیکھا کہ کرم چند ہال کے درمیان کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ داور کی کوئی تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس نے داور کو دیکھ لیا۔ داور کا خیال تھا کہ وہ دیکھ کر اس کی طرف آئے گا۔ لیکن اس کی بجائے اس نے اپنے ساتھ آئے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کر کے داور کے پاس میں کچھ بتایا پھر جلدی سے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس نے جس آدمی کو داور کی طرف اشارہ کر کے کچھ بتایا تھا وہ آہستہ آہستہ میزوں کے درمیان سے رہنا بنا ہوا داور کی میز کی طرف بڑھنے لگا۔

داور نے پہلو بدل کر اپنی جیب میں رکھے ہوئے ہونٹ کو تھپتھپایا۔ اسے عبدالے کو بھی اپنے ساتھ یہاں لانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ البسٹرا جلا آ رہا تھا۔ اور اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ شاید اس نے کوئی غلطی کر دی ہے۔ کرم چند کا رویہ

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اسے اگر داور سے ملاقات کرنی تھی تو براہ راست اسی کو ناچا پیہ تھا۔ اس نے ایک دوسر آدمی کو اس کی طرف کیوں بھیجا تھا۔ یہ حال اب جو ہوتا تھا، اسے مالا مال نہیں جاسکتا تھا اور داور اس کے لیے تیار تھا۔ وہ خیمہ بھیجی آدمی داور کی میز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں پر بڑی ظریف سی مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں داور کے لیے تحیر کا کلس تھا۔

”تم میرے ساتھ چلو۔“ اس نے کھڑے ہونے لہجے میں داور کو مخاطب کیا۔ ”باس نے تمہیں بلا پایا ہے۔“ ”اچھا!“ داور نے شکرا کر لی۔ پہلے تم اپنا ہتھوڑا کرو۔ کیا تمہارے پاس نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں کون ہوں؟ داور کی بات سن کر وہ آدمی سنبھل گیا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ داور پر ٹوٹ پڑے گا۔ پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔

”باس نے بلا پایا ہے تمہیں۔“ اس نے دوبارہ کہا۔ اس بار اس کا لہجہ جیل کی نسبت نرم تھا۔ داور ایک جھٹکے سے کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کرم چند نے اس وقت اس سے دھوکہ کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ وہ آدمی اسے اس ہونٹ کی تیزی متزل پر ایک کمرے میں لے آیا۔ یہ کمرہ بھی کرم چند کے استعمال میں رہتا تھا۔ اور اس نے اس کمرے کو ایک طرف کا اپنا دفتر بنا کر رکھا تھا۔ اس کمرے میں ایک میز بھی تھی اور میز کے اوپر ایک عدد فون بھی رکھا ہوا تھا۔

داور کے کمرے میں آتے ہی وہ سب حیرت اور دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ داور کے انداز میں بلائی لاپرواہی تھی۔

”یہ تو واقعی بہت جیالا ہے باس!“ کمرے میں موجود ایک آدمی نے کرم چند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ تو کیا آدمی آئی ہے۔“ ”کس کو فون کرنا چاہتے ہو؟“ کرم چند نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اپنے ساتھی کو۔“ داور نے جواب دیا۔ ”میں یہاں گلا تو آیا ہوں لیکن آتا ہے وہ فون نہیں ہوں کہ بغیر کسی انتظام کے چلا آیا ہوں گا۔ تم مجھے فون کرنے دو۔ ورنہ میرے فون میں کیا تو میرا ساتھی تمہارے اس مکان کو آڑا دے گا۔“

”کیا؟“ کرم چند بولا کہ کھڑا ہو گیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ ”بچ کر رہو۔“ داور میز کے پاس آ گیا۔ ”میرے ساتھی نے تمہارے مکان کو ڈائنامیٹ کر رکھا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ میں پر ہندہ منٹ کے بعد اسے فون کرتا رہوں گا۔ وہ اس وقت ایک ایسی جگہ پر بیٹھا ہے جو تمہارے مکان سے زیادہ دور نہیں ہے اور اگر اسے میرا فون نہیں ملا تو وہ بغیر کسی توقف کے تمہارے مکان کو آڑا دے گا۔ تم نے تو اس کی فطرت دیکھ لی ہوگی۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا۔ اس میں امر ہے ہی نہیں۔“

”یہ سب جھوٹ بھی ہو سکتا ہے باس!“ ایک اور آدمی نے کہا۔ ”آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔“ ”کرم چند۔“ داور نے کہا۔ ”تم اس بیوقوف کو بتا دو کہ میں کون ہوں۔ اور میں کس حد تک بچ رہتا ہوں۔“ ”خاموش رہو۔“ داور نے کہا۔ ”کرم چند اس آدمی پر برس پڑا جس نے داور کے لیے وہ بات کی تھی۔ یہ آدمی سچ کہتا ہے۔ اس نے واقعی میرے مکان کو ڈائنامیٹ کر دیا ہوگا۔“ داور نے میز پر رکھے ہوئے فون کا ریسپونڈر اٹھا لیا۔ اس نے اس پھر کی سے نمز ڈالی کیے کہ ان لوگوں کے لیے اس کی آنکھوں پر نگاہ جانا مشکل ہو گیا تھا۔ پھر اس نے ریسپونڈر اپنے کان سے لگایا اور کھٹکھٹنورن کر دی۔ عبدال نے اس قسم کی اداکاری سکھا دی تھی۔

”ہیلو عبدال۔“ اس نے کہا۔ ”ہاں۔ فی الحال سب ٹھیک ہے۔ میں ہندہ منٹ بعد پھر فون کروں گا۔“ اتنا کہنے ہی اس نے ریسپونڈر رکھ دیا۔

وہ سب کے سب اسے حیرت اور غصے بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مضطرب۔ کرم چند ہی تھا۔

”تم نے میرے مکان کو ڈائنامیٹ کیوں کر دیا ہے؟“ کرم چند نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اس گھر میں میری بیوی اور بچے ہیں؟“ ”اچھی طرح جانتا ہوں۔“ داور نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اسی لیے میں نے یہ حرکت کی ہے۔“ دیکھو کرم چند۔ میں لاکھ دیر سے یہی دیکھ رہا تھا کہ بہت سوچ سمجھ کر اچھا تھا ہوں۔ میں تم سے ملنے کے لیے یہاں آ گیا ہوں۔ لیکن میں نے انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر میں نہیں

یہ نہیں بتاتا کہ میں نے اپنے ساتھی کو تمہارے مکان کے پاس لگا رکھا ہے تو اس وقت تمہارے آدمی میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“

کرم چند کچھ نہیں بولا۔ وہ اپنے ہونٹ چبانے لگا تھا۔ اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ پوری طرح داور کی طرف متوجہ تھے۔ جو اتنے اطمینان کے ساتھ بیٹھا تھا جیسے اپنے پرانے دوستوں کے درمیان ہو۔ اس کے کسی بھی انداز سے گھبراہٹ کا خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ ”خیر۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھ سے کیوں ملنا چاہا تھا؟“ کرم چند نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”مجھے اس پولیس والے سیٹام کی موت کھٹک رہی ہے۔“ داور نے بتایا۔ ”ایسا گنتا ہے جیسے وہ اس رزم کے راز سے واقف تھا۔ اس لیے اسے ہلاک کر دیا گیا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ کرم چند نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”یہ بھی چھا ہوا کہ تم مجھ سے آکر ملے۔ مجھے خود تم سے کچھ کہنا تھا۔ دیکھو داور۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے یہ یہ بتلایا ہے کہ اس شہر میں میرے خلاف کچھ لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔ یا پھر باہر سے آئے ہیں۔ اور ان ہی میں سے کسی نے اس پولیس والے کو ہلاک کیا ہے اور وہی لوگ تمہاری رقم نے اڑے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ نہ صرف میرے بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔“

اس دوران کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور ایک بیرٹر سے میں شراب کی بوتلیں اور گلاس لیے داخل ہوا۔ اس نے وہ ٹرے میز پر رکھی اور مر جھکے ہوئے غلامی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کرم چند کے ایک آدمی نے کمرے میں موجود لوگوں میں شراب تقسیم کرنی شروع کر دی۔ اس نے ایک گلاس داور کی طرف بھی بڑھا دیا۔ داور نے گلاس خالی کیا اور رفیقین کی آستین سے اپنا منہ صاف کیا اور کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

”کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس پولیس والے سیٹام ہی نے وہ رزم حاصل کر لی ہو؟“ داور نے ان لوگوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ ”اور کسی دوسرے آدمی نے رزم کے لاپرواہی میں اسے قتل کر دیا ہو۔ اس طرح تمہارا یہ مقرر وضاحت ہو جائے کہ اس شہر میں کچھ لوگ تمہارے دشمن بنے ہوئے ہیں۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے۔“ ایک بھاری بھر کمائی بول پڑا۔ ”سیٹام کو وہ رزم نہیں ملی تھی۔ اگر ملی بھی ہوگی تو اس کے

حسے میں دو چار ہزار سے زیادہ نہیں آئیں گے۔“ ”یہ نہیں کیسے معلوم ہو جاوے؟“ داور نے اس کی طرف۔ ”مجھا میں جادیں۔“ ”نہیں کیسے معلوم ہے کہ اس کے پاس رقم تھی یا نہیں؟“

”سیٹام میرا ہی ماتحت تھا۔“ بھاری بھر کم آدمی نے جواب دیا۔ ”میرا تعلق بھی پولیس سے ہے۔ سیٹام کی معاشی حالت کو مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟“

”اوہ۔“ داور نے اپنے ہونٹ سٹپ لے پھر اس آدمی کی طرف نگاہیں جادیں۔ ”دیکھو دوست، تم پولیس افسر ہو اور سیٹام تمہارا ماتحت تھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جب سیٹام کو وہ روپے ملے ہوں تو اس نے تمہیں آکر رپورٹ دی ہو کیونکہ علم عام پر اصول یہی ہے۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ اس بھاری بھر کم آدمی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ رقم میرے پاس ہے؟“ ”نہیں میں نے تو بس ایک بات پوچھی تھی۔ داور نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ سیٹام نے اپنا وہ دولت ابھی خرچ نہ کی ہو۔“ ایک آدمی نے کہا۔ وہ صورت شکنی سے معقول اور پڑا کھا شخص معلوم ہوتا تھا۔ اس کی بات سن کر سب ہی اس کی طرف اس طرح متوجہ ہو گئے تھے جیسے اس کی بات کو غور سے سننا چاہتے ہوں۔ ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں سیٹام ایک محتاط آدمی تھا۔ ممکن ہے کہ اس نے وہ دولت کسی اور وقت کے لیے محفوظ رکھی ہو۔ وہ جلدی کا کام نہیں کرنا چاہتا ہو۔ دوسری طرف یہ بھی امکان موجود ہے کہ سیٹام کا ساتھ دینے والا منظم ہی کا کوئی آدمی ہو۔ ان دونوں نے اس رقم سے اپنا حصہ اٹک کر لیا ہو۔ یہ سارے امکانات موجود ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ۔“ ”انکیشن کے بعد شہر کی صورتحال تبدیل ہو جائے گی۔ کی ہو سکتا ہے کہ میئر کوئی اور بن جائے اس صورت میں۔“

”ایک منٹ۔“ داور نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی۔ ”انکیشن ہو جائے ہو تمہارا آدمی جیتے یا مارے، یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں رقم چاہیے۔ بس چاہیے وہ رقم پولیس کے کسی آدمی نے ہی یا نظام کے آدمی میرے لیے اس سے کوئی فرق پڑتا۔ لیکن انکیشن کے انتظار میں ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اس سے جلا جاؤں گا۔ یہ مسائل تمہارے لیے ہیں، تم لوگ ان سے

نشتے رہتا۔
 داور کی بات سن کر اس کے سامنے سناں پھیل گیا۔ وہ لوگ
 پر کھڑے آدمیوں نے اپنی اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
 اور داور اسی وقت کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس نے
 یہ دیکھ لیا تھا کہ کرم چند کے دیوں کے ہاتھ ان کی پستولوں
 تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ لوگ جھلا کر کچھ بھی کہتے تھے۔ داور
 ان کی کچھ باتیں چلا آیا تھا۔ وہ اتنی بدانت کا آدمی نہیں تھا
 اس نے گفتگو کرنے میں اپنا بہت سا وقت ضائع کر دیا تھا۔
 یہ اس کے مزاج اور اصول کے خلاف تھا۔ وہ اس قسم کی کھڑکی
 جنگ لڑنے کا عادی نہیں تھا۔ اسے اب تک مادھو پر کر کے
 نکل لینا چاہیے تھا۔ لیکن انہیں یہ بھی کہ اس مادھو سے بھی
 کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کا اصل مقصد اپنی رقم نکالنا تھا
 لڑائی جھڑائی کی صورت میں اس کی رقم کے ڈوب جانے کا
 اندیشہ تھا۔ اس لیے اس نے تپتے صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔
 سب اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اس نے شبلی فن پر
 پھر کوئی مہر ڈال کیا اور ان لوگوں پر بظاہر کرنے کے بعد
 کہ عبدال پوری کی طرح تیار بیٹھا ہے، ریسپور واپس لکھ دیا۔
 اس نے محسوس کیا کہ اس کی اس حرکت نے کرم چند کو داؤد بھی
 جھلا ہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن وہ بے بس بھی تھا۔
 داور بھیے ایک بات تم سے اور بھی کہنی ہے۔ اگر کرم چند
 نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“
 ”تم اس آدمی کو میرے حوالے کرو۔“ کرم چند نے
 کہا۔ ”تم نے سمجھ لیا ہو گا کہ میرا اشارہ کس طرف ہے۔“
 ”بہت اچھی طرح۔“ داور مسکرا دیا۔ لیکن میں نے اس
 کے تحفظ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ کم از کم اس وقت تک جب
 تک میں اس شہر میں ہوں۔ میرے یہاں سے جانے کے
 بعد تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نہیں
 یہ بھی بتا دوں کہ ایک بڑا خطرہ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔
 ہو سکتا ہے کہ کوئی اور ہماری گھات میں بیٹھا ہو اور ہمارے
 ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جائے جو تم نے اس کے ساتھ
 کیا تھا۔ کیونکہ انسان جو کرتا ہے وہ اس کے سامنے آجاتا
 ہے۔“

کرم چند کے ہونٹ پکپکا پکپکا نہ جانے داور کی
 اس بات میں کیا تھا کہ وہ پریشان ہو گیا تھا۔
 پرکاش خن پر والی بات تو کرم کی باتیں۔ کرم نے منہ بڑو
 ایک آدمی چانگ بول پڑا۔ اس کی آواز نے کرم چند کو جھکا
 دیا تھا۔

”اس کی کوئی بات نہیں ہے۔ کرم چند نے جلدی سے
 کہا۔ اس قسم کے کاموں میں زندگی اور موت کی کوئی اہمیت
 نہیں ہو سکتی۔ موت بڑی آسانی سے آکر جھپٹ لیتی ہے۔
 پرکاش مہرہ کو نہ تھا وہ مر گیا۔ اس کی موت کا کوئی بھی
 ذمہ دار نہیں ہے۔“
 لیکن صورتحال یہ ہے کہ جب تک ہم اس شہر میں لوڈ
 ہیں یہاں ہونے والی ہر اورادہ پولیس ہمارے کھاتے میں
 ڈالتی رہے۔ داور نے اس بھاری جھرمک پولیس آفیسر کی
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں، اس پرکاش مہرہ
 کی موت کو بھی ہمارے حساب میں لکھ لینا۔“
 پولیس آفیسر نے جھلا کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ پھر کچھ
 سے غرا کر رہ گیا۔ کرم میں موجود لوگ داور کی طرف اس طرح
 دیکھنے لگے تھے۔ جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ کوئی نہایت
 دشمنوں کے درمیان آکر کچھ لٹے اطمینان ادا لا پر والی سے بائیں
 کر سکتا ہے۔

”دیکھو داور۔ پولیس آفیسر بالآخر بول ہی پڑا۔ وہ خود پر
 قابو نہیں پاسکا تھا۔ میں بہت دیر سے تمہاری باتیں سن رہا
 ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اور تم
 نے میرے سامنے کرم چند کے مکان کو اشارے کی دھمکی دی ہے۔
 تم اس شہر میں خون خرابہ کیسے پھرتے ہو۔ اگر میں چاہوں
 تو ابھی تمہیں گرفتار کر سکتا ہوں۔“
 ”تم یہ نہیں کر سکتے پولیس آفیسر، داور نے مسکراتے
 ہوئے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارا خود اپنا دامن صاف
 نہیں ہے۔ تم تو خود کرم چند جیسے آدمی کے ساتھ ملے ہوئے
 ہو۔ تم تو خود میری طرح ایک جرم ہو اس لیے تم کچھ بھی
 نہیں کر سکتے۔ سمجھو۔ پولیس آفیسر نے نگاہیں ہٹا کر
 اس نے کرم چند کی طرف دیکھا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں
 کرم چند کی جاننے سے پہلے اتنا پھر یاد دلا دوں کہ اپنے
 مسائل کو خود ہی منٹو۔ مجھے تو رقم چاہیے اور وہ میں لے کر ہوں
 گا۔“

اس ملاقات کے چند گھنٹوں بعد سیاہ رنگ کی ایک گاڑی
 سوامی جی کے مندر کے سامنے آکر رک گئی۔ اس گاڑی میں
 تین آدمی سوار تھے۔ گاڑی کے اندر تاریکی تھی جس کی وجہ سے
 ان کے چہرے دیکھے نہیں جاسکے۔ گاڑی کے کچھ لوگ
 چلنے والا دروازہ کھول کر باہر گیا اور بے مقصد بھاڑو
 چلنے لگا۔ جبکہ کچھ نشست پر بیٹھے دو آدمی وہاں ہی بیٹھے
 رہے تھے۔

اس وقت مرگ بالکل ویساں تھی۔ اس پاس مکانات
 بھی نہیں تھے۔ سوامی جی کے مندر کے کھانے میں بھی کچھ
 خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ گاڑی چلانے والے نے
 فٹ پاتھ پر پڑے ہوئے ایک پتھر کو کھوکھو مارا۔ وہ پتھر
 ٹھٹھکا ہوا آواز نکالا۔ وہ شخص بھی اس پتھر کے قاتل میں
 گاڑی سے دور ہٹ گیا تھا۔ اس کے گاڑی سے دور ہٹنے پا
 گاڑی میں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے گفتگو شروع کر دی۔
 ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرم چند کچھ بھانپ لیا ہے۔“
 ان میں سے ایک نے سرگرمی سے ہونٹے کہا۔

”ہاں۔ دوسرے نے اس کی تائید کی۔“ ایسے گفتگو کے
 جیسے وہ کھٹکا ہوا ہے۔ اسے خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔
 لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ خطرہ کس طرف سے اس کے پاس
 آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں آدمیوں نے بھی بری طرح
 اسے تنگ کر رکھا ہے۔
 ”ان دونوں کے مشفق کچھ بتاؤ۔“

”ان میں سے ایک کا نام عبدال ہے اور دوسرے کا داور۔“
 دوسرے شخص نے بتانا شروع کیا۔ آج کی مینگ میں داور
 آیا تھا۔ اس نے عبدال کو کرم چند کے مکان کی طرف بھیج
 دیا تھا تاکہ وہ کسی خطرے کی صورت میں کرم چند کے مکان
 کو تباہ کر دے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ داور
 بہت ہی خطرناک انسان ہے۔ اس کے علاوہ وہ حد درجہ
 ذہین بھی ہے۔“

”ہوں۔“ پہلے والے نے ایک ہنگامی کی پھر سرگرمی کا ایک
 کش لیتا ہوا بولا۔ ”مکان ہے کہ آگے چل کر یہ دونوں ہی
 ہمارے لیے خطرہ بن جائیں۔ اس لیے انہیں راستے سے
 ہٹانا ضروری ہو گیا ہے۔“

”جس طرح ہم نے سیتام کو مٹا دیا ہے۔“
 ”سیتام اپنی حاق سے مر رہا۔“ پہلے والا غرا باریاں
 کے علاوہ میرنے اسے ہلاک کرنے کی ہدایت نہیں دی تھی۔
 اس کی نیت نے سیتام کو مارنے کے بعد بھی بتایا کہ وہ سیتام
 کو مارا ہے۔ میں نے اس پر برا بھلا بھی کہا تھا لیکن اب کیا
 ہو سکتا تھا۔“

”ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے نے افسوس کا
 اظہار کیا۔ دیکھو نا، ابھی تک ہم خون خرابے سے دور رہے
 تھے۔ بارود جڑی کویت نہیں آئی تھی۔ ہم ذہن سے جنگ
 کر رہے تھے۔ اور اس میں ہمیں کامیابی بھی ہوئی تھی۔ لیکن
 نت نے صورتحال تبدیل کر دی ہے۔ ایسا نہیں ہونا

چاہیے تھا اور اب تم دو آدمیوں کو ہلاک کرنے کی بات کر
 رہے ہو۔ یہ قتل و غارت گری اپنی لائن نہیں ہے۔ میں اس
 قسم کی چیزوں سے بہت دور رہنا چاہتا ہوں۔“
 ”جھک ہے۔ جھک ہے۔“ پہلے والے نے دوسرے
 کے شانے پر پتھری دی۔ ”ہم اس موضوع پر بعد میں بات کریں۔“

مارلو کو بھی سے بلایا گیا تھا۔
 وہ ایک پیشہ ور قاتل تھا۔ اس کے حساب میں اتنے قتل
 لکھے ہوئے تھے۔ جن کی گنتی بھی اسے یاد نہیں تھی۔ اس
 کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اتنے ٹھنڈے دل و دماغ سے
 قتل کرتا ہے جیسے قتل کر رہا ہو چاہے پی پی رہا ہو۔ سرگرمی
 رہا ہو۔ کوئی پہچان نہیں، کوئی غصہ نہیں، قتل کرنا اس کا فرائض تھا
 اس سے کام لینے والے جانتے تھے کہ اسے۔ ایک معقول رقم
 دے دی جائے اور اس آدمی کا نام بتا دیا جائے جس کو قتل کرنا
 منصوبہ ہو تو اس کے بعد کسی قسم کی کوئی فکر نہیں رہتی۔ مارلو
 باقی حالات خود ہی سمجھ لیا کرتا ہے۔ وہ اپنے شکار کو بال
 سے بھی ڈھونڈ نکالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کے اندر
 ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ سوالات نہیں کرتا تھا۔ اسے اس بات سے
 کوئی غرض نہیں ہوتی تھی کہ قتل کروانے والا کس کو کیوں
 قتل کروانا چاہتا ہے۔ وہ اپنا کام کرنے کے بعد اپنا نام
 پتہ بھی بھول جا کر جاتا تھا۔

ایک دن پہلے اس کے نام پوچھا۔ کسی نے بیس ہزار
 کی رقم بھیجی تھی۔ اور داور کا نام لکھ دیا تھا۔ اور
 صرف اتنا بتایا تھا کہ داور آج کل پونا آیا ہو ہے۔ بس اس
 سے زیادہ مارلو کو اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔ اسے رقم مل گئی تھی
 شکار کے نام معلوم ہو گئے تھے۔ مگر کا نام معلوم ہو گیا تھا۔
 داور تو ویسے بھی اس کے لیے خوشگوار شکار ثابت ہوتا۔ وہ
 ویسے بھی بہت دولت مند ہے اور اسے اپنا حساب پکانے کی فکر
 میں تھا۔ بہت دنوں پہلے داور نے ایک موقع پر بہت بڑا
 طرح سے زخمی کر دیا تھا۔ مارلو کے لیے اتنی بات بہت تھی۔
 اگر اسے بیس ہزار ملے تب بھی وہ داور کو ہلاک کرنے کی۔
 قسم کھا چکا تھا۔ لیکن اب اسے بیس ہزار بھی مل چکے تھے۔
 رقم بھیجنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ مارلو کو اس
 کا نام جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اسے اشارہ مل گیا تھا
 اس نے اپنا آؤدھ پستول اپنی جیب میں رکھا۔ ایک بار فاس
 اٹھایا اور رقم ملنے کے ایک ہی گھنٹے بعد پونا لینے روانہ ہو گیا۔
 پونا آئے کے بعد اس نے بہت برقی رفتاری سے کام
 کیا تھا۔ اسے یہ بتا دیا گیا تھا کہ کرم چند اور کرم کی ملاقات

ایک دیر میں ہونے والی ہے۔ وہ شہر سے باہر جانے والی اس طرح پر موجود رہا تھا۔ جس طرح پرانے دونوں کی لڑائی ہونے والی تھی۔ اس نے داور کے ساتھی کو گاڑی میں جلتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن وہ خود وہی کھڑا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ لوٹ کر اسی طرف آئیں گے اور وہ لوگ واپس کے لیے اس کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اسی وقت ان کا تعاقب شروع کر دے گا۔

اس نے یہی کیا تھا اس نے دیکھا کہ وہ گاڑی واپس آ رہی ہے جس پر عبداللہ اور داور گئے تھے تو اس نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ یہ گاڑی اس نے ایک طرف سے اٹھائی تھی۔ پھر جیسے ہی ان کی گاڑی اس کی گاڑی کے برابر سے گزری تو اس نے تعاقب شروع کر دیا۔ اسے دیکھ کر چہرہ بھی ہوتی تھی۔ کہ جاتے ہوئے اس گاڑی میں صرف دو آدمی تھے لیکن واپسی پر ایک دھڑکی والا شخص بھی ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن مارلو کو اس کی پروا نہیں تھی اصل بات تو یہ تھی کہ اس کا شکار اس کے سامنے تھا اور اس کی تلاش میں اسے زیادہ جھگڑے اور تھکاوٹ نہیں کرنی پڑی تھی۔

اس نے دیکھا کہ عبداللہ نے گاڑی ایک طرف سے کنارے لٹھری کر دی تھی۔ پھر وہ تینوں اس گاڑی سے باہر آ گئے۔ مارلو نے بھی یہی کیا۔ اس نے بڑی ہوشیارانہ انداز سے ان تینوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی اس کا خیال تھا کہ وہ راستے ہی میں داور کو ہلاک کر کے اپنا کام ختم کرے گا۔ اس کے بعد وہ بمبئی واپس ہو جائے گا۔ یہ ہمہ اس کے لیے بہت آسان ثابت ہونے والی تھی۔

لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ راستے بھر اس کی بد قسمتی اس کے ساتھ تھی۔ ابھی اسے داور پر پکڑی چلانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ کوئی نہ کوئی گاڑی اس کے آگے آ جاتی، یا وہ تینوں چلتے چلتے اس طرح پوزیشنیں بدل لیتے کہ مارلو کے لیے کوئی چلانا مشکل ہو جاتا۔ وہ اس وقت داور کے ساتھی اور اس کو اڑھائی واٹے شخص کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ان دونوں کے لیے اسے کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا تھا۔ معاوضہ صرف داور کو ہلاک کرنے کا ملا تھا۔

اس نے دیکھا کہ داور بھی والا اور اس کا ساتھی داور سے الگ ہو کر ایک طرف چلے گئے۔ جبکہ داور اسی جگہ کھڑا رہا۔ مارلو کے لیے یہ بہت اچھا تھا۔ وہ داور کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے پستول

نکال لیا۔ لیکن اسی وقت سامنے سے ایک گاڑی آئی۔ اس نے دیکھا کہ وہی اور وہ فوراً اس درخت کی آڑ میں ہو گیا جہاں پہلے چھپا ہوا تھا۔ وہ گاڑی سست رفتاری سے چلتی ہوئی اس کے سامنے سے گزری۔ پھر آگے چل کر رک گئی۔ مارلو اس گاڑی والوں پر جھلاٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ ان کم جنوں کو بھی اسی وقت ڈبکا تھا۔ نہ جانے کیوں انہیں اسے گاڑی روکی تھی۔ مارلو کو اس بات کا خدشہ تھا کہ انہیں اتنی دیر میں داور نہ نکل جائے۔

وہ گاڑی پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کے آگے بڑھتے ہی مارلو درخت کی آڑ سے نکل آیا لیکن یہ دیکھ کر اس کی جھلاٹ عروج پر پہنچ گئی کہ اتنی دیر میں داور غائب ہو چکا تھا۔ اس نے دھڑا دھڑ نکالیں دوڑائیں داور کہیں دکھائی دے گا۔ مارلو سے ایک بہت بڑی حافقہ مرزد ہو چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ موقع تو اسے مل گیا تھا لیکن اس نے وہ موقع گنوا دیا تھا۔ اسے گاڑی والوں کی پروا کے بغیر اپنا کام کر لیتا چاہیے تھا۔

بہر حال اسے اس ٹھکانے کا علم ہو گیا تھا جہاں داور نے اپنے ساتھی کے ساتھ پناہ لے رکھی تھی۔ وہ انوکھ چاہے کہیں بھی گیا ہو۔ لیکن رات کے وقت اسے اسی طرف لوٹ کر آنا تھا۔

وہ اس ویران مکان کے سامنے کھڑے ہو کر انتظار کرتا رہا۔ اس کے پیشے میں صبر کی بہت اہمیت تھی۔ تو وہ برداشت بہت کام آتی تھی۔ جس میں جتنی زیادہ قوت برداشت ہوتی وہ اسی قدر کامیاب ہوتا۔ اس لحاظ سے مارلو میں یہ نیاہ قوت برداشت تھی۔ وہ ساری رات اس آدمی کے انتظار میں کھڑا رہ سکتا تھا۔

پھر بہت رات گئے اس نے ایک سائے کو جھوٹے جھلٹے ہوئے اس مکان کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہوشیار ہو گیا۔ اس نے اپنے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ لیکن اسے یہ دیکھ مایوسی ہوئی تھی کہ وہ داور نہیں تھا بلکہ اس کا ساتھی عبداللہ تھا جو بڑی ترنگ میں سیٹیاں بجاتا ہوا اس ویران مکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مارلو اسے دیکھ کر اور بھی غصے میں بھر گیا تھا۔ اسے داور کا انتظار تھا۔ اسے داور کو ہلاک کرنا تھا۔ اور اسے والا اس کا ساتھی تھا۔

اس نے دیکھا کہ عبداللہ اسی طرح جھومتا ہوا اس مکان میں چلا گیا۔ مارلو اس کے چلنے کے بعد بہت دیر تک

داور کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن داور نہیں لڑا۔ پھر ایک خیال نے مارلو کو مضطرب کر دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں داور کہیں چلا گیا ہو اور وہ ساری رات اس کے انتظار میں اسی طرح کھڑا رہے۔ اگر وہ کہیں چلا گیا ہو گا تو اس کی تصدیق اس کے ساتھی عبداللہ سے ہو سکتی ہے۔ داور کا پتہ چلانے کے لیے اسے عبداللہ کو قابو میں کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

یہ سوچ کر وہ خود بھی اس ویران اور پرلر مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مکان کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد اس نے ایک کمرے میں موم بتی کی روشنی دیکھی۔ اس کی نگاہ میں آ گیا کہ داور کا ساتھی اسی کمرے میں موجود ہو گا۔ مارلو نے داخلہ کرنے کے بعد اس مکان میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اس کی نگاہ میں اس داخلہ والے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اسے بات و دار کی مرزبانی یا داور کا پتہ چلانے کے لیے اس کے ساتھی عبداللہ کی۔

اس نے مکان کے کمرے میں پہنچ کر اپنا پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ روشنی والے کمرے سے عبداللہ کے ٹنگٹانے کی آواز آ رہی تھی۔ مارلو اس کمرے کے دروازے سے چپکا کھڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے سنا کہ عبداللہ کے ٹنگٹانے کی آواز ختم ہو چکی تھی۔ مارلو نے آہستہ سے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس عبداللہ نے دروازہ بند کرنے کی زحمت۔

گوارا نہیں کی تھی۔ مارلو نے اپنا پستول اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پستول چلانے کی مشق کر رکھی تھی۔ اور یہی اس کے بہت کام آ کرنا تھا۔ عام طور پر لوگوں کو یہی توقع ہوتی کہ پستول چلانے والا دائیں ہاتھ سے کام لے گا اس لیے بائیں ہاتھ کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا تھا اور مارلو اس بے خبری سے فائدہ اٹھا لیا کرتا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس کی تمام صلاحیتیں بیدار تھیں۔ وہ اس وقت کسی قسم کی طرح چونکا نہ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بہت بھری آواز سنائی دیتی تھی اسے اس کا کام تمام دینا ہے اس لیے اس نے دروازہ کھولتے ہی جست لگا دی لیکن وہ عبداللہ اس کمرے میں موجود نہیں تھا۔

اس کمرے کے برابر میں ایک دھڑک رہا بھی تھا۔ وہ شاید اس کمرے میں موجود تھا۔ وہ دھیرے دھیرے اس کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اور یہاں اس نے ایک

غلطی ہو گئی۔

عبداللہ دوسرے کمرے میں نہیں بلکہ اسی کمرے میں تھا۔ اور شاید اس نے مارلو کی آہٹ محسوس کرتی تھی اس لیے وہ دوا کے ساتھ جبکہ کھڑا ہو گیا تھا اور مارلو جیسے ہی دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ عبداللہ نے اس پر جھلاٹ لگا دی۔ مارلو کو پستول چلانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ عبداللہ نے اس کی گلائی پکڑ لی تھی۔ اور اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے رہا تھا تاکہ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اس موقع پر مارلو کو احساس ہو گیا کہ عبداللہ بھی انارڈی نہیں ہے۔ وہ اس قسم کے کھیل سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسی لیے اس کی توڑ مارلو کے ہاتھ میں بوجے ہوئے پستول کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ مارلو کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کے تجربہ کار ہونے کی نشانی تھی۔ لیکن مارلو بھی بے وقوف نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ

جب جنگ روبرو ہونے لگے تو ہتھیار اتنا زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوا کرتا۔ ہتھیار اسی وقت کام آتا ہے جب آدمی کچھ فاصلے پر ہو اور اس موقع پر اسے پستول سے زیادہ اپنی قوت بازو سے کام لینا تھا۔ وہ کمرے میں جانتا تھا۔ اس کے پیشے میں یہ ہمارت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے خود ہی پستول پر سے پناہ دھیان دیا اور دوسرے ہاتھ سے عبداللہ کی گردن پکڑ لی۔ اور پھر اسے دھکیلتے ہوئے دیوار سے لے کر ٹکرا دیا۔

اس کشمکش کے دوران اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ پستول کے گرے ہی والا دونوں کے درمیان کشمکش شدید ہو گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر پل پڑے۔ عبداللہ نے اس کے پیٹ میں کھوسنا مارا۔ مارلو کھڑا سا پیچھے ہٹا لیکن اس نے ایک ٹھونکے کا جواب اسی طرح دیا کہ عبداللہ کے چہرے پر ایک مٹور رسد گر دیا۔ پھر ایک لاس کے سینے پر پڑ دی۔ عبداللہ ٹھٹھکا ہوا دیوار سے جا لگا مارو پھر اپنے پستول کی طرف لپکا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود اس کے اندر ایک خرابی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک ہاتھ پائی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کشمکش لینڈر استعمال کیا کرتا تھا۔ اور لڑائی کے موقع پر یہ لینڈر اس کے لیے دشواری پیدا کر دیا کرتے تھے۔

عبداللہ جب اسے پستول کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی اس پر چھلانگ لگا دی لیکن اتنی دیر تک مارلو جھمکائی دے کر دوسری طرف نکل گیا۔ اس نے ایک

جھٹکے سے پستول بھی اٹھا لیا تھا لیکن ٹھیک اس وقت اس کے سر پر قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ اس ہنگامے میں اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی اور بھی اس کمرے میں آ سکتا ہے اور آنے والا اور تھا جس نے کمرے میں ہونے والی جنگ کی آوازیں باہر سے ہی سنی تھیں اور بہت جتنا ہوا کہ کمرے میں چلا آتا تھا۔

جنگ کا پانسہ مارلو کے حق میں پیشے والا تھا کیونکہ مارلو پستول اٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اسی وقت داور نے اس پر حملہ کر دیا تھا اس نے مارلو کے لیے پستول استعمال نہیں کیا تھا بلکہ جیلو تو اس کے سر پر ایک زوردار گھونسلہ رسید کیا اور جب وہ جلا کر لگا تو داور گھونسلے کے پیر پر رسید کر دیا۔ اس ضرب نے مارلو کی آنکھوں میں پڑے ہوئے ایک کنٹیکٹ لینس کو توڑ دیا تھا۔ اس کی کرجیاں اس کی آنکھوں میں اتر گئیں اور وہ بری طرح چیخنے لگا۔ اس کی آنکھ سے خون بہنے لگا۔ چیخنے چیخنے وہ تڑپا اور فرش پر گر پڑا پھر اس نے اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

داور نے بے ہوشی پڑے ہوئے مارلو کے جسم پر ایک ٹھوکر مار دی۔ اس کی آنکھ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ "سالہ بہت جی دار آدمی معلوم پڑتا ہے" عبداللہ نے بازوؤں کو دبا ہوا بولا "جھینس کی طرح مڑا تھا اپن سے۔ پر استاد، یہ ہے کون، اپن کو تو سسرال والا دکھائی دیتا ہے سالہ سسرال کا لوگ بھی اسی طرح ٹھکائی کرتا ہے۔ اگر تم نہیں آ سکتا تھا تو اس کو یہ سالہ اپن کی جھپٹی کر دیتا" کمرے کا دروازہ کھل اور گھونٹا ناخاندان داخل ہوا وہ اس ہنگامے کو سن کر اپنے تہ خانے سے یہاں آیا تھا۔ "سالہ! تم کو بھی چین نہیں ہے کیا، عبداللہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اب تم کا ہے تو اٹیل ہے تم کو کس نے بلایا ہے؟"

کون ہے یہ؟" رگھوناتھ نے بے ہوش پڑے مارلو کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کہاں سے آیا؟"

"یہ مارلو ہے" داور نے جواب دیا۔ "بھئی میں رشتا ہے"

اس کی تم اس کو جانتا ہے باس؟" عبداللہ نے پزلن اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ایک بار پہلے میرا اس سے ٹکراؤ ہو چکا ہے" داور نے جواب دیا۔ "یہ ایک پیشہ ور قاتل ہے"

"اوہ۔ میں سمجھ گیا" رگھوناتھ نے ایک تیزی سے اس کی طرف نظر کیا۔ "تم کو یہ نظم کبھی کبھی اس سے کام لیا کرتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ تم دونوں کو ہلاک کروانے کے لیے کرم چند نے اس کو مقرر کیا ہو"

"اگر ایسی بات ہے تو آج کی رات کرم چند کی آخری رات ہوگی" داور غر بیا۔ "میں اب اس کھیل کو ختم کرنا چاہتا ہوں"

"باس۔ اس کی آنکھ اور کان سے نکلے گا ننگ خون نکل رہا ہے" عبداللہ مارلو کو دیکھتے ہوئے بولا۔ سالہ اپرا فرش زنجیں ہو جانے لگا۔

"تمہارے پاس ٹیپ ہے؟" داور نے دریافت کیا۔

"ابن سالہ ٹیپ کا کیا کرے گا۔ ویسے رومال ہے" ٹھیک ہے۔ وہی رومال اس کی آنکھوں کے گرد باندھ دو اور تھوڑا سا لٹپٹا اس کے کان میں ٹھوس دو اس طرح خون بند ہو جائے گا"

"تم واقعی بہت ٹھنڈے پتے کے آدمی ہو" گھونٹا لیتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہارے مزاج کا آدمی آج تک نہیں دیکھا"

"یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے رگھوناتھ" داور نے کہا۔ خیر تم تہ خانے میں جاؤ۔ ہم لوگ اس کو لے کر اسی وقت کرم چند کے پاس جا رہے ہیں۔ اور تم بہت ہی مختار رہنا" گوشش کرنا کہ تہ خانے سے باہر آنے کی ضرورت نہ محسوس کرو۔ سمجھ گئے"

اس دوران عبداللہ نے مارلو کی آنکھ پر رومال باندھ دیا تھا۔ لیکن خون آنکھ سے ریس کر رہا تھا اور کورن کر کے لگا۔ عبداللہ نے پڑے کی دھجیاں بھی مارلو کے ہتھے ہوئے کان میں ٹھوس دیں۔ نہ جانے داور کے حلقے سے مارلو کیسی ضرب لگی تھی کہ لمحہ بھر اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لیس کچھ ہی دیر کا زمانہ ہو "عبداللہ، تم جا کر کسی گاڑی کا بندوبست کرو داور" نے کہا۔

"تم تو ایسا آڈر دیتا ہے باس، جیسے باہر سالہ لگاؤ کی لائن لگا ہو۔ یہ کیوں نہیں بولتے کہ کوئی گاڑی چر کر لڑے۔ اپن سالہ اکھا پونا میں گاڑی چور مشہور ہو جائے گا سالہ جو دیکھے گا پتھر مارے گا"

"اچھا جاؤ" داور مسکرا دیا۔ اس شہر کی ہر گاڑی اپنی ہی ہے۔ کوئی کشادہ مت اٹھا لانا۔"

"سالہ ہندوستان میں کشادہ ہی گاڑی نہ لگا کر"

لے گا۔" عبداللہ سخت جھلایا ہوا تھا۔

عبداللہ بک بک کرنا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور اور رگھوناتھ بالکل طرف دیکھنے لگے۔ داور کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے مارلو کے سر پر وار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس وار سے مارلو کے سر کے اندرونی نظام کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ کانوں اور ناک سے بہتا ہوا خون یہی ظاہر کر رہا تھا۔ اسے مارلو سے کچھ باتیں معلوم کرنی تھیں۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے کس نے اس کے تعاقب میں بھیجا تھا۔ کس نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ لیکن اب مارلو اس کے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل ہی نہیں تھا۔ لمحہ بھر بگڑتی ہوئی حالت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کس کچھ ہی دیر کا زمانہ ہے۔

"تم اس وقت کرم چند کی طرف کیوں جانا چاہتے ہو؟" رگھوناتھ نے پوچھا۔

"یہ آدمی اس کے سامنے لے جا کر ڈال دوں گا۔" داور نے جواب دیا۔ "کرم چند ہی کے ساتھیوں میں کوئی ایسا ہے جو اس کے خلاف جا رہا ہے"

"تمہیں کرم چند سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی ہے؟" رگھوناتھ نے بڑا سادہ بنایا۔ "تم مجھے یہ قصہ ختم کیوں نہیں کرتے دیتے؟"

"ابھی نہیں، رقم مل جانے کے بعد" رقم مل جائے تو پھر تمہارا اور اس کی جنگ ہوگی، تم دونوں ایک دوسرے کے سامنے آجانا۔ میں تمہیں اس بات کا پورا موقع دوں گا۔ میں خود کرم چند کا مخالف ہوں۔ لیکن میں اپنی رقم کے علاوہ تمہارے لیے کچھ بھی کرنا چاہتا ہوں"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا" رگھوناتھ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"سیدھی سی بات ہے کہ میں کرم چند کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن دوسری طرف یہ علاقہ میرا نہیں ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کرم چند کی جگہ تم آ جاؤ کیونکہ یہ تمہارا حق بھی ہے اور تم میرے دوست بن چکے ہو۔ لیکن مشدد یہ ہے کہ داور کو نظم کی جگہ دوڑ سنبھالنے کے چکر میں ہیں پہلا فوکر کرم چند جو اس وقت سب کچھ ہے اور دوسرا وہ آدمی جو کرم چند کو راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ میں اس دوسرے آدمی کو بھی بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ بعد میں تمہارے لیے پھر کوئی پریشانی پیدا نہ ہو جائے"

"اوہ۔" رگھوناتھ نے ایک گہری سانس لی وہیں سے اسی انداز سے تو سوا جا ہی نہیں تھا۔ تم دلیہ ہونے کے

ساتھ ساتھ بہت ذہنی بھی ہو"

"اس لیے میں کہتا ہوں کہ میرے مشوروں پر عمل کرو" داور نے کہا۔ "ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہو اور فی الحال تمہارا تعاون یہی ہونا چاہیے کہ تم اسی مکان میں چھپے رہو۔ جب تک حالات تمہارے حق میں نہ ہو جائیں۔ تم باہر مت آؤ"

اسی وقت مکان سے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ شاہ عبداللہ کوئی گاڑی چر لایا تھا۔ داور کھڑکی کے پاس آ گیا۔ اور فوراً ہی سانپ کی سی تیزی سے پٹا اوڑھ پھونک مار کر روم میں پٹی بچھا دی۔ اس کے اندر کسی پتے کی سی پھرتی پیدا ہو گئی تھی۔

"کیا بات ہو گئی؟" رگھوناتھ نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

"پولیس!" داور نے جواب دیا۔ "پولیس نے گھر ڈال لیا ہے۔ تم جلدی سے ہم دونوں کے سفری بگ اٹھاؤ۔ میں اس آدمی کو اٹھا لیتا ہوں۔ ہم دونوں کو پچھلی طرف سے نکل لیتا ہے۔ جلدی کرو"

رگھوناتھ پھرتی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ برآمدے میں قدموں کی آہٹیں کو غنچے لگیں۔ داور نے بے ہوش مارلو کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ اور دو ہاتھ میں پستول لے لیا۔ اس دوران رگھوناتھ بھی دونوں سفری جھیلے کر داور کے پاس آ گیا تھا۔ انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے انہیں دیکھا نہیں جاسکے گا لیکن وہ لوگ اگر باہر سے کسی قسم کی روشنی اندر ڈالتے تو وہ بڑی آسانی سے لگا ہوں ہاں آ سکتے تھے۔

وہ دونوں برابر والے کمرے کے دروازے سے اندر آ گئے۔ اسی وقت باہر کھڑے پولیس والوں میں سے کسی نے زور زور سے لکڑا ناٹ ڈنگ کر دیا۔

"لے۔ کون ہے اندر۔ باہر آؤ۔ باہر آ جاؤ"

داور نے گہری سانس لی۔ اس پولیس والے کے لکڑاٹے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو بیوقوف نہیں تھا کہ اس مکان کے اندر داور اور عبداللہ چھپے ہوئے ہیں۔ شاہد یہ پولیس والے موم جی کی روشنی دیکھ کر اس طرف چلے گئے تھے۔ کیونکہ یہ مکان ویران رہتا تھا اور یہاں روشنی کا دکھائی دینا واقعی حیرت کی بات تھی۔

وہ دونوں مختلف کمرے سے ہوتے ہوئے مکان کے عقبی حصے کی طرف نکل آئے۔ یہاں ایک پائین باغ تھا۔ جو زہلے ناک سے اجاڑ پڑا تھا۔ سوکھی ہوئی گھاس اور

مرحلتہ ہونے پر مندرجہ درخت میاں ایک عقیبی دیوار بھی
 موجود تھی اور یہ دیوار ایک دو جگہ سے اس طرح ٹوٹی ہوئی
 تھی کہ باہر چلنے کا راستہ نہ گیا تھا۔ وہ لوگ اس دیوار
 کے پاس پہنچے اور اسی وقت مکان کے سامنے کی طرف
 سے ایک کوئی چلنے کی آواز گونج اٹھی۔ اس آواز کو سن کر
 لکھونا تھک گیا تھا۔
 "چلتے رہو" داور غرایا۔ وہ لوگ اندر سے گولیاں
 چلا رہے ہیں۔ ہم لوگ محفوظ ہیں کیونکہ اس طرف کوئی
 دکھائی نہیں دے رہا۔
 لکھونا تھک ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر نکل آیا۔ اس
 کے ساتھ سی دیوار بھی باہر آگیا۔ اس نے اپنے شانے پر
 مار لوکا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ اس کے باوجود اس کی رفتار
 بہت تیز تھی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے کوئی
 وزن بھی اٹھا رکھا ہے۔
 اس طرف کوئی رشک نہیں تھی۔ البتہ ایک چھڑا سا
 میدان تھا۔ اس میدان میں بھی چھڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔
 اندھیرے کی وجہ سے انہیں چھڑیوں کے درمیان سے گزرنے
 میں بہت دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ قدم قدم پر کسی
 نہ کسی چھڑی سے ٹک جاتی۔ پھر خود کو چھڑی کے چلنے
 گزرتے۔ داور کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ دونوں اس طرح سے
 طرف ہمارے ہیں۔ پھر علاقہ کے لیے اجنبی تھا جبکہ لکھو
 ناتھ اس علاقے سے واقف تھا۔ اس کے باوجود وہ بھی کچھ
 بوکھلایا ہوا تھا۔
 "کیا بات ہے رکھو؟" داور نے اس کے قریب پہنچے
 ہوئے پوچھا۔ تم ٹک کیوں گئے؟
 یہ راستہ ہونا کے جوڑ بانڈ کی طرف جاتا ہے۔ لکھونا تھک
 نے جواب دیا۔ اور اس ناچار میں لٹ جھیر لٹا رہتا ہے۔
 ہم لوگ اس طرح وہاں پہنچے تو فوراً دیکھا ہوں میں آجائیں گے
 کیونکہ ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی ہے جو کسی بھی وقت ترس
 والا ہے۔
 یہ بات تو ہے۔ داور نے اپنی گردن ہلائی۔ اس کے
 علاوہ مجھے عبدل کی بھی فکر ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی گاڑی
 لے کر پیچھے ہی والا ہوگا۔ لیکن وہ بھی ہوشیار آدمی ہے
 وہ خطرہ بھانپ کر گاڑی اس مکان سے آگے نکال لے
 جائے گا۔
 مکان سے پھر گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ کسی
 پولیس والے کی لٹکار بھی سنائی دی۔ وہ لوگ ابھی تک

نہیں معلوم کر سکے تھے کہ جن کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا
 ہے۔ وہ اس مکان سے نکل چکے ہیں۔ لیکن اس بات کی
 کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی کہ وہ لوگ کس وقت
 ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر نکل پڑیں۔ ایسی صورت میں داور
 اور لکھونا تھک کے لیے پریشانی ہو سکتی تھی۔ داور کے ساتھ
 اگر مارو نہیں ہوتا تو وہ اب تک بہت دور نکل چکا ہوتا۔
 لیکن اسے ان دونوں کی وجہ سے بہت احتیاط رہنی تھی۔
 ابھی وہ یہ سب سوچ رہا تھا کہ کسی گاڑی کی
 آواز سنائی دی۔ کوئی گاڑی ہینڈل لٹس بجائے ہوئے
 چھڑیوں کو کچلتی ہوئی اندر ہی لوگوں کی طرف آ رہی تھی۔
 اس گاڑی کا سارہ خاک اندھیرے میں اچھٹا کودتا ہوا
 محسوس ہو رہا تھا۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی داور نے
 اپنے شکے پر دل سے ہوئے مارو لوکا کی طرف پھینکے۔
 "لیٹ بھاؤ لکھونا تھک۔ وہ کسی سانپ کی طرح پھینکا۔
 اس کے ساتھ ہی وہ بھاڑیوں کے درمیان لوٹ گیا تھا۔
 لکھونا تھک نے بھی سفری قبیلے ایک طرف پھینک دیا
 اس کی تقلید کی۔ داور نے اپنے لیٹول والے ہاتھ کو اوپر
 اٹھایا اور اسی وقت گاڑی رگ گئی۔ گاڑی کے رکنے ہی
 سناٹا چھا گیا تھا مگر یہ سناٹا بھی تھوڑی دیر ہی برقرار
 رہا تھا پھر آسب زدہ مکان سے پولیس والوں کی آوازیں
 آنے لگیں۔ جوا بھی تک اسی مکان میں چکراتے پھر رہے
 تھے۔ لیکن اس بار یہ آوازیں زیادہ فاصلے سے نہیں آ
 رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ٹوٹی ہوئی دیوار سے
 پاس پہنچ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی داور نے روشنیوں
 کی لکیریں بھی لہرائی ہوئی دیکھیں۔ پولیس والوں نے
 اب ان لوگوں کو ڈھونڈنے کے لیے شارج روشن کر لیے تھے
 داور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔
 اس کے عقب میں پولیس والے تھے اور سامنے ایک اجنبی
 گاڑی تھی جس میں نہ جانے کتنے لوگ سوار تھے۔ پھر اس
 نے سب سے پہلے گاڑی والوں سے شکے کا ارادہ کر لیا۔ یہ
 گاڑی اس کے قریب تھی۔ اگر وہ اس گاڑی پر قبضہ کرنے پر
 کامیاب ہو جاتا تو پھر اس کی بہت سی دشواریاں ختم ہو
 سکتی تھیں۔ اس نے سرگوشی میں لکھونا تھک کو سناتے
 رہنے کا اشارہ کیا۔ اور خود دھیرے دھیرے گاڑی کی طرف
 بڑھنے لگا۔ لیکن وہ ابھی اس گاڑی سے کچھ فاصلے پر ہی تھا
 کہ اس نے گاڑی کا دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس کے
 دروازے سے کوئی باہر نکلا۔ داور نے لیٹول والا ہاتھ

اور اٹھایا۔ اس گاڑی سے اترنے والے کا نشانہ دیا۔ پھر
 اس کی نگلی ٹریک پر جمی رہ گئی۔ گاڑی سے اترنے والی
 کوئی عورت تھی۔ اس اندھیرے میں بھی اس سامنے کے
 نشیب و فراز نے اس کے عورت ہونے کی نشاندہی کر دی
 تھی۔
 اس عورت نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر
 کسی کو باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ داور سے اب برداشت
 نہیں ہوا۔ وہ جلدی سے کھڑا ہوا اور دوڑتا ہوا اس
 عورت کے پاس پہنچ گیا۔ عورت کا دھیان ابھی تک اسی
 کی طرف تھا۔ وہ باہر کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 داور نے جب کھینچنے جانے والے کی طرف دیکھا تو ایک کڑی
 سانس لے کر رہ گیا۔ وہ کوئی لاش تھی، کسی روکی لاش۔
 وہ عورت اس لاش کو اس دیر سے میں پھینکتی آئی تھی۔
 "اے کون ہو تم؟" داور نے آگے بڑھ کر اس
 عورت کا بازو پکڑ لیا۔ "کیا کر رہی ہو؟"
 *
 داور کی اس اچانک مداخلت نے اس عورت کو پکھلایا
 اس نے کچھ گونج ماری لیکن اس کی چیخ اس کے حلق میں جھٹ
 کر رہی۔ داور نے اپنا مضبوط ہاتھ اس طرح اس کے منہ پر جما
 دیا کہ وہ چیخ کی آواز ہی نہ سنے۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں چلائی نہ
 گئی تھی۔
 "اب آواز نہیں لکھو۔ داور سفکا کانہ لہجے میں غرایا۔ ورنہ
 تمہیں بھی مار کر لاش کے برابر ڈال دوں گا۔
 داور کی غزائے نے اس عورت کو لرزہ کر رکھا دیا۔ اس نے
 انکار کے انداز میں اپنی گردن ہلائی غصہ کر دی۔ داور نے
 اس کی گردن چھوڑ دی۔ وہ عورت اپنی گردن کو مٹتے ہوئے زہد
 زور سے سانس لینے لگی۔ اس کے پورے جسم پر لرزہ طاری تھا
 جواس کے لیے بے پناہ خوف کو ظاہر کر رہا تھا۔
 اس دوران اس آسب زدہ مکان کی جانب سے پولیس
 والوں کی آوازیں خاموش ہوئی تھیں۔ اس کا ایک مقصد تو یہ
 ہو سکتا تھا کہ اس کو وہ لوگ ناکام ہو کر واپس ہو گئے تھے پھر وہ
 خاموشی سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ داور کا ذہن اس
 وقت بڑی تیزی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے بہت
 جلدی تھی کہ یہ کچھ نہ کرنا تھا۔ اس کے پیش نظر مارو لوکی بڑنی
 ہوئی حالت بھی کئی۔ مارو لوہ بہت ہی طرح زخمی ہوا تھا اور یہ
 بھی ممکن تھا کہ وہ کچھ تیرنے سے پہلے ہی دم توڑ جائے۔ پھر
 عبدل کی بھی فکر تھی۔ وہ بھی ایک تک دکھائی نہیں دیتا تھا پھر

اس کے ذہن میں ایک بات آگئی اور اس نے اس پر عمل کرنے
 کا فیصلہ کر لیا تھا۔
 "کہاں باقی ہو تم؟" اس نے اس خوفزدہ عورت سے
 دریافت کیا۔
 "مشیلانگر میں" عورت نے جلدی سے جواب دیا۔
 "تمہارے گھر میں اور کون رہتا ہے۔"
 "مک کوئی نہیں۔ یہ لاٹھر تھا وہ" عورت نے زور دیا
 لگا ہوں سے لاش کی طرف دیکھا جو بین پر پڑی ہوئی تھی۔
 "اوہ۔ تو یہ تمہارا شوہر تھا؟" داور نے ایک گہری سانس
 لی۔ "خیر نہیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ تم میں اپنے ساتھ
 اپنے گھر لے جاؤ۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا
 گئے۔ لیکن تم نے ذرا بھی گڑبڑ کی کوشش کی تو میں اسی
 طرح جان سے مار دوں گا جس طرح تم نے اپنے شوہر کو مار
 کیا ہے۔
 عورت نے بے بس ہو کر دائر کی طرف دیکھا کچھ کہنے کی
 کی کوشش کی پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہی۔ آئی دولت
 لکھونا تھک بھی ریٹارنگ ان دونوں کے پاس آگیا تھا۔ لکھونا تھک
 کو دیکھ کر وہ عورت اور لکھونا تھک نے گئی۔ لکھونا تھک
 جہاں دیدہ آئی تھا اس نے داور یا اس عورت سے اس وقت
 کوئی سوال نہیں کیا۔
 "چلو گاڑی میں بیٹھو" داور نے اس عورت کو گاڑی کی
 طرف دھک دیا۔ پھر لکھونا تھک کی طرف دیکھا۔ تم بھی اس کے ساتھ
 بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا۔ ذرا سا پر دھیان رکھنا اگر یہ کوئی ٹریپ
 کرنے کی کوشش کرنے تو بلا لکھونا تھک اس کا لکھونا تھک دینا۔
 لکھونا تھک اپنی بھاری بھر کم گردن ہلاتا ہوا اس عورت کے
 پاس بیٹھ گیا۔ ان دونوں کو گاڑی میں چھوڑ کر داور اس طرف
 چل پڑا جہاں مارو لوہ لٹا ہوا تھا۔ وہ ریگتا ہوا مارو لوہ کے پاس پہنچ
 ہی گیا لیکن اسے یہاں تک پہنچنے میں دیر ہو چکی تھی۔ مارو لوہ
 تھا۔ اس کی کچنی ہوئی آنکھیں لڑکی ہوئی سانسیں بے تھاری
 تھیں۔ اسے مرے ہوئے کچھ دیر ہو چکی ہے۔ داور کے لیے یہ
 ایک کام کا آدمی تھا۔ اس سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ اس کے
 نے بھیجا ہے۔ لیکن وہ کچھ تارے سے پہلے ہی مر چکا تھا۔
 داور اپنے شانے سے جھٹ کر دیوارہ گاڑی کی طرف بڑھ
 گیا۔ وہ اس قسم کا آدمی تھا۔ وہ دیشیاں یا لکھونا تھک کو زیادہ
 دیر تک اپنے ذہن پر مسلط کرنے کا عادی نہیں تھا۔
 اس کے لیے فی الحال صرف ایک، ایک فکر کی بات تھی کہ عبدل
 ایک تک واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے عبدل کو کوئی گاڑی چڑھ

کے لئے بھی تھا اور اب تک اسے واپس آ جانا چاہئے تھا لیکن وہ بھی تک نہیں آ رہا تھا۔ اس آسپب زدہ مکان کی طرف سے بھی فحاشی تھی، عیسایانہ نوکر عبدل پولیس کے ہتھ چڑھ گیا اور اگلا، ہوا تو پھر وہ اس کے لئے رہنما نیاں زیادہ ہو سکتی تھیں۔

لیکن اس کی یہ پریشانی بھی عورت کی گاڑی تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ وہ بھی گاڑی تک پہنچا ہی تھا گاڑی کی پادوسی کار کی ہینڈ لائش سے تدارک ہو گئی۔ کار کی دونوں باتیاں بھی دوبارہ جلیں اور کچھ گیلے۔ یہ ایک خاص قسم کا اشارہ تھا جو عبدال اور داد کے درمیان طے ہوا تھا۔ اسی اشارے کو دیکھ کر داد کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑی۔ عبدال نے اس موقع پر ذہان کا ثبوت دیا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ مکان کے سامنے والے حصے میں جو بڑا عورت رہا ہے اسی لئے وہ گاڑی کوئے رکھی ہے جسے ک طرف آنا تھا۔

داور نے اس اشارے کے چاب میں خود بھی اس سہما
اشارہ دیا یہ اشارہ اس نے اس عورت کی گلاڑی میں پھونک کر
دبا تھا۔ جو عورت ہاتھ کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ گھونٹا ہاتھ
نے ابھی تک شادی اس عورت سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن
اس کے خوفناک چہلے نے اس عورت کو دشت زندہ کر رکھا تھا
رفہنیوں کے گلے ہو جانے کے بعد اس مہرل میں پہلے
جیسی تادیبی بھائی۔ داور نے ایئرنگ سنبھل لی تھی اور اس
کی رنگا پس سامنے میلان کی طرف لی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد
اندھیرے سے ایک بھولا اس گلاڑی کی طرف آتا ہوا دکھائی دے
گیا جس میں وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ داور نے اس بھولے

کو اس کے چلنے کے انداز سے پہچان لیا تھا وہ عبدل تھا وہ بیلوں دوسرے بھی عبدل کی خصوصیتوں سے پہچان کر یہ ثابت کرنا تھا کہ وہی جلاہ ہے۔ اور وہ کس موڈ میں آ رہا تھا یہاں عبدل کے چلنے کے انداز سے ادھر کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔ آنے والا عبدل ہی تھا۔ وہ کیا جلاہ تھا اس کے آس پاس کوئی بھی نہیں تھا اس کے باوجود کوئی نہ کوئی ٹوڑی ضرور تھی عبدل نے اپنے چلنے کے انداز سے اس ٹوڑی کا احساں دلایا تھا۔ اس نے یہاں بھی اپنی ذہانت کا استعمال کر لیا تھا۔ اس کا حال معمول کے مطابق نہیں تھی۔

”رہو نا تھو“ داوے نے اس کی طرف دیکھ کر بغیر اسے مخاطب کیا۔ ”اے والدہ! تو عید، سی ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ معلوم ہوئی ہے۔“

”کیسی گڑبڑ؟“ رہو نا تھو نے چمک کر پوچھا۔ ”عہل تو خیر بھی آتا دکھان دے رہا ہے۔“

[illegible]

یہ انتہائی خطرناک مظاہرہ تھا۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا جس سے
 دیکھ کر گھونٹا نہ بھری اپنی سیٹ سے ابھل بڑا جبکہ اس کے
 ساتھ بیٹھی ہوئی عورت کی کھنکھی سنائی دیتی تھی۔ یہ ایک ایسی حرکت
 تھی کہ ذرا سی غفلت نہ صرف عدیل کی جان کے لیے مسمیٰ بلکہ گاڑی
 بے قابو ہو کر اس کی بھی مسمیٰ تھی۔ وہ گاڑی بدمعاشی طرح ہل رہی تھی
 تھی لیکن عدیل کو گاڑی میں گھسیٹ لینے کے بعد داور پھر
 میرٹھ کی طرف توجہ ہو گیا۔ وراہی وقت کو لیاں چلیے گئیں
 کو لیاں اس راگت مہا گاڑی کے جسے منظر کارا چٹ گئی تھیں
 داور کا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا۔

دادا نے اسادھیان ڈھانک دیا تو گنگہ بھر کے خدا اس کی نافرمانی سے جی ہوئی تھیں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی گاڑی کس بڑی طرح اچھل رہی ہے کتنی ہل رہی ہے اسادھیان سے اسادھیان کیسے کیسے بچتا رہا وہاں اسی آری تھیں۔ وہ اسے اپنی گاڑی کی کڑا لٹا لئے جا رہا تھا گولیاں کچھ دیر تک نہیں پھران کی شدت میں کی ان کی بالائرن کا مسلسل ختم ہو گیا۔ ان کی گاڑی اب میلن کعبور کر ایک سڑک پر آ چکی تھی، اور اس سڑک کے کنارے بنے ہوئے مکانات خانوگی میں ڈھبے ہوئے تھے۔ اس سڑک پر پہنچ کر دادا نے گاڑی کی رفتار بھی کم کر لی تھی۔

”ناممکن حیرت انگیز ہو گھوما نختہ پڑ گیا“ میں سمجھتی نہیں سکتا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کمال کو دیا تم نے! اپن کا پاس اسی مافک کمال کرتا ہے، ڈاؤن کی بجائے عبدال نے کہا! اپن کا بھی بخودہ طبقہ آجائے میں! اگلیا تھا اپن نے بھی کہ اس دن آج اپن کی بھی کر دی نہ تو ان کے مسئلہ میں نہیں تھا کہ اس قدر اس طرح اپن کو گاڑی میں بیٹھنے کے جیسے آئے کی بوری کو کچنچن ہے۔ اپن مالابا کل یوم جبکہ کر رہ گیا ہے۔ اسی نے اپن یہ بھی نہیں بچھتا ہے کہ یہ سالابا گاڑی کی دھڑ سے آیا اور یہ پھوکر کی دھڑ سے جب پڑا اس کا کہ اپن کچھ نہیں لکھو گا۔ اپن کو پوچھنے کے لئے کچھ دھڑا رہی،

ہیں ہے:

ہمیں ہے۔
 ”اے عبداللہ! داوراس کی باتیں سن کر مسکرا دیا۔ ”تم سالانہ تو کچھ نہیں بلو جیتا لیکن ابن سالانہ پوچھنا ہے کہ تمہارے ساتھ کبھی انورہ بھیلا تھا؟“
 ”اسنو تم سالانہ بہت جبرست آدمی تو جی ہے“ عبداللہ نے کہا۔ ”تم کو یہ کبھی معلوم ہوا کہ ابن سالانہ کے ساتھ کوئی بڑا بڑا بھیلا ہے۔“

[illegible]

مسلمانوں کی کبھی ایسی اذیتیں آؤں گی جی جیٹھن جاسے
عبدلہ سامعین نہ کرے اور اس کو کیا ہو لے میں۔ سنا ناؤ
کیا کھنے۔ اب پتہ نہیں یہ سنا ناؤ ہی کوکوں کو کیوں یاد دہنا
ہے۔ اس دنیا میں اور بھی کو کا جتنا دیکھ رہا ہے۔ اب
ملا لومڑی ہی کو دیکھ لو، بونی کچھ اوسے۔ کرنی کچھ اوسے لہن
کو ایک بارہ
”بلواس بند کر دو“ داوے جھلا کر لے ڈانٹ دیا۔ میری
طرح بتاؤ گی اوجھا تھا مہارے ساتھ۔ تم تو ہر بات میں صراخ
کھانے لگتے ہو“

مفتاحہ سالہ بولیںس والوں نے اگر گھمبیر کیا، اپنن خرع بولتے ہے پاس
کہ اگر بولیںس والہ اوچا لہی ہوتا تو اپنن دمدمہ کر گھر کس نکال
دیتا لیکن وہ سالہ بولوا آئو آدی مفتاحہ اور رب کے ہاتھ میں
برندوق تھا۔ جس سے اصلی والا کوئی نکلتا ہے اور آدی سلا
مین فنانک ہو جاتا ہے۔ بس تو لین کچھ نہیں کر سکا۔ وہ لوگ
اپنن کو ٹھہرتے ہوئے اپنے اقمیر کے پاس گئے جو سالہ ایک
جٹڑ وں صورت کا آدی مفتاحہ اس کا نام ہے ڈی۔ ایس پی
منو جڑ وہ سالہ اپنن کو گلابیاں دیئے۔ اس نے بول کر نمر سالہ
گمربین ڈو کو اس مٹی ہے :

”جبریلؑ کو اس کے چمک پڑا۔ وہ اس کے چہرے پر ہلکا سا ہلچلا ہوا چہرہ دیکھتا تھا۔ تو اسی نے اس مکان پر ہلکا ہلکا کھٹکا۔“

”اوہ۔ یہ بات ہے“ دادو نے ایک گہری سانس لی یہیں
 بھی حیران ہو رہا تھا کہ آخر پولیس کو بھارے خفیہ ٹھکانے کا کس
 طرح علم ہو گا۔

”میں نے بھی اس ڈاکو کا نام سن رکھا ہے، رگھوناتھ نے بتایا یہ شخص بلو ناٹیں نہیں رہتا بلکہ اس پاس کے کسی گاؤں میں اس کا قیام ہے۔ اس کے پاس کئی لوگ ہیں جو ہتھیاروں سے کام لیتا جانتے ہیں۔ میرے زمانے میں بھی اس نے بہت دہشت گردی مچائی تھی۔ مجھے آدیوں نے ایک دو بار اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیابی اس نے نہیں ہوئی کہ وہ کسی ایک جگہ تک ہی نہیں ہے شہر نہیں بھی اس طرح آتا ہے کہ ایک دارو کی دکان اور بھگ لیا۔ اس نے اسے اب تک نہیں مارا ہے؟“

”سمجھ گیا“ دلور نے اپنی گردن ہلائی مجھ عبدل کی طرف دیکھا۔ چلو آگے بتاؤ۔ آگے کیا ہوا؟

”ہونا یا ہے یا“ اس مسئلہ نے اپنی کہانی شروع کی ہے۔
ابن اس بھروسہ کو کہتے سمجھا یا کہ اپن مجرلا ڈاکو کا دنی نہیں
ہے۔ اہن نے تو یہ نام بھی پہلی بار دنا ہے لیکن وہ نہیں مانتا
تھا۔ وہ کہتا تھا کہ تم ادر کا ڈاکو لیکر اس لئے آے کہ مجرلا ڈاکو
کو نکال کر دے جاؤ۔ اس پر ابن نے اسے سمجھا یا کہ اگر کوئی ڈاکو
کو نکال دے تو اس کی تیر کی گاڑی سے کر کے اسے نکھار دے
گاڑی پر تو مال بھی نہیں جاتے گا۔ وہ بھی منع کر دے گا بھی
بھلا ڈاکو ملک چلے اسے نکھارے ایک پولیس نے اس کو بتا کر مال

مردوں کے ساتھ اور تو وہ تم جیسے لوگ بن جاتے ہیں ڈاؤں
 اسی طرح اور قاتل اور عورت کے ساتھ ہو تو وہ طواف الف بن
 جاتی ہے۔
 ”واہ بہت اچھی بات کی تم نے؟“ گھوٹا تھکے ہوئے چوک کر
 کہا تمہاری گفتگو بہت باری ہے کہ تم سبھی ہوئی عورت ہو تم
 نے شاید تعلیم بھی حاصل کی ہے۔
 ”ہاں لیکن اب یہ سب خواب وغیرہ ہو چکا ہے۔“ بدلتی
 نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں پونا کی رہنے والی نہیں ہوں
 بلکہ کسی گاؤں سے فخریہ میں میرا آنی تھا لیکن وہاں
 کہ طواف الف بن گئی، میرے طوائف بننے کی کہانی بھی بہت طویل
 ہے لیکن میں یہ نہیں سناؤں گی کہ میرا طوائف بننے کے
 بعد میں نے پونا میں رہائش اختیار کر لی۔ اور اپنے گھر والوں
 کو ہمراہ رقم بھیجتی رہی۔ انہیں یہ یقین دلائی رہی کہ انکی
 بیٹی کو بہت اچھی ملازمت مل گئی ہے۔ ہاں میں ایک بہت
 یہ بھی بتا دوں کہ وہ دہائی ہیں۔ میں اور میری چھوٹی بہن
 ماروٹی۔ ماروٹی مجھے آتی چھوٹی ہے کہ میں نے ایک طرح
 گویا میں بن کر اس کی ہمدوش کی ہے۔ اور وہ بھی مجھ سے اتنا
 ہی پیار کرتی ہے جتنا پیار میں نے اسے دیا ہے۔ پھر وہاں
 کہ اسی پونا میں مجھے بلراج مل گیا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا۔
 جس کو دیکھ کر میری ڈھکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔
 میں اس سے محبت کا اظہار کرنا چاہتی تھی لیکن انہیں کبھی
 کیونکہ میں ایک طوائف ہوں طوائف ایسا جنم کو دے سکتی ہے
 لیکن اپنی محبت نہیں دے سکتی۔ یہ اشد متورہماری ہی دنیا
 میں رائج ہے۔ خیر تو ایک دن خود بلراج نے مجھ سے محبت
 کا اظہار کر دیا۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے
 مجھانے کی کوشش کی۔ اسے بتایا کہ ایک طوائف کو اپنانے
 کے بعد اس کی زندگی کتنی دشوار ہو جاتی ہے۔ لیکن میری بات
 بات ماننے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوا۔ دوسری طرف خود
 میرے بھی دل میں میری کبریاں اٹھانے کی آرزو تھی۔ اسی
 لئے ہم دونوں نے شادی کر لی۔ شادی کے بعد میری زندگی تو
 بالکل بدل گئی۔ بلراج بہت محبت کرنے والا شوہر ثابت ہوا تھا
 اس لئے مجھے وہ سب کچھ دیا جس کی کوئی عورت خواہش کر سکتی
 تھی۔ میں اپنی خوش بختی پر ناز کرنے لگی، میں بھی اس سے بہت
 محبت کرنے لگی تھی۔ میرے بس میں جو بھی تھا میں اس کے
 لئے کرتی رہی، میں نے اس کی بے پناہ خدمت کی۔ میں نے
 نے جب اپنے گھر والوں کو اپنی شادی کے بارے میں بتایا تو
 تو وہ بہت کڑھت خوش ہوئے تھے۔ خاص طور پر ماروٹی
 کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے خط لکھا کہ وہ

کرے میں داخل ہو گئے۔ اس کے میں روشنی ہو رہی تھی۔
 یہ ایک چھوٹا سا مکہ تھا۔ میرا فخر بھی بدلے نام تھا۔ اور
 بہت سا سامان اس طرح بٹھا ہوا تھا جیسے یا تو قبرستان کے
 مکین کہیں سے آئے ہیں یا پھر کہیں جانے کی تیاری کر رہے
 ہیں۔ اس عورت نے میرے ہی بتا دیا تھا کہ اس مکان کی
 اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔
 ”چلو بیٹھ جاؤ سائے“ اور اسے ایک صوفے کی طرف
 اشارہ کیا۔ اور صاف صاف بتا دوں کہ کیا ہے۔
 ”اس بات کا اہم کو چاہو اس دو باس سے بدل جلدی سے
 بولا۔ بہن عورت کی ہر گز کو جاننا ہے۔ دیا کا کوئی عورت
 دن سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا۔
 ”اچھا اچھا تم خاموش رہو۔“ اور اسے اسے چمک دیا۔
 اس سے بوجھنے دو۔
 ”میرا نام پاروٹی ہے۔“ اس عورت نے کہا۔ ”اؤ میں ایک
 طوائف ہوں۔“
 اس کی اس بات نے ان لوگوں کو چونکا دیا تھا۔ وہ سب
 حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے جبکہ اس
 عورت کے ہونٹوں پر ایک طنز سے مکی لہجہ بھیج گئی تھی۔
 ”کیا بات ہے؟“ عورت مسکراتی ہوئی بولی۔ اس کی کہانی
 میں بہت کچھ بھی شامل تھا۔ تم لوگوں کو یہ بات بری لگی
 میں خود کو پارا ساجی ظاہر کر سکتی تھی لیکن جھوٹ بولنے سے کافیاں
 ”میں ہم میں سے کوئی بھی پارا نہیں ہے۔“ اور
 نے جواب دیا۔ ”ہمارا ٹھکانہ بہت مختلف نہیں ہے۔ فرق صرف
 یہ ہے کہ تم جسم چھپاتی ہو اور ہم اپنا خمیر اور اپنا احساس بچتے
 ہیں۔ مقصد دونوں کا ایک ہے۔ یعنی بیٹی کی آگ بکھانا اور اپنے
 آپ کو زندہ رکھنا۔ چلو آگے بناؤ۔“
 ”بھیک کہتے ہو تم؟“ پاروٹی نے ایک گہری سانس لی۔
 ”تم بھی میری طرح حقیقت پسند معلوم ہوتے ہو۔ جو میرے تو میں
 تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے جس شخص کو نکس کر کیا
 وہ میرا شوہر تھا۔“
 ”کوئی نئی بات نہیں ہے۔“ عبدالرحمان میں اٹھ کر
 آج کل کا عورت لوگ اپنے شوہر کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔
 نہیں آتا کہ جب شوہر کو مانتا ہی ہے تو اسلئے شادی کیوں کرتا
 ”میری محبت کی شادی تھی؟“ پاروٹی نے بتایا۔ ہم لوگ
 خاندانی طوائفیں نہیں ہیں لیکن مجبوری نے مجھے اس راہ پر
 ڈال دیا تھا۔ اب تم لوگ یہ سب بتاؤ چھان کر کوئی مجبوری تو
 میرا خیال ہے کہ مجبوری کی کوئی قسم نہیں ہو سکتی۔ ہر گز
 کے ساتھ ایک جیسی ہوئی ہے۔ چاہے وہ کوئی مرد ہو یا

وہ مجھ پر لا ڈاؤں مکان کے کچھ طرف میدان میں چلا گیا ہے۔
 مجھ پر لا ڈاؤں مکان کے کچھ طرف میدان میں چلا گیا ہے۔
 اس مجبوری نے اپنی سے بولا کہ میں اپنے ساتھ کوئی کڑا
 دوں۔ اور پولیس والا لوگ ادھر ادھر پھرتے ہیں گا۔ اور اگر
 نے کوئی گڑبڑ کیا تو وہ سالہ لوگ ان کے بدن میں سوراخ
 کر دے گا۔ اپنی سالہ لوگ رتا۔ مجبور ہو گیا۔ اپنی سے گاڑی کا
 لائن جلا کر اشارہ دیا۔ لیکن اپنی نے اپنی جلیب ڈھکی کر لی۔
 کو خیال تھا کہ شاید باس یہ اشارہ بھی سمجھ لے۔ اور سالہ
 ہو جائے۔ پھر تم سالہ ایسا ہو شاید۔ ہاں کہ اپنی کو چلی
 کھینچ لیا بس یہ ہے اپنی کی اسٹوری۔
 عبدالرحمان نے خاموش ہو جانے کے بعد اور اسے اس عورت
 کی طرف دیکھا۔ ہاں۔ اب بتاؤ کس طرف جاتا ہے۔ اس نے
 گاڑی کو اس عورت کے بتانے ہوئے راستے پر موڑ لیا تھا۔
 ”بس اسی سرگ پر پانچوں مکان ہے۔“ اس عورت نے
 کہا۔ لیکن تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میرے ساتھ کیوں
 چل رہے ہو۔ اگر میں نے جرم کیا ہے تو مجھے پولیس کے
 حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔“
 ”پولیس والوں سے ہماری کوئی خاص رشتہ داری نہیں
 ہے۔ سمجھیں۔“ اور وہ کچھ لمبے میں بولا۔ اور نہ ہی مجھے
 اس مرے والے آدمی سے کوئی ہمدردی ہے۔ میں نہیں
 چھپانے کا ٹھکانہ چاہتے۔ اور اس وقت ہمیں تمہارے گھر سے
 اچھا ٹھکانہ اور کہیں بھی نہیں مل سکتا۔“
 عورت نے کچھ کرنا چاہا۔ اور ہاتھوں میں اپنے ہونٹ
 پیچھے کئے۔ جبکہ عبدالرحمان کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا تھا۔
 اور اسے اس عورت کے بتانے ہوئے مکان کے باہر گاڑی
 روک دی۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کی چھت کچھ پیل
 کی تھی۔ اس مکان سے باہر ایک پائس باغ بھی بنا ہوا تھا جس
 کا احاطہ لکڑی کی جالیوں سے بنایا گیا تھا۔ اور درمیان میں لکڑی
 ہی کا ایک جھونے والا دروازہ لگا ہوا تھا۔ گاڑی کے کچھ ہی
 وہ سب گاڑی سے نیچے آگئے۔ عورت بہت جھجکتی ہوئی انہی
 تھی جیسے وہ ابھی تک یہ فیصلہ نہ کر پائی ہو کہ ان لوگوں کو اس
 مکان میں رکھا جائے یا نہیں۔
 ”چلو آگے۔“ اور اس نے اس عورت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر
 اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔
 عورت اس طرح آگے بڑھتی جیسے کوئی گاڑی اسٹارٹ
 لیتی ہو۔ وہ آگے چل دی۔ یہ سب اس کے پیچھے چل رہے تھے
 اس عورت نے بھی آگے بڑھ کر مکان کے دروازے کو دھک
 دیا۔ وہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ ہی اس

بولنا نا چاہتی ہے۔ تار بجائی سے کس سے تار سے جھپٹ
 سے ماروٹی کی اس خواہش کا تذکرہ کیا تو وہ بھی یہ سن کر بہت
 خوش ہوا تھا۔ پھر ہم دونوں نے ماروٹی کو بلایا۔ پھر پاروٹی
 اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔
 ”میرا خیال ہے کہ یہیں سے تمہاری کہانی سننے میں
 داخل ہوئی ہے۔“ اور اس کی دھانچہ انکھوں میں جھانکتے
 ہوئے کہا۔
 ”ہاں۔“ پاروٹی نے ایک گہری سانس لی۔ ”کاش میں اسے
 نہ بلاتی کاش بلراج اور ماروٹی کی کبھی ملاقات نہیں ہوتی ظاہر
 ہے کہ ایک مرد سے ہونے اور رہنے کے بھول کے مقابلے
 میں ایک تازہ شگفتہ کی کوکوں سینے سے لگنے لگا بلراج
 نے بھی یہی کیا۔ اس نے ماروٹی کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھا
 دیا۔ نہ جانے یہ مرد کس قسم کے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ احساس
 نہیں ہوتا کہ ان کی اس حرکت سے کسی کے دل پر کیا گزرتی
 ہے۔ یہ اتنے بڑے ہیں ہوتے ہیں۔ بلراج نے تو مجھ سے محبت
 کی تھی۔ پھر ماروٹی کہیں سے داخل ہوئی۔ شاید ہماری محبت
 کی ہوا میں کوئی ایسا خزندہ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ماروٹی
 اندھلی آئی۔ میری آنکھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں میں سے
 کس سے کوئی کرول۔ ماروٹی سے یا بلراج سے۔ ماروٹی کو
 میں نے ماں بن کر بلایا تھا۔ اس کی ہمدوش کی تھی۔ دوسری
 طرف بلراج میرے لئے سب کچھ تھا۔ میں نے اسے اپنا دیا تھا
 بھگوان بھی لیا تھا۔ پھر کیا ہوا کہ یہ دونوں ہی میری محبت سے
 برباد ہو گئے۔ ان دونوں ہی نے بیک وقت مجھ سے اپنا مکان
 چھڑا لیا۔ انہوں نے آخر ایسا کیوں کیا۔“
 پاروٹی مسکے گی۔ ”گھوٹا تھکے صوفے سے اٹھ کر کمرے میں
 ہلنے لگا۔ جبکہ دروازہ کی لٹائیں اس عورت پہنچی ہوئی تھیں
 عبدالرحمان نے لائق دھانی دے رہا تھا۔ اب وہ بھی بڑی آواز
 اور دھیمان سے اس کی کہانی سن رہا تھا۔ پھر گھوٹا پاروٹی
 کے پاس آیا اور اس کے شانے پر چھپتی دیتے ہوئے بولا۔
 ”خود صوفے پر ادیک جیسے نہیں ہوتے۔ میں نے بھی اپنے
 سینے پر ایک زخم کھایا ہے۔ یہ زخم میری بیٹی کا ہے۔ اور زخم مجھے
 اس آدمی کی طرف سے لگا ہے۔ جس پر میں نے بھی اعتماد
 کیا تھا اور میری بیٹی نے بھی اعتماد کیا تھا۔ لیکن اس نے میری
 بیٹی کو ہلاک کر دیا۔ یہ کچھ نہیں ہلاک کر دیا جانے لے اس
 کی خیر تم آگے بتاؤ۔“
 پاروٹی نے اپنی ڈب ڈبائی ہوئی نگاہیں ابھرا نہیں پھر
 گھوٹا تھکے طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

”اب آگے کیا باتوں“ وہ کہہ سکتی ہوئی بولی۔ ”مجھ سے سب کچھ برداشت نہیں ہو سکا تھا۔ اسی لئے میں نے ماردوق کو تو کاٹا اور روزانہ خود بلایا کی جان لے لی۔ اُسے مارنے سے پہلے میں اس سے پست کر دیتی تھی۔ اسی کے چروں کو ہاتھ لگاتی رہی۔ اس سے معافیاں مانگتی رہی۔ وہ خود بھی حیران ہو رہا تھا کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔ میں ایسی کیوں ہوتی ہوں، پھر میں نے اسے چلنے بلانی۔ یہ آخری چلنے تھی جو میں نے اس کے لئے تیار کی تھی۔ میں نے اس چاہے میں بند کی دو املا دی۔ میں اس پر جاگتے میں حملہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے اپنا خوف تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اسے کہنے سے کم تکلیف میں نہ بکھنا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں ہو۔ یہ کوئی بند کی آغوش میں چلا جائے۔ ایسی نیند جس کے بعد کوئی بیدار نہیں ہو سکتا۔ پھر جب وہ کوٹھیا تو میں نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ مجھے اس وقت بے پناہ اذیت ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں اپنے آپ پر وار کر رہی ہوں۔ لیکن میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں اپنی جنت کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ بلایا کسی اور سے قہر کرے۔ اور اب میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ میرا تھا۔ اور میرا لیا رہا۔ یہ ٹھیک ہے۔ وقتی طور پر وہ ہرک گیا تھا۔ کسی اور طرف جانے لگا تھا۔ لیکن مجھے کم از کم ایک تو اطمینان ہے کہ لڑکی زندگی کے آخری لمحوں تک وہ ہی رہی رہا ہے۔ بس مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتانا ہے۔ میں نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔“

داہنے بے چینی سے ہلے ہوئے۔ وہ اس کی داستان سن کر مضطرب ہو گیا تھا۔ وہ بنیادی طور پر ماریج کا آدمی تھا۔ انتہائی بے رحم اور انتہائی رحم دل۔ وہ اس عورت کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کے یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ چند دنوں کے لئے بٹنا حاصل کر لی جائے۔ بس۔ اس کے علاوہ اسے اور کوئی مطلب نہیں تھا۔ اس کے اور اس عورت کے لئے بہت مختلف تھے۔ اس عورت کو اپنی زندگی اسی شہر میں گزارنی تھی۔ جبکہ داؤد اور اس کے ساتھیوں کو اپنی جہم کے خاتمے کے بعد یہاں سے کوچ کر جانا تھا۔

”اب تم لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کر دو گے؟“ اس عورت نے داؤد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیونکہ مجھے پولیس کے چلنے کر دو گے؟“

”ہم لوگ اس چکر میں نہیں پڑتے۔“ داؤد نے جواب دیا۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم کبھی کوئی پارسا نہیں ہیں۔ کیونکہ پارساؤں کے پیچھے پولیس نہیں لگی ہوئی لیکن ہمارے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔ اس نے دو چادر تھامے ہیں۔ رہیں گے اس کے بعد چلے جائیں گے۔ ہماری وجہ سے نہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم لوگ عورتوں پر ظلم کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ ہاں۔ اور بات ہے کہ تم کوئی ہمارے لئے کوئی مسئلہ پیدا کر دو۔ ایسی صورت میں ہمیں سوچنا پڑے گا۔“

”میں نہیں چاہتا کہ میں کچھ نہیں کروں گی۔“ داؤد نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ ”تم لوگ یہاں اطمینان سے رہ سکتے ہو۔ ہمارے یہاں کوئی نہیں آتا۔ کبھی کبھار جیسے لوگ میرے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ کون؟ تم لوگ کون ہو۔ اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو۔“

”بہی تمہاری عقلندی ہوگی۔ پڑھو نا تھنے کہا پھر اس نے داؤد کی طرف دیکھا۔ ”اب تم کیا کرنا چاہتے ہو۔؟“

”مار لو مرچکا ہے۔“ داؤد کچھ ہنستے ہوئے بولا۔ ”اگر وہ زندہ ہو تو یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ اس سے نے سب کچھ تھا۔ پھر حال میرا ادا ہے اس وقت کرم چند کے پاس جانے کا ہے۔ میں اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی تنظیم کا کون آدمی مارلو سے کام لیا کرتا تھا۔ اس طرح ہمیں شاید اس آدمی تک پہنچنے میں آسانی ہو جائے۔“

”کبھی کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم پوری طرح کرم چند کے ہمدرد بن کر لڑائی کے لئے کام کر رہے ہو۔“ داؤد نے ہنستے ہوئے کہا۔

”یہ وہ قریبی باتیں مت کرو۔“ داؤد جھٹکا گیا۔ ”کیا نہیں یہ نہیں معلوم کہ سب کچھ میں تمہارے لئے کر رہا ہوں۔ اگر تم کرم چند کی جگہ اپنی تنظیم کے سربراہ بن گئے تو اس سے کیا ہوگا۔ اس چھپے ہوئے آدمی کے خطے کی تلوں تمہارے سر پر لڑی رہے گی۔ اس نے بے زیادہ ہنستے کہ کسی طرح اس آدمی کا کئی پتہ چل جائے۔“

”یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔“ گھونٹا خود دوبارہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

میں بھی لوڑھا ہوا چلا ہوں۔ کبھی کبھی اتنی سیدھی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ تم میری بھلائی کے لئے کر رہے ہو۔ اس کے باوجود شک کرنے لگتا ہوں۔ لیکن اب نہ جانے کی میرا دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دوں۔ بس بہت ہوگی۔ میں

نے زندگی سے بہت کچھ حاصل کر لیا۔ اور زندگی نے کچھ مجھ سے واپس بھی لے لیا۔ اپنی موت کے بعد میں اتنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر گیا کروں گا۔ کس کے لئے کروں گا۔ ان سب کا کیا فائدہ ہوگا۔ فرض کرو کہ میں اپنی تنظیم کا دوبارہ سربراہ بن گیا تو اس سے کیا ہوگا۔ خود میری زندگی کتنے دنوں کی رہ گئی ہے۔ یہی لئے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ سب نہ کروں۔ اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جاؤں۔ جہاں کوئی میرا ملنے والا نہ ہو۔ کوئی مجھے ہرا لگی اٹھائے والا نہ ہو۔ مگر نام نہم کرم زندگی گزار دوں۔“

”یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔“ گھونٹا ہنستے ہوئے کہا۔ ”جہاں تک میرا سوال ہے تو مجھے کرم چند اور اس کے آدمیوں سے اپنی رقم وصول کر لینی ہے۔ بس اس کے علاوہ میرا اس سے اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تم اس سے اتفاق نہیں کرنا چاہتے ہو تو نہ لو لیکن ہماری جنگ تو ابھی جاری ہے۔“

”اگر تم لوگ مجھے اجانت دو آدمیوں تم لوگوں کے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔“ داؤد نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم کم از کم جانے کا بندوبست کر رہی دو۔“ داؤد نے جواب دیا۔ لیکن یہ میرا سامعہ کی عید بھی تمہارے ساتھ جائیگا۔

”اب اپنی قیمت میں سلا بہن رہی رہ گیا تھا۔“ عبدال اپنے آپ کو کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ”توبہ یہ بھی کرنا ہی ہونے کا لیکن اپنی بولی دیتا ہے۔“ کرم چند کے پاس نہیں جاؤ گے۔ اس نے بھی تمہارے ساتھ چلے گا۔ سلا آدمی کا کیا بھروسہ۔ وہ سلا کہ پھر گیا تو ایک سے دو پھیلے ہوں گے۔“

”مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا۔“ داؤد سر ادا دیتے ہوئے فرما رہا۔

”اگر میں نے ضرورت محسوس کی تو تمہیں بھی لے چلوں گا۔“

سینڈ کو اپنے مالک کرم چند پر بے حد خفا تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اس کے سامنے اپنے خفے کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کرم چند کا ایک وفادار آدمی تھا۔ پہلے وہ ایک پہلوان تھا۔ لیکن وہ ایسا پہلوان تھا جس نے دینی ورڈنوں کیساتھ ساتھ بدھنی ورڈن بھی کر رکھی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ لڑائی بھڑائی کے چند جدید طریقوں سے بھی واقف تھا۔ شاید ہی لئے وہ ایک اور آدمیوں پر بھاری بڑھایا کرتا تھا۔ کرم چند نے بہت سوچ سمجھ کر اس کا انتخاب کیا تھا۔ اور اسے اپنے گھر کا محافظ بنا لیا تھا۔ اس بات کو ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ اور سینڈ اس کے بعد بس کرم چند کی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اس کے اشاروں کا منتظر

ہی رہتا۔ وہ کرم چند کی خاطر شہر کے کبھی جڑے میں ہاتھ ڈالنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ اس سے کرم چند کے مشاغل اور اس کے قانونی اور غیر قانونی دھندلوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ کوئی اس کے پاس کی طرف غیر ملکی نگاہ سے نہ دیکھ جائے۔ کوئی اس کے پاس ہر حال میں ہونے کی کوشش نہ کرے۔ اور اسے اس بات کی غرض بھی تھی کہ کرم چند بھی اس کے مزاج کا آدمی تھا۔ وہ کسی کو اپنی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس کے سامنے انسان کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کو بے خبر خود رہنے دیتا تھا۔ اور سینڈ کو کہنے سے سب بہت ایمان خیز اور عرجوش تھا۔ لیکن پچھلے کچھ دنوں سے سینڈ اپنے پاس کے نرم رویہ کی وجہ سے الجھا ہوا تھا۔

یہ نرم رویہ اس نے اس شہر میں آنے والے دو آدمیوں کے لئے اپنا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام داؤد تھا۔ اور دوسرے عبدال تھا۔ سینڈ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کا پاس قابل طور پر داؤد سے کچھ دیا ہے۔ یہ بات سینڈ کو کہنے کے لئے ناقابل فہم تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کا پاس دوسروں کی طرح اس داؤد کو بھی ملدیت کر کھڑا کر دے۔ لیکن نہ جانے کیوں کرم چند اس طرح دینے جارہا تھا۔ سینڈ نے یہ سب باتیں خاص طور پر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس اسے اتفاقاً معلوم ہو گیا تھا۔ اسے اتفاقاً یہ جان لیا تھا کہ داؤد کرم کے اس آدمی نے ایک ہی رات میں اس کے پاس کو بچھا فاضل نقصان پہنچا ڈالا ہے۔ اور شاید ای بات سے خود وہ ہلکا کر لایا اس داؤد کے آگے جھکنے لگا ہے۔

بھکاؤ کی یہ حکمت عملی تو اس کے پاس کی تھی۔ لیکن سینڈ نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شخص کو مزاحمت کر چکے۔ لے گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ چاہے اس کے پیٹھے میں اس کا پاس اس پر کتا ہی ناراض کیوں نہ ہو۔ وہ داؤد کو مدد ضرور دے گا۔ بس کسی طرح داؤد اس کے ہاتھ لگ جائے۔ اس نے داؤد کو اپنی تک نہیں دیکھا تھا۔ بس اس کا نام ہی سنتا رہا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کس صورت شکل کا آدمی ہے۔ وہ بہت کہاں ہے۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ اس کے کسی ساتھی سے داؤد کا حلیہ معلوم کرے گا۔ اس سے کسی ہمارے کچھ دیکھ دے گی۔ لے گا اور اس داؤد کو مزاحمت کر دے گا۔

کرم چند نے اسے اپنی کوئی کے احاطہ میں ایک خوبصورت

سافرنجیہ سے آلاستہ کوادرٹہ بنوا کر دے رکھا تھا۔ سینیڈو دلے
بھی ایک تہنا انسان تھا۔ اداس تنہائی نے اسے شب داری کا
عادی بنا دیا تھا۔ اس کی ذمہ داری میں یہ شرال نہیں تھا کہ
وہ رات کو کرم چندے کے مکان کی چوکیداری بھی کرتا ہے۔ لیکن
وہ اپنی عادت سے غبور تھا۔ اسی نے وہ رات کو اٹھ کر اس
مکان کے احاطے کے کئی چکر لگا پھر اپنے کوادرٹہ میں لکڑی کا
حسب معمول وہ اس رات بھی احاطے کا چکر لگا رہا تھا
کہ اس نے گریٹ کے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنی۔ کوئی
شخص گریٹ سے باہر نظر اٹھا۔ یہ اتفاق تھا کہ اس رات چوکیدار
پھٹی پر گیا ہوا تھا۔ اور کرم چندو کو کہنے پالنے کا شوق نہیں
تھا۔ ورنہ وہ اب تک بھجوبھج ہوئی کہ آسمان سر پر اٹھایا
سینیڈو نا بھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنی رات گئے اس طرح
گریٹ پر آنے والا کون ہو سکتا ہے کہ آنے والے نے دھڑلہ
سے گریٹ کو کھٹ پھٹانا شروع کر دیا۔ سینیڈو نے سن کر کمر
سامنے مٹایا۔ آنے والا کوئی ملاقاتی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ
ڈاکو یا کوئی مشتبہ شخص اس طرح دستک نہیں دیا کرتا۔
”کون ہے؟“ اس نے گریٹ کے پاس پہنچ کر پوچھا۔ کیا
چاہتے تمہیں۔“

کرم چند کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے اپنے غصے کے اظہار کے لئے اپنی رائے پر چھبکیں لیکن کرم چند ان کی طرف بٹ بٹ کر ہٹ کر ٹھیک سے جواب دیا کہ تم لوگ ہماری اس سے بڑھ کر نہیں ہو۔
 داور زربل سکرادیا۔ اس کے باقی اس کے کام کی تھی۔ ورنہ اس نے غصے سے کرم چند کے پاس سے ہٹ کر چل کر ایک ایسا نشان کھینچ لگا تھا جو خود ہی اس کے چنگ میں وہ اسے ایک ایسا نشان کھینچ لگا تھا جو خود ہی اس کے چنگ میں آجھسا ہو کرم چند کے آدمی بھی سہنہ وہی کی طرح خود بخود لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ ان کے ہٹ جانے کے بعد کرم چند داور سے مخاطب ہوا۔
 ”ہاں آپ بتاؤ کیا بات ہے۔ تم آئی رات کے میرے یہاں کیوں آئے ہو؟“
 ”پہلے تجھے یہ بتاؤ کہ کیا کرانے کے قاتل مارو سے تمہاری براہ راست بات ہوئی تھی میرا مطلب ہے کہ تم نے بھی اس کی خدمات حاصل کی ہیں؟“
 ”مارو سے؟ کرم چند چونک پڑا۔ تم مارو کو کیسے جانتے ہو۔ اس وقت مارو کا ذکر کرم چند سے آگیا۔“
 ”وہ تجھے ہلک کر لے آیا تھا؟ داور نے بتایا۔ لیکن مجھے بہت افسوس ہے کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ لیکن ہے کہ اس کی موت ہی اسے گھیر کر میرے پاس لے آئی تھی۔“
 اتنا بتا کر اس نے کرم چند پر لگا ہوا ہتھیار ہٹا دیا لیکن کرم چند کے جیسے پرے چلنے کی اور کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی یہ خبر سن کر بہتیشان ہو گیا ہو۔
 ”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے مارو کو تمہارے پاس بھیجا ہو گا؟ کچھ دیر بعد اس نے سوال کیا۔“
 ”نہیں۔ بہرہ خیال نہیں ہے۔ داور نے جواب دیا۔ یہی لئے تو میں تم سے ہو چکا ہوں کہ تمہاری تنظیم کا ورکون آدمی مارو سے کام لیتا تھا۔“
 ”وہ تینوں کی کام لیتے تھے؟ کرم چند بڑبڑایا۔“
 ”تین بار مارو سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی اور میں نے ان تینوں کی معرفت اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔“
 ”کون تینوں؟ ذرا کھل کر بتاؤ۔ داور نے سخت لہجے میں بول دیا۔ میں یہ تمہاری ہی بھلائی کے لئے ہو چکا ہوں۔“
 ”تمہاری تنظیم میں تین آدمی اور دو بھی ہیں؟ کرم چند نے ایک گہری سانس لی۔“
 ”ساتھ والے تین آدمی جن کے بارے میں سنتم جانتے ہو ان کی حیثیت شخص کارندوں کی ہے جب کبیرے بعد دراصل تین آدمی ہیں۔ ان میں ایک پڑا آدمی ہے جو حیثیت

کنٹرول کرتا ہے، دوسرا دھوکے سے جو عریاں فلوں اور سائل کو سنبھالتا ہے اور تیسرا روشن ہے جو جا خاں کا نگر اس ہے۔“
 ”تمہاری تنظیم کے منور ہر آئندال اور عکاش ہر وہی کیا حیثیت ہے؟ داور نے پوچھا۔“
 ”یہ تینوں بظاہر ان کا رو بارے ملک میں لیکن حقیقت وہ ان ہی تینوں کے تحت ہیں۔ اور ان تینوں سے بلند میری حیثیت ہے۔“
 ”تم نے بھی اچھا خاصہ گورکھ دھندہ قائم کر رکھا ہے؟ داور سکرادیا۔ اور شاید یہ نہیں ہے معلوم کہ جو تنظیم جتنی سادہ ہوگی اس کے کنٹرول کرنا اتنی ہی آسان ہوگا۔ ہر عمل ایک آدمی ہے جو طرح جان لو کہ ان تینوں ہی میں سے کوئی ایک ایسا بھی ہے جو ہمیں راستے سے ہٹا کر اس تنظیم پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔“
 ”کوئی اپنی لٹا کے لئے اس کا ہتھ چلانا ہوگا؟“
 کرم چند کے ہونٹ کھلے پھر اس نے بڑی سختی سے اپنے ہونٹوں کو پیچ لیا۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے داور کی باتوں پر یقین آگیا ہو۔
 ”تو پھر تو پھر میں کہا کروں؟ اس نے سرگوشی کی۔ اگر تمہاری بات صحیح ہے تو یہ لوگ میرے لئے تم سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ تم کھلے ہوئے دشمن ہو۔ اور یہ لوگ چھپے رہا۔“
 ”آئی نے تو کچھ رہا ہوں کہ تم ان کا ہتھ چلاؤ؟ داور نے کہا۔“
 ”کیونکہ ان کی شناخت جہاں تمہارے لئے ضروری ہے وہاں میرے لئے بھی ضروری ہے۔“
 ”کیوں تمہارے لئے؟ کیوں ضروری ہے؟ کرم چند نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔“
 ”اس لئے کہ شاید یہی آدمی نے مجھے تمہارا دشمن بنانے کے لئے میرے دولاکھ روپے ہضم کرنے میں تامل میں تم سے بھڑ جاؤں۔ اور تم دونوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوا جائے۔“
 ”شاید تم ٹھیک کہتے ہو؟ کرم چند بڑبڑایا۔ یہ حرکت اسی کی معلوم ہوئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا ہتھ کیسے چلے؟“
 ”تم ان تینوں کے ہتھے تجھے بتا دو۔ میں خود ہی انہیں دیکھ لیتا ہوں اس کے علاوہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس شہر میں کوئی ایسی بااثر شخصیت ہے جو تمہارے کھیل کو بگاڑ سکتی ہے؟“
 ”ایسی تو کوئی شخصیت نہیں ہے؟ کرم چند نے جواب دیا۔ البتہ موجودہ میرے بارے کاموں میں رخنہ ڈال سکتا ہے کیونکہ ہم نے اس کے مقابلے کے لئے اپنا ایک آدمی کھڑا کر دیا ہے۔ ہاں ایک بات اور یاد آتی ہے وہ چونک کر بولا۔ پٹواری کے تعلق

موجودہ میرے بہت اچھے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ دونوں؟“
 ”یقیناً وہی پٹواری تمہارے راستے کی دیوار بننے والا ہے داور نے کہا۔ اوروہ سب کچھ موجودہ میرے تونوں سے کر رہا ہے۔ اب یہ معاملہ میرا ہے۔ میں تمہارے اس پٹواری اور موجودہ میرے کو دیکھ لیتا ہوں۔“
 کرم چند نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن داور ایسی کے ارادے سے گھٹ کی طرف بڑھ چکا تھا۔

برام کی آنکھ ٹھیک وقت پر کھلی تھی۔ وہ ویسے بھی جلدی بہلانے کے لئے گادی تھا۔ اور آج اس نے اپنے کچھ دوستوں کیساتھ پانکس کے لئے جانا تھا۔ اس نے اپنی ساری تیار رہائی کو کر رکھی تھی۔ پھر گرام سے تھا کہ برام کے دوست ٹھیک ٹھیک لپکی لپکی لے کر اس کے پاس آجائیں گے۔ اور وہ اپنے حصے کا سامان سمیٹ کر ان کے ساتھ ہونے لگا۔
 بولیس کی نوکری چھوڑ دینے کے بعد برام کے لئے عیش بی عیش تھے۔ وہ بیحد نگرانی کا ڈول کا پہلا آدمی تھا جو پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ اور وہ بھی پونا جا کر اس کے والدین اور گاؤں کے لوگوں کے لئے بہت عزت کی بات تھی۔ ان کے خیال کے مطابق بولیس کا برادر دی راجا سے کم نہیں ہوتا تھا۔ جس کوئی چاہا مارا بیٹ کر مرنے کر دیا۔ جس کوئی چاہا چھوڑ دیا اور جدھر سے گزے لوگوں پر بددھشت بیٹھی جلی گئی۔ برام بھی اپنی اس بولیس فانی حیثیت سے بہت مطمئن تھا۔ پونا گزے ہٹا شہر تھا۔ لیکن یہ اتنا ہی ہی تھا کہ وہاں اسے زیادہ ڈھولایوں کا کرنا نہیں پڑا تھا۔ چھوٹے چھوٹے چور اور چھپ کر رہتے تھے اور وہ ان پر قابو کرنا نہیں قانون کے حوالے کر دیا کرتا۔ اس نے پونا میں کرم چند اور اس کی خطرناک تنظیم کے بارے میں بھی سن رکھا تھا لیکن اس کا واسطہ کرم چند یا اس کے آدمیوں سے نہیں پڑا تھا۔ اسی لئے اس نے اس گروہ کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے کام سے کام لے رہا تھا۔ آدی تھا۔ اسے جو ڈھولائی دی جاتی وہ اس پر پورا اترنے کی کوشش کرتا رہا۔
 پونا میں اس کا ساتھی شام تھا۔ جو اسی کی طرح خود بھی ایک بولیس والا تھا۔ اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی رہتے تھے۔ برام کی طرح شام کی زندگی بھی بڑے آرام سے گزر رہی تھی۔ ابھی تک ان دونوں کو کسی بڑی واردات سے واسطہ نہیں ہوا تھا لیکن ایک رات کو اسی کی مندر کے احاطے میں ایک بڑی واردات

ان کے سامنے ہوئی تھی۔
 اس رات وہ بھی سے آئے ہوئے آدمیوں کا تعلق کرتے ہوئے مندر کے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ شام کی اس کے ساتھ تھا۔ ان کے ساتھ انہیں یہ بھی کہنا ضروری تھی کہ یہ کچھ بہت نہیں بلکہ رہا تھا۔ البتہ گولیاں چلنے کی آوازیں آنی لگیں۔ ان دونوں آدمیوں کے تاق میں کرم چند کے آدمی بھی لگے ہوئے تھے۔ اور شاید وہ دونوں کرم چند کے آدمیوں سے بھڑپٹے تھے۔ اسی لئے ہنگامہ ہو گیا تھا۔ گولیاں چل رہی تھیں اور ہنگامہ دوڑتی ہوئی تھی۔ پھر ای افوازیں میں شام اس سے الگ ہو گیا۔ وہ اندھیرے میں کسی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے کسی کے چھینے کی آواز سنی۔ پھر رانا پھٹ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک بولیس والے کو کچھ فاصلے پر دوڑ کر ایک طرف جاتے دیکھا۔ اس وقت برام کی کچھ میں نہیں آسکا تھا کہ اس کے اور شام کے علاوہ اور کون بولیس والا اس احاطے میں موجود ہے لیکن بولیس جب شام بے ہوش اور بغیر لباس کے پڑا ہوا ملا وہاں بہت جھلا کر ان دونوں میں سے کسی نے اسے بے ہوش کر کے اس کی وردی پہن لی تھی اور بھاگ لپکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
 یہ بات گزریا وہ شرمندگی اور انہیں کی نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں بولیس کی ملازمت سے برام کا بڑا تعلق تھا۔ فاض طور پر اس سے شام کی حالت نہیں دیکھی جاتی تھی وہ نفسیاتی اور ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ برام نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی ذہنی کیفیت ہی بدل گئی تھی۔ بالآخر برام کی اکتاہٹ اتنی بڑھی کہ اس نے بولیس کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کا استعفیٰ بڑی مشکلوں سے منظور ہوا تھا۔ لیکن یہی بہت تھا کہ اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔
 وہ استعفیٰ دینے کے بعد سیدھا گاؤں واپس تھا۔ جہاں ابھی بھی اس کے لئے بہت کام پڑا تھا۔ وہ اپنے باپ داداؤں کی طرح کھیتی باڑی نوکری کر رہا تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے اسے بولیس کی نوکری چھوڑ دینے پر بہت برا بھلا بھی کہا تھا لیکن بعد میں سب خاموش ہوئے چلے گئے۔ اور زندگی اپنے معمول پر آئی۔
 برام نے گاؤں ہی میں اپنے ساتھی شام کی موت کی خبر سنی تھی۔ اسے کوئی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اخبار میں تو شام کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ اخبار والوں نے سوالی جی

کے مندر میں ہونے والی واردات کا حال بھی دیا تھا۔ اخبار کے مطابق شام کو یقیناً گونئی ایک بات معلوم تھی جس کی وجہ سے اسے ہلاک کر دیا گیا تاکہ وہ کسی اور کو کچھ نہ بتا سکے۔ دوسری طرف اس قتل کا شبہ کئی سے آنے والے دونوں آدمیوں پر ظاہر کیا گیا تھا۔ یہ وہی آدمی تھے جو سماوی جی کے مندر سے ہٹا کر وادی اتار کر فرار ہو چکے تھے۔ بات چاہے کچھ بھی ہو بلرم نے اس بات پر شکریہ ادا کیا تھا کہ وہ پولیس کی فوری چھوڑ چکا تھا۔ ورنہ اس کا بھی شاید وہی ختم ہوتا۔

در واز سے بدھو نے والی دنگ نے اس کے خیالات کا سلسلہ متفق کر دیا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس کے دوستوں کی وہ گاڑی نظر آ رہی تھی جو ان لوگوں کو پکٹ پرسلے جانے والی تھی ویسے بھی ان لوگوں کے آنے میں دیر تھی۔ پھر یہ کون ہو سکتا تھا۔ آج کل اس کے کھڑولے ایک شادی میں شرکت کے لئے دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ اس دنگ کے چلب میں دروازہ اسی کو کھولنا تھا۔ وہ منھ کی منھ میں بیڑا لٹا کر دروازے کے پاس آیا اور ایک جھٹے

سے دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر ایک ایسا آدمی کھڑا تھا جو اس کے لئے جہنی تھا۔ اس کا چلیہ شہر والوں جیسا تھا یعنی اس نے شہری لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھا۔ کیا بات ہے بھائی۔ با بلرم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس سے ملنا ہے؟"

"تم سے ملنے آیا ہوں" اس آدمی نے حجاب دیا۔ تھم پوئیس کے ساقی شام نے اپنی موت سے کچھ دنوں پہلے تھے کچھ چیزیں دی تھیں اور یہ کہا تھا کہ اگر اسے بچھو جائے تو یہ چیزیں تمہارے حوالے کر دوں گی۔ بڑی مشکلوں سے تمہارا پرکار کر رہا ہوں۔"

"اچھا بلرم نے اپنی گردن ہلائی۔ وہ یہ سب سن کر کچھ الجھا گیا تھا۔ "ٹھیک ہے اندھا جاؤ" اس نے ایک طرف ہٹ کر اجنبی کے لئے راستہ دے دیا۔

اجنبی نے انداز آتی ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ بلرم اسے حیرت سے دیکھتا رہا تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور دروازہ بند کر لینے کے بعد اجنبی بلرم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ "ہاں اب بتاؤ بلرم لمے پوچھا۔ شام نے مجھے کیا بدلیا

ایک ہمراہی علیحدہ ہو گئی۔

یہ صورت حال پہلے کم چننے کے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی وہاں بھائیہ کے لئے بھی پریشان کن تھی کیونکہ کم چننے کی عدم اتنی نے اس کے مالی وسائل کم کر دیئے تھے۔ اور اسے انتخابات کے لئے ایک کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس کا یہ تجربہ تھا جو کہ امیدوار بہت پیسے خرچ کر کے وہی کامیاب بھی ہوا کرتا ہے۔

پھر اس کے شاطر ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس نے ایک خاص آدمی سے ساز باز کر لی۔ اس آدمی سے ... کے لئے کے بعد اندر دھڑلہ پور اس کی پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ اسے ایک تو خرچ کرنے کے لئے رقم مل رہی تھی اور دوسری طرف اسے تحفظ بھی مل رہا تھا۔ اس آدمی کے اپنے کا ایک تھے جن کا علم کم چن کر تھا۔ اور بھائیہ جانتا تھا کہ وہ شخص کر چن کر کہاں کر خودی تنظیم کا سربراہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے کوشش شروع کر دی ہے لیکن بھائیہ کو اس آدمی کے ارادوں سے کوئی مطلب نہیں تھا کیونکہ وہ خود بھی بہتر بننے کے باوجود اس قسم کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ اس کے اندر بھی اس تنظیم کی سربراہی کی خواہش تھی، وہ ابھی طرح جانتا تھا کہ اس تنظیم کی سربراہی اس کے میرے کے حوالے سے بڑی چیز ہے۔

ان دنوں ایک ذریعہ کی وجہ سے بھائیہ بہت مصروف تھا اس ذریعہ کا نام کرشنا تھا اور وہ یونانیوں ایک بڑی دکان کا افتتاح کرنے کے لئے آلا تھا۔ اس دکان کے افتتاح کے ساتھ ساتھ اس نے اس قسم کے مواقع بہت اہمیت رکھتے تھے کیونکہ ایک میٹروپولیٹن کے حوالے سے وہ ذریعوں کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ اور دیکھنے والوں پر اس کی شخصیت کا خوب بڑا تاثر لوگوں کو یقین ہوئے گا کہ بھائیہ کو ذریعوں کی حمایت بھی حاصل ہے اس لئے آئندہ بھی اس کے میٹر بننے کے امکانات ہیں۔ ذریعہ کے آنے کی تقریب گرجہ بہت سادہ سی تھی لیکن بھائیہ کے لئے اتنی ہی بہت تھا کہ اس تقریب میں بہت سے انجمنی نمائندے اور فوٹو گرافر بھی آئے ہوئے تھے جو ہر زاویے سے تصویریں لے رہے تھے۔ میٹر ہونے کی وجہ سے بھائیہ ہی کو استقبال کرنا تھا۔ اسی لئے جب اس نے فوٹو گرافروں کو دیکھا تو اس کے ہونٹوں کے پائے پھیل گئے۔ اور اس نے ایک کرشنا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور زور زور سے جھلانے لگا۔ اس

طرح سے تا فریبگی کوشش کر رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان بہت گرم جوشی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ حیر کر لیا تھا کہ وہ اس وقت تک کرشنا کے ہاتھ کو نہیں چھوٹے کا جب تک ان دونوں کی کئی تصویریں نہ نازاری جائیں۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے جناب" اس نے کرشنا کے ہاتھ کو جھلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میٹر ابھی بھی حال ہے باکرشل نے جواب دیا اس کا ہوا بالکل سہل تھا۔ یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے بھائیہ کی اس حرکت سے کوئی بے زاری محسوس کی ہو۔ ان دونوں کے غلب میں خفا بھی کھڑے ہوئے تھے۔ بظاہر ان کے ہاتھوں میں کوئی اختیار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ لیکن بھائیہ جانتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور ہو گا۔ یہ حافظہ ذریعوں کی حفاظت کے لئے تنہا نہیں کئے جاتے تھے۔ اور یہ لوگ اپنے کام میں بہت ہمارت رکھتے تھے۔

رہی کاروائیوں کے لیے یہ لوگ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ سیاہ رنگ کی وہ شاندار گاڑی ذریعوں ہی کے استعمال کے لئے لائی جاتی تھی۔ اس گاڑی کے آگے دو عدد مسلح محافظ موزوں پہنے ہوئے تھے۔ گاڑی کا باروازہ دی ڈالہ اور مرکز نہاواں کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولے ایک طرف کھڑا تھا۔ ورنہ کے ساتھ اس کا میکے بیڑی بھی تھا۔ جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہا تھا۔ گاڑی کے پاس آکر میکے بیڑی اگلی نشست کی طرف بڑھ گیا کیونکہ یہی دستور تھا۔ جبکہ بھائیہ اور کرشنا پہلی نشست پر بیٹھے گئے تھے۔ ان کے پیچھے ہی گاڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا اور گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ ان کے ساتھ ساتھ مسلح حافظہ بھی چل رہے تھے۔

"ہاں۔ اب بتاؤ مجھے کیا کیا کرنا ہے باکرشل نے ٹھکے ہوئے انداز میں اپنے سیکریٹری سے دریافت کیا۔ سیکریٹری نے اس کی بات سنتے ہی جلدی سے اپنی ڈائری کھولی۔ اور ڈائری پر لکھے ہوئے پروگرام کو پڑھ کر مننے لگا۔

"میں سے پہلے تو آپ کو اوشا اسٹور کا افتتاح کرنا ہے۔" سیکریٹری نے بتایا۔ "اس کے بعد ایک سماجی ادارے کی طرف سے شام کی چائے ہے۔ پھر رات کے وقت جنرل سہیل میں ڈاکٹروں کی تقریب ہے۔ جس میں آپ کو تقریر کرنی ہے جس

آج رات کا یہی پروگرام ہے۔
 "منجیک ہے یا کرشنا کے تھکے تھکے انداز میں سیٹ سے
 اب ہمارا کر دیا۔ آج کے لئے اتنی ہی بہت ہے۔
 میسر نے اس موقع پر کرشن سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا
 وہ کڑی سے باہر دیکھنے لگا۔ اپدیش بھون قرب آتا جانتا تھا
 جس کی چوٹی منزل پر شرم کی سب سے بڑی اور خوبصورت
 دکان کھولی تھی مٹی۔ ایک قسم کا پٹر اسٹور تھا۔ جس کا مالک
 گینیش نامی ایک موٹا لکڑہ اور بارہن آدی تھا۔ اسی نے اس
 نے اپنی دکان کے افتتاح کے لئے ایک وزر کو مدعو کیا تھا اور
 وزر کو مصروفیت کے باوجود اس قریب میں شریک ہونا چاہتا تھا
 اپدیش بھون کے پاس اگر گاڑی رکھی گئی بھائی نہ رہیں
 پہنچ کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی گاڑی کے رستے ہی پہنچی
 چونکہ وہ منظر نے آگے بڑھ کر ان لوگوں کو اپنے حصار میں
 لے لیا عمارت کے دروازے پر بھی بہت سے مسلح محافظ تھے
 تھے ان کے درمیان موٹا لکڑہ گینیش باہر نہ کھڑا تھا۔
 ڈرائیور نے دروازہ کھولا اور وہ بیٹوں گاڑی سے نیچے
 آگئے گینیش نے آگے بڑھ کر بھولوں کا ہار کرشن کے گلے میں ڈال
 دید گینیش کے میسر نے دوسرا ہار بھائی کے گرد باندھا مٹی کی
 گفتگو کے بعد یہ لوگ لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ لفٹ کے اندر
 بھی دو عہدید محافظ تھے۔ لفٹ میں صرف پانچ آدمیوں
 کی گنجائش تھی۔ اسی نے بھائی کرشنا کے علاوہ گینیش بھی ان کے
 ساتھ لفٹ میں داخل ہوا اور وہ لفٹ اوپر کی طرف چل پڑی
 باہر کھڑے ہوئے کچھ لوگ میٹر بھوں کی طرف بڑھ گئے اور کچھ
 لفٹ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔
 انہیں لفٹ کے ذریعہ چوٹی منزل تک جانا تھا جہاں
 گینیش کا پٹر اسٹور تھا لیکن نہ جانے کیوں وہ لفٹ میری ہی
 منزل پر ایک جگہ کے ساتھ اس طرح رک گئی جیسے اس کے
 نظام میں کوئی خرابی ہوگئی ہو۔ وہ سب کے سب چونک تو
 پڑے تھے۔ لیکن اس اتفاق کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔
 لفٹ کے رکتے ہی لفٹ کے دروازے پر دستک ہونے
 لگی اس دنگ کو سن کر لفٹ میں موجود دونوں محافظ بولیا
 ہو گئے تھے۔ انہوں نے ابھی ہوئی لگا ہوں سے بھائی
 اور کرشنا کی طرف دیکھا۔
 "نہ جانے کیا حکم ہے یہ گینیش بڑبڑایا کون لوگ ہو گئے
 ہیں؟"
 "دروازہ کھول دو کرشنا نے ایک محافظ کو ہدایت کی۔

محافظ نے دروازہ کھولنے کے لئے مٹن پر انگلی رکھ دی
 دروازہ ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر پولیس کے دو آدمیوں کو دیکھ
 کر ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔
 "مکالمات ہے۔ بھائی نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا
 تم لوگ یہاں کیوں دکھائی دے رہے ہو؟"
 "ایک گڑبڑ ہوئی ہے جناب۔ لاہنے قبولے نے جلدی
 سے کہا۔ منتری جی کے لئے تھوڑا سا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپ
 لوگ لفٹ کو دوبارہ نیچے جائیں اور بھائی صاحب پلیز
 آپ ہماری ساتھ آجائیں۔ جلدی کریں؟"
 "آخر کیوں؟ کرشنا نے تندہ ہو کر پوچھا۔ کیا خطرہ ہے۔
 لفٹ مجھے کیوں جانے گی۔ اور تم لوگ بھائی جی کو اپنے ساتھ
 کیوں لے جانا چاہتے ہو؟"
 "سر۔ اس وقت ہماری پاس بالکل وقت نہیں ہے
 دنیا سے دوسرے معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔ ہم آپ کی سیٹھی
 کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ آپ بھائی صاحب کو ہماری ساتھ
 آئے دیں اور خود گاڑی کے ساتھ پیچھے چلے جائیں۔ اسی میں
 بہتری ہے۔"
 "نہیں ہو سکتا۔ بھائی بول پڑا۔" میں منتری جی کے
 ساتھ ہی رہوں گا؟"
 ان دونوں پولیس والوں نے ایک دوسرے کو معنی فیز
 لگا ہوں سے دیکھا۔ پھر اس سے پہلے کہ لفٹ میں موجود
 محافظ کچھ کہہ سکتے۔ ان دونوں نے اپنی جھبوں سے بندوق
 نکال لئے پھر اس پھرتی کے ساتھ ان میں سے ایک نے
 بندوق کا رخ کرشنا کی طرف کر دیا جبکہ دوسرے نے بھائی
 کی پٹنی پر بندوقوں لٹکے دیا تھا۔
 "ہم بھائی کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ لاہنا والا زلیا
 اگر کسی نے ہوشیاری دکھائی تو ہمیں بڑبھلاک کر دونوں گاؤں
 تم باہر آ جاؤ۔"
 دونوں محافظ تھک کر رہ گئے لیکن صورت حال ابھی
 کہ وہ بھائی کو بچانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس
 شخص کے بچنے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ رہا ہے اس
 پر عمل بھی کر سکتا ہے۔ سب سے زیادہ سخت حالت بھائی
 کی ہو رہی تھی اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ کرشنا کے عقب
 میں جا چلتا۔
 "جلدی کرو۔ اس کے دوسرے آدی نے کہا۔ اپن کے
 پاس نام کھلاں ہو گیا ہے۔ وہ سالانہ میری کچھڑی میں داخل ہو گیا۔"

اس کے ساتھ ہی لاہنے والے نے ہاتھ بڑھا کر بھائی
 کو ایک جگہ سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بھائی کے باہر گئے ہی
 دونوں محافظوں میں سے ایک نے پک کر لفٹ کا دروازہ بند
 کر لیا۔ اس وقت ان کے نزدیک کرشنا کی حفاظت زیادہ ضروری
 تھی۔ وہ اسی کے لئے انہوں نے گئے تھے۔ لفٹ کا دروازہ
 بند ہونے ہی ان دونوں نے بھائی کو ایک جانب ہٹا کر دیا
 لوگ واقعی بہت جلدی میں معلوم ہوتے تھے۔ اس کی ایک جگہ
 شاید یہ بھی تھی کہ انکی ایک اس تیسری منزل پر لفٹ کی طرف
 کوئی نہیں آیا تھا۔ اور کسی بھی نے کسی کی آمد ان کا کام خراب
 کر سکتی تھی۔ بھائی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان دونوں نے
 آخر کس طرح یہ سب کچھ کیا ہو گا۔ لیکن اسے زیادہ دیر سوچنے
 کا موقع نہیں ملا وہ دونوں اسے دھکیلتے ہوئے اس منزل
 کے ایک ایسے کمرے میں لے آئے جہاں کوئی نہیں تھا۔ بیٹا
 کوئی دفتر تھا۔ کیونکہ اس میں رکھا اور فرنیچر ظاہر کر رہا تھا۔
 آئی، اسی دوسرے آدی نے جلدی سے دفتر کا دروازہ بند کر دیا
 جبکہ لاہنا والا بھائی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
 پھر اس سے پہلے کہ بھائی کچھ سمجھ سکتا لاہنے والے نے
 ایک زوردار گونہ بھائی کے پیٹ پر سر ہٹ کر دیا۔ لکھت کی
 شدت سے بھائی دہرا ہو گیا تھا۔ اس کے دہراؤ نے ہی
 اس نے ایک لالت اس کی کرور جمادی۔ اس سے ٹھوکرے بھائی
 کو اچھال دیا۔ وہ کی گیند کی طرح اڑتا ہوا سامنے والی دیوار
 سے جا کر ٹکرایا۔ اس کی آنکھوں کے آگے سر سے رقص کرنے
 لگے تھے۔
 "ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لاہنے والے نے اس
 کے قریب آتے ہوئے کہا۔ تم بھائی بھائی اس لئے کی ہے مگر
 تم کو یہ احساس ہو جائے کہ ہم تم سے مذاقی نہیں کر رہے تھے۔
 "تم تم چاہتے کیا ہو؟" بھائی نے لڑتی ہوئی آواز میں
 بول چھا۔ اس کا پورا جسم جھوٹے کی طرح دھڑک رہا تھا۔ "کون ہو تم؟"
 "مگر چند کا کوئی آدی تمہارے ساتھ ہے۔ لاہنے والے
 نے بول چھا۔
 بھائی اپنے ہونٹوں پر زبان بھر کر کہہ گیا۔ وہ سخت عجیب
 نہیں سمجھتا کہ ان دونوں کی آمد کا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے
 اس کے خیال میں یہ دونوں کرم چند کی آدی ہو سکتے تھے۔
 "مٹاؤ لاہنا والا آگے بھٹھا اداس لے بھائی کے کار کو
 پکڑ کر جو جھوٹا شوروں کر دیا۔ ورنہ کچھ گھونٹ کر مار دوں گا۔
 بھائی کے ذہن میں اس وقت بہت سے خیالات آ رہے

تھے۔ وہ کرم چند کے اس خاص آدی کے بارے میں جھوٹ
 بھی بول سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کی اور کا نام تاسے آخر
 اس شخص کو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ اس نے غلط بیانی سے کام
 لیا ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ کہتا تھا وہ آدی پھر بول پڑا۔
 "اور ہاں۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے جھوٹ بتایا تو میں اس
 اگر تمہیں جان سے ملادوں گا تم چاہے کہیں بھی رہو۔ کتنے
 بی محافظ تمہارے پاس کیوں نہ ہوں۔ میں تمہیں ان کے میٹن
 سے کھینچ لے جاؤں گا۔"
 یہ آدی کسی قسم کا معلوم ہوتا تھا۔ اتنی خطرناک اور
 ایسی بات پوری کر کے والا۔ ان لوگوں نے جس دیر کی کہیں
 یہ حرکت کی تھی اتنی دیر ہی کسی اور کے بس کا روک نہیں تھی۔
 اس نے وہ جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔
 "اس آدی کا نام تیرا اسی ہے؟" بھائی نے اپنے ہونٹوں
 پر زبان بھیرتے ہوئے بتایا۔
 یہ نام سنتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ
 تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے ایک چمکتا ہاتھ بھائی
 کی گردن پر سر ہٹ کر دیا۔ اس ضرب نے بھائی کو بے ہوش کر دیا
 تھا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھک گئی اور وہ فرش پر لٹ
 گیا۔ اس کے بے ہوش ہونے ہی لاہنے والے نے دوسرے کی
 طرف دیکھا۔
 "چلو اب جلدی سے کمرے تبدیل کر لو ہمارے پاس
 وقت نہیں رہا ہے۔"
 "تھوڑی دیر تو سرکاری ڈیس میں رہنے دیا بس۔"
 دوسرے نے کہا۔ سالانہ کو ایسا لگ رہا ہے جیسے اپن ابھی
 ابھی ڈی ایس بی ہو جاں گلا۔ اس پر دردی بھی سالانہ ہوتا ہے
 "بس چل پڑی اب تمہاری گاڑی پہلے والے نے اپنا
 ہاتھ اوپر اٹھایا۔ وہ دھڑک رہا تھا۔ "میں کہتا ہوں کہ وقت نہیں
 ہے۔ ہماری تلاش شروع ہو گئی ہوگی۔"
 عدیل کچھ کہنے لگا۔ اس کے بارے والے کمرے میں
 داخل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں
 اس کے اور دار کے لباس تھے۔ ان دونوں نے جلدی جلدی
 ہر دیں اتاریں اور لباس پہن لیا۔ اس کام سے فائدہ ہو کر
 انہوں نے بیوش بھائی کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں ڈال
 دیا۔ پولیس والوں کی دردیاں بھی دوسرے کمرے میں رکھ
 دی گئی تھیں۔
 یہ منصوبہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر بنایا تھا کہ کرم چند

تین آدمیوں کے نام دینے تھے۔ پھر شر کے مینیجھلے برہم ظاہر کیا گیا تھا۔ دواس کے خیال میں اصل آدمی کا پتہ بھائی ہی بتا سکتا تھا۔ پہلے تو ان لوگوں نے بھی سوچا تھا کہ باری تینوں کو دیکھ لیا جائے۔ لیکن اس کام میں بہت دیر لگ سکتی تھی۔ بہت وقت ضائع ہو جاتا۔ اسی لئے انہوں نے بھائی برہم بھائی ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن بھائی کے ساتھ مصیبت یہ تھی کہ وہ تباہ کاری نہیں دیتا تھا۔ یا تو وہ کسی میننگ میں الجھا رہتا یا پھر کسی قریب مدعو ہوتا۔ اوقت بھی اس کے ارد گرد اس کے ذاتی محافظ ہوا کرتے۔ ایسی صورت میں اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ یا تو وہ اور عبدالے نے بھائی کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہو سکی تھی کیونکہ ان دنوں بھائی کے یہاں کسی قریب میں شرکت کے لئے بہت سے جہان آئے ہوئے تھے۔ اور ان جہانوں کی موجودگی میں بھائی پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔

دو دنوں کی سڑج میں گزر گئے۔ وہ لوگ ابھی تک پادری کے گھر میں رہ رہے تھے۔ وہ عورت ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کر رہی تھی۔ اس نے ابھی تک ان کے خلاف کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جو ان لوگوں کے لئے پریشانی پیدا کر سکتی ہو۔ اس کے باوجود اور نے اس پر ہاتھ لگایا، ہوتی تھی۔ اس نے عبدالے کو اس کے ساتھ لگا دیا تھا۔ وہ پادری کے خانے میں بھی اس کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ دوسری طرف رھونا تھا کہ اب حال تھا کہ... کہ اس نے بے زاری اور لائق اختیار کر رکھی تھی۔ نہ چلنے اس کے ذہن میں کوئی بات آئی تھی کہ اس نے کم چند اور دیکھے معاملات میں دیکھی تھی، یہی حرکت کر دی تھی۔ وہ دن پھر کچھ کچھ سوچتا رہتا تھا۔ اور اس کی ذاتی تبدیلی پر کوئی دھیان نہیں دیتا تھا۔ اس کے لئے پھر یہی مسائل کم نہیں تھے۔ لیکن وہ سمجھتا تھا کہ وہ یہی ہے۔ اسے بے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ابھی تک جب خودی لڑتی تھی۔

دو دنوں کے بعد اخبار کی ایک خبر کے ذریعے انہیں معلوم ہوا تھا کہ ایک صوبائی وزیر مرگے ہوئے والہ۔ اخبار میں اس وزیر کا پورا پر ورام درج تھا۔ اور بھی لکھا تھا کہ شہر کا میر بھائی وزیر کو اپنے ساتھ اپنی پیش بھین تک لے جانے کا چاہا۔ وزیر کو ایک پھر سنو کا افتتاح کرنا تھا۔ اس خبر نے دواس کے لئے عمل کی ایک راہ منتخب کر دی تھی۔ اس نے اسی وقت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک خطرناک امداد تھا۔ لیکن دواس دھن سورمھی۔ اور عبدالے جانتا تھا کہ اس کا بال جو فیصلہ کرے۔ اس پر کسی پہلو کی طرح تم جاتا ہے۔ اسے راستے سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

اس دن وہ دونوں بہت جلدی ہی پادری کے گھر سے نکل آئے۔ رھونا تھا کہ انہوں میں سے ایک ہاتھ۔ بلکہ انہوں نے رھونا تھا کہ وہ بھی نہیں تھا کہ وہ کیا کرے جارہے ہیں۔ وہ دونوں صرف پادری طرح مسرت تھے۔ بلکہ انہوں نے پونا کے ایک آدمی شیکھر داس سے دھوئیں کے ہم بھی حاصل کر لئے تھے۔ شیکھر داس عبدالے نے دوستی کھٹھ لی تھی۔ وہ ایسے کاموں میں بہت مہارت رکھتا تھا۔ اس نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ شیکھر داس کا ایک آدمی تھا۔ جو رقم کے عوض ہر قسم کا اسلحہ سپلائی کر سکتا ہے۔ وہ اپنے کاروبار اور اصول کا کھرا آدمی تھا۔ وہ اپنے کام کے سے کسی قسم کا سوال نہیں کیا کرتا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ یہ اس کو یہ مقصد کے لئے کیا جارہے۔ اسے بس اپنی رقم عزیز تھی۔ شیکھر نے ایک معقول رقم کے عوض انہیں تین عدد دھوئیں کے ہم فراہم کر دینے تھے۔

ہم ہر دھوئیں کے وقت دواس نے یہ تینوں ہم اپنی جیب میں رکھ لئے تھے۔ پھر یہ لوگ پادری اپنی پیش بھین کے گھر گئے تھے۔ معزز بھائی کے آمد کے سلسلے میں اس عمارت کے ارد گرد سوت حقائق ان مقامات کے لئے گئے تھے۔ وہ ایک ایسی عمارت تھی جس میں بہت سے ذاتی دفاتر قائم تھے۔ لیکن اس دن ان دفاتر کی کچھ کر دی تھی۔ اور صرف ان ہی لوگوں کو عمارت میں داخل ہونے کی اجازت تھی جو کنیشن کے پراسٹور سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی زیادہ نہیں تھی۔ اسی لئے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بھائی برہم بھائی ڈالنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔

ابن مالا کے شنگ میں ایک بات آرہا ہے۔ اس پر پورے نے دواس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس وقت اس عمارت سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔

”کون سی بات؟“ دواس نے عمارت پر لگا ہوا جاتے ہوئے پوچھا۔

”یہی کہ ابن مالا بھائی سے واپس ہو جائے۔“ عبدالے نے کہا۔

اس بھائی کو پھر کسی اور نام چھاپنے کا ہے نہ ناکا۔

پاکا امت بخود دواس نے اسے جھٹک دیا۔ اب ہم واپس نہیں جاسکتے۔ تم وہ سامنے دو پولیس والوں کو دیکھ رہے ہو۔ دواس نے اشارہ کیا۔

”ہاں۔ بروم دیکھ رہا ہے لیکن وہ سالا پولیس والا کیسے گا؟“

”تم کسی طرح میرے پاس لاسکتے ہو؟“ دواس نے پوچھا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ عبدالے نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ انہیں یہ معلوم ہے کہ پولیس والا بہت دور سے خطرہ ہو گا کہ وہ یہاں ہے۔ جیسے ہی کچھ کو سونگھ لیتی ہے جیسے کو آگوشٹ کو؟

”اچھا۔ بس۔ بس۔“ دواس نے اسے لوگ دیا۔ ”تم تو دوستی کرنے میں بہت ماہر ہو۔ تم ان سے یہ کہو کہ تم لوگوں کا کتنی اصرار ہے۔ اور تم لوگ ان سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”سالا یہ پتہ والابا نہیں چلے گا۔ اس۔“ وہ سالا ان کو ہتھکڑی لگا دے گا اور تم سے قیامت دیکھتے رہنا پڑے گا۔ لیکن دواس کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ عبدالے خود ہی بڑبڑاتا ہوا ان پولیس والوں کی طرف چلا گیا تھا۔ دواس کو اس کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اس نے بس پوچھی تھی کہ لوگ عمارت کے طور پر عبدالے کو روانہ کر دیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ عبدالے کسی طور ان دونوں پولیس والوں کو لانے میں ناکام رہا تو وہ لوگ عمارت کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ ہاں اس سلسلے میں انہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کیونکہ عبدالے ان پولیس والوں کو اس کی طرف لئے چلا رہا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح ان دونوں کو ضلع کر دی لیا تھا۔

”تم ان سے پوچھ لو۔“ عبدالے نے قریب آ کر دواس کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اصرار والا صاحب بھی اسی آدمی کو لاندہ چلائے دیکھائے اس موقع پر دواس کچھ اچھکے گیا۔ عبدالے نے ان دونوں کو نہ جانے کیا باتیں کہنا تھا۔ عبدالے کے کہنے پر ان میں سے ایک پولیس والے نے دواس کو قیامت طلب کیا۔

”آپ کون ہیں جی۔ کیا آپ نے بھی اس خشک آدمی کو لاندہ چلائے دیکھا ہے؟“

کسی حد تک دواس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ عبدالے نے ان پولیس والوں کو کیا کہا ہوگا۔ اسی لئے وہ جلدی جلدی ہونے لگا۔

”ہاں جی۔ میں نے خود دہلی آ نکھوں سے اس آدمی کو لاندہ چلائے دیکھا ہے۔ وہ صورت، ہی سے خشک معلوم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اسلحہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کے کوٹ کی ایک جیب پھٹی ہوئی تھی۔ اسی لئے میں نے اس شریف آدمی کو آپ کے پاس بھیج دیا کہ آپ کو صورتحال

سے آگاہ کر دے۔ قانون کی مدد کرنا ہم لوگوں کا فرض ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اس اصرار سے ہیں۔ میں پریس پر بڑبڑا رہا ہوں۔ اسی لئے ہم لوگوں پر زیادہ دے داری عالم ہوتی ہے۔ اب میں نے آپ کو صورتحال بتا دی ہے۔ اب آپ کی مرضی کیا ہے؟ کیا کرتے ہیں؟“

”آپ نے بہت اچھا کیا جی۔ پولیس والے نے گردن ہلائی۔ ہمارا اور اخبار والوں کا تو بڑا سنا ہے۔ آپ نے بتا دیا اب ہم اپنے آفیسروں کو اطلاع دیتے ہیں۔“

وہ دونوں واپس چلے گئے تو دواس نے آواز دے کر انہیں روک لیا۔

”دیکھیں بھائی صاحب؟“ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم اخبار والے ہمیشہ معاشرے میں ہونے والی نا انصافیوں کے خلاف آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ بڑے بڑے کارنامے آپ لوگ انجام دیتے ہیں اور سالا کرپٹ آفیسروں کو چلا جاتا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“

”یہ تو ٹھیک ہے جناب۔“ دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔ ”اسی لئے آپ میری بات مانیں تو پہلے اندر جا کر اس آدمی کو قتل کر لیں اور جب وہ قتل ہو جائے تو نوبت ہی کے سامنے پیش کر دیں۔ اس طرح آپ کی ذیوتی بھی پوری ہو جائے گی اور آپ کا کچھ بھلا بھی ہو جائے گا۔ ورنہ اس طرح آپ کچھ بھی کرتے رہیں گے آپ کو کوئی نہیں بولے گا۔ ہاں اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ غلط بھی ہوئی ہو وہ آدمی ایسا نہ ہو۔ کوئی اندازہ لگاؤ گی۔ تو ایسی صورت میں اگر آپ لوگوں نے اپنے آفیسروں کو بتا دیا اور وہ آدمی بے گناہ ثابت ہوا تو پھر کیا ہوگا۔ پھر تو آپ لوگ بری طرح پھنس جائیں گے۔ اسی لئے بہتر ہے کہ پہلے اپنے طور پر جھان بین کر لی جائے۔“

”یہ تو بالکل ٹھیک بات ہے جناب۔“ پہلے والے نے اپنی گردن ہلائی۔ پھر دوسرے کی طرف دیکھا۔ ”یوں رام جی! بالکل ٹھیک ہے۔ اگر وہ آدمی کچھ اور نکلا تو یہ آفیسر لوگ تو ہماری پیشانی اترا دیں گے۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس آدمی کو کچھ مانیں گے کیسے پہلے والا لکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ پھر کچھ سوچ کر دواس سے قیامت پوچھا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جناب آپ کچھ بھی، معاملہ ساتھ چلیں۔ آپ ہمیں صرف اشارے سے بتائیں گے۔ باقی ہم خود دیکھیں گے۔“

دواس نے رپ مکرر دیا۔ ان لوگوں نے ان کی شکل خودی آسان کر دی تھی۔

”ٹھیک ہے۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ چلنے کو چاہتا ہوں۔“
 داو نے آمادی ظاہر کی۔ لیکن یہ آدمی بھی میرے ساتھ چلے گا۔ اس نے داو کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اپنے ہی اخبار کا کافی ہے۔ نہایت بگڑت سے کہے۔ اسے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اور ہاں۔ میں کسی معاملے میں گواہی نہیں دوں گا۔ ایمان ہو کہ بعد میں مجھے بھی اس کے ساتھ ساتھ خوار ہونا پڑے گا۔ میرا کام صرف آدمی کو دکھا دینا ہوگا۔ باقی تم لوگ خود ہی سمجھنا لیتا۔ ہمیں الگ رکھنا۔“

”ایسا ہی ہو گا چنانچہ۔ ایسا ہی ہو گا پہلے والے نے جلدی سے کہا۔ میں ایک بار وہ میرے ہاتھ آ جلتے۔ پھر آپ کا کام ختم۔“
 اس کے بعد عمارت داخل ہونے کے مراحل آسان نہ تھے۔ وہ دونوں، ایسی کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو عمارت تک لے آئے۔ اندر آنے کے بعد ان لوگوں نے پوری عمارت دیکھ ڈالی۔ لیکن اس آدمی کا ہاتھ نہیں چل رہا تھا۔ دونوں بولیں والے اب کچھ بے داری محسوس کرنے لگے تھے۔ پھر تیسری منزل پر دو اور لوگ موقع ہاتھ آ گیا۔ اس عمارت کے سامنے دفاتر تھے۔ لیکن ایسا بھی دفتر تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ لوگ اس میں کچھ لوگ موجود تھے۔ لیکن داو نے اسی موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچ لیا تھا۔
 ”ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی اس دفتر میں موجود ہو۔“ داو نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
 ”چلیں۔ چل کر دیکھ لیتے ہیں۔“ دوسرے بولیں والے نے کہا۔

پھر وہ سب اس دفتر میں داخل ہوئے۔ توقع کے برعکس اس دفتر میں کوئی بھی نہیں تھا۔ بالکل خالی تھا۔ اور کسی وجہ سے اس کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس بات کا بہت حیرت ہی داو نے اپنا کام دکھا دیا۔ اس کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور اس نے بیک وقت ان دونوں پر حملہ کر دیا۔ پولیس چلے اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اسی لئے وہ جھٹک بھی نہیں سکے۔ داو نے خدای دہر میں ان دونوں کو بے ہوش کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا۔

”دیکھ لیا تم نے۔“ داو نے عدیل سے کہا۔ ”آدمی اگر کسی کام کا بارادہ کرے تو اس کی مشکلیں آسمان بھی جاتی ہیں۔“
 ”ابن سالو بہت پہلے کا دیکھا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”میرے ساتھ سالانہ کام کرتا ہے۔ ابن کا مندر انٹ ہے۔“

”ملاو اپنے کپڑے اندر کر ایک کی وردی پہن لو۔“ داو نے ہدایت کی۔
 ان دونوں نے جلدی جلدی پولیس والوں کی وردیاں پہن لی تھیں۔ اور سر عریاں بے ہوش پولیس والوں کو بھیجے کر دوسرے کمرے میں ڈال دیا گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ بھائی پیر کس وقت ہاتھ ڈالا جائے۔ وہ لوگ عمارت تک آنے میں تو کامیاب ہوئے تھے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ بھائی یعنی خود ہراس عمارت میں آنے کے بعد بہت سے آدمیوں کے حصے میں آیا ہوتا۔ اس لئے بیک وقت استے آدمیوں کو خوفزدہ کر کے بھائی کو قاتلوں کرنا آسان نہیں تھا۔ پھر یہ داو کی ہی تھی تھی کہ بھائی کو تیسری منزل پر ہی گھیر لیا جائے۔ اسے معلوم تھا کہ کرشنا کو سپر سٹوڈ کا افتتاح کرنے کے لئے جو بھی منزل پر جانا ہے۔ اسی لئے تیسری منزل کی طرف کسی کا دھیان نہیں ہوگا۔ اور اسے نوٹ پر بھانپنے کے بعد تو لوگ ویسے بھی بے سوچ کر بے فکر ہو جائیں گے کہ اب یہ لفٹ سیڑھی جو تھی منزل پر جا کر رکے گی اسی لئے تیسری منزل کی طرف کسی کا دھیان نہیں ہوگا۔ اور تیسری منزل پر لفٹ کو روکنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس میں کوئی ایسی خرابی پیدا کر دی جائے جس کی وجہ سے لفٹ اوپر نہیں جاسکے۔ اس کام کا بیڑا بھی داو ہی نے اٹھایا۔ وہ بھی کے کالوں سے ابھی طرح واقف تھا۔ اور اس کے لئے کسی لفٹ کو درمیان میں کونا دہنا کوئی ٹی بات نہیں تھی۔ اور انہوں نے بڑی دیر کی کے ساتھ وہ لفٹ رکوالی تھی۔

اور اب وہ دونوں پولیس کی وردیاں اتار کر دوبارہ اپنے کپڑے پہن چکے تھے۔ اب تیسری منزل پر بھی بھائی کو شہر ہوا ہو گا تھی۔ دو طرفتہ قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں اس کے ساتھ باتیں بھی دبی جا رہی تھیں کسی وقت بھی وہ لوگ اس دفتر کی طرف آ سکتے تھے۔ اس تیسری منزل پر صرف اسی دفتر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ جبکہ دوسرے دروازوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔ اسی لئے اس دروازے کی طرف فوراً ہی توجہ دی جاسکتی تھی۔

”ابن تو اس بار مجھ سے گئے پاس۔“ عدیل نے کہا۔ ”میرا دھماکا توڑی پھیل گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے بولر باٹلین چلا آیا ہو۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“ داو سر کرادیا۔ ”ہم لوگ تو اس سے بھی خراب حالات میں پھٹتے رہے ہیں۔“

داو نے اپنی بات ختم کی کی تھی کہ دروازہ ہر زور سے دھک دھک ہونے لگی۔ اس کے ساتھ کسی نے پکار کر کہا۔
 ”دروازہ کھولو۔ جلدی کھولو دروازہ۔“
 داو نے عدیل کو اشارہ کیا۔ عدیل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی داو نے پھرتی کے ساتھ سامنے والی ایک دیوار پر دھکوں کا پل دے مارا۔ یہ حرکت اس نے اپنی اچانک کی تھی کہ اندر آئے والے سٹ پٹا کر رہ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتے داو نے عدیل کا ہاتھ پکڑا اور دروازے سے باہر پھٹک لگا دی۔

دروازے کے باہر کھڑے ہوئے لوگ دھماکے اور دھوئیں سے گھرا کر افراٹھائی کے عالم میں ایک طرف دوڑنے لگے تھے۔ دھواں اتنا کثیف اور اتنی مقدار میں تھا کہ وہ پوری منزل اس دھوئیں سے گھری۔ داو نے عدیل کو سانس لینے کی ہدایت کی اور پھر دھوئیں کی طرف دوڑ لگا دی۔ اب ہر طرف افراٹھائی ہوئی تھی بہت سے لوگ بولکھلا کر اوپر جا رہے تھے۔ بہت سے نیچے اتر رہے تھے۔ لیکن ان دونوں کے لئے ایک ایسی بات یہ تھی کہ انہیں شناخت کرنے والے وہ دونوں ہی حافظ دکھائی نہیں دے رہے تھے جو لفٹ میں کرشنا اور بھائی کے ساتھ موجود تھے۔

داو کو اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ ان دونوں کو ان کی تلاش کے لئے کیوں نہیں بھیجا گیا۔ جنبش اور رشک کے تھوڑے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا تھا۔ ان دونوں کو یا تو ہمیں اور بھیج دیا گیا تھا۔ لیکن عمارت کے دروازے پر وہی دونوں محاذیہ۔ کو کھڑے کئے گئے تھے۔ پھر انہیں شناخت کر سکتے تھے۔ تیسری منزل پر ہونے والے دھماکے اور افراٹھائی کے آثار یہاں بھی پہنچ گئے تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ گھبرا ہوا تھا۔ اور ان کی نگاہیں عمارت سے باہر گئے والوں پر بھی لگی ہوئی تھیں۔ انہیں داو اور عدیل کی تلاش تھی۔ وہ سب کی تھی سے حلق رکھنے والے لوگ تھے۔

داو نے نیچے آتے ہی انہیں دیکھ لیا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی پھیر میں گھسنا چاہا لیکن اسی وقت ان دونوں کی نگاہ بھی اس پر پڑ گئی۔ وہ دونوں بیک وقت شور مچاتے مچا لے۔ داو نے دوسرا لمحہ پھینک مارا۔ دیوار پر کھینچا۔ بہت اچانک اور غمزدہ تھا۔ یہاں بھی پھیلنے والی افراٹھائی بہت شدید تھی۔ لوگ گرتے پڑتے، ہونے ایک دوسرے کو دھک دیتے ہوئے

فرار کی راہ تلاش کرنے لگے۔ داو نے اس موقع پر آگ لگ لاخوڑ دی دیا۔ پکھلائے ہوئے لوگوں نے اس کی تباہی میں آگ لگ چلنا شروع کر دیا۔ افراٹھائی اور شدید ہوئی۔ اور وہ دونوں اس افراٹھائی کا فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کے درمیان سے نکلنے چلے گئے۔ دھوئیں کے ہم بہت کارآمد ثابت ہوئے تھے۔

تیواڑی کے لئے کامیابی کی منزل بہت قریب آتی جا رہی تھی۔
 اس نے کمر چمکی تھیں۔ کو کھوکھلا کر شروع کرنا تھا۔ اندر ہی اندر سازش کے کسے سس لگنے لگیوں کو اپنے ساتھ سلا لیا تھا۔ زیادہ لٹخ دے کر اس نے کئی آدمیوں کو توڑ دیا تھا۔ اور سب سے بڑی کامیابی اسے بھائی کے سلسلے میں ہوئی تھی جو پہلے کمر چند کا آدمی تھا۔ اور میر کوئے کی وجہ سے کمر چند کو اس سے بہت فائدہ حاصل تھا۔ تیواڑی کی نگاہیں بہت دنوں سے بھائی پر تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اگر بھائی اس کے ساتھ آگیا تو پھر کی آدمی انتظامیہ اس کے ہاتھ میں آجائے گی۔

تیواڑی نے اس کے علاوہ اور بھی کچھ سوچ رکھا تھا۔ وہ بھائی کے ذمے کمر چند کو زور کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب یہ مرحلہ سر ہو جاتا تو پھر بھائی کی بادی آجاتی۔ تیواڑی نے اس کے لئے بھی سوچ رکھا تھا۔ وہ اسے ایک مستقل خطرے کی صورت میں اپنے سر پر رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تیواڑی بنیادی طور پر بھی ایک جالاک آدمی تھا۔ اس نے اب تک اپنی شخصیت کو بہت بچا کر رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بد اچھا بدنام ہونا اگر ناپسند ہے۔ اسی لئے وہ بدلوں کو لینا بدنام نہیں ہوتا تھا۔ کمر چند کے ساتھ بھی اس کے تعلقات ایسے تھے کہ کوئی اس کی طرف لنگھتی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس نے اس معاشرے میں اپنی ساکھ بحال بھی کی۔ اور عام طور پر وہ ایک حیانت دار طرز با اصول تاثر کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ دراصل وہ کس قسم کا آدمی ہے اور کمر چند کی خطرناک تنظیم میں اس کی کیا اہمیت ہے۔

وہ ان دونوں اپنے مکان میں تنہا تھا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود اس نے ایک اصول بڑی سختی سے اپنا رکھا تھا اور وہ اصول یہ تھا کہ وہ اپنی تاریک شخصیت کے سببوں

کو بھیجی گئی اپنے مکان میں مدعو نہیں کرنا تھا۔ ناؤ نوش اور جوئے وغیرہ کی قطعیں بھی دہوا کر گئیں۔ اس نے ایسے لوگوں کو اپنے گھر بھیج دیا تھا کہ اس کے گھر والے نہیں گئے ہوئے تھے۔ اور وہ رات گئے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا۔ ان میں ہونے والے ایک واقعے سے یہ بیان کر دیا تھا۔ آج دو آدمیوں نے ایک دروازہ دھکیلی فٹوں کی موجودگی میں بھاگتے ہوئے چل کر دیا تھا۔ اور اسے اٹھا کر کے اسی عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے تھے۔ پھر وہ دونوں لڑکی ہو فیاری کے ساتھ دھویں کے ہم بھٹکتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اس واقعے نے پورے شہر میں غلبللی مچا دی تھی۔ پھر جڈان دو دروازے میں برتے ہوئے جا رہے تھے۔ لوگوں کو ایک ننگی یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ ان دونوں نے بھاگتے ہوئے کونسا محلہ کیا تھا۔ یا وہ اسے اپنے ساتھ کیوں لے گئے تھے۔ بھاگتے ہوئے کہا تھا کہ ان دونوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ بس وہ اس عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے اور وہاں اس پر حملہ کر دیا۔ اور اسے بے ہوش کر کے بھاگ لئے تھے۔ دوسروں کے لئے تو یہ داستان شاید قابل قبول ہو یا نہ ہو۔ لیکن تیولاری کے لئے قابل قبول نہیں تھی اسے یقین تھا کہ بھاگتے چھوٹ بول رہا ہے۔ ان دونوں کا دعویٰ خراب نہیں تھا تو اسے یوں ہی اٹھا کر لے گئے تھے۔ کوئی نا کوئی بات اس سے ضرور سنائی گئی ہوگی۔ اس محلے کا کوئی نہ کوئی مقتدر ضرور ہوگا۔ لیکن یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی تھی جب تک بھلائی سے ملاقات نہ ہو جائے۔ اور فی الحال ایک دو فٹوں تک اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی لئے تیولاری نے اپنے ذہن کو تھکا کر نامناسب نہیں سمجھا اور اپنے دوستوں سے مل ملا کر رات گئے گھر لوٹ آیا۔ اس کا گھر ایک الگ علاقے میں تھا جس کا احاطہ بہت وسیع تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی فیاضانہ عمارت کا گلاڑی احاطے میں گھڑی کر دیا۔ لیکن اٹھایا اور اسے جھلایا تو اور وارے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے گھر والوں کے جانے کے بعد اپنے ملازمین کو بھی کچھ دلوں کی بھی دیدی تھی تاکہ نے اپنی جیب سے چابی نکالی دروازہ کھولا اور اندر گیا۔ سب سے پہلے اس نے دروازہ بند کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے کمرے کا باب جلا دیا۔ اور کمرے میں بٹھی ہوئے بی بی کریم کی اس کے ہاتھ سے ٹکرتے رہ گیا۔ اس کمرے کے ایک صوفے پر کمر چند بیٹھا تھا۔ وہ تھکے

”تمہارے خلاف فتوہ تو اڑی نے اپنے ہونٹوں پر بند کر لی
پھیری یہ کیا کہہ رہے ہو باس۔ تمہارے خلاف کون سا کوئی
کر سکتا ہے؟“

”میں ہنر نہیں ہوں تو لاڑی نہ کر کم چند چمکدار“ میں
سب جانتا ہوں اور تم میں اس آدمی کا نام بتانا ہی ہو گا۔ تم
مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ میں جو معلوم کرنا چاہوں
وہ ہر حال میں معلوم کر لیتا ہوں۔ اگر یہ سادھن تمہاری
طرف سے ہے تو یہاں دوسری طرح بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ
تمہارا نام سن کر میں تمہیں چھوڑ بھی دوں۔ اور اگر تم نے
نہیں بتایا تو میں تمہیں تڑپاؤں گا کہ مرادوں گا۔ سب سے
پہلے میں تمہارے وہ دونوں بیروں میں گولیاں مداروں گا کہ
کے بعد دونوں ہاتھوں میں سوراخ کروں گا۔ پھر تمہارے سینے
میں گولی اندر دوں گا۔ تو ای میں تمہاری بہتری ہے کہ اس
آدمی کا نام بتا دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس آدمی کے نام سے
اچھی طرح واقف ہو۔ ای لئے میں سیدھا تمہارے پاس آیا
ہوں۔ چلو بتاؤ۔“

تو لاڑی جلدی جلدی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے
لگا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔ وہ کم چند کے
مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کم چند جو کہہ رہا ہے
اس پر عمل

مجھ کر سکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ فی الحال کسی اور کا نام
بتا کر اپنی جان چھڑائے۔ پھر ایک اور خیال نے اسے کسی
اور کا نام بتانے سے روک دیا۔ اگر اس نے کسی آدمی کا نام
بتایا تو یہ بات بھی سچھی نہیں رہ سکتی تھی کہ کم چند جو کہہ
رہا وہ خطرناک انداز میں اس پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس
لیے اس مصیبت سے بچنے کے لیے اسے کوئی حکمت عملی
اختیار کرنی تھی۔

”مجھے یہ بات پہلے نہیں معلوم تھی باس۔ وہ ایک گہری
سائنس کے ساتھ بولا۔ لیکن آج اتفاقاً معلوم ہو گیا ہے۔
”کون سی بات ہے؟ کم چند نے ڈر ڈر کر پوچھا۔ کیا جانتے
ہو۔ صاف صاف کہو۔“

”تمہارا دشمن کوئی اور ہے باس۔ تیراڑی نے کہا۔ وہ
ایک ایسا آدمی ہے جس پر کم چند کبھی شبہ بھی نہیں کر سکتے۔ تمہارے
نقص میں بھی نہیں ہو گا کہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش بھی
کر سکتا ہے۔ لیکن شاید کہیں دوسری بات پر یقین نہیں آئے
اسی لیے میں تمہیں ایک خط دکھانا چاہتا ہوں جو آج میرے
ہاتھ لگا ہے۔“

”ایسا؟“ کم چند نے سوالیہ طور پر پوچھا۔

”اس کا خط ہے“
 ”مختصر و اجمعی دکھاتا ہوں، اتنا کہتے ہوئے تو بڑی نے اپنا برلیٹ کیس کھول لیا۔ اس خط کو پڑھ لینے کے بعد کوئی سوال کرنا۔“
 کرم چندا اشتہائی کے عالم میں مختصر اس کے جھک آیا۔ اس وقت اس کا دھبنا اس برلیٹ کیس پر لگا ہوا تھا۔ اوتھی اس کی ایسی غلطی تھی جس پر اُسے پچھتاہے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ تیواڑی نے برلیٹ کیس میں رکھے ہوئے پستول کو برلیٹ کیس کی دیوار سے لگا کر گولی چلا دی۔ گولی برلیٹ کیس کی دیوار کو بھڑاتی ہوئی نکل آئی اور کرم چندا کے سینے میں پڑی۔ یوں ہی اس کا ہاتھ فضا میں لڑیا اس نے مرتے مرتے اپنے پستول والے ہاتھ کو سیدھا کھانا چا۔ لیکن اس دوران تیواڑی نے دوسری گولی بھی چلا دی تھی۔ گولی کرم چندا کی گردن میں لگی اور وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ تیواڑی پستول ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور دم توڑتے ہوئے کرم چندا کو دیکھتے لگا۔ کرم چندا کی کھانسی بھونکی تھی۔

تیواڑی اُچی ہوئی لنگا ہوں سے کرم چندا کی لاش کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے ایک قندھرے کھڑکے پر لپکتے ہوئے سب سے بڑے کانٹے کو جٹا دیا تھا۔ سب سے بڑی دیوار گرا دی تھی۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ گڑھے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کسی کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ کرم چندا کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اور اب اسے کرم چندا کی لاش کو غائب کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے انتظامات بھی کرنے تھے۔ ان انتظامات میں سب سے پہلا انتظام تنظیم کی سربراہی کا تھا۔ کرم چندا کے بعد چاناک ایک غلام پیدا ہونے والا تھا اور اس غلام کو صرف حکمت عملی ہی کے ذریعے پڑیکا جاسکتا تھا۔ سب سے پہلے تو اسے لاش کی طرف توجہ دینی تھی۔

اس نے اپنا پستول اچھا کر مرنے پر پھینکا اور چوڑی سے اس کی مہر کی طرف آگیا۔ جب برفوں رکھا ہوا تھا۔ اُسے فون کے ذریعے روشن کو بلوانا تھا۔ روشن بھی تنظیم ہی کا آدمی تھا۔ لیکن وہ کرم چندا کے بجائے تیواڑی کا دُعا دار تھا۔ تیواڑی نے اُسے سبز بارے دکھا کر اپنے ساتھ شامل کر رکھا تھا۔ تیواڑی تنظیم میں لگدھکے نام سے مشہور تھا۔ لگدھک جس طرح سے لاشوں کی لوٹیاں فوج فوج کر اس کا وجود غائب کر دیا کرتا ہے۔ اسی طرح روشن بھی لاشوں کو تھکانے لنگھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ کسی بھی لاش کو دیکھ کر اس پر بھونچا

نہیں مسلط ہوتی تھی۔ بلکہ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ لاش کو اٹھا کر لے جاتا اور پھر اس کی لاش کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔
 تیواڑی نے فون کرنے کے لیے ریسپورڈ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور اسی وقت کسی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تیواڑی کو لوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی روح پکڑ لی ہو۔ اس کا ہاتھ ریسپورڈ ہی رہ گیا تھا۔ ہاتھ رکھنے والے نے دو مرتبے ہاتھ سے اس کا کارپس کوڑھ کر اس کی گردن اپنی طرف کھادی۔ پھر جیسے ہی تیواڑی نے اس شخص کو دیکھا اس نے ایک دردناک شور مچا دیا۔ اسے جبر سے پر رینڈ کر دیا۔ تیواڑی لڑکھاتا ہوا کسی قدم پیچے ہٹ گیا۔ وہ اٹ کر جبر ہونے ہی والا تھا کہ کسی اور نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پکڑ لی۔ اس طرح وہ فرش پر ڈھیر ہونے سے بچ گیا تھا۔
 ”اتنا زور سے کیوں مارتا ہے باس، کرم چندا نے اسے لے کھولنا مارنے والے سے کہا۔ یہ سالہ تو گولی کے بغیر اسی میں نٹا ک ہو جائے گا۔“

تھوڑے مارنے والا سسکا دیا۔ بڑی تھنڈی اور بڑے کوسر کر دینے والی مسکراتی تھی۔ پھر اس نے پہلے کوڑی خود کو چھڑانے کی جدوجہد کر سکتا۔ باوجود کچھ کھٹکنا پکھٹنا دے لے لے لے لے لے قوت کے ساتھ آگے کی طرف دھکے دے دیا۔ اس بار اس کے قدم اُٹھنے لگے۔ اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی گیند کی طرح دیوار سے جا کر ٹکرایا۔ اور دوپے سے فرش پر گر پڑا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے ناپید رہ گئے۔ اس کے سر میں بہت زور کی چوٹ آئی تھی۔ دھکے دینے والے میں بے پناہ قوت تھی۔ ”میرا خیال ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا؟“ اُنہا والا آہستہ آہستہ چپتا ہوا تیواڑی کے پاس آگیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھیلی ہوئی تھی۔

تیواڑی نے اپنی گردن اٹھائی۔ اس کے پورے بدن میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن صرف گہری گہری سانس لیتا رہ گیا۔ ”میرا نام داور ہے۔“ داور نے کہا۔ پھر داور نے طرف اشارہ کیا۔ ”اور یہ ہے میرا ساتھی عدیل۔“ تیواڑی کا خوف اور ڈر گہرا۔ پکھلے کچھ دلوں میں وہ ان دونوں کے ناموں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ ان لوگوں نے کرم چندا کو بے پناہ نقصان پہنچایا تھا۔ پورے شہر

میں ہنگامہ مہیا کر دیا تھا۔ اور آج شائد کچھ زیادہ بھی اپنے ہاتھ سے جلنے والے بھی لوگ تھے۔ اور اب وہ دونوں اس نے عدیل میں موجود تھے۔ ان دونوں نے اسے کرم چندا کو لاک کرنے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
 ”ہمارا تم سے کوئی تھکانا نہیں ہے۔“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس لیے ہم بھول جائیں گے کہ تم نے ہمارے سامنے کرم چندا کو قتل کر دیا ہے۔ ویسے تم نے اتنی پھرتی سے اپنا کام کیا کہ ہم اس کو بچا ہی نہیں سکے۔ خبر ہم چند کی کھانسی ختم ہوئی۔ ہمارا معاملہ صرف یہ ہے کہ کرم چندا باس کے کسی ساتھی نے ہمارے دو لاکھ روپے لیے ہیں۔ روپے ہمیں مل جائیں تو ہم یہ شہر چھوڑ جائیں۔ ابھی مل جائیں تو ہم بھی جانے کو تیار ہیں۔ مختصر یہ تنظیم کسی ہے اس میں کیا کر رہے۔ کرم چندا کی طرح مرے کسی نے مارا ہے۔ یہ سب ہمارا دوسر نہیں ہے۔ اب یا تو تم ہمیں دو لاکھ روپے دے دو یا پھر اس کا پتا بتا دو جس نے سواری جی کے مندر سے ہاری یہ رقم چوری کر لی ہے۔ پس ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتے۔“

تیواڑی کی آنکھیں پھٹک اٹھیں۔ اگر داور بیکہ رہا تھا تو یہ سودا اس کے لیے منہگا نہیں تھا۔ وہ دو لاکھ دے لانا لوگوں سے اپنی جان بچا سکتا تھا۔ ”کیا رقم ملنے کے بعد تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ گے؟“ تیواڑی نے اچھے اچھے چھا۔

”اور کیا؟“ عدیل بھی اس کے قریب آگیا۔ ”اور اب اس کا سرسرا نہیں ہے جو اپنی ساری زندگی گانی نہیں رہے۔ ہاں سالہ تو اس شہر میں آکر گھر رکھ دھندے میں پیش آگیا ہے۔“ ”میں تمہیں رقم دے سکتا ہوں۔“ تیواڑی اب کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی مانگیں اب تک لرز رہی تھیں۔ ”لیکن۔“ اس نے کرم چندا کی لاش کی طرف دیکھا۔

”تم اس کی نعروں کو نہ دے۔ داور مسکرایا۔ ”جب ہم نے اُسے یہ کہہ دیا کہ ہمارا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر ہمیں یہ پیشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم ہمیں رقم دو۔ تم دے چکے ہیں۔ پھر ہماری طرف سے تم جتن میں جاؤ۔ تم لاشر نہیں جانتے جاؤ۔ کرم چندا کو جتن میں بھلا گیا ہے۔“ ”شک ہے۔“ تیواڑی نے اپنی گردن ہلانے کی کوشش کی۔ ”نہیں نے نہیں لی ہے۔ لیکن اس شہر سے تم لوگوں کو دور کرنے کے لیے ہم اپنی جیب سے دو لاکھ روپے دے دے۔ ہا ہوں۔“ ”اتنا کہہ کر وہ اس صوفے کی طرف بڑھنے لگا جس پر اس کا برلیٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ لیکن اسی وقت عدیل نے آواز دے

کر کے روک لیا۔
 ”اے۔ اے بھائی۔ تم سالہ اوڑھ لگنے کو جاتا ہے۔ ادھر آؤ نا کچھ۔“
 ”کیوں؟“ تیواڑی نے جبران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ”میں برلیٹ کیس لینے جا رہا ہوں۔ یہی تو میں نے کہا۔“ ”اس باجوہ پستول بھی رکھنا ہے۔“ عدیل نے کہا۔ ”تم سالہ ادھر ہی کھڑا ہو۔ ہاں سالہ برلیٹ کیس لے کر جانا۔“ تیواڑی اپنے ہاتھوں کو جھٹک کر کھڑا ہوا۔ کرم چندا کی لاش پھلٹا ہوا صوفے کے پاس پہنچا۔ ادھر اس نے صوفے پر برکھا ہوا برلیٹ کیس اٹھا لیا۔ برلیٹ کیس بھرا ہوا تھا البتہ اس کی ایک دیوار میں کرم چندا کی چھائی ہوئی گولی نے سوراخ بنا دیا تھا۔ عدیل وہ برلیٹ کیس اٹھا کر تیواڑی کے پاس لے آیا۔ اس نے برلیٹ کیس کو اس کے قریب رکھ دیا تھا۔
 ”چلو۔“ داور نے برلیٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔ ”اب تم اپنے ہاتھوں سے دو لاکھ لے کر ہمارے حوالے کر دو۔ میں اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔“
 تیواڑی نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فون کی گزیاں نکالنی شروع کر دیں۔ پھر اس نے فون کا ایک ڈیجیٹل ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس نے داور کی طرف دیکھا۔ ”یہ دو لاکھ ہیں۔ اگر اب ہوا تو میں گن سکتے ہو۔“
 ”کوئی ضرورت نہیں۔“ داور نے فون کی گزیاں اپنی جیبوں میں مختصری شروع کر دیں۔ عدیل بھی جلدی جلدی اپنی جیبیں بھرے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد فون کی گزیاں ان دونوں کی جیبوں میں منتقل ہوئیں۔ اس دوران تیواڑی بڑی بے بسی سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس مزاج کے لوگ ہیں جو جاننے کے باوجود کہ اس نے ایک تھکن کر دیا ہے صرف اپنی رقم کے لئے اُسے چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔ تیواڑی کے خیال میں اُس نے دو لاکھ روپے دے کر بہت مستی سودا کر لیا تھا۔ اور اب وہ ان کے جانے کا انتظار کر رہا تھا کہ روشن کو فون کر کے کرم چندا کی لاش تھکانے لگا کر جائے۔
 ”اچھا۔ ہم چلتے ہیں۔“ داور نے جیبیں بھر لینے کے بعد کہا۔ ”اب تم جاؤ اور پھر ہمارے ہم لوگ جس کام سے یہاں آئے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔ آؤ عدیل۔“
 تیواڑی ان دونوں کو دوازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ دوازے کے پاس پہنچ کر داور اچانک سٹاپ کر گیا۔ ”اور ہاں۔ ہمارے اطمینان کے لیے یہ تو بناؤ کہ کرم چندا کی موت کا الزام تم پر نہیں آئے گا۔ میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسے

کچھ لوگوں نے یہاں آتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ یہ وہی اہل ہے
 بلوچ رہا ہوں کہ انہیں ہم لوگ اس کے قتل کے جرم نہ جیجے جائیں
 "ہمیں۔" اسی کوئی بات نہیں ہوئی، "تیواڑی مسکرا دیا
 "وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرایا تھا، تم لوگ بے فکر ہو۔ کچھ
 کو یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ میرے
 پاس ایک ایسا آدمی موجود ہے جو کسی کی بجلی لاش کو تری سالہ
 سے منہ کانے لگا سکتا ہے۔ یہ ایسی کسی کو فون کرنے والا تھا کہ
 تم لوگ آئے۔"

"تھیک ہے۔ اب اسے فون کر کے بتا دو کہ دو لاشوں
 کو تھکانے لگانے کا بندوبست کر لے۔" داور نے کہا۔
 "کہا۔" تیواڑی نے جبران ہو کر اس کی طرف دیکھا، "کہا
 کہہ رہے ہو۔ کون سی دو لاشیں؟"

"ایک گرم چھند کی اور ایک تھناری لاش۔" داور نے بڑے
 اطمینان سے جواب دیا، "جو کچھ نہیں بھی یہاں آتے ہوئے
 کسی نے نہیں دیکھا ہے۔"
 تیواڑی اچانک ہنسنے لگا۔ اس نے ہاتھوں کی طرح
 اس صوفے کی طرف دوڑ لگا دی جس پر اس کا پستول رکھا
 ہوا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی حسرت ہی اس کے دل
 میں رہ گئی تھی۔ داور نے اپنی جیب سے پستول نکال کر لپک
 گولی اس کی کمر پر مار دی۔ گولی کھا کر وہ اچھلا اور گرم چھند
 کی لاش پر گر پڑا۔ داور کی ماری ہوئی دوسری گولی نے
 اس کی گردن میں ایک سوراخ بنا دیا تھا۔ فائل اور مقول
 دوڑوں ہی ایک جڑ پڑے ہوئے تھے جبکہ داور کی آنکھیں
 ابھی تک دھک رہی تھیں اور ان آنکھوں میں نفرت اور غصے
 کے لاؤ روٹھ تھے۔

رنگھنا تھنے پہاڑی اور خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا
 اس کے مزاج کی یہ تبدیلی نہایت جبرست انگریزی۔ وہ ہاتھوں
 پر مسکون ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے بے نیازی کی
 چادر اوڑھ رکھی ہو۔ داور کا خیال تھا کہ گرم چھند کی موت کی خبر
 شاید اسے متحک کر دے گی۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ داور نے
 تیواڑی کو ہلاک بھی اسی کے لیے کیا تھا۔ اب رنگھنا تھنے لگنے
 میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دوبارہ اپنی تنظیم کا سربراہ بن سکتا
 تھا۔ لیکن اس کی دلچسپی ہی ختم ہو گئی تھی۔ اسے اب براہ نہیں
 تھی کہ اس کی تنظیم کا کیا حشر ہوتا ہے۔ چند دنوں میں اب وہ
 دوسرا آدمی بن گیا تھا۔

"قواب تمہیں کون سے پاس جاؤ گے؟" داور نے جبران ہو کر پوچھا، "تم
 کہاں رہو گے؟"

"اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"
 رنگھنا مسکراتے ہوئے جواب دیا، "میں اپنی بیٹی کے ساتھ
 رہوں گا۔ اس کی دلچسپی بھال کر رہوں گا۔"

"کون بیٹی؟" داور نے جبران ہو کر پوچھا۔
 "بارونی۔" رنگھنا نے جواب دیا، "اوشا کی موت کے بعد
 اب وہی میری بیٹی ہے۔"

"ہاں۔" بارونی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی
 نے انہیں اپنا چٹا سامان مان لیا ہے۔ اب یہ میرے ساتھ ہی
 رہیں گے۔" رنگھنا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی
 "چلو چلی ہوئی باس۔" عبدال نے ایک گہری سانس لی
 "بس اپنی سالانہ فیسٹر کے وہ گیا ہے۔ اسے اپنی کو قواب
 کوئی اپنا باپ بھی نہیں بنانا۔ لکھا جند گاڑی زل زل کے چوڑا
 ہے۔"

عبدال کی بات سن کر وہ سب ہنس پڑے۔ داف کا اب
 اس شہر میں کا ختم ہو گیا تھا۔ انھوں نے اپنی راج محل کی
 تھی۔ اور اس کے لیے بہت ہنگامہ کرنا پڑا تھا۔ داور لگاتے
 ہنگاموں کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی رقم کی
 ہوئی ہوگی اور وہ اگر حاصل کرے گا۔ لیکن یہاں نہ چلنے لگا
 ہو گیا تھا۔ ہر حال رقم اس کی جیب میں تھی۔ اور اس کی مدد
 کچھ دن آرام سے گزارے جاسکتے تھے۔ اس نے عبدال کے انکار
 کے باوجود اس کے حصے کے ایک لاکھ روپے اس کے حوالے
 کر دیے تھے۔ وہ حساب کتاب کے معاملے میں کسی قسم کی ہمت
 یا تکلف وغیرہ کا قائل نہیں تھا۔

بارونی نے ان لوگوں کو دھارون روکنے کی کوشش
 کی۔ وہ اس دوڑ میں ان لوگوں سے بہت محفل مل گئی تھی۔ اس
 کی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی بڑا غلام ملکہ
 نہیں کیا تھا۔ وہ اس طرح اس کے گھر پر رہے تھے جیسے یہاں
 رہتے ہوں۔ رنگھنا تھنے تو اسے بدنی بیٹی ہی بنا لیا تھا۔ اور
 بارونی کو اس وقت محسوس ہوا کہ جب مجبوریاں ایک بیٹی
 ہوں تو انسان ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ ہر حال
 ان لوگوں نے بارونی اور رنگھنا تھنے سے معذرت طلب کی اور
 سے چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے لیے سب سے مشکل مرحلہ
 شہر سے نکلے کا تھا۔ ان لوگوں نے اس شہر میں جتنی حرکت کی
 تھی اس کی وجہ سے پورے شہر کی پولیس انہیں تلاش کر رہی
 تھی۔ ان پر مختلف الزامات بھی لگا دیے گئے تھے اور شہر کا
 ہر پولیس والا ان کا دھن ہو رہا تھا۔ ریل سے چلنے کا سوال
 ہی نہیں پیدا ہو رہا تھا۔ چھاپے سے ان دوڑوں کے چہرے
 لیے تھے۔ وہ اس شہر کا میٹر تھا۔ اس نے یقیناً پولیس والوں

ہوئے اسیشن پر تعینات کر دیا ہوگا۔ دوسری طرف بس اسٹینڈ
 ریج خطہ تھا۔ اگر ان خطوں سے نشانہ داور کے لیے مشکل
 نہیں تھا۔ لیکن وہ بیکسری میں بدشتقا اور مار دھاکے اسے اس شہر
 سے نکل لینا چاہتا تھا۔ اس کا کام ہو گیا تھا۔ اسے اب اس شہر
 سے کچھ نہیں لینا تھا۔ ان کی پیشگی یاد دہانی نے اپنی گاڑی سے
 سامان کر دی تھی۔ وہ بھی ایسے مزاج کی عورت تھی کہ داور اور
 بدل آ پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ایک طرف قواب
 نے اپنے شوہر کو ہلاک کر دیا تھا اور دوسری جانب وہ اتنی نرم
 ل تھی کہ اس کے لیے گھنٹوں روٹی رہتی اور کوئی بھی اندازہ
 ہو گیا تھا کہ انسان کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔

گاڑی منے کے بعد ان دوڑوں کا کام آسان ہو گیا تھا۔
 ویس بس اور تین کے مسافر فون میں ان دوڑوں کو تلاش
 رہتی اور یہ لوگ گاڑی کے ذریعے کسی اور راستے سے نکل
 جاتے۔ یہ دوڑوں کی ان بارونی کی گاڑی سے گزرتی تھے۔ کچھ
 رداں ہو گئے۔ معمول کے مطابق ڈرا بونگ داور نے سفالی۔
 جبکہ عبدال اس کے برابر بیٹھا تھا۔ اس وقت ان دوڑوں کے
 پاس اچھی خاصی تعداد میں اسٹریچر موجود تھا اور بارونی نے
 چلنے وقت کھانے پینے کا بہت سا سامان بھی گاڑی میں ڈھیر
 کر دیا تھا۔

داور نے راستے میں ایک دکان چھوٹ والی بڑی سی
 بیٹ خریدی۔ عبدال نے دھوپ کا ایک چتر لے لیا تھا۔ اس
 معمولی سی تبدیلی سے وہ دوڑوں اپنے آپ کو چھپاؤ نہیں سکتے۔
 لیکن کسی حد تک بات بن گئی تھی۔ راستے میں ایک پیٹرول پمپ
 سے انھوں نے ابھی گاڑی میں پیٹرول بھروایا اور داور نے
 گاڑی کو اس سڑک پر دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ انھیں پونا سے
 باہر لے جاسکتی تھی۔ اس نے گاڑی کی رفتار بہت بڑھائی تھی
 عبدال اس کے برابر بیٹھا ہوا تین یگانے گاڑا تھا۔ اور ان
 کو دھڑکی کہبت دلوں کے بعد اس کی جیب میں ایک لاکھ
 روپے آئے تھے۔

"ابن کی سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہا ہے۔" عبدال نے
 گانا بند کر کے داور کی طرف دیکھا، "تم سالاس تیواڑی کو کوہوں
 میں ناک کر دیا۔ ابن کا اس سے کوئی انفرادی نہیں تھا۔"
 "میں نہ جانے کیوں ان آدمیوں سے بہت نفرت کرتا ہوں
 آیا ہوں جو کسی کو دھوکہ دیتے ہیں۔" داور نے کہا، "یہ تیواڑی
 بھی غدار تھا۔ اس نے اپنے پاس گرم چند کو دھوکا دیا پھر دھوکہ
 دے کر اسے گولی مار دی۔ تم تھیک کہتے ہو کہ ہمارا اس سے
 کوئی تھکرہ انہیں تھا لیکن اس کا دھوکہ دینا مجھے پسند نہیں آیا۔"
 "ہاں۔" ابن دوڑوں کو جیسے کوڑھ لگا ہوا ہے۔" عبدال نے

اپنا منہ چلایا۔ کسی کا چوٹا اچھا نہیں ہوا تو اس کو گولی مار دیا
 کسی کا دھوکہ اچھا نہیں لگا تو اس کو چھتا کر دیا۔ کیوں؟
 داور نے اس کی بات سن کر کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف مسکراتا
 رہا تھا۔ اب ان کی گاڑی سڑک کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی
 جہاں آبادی بہت بچھری ہو گئی تھی۔ اکاؤ کا مکاناں دکھائی
 دے رہے تھے۔ اور ان مکانوں کے درمیان دو رنگ بلبھائی
 ہوئی تفصیلی تھیں۔ جہاں دو چار کسان روایتی بٹوں کے ذریعے
 زمین کو ہموار کرنے میں مصروف تھے۔ ابھی تک کسی نے ان کا
 راستہ نہیں روکا تھا۔ ان کے لیے سب کچھ تھیک تھا۔ قمران کی
 جیبوں میں بھی اور وہ اپنے شہر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ ان
 دھڑاؤوں کے بعد ہی یہ ہم بالا خر کا سباب ہوئی تھی۔
 اس سڑک پر گزرا بہت کم چل رہی تھیں۔ اکاؤ کا
 بیل گاڑیاں دکھائی دے جاتیں۔ با پھر کوئی لاری اپنا تیز ران
 بھانے ہوئے سامنے سے نمودار ہوئی اور ایک زوردار آواز
 کے ساتھ ان کی گاڑی کے برابر سے گزرتی تھی۔ اس کے بعد
 سڑک پر پھر سہارا ہوا تھا۔ لیکن یہ دیرانی زیادہ تک بحال
 نہیں رہ سکی۔ سڑک پر ایک تریچر اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ اس
 نے پوری سڑک کو گھیر رکھا تھا۔ اور گاڑی کو ٹکرائے جانے لگی
 کوئی راستہ نہیں تھا۔ قریب قریب ٹھہرے ہوئے داور نے اس تریچر
 کے قریب گاڑی روک دی۔ اس میں دواؤں بیٹھے۔ ایک
 ڈرا بونگ اور دوسرا اس کا ساتھی۔ ان دوڑوں نے ایک نگاہ داور
 کی گاڑی کی طرف دیکھا۔ پھر آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے۔
 "اوسے۔ یہ کیا بیہودگی ہے۔" داور نے آواز لگائی، "ہاؤ
 ٹریچر؟"

داور کی آواز سن کر ڈرا بونگ کا ساتھی تریچر سے نیچے اُٹھا
 اور داور کی کار کی کھڑکی کے پاس آ کر گولا۔ "کیا کرس صاحب۔
 تریچر چل ہی نہیں رہا ہے۔ چھٹس کرہ گیا ہے۔"
 "تو اس سال تریچر کو تھکا ایک سالہ لالہ دو۔" عبدال نے
 کہا، "ابن سالانہ بہت جلدی میں ہے۔ تاہم نہیں ہے ابن کے پاس
 "میرا ساتھی کو کھٹس کر رہا ہے۔" داور نے کہا، "اس آدمی نے تریچر
 "ابھی تھیک ہو جائے گا۔ اب گتہ نئی ممبر کریں؟"
 داور اب تریچر پر دوڑوں ہاتھ رکھ کر تریچر کی طرف دیکھنے
 لگا۔ جب کہ ڈرا بونگ بھی تھک کر تریچر کے کمرے میں آ گیا ہوا
 تھا۔ جبکہ ڈرا بونگ کا ساتھی تھکا ہوا ایک طرف چل گیا تھا۔ پھر
 داور نے دیکھا کہ تریچر نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور کچھ پیچھے ہٹے
 لگا۔ ڈرا بونگ اس تریچر کو ایک طرف کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسی
 وقت وہ ہو گیا جو داور کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔
 ڈرا بونگ نے تریچر کو ریورس میں کر کے اچانک ہی اس

کی رفتار مڑی تھی اور اس سے پہلے کہ دادرانی کاڑی کو سنبھالنے کی کوشش کرتا وہ تریکڑ پوری آواز کے ساتھ کایہ کرتا تھا۔ دادرانی نے بیچ کر عدل کو بلکا اور بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے کر لیے۔ اس کے منہ کی تیشوں کی کرچیاں اس کے ہاتھوں سے ٹکرائیں اور اس کے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے۔ اُسے یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ عدل کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس نے عدل کی چیخ مٹی مٹی۔ وہ چھوٹی نازکی کاڑی تریکڑ کی تیر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ آگے سے چپک کر رہ گئی۔ دادرانیوں غموس ہوا جیسے اس کے سینے پر کوئی چٹان رکھ دی گئی ہو۔ اس نے بوکھلا کر اپنی سانسیں بند کر لیں۔ اپنے دونوں پیروں کو سیکڑ کر کیت سے نکلنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت ایک عجیب سا دھواں اس کے گھٹنوں میں بھرنے لگا۔ اس دھوئیں میں بے پناہ جلن تھی۔ اُسے ایسا غموس ہوا جیسے اس کے سینے میں پتھر ہیں بیرونی بیرونی تھی ہوں۔ یہ دھواں تریکڑ کی ٹخسے کی بجائے میں پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کا سبب کچھ اور تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ دادرانی دھوئیں کے سبب پر غور کر سکتا یا وہ دیکھ سکتا کہ دھواں کہاں سے نکل رہا ہے۔ اس کا ذہن غنودگی میں ڈوب جاتا تھا۔

سینڈو کے بلے بڑے شرم کی بات تھی کہ وہ اس دادرانی آدمی سے مار کھاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب دادرانی کے سامنے آئے گا تو وہ اُسے با آسانی شکست دے دے گا۔ ادویہ سب کچھ کرم چند کی دادرانی ہیں ہوگا جو کچھ اس نے کرم چند کا ٹک کھایا تھا۔ لیکن اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ نہ صرف اور سے شکست کھا جائے گا بلکہ کرم چند اس کی ہر ہوا بھی نہیں کرے گا۔ اس کے لیے بہت بڑی بات تھی کہ کرم چند نے اس کے آپریل ورسینڈو پر تیر سب سے دھی اور اس کے سامنے اس نے سینڈو کو بڑھا لیا تھا۔ اس کے باوجود سینڈو کے دل میں اپنے باس کو کم نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس داور سے نہیں اور نہ کسی ایسی جگہ پر جہاں کرم چند نہ پہنچ سکے۔

سینڈو کو بے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا باس بھی اس آدمی سے اتنا غریب یا خوف زدہ ہے کہ وہ اس داور کے ٹکے پر فوراً ہی چل پڑتا ہے۔ اے ایسے اس کے خیال میں داور پر ہاتھ ڈالنے کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ کرم چند کی ٹرائی کی جائے یہ دیکھا جائے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ کس وقت جاتا ہے۔ وہ اس طرح چھپ چھپ کر اپنے باس کی ٹرائی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن

اس کے ساتھ ایک انجین بھی تھا کہ اُسے داور کے تھکے کا ہم نہیں تھا۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ وہ اور اس کا سامنی دونوں اپنا اُسے ہوتے ہیں لیکن اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں کہاں جہتے ہوتے ہیں اور اس کے انداز کے مطابق تھا کہ اس کا باس کرم چند بھی یہ نہیں جانتا تھا۔ اسی لیے اس نے کرم چند کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اُسے اپنی لگا ہوں سے موصول نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ پھر دوسری ہی رات سینڈو کو اندازہ ہو گیا کہ کرم چند کی داور سے ملنے کے لیے جا رہا ہے۔ اس کی دوجہ بھی کہ جب کرم چند اپنے کام کے سلسلے میں نہیں جاتا تو اس کے ساتھ کچھ لوگ بھی ہوا کرتے۔ یہ لوگ اس کی تنظیم ہی سے تعلق رکھتے تھے لیکن اُس رات جب سینڈو نے کرم چند کو اپنے ہی ہاتھ پر دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنک اُٹھا۔ کرم چند نے کوئی ڈنڈہ بھی اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ سینڈو نے کرم چند کو گالی چلائے ہوئے بہت کم ہی دیکھا ہوگا۔ اور آج ہی وہ خود ہی گاڑی چلائے والا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سینڈو کے خدشات اپنی جگہ درست تھے۔

کرم چند کے پاس اس کی اپنی مخصوص گاڑی کے علاوہ اور بھی کئی گاڑیاں موجود تھیں۔ جو کوئی بھی میں کھڑی ہیں اور اس کے ملازمین کے کام یا کر تیش۔ سینڈو کو بھی اس نے ایک عدد چھوٹی سی گاڑی دے رکھی تھی۔ سینڈو نے اس گاڑی کے وسیلے کرم چند کا تعاقب شروع کر دیا۔ شاید کرم چند یہ احساس بھی نہیں ہو سکا ہوگا کہ کوئی اس کے تعاقب میں لگا ہوا ہے۔ کرم چند کی گاڑی جس راستے پر جا رہی تھی وہ سینڈو کے لیے اجنبی نہیں تھے اور اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس کی گاڑی کا رخ تیراڑی کے گھر کی طرف تھا۔ سینڈو پہلے ایک بار کرم چند کے ساتھ اس طرف آچکا تھا۔

اس نے دیکھا کہ کرم چند نے اپنی گاڑی تیراڑی کے مکان سے بہت آگے روکی تھی۔ اور وہاں سے پیدل تیراڑی کے مکان کی طرف آ رہا تھا۔ اس دوران سینڈو نے جری ہوشیاری سے اس پر نگاہ رکھی تھی۔ اس نے کرم چند کو اپنی موجودگی کا بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کرم چند تیراڑی کے مکان میں داخل ہو گیا تھا۔ سینڈو نے مکان کی طرف نگاہ رکھی۔ لیکن وہ خود اندر نہیں گیا۔ اُسے اب باہر رہ کر دیکھا تھا کہ کرم چند اس کے خیال کے مطابق تیراڑی کے مکان پر دادرانی کرم چند کی ملاقات ہونے والی تھی۔ اور دادرانی ایک انجین لگا تھا۔ اس نے سہجہ لیا تھا کہ آج داور سے کرم چند کی ملاقات ہونے لگی۔ اس سے پہلے کہ داور تیراڑی کے مکان میں داخلہ

وہ دادرانی ہلاک کر دے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنا پستول بھی اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ وہ تیراڑی کے مکان کے سامنے چل رہا تھا کہ داور کے آگے کا انتخاب کرنا رہا۔ لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو اُسے اپنے اندیشہ پہ بنیاد دیکھانی دینے لگے۔ ہو سکتا تھا کہ کرم چند کسی اور ہی جگہ میں اس طرح بڑا اسرار طے کر رہا ہوگا۔ اس کے باس کے تیراڑیوں دھندلے تھے۔ بہت غلغلہ تھا کہ وہ اپنے کار پروگرام ہی نہ ہو۔ سینڈو نے یہاں آکر غصے اپنا وقت ضائع کیا۔ وہ اسی اندیشہ میں تھا کہ اس نے تیراڑی کی گاڑی بھی روک رکھی تھی۔ تیراڑی بھی اپنی گاڑی میں ایک ہی ایسا تھا۔ سینڈو تیراڑی کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ اس کے باپ کا خاص آدمی تھا۔

اس نے دیکھا کہ تیراڑی بھی اپنی گاڑی سے اُتر کر مکان کے اندر چلا گیا تھا۔ تیراڑی کے جانے کے بعد جب سینڈو باہر سے کھڑا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر اس منٹ تک داور وہاں نہیں آتا تو وہ واپس چلا جائے گا۔ لیکن دس منٹ گزرتے پہلے ہی تیراڑی کے مکان سے گولی چلنے کی آواز مٹی ایس آواز کو سن کر سینڈو کے سینے پر ہوا۔ اور اسی وہ مکان کے اندر جانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ دوسری گولی کی آواز بھی گونجی تھی۔ سینڈو اب خوفہ قلاو نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنا پستول اپنے ہاتھ میں لیا اور تیراڑی کے مکان کی کھڑک دوڑ لگا دی۔ اسی وہ اس کے مکان سے کچھ ہی فیصلہ پر کھڑا ایک کسی چیز سے اُچھڑ کر گر پڑا۔ اندر سے اس کے ہرے نہیں چل سکا تھا۔ وہ رکتا ہوا کچھ دور تک چلا گیا تھا۔ اور اُسے اپنی خاموشی جو پیش بھی آئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اُسے اتنا غصہ نہیں ہو سکا تھا۔ ایک دم ہی سے دو تین آدمی نہ جانے کہاں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان آدمیوں نے سب سے پہلے تو اس کے پستول کو اپنے قابو میں کیا پھر اُسے قابو میں کر لیا۔ اس نے ان آدمیوں کی گرفت سے نکلنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس کام میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے دھڑا دے دہریں اُسے پس کر کے رکھ دیا تھا۔ اور سینڈو کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اتنا غریبی کی چیز سے اُچھڑ کر نہیں کر سکتا تھا کہ جان بوجھ کر اسے گرا لیا تھا۔ اُسے پس کرنے والے پستولوں کی نشان کستے ہوئے اُسے مکان کے اس حصہ میں اس طرف پیچنے لائے جس طرف روشنی بہت کم تھی۔ روشنی کم ہونے کے باوجود سینڈو نے ان

کے چہرے دیکھ لیے تھے۔ وہ سب اس کے لیے اجنبی تھے۔ یہ پستولوں کی طرح سخت چہروں والے لوگ تھے اور اُسے جس آدمی کے سامنے لاکھڑا کیا گیا تھا وہ بھی سینڈو کے لیے اجنبی تھا۔ اس آدمی کا عیلا لیا تھا جیسے وہ کسی دعوت میں آیا ہو۔ اُس نے ایک بیش قیمت سوٹ پہن رکھا تھا۔ اور اس کے ہونٹوں سے ایک موٹا سا سگا دو با ہوا تھا جس کی چنگاری گاہے گاہے شعلہ مٹتی تھی۔

"کون ہے یہ؟" اُس آدمی نے سینڈو کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے آدمیوں سے پوچھا۔ "یہ تو کس کو کچھ لائے ہو؟" "جناب یہ مکان میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا" ان میں سے ایک نے بتایا۔ "اس کے پاس سے ایک پستول بھی برآمد ہوا ہے"

"بہت خوب ہے" اُس آدمی نے سگار کا ایک طویل کش لیا۔ "مار دھاڑے بیٹو اور آدمی معلوم ہوتا ہے۔ دجلے آج کل لوگوں کو کہا ہوتا جا رہا ہے۔ جسے دیکھا جی نہیں ہیں پستول لیے غموم رہا ہے اور ایک ہمارا زمانہ تھا کہ جب میں قلم تراش بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بہر حال کون ہوئے؟" اس نے سینڈو سے پوچھا۔ "تم اس مکان میں کیوں داخل ہو رہے تھے؟"

"تم کیسے آدمی ہو؟" سینڈو نے جہت سے پوچھا۔ کیا تم نے اس مکان سے گواہ چلنے کی آواز دی نہیں تھیں میرا باس اس مکان میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی مہمیت میں پھنس گیا ہے۔ اس لیے میں آئے دیکھنے جا رہا تھا کہ مختارے آدمیوں نے مجھے اس طرح گھیر لیا۔

"کون ہے تمھارا باس؟" اس نے درہانت کہا۔ "کرم چند" سینڈو نے جواب دیا۔ "لیکن تم کون ہو؟" "میں ماہر جرمیات ہوں۔ اس نے سگار کا پھر ایک کش لیا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اتنا مشکل لفظ نہیں سمجھتے ہو گے بہر حال صرف اتنا جان لو کہ میں تم اور تمھارے باس جیسے آدمیوں کو جرم کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں بس یہی میری تفریح ہے۔ مجھے اس میں بہت مزا آتا ہے۔"

سینڈو حیرت سے اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا کہ اس کی باتیں کچھ میں نہیں آتی تھیں۔ وہ اس وقت اپنے ہاں کی مدد کے لئے تیراڑی کے مکان میں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن معیبت یہ تھی کہ اس آدمی کے ساتھیوں نے اسے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اور سمجھوں کے ہاتھوں میں دلو اور تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی صورت سے شریف نہیں معلوم ہوتا تھا

ان میں سے ہر ایک کے تصور یہ بتا رہے تھے کہ اگر اس نے خدا
بھی کوئی حرکت کی تو اسے کوئی مادہ دینے میں بھی کسی کو نہیں
کہیں گے۔ وہ شخص جس نے اپنے آپ کو ماہر جرمیات کہا تھا
اب اپنا اودھ جلا کر ایک طرف بھینک کر اودھ دھڑیلے لگھا
پھر سینڈ وٹے ایک آواز دی کہ آتے ہوئے دیکھا۔ وہ
تیز رفتروں چلتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا جہاں یہ لوگ کھڑے
ہوئے تھے۔ اس کی آہٹ پا کر وہ باس اس کی طرف توجہ
ہو گیا تھا۔

”کام ختم ہو گیا ہے، جب اس نے قریب اگر اس آدمی کو
فی طلب کیا تو دلائیں بڑی ہوتی ہیں۔“
سینڈ وٹے کس کو پوچھ کر پڑا۔ وہ دلائیں کس کی ہو سکتی
تھیں کہیں اس کا باس تو انہیں سارا گیا۔ وہ بے بسی سے اپنے
ہونٹ چبلے لگا۔ وہ دلائیں کو دیکھنے کے لئے جا بھی نہیں
سکتا تھا۔

”بہت خوب، اس آدمی کی بات سن کر اس باس نے
گردن ہلائی، ”کس نے کس کا کام تمام کیا؟“
”پہلے نے دوسرے کو مارا پھر دوسرے کو تیسرے نے مار
دیا۔ اس آدمی نے جواب دیا۔

”اوہ! باس چونک بڑا۔ اور وہ تیسرا کہاں ہے؟“
”وہ اور اس کا ایک ساتھی تو کچھ طرف سے نکل لئے ہیں
باس! آئے والے نے بتایا۔

”اے وقوف! باس دھڑلے لگا۔ انہیں جلنے کیوں دیا
اب یہ کیسے معلوم ہو گا کہ وہ لوگ کہاں سے آئے تھے۔ کون تھے
اور کہاں چلے گئے“

”سب معلوم ہو جانے کا کار کا آئے والے نے جواب دیا
تمہیں نے اپنا ایک آدمی ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا ہے؟“
”یہ بات ہوئی نا ماہر جرمیات نے اپنے وائٹ نکال
لئے۔ وہ یہ سن کر بہت خوش معلوم ہو رہا تھا کہ تم کو کوئی کوئی
طرح کام کرنا چاہیے۔“

”بھگوان کے لئے مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔ سینڈ وٹے رشوت
نہیں ہوا۔ وہ چیخ پڑا۔ میرا باس کیسا ہے کس نے کس کو مار
دیا ہے؟“

اس آدمی نے الجھی ہوئی لگا ہوں سے سینڈ وٹے طرف
دیکھا۔ پھر اس آدمی سے فی طلب ہوا جس نے یہ خبر سنائی تھی۔
اک وہ قادرا آدمی کو بتا دو کہ اس کا باس کیسا ہے۔ یہ چارہ بہت
دیر سے برلین میں ہو رہا ہے۔ میں نے اسے وفادار لوگ بہت کم
دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ شخص میرے ذخیرے میں ایک نایاب
اضلاع ثابت ہو گا۔

سینڈ وٹے کو اس کی برادہ نہیں تھی۔ وہ اس آدمی کی طرف
توجہ تھا جس نے خبر سنائی تھی۔ ہاں بتاؤ کیا ہو میرے باس کے
ساتھ؟ اس نے بول دیا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان دونوں میں سے کونسا تمہارا باس
تھا؟ اس آدمی نے کہا: ہر حال اس مکان میں دو آدمی تھے ایک
وہ پہلے سے موجود تھا اور دوسرا تو اس آقا تھا وہ دونوں میرا بیٹے
گئے پہلے والے کو مار دیا۔ اور میں اس آقا کے ساتھ تھیں
لے ہلاک کر دیا۔ چاہئے ساتھی کیسا تھا پہلے سے اس مکان میں چھپا
ہوا تھا۔“

سینڈ وٹے سمجھ میں ساری کہانی آگئی۔ اس کا باس
تو آدمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اور تواری کو دوا دے مار دیا
تھا۔ اور خود بھاگ گیا تھا کرم چند کے مرنے کی خبر سے سینڈ وٹے
کو نہ تھا کہ دیا۔ اس کا کرم چند کے سوا کوئی بھی نہیں تھا اس
نے کرم چند کو بہت کچھ سمجھ رکھا تھا۔ اس کی وفاداری اور
اس کے طعوض کے سارے جذبات کرم چند کے ارد گرد گھومتے
تھے۔ اور اب کرم چند ہی نہیں رہا تھا۔

”غریب! اس آدمی نے آواز لگائی۔ ”اب ہمیں واپس
چلنا ہے۔“ پھر اس نے سینڈ وٹے طرف دیکھا۔ ”اور تم بھی میرے
ساتھ چلو گے۔“

”نہیں! میں نہیں جاؤں گا تمہارے ساتھ۔ سینڈ وٹے
کہا: تم مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے اپنے ساتھ کیوں لے جا رہے ہو؟“
”میں جس کو اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش رکھتا ہوں۔
اسے ہر حال میں چلنا ہی پڑتا ہے۔ چاہے وہ لاکھ لاکھ کرے
میری یہ خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ چلو گے۔ اور ویسے
بھی اپنے باس کے مرنے کے بعد تم پریم ہو گئے ہو۔ کوئی تمہارا
ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ اسی لئے میں تمہارے سرور و محبت
بھرا ہوا تھا کہنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں تم زبردستی مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔“
سینڈ وٹے اس کی بے مٹی باتیں سن کر کھٹکھٹا گیا تھا۔ چاہے تم
کچھ بھی کرو۔“

”تمہاری مرضی؟ اس آدمی نے ایک گہری سانس لی
سینڈ وٹے کے پاس کھڑے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھ کر کہہ
ہلا دیا۔

اس کے ہاتھ کا اشارہ پانے ہی اس نے سینڈ وٹے پر گولی چلا
دی۔ سینڈ وٹے بھی کھٹکھٹا کہ اس پر گولی چلائی گئی ہے۔ کیونکہ
اس آدمی نے ریلوے کارخانہ اس کی طرف کرتے ہوئے تیز چل رہا
تھا۔ لیکن کوئی نہیں مٹی تھی بلکہ ریلوے کارخانہ کے ایک سوئی تھی
اور سینڈ وٹے کمر میں پرست ہوتی۔ وہ لوگ مارا کر دو قدم پیچھے ہٹ

لیا۔ وہ سوئی اس کے لباس کو چیرتی ہوئی اس کی کھال میں پرست
ہو کر پشت میں اتر گئی تھی۔ سوئی چھینے کی تکلیف زیادہ تو نہیں
تھی۔ لیکن ہچک اس کی نگاہوں کے سامنے دھندلی چھانے لگی۔
یہ دھندلا چھائی ہوئی چھائی۔ یہ بہت ہی عجیب دھندلی چھائی جس کے
مذاورہ فتنوں کے لئے اس کے حلق میں اترنے لگی تھی۔ اس نے
ٹھہر کر دیکھا کہ گہری سانسیں ہیں۔ لیکن اس دھندلے اس کے
دین کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر اس کی سانس اٹھ گئی اور وہ
زمین پر گر کر ہو گیا۔

اسے ایک ایسے کمرے میں ہوش آیا تھا جس میں فرخز نام
کی کوئی چیز بھی تھی صرف ٹھنڈی اور سپاٹ دیواریں تھیں۔ اور
ان دیواروں کے درمیان سلاخوں والا ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔
اور اس دروازے سے باہر ایک برآمدہ دکھائی دے رہا تھا اس
وقت اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ہوش میں آنے ہی
سینڈ وٹے پر کھڑے گیا۔ اس کا سر اٹھی تک بھاری ہوا تھا۔
بشکل تمام وہ کھڑا ہوا اور دیر لگا کر سہارا لیتے ہوئے سلاخوں
دلے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں سے اس نے کسی کو نہ تو
کرنے کے لیے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ اس کی پیچھے پکارا کہ آؤ
فوری ظاہر ہو۔ پھر اس کے پاس سے کمرے میں تھیں اس کی آہٹ بھری اور ایک
آدمی دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ چھوٹے قد کا ایک بڑی
تھا جس نے دھار بدلہ لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس کے سر پر ایک
بال بھی نہیں تھا۔ اس نے گول فریم کی عینک پہن رکھی تھی جس
کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت ٹھنڈی معلوم ہو رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اس آدمی نے سینڈ وٹے طرف دیکھے ہوئے
بول دیا۔ ”کیوں شور کر رہے ہو؟ اترتی کیوں ضائع کرتے ہو؟“
”انہی کے بچے۔“ بولے۔ ”یہاں کیوں بند کیا گیا ہے؟“ سینڈ وٹے
ٹھٹھے سے دہرایا۔
اس کی دہرائی سن کر وہ آدمی جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔
اس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ ”باپ! بے باپ!“
وہ بڑھاپا۔ ”کیوں تو بہت سیریں معلوم ہوتا ہے۔ ابھی تک
اس شخص کے مزاج سے عقیدہ نہیں ہوا ہے۔ ایسے لوگ تو
معاشرے کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔“
”معاشرے کی اولاد؟“ سینڈ وٹے سلاخوں کو زور زور سے
بلا شروع کر دیا۔ ”میں پوچھتا ہوں کہ یہاں کیوں بند کیا گیا
ہے۔ بتاؤ کیوں بند کیا ہے؟“

لیکن اس آدمی نے کچھ نہ بولنے کے بجائے ایک طرف دوڑ
لگا دی تھی۔ سینڈ وٹے نے اس سے اپنا سر سلاخوں سے گھرانا شروع
کر لیا۔

۴

داوڑ نے محسوس کیا جیسے اس کے سر پر برف کی سیل لگی
ہوئی ہے جو رفتہ رفتہ پھیل رہی ہے۔ برف پانی کی صورت میں
قطرہ قطرہ کر کے گرنے لگی ہے۔ اور اس کا پورا جسم اس پانی سے
بھیک گیا ہے۔ برف کا پانی لے اپنا سر دھوا۔ اس نے سردی
کے احساس سے بچنے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں پکھڑے چاہے
لیکن اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کو باندھ دیا گیا
ہے۔ اس نے انہیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن شاید اس
برف کی سیل نے اس کی ہڈیوں کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ اسی لیے
کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں کھلی نہیں تھیں۔ اس نے پھر
عبدل کو آواز دی۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس کی آواز اپنے اختیار میں تھی۔
وہ بول سکتا تھا۔ وہ سوج بھی سکتا تھا۔ وہ عبدل کو آواز دینا
رہا۔ لیکن عبدل کا جواب سنائی نہیں دیا۔ نہ جلنے کے وہ کہاں چلا
گیا تھا۔ اگر وہ یہاں موجود تھا تو اسے داوڑ کا جواب دینا چاہیے تھا۔
لیکن اس کی طرف سے خاموشی رہی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اسے ابھی
تک ہوش ہی نہ آیا ہو۔ وہ جانہ تھی تو بہت شدید تھا۔
داوڑ اس حادثے کے بارے میں سب کچھ یاد تھا۔ اس
طرح وہ ایک ٹریکٹر کو سڑک پر دیکھ کر کہ ایک تھا اس طرح پھر
اس ٹریکٹر نے بارونی کی دی ہوئی گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ اور وہ
دونوں اس گاڑی میں جھس کر گرے تھے۔ پھر ایک عجیب قسم کے
دھوپی نے انہیں اپنے ہتھار میں لے لیا تھا۔ اور شاید اس دھوپی
کا ہتھار داوڑ سے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی دھوپی نہیں آ رہا
تھا کہ سب کیوں ہوا تھا۔ کس نے کیا تھا۔ یہ حرکت پولیس کی تو
نہیں ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ پولیس والوں کو ایسی بیڑی ساز کرنے
کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو یوں لگاں ان دونوں کو گیر تھے۔ پھر یہ
حرکت کسی کی ہو سکتی تھی۔ اور کیوں۔

اس نے سوچنا ترک کر دیا۔ جو کچھ بولنے والا تھا وہ ہر حال میں
سائے آئی جاتا۔ اسی لیے سوچ کر اپنے دماغ کو خفکھانے کا کوئی فائدہ
نہیں تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے سر پر برف کی سیل لگی
رہل قطرہ قطرہ کر کے پھیل چکی تھی۔ اور اس کی ہڈیوں پر بھی کوئی بوجھ
محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ پاؤں ابھی تک بندش
میں تھے۔ اس نے پلکیں کھولنے کی کوشش کی اور اس کی پلکیں
کھلی گئیں۔

اس کے صرف ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ جب کہ اس
کی گردن کے گرد کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ بڑی آسانی سے اپنی گردن کھٹا
سکتا تھا۔ اس نے اپنے سر پر برف کی سیل محسوس کی تھی تو ایسی
بوجھ کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ صرف اس کا احساس تھا۔ اس کا جسم بھی
بھیک ہوا نہیں تھا۔ وہ اپنی گردن کھٹا کر جو کچھ دیکھ سکتا تھا وہ ایک

۵

اجنبی منظر غلط وہ ایک کمرے میں بند تھا۔ اس کمرے میں صرف ایک ہی بستر تھا جس پر اسے لٹا کر باندھ دیا گیا تھا۔ اس بستر کے علاوہ اس کمرے میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ سامنے سلاخوں والا ایک دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔

اس جی کچھ میں اب تک اس وقت کسی کی ذاتی قیدیں غلط پولیس والوں کے یہاں اس قسم کا کوئی اصول ہو کر نہ تھا۔ پولیس عدل بھی ایسی قسم کے کسی کمرے میں بند ہوگا۔ لیکن اس طرح سے قید کرنے والا کوئی ہو سکتا تھا۔ اس کو قید کرنے کا کیا موقع تھا؟ یہیں رہ کر کے بے لوث سے قید نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بات بھی اس کے حق سے نہیں آتھی۔ اگر نہ کہ بے یہ سب کچھ کیا گیا تھا تو پھر سے قید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان دونوں نے اسے جسوں کے ذریعہ بے ہوش کر لیا تھا۔ اس بے ہوشی کی حالت میں اس کی اور عیال کی چیزوں سے رقم نکال کر وہ دونوں کو دینے چھوڑ سکتے تھے۔ یہاں تک اٹھا کر لائے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھوں کو آزاد کرانے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ لیکن وہ بندش اتنی سخت تھی کہ اس کے ہاتھ آزاد نہیں ہو سکے۔ وہ تھلا کر لیا۔ اس نے بے بسی بے بسی کبھی نہیں محسوس کی تھی۔ اس کے ساتھ جو ہے کی طرح گھیر کر پتھر سے میں بند کر دیا گیا تھا۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے زور زور سے آواز پر دینا شروع کر دیا۔ پھر سلاخوں کاؤں کو متوجہ کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ اس کی آواز کے جواب میں کچھ بزرگ کو خاموشی رہی۔ پھر سلاخوں والے دروازے سے باہر کسی کے قدموں کی آواز دھنسنے لگی۔ کوئی بہت دھیرے دھیرے سے لہر اڑی سے چلتا ہوا اس کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ دروازے پر ہی ٹھونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اُسے دیکھتے جن میں سے ایک نے بہترین تلاش کا سوٹ پہن لکھا تھا۔ اور اس کے ہونٹوں میں ایک سگار دھرا ہوا تھا۔ جبکہ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا۔ سوٹ والے نے دھڑکے سے کچھ کہا۔ اور وہ ایک طرف چلا گیا۔ جب کہ سوٹ والا آدمی دروازے پر ہی کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازے سے سلاخوں والے دروازے کو خود سے کھلتے ہوئے دیکھا۔ اس کی کچھ نہیں آگیا کہ ایک خود کار دروازہ تھا۔ اور وہ دوسرا آدمی اسے کھولنے سے لیے آیا تھا۔ اس کی نصیحت اس طرح بھی ہوئی کہ دروازہ کھلتے ہی وہ دوسرا آدمی بھی سوٹ والے شخص کے پاس پہنچ گیا۔ کچھ دیر وہ دونوں بیٹھے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے کے اندر آ گئے۔ اور حیرت سے انہیں گودھنگار ہوا تھا۔

”یہ سب کیا پتھر ہے؟“ دروازے سے پوچھا۔ ”کون ہو تم لوگ؟“ اور غصے اس طرح کیوں قید کر رکھا ہے۔ میرا سنا تھا کہ یہاں

ہے؟“ ”جڑی بات۔ جڑی بات“ سوٹ والے نے جسے طینان سے گردن ہلاتی ”فدا کی بات بہتر اتنا لاش نہیں ہوئے تھما سے مزین میں ابھی تک تشدد پایا جاتا ہے۔ اور یہ بہت خراب علامت ہے۔“ ”جہلم کی علامت کئی ایسی ہی تھی۔“ اور وہ ہاتھ میں کہتا ہوں کھول دو مجھے۔ شاید مجھے نہیں جانتے۔ ایسی بے تم نے میرے ساتھ ایسی حرکت کی ہے؟“

”میں آپ کی بہت بڑی طرح جانتا ہوں۔ ایسی نہیں بلکہ گورکھا کیلئے سوٹ والے نے جواب دیا۔ ”وہ یہاں کسی کا باندھ کر نہیں رکھا جاتا۔ میں اترتا رہ رہا ہوں۔ میں نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ تم کتنے خطرناک آدمی ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنے بھی خطرناک لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ تمہارے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ ایسی بے تمہاری طرف سے ہمیں بہت غناط رہنے کی ضرورت ہے۔“

”بنا دوں گا۔ سب کچھ بنا دوں گا۔ جب تم یہاں آبی گئے ہو تو تم سے کوئی بات نہیں پتھی۔ سب سے؟“

”میں پوچھتا ہوں کہ کیا راستی کہاں ہے۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟“

”تم صرف اپنی فکروں اس سے کہا کہ تمہارا سنا تھا جی ایسی فکروں کی لگا۔ وہ کوئی پتھر نہیں ہے؟“

”اور اپنے ہونٹ چہلنے لگا۔ اس شخص سے کوئی بات معلوم کر لینا بہت دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ دروازے پر پوری زندگی تک اس جیسا آدمی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے بول تو بے شمار دیکھے تھے۔ لیکن ان کا طریقہ کار مختلف ہو کر آتا تھا۔ وہ مار دھا کر کے اللہ گویاں چلانے والے لوگ تھے۔ لیکن یہ شخص ان جیسوں سے بہت مختلف معلوم ہوتا تھا۔“

”ہاں۔ دروازے پر سے پتھر کر سلا۔“ اس آدمی نے رجسٹر سے کہا۔ ”کیا لکھا ہے اس میں؟“

”جی جناب۔“ رجسٹر والے نے مستند ہو کر جلدی سے رجسٹر کھول لیا اور بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ ”نام داد۔ باقی بنی۔ پونا میں اپنے دو لاکھ مہول کے لیے آیا تھا۔ اس کا ایک ساتھی عبد اللہ اس کے ساتھ تھا۔ ان دونوں نے پونا میں ایک گھر مرہا کیا۔ یہ گھر چنک کی تنظیم کو لاکھ دیا۔ نہ جانے کتنے بھگتے رہا کر دیئے۔ داد کا حال خود بہت دلیر ہو چکا۔ وہ بے باک انسان ہے۔ اس نے مار دھا کر دی کسی خیریت حاصل کر کے ہے۔ جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ یہ ایک شخص سو آدمیوں پر بھاری ہے۔ مگر بائیں جا چکا ہے۔ اس کے نام اعمال میں کئی کتنی ہی

لکھے ہوئے ہیں۔ اسے گوراکھ نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ اپنے دو لاکھ وصول کرنے اور ادائیگی نامی ایک آدمی کو لاکھ کرنے سے بعد کلائی کے ذریعے پونا سے باہر جا رہا تھا کہ ہمارے فرشتوں نے اسے گھر لیا۔ اس جیسے خطرناک آدمی کو روکنے کے لیے ہمارے پاس کی ترکیب تھی کہ ہم پوچھنا سے کام لیں۔ درجہ جب شخص تشدد پر اترتا ہے تو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اور مار دھا کر پلندہ نہیں کرتے۔ ایسی بے ہمارے فرشتوں نے راستے میں ایک فریٹر کھڑا کر کے کھلے تو اس کاڑی کا راستہ روک دیا۔ پھر ایسی فریٹر کے ذریعے اس کی گاڑی کو جکڑ کر گھر لے گئے۔ تو اسے پتہ چلا کہ پھر بے ہوش کرنے والی کس سے ذریعے اسے بے ہوش کر کے قلعیت تک پہنچا دیا گیا۔ بے ہوش ہونے کے بعد اس کے قبضے سے ایک لاکھ روپے کے چندے ہوئے نوٹ، دو سو روپوں کی بڑی، ایک کٹی اور دو عدد روپے اور دستا ب ہونے میں نہیں خزانے میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ رپوٹ پڑھ لینے کے بعد اس آدمی نے رجسٹر بند کیا۔ اور وہ قدم پیچے ہٹ کر کھڑا ہوا۔ اس دوران وہ شخص بڑے دھیان سے یہ رپوٹ سمجھتا رہا تھا۔ بلکہ داد کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ باہر پڑنا شروع کر دے۔ اس رپورٹ کی ہر بات درست تھی۔ لیکن سوال یہی تھا کہ آخر یہ سب کیا تھا۔ یہ کون لوگ تھے۔ یہ اتنا عجیب ڈرامہ کیوں رچا ہے۔ غصے سے اس کے لیے بریشانی کی بات تھی کہ اس رپوٹ میں عبد اللہ کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا لڑکی تھی۔ بہت ممکن تھا کہ اس وقت وہ بھی ایسی قسم کے کسی مرحلے سے گزر رہا ہو۔

”کیا تم ہماری اس رپورٹ سے اتفاق کرتے ہو؟“ اس آدمی نے داد کی طرف دیکھے ہوئے پوچھا۔

”بالکل اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن ہماری ان حرکتوں کا کیا مقصد ہے۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟“

”ہمارے کسی مقاصد نہیں۔ اس آدمی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر سگار کے گھر سے گھر کے لیے نکلے۔ اس دوران وہ سگار کچھ چمکا تھا۔ اس نے کچھ ہونے سگار کو اس آدمی کی طرف پھرنے کا بہانہ رجسٹر پر کھڑا تھا۔ وہ آدمی وہ سگار کے گورانی کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے چلنے کے بعد وہ پھر دروازے کی طرف ہوا۔ بالہ نوٹ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے کسی مقاصد نہیں۔ جن میں پہلا مقصد یہ ہے کہ میں خطرناک قسم کے مجرموں کو سزا دینا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ تم نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کیا ہے۔ لیکن قانون میں کوئی خاص سزا نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ تم نے کوئی سزا نہیں چھوڑا ہوگا۔ تو پھر کوئی تو ایسا ہو جو ہمیں تمہارے جرم سے مطابق سزا دے سکے۔ اور وہ آدمی میں ہوں۔ اور میں نہیں یہاں آئی ہے لایا ہوں۔“

”میری بات سنو۔ دادو مرزا! اگر تم نے مجھے جلدی رہا نہیں کیا تو میں تمہیں اس قدر ہی نہیں چھوڑوں گا کہ تم کسی کو سزا دے جو اسے سزا“

”وہ تشدد؟“ اس آدمی نے اپنے ہونٹ پر لکھے۔ ”یعنی ایسی تنگ ہمارے مزاج میں تشدد لیا ہوا ہے۔ یہ بہت بڑی علامت ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ تم جیسے جیلے لوگ ایسی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ یہ سب بہت بڑی باتیں ہیں۔ بہت بڑی باتیں ہیں۔ انہما مزاج بدلنا ہوگا۔ یہ یہاں آنے والے ہر آدمی کا مزاج بدل دیتے ہیں۔ تمہارا بھی مزاج بدل جائے گا۔“

”کیا یہ اس سے ہے؟“ دادو پھر ہاتھ میں کہتا ہوں کھول دو مجھے۔ دروازہ کھلا نہیں ہوگا۔ میں؟“

اس آدمی پر داد کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بڑی ہڈی لگا ہوں سے داد کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے ہاگ کھڑا ہوا۔ داد نے غصے میں آکر اپنے ہاتھوں کو پھر چمکا دیا۔ لیکن ہاتھوں میں بند ہوئی بند نہیں اس کے گوشت میں آتی تھی۔ وہ بے یس ہو کر اپنے ہونٹ چہلنے لگا۔

”کوئی فائدہ نہیں میرے دوست؟“ اس آدمی نے کہا۔ ”تم اس طرح اپنی آزادی ضائع کر رہے ہو۔ اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ دیکھو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کیا یہی حاصل کرنے کا آسان طریقہ ہے کہ اس انسان اپنے اعصاب اپنے قابو میں رکھے۔ جو کچھ کرنا ہے بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے کرے۔ میں نہیں کامیابی کا گڑ بھار ہوں۔ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو کبھی ناکام نہیں ہو گے۔ میں ایسی چیز سے کوئی خوف ہوں۔ میں جرم کرنے سے متناہی نہیں کرنا۔ وہ غصے سے بھی انکار نہیں ہے۔ یہ انسان کی جبلت ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس حال میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھا جائے۔ آدمی وہی ہے جو ہر حال میں وقت وداشت کا نظارہ کرے کہ میں جن لوگوں کو بھی لانا ہوں ان کو بھی قلعیت کیا کرنا ہوں۔ یہ میرا سب سے بڑا مشغلہ ہے۔ اب میری قیامت یہ ہے کہ خود میرا قابو پانے کی کوشش کرو۔ اور میں اس وقت تمہارے پاس آؤں گا جب تم خود کو بھال چکے ہو گے۔ جب تم ٹھنڈے دل و دماغ سے باتیں کر سکو گے؟“

اتنا کہہ کر وہ دروازے کی طرف پڑھ گیا۔ داد نے زور زور سے اسے پڑھ لیا۔ لہنا شروع کر دیا۔ لیکن اس شخص نے مڑنا اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ پر سلاخوں والا وہ خود کار دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد داد نے اپنی کچھیں بند کر لیں۔ اس کی کچھ سے باہر تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ اس آدمی سے ملنے کے بعد اس کی حیرت اور کھیں مزید بڑھتی تھی۔ لہذا وہ بہت شکیب خفاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس

کی باتیں اس کے فاضل العقل ہونے کا اظہار کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کے انتظامات ایسے تھے جو عام آدمیوں کے کایوگ نہیں تھا یہ دیکھ کر بہت مضامین ہوتا تھا۔ بہر حال اس شخص نے بہت اچھا مشورہ دیا کہ دور کو اپنے جذبات سے پرکھ کر ناچا جائیے۔ جو کچھ کرنا چاہیے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کرنا چاہیے وہی ایک طرف غصے کا اظہار کرنا ہر حال اور اب اسے غصہ نہیں کرنا تھا۔ اس آدمی نے اسے سرد مزاج ہو کر شکست دی تھی اور اب وہ بھی اسی آدمی کا کمر اس کا ارادہ کر چکا تھا۔ شام کی ایسے ایک ننگ و کشش کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں کی بندشیں نہیں کھول سکا تھا کہ اس نے یہ کوشش نہیں کی تھی۔ اور اب اسے سکون کے ساتھ کرنا تھا۔ بہت تھکا مزاج کے ساتھ ایک بار پھر کوشش کرنی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کیں، اپنی سانسوں کو سینے میں قید کیا اور اپنا پورا دھیان اپنے دونوں ہاتھوں پر مرکوز کر دیا۔

”چلو آئے بڑھو شامی“ سوٹ والے شخص نے اس کو کہہ کر ہال کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ میں ایک چمکتا ہوا خوب تھا۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر ایک لاش بڑی بوٹی تھی۔ وہ لاش کبھی بائیں کوشٹ کا مغلوبہ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی قصائی نے گوشت اور ہڈیوں کے جسم کو تھپ کر دیا ہو۔ لاش کے جسم میں اب خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ اور اس لاش سے جو دلو اٹھ رہی تھی اس نے اس پورے ہال کو سوسم کر دیا تھا۔ وہ اتنی ناخوشگوار بو تھی کہ اس میں سانس لینا مشکل تھا۔ لیکن آدمی ایسے اطمینان سے کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ کبھی اس کے خوف سے وہاں سے ہٹنے پر مجبور نہ تھی۔

وہ ایک خوب صورت اور جوان آدمی تھی۔ لیکن خوف اور دھمکے کے اثرات نے اس کے صہن چہرے کو دھندلا دیا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے گرد حلقہ بن گئے تھے۔ اس کا پورا جسم ہونے کے بعد لہجہ تھا جیسے سرد ہوا میں کسی ہر کوئی ہو جائے۔ وہ فرش پر بڑی بوٹی لاش کی طرف دیکھتی پھر اس طرح اپنی کانٹیں بٹاتی تھی جی کا کچھ کالگ گیا ہو۔

”چلو بڑھو آئے“ اس آدمی نے پھر کہا۔ ”آج نہیں کہا ہو گیا ہے۔ تم آئی کرو۔ دیکھو نہیں نہیں۔“

”میں اب مرنے والی ہوں“ آدمی نے اسے سخت زور دے کر ”مجھ سے اب یہ سب ہونا میں اس لاش پر خیر ماما کر چکے جی ہوں۔ بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ معاف کر دو مجھے۔ میں باقی ہونے لگی ہوں۔ یہ سب میں نہیں دیکھ سکتی۔ نہیں ہونا مجھ سے۔“ انہما کر اس نے اپنے ہاتھ میں پیرا ہوا خنجر ایک طرف پھینک دیا۔

اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر کسے لگی۔ ”بڑی بات۔ بہت بڑی بات۔“ وہ آدمی اس کی طرف ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”ایسا لگتا ہے کہ تم پھر ہندسے سے روک رہے ہو۔“ یہ بہت بڑی علامت ہے۔ اس طرح آپ تم زندگی میں کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ تم خود ہی سوچو کہ اپنا راز یہ حال راز فہم کسی طرح اپنے دھوکوں سے نجات حاصل کر سکو گے۔ میں نے تم سے کہا تھا۔ ناک آج کے دو درمیں سب سے کامیاب وہی ہے جو اپنے جذبات کو چھپنے میں کامیاب ہو جائے۔ قیمت، نفرت، ہمدردی، کھو دی، بڑی یہ سب دھوکے سے فریب ہے۔ یہ سارے جذبے آدمی کو اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔“

”میں نہیں جانتی کہ سب نہیں جانتی۔“ وہ آدمی کسکی تھی بولی۔ ”میں اب کیلاش کی لاش پر ہمدردی دیکھ رہی ہوں۔ بھگوان کے لیے مجھے معاف کر دو۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔“ اس نے اپنی گردن ہلاتی ”میرا خیال ہے کہ آج ہمارا طبیعت خراب ہے۔ اسی لیے تم آئی کر دے۔ کانٹا ہو کر رہی ہو۔ خنجر جاؤ۔ جا کر رام کرو۔ میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔ ایک ہندسے کوئی تو سکون مل جائے گا۔ جاؤ۔“

آدمی نے ایک زخمی گاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھا اور دھیرے دھیرے ہال کے کچلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتی گئی۔

کے جانے کے بعد اس آدمی کے ہاتھوں پر ایک سیسکا ہٹ رہا۔

خود ہی اس ہال سے باہر اُبلے۔

ہال سے آنے کے بعد وہ ان کی طرف ہو گیا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس راہداری میں دو دھبیاں لگتی تھیں۔ ہوتی تھیں۔ چوتھ پر گئے ہوئے ہلوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ اس راہداری میں بالکل سناٹا تھا۔ دور دور تک کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آدمی چلتے چلتے ایک کمرے کے دروازے کو کھول کر اندر گیا۔ یہ اس کا ایک مخصوص کوٹھنا جو دروازے کے دروازے پر لگا ہوا تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑی کی بڑی تھی جس پر دونوں اور ایک عدد دروازہ رکھا تھا۔ میرے پیچھے ایک گھونٹے والی کرسی تھی۔ اور دونوں طرف دیوار میں لکڑی کا ایک خوبصورت سا کینڈل بنا ہوا تھا جس میں جلازم اور قانون کے متعلق موٹی موٹی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے سامنے خوبصورت شش والے صوفے تھے۔ میرے بائیں طرف خوبصورت سا کینڈل پیڑ بھی تھا۔ کمرے میں ایک کرسی تھی جس کی کھوپڑی پر بڑی بوٹی تھی۔ میری طرف ایک ایسا کوٹھنا تھا جس پر آنے کے بعد سکون سا محسوس ہوتا تھا۔

کرسی پر بیٹھ کر اس نے یہی کردار کھول کر ایک سگڑے پیرا ہوا خوبصورت سا کینڈل لگا دیا اور اس میں سے ایک سگڑا منتخب کر کے اپنے ہاتھوں سے لگا لیا۔ سگڑا جلانے کے بعد وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے کینڈل پیڑ کی طرف کھسکا کر اس کا بٹن دبا دیا۔ کینڈل پیڑ جلنے لگا تھا۔ اس نے سگڑا کا ایک گٹر لیا اور سگڑا کو کرسی کے پاس جڑے ہوئے ایک ڈیسے میں ڈال کر انھیں بند کیں اور دھیرے دھیرے یونے لگا۔ وہ اپنی آواز ٹیپ کر کر ہاتھ ”میں پرکاش کھڑے ہوں۔ میرا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“ لیکن گاہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرا کچھ بڑی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ اسی لیے اپنے ہاتھ میں سب کچھ تیار ہا ہوں میں ایک انتہائی دولت مند باب کا ایسا بیٹا ہوں جس نے اپنی تہذیب و تعلیم حاصل کی ہے۔ میرا موضوع کچھ فرس ہے۔ لیکن مجھے نئی ایجادات اور خیرات کا شوق بھی رہا ہے۔ خاص طور سے مجھے انسانوں کو کھینچنے سے بہت دلچسپی رہی ہے۔ میں ہر قسم کے انسانوں کو کھینچتا ہوں۔ اسی لیے میں نے بھانت بھانت کے انسانوں کو اپنے ارد گرد جمع کر رکھا ہے کہ میں ان کی ذہنی قوتوں اور ان کی نفسیات کا مطالعہ کرنا ہوں۔ میری دلچسپی حرام پیشہ لوگوں میں سب سے زیادہ رہی ہے۔ یہی یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے تحت ایک عام انسان مجرم بن جاتا ہے۔ اس کے دماغی خیالے کس انداز سے نشوونما پاتے گئے ہیں۔ میں پہلے پہلے چاکا ہوں کہ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ اور اس دولت مند مجھے ایک تجربہ دیا ہے کہ اس پر ہر شخص کو خیر دیا جاسکتا ہے۔ اور بات ہے کہ ہر ایک کی قیمت مختلف ہو۔ کسی کی کم ہاں زیادہ۔ لیکن دولت سے ہر انسان خیرید لیا جاتا ہے۔ میں نے اپنی تعلیم ہاتھ لوگوں کو بھاری معاوضے کے عوض خرید کر ان سے جو توں پر پائش کرتے رہے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ ان علم یافتہ لوگوں کو اس حال میں دیکھ کر میرے بدن میں کتنی کتنی درد کی لہریں تھیں۔ انہیں آزمانے کے لیے کہا گیا۔ یہی دل شہر ع کروں۔ لیکن وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہے تھے۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس میں کبھی فروشی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی دولت کے بدلے اپنے ارد گرد اپنے لوگوں کو قیدی کر لیا ہے۔ جو بہت خطرناک کچلے گئے تھے۔ لیکن میرے اشاروں پر لوگوں کی طرح اپنی دیکھیں ہلانے لگے ہیں۔ ان کے سارے کس بنی جبری دولت کے آگے نکلے ہیں۔ میں نے ان کی عزت نفس خراب کر دی ہے۔ اور اس کام میں بھاری معاوضہ بھی ادا کرنا ہوا میں بڑے سے بڑے غریب کو کھنچ کر اپنی شہر ع کر دیتا ہوں اور

وہ سر جھک کر میری غور کر لکھتا رہتا ہے۔ اس میں اتنی حرمت نہیں ہوتی کہ وہ میری طرف دیکھتی ہے۔ یہ سب آخر کیلئے یہ دولت اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گئی ہے۔ لوگ اسے اپنا بھگوان کیوں سمجھنے لگے ہیں۔ کہ کوئی ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ جہاں دولت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ اس وقت میرے انسانی عجائب گھر میں دو ایسے آدمی لائے گئے ہیں جو اپنی جگہ پورے ایک لشکر پر بھاری ہیں۔ ان میں سے ایک دارا اور دوسرا محمد علی بن دارا۔ زیادہ خطرناک ہے۔ وہ مجھے ہونے شہر کی طرح ہے۔ اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے پر بہت جان دیتے ہیں ایک دوسرے کے گھر سے دوست ہیں۔ دونوں ایک ساتھ مل کر وراثت کیا کرتے ہیں۔ اور اب میں ان دونوں کے لیے ایک نیا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سہارے تجربوں کا ایک نیا رخ ہوگا۔ پہلے تو میں انہیں دولت کا لہر دوں گا۔ اس کے بعد ہی وہ راضی نہیں ہونے تو ان پر تشدد کیا جائے گا۔ یہ پناہ تشدد مجھے بھی دیکھنا ہے کہ ایک انسان کس حد تک تشدد برداشت کر سکتا ہے۔ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہلاک کر دے۔ یہ کام چاہے دولت کے ذریعے ہو یا تشدد کے ذریعے۔ اسے ہر حال میں ہونا ہے۔ میں یہ کر کے رہوں گا۔ میرے لیے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔“

اس نے اپنی بات ختم کی۔ ٹیپ دیکھا کہ کچھ بند کیا اور سگڑا کس سے دوسرا سگڑا لگا کر چلا لیا۔ اس کے ہاتھوں پر کرسی عجیب سی مسکراہٹ چھٹی ہوئی تھی جیسے وہ دل میں اپنے اس اچھوتے خیال پر مسکرا رہا ہو۔

اس آدمی کا نام ماتی تھا۔ وہ ایک حسین اور صبر دار آدمی تھی۔ وہ اپنا ہی کاربہ والی تھی۔ اس شہر میں اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اور اسی شہر میں اس نے کیلاش سے نجات کی تھی۔ اس وقت ماتی ایک فرم میں کام کرنے لگی تھی۔ اور وہیں اس کی ملاقات کیلاش سے ہوئی۔ جو خود ہی اسی دفتر میں ملازم تھا۔ ان دونوں کی روز ملاقاتیں ہونے لگیں۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے سے شادی کا وعدہ کر لیا۔ لیکن کیلاش کے ساتھ ایک گھڑی بھی کاس کے خواہوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اس دائرے میں ایک گڑا ساکان تھا۔ چالیسی تھی، چھٹی فرخ تھا، بینک بلیس تھا۔ اور وہ ان کے جہیز تھے۔ جب تک ان دونوں کے جہیز مکمل نہیں ہوتے اس وقت ان کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور خود کیلاش بھی اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے اس کی محبوبہ ماتی ہی

وہ سر جھک کر میری غور کر لکھتا رہتا ہے۔ اس میں اتنی حرمت نہیں ہوتی کہ وہ میری طرف دیکھتی ہے۔ یہ سب آخر کیلئے یہ دولت اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گئی ہے۔ لوگ اسے اپنا بھگوان کیوں سمجھنے لگے ہیں۔ کہ کوئی ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ جہاں دولت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ اس وقت میرے انسانی عجائب گھر میں دو ایسے آدمی لائے گئے ہیں جو اپنی جگہ پورے ایک لشکر پر بھاری ہیں۔ ان میں سے ایک دارا اور دوسرا محمد علی بن دارا۔ زیادہ خطرناک ہے۔ وہ مجھے ہونے شہر کی طرح ہے۔ اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے پر بہت جان دیتے ہیں ایک دوسرے کے گھر سے دوست ہیں۔ دونوں ایک ساتھ مل کر وراثت کیا کرتے ہیں۔ اور اب میں ان دونوں کے لیے ایک نیا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سہارے تجربوں کا ایک نیا رخ ہوگا۔ پہلے تو میں انہیں دولت کا لہر دوں گا۔ اس کے بعد ہی وہ راضی نہیں ہونے تو ان پر تشدد کیا جائے گا۔ یہ پناہ تشدد مجھے بھی دیکھنا ہے کہ ایک انسان کس حد تک تشدد برداشت کر سکتا ہے۔ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہلاک کر دے۔ یہ کام چاہے دولت کے ذریعے ہو یا تشدد کے ذریعے۔ اسے ہر حال میں ہونا ہے۔ میں یہ کر کے رہوں گا۔ میرے لیے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔“

اس نے اپنی بات ختم کی۔ ٹیپ دیکھا کہ کچھ بند کیا اور سگڑا کس سے دوسرا سگڑا لگا کر چلا لیا۔ اس کے ہاتھوں پر کرسی عجیب سی مسکراہٹ چھٹی ہوئی تھی جیسے وہ دل میں اپنے اس اچھوتے خیال پر مسکرا رہا ہو۔

اس آدمی کا نام ماتی تھا۔ وہ ایک حسین اور صبر دار آدمی تھی۔ وہ اپنا ہی کاربہ والی تھی۔ اس شہر میں اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اور اسی شہر میں اس نے کیلاش سے نجات کی تھی۔ اس وقت ماتی ایک فرم میں کام کرنے لگی تھی۔ اور وہیں اس کی ملاقات کیلاش سے ہوئی۔ جو خود ہی اسی دفتر میں ملازم تھا۔ ان دونوں کی روز ملاقاتیں ہونے لگیں۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے سے شادی کا وعدہ کر لیا۔ لیکن کیلاش کے ساتھ ایک گھڑی بھی کاس کے خواہوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اس دائرے میں ایک گڑا ساکان تھا۔ چالیسی تھی، چھٹی فرخ تھا، بینک بلیس تھا۔ اور وہ ان کے جہیز تھے۔ جب تک ان دونوں کے جہیز مکمل نہیں ہوتے اس وقت ان کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور خود کیلاش بھی اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے اس کی محبوبہ ماتی ہی

وہ سر جھک کر میری غور کر لکھتا رہتا ہے۔ اس میں اتنی حرمت نہیں ہوتی کہ وہ میری طرف دیکھتی ہے۔ یہ سب آخر کیلئے یہ دولت اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گئی ہے۔ لوگ اسے اپنا بھگوان کیوں سمجھنے لگے ہیں۔ کہ کوئی ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ جہاں دولت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ اس وقت میرے انسانی عجائب گھر میں دو ایسے آدمی لائے گئے ہیں جو اپنی جگہ پورے ایک لشکر پر بھاری ہیں۔ ان میں سے ایک دارا اور دوسرا محمد علی بن دارا۔ زیادہ خطرناک ہے۔ وہ مجھے ہونے شہر کی طرح ہے۔ اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے پر بہت جان دیتے ہیں ایک دوسرے کے گھر سے دوست ہیں۔ دونوں ایک ساتھ مل کر وراثت کیا کرتے ہیں۔ اور اب میں ان دونوں کے لیے ایک نیا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سہارے تجربوں کا ایک نیا رخ ہوگا۔ پہلے تو میں انہیں دولت کا لہر دوں گا۔ اس کے بعد ہی وہ راضی نہیں ہونے تو ان پر تشدد کیا جائے گا۔ یہ پناہ تشدد مجھے بھی دیکھنا ہے کہ ایک انسان کس حد تک تشدد برداشت کر سکتا ہے۔ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہلاک کر دے۔ یہ کام چاہے دولت کے ذریعے ہو یا تشدد کے ذریعے۔ اسے ہر حال میں ہونا ہے۔ میں یہ کر کے رہوں گا۔ میرے لیے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔“

اس نے اپنی بات ختم کی۔ ٹیپ دیکھا کہ کچھ بند کیا اور سگڑا کس سے دوسرا سگڑا لگا کر چلا لیا۔ اس کے ہاتھوں پر کرسی عجیب سی مسکراہٹ چھٹی ہوئی تھی جیسے وہ دل میں اپنے اس اچھوتے خیال پر مسکرا رہا ہو۔

جیسی کوئی ٹری کیوں نہ ہو۔

وہ ان دنوں بہت پریشان رہا کرتا تھا۔ اس نے مانتی سے وعدہ تو کر لیا تھا، لیکن اس وعدے کی تکمیل کا کوئی ارادہ اس کے پاس نہیں تھا۔ اس کی ملاوٹی روز بروز مٹی جا رہی تھی۔ اس کی کچھ نہیں آئیں اتنا تھا کہ وہ اتنی دولت کہاں سے حاصل کرے کہ اس کے سارے خواب تکمیل پا جائیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس ملک میں ڈھیر سی دولت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان ناچار و زور سے آدمی تلاش کرے لیکن ایسی کسی آدمی کی تلاش بھی اس کے بس سے باہر تھی۔ اس کے حلقہ احباب میں سب اس ہی جیسے تھے۔ سیدھے سادھے دفینوں میں کام کرنے والے باروگ جو دفتر سے نکل کر سیدھے گھر جا کر آتے اور گھر سے اٹھ کر دفتر چلا جاتے۔

کیلاش کو یہ معلوم تھا کہ اس قسم کے لوگ ہوتوں میں بیٹھا کرتے ہیں۔ اسی لیے اس نے شام کے بعد بوتلوں میں بیٹھا کر دیا۔ اس کی خواہش تھی کہ اسے کوئی ایسا آدمی مل جائے جو ناچار و زور سے کارآمد تھکے۔ دولت حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چاہے وہ چوری ہو یا دھوکا ہو۔ اسے ملگ ہو یا منشیات کی سپلائی اسے بہ کام لوار تھا۔ شراویہ تھی کہ کسی طرح دولت مل جائے۔

ایک دن وہ ایسے ہی ایک بوتل میں بیٹھا ہوا بنا وقت گزر رہا تھا کہ ایک آدمی اس کی نیند سے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ کیلاش نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے بہت مہربان آدمی معلوم ہوا تھا۔ اس نے بہترین تلاش کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں میں ایک سگلا دبا تھا۔ کیلاش اسے دیکھ کر کچھ مایوس سا ہو گیا۔ یہ آدمی اس کے مزاج اور معیار کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

کیا میں تمہارے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟ اس آدمی نے کیلاش سے کہا۔

کیلاش کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ اس کے سامنے والی کرسی کیلئے کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس دوران وہ سگار کے گہرنے گہرنے کش لے کر کیلاش کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ کیلاش نے اس کے انداز سے بے حد جانی محسوس کی۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ وہ صرف اپنا پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اسی آدمی نے خود کیلاش کو مخاطب کیا۔

”میرے کیلاش، میرا نام پرکاش تھکتے ہے۔ اس نے اپنا تعارف کر دیا۔

”تم حیران ہو رہے ہو گے۔ لیکن مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔“ اس نے پتھر کہا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کہاں رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔ کس لڑکی سے تمہاری دوستی اور تمہارے یہ کیا مسائل ہیں۔ تم ان مسائل سے نمٹنے کے لیے کس قسم کی جدوجہد کر رہے ہو۔ کچھ میرے سب کچھ معلوم ہے۔“

”تم کون ہو؟“ کیلاش نے حیران ہو کر پوچھا۔ میں تو تمہیں نہیں جانتا۔ میرے بارے میں تمہیں اتنی باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟

”یہ بات چھوڑ دو۔ کھتہ لایا وہاں سے لولا۔“ اصل مسئلہ ہے آج کا دن، بیڑ گھٹنے سے تمہارا رعلق نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہیں انجھنوں سے نکال سکتا ہوں۔“

”تم؟“ کیلاش کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟

”بہت کچھ۔“ کھتہ نے سگار کا ایک گہرا کش لگایا۔ اس وقت تم ایک دوکاندار ہو اور میں ایک خریدار۔ میں تمہیں اتنی دولت دے سکتا ہوں جو تمہارے تمام مسائل کا حل ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ دولت میں تمہیں یوں ہی نہیں دوں گا۔ اس کے لیے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔ اگر تم نے وہ کام کر دیا تو پھر منہ مانتی قیمت دی جائے گی۔ اور میں جانتا ہوں کہ آج کل تم اس قسم کے موقع کی تلاش میں ہو۔“

کیلاش کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ وہ اتنے دنوں سے اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اور اب وہ موقع اس کے سامنے آ گیا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑا تھا۔

”جناؤ۔“ کھتہ نے اسے پھر مخاطب کیا۔ کیا تم ایک معمولی کام کے عوض ایک بڑی رقم حاصل کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟

”ٹھیک ہے۔“ کیلاش نے اپنی گردن ہلادی۔ میں تیار ہوں۔ لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا؟

”میں اس بوتل میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ تم میرے ساتھ چلو۔“

اور تپتی لباس میں ملبوس تھا۔ کھتہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی کی پچھلی نشست پر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے بیچھے ہی گاڑی چل پڑی تھی۔ اس ڈرائیور کو شاید یہ معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اسی لیے اس نے کوئی ہدایت بھی نہیں لی تھی۔

رات بھر ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیلاش اس شخص کے رکھ رکھاؤ اور اس کی قیمتی گاڑی سے اتنا متعجب ہو چکا تھا کہ اس کے منہ سے اب آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ نہیں اس کی سوجن کا دائرہ اب وسیع ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب اس کی زندگی کا ایک نیا رخ اس کے سامنے آئے والا ہے۔ اس کی قسمت بدلنے جا رہی تھی۔ یہ آدمی رحمت کا فرشتہ بن کر خود ہی اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے بڑھکھا تھا کہ خوش قسمتی ایک یاد رکھ دیتی ہے۔ اگر اس دھنک پر دروازہ کھل گیا تو وہ اندر آ جاتی ہے۔ دروازوں پر کڑوا جاتی ہے۔ کیلاش نے اسے یلوس ہو کر روکے نہیں دیا تھا۔ اس نے سبلی ہی دھنک پر دروازہ کھول دیا تھا۔

وہ گاڑی ایک شاندار سی کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہو گئی۔ کیلاش نے اس قسم کی کوٹھیاں صرف باہر سے بھی نہیں اندازے کے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کوٹھی کا لالان بہت خوبصورت تھا۔ اس کی بناوٹ بہت خوبصورت تھی۔ وہ گاڑی بہت خوبصورت تھی جس میں وہ بیٹھ کر وہ یہاں آیا تھا اور اس کی قیمت بہت خوبصورت تھی جو اس پر ہوا ان ہونے والی تھی۔

کھتہ اسے اپنے ساتھ کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کیلاش کو تو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی بحری جہاز میں چلا آیا ہو۔ اتنا لمبا چوڑا ڈرائنگ روم بھی اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ کھتہ نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ”گہرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تم سے وہ کام نہیں لوں گا جو تمہارے بس میں نہ ہو۔“

کیلاش اس کا شکریہ ادا کر کے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ صوفہ ایسا تھا کہ وہ اندر تک دھنسا چلا گیا تھا۔ کھتہ اس کی طرف بڑی ٹوٹے والی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا۔ ایک بار پھر سوچ لگا۔ کھتہ نے اسے مخاطب کیا۔ یہ ہو سکتا

ہے وہ کام تمہارے غیر کے خلاف ہو۔ اگر تم غیر مانتی کسی حماقت میں مبتلا ہو۔“

”میں صاحب بالکل نہیں۔“ کیلاش سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کہاں کا غیر؟ کیسا غیر؟ میں اب سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ میں اب اس قسم کی امتحان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا چاہتا۔ میں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ اس دنیا میں صرف اور صرف پیسوں کی اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ بس اپنا کام بتائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ کھتہ نے ایک بگری سائنس کی کام بہت معمولی ہے۔ اور وہ کام یہ ہے کہ تمہیں ایک رات کے لیے اپنی محبوبہ میرے گھر لے کر آئی ہوگی۔“

”کیا؟“ کیلاش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اس قسم کی کوئی بات سنی ہوگی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کا دہم ہو۔ یا سانس بیٹھا ہو۔ شخص اس سے مذاق کر رہا ہو۔ لیکن اس شخص کے چہرے پر سنجیدگی بہت گہری تھی۔ اس نے کیلاش سے مذاق نہیں کیا تھا بلکہ اسے ایک کام بتا رہا تھا۔ ”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ وہ تلخ ہو کر بولا۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اس نے سرگوشی کی۔ میں تمہیں اس کے لیے پچاس ہزار روپے نقد ادا کروں گا۔“ کیلاش کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ پچاس ہزار روپے۔ اس کی مجاہد کے عوض یہ آدمی کتنے اطمینان سے یہ سب کچھ جابجا رہا تھا۔ آخر اس نے کیلاش کو کیا کچھ لکھا تھا۔

”آپ کا شاید دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اس نے بہت کرتے ہوئے کہا۔ کیا میری عیوب کوئی ایسی چیز ہے جسے خریدنا اور فروخت کیا جا سکے۔ مجھے یہاں سے جانے دیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ۔“

”ایک لاکھ روپے۔“ کھتہ نے اس کی بات کا ٹ دی۔ ”صرف ایک رات کے ایک لاکھ روپے۔ تم اتنی رقم ایک سال میں بھی نہیں کما سکتے۔“

”ہرگز نہیں۔“ اس جابجا ہوں یہاں سے۔“ کیلاش غصے سے لرز رہا تھا۔ ”تم میں اتنی ہمت کہاں سے ہوئی کہ تم خود مجھ سے میری محبوبہ کا سودا کر سکو۔“

”سوچو۔“ میں اب دو لاکھ روپے کی آفر کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو کہ یہ رقم تمہارے کتنے کام آ سکتی ہے۔“ کیلاش کے ذہن میں طپل سی چمکنے لگی۔ دو لاکھ روپے

بہت تھے۔ ان کے ذریعے بہت کچھ کیا جاسکتا تھا لیکن یہاں سوال اس کا اپنا نہیں مانتی کا تھا۔ وہ اپنی محبت کا سودا نہیں کر سکتا تھا۔

• میں نے کہا تاہم یہاں سے جا رہا ہوں۔ کیلاش نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہاری دولت پر۔

”پانچ لاکھ روپے“ کھٹہ نیلا بیولنے والے انداز میں چلایا۔ یاد رکھو ایک ساتھ آئی رزم زندگی جبر نہیں حاصل کر سکتے۔ یہ تمہارا مقدر بدل دے گی، تمہارا گھر بن جائے گا۔ تمہارے پاس ایک گاڑی بھی آجائے گی اور تمہاری دونوں بہنوں کی شادیاں بھی ہو جائیں گی۔

اب کیلاش کے ذہن پر بہت بڑے رستے لگے۔ پانچ لاکھ روپے بہت ہوئے تھے۔ ان سے شاید مستقبل کی امید کی سکتی تھی۔ یہ دولت تو اس کے باؤں کی بجزیرتی جارحانہ تھی، جاتے ہوئے قدم اس طرح رک گئے جیسے زمین سے پکڑ لیا ہو۔ وہ کسی عرصے کی طرح کھٹا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں جیسے ہی نہیں اور اس کا پول بدل پسینے سے جھپکا ہوا تھا۔

• ادھر آؤ کیلاش“ کھٹہ کی مسو کرنے والی آواز بھری اس آواز میں دولت کی کشش تھی۔ بے وقوف مت بنو پانچ لاکھ روپے کم نہیں ہوتے۔ تم اپنے آپ کو ایک نیا انسان بنا سکتے ہو۔ ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔ یاد رکھو۔ خوش قسمتی بار بار دھنک نہیں دیتی۔ اس کی دھنک صرف ایک بار ہو سکتی ہے۔ اگر دروازہ کھل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کبھی لوٹ کر نہیں آتی۔

کیلاش نے اپنی گردن جھکا لی۔ کھٹہ نے بھی دی بات کی تھی جو اس کے دل میں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے اعصاب کشیدہ ہوئے جا رہے تھے۔

کھٹہ ایک فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ اس نے کیلاش کو خبر دیے میں آؤ گی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ کیلاش کے قریب آ کر اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ تم بہت سیدھے سادے لڑکچان ہو۔ تم خود ہی سوچو کہ یہ محبت نہیں کیا دے سکتی ہے۔ تم کبھی دولت کے بغیر اس لڑکی کو حاصل نہیں کر سکو گے اور وہ تمہارے ہاتھوں سے اس طرح نکل جائے گی جس طرح وقت نکل جاتا ہے۔ پھر اس کھیل میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔

بتاؤ تمہارے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر یہ پانچ لاکھ روپے اس لڑکی کے سامنے رکھ دیے جائیں تو وہ اس وقت بھی تمہاری محبت کا دم بھرتی رہے۔ نہیں کیلاش! ایسا ناممکن ہے۔ اس دنیا میں پیسہ بہت بڑی طاقت ہے اور تم اس طاقت کو جتنی جلد حاصل کر لو اتنا بہتر ہے۔

”میں۔“ کیلاش نے اپنے ہونٹوں پر زبانی بھیری۔ اس کی قوتِ ارادی دم توڑ گئی تھی۔ میں کیا کروں! وہ غصے سے کہنے لگا۔ ”وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔“ کھٹہ نے کہا۔ ”کوئی کہتا ہے یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے۔ نہیں میں پانچ لاکھ روپے دینے کے ساتھ ساتھ تمہاری عزت نفس بھی برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے ایک ایسا نام رکھا جائے گا جس سے بیخبر ہوگا کہ تم خود ہی اس لیے ہوئے تھے۔ اس قسم کے نام کم نہیں ہوتے۔ فلموں میں دیکھے ہوں گے۔ تمہارا کام صرف یہ ہوگا کہ تم اس لڑکی کو اپنے ساتھ ایک خاص مقام پر لے آؤ گے ہاں میرے آدمی پہنچ جائیں گے اور پورا اور دیکھا کر اسے اغوا کر لیں گے اور تمہیں ایک طرف دھکا دے دیا جائے گا۔ بس اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ اس سائن میں تم شریک تھے۔ وہ تم پر شک کر ہی نہیں سکتی۔ پھر صبح ہوتے وہ لڑکی اپنے گھر پہنچا دی جائے گی اور تمہیں پانچ لاکھ روپے مل جائیں گے۔“

کیلاش نے اس وقت اپنی عجوبے کے باسے میں سوچنا ترک کر دیا۔ وہ پانچ لاکھ روپے کا حساب لگاتا تھا اور انہیں خرچ کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔

• اگر تم یہ سوچ رہے کہ تمہیں دھوکا دے دوں گا تو یہ تمہاری بھولی ہوگی۔ کھٹہ نے بھوکہ شروع کیا۔ اس کی دو دو جوبات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ میرے وسائل بے پناہ ہیں۔ میں تمہاری قومیت کے بغیر بھی اس لڑکی کو اغوا کر سکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک کاروباری آدمی ہوں۔ اور یہ میرا کاروبار ہے۔ اور اپنے کاروبار میں میں جھوٹ نہیں ہوتا یاد رکھو کہ نہیں دیا کرتا۔ جب میں نے یہ کہہ دیا کہ وہ لڑکی صبح ہوتے ہی واپس کر دی جائے گی تو وہ ہر حال میں واپس ہو جائے گی۔ جب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں پانچ لاکھ روپے دوں گا تو یہ رقم تمہیں مل جائے گی۔ میں اس کے علاوہ میں اور کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ میں نے ساری باتیں تمہیں سمجھا دی ہیں۔ اب تمہاری مرضی تمہاں چاہتا ہے ہونے

جاسکتے ہو۔ کیلاش کے پیروں میں اب زنجیریں پڑ گئی تھیں۔ وہ اب کہیں بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے کھٹہ کی خواہش کے آگے اپنی گردن جھکا دی۔

کھٹہ نے ایڈوائس کے طور پر پاس ہزار روپے ادا کر دیے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ اس رقم کو لے کر ذرا نہیں سو سکتا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ خود اپنی قسمت ننگ کرے گا۔

لیکن کیلاش کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ پاس ہزار روپے اس کے پاس آ کر اس کے جسم کا حصہ بن گئے تھے۔ اور وہ انہیں خود سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ دولت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ اس دولت نے اس کا مزاج ہی بدل دیا تھا۔ وہ اب وہی کرنے والا تھا جس کی کھٹہ نے ہدایت کی تھی۔

دوسرے دن اس نے مانتی سے بات کر لی۔ اس نے مانتی کو کفر فرج کی دعوت دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ دن بھر کے لیے پکنک منانا چاہتا ہے۔ مانتی فوراً تیار ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہی زندگی میں اس قسم کی خوشیاں بہت کم آتی تھیں۔ ایسا موقع کبھی نہیں ملا جب وہ اپنا وقت مانتی کے مطابق گزار سکتی۔ اس کا تعلق بھی جس طبقے سے تھا اس طبقے میں ایسی عیاشیاں بہت کم ہی ہو سکتی ہیں۔ اس نے کیلاش کے ساتھ چلنے کی حالی بھری۔ پکنک کے مقام کا تعین خود کھٹہ نے کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بس مانتی کو کسی طرح وہاں پہنچا دے۔ باقی کام وہ خود کرے گا۔

ہر روز کم کے مطابق کیلاش نے شہر سے کرائے کی ایک میسجی لی اور مانتی کو اپنے ساتھ لے کر اس دوران مقام پر پہنچ گیا۔ کھٹہ کی ہدایت کے مطابق اس نے جیسے واپس کر دی تھی۔ پھر وہ لوگ اپنے ساتھ لا آئی ہوئی چادریں بچھا کر بیٹھ گئے۔ مانتی اپنے ساتھ کھانے پینے کا بہت سا سامان بھی لیتی آئی تھی۔ اور ابھی ان لوگوں نے امینان کی سانس ہی تھی کہ وہ لوگ آدھکے۔

وہ لوگ بہت ہی تربیت یافتہ معلوم ہو رہے تھے انہوں نے ذرا سی برہمیں مانتی پر قابو پایا اور کیلاش کی ٹھکانا کر دی۔ لیکن اس مارپیٹ میں کھٹہ کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ البتہ اسے رولا اور کے بل بر مانتی کے قریب بٹھا لیا گیا تھا اور وہ لوگ سختی اور جبری ہوئی مانتی کو اٹھایا کہ اس

کی گاڑی میں لے گئے جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس وقت ایک لمحے کے لیے کیلاش کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود لی ہو اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا صرف دولت کے لیے اس نے اس لڑکی کو فروخت کر دیا تھا جو اس کی محبت تھی جس سے وہ شادی کرنے والا تھا۔ اس نے یہ بہت بڑا جرم کیا تھا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن پھر پانچ لاکھ روپوں کے تصور نے اس کے ذہن کو دھندلا دیا۔ اس کی سوچیں کسی اور سمت مڑ گئیں۔ وہ نہ صرف ان روپوں سے اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکتا تھا بلکہ کفارے کے طور پر مانتی سے شادی بھی کر لیتا۔ اس خیال نے اسے بڑی تقویت پہنچائی تھی۔ ٹھیک ہے وہ مانتی سے شادی کرے گا اور وہ لوگ اس شہر کو چھوڑ کر بھی چلے جائیں گے جہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکیں گے۔

ایک گاڑی مانتی کو لے کر چلی گئی تھی جبکہ دوسری گاڑی ابھی تک وہیں موجود تھی۔ ان دونوں نے پہلی گاڑی کے چلے جانے کے بعد کیلاش کو دوسری گاڑی میں بیٹھا لیا۔ اس کے اور کھٹہ کے درمیان یہی طے ہوا تھا کہ مانتی کے اغوا ہوتے ہی اسے کھٹہ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ اور کھٹہ اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے چار لاکھ روپے اس کے حوالے کر دے گا۔

مانتی کو ایک بہت ہی خوبصورت سے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا۔ وہ تقریباً سیکھنے کے عالم میں تھی۔ اس کے ساتھ ایسی افادہ کبھی نہیں آتی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح اسے اغوا کر لیا جائے گا۔ نہ جانے یہ کون لوگ تھے جنہوں نے اسے اس طرح اغوا کر لیا تھا۔ پھر اسے کیلاش کا خیال بھی آ رہا تھا۔ اس نے خود دیکھا تھا کہ اس کے اغوا کرنے والوں نے کیلاش کو مارا بھی تھا۔ اسے اٹھا کر لائے والے ڈرائنگ روم میں پہنچا کر باہر چلے گئے تھے اور وہ کسی سہمی ہوئی فاختہ کی طرح اس دیرینہ و عریض ڈرائنگ روم میں کھڑی رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد سامنے والے دروازے سے ایک آدمی داخل ہوا۔ وہ کوئی فتنہ باز آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جسم پر قیمتی سوٹ تھا اور وہ مرگاری رہا تھا۔ مانتی اسے دیکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ گھبراہٹ میں اسے وہ مانتی کے سامنے پہنچ کر بولا۔

• پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بیٹھ جاؤ۔

الطینان سے باتیں ہوں گی۔
 • جن میں "ماتنی" سے اپنی گردن ملا دی۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟
 • میں نے کہا نا کہ تمہیں گھرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا یہ میرا وعدہ ہے کہ تم جس طرح یہاں لائی گئی ہو اسی طرح تمہیں واپس بھیج دیا جائے گا۔
 • آخر کیوں! مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟
 • صوفیہ دکھانے کے لیے اس دنیا میں محبت اور غیر نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اصل محبت اور اصل فیصد دولت ہے۔ پس یہی قدر زندہ ہے۔ یہی سچ ہے باقی سب جھوٹ ہے۔
 • میں نہیں جانتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو مجھے بس یہاں سے جانے دو میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے میں تمہارے آگے ہاتھ پھڑکی توں۔
 • اس کی ضرورت نہیں میں نے تم سے کہا نا کہ تم کو باجفت بھیج دیا جائے گا۔ تم پر کوئی آج بھی نہیں آئے گی۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے لایا ہوں کہ میں نے تمہاری ایک رات کے عوض پانچ لاکھ روپے ادا کیے ہیں تمہیں ایک رات کے لیے میرے پاس بھیج دیا گیا ہے۔
 • کیا کو اس سے یہ "ماتنی" بھڑک اٹھی؟ تمہیں شرم آئی چاہیئے۔ ایک مجبور روٹی پر ایسا ظلم کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوگا۔ میں تمہیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دوں گی۔
 • میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں بے نی کے کھنڈے مسکراتے ہوئے بولا تمہارے محبوب کی تلاش نے میرے ہاتھوں تمہارا سودا کر دیا ہے۔
 • نہیں۔ میں یہ نہیں مان سکتی "ماتنی" نے سرکشی کی۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم جھوٹ کر رہے ہو۔
 • فرض کرو اگر یہ بات ثابت ہوگئی تو۔۔۔
 • "میں نے کہا نا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا" ماتنی دھیرے سے بولی۔ تم مجھے کہہ نہیں سکتے میں نہیں جانتی کہ کون کون ہو۔ اور مجھے کیوں اس کے خلاف کرنا چاہیئے ہو؟
 • "میں نے کہا نا کہ اگر میں ثابت کر دوں تو یہ کیا کر دوں گی؟"
 • "اگر ایسا ہوا تو میں اس کے جانے سے مار دوں گی"

"اتنی بہت ہے تم میں"
 • "ہاں میں اپنی عزت سے زیادہ عزیز کسی کو بھی نہیں سمجھتی۔
 • میں ایسا ہوی نہیں سکتا۔ سب جھوٹ ہے۔ غلط ہے میں نہیں مان سکتی۔
 • "تو پھر آؤ۔ میرے ساتھ میں تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں لیکن شرط ہے کہ تم بائیں کا خوش رو کی کہ اگر اس وقت تک نہ ملے گی رہو گی جب تک میں یہ کہوں۔"
 • کھڑکی ہاتھوں نے ماتنی کو تذبذب میں مبتلا کر دیا۔ اس کی بچھریں نہیں آیا تھا کہ کس شخص کوں ہے کیا چاہتا ہے۔ اور اس نے اتنی بڑی بات کیوں کہی تھی۔ وہ اسے کیا دکھانا چاہتا تھا۔ اسے جس وقت اغوا کیا گیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد خوفزدہ تھی لیکن اب آہستہ آہستہ اس کا خوف دور ہو رہا تھا۔ چاہے کس شخص چاہے جو بھی ہو۔ لیکن جذبات معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بھی نگ کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جو ماتنی کے لیے ناگوار ہوئی۔ وہ ابھی تک اس سے صرف باتیں ہی کرنا رہا تھا۔ ایسے ہی اس نے بیضہ کر لیا کہ وہ اس شخص کے کہنے کے مطابق اس کے ساتھ ضرور چلے گی۔ تاکہ وہ چیز دیکھ سکے جو اسے دکھانی جانے والی تھی اور وہ یوں ہی تو یہاں انوار کے لائی گئی تھی۔ اس کی یہاں حیثیت ہی کیا تھی۔ یہ شخص تو اس کے ساتھ زندگی ہی کر سکتا تھا۔
 • کھنڈے اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم سے لٹھی ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آیا۔ اس کمرے میں ایک ایسی درختی میز کے ذریعے ڈرائنگ روم میں دیکھا جا سکتا تھا۔ کھنڈے ماتنی کو اسی درختے سے دیکھ رہے تھے کہ ہمارے کی ہمارے کی اور خود واپس ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ ماتنی نے نقیضہ رنگ کے کپڑے پہنے اور وہاں تک نہیں لگا دیں۔
 • اس کو سب سے پہلے کھنڈے کی تلاش کو دیکھ کر ہی ہوا تھا وہ اس طرح اس ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا جیسے کھنڈے کا ہوتا ہو۔ ماتنی نے دیکھا کہ کھنڈے نے بڑی نرم جوشی کے ساتھ اس سے ہاتھ بھی ملایا تھا۔ ماتنی کو ذہنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ انسان اس حد تک نرمی سکتا ہے اس کے پورے بدن میں جیسے بھی ہے جیسے جیسے دھن دھن پھر اس نے کیلاش کی آواز بھی سن لی۔ وہ اسی کھنڈے سے کہا ہوا تھا۔
 • "جناب۔ مری آپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اب آپ اپنی رقم بھی عنایت کر دیں۔"
 • "کیوں نہیں کیوں نہیں؟ کھنڈے نے مسکراتے ہوئے ہائی گردن پلائی۔ وہ رقم ہاتھ میں لے کر نکلتی ہوئی۔ تمہیں انتظار کرو۔ میں ابھی رقم لے کر آتا ہوں۔"

کھنڈے ڈرائنگ روم سے نکل کر ماتنی کے پاس آگیا۔ جس کی آنکھیں پھرنی ہوئی تھیں غصے اور نفرت نے اس کے پورے بدن میں آگ لگا دی تھی۔
 • "دیکھ لیا تم نے؟ کھنڈے نے اس کے پاس آکر کہا۔ اب تو تمہیں معلوم ہو گیا نا کہ تمہارا محبوب کس قسم کا انسان ہے؟
 • "ہاں۔ دیکھ لیا میں نے۔ ماتنی نے سرکشی کی آنکھوں کی طرح اس کی آواز بھی پھرنی ہوئی تھی۔ "میں اس شخص کو کبھی مان نہیں کروں گی۔"
 • "صرف کہنے سے نہیں ہوگا۔ تم بہتوں نے جاؤ۔ کھنڈے نے بی جیب سے ایک پستول نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ جاؤ۔ اس پستول کی ساری گولیاں اس بے وفا کے سینے میں اتر دوں گی۔
 • "ہاں میں ایسا ہی کروں گی" ماتنی نے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔
 • کھنڈے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ ماتنی پستول تھیں لیے ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر جب کیلاش کی نگاہ س ہوئی تو وہ سپٹا کر رہ گیا۔ حیرت اور خوف نے اسے سنبھال کر رکھا تھا۔ وہ ہوشیار کر دینے کے لیے ہوا اور اپنے ہونٹوں رزبان پھیرنے لگا۔ اس کے بدن کا سارا خون اس وقت جیسے ٹپک ہو گیا تھا۔
 • "ماتنی۔ تم میں" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔
 • "جیلہ ذلیل کیٹنے" ماتنی نے کسی ناگ کی طرح پھسکارتے ہوئے پستول والا ہاتھ اٹھایا اور بڑبڑاتی ہوئی پھٹی ہوئی گولی تو لائی تھی۔ دوسری گولی کیلاش کے سینے میں اتر گئی۔ وہ جھپٹ کر فرش پر گر کر ماتنی نے تیسری گولی بھی چلا دی۔ وہ گولی اس کے سینے میں اتر گئی پھر ماتنی نے پورا پستول اس پر خالی کر دیا۔ کیلاش کی موت کے بعد کھنڈے نے اس کی لاش ٹھکانے میں لگانے دی تھی۔ بلکہ اس نے ماتنی کو اس کا ساتھ دیا کہ وہ اس کی لاش کو جیسے ڈال کر رہے۔ اس دن کے بعد سے پستول اٹھا تھا اور سب سے عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ کھنڈے نے ماتنی واپس بھی نہیں جانے دیا تھا۔ ماتنی اس کے لیے ایک تجربے کیلاش کی موت کے بعد کھنڈے نے اس کی لاش ٹھکانے میں لگانے دی تھی۔ بلکہ اس نے ماتنی کو اس کا ساتھ دیا کہ وہ اس کی لاش کو جیسے ڈال کر رہے۔ اس دن کے بعد سے پستول اٹھا تھا اور سب سے عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ کھنڈے نے ماتنی واپس بھی نہیں جانے دیا تھا۔ ماتنی اس کے لیے ایک تجربے کیلاش کی موت کے بعد کھنڈے نے اس کی لاش ٹھکانے میں لگانے دی تھی۔ بلکہ اس نے ماتنی کو اس کا ساتھ دیا کہ وہ اس کی لاش کو جیسے ڈال کر رہے۔ اس دن کے بعد سے پستول اٹھا تھا اور سب سے عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ کھنڈے نے ماتنی واپس بھی نہیں جانے دیا تھا۔ ماتنی اس کے لیے ایک تجربے

روح رسوا ہو گیا تھا۔ اس نے کیلاش کی ہمت سزا دے لی تھی اور اب وہ جب بھی اس کے جسم پر وار کرتی تو اسے ایسا لگتا ہوتا جیسے خود اس کی روح کو کچلے لگ رہے ہوں۔ لیکن کیلاش کے لئے اتنی سزا بہت تھی۔ وہ مر چکا تھا۔ اس کا جسم بھی اب بدل ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا اور اب ماتنی یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ پتھیل اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس کے اصرار پر مستز ہوتے جا رہے تھے اس کا ذہن اب سننے کی کیفیت میں نہ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے اگر کچھ اور دن کی طرح گزارے تو شاید وہ یہاں ہو جائے گی۔ اس نے یہاں سے جانے کیلئے کھنڈے کی خوشامدیوں کیں۔ اس کے آگے ہاتھ پھڑکے۔ لیکن اس نے ماتنی کو جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ماتنی اس عظیم الشان مکان میں ایک ایسی قیدی کی طرح تھی جسے روزانہ ایک ہی قسم کا قاتل مٹا دکھانے کے لئے مجبور کر دیا جاتا تھا۔
 • عبدل کی صورت حال داور سے مختلف تھی۔ اسے داور کی طرح باندھ کر تو نہیں رکھا گیا تھا لیکن وہ بھی سلاخوں والے ایک کمرے میں قید تھا۔ اس باندی کے علاوہ اسے اور کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اس کی پریشانی صرف اتنی تھی کہ اسے داور کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ داور کس محل میں ہے۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے۔ اور ان لوگوں نے اسے کیوں قید کر رکھا ہے۔ اس قید کا مقصد بھی ابھی تک واضح نہیں ہوا تھا۔ کھنڈے اسے کوئی خطرناک پاگل معلوم ہوتا تھا۔ جو روزانہ سلاخوں والے دروازے کے پاس آیا کرتا۔ اسے دیکھتا رہتا۔ پھر کچھ کہنے لگتا۔ عبدل نے اس سے کچھ معلوم کرنے کی ہمت کوشش کی لیکن اس نے ابھی تک کھنڈے کوئی ہمت نہ کی۔ وہ عبدل کی باتیں سن کر اس طرح مسکراتا رہتا جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی باتیں سن کر خوش ہو رہا ہو۔ اس موقع پر عبدل جھلاہٹ سے بے نیاز ہو گیا۔ ایک طرف جا کر بیٹھ جانا۔
 • اسے یہاں کھانے پینے کی کبھی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اسے قید کرنے والے اس معاملے میں بہت با اصول معلوم ہوتے تھے۔ اسے وقت پر کھانا ناشتہ وغیرہ پہنچا دیا جاتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اسے قید رکھا گیا تھا۔ اور یہ قید اس کی برداشت سے باہر تھا۔
 • اسے اس پر اس قید میں چار دن گزر گئے تھے اور ابھی تک اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ آخر چاہتا کیا ہے اس نے کھانا لانے والوں کو بھی ہمت کریدنے کی ہمت کوشش کی

ٹھے لینے کے دوران عبدل گہری لنگاہیں سے اس شخص کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اس کا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس آدنی نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اس کی آنکھوں میں شاشانی کا عکس ابھرا تھا۔ لیکن اس نے اپنے ہونٹ پیچھے لے لئے۔ وہ ان خافضوں کی موت و قیامت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ عبدل کو ٹھے دینے کے بعد واپس چلا گیا۔ روزانہ بھر بند ہو گیا اور دروازے کے بند ہوتے ہی عبدل کو اس شخص کا نام یاد آ گیا۔ وہ مجھوت تھا۔

اس کا نام یاد دیتے ہی عبدل کو بہت کچھ یاد آ گیا۔ یہ آدنی اس کے ساتھ بمبئی نیوز جیل میں تھا۔ یہ ایک خطرناک آدمی تھا۔ فنی قتل اس کے حساب میں لکھے ہوئے تھے۔ پہلے عبدل کا بھی اس سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ پھر بعد میں ان دونوں کی دوستی ہو گئی۔ ان دونوں کے برک سلیمہ تھے۔ اس کے باوجود دونوں روزانہ ایک دوسرے سے ملا کر کتے چھپکھپک رہے۔

عبدل کو یہ چلا تھا کہ مجھوت جیل سے فرار ہو گیا ہے۔ اس کے فرار ہونے کے بعد نیپل بار عبدل اسے اس آدنی کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ مدت کے حال پر جمعہ ۱۲ جون ۱۹۷۱ء کو مل گیا تھا۔

”بہت مشکل ہے عدل“ جھوٹ نے مالوہ سے لڑا
گردن ہلائی پستول تو میں تمہارے لئے کہیں سے لاسکا
لیکن اس کے باوجود تمہارے مال سے بھاگ نہیں سکتے ان لوگوں
کا انتظام بہت زبردست ہے۔ چاروں طرف اپنے آپ کو ڈھکیا
رکھے ہیں۔ ایک سے ایک خطرناک لگتے ہے ہندوستان بھر

عبدال نے جلدی سے ہسپتال آٹھارہ گھنٹے میں اڑا کر
 پہنچا۔ عجمیت بھی فوراً وہاں سے جگہا گیا۔ ہسپتال کے سٹریٹ
 ہل کر چھپے نہ زنگی مل سکی تھی۔ وہ اپنے آپ میں بے پناہ
 ہنسنے لگا۔ شوکر کر رہا تھا۔ اعتبار بھی انسان کے لئے خون کی طرح
 واگرتا ہے۔ اعتبار ہاتھ میں آیا اور گروں میں خون کی رون

”یہ کہیا، کھڑے ہو کھڑے کیجیے بھتا جا رہا ہے۔“
 ”بیچھڑے ست جانا،“ عبدالعزیزؒ دس سالہ اس میں جتنی
 ٹوٹیاں ہیں، بہت سی کھوئی مری میں انتہائی صوحا ہو جائے گا۔“
 ”یہ یہ بہت بڑا بہت بڑا ہے پاس کہاں سے آیا ہے؟“
 ”بھتا سے فادر نے دیا اب ان کو سب تم کو سلا اس کہ پتول سے
 کیا لینا۔ اب تم سلا اپنے کوئی کوئی لو کہ سلا اس کو دروازے

کو کھول دے۔ درندہ
 ”اودھ بھٹے نے ایک گہری سانس لی تو تم کہاں سے بھاگنا چاہتے ہو؟“
 ”تو کیا اٹھ جند گانی اسی کھڑی میں پڑا ہے۔ اپن بوتلا ہے جلدی کرو۔ سالا ہاتھ میں بھلی کوئی لکڑی ہے“
 ”نہیں میں نہیں اس کو کھڑی سے ہار نہیں گئے دوں گا“
 ”میں تیرے کو کوئی مار دوں گا“ عدیل نے کہا ”جلدی کرو۔ اپن کے پاس ٹام کھلاں ہوئے والے ہے“
 ”میں نے کہا تھا کہ میں نہیں آئے دوں گا“
 ”ادراہی بھی لو تانا ہے کہ رن سوچے گا نہیں گولی ماروے گا“
 ”مار دو گولی لیکن میں نہیں ہار نہیں لکوں گا“
 عدیل کے تن بدن میں آگ لگی جارہی تھی ”دیکھ اپن اب لاسٹ ٹام لو تانا ہے۔ دروازہ کھلوادو“
 ”نہیں یہ دروازہ نہیں کھلے گا“
 ”تو جھیک ہے یہ یوئے عدیل نے سانپ کی طرح بھٹکانے ہوئے اپنا پستول والا ہاتھ اٹھایا اور اس کی انگلیاں روبرو دھکی جلی گئیں۔

مکملہ نے گوریاں چلا دیں لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ گوریاں کھٹے سے عکر کر گر پڑیں۔ لاسٹ ہاتھ جیسے اس کے سامنے کوئی ایسا جادوگر اُٹھ اُٹھ گیا ہو جیسے گوریاں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں بالآخر عدیل نے جھلا کر وہ جینوں بھی اس پر بھینچ مارا۔ اور سلاخوں سے عکر کر کھڑی جی میں گر پڑا تھا جبکہ اس دوران کھٹے سکرما رہا تھا۔
 ”ساکم تر آدی ہو یا بھوت۔ سالا اٹھا پستول غالی ہو گیا پرنتو تمہیں کچھ بھی نہیں ہوا۔ اپن کوئی ڈرم تو نہیں دیکھ سکیا ہے۔“
 ”ہمت معمولی سی بات ہے عدیل بھٹے مکرانے ہوئے بولا
 تمہارے پستول میں ناکارہ کار توں بھرے ہوئے تھے۔
 ”اودھ“ عدیل نے ایک گہری سانس لی ”تو وہ سالا بھوت اپن کے ساتھ بچ کر گیا کیوں؟“
 ”ہاں تم چاہو تو اسے بچ کر سکتے ہو لیکن اسے اس کی بھی مجبوری تھی۔ اس کو وہی کرنا تھا تو میں نے کہا تھا یہ سب کچھ اس نے میرے کہنے پر کیا تھا“
 ”تم سا کیا سالا آدی ہے۔ اپن کی مجھ میں تمہارا ڈراموں آیا تم اپن کو کس لئے پھر چھاس رکھا ہے۔ اور ایسا اشتہوری بتانے کی کیا ضرورت تھی۔“
 ”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم جیسا آدی جب فرار

ہونے کا منصوبہ بنائے تو کس طرح عمل کرتا ہے میں نے ایک تجربہ کیا تھا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی اس حرکت سے میرے تجربے میں اضافہ کر دیا“
 عدیل کھٹے کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس کا ساق اس سے پہلے بہت سے لوگوں سے بڑچکا تھا۔ وہ سب کا دل سے دھتھول کے لوگ تھے۔ ان میں ہر ایک کی انہماک مختلف تھی۔ وہ بے رحم لوگ تھے بڑے اطمینان سے کسی کو مار کر مرنے اور اسی اطمینان کے ساتھ کوئی دوسرا کام کرنے لگتے تھے اس جیسا آدی اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ عدیل سے اس شخص کا کوئی مفاد بھی وابستہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس نے عدیل کو اپنی قید میں رکھا ہوا تھا۔ اور یہی وہ چیز ہے لوگ اس کی غلامی کرنے کے لئے مجبور تھے۔ اور وہاں تھا کہ انساؤں کی نفسیات لامعا اور ناچا ہوا تھا۔ عدیل کی مجھ میں اتنی موٹی باتیں نہیں آتی تھیں۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ کس ہا دھاک کر کے کہیں سے رقم حاصل کرو۔ کچھ دن عیش سے گزارا اور جب وہ رقم ختم ہو جائے تو دوبارہ مار دھاؤ شروع کر دو۔ دیکھو عدیل بھٹے نے اسے حق طلب کیا۔ تم اگر ساری زندگی بچی کو شش کرتے رہو تو کہاں سے نہیں نکل سکتے لیکن یہاں سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔
 ”تو باا اپن کو وہ طریقہ بتا دو۔ ساکم اس کو کھڑی میں بٹے بڑے تو اپن کا سٹک بھیر گلا ہے۔“
 ”تمہیں اپنے سانپ سے مقابلہ کرنا پڑے گا بھٹے زہرا اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“
 ”کہ اپن تانا ہے بھائی تو عدیل جلدی سے سلاخوں سے کال اگیا۔ تم کیا بولا میرا سانپ؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ اپن کا سلاخاں اپنی تمہارے پاس ہے لیکن اس کو کیدھر کھیلے اپن سالا اس کو روڈ ڈرم میں دیکھتا ہے۔ وہ بھٹیک تو ہے نا ساکم سالا ہمت یاد آتا ہے۔ وہ ہے کیدھر۔“
 ”وہ بھی ایسی غلطی میں نہیں کہہ رہے بھٹے نے تانا۔ لیکن میں نے ابھی اسے تمہارے بارے میں نہیں بتایا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو یا نہیں۔؟“
 ”تم کیسا بات بولتا ہے؟ عدیل دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سالا اور اس سے مقابلہ کرے گا۔ جتنے ہے تمہارا سٹک ڈھیلہ ہو گلا ہے۔ بخیر یہ تمہیں جانتا کہ سالا اپن کا سٹا دیکھ رہا ہے اور اپن کا اس سے کیا تعلق ہے۔ سالا وہ اپن کا مانی باپ ہے۔ سالا اپن اس سے مقابلہ کیسے کرے گا۔ آئندہ سے ایسا نہیں بولنا۔“
 ”تو تم اس سے مقابلہ نہیں کرو گے؟ بھٹے نے دھت

ہے میں کہا لیکن اس کے جیسے کی کھنٹ میں کوئی تیلی نہیں آتی تھی۔ ابہر دھت ہوئے کے باوجود اس کا چہرہ پر خون ہی تھا۔
 ”لولہ دیا ناگ اپن اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چاہے سالا اپن کی اٹھا جند گا کیسی کو کھڑی میں بہت جائے۔ تم سالا بھی اونٹنی کھڑی کا معلوم ہوتا ہے؟“
 ”اگر میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دوں تو؟“
 ”ما با تم اپن کو چاہے بچا اس لاکھ دے دو اپن اس سے مقابلہ نہیں کرے گا۔ تم اس کو کچھ ڈکراپن کو چاہے پوری فوج سے بھلا دو اپن لو چاہے گا لیکن اس سے نہیں لڑ سکتا۔ اسے تم کھما آدی ہے۔ اپن کو بولتے ہیں کہ اپنے مانی باپ سے مقابلہ کرو۔ سالا اپن کوئی حرم کی اولاد نہیں ہے کچھ۔“
 ”تم ہر حال میں اس سے مقابلہ کرو گے عدیل بھٹے نے کہا میں تمہاری ضد کی خاطر اپنے تجربے کو اڈھو رہا نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں ہر حال میں اس سے مقابلہ کرنا ہوگا“
 ”تم بدھ سے جانتے ہو یا نہیں؟ عدیل جھپٹ کر سلاخوں کے پاس اگیا۔ اس نے سلاخوں کے درمیان سے اپنا ایک ہاتھ نکال کر کھٹے کو پکڑنا چاہا تھا لیکن وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ عدیل نے جھلا کر زور زور سے اسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ گھوٹے دکھانے لگا لیکن کھٹے سرکار کش لیتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔
 •
 دواہ نے اپنی سانسیں سینے میں روک لیں۔ آنکھیں بند کیں۔ اور اپنے جسم کی پوری قوت اپنے بازوؤں پر مرکوز کر دی۔ کھٹے نے اسے بہت اچھا مشورہ دیا تھا کہ وہ اگر کلہا پ ہو نا چاہتا ہے تو اپنے اعصاب کو بھرنے نہ دے۔ اپنے ذہن کو اپنے قابو میں رکھے۔ اور بڑے کھٹے دل و دماغ کے ساتھ کوئی عمل شروع نہ کرے۔
 دواہ اب بھی کہہ رہا تھا اس وقت رات ہو چکی تھی اور اس کی جدوجہد کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جب سے یہاں لایا گیا تھا اس طرح بندھا ہوا تھا۔ صرف اس وقت اسے کھولا جانا تھا اسے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے جانا ہوتا اس وقت چہرہ آدی اس کے چاروں طرف ہتھیار لگے کھٹے ہوتے تھے اور دواہ جانتا تھا کہ وہ غالی ہاتھ لٹنے لوگوں سے بیک وقت مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کوئی چاہے جتنا بھی طاقت ور اور تربیت یافتہ کیوں نہ ہو اس کے عمل کی ایک حلا کر رہی ہے۔ اور وہ ان مسلح آدمیوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی ذرا کی بے احتیاجی اس کے بدن میں کئی مورخ نمودار تھی۔ اس کی آنکھیں نہیں آتا تھا کہ آخر اسے اس طرح کیوں

پھانسا لیا گیا ہے۔ یہ کھٹے چاہتا گیا ہے اس شخص سے کبھی اس کی دشمنی بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے ان لوگوں سے عدیل کے بارے میں کی بار بار دریافت کیا لیکن وہ سولے غافل رہنے لے اور کسی رکول کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان سے مزاحیہ نہیں لگی ہوں۔ دلوئے تنگ آکر ان لوگوں سے مولاات کرنے ہی ترک کر دیے تھے۔ اور اب وہ اس قیاسے آنا دھونے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اگر کی طرح بندھا ہوا لیٹا رہا تو پھر اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ آدی جدوجہد کی آدی وقت کر سکتا ہے جب اس کے ساتھ ہاتھ پاؤں اس کے ساتھ ہوں۔
 اس کے جسم کا سالا خون عمت کر اس کے پیچھے ہر اکملہ اس خون کی تپش اتنی شدید تھی کہ اسے خود حدت کی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اپنی پوری قوت اپنے بازوؤں پر صرف کر دی تھی سانسیں روک لیں تھیں۔ اس طرح اس کا ہوا جسم اس انداز سے ہلکے ہلکے جھٹکے لینے لگا جیسے اس کے بدن میں کرٹ کرٹ کچا ہو۔ اس نے اپنی مٹھیاں سمیٹ لیں اور دونوں کانوں کو ہلکے ہلکے بل دینے لگا۔ اس نے اپنی کانیاں نیچے کی طرف رکھیں پھر اپنے ذہن کی ساری توجہ مرکوز کر کے زوردار جھٹکا پھیلی بل کچھ بھی نہیں ہوا اس نے پھر دوسرا جھٹکا دیا۔ اور اس ہاں کی بندھیں ٹوٹ گئیں۔
 بندھیں ٹوٹنے کے بعد اس کے دونوں ہاتھ اس طرح اچھل کر اس کے سینے سے عکارتے جیسے ان میں سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ اس نے اپنی سانسیں ڈھیلی چھوڑ دیں جبے پر جما ہوا خون بارے بدن میں پھیل گیا۔ اس نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ لیکن یہ پہلی کامیابی تھی۔ ابھی اس کے سامنے میں اس کے سلاخوں والا مضبوط دروازہ حامل تھا۔
 وہ متر سے نیچے اگیا۔ وہ اس وقت کسی پھیرے ہوئے چپے کی طرح ہو رہا تھا۔ اس کے اندر کا خونخوار دواہ جاگ اٹھا تھا۔ وہ دواہ سے دار ہو گیا تھا۔ ہتھوڑوں کا لوں کو بھی غافل میں نہیں لاتا تھا۔ دروازے کے باہر سنا تھا۔ البتہ وہ دواہ کیلپ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ دواہ نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔ وہ سلاخوں والے دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اب اصل مردان سلاخوں کا تھا اس نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ یہ دروازہ خود کار ہے۔ کسی مقام پر کوئی ایسا بائن لگا ہوا تھا جس کو دبا لے سے یہ دروازہ ایک طرف سرک جاتا تھا۔ ایسے دروازے کو کھولنا بہت مشکل ہو سکتا تھا لیکن اس نے خود کو آزاد ملے کا یہ صلہ کر لیا اور دروازے کے قریب کھٹوں کے بل پیچھ کر اس نے دواہ کیس پکڑ لیں۔

پھر ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں لرزہ طاری ہو گیا ہو۔ وہ ایک لمبی کی چیخ کے ساتھ نیچے کی طرف لڑھک کر اس کیلوریا بدن پر گھر گھرا لے لگا تھا۔ ان مسلاخوں میں بجلی کی رو دوڑ رہی تھی۔ اسے قید کرنے والے اتنے بیوقوف نہیں معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے اس کے لئے ہر قسم احتیاط رکھا تھا۔

یہ دوا کی قوت برداشت تھی کہ بجلی کا جھکا کھانے کے بعد وہ زور سے نہیں جھنجھکتا لیکن تکلیف سے اس کا کچھ ہلکا ہوا تھا وہ ریگتا ہوا ہاتھ کے پاس آگیا اور بستر کے ایک ہائے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور بجلی کے جھکے کی صورت میں ہلکڑی اس کے لئے مسکراتی ہوئی تھی۔

وہ بہت دیر تک اس پلے کو پکڑے بیٹھا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کے بدن کی لرزش کم ہوتی چلی گئی۔ بالآخر اس کے بدن نے کانپنا بند کر دیا۔ لیکن اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ ہو چکی تھیں اور اس کا کچھ ہوا کی حدت سے سلگ رہا تھا۔ اس نے زور زور سے اپنے منہ کو جھٹکے دیئے۔ اب اس کے اعصاب کسی حد تک سنبھل گئے تھے۔ وہ پائے کا سہارا لیتا ہوا بستر پر بیٹھ گیا اس نے مسلاخوں کی طرف دیکھا۔ مسلاخوں سے اوپر بستر دوڑا۔ وہ دو لہروں میں چھپی ہوئی دائرہ رنگ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ پلے ہو گیا تھا کہ وہ ان مسلاخوں کو ہاتھ جی نہیں لگا سکتا ہے۔ بجلی کی اردو نے اس کے سامنے مضبوطی کو عمارت کر دیا تھا۔ اسے ناکالی تو ہوئی تھی لیکن اس نے بہت نہیں ہاری تھی۔ اسے پھر کوشش کرنی تھی۔

اس نے پھر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جو بجلی کی رو کو روک سکے۔ پھر بستر کے پائے کا پتلا لایا۔ لکڑی کے یہ پائے بجلی کو روک سکتے تھے۔ یہ خیال آئے ہی وہ تیزی سے ٹھنڈوں کے بل فرش پر بیٹھا اور اس نے ایک پائے کو الگ کرنے کے لئے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اس نے پائے کو ایک جھٹکا دیا اور ٹھیک اسی وقت تانیاں بچنے لگیں۔ داور زخمی شیر کی طرح غانا ہوا کھڑا ہو گیا۔ دروازے کے پار

کھڑکھڑا تھا۔ اس جسم پر اس وقت بھی سوٹ تھا۔ لیکن وہ اس وقت سگڑا نہیں بی رہا تھا۔ وہ اس طرح تانیاں بجا رہا تھا جیسے کوئی بے نیندہ ہو پر ورام دیکھ رہا ہو۔ اس کے یوں ہر بڑی غصہ دلانے والی سرگرمی تھی۔ اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

”بہت خوب بہت خوب“ اس نے تانیاں بجا کر بڑی جھجھجھتی جیسے لوگ بہت نہیں جو ہر حال میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ تم واقعی ایک دیہاتی ہو۔

”کھڑکھڑ۔ تم نے مجھے اس طرح قید کر کے اپنی موت کو خود کا وار دی ہے۔“ داور غلٹے ہوئے بولا۔ تم اس وقت میرا قاتل مانتے ہو۔ ایک وہ وقت بھی آئے گا کہ پورا ہر گھر مارا مارا کھینچے گا۔ مجھے دھمکیاں دینے کی کوشش مت کرو۔ کھڑکھڑ ہلکا ہوا کر بولا۔ اس کے ہاتھ میں گرجا لہر دہا رہی تھی۔ لیکن داور نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کی دھمکی نے کھڑکے کے روشن چہرے کی جگہ مدغم کر دی تھی۔ میں جو بھی قدم اٹھاتا ہوں بہت سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں میں نے اپنی دولت اور اتنی طاقت اپنی ہی ہاں حاصل کر لی۔

”تمہارے پاس تو تمہارے آدمیوں کی خریدی ہوئی طاقت ہے کھڑکھڑ۔ تم ذرا مجھے اس کمرے سے باہر نکال کر دیکھو۔ پھر دیکھنا ہوں تم میں کتنی طاقت ہے۔“

”تم تو بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔“ پھر شخص کی طاقت ٹھنک ہو کر رہی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ صرف جسمانی طاقت ہی کوئی چیز ہے نہیں ایسا نہیں ہے۔ دولت کی طاقت بھی بہت بڑی چیز ہوتی ہے تم جیسے دو آدمیوں کو یہ ایک وقت خرید سکتی ہے۔ ذہن کی طاقت اس سے بڑی ہوتی ہے جس کے بل پر ایک کمزور سا آدمی بھی پورے ملک پر حکومت کر سکتا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے پاس ذہن کی طاقت بھی ہے اور دولت بھی موجود ہے۔ میں ان کے بل پر بہت کچھ کر سکتا ہوں۔“

”مجھے تمہارا لیکچر نہیں سنانا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم نے اس طرح کیوں قید کر رکھا ہے۔ تم کیا جانتے ہو مجھ سے؟“ ”میں نے شاید تمہیں بتا دیا تھا کہ میں انسانوں کی طاقت کا مطالعہ کرنے کا عادی ہوں۔ یہ شغل مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور خاص طور پر تم جیسے تجربوں کی انگیخت۔ جولاہے آگے کی کو غلام میں نہیں لاتے۔ لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ دنیا ہزاروں طاقتور اور ذہین لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ شاید تمہیں یہ نہ معلوم ہو کہ اس وقت تم جو کچھ بھی کر رہے تھے وہ میری نگاہ میں تھا۔“

”مجھے اس بات کا اندازہ ہے،“ داور نے مراسمہ بنایا۔ ”کیونکہ تم جیسے لوگ ایسے جرائم کے ہیں جن میں دھوکہ شامل ہوتا ہے۔ جبکہ تم جیسے لوگوں کا معاملہ بالکل سیدھا سا دکھاتا ہے۔ ہم سامنے سے آتے ہیں اور لا مار کر اپنا کام کرتے ہیں۔ ہم چھپ کر مار کرنے کی عادت نہیں رکھتے۔ یہ تمہارے اصول کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں اور تم میں ایک فرق بھی ہے کہ تم نے اس قسم کے کاموں کو اپنا شغل بنا رکھا ہے۔ یہ تمہاری تفریح ہے جبکہ ہم اسے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ تم لوگ تو اپنی

دوستی میں بھی جھوٹے ہوتے ہو اور اپنی دشمنی میں بھی۔“ ”باتیں بہت اچھی کہنے ہو کھڑکے نے سکرلے ہوئے کہا۔ ہر حال میں تمہیں آزاد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس کی ایک شرط ہوگی۔“

”اگر تم میرے سامنے میں معلومات حاصل کی ہیں تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کسی کی شرط ماننے والوں میں سے نہیں ہوں میں جو کچھ کرتا ہوں اپنی مرضی سے کرتا ہوں۔“ ”ہاں شرط نہ سمجھو ایک سو دا کھو۔“ کھڑکھڑ جلدی سے بولا۔ ”میں تمہیں اس کے عوض پانچ لاکھ روپے بھی دوں گا۔“ ”اس مہربانی کی وجہ بھی تو تندہ داور دو بارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں اب لہر دہا رہی تھی۔

”شاید تم میرے مزاج کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔“ کھڑکے نے کہا۔ ”میں انسانوں کو مختلف حالات میں ڈال کر ان کا شہادہ کرتا ہوں یہی میری تفریح ہے۔ اچھا۔ بتاؤ کہ تم نے کبھی ڈیڑھ میل کا نام مانا ہے؟“

”یہ کیا چیز ہوتی ہے؟“ داور نے حیرت سے پوچھا۔ ”تم اسے ایک کمرہ کہہ سکتے ہو جس میں دو آدمیوں کو پھانسی کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ جنگ زندگی اور موت کی ہوتی ہے۔ یا تو دونوں ہی مر جاتے ہیں یا دونوں میں سے ایک نہیں بچتی اس قسم کے میں ایک آدمی کے ساتھ بند کر دیا جائیگا اگر تم جیت گئے تو تمہیں سے آزاد بھی ہو جاؤ گے اور پانچ لاکھ روپے بھی مل جائیں گے۔ اب بتاؤ کیا خیال ہے۔“ ”اس تجربہ کو سن کر داور کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اگر یہاں سے نجات حاصل کرنے کا یہ راستہ تھا تو یہ راستہ اس کیلئے دشوار نہیں تھا۔ مقابلے کے خیال نے اس کے بدن میں کشتی پیدا کر دی تھی۔

”بتاؤ کیا تمہیں یہ تجویز منظور ہے؟“ کھڑکے نے پوچھا۔ ”میرا خیال یہاں ہے۔ تم اس طرح مجھے خوش فرائم کر دو۔ تمہیں رہا کر کے میں تمہیں خوش فرائم کروں گا۔“

”ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔“ داور نے اس کی طرف بکھٹے ہوئے سرگوشی کی۔ لیکن یاد رکھنا۔ اگر اس کے بعد بھی تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو تمہارے انجام ہر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“

سینڈو کو ایک ٹاس کے پاس کمر چند کی موت نے بے حال کر رکھا۔ دوسری طرف یہ نہ سمجھ میں آئے والی قید بھی اس کے لئے پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔ وہ ابھی تک یہ اندازہ ہی نہیں لگا پایا تھا کہ آخر اسے ایک کو کھڑکی میں کسی جانور کی طرح بند کھوں رکھا گیا ہے۔ اس نے کھڑکے سے دوایک بار نکو پھانسی

تھا۔ لیکن اس کی باتیں سینڈو کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ بہت سوئی ہوئی باتیں کی کرتا تھا۔ جبکہ سینڈو کے نزدیک افغان کی اہمیت نہیں تھی۔ اسے صرف ایک تاریک حیرت کی تھی جتنی کہ اس طرح ملہ بیٹھ کے ذیلے سے حالات سے نکلا جانا ہے۔

لیکن اسے مدد چاہ کر کے کام تو ہی نہیں مل سکتا تھا۔ دوپہر کے کھانے میں اسے کوئی چیز کھلا دی گئی۔ کھان کھاتے ہی اس کی طبیعت اچھل ہوئے تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کوئی بہت بڑی چٹان رکھ دی گئی ہو۔ اس کی زبان سوئی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ تو خشک لگے پھر وہ بے ہوش ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔

بوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو برعکس پایا تھا۔ یہ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جہاں اسے اس سے پہلے رکھا گیا تھا۔ بلکہ یہ ایک بال تھا۔ جس کی چھت سے بے شمار تاب لگے ہوئے تھے اور ان کی روشنیوں نے اس ہاں کو جگمگ کر رکھا تھا۔ اسے ایک تختے پر اس طرح باندھا گیا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلا کر باندھے گئے تھے۔ یہی حال اس کے دونوں پیروں کا تھا۔ وہ تختہ فرش پر سرسیدھا رکھا گیا تھا۔ آگے وہ بھی بڑی ہوتی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنی گردن ٹھکرا کر ادھر ادھر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں سامنے کی طرف ہی ہوسکتی تھیں۔ اور وہ اس بال کا دروازہ دیکھ سکتا تھا جو اس سے کچھ فاصلے پر تھا۔ اس دروازے اور تختے کے درمیان بہت سی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ ادبیرہ سامنے کے آلات تھے جو سینڈو کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ لیکن انہیں دیکھ کر اس کے ذہن پر افعال سرا طاری ہو گیا تھا۔

اب اس شخص کا یہ سلوک بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ ٹاس شخص کو جانتا بھی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ نہ ملے کیوں اس کے پیچھے پر لگا تھا۔ اور وہ بھی اس انداز سے کہ جان چھوٹنے کی کوئی صدمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پہلے تو وہ صرف ایک کو کھڑکی میں بند تھا۔ اور اب اسے اسی طرح بے بس کر کے باندھ بھی دیا گیا تھا۔

پھر اس نے سامنے والے دروازے سے کھڑکے کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ دونوں بہت ہی لمبے چوڑے طاقتور معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن کھڑکے کے ساتھ چلتے ہوئے ان کی حالت ایسی ہو رہی تھی۔ اور وہ آقا بڑی شان کے ساتھ ایک سگڑا منہ میں دبائے سینڈو کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

وہ تینوں سینڈو کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ کھڑکی

دل چاہی سے سینڈہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سرگرمیوں سے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی رہی ہوئی تھی۔

”ٹھیک چاہ تم دونوں جاؤ، کھڑے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، مجھے اس آدمی سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ ہماری ضرورت تو ہمیں پڑے گی جناب۔“ انہیں سے ایک نے جہت کر کے بلوچہ لیا۔

”نہیں، کھڑے اپنی گردن ہلا دی۔“ یہ میرا بلوچہ ہے اس سے جو کچھ بلوچہ نہ ہو بھی کو بلوچہ ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں اگر کشتی ہو تو یہ سب کچھ حق بتا کر دے گا۔ سینڈہ جہت سے کھڑی کی طرف دیکھنے لگا جبکہ وہ دونوں اس ہال سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد کھڑے

لے جلدی سے ہال کا دروازہ بند کر دیا۔ ”میں تمہارا اس طرح جرم ہو گیا،“ سینڈہ نے کھڑے سے کہا ”میں نے تمہارا آخر کار لگا دیا ہے، ہوں سراجم کیا ہے میں نے؟“ ”تم وہی آدمی ہو جس نے اب سے دو سال پہلے میری عجوبہ برتنو کا گاڑی سے کچل کر ہلاک کر دیا تھا۔“ علی لانت میں تمہیں کس بیان بیان تھا، لیکن آج اتفاقاً میں نے تمہیں یہ بیان لیا ”کہا، جو اس سے ہے؟“ سینڈہ دو بار ہاتھ میں نے آج تک کوئی ایکسٹنٹ نہیں کیا ہو گا۔ یہ تم مجھ پر کیسا الزام لگا رہے ہو؟“ ”اصل بات تو یہ ہے کہ تم نے اسے زبردستی اغوا بھی کر لیا میں نے اس ہال کی تعمیر میں بہت رقم صرف کی ہے۔“

کھڑے نے بتانا شروع کیا۔ یہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کمرے سے کوئی آواز باہر نہیں جاسکتی۔ اس انتظام کے علاوہ اس ہال میں خود کار کیمرے بھی لگے ہوئے ہیں جن کے ذریعے یہاں کا ہر واقعہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ مثلاً ابھی جو کچھ تم پر گزری ہے اس کی بھی فلم بن جائے گی۔“

”اتنا کہہ کر کھڑے ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی اتنی سرور اور اس کا بوجھ اتنا بے رحم تھا کہ سینڈہ کو کہاں توں تک بچھا دیتا تھا۔ اس غصے ہونے لگا۔ اس کا بدن پسینے سے جھپکے لگا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو بیل دینا شروع کر دیا لیکن اس کی تپیل آتی کڑوا نہیں تھیں کہ اس کے زور لگانے سے ٹوٹ جائیں، کچھ ہی دیر بعد اس نے ٹھک کر اپنی کوشش ترک کر دی۔ اس دوران کھڑے بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس میں ہر ہاتھ تھا جیسے کوئی پتہ ابھار رہا ہو۔ یہ کھلونا دیکھ رہا ہو اس کے چہرے پر خوشی کا ایسا ہی تاثر تھا۔ ”بہت اچھے۔“ اس نے جتنی سے لیتے ہوئے کہا ”مرا اکبر میں بھی تو جانتا ہوں کہ اس قسم کی جد جہد کرو۔ تاہم میں اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔“

”تم ذلیل کیونے دیکھے۔“ حرا، سینڈہ نے بے بس ہو کر کہا۔ دینی شرم کر دیں۔

کھڑے ہنسا ہوا ہال کی ایک دیوار کی طرف چلا گیا۔ اس دیوار پر بہت سے پٹن لگے ہوئے تھے۔ سینڈہ کی نگاہیں اس کا نقاب کرتی رہی تھیں۔ اس نے ٹھوکر کرنا بند کر دیا تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کھڑے کیا کرنے والا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی خود کار کیمرے کو ان کے لئے لگایا ہو گا لیکن جب کھڑے نے ایک پٹن دیا تو اس وقت سینڈہ کو احساس ہوا کہ کھڑے کیا جاتا تھا۔

کھڑے کی اس حرکت کے ساتھ ہی اس جتنے میں کرن دوڑنے لگا تھا۔

سینڈہ کا دلوراجم اڑ گیا۔ اس نے ایک ایسی بھلائی چھ مادی جیسے اسے ذبح کر دیا گیا ہو اس کا پورا جسم تلخ کے عالم میں جھپکے لیے لگا تھا۔ اس نے اپنے دانت اپنے چپے ہونٹ میں اسی سختی کے ساتھ کڑو دینے کے وہ دانت اس کے ہونٹ میں اتارتے چلے گئے۔ پھر اس نے ایک دوسری چٹخ مادی اور کھڑے پٹن دیا۔ یہ کبھی کی رونق منتقل ہو گئی۔

سینڈہ کا دل کھاتا ہوا جسم سیدھا ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ کھڑے نے کہا، تم نے اس کی عزت لوٹ لی تھی۔ اور ہلاک جرم پھیلنے کے لئے تم نے اسے ہلاک بھی کر دیا۔“

”جھگڑنے کے لئے فاضل رہو میں نہیں مانتا تم کیا کہہ رہے ہو۔“ ہمیں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں میں نے بھی ایسی حرکت نہیں کی۔“

”یہ تو میں بھی مانتا ہوں کہ تم نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی ہے۔“ کھڑے مسکراتے ہوئے بولا۔

”کہا مطلب،“ سینڈہ دواور جھلن ہو گیا۔ ”پھر تم سب کیا کہہ رہے ہو۔“

”ہات ہے کہ میں گرچہ لاکھ طاقت دوسری یہاں چنے لوگ ہیں وہ سب مجھے اپنا حاکم خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے آگے سر تانی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود مجھے عمل کا کوئی نکتہ جو توجہ دینا پڑتا ہے نا۔ تاکہ ان کو بھی اطمینان ہو جائے کہ ان کا پاس کی ہر چیز یاد میں رہتا اور میرا بھی کلام بن جائے۔“

”آخر یہ سلسلہ کیا ہے۔ کیا جانتے ہو تم مجھ سے؟“ ”ہو توں سے خون لکھ لگا تھا۔ اور اس کا پورا جسم پسینے سے جھپک گیا تھا۔ اس کا چہرہ اس طرح ہو گیا تھا جیسے کسی رگوں سے سارا خون نکال لیا گیا ہو۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے اذیت ناک تجربہ تھا جو اس نے حاصل کیا تھا۔ کھڑے پٹن

مذکر کے پاس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ”کہیں انکا نہیں؟“ کھڑے نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

یہاں خیل ہے کہ یہ تجربہ تمہارے لئے بھی نیا ہو گا۔ ”آخر تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔“ بے بسی سے سینڈہ کی نگاہوں میں افسوس آئے تھے۔ ”میں نے تمہارا کیا کیا کرنا ہے مجھے کلیف دینے کا کیا فائدہ؟“

”میں نے کہا نا میں تجربہ کر رہا ہوں،“ کھڑے نے جواب دیا ”تمہیں اذیت میں دیکھ کر میرے تجربات میں اضافہ ہوا ہے مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ جب انسان کو کبھی کا کھڑا دیا جائے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟“

”تم ذلیل کیونے؟“ سینڈہ نے اسے پھر گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ”میں کہتا ہوں چھوڑ دو مجھے۔ ذلیل انسان چھوڑ دو کھڑے کوئی جواب دینے کے بغیر دوبارہ دیوار کے پاس گیا۔ اسے دیوار کی طرف جلتے دیکھ کر سینڈہ کی چٹخ دیا۔ اس کا اڑنا دیکھا پھر پٹن دیا۔ ایک زوردار چٹخ ایک زوردار چٹخ پھر پٹن بند کر دیا گیا۔ سینڈہ کا بدن اعتدال پر آیا تھا کھڑے نے پھر پٹن دیا۔ ایک اور پٹن چٹخ ایک اور پٹن چٹخ۔

”یک نغزو تجربہ تھا،“ بدباور جھپکے دینے سے سینڈہ کی وجہات ہوری تھی۔ وہ کھڑے کے لئے بڑے سکون کا سبب بن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک چمک رہی تھی۔ وہ اس طرح لڑتا کہ اپنے زانوں سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا جیسے

کوئی لذت چرکھا رہا ہو۔ دوسری طرف سینڈہ کا بدن بار بار جھپکے کھاتا۔ آخر تا پھر کھڑا ہو جانا چیتے چیتے اس کے حلق کے عضلات پیچھے لگے تھے۔ قنچ کی سی کیفیت طاری تھی اس پر اب ہونٹوں کے ساتھ ساتھ اس کی زبان کا اگلہ سرا بھی دانتوں کے دب کر کڑ چکا تھا جس سے خون رسنے لگا تھا۔ ہر جھپکے کے بعد وہ زور زور سے کھڑے کو گالیاں دیتے لگا اور کھڑے کا

قہقہہ ہال میں ابھرے لگتا۔

بالآخر کھڑے دیوار کے پاس سے ہٹ کر دوبارہ سینڈہ کے پاس آ گیا۔ اس کی لذت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے ایک نیا تجربہ کیا تھا۔ اور یہ تجربہ اسے سکون پہنچا رہا تھا۔

”کہا حال میں تمہارے۔“ اس نے سینڈہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا بوجھ ایسا تھا جیسے اسے سینڈہ سے

بھردی خصوص ہو رہی ہو۔

”جھگڑنے کے لیے مجھے جانے دو؟“ سینڈہ نے تنقید لگاتے ہوئے کہا۔ اس کے ٹھوک میں خون کی آمیزش تھی۔ ”تم میرا کون کر رہے ہو،“

”میں تمہیں رہائی حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ بتا سکتا ہوں،“ کھڑے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی کہ کا بوجھت ہر اس کو گیا تھا۔

”کہا طریقہ ہے؟“ سینڈہ نے ڈھل انداز میں پوچھا۔ ”بتاؤ جھگڑنے کے لئے بتاؤ کیا کرنا ہو گا مجھے؟“

”کوئی آسان شکل طریقہ نہیں ہے،“ کھڑے سینڈہ کے کچھ اور قریب آ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایسا ہی تاثر تھا جیسے کوئی بہت اہم انکشاف کرنے والا ہو۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ خود کشتی کر لو؟“

”کہا؟“ سینڈہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا تم باطل ہو گئے ہو۔“

”صحبتوں میں نے آج تک کسی کو خود کشتی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کھڑے کا بوجھت خوابانہ ہو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کسی کو خود کشتی کرنے کے لئے دیکھنے کی لذت کیسی ہوتی ہے۔ میں اس تجربے سے اب تک محروم رہا ہوں۔ تم جاؤ تو میرا کام کر سکتے ہو۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ خود کشتی کرنے والے کے چہرے پر کسے تاثرات ہوتے ہیں؟“

”ذلیل کیونے؟“ سینڈہ اسے پھر گالیاں دینے لگا۔ ”میں تیری جان لے لوں گا۔“ کھڑے زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔“

کھڑے نے اذیت مانس پڑا۔ ”میرے خود کو آزاد کرالو۔ پھر مجھے مارنے کی کوشش کرنا میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ تم اس قید سے کبھی رہائی نہیں حاصل کر سکو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اسی لئے بہتر ہے کہ میں نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کر دو گی۔ تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ اور اگر تم نے البتہ نہیں کیا تو تمہارے مقتدر میں ایک اذیت ناک موت لچھی ہے۔“

”لعنت ہو تجھے پھر،“ سینڈہ نے اچانک اس کے منہ پر تنقید دیا۔

”میں نے تمہاری اس حرکت کا برا نہیں مانا،“ کھڑے نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے سے تنقید صاف کیا پھر اس رومال کو ایک طرف جھینک دیا۔ ”تمہارا یہ رومال بالکل فطری ہے۔ میرا حال میں پھر تم سے بہتر ہے کہ تمہیں میری بات مافی ہوگی۔ ورنہ ای طرح تشدد و برداشت کسے نہ ہو۔“

سینڈہ نے اسے پھر ایک موٹی سی گالی دی اور کھڑے ملتے ہوئے دیوار کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بہت عجیب سا آدمی تھا بہت اکھڑا بہت نرم مزاج بہت ہمدرد اور بہت دلیر۔ اس کے ساتھ ہی وہ نرم مزاج

227

مٹی تھا۔
 ٹھٹھنے اس بہت اعتقاد کیا تھا کہ تو اس کا نام تو
 نہیں معلوم تھا۔ لیکن اس نے ٹھٹھ کو پورا نام راجا جتلیا بھی لکھ
 نے اس کے حالات جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اس
 کے لئے یہی بہت تھا کہ راجا بہت کام کا آدمی تھا۔ اور وہ
 ٹھٹھ کے بہت سے معاملات بڑی خوبی سے سمجھا رہا تھا
 ٹھٹھ کو تجربات کرنے کا شوق تھا اور تجربات کی خاطر انسان کو
 فراہم کرنے کا کام راجا کا تھا۔ راجا کے بڑے بھتیجے نہیں کر سکتا
 تھا کہ تو اور راجا کی ملاقات بھی بہت عجیب انداز میں ہوئی
 تھی اس وقت ٹھٹھ نے اپنے ہاتھ پاؤں کی میٹھی پھیلائے تھے
 بے بہاہ دولت رکھنے کے باوجود اس نے (بھی) تلک کسی انسان
 کو خوشہ مشق بنانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اس کام کے لئے اسے
 کسی قابل اعتماد و سائنسی کی تلاش تھی۔ اور اس کی ملاقات راجا
 سے ہوئی۔

ایک دوپہر کو کھڑے نہراں راجا کو دیکھا تو جھکا کر کہنے لگا: "نوجوان بہت پسند آیا۔ اس کے انداز میں عجیب کیسے نیازی اولیاء ہو گئی۔ وہ جائے بی رہا تھا۔ کھڑے اس کے سامنے والی میز پر ہاتھ رکھ گیا۔ اس کے پیچھے ہی سرنگھان آڈر لینے کے لئے اس کے پاس آگئی۔ وہ لے کر بیٹھ کر منہ کی دوسری طرف خود ہی کھتی۔ سرنگھان دیکھ کر کہنے لگا: "راجا کی طرف نگاہیں جلتے ہوئے سرگوشی کی۔" یہ نوجوان کون ہے؟

”معلوم نہیں“ ممبر کلپان نے جواب دیا۔ ”میں نے اس سے پہلے یہاں اسے کبھی نہیں دیکھا۔ شاید نامعلوم ہوتا ہے۔“ کھٹنے پھر کھانوں کا ڈر دیا اور ممبر کلپان کی کن کی طرف پلٹ گئی۔ یہی اسی وقت وہ واقف ہوا جس نے راہ اور کھٹے کا ایک دوسرے

یہ اتفاق تھا کہ اس وقت اس لڑکھونٹ میں حوالے
 کئے اور اس یونچوان کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ کھتہ دیکھ کر
 اس یونچوان نے ایک لنگہ ان دونوں پر ڈالی پھر لپٹی چلے گی
 طرف متوجہ ہو گیا جیسے اس کو بے پرواہی نہ ہو۔ اس کی بے پرواہی
 دیکھ کر کھتہ اور جی جزلان ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اس سے نکلیں
 ہمارا کر ان دونوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

”تم دونوں اپنی جگہ سے مت ہلنا“ پستول ہر دو اہلستقل کجا
ہوئے کہ رہا تھا۔ ”لو ہر دو کے نو نقصان اٹھاؤ گے“
اس دوران دوسرے نے زور زور سے منتر کلیان کو آواز کیا
”جی شروے ک دیں“ اے بڑھیا باہر۔ اے باہر اڑھیا۔

ممنوع کیا ان اس وقت ہنسا کہ آؤ رے کر رہے ہاتھ میں نے
 کچن سے باہر ہی آ رہی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ ٹرے اس
 کے ہاتھوں سے گسٹے کرتے رہی تھی۔

تم دونوں پھر ایدھر آگیا۔ سبز کلیان نے غصے سے کہا
 "تمہیں اور جگر مرق کیوں نہیں ہوتا تم لوگ امالہ پیچھے کیوں پڑ
 گیا ہے؟"

”آج تو ہم تجھے تہا کر کے آئے ہیں بڑھیا یا پستول بھڑو
ہنستے ہوئے، بولا۔ سب سے پہلے جمہوری دولت پر قبضہ کر لیا
گئے۔ تو نے بہت مال جمع کر لیا ہے۔ پھر تیرے اس ریسٹورنٹ
کی ایسی تہی کر کے چلے جائیں گے، اور، دیکھ لے گا، تیرے
پاس پستول بھی ہے۔ اگر تو نے آواز نکالی تو تیری کھوپڑی کا
سوراخ ہو جائے گا۔ سمجھتی؟“

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ایک کرسی الٹی ہوئی
اس نوجوان کے ہاتھ سے ٹکرائی اور اس کے ہاتھ سے ہلکتی ہوئی
کر ایک طرف گر پڑا پھر دوسری کرسی الٹی ہوئی اور اس نوجوان کے سر
پر پڑی اور وہ کرسی میں الجھتا ہوا ایک طرف الٹ گیا یہ سب
کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ کند دیکھتا ہی رہ گیا تھا کہ کرسیاں

اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کمریاں وہ نوجوان لڑکا تھا جو بڑی فاشوشی سے بیٹھا ہوا چلے ہی رہا تھا۔

تیسری کمری کے دوسرے نوجوان کو ڈیپھر کر دیا تھا۔ ان دنوں کے ڈیپھر بوجالے کے بعد وہ آہستہ آہستہ مطمئن انداز میں چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔ اس نے فٹ پر گر کر ہاتھوں ہٹا کر اس جبر کھول کر گولیاں نکال کر اپنی جیب میں رکھیں پھر ان دونوں کو کاروں سے بکڑ کر اٹھایا۔ وہ دونوں کمریوں سے زخمی ہو گئے تھے۔ ایک کاسٹریکٹ گمراہ تھا دوسرے کا پورٹری ہو گیا تھا۔ وہ نوجوان بڑے اطمینان کے ساتھ ان دونوں کو پھینکا ہوا دروازے تک لایا اور دروازہ کھل کر ان دونوں کو باہر کی طرف پھینکا دیا، اس کے بعد وہ اسی اطمینان سے لوٹی کمری پر آ کر ڈیپھر گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ حیرت نہ زہر نہ گمراہ تھا جبکہ سرکلران کی حالت بھی کتنے سے مختلف نہیں تھی۔

اس نوجوان کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ
دونوں پبلٹ کر بھی آسکتے تھے۔ ایسی بے نیازی کھتنے اس سے
پہلے نہیں دیکھی تھی۔ مسٹر کلیان اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی اس
نوجوان کی ہیز کے پاس آگئی۔

”جوان تم نے تو کمال کر دیا“ اس نے کہا۔ تمہارا بہت بہت
شکر ہے لیکن تم اومھرے جاؤ۔ وہ آدمی لوگ بہت خراب ہے۔
وہ تمہارا نقصان کر سکتا ہے۔

”کوئی بات نہیں، وہ سکا دیا“ ویسے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ بہادر نہیں ہو سکتے۔ تم جا کر دیکھو۔ وہ دونوں اکٹھے کمر جھاگ لئے ہوں گے“

مزمع کمان چند لمحوں تک اس نوجوان کی طرف دیکھتی رہی پھر دوڑنے کی طرف چلی گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور مطمئن ہو کر واپس آئی۔

”تم ٹھیک بولا تھا۔ وہ دونوں بھاگ گیا ہے لیکن میرے
کو پھر تنگ کرے گا۔ ابھی تو بھاگ گیا ہے لیکن پھر آئے گا۔“
”اٹلیان رکھو وہ اب نہیں آئیں گے“ نوجوان نے کہا
اور اپنی بات جانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کھتا اچھ کر اس کی میز کے پاس آگیا۔ آسے اس شخص کی دلیری اور اس کی بے نیازی بہت پسند آئی تھی۔ وہ ایسے ہی کسی جیالے کی تلاش میں تھا۔

کے طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”بیٹھ جاؤ“ اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔
 ”ہوسٹل میرا نہیں ہے تم جہاں چاہو بیٹھ سکتے ہو“

میرے نام سے تمہیں کیا لینا ہے؟
 بس لے لو جو چاہو رہا ہوں تمہاری دلیلی مجھ پر عاتق
 ہے چلو میں اپنا نام تمہاری باتوں۔ مجھے کھڑکڑی لالہ تمہیں
 تم بتاؤ۔

”میرا نام راجا ہے۔“ اس کے جواب دیا۔
”ہندو ہو یا مسلمان“

”اس سے کیا فرق بڑتا ہے۔ آوارہ گرد آدمی ہوں۔ مجھ جیسے آدمیوں کا کوئی مذہب نہیں ہو کرتا۔ کوئی نام نہیں ہوتا۔ کوئی زمین نہیں ہوتی۔“

”بہت خوب یہ کھنڈہ مسکرا دیا۔“ مجھے تم ہی جیسے آدمی کی
لکڑاٹھ مٹھی، اب تم مل گئے ہو تو میں تمہاری مدد سے اپنے
خوابوں کی تکمیل کر سکتا ہوں۔“

”تم کیا چاہتے ہو مجھ سے اور کیا ضروری ہے کہ میں تمہارے کام آ جاؤں۔ میں نے اپنی زندگی نہیں سیکھی ہے۔“

”تم میرے کام آؤ گے۔ کیونکہ میں اپنی دولت کے ذریعے تمہاری اولاد کو دی کے کہ تم کو ختم کر دوں گا۔“

”اچھا، راجا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اتنا دعویٰ ہے تمہیں۔ بتاؤ کتنی دولت ہے تمہارے پاس؟“

”لے جاؤ تم اور میرے ساتھ۔ میں تمہیں اپنا ساتھی بنا کر خوشی محسوس کروں گا“

راجا جی لاہ پور وائی کے ساتھ اس کے ساتھ چل پڑا
 کھڑے اُسے اپنے ساتھ اپنی عالی شان کو کھلی میں لے آیا۔ راجا
 اس کے ٹھکانے ہارے کو دیکھ کر کبھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔ ایسا
 لگتا تھا جیسے اسے کسی چیز کی پرواہ ہی نہ ہو۔ کھنڈے اس
 کی خاطر مزارات کے لیے اہل انصاف و ہر اس کے سامنے رکھ دیا
 وہ اپنی بے پناہ دولت کے بل پر لے آئے اور پھر حرمات کو راجا پنا

تھا۔ وہ انسانوں کی مختلف عیاض کو دہننے اور ان کا شہادہ کرنے کا شوقین تھا۔ لوگوں کی دلچسپیاں مختلف ہو سکتی ہیں۔ کوئی لوگ کے عہد کے جمع کرتا ہے کسی کو کچھ کہنے کا شوق ہوتا ہے۔ کسی طرح کھنڈ کا شوق انسان جذبات کا جائزہ لینا تھا وہ۔ فرنگی کے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ انسان جنت کس طرح کرتا ہے۔ فرنگی کے اتھا کیا ہوتی ہے۔ قربانی کا جذبہ کیا ہوتا ہے۔ تفسیر حد تک برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے ایمان کو خرابے میں کسی لطف آتا ہے۔ جو خوشی کے وقت اس کی کمالیت ہوتی ہے

غرضیکہ وہ انسان کو ہر انداز سے دیکھتا اور پرکھتا چاہتا تھا کہ اس کے لئے وہ قتل و غارتگری پر کبھی آمادہ تھا لیکن اسے اب تک کوئی ایسا قابل اعتماد آدمی نہیں مل سکا تھا جو اسے

کے اس اٹھنے مشن کو آگے بڑھا سکے۔ اور اب اسے راجا مل گیا تھا۔ راجا نے بڑی حیرت سے اس کی باتیں سنیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی شخص کا شوق اس قدر اٹھنا بھی ہو سکتا ہے لیکن اسے کھنڈے کے شوق سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ اصل دلچسپی اس کا مدافعت سے بھی چوکنے نہ ہرماہ اسے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ راجا کے ساتھ دینے کی صورت میں اسے بیس ہزار روپے ماہانہ ملنے والے تھے۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ اور وہ اس رقم کو حاصل کرنے کے لئے کھنڈ کی ہریات ماننے کے لئے تیار تھا۔ وہ اس کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا۔

ای دن اسی لمحے سے راجا اور کھنڈ ایک ہو گئے۔ راجا نے اس کے لئے بہت کام کیا۔ اس نے سب سے پہلے شہر کے چھٹے ہوئے فنڈوں کو خرید کر ارد گرد بچھ کر لیا۔ پھر ان کی مدد سے وہ انسانوں کا شکار کرنے لگا۔ لیکن اس نے اب تک باغی اختیار رکھی تھی کہ اپنے ہاتھوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ وہ مختلف مزاج اور کردار کے لوگوں کو گھیر کر کھنڈ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ پھر ان کے میں واپس چلا جاتا اس لئے بھلائے کی کوشش نہیں کی تھی کہ کھنڈ کس طرح ان لوگوں کے جنایت اور ان کی کیفیت کا جائزہ لیا کرتا ہے۔ یہ کام اس کا نہیں تھا۔ اس رات بھی کچھ لوگ کھنڈ کے عقوبت خانے میں پکڑ کر لائے گئے تھے۔ راجا اس جہم پر نہیں گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا تھا کہ ان میں سے ایک کا نام عبدل اور دھڑ کا داور تھا۔ اور یہ دونوں اتنے جیلے تھے کہ کھنڈ انہیں جلد جیلہ فارغ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ انہیں زیادہ دنوں تک قید میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اور ان دونوں کو فارغ کرنے کے لئے کھنڈ نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے لڑوانے کی ترکیب سوچ لی تھی۔ یہ بات کھنڈ نے خود راجا کو بتائی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ دونوں چونکہ ایک دوسرے کے گھمبیرے دوست ہیں اسی لئے شاید وہ ایک دوسرے سے جنگ ہو کر مادیوں کھنڈ نے اس کی ترکیب پر سوچتی تھی کہ ان دونوں کی آنکھوں پر بٹی باندھ کر انہیں ایک بال میں چھوڑ دیا جائے گا اور ان دونوں کے ہاتھوں میں زہر سے بھی ہوئی تلواریں ہوں گی اگر ان دونوں کے جسموں پر زہریلی خراش اگنی وان کا کام آتا ہو جائے گا کھنڈ اپنے اس اٹھنے خیال سے بہت خوش تھا۔ یہ اس کے لئے ایک اٹھنا تجربہ ہوتا۔ راجا اس کی بیخیز سن کر مر بلا تیار تھا۔ اس نے کھنڈ کے ساتھ رہ کر اتنے تجربت کرتے تھے کہ اس کی دلچسپی اب ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک شام راجا نے اس آدی کو دیکھنے کا ارادہ کیا جس

کا نام داور بتایا گیا تھا۔ راجا کو ابھی تک اس آدی کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس سے جگہ قید رکھا گیا ہے۔ اپنے کمرے میں بھی ہوئی انھیں پر اس لئے چائے تیار کی۔ چائے پینے کے دوران اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ یہ کہہ کھنڈ نے ہی اسے دیا تھا۔ اس کمرے میں آرائش کا ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد راجا نے چائے تیار کیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ داور کے پاس اس وقت چلے جائے جب سنا ہو۔ پہرے دینے والے تھک کر دلہاروں کے سہارے آرام سے بیٹھ چکے ہوں۔ اسے داور سے کچھ پوچھنا بھی تھا۔ اور وہ ایسی باتیں نہیں چوکنے یا ان کے آدمیوں کے سامنے بلو بھی نہیں جاسکتی تھیں۔

چلنے پینے کے بعد اس نے سگریٹ سلگائی اور بولے ہوئے کش لینا ہوا کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی سے باہر کوٹلی کا وسیع و عریض لان دکھائی دیتا تھا۔ اس لان میں اس وقت ستانا تھا۔ البتہ کھربوں سے لگی ہوئی دوھیہ بلیوں کی روشنیاں عجیب سا تاخیر پیش کر رہی تھیں۔ پھر اس نے لان میں ایک آدی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔

راجا نے جلدی سے اپنی سگریٹ سلگائی۔ اسے اس آدی کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ رات کے اس وقت لان کی طرف کسی کا آنا ایک نئی بات تھی۔ مالی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اسے ہدایت تھی کہ وہ رات کے وقت اپنے کواڑے باہر نکل پھرے۔ لیکن وہ سنا تھا۔ راجا نے اپنی نگاہیں اس پر جمادیاں وہ شخص بہت ہی مختار انداز میں لان کے عجیب حصے سے ہوتا ہوا کھنڈ کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک واضح طور پر دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ جس حصے میں تھا۔ اس حصے میں دھڑوں کے سامنے تھے۔ ان سالیوں نے اسے ناقابلِ شرافت بنادیا تھا۔

راجا نے اپنی سگریٹ ڈش پر پریک دی۔ اور اپنی جیب سے لپٹول نکال لیا۔ وہ کوئی بھی ہو کھنڈ کے لئے مشکوک ہو سکتا تھا۔ اپنے آدی اس طرح چوری چھپے حرکت نہیں کیا کرتے۔ سامنے سے آتے ہیں۔ راجا نے لپٹول کی نال اوپر اٹھائی اور اسی وقت وہ آدی اندھیروں کی سرحد عبور کر کے اجلے میں آ گیا۔ راجا اسے دیکھ کر کھٹک گیا تھا۔ وہ بالو تھا۔

بالو بھی کھنڈ کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ کھنڈ اسے کہیں سے اپنے یہاں لے آیا تھا۔ اس کے بارے میں کھنڈ کا کہنا تھا کہ بالو ایک بے رحم قاتل تھا۔ وہ بہت

نہ تر خور و شرک انسان تھا۔ لیکن کھنڈ نے اسے اپنی فنی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اور اسے اپنے آدمیوں کا نگران قرار دیا تھا۔ قیدیوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمہ تھی۔ اس مکان میں اپنی مرضی کے مطابق چلنے پھرنے کی آزادی حاصل تھی۔ اسی لئے اس کا اپنا بڑی چھپے رات کے وقت کسی طرف جانا بھی نہیں رہا تھا۔

راجا نے اپنا لپٹول دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ بو کوئی اجنبی نہیں تھا۔ جسے لکڑاے بغیر گولی مار دی جاتی۔ اگلے اس نے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسے پہلے اس معاملے کو نمٹانا تھا۔ اس کے بعد داور سے ملنے کے لئے جانا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر اگر وہ سامنے کی طرف میں گیا تھا۔ بلکہ اس نے ایک عجیب راستہ استعمال کیا تھا۔ راستہ اسے لان کی دوسری طرف سے اس مقام تک پہنچا جاتا تھا۔ بالو دکھائی دیا تھا۔ وہ ایک طویل چکر کاٹ کر اس مقام تک پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بالو اپنی دیر میں گئے بڑھ چکا ہوگا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ وہ ی جگہ کھڑا تھا۔ ایسا ممکن تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔

بالو اسے دیکھ کر مڑی طرح جھٹک پڑا۔ اس کے چہرے مارگ اڑ گیا تھا۔ راجا دھیرے دھیرے اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی نگاہیں بالو پر مرکوز کر دیں تھیں۔ ”کیا بات ہے۔“ پھر راجا نے ایک دوسری سگریٹ سلگائی۔ ”میں نہیں تو بالو نے اپنے ہاتھوں پر زبان پھیرے ہوئے جواب دیا۔ ”میں تو بس یوں ہی آکر کھڑا ہو گیا ہوں ات یہ ہے کہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسی لئے میں نے سوچا کہ کچھ دیر جیل قیدیوں کو لیکن تم جیسے دکھائی دے رہے ہو۔“

”نیند تو مجھے بھی نہیں آ رہی ہے بالو“ راجا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”ای لئے میں نے سوچا کہ میں یہاں آ کر کھڑا ہو جاؤں۔ اگر نہیں کوئی اعتراض؟“

”تم وہاں اپنی چلے جاؤ تو بہتر ہے۔“ بالو نے اچانک لپٹول بٹھلایا۔ ”میں اپنے ہاتھوں سے تمہارا خون نہیں کرنا چاہتا۔“

”اوہ! راجا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تو یہ بات ہے۔ ٹھیک ہے۔“ انہیں چلا جاتا ہوں لیکن اتنا تو بتا دو کہ یہ سب کیا ہے۔“

”سہمی جی بات ہے میں یہاں سے کسی کو نکال کر

اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“ بالو نے کہا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ تم میرے راستے میں رکاوٹ نہ بنو۔“

”کچھ مجھے بھی تو بتا دے۔ وہ خوش نصیب کون ہے جس کو بالو یہاں سے نکال کر لے جا رہا ہے؟“

”نہیں۔“ میں نہیں بتا سکتا۔ بالو لپٹول یا ہتھ میں لئے ہوئے ہونے کے باوجود بہت نرمی دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہو کہ وہ اس لپٹول کا گڑ بڑا دیا تھا۔ لپٹول ہاتھ میں ہونے کے باوجود وہ راجا سے خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔

”تمہاری مرضی؟“ راجا بالو دلی سے بولا اور چلنے کے لئے مڑ گیا۔

بالو نے اسے واپس جانے کا ارادہ کرتے دیکھ کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور اسی وقت راجا نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے بہت سلیقے اور پھرتی سے یہ حملہ کیا تھا۔ ایک ہاتھ بالو کے لپٹول والے ہاتھ پر پڑا اور دوسرا ہاتھ پوری قوت سے بالو کے چہرے پر جم گیا۔ پہلے ہی جھٹکے میں بالو کے ہاتھ سے لپٹول چھوٹ کر گر گیا تھا۔ چہرے پر لگنے والی ضرب سے وہ جھٹک کھا کر پیچھے ہٹا پھر اسی وقت راجا نے اس کے پیٹ کے عین درمیان ایک ٹھوکر بیکر دینی کی ایک ایسی حرکت کی کہ اس کے سامنے بالو دوڑوں ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑ کر آگے کی طرف جھکا اور راجا نے جھپٹ کر اس کا کالر پکڑ لیا۔ اور یہیں پر راجا نے غلطی سرزد ہوئی۔

بالو شخص دکھا دے کے لئے اپنے پیٹ کو پکڑ کر دھڑکاتے ہوئے راجا کا ہاتھ جو بھی اس کے کالر پر آیا اس نے پوری قوت کے ساتھ راجا کے پیٹ میں اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں ٹکھا دیں۔ یہ ایک ایسی ضرب تھی جس نے راجا کو بے حال کر دیا۔ وہ لٹک کر ایک قدم پیچھے ہٹ آیا۔ اسی وقت بالو نے اس کی پٹائی پر ٹھوکر رسید کر دی۔ بالو بنیادی طور پر ایک لپٹول لڑا تھا اور وہ اس وقت اپنی پوری جہارت سے کام لے رہا تھا۔ اس کی ٹھوکر لگنے لگی۔ راجا زمین پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی بالو نے اس پر پھلانگ لگادی تھی۔ لیکن راجا نے عین وقت پر اپنے دونوں گھٹنے موڑ لئے۔ بالو پر راجا اس کے گھٹنوں سے جکرایا اور تڑپ کر ایک طرف لپٹک گیا۔ اس کے سینے اور پیٹ پر بہت کاری ضرب لگی تھی۔

راجا نے اسے اس بار سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ پھر سے کھڑا ہوا اور بالو کو ٹھوکر دیں مار دیں شروع کر دیں۔ کچھ ہی دیر بعد بالو نے گردن ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

”تمہیں کیسے معلوم کہ میرا نام راجا ہے؟“

”کھڑے راہی، اب کہہ دیجئے گا راجا تھا؟“

”اور یہ تو میں بھولی ہی گیا تھا، براہِ ماسکرادیا، میرے تو بہت سے نام بدل چکے ہیں جیسا۔ یہ سب تو اس وقت کا نام ہے جب ماں زندہ تھی، تم میرے ساتھ تھے، خیر۔ یہ باتیں توجہ میں ہوں گی، پہلے ذرا کھڑکھڑاؤ تو دیکھ لیں۔ ویسے وہاں مکان سے باہر نہیں نکل سکتا، تمام قیدیوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی ہے، اسے کوئی بھی جانے نہیں دے گا۔“

راجا نے اپنی بات ختم کی تھی کہ باہر سے کسی کی چھٹی سنائی دی۔
”یہ آواز کھڑکی ہی کی معلوم ہوتی ہے، راجا نے کہا: لکنا ہے بے چارے کو زیادہ دو نہیں جانے دیا گیا۔ اب آؤ میرے ساتھ وہ دونوں ہاں سے باہر آئے۔ جہاں بہت سے لوگ جمع تھے، لیکن راجا کی تحریک نے ان کے اندر جھپکے ہوئے انسان کو بے درگزر دیا تھا۔ وہ سب کے سب کھڑکی کی زنجیریں توڑ چکے تھے۔ اور کھڑکی ان لوگوں کے درمیان فرش پر پڑا ہوا گہری گہری سائیں لے رہا تھا۔ وہ دونوں بھی اس مجمع میں جا کر شامل ہوئے۔ داور بڑے غور سے کھڑکھڑا رہا تھا، اس کی پٹھانی بریڈی ٹھٹھیں بے تباری تھیں کہ وہ انسان کو ایک وقت طاقت ور اور کوردیکھ کر سوچ میں پڑ گیا ہے کھڑکھڑا طاقت ور تھا لیکن اس وقت اپنے ہی زرخیز دلوں کے درمیان کسی بے بس جوہر کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس کی اذیت پوری کا سارا جوش کھڑکھڑا ہو گیا تھا۔

”اسے اٹھائے، تہہ خانے میں لے چلو، راجا نے وہاں کھڑے ہوئے لوگوں کو حکم دیا۔“
”اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے، ایک آدمی جمع سے نکل کر سامنے آگیا، آئے تہہ خانے میں لے جاؤ گا۔ اور اس کی جگہ باندھوں گا چاہاں اس نے مجھے باندھ رکھا تھا؟“

داور نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا، اس کوئی سے کرم چند کے مکان میں اس کی زندگی بھر رہی تھی، لیکن یہاں حیرت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اس جگہ ایسے بہت سے چہرے تھے جو اس کے لئے اجنبی نہیں تھے، یہ جہاز کی دنیا کے لوگ تھے انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اودھم مچا رکھا تھا لیکن کھڑکھڑا نے اپنی دولت سے ان بھولوں کو زیر کر لیا تھا، اس کا یہ تجربہ بڑی حد تک کامیاب ہو گیا تھا کہ دولت سے دنیا کے ہر انسان کو زیر کیا جاتا ہے۔ لیکن راجا کے معاملے میں اس کا تجربہ بڑی طرح ناکام تھا، اسے شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ دولت دولت سے زیادہ طاقت رکھتی ہے، اور خون کا رشتہ سونے کی زنجیر

بھی توڑ دیتا ہے۔

سینڈ وٹے آگے بڑھ کر کھڑکھڑا اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اس نے بھی داور کو دیکھ لیا تھا، لیکن اس وقت اس کا سارا دھیان کھڑکی کی طرف تھا۔ اس نے اپنی توانائی اسی پر صرف کر دی تھی، ان لوگوں کے لئے گویا ایک جتن کا سامنا تھا وہ سب ہی شور مچاتے، اچھے لگاتے، ہونے تہہ خانے کی طرف چل رہے۔ سینڈ وٹے کھڑکھڑا کو بازوؤں میں اٹھائے سب سے آگے چل رہا تھا جبکہ داور اور راجا سب سے پیچھے تھے۔

”میرا ایک ساتھی بھی یہاں تھا، اسیم؟“ وہ اپنے چلتے کہا۔ ”عبدل نام ہے اس کا؟“
”میں اس سے مل چکا ہوں،“ اسیم سرکا دیا۔ ”وہ تو بہت ہی مزے کا انسان ہے۔ اس وقت وہ ایک ایسے کمرے میں ہے جہاں ہر طرف شراب کی بوتلیں لٹکی ہوئی ہیں، میں نے اسے وہاں پہنچا دیا تھا۔ شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کھڑکھڑا کھڑکھڑا یہ تھا کہ تم دونوں کو اندھا قاپ پینا کر ایک دوسرے سے بھڑا دیا جائے۔ اور دونوں کے ہاتھوں میں زہریلی تلواریں تھیں دی جائیں، تاکہ تم دونوں ہی ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے ہلاک ہو جاؤ۔“

”یہ تو بہت کینگی، ولی حرکت تھی اس کی؟“ داور نے ہونٹوں کو چھینچھینے ہوئے بولا۔

”اس نے اور بھی بہت کچھ کیا تھا،“ اسیم نے کہا، ”اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا ساتھ دیتا رہا۔ میں تو ابھی تک اس کے ساتھ ہی رہتا، لیکن اتفاقاً تم ہر نظر پڑی، اور یہ سلا کھینچ ختم ہو گیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ کھڑکھڑا تمہیں تمہارے ساتھی سے ملوانے کا ارادہ کر لیا ہے تو میں نے تمہارے ساتھی سے ملاقات کی اور اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد میں خود تمہارے ساتھی کی جگہ تمہارے مقابلے کے لئے آیا، خیر یہ مقابلہ تو بس یوں ہی تھا، ذرا کھڑکھڑا کا دل خوش کرنا تھا، ورنہ تم نے تو پہلے ہی سارا انتقام کر رکھا تھا۔ مجھے تو اس بات پر حیرت تھی کہ میں جس سے بھی بات کرتا وہ فوٹائی میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوا، چاہے کھڑکھڑا کے مرے دن آگئے تھے، اسی لئے اس کے وفادار لوگ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔“

”آخر یہ کھڑکھڑا چاہتا تھا؟“ داور نے بوجھا، ”یہ ایسا درندہ کیوں نہ کیا تھا؟“
”اس کی کہانی بھی بہت عجیب ہے، بھائی،“ اسیم نے کہا، ”میں کسی دن آرام سے جٹاؤں لگتی تھی، اچانک اس کا کتا بھاڑا دیکھتے ہیں، ہم انہیں روک نہیں سکتے، ان لوگوں نے اس کے ہاتھوں بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ اگر تم مائی کی کہانی ان

تو تم کھڑکھڑا کی وقت کھٹے کر دو۔“

اسیم بہت کچھ بولتا رہا۔ داور اس دوران صرف یہی ہاں کرتا رہا تھا۔ اس کے لئے آج کا دن بہت مبارک ثابت ہوا تھا، اسے اپنا کھو گیا، باندھائی میں گیا تھا، باندھنا، تو تو انسان کا جو کچھ بڑھا رہا ہے، اسیم نے بہت اچھی جان لگائی تھی۔ وہ بھی داور کی طرح لانا بھڑکا ہوا تھا، اور اس کے تصور یہ بناتے تھے کہ لڑائی بھڑائی میں وہ بھی کسی سے کم نہیں ہو گا، کئی دنوں کے بعد داور کو عبدل کی خیریت بھی مل گئی تھی، وہ بھی ٹھیک تھا۔ گویا اب ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، البتہ اسے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اقتدار بعض اوقات کسی سے ملوانے کے لئے ایسے ہال بچھا دیتی ہے کہ اس میں پھنس کر آدمی پہلے اقتدار کو گالیاں دینے لگتا ہے، پھر جب اسے اس کے پچھلے ہونے وگ مل جاتے ہیں تو اقتدار کی ہر گالیاں کا قائل ہو جاتا ہے۔ داور کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، وہ عبدل کے ساتھ اچھا خاصا بھائی کی طرف جا رہا تھا، کھڑکھڑا اس سے بھڑکا، جس نے اسے قیدی مانا، اس وقت اسے نہیں معلوم تھا کہ اقتدار نے اسے اتنا کام اس کے بھائی کو ملوانے کے لئے کیا ہے۔

اس دوران وہ سب تہہ خانے کے بال میں داخل ہو چکے تھے، یہ وہی جگہ تھی جہاں سینڈ وٹے کو باندھ کر رکھا گیا تھا، اوپر اسی جگہ سینڈ وٹے کھڑکھڑا دیا تھا، کھڑکھڑا اس وقت ہری طرح روٹا تھا، شراب سا تھا، اتنا ہی کمر ہا تھا، لیکن کوئی اس کی طرف دھیان دینے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ سب اس کی حالت کو دیکھ کر مومن رہے تھے، اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ ”تم مجھے خود کشی کر دے، اب تم خود کشی کر دے گے؟“

سینڈ وٹے نے کہا، ”ابھی نہیں کروں گا، کھڑکھڑا بلوائے لگا، مجھ پر کرم، چھوڑ دو مجھ کو۔“
ان لوگوں نے آگے بڑھ کر کھڑکھڑا کو مارنا شروع کر دیا۔ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ لوگ کچھ دیر پہلے تک اس کے وفادار تھے، اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتے، وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح بدے تھے کہ اس کی جان کے دھپے ہو رہے تھے، داور نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ لوگ اس طرح اسے جان سے مار ڈالیں گے، اس کے لئے یہاں اب کوئی چیز دیکھنے کو نہیں رہی تھی، وہ عبدل اور سینڈ وٹے کے گریبان سے نکل جانا چاہتا تھا، اس کی منزل کھوٹی ہوئی تھی، اور مزید وہ نہیں لگائی تھی، اس نے ایک ہم تو سر کر لی تھی، اب اسے بھی جا کر مینا اور سینڈ وٹے کا سامنا بھی مل رہا تھا، وہ ماملا بھی درمیان میں رہ گیا تھا۔

اس نے جب اسیم سے بات کی تو وہ فوراً ہر گالیاں اس کے لئے بھی اب یہاں کچھ نہیں رہا تھا، وہ دونوں چہرے ہونے لگے، کھڑکھڑا کی بیانی کرتا ہوا چھوڑ کر تہہ خانے سے باہر آگئے، اسیم نے اسے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں عبدل بیٹھا تھا، اس کے سامنے شراب کی بوتلیں تھیں، کوئی تھیں اور وہ اس وقت کسی خبیلی دھوکے کے سامنے نظر نہ کر رہا تھا۔

”ابن کو کھلاں کر دو، وہاں کوئی معلوم کہ ابھر سالا یہ لفظ لگے بڑ جائے گا۔“ ابن تو سالا استاد کا کتا بھی بھولی رہا ہے۔ تم سالا اس کو نہیں چھوڑ کر رکھو، اب اسے اس کو جا کر لو، کھڑکھڑا سالا داور کی ہاں لے لے، اس کی راہ کو دیکھ کر سالا بے تو سالا خود ہی دوڑا دوڑا آئے گا، لیکن تم سالا کچھ نہیں جانے گا، ابن کو معلوم ہے۔ تم چھوٹکے میں اپنی ہاں کو ہلا کر کرنا ہے، ہم اس دن بھی تم کو لانا تھا کہ سالا ابن کا استاد ماسم بہت دور جا چیرے۔ ابن سالا اس کو بھلا نہیں سکتا۔“

اسیم اور داور ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے، داور نے آگے بڑھ کر عبدل کو چھوڑ ڈالا، اسے عبدل، ہونٹوں میں آؤ، میں لگتا ہوں، چلو اٹھو۔“

”کون سالا آؤ، مارا ابن کو؟“ عبدل نے اپنی پلکیں چپکایں، ”سالا آؤ، اب تو بالکل استاد جیسا ہے، لیکن استاد تو کبھی صراحت نہیں کیا ہے۔“
داور نے ایک زوردار چھڑکھڑا کے چہرے پر مسکرا کر دیا۔ ”خیر، کھڑکھڑا، ہی عبدل صوفے سے بیٹھے اڑھک گیا۔ اسے چوٹ لگی تھی لیکن داور کا یہ چھڑکھڑا اسے ہوش میں بھی لے آیا تھا، وہ اپنے کال کو ہملا تا ہوا جلدی سے کھڑکھڑا ہو گیا اور حیرت سے داور کی طرف دیکھنے لگا۔

”ماسم استاد۔ ابن ابھی ڈریم میں نہ کو دیکھ کر گیا تھا، تم ادھر کبھی رہے آگیا۔“ ابن نے تو یہ سمجھا تھا کہ تم سالا کھلاں ہی ہو گئے۔“

”بھولاس ہند کر، چلنے کی تیاری کرو۔“
”تیار کیا کرتی ہے استاد۔“ ابن کے پاس کون سا سامان دھریل ہے، بیوقوف یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ ابن کو تو بھلا بھائی دکھاتا ہے۔“

”میرا چھوٹا بھائی ہے،“ داور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، ”میں نے تم سے کہا تھا، نا کہ میرا ایک چھوٹا بھائی ہے، اسیم، جو کہ ناراض ہو کر کہیں چلا گیا تھا، یہ وہی ہے۔“
”بابا،“ عبدل نے اپنی آنکھیں پٹی میں نہ کر کے ہند بھائی کی سالا تمہاری طرح خطرناک ہے۔“

وہ تینوں رات گزارنے کے لئے ایک دہران مکان میں رک گئے تھے۔ یہ مکان بونائے عجیبی جانتے ہوئے راستے میں دکھائی دیا تھا۔ یہ لوگ کھڑے مکان سے اسی وقت نکل آئے تھے لیکن اس سے پہلے دواڑے جب تیار کھڑے اس کے در عبدل کے ایک ایک لاکھ روپے لے لئے ہیں سو سمجھئے کھڑے کے کمرے سے ان دونوں کی رقم تلاش کر کے لادی تھی۔ یہ رقم دواڑے عبدل کے نام لکھ کر ایک الماری کے ایک خانے میں رکھ دی گئی تھی۔ سلیم کے کھنے کے مطابق یہ بھی کھڑی عادت تھی۔ وہ اپنے قبیلوں کے پاس سے دست یاب ہونے والی چیزیں بڑی حفاظت سے رکھا کرتا تھا۔ کھڑی ایسی بے شمار عادتیں تھیں جو خود سلیم کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ کھڑی نے ایک دن سلیم کو وہ الماری دکھائی تھی جس کے اندر قبیلوں کی امائیں بھی آئی تھیں۔ اسی لئے جب دواڑے رقم کا تہ کر کے لیا تو سلیم کو وہ الماری سے رقم سمیٹ کر لیا تھا۔ وہ رقم کے علاوہ بھی سمیٹ کر لیتا آیا تھا۔ کھڑی قید سے آزاد ہونے والے اور اس کے ساتھ کمرے والے سب اس وقت بھی تہہ خانے میں موجود تھے جہاں کھڑے کو مراد کی جاری تھی ان کے شوکر کے کی آواز سن تہہ خانے سے باہر آئی تھیں۔ اور ان لوگوں کو اس مکان سے لطفے کا موقع مل گیا تھا۔

سلیم نے کھڑے کے گہران سے ایک گاڑی نکالی تھی اور تینوں اس میں بٹھا کر کھڑی کی طرف چل دیئے تھے۔ گاڑی کو سلیم ہی چلا رہا تھا جبکہ عبدل کچھ نشست برادرانہ لوگ تھا۔ دواڑے کے چھڑنے اس کے نشے کو صرف وقتی طور پر لڑا رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے ہی جب تھنڈی تھنڈی ہوائی تو وہ مدد بخش ہو کر کچھ نشست برادرانہ کیا۔ دواڑے سلیم کے ساتھ ہی اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔

”یہ تو ناک تو لے دوں تک کہاں رہا تھا؟ دواڑے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔“

”ایسا مت کہو کچھ سلیم نے جواب دیا۔“ میرے لئے اس دنیا میں تمہارے عدد نہ لگے۔ یہ میرے بدقسمتیوں ایسی زنجیروں پر لگی تھیں کہ میں خواہش کے باوجود تمہارے پاس نہیں آ سکا۔ دوسری طرف مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم کہاں ہو۔ کیا کہہ رہے ہو۔ دو تین بار میں اس پادری کے کمرے کی طرف بھی گیا لیکن ان لوگوں نے مجھے تمہارا پتہ نہیں بتایا۔ بلکہ اٹالے عزت کر کے مجھے بھگا دیا۔ میں نہیں رہ کر کہہ رہے تو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ میں دواڑے کا ایک خطرناک آدمی رہتا ہے۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم

تھا کہ یہ دواڑے اپنا بھائی ہے۔“

دواڑے سلیم دونوں ایک ساتھ مسکرا دیئے۔ سلیم کے لیے میں دواڑے کے لئے خواہش دوسرے جذبات تھے۔ دواڑے اس کے احساسات سمجھتے تھے۔ وہ سلیم سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ اپنے باپ سے میں جانتا تھا لیکن اس وقت اس پر تھکن سوار تھی کئی راتوں سے اس نے آرام نہیں کیا تھا۔ دواڑے چاہے فوٹا دی کی طرح کیوں نہ ہو۔ لیکن فطری خواہش اور ضرورتیں اسے موسم کو دیکھ رہی ہیں۔ اس وقت اس کی پلہیں نیند سے بوجھل ہوئی جاری تھیں۔ سلیم نے بھی اس کی یہ نینت محسوس کر لی تھی۔

مگر رومنت بھائی! وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولا۔ ابھی کچھ فاصلے پر ایک دھماکا مکان ملے گا۔ ہم اسی مکان میں رات گزاریں گے۔ جھٹک ہے۔“

دواڑے اشتات میں اپنی گردن ہلا دی۔ اسے سلیم کو دیکھ کر جہت بھی بھڑکی تھی اور خوش بھی تھی۔ وہ اپنی سالانہ کھانا ڈنہ دارن کر اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ سلیم کی طرف سے اپنی ہونیکا تھا۔ اس کی ماری نشانی اس سے پھینچی تھی۔ اس کا ہل اپنی زندگی ہی میں اس کے لئے ہارایا ہو گیا تھا۔ ایک بھائی تھا تو وہ ایک عرصے سے غائب تھا۔ اور ملا بھی کونسا انداز سے ملا تھا۔ وہ بھی اسی کی طرح دلیرا دوسرے ہاک لکھا تھا۔ دواڑے کو اس نے بے خاصہ پیدا آئے لگا تھا۔ وہ وہ تو اسی تھا کہ اس نے اپنے دل کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ اس کے لئے سب سے بڑا رشتہ دولت کا تھا۔ دولت ہی کے توافق میں اس نے اپنی زندگی گزار لی تھی۔ نرم اور لطیف جذبات کو اس نے کچل کر رکھ دیا تھا۔ لیکن آج اتنے عرصے کے بعد سلیم سے مل کر اس کی دھڑکنیں بے درجہ ہوئی تھیں۔ اس کی گول میں دوڑنا ہوا ہو سلیم کو دیکھ کر بے قرار ہاسے کی طرح آکھٹے لگا تھا۔ اسے اپنے ماضی کی تلخ و خیریں باتیں یاد آئے گی تھیں۔ مال یاد آئے گی تھی جسے ان دونوں بھائیوں نے مرده جانور کی طرح کھینچتے ہوئے کچرا گھرے جا کر ڈال دیا تھا۔ بھیر پاپ یاد آئے لگا تھا جس نے۔ پاپ کی یاد آئے ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ٹھپاں بھیجیں۔ اس نے اپنی زندگی میں بے شمار دشمن بنائے تھے۔ لیکن یہ دشمن اتفاقاً ہی اس کی راہ میں آچکے تھے۔ اس نے کسی کو دشمن بنانے کا منصوبہ تو نہیں کیا تھا۔ اس نے کسی کے خلاف اپنے دل میں نفرتوں کی برودش نہیں کی تھی۔ اور تم غلطی ہی تھی کہ خود اس کا باپ اس کا دشمن تھا۔ اس کی نفرت کی آگ دواڑے کے دل میں ایک عرصے تک دھڑکی تھی۔ سلیم سے ملنے کے بعد اس آگ کی تباہ کاریاں اور شدید ہونگی

تھیں۔ اس آگ نے اندر سے اس کے دل و دماغ کو بھیج کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہا تھا۔ ایک عرصے کے بعد اس کی پاپوں کے دیپے کھلے تھے اور گرم پھٹکائی ہوئی ہوا اندر آئے گی تھی۔

”یہ پوچھا“ سلیم نے ایک دھماکا مکان کے باہر ہوئی رکتے ہوئے کہا۔ قریب تک چاہو یہاں آرام کر سکتے ہو۔ اس طرف کوئی نہیں آتا۔“

دواڑے عبدل کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک مدد بخش بڑا ہوا تھا۔ دواڑے سلیم کی مدد سے عبدل کو اس مکان کے اندر پہنچا یا یہاں ایک کمرے میں دو مہرہ لپی لپی تھی، ہونگی تھیں اور ضروریات کی دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔ دواڑے کو اس دھماکا مکان میں فخر و خیر و خیر و خیر کی جہت ہوئی تھی۔ عبدل کو ایک مہرہ پر ڈال دینے کے بعد وہ دونوں باہر راکرے میں آکر بیٹھ گئے۔ اس ڈنہ پھلے اور دھماکا مکان کی یہ رات بہت عجیب محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں آکر دواڑے غصہ کی دور ہو چکی تھی۔ اس نے سامانوں کی ایک خاص مشق کے دیئے اپنے ذہن پر چھائی ہوئی دھند دور کر لی تھی۔ اور اب وہ پوری طرح جان و جہت تھا۔

”بھائی! میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتا ہوں،“ سلیم نے کہا۔ اس مکان میں تمہیں ہر چیز مل جائے گی۔“

”یہ فقہ کیا ہے۔ یہ کس کا مکان ہے۔ ہاتھیں کیسے معلوم کر رہا ہے۔ ہاتھ پر چڑھ کر مل سکتی ہے۔“

”بات یہ ہے بھائی! اس مکان کو میں استعمال کرتا ہوں۔“ سلیم مڑھائی ہوا بولا۔ بہت دنوں پہلے کا چچہ بھائی میں نہیں سب کچھ بتا دیا گا۔“

”اچھا جادو ہے بنا کر آؤ؟ دواڑے مسکرا دیا۔“ سلیم کے جانے کے بعد اس نے سنگٹہہ سلگائی اور ہولے ہوئے کش پینے لگا۔ اس نے بونا کے جھوٹ سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اور اب اس کے سامنے میدان تہہ اور اپنے باپ کی منزل رہ گئی تھی۔ ان لوگوں سے غصے کے بعد اس کے زہرہ رہنے کا مقصد مل ہوا جاتا۔ ورنہ اب تک زندگی گھانے ہی میں گزار لی تھی۔

سلیم تھوڑی دیر بعد جانے بنا کر آئے۔ چائے پینے کے دوران سلیم نے دھبے دھبے پوچھنا شروع کیا۔ ”میں تو شروع سے آؤ رہا تھا۔ بھائی! میں نے بھی تمہاری بات نہیں مانی تھی۔ یاد ہے کہ تم کس طرح اماں اور میرے لئے غصت بنا کر آئے تھے اور میں تم کو کون کون کا کام کہتے دیکھتا رہتا تھا۔ بھائی! میں کچھ یاد ہے بھائی۔ جیسے کوئی تصویر بن جائے جیسے

پتھر پر کچھ کچھ دی ملے۔ میں نے کچھ نہیں سمجھا۔ میں ابھی تک اسی فٹ ہاتھ کے خواب دیکھتا ہوں جہاں ہم رہا کرتے تھے۔ جہاں زندگی بہت تاریک لیکن امیدیں بہت روشن تھیں۔ مجھے ذرا خدائی باتیں یاد ہیں بھائی! مجھے بھی یاد ہے کہ تم پر بھائی نکھائی میں کتنی دلچسپی لیتے تھے۔ اس پادری نے ہم لوگوں کو کتنی سہارا دیا تھا۔ میں اگر چاہتا تو جہادی طرح بڑھ چکا ہوتا لیکن میرا تو مزاج بڑی بڑی کھٹا میری عادتیں بدل گئی تھیں۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا۔ آزادی کی زندگی چاہتا تھا میں۔ اسی لئے میں نے تم کو چھوڑ دیا۔ تمہیں چھوڑ کر نکھ گیا۔ میں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میرے بعد تم پر کیا کر سکیں۔ میں تو بہت خود غرض ہو گیا تھا۔ تم مجھے معاف کر دینا بھائی! معاف کر دینا! اس نے آئے بڑھ کر دواڑے کھانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے وہ دیر لگا تھا۔

”اسے پائل“ دواڑے اس کے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے اٹھا کر جھمکیا۔ کوئی باپ اپنے بیٹے سے نادم نہیں رہ سکتا۔ تم تو میرے بیٹے کی طرح تھے اور ہو میرے سینے میں دی جنت تھی جو اب باپ کے سینے میں ہو سکتی ہے۔ اور مجھے اسی بات کا تو لگ رہا ہے کہ اب بیٹا اس طرح اپنے باپ کو بھول گیا۔“

”میں بھولا نہیں تھا بھائی! میں تمہیں یاد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں غور تھا میری آنکھوں پر پانی باندھ دی گئی تھی۔ کیسی عجیبی تھی تمہیں۔“

”میں بابا کے پاس چلا گیا تھا۔“ سلیم نے بتایا۔

”کہا؟ دواڑے جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے دل میں آگ لگ گئی تھی۔ تم کہاں کے پاس چلے گئے تھے۔ کیوں؟“

”مجھے معلوم ہے بھائی! کہ تمہیں یہ سن کر کتنی غصہ آئے گا۔“ سلیم نے کہا۔ بابا نے ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ وہ بابا ہوتے ہوئے ہمارے دشمن رہے۔ انہوں نے میرے آگے ہی اپنی لڑائی چھیڑ دی۔ ہم لوگوں کو کچھ سے کی طرح اپنی زندگی سے نکال پھینکا۔ اور میں بھی اسی لئے ان کے پاس گیا تھا کہ میں اپنی اور تمہاری قوموں کا حساب لوں۔ آگ تو میرے سینے میں بھی دھک رہی تھی بھائی۔ ان کا برا سلوک صرف تمہارے لئے نہیں تھا۔ میں بھی اس سلوک کی بھیڑ چڑھا تھا۔ یہ درست ہے کہ وہ ہمارے بابا ہیں! ہمیں ان کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن رشتے تو ذمہ داریاں تھا کے ہوتے ہیں۔ یہ تو اس لئے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنی پناہ میں لے کر زندگی گزار دی جائے اور جب کوئی گرفت پناہ دینے سے انکار کر دے۔ خود غرض بن جائے آنکھیں

بھیرے۔ اس وقت وہ رشتہ تو نہیں ہوتا بھائی خود عرض ہوتا ہے کچھ کا ڈھیر ہوتا ہے۔ تو میں ان سے اپنا اور تہلا حساب کرنے کے لئے ان کے پاس چلا گیا تھا۔ اور وہ بھی خود سے نہیں گیا بلکہ لے جایا گیا۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ بابا اپنی نئی بیوی کے کہنے پر ہم دونوں کو اپنے یہاں رکھنا چاہتے تھے۔

”وہ کیوں؟“ داور نے چونک کر پوچھا۔ سلیم اس کے لئے انکشافات کئے جا رہا تھا۔ آج ایک مدت کے بعد اس کا ماضی اس کے سامنے آ رہا تھا۔

”میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا“ سلیم نے جواب دیا۔ پہلے یسن لو کہ بابا نے ہم دونوں کے پیچھے اپنے آدمی مقرر کیے ہیں۔ ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ ہماری نگرانی کرنے کے لئے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ہم لوگ کیا کرتے ہیں کہاں رہتے ہیں۔ ہماری زندگی کس طرح گزر رہی ہے۔ وہ آدمی بابا کو ہم سے ملنے میں نہ روٹ دیتے رہتے تھے۔ ان ہی لوگوں نے بابا کو بتایا تھا کہ میں تم سے الگ ہو گیا ہوں اور کسی اور کے ساتھ رہنے لگا ہوں۔ بس وہیں بابا مجھے لینے کے لئے پہنچ گیا۔

داور کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ رشتوں کا یہ تذکرہ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا۔ وہ ان جذبات کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اس کے لئے بابا کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ کسی وقت اپنے ناکردہ گناہوں کا حساب لینا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ بمبئی پہنچ کر اپنے باپ کی تنظیم سے نگرانے کی کوشش کرے گا۔ باپ کو اس انداز سے تہاہ کرے گا

کہ وہ مجبور ہو کر فٹ پاتھ پر آجائے۔ تاکہ اسے بھی یہ احساس ہو کہ فٹ پاتھ کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ یہاں باتیں کتنی بے رحم اور دن کتنے المانگ ہوتے ہیں۔ یہاں آدمی کو بڑے کا ڈھیر سمجھا جاتا ہے اور رشتے یہاں دو وقت کی روٹی کے عوض فروخت کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اب سلیم اسے بابا کی کہانی سن رہا تھا۔ اس کے باپ کی یہ داستان اس کے سر پہ ہونے منسوب ہے سے بہت پہلے اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ اس ذکر نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

”میرا خیال ہے بھائی کہ تم جا کر رام کرو“ سلیم اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آنکھیں چلنے لگی ہیں۔ تم بہت تھکے ہوئے بھی ہو۔ اب ہم دونوں کا ساتھ تو ہو ہی گیا ہے۔ باقی باتیں بھی تمہیں معلوم ہو جائیں گی۔ پھر ہم دونوں مل کر سوچیں گے کہ ہمیں آگے چل کر کیا کرنا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟“

داور نے انکار کرنا چاہا لیکن سلیم کے لہجے میں بہت پیار تھا۔ ایک چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی طرف سے نشان تھا۔ بڑے بھائی کو اس کی بات مان لینا چاہئے تھی۔ کہانی تو بعد میں بھی سنی جاسکتی تھی۔

”ٹھیک ہے“ وہ کھڑا ہو گیا۔ ”اور تم، تم کیا کرو گے؟“ ”میں بھی سو رہا ہوں گا“ سلیم نے کہا۔ ”یہاں دو کرے ہیں ایک کرے میں تمہارا ساتھی سو رہا ہے۔ وہاں ایک مہری خلی ہوئی ہے۔ تم اسی پر جا کر سو رہو۔ میں۔ دوسرے کرے میں چلا جاتا ہوں۔“

باقی دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیے



عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

کوہِ کرا

دوسرا حصہ



اسی لئے اس بات کا امکان نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اگر ٹرک والے اس مکان میں رات بسر کرنے کے لئے رک بھی گئے تو ان میں سے کوئی داور کو دیکھ سکے گا۔

داور کھڑکی کی آؤ میں اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ وہ باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کھڑکی سے اس مکان کا دروازہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ سلیم کے کمرے میں بھی خاموشی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سو رہا ہو گا ورنہ اس ٹرک کی آواز سن کر وہ بھی اس کے پاس آجاتا۔ داور نے محسوس کر لیا تھا کہ سلیم نے بھی بہت سی عادتیں اسی جیسی پائی ہیں۔ قدم قدم پر عطا دار بننے کی عادت سلیم میں بھی پائی جاتی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد داور کے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ سامنے والی سڑک سے ایک ٹرک کی بتیاں دکھائی دےں جو ٹرک کو آگے بڑھنے کا راستہ دکھائی دےں۔ مکان کے قریب آکر وہ بتیاں بھادی غنیں۔ اب اندھیرے میں ٹرک کا پہلا روگیا تھا جو کسی بائیس کی طرح اپنی رفتار کم کر کے آہستہ آہستہ اس مکان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ پھر وہ ٹرک دروازے کے سامنے آکر رک گیا۔

داور نے پستول کی نال کھڑکی کے کنارے رکھ دی۔ وہ آنے والے جہازوں کا استہفال کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ٹرک سے تین آدمی، ہر آدمی ہونٹے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے ان تینوں کے صرف ہانکے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک یقینی طور پر ڈیلا ہو رہا تھا۔ دوسرا اس کیساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ تیسرا شخص ٹرک کے پچھلے حصے سے کود کر باہر آیا تھا۔ ان میں سے دو بہت شہ زور اور لاٹھے چوڑے دکھائی دے رہے تھے جبکہ تیسرا شخص جسمانی طور پر ان دونوں سے کم تر دکھائی دیتا تھا۔ داور اسے دیکھ کر ہتک گیا تھا۔ اس تیسرے کا پہلا یہ پکار پکار کر اعلان کر رہا تھا کہ وہ کوئی عورت تھی۔ نازک اندام عورت۔ عورتیں اپنا آپ اندھیرے میں بھی نہیں چھپا سکتیں۔ ان کے ٹھنڈے و فرار پکار پکار کر اپنی آمد کا اعلان کر گئے ہیں۔

وہ تینوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گیٹ سے ہو کر اس کھڑکی کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے جس کے عقب میں داور نے اٹھ لی تھی۔

”مادام بیہا اتنی خاموشی کیوں ہے۔ ہاں دونوں میں سے ایک شہ زور ہے اس عورت سے سوال کیا۔“ خاموشی نہیں۔ کوئی اور بات ہے۔ اس عورت نے کہا۔ اس کے سر پر اس کی طرح اس کی آواز بھی دل کش تھی۔ جیسے

دستور پر لینے کے بعد بھی داور کو یقین نہیں آ رہی تھی۔ وہ خود کو پہچان سکتا تھا۔ ایسا پہلا جس کے سپیٹے میں دل نہیں ہوتا۔ جذبے جس کے جسم سے عکاس کر لینی شناخت کھودیتے ہیں۔ اپنا چہرہ ہولناک کر لیتے ہیں۔ لیکن آج یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے چٹائی جسم میں ایک دروازہ پڑی ہو۔ اور جذبوں نے اس دروازے پر اپنی راہ پائی ہوا دروازہ وہ جذبے اس کے دل کے ارد گرد قفس کر رہے تھے۔ اسے پریشان کر رہے تھے۔ یادوں کا ایک ہجوم تھا جو سلیم کی آمد کے ساتھ ساتھ اس کے چاروں طرف جمع ہو گیا تھا۔ محبت کے ملنے سے اگر دل کو سکون ملتا ہے تو دوسری طرف بے قدری میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ سلیم نے اگر اس کے دل کے زخموں پر ہر دم رکھا تھا لیکن دوسری طرف اس نے داور کے ذہن کی پتیلیں بھی کھرج کر رکھ دی تھیں اور اب ان سے ماضی باہر لانے لگا تھا۔ اس نے گروت بدل کر عہد کی طرف دیکھا وہ اپنے بستر پر مد ہوش بڑا تھا اور دینے کے عالم میں کبھی بڑا لختی دیتا تھا عہد بھی ایک ایسا آدمی تھا جس نے داور کے سامنے اپنے دل اور ماضی کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور ان دروازوں سے اس کے اندر جھانک لے۔ داور اسے ایک خوش باش اور ساتھ دینے والا انسان سمجھتا تھا۔ وہ ایک دلیرا دے ہاں انسان تھا۔ جس کی دوستی بڑی قابل قدر تھی۔ بس اس سے زیادہ وہ عہد کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے زخم داور کے زخموں سے زیادہ گہرے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا دکھ کہیں زیادہ وسیع ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بھی رشتوں نے اس کے ساتھ بہتری نہ کی ہو۔ بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ سب کچھ ممکن تھا۔

پھر داور کے حساس کانوں نے ایک آواز سنی بہت خفیف سی آواز۔ یہ کسی گاڑی کی آواز تھی۔ وہ گاڑی بہت دور تھی لیکن اس نے بہت پہلے اپنی آمد کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے حساس کانوں نے ٹرک کی وہ آواز بہت پہلے سے سنی لی تھی۔ وہ مکان اس سڑک کے کنارے واقع تھا۔ اسی لئے کسی ٹرک کی آواز سنانا دینا کوئی خطرے کی علامت نہیں تھی۔ لیکن داور کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ وہ آواز قریب آتی جاتی تھی۔ جیسے اس کا رخ اسی مکان کی طرف ہو۔ اس نے ایک نظر عہد کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک بے خبر رہا تھا۔ اس نے ٹپکنے کے نیچے سے پستول نکال کر اپنی جیب میں لکھا اور کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کا کمر تاریک تھا۔

محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں اس وقت کوئی نہ کوئی موجود ہے۔
 "ابن ہانی آدی ہوگا، دوسرے نے لاہروانی سے کہا۔
 اس کے علاوہ اس مکان میں اور کون آسکتا ہے؟
 داور کا ہاتھ خشک گیا۔ ان لوگوں کا اشارہ سلیم کی
 طرف ہو سکتا تھا۔ وہی ان لوگوں کا آدی ہو سکتا تھا۔ اور
 یہ لوگ اس سے ملنے کے لئے آئے تھے لیکن کیوں۔ اور
 ان کی باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ لوگ باقاعدہ بدو گرو
 کے تحت یہاں آئے تھے۔ سلیم کو معلوم تھا کہ اس کے ساتھی
 یہاں آنے والے ہیں، اس کی انھن بڑی جلدی تھی۔ وہ
 تینوں ابھی تک سنانے ہی کھڑے ہوئے تھے لیکن اب وہ
 خاموش تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انہیں کسی اور کا انتظار
 ہو، یا کچھ سوچ رہے ہوں۔

داور خاموشی سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ اس کا
 رخ سلیم کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ سلیم سے صورت حال معلوم
 کرنا چاہتا تھا۔ سلیم نے اس کے لئے الگ کمرہ مخصوص کیا تھا۔
 لیکن داور عبدل کے ساتھ والے کمرے میں جا کر لیٹ گیا تھا۔
 نے سلیم دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ داور سلیم کے کمرے کا
 دروازہ کھول کر اندر گیا۔ سلیم اپنے بستر پر تھکے ہوئے تھا۔
 داور نے اس کے بستر کے سرے پر بیٹھ کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے
 اپنا ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تھا کہ وہ بولنا شروع نہ کرے
 سلیم بڑبڑاتا رہا تھا۔
 "خاموش رہنا، داور نے مڑکوشی کی۔ میں ہوں داور آواز
 مت نہ لگانا، اتنا کہہ کر اس نے سلیم کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔
 "کیا بات ہے بھائی؟ سلیم نے حیرت سے پوچھا۔ کوئی کوڑ
 ہوئی ہے کیا۔؟

"ہاں، باہر کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ وہ یہاں کسی سے ملنے
 آئے ہیں، کسی نے انہیں وقت دے رکھا تھا؟
 "وقت دے رکھا تھا؟ سلیم بڑبڑایا۔ کون ہو سکتے ہیں۔
 اوہ کہیں یہ سلطان کی حرکت تو نہیں ہے؟
 "کون سے سلطان؟ داور نے پوچھا۔
 "میرا ساتھی ہے بھائی۔ سلیم نے کہا۔ ہاں اب میں سمجھ
 گیا ہوں، یہ مکان سلطان کے استعمال میں بھی رہتا ہے
 اس کی سرگرمیوں میں اس قسم کی تھیں لیکن میں نے کبھی اس کی
 حرکتوں کی طرف دھیان نہیں دیا وہ اس کا اپنا معاملہ تھا۔
 سلطان آج یہاں آئے والا تھا، لیکن وہ زخمی ہو کر پونانے
 ایک اسپتال میں بڑا علا ہے۔
 "اب بھائی تین آدی ایک ٹرک پر آئے ہیں۔ ان میں
 سے ایک لڑکی ہے، داور نے بتایا۔

"تم بتاؤ بھائی کیا کیا جائے؟ سلیم نے پوچھا۔
 "تم آؤ میرے ساتھ، تم آؤ بھائی، تم ایک نظر ان کو دیکھ
 لو، ہو سکتا ہے کہ تم ان میں سے کسی کو پہچان لو۔ اگر جان پہچان
 نکل آئی تو فطیح ہے۔ ورنہ ہاتھ پاؤں ہالے ہوں گے۔
 سلیم مسکراتے ہوئے بہت سے نیچے آگیا۔ وہ دونوں اس
 کھڑکی کے پاس آکر کھڑے ہوئے کچھ دیر کے بعد داور نے انہیں
 کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک ایک دوسرے سے کھڑے ہوئے تھے۔
 "یہ کیا کچھ ہے؟ داور نے ایک نے اپنی ساتھی عورت کی طرف
 دیکھتے ہوئے کہا۔ سلطان کو اب تک باہر آ جانا چاہیے تھا وہ
 اندر کیا کر رہا ہے؟
 "ہو سکتا ہے کہ وہ سو گیا ہو؟ دوسرے نے جواب دیا۔
 "میں اسے پہچانتا ہوں؟ سلیم نے داور کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 "ہاں، اگر یہ سلطان کا کچھ ساتھی۔ وہ دونوں مل کر دھندسے
 کرتے ہیں۔ اور ہاں، میں انہیں ایک بات بتا دوں کہ یہ اگر
 رہے سرکل کا آدی ہے؟

"گھبرا، رہیں سرکل کا نام نہ کر داور چونک بڑا۔ رہیں سرکل
 اس تنظیم کا نام تھا جو داور کے باپ نے بنائی تھی۔ اس نام کو
 سن کر داور کے بدن میں ہلچل مچنے لگا تھا۔
 "ناگہ کچھ اچھی طرح جانتا ہے؟ سلیم نے پھر کہا۔ لیکن
 اسے نہیں معلوم کہ اس تنظیم کا پاس میرا باپ ہے؟
 "ہو سکتا ہے کہ سلطان اس آدی کو لائے نہیں کلام باپ
 نہ ہو سکا ہو؟ یہ آواز اس عورت کی تھی جسے وہ دونوں مادام کہہ
 کر فطیح کر رہے تھے۔
 "اسے تو میرا حال میں آنا چاہئے، پہلے والے نے کہا۔ وہ
 بڑی مادام کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئے والا ہے بہت
 ہی اہم آدی ہے اے لئے اتنے احتیاط کے ساتھ اسے بھیجا
 جا رہا ہے؟

"سلیم، داور نے مڑکوشی کی۔ "میرا دل چاہ رہا ہے کہ
 "میں جانتا ہوں بھائی، سلیم جلدی سے بول پڑا۔
 کہیں تم اس آدی کی جگہ خود تو نہیں جانے کی سوچ رہے ہو؟
 "ہاں۔ میں بہت دلوں سے اس جگہ میں تھا۔ میں
 اپنے باپ کی تنظیم کو جسے اٹھا کر لایا تھا، لیکن آج تک
 موقع نہیں ملا تھا۔ آج موقع مل رہا ہے؟
 "اسے موقع نہ ہو بھائی، یہ جگہ بھی ہو سکتا ہے بہت ہی
 خطرناک اور انا بھائی، ہو سکتا ہے کہ تم ان میں شامل ہو کر
 پھنس جاؤ یا یہ لوگ آدی کو پہچانتے ہوں جس کا ذکر
 کر رہے ہیں؟
 "نہیں نہیں جانتے ہوں گے؟ داور نے کہا۔ ان کی آنکھوں

کا نلنہ بتا رہا ہے کہ وہ اس آدی سے واقف نہیں ہیں۔ اس
 آدی کو سلطان نے لے کر لے والا ہے۔ اور تم نے بتایا ہے کہ سلطان
 اسپتال میں پڑے۔ اے لے وہ آدی یہاں نہیں آسکا ہوگا۔
 "وہ تو خشک ہے۔ لیکن میں تو یہ بھی نہیں معلوم کر وہ
 آدی کون ہے کس مقصد سے اسے رہیں سرکل میں بلایا جا رہا
 ہے۔ وہ کیا کام کر سکتا ہے؟
 "کچھ بھی ہو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس آدی کی جگہ
 اپنے باپ کی تنظیم میں پہنچ جاؤں گا۔ اب دونوں باپ بیٹے
 زیادہ دیر تک ایک دوسرے سے الگ نہیں رہ سکتے میرے
 بعد تم یہاں سے عبدل کے ساتھ اپنی چلے جانا اور میرے
 رابطے تک عبدل کے ساتھ رہنا۔ وہ بہت پیرا آدی ہے تمہارا
 خیال رکھے گا۔ اب تم ان لوگوں تک پہنچنے کا طریقہ سوچو۔
 "طریقہ میرے ذہن میں ہے؟ سلیم نے کہا۔ آؤ بھائی
 میرے ساتھ۔ بس اپنا پتہ بتا کر رکھ لو۔

داور نے اس کے کہنے پر پتہ چیب میں رکھ لیا۔ سلیم
 اور وہ دونوں کمرے کے دروازے تک آئے پھر سلیم نے چلنے
 سے دروازہ کھول دیا اور داور کو لے ہوئے باہر گیا۔ ان دونوں
 کو باہر آتے دیکھ کر وہ سب چونک پڑے۔ باہر کھڑے ہوئے
 دونوں آدمیوں نے اپنے پتہ بتول نکال لئے۔
 "کون ہو تم لوگ۔ ہاں میں سے ایک نے ان دونوں کو
 مخاطب کیا۔

"ہم سلطان کے آدی ہیں؟ سلیم نے جواب دیا۔ پھر سے
 ایک آدی کو یہاں پہنچانے کے لئے کہا گیا تھا۔ میں اسے اپنے
 ساتھ لے آیا ہوں؟ اس نے داور کی طرف اشارہ کیا۔
 "سلطان کہاں ہے۔؟ اس شخص نے سوال کیا۔ اور تم
 سلطان کو کیسے جانتے ہو؟

"ہم دونوں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں؟ سلیم نے کہا۔ پھر
 اس نے دوسرے آدی کی طرف دیکھا۔ اور تم شاید ناگہیوں
 اس دوران وہ تینوں ان کے قریب آگئے تھے۔ ان
 کی نگاہیں سلیم اور داور پر پڑی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ جہاں
 کھڑے تھے اس سے کچھ فاصلے پر مکان کی بیرونی دیوار
 کے ساتھ دروازے کے پاس ایک بلب چل رہا تھا جس کی
 روشنی میں انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے اور بھٹکے کا موقع
 مل گیا تھا۔ داور نے محسوس کیا کہ وہ عورت جسے یہ لوگ ملوا
 کہہ کر مخاطب کر رہے تھے بھان اور خوب صورت لڑکی تھی۔
 اس نے بہت ہی چست لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس لباس
 نے اس کی جملہ خوبیوں کو اجاگر کر دیا تھا۔ جبکہ اس کے دونوں

ساتھی بہت ہی ہر وقت اور شہرہ زد معلوم ہو رہے تھے۔
 "ہاں۔ میں نے انہیں پہچان لیا ہے۔ ناگہ سلیم کی طرف
 دیکھتے ہوئے بولا۔ تم راجا ہو؟

"سلطان کہاں رہ رہا ہے؟ اس لڑکی نے یہ سوال سلیم سے
 کیا تھا۔ اس نے اپنا دھیان داور سے ہٹا لیا تھا۔
 "وہ یہاں آئے والا تھا لیکن عین وقت پر اسے گاؤں
 جانا پڑ گیا۔ اس کے گھر میں شاید کوئی حادثہ ہو گیا ہے جانے
 ہوئے اس نے اس آدی کو میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے
 کہا تھا کہ اسے اپنے ساتھ اس مکان میں لے آؤں یہاں
 ناگہ کر اس آدی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اب تم آگئے ہو تو اپنی
 امرات سلجھاؤ۔ میں سوئے جا رہا ہوں۔

سلیم کے کمرے میں اتنا اعتماد تھا کہ وہ سب ایک دوسرے
 کی طرف دیکھنے لگے۔ داور نے دل ہی دل سلیم کو دلا دی تھی
 وہ بڑی خوبی کے ساتھ باتیں بنانے کی صلاحیت رکھتا تھا
 "اگر تم وہی آدی ہو تو پھر تمہارا نام کیا ہے؟ اس لڑکی نے
 داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "نام؟ داور چونکا ہو گیا۔ یہ لڑکی اس کی توقع سے کہیں
 زیادہ ہوشیار ثابت ہوئی تھی۔

"ہاں نام؟ لڑکی نے اپنی بات دہرائی۔ اگر تم نے اپنا
 نام نہیں بتایا تو پھر کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں رہو گے؟

اس آدی کا حلیہ ایسا تھا کہ وہ بہتروں کے زمانے کا
 کوئی آدی دکھائی دیتا تھا۔
 اس کی دلائی نے عجیب بڑی ہوتی تھی۔ پورے جسم پر
 میل کی قمیض تھی ہوتی تھیں ہر کے بال خود وہاں انہوں کی
 طرح بڑھے ہوئے تھے۔ اور اس کے چہرے اور جسم پر رشدد
 کے نشانات تھے۔ وہ ایک ایسے تہہ خانے میں بند تھا جہاں
 ہر طرف بوسے کے ڈرم بڑھے ہوئے تھے۔ تہہ خانے میں
 سے پناہ لین تھی لیکن دم کھٹنے کا احساس انہیں ہوتا تھا یا
 کی آمد و رفت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔

وہ شخص اس تہہ خانے میں پکڑا تھا پھر رہتا تھا۔ وہ کبھی
 کبھی رک کر چھت کی طرف دیکھ کر اپنی دونوں آنکھیں پھینک کر
 زور زور سے گلابیاں دینے لگتا۔ پھر جب اس کی آواز اٹھنے
 لگتی تو خاموش ہو جاتا۔ کچھ دیر تک تہہ خانے میں ٹھہرتا رہتا
 اس کے بعد پھر ٹھہرتا تھا۔ اس کی آواز تہہ خانے میں
 گونج کر رہ جاتی۔ وہ اپنی بارگشت کو سن کر خود ہی ہنسنے لگتی تھی۔
 اس تہہ خانے کی وحشی دوا کے ساتھ بڑے ہیڈوں کی ہوتی
 تھیں۔ جو اوپر چلی گئی تھیں۔ ان ہیڈوں کے آخر میں ایک

دروازہ تھا جو اس وقت بند دکھائی دیتا تھا۔

وہ بوڑھا صاحب گایاں دیتے دیتے اور پکارتے پکارتے خٹک گیا تو نٹھال سا ہو کر ایک دیوار کے سہارے بیٹھ گیا۔ خاموش ہو جانے کے بعد اس کے چہرے پر بڑی بے بسی اور معصومیت طاری ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بس رونے ہی والا ہو۔ وہ اب ہونے ہوئے کر رہی تھی لگا تھا۔

پھر اسی وقت تہہ خانے میں کھلنے والے دروازے میں ایک ہزار نمودار ہوئی اور وہ دروازہ آہستہ آہستہ وا ہونے لگا۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ ساتھ باہر سے روشنی کی ایک چاندنی تہہ خانے کی میزبیں پر بہہ نکلتی تھی۔ اس کھلے ہوئے دروازے سے دو آدمی نمودار ہوئے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بڑے بٹی جیکر دوسرا آدمی خالی ہاتھ تھا۔ بوڑھا ان دونوں کی طرف بڑی لائقیت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں میزبیاں ان کے بوڑھے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

”لوکھانا کھاؤ بڑے والے نے بڑے بوڑھے کے سامنے رکھ دی۔

”حرام دارو۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بوڑھا دہانہ تم لوگوں نے میرے کھانے میں زہر ملا دیا ہوگا۔

”قاتلو بائیں مت کرو۔ دوسرے آدمی نے کہا جو خالی ہاتھ تھا۔ اگر تمہیں ملنا ہوگا تو اسی اور طرح مارا جائے گا ہمیں تمہارے کھانے میں زہر ملانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

”کھجکھی ہو۔ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بے جا فائدے یہاں سے۔ ورنہ میں تم دونوں کا گلا گھونٹ دوں گا۔

”تمہاری مرضی۔ دوسرا آدمی لاہرواری سے بولا۔ لیکن بدوسہ کہ آج بینک ہے۔ اور اس میں تمہیں نئی پالیسی کا اعلان کرنا ہے۔

”میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا۔ تم لوگ میرے ہاتھ کاٹ دینا چاہتے ہو۔ مجھے مجبور کر دینا چاہتے ہو۔ مجھے مجبور کر دینا چاہتے ہو۔ یہ جانتے ہو کہ میں لوگوں کو اپنے گالے میں خود ہی پھنسا دال لوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کچھ۔

”تو پھر تم اپنی نادودی آواز میں سننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بوڑھا انکھیں پھیلانے لگا۔ اس نے اپنی میٹھاں بھیج دی تھیں۔

اس کا ہوا جسم ہونے ہوئے لرز رہا تھا۔ وہ آدمی بوڑھے کے پاس سے ہٹ کر ایک دیوار کے پاس آ گیا۔ جہاں کئی سوکے لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک سوکے ٹکڑے آن ہوئے ہی اس کے

میں کسی عورت کی آواز ابھرنے لگی۔ اس آواز میں بے انتہا کرب تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس عورت پر تشدد کیا جا رہا تھا۔ اس کی آواز تہہ خانے میں موجود کسی اسپیکر سے ابھرتی تھی۔

”بندر کرو۔ خدا کے لئے بند کرو۔ بوڑھے نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھوس لیں۔ ”ووک۔ چھوڑ دو۔ اسے چھوڑ دو۔

”لوگ کیا خیال ہے تم میڈنگ میں نئی پالیسی کا اعلان کر رہے ہو یا نہیں۔ اس آدمی نے بول دیا۔

”ہاں۔ ہاں کروں گا۔ تم فخر کو چھوڑ دو۔ اس آدمی نے دوسرے کو اشارہ کیا جو بڑے لے کر آیا تھا۔

اس کا اشارہ پاتے ہی وہ آدمی تہہ خانے سے دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک اس عورت کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ وہ ابھی تک کسی مصیبت میں گرفتار معلوم ہوتی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے اس کا جکم ہوتا چلا گیا۔ بالآخر مایک پر صرف دستکیاں رہ گئیں۔ آہستہ آہستہ یہ دستکیاں بھی بند ہو گئیں۔ اب اس تہہ خانے میں خاموشی تھی۔ اس خاموشی میں کبھی کبھی اس بوڑھے کی آواز گونجنے لگتی تھی۔ وہ اپنے مختار کو گایاں دے رہا تھا۔ خود کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

سوچ بند کر دیا گیا۔ بڑے والے والا آدمی ابھی تک دایں نہیں آیا تھا۔ دوسرا آدمی بوڑھے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

”ہاں۔ اب بتاؤ۔ تمہیں پالیسی بتانی ہے یا نہیں۔ اس نے بول دیا۔

”بتاؤں گا۔ بوڑھے نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن تم لوگ اس پر ظلم مت کرو۔

”اگر تم ہمیں ساتھ دیتے رہے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ بڑے آرام سے رہے گی۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ لیکن تم نے بات نہیں مانی تو اسے سسٹم کا سسٹم کا ہلاک کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں عقل آگئی ہوگی۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں سمجھ گیا ہوں۔ بوڑھے نے اپنی گردن ہلاتی۔ میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ بالکل خاموش رہوں گا۔

”بس اب تمہارے اسے کھانا کھا لو کھانے کے لئے نہیں اپنی توجہ مرکوز کرنی ہے۔

بوڑھا سر ہلاتا ہوا اسے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ آدمی کچھ دیر تک بوڑھے کی طرف دیکھتا رہا پھر تہہ خانے سے باہر

آ گیا۔ باہر آنے کے بعد وہ تہہ خانے کا دروازہ بند کر کے باہر نہیں بھولا تھا۔ وہ ایک راہداری میں لنگھتا تھا جہاں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ یہ دونوں لٹے ہوئے تھے اور تندر تو لگتے تھے۔ ان کے چہروں پر ہراس کے مزاج کی حشری لکھی ہوئی تھی۔ ان کی کھینچ ہوئی تھیں۔ یہ بتانی تھیں کہ ان میں ہتھکڑیاں لگے ہوئے ہیں۔ تہہ خانے سے باہر آنے والے کو دیکھتے ہی یہ دونوں ارٹ ہو گئے۔ وہ شخص ان دونوں کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔

کچھ دیر جانے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ پینٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کمرے کا ایک اور دروازہ کسی دوسرے کمرے کی طرف کھلتا تھا۔ اس شخص نے اس کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور جواب کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

”آؤ۔ اندر آ جاؤ۔ اللہ سے کسی عورت کی سزا نہیں آتی۔ یہ آدمی دروازہ کھول کر کمرے میں آ گیا۔ یہ خوبصورت سے سہاوا ایک ایسا کمرہ تھا جس میں ہلکی سی خنڈک اور کچھ بھیجی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اور خوشبو اور خنڈک کی اس خوشبو فضا میں ایک عورت سہری ہراس طرح بھیجی ہوئی تھی۔ جیسے پھولوں کی چادر بچھا دی جائے۔ وہ خود بھی کسی پھول کی طرح تھی۔ اس نے سفید پتلون اور سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی۔

جس پر سرخ رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے اور یہ ہتھ نہیں چلتا تھا کہ اس نے کس کا اثر قبول کیا ہے۔ کس کی رنگت زیادہ دل آویز ہے۔ پھولوں کی یا اس عورت کے چہرے کی۔

آنے والے نے اس عورت کے بدن میں اپنی آنکھیں اس طرح اتار دی تھیں جیسے صدف کے ڈھیر میں خیرہ اندر دیا جائے۔ اس کی نگاہوں کی گرمی اس عورت نے محسوس کر لی تھی۔ ای سے وہ کسمار جلدی سے اٹھ کھڑی۔ اس کا چہرہ اب اور بھی سرخ ہو گیا تھا۔

”ہوش میں رہا کرو کتے۔ وہ عزانی۔ وہ دروازوں آنکھیں نکال کر پھینک دیا۔

”مہربان کر دینا مادام۔ وہ آدمی کہہ کر لگا۔ اس کمرے کی خوشبو اور خنڈک کے باوجود اسے پسینہ آ رہا تھا۔ یہ پسینہ جذبات کا نہیں دھشت کا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ کیا ہوا۔

”وہ تیار ہو گیا۔ مادام۔ اس آدمی نے جواب دیا۔ پھر کی آواز سننے ہی اس کی حالت غیر ہو گئی۔

”میں تمہاری کھال اتارواؤں گی۔ عورت پھر دہانے لگی۔ تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔

”میں سمجھا نہیں مادام۔ مجھے سے کیا غلطی ہوئی ہے۔

”میں نے تمہیں سو بار کہا ہے کہ میرے سامنے اس کا نام احترام سے لیا کرو۔ تمہیں یہ نہیں چاہیے کہ وہ تیار ہو گئے ہیں۔ سمجھو۔ آئندہ سے میں اس قسم کی زبان نہیں سونگتی۔

”ٹھیک ہے مادام میں سمجھ گیا۔ اب کوئی غلطی نہیں ہوگی۔

”چلو آگے بتاؤ وہ دوبارہ کھانے کے سہارے نیم دراز ہو گئی تھی۔

”پہلے تو وہ کھانا بھی نہیں کھا رہے تھے مادام۔ اس نے بتانا شروع کیا۔ لیکن جب آپ کی آواز سنوائی تو وہ رواجت نہیں کر سکے۔ وہ کھانا بھی کھانے لگے اور اب توجہ کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے ہیں۔ میں نے میڈنگ کا انتظام کر دیا ہے۔ جب لوگ ہال میں جمع ہونے والے ہیں۔

ان کی آواز سنوائی جانے لگی۔

”ٹھیک ہے تم چلو۔ میں بھی ہال میں آ رہی ہوں۔

”وہ آدمی گردن ہٹا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ عورت نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

وہ اسی طرح گردن ہٹاتے ہوئے دوبارہ اس عورت کے پاس آ گیا۔

”ماہتر۔ تم میرے سب سے قابل اعتماد آدمی ہو۔ اس عورت نے کہا۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے۔

”بس مادام۔ میں ابھی اس خوش قسمتی پر فخر کرتا ہوں۔ میں نے یہ بات کبھی نہیں بھلائی ہے۔

”خوب۔ اسی لئے میں اگر تمہیں کچھ کہوں تو اس کا احسب مت کیا کرو۔ بس چپ چاپ میری بات مان لیا کرو۔

”بس مادام۔

”بس۔ اب جاؤ۔ سب لوگوں کو متلو۔ میں ہال میں آ رہی ہوں۔

ماہتر کے جانے کے بعد وہ عورت بہتر سے کھڑی ہوئی اور ایک لماری سے نیچے رنگ کا ایک گون نکال کر اسے پہن لیا۔ وہ اس لباس میں اور دلکش دکھائی دے گئی تھی۔

پہننے کے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر آئی اور ایک شان بے نیازی سے چلتی ہوئی ایک ایسے ہال میں پہنچی جہاں دروازے میں ایک بڑی میز تھی اور جس کے چاروں طرف کرسیاں

پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

مادام کو بال میں آتے دیکھ کر سب کے سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ مادام سر کے اشارے سے ان کے سلاموں کے جواب دیتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ملاحظہ کیجئے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ان کے بیٹھے کے بعد بال میں لگے ہوئے اسپیکر سے اس لمبے کی مٹھی بھر کی آواز اچھرنے لگی تھی۔

ان لوگوں سے اپنے باہر میں دے ہوئے پتوں کے رخ داور کی طرف کر دے۔ جبکہ وہ لڑکی بڑی گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

یہ صورت حال ایسی تھی کہ سلیم اور داور دونوں ہی سنا گئے تھے۔ انہوں نے یہ دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ یہ لوگ نام بھی دریا بت کر سکتے ہیں۔

”بتاتے کیوں نہیں؟ اس لڑکی نے کہا کیا تمہارا کوئی نام نہیں ہے کیا؟“

”نام تو ہے لیکن یہ نام میں تمہیں نہیں بتا سکتا، والدہ لاہروادی سے بولا، ایسا لگتا ہے کہ جیسے تم لوگ گھر پر لاوا جا کر ہر شک کر رہے ہو، اگر یہی بات ہے تو پھر خود ہی غلط لینا میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جانا ہوں۔ تم لوگوں نے کیا کچھ کوئی فالتو آدمی سمجھ رکھا ہے کہ اس کی دوسرے جہاز سے آئے آؤں اور تم لوگ مجھ پر شک کری گے؟“

”یہ بدعاشی نہیں چلی؟“ لڑکی نے اپنے ہونٹ چھینچے جوتہ یہی ہے کہ قح قح بتا دو کہ تم لوگ کون ہو۔ اگر تم بچے ہو تو اپنا نام کیوں نہیں بتاتے۔ اپنا نام بتا دو۔ اگر یہ دنیا ہو تو جو میں معلوم ہے تو پھر تم پر ہر دوسرے کریں گے ورنہ ہمارے پاس تم سے سچ اگولے کا دوسرا طریقہ بھی ہے یہ داور کے لئے یہ صورت حال ہریشان کن نہیں تھی وہ جب جاتا ان لوگوں کے حصہ سے لکل سکتا تھا لیکن فی الحال وہ ایسا نہیں جانتا تھا۔ وہ انہیں اعتماد میں لے کر دھڑلے سے اپنے آپ کی تنظیم میں داخل ہوا جانتا تھا۔ اور یہاں یہ لوگ اسے ناکام بنانے ہنستے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی وقت کوئی چلا سکتا تھا وہ تینوں ہی بوری طرح تیار تھے۔

”مجھے نہیں معلوم کہ میرا نام کیا ہے۔ داور نے اپنا ہاتھ بلایا۔ اب جاؤ۔ تم لوگوں کی جو مرضی آئے وہ کرو۔“

”ٹھیک ہے، تو پھر اب ہم دوسرا طریقہ استعمال کرتے ہیں یہ لڑکی طرانی۔“

اور اس کے ساتھ ہی گولی چلی۔ لیکن یہ گولی ان لڑکی کی طرف سے نہیں چلائی گئی تھی اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی زخمی ہوا تھا۔ بلکہ یہ گولی کسی اور طرف سے چلائی گئی تھی۔ اور اس گولی کے ساتھ ہی لڑکی کے برابر کھڑا ہوا ایک آدمی اپنا شاندار پیکر چھینا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے ہتھول نکل گیا تھا۔ وہ گولی کھڑکی کی طرف سے چلائی گئی تھی۔

دوسرے آدمی سے ہمیں زیادہ وہ لڑکی تیز ثابت ہوئی اس نے فوراً ہی جست لگائی اور ایک جھلاڑی کے عقب میں چلی گئی۔ داور نے مجھ لیا تھا کہ وہ کوئی اس طرف سے چلائی گئی ہوگی۔ اسی لئے اس نے بھی اس لڑکی کے پیچھے جھلانگ لگا دی۔ دوسری طرف لڑکی کے دوسرے سامنے کوئی سلیم نے سنبھال لیا تھا۔

اس لڑکی کے بارے میں داور کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا اس کا خیال تھا کہ اپنی طرف چھینچے ہوئے پاکر وہ لڑکی کھلا جلے گی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے لیکن اس کے برعکس وہ کسی زخمی فیئر کی طرح داور کی طرف پلٹ پڑی۔ سب سے پہلا داور اس نے داور کے چہرے پر کیا تھا۔ اس کی دس انگلیوں کے دس نیوٹروکارڈ ناخنوں نے داور کے چہرے پر گہری خراشیں ڈال دیں۔ وہ لڑکھار کا دو قدم پیچھے ہٹ گیا اس دوران لڑکی نے بڑی برقی رفتاری کے ساتھ اپنی ہتھول کی جیب سے ایک تنگ سا پستول نکال لیا۔ اس لڑکی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس نے اپنے ہتھول داور کی طرف اٹھا لیے۔ وہ پستول ابھی پوری طرح اس کے ہاتھ کی گرفت میں آیا ہی تھا کہ داور کی ہتھول نے برقی چمکا دی۔ اس نے گہری صدی طرح اپنے چوڑی روٹل کا اظہار کیا تھا ایک بھر پور ہتھوڑا اس لڑکی کے ہاتھ پر پڑی اور پستول اس کے ہاتھ سے اڑتا ہوا دوسری طرف جاگرا۔ لڑکی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

دوسری طرف سے بھی جلد ہر ختم ہو گئی تھی۔ سلیم نے اس دوسرے آدمی پر قاتلہ حاصل کر لیا تھا۔ داور نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچا ہوا دوسری طرف سے آگے لڑکی کے ساتھ چلتی ہوئی گر رہی تھی۔ داور سے خود کو چھڑانا چاہتی تھی لیکن داور کی ہی گرفت ایسی نہیں تھی کہ وہ خود کو چھڑانے میں کامیاب

بھی ہو سکتی۔

داور کی توقع کے عین مطابق میدان صاف ہو چکا تھا یعنی سلیم نے اس شخص کو مار گرایا تھا اور عبدل اس کے پاس کھڑا ہوا جمائیاں لے رہا تھا۔

”ابن کو تو تین دن میں بھی آرام نہیں ملنے کا ہے ہاس ہوش داوہ کو دیکھتے ہو۔ لہذا ہن سالہ اور بیلا تھا کہ ایسا لگا کہ باہر کچھ مارا ماری جاو ہوئے والہ ہے۔ اسی لئے ابن سالہ لڑکے کے کھانگ کھڑی ہوا گیا۔ بالکل ٹھیک ناٹم ہوا تھا۔ ورنہ تھاں مٹھوں ہونے والا تھا۔“

”چلو تم ہوش میں آئے؟ اچھا ہوا۔ داوہ شک ہے میں بولا۔ آئندہ سے اگر اتنی داور کی توقع میں بیٹھوں دوں گا۔ ”ماں تم تیار ہو گئی؟“ افلاطون ہوتا ہے۔ ”عبدل نے لڑکی سے اپنا ایک کان بھر لیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں بھی ایک پستول دیا ہوا تھا۔

اس لڑکی نے ایک بار پھر خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن داور کی گرفت میں کھسکا کر رہ گئی۔

”باس۔ یہ کون پھیل رہی ہے؟ عبدل لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ہاسی بچی کی طرح ہنگام کر رہا تھا۔ بیٹی تھی۔ ابن نے کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔

”یہ تو بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہے۔“ داور نے کہہ کر سلیم سے مخاطب ہوا۔ سلیم تم اور عبدل ان دونوں نے زنجیوں کو اٹھا کر اندر پیچھا دو۔“

”موتی افلاطون بن جائے استاد۔“ لہذا نہ کریں کہ دونوں کو چلتا کریں۔ کہہ کر پھر اٹھانے اٹھانے چھین گئے۔“

”نہیں۔“ داور نے منہ کر دیا۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں فالتو خون بہانا پسند نہیں کرتا ہوں۔“

عبدل نے ایک گہری سانس لے کر ایک زخمی کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور اسے کھینچتا ہوا مکان کے اندر لے جانے لگا۔ یہ وہی زخمی تھا جس کو عبدل نے گولی مدلی تھی۔ وہ عبدل کے اس رویے سے ہلکا کر پختہ لگا لیکن عبدل نے اس کی ہتھولیں ہر دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے خیال میں اس شخص کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس نے چوڑی کی ٹینڈ بڑا کر دی تھی۔ داور عبدل کی تھلا ہٹ دیکھ کر مسکراتے لگا تھا۔ سلیم بھی ہنس پڑا۔

”تم لوگ بہت ہی بے رحم معلوم ہوتے ہو۔“ لڑکی بول پڑی ایسا لگتا ہے جیسے تینوں نے جرمانہ زندگی گزارا ہے۔“

”اور تم کون کی ہمارا اور نیک بی بی ہو؟“ سلیم نے ہلکے لہجے میں ایک طرف سے اندھیرے میں ایک ٹکڑے کے ساتھ دو عدد پستول بردار غنڈوں کو لانے والی کوئی ٹھوٹو لڑکی تو نہیں ہو سکتی یا یہ بھی کوئی کھربا کا اصول ہے۔ یا بہت نیک کام کرنی پھر رہی ہو تم۔“

لڑکی جھلا کر رہ گئی۔ اس کے چہرے سے اس کی جاگزی کا اظہار ہو رہا تھا۔ عبدل اتنی دیر میں پہلے آدمی کو کسی کمرے میں ڈال آیا تھا اور اب وہ دوسرے کی طرف چل رہا تھا۔ ”مٹھو میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔“ سلیم اس کے پاس پہنچ گیا۔ چلو اٹھاؤ۔“

دونوں نے مل کر اب اس شخص کو اٹھا کر سلیم کے ہاتھوں لے کر ہوش ہوا تھا۔ سلیم کے کھونٹوں نے اس کی ٹانگ اور منہ سے خون جاری کر دیا تھا۔

”اب چلو میرے ساتھ۔“ داور نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر مکان کی طرف دھک دیا۔

لڑکی نے سخت سے تھلا کر داور کی طرف دیکھ کر پھر اٹھتی آگے بڑھ گئی۔ داور اسے لے کر اس کمرے میں آگیا جہاں عبدل اور سلیم ایک کمر پر بیٹھے۔ مٹھو اطمینان سے داور کے آگے کا اظہار کر رہے تھے۔ ان دونوں نے زنجیوں کو کسی اور کمرے میں لے جا کر ڈال دیا تھا۔ داور نے اس لڑکی کو دوسری مٹھری پر ڈھکیل دیا۔ سلیم اور عبدل بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جس کے پورا بھی ٹک جا رہا تھا۔ اور وہ ان کے درمیان کسی ناخن کی طرح مل کر کھڑا تھی۔ لیکن خوفزدہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔

”ہاں اب بتاؤ کیا چکر ہے۔“ داور نے سوال کیا۔ تم لوگ کون ہو؟ تمہیں کس کا انتظار تھا؟ تمہارا تعلق کس سے ہے۔“

”اگر میں چوب نہ دوں تو لڑکی نے بڑی بے خوفی سے پوچھا تو پھر تم لوگ کیا کر گئے۔“

”تم ابھی یہ کہہ چکی ہو کہ تم بہت بے رحم معلوم ہوتے ہیں۔“ ای نے بڑی بے رحمی کے ساتھ تینوں مار مار کر مکان میں ڈفن کر دیں گے۔“

”ابن تمہارے کو کوا ہے؟“ نام اس عبدل جلدی سے بول پڑا۔ اگر کسی چھوڑی کا معاملہ ہو تو لین کو ڈال دیا کرو۔ تم چھوڑی لوگ سے بات نہیں معلوم کر سکتا ہے کیا؟“

”تو پھر ٹھیک ہے۔“ داور مسکرایا۔ مٹھی معلوم کرو۔ پھر وہ لڑکی سے مخاطب ہوا۔ میرا یہ ساتھی لڑکیوں کے معاملے میں اتنا بے رحم

ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔

اتنا کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے باہر جانے دیکھ کر لڑکی نے اٹھ کھڑا کیا۔

”مٹھر جاؤ میں بیماری ہوں۔“

”داؤ اس لڑکی کے پاس داؤس آگیا عبدال کے ذات نکل آئے تھے۔ لڑکی اس سے خوفزدہ ہوئی تھی۔

”ہم لوگوں کو اس مکان سے کسی آدمی کو گے کر گئے جانا تھا۔ اس نے بتایا۔

”میر تو ہمیں بھی معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن کہوں۔ وہ آدمی کان ہے۔ اور اسے کہاں لے جانا تھا۔“

لڑکی جواب دینے سے پہلے بچہ سوچنے لگی۔ اب اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ جیسے رنگ ایک دوسرے کا تاق کرتے ہیں۔ بے غمی کی جگہ پریشانی اور الجھن ظاہر ہونے لگی تھی۔ وہ بھی بڑی بے بسی سے ان لوگوں کو دیکھنے لگی تھی۔

”لیکن اس کے دونوں انداز بہت دلش تھے۔ اس کی بے غمی بھی خوبصورت تھی اور اب اس کی پریشانی بھی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔

”مجھے میں نہیں آتا کہ میں کہا کروں۔ وہ بڑی بڑی۔ اگر تمہیں بتائی ہوں تو تم لوگ سمجھا نہیں چھوڑتے۔ بتاؤ یہی ہوں تو وہ لوگ زندگی غلاب کر دیں گے۔“

”مجھ کو بی بی۔“ اور وہ کچھ لمحوں میں بولنا ہمدردی زندگی غلاب تو ہو رہی ہے۔ جب کوئی لڑکی کچھ سے لگ کر اس قسم کے دھندلوں میں گھس جائے تو اس کی زندگی اپنی نہیں ان کی ہوجاتی ہے۔ جن کے اشاریوں پر وہ اس قسم کے کام کرتی ہے۔ اسی لئے اب سوچے بغیر یہ بناؤ کہ یہ کیا چکر ہے۔“

”میرا نام تانیر ہے۔ لڑکی نے ایک چھری سا سانس لی۔ تم لوگوں کو شاید یہ معلوم ہو کہ اس ملک میں جرموں کی ایک بہت بڑی تنظیم ہے جس کا نام ہے ریڈمرکل۔ ہر لوگوں کا تعلق اسی ریڈمرکل سے ہے۔ اب یہ بتا دیجئے کہ اس تنظیم میں کیسے شامل ہوئی۔ آج ہمیں یہ حکم ملا تھا کہ اس مکان میں ہائیں یہاں سلطان ملے گا سلطان بھی ہمارا آدمی ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی ہو گا۔ اس آدمی کو کوئی کے ہیڈ فیس دینا ہے۔ اسی لئے ہم لوگ اسی طرف آئے تھے۔“

”اس رنگ میں کیا پھر آتا ہے۔“ سیم نے بوجھا۔ اس میں اتنا ج کی لوریوں ہیں۔ تانیر نے جواب دیا۔

لوریوں دکھاوے کی ہیں۔ لوریوں کے درمیان میں سفید

پاؤ ڈرنگی چھپا ہوا ہے۔ جو ہم لوہا سے بھٹی ہے جا رہے ہیں۔ ”حیرت کی بات ہے“ داؤد بڑبڑایا۔ ”سفید پاؤ ڈرنگی سے لہوے ملک میں پہلائی ہوتا ہے۔ اور تم لوگ پونا سے بچی لے جا رہے ہو۔“

”یہ بچی اپنی کا مال ہے۔“ تانیر نے بتایا۔ ”میں نے یہ بچوں ایک کھپ یہاں پہنچائی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ ہم جس آدمی کے پاس اسے لے کر آئے تھے وہ آدمی کسی چکر میں پھنس کے ہاتھ آگیا۔ وہ اس وقت پونا جیل میں ہے۔ اسی لئے ہم مال کی ڈیوری ہمیں دے سکے۔ ہم نے بچی کے آدمیوں کو فون پر صورت حال بتادی۔ انہوں نے منورہ دیکھا کہ ہم یہاں اپنے ساتھ واپس لے آئیں اور داؤسی میں اس آدمی کو بھی ساتھ لے لیں۔ جیسے سلطان اپنے ساتھ لانے والا تھا۔ اب ہم اس آدمی کو لینے کے لئے یہاں آئے تھے کہ تم لوگوں سے غلام کرو۔“

”تمہاری تنظیم کے لئے اس آدمی کی کیا اہمیت ہے۔“ داؤد نے پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتی۔ البتہ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بہت خطرناک اور بے ہاک آدمی ہے۔“

”کیا نام ہے اس کا۔“

”اس کا نام۔ اس کا نام ہے داؤد۔ لڑکی نے جواب دیا۔

وہ سب اس ہال کی بڑی میز کے گرد بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ اہاں اس لڑکی کی چھری چھری آواز اس سپیکر کے ذریعے ہال میں گونج رہی تھی۔

”آپ لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ہم نے ہندوستان میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں۔ ہماری شاخیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہمارا کاروبار بے حد وسیع ہو چکا ہے ہمارے وسائل بے شمار ہیں۔ ہمارے ارگرو بہت سے لوگ ہیں۔

ہمارے ساتھ کام کرنے والوں کی تعداد بہت ہے۔ لیکن ہم اپنی بھی خود کو مطمئن محسوس نہیں کرتے۔ ہم آپ لوگوں کی خدمات اور آپ کے وسائل کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ اپنی اپنی تنظیم کو بین الاقوامی معیار کا بنانے کا ارادہ کرچے ہیں۔ لیکن اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں اپنی پالیسی بنانی ہوگی۔ صوفیوں کے لئے اس وقت جاپان کی ایک تنظیم کوئی واٹا ہے۔ ہم سے رابطہ قائم کیا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مشرقی ایشیائی کی خدمات کے لئے بہت مشہور ہے۔ وہاں کے موٹی لوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ کوئی واٹا ایک ایسی تنظیم ہے

جو ہندوستان میں لہجوں ہمارا جوں تو اپنا اس قسم کے دیگر شوقین لوگوں کے لئے مثالی کی اس سنگٹ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن بات آپ کے علم میں بھی ہوئی کہ دنیا کی کوئی بھی تنظیم ہو وہ کبھی ملک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتی جب تک وہ کسی مقامی تنظیم سے اپنا رشتہ منقولہ کرے۔ ہمارے لئے یہ فکری بات ہے کہ کوئی واٹا شلے ہمیں یعنی ریڈمرکل کو اس دوستی کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور اس طرح ہم ملکی دائرے سے نکل کر بین الاقوامی حصہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کوئی واٹا شلے ہمارے مذاکرات مکمل ہو سکتے ہیں انہوں نے ہم سے ایک آدمی طلب کیا ہے۔ جو اپنی ذات میں طوفان ہو۔ اتنا جری اہل بے ہاک ہو کہ کسی قسم کی دشواریوں کو غلط میں نہ لائے۔ ہمیں ایسے ایک آدمی کو جاپان بھیجنا ہو گا تاکہ وہ کوئی واٹا کے ماہرین سے اپنی تربیت حاصل کرے۔ اس تربیت میں اس شخص کو اس سنگٹ کے کے رابطہ طے سکھانے چاہیں گے۔ اسے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر کے کے قابل بنانا چاہئے گا۔ پھر وہ شخص مال لے کر جاپان اور ہندوستان کے درمیان سفر کیا کرے گا۔ اس امر ذمے داری کے لئے ہم نے ایک ایسے آدمی کو منتخب کیا ہے جس کا تعلق ریڈمرکل سے نہیں ہے۔ لیکن وہ ہمارے اور کوئی واٹا کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ ہم نے اس شخص کی نگہی روائی سے اسے انتہائی جری ہے ہاک اور ایک صورت انگریز قوت پر طاقت کا انسان پایا ہے۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم اسی شخص کو جاپان روانہ کریں گے۔ تاکہ وہ وہاں جا کر اپنی ٹریننگ مکمل کر سکے۔ اب اگر آپ میں سے کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہے وہ پوچھ سکتا ہے۔“

”میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔“ ایک آدمی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ”وہ بھلائی جڑے اور مرد نکھوں والا آدمی تھا۔“

”ہاں۔ رجن کہو کیا بات ہے۔“ پوٹھ نے آواز گونجی۔

”پاس کیا بھلائی تنظیم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے۔“

جیسے اس کام کے لئے تربیت دی جائے۔ ہمیں باہر سے کسی کو بلائے کی کیا ضرورت ہے۔“

”ہمارے سوال اچھے۔ رجن۔ پوٹھ نے سوال سننے کے بعد جواب دیا۔ ”لیکن ہم نے یہ فیصلہ بہت سوچ کر کیا ہے۔“

میں نہیں جانتا کہ ہمارا کوئی آدمی کوئی واٹا سے ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس کا بہ

جو ہندوستان میں لہجوں ہمارا جوں تو اپنا اس قسم کے دیگر شوقین لوگوں کے لئے مثالی کی اس سنگٹ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن بات آپ کے علم میں بھی ہوئی کہ دنیا کی کوئی بھی تنظیم ہو وہ کبھی ملک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتی جب تک وہ کسی مقامی تنظیم سے اپنا رشتہ منقولہ کرے۔ ہمارے لئے یہ فکری بات ہے کہ کوئی واٹا شلے ہمیں یعنی ریڈمرکل کو اس دوستی کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور اس طرح ہم ملکی دائرے سے نکل کر بین الاقوامی حصہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کوئی واٹا شلے ہمارے مذاکرات مکمل ہو سکتے ہیں انہوں نے ہم سے ایک آدمی طلب کیا ہے۔ جو اپنی ذات میں طوفان ہو۔ اتنا جری اہل بے ہاک ہو کہ کسی قسم کی دشواریوں کو غلط میں نہ لائے۔ ہمیں ایسے ایک آدمی کو جاپان بھیجنا ہو گا تاکہ وہ کوئی واٹا کے ماہرین سے اپنی تربیت حاصل کرے۔ اس تربیت میں اس شخص کو اس سنگٹ کے کے رابطہ طے سکھانے چاہیں گے۔ اسے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر کے کے قابل بنانا چاہئے گا۔ پھر وہ شخص مال لے کر جاپان اور ہندوستان کے درمیان سفر کیا کرے گا۔ اس امر ذمے داری کے لئے ہم نے ایک ایسے آدمی کو منتخب کیا ہے جس کا تعلق ریڈمرکل سے نہیں ہے۔ لیکن وہ ہمارے اور کوئی واٹا کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ ہم نے اس شخص کی نگہی روائی سے اسے انتہائی جری ہے ہاک اور ایک صورت انگریز قوت پر طاقت کا انسان پایا ہے۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم اسی شخص کو جاپان روانہ کریں گے۔ تاکہ وہ وہاں جا کر اپنی ٹریننگ مکمل کر سکے۔ اب اگر آپ میں سے کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہے وہ پوچھ سکتا ہے۔“

”میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔“ ایک آدمی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ”وہ بھلائی جڑے اور مرد نکھوں والا آدمی تھا۔“

”ہاں۔ رجن کہو کیا بات ہے۔“ پوٹھ نے آواز گونجی۔

”پاس کیا بھلائی تنظیم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے۔“

جیسے اس کام کے لئے تربیت دی جائے۔ ہمیں باہر سے کسی کو بلائے کی کیا ضرورت ہے۔“

مطلب نہیں کہ مجھے تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اعتماد کے لوگوں کو پہلے گواہیں رہنا چاہئے۔ جبکہ اس کام کے لئے ہم باہر سے بھی کسی کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کام کے لئے حمایت کی حد تک دہری کی ضرورت ہے۔ اور دہری کی نظریں صرف ایک آدمی سے جو اس معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

”کیا ہم اس آدمی کا نام معلوم کر سکتے ہیں۔“ پوٹھ نے سوال کیا۔

”میں نہیں جانتی۔ اس کا نام ہے داؤد۔ پوٹھ نے جواب دیا۔

اس نام کو سن کر اس ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ چونک پڑے تھے۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف الجھ رہے تھے۔

”جسے دیکھنے لگے۔ جبکہ ماواہم سرکاری تھی۔ لیکن اس نے بڑی خوبی کے ساتھ ہائیک ہائیڈریس اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔ ہال میں خاموشی مچی جیسے کوئی طوفان آکر گر کر گرے یا آئے والا ہو۔“

”معاف کرنا یا اس۔“ رجن نے پھر آواز لگا دی۔ ”ہم اس شخص کے نام سے واقف ہیں۔ داؤد ایک مقامی بدعاش ہے۔“

”جو بچی بار جیل بھی جا چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک طیر آدمی ہے۔ لیکن صرف دہری تو کام نہیں آسکتی۔ ہم اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ انتخاب نامناسب معلوم ہوتا ہے۔“

”میں نے تمہاری بات کا برا نہیں سنا۔“ رجن نے پوٹھ کی چھری چھری آواز گونجی۔ ”لیکن ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔“

داؤد بنیادی طور پر ایک ایسا آدمی ہے جو ایک طرف تو بہت اچھے اور تندرست ہے اور دوسری طرف نرم مزاج بھی ہے۔ اس نے کافی تجربہ بھی حاصل کر چکی ہے۔ ہم نے اس کے بگ کر فوڈ کا بہت چلانے کی بھی کوشش کی۔ اس کی بصورت و فطرت پر نظر بھی گئی۔ لیکن ہمیں اس کے پس منظر کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ بچی کے ہزاروں بچوں کی طرح فٹ پاؤں پر ہوا ان چڑھا ہے۔ پھر پڑے ہو کر اس نے جرائم کی راہ اختیار کر لی۔ اور اب وہ ایک دہشت بلیت جا رہا ہے۔ ہم ایک طرف تو اسے اپنے ساتھ لے کر اپنا کام لگا سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم اس کے خطے کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیں گے۔ اگر اس کے دل میں کبھی ہمارے سامنے آنے کا ارادہ بھی ہو تو

نہیں آئے گا۔ کیوں کہ ہم اس کے ہر کمرے کے اپنے بچے میں بند کر دیں گے۔ وہ ہمارے حکم پر چلتا رہے گا۔ ہمارا

”میں نے تمہاری بات کا برا نہیں سنا۔“ رجن نے پوٹھ کی چھری چھری آواز گونجی۔ ”لیکن ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔“

داؤد بنیادی طور پر ایک ایسا آدمی ہے جو ایک طرف تو بہت اچھے اور تندرست ہے اور دوسری طرف نرم مزاج بھی ہے۔ اس نے کافی تجربہ بھی حاصل کر چکی ہے۔ ہم نے اس کے بگ کر فوڈ کا بہت چلانے کی بھی کوشش کی۔ اس کی بصورت و فطرت پر نظر بھی گئی۔ لیکن ہمیں اس کے پس منظر کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ بچی کے ہزاروں بچوں کی طرح فٹ پاؤں پر ہوا ان چڑھا ہے۔ پھر پڑے ہو کر اس نے جرائم کی راہ اختیار کر لی۔ اور اب وہ ایک دہشت بلیت جا رہا ہے۔ ہم ایک طرف تو اسے اپنے ساتھ لے کر اپنا کام لگا سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم اس کے خطے کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیں گے۔ اگر اس کے دل میں کبھی ہمارے سامنے آنے کا ارادہ بھی ہو تو

”اس سے رابطہ کی کیا صورت حال ہوگی؟“ یہ بات دوسرے شخص نے پوچھی تھی۔

”اس سے رابطہ قائم ہو چکا ہے۔“ بوجلے نے جواب دیا۔
 ”میں یہ معلوم ہوا تھا کہ دارا نے ایک ساتھی کے ساتھ آج کل بولنا میں ہے۔ وہاں اس نے کم چند کی مضبوط تنظیم کو لا رکھا ہے۔ اور وہ تنظیم اپنے تمام تر وسائل کے باوجود دارا کو نہیں کر سکتی ہے۔ اسی دوران میں شہر خون خرابوں کے بغیر دیر گھر کم چند اور اس کے ساتھیوں سے اپنی گھر فرم وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہم نے بولنا میں اپنے دو آدمی اس کے پیچھے لگا دیئے ہیں۔ سلطان اور نگرہ دو دنوں کے گواپنے کے ساتھ یہاں لائے والے ہیں۔ اسے لینے کے لئے ہم نے تاجہ کو روانہ کر دیا ہے۔ وہ خود بھی ایک دیر پردے اور خرم کے حالات پر قلمباز کرتی ہے۔ بس ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکتے۔ مہنگ، رفاہت کی بات ہے۔“

بوجلے کی آواز خاموش ہوئی۔ اس ہال میں بھرنا ملا ہوا وہ لوگ ایک دوسرے کو بھی بھلی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر سب سے پیادہ کچھ ہوئی اس کی تقلید میں دوسرے بھی کھڑے ہو گئے اور ایک ایک کر کے ہال سے باہر گئے۔ مادام کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ مانتھ اس کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ مادام نے کمرے میں آنے کے بعد اپنا گاؤں اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ اور ساتھی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تباہ نم فورا

”یہ تو ناک طرف روانہ ہو جاؤ۔“
 ”وہ کیوں مادام؟“ مانتھ نے چونک کر پوچھا۔
 ”مجھے ان لوگوں پر زیادہ بھروسہ نہیں ہے۔“ مادام نے کہا۔ ”میں نے ناگر سلطان اور تاجہ وغیرہ کو دارا کے ساتھ لگاؤ دیا ہے۔ لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ یہ لوگ اسے قابو کر سکیں۔ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور میں ہر حال میں اسے اپنے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ ناکا میں ہر داشت نہیں کر سکیں گی۔ اسی لئے تم بھی بولنا جاؤ اور اسے غیر کر لانے کی کوشش کرو گے۔“

سلیم اور عبدل بھی دارا اور تاجہ کے پاس آگئے تھے۔ تاجہ نے دارا کا نام پھر دہرایا تھا۔ دارا اپنا نام نہ کر سکتا تھا۔ مانتھ نے اس موقع پر کہہ دیا کہ بولنا چاہا لیکن سلیم نے اس کا ہاتھ دگر سے خاموش کر دیا تھا۔
 ”کیا تم لوگوں نے دارا کو دیکھا ہے؟“ دارا نے سوال کیا۔

”نہیں۔“ تاجہ نے جواب دیا۔ ”صرف نام سنا ہے۔ ہماری تنظیم میں اس کا نام لیا جا رہا ہے۔ اس کے کارنامے سے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ بہت دیر آدمی ہے۔ اسے لانے کے لئے تنظیم نے سلطان کو مقرر کیا تھا۔ سلطان بھلائی آدمی ہے لیکن نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا۔“

”سلطان اس آدمی کو کس طرح تمہارے پاس لانا؟“ دارا نے پوچھا۔ ”اگر تمہارے مجھے کے مطابق وہ اتنا ہی دیر آدمی ہے تو کیا سلطان اسے لانے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟“
 ”یہ میں نہیں جانتی لیکن اتنا معلوم ہے کہ سلطان کیوں لاکھ روپے دے گئے تھے کہ وہ دارا کے حوالے کر دے اور اس سے کچھ تنظیم والوں نے اس کے لئے مزید بیس لاکھ روپے رکھے ہیں۔ تنظیم کا خیال ہے کہ وہ لوگوں کے لالچ میں داور صرف کھپا جلائے گا۔ کیونکہ اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ روپوں کے لئے دنیا کا ہر کام کر سکتا ہے۔ پتی اسے زبردستی نہیں لایا جا رہا تھا۔ بلکہ خرید جا رہا تھا۔“

”میں اس سے ہر شخص اپنے منہ پر لانی تعریف سننے کا عادی ہوتا ہے۔ اگر کسی کو ڈالنا یا لینہ دکھا دیا جائے تو اس کا چہرہ بڑھ جاتا ہے۔ دارا کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اسکی برائی ظاہر کر دی تھی۔ وہ جھلکا کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کی شدت اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
 ”یہ تو بالکل بروہر بات ہو رہا ہے۔“ عبدل اپنا گلہ سن رہا تھا۔ ”میں اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی بات کر رہی ہوں۔“
 ”اس کی برائی ظاہر کر دی تھی۔ اور اس کی بات کر رہی ہوں۔“
 ”میں اس کی بات کر رہی ہوں۔“

”تو تم لوگوں نے مجھے خیرینے کے لئے سلطان کو دس لاکھ روپے دیئے ہیں۔“ دارا نے بوجلے کو پوچھا۔
 ”ہاں۔“ تاجہ نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ ”مجھے ہی بتایا گیا ہے۔“
 ”سلیم۔“ یہ سلطان کی آواز تھی۔

”سلیم۔“ یہ سلطان کی آواز تھی۔

”یوں ہی سادگی ہے بھائی؟“ سلیم نے جواب دیا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ لیکن آدمی بہت گہرا ہے۔ اس نے آج تک یہ خباہتیں کہا کہ دیر پردے سے اس کے اتنے گہرے تعلقات ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ وہ معمولی قسم کی وارداتیں کرے گا۔ اپنا گڑا کر کرتا ہے۔“
 ”آج اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟“ دارا نے پوچھا۔
 ”ہوئے تھے تھک سے نہیں معلوم لیکن سنا ہے کہ وہ میں سے گیا تھا۔ اور غری ہو کر تھکن پانی اسپتال میں پہنچا ہوا ہے۔“
 ”یوں؟“ دارا سرگراہ ”میرا خیال ہے کہ وہ اب اسپتال میں نہیں ملے گا۔“

”کیا مطلب؟“ تاجہ اور سلیم دونوں ہی چونک بڑے تھے۔
 ”میرا خیال ہے اس نے دیر پردے والوں کو بھی دھوکا دیا ہے۔ دس لاکھ روپے کم نہیں ہوتے۔ وہ اب بولنا میں نہیں ہوگا۔“
 ”اوہ۔“ تاجہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ لیکن میں کیا کروں؟ میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر وہ روپے لے کر بھاگ گیا ہے تو مجھ پر تو کوئی الزام نہیں آسکتا۔“
 ”نہیں تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ اور اب میں تمہارے ساتھ دیر پردے میں چلوں گا۔“ دارا نے کہا۔
 ”ابن کجی تمہارے ساتھ چلے گا۔“ اس نے عبدل جلدی سے بول بڑا۔ ”ابن بے سہارا ہونا نہیں مانگتا۔“
 ”نہیں۔ تم سلیم کو اپنے ساتھ بھی لے جاؤ گے۔ سلیم تمہارے ساتھ ہے گا۔ میں تم سے خود مل لوں گا۔“
 ”لیکن سب ہوگا کس طرح؟“ تاجہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
 ”مجھے کیا معلوم کہ تم وہی دارا ہو پھر میرے دو آدمی بھی زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ میں ان کے بارے میں کیا جواب دوں گی؟“

”تمہارے دیر پردے کی بہت سے لوگ تھے۔ یہاں سے ہوں گے جب تم مجھ ان کے سامنے لے جاؤ۔“ ابن کجی نے مغلوم بوجلے کے گالہ میں کون ہوں۔ زخمیوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دھوکے میں زخمی ہوئے ہیں۔ اور بات بھی یہی ہے۔ تم لوگ مجھے اپنے کیلئے آئے تھے۔ اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ اب سلطان تمہارے درمیان سے لنگر لگا رہا ہے۔ اور تم لوگ اب اس سے جتنے بڑا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا میں بھی تو مجھوں کے تمہارے دیر پردے والے مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟ سلیم نے کچھ کہا جانا لیکن خاموش رہا۔ عبدل نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے غصوں کر لیا تھا کہ دارا نے دیر پردے تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اس فیصلے سے اسے بائیں رکھا جاتا

”میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو اپنے سفر پر چل دینا چاہیے۔“ دارا نے کہا۔ ”جو کجی جلدی ہو جائے۔ اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ عبدل اور سلیم تم دونوں ان زخمیوں کو اٹھا کر مرکز میں ڈالو۔“
 ”ابن کجی لالچ ہی ہے۔ کار ہو گیا ہے۔“ اس نے عبدل جھٹکا کر بولنا۔ ”ابھی ان کو اٹھا کر اندر لے گیا تھا۔ اب دوبارہ مرکز میں ڈالنا ہوگا۔ کیا مصیبت ہے۔ سالانہ زخمی بھی ہوتا ہے اور بے ہوش بھی ہو جاتا ہے۔ اسے دو دنوں کے کھانے کے بعد بھی چلنا پھرنا چاہیے۔ لیکن یہ سالانہ لوگ تو بس یوں گیا۔ یہاں ان لوگوں کو دیر پردے میں بھرتی کر کے لیا گیا تھا۔“

عبدل کی باتیں سن کر دارا اور سلیم ہنس پڑے۔ تاجہ بھی مسکرا دی تھی۔ اس کے ذہن سے خوف لنگر گیا تھا۔ دارا اور اس کے ساتھی ایسے خود غار میں مغلوم نہیں ہوتے تھے۔ جیسا اسے تاثر دیا گیا تھا۔

دارا کے سامنے وہ اپنی خسر مانیوں کیساتھ چوتھی وہ ملاوٹ تھی۔ اور دیر پردے کے لوگ اس کے نام سے ہی کانپتے تھے۔ کسی ایسی امت نہیں ہوتی تھی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ دیر پردے کے پاس نے سارے اقتدارت ایامادام کے حوالے کر دئے تھے۔ اور وہ عمارتوں سے صرف مانگ اسپتال کے ذریعے خطاب ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی خاص الخاص بولتے۔ ہر در دام خطہ ہر سارے احکامات مادام ہی دیا کرتی تھی۔ اور کسی میں کافی خیال نہیں تھی کہ اس کے حکم سے مرئی کی جرات کر سکے۔

اس کا خیال تھا کہ دارا اس کے سامنے آکر بے حال ہو جائے گا۔ اس نے دارا کو خوب اور حورہ کرنے کے لئے ہراس بھید سے کام لیا تھا۔ جو ایک عورت کے پاس ہوا کرتا ہے۔ اس کا بالکل بہت خوبصورت تھا۔ ایک ایک بہت شاندار تھا۔ بالوں کو بہت خوبصورت انداز سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اور اس سے اٹھنے والی خوشبو بہت دل فریب تھی۔ لیکن دارا بہانہ خرابوں کا کوئی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ بہت ہی سرد لگا ہوں۔ اس کی طرف دیکھنا نہ تھا۔

”کام کی بات کرو مادام؟“ وہ اٹھنے کے لئے بوجے میں بولا۔
 ”یوں بلایا ہے مجھے۔“
 ”تم جیسے آدمیوں کو کیوں بلایا جاتا ہے؟“ مادام نے تلخ ہو کر کہا۔ ”میں تمہاری قیمت بدلنے کا موقع فراہم کر رہی ہوں۔“
 ”میری قیمت؟“ تاجہ نے غصوں میں بنا سکیں۔ ”دارا سرگراہ۔“

تہیں اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تمہاری کیا حیثیت ہے، مادام نے کہا: تم ذرا دسی رزم کی لائی میں سنو، کی طرح ادھر سے ادھر لیکن اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مقتدہ دار نے اچانک ایک پتھر اس کے چہرے پر سہا کر دیا تھا پتھر ٹھٹھکے ہی اس کی گردن چھری کی طرف ہوئی اور وہ کی سمیت دوسری طرف اڑ پڑی۔ اس کے سرے میں موجود ماتر اور اس کے ساتھ تھیں نے رنچ اور لکال لئے۔

دار نے ایک نظر ان لوگوں کی طرف دیکھا پھر جلدی سے خود بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ ماتر اور اس کے آدھوں نے پلاؤ والے ہاتھ سے کھسکے اور اسی وقت مادام جھنج بڑی۔

”نہیں۔ نہیں۔ اسے کچھ مت کہنا۔“

وہ اس دوران اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ دار نے جس گال پر پتھر مارا تھا اس گال سے سرخی پھیلنے لگی تھی۔ ابھی لگتا تھا جیسے شفاف جلد کے اندر سے ہوجھوٹ کر باہر نکلنے والا ہوا اس کے گال کی طرح اس کی آنکھیں بھی ابھرنی لگی تھیں۔ ان میں ایسی نفرت کلبلا رہی تھی جیسے وہ داور کو جہنم میں پہنچانے کا تہیہ کر رہی ہو۔ اس کی ایسی بے غرضی تھی کہ وہ نہیں کی ہوگی وہ یہاں ایک ملکہ کی شان سے وقتی تھی۔ سب اس کے غصے سے خوف کھاتے تھے۔ اور آج اسی ملکہ کے گال پر ایک شخص نے پتھر سید کر دیا تھا۔

داہ غافل نہیں تھا۔ مادام نے اپنے آدھوں کو روک کر تو دیا تھا۔ لیکن وہ غصہ میں آکر اس کے خلاف کچھ بھی کر سکتے تھے۔ مادام نے اسے گالی دی تھی اور وہ کسی صورت گالی برداشت نہیں کر پاتا تھا۔

”میں تمہاری بوٹیاں کے جیل اور کوٹوں کو کھلا دوں گی۔“

مادام داور سے مخاطب ہو کر چہنچہنکاری۔

”آپ اجازت دیں مادام، ماتر نے کہا: ہم خود اس کے مجھے کر دیتے ہیں۔“

”نہیں۔ یہ میرا ذاتی دشمن ہے۔ اس نے میرے گال پر پتھر مارا ہے۔ اسی لئے اس کا صاحب کتاب میں اپنے پاس رکھوں گی۔ تم لوگ اسے دس نمبر کرے تک سے چلو۔“

”مجھے یہاں سے کہیں لے جانے کے لئے تم لوگوں کو خون کے دریا سے دہلیسے کر دنا ہوگا۔“ دار نے کہا: ہمیں کوئی پتھر کا جسم نہیں ہوں جسے تم لوگ ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاؤ گے۔“

مے چلو اس کو مادام دھاڑی۔ غصے کی دیا دتی نے اس کے حسین نفوس پھیکے کر دیئے تھے۔ دار نے ایک لمحے تک صورت حال غور کیا۔ پھر لپک گئی اس نے لے کر بولا: ہٹک بنے میں چلنے کے لئے تیار ہیں لیکن یہ زیادتی ہے۔ تم لوگوں نے خود ہی مجھے ہلا دیا ہے اور اب ایسا سلوک کر رہے ہو۔ چلو کہاں لے جا رہے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ تم لوگ مجھے زیادہ دیر تک کہیں قید نہیں رکھ سکتے۔ وہ بڑبڑاتا رہا اور وہ لوگ ریوڑ والے کے بل پر اسے کمرے میں لے آئے جس کا حالہ مادام نے دیا تھا۔ ان لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ داور اپنی مرضی سے ان کے ساتھ یہاں تک چلا آئے۔

دار نے عبدال اور سلیم کی مدد سے دونوں زنجیروں کو ٹرک میں ڈالا تھا۔ پھر تانبہ کو ٹرک میں بٹھا کر کوئی کی طرف چل پڑا تھا۔ اس نے عبدال اور سلیم کو بابت کر دی تھی کہ وہ دونوں بھی پیچ جائیں۔ تانبہ اس کے ساتھ سو کرے ہوئے بہت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ دار نے بھی اسے جھپٹنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی اپنی مرضی سے اس تنظیم میں شامل نہیں ہوتی ہوگی۔

ساتے مجروحہ لڑکی اپنے خیال میں ابھی بری تھی۔ وہ بچی آئے کے بعد داور کو راستہ بتاتی رہی تھی اور وہ فک زبانی روڈ پر آگیا تھا۔ یہاں ایک جڑے سے گودام کے اطراف میں اس لڑکی کے جھنے کے مطابق داور اس ٹرک کو لے آیا تھا۔ ٹرک کے رکتے ہی بہت لوگوں نے چاروں طرف سے اس ٹرک کو گھیر لیا تھا۔ وہ لوگ ٹرک میں بڑے ہوسے زنجیروں کو دیکھ کر بہت غصے میں آ گئے تھے لیکن تانبہ نے کسی طرح انہیں اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ داور کے پیچھے کی اطلاع مادام تک پہنچا دیں۔

مادام نے اسی گودام میں اپنا دفتر قائم کر رکھا تھا۔ داور کو اسی لئے اندر بٹھا دیا گیا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے اندر آنے کے بعد تانبہ اور ان زنجیروں پر کیا گری تھی وہ اندر آتے ہی مادام سے الجھ گیا تھا۔ مادام بوری طرح مع و جھ کر اس کے سامنے آئی تھی۔

یہاں آتے ہی داور کے ذہن میں کھلبلی سی چمنے لگی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ ان لوگوں کے درمیان آیا جن کی حکمرانی اس کے باپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس باپ کے ہاتھ میں جس کا تصور ہی اس کے وجود میں نفرت کی آگ جھوکا

دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے براہ راست اس کے باپ کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ ایک بیٹا اجنی بن کر باپ کے سامنے آئے والا تھا۔ ایک دوسرے کو دھکے ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا باپ اسے پہچان بھی سکے گا یا نہیں۔ ہو سکتا تھا کہ خون جوش مار جائے باپ کی آنکھوں کے سامنے بھی ہوئی دھندھا صاف ہو جائے اسے یاد آجائے کہ کسی زمانے میں اس کے دو بیٹے بھی تھا کرتے تھے۔ جو اس کا ہمارا لان سکتے تھے لیکن اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر فٹ پاتھ پر پھینک دیا تھا۔

رشتہ تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب دولت نے باپ کی آنکھوں پر بیٹی باندھ دی تھی۔ اور اسے اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی پر کے کی طرح فاتر دکھائی دینے لگے تھے۔ اور ان میں آنے کے بعد داور نے سب سے پہلی قسم ہی کھا لی تھی کہ وہ اپنے باپ سے انتقام کے گائیو کو رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ صرف نفرت باقی رہ گئی تھی۔ اسی لئے وہ ریڑھ پر مل کے ہلا دے برسی مہول کی طرح فوری چلا آیا تھا۔ لیکن اس کے سامنے اس کا باپ نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ کوئی حسین اور مجرور عورت تھی جسے سب لوگ مادام کہہ کر خطاب کر رہے تھے۔ یہ وہ عورت تھی نہیں ہو سکتی تھی جس سے اس کے باپ نے شادی کر لی تھی۔ یہ کوئی اور عورت تھی۔ کوئی اور عہد تھا۔ جیسے حل کئے تھے داور یہاں سے نہیں جاسکتا تھا۔

جس وقت وہ عورت داور سے ناراض ہوئی تھی اس نے اپنے آدھوں کو حکم دیا تھا کہ وہ داور کو کہہ خبر دیں میں لے جائیں اس وقت وہ لوگ داور کے اٹھتے ہیں تھے۔ وہ داور سے اتنے قریب تھے کہ وہ ان کے ہتھ پادوں کے باوجود بڑی آسانی سے ان پر قابو حاصل کر سکتا لیکن اس نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔ ابھی ریڈرسل کے بھینٹیں کھلے تھے۔ اسے اپنے باپ کا سراخ لگنا تھا۔ اس عورت کو دیکھنا تھا جس سے اس کے باپ نے شادی کی تھی۔ اور یہ سب اسی وقت معلوم ہو سکتا تھا جب وہ اپنے دل دوارح کو کھنڈا تھا اسے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں کسی قسم کا کوئی فخر نہیں تھا۔ اس کا دروازہ بوسے کا تھا۔ اور دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ دیکھ کر کسی ٹھہر کی طرح بند ہو جاتا تھا۔ اس میں کوئی کھڑکی ہی نہیں تھی۔ البتہ چھت میں چھوٹے چھوٹے کورنگ بنے ہوئے تھے۔ راستے میں بھی داور کوئی بارہ موقع ملا تھا کہ وہ ان میں سے کسی کے ہاتھ سے لپٹول چھین سکتا

تھا لیکن اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ بڑی ہی فرمانبرداری کے ساتھ ان لوگوں کے اشارے پر چلتا رہا۔ پھر یہ لوگ اسے اس کمرے میں بند کر کے چلے گئے تھے۔ وہ بے کار دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

داوری کچھ نہیں کہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہاں تک اگر کوئی عقلمندی کی تھی یا اس سے حماقت ہوئی تھی۔ وہ عورت بہت ہی کبھتہ بہرہ ور اور خطرناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ جس انداز سے یہاں مردوں پر حکمرانی کر رہی تھی۔ اس سے بے تحاشہ ہوتا تھا کہ وہ یہاں بہت ہی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ داور کو اس کے عہد تک پہنچنے کے لئے اس کی باتیں بروقت کر لینی تھیں۔ اس عورت کو اپنے اعتماد میں لیتا تھا لیکن وہ مزاح کا لپکا کرتا۔ جو کسی کی گالی پر رداشت نہیں کر سکتا تھا اس عورت نے اسے گالی دی تھی اور داور کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی۔ اگر اس عورت کی جگہ کوئی ہوتا تو داور اس کی گردن توڑ کر رکھ دیتا۔ لیکن وہ اٹک عورت تھی اسی لئے وہ لے صرف پتھر ہی مار سکا تھا۔ اپنے بانی مانندہ غصے کو اس نے اپنے سینے میں اندر لیا تھا۔

اس کے ذہن میں کئی سوالات کلبلا رہے تھے۔ بہ عورت کون تھی۔ اس کے باپ سے اس کا کیا تعلق تھا۔ اس کا باپ کہاں تھا۔ ریڈرسل والوں نے داور کو بکول بلایا تھا۔ ہٹکا باتیں ابھی تک لازمی تھیں۔ اور یہ ملا وقت گزرنے کے بعد ہی سامنے آ سکتا تھا۔ اور اسے وقت گزرنے کا انتظار کرنا تھا۔ پھر چانک اسے احساس ہوا کہ اس کمرے میں وقت گزارنا قیامت ہو جائے گا۔ اس عورت نے اپنی ٹوہین کا بدلہ لینے کے لئے اسے ایسے کمرے میں بھیج دیا تھا کہ جو رفتہ رفتہ جہنم بنتا جا رہا تھا۔ ایسا جہنم جہاں بجائے گری کی سردی ہو اس کمرے کا درجہ ٹھنڈے لگا تھا۔ بہت ہی ان محسوس طریقے سے۔ ٹھنڈک کی ہر جھٹ پڑنے ہوئے سوراخوں کے ذریعے اس کمرے میں چھیلی جارہی تھی بہت آہستہ آہستہ جیسے ٹیسرے مریض کو موت اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آہستہ آہستہ اپنے پیچھے بڑھانے لگے۔ اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی جانے۔

اس کمرے میں موت داخل ہو رہی تھی۔ یہ موت بہت عجیب تھی۔ اس کی اذیت بے انتہا تھی۔ داور نے کبھی اتنی اذیت محسوس نہیں کی تھی۔ بے پناہ سردی اس کی رگوں میں سرایت کر رہی جا رہی تھی۔ اس کو ریڈرسل تک پہنچا دینی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اس نے سردی کے احساس سے بچنے

کے لئے اپنے دونوں ٹھٹھے سیکڑے اور دھار کے ساتھ ٹھیک لگا کر بیٹھ گیا۔ لیکن سردی کا احساس بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس عورت نے اس کے لئے بہت سی جھپٹک مڑاؤ بڑی تکی یہ ایسی مڑاؤ جو اسے مغلوب کر کے رکھ سکتی تھی۔ اور اس ٹھٹھی مڑاؤ نے اسے مغلوب کرنا شروع کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ ٹھٹھے سیکڑے ٹھٹھے سے اس کی ہڈیاں بچھڑ ہوئے گی۔ وہ بچھڑ دیر اور اس طرح بچھڑا ہوا شاید کبھی کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

اس نے ہڈیوں کو مغلوب ہونے سے بچانے کے لئے اپنے دونوں ہیرا گئے کی طرف پھینکا دینے لیکن چھت کے مولوں کے ذریعے آہستہ آہستہ رتی ہوئی سرد موت اسے چپن نہیں لینے دے رہی تھی۔ صورت حال اس کیلئے ناقابل برداشت ہوئی تھی۔ وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں ٹھیک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا پورا جسم جیسے برف کا تودہ ہلتا جا رہا تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ کمرہ اس کی وسعت کے لئے بہت کم تھا۔ لیکن اسے اپنی لقا کے لئے بے غی جھانگ دوڑ کر رہنا تھا۔ اس وقت تک جب تک اس کے اندر کا درجہ حرارت اس قابل نہ ہو جائے کہ وہ اس سردی کا مقابلہ کر سکے لیکن اس کے اندر بھی برف جمی رہی۔ جیسے وہ خود برفانی میدان میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اب اس کی سانس نہیں بھی اس کی ناک سے نکل کر اس کے سانسے کان کی ہلکی سی دھار کی طرح جھننے اور ٹھٹھے لگی تھی۔

اس کمرے میں دھند سی چھا آئی تھی۔ یہ دھند گہری ہی ہوتی جا رہی تھی۔ دھواں اسے غائب ہو گیا۔ صرف دھند تھی جس کی دوسری طرف کچھ دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے زور زور سے اپنے ہاتھ پاؤں ہالے شروع کر دیئے وہ دھند سے جا بھٹی تھی کہ داور گڑ گڑ کر معافی طلب کرنے لگے۔ اس سے رحم کی جھپٹک مانگنے لگے۔ وہ اسے لئے کس کر کے بہت خوش ہو رہی ہوئی۔ لیکن داور کے لئے اپنی زندگی کی معافی مانگنا بھی موت کے برابر تھا۔ یہ اس کی توہین تھی۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کا جسم لکڑی کے تختے کی طرح اکڑ جائے لیکن وہ اپنی مدد کے لئے آواز بلند نہیں کرے گا۔

زندگی میں پہلی بار اس کی قوت الادی کو ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کی قوت لڑائی بھی مجبور ہوئی جا رہی تھی۔ وہ چوچا جاتا تھا لیکن اس سوچ کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ ان راستوں پر برف جمی تھی۔ وہ اپنے ہلکے

حرارت پہنچانے کے لئے متحرک رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی تحریک دم ٹوٹنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی مدد کے لئے کسی کو آواز دے۔ دشمن اگر چالاک ہو تو جنگ میں ہتھوڑی سی مصلحت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ یہاں سے لپٹنے کے بعد وہ ان لوگوں کے خلاف کچھ کر سکتا تھا۔ اس نے چپنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز تک نہ بڑھی تھی۔ بے لظاوتہ ٹوٹے ہوئے الفاظ اس کے دانتوں کے نیچے اکر اٹھنے لگے تھے وہ چپ بھی نہیں سکتا تھا۔ سرد موت اسے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی بہت دور تک لے آئی تھی۔

اس نے اپنا قدم بڑی شکل سے آگے بڑھایا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دیوٹ چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس کے انگوٹھوں سے لے کر ہڈی کی ہڈی تک انگوٹھی تھی۔ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھانے کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلانے۔ وہ اسی طرح دواڑے تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ یہاں سے چھ کرکشی کو منوجہ نہیں کر سکے گا۔ توجہ دلانے کی اس بھی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے ہتھ بھٹیل سے دواڑہ پھینکا شروع کر دے۔ اس نے اس کمرے میں اکر اپنی زندگی کی یہ سب سے بڑی غلطی کی تھی اور اب اس غلطی کا خمیازہ بھگت رہا تھا۔

دو قدم تین قدم چھوڑ دواڑہ تلک پہنچ گیا۔ یہ فاصلہ اس کے لئے صدیوں اور صدیوں کا ہو گیا تھا۔ چلائی ہوئی دھند سے جب اس کا بدن ٹکرائے تو کچھ ٹوٹنے لگی تھی۔ یہ کانچ پانی کی صورت اختیار کرتی پھر فوراً ہی تم جاتی۔ پانی پٹنے اور بھاپ ہونے کا یہ تماشا مسلسل ہو رہا تھا۔ وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں نے اس کمرے کے درجہ حرارت کو کتنا کم کر دیا ہے۔ لیکن اسے یقین ہو گیا تھا کہ ماہر یا اور دوسرے برفانی خلاؤں میں اس قسم کی سردی ہوتی ہوگی۔ اسی لئے وہاں انسان نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ انسان اپنی تمام تصلا جوتیل کے باوجود ایک خاص حد تک سی موسمی متحیل کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اور اگر اسے سردی ایسے حالات میں دھکیل دیا جائے تو اس کا بدن کانچ کی طرح ٹوٹی کڑی ہوئے لگتا ہے جس طرح اس وقت داور کا ہو رہا تھا۔

دواڑے تلک پہنچنے کے بعد اس نے اپنے جسم کا ساواڑا بند دواڑے پر ڈال دیا۔ گہری گہری سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دواڑہ پٹنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھا یا پھر اس نے اپنا

اٹھا ہوا ہاتھ ایک جھٹکے سے گرا لیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو پلے واپس تلے اتنے زور سے دبا دیا تھا کہ ان سے خون رسنے لگا۔ لیکن وہ خود بھی سردی کی سختی سے اسی وقت دم گم گیا تھا۔ یہ اس کی موت تھی۔ دم گھٹنے کے کسی کو آواز دینے کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنی شکست قبول کر لی ہے۔ وہ غور سے شہادت دیتی جا رہی تھی۔ وہ اسے مارنا نہیں چاہتی تھی بلکہ وہ داور کو شکست عمدہ دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ اور اس طرح دروازے پر دستک دینے کا مطلب یہ تھا کہ داور نے اس کی خواہش پوری کر دی ہے۔

لیکن وہ کیا کرے۔ برداشت کی حد ختم ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اب ٹوٹنے لگا تھا۔ یہ اذیت ان ہزار عذابوں سے بڑھ کر تھی جو اس نے ابھی تک اپنی زندگی میں برداشت کئے تھے۔ ان عذابوں سے گزرنے کے دوران اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں برقرار رہتی تھیں۔ وہ ان سے رہائی کی کوئی تدبیر ترکیب جستجی نہ کر سکتا تھا۔ اس کا دل اس کے ذہن تک کو مغلوب کر دیا تھا۔

پھر اچانک ایک چہرہ اس کے دھیان میں چمک اٹھا۔ جیسے بادلوں کے درمیان سے اچانک سورج نمودار ہو جائے وہ چہرہ اس کے ذہن پر چھائی ہوئی موت آلود دھند کی طرح کو چیرتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ وہ چہرہ بابا کا تھا۔ اس بابا کا جس نے جیل میں داور کو برداشت کرنے کا فن سکھا دیا تھا۔ جسے کوہرا بنایا تھا۔ جس نے یہ بتایا تھا کہ اپنے جسم کو فولاد کی طرح بنایا جاسکتا ہے۔ اور حالات کی سختیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ذہن کی کس صلاحیت کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

بابا کے خیال نے داور کے بدن میں زندگی کی نئی ہوشیاری دی۔ وہ اس بے پناہ سردی میں زندہ تو نہیں رہ سکتا تھا لیکن اس سے مقابلہ ضرور کر سکتا تھا۔

اس کمرے میں شاتر سرکٹ کے ٹی وی گے ہوئے تھے۔ اور سہی وی کے اسکرین پر راور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کمرے میں پانچ آدمی تھے۔ مادام۔ ماتھر۔ مادام کے دو مسلح میڈا اور ایک۔ ڈوٹھا۔ وہ بوڑھا مشرقی لعبد کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جسم پر ایک ڈھیلا ڈھالے ڈھنگ سا چھوڑا تھا۔ اس کا چہرہ پھریوں سے بھرا ہوا اور زور و جوا تھا۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے۔ بیبی حال اس کی ہلکوں اور پھنوں کا تھا۔ اور پلوں کے درمیان اس کی انگوٹھیں

ایسی انگوٹھیں جو اپنی جانب متوجہ کر لیتی تھیں۔ بہت سی روشن اور ہلکا سا انگوٹھیں تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان انگوٹھوں میں لوہے کا کچھ رنگ بدلتے رہتے کی صلاحیت تھی۔ ہو۔

اس بوڑھے نے ٹی وی کے ایک اسکرین پر لگی ایک جھانک تھیں۔ وہ بہت خور سے اسکرین پر دکھائی دینے والے کردار کو دیکھ رہا تھا۔ جواب کمرے کے وسط میں اٹھتی پانی مل کر معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنی سانسیں روک رکھیں ہیں اور اپنے اندر کی قوت برداشت کو بے دار کرنے میں مصروف ہو۔

”یہ بہت ہی سخت جان معلوم ہوتا ہے۔ مادام۔ بابا چانک ماتھر کی آواز نے اس کمرے کی خاموشی ختم کر دی۔

”ہاں۔ مادام نے ایک گہری سانس لی۔ یہ پہلا آدمی ہے جو اتنی دیر سے اس ٹھٹھک کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اس وقت وہاں کا درجہ حرارت کیا ہو گا۔“

”منفی پندرہ ہے مادام۔ ماتھر نے جواب دیا۔“ میں نے ابھی ابھی معلوم کیا تھا۔“

”اسے اور کھٹا دو۔ مادام نے حکم دیا۔“ منفی بیس تک لے جاؤ پھر دیکھتی ہوں کہ اس میں کتنی قوت برداشت ہے۔“

”اگے مادام۔ ماتھر گری سے کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ اس بوڑھے نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

”مٹھراؤ۔ اس کی آواز گونج اٹھی۔ اس کی آواز اس کی جسامت کے لحاظ سے بہت توانا تھی۔

”کیا بات ہو گی لانی۔ مادام نے چونک کر اس بوڑھے کی طرف دیکھا۔

”تم اس شخص کو اذیتیں دے کر توڑ دو سکتی ہو لیکن جھکا نہیں سکتیں۔ اس کی قوت برداشت تمہارے ذہن میں بھی نہیں آسکتی۔ میں اس کے چہرے پر ہر کچھ ایسی علامتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کے ساتھ مارا رکھا تو تمہارے لئے فائدہ مند ہو گا ورنہ تم نقصان بھی اٹھا سکتی ہو۔“

”اس نے مجھے ضد دلائی ہے لانی۔ مادام نے کہا۔ اس نے ہیرے گال پر پھینچ کر لیا ہے۔ میں اپنی زندگی کے عوض بھی یہ توہین برداشت نہیں کروں گی۔“

”تو پھر مجھے تمہاری زندگی بہت مختصر دکھائی دے رہی ہے۔ بوڑھا لانی خشک ہنسی میں بولا۔ میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے اب اگر تم اپنے آپ کو تباہ کرنا چاہتی ہو تو میں اس کا کام

وہ مادام کے ساتھ ہوئے تھے۔

ان لوگوں کی زندگیاں ہوں سے اچھل جاتی ہیں جو جانے کے بعد لاپتہ
ہوتی ہیں۔ جہاں ہوا اپنے کپڑے میں اٹھتا ہے۔ اس کا یہ کہہنا کہ اس شہریت
کو دوسری منزل پر بھجوا دیا۔ اس بار بار کی کا آئری کرہ بھجوا۔ اور
اس طرف کی گواہی کی اجازت نہیں ملتی۔ یہ خصوصاً آسمانی
مادام کے حکم سے ہوئی تھی۔

لائی ماکرو زیادہ پڑا نہیں تھا یہت مختصر سامان
مختصر سا فرنیچر پہلی نگاہ میں وہ کسی بدت وغیرہ ماکرو حکمت
دیتا تھا۔ البتہ اس کمرے میں رکھا ہوا فن بیہ ظاہر کر رہا تھا کہ
اس کمرے کا مکین موجودہ عہد میں سائیں لے رہا ہے۔
لائی نے کمرے میں آنے ہی فون کا سہارہ اٹھایا۔ اس
نے ایک ڈنر ڈال کر پھر کچھ کھنے کے بعد روانہ ہو گیا۔
اس آج اسی وقت:

رہنمائی کر دیں اور رکھنے کے بعد وہ بچپن کے
میں ہنسٹے لگا رکھیں۔ یہ دھندلے دروازے پر دستک ہونی اور
ایک سایہ فام کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک قد آور آدمی تھا
اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ اس کا ڈبل ڈبل بائتی جیسا تھا وہ
مجموعی طور پر ایک ایسا آدمی تھا جس کو دیکھ کر ہمدردی
ہو سکتی تھی۔

”غلام حاضر ہے آقا، یہ نکور اسپینے پر رہا فقیر کھڑکھڑولہ۔“
 ”تمہاری مادام مکرمہ غمزدوس کے قبضہ کو ہلاک کرنے
 کرنے لگی ہے۔ لانی نے کہا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اسے ہر قیمت
 پر برباد کیا جائے۔“

”ایلیا ہو گا“۔ زنگور اسکا دیا۔ اس کے سفیر سفید دانت اس کے سیاہ چہرے کے درمیان یوں مخصوص ہو رہے تھے جیسے بجلی چمک اٹھی ہو۔ میں ماہم کی گردن لوڑا کر کے جسم سے الگ کر دوں گا۔ آپ دیکھتے رہیں، کچھ ہی دیر بعد آپ ہی خیرس لیں گے۔“

اس کمرے کی بے پناہ بڑھتی ہوئی ٹھنڈک میں
اچانک کی آگئی۔

(اورد کو احساس نہیں، ہوسکا تھا کہ واقعی درجہ حرارت
 بڑھنے لگا ہے یا اس کا احساس اسے ایسا محسوس کرنے
 کی توفیق کر رہا ہے۔ اس نے اپنی سانسیں روک رکھی تھیں
 اور توجہ اس آنگ بہر کوڑ کر دینی تھی جو اس کے تصور میں

یہ منشا تھی زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکر دی کہ ہونے کے ساتھ ساتھ دھند بھی سلاخوں کے ذریعے اس کرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ دیواروں سے چپک کر دم توڑنے لگی۔ اچانک سردی ختم ہو جانے کے بعد دارو کے عضلات جیسے لینے لگے تھے۔ یہ صورتحال بھی اس کے لیے خطرناک ہو سکتی تھی اس نے ایک بار پھر برقی سانسوں اپنے سینے میں قید کر لیں۔ ابی اٹھیں، برکتیں اور اپنے ذہن تو کر کے میں چھا جانے والی

وہ ایک انگریز کے لڑکھڑاہٹ کو گھبراہٹ سے ہونٹوں پر
بڑی عیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو
کسی فاع کے ہونٹوں پر اس وقت آتا کہ اس نے جب وہ اپنے
بہت بڑے دشمن پر قزاقیوں کے اس کرے کے اچانک بدل
جانے والے موسم اس کے لیے بہت بڑے دشمن بن گئے تھے۔

اس کے باپ نے بنائی تھی اور اب وہ خود کہاں تھا۔ دادر کے یہاں آنے کے بعد وہ دکھائی کیوں نہیں دیا۔ پھر یہ عورت کون تھی۔ جسے ملازم کہا جا رہا تھا۔ یہ عورت اس کے باپ کی بیوی تو نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اسے بھی اب تک بوڑھی بوجانا چاہیے تھا۔ یہ کوئی اور عورت تھی اور اگر یہ کوئی اور تھی تو اس

کمرے کے دروازے پر کسی کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے
 دھڑکدھڑکے کی طرف دیکھ دیاں مدام اپنے دواؤں کے
 ساتھ اپنی کمرہ داروں کے گھر کی طرف بھاگی۔ اس نے اپنے
 ہونٹ چُپ رکھے تھے وہ اس کی آنکھیں داور بدلتی ہوئی تھیں۔
 وہ اس وقت کسی شیریں کی طرح معلوم ہو رہی تھی ایسی شیریں
 جسے چُپ دیا گیا ہو۔ وہ واقعی ایک خوبصورت عورت تھی۔ قدرت
 کے ہاتھوں نے بڑے سلیقے کے ساتھ اس کے پیکر کو تراشا تھا۔

دو اور چند محلوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مسکرا کر
دوسری طرف مڑ گیا۔

”تم واقعی بہت سخت جان آدمی ہو، مادام نے کہا۔ ہم اسی لیے نہیں یہاں لائے تھے۔ تم ہمارے لیے بہت کام کے آدمی نہایت بوسے تھے۔ ہم تم سے ایک کام لینا چاہتے تھے۔ لیکن اب تمہاری موت کی خاطر ہم نے اس کام کے نقصان کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم ایک بد تمیز آدمی ہو۔ اور ایسے آدمی بعد میں مہیبت بن جاتے ہیں“

1

داور کی بات سن کر وہ قسمی کی سختی سے اس طرح لڑنے لگی جیسے اس کے بدن کو بجلی کے جھٹکے لگ رہے ہوں۔ اس کے چہرے کا رنگ اب اور بھی سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں اٹھکے برساتے لگی تھیں۔ وہ اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے دہانے لگی۔

اس شخص کو کمرے سے باہر نکالو! اس عورت کا حکم سنتے ہی ایک آدمی تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔ وہ شاید کھٹکے والے دروازے کو ایک طرف کرنے کے لیے گیا تھا جب کہ دوسرے نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر اس کا رخ داور کی طرف کر دیا تھا۔ اسی دوران وہ دروازہ ایک طرف کھینک گیا۔ اس دروازے کے کھٹکنے کے عمل کے ساتھ ہی وہ دوسرا آدمی بھی وہاں آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں بھی ایک پستول تھا۔ داور کی طرف دو عدد پستول آئے ہوئے تھے۔ وہ ہونٹ پیچھ کر صورت حال کا جائزہ کرنے لگا۔ ان دو لاشی تھپڑوں کی موجودگی میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اتنی جلدی اس ڈرامے کا ڈراما بین بھی نہیں چاہتا تھا۔ ابھی کوئی بات بھی سامنے نہیں آئی تھی اور صورتحال اتنی ہی ہوئی تھی کہ وہ یا تو خود کو ان کے حوالے کر کے بالکل بے بس ہو جاتا یا ان کے خلاف کچھ کر کے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے سے قاصر ہو جاتا۔

”آؤ باہر آؤ! کلام لے آؤ! زدی! میرے یہ دونوں آدمی تمھاری قسمت کا فیصلہ کر دیں گے“

”بہت بہتر“ داور نے ایک گہری سانس لی اور دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دونوں پوری طرح ہوشیار دکھائی دے رہے تھے۔ اسے آگے بڑھتے دیکھ کر وہ دونوں ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مادام بھی ان کے ساتھ ہی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ایسا تنکوس ہو رہا تھا جیسے کسی شیر کو بچرے سے باہر آتے دیکھ کر لوگ دہشت زدہ ہو گئے ہوں۔ پستولوں کی موجودگی کے باوجود وہ دونوں بہت سکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ داور کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ اس نے اپنی نگاہیں ان دونوں پر جمائیں تھیں۔

”اس آدمی کو لان میں لے جا کر گولی مار دو! مادام اپنے آدمیوں سے محتاط رہو! میں اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتی!“

ان میں سے ایک نے اپنا پستول والا ہاتھ ہر کر داور کو آگے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ داور گہری نگاہوں سے اس عورت

کو دیکھتے ہوئے ان دونوں کے آگے چل بڑا۔ اسے ابھی تک اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ بہت سوچ بچار کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی ذرا سی حرکت کو بھی ناکام بنا سکتے تھے۔

اسے ایک طویل کوریڈور سے جلایا جا رہا تھا۔ داور کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے ایک کورڈام میں کتنے انتظامات کر رہے ہیں۔ اس نے ایک نظر پیچھے دیکھا۔ مادام بڑی آداسے ساتھ اپنے پاؤں جاتی ہوئی آہستہ آہستہ چلی آ رہی تھی۔ اس کے دونوں محافظ داور کے عقب میں تھے۔ پھر ایک ایسی جگہ گئی جہاں داور مورخ سے قایم اٹھا سکتا تھا۔ کوریڈور دائیں طرف کوڑھ گیا تھا اور یہاں راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ دونوں سگڑانی کرنے والے اب ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ بلکہ آگے پیچھے ہو گئے تھے۔

ایک قدم۔ دو قدم۔ تیسرے قدم۔ ہر داور کی کسی تیزی سے مڑا اور اسی وقت کوئی غازی ہوئی چیر اس کے اوپر سے ہوئی پیچھے آئے والے پر جا پڑی۔ اس شخص نے ایک چیخ بلند کی اور اسی وقت داور نے اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا پستول داور کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ جست لگانے والی چیز ایک سپاہ کی فٹلی جو گانے کس گوشے سے نکل کر ان پر حملہ آور ہو گئی تھی۔ اس نے ایک محافظ کو دہشت زدہ کرنے کے بعد دوسرے پر جھپٹا کر لگا دی تھی۔

دوسرے نے پستول والا ہاتھ اٹھا یا۔ وہ بلی کو مارنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ بلی کسی چھلاوے کی طرح اچھٹی ہوئی ایک طرف جا کر غائب ہو گئی تھی۔ داور نے پستول پیچھے کے بعد پیچھے کی طرف دیکھا۔ محافظوں کے ساتھ ساتھ آئے والی مادام نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ وہاں صرف دونوں محافظ بکے تھے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس کے ہاتھ سے داور نے پستول چھین لیا تھا۔ جب کہ دوسرا وہ تھا جو پستول اپنے ہاتھ میں لیے تذبذب کے عالم میں کھڑا تھا۔ داور نے پیچھے والے کی طرف دیکھا۔ نہیں دیا۔ اس نے دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس پستول بردار سے کوئی خطرہ ہو سکتا تھا۔ لیکن داور سے پتہ چلتے ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

”جاری مت کرنا! وہ گڑبڑ کر بولا۔ میں مادام کا آدمی نہیں ہوں!“

داور اپنے ہونٹ پیچھنے ہوئے اس آدمی کی طرف دیکھتا

رہا۔ جس نے اب اپنا پستول بھی اس کے سامنے پھینک دیا تھا۔ ”مجھ پر دوسرے کو رو! اس نے پھر کہا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میں لانی کا آدمی ہوں!“

”مجھے نہیں معلوم یہ لانی کون ہے؟“ اسی وقت پیچھے والے شخص کی کراہ سنائی دی۔ داور دوسرے آدمی سے بات کرنے کے جھڑپ میں پیچھے والے کو بھول ہی گیا تھا۔ اس نے پیچھے کی طرف نظری۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کی حالت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دم توڑنے والا ہو۔ اس کا پورا چہرہ ہلا ہو گیا تھا اور اس کے ہونٹوں سے جھانک لگ لگ کر اس کی ٹھوڑی اور گردن پر گر رہے تھے۔ یہ ایک عجیب تماشا تھا۔ داور کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔

”کیا ہو گیا ہے اس کو؟“ داور نے اس آدمی سے پوچھا۔ ”یہ سن کچھ دیر کا جہان ہے؟“ اس آدمی نے جواب دیا۔ ”میں پر حملہ کرنے والی بلی زہری تھی!“

”زہری!؟“ داور نے حیرت ظاہر کی۔ ”ہاں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ کو سب کچھ بتا دیا جائے گا!“

داور کچھ دیر تک اسے ٹھونے والی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ وہ اسی وقت کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر لی لیا۔

”ٹھیک ہے!“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”چلو کہاں لے جاتا ہے؟“

پیچھے والے نے اب دھیرے دھیرے پھر نکلتا شروع کر دیا۔ لیکن ہر گزرتے ہوئے لے کے ساتھ اس کی حرکت مدھم ہوئی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ کچھ لمحوں پیچھے کا انسان کچھ لمحوں کے فاصلے کے بعد موت وحیات کی کشمکش سے آزاد ہو چکا تھا۔ وہ مادام کے حقمے سے داور کوئی مارنے کے لیے نکلا تھا۔ لیکن راستے میں موت اس کے آڑے آ گئی تھی۔ انسان کی یہی بساط ہو کر رہی ہے۔ وہ سوچنا کچھ اور ہے اور قدرت اسے کچھ اور کثرت دکھا رہی ہے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ اگلا کس کس کے ساتھ کیا لگی کھلنے والا ہے۔

”بس اب چل دیں! دوسرے نے کہا! دوسرے لوگ آئے ہی والے ہوں گے!“

داور نے فرش پر گرا ہوا پستول اٹھا لیا۔ اب اس کے پاس دو پستول ہو گئے تھے۔ اس نے دونوں پستولوں کو اپنی جیبوں

میں ٹھونس لیا۔ وہ آدمی داور کو اپنے ساتھ لے کر ایک طرف دوڑ پڑا۔ داور اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ کوریڈور آگے چل کر ایک کمرے کے دروازے پر کثرت ہو جاتا تھا۔ اس کمرے کے بعد ایک اور کوریڈور تھا۔ جس کے دونوں جانب کی کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ آدمی داور کو اپنے ساتھ ان ہی میں سے ایک کمرے میں لے آیا تھا۔ جہاں ایک بہت بوڑھا آدمی پیچھے سے موجود تھا۔ داور نے اس بوڑھے کی طرف دیکھا۔ اس بوڑھے کی آنکھیں غیر معمولی طور پر بربہ حد پھلک رہیں۔

”بچھ جاؤ! داور کو بوڑھے نے داور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تم کو میں نے ہی موت کی چنگل سے بچا یا ہے!“

”اگر تم میرا ساتھ نہ بھی دیتے تب بھی میں ان لوگوں سے بچ نکلتا۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم اسی قسم کے آدمی ہو، بوڑھا مسکرایا۔ پھر اس نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو داور کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اب تم جاؤ!“

اس آدمی نے جھٹک کر بوڑھے کو تعلیم دی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ داور کی آنکھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا کہ یہ بوڑھا کون ہے۔ اس تنظیم میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس نے مادام کی چنگل سے اسے کیوں نجات دلا دی تھی۔ حیرت سوالات کے بعد یہ نئے سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہو گئے تھے۔

یہاں آنے کے بعد معاملہ اچھٹائی چلا گیا تھا۔ پھر وہ اپنے ذہن کو جھٹکنا ہوا بوڑھے کے متقابل فرش پر اچھٹ گیا۔ کچھ ہونے والا تھا وہ ہو کر رہی رہتا۔ اس کے لیے زیادہ پریشانی ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس کمرے میں سوائے فرش اور ایک میز کے اور کوئی سامان نہیں تھا۔ میز پر ایک فون رکھا ہوا تھا اور کچھ کتابیں تھیں۔

”میرا نام لانی ہے!“ بوڑھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے

یہ محمود خاور کے خاص نمبر
سرکشا شیطان میں پڑ جائے
اپنے قریبی بیکسالہ خرید لیں
رنگارنگ کتابیں
۲۰۰۰ روپے بازار کراچی
۲۰۱۶-۲۰۱۷

بولہ "میں نے ہی اپنے آدمی کو تمہاری طرف بھیجا تھا کہ وہ
 تمہیں مادام کے کدوئوں سے بچا کرے آئے"
 "میں نہیں سمجھ سکا کہ اس مہربانی کا کیا مقصد ہے؟"
 داور نے خفک لبے میں کہا "یہ مجھے اسی عورت ہی کی کوئی
 چال معلوم ہوتی ہے"
 "ایسا نہیں ہے" لانی نے جواب دیا "میں اس سے
 بے پناہ محبت کرنے کے باوجود بے پناہ نفرت بھی کرتا ہوں"
 "تمہاری محبت اور تمہاری نفرت دونوں میری کچھ سے
 باہر ہیں"
 "نفرت تو میں اس لیے کرتا ہوں کہ وہ میرے ہاتھوں
 سے نکلے جارہی ہے اور محبت اس لیے کہ وہ میری بیٹی ہے"
 وہ دونوں گودام کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔
 اس گودام کی بیرونی دیوار پر مڑے مڑے حروف میں
 "ایگل انٹرنیشنل" لکھا ہوا تھا۔ گودام کے بیرونی گیٹ پر درود
 عدد چوکیدار بھی کھڑے تھے جن کی صورتیں یہ تبدیلی نہیں کہ
 چوکیدار کم اور حرم زیادہ ہیں۔ ان کے خود خال سے ان کی فطرت
 کی بے رحمی کا اندازہ ہو رہا تھا۔
 گودام کے سامنے آکر کھڑے ہونے والے دونوں آدمی
 جوان المر تھے۔ لیکن انھوں نے بہت ڈھیلے ڈھالے لباس
 پہن رکھے تھے۔ ان لباسوں نے ان کی شخصیتوں کو مٹھ کر خیر بنا
 دیا تھا۔ ان دونوں نے گول شیٹوں کی عینکیں لگا رکھی تھیں۔ اور
 ان دونوں کے ہاتھوں میں چڑے کے بریف کیس تھے۔
 "بھیا نمبر ایک" ان میں سے ایک نے دوسرے کو مخاطب
 کیا۔ "کیا تمہیں امید ہے کہ ہم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں
 گے؟"
 "کیوں نہیں؟" اس شخص نے اپنی گردن ہلاتی جیسے بھیا نمبر
 ایک کہا تھا۔ "میں بڑا دھنکنا چاہتا ہوں کہ ہم انٹرنیشنل چیمپرز
 ایسوسی ایشن کے کاہنڈے ہیں۔ ہمارے بے دنیا کا کوئی کام
 مشکل نہیں ہے۔ ہم اپنی دھکاری اور ذہانت سے کام لے کر نام کی
 کوئی کر سکتے ہیں"
 "تو پھر آؤ کام شروع کیا جائے" دوسرے والے نے کہا۔
 وہ دونوں بریف کیس جھلاتے ہوئے گیٹ کے پاس پہنچ
 گئے۔ جہاں دونوں چوکیدار بڑی مشکوک نگاہوں سے ان کی
 طرف دیکھنے لگے تھے۔
 "اس گودام کا منیجر کون ہے؟" بھیا نمبر ایک نے چوکیدار

سے سوال کیا۔
 "کیوں کہا بات ہے؟" چوکیدار نے پوچھا۔ "کیا کام
 ہے تمہیں؟"
 "اپنے منبر سے لوگوں کو سیلنٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے کچھ
 لوگ آئے ہیں؟" دوسرے نے کہا۔ "لیکن فوراً ہمارے پاس
 ٹائم نہیں ہے۔ ہمیں دوسری فیکٹریوں اور گوداموں کی طرف بھی
 جانا ہے"
 "کس لیے آئے ہو تم لوگ؟" دوسرا چوکیدار بھی ان دونوں
 کے قریب آگیا تھا۔ "منبر صاحب کو اس وقت فرصت نہیں ہے۔
 ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہلے وہ اس وقت آئے ہوں گے۔ ہم
 سرکاری لوگ ہیں۔ اگر تم لوگوں نے ہماری بات نہیں مانی تو
 تمہارے گودام میں تالا لگا دیا جائے گا کچھ"
 دونوں چوکیداروں نے غمی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے
 کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک اس سین کی طرف چلا گیا
 جو چوکیداروں کے لیے مخصوص تھا۔ شاید وہ کسی کو فون کرنے
 گیا تھا۔ اس دوران وہ دونوں گیٹ کی دہکڑے رہے تھے۔
 کچھ دیر بعد سین کی طرف چلنے والا چوکیدار واپس آگیا۔ اس نے
 کچھ کہے بغیر گیٹ کھول دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان دونوں
 کو اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔
 منبر کا دفتر سامنے دروازے کے آخر میں تھا۔ ان دونوں
 میں سے ایک چوکیدار ان دونوں کو منبر کے کمرے تک لے آیا
 تھا۔ چوکیدار انھیں دروازے پر پہنچا کر واپس چلا گیا۔ اس کے
 جانے کے بعد یہ دونوں دروازے پر دستک دے کر اندر آ گئے۔
 ایگل انٹرنیشنل کا منیجر بڑی گہری نگاہوں سے ان کی طرف
 دیکھ رہا تھا۔ وہ خود بھی ایک دشت مزاج اور اٹھ آدمی معلوم
 ہوتا تھا۔
 "ہاں بھئی۔ کیا بات ہے؟" اس نے ان دونوں کی طرف
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں تالے ہوا رہے ہو؟"
 "آپ کے چوکیدار ہمیں اندر آنے نہیں دے رہے تھے۔"
 بھیا نمبر ایک نے کہا۔ "ای بی ای لوگوں کو کچھانے کے لیے یہی
 باتیں کہتی ہوتی ہیں؟"
 "ہاں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"
 "ہم لوگ سیلنٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے کارڈ کے ٹیکے لگا
 سکے لیے آئے ہیں۔ بھیا نمبر دو نے بتایا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے
 کہ ہم گودام اور فیکٹری میں موجود ہر شخص کو ٹیکے لگا دیں۔ اگر
 ہمارے ساتھ کوئی تعاون نہ کرے تو اس کی شکایت کی جائے

تو ایسی صورت میں اس فیکٹری کو سیل بھی کیا جاسکتا ہے۔"
 "یہ دراصل لوگوں کے اپنے فائدے اور بھلائی کے لیے
 ہے۔" بھیا نمبر ایک نے کہا۔ "وہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم
 میلوں پریدل جیتے رہیں؟"
 "اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم لوگ سیلنٹ ڈیپارٹمنٹ
 کی طرف سے آئے ہو؟" منبر نے پوچھا۔
 "کیا مصیبت ہے؟" بھیا نمبر ایک جھلا گیا۔ "مجھے آپ کے
 سامنے فون رکھا ہے۔ آپ فون کر کے تصدیق کر لیں۔"
 منبر نے جھپٹی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا
 پھر اپنے آگے ہاتھوں اپنی طرف کھسکا کیا۔ اس دوران وہ
 دونوں بڑی لاپرواہی سے کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔
 "اگر فون نمبر یاد نہ ہو تو میں بتا دوں"
 "ہمیں ڈائریکٹری کے میرے پاس" منبر نے ڈائریکٹری
 اٹھائی۔ پھر اس کی ورق گردانی کر کے کے بعد اس نے سیلنٹ
 ڈیپارٹمنٹ کا نمبر تلاش کیا۔ نمبر ملنے کے بعد وہ ان دونوں
 کے بارے میں پوچھنے لگا تھا۔ "آپ کے دو آدمی جی نام نہیں
 معلوم ہوئے؟" بھیا نمبر ایک نے پوچھا۔ "آپ نے ریسپورٹ ایک طرف
 ہٹا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔"
 "میرا نام مومن ہے؟" بھیا نمبر ایک نے بتایا۔ "اور میرے
 ساتھی کا نام مومن ہے؟"
 منبر نے ریسپورٹ دوبارہ اپنے کان سے لگالیا۔ جی۔ وہ اپنے
 نام مومن اور مومن بتا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ اوسے۔ بس
 یہی پوچھنا تھا۔
 اس نے ریسپورٹ کرڈیل پر رکھ کر فون ایک طرف کھسکا دیا۔
 "کیوں صاحب کسی کوئی آپ کی مومن نے کہا؟" اب
 آپ جلدی سے باری باری گودام کے ہر آدمی کو یہاں بلا لیں۔
 دیے اس گودام میں کتنے آدمی ہیں؟"
 "سترہ منبر نے جواب دیا۔ "لیکن اس سے پہلے مجھے اپنی
 مالک سے اجازت لینی ہوگی۔"
 "اس طرح تو ہر چوکا کام؟" مومن نے بڑا ساندہ بنایا۔ اس
 طرح تو آپ کے گودام میں ہی سارا وقت گزر جائے گا۔"
 "تمہیں نہیں آپ لوگ بیٹھے رہیں۔ میں ابھی اجازت
 لے کر آتا ہوں۔ منبر کچھ اٹھ گیا۔ "مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"
 منبر نہیں جھوڑ کر کرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے
 کے بعد ان دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ ان کی انھیں
 کالیانی کی امید میں جیتے لگے تھیں۔ پھر مومن نے اشارہ

کیس کھول کر لے کر میز پر رکھ دیا۔ اس پر ایف کیس میں انجکشن
 کے سرنگ، ڈیٹیل روٹی اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں مٹی
 جیٹی دو تالیں بھری ہوئی تھیں۔
 میجر نے واپسی میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ اپنے ساتھ
 دو انہوں کو بھی لیتا آیا تھا۔
 "ٹھیک ہے صاحب؟" اس نے کمرے میں آئے کے بعد
 کہا۔ "آپ لوگ کام شروع کریں۔ لیکن جلدی کیجیے گا۔"
 "ہم لوگوں نے زندگی بھر کام جلدی ہی کیا ہے؟" مومن
 نے سرنگ میں دو ابھری شروع کر دی۔
 ان لوگوں نے سب سے پہلے میجر کی انجکشن لگایا تھا۔
 اس کے بعد ان دونوں کی باری آئی تھی۔ منبر کی ہدایت پر
 دوسرے لوگ بھی اندر آئے۔ کچھ کچھ دیر بعد بارہ آدمیوں
 کو انجکشن لگائے جا چکے تھے۔ یہ دونوں بڑی تن دی سے اپنے
 کام میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا کام ٹھیکہ لگا
 یہاں سے نکل جائے گا۔
 "جلیں باہر آدمی تو ہو گئے۔" اب مومن آدمی کے رخصت
 ہونے کے بعد مومن نے منبر سے پوچھا۔ "دوسرے لوگ کہاں
 ہیں؟"
 "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ باقی لوگوں کو بعد میں ٹیکے
 لگائے جائیں؟"
 "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" مومن بھڑک اٹھا۔ "آپ تو کچھ دیر
 آدمی میں منبر صاحب خود سوچیں۔ اس طرح تو اگر ہمارا کچھ
 نفی تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ اس کے علاوہ ہم لوگ
 بار بار آپ کے پاس تو نہیں آ سکتے۔ یا تو آپ دوسروں کو بھی
 بلا لیں۔ یا پھر کچھ کر دے دیں کہ دوسرے انجکشن لگوانے کے
 لیے تیار نہیں ہیں۔"
 "اچھا اچھا۔ منبر نے کچھ کہا۔ منبر نے غصے سے کہا۔ "آپ لوگ
 بیٹھے رہیں۔ میں ابھی مادام سے پوچھ کر آتا ہوں۔"
 "مجھ میں نہیں آسکا کہ آپ کی ہر مادام کس مزاج کی ہیں۔"
 مومن اچھے ہوئے بولا۔ "آپ لوگوں کو ہر بات میں ان سے
 اجازت لینی پڑتی ہے؟"
 "ہاں۔ یہاں موت اور زندگی بھی مادام ہی کے حکم سے لوگوں
 کے حصے میں آتی ہے۔ منبر نے کمرے سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
 "اگر انھوں نے نفیہ لوگوں کے لیے بھی اجازت دے دی تو کچھ
 ہے۔ ورنہ آپ لوگوں کو کسی اور وقت زحمت کرنی ہوگی۔"
 منبر نے

اس بوڑھے میں داد کی دلچسپی اچانک بڑھ گئی۔
اب اس بوڑھے کے ذریعے بہت سی باتوں کا انکشاف
ہونے والا تھا۔ یہ اس کے لیے بہت اچھی بات ہوتی تھی کہ
حالات اسے اس آدمی کے پاس لے آئے تھے جو اس پر مدار
عورت کا باپ تھا۔ اور جو دلچسپی بہت پر اسرار دکھائی دے
رہا تھا۔ یہ ایک عجیب صورت حال تھی ایک طرف بیٹی جی جو دار
کی موت چاہتی تھی اور دوسری طرف باپ تھا جو اسے زندہ
رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
”مجھے سن کر بہت حیرت ہو رہی ہوگی“ بوڑھے لانی
نے دار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ”کیوں؟“
”ظاہر ہے“ دار نے ایک گہری سانس لی ”باپ اور
بیٹی دونوں ایک دوسرے کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ وہ مجھے
مارنا چاہتی ہے۔ تم مجھے بچا چاہتے ہو۔“
”وہ شروع سے اسی مزاج کی ہے“ بوڑھا بڑبڑایا اس
نے کبھی میری بات نہیں مانی رہی۔ میری مانی کرتی رہی۔ ہم
دونوں کو دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے درمیان کیا
رشتہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں کے درمیان کبھی اس
رشتے کا احترام ہی نہیں رہا۔ میں نے اس کی پرورش بھی اس
انداز سے کی تھی کہ یہ خود کو بہتر دیکھنے لگے۔ میں دیکھتا رہا
عید کا ماہ ہوں۔ میں انسان کو صرف دیکھ کر ہی اسے کھلی ہوئی
کتاب کی طرح پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے آنے والے دنوں کا اندازہ
کر لیتا ہوں۔ لیکن مجھے غلطی یہ ہوتی کہ میں نے سوچا کہ وہ
کچھ سوچا میری اسی بیٹی کا نام ہے۔ اور اب جب کہ وہ اس
راستے پر بہت آگے جا چکی ہے۔ اسے واپس لانا میرے اختیار
میں نہیں رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ آنے والے دنوں کا اندازہ
کرنا ہوں اور خوفزدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔“
دار نے اسے ٹوٹنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بڑے
دھیان سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔
”جبر نہیں ان باتوں سے کیا۔“ بوڑھے لانی نے ایک
گہری سانس لی ”اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ مجھے تم سے کام لینا ہے
اس لیے مجھے اپنی بیٹی کے جھگڑے سے بچا لینا ہے۔ میرا ایک جانثار
بے زخما جس وقت سوچا ہے تمہارے حسن کا فیصلہ صادر
کیا۔ میں نے اسی وقت زخموں کو تمہیں بچانے کے لیے رواں دوا
تھا۔ اس نے عقل مندی کی کہ وہ تمہارے سامنے نہیں آیا بلکہ
اس نے باغی کے ذریعے ایک آدمی کو رنجی کر دیا جب کہ مجھے
لے جانے والا دوسرا آدمی میرا آدمی تھا۔“

”یہ باغی شاہد اس بی کا نام ہے جس نے اس آدمی پر
جست لگائی تھی“ دار نے کہا۔
”ہاں۔ وہ ایک زہریلی بی ہے“ بوڑھے نے بتایا ”اس
کے بچوں کو نہ نہیں ڈوکر رکھا جاتا ہے۔ وہ زہر تو گڑی بی ہے۔
زنگورائے اسے اپنے نشانے پر حملہ کرنے کی خاص تربیت
دی ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ وہ اسی پر حملہ کرنی
ہے۔ اسی لیے اس نے اس آدمی پر حملہ کیا تھا جس کی طرف
زنگورائے اشارہ کیا تھا۔“
”آخر تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“ دار نے پوچھا۔
”میں بچا چاہتا ہوں کہ سوچا کہ کسی طرح واپس نیپال
بہنچا دو“ بوڑھے نے کہا ”ہم لوگ نیپال ہیں۔ وہیں سے آئے
ہیں۔ یہاں آنے کے بعد سوچا کہ یہ تبدیلی لگے۔ وہ تو ہمیں ہی
شہر زد تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد اس نے اپنی شہر زدگی
مجھے دکھائی شروع کر دی ہے۔ نیپال واپس جانے کے بعد جب
وہ اقتدار سے محرومی کا شکار ہوئی تو اس کا دماغ درست ہوتا
گا۔ وہ پہلی دلی سوچا ہے جو جائے گی۔ جو میرے ہر حکم پر اپنا سر جھکا
دیا کرتی تھی۔“
”لیکن میں یہ کام کس طرح کر سکتا ہوں۔ تمہاری بیٹی تو
میری جان کی دشمن ہے۔“
”میں تمہارا انتخاب اسی لیے کر رہا ہوں کہ اس پر قابو
پانا سکی اور اسے کس کا روگ نہیں ہے۔ تم ہی جیسا شہر زد رہ
کام کر سکتا ہے۔“
”تم مجھے بتاؤ کہ کیا یہ تنظیم شروع سے تم لوگوں کے ہاتھ
میں ہے؟“ دار نے اسے گھبرانے کی کوشش کی۔
”نہیں۔ ریڈر سگل نام کی یہ تنظیم دلاور نامی ایک بنائی تھی
بوڑھے نے بتایا۔
اپنے باپ کا نام سن کر دار سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اب اس کے
سوا ان کے جوابات سننے والے تھے۔
”تو کیلا دلاور اس دنیا میں نہیں رہا۔“ دار نے
پوچھا۔
”مجھ میں نہیں آتا کہ میں کچھ بتاؤں یا نہ بتاؤں“ بوڑھے
نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”یہ ایک ایسا لالچ ہے جس سے
اس تنظیم کے کبھی بچہ کی لوگ واقف ہیں۔“
”اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتا سکتے ہو اس کی وجہ یہ ہے
کہ میں تمہاری تنظیم سے نفرت نہیں رکھتا ہوں۔ ایک باہر کا آدمی
ہوں۔ اس کے علاوہ تم مجھ سے کام لینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اسی لیے

بہن ہے کہ سب کچھ بنا دو تمہارے اپنے اعتماد میں لے کر مجھے
کوئی کام کر سکتے ہو؟“
”یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ بوڑھے نے ایک گہری سانس لی۔
”تمہارے چہرے کے نقوش یہ بتاتے ہیں کہ تم اپنی ضد کے پتے
ہو۔ تمہیں سب کچھ بتانا ہی ہوگا۔“
بوڑھا خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اس نے
دار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”بات ان دنوں کی ہے جب
دلاور اور اس کی بیوی انیس سال تک کوڑی کامیابی کے ساتھ چلا
رہے تھے۔ بنیم ایک ذہین عورت تھی۔ اس نے صرف اس
تنظیم پر بلکہ دلاور کے شخص پر بھی اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا۔
بوڑھے نے اسی اتنا ہی بتایا کہ دلاور نے بد رنگ ہونے
لگی۔ بوڑھا اٹلتے بتاتے ٹک گیا۔
”کون ہے۔ آجاؤ۔“ بوڑھے نے آواز لگائی۔
کمرے کا دروازہ اور ایک سیاہ فام شخص کمرے میں داخل
ہو گیا۔ وہ کی گیند کے طرح طاقتور اور کی باقی کی طرح جیم
تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ غیر معمولی طور پر طویل تھے اور اس کی
دونوں ہتھیلیاں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ اپنے سچی مخالف کی
گردن کو ان ہتھیلیوں کی گرفت میں لے کر اسے گھر میں زندگی
کی قید سے آزاد کر سکتا ہے۔
”میں نے بہت فاضل اور گریوے آقا“ آئے والے سیاہ
فام نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
”مجھے معلوم ہے۔“ بوڑھے نے اپنی گردن ہلائی۔ پھر دار
سے مخاطب ہوا ”یہ وہی زنگورائے جس کے بارے میں مجھے
بتا چکا ہوں۔“
دار بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ زنگورائے
بھی اپنی نگاہیں اس پر جمادی تھیں۔ کچھ دنوں تک وہ دونوں
اس انداز سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے جیسے ایک دوسرے
کی قوت کا اندازہ کر رہے ہوں۔ پھر اچانک زنگورائے اپنے بونٹ
بچھڑے اور ان کی جیب سے ایک پستول نکال کر اس کا رخ دار
کے سینے کی طرف کر دیا۔
”موہن اور سوہن کو نہ بچاؤ۔ اپنے ساتھ مادام کے کمرے میں
لے آیا تھا۔
مادام اس وقت بہت الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔
ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان دونوں کو جلد از جلد ڈالنا چاہتی ہو۔
اکی بے اس نے فوراً ہی اپنا ایک بازو آگے بڑھا دیا۔
”موہن اور سوہن کو نہ بچاؤ۔ اپنے ساتھ مادام کے کمرے میں
لے آیا تھا۔“
”بہت اچھی طرح۔“ ادب آپ کی گورہا کو روانے کے لیے
ہم نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ ہم نے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کی آڑے کر
یہاں موجود شخص کو کار کے انجین لگا دیئے ہیں۔ یہ انجین

جلدی سے کار کا انجین لگا دیا تھا۔ اس طرح اب تیرہ آدمیوں
کو انجین لگ چکے۔
”اور لوگ کہاں ہیں؟“ سوہن نے مادام کے کمرے
سے باہر آنے کے بعد پوچھا۔
”ایک ذہنی مریض بھی ہے میرے یہاں۔“ میجر نے کچھ سوچتے
ہوئے کہا ”میں ہر لوگ تہہ خانے میں رکھتے ہیں۔“
”موہن اور سوہن ایک دوسرے کو معنی خیز لگا ہوں سے
دیکھنے لگے۔
”کبھی بھی ذہنی مریضوں کو بھی کالا ہو جاتا ہے۔“ میجر صاحب
”موہن مسکرتے ہوئے بولا۔ اسی ہے اس کو بھی انجین لگوا کر
لیں۔“
”ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔“ میجر نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”میں
نے مادام سے اجازت لے لی ہے۔ آپ دونوں میرے ساتھ چلے
آئیں۔“
میجر ان دونوں کو بڑے ہیچ راستوں سے گزرتے ہوئے
ایک تہہ خانے میں لے آیا جہاں ایک بوڑھا شخص بیٹھتے ہوئے
ٹھیک کی طرح ٹھہرا تھا۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر ان دونوں کی آنکھیں
چمکنے لگیں۔ لیکن انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کیا۔
”کیا بات ہے؟“ بوڑھا ان دونوں کو دیکھتے ہوئے دباؤ
”کیوں آئے ہو تم لوگ؟ کیا مجھ سے کوئی اور کام لینا ہے؟“
”یہ ساتھ ڈیپارٹمنٹ کے لوگ ہیں۔“ میجر نے ان دونوں کی
طرف اشارہ کیا ”یہ لوگ کار کے تیلے لگانے آئے ہیں۔ ان
کا یہ کہنا ہے کہ۔“
میجر نے جانے کیا بتایا جتنا تھا۔ لیکن وہ اپنا جملہ مکمل نہیں
کر سکا تھا۔ اچانک اس کی زبان لکڑھائی۔ پھر اس کے پاؤں
لڑنے لگے۔ اس کے بعد وہ لہراتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ بوڑھا
بڑی حیرت سے میجر کو دیکھ رہا تھا جب کہ وہ دونوں بہت سی
مطمن اور خوش دکھائی دے رہے تھے۔
”کیا بولے اسے؟“ بوڑھے نے حیرت سے پوچھا۔
”یہ صرف بے ہوش ہو گیا ہے دلاور صاحب۔“ سوہن
نے جلدی سے جواب دیا۔
”کیا؟“ بوڑھا اور بھی حیران ہو رہا تھا۔ ”کیا تم لوگ مجھے
چلتے ہو؟“
”بہت اچھی طرح۔“ ادب آپ کی گورہا کو روانے کے لیے
ہم نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ ہم نے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کی آڑے کر
یہاں موجود شخص کو کار کے انجین لگا دیئے ہیں۔ یہ انجین

دراصل بے ہوشی کے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ اس کا اندرون میں گھنٹوں کے بعد ہوگا لیکن ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ بہر حال آپ جلدی سے ہمارے ساتھ نکل لیں۔

”آخر تم لوگ ہو کون؟“ بوٹے دلاور نے دلچسپی سے پوچھا۔ ”تم لوگ مجھے کیوں راکھوانا جانتے ہو؟“ ہمارا اعلیٰ ترین جنرل جیسوی ایٹن سے ہے۔ مسوین نے بتایا۔ ”اس بات پر یقین آپ کو بعد میں معلوم ہو جائیگی کہ وقت نکل لیں۔“

بوٹے نے ایک لمبے تک کچھ سوچا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ ”چلیو“ وہ بیٹوں تہ خانے سے باہر آ گئے۔ تہ خانے کے باہر دو محافظ موجود تھے۔ لیکن ان کی حالت بھی منجبر سے کم نہیں تھی۔ وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔

عمات کے گیٹ تک بے ہوش آدمیوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بلا اس گودام کے آدھوں پر حملہ آور ہوئی ہو گیٹ پر کھڑے ہوئے چونکہ ایک کابھی یہی حال تھا۔ یہ گودام چونکہ ایک غیر آباد سے علاقے میں تھا ایسے باہر بے ہوش پڑے ہوئے چونکہ ادول پر کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی۔ وہ لوگ جڑی آسانی سے بغیر کسی مداخلت کے گیٹ سے باہر نکلے۔ میں کامیاب ہو چکے تھے۔ باہر آئے سے بعد انھوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ گودام کے عقبی سمت کی طرف جا رہے تھے۔ بڑھا دلاور بھی حیران ہوتا اور مذہبی منہ میں جڑاٹا ہوا ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ گودام کے عقبی سمت ایک میدان تھا اور اس میدان کے شروع میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔

موسن نے آگے بڑھ کر ویگن کا دروازہ کھول دیا اور دلاور کو اشارہ کیا۔ دلاور اسٹیشن ویگن کی کچھلی نشست پر بیٹھ گیا جب کہ موسن نے ڈرائیونگ سنبھال لی تھی۔ پھر وہ ویگن تیز رفتاری کے ساتھ ایک طرف چلی بڑی۔ ”ہاں۔ اب بتاؤ۔ یہ سب کیا چکر ہے؟“ دلاور نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس وقت تو آپ یہ دیکھیں کہ ہم آپ کو کتنی آسانی کے ساتھ دشمنوں کے چپل سے نکال لائے ہیں۔“ موسن نے کہہ دیا۔ ”یہ نوافقی تم لوگوں نے کمال کیا ہے۔ لیکن ہمیں اتنا کہ تم صرف دوا دی ہو لیکن تم اتنے خطرناک لوگوں کے درمیان سے مجھے بھر مار کر لے لینا کامیاب ہو گئے ہو اور وہ بھی بغیر کسی تشدد کے۔“

”یہی تو ہمارا نظریہ ہے جناب کہ ہاتھ پاؤں ہلائے یا تشدد کے بغیر بھی ہمارے جیسے کارنامے انجام دینے جاسکتے ہیں۔ اصل قیمت تو ذہانت کی ہوتی ہے۔ ہماری ایسی ایٹن کا ہر شخص اس قسم کے کارنامے انجام دینے کا ماہر ہے۔ ہمیں یہ معلوم تھا کہ آپ کو اس گودام کے تہ خانے میں رکھا گیا ہے۔ اور آپ کے گرد ایسے بہرے قائم کر دیئے گئے ہیں کہ آپ باہر نہیں نکل سکتے۔ پھر ہر دونوں نے آپ کو نکال لینے کا منصوبہ بنایا۔ منصوبہ بالکل سیدھا سا تھا۔ یعنی گودام میں موجود ہر شخص کو کھارے کیے لگا دیئے جائیں جو دراصل بے ہوش کرنے والے انجکشن ہوں۔ اس کام کے لیے ہم نے اپنے ایک ساتھی کو سیدھا ڈیپارٹمنٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں وہ اپنے ایک دوست کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ گودام کے منجبر سے ہماری تصویق کے لیے جب فون کیا تو ہمارے ہی آدمی نے فون اٹھا کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ اس کے بعد منجبر گودام کے ہر شخص نے وہ انجکشن لگوائے اور سب کے سب انجان ہو گئے۔“ موسن اتنا کہہ کر سانس بڑھا۔

بوٹے دلاور کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ چھلکی۔ ”یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوئے تھے۔ جو بظاہر سیدھے سادے دکھائی دے رہے تھے لیکن اندر سے بہت خطرناک تھے۔“

”چلو وہاں تک تو تمھاری بات کچھ نہیں آتی۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمھارے تم لوگوں کو کیا دلچسپی ہو گئی ہے؟“ بوٹے دلاور نے پوچھا۔

”یہ آپ کو نواسے سامنے جا کر معلوم ہوگا۔“ موسن نے کہہ دیا۔ ”کون یہ یہ بتاؤ؟“ بوٹے دلاور کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔

”بہتر ہے کہ آپ خود ہی مل کر معلوم کر لیجیے گا۔ اب ہم اپنی منزل تک پہنچ رہے ہیں۔“ دلاور نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ان کی گھنٹوں کے دوران اُسے راستے پر دھبیاں دینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس وقت وہ اسٹیشن ویگن ایک بڑی سی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ بیڑیوں کے پاس گاڑی روک دی گئی اور وہ لوگ گاڑی سے نکلے۔

وہ ایک بہت بڑی اور شاندار کوٹھی تھی۔ بیٹھی ایسی کوٹھیاں بہت کم ہوا کرتی ہیں۔ یہاں عام طور پر لوگوں کی زندگی یا کوٹھیاں میں گزرتی ہے یا پھر قریب پانچوں بہرہ ساری کوٹھی کے برونی گیٹ پر دوڑ کر بھی کھڑے تھے۔ شاید ان کی لوگوں

نے گاڑی کے پیچھے گیٹ کھولا تھا۔ ”آپ انہیں میرے ساتھ۔“ موسن نے ایک طرف اشارہ کیا۔

دلاور گرجہ اس وقت ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی الجھن کا اظہار نہیں کیا۔ وہ بڑی لاہوری سے موسن اور موسن کے ساتھ چل پڑا۔ اس کے لیے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے قید سے رہائی مل چکی تھی۔ اس کے اپنے آدمیوں نے اسے قید کر رکھا تھا۔ اور اس پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ اس کی بڑی بڑی باتیں کرتے تھے جو اس کے لیے بہت اہمیت کی حامل تھیں۔

موسن اور موسن اسے اس کوٹھی کے اندرونی حصے میں لے آئے۔ اندر سے بھی یہ کوٹھی بہت ہی شاندار انداز سے سجائی گئی تھی۔ اس کا ڈرائنگ روم دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بڑھا دلاور اس ڈرائنگ روم میں آکر بہت سادہ سا بیٹھا۔ اس نے کمرے کی آرائش پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی الجھن بڑھ اور بڑھتی گئی۔

”آپ تشریف رکھیں۔“ موسن نے کہہ دیا۔ ”میں ابھی فوناکو بلا کر لاتا ہوں۔“

دلاور نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔ موسن اور موسن دوسرے دروازے سے باہر چلے گئے۔ ان کی داہنی میں زیادہ دور نہیں تھی۔ اور اس بار ان دونوں کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جس نے سر سے پاؤں تک خود کو سیاہ لباس میں چھپا رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ پر بھی ایک سیاہ نقاب تھی۔ البتہ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ بنے ہوئے تھے۔ جن سے اس کی چوکی ہوئی آنکھیں بوٹے دلاور پر لگی ہوئی تھیں۔ دلاور کے لیے اس کے چہرے سے زیادہ حیرت انگیز چیز اس کی چال تھی۔ وہ اس طرح ہلکے ہلکے کر اوپر اٹھا ہوا چل رہا تھا جیسے کوئی الٹرو ویشیو چل رہی ہو۔ وہ دلاور کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ پھر دیر تک وہ دلاور کی طرف دیکھتا رہا پھر موسن اور موسن سے مخاطب ہوا۔

”اے۔ اے۔ اے۔ تم دونوں کھڑے ہوئے کیوں ہو۔ چلتے کیوں نہیں؟“ اس کے ساتھ ہی اس نے تالی بھی بجائی تھی۔ اس کی آواز سن کر دلاور کی حیرت اور بڑھ گئی۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ فونائیسری جنس کی مخلوق ثابت ہوا تھا۔

”یہ تو باہر چل کر معلوم ہوگا۔“ زنگوراس کی ہنسی بھی اس کے مزاح کی طرح بے رحم معلوم ہوئی تھی۔ ”چلو باہر

اس کمرے میں ایسی خاموشی تھی جیسے سب کو سانپ سونگھ رہا ہو۔

زنگوراس نے اپنا پسینوں داور کی طرف اٹھا رکھا تھا اور داور غصے سے اپنی آنکھیں میچنے لگا تھا۔ سب سے بڑی حالت لانی کی تھی۔ وہ بڑی طرح بوکھلا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زنگوراس کو اچانک ہو گیا تھا۔ ”زنگورا۔“ لانی نے غصے سے کہا۔ ”یہ کیا حرکت ہے؟“ ”ناراض نہ ہوں آقا۔“ زنگورا داور پر بڑا گلاں بھانپنے پڑے۔ ”بولو۔“ میں نے اس شخص کو بچان لیا ہے۔ یہ میرا دشمن ہے۔ ”کیا بھوکا ہے؟“ لانی اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

”اپنا ہاتھ تول جیب میں رکھ لو۔“

”آپ قریب نہیں آئیں آقا۔“ زنگوراس نے ابھی تک اپنی نگاہوں داور پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ ”دروہو سکتا ہے کہ میں آپ سے بھی گستاخی کر رہا ہوں۔“

لانی کے بڑھتے ہوئے قدم کمرے کے کھنکھش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے زنگوراس سے اتنا کہہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی بات نہیں مانے گا۔ اسی لیے اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ البتہ اس کی گہری گہری سانسیں اس کے شدید غصے اور بے بسی کو ظاہر کر رہی تھیں۔

”یہ کمرہ میرے لیے بہت مقدس ہے۔“ زنگوراس نے داور سے کہا۔ ”میں اکیسے ہی نہیں اس کمرے میں ہلاک نہیں کروں گا۔ اس کے لیے تمھیں باہر چلنا ہوگا۔“

”میرا خیال ہے کہ تمھارے اس آدمی کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔“ داور لانی سے بولا۔ ”اسے کچھ اوروں کو بہتر ہے۔“ ”زنگورا۔“ لانی نے پھر زنگورا کو مخاطب کیا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟“

”جانتا ہوں آقا۔“ زنگوراس سیاہ موٹے ہونٹ پھیل گئے۔ ”لیکن آپ شلیڈ نہیں جانتے کہ میں کب سے اس آدمی کو تلاش کر رہا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو اچھا آدمی رکھنے کی قسم کھائی تھی کہ جب بھی مجھے ملا میں اسے جان سے مار دوں گا۔ اب یہ مل گیا ہے۔ مجھے اپنی قسم پوری کرنے دیں آقا۔“

”اگر تم مرنا چاہتے ہو تو مجھے کہا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ داور جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ کہاں مرنا چاہتے ہو۔ اسی کمرے میں یا کہیں اور؟

”یہ تو باہر چل کر معلوم ہوگا۔“ زنگوراس کی ہنسی بھی اس کے مزاح کی طرح بے رحم معلوم ہوئی تھی۔ ”چلو باہر

میں اس مقدس کرے کو مختارے خون سے ناپاک نہیں کرنا چاہتا ہمارے درمیان باہر چل کر فیصلہ ہو گا۔

”زخوڑا“ لانی جدی سے بولا۔ اگر مجھے داد کو مارنا ہی تھا تو اپنی بی بی کی مدد سے مار سکتا تھا۔

”نہیں آقا۔ اس وقت اس شخص کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے جسم کی سزا جاری ہے۔ یہ تو خاموشی سے مر جا رہا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسے سب کچھ بتا کر ہلاک کروں تاکہ اس کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے۔ آنا کہہ کر اس نے داد کی طرف دیکھا۔ وہیں میرے ساتھ چلنے سے بھر رہا تھا۔ داد دھتکے سے اُسے دیکھتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔ زخوڑا نے پستول کا رخ اس کے سر کی طرف کر رکھا تھا۔ لانی نے ایک بار پھر زخوڑا کو گھانے کی کوشش کی۔ لیکن زخوڑا نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ داد کو پستول سے گور کرنا ہوا اُسے کرے سے باہر لے آیا۔

”اب میں تمہیں اپنے کرے میں لے چلوں گا۔ زخوڑا نے کہا۔“ دیکھو۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔“

”کیا بات ہوئی؟“ داد جھلک کر پٹ پٹا۔ ”تم لوگ کیسی حرکتیں کر رہے ہو؟ کیا مجھے یہ وقفہ کچھ رکھا ہے؟“

”تم چاہو تو یہ پستول اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ زخوڑا نے اپنا پستول داد کی طرف بڑھا دیا۔ اسے اپنے پاس ہی رکھ لو پھر تمہیں اطمینان ہو جائے گا۔“

داد نے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اس وقت بڑی طرح الجھ گیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد صورتحال بڑی تیزی سے تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

”اب تو تمہیں اطمینان ہو گا۔ زخوڑا نے دوسرا انداز میں داد کا ہاتھ پکڑ لیا۔“ اب تم آؤ میرے ساتھ جلدی کرو۔“

داد کو اب اس شخص کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس نے اپنا پستول داد کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آؤ مجھ پر اعتماد کرو۔ لیکن تمہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ ورنہ اپنا اسلحہ کون کسی کے حوالے کرتا ہے۔ زخوڑا داد کو اپنے ساتھ ایک چھوٹے سے کرے میں لے آیا۔ یہ کہہ کر زخوڑا کا تھا۔ لانی کے کرے کے برعکس اس کرے میں باقاعدہ فرنیچر موجود تھا۔ جب کہ لانی کے کرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔

”چھوڑا دوست،“ زخوڑا نے ایک صوفے کی طرف

اشارہ کیا۔ ”اب تو تمہیں مجھ پر مجبور کر لینا چاہیے۔“

”میں آتی جلدی کسی پر مجبور کرنے کا قائل نہیں ہوں۔“ داد نے کہا۔ ”تم مجھے یہاں کیوں لانے ہو؟ کیا چاہتے ہو تم مجھے؟“

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں ان لوگوں کی چنگل سے نکال کرے جاؤں۔ زخوڑا نے بتایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اب اور بی بی ایک ہی مزاح سے ہیں۔ یہ تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔“

”اتنا تو میں بھی جانتا ہوں۔“ داد نے برساتا ہوا بتایا۔

”لیکن اس سلسلے میں تمہارا کیا کردار ہے؟ تم کون ہو؟“

”میں زخوڑا ہوں۔“ زخوڑا نے جواب دیا۔ ”میں اس بوڑھے لانی کا خاص آدمی تھا جاتا ہوں۔ وہ مجھے بہت اہمیت کرتا ہے۔ میں بھی اس کا احترام کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے بہت سی چیزیں اس سے حاصل کی ہیں۔ اس نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ لیکن تمہارے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

”آخر کیوں؟“ داد نے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھ میں؟“

”کون سی خاص بات ہوئی؟“

”بہت خاص بات ہے آقا۔“ زخوڑا نے کہا۔ ”تمہیں سن کر تعجب ہو رہا ہوگا کہ میں تمہیں آکا کہہ رہا ہوں۔ لیکن تم نہیں کرو کہ تم میرے آقا ہو۔ اور مجھے معلوم تھا کہ تم یہاں آؤ گے۔“

”مجھے وہ دونوں پہلے ہی کسی اور جگہ رہا ہوا جانتا تھا۔ لیکن مجھے تمہارا انتظار کرنا تھا۔ میں جانتا تھا کہ تم یہاں آنے والے ہو۔“

”دیکھ بھائی۔“ داد نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ”میں اپنے ذہن پر زیادہ زور دے گا مادی نہیں ہوں۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ اسی آج ہی ہوئی باتیں سنی کر میرا دماغ ٹھنک رہا ہے۔“

”مجھے گومانے نہ بتایا تھا کہ تم یہاں آنے والے ہو۔ یہاں یہ تم سے ملاقات ہونے والی ہے۔“

”یہ گومانے کون ہے؟“ داد نے پوچھا۔

”یہ میرے قبیلے کی دیب جادوگر ہے۔“ زخوڑا نے بتایا۔ ”ہو سکتا ہے آقا تمہیں یہ سن کر ہنسی آ رہی ہو۔ تم دل دی میں مجھ پر ہنس رہے ہو گے۔ لیکن یہ درست ہے۔ میں سے بچ رہتا ہوں۔ تم نے افریقہ کی دیب جادوگر کے ہونے کے بارے میں بہت کچھ سنا ہی ہوگا۔ وہ اسی قسم کی حیرت انگیز کیا کرتی ہے۔“

”پھر وہی بے بنی بات۔“ داد جھلک گیا۔ ”چلو مان لیا کہ“

جادوگر کی کہنے ہر مجھے تلاش کرنے کے لیے یہاں آئے ہو۔ لیکن کیوں۔“ مجھے تلاش کرنے کی ایسی کن سی ضرورت پیدا ہوئی؟ یہ میرا تم سے کیا تعلق ہے؟ کیا تعلق ہے؟“

”بہت بڑا تعلق ہے آقا۔ زخوڑا نے کہا۔ ”کیونکہ تم میرے قبیلے کے سردار ہو۔“

”کیا۔“ داد نے کہا۔ ”یہ میں تمہارے قبیلے کا سردار کس طرح ہو گیا؟“

”وہ اس طرح کہ تم کو مارا ہوا تھا۔“ زخوڑا نے سر کو جھکا کرے ہوئے بولا۔ ”اور اگر وہاں ہمارے قبیلے کا سردار ہوتا ہے یہ لوہے صدقوں سے جلی آ رہی ہے۔“

داد کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے سینے میں بجلی چمک رہی ہو۔ اس کی آنکھیں زخوڑا پر مڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی گومانے ہی کہا تھا۔ اسے جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ داد کے بازو پر کورا کا نشان کھدایا ہوا ہے تو اس نے گومانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ لیکن ایسا اس وقت ہوا تھا جب لڑائی کے دوران داد کی آستین پھٹ گئی تھی اور کورا کا نشان ظاہر ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے زخوڑا کو کس طرح معلوم ہوا کہ وہ کورا ہے۔

”کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ مجھے تمہارے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟“ زخوڑا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“ داد نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”میں ہی سوچ رہا ہوں۔“

”بہتر ہے کہ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں۔“ زخوڑا نے کہا۔ ”ہمارا سردار ایک بوڑھا لیکن بہت عظیم انسان تھا۔ اس کے پاس ایسے ایسے ہنر تھے جو اس دنیا میں بہت کم آدمیوں کو ملے ہوتے۔ وہ لڑائی کا ایسا ایسا فن جانتا تھا جو دیکھنے والوں کی آنکھیں چند جھپکدھپکد سے پھر ہوا پر اس کے ہمارا وہ سردار اپنے ایک دشمن کے تعاقب میں افریقہ چھوڑ کر یہاں ہندوستان چلا آیا۔ اس نے یہاں آنے کے بعد اپنے دشمن کو تہمت و ناپود کر دیا۔ لیکن اس کے بدلے اسے سزا دے دی گئی۔ وہ اگر چاہتا تو خودی سوجا لے آتی کو کون چہار دیواری میں جہد رکھ سکتا ہے جو اپنے ساتھ لڑنے کے چہرے ہوا پر لگتا ہے کہ اس نے خود جان بوجھ کر اپنے آپ کو قانون کے گرفت سے نکل سکتا تھا۔ کاسو کرنے کے لیے کسی کو تاج تاجے خیر جب وہ نہیں رہا تو ہم لوگوں کو بڑی تنویش ہوئی۔ تم خود سوجو ایک قبیلہ اپنے

سردار کے بغیر کس طرح رہ سکتا ہے۔ کوئی قوم دینے اور بھگائی کرنے والا ہو۔ یہاں ہم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ کوئی بھی گورا اس وقت تک نہیں مڑتا جب تک وہ اپنی جگہ کسی دوسرے گورا کو حقارت نہ کرے۔ افریقہ سے بابائی تلاش کے لیے ہم دو گوریل کو ہندوستان روانہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک کا نام گوما تھا۔ میرا خیال ہے کہ گوما سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہوگی۔“

”اوہ میں کچھ گیا۔“ داد نے ایک گہری سانس لی۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں گوما سے مل چکا ہوں۔ وہ ایک بہادر اور دوست آدمی تھا۔ لیکن وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔“

”مجھے یہ بات معلوم ہے۔“ زخوڑا نے کہا۔ ”اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس نے تم پر اپنی جان قربان کر دی ہے۔ مجھے اس کا انوس نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس کا فرض تھا۔ اس نے دی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میں بھی دی کرتا۔“

”خیر تو میں تمہیں شروع سے سب کچھ بتا رہا ہوں۔ اس طرح بات تمہاری کچھ میں آتی جائے گی۔ تم دونوں یہاں آنے کے بعد دو مختلف تنظیموں سے وابستہ ہو گئے۔ کیونکہ ہمیں اننا معلوم تھا کہ ہمارے سردار کا دشمن بھی کوئی بہت بڑا شخص ہے۔ اس کا نام اور کورا کا نام تو ہمیں معلوم تھا۔ لیکن ہمیں امید تھی کہ ہمارا سردار جب اس کی تلاش میں پہنچے گا تو ہم سے ملاقات ہو جائے گی۔ اب یہ تو پوچھو گے کہ ہم نے فیصلہ کیوں کیوں کر دھیان نہیں دیا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا سردار بہت بڑا آدمی تھا۔ اس لیے اس کی دشمنی بھی کسی چھوٹے موٹے آدمی سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے دشمن کو بھی اس کی طرح ڈرنا پڑا۔ چاہے تھا۔ یہی سبب تھی کہ ہم نے بڑی تنظیموں سے رابطہ پیدا کر لیا۔ گوما کو اس کی طرف جلا گیا جب کہ میں بھی میں رہا۔ اب یہ مت پوچھنا کہ ہم نے ان تنظیموں میں شمولیت کس طرح اختیار کر لی۔ یہ ایک الگ کہانی ہے جس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کچھ رہا ہوں۔ تم آگے کہو۔“

”گوما کا حال تو نہیں معلوم لیکن یہ تنظیم بہت عجیب ثابت ہوئی۔ یہ مجھوں کی بڑی زبردست تنظیم ہے۔ اس کے آدمی پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ میں جس وقت یہاں آیا اس وقت اس کا سربراہ دلاور نامی ایک بوڑھا آدمی تھا۔ جو کسی شیر کی طرح بہادر اور کسی چیتے کی طرح چالاک تھا۔“

اپنے باپ کے ذکر نے داد کو بے چین کر دیا۔ یہ کہانی

اب کہنے والی تھی۔ وہ بوری تو جیسے زرخور کی باتیں کر رہا تھا۔

”اس سردار کی ایک بیوی بھی تھی آقا“ زرخور نے پھر کہنا شروع کیا۔ اس کا نام بہن تھا۔ وہ گریہ ہو رہی تھی۔ لیکن ذہانت اور بکھاری میں اپنی مثال آپ تھی۔ یہ دونوں بیاں بوری مل کر اس تیل کو بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹی یعنی لانی اور سومالی یہاں آگئے۔ نہ نے سومالی کو تو دیکھ کر لیا ہوا گا۔ وہ ایسی بے بسی کو بھیلوں کو یاد دہ کر گئی عورت کا روپ دے رہا جانے۔ وہ اتنی دوسرے پرست دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ دو رکھتے ہوئے لوگوں کے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ تم نے ایسا پختا اور پھلتا ہوا حسن نہیں دیکھا ہوگا۔ خیر تو اس کے اتنے ہی غم کے دن بدل گئے۔ وہ بڑی بھاری تھی اور بوڑھی چاہے لاکھ ذہین ہو، وہ فادار ہو، جوانی اور حسن کے مقابلے میں بڑی زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔ دلاور اس لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ اور عاشق بھی ایسا کہ اس کے آگے اس نے اپنی گردن جھکا دی۔ اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں اس طرح سے ڈال دیا جس طرح ہم لوگ دہلی کے قدموں میں اپنی جان نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ عورت بھی بوڑھے سردار سے بے دریغ بن کر رہ گئی۔ اس کی شخصیت کی مضبوطی اور اس کی سیلاب کے آگے ریت کی طرح بہہ گئی۔ یہ بڑھا ہے اور جوانی کا مطلب بہت بری چیز ہو کر رہا ہے آقا۔ بڑھاپے میں آدمی زیادہ سے زیادہ سمیٹ لپٹا چاہتا ہے۔ سو دلاور نے بھی دونوں ہاتھوں سے ریت لپٹا چاہا۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ کچھ لپٹا ہاتھوں کی گرفت میں نہیں آتیں بلکہ وہ تو لگا ہوں سے ہی پھسل جایا کرتی ہیں۔ دلاور نے اس پر اعتماد کیا اور اس نے دلاور کو دھوکہ دے دیا۔ اُسے دو کوڑی کا بٹکر رکھ دیا۔

زرخور اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ دلاور نے اب بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ اسے اپنے باپ کا حشر معلوم ہو گیا تھا۔ لیکن اب بھی بہت سی باتیں اصدوری تھیں۔ یہ کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اب ابتدا تھی۔ اس کہانی نے دلاور کو یہ بتا دیا تھا کہ اب اس کی راہ میں کچھ اور لوگ بھی آگئے ہیں۔ ان میں بوڑھا لانی اور اس کی بیٹی بھی شامل ہیں۔

”تو میں بتانا ہوا آقا“ زرخور نے پھر دلاور کی طرف دیکھا اور اسی وقت دلاور نے ہر دنگ ہونے لگی۔ وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا تھا۔

”زرخور! باہر سے لانی کی آواز آئی۔ دروازہ کھولا۔

”ابھی چلے جاؤ آقا۔ ابھی مجھے اپنے ذہن سے حساب کتاب کرنا ہے۔ میں اسے اس کا محاسبی باور دلا رہا ہوں۔“

فیلے دوق آدھی۔ یہ سب بعد میں کرتے رہنا۔ زرخور ابھی نکل کر بیچو۔ سب کے سب بے ہوش بڑے ہوتے ہیں۔ دلاور اور زرخور دونوں کی چونک بڑے تھے۔ بیچو لڑکے نے کچھ سوچنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی لانی بوکھلا کر ہوا کرے میں داخل ہو گیا اس کی بوکھلاہٹ اسنے عروج پر تھی کہ اس نے یہ بھی دیکھا انہیں دیا تھا کہ زرخور جس شخص کو بلا کر کرنے کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا وہ بڑے ہی اطمینان کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔

لانی کی اس بات نے دلاور کو بھی چونکا دیا۔ زرخور کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں لانی کے ساتھ اس کے لیے چلا گیا تھا۔ دلاور کو ان دونوں کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے زرخور کی باتیں یاد رہی تھیں۔ زرخور نے ابھی تک جو کچھ بتایا تھا وہیت حیرت انگیز تھا۔ لیکن اسے اپنے باپ سے کوئی تعلق بھی نہیں تھی۔ آدھی ایک بار جب کسی ہوش کو اپنے سینے میں بسائے تو ہوش بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ وہ پھر سب کچھ سمیٹ لپٹا چاہتا ہے۔ دولت میں شہاب بھی طاعت بھی اور اقتدار بھی۔ اس کے باپ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس نے دولت کی ہوش کی پھر بسلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

زرخور بکھری دیر میں وہیں آیا۔ لانی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ پیچھے سے بھی زیادہ اُلجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ”کہا بات ہو گئی؟“ دلاور نے اس کی طرف دیکھے ہوئے لپٹا کچھ کہیں نہیں آتا۔ زرخور اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے بڑھ گیا۔ ”یہاں جتنے آدمی ہیں سب کے سب بے ہوش بڑے ہیں۔“

”اور وہ بوڑھا کہاں ہے؟“

”اسے میں نے بے ہوش کر دیا ہے۔“ زرخور اسکر ادیا۔ ”وہ تمہارے بارے میں میری طرف سے مشکوک ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جب میں تمہیں ہلاک کر کے کے لیے اس کے سے باہر لایا تھا تو پھر میں نے ابھی تک تمہیں ہلاک کیوں نہیں کیا۔ وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ جیسا آدمی ابھی تک فافوں کیوں بیٹھا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ابھی تک تمہیں قہر عجز نہ کر دینا چاہیے تھا۔ غرضیکہ وہ اسی قسم کی باتیں سوچنے لگا تھا۔ اسی لیے میں نے بے ہوش کر کے ایک طرف ڈال دیا ہے۔ میں دوسروں کی بے ہوشی دیکھ کر نہیں آ رہی ہے۔ سب کے سب بے ہوش بڑے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے خانے

سے لڑکھا دلاور بھی غائب ہے۔“

”کیا؟“ دلاور ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ ”تمہارا مطلب ہے کہ اس تنظیم کا سربراہ؟“

”ہاں وی۔ زرخور نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”میں نے تو ابھی تمہیں یہ نہیں بتا دیا تھا کہ اس کے طرح سے بس کر کے قیدی بنایا گیا تھا۔ کہاں تو اسی بہت ہاتی ہے۔“

”یہ تو بہت برا ہوا،“ دلاور بڑھ گیا۔ ”ابھی تک یہاں باتیں آتے والے واقعات کا سربراہ بھی نہیں آیا ہے۔ مجھے یہاں نہ جانے کس مقصد کے تحت لایا گیا ہے۔ پھر یہاں کی مادیامیری کی دشمن ہو گئی۔ اس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ پھر اس بوڑھے لانی نے مجھے اس کی چٹنگ سے رہائی دلادی۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گیا پھر وہاں تم چلے آئے۔ میں کے بعد پھر چلا کہ سب کے سب بے ہوش ہوتے بڑے ہیں۔ کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

”جو لوگ بے ہوش ہوئے ہیں وہ تو خوشی میں آئی جا ہیں گئے۔ زرخور نے کہا۔ لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنے فیلٹ سے جانا چاہتا ہوں۔ وہاں جلی کر میں تمہیں یہاں کے سارے حالات بتا دوں گا۔ پھر میں تم سے درخواست کروں گا کہ تم میرے ساتھ میرے پیچھے چلو۔“

”تمہارے قبیضے“ دلاور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”وہ کیوں؟“

”ابھی تو چلو یہاں سے زرخور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”وہ لوگ ہوش میں آگئے تو کھانا مشکل ہو جائے گا۔ نہ جانے کس نے انہیں بے ہوش کر دیا ہے۔“

لڑکھا دلاور بڑی حیرت سے اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا جو وہاں اس کے سر پرانے ہوئے لوگوں کا سربراہ تھا۔ لیکن اس کے انداز فناء تھے۔ اس کے چہرے اور بات کرنے کے انداز ایسے تھے جیسے وہ بیکری جس سے تعلق نہ تھا۔ بوڑھے دلاور کے لیے وہ فناء بہت ہی دلچسپی کی چیز ثابت ہو رہا تھا۔

”ہم نے ہاتھ لگائے۔ اتنے خاموش کیوں بیٹھے ہو؟“ دلاور نے سوالیہ جہانے ہوئے پوچھا۔ ”کچھ تو بولو۔“

”میں کیا بولوں؟“ دلاور نے جواب دیا۔ ”میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔ اب تم مجھے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بتا دو۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ تم لوگ مجھ سے کس طرح واقف ہو؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟“

”ہم نے ہاتھ لگائے۔ ایک وقت میں اتنے سوالات“ دلاور نے ہاتھ لگائے ہوئے کہا۔ ”بہر حال میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔ اب تمہارا مطلب تھا کہ ہاتھ میں ہے۔ تم خود ہی فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ دراصل ہم لوگوں نے ایک تنظیم بنائی ہے جس کا نام ہے ”میں“۔ چیئر مین سوئیڈن۔ اس ایسوسی ایشن میں اس ملک کا بلکہ پوری دنیا کا ہر وہ آدمی شریک ہے جو دھوکے اور بے ایمانی میں اپنی مثال آپ ہو جیسے تم بڑا متانت نہ ہو سکتی ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے میں برس کے بعد تمہاری کیا پوزیشن تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ اسے میں تو بھی طرح جانتی ہوں کہ تم ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ پھر تم نے دھوکے اور بے ایمانی شروع کر دی۔ اور مجھے یہ دیکھ کر دڑوں روئے اٹھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ تم نے اپنے فیلڈ سے تو حاصل نہیں کی ہوئی خیر۔ اسے اس دنیا میں تو ایسا انداز ہے سے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ملتی۔ خیر تو ہم نے سوچا کہ اتنے کام کے آدمی کو اپنے ساتھ کیوں نہ شامل کر لیا جائے۔ میں تو چھبے لوگوں کی ضرورت بھی دیتی ہے۔ پھر پھر چلا کہ تم بھی بڑی ایک دھوکے باز عورت تھے۔ تم پر قابو پا کر تمہیں کا کھڑا کی طرح تمہارے میں پھنسا دیا ہے۔ وہ تم سے اپنے مطلب کا کام لیتی رہتی ہے۔ ہاتھ لگائے۔ یہ جان کر ہلاک ہو گئے۔ کیا بھلا تم جیسا آدمی اور اس طرح مجبور ہو جائے۔ یہ سب سوچ کر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ تمہیں وہاں سے نکال دیا جائے۔ تاکہ تم ہمارے کام نہ سکو۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔ اب لیکن کرو یا نہ کرو تمہاری مرضی۔“

دلاور بڑی گہری نگاہوں سے لونی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں بہت سی باتیں تھیں۔ بہت سے سوالات تھے۔ فناء نے اسے یہاں تک لائے کہ جو حیرت بانی تھی۔ وہ دلاور کے لیے ناقابل اعتبار تھی۔ اس کے حق سے یہ بات بہم نہیں ہو رہی تھی۔ یہ شخص کسی اور ہی چیز میں معلوم ہو رہا تھا۔

”اسے کس سبب میں بڑھ گئے؟“ دلاور نے سوالیہ جہانے ہوئے سوال کیا۔ ”تم ہمارے ساتھ شامل ہو رہے ہو یا نہیں؟“

”دیکھو فناء۔ میں ابھی تمہارا نام ہے۔“ دلاور اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم نے جو کچھ کہا میں نے اس پر یقین کر لیا ہے۔ سونے ایک بات ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ تم نے مجھے کسی اور مقصد سے رہائی دلائی ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم صاف صاف وہ مقصد بھی بیان کر دو۔“

”یہ بات ہوئی نا۔ فناء ہمیں بڑا میں تو بھولی گئی کہ تم مجھے حرا ہو۔ میری باتوں میں نہیں آؤ گے۔ خیر۔ تو میں بتا دیتی ہوں کہ ہم نے تمہاری دولت کے لیے تمہیں رہائی دلائی ہے۔ اسے اب چاہے تم اپنے منہ سے کچھ نہ کہو۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس کم از کم دو کروڑ روپے ہیں۔ اسے

اس ملک میں اتنے روپے بہت، ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے ہاتھ آجائیں تو ہماری تنہم کہاں سے کہاں بیچ جائے؟ تم اتنے جڑے جالاک ہو کہ تم نے اس چھوڑی اور اس کے باپ کو انکی تک ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ اگر انہیں معلوم ہوتا تو ہم ان میں کسی کو یہاں بلوالیتے۔ لیکن ان کو بلوانے کا کیا فائدہ جب کہ رقم کا راز کھانے سے نہیں ہے؟

”تمہارا خیال ہے کہ میں اتنی آسانی سے تمہیں یہ سب کچھ بتا دوں گا؟“ لڑکھا دلاور مسکرایا۔

”اے تو یہ تو یہ کہاں اتنی آسانی سے بتاؤ گے؟“ فونا اپنے گالوں کو پیٹنے لگا تھا۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں لیکن تمہیں ان کو کھوکھم کر کے برکوتی بھی نہیں کریں گے۔ یہ سب ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہم ماہریت سے بہت دود جانتے ہیں، ہم تو صرف ذہن کی قوت سے کام لیتے ہیں۔ اور تم دیکھ لو ہمارے ذہن کی قوت کے سامنے تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ تمہیں اپنا راز بتانا ہی ہوگا۔“

”میں بھی دیکھتا ہوں کہ تم لوگ کس طرح مجھ سے یہ راز اگواتے ہو؟“

”چلو یہ تو وقت بنائے گا۔ دینے تم یہاں سے جانا چاہو تو جاسکے۔ ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔“

”کیا وہ دلاور کو اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ تم مجھے جانے کے لیے کہہ رہے ہو کہ تم نے توڑے جس سے مجھے لنگو یا تھا۔ پھر جانے کی اجازت کیوں دے رہے ہو؟“

”ہائے ہائے۔ تم کو تو کوئی بات بادی نہیں رہتی میں نے کہا نا کہ ہمارا دوسرا رابطہ ہے، ہم صرف ذہن سے مل کر برخطوں کرتے ہیں۔ تمہیں یہاں روکنے کا فائدہ کیا ہوگا۔ تم نے مذمتی تو کر نہیں سکتے۔ اس لیے تمہارے کچھ ہی جاؤ۔ اور ہاں کہہ دو کہ یہ تو بتا دو کہ تم اندھ کیا کرو گے۔ میرا مطلب ہے کہ اس چھوڑی اور اس کے باپ سے کس طرح منگو گے؟“

”تم صرف اس کے باپ کی بات کرو دلاور نے کہا۔ سواری مجھ سے محبت کرتی ہے۔ وہ میری وفادار ہے۔“

”واہ۔“ فونا ہنس بڑا۔ یہ کیا کہہ رہے ہو مجھے تو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ تم جیسا ذہین آدمی ایک چھوڑی کے چکر میں آ گیا۔ اے وہ چھوڑی تم سے کہیں زیادہ دھکا اور خطرناک ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس نے تمہیں کس طرح دھوکے دے کر تمہارے خاتمے میں قبضہ کر دیا تھا۔ یہ سب اسی کا کیا دھڑا ہے۔ وہ اور لائی دونوں ملے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف تمہیں بتا کر دیا جاتا ہے کہ اس چھوڑی ہر نظم ہوتا ہے۔ ہر خانے میں تمہیں اس کی ترغیب سنوائی جاتی ہے۔ جب کہ کوئی کوئی بات نہیں ہے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ دلاور صوفے سے اٹھ کر افسطری حالت میں ادھر ادھر ٹھہرے لگا۔ ”میں اتنا بڑا دھوکہ کیسے کھا سکتا ہوں؟“

”تم دھوکے کھا رہے ہو لڑکھے، شہر تو ناہر نہیں بڑا ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب آدمی لڑکھا ہو جاتا ہے تو اسے اپنی آنکھوں پر کسی حیران چھوڑی کا پتہ نہیں رکھ لینا چاہیے۔ اس طرح اس کے سامنے صرف وہ پتہ چلتا ہے اور باقی دنیا اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی تمہارے سامنے ہے پوری دنیا اوجھل ہو چکی ہے۔ تم بہرے ہو کہ تمہاری طرح وہ بے چاری بھی بڑی مظلوم اور مصیبت کی ماری ہوئی ہے۔ جب کہ وہ دھوکہ دے رہی ہے۔ تمہیں آج تو میری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ لیکن ایک دن تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔“

”اگر ایسا ہو تو میں اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔ دلاور نے غصہ کی شدت سے اپنی مٹیوں بچھتی تمہیں۔

”میں کہہ رہی ہوں نا کہ ایسا ہی ہے۔ یہ راز تم اپنی تنہم کی چیز منانے والے تھا۔ وہ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔“

”ایسا نہیں ہے۔ اگر سو مالی نے مجھے سے لگا دی کی ہے تو میں اس کی مکاری کے باوجود مجبور نہیں ہوا۔ ہوں میں جس چاہوں اپنے آدمیوں کی مدد سے اپنی تنہم پر دوبارہ قبضہ کر سکتا ہوں۔“

”کیسے کرو گے۔ وہ سارے لوگ تو اس چھوڑی کے مغلل ہیں؟“

”ایسی بات نہیں ہے۔ میرے بہت سے آدمی اس تنہم سے باہر بھی ہیں۔ لیکن خیر میں تمہیں یہ سب کیوں بتاؤں؟“

”تم بتاؤ۔ میں اب یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اور یہ دیکھ لو کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے جانے دے رہا ہوں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنے ذہن پر اتنا بھروسہ کر رہا ہوں کہ میں تمہاری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ تم جہاں بھی رو گے ہمیں اپنا راز بتاؤ گے۔ پس اب جاؤ مجھے اپنی ورزش بھی کرنی ہے۔ ایک تو یہ کہ سخت ماری ورزش بھی بہت ضروری چیز ہے۔ دل تو ہمیں لگتا لیکن لگے ہو۔ ایک دن نہ کروں تو ہاتھ پیروں کی جان نکل جاتی ہے۔ اچھا تم کو جاؤ۔ کہو تو تمہیں اور سواری میں کہیں چھوڑ آئیں؟“

”نہیں میں خود چلا جاؤں گا۔ لڑکھے۔ دلاور نے ایک نظر اس عجیب و غریب سیاہ پوش کو ناہر ڈانی پیراں کر کے ماہر آ گیا۔

”اے یقین نہیں تھا کہ اے اتنی آسانی کے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ یہ لوگ تو بہت ہی جرت انداز

ثبات ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اے تہ خانے سے ملانی دوانی اس کی چھپائی ہوئی رقم کا تذکرہ کیا پھر اسے چھوڑ دیا۔ یہ بہت ہی باخبر لوگ معلوم ہوئے تھے۔ انہیں سارے حالات کا علم تھا۔ یہ جانتے تھے کہ دلاور کے پاس تنہی رقم ہے۔ اور وہ کس طرح سو مالی کے بیچ میں چھپ کر رہی آذادی کھو چکا تھا۔ فونا نے سو مالی کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ دلاور کے لیے بہت تکلف دہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے اس انداز سے دھوکہ دیا جا رہا ہوگا۔

اس کا خیال تھا کہ اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ کوئی نہ کوئی اس کے سامنے میں آئے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جیسے فونا اور اس کے ساتھیوں کے نزدیک دلاور کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ یہ انداز ایسا تھا جیسے کوئی جادوگر کی کو اپنا معمول بنا کر آزاد کر دے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا معمول اس سے بڑا کہیں نہیں جاسکتا۔ دلاور کے ساتھ بھی ایسی سلوک کیا گیا تھا۔ کسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ کوئی بھی اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اور دلاور کی جرت، ہر جی جی جادوئی تھی۔

ماہر اگر وہ پیدل ہی ایک طرف چل بڑا۔ اس کے ذہن میں آنندھیان کی اٹھاری تھیں۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بڑا سرا رونا کی باتوں کا اعتبار کرے یا نہ کرے۔ وہ بے سہارا آدمی نہیں تھا۔ وہ اس شہر کی ایک بہت بڑی تنظیم کا سربراہ تھا۔ لیکن اسے مفلوج کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے سامنے دو راستے تھے۔ یا تو وہ واپس جا کر سو مالی اور لائی سے ملاقات کر کے ان لوگوں کو مجبور کر دے جنہوں نے اسے قید کیا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام ماطر کا تھا۔ ماطر کی مملکت میں دلاور کا خاص آدمی تھا۔ دلاور نے اس کی بہت بھروسہ کیا تھا۔ اس نے ماطر کو اپنے نائب کی حیثیت دے رکھی تھی۔ پھر اسی ماطر نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ ایک رات دلاور کی بساط اٹ دی تھی۔ ماطر نے اسے آدمیوں کی مدد سے اس پر قابو پا لیا۔ اور اسے ایک قیدی بنا لیا گیا۔ اس سلسلے میں ماطر اور اس کے ساتھیوں نے سو مالی کو کھال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ وہ سو مالی پر تشدد کرتے اور اس کی تنہم دلاور کو تہ خانے میں سنوائی جاتیں۔ دلاور سو مالی پر تشدد وداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجبور ہو کر ماطر کی ہر بات مان لیا کرتا۔ ماطر نے دلاور کے دوسرے آدمیوں کو یہ ہار کر دیا تھا کہ دلاور نے اقتصادی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ وہ اب صرف اپنی آواز کے ذریعے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر اسے گا۔ اس لیے جب تنظیم کے بڑوں کی میٹنگ ہو کر تھی تو اس میٹنگ میں دلاور کی آواز سنائی جاتی۔ ان لوگوں نے تہ خانے میں سامان لگا رکھے تھے۔ ان

لوگوں کو دلاور کی زبان سے جو کچھ کہلوانا ہوتا وہ دلاور کو کھچ کر دے دیا جاتا۔ اگر دلاور وہ سب کچھ کہنے سے انکار کر دیتا تو سو مالی کی کرناک جینیں اسے بے بس کر دیا کرتیں۔ اس کے اعصاب تک شکستہ ہو جاتے۔ سو مالی پر تشدد اس کے لیے ایک عذاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ مجبور ہو کر مجبور ہی سب کچھ ٹوٹے لگتا جس کے لیے اسے ہدایت دی جاتی۔

لیکن فونا کی باتوں نے اس کے ذہن میں خفتناہر پیدا کر دیا تھا۔ اگر فونا کی بات درست تھی تو وہ سو مالی بالائی کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ ان کے پاس جاتے ہی اسے دیوار گھیر لیا جاتا۔ اور وہ ایک بار آزادی حاصل کر لینے کے بعد دوبارہ ان کی چنگ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

دلاور کے ذہن پر ملامتوں نے تلخ کر رکھی تھی۔ اس کی کچھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اب کیا کرے گا۔ لیکن اس نے حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اس کی گردن اکڑی رہی تھی۔ وہ اپنے جو میں ماضیوں کو بھرتا تھا۔ اور آج وہ دیر در دور ہوا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی جو اس کے کام آسکتی تھی۔ لیکن وقتی طور پر مسئلہ پناہ حاصل کرنے کا تھا۔

پھر چاگ اس کے ذہن میں ولز کا خیال آ گیا۔ ولز ایک قابل اعتبار آدمی تھا۔ اب سے بہت پہلے وہ دلاور کی کی تنہم میں شامل تھا۔ وہ ایک بڑا ڈنڈا بھرتا تھا۔ اور اس کے فتنے تنظیم کے مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا تھا۔ پھر ایک دن ولز کی نیت بدل گئی۔ اس نے ایک دوسری پارٹی سے تنظیم کے مال کا سودا کر لیا۔ لیکن عین وقت بڑا اس کی یہ بات تنظیم کے بڑوں کو پہنچ گئی۔ ان کے نزدیک ایسی حماقت کی منزل موت تھی۔ لیکن دلاور نے نہ جانے کیوں اسے ماف کر دیا تھا۔ البتہ ولز کو تنظیم سے الگ کر دیا گیا۔ اس دن سے ولز دلاور کا جاں نثار بن گیا تھا۔ دلاور کو یقین تھا کہ وہ اس کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دے گا۔ اس نے ولز پر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اور اب ولز اس کے لیے اس احسان کا بدلہ اٹانے کا وقت آ گیا تھا۔

ولز کو لپے میں رہنا تھا۔ دلاور کو اس کی رہائش کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم تھا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ وہ کولائی پہنچ کر اس کا پتہ چلا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو لپے پہنچنے کا تھا جو اس مکان سے بہت فاصلے پر تھا۔ جہاں سے دلاور کو جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

وہ اس مکان سے نکل کر سیدھا چلتا چلا گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فونا اور اس کے ساتھیوں نے اس کا تعاقب نہیں کیا ہے۔

وہ اس مکان سے نکل کر ایک طرف چلے گا۔ اس کا تعلق بھی نہیں کیا جا رہا تھا۔ وہ صرف کچھ بجی کی دوسری معروف ٹرولر سے بالکل مختلف تھی۔ کبھی کبھی کوئی گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ گزر جاتی اس کے بعد سناٹا طاری ہو جاتا۔ دلاور کے خیال کے مطابق اس سرک پر بسوں کی آمدورفت بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ سرک ایک طرف مڑی تھی۔ اور اسی موڑ پر دلاور کو ایک گاڑی کھڑی ہوئی دکھائی دے گی۔ ٹرولر کا یہ حصہ اور بھی سناٹا ہو رہا تھا۔ اور اس سناٹے میں اس گاڑی کے اندر کشمکش جاری تھی۔ وہ دو آدمی تھے جو ایک لڑکی کا قابو پانے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر رہے تھے۔ اور وہ لڑکی ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے پوری کوشش کر رہی تھی۔ اس کے حلق سے کھنکھاتی جھپٹ نکلی رہی تھیں۔ اس نے اپنے تئیریز ناخنوں کی مدد سے ان دونوں آدمیوں کے جھروں پر گہری گری خراشیں ڈال دی تھیں۔ اس کے باوجود اس کی مزاحمت رفتیزر نہ کم ہوئی جاری تھی۔ جب کہ وہ دونوں آدمی لڑکی کی ہر حرکت کے ساتھ غصے میں بڑھتے جا رہے تھے۔

زنگور کا فلیٹ چھوٹا سا تھا۔ لیکن زنگور نے اسے بڑی خوبصورتی سے سجا رکھا تھا۔

”بیچو آنا“ زنگور نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ اس فلیٹ میں چھ بوسا سکون ملے گا۔ یہاں کوئی بھی عجیب تنگ کرنے کے لیے نہیں آئے گا۔“

”سب سے پہلے تم مجھے آقا کہنا چھوڑ دو“ داور نے جھپٹے ہوئے کہا۔ ”میں اس قسم کی تہذیب پسند نہیں کرتا میرا نام داور ہے اور تم مجھے داور کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔“

”میں تمھارے ہم سے نہیں نام کے لپکاروں گا۔ وہ دیکھتی آتی بہت نہیں ہے میں تمھارے لیے چائے بنا کر لے آؤں۔“

”نہیں اس وقت رہنے دو“ داور نے اسے منع کر دیا۔

”اور میرے سامنے بیٹھ کر مجھے بقیہ حالات سناؤ۔“

”بقیہ حالات تو کوئی خاص نہیں ہیں میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں اور گورما بابا کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ گورما کو ایک طرف چلا گیا جب کہ میں نے ریڈرنگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ سارا خیال تھا کہ اب لہذا کسی شریف آدمی کو دشمن بنا کر یہاں تک نہیں آیا ہوگا۔ بلکہ اس کا دشمن بھی کوئی ایسا دیہاتی ہوگا۔ اور اس قسم کے لوگوں کو اس قسم کی تنقیصوں میں شامل ہونے کے بعد تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم سے جو کہ ہوئی۔ ہم ہندوستان دلاور سے پہنچے۔ اس وقت تک بابا اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ تو ایسا ہی آدمی تھا۔ وہ اپنے دشمنوں اور دوستوں کو میلوں دور سے سوجھ لیا

کرنا تھا۔ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو اس سے چھپا کر نہیں لکھ سکتا تھا۔ تو اس کا دشمن بھی اس سے نہیں چھپ سکا۔ اور بابا نے تلاش کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد جانے کیوں اس نے خود کو یہاں کے قانون سے حوالے کر دیا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے ہندوستان سے نکل سکتا تھا۔ لیکن یہاں بہت چلا کر تیل میں ہی بابا کا انتقال ہو گیا۔ یہ ایک ایسی خبر تھی جس نے نہیں دلاور کو دکھ دیا۔ کیونکہ ہمارے یہاں گورما نے اس کی روایت صدیوں سے چلی آ رہی ہے اگر ایک گورما مرتلے تو وہ اپنی جگہ کسی ایک گورما کو برا بنا دیتا ہے۔ اب ہمارے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ بابا نے آنے والا دلاور کے بنایا تھا۔ کیونکہ ہم یہ جانتے تھے کہ وہ روایت ختم نہیں ہو سکتی۔ بابا نے لہذا کسی دھمکی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہوگا۔ اب ہمیں اس آدمی کو تلاش کرنا تھا۔ اسی دوران میں یہ بہت چلا کر تم بھی کسی کے ایک انتہائی دل اور خطرناک آدمی ہو۔ تمھاری دلی اور بہادری کو ہمارے کام کی بات نہیں تھی۔ لیکن ہمارے کام کی بات یہ تھی کہ تمھیں تمھارے حلقے میں گورما بھی کہا جاتا تھا۔ اس مانتے میں جو کچھ دیا اور ہم نے تمھارے بارے میں چچان بین شروع کر دی۔ اس نقشب سے غصے میں یہ بات سامنے آئی کہ تم بھی اسی زمانے میں اسی جیل میں بند تھے جس زمانے میں ہمارا چچا سردار اس جیل میں تھا۔ یہ معلوم ہونے لگا کہ تم نے یہاں چچا کی پھر یہ پتہ چلا کہ جیل میں تم اور بابا ایک دوسرے کے بہت قریب تھے اور تم نے ہمارے سردار کی بہت خدمت کی تھی۔ بس یہیں یقین ہو گیا۔ ہمارے گورما سردار کے مرے کے بعد تم ہمارے نئے گورما سردار ہو گئے۔ تم نے کبھی بھی بہت کوشش کی۔ لیکن تم تو طوفان کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ گزر جاتے ہو۔ اس لیے تم ہمارا رابطہ قائم نہیں ہو سکتے۔ پتہ چلا کہ تم کو پہنچنے کے ہو۔ جہاں گورما سے تمھاری ملاقات ہوئی ہے۔ پھر گورما نے تمھیں اپنے سردار کی حیثیت سے پہچان لیا۔ اور اس نے دبی کیا جو اس کا فرض تھا۔ یعنی اس نے اپنے سردار پر اپنی جان قربان کر دی۔ تمھاری خاطر اس نے موت کو مجھے لگا لیا۔ پھر تم کو لے کر دوبارہ بھی آئے ہو۔ اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میری تم سے ملاقات ہوئی۔ میں نے تمھیں پایا۔“

”ہوں“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ وہ کچھ دیر تک زنگور کو گہری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ پھر دوسرے سے بولا۔ ”چلو۔ یہاں تک تو کچھ کہہ لیکن اب یہ بتاؤ کہ جب تمھیں معلوم تھا کہ میں گورما ہوں۔ تو یہ معلوم ہونے کے بعد بھی تم اس تنظیم سے کیوں چپکے رہے۔ تم اس سے الگ ہو کر مجھے تلاش کرنے بھی جا سکتے تھے۔“

”ہاں“ تمھارا کہنا درست ہے۔ زنگور نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”لیکن میں تمھارے تعاقب میں اس لیے نہیں گیا کہ مجھے معلوم تھا کہ تم کو اسے نکل کر کئی کارٹ کر دے۔ اس کے علاوہ خود اس تنظیم کے حالات اتنے دلچسپ ہوئے تھے کہ میں اس کہانی کا مکمل انجام دیکھنا چاہتا تھا۔“

”یہاں کے گہرا حالات تھے؟ گورما نے دھڑکی سے بول چلا۔ ”تمھیں شاید معلوم نہیں کہ مجھے یہاں کے حالات میں بہت دلچسپی ہے۔“

”میں تمھاری دلچسپی کی وجہ تو نہیں کچھ سنا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس مادام اور اس کے باپ نے تمھیں کسی خاص مقصد سے یہاں بلایا تھا۔ دراصل وہ دونوں ہی تیلانی فائن کے مالک ہیں۔ نہ جانے وہ تم سے کیا کام لہنا چاہتے تھے۔ لیکن اب تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ وہ تنظیم اور اس کے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ تم مل گئے ہو میرے لیے یہی بہت ہے۔“

”نہیں“ میں اس تنظیم کے تعصبی حالات جانتا چاہتا ہوں۔“ داور نے کہا۔ ”میں اس وقت تمھیں اپنی دلچسپی کی وجہ نہیں بتاؤں گا۔“

زنگور نے مختصر گفتگوں میں اسے یہ بتا دیا کہ سوما لی اور لائی نے کس طرح تنظیم کے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر لوٹھے دلاور کو بے بس کر کے نہ جانے میں پیشوا دیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے سوما لی نے بوڑھے دلاور کو اپنی محبت کے جال میں پھاس لیا تھا۔ دلاور اب بھی تک سرحال کو اپنا سپ سے جٹا ہمدرد اور محبت کرنے والا خیال کرتا ہے۔ بوڑھے دلاور کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ تنظیم پر قبضہ کرنے والے لوگ سوما لی پر بھی تشدد کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس کی معنوی شخصیت لاڈلا سپیکر کے ذریعے نہر خانے میں نشتر کی جالی لگی۔ جنہیں سن سن کر گورما دلاور نے قرار ہو جاتا ہے۔ اور وہی کرتا ہے جس کی اسے ہدایت دی جاتی ہے۔ اور اب کچھ لوگ پوری تنظیم کے لوگوں کو بے ہوش کر کے بوڑھے دلاور کو نکال لے گئے ہیں۔ یہ اس کہانی کا سب سے دلچسپ پہلو ہے۔“

”تمھیں معلوم ہے کہ بوڑھے دلاور کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ وہ اب کہاں ہے؟“

”نہیں“ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوگا۔“

”جواب دیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے آنے سے پہلے بوڑھے دلاور کے ساتھ جاتی ہو۔“

”ہوں۔“ خیر۔ میری گھٹن میں نہیں آ سکا کہ تم تو تنظیم سے نہیں بوڑھے دلاور سے منسلک تھے۔ پھر لائی کے تسلط میں کیے چلے گئے۔“

”بچی بات تو یہ ہے کہ اس تنظیم سے بھی میری وفاداری بس لوں گی۔ یعنی کوئی خاص تعلق نہیں تھا بس لوں گے۔ کہہ دو کہ تمھارے انتظار میں ہی وقتی طور پر اس تنظیم میں شامل ہو گیا تھا۔ جس طرح کوئی مسافر کسی خاص ریل کے انتظار میں بیٹھتا ہے۔ اور وہاں اس کے سامنے تھلے ہوتے رہتے۔ آنے والے مسافروں کے تھلے۔ کلیوں کی بچھ و پکار۔ ریل گاڑیوں کی آمدورفت۔ وہ اس منظر کا حصہ بن جاتے۔ کیونکہ اس منظر سے غیر متعلق رہتا ہے۔ اسے تو بس آنے والی ریل کا انتظار رہتا ہے۔ ریل آجائے تو پھر وہ اس ریل کی طرف دوڑ دگا دیتا ہے۔ تم میرے پانے والی ریل کی طرح تھے۔ تم گئے ہو اور میں نے سب کچھ چھوڑ کر تمھاری طرف دوڑ دگا دی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے بعد اس بیٹ فام پر کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ مجھے اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔“

”تم بائیں وقت ابھی کر لیتے ہو۔“ داور مسکرا دیا۔ ”انفوق میں تم نے اپنی تھی یہاں کی زبان کس طرح سیکھ لی۔“

”وقت اور حالات آدمی کو سب کچھ سکھاتے ہیں۔“ زنگور نے کہا۔ ”میں اپنے قبیلے کا ایک ذوقین آدمی ہوں۔ میں نے وہاں بہت سی زبانیں سیکھ رکھی ہیں۔ یعنی لائی کے بعد میں نے یہاں کی زبان میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ اور اب اس مہارت کا نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ اگر میری زحمت سبب نہ ہوتی تو میں نہیں کا باشندہ سمجھا جاتا۔“

”خیر۔ یہ بتاؤ کہ اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟“ داور نے پوچھا۔

”تم مجھے کہا چاہتے ہو؟“

”ہمارا قبیلہ بغیر کسی سردار کے اپنے دن گزار رہا ہے۔ جس طرح کسی کے سر سے جہت ہٹ جائے یا کوئی یتیم ہو جائے۔ بغیر سردار کے ہمارے قبیلے کی یہی حالت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تم تمھارے قدموں میں ڈھیر کر دو گے۔ ہمیں ایک سرپرست کی ضرورت ہے۔ اور وہ سرپرست تم ہو۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تمھارے ساتھ یہاں سے کس طرح جا سکتا ہوں۔ یہاں میرے ساتھ ہے تمھارا قبیلہ۔“

”میں کوئی ذرا دیر میری زندگی یہاں ہے۔ میرے اپنے راستے ہیں۔ میں کس طرح اپنے قبیلے کا سردار بن سکتا ہوں جس قبیلے کو میں جانتا ہی نہیں ہوں۔“

”مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تم ابھی میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ تم انکار کر دو گے۔“ زنگور نے کہا۔ ”لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے

کوتھیں میرے قیدی تک بلکہ اپنے قیدی تک آنا ہوگا۔ ہلاری
درج ڈاکٹر کی پیش گوئی بھی ناکام نہیں ہوئی جب اس
تعلیق کی ہوائیں نہیں ملازمت کی تو تم سارے بدن کو توڑ کر
وہاں پہنچ جاؤ گے میں بھی نہیں اس وقت لے جانے کے
لیے امر نہیں کروں گا۔ بس میں نے صورت حال نہیں مٹادی
ہے۔ اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

”مجھے بہری مرضی کے خلاف کوئی نہیں بلکہ اسکا دوست
دور سے اس کے شانے پر بیٹھتی دی۔ شاید تم میرے لڑکا رو
سے واقف نہیں ہو“

”میں جانتا ہوں۔ زنجوڑنے کہا۔ لیکن ہمارے یہاں
ایک کہادت ہے کہ بادل کے بارو دی دیکھ سکتا ہے جن کے
تقدیر ہمارے ہوتے۔ میرا قدامتازہ نہیں ہے لیکن پہاڑ
جیسے لوگوں کو معلوم ہے کہ کھینچ ہر حال میں اس قیدی تک
آنا ہوگا۔ یک ہوگا۔ میں نہیں جانتا۔ خبر۔ ام۔ تم یہ بتاؤ
کہ کھینچ کیا کرنا ہے۔ میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں۔“
”سب سے پہلے تو مجھے معلوم کرنا ہے کہ کون سا دلاور
کہاں ہے؟ وہ کون لوگ تھے جو اُسے ایسی خطرناک تنظیم
کے درمیان سے نکال کر لے گئے ہیں۔ اور دوسری بات
یہ ہے کہ وہ لڑکی اور اس کا باپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔
اس کے بعد مجھے پورے دلاور کی بوی کو تلاش کرنا ہے۔
یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں اگر وہ مر گئی ہے تو
پھر کچھ نہیں کیا جاسکتا اور اگر وہ زندہ ہے تو میں ہر حال
میں اُسے تلاش کر لینا چاہتا ہوں۔“

”ایسا اچھا ہے۔ جیسے اُس کو پورے دلاور سے تمہارا کوئی
خاص تعلق ہو۔“ زنجوڑنے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔“ داور نے جواب دیا۔ میں
ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا گا۔“

”تمہاری مرضی۔“ زنجوڑنے ایک گہری سانس لی تھی
پھر ایک بار حاکم طائی کی طرح تمہارے سوالوں کے جواب
حاصل کرنے کے لیے نتیجہ کی طرف جانا ہوگا۔ لیکن اچھا
ہے کہ میں لائی کہہ ہوش کر کے آیا ہوں۔ میرے وہاں پہنچتی
ہی ہمارے کھڑا ہو جانے کا پتہ نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی راستہ تو
نکلنا ہی ہوگا۔ اب تم اس فلیٹ میں آرام کرو۔ میں ایک دو
آدھ سو سے ملنے جا رہا ہوں۔“

”نہیں۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں اپنے دوست
عبدال کے فلیٹ کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ اس وقت دھیر
کے دو بج رہے ہیں۔ میں شام کے بعد تمہارے پاس آؤں گا۔
”مٹیک ہے۔ لیکن وہاں جانے سے پہلے میں تمہیں

کچھ دینا چاہتا ہوں۔“ امید ہے کہ یہ چیزیں تمہارے کام آئیں
گی۔“

زنجوڑنا اتنا کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد
وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کپڑے میں لپیٹی ہوئی کچھ
چیزیں تھیں۔

”یہ کیا ہے؟“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
پوچھا۔

”اس میں دس ہزار روپے ہیں۔ ایک رپہ اور ایک
گوپیاں ہیں۔ زنجوڑنے جواب دیا۔“ یہ چیزیں تمہارے کام
آئیں گی۔“

عبدال کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچتے ہی داور کو
کسی گڑ بڑ کا احساس ہو گیا تھا۔

اس کے فلیٹ کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ کوئی
خاص بات نہیں تھی لیکن یہ بات عبدال کے مزاج کے خلاف
تھی۔ داور کو یاد نہیں تھا کہ عبدال نے کبھی اس طرح اپنے
فلیٹ کا دروازہ کھلا رکھا ہو۔ وہ بہت ہی محتاط آدمی تھا۔
اور ہر معاملے میں احتیاط کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس
فلیٹ کے اندر خاموشی بھی چھائی ہوئی تھی کسی قسم کی آواز
نہیں آ رہی تھی جبکہ عبدال جیسا بولنے والا آدمی ایک لمحے
کے لیے بھی خاموش نہیں ہو کر رہتا تھا۔ اگر عبدال اندر کسی
کام سے باہر بھی گئے ہوں گے تو انھیں دروازہ بند کر کے
چانا چاہیے تھا۔

داور کو خطرے کا احساس ہو رہا تھا لیکن اس کی ذہنیت
معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک دروازے کے پاس
کھڑا رہا۔ اس وقت وہ گوریڈور سنسان ہو رہا تھا عبدال
کا فلیٹ جس عمارت میں تھا اس عمارت کی ہر منزل پر وہ
فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک
گوریڈور تھا۔ اس وقت اس گوریڈور میں سناتا تھا۔ دوسرے
فلیٹ والے اپنے فلیٹ میں تھے۔ داور نے دروازے پر
دنگ دی۔ لیکن توقع کے مطابق اندر سے کسی کی آواز نہ آئی
نہیں دی۔ دوسری بار اس نے دروازے پر ہاتھ دھکا دیا۔
دروازہ اس کے ہاتھ کے دباؤ سے اندر کی طرف کھلتا چلا
گیا تھا۔

داور کچھ دیر تک دروازے پر کھڑا اندر کی آہٹ لینے
کی کوشش کرتا رہا اور جب کچھ بھی سنائی دیا تو وہ پورے
قحطانہ انداز میں عبدال کے فلیٹ میں آ گیا۔
سامنے کا کمرہ اس طرح بے ترتیب تھا جس طرح بے ترتیب

رہتا تھا۔ شراب کی خالی بوتلیں اور صاف ہو چکی ہوئی
تھیں۔ ایک کرسی اُٹنی ہوئی تھی۔ صوفہ اپنی جگہ سے ہٹ
کر کچن کے دروازے کے پاس چلا گیا تھا۔ میز پر چھوٹے برتن
اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ دی والوں مائل تھا تو داور
اس سے پہلے دیکھتا آیا تھا۔ عبدال اپنے فلیٹ کو کسی بے ترتیب
سے رکھا کرتا۔ اس کا قول تھا کہ سلیقہ اور ہر مہمندی تو عورتوں
کے حصہ میں آئی ہے مردوں کا ان چیزوں سے کیا واسطہ
اس لیے اس وقت فلیٹ کی مچری ہوئی حالت کسی خاص
بات کی طرف اشارہ نہیں کر رہی تھی۔ داور عبدال کو آواز دینا
ہوا اس کی خواب گاہ میں گھس گیا۔ لیکن وہاں بھی سوائے
بے ترتیبی کے اور کچھ نہیں تھا۔ عبدال اور سلیم کا کوئی پتہ نہیں
تھا۔

پھر اچانک اُسے ایک آہٹ سنائی دی۔ یہ آہٹ
غسل خانے کی طرف سے آئی تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی
غسل خانے میں چھپا ہوا ہو۔ داور نے زنجوڑنا کو دبا ہوا
پستول اپنے ہاتھ میں لیا اور دھیرے دھیرے پہلے پاؤں
غسل خانے کی طرف جڑے لگا۔ غسل خانے کا دروازہ اندر
بند نہیں تھا۔ وہ دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

”کون ہے اندر؟“ اس نے آواز لگائی۔ ”ہمارا چاچا۔“
”کوئی جواب نہیں غسل خانے سے کوئی باہر نہیں آیا۔
لیکن وہ آہٹ بھر سنائی دی۔ اس بار یہ آہٹ بالکل واضح
تھی۔ داور نے غسل خانے کے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا۔
اسی وقت کسی نے اس پر جھلانگ لگا دی۔ پھلانگ غفلت
کی جانب سے نہیں لگائی تھی بلکہ کسی نے اس کے عقب
سے اس پر حملہ کیا تھا۔

وہ غرا کر پڑا اور جھلانگ لگنے والے نے اس کے
پستول والے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ داور نے اپنے
ہاتھ کو جھٹکا تو اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی
لیکن اُسے احساس ہو گیا تھا کہ مقابل جسمانی طور سے کسی
طور بھی کم تر نہیں ہے۔ وہ کسی جو تک کی طرح اس کے ہاتھ
سے چپٹ گیا تھا۔ داور نے اچانک اپنا گھٹنا اٹھا کر اس کے
پریٹ میں مار دیا۔ وہ شخص بھلا گیا۔ لیکن اس نے داور کا ہاتھ
نہیں چھوڑا تھا۔ داور نے اپنا سر اس کے چہرے پر مارا۔ اس
شخص نے تین وقت پہلا ہی گردن پیچھ مٹائی تھی۔

داور کو اس کی طرف سے بھی خطہ لاحق تھا جس کی آہٹ
غسل خانے سے سنائی دی تھی وہ شخص بھی باہر نکل کر اس پر
حملہ آور ہو سکتا تھا اس لیے اس نے اپنی جنگ تیز کر دی
اس نے اچانک اپنے ہاتھ سے پستول فرش پر گرا دیا۔ ایک

حاصل کی ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں بہت مہبوط معلوم ہوتے تھے۔ وہ بالکل گنجا تھا اور اس کی صورت بہت خطرناک تھی اس کے جسم پر ایک پینٹ اور ٹیٹس تھی۔ داور نے اس کی جیبوں کو اوپر سے چھپا دیا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ گونگا خالی ہاتھ تھا۔ اس کے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں تھا۔ شاید وہ اسی قسم کا آدمی تھا کہ اسے ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہوتی ہوگی۔

داور بیٹول ہاتھ میں لیے ہوئے گونگے کی طرف دیکھا رہا۔ اس کی جھنجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گونگا آخون ہے یا نیم اور عدل اس فلیٹ سے کہاں چلے گئے؟ کیا انہیں یہاں سے ہٹانے میں اس گونگے کا ہاتھ ہو سکتا تھا؟ اور یہ سب کچھ اسی وقت معلوم ہو سکتا تھا جب یہ گونگا ہوش میں آ جاتا لیکن آٹھین یہ بھی کہ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس گونگے سے کیا بات معلوم ہوتی تھی؟

کچھ سوچ کر داور کی سسٹن تھا اور پھر چنانے سے ایک گلاس میں پانی لے لیا۔ اس نے پانی کے پچھینے گونگے کے چہرے پر مارے۔ گونگا کسسا کہ ہوش میں آ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور داور کی طرف خوفزدہ لگا ہوں سے بچنے لگا۔ داور نے اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ گونگا اُن کو کرتا ہوا دوسرے دوسرے کھڑا ہو گیا۔ داور نے اسے پھر اشارہ کیا کہ وہ داور کے سامنے دالے موئے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آستین سے اپنا چہرہ بھی صاف کر لیا تھا۔

”کون ہو تم؟“ داور نے سوال کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ بھی کیا تھا۔

گونگے نے اول اُن کرے ہوئے اپنی گردن ہلائی اور اپنی جیبوں کو توتنے لگا تھا۔ داور اس کی طرف سے چونکا ہوا گیا تھا۔ اُس گونگے نے اپنی جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر داور کی طرف بڑھا دیا۔ داور نے توتنے والی لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا جس پر کچھ لکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ داور نے اسے تحریک پر نظر ڈالی پھر حیرت سے اس کے ہوت سونگے۔ وہ خبر اسے نام تھی۔ اس کاغذ پر لکھا تھا: ”اگر تم داور ہو تو اس گونگے کے ساتھ ساتھ بیکریں جھوک کے پیچے آؤ۔ مجھے تمہارا انتظام رہے گا۔ روپائی“

اس خبر نے داور کو آٹھین میں مبتلا کر دیا۔ وہ روپائی نام کی کسی لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ پھر اس لڑکی نے جس انداز سے گونگے کو توتنے کرے اُن کی دولت دی تھی۔ یہ انداز بھی بہت حیرت انگیز تھا۔ اس خبر نے اسے کشش میں

مبتلا کر دیا تھا اس کی جھنجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس گونگے کے ساتھ چلنے سے انکار کر دے یا یہ دیکھ لے کہ گونگا کس روپائی کے پاس آئے ہے جاتا ہے۔ ایک لکھن بھی تھی کہ وہ اس گونگے سے کوئی بات معلوم نہیں کر سکتا تھا حالات کو سمجھنے کے لیے اسے اس گونگے کے ساتھ جانا تھا۔ پھر اس نے اُس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

”تھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں“ وہ کاغذ کے پڑے کو ایک طرف اچھلتے ہوئے بولا: ”کہاں تک جانا ہوگا؟“

گونگے نے اول اُن کرے اسے کچھ بھلنے کی کشش کی لیکن داور کی سمجھ میں اس کے اشارے نہیں آ سکتے تھے۔ ”اچھا اچھا چلو آگے“ وہ بیزار ہو کر بولا: ”میں بھی تو دیکھوں کہ تم کہاں لے چلے ہو اور یہ دعویٰ کون ہے؟“ وہ گونگے کے ساتھ عدل کے فلیٹ سے باہر آ گیا۔ اُن نے باہر سے دروازے کو کھنڈی لگا دی تھی۔ عمارت سے باہر آ کر گونگا ایک گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ یہ گاڑی پہلے بھی کھڑی ہوئی تھی لیکن داور نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ ایک نئے ماڈل کی چکی ہوئی گاڑی تھی۔

”گاڑی تو بڑی زوردار ہے“ داور نے گونگے کا شانہ تعجب تھا کہ ہونے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ”کس کی ہے؟“ گونگے نے داور اس کی طرف دیکھا پھر اپنے دانت نکال دیئے۔ داور بھی مسکرا دیا۔ گونگے نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے نکال لی جبکہ داور اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اب یہ مسکو گونگے کی منزل پر ہی جا کر مل ہونے والا تھا تاہم وہ گونگے اور روپائی کے بارے میں کچھ سوچا نہیں چاہتا تھا۔ گاڑی کا رخ شہر کے اس علاقے کی طرف تھا جہاں ایسے لوگوں کی رہائش تھی جو سماج کے بلند طبقے سے تعلق رکھنے والے تھے جاتے تھے۔ یہی کی تنگ و نازیک ٹرک اور کھویوں کے برعکس اس علاقے میں بڑی بڑی کھیتیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ روپائی کوئی دو فائدہ خور تھی۔ اور اس کی دولت کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ اس کے پاس ایسے گونگے جیسے ملازم تھے جو اس کے حکم پر اپنی جان دینے کے لیے تیار رہتے۔ اس کے علاوہ یہ شاندار گاڑی اس عورت کی امارت کا ثبوت تھا۔

گونگے نے بالآخر ایک بڑی سی عمارت کے کمرے کے پاس گاڑی روک دی۔ اس کمرے کے دروازے پر دو نیپالی گونگے کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے گاڑی کو دیکھتے ہی دروازہ کھل دیا۔ گونگا اس گاڑی کو احاطہ کے اندر لے گیا تھا۔ وہ کوئی

بھی بہت خوبصورت تھی۔ یہ فراموشی طرزی بنی ہوئی ایک دلکش عمارت تھی جس کی بالکونیاں اور کھڑکیاں یہ ثابت کر رہی تھیں کہ ان کی تعمیر میں باوقار فنکاروں نے حصہ لیا ہے۔ سامنے کی طرف ایک پرانہ تھا۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے تنگ ممر کی بیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ گونگے نے ان ہی بیڑھیوں کے پاس گاڑی روک دی تھی۔

اس نے گاڑی سے اتر کر داور کو اشارہ کیا۔ داور گاڑی سے باہر آیا۔ گونگا اسے اپنے ساتھ برآمدے تک لے آیا تھا گونگے نے ایک طرف چلنے کے لیے کہا۔ اور تھک اسی وقت داور کو اپنے عقب میں کسی کی آہٹ سنائی دی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے مرا لپک کر مٹی میں نہیں تھا۔

داور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ایسی آہٹیں عدل کے فلیٹ میں بھی سنائی دی تھیں اور اب یہاں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے گونگے کی طرف دیکھا وہ ہنس رہا تھا۔ ”یہ کیا چیز ہے؟“ داور نے اپنا سر کھاتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کہیں جاؤ تو نہیں جانتے؟“

گونگے نے اس کی بات سمجھ لی تھی اس لیے اُس نے انکار میں اپنی گردن ہلائی اور داور کو ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا داور اس کے ساتھ ایک ایسے چھوٹے کمرے میں آ گیا جو بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ یہ کمرہ اس مرکزی عمارت کے عقب میں واقع تھا۔ گونگے نے داور کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بیڑھ پر رکھا ہوا قلم اور کاغذ اُن کے پاس پر کھینچ کر غور کر دیا۔ داور بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا گونگے نے اس کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد وہ داور کی طرف بڑھا دیا۔ داور نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا گونگے نے اس پر لکھا تھا۔

”میرا نام شیوا ہے۔ میں یہاں لٹنی گونگا نہیں ہوں بلکہ روپائی دہلی سے میرے طور پر میری زبان کنوادی تھی وہ ہماری دہلی میں ہیں۔ ہمارے ساتھ جو بھی چلے کر کھتی ہیں۔ ان کے لیے ہماری جا میں بھی حاضر ہیں۔ میں ایک پڑھ لکھا انسان ہوں۔ میں نے ابتدائی تعلیم نیپال میں حاصل کی، جبکہ اعلیٰ تعلیم میں نے بنارس یونیورسٹی میں پائی تھی۔ یہاں میں نے ایک ہندو لوگ کی بہت خدمت کی۔ اس نے مجھے بہت سے فنون میں ماہر کر دیا تھا۔ اس میں سے ایک فن آستین پیدا کرنے کا ہے۔ سامنے والے کو بھی محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو کر کھائے یا سامنے موجود ہے۔ اس کی نظر جھوک جاتی ہے اور وہ قابو میں آ جاتا ہے۔ لڑائی بھڑائی کے موقع پر یہ فن ہمارے بہت

کام آتا ہے۔ لیکن تم نے جس انداز سے مجھے بس کر دیا تھا وہ تمہارا ہی فن ہے۔ میں اس پر تمہارا احترام کرنے لگا ہوں۔ تم واقعی ایک طاقتور آدمی ہو۔ تمہارے لڑنے کا انداز بے مثال ہے۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا میں اپنی سسٹن سمجھا ہوں لیکن جواب نہیں دے سکتا“

داور کو اس باصلاحیت گونگے پر فاسوس ہونے لگا تھا اس کی زبان کاٹ کر اُس روپائی نے اس کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ شخص شاکر نہیں تھا۔ ”کیا تم نے اپنا یہ فن سیکھاؤ گے؟“ داور نے پوچھا۔ گونگے نے خوش ہو کر اپنے دانت نکال دیئے اور عدلی جلدی اپنی گردن ہلانے لگا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس فلیٹ میں جہاں سے تم مجھے اپنے ساتھ لائے ہو میرا ایک بھائی اور ایک دوست بھی تھا۔ وہ دونوں کہاں چلے گئے؟ کیا تم ان کے بارے میں جانتے ہو؟“

شیوا نے داور کی بات سن کر چہرہ قلم کاغذ سمجھا لیا اور کچھ لکھ کر داور کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لکھا تھا: ”ہماری روپائی دہلی کو نہ چلے گی کیوں تمہاری ضرورت پر تھی۔ دہلی کی باتیں دہلی ہی جانتے۔ اسے کسی طرح تمہارا پتہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے اس پتے پر پہنچ دیا۔ جہاں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اس نے مجھے فلیٹ میں لگا کر پھر برآمدہ کمرہ دیا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہارا بھائی تھا یا دوست تھا۔ مہر حال اس سے میری جنگ ہوئی۔ لیکن وہ زیادہ دیر میرے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکا اور اچانک بھاگ لیا اس کے بھاگ جانے کے بعد تم فلیٹ میں داخل ہوئے۔ میں سمجھا کہ وہ آدمی یا اس کا کوئی ساتھی واپس آ گیا ہے اس لیے میں نے تم پر حملہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم“

”حملہ کرنے والے آدمی کا تجھ پر کیا تھا؟“ داور نے پوچھا۔ ”وہ چھوٹے قد کا آدمی تھا جسے ہونے بدن کا آدمی تھا“ شیوا نے لکھ کر جواب دیا۔

”تو پھر کوئی اور ہوگا؟“ داور نے کہا۔ ”میرا بھائی اور دوست دونوں طویل قامت ہیں۔ مہر حال تم مجھے یہاں تک تو لے ہی آئے ہو۔ اب کیا کرنا ہے؟“

”اب میں تمہیں اپنی روپائی دہلی کے سامنے چلوں گا۔“ شیوا نے اسی طرح تحریک پر جواب دیا۔ لیکن میری ایک درخواست ہے کہ دہلی کے سامنے فلاؤپ سے رہنا۔ وہ گستاخ لگا ہوں اور گستاخ لوگوں کو پسند نہیں کیا کرتی ہیں۔ اس کے سامنے ایک بار زبان کھولی تھی اور زندگی بھر کے

یہ بولنے سے محمود ہو گیا ہوں۔
 دوا ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس پر اسرار عورت
 سے ملنے کی خواہش شدید ہو گئی تھی۔

دلراج نے پہلی نظر میں دلاور کو پہچان لیا تھا۔
 وہ اسے دیکھ کر اتنا حیران تھا کہ بہت دیر تک اس سے
 کچھ کہا ہی نہیں کیا۔ وہ پس منظر میں غالی نگاہوں سے دلاور کی
 طرف دیکھتا رہا جو وہاں تنگ آتے آتے بہت نڈھال ہو گیا
 تھا۔ "ہمارا دلراج آپ سے بالآخر بہت دیر بعد دلراج نے سرگوشی
 کی کہ میں میں کوئی پسپا تو نہیں ہو چکا رہا ہوں؟
 "نہیں یہ پسپا نہیں حقیقت ہے دلراج، دلاور نے

مسکراتے کی کوشش کی۔ "میں تمہارے پاس پناہ لینے
 کے لیے آیا ہوں۔"

"میرے پاس؟" دلراج بہت حیران ہو گیا تھا۔ یہ کیا
 کہہ رہے ہیں خیر۔ آئیے آئیے۔
 دلراج ایک طرف ہٹ گیا۔ دلاور اس چھوٹے سے
 کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں مٹسی نے اپنے دیر سے ڈال
 رکھے تھے۔ ایک طرف دیوار کے پاس ایک بٹنگ پڑا ہوا تھا
 جس پر کوئی سرسے پاؤں تک چادر اوڑھے ہوئے سو رہا تھا۔
 اس کمرے میں ایک چارباٹی اور مٹی تھی۔ دلراج نے دوسری
 چارباٹی پر دلاور کو بٹھا دیا تھا۔

"اے شیلانہ۔" اس نے سونے والے کو آواز دی دیکھ
 کون آیا ہے؟

"میں نہیں آتی۔" چادر کے اندر سے ایک مترنمی
 آواز ابھری۔ "سونے دے۔ بروقت تنگ مت کیا کرو۔"
 "یہ عورتیں جڑی بدمعاش ہوتی ہیں ہمارا دلراج، دلراج
 نے کیسلے انداز میں دلاور کی طرف دیکھا۔ یہ میری گھر
 والی ہے جس میں کس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن
 گاؤں کے بڑے بڑوں نے اسے میرے بچے کا باندھ دیا۔ ابھی
 یہ بہت کم عمر ہے۔ گاؤں میں تو ہمیں سب بڑا ہے ہمارا۔
 اگر اس سے کوئی اور بچہ ہو جائے تو کم عمر کھ کر معاف کر دیں گے
 گا۔"

اس کی بات کے دوران وہ چادر ایک طرف پھینک
 کر اٹھ بیٹھی تھی۔ دلاور کو احساس ہو گیا کہ اگر دلراج اس کی
 عمر کے بارے میں کچھ نہی کہتا تب بھی اس عورت کو کم عمری
 کہا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ خطرناک حد تک خوبصورت
 بھی تھی۔ اس کے شاداب جسم کا ہر عضو ہر زاویہ پر یکساں نکلا

کر رہا تھا کہ وہ اس کھوٹی میں رہنے کے لیے یہاں نہیں ہوئی۔
 اس کے لیے بھولوں کی سیج اور ایک ایسا تنگ سا کمرہ
 تھا جیسے جس کے فرش پر بھی ہوئی تانہیں میں پاؤں دھس
 جاتے ہوں۔ جس کمرے کی کھڑکیاں فرالسی طرز کی ہوں۔
 اور جن پر پڑے ہوئے خوبصورت ریشتی اور مٹی پر دسے
 جب اہرا کے ہوں تو بولوں محسوس ہو جیسے کوئی دھنک رنگ
 وہ شیزہ انجانیاں لے رہی ہے۔ تو بڑے دلاور کی دوسری لیکن
 تجربے کا رنگ ہوں نے دوسری درمیں بہت کچھ عجیب لکھا تھا
 "پائے لاگوں کے" دلراج نے اپنی بولی سے کہا جس
 کی مراد جیسی آنکھوں میں ہرن کی جیسا خوف اور مصیبت
 چھپی ہوئی تھی۔

شیلانے اس کی بات سن کر اپنے نازک دودھیا ہاتھ اٹکے
 بڑھائے اور دلاور نے جلدی سے اپنے ہیرے پر سیکھ لیے۔ شیلانے
 ہاتھ کسی کے پیروں کو چھونے کے لیے نہیں بٹھے بلکہ ان
 ہاتھوں کو صرف حکم دینا تھا، اشارے کرنا تھا اور دنیا بھر کی
 آسائشیں اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتیں۔
 "نہیں نہیں ٹھیک ہے۔" دلاور نے جلدی سے کہا بڑے
 نزدیک ہر شخص برابر ہے کسی کو کسی کے پیروں کو ہاتھ
 لگانے کا حق نہیں ہے۔"

"آپ تو خیر دوستانہ میں ہمارا دلراج، دلراج سلانے
 والی چارباٹی پر بیٹھ گیا جبکہ شیلانہ گہری نگاہوں سے دیکھتی
 ہوئی صحن کی طرف جلی گئی تھی۔ "مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب
 آپ نے میری جان بچائی تھی۔ میں اس احسان کو کبھی بھول
 نہیں سکتا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ میں تو یہ سمجھا
 ہوں کہ یہ زندگی آپ ہی کی دی ہوئی ہے۔"

"ہرانی باتوں کا ذکر مت کرو دلراج، دلاور نے کہا۔
 "کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آدمی کے لیے آنے والا وقت کیسے تلنے
 لے کر رہا ہے۔ میں نے اس وقت بہت سوچ کر تمہارے ساتھ
 بھلائی نہیں کی تھی کہ تم سے میری کاموں کا گام میرے کسی کام
 آؤ گے۔ بس ایک ترنگ تھی جو دل میں آئی۔ اب محسوس ہوا
 کہ اس وقت کی دوسری کس طرح میرے کام آسکتی ہے؟
 "آپ کے لیے تو یہی جان ہی حاصر ہے ہمارا دلراج، دلاور
 انکساری سے بولا۔ آپ حکم تو کس جیوتنا منہ اور مٹی بات
 ہے لیکن آپ مجھے بتادیں کہ آپ کے ساتھ کیا گزری ہے؟
 "میں تو بتانا ہی ہوگا۔" دلاور نے ایک گہری سانس
 لی۔ "ورنہ تم کس طرح میرے کام آؤ گے؟"

اس نے فکرتوں میں اپنے اوپر گزری ہوئی ساری کہانی
 سنائی۔ دلراج جڑی جرت سے اس کی داستان سناتا رہا

"تو بہت عجیب ہوا ہمارا دلراج، اس نے دلاور کے غائبی
 ہو جانے کے بعد کہا۔" خیر آپ بڑے لوگ ہیں، ہم آپ تک
 تو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ تو ہمیں حکم کریں۔
 اس دوران شیلانہ ایک کمرے میں بڑے سلیقے سے چائے
 کے کپ اور لیٹکے لے آئی تھی۔ اس کے آگے پیچھے چلے گئے
 تدم دلاور کے سینے میں اصل پھیل چائے گئے۔ اس نے ٹھکر کر
 اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے اندک فکر مرا نہیں بکھڑا
 تھا۔ اور ایسے نازک قدموں کی نازک سی آہٹ بھی اُسے
 بے وار کر سکتی تھی۔ اور وہ اُسے میدان کرنا نہیں چاہتا تھا۔
 شیلانہ چائے کے کمرے ان دولاؤں کے درمیان رکھ کر
 پھر واپس چلی گئی۔ دلاور کی نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا
 تھا پھر وہ نگاہیں دلاور پر لوٹ آئیں۔
 "میں نے نہیں سب کچھ بتا دیا۔" دلاور نے کہا۔ "لیکن
 یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری تنظیم میں میرا دل کون ہے اور
 دوست کون ہے ابھرے کھیت کی پہچان تم ہو گئی ہے۔
 اب اگر میں مادام اور لانی سے رابطہ قائم کرتا ہوں تو اس
 میں بھی خطرہ لگا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دولاؤں واقعی
 میرے دشمن ہوں۔ مجھے دھوکا دے رہے ہوں۔ میں ایسا ہی
 صورت میں بری طرح پھنس جاؤں گا۔"

"میں ایک بات بتاؤں ہمارا دلراج، دلراج سرگوشی میں
 بولا۔ یہ میری گھر والی جو ہے نا اس کا دماغ بہت ترنہ ہے۔
 آپ اسے گاؤں کی میدی سادی لڑکی نہ سمجھیں، یہ ایسا ایسے
 مشورے دے سکتی ہے جو دوسروں کی سوج سے بہت باہر ہوتے
 ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے بات کریں؟"

"نہیں دلراج تم میری بات نہیں سمجھ رہے۔" دلاور
 نے کہا۔ "یہ دو بڑی عورتوں کی جنگ نہیں ہے۔ یہ معاملہ
 کچھ اور ہے۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔ ان معاملات میں
 تمھاری بیوی کیا کر سکتی ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اس لیے اسے ملاز
 میں شامل ہی نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔"

"آپ کی مرضی ہمارا دلراج، دلراج کا چہرہ کچھ گھبراہٹ میں
 نے تو ابھی طرف سے بھلائی سوچتی تھی۔
 دلاور آنکھیں میں پرکھا۔ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا
 جو دلراج سمجھ رہا تھا۔ یہ ایک خطرناک تنظیم کی سربراہی کا معاملہ
 تھا۔ اس میں جان جانے لگا اندیشہ بھی لگا ہوا تھا۔ اس کے
 سامنے ایسے لوگ تھے جنہیں اس نے خود اپنے ہاتھوں سے
 بنایا تھا اور وہ اس شہر کے خطرناک ترین لوگ تھے لیکن ان
 کے بارے میں دلاور کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اُس کے دشمن ہیں

یا دوست۔ وہ اندھی چالی چلنے کا فن نہیں جانتا۔ بہت سوچ
 سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا اور اب یہ دلراج اس سے
 کہہ رہا تھا کہ وہ اس کی بیوی سے مشورہ لے۔ یہ جھجک ہے
 کہ دلراج کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ لیکن صرف خوبصورتی
 تو ہر مرض کا علاج نہیں ہوا کرتی۔ دوسری طرف وہ دلراج کو
 مایوس بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے لیے بڑے شہر میں
 ایک پناہ گاہ تھی۔ کیونکہ اس کی تنظیم کے لوگ اگر واقعی اس
 کے دشمن تھے تو پھر دلاور کی تلاش دو روز سے شروع کر دی
 گئی ہوگی۔ بہت کچھ سوچ کر اس نے شیلانے سے مشورہ لینے کا ارادہ
 کر لیا۔ اس وقت وہ خود کو احسن تصور کرنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "بلاؤ
 اپنی بیوی کو۔ میں تمھارا دل توڑنا نہیں چاہتا۔"

دلاور کی بات سن کر دلراج کا چہرہ جھک گیا تھا۔ اس نے
 دو روز سے شیلانہ کو یکساں شروع کر دیا۔ شیلانہ اس کی
 آواز سن کر رو رہی کرے میں آئی تھی۔

"بیٹھ یہاں" دلراج نے اشارہ کیا۔ "اپنے ہمارا دل
 کو تجھ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ تیری تو عقل بہت
 کام کرتی ہے نا ذرا مشورہ دے ہمارا دلراج کو۔"

شیلانے ایک گہری نگاہ دلاور پر ڈالی پھر دلراج کے
 برابر بیٹھ گئی۔ "کیا بات ہے ہمارا دلراج؟" اس نے اپنی مترنم
 آواز میں پوچھا۔ "میں تمہارے کس کام آسکتی ہوں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" دلاور مسکرا دیا۔ "لیکن تمہارے
 پتی کا کہنا ہے کہ تم بہت عقل مند عورت ہو۔"

شیلانہ کے خوبصورت ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ چھل گئی
 دلاور کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ اس کے اندر کا شریاب دھیرے
 دھیرے بیدار ہونے لگا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے معاملات میں
 یہ عورت کسی کام نہیں آسکتی تھی۔ لیکن کم از کم اس ہمارے
 اس کا قرب و تعامل ہو سکتا تھا۔

"ہاں بتاؤ ہمارا کیا بات ہے؟" شیلانے پوچھا۔ "میری
 عقل اتنی تیز تو نہیں ہے۔ پھر میری کوشش کروں گی تمھاری
 بات سمجھ سکوں۔"

دلاور نے اُسے بھی اپنی کہانی سنائی۔ شیلانہ نے بڑے
 دھیان سے اس کی باتیں سن لیں۔

"یہ تو کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوا ہمارا دلراج، شیلانہ نے دلاور
 کے خاموش ہو جانے کے بعد کہا۔ "تم نہیں چاہتے ہو کہ تمھاری
 تنظیم میں جو لوگ ہیں ان کے بارے میں پتہ چل جائے کہ
 وہ تمہارے دوست ہیں یا دشمن؟"
 "ہاں۔ میں بھی چاہتا ہوں" دلاور نے جواب دیا۔

لیکن تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے اس بات کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

”کیونکہ ہمارا راج اصل بات ہے کہ مختار ذہن ابھی اُلجھا ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں کوئی راستہ نہ تھا۔ یہیں دے رہا ہے۔ حالانکہ تم خود بھی اپنے لیے بہتر راہ نکال سکتے ہو۔ تم نے بہت دلوں تک کھڑائی کی ہے ہمارا راج تم سے ایک ڈنڈا بچھ رہی ہے، تم جانتے ہو کہ ایسے حالات کو کس طرح قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ تم دو چار روزہ یہاں آرام کرو۔ اور سکون سے رہو۔ پھر ہمیں راستہ بھی دکھائی دینے لگیں گے۔ آؤ کی کا ذہن اُلجھا ہوا ہو تو سانس کی پتھر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ میں نے ایک بات بتا دی ہے ہمارا راج۔ اب یہ بھڑائی مرضی ہے کہ تم میری بات پر عمل کرتے ہو یا نہیں۔“

دلدار حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بیٹلانے بہت ہی معقول منظرہ دیا تھا۔ اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ کوئی بیرونی سادھی گھڑی عورت اس قسم کی باتیں بھی کر سکتی ہے۔

”تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے، دلدارو! دے دے گا۔ تم واقعی ایک ذہین عورت ہو۔ میں دو چار دن یہاں رہ سکتا ہوں اگر تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔“

”کیسی تکلیف ہمارا راج۔ دلراج جلدی سے بولا۔ ”یہ تو ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔ اور آپ بائبل بے فکر رہیں۔ یہاں کسی کو بھی آپ کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکے گا۔“

”میں آپ کو گونے کے لیے کچھ کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔“

بیٹلا کھڑی ہو گئی۔

دلدار اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی چال میں بھی بڑی نزاکت اور لطافت تھی۔ اُسے دیکھ کر محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ دلراج جیسے کسی شخص کی بیوی ہو سکتی ہے۔

دلدار نے دلراج سے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت صحن کی طرف سے بیٹلا کی چیخ سنائی دی۔ وہ چیخ ایسی تھی کہ دلدار ایک جھپٹے سے کھڑا ہو گیا۔

کے درمیان میں ایک رنگ بنا ہوا تھا۔ ایسا رنگ کوئی نہیں یا اس رنگ وغیرہ کے لیے مخصوص ہوا کرتا ہے۔ اس رنگ

کے درمیان ایک قوی سیل آؤی اپنے سینے پر وہ دلوں ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے ایک ٹیڈ ہین رکھا تھا اس کا پہاڑ جیسا جسم اور فرخ سبز زمیں سمندر کی طرح اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ اس رنگ سے بچنے دو اور آؤی کھڑے تھے وہ دلوں بھی پہلوان ہی معلوم ہو رہے تھے۔

دلدار ہال میں داخل ہوئے کے بعد خاموش کھڑا ہوا ان لوگوں کی طرف دیکھتا رہا۔ بیٹلا اُسے روپائی سے ملنے کے لیے لاپتہ تھا۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ مختلف معلوم ہو رہا تھا۔ رنگ کے بچے کھڑے ہوئے آؤیوں میں سے ایک دلدار کو دیکھ کر گزرتی سے اس کے پاس آ گیا۔

”اگر تم دلدار ہو تو روپائی دیوئی سے ملنے سے پہلے ہمیں زینکو سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔“ اس نے رنگ کے آؤیہ کھڑے ہوئے قوی سیل آؤی کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں۔ میں دلدار ہوں۔“ دلدار نے اپنے ہونٹ پیچھے لیے۔ ”لیکن میں کسی بھی شخص سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ اگر مختاری روپائی دیوئی اپنی ہی پڑا سارے تو اس سے کہو کہ وہ اپنے آپ کو چھپا کر کہے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔“

”یہ تو نہیں ہو سکتا دوست۔“ وہ آؤی زہلے میں بولا۔ ”جب تم یہاں تک آئی گئے ہو تو ہمیں روپائی دیوئی سے ملنا ہی پڑے گا۔ اور ان سے ملنے سے پہلے ہمیں اس پہاڑ سے نکلنا ہی ہوگا۔“

”یہ اچھی زبردستی ہے۔“ دلدار جھلکا۔ ”تم لوگ مجھے لڑائی پھڑائی پر مجبور نہیں کر سکتے۔ میں اپنے آپ کو خواہ مخواہ تھکانے کا عادی نہیں ہوں۔“

”یہ خواہ مخواہ نہیں بلکہ مختار سے فائدے کے لیے ہے۔“

اس پر بچھنے کے ارادے سے آگے بڑھا اور دوسری سانپ کی طرح بل کھا کر پلٹ پڑا۔

اس نے اس آؤی کی دلوں میں تھپتھپائی اپنی گرفت میں کر لیں۔ دونوں میں زبردستی زماں ہوئے تھے۔ وہ آؤی بھی کم نہیں تھا۔ اس نے ایک جھپٹے سے دلدار کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔ دلدار جو تک کھا کر کے کی طرف بھاگا اور اس آؤی نے دلدار کے پیٹ میں ایک ٹھوکر سید کر دی۔ دلدار کے دلوں جھٹکے مڑ گئے۔ اور وہ فرخ پڑھیر ہو گیا۔ اس کے گرتے، اس کی آؤی نے اس پر بھجولا لگا دی۔ وہ اپنے پہاڑ جیسے جسم کو بھجے دلدار کو کچل دینا چاہتا تھا۔ لیکن دلدار نے اُسے خود بے جا عادی ہونے کا موقع نہیں دیا اس نے تین وقت پرکرت بدل لی تھی۔

اس آؤی کے دلوں پر زرخش پر گئے اور دلدار اس نے فرخ سے کھڑا ہو کر اس آؤی پر چھبٹ پڑا۔ اس نے اس کی کمر پر ایک ٹھوکر سید کی اور اُسے ہال ایک طرف پھلا پھاڑا۔ اس نے دوسری جھٹ لگائی اور دوسری ٹھوکر سید کر دی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پیروں میں اپہ رنگ گئے ہوئے ہوں۔ وہ آؤی ڈرنا لگا تھا۔ دلدار نے تیسری جھٹ لگائی اور اس کے راستے میں وہ دوڑا آؤی حائل ہو گیا جو رنگ کے بچے پہلے والے کے ساتھ کھڑا ہوا تھا جبکہ پہلے والا اتنی دیر میں دلدار کی ٹھوکروں سے تھک چکا تھا۔

دوسرا شخص باپ کی آواز سن لکنا ہوا اور دلدار کی طرف بچھا۔ اور دلدار نے اپنی جیب سے پستول نکال کر گولی چلا دی۔ اس نے پستول نکالنے اور گولی چلانے کا فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن یہ گولی اُس نے اس آؤی کے پیروں کا نشانہ نہ کر چلائی تھی۔ وہ گولی اُس آؤی کے ایک پیروں گوشت کو ادھیر ماری ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ وہ آؤی پیچھ کر فرخ پڑھیر پڑا۔ اس کے گوتے ہی دلدار نے پستول کا رخ رنگ میں کھڑے ہوئے آؤی کی طرف کر دیا اس قوی سیل پہلوان نے پستول کو اپنی طرف دیکھ کر جلدی سے اپنے ”ڈون“ ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ اب اس ہال میں خاموشی چھا گئی۔

زخمی ہونے والوں میں وہ بے ہوش ہو چکا تھا جسے دلدار نے ٹھوکر دیا سید کی جیب سے جھپٹ کر گولی سے زخمی ہونے والے نے بڑی معقولی سے اپنے ہونٹ پیچھے لیے تھے اور رنگ میں کھڑا ہوا تیسرا پہلوان اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا تھا اور نے محو میں اس ہال کی صورت حال تبدیل کی تھی۔

43

”کہاں ہے وہ روپائی۔“ دلدار دھڑک دھڑک دیکھتے ہوئے دباؤ تھا۔ اس نے کہا کھیل چکا ہے۔ اگر وہ دس تک کی گنتی میں باہر نہیں آئی تو میں اس ہال کے ہر شخص کو گولی مار دوں گا۔“

لیکن دلدار کو دس تک گنتی کی فرت نہیں آ سکی اس سے پہلے ہی ہال کا ایک دروازہ کھلا اور ایک شاہکار اندھ آگیا۔ وہ ایک عورت تھی۔ اور وہ بھی ایسی کہ اُسے دیکھ کر لیکن بھپکنی بھول جائے۔ سانسیں اٹھل پھیل ہوئے لیکن اس کا قد زیادہ نہیں تھا لیکن نگاہوں میں کشمکش کر رہا تھا۔ اس کے انداز اس کی چال اس کا جسم گور باسی معوڑے مس تصویر کو بنانے میں اپنی پوری صلاحیت صرف کر دی ہو۔ اس نے بے گلابی رنگ کی ایک عبا پہن رکھی تھی۔ جس پر بر نیز نکلیاں تمام ہو گئی تھیں۔ یہ لوگ اُسے دیوئی کہا کرتے تھے تو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ وہ کسی دیوئی ہی کی طرح باوقار اور حسین تھی۔

دلدار نے غریب ہونا نہیں سیکھا تھا۔ اس پر کسی کی طاقت یا کسی کے حق کا جادو نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ بھی بہت ہو گیا تھا۔ اس کے پستول والا ہاتھ اس کے پہلو میں جھپک گیا۔

”تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے نا، اُس عورت نے اپنی زبان کھولی اور اس کمرے میں اس کی دلکش آواز گھنٹیاں بجانے لگی۔“ میں آگئی ہوں رو دیکھ لو۔“

”یہ سب کیا ہے؟“ دلدار عورت خنجر کرتا ہوا بولا۔ ”تم یہ سب کیا کر رہی ہو؟ تم کیوں اپنے آؤیوں کو میرے ہاتھوں ہلاک کرنا چاہتی ہو؟“

”مجھے افسوس نہیں ہوا۔“ روپائی نے کہا۔ ”دان کی حالت دیکھ کر اور نہ ہی تمہارا انتخاب کر کے۔“ آؤی کہہ کر وہ رنگ میں کھڑے ہوئے آؤی کی طرف مخاطب ہوئی وہ زینکو جاؤ ان دونوں کو یہاں سے اٹھالے جاؤ۔ ان کی مراد میری کر داؤنا ہے۔

زینکو اس کے حکم کی تعمیل میں رنگ سے پیچھے آ گیا۔ جبکہ دلدار پھر اس عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم صرف بہت اچھی طرح لڑنا جانتے ہو بلکہ تم تو آؤی کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کرنے میں بھی قادر ہو۔ تم نے جس انداز سے پہلے والے آؤی کو بیہوش کر کے دوسرے کو گولی مار کر تیسرے کو گولی ماری۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تم ایک شاطر انسان ہو اور اٹلا کے مطابق عمل کیا کرتے ہو۔“

44

”خا ہرے میں تھا رسے پاس اپنا وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔“ داور نے خشک ہلے میں کہا ”میرے پاس اور بھی چھڑے ہیں۔“

”یہ میں جانتی ہوں اس لیے پورے شہر سے تھارا انتخاب کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شیوانے تجھیں بتا دیا ہوگا کہ ہم نے کس طرح تھاری تلاش کی تھی۔“

”ہاں۔ اس نے بتا دیا تھا لیکن میری تلاش کا مقصد اب تک میری کچھ میں نہیں آسکا ہے۔ اس کے علاوہ تجھیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ میں اپنے غیبت میں واپس آنے والا ہوں ہو سکتا ہے کہ میں کہیں اور نکل جاتا۔ پھر تم کس طرح مجھے تلاش کروا سکتی تھیں۔“

”ہماری معلومات کے ذرائع اتنے ناقص نہیں ہوتے کہ ہم یوں ہی ہواؤں میں تیر جلتے رہیں یہیں معلوم تھا کہ تم اپنے دوست کے غیبت میں پہنچنے والے ہو اس لیے شیوانا کو تھاری طرف بھیجا گیا تھا ہر حال ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل اہمیت تو اس بات کی ہے کہ تجھیں غیبت کیا گیا ہے۔ اس ہال میں ان لوگوں کو رکھا ہی اس لیے گیا تھا کہ ان کے درمیان سے گزر کر کچھ تنگ پہنچے گا راستہ کھول سکے۔ اور یہ خوشی کی بات ہے کہ تم نے راستہ نکال لیا۔ تم نے اپنی ذہانت سے ثابت کر دیا ہے کہ تم میرے کام آسکتے ہو۔ اس کی آواز میں بے پناہ ٹھہراؤ اور وفار تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بہت سوچ سمجھ کر بولنے کی عادی ہو اور جو کچھ بول رہی ہو اس پر وہ پورا پورا بھروسہ بھی کرتی ہو۔ اُسے یقین ہوگا کہ اس کی باتیں روایتیں کی جائیں گی۔ اُسے اپنے آپ پر بہت اعتماد معلوم ہوتا تھا۔ داور نے لمبی غور سے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس دوران رنگ میں کھڑا ہوا وہ شخص جسے زمینک کہہ کر خطاب کیا گیا تھا۔ زمین پر پڑے ہوئے دوڑوں آدمیوں کو اس ہال سے اٹھا کر لے گیا تھا۔

”اچھا بتاؤ کہ تم مجھے سے جانتی کیا ہو؟“ داور نے پوچھا۔

”مجھ جیسے آدمی سے تجھیں کیا کام پڑتا ہے؟“

”تجھیں ایک فلم کی شوٹنگ میں حصہ لینا ہے۔“ داور نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”تم کیا کہنا چاہتی ہو اب میں اس فلم کی شوٹنگ میں حصہ لوں گا۔“

”ہاں۔“ داور نے مسکرا دی۔ یہ ایک خاص قسم کی فلم ہوگی۔ اس میں تھارا کردار مرکزی ہوگا۔“

”لیکن میں اس قسم کی جھنجھوٹوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔“ داور نے کہا۔ ”میرے پاس اس قسم کے فالو کا مومن کے لیے

وقت نہیں ہے۔“

”ایسا نہ کہو۔ تجھیں تھارے وقت کا پورا معاوضہ دیا جائے گا۔ دس لاکھ روپوں کے باسکٹ میں تھارا کیا خیال ہے؟“

”میری کچھ میں نہیں آتا کہ آخر تجھیں میں ہی کیوں نظر آ رہا ہوں۔“

”تجھیں ایک سے ایک ایسا اداکار مل سکتا ہے۔ اس شہر میں فلم کی شوٹنگ کے لیے دس لاکھ پینے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔“

”میں یہ بھی جانتی ہوں لیکن مجھے تھارے علاوہ اور کوئی نہیں مل سکتا۔ میں نے تھارا انتخاب یوں ہی نہیں کیا ہے۔“

”آخر وہ کس قسم کی فلم ہوگی؟“ داور نے پوچھا۔

”وہ ایک پوجروں کی فلم ہوگی۔“ داور نے کہا۔ ”تجھیں ایک مندر میں داخل ہونا ہوگا جہاں کالی دیوی کا ایک بت رکھا ہوا ہے۔ اس کی دوڑوں آنکھوں میں میرے جیسے جیسے ہوتے ہیں۔“

”تجھیں اس مندر میں داخل ہو کر وہ جیسے حاصل کرنا ہوں گے۔ پس یہ ہے تھارا کام؟“

”مادام اور لانی دوڑوں ایک کمرے میں تھے۔ لانی بڑی بے تانی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا جبکہ مادام ایک ہونے پر کسی سوچ میں ڈوبی بیٹھی تھی۔ ان دوڑوں کے درمیان کوئی خاص بات نہیں ہو رہی تھی۔ پس وہ دوڑوں کبھی بھی ایک دوسرے کو ذرا دیدہ نگاہوں سے دیکھتے پھر اپنا سر جھکالیتے۔ کچھ دیر بعد دواڑے پر ہلکی سی دنگ ہوئی۔ اس دنگ نے ان دوڑوں کو چونکا کر دیا۔

”آؤ۔ اندر آ جاؤ۔“ لانی نے تھلے تھلے دنگ کر آواز دی تھی۔

دواڑہ کھلا اور ماتھر اندر گیا۔

”کیا ہوا؟“ مادام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ پتہ نہیں چل سکا مادام۔“ ماتھر نے جواب دیا۔

”داور نے جلسے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے لوگوں کا بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا جو اس دن نہیں شیک لگائے آئے تھے۔“

”تم سب کے سب احمق ہو گے لانی پھر اٹھا۔“ جلدیوگ وہ دو آدمی کتنی آسانی سے تم سمجھوں کر بے وقوف بنا کر رہیں گے۔ وہ لوگ دواڑہ کو نکالنے کے لیے آئے تھے ادا چاکا کر کے واپس چلے گئے۔ اور تجھیں ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ دوڑوں نے کون؟“

”ہم نے تو بہت کوشش کی جناب۔ لیکن ان کا کوئی

سرنخ نہیں مل سکا۔ نہ جانے وہ کون تھے؟“

”وہ کوئی بھی ہوں۔ یہ بات ہے کہ تم ان کی ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ سومالی نے کہا۔ ”دوسری طرف تو گرا بھی نہیں دھوکہ دے کر دواڑہ کو یہاں سے نکالنے کے لیے؟“

”یہ زنجواری کی تبدیلی اپنی کچھ میں نہیں آسکتی۔ لانی بڑبڑاتا وہ تو میرا بہت احترام کرتا تھا۔“

”شاید اس احترام کی وجہ سے اس نے تجھیں ہلاکت نہیں کہا۔“ سومالی اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”وہ دوسرے تصرف بے ہوش ہونے سے جبکہ تم مچکے جھنکے۔“

”میں ابیساؤ نہیں کہ دواڑے سے اسے مجبور کر دیا ہو۔“

”ماتھر نے رائے دی۔“ آخر ہم دواڑہ کو یہاں سے نظر انداز کر رہے ہیں۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے زنجواری پر قتل کا حاصل کر لیا ہو۔ زنجواری اس کے سامنے بے بس ہو گیا ہو۔“

”جہنیں۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ لانی جلدی سے بولا۔ ”میں دواڑہ کو زنجواری کے کمرے میں دیکھ چکا ہوں وہ دوڑوں دوستوں کی طرح ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔“

”کچھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ سومالی جھٹکا کھڑی ہو گئی۔ ”اگر یہی حال رہا تو یہ تنظیم کچھ کی کھیل بن کر رہ جائے گی۔ کمال ہو گیا۔ اتنی بڑی تنظیم کے اتنے دباؤ و خطرناک آدمیوں کو صرف وہ آدمی بے ہوش کر کے چلے گئے۔ اس تنظیم سے اور تم لوگوں سے اب کیا توقع کھ جا سکتی ہے۔“

”ابھی بات نہیں ہے مادام۔“ ماتھر نے کہا۔ ”آپ اس سے پہلے بھی ہم لوگوں کو آزما چکی ہیں۔ ہم نے ہر میدان میں فتح حاصل کی ہے۔ ہم آگ اور خون کے سیلاب سے گزر رہے ہیں۔ ہم نے ہر میدان میں خود کو ثابت قدم ثابت کیا ہے۔ لیکن صرف یہاں چوک ہو گئی۔“

”ہو ذہانت کا میدان تھا ماتھر۔“ لانی نے کہا۔ ”اور اس میدان میں فتح حاصل کرنا ہر ایک کے بس کا بیڑا نہیں ہے۔ میں ان دوڑوں آدمیوں کی ذہانت اور دیوری کا قائل ہو گیا ہوں۔“

”خیر رائے نہ ہے کہ ہم کہا کریں۔“ سومالی تلخ ہو کر بولی۔

”کیا اب ہم ماتھر پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے دواڑہ ان ذہین آدمیوں کی مدد سے ہمارے خلاف کیا کارروائی کرنا ہے۔ ہم دیکھنے کا انتظار کرتے رہیں۔ یا میں کچھ اور بھی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ وہ احمق منجر کہاں ہے جس کی وجہ سے تم سب بے ہوش کر دیے گئے۔“

”اُسے منسلک کر دیا گیا ہے مادام۔“ ماتھر نے بتایا۔ ”لیکن اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے تو اپنے اہل بیتان کے لیے بہتہ ڈیا رنٹ بھی فون کیا تھا۔ اور وہاں سے تصدیق ہو جانے کے بعد ہی اس نے ان دونوں کو بیک لگانے کی اجازت دی تھی۔“

”تم لوگوں نے بہتہ ڈیا رنٹ جا کر پتہ نہیں لگا یا؟“ لانی نے پوچھا۔

”ہم نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا ہے۔ وہ فون غیر ملکی نمبر کے ایک آفسر کا ہے۔ لیکن اس دن وہ آفسر جو بھی پریشان ہو گا وہ فز وادوں کے بیان کے مطابق اس آفسر کا کہہ سکتا ہوگا۔ اور اس وقت کوئی بھی فون کے پاس آکر پیچھا سکتا تھا۔ ہم نے ہر طرح سے تصدیق کر لی ہے۔“

”بہت مشکل ہے۔“ سومالی بڑبڑاتا۔ ”وہ لوگ بہت ہی چالاک ہیں۔ انھوں نے اپنے منصوبے میں کوئی کمزوری نہیں رہنے دی ہوگی۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ تنظیم کے بڑوں کی ایک ینٹنگ بلالی جلسے اور اس میں بھارتی مال رکھی جائے۔“

”تھارا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ لانی نے کہا۔ ”کیا تم انھیں یہ بتاؤ گی کہ زور سے دواڑہ کو تم لوگوں نے تمہارے میں بند کر رکھا تھا؟ اور کچھ لوگ اسے نکال کر گئے۔ جبکہ یہ بات اہم میں سے کچھ لوگوں کو معلوم ہے۔ جبکہ دوسروں کے خیال میں وہ اپنی مرضی سے گھر لائیں ہو گیا ہے۔ صرف مائیک کے ذریعے ہم لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔“

”اوہ۔ یہ تو میں بول ہی گئی تھی۔“ سومالی نے ایک گہری سانس لی۔ ”کہا کروں۔ ذہن آ لیں کہ وہ کہا ہے۔“

”میری اپنی رائے ہے کہ بڑوں کی ینٹنگ بلالی جائے۔ لانی نے تجویز پیش کی۔ ”لیکن ان کے سامنے یہ نہ کہا جائے کہ کچھ لوگ پورے دواڑہ کو ہماری قید سے نکال کر لے گئے ہیں۔ بلکہ یہ تاثر دیا جائے کہ دواڑہ کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ اس طرح دواڑہ کی غیر حاضری کا بھرم رہ جائے گا۔ دوسری طرف ماتھر اپنے ساتھیوں کو لے کر دواڑہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ دواڑہ کے ملنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان دوڑوں ذہین آدمیوں کا بھی پتہ چل جائے گا۔“

”لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟“ سومالی نے پوچھا۔

”فرض کرو اگر دواڑہ مل بھی جاتا ہے تو وہ تنظیم کے بڑوں کو بتا سکتا ہے کہ ہم لوگوں نے کس طرح اسے بند کر رکھا تھا۔“

”نہیں۔ وہ نہیں بتائے گا۔“ لانی مسکرایا۔ ”اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کا پتہ چلتے ہی اُسے گولی مار دی جائے

گی۔ اس طرح ہم ہمیشہ کے لیے اس سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اور اس کے نکل کا انعام بڑی آسانی کے ساتھ ان لوگوں پر لگا یا جاسکتا ہے جو اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

”ہوں۔“ سومالی نے بچہ سوچتے ہوئے بستی گردن ہلائی۔ ”میں منصوبہ بہت اچھا ہے۔ لیٹر ٹیکس اس کی بہت بیل جائے اور دوسری طرف داک کا بھی دھڑکا لگا جاتا ہے۔ وہ ہمدردی تنظیم کے لیے شاید لاؤس کے بھی زیادہ خطرناک شہادت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے بہت سے رازوں سے واقف ہے۔ وہ دار و درمل کر ہمارے خلاف طوفان کھڑا کر سکتے ہیں۔“

لائی پھر کمرے میں بیٹھنے لگا۔ جبکہ مقررہ بھی ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی تنگ آئے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ چھوڑ کر کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج آئی تھی۔ اس آواز نے اس کمرے میں چھا جانے والی لڑ بھکی خاموشی کو بھی زبردست کر دیا تھا۔ لائی نے جلدی سے آگے بڑھ کر بیہوش کر دیا۔ وہ کچھ دیر تک فون پر دوسری طرف سے ہونے والی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے زبردستی دیکھ کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب غریب مسکراہٹ رنگ آئی تھی۔ ”سومالی“ اس نے سومالی کی طرف دیکھا۔ ”تھا اور ایک خدشہ تو وہ زبردستی کر رہا تھا اور اس کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف کچھ کر سکتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ سومالی چونک پڑی۔ ”میں نہیں سمجھتی۔“ ”زنگو واپس آ گیا ہے۔“ لائی نے بتایا۔ ”اور وہ اس وقت ہی کمرے کی طرف آ رہا ہے۔“

روپالی دار و گواہ اس ہال سے دوسرے کمرے میں لے آئی تھی۔ یہ کمرہ بھی بہت خوبصورتی سے بچا ہوا تھا۔ یہاں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کو بھی اس کیلکٹوں کے لیے دولت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ ان لوگوں نے دنیا بھر کی آسائشیں شاید اکی کوئی تھی۔ کئی کئی تھیں۔ دار و گواہ کی زندگی یاد کرنے لگی جب وہ اس کی ماں اور اس کا بھائی فٹ باکس پر زندگی گزارا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے پاس سردیوں کی شدت سے بچنے کے لیے لباس بھی نہیں تھے۔ ایک کپڑا جو ان تینوں کے لیے ناکافی تھا۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی اپنے آپ کو چھپا سکتا تھا۔ ماں ان دونوں کو سردی سے بچانے کے لیے اپنے جتنے کا کپڑا بھی ان کے گرد پھینکتی تھی۔ اور جب بھی رات کو سردی کی شدت سے دار و گواہ کو کھل جاتی اور ان تھکھرتے ہوئے دیکھنا تو اپنا کپڑا اُسے اوڑھا دیتا۔ زندگی ایسی بے خبری اور افسوس میں گزر رہی تھی۔

اور یہاں اس کے سامنے دولت کی ایسی فراوانی تھی کہ جیسے دریا بہہ رہا ہے۔ روپالی کے جسم پر جو عجیبی سی مہنگی معلوم ہو رہی تھی کہ اس کی قیمت کے عوض نہ جانے کتنے غریبوں کا لباس بن سکتا تھا۔ اس کے زیورات بدلنے کتنے لوگوں کو سر چھپانے کے لیے جگہ فراہم کر سکتے تھے اور کو اس وقت اس لڑکی کی بھائی یا اس کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ صرف دس لاکھ کے لیے اس بڑا سراسر لڑکی کی بات سننے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔ دس لاکھ بہت بڑی رقم تھی۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔

”ہاں۔ اب بتاؤ۔ مجھے اس فلم میں کیا کرنا ہوگا؟“ دار و گواہ نے ایک مومنہ پر پڑھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی نگاہیں روپالی پر جمی ہوئی تھیں جو بڑی بے چینی سے ہنسی رہی تھی۔ ”یہ کوئی فلم نہیں ہوگی۔“ روپالی نے کچھ سوچ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ ”بلکہ یہ ایک طرح کی ریسرچ ہوگی۔“ ”تھاری باتوں نے مجھے اچھا دیا ہے۔“ دار و گواہ نے کہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتی ہو۔“ ”مقررہ جی میں تمہیں سب کچھ بتا دیتی ہوں۔“ روپالی اس کے سامنے دو ایسے ایک مومنہ پر پڑھتی تھی۔ جس کے ہاتھ پر ایک گھنٹی لگی ہوئی تھی۔ اس نے اس گھنٹی پر لکھی ہوئی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ خاموشی سے روپالی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

”کچھ پینا پسند کر دے؟“ روپالی نے دار و گواہ کی طرف دیکھا۔ ”کیوں نہیں؟“ دار و گواہ مسکرا دیا۔ ”بہت دیر سے طلب محسوس ہو رہی ہے۔“

روپالی نے اس آدمی سے کچھ کہا اور وہ جیسے ہوب انداز میں اُسے پاؤں دیکھتا ہوا اس کمرے سے باہر چلا گیا۔ ”میں نیپال کی رہنے والی ہوں۔“ روپالی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دار و گواہ چونک پڑا۔ وہ سومالی بھی نیپال کی تھی۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے اچھے سے جلتے تھے اس نے سوچا کہ وہ روپالی سے سومالی کا تذکرہ کر دے پھر خاموش ہو گیا۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق بھی تھا تو وہ سامنے آ جاتا۔ دار و گواہ کی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

دار و گواہ نے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارا قبیلہ کھنڈو سے ہو گیا ہے۔ کے خالص بریک دادی میں واقع ہے۔ اس وادی کے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ تم نے کوئی نہ لکھتے میں آتی خوبصورت جگہ بہت کم دیکھی ہوگی۔ میں اس قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں۔ ہمارے یہاں سردار کی بیٹی بیٹی کو ولوی کی حیثیت دی جاتی ہے۔ مجھے بھی اس لحاظ سے دیوی کہا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بیٹی کے وسط میں ایک مندر ہے جس میں کالی ولوی کا ایک بہت بڑا بت رکھا ہوا ہے۔ یہ کالی ولوی ہندوستان کی کالی ولوی سے بہت مختلف ہے۔ ہندوستان کی کالی ولوی کا تصور یہ ہے کہ اس کے چہرہ ہاتھ اور چار پاؤں ہیں اور وہ اپنی گردن میں کھنڈیوں کی مالا پہنتی رہتی ہے۔ لیکن ہماری کالی ولوی کے بت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ایک سیدھا سا دھابلا بند قامت بت ہے جس کی آنکھوں میں دو عدد میرے سگے ہونے ہیں۔ یہ میرے بہت قیمتی ہیں۔ اتنے قیمتی کہ تم ان کی قیمت کا تصور نہیں کر سکتے۔ روایت یہ ہے کہ میرے جس سردار کے عہد میں ولوی کی آنکھوں سے غائب ہو جائیں گے وہ سردار یا تو تباہ ہو جائے گا یا قبیلے کے لوگ اُسے خود تباہ کر دیں گے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم وہ میرے چکر اکرے آؤ۔“

”کیا مطلب؟“ دار و گواہ چونک پڑا۔ ”تم ان ہیروں کو چرانے کے لیے کہہ رہی ہو جو تمہارے قبیلے کے لیے بہت اہم ہیں۔“

”قبیلے کے لیے نہیں بلکہ سردار کے لیے۔“ روپالی نے اس کی نفی کی۔ ”موجودہ سردار غائب ہے۔ وہ میرے باپ کو ہلاک کر کے خود سردار بن گیا ہے۔ جب تک میرا باپ قبیلے کا سردار تھا اس وقت تک ہم جدید تہذیب اور تمدن سے آشنا ہونے کا باوجود اپنی قدیم روایات کے ساتھ ایک اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ہم قدیم روایات کی پاسداری بھی کیا کرتے۔ لیکن اس سردار نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہماری روایات کی دوجہان بھیر دی ہیں۔ اس نے غیر ملکیوں کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔ یہ غیر ملکی یورپی باشندے ہیں۔ لاپچی خود غرض اور بے رحم۔ موجودہ سردار نے اپنی زمین کی عزت ان کے ہاتھوں میں فروخت کر دی ہے۔ انتہاء ہوئی کہ اس نے ولوی کے مندر کی بھائی بھی ان غیر ملکیوں کے سپرد کر دی ہے اور وہی

لوگ آج کل اس مندر کے بیٹیکہ دار بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مندر کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔“ ”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ان غیر ملکیوں کو تمہارے سردار سے یا تمہارے سردار کو ان لوگوں سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔“ دار و گواہ نے پوچھا۔

”بات یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں لوہہ نہیں پایا جاتا ہے۔ روپالی نے بتایا۔ ایک طرح سے تم اسے ایک خود مختار علاقہ بھی کہہ سکتے ہو۔ وہاں پانی جلنے والی معدنیات کا کھجور سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ لوہی لوہیم کی لائبریر میں وہاں آئے اور انہوں نے ایک غائب شخص کو مدد سے کر رننگاری کا حکمران بنا دیا۔ اس غائب نے اس کے بدلے انہیں بہت سی مراعات دے رکھی ہیں جن میں مندر کی نگہبانی کے علاوہ لوہیم کی کھدائی بھی شامل ہے۔ جبکہ ان لوگوں نے سردار کو دولت دی ہے۔ لڑکیاں دی ہیں۔ سردار کی یہ دولت غیر ملکی بیگنوں میں محفوظ ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس نے دولت کی خاطر اپنی زمین کا سودا کر دیا ہے۔“

”ہوں۔“ دار و گواہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”تمہاری داستان بہت دلچسپ ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“

”ہاں۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ کسی طرح ان ہیروں کو چکر لایا جائے۔ روایت کے مطابق سردار برف آفت جلائے گی۔ اگر کوئی آفت نہ بھی آئی تو بھی قبیلے والے اُسے نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح سردار ہمارے راستے سے بہت جاسے گا۔“

”تمہارا منصوبہ بہت اچھا ہے۔“ دار و گواہ نے کہا۔ ”لیکن اس منصوبے سے علم کی خوشنک کا کیا تعلق ہوگا؟ کیا تم مجھے کسی فلم کہنی کے ہمراہ وہاں بھیجنا چاہتی ہو۔“

روپالی نے جواب دینا چاہا لیکن اسی وقت دروازہ پر مدد تنگ ہوئی اور ایک درودی پوش ایک کمرے سے بیٹھ کر اسے میں آگیا۔ اس سے پہلے اعلیٰ شراب کی بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ روپالی کے اشارے پر اس نے وہ تیرے دار و گواہ کے سامنے رکھ دی اور خود اُسے قدیموں واپس چلا گیا۔ دار و گواہ نے اپنے لیے ایک گلاس میں بخوری سی شراب اُٹھائی لی تھی۔

”نہیں۔ تمہیں کسی فلم کہنی کے ساتھ وہاں نہیں بھیجنا ہے۔“ روپالی نے مسکراتے ہوئے بولی۔ ”بلکہ تمہاری خاطر رننگاری کو یہاں آٹھا کرے آنا ہے۔“ ”میں نہیں سمجھا۔“ دار و گواہ نے حیران ہو کر کہا۔ ”کیا کہنا

کا دروازہ کھل جائے جو پہلووں سے بھرا ہوا ہو۔ ایسا دلش احساس دلاور کو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسے وہ کہ دراج کی قسمت پر شکر آئے لگا جوا بھی تک اس آدمی سے لہجہ ہوا تھا۔ صحن کی طرف سے دونوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

”تم نے بتا نہیں یہ کیا سلسلہ ہے۔“ دلاور نے ایک گہری سانس لیتے بولھا۔

”یہ سب قرض کے معاملات ہیں، شبیلہ نے جواب دیا۔“ دراج نے ایسے بہت سے لوگوں سے قرض لے رکھے ہیں جو آئے دن اسے تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اس آدمی کا بھی قرض ہے جب یہ بھی آتا تھا۔ دراج میرے ذریعے یہاں نہ کر دیا تھا کہ لو دینا تھا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ لیکن آج یہ آدمی اس طرح چلا کہ اب کوئی کہاں تک برداشت کر سکتا ہے؟

”اوہ یہ بات ہے۔“ دلاور نے اپنے ہونٹ بیڑے لے کر تکی قرض ہو گا اس کا۔

”سب ملکہ دراج پر بندہ نہیں ہزار کا قرض ہے ہمارا“ شبیلہ نے کہا ”میری نویندس حرام ہوئی ہیں۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی جلا آتا ہے۔“

دلاور سوچ میں مبتلا ہو گیا۔ چندہ بیس ہزار روپے کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بہت معمولی رقم تھی یہ اس کے ایک دن کا خرچ ہو کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ ان لوگوں کی مشکلات کر سکتا تھا جو اس کی جیب خالی ہو رہی تھی۔ اس کے پاس بہت دولت تھی۔ لیکن اس نے وہ دولت ادھر ادھر چھپا رکھی تھی۔ اور وہ فی الحال اسے ظاہر کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن دوسری طرف دراج جیسے آدمی کی ہر لوثانی بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس آدمی نے اس کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول دیئے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس گھر میں شبیلہ کی جو رہ رہ کر — اپنی دلش کی ذریعے اس کے سونے ہوئے لٹوڑے چندوں کو پیدا کرنے پر تھی ہوئی تھی جیسے دیکھ کر دلاور کو احساس ہوا تھا کہ دلش کیسے کہتے ہیں۔

جیسے مندر میں سے دو چاقو قترے نکال لئے جائیں۔ کوئی کی نہیں آئے گی۔ اور تمہارا کام بھی ہو جائے گا۔ لیکن اس کے لئے دو چاقو دونوں کی ہمت چاہیے۔ میرے پیسے میرے پاس نہیں ہیں۔ میں نے مختص مقامات پر انہیں بکھر رکھا ہے۔ اور اب انہیں مٹینا چاہتا ہوں۔ صرف تمہارے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے بھی۔ مجھے اپنی ساکھ حاصل کرنے کے لئے ان روپوں کی ضرورت ہوئی۔

”جیسی آپ کی مرضی؟“ شبیلہ سمجھتے ہوئے انداز میں بولی۔ پھر دراج کوتاہی کے لئے صحن کی طرف جلی کی جہاں دراج لگی تھی اس آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔

دراج اور شبیلہ کچھ دیر بعد واپس آئے۔ جبکہ وہ آدمی اسی کمرے سے ہوتا جا رہا تھا کہ دراج نے اس سے باہر جاتے ہوئے دلاور پر لڑائی لگا ڈالی جس نے دلاور کو کھولا کر دیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس آدمی سے بھڑ جائے۔ وقت نے اسے ڈوٹھا توڑ لیا تھا۔ لیکن اس کی ہمدردی اور اس کا تجربہ اس کے پاس ہی رہنے دیا تھا۔ اس کے باہر چلے جانے کے بعد وہ دونوں مہال ہوئی دلاور کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں اس کے بہت ہی شکر گزار دکھائی دے رہے تھے۔

”آپ نے میرا لوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ ہمارا دراج“ دراج نے اس کے قہقہے کو بابتھڑکا لے ہوئے کہا۔ ”آپ ہمارے لئے دینا سمان بن کر آئے ہیں۔“

”ایسی باتیں مت کرو۔“ دلاور مسکرا دیا۔ ”اگر تم میرے کا آئے ہو۔ تو میرا فرض ہے کہ تمہاری ہر لوثانیوں کو درکاروں پر اتار کر اس نے شبیلہ کی طرف دیکھا۔ ”شبیلہ میں تمہاری ذہانت کا کافی ہو گیا ہوں۔ تم نے مجھے دو چاقو دونوں تک پر سکون رہنے کا بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔ مجھے جلد سے جلد کچھ کرنا ہے۔ اپنی لٹوڑی سادھ کمال کرنی ہے اسی لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنا کام پھر شروع کر دوں۔ اور جو کچھ کر سکتا ہوں کر کروں۔ تمہارا لکھا ہوا ہے۔“

”خیال تمہیک کی ہے ہمارا دراج“ شبیلہ نے کہا۔ ”لیکن سب سے پہلے آپ یہ سوچیں کہ آپ کس کام کو شروع کرنا چاہتے ہیں؟“ ”میری نویندس میں نہیں آ رہا۔“ دلاور نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔ ”میں سب سے پہلے لائی اور سومان کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ دیکھنا کہ وہ میرے دوست میں یا دشمن اگر ہو۔“ ”میں تو پھر کوئی بات نہیں ہے۔ اگر دشمن ہیں تو پھر پوچھنا ہے۔“ ”ان کے علاوہ میری اپنی تنظیم میں میرے اور کتنے ہیں جن اس کا بھی پتہ چلا نہ ہے۔“

”اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے ہمارا دراج کہ آپ ان دونوں کو انکار لیں۔“ شبیلہ نے مشورہ دیا۔

”یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟“ دلاور نے ہلکا کر اس کی طرف دیکھا۔ ”اگر ان لوگوں نے مجھے دھوکا دے کر میری تنظیم پر قبضہ کر لیا ہے تو پھر انکار انہیں نہیں ہو گا۔ نہ جانے کتنے لوگ ان کے لئے ڈھال بن جائیں گے اس کے علاوہ انہیں انفرادی طور پر ان کے پاس میں تمہارا دراج تو اس کام کے لئے جانے سے پہلے ہر انہیں انکار کرنے کا فائدہ کیا ہو گا۔“

”میرے پاس ان تمام سوالوں کا جواب ہے ہمارا دراج“ شبیلہ سرکائی ہوئی بولی۔ ”میرے اپنے اہل خانہ کے مطابق اس کوٹھے لائی اور سومان نے اب تک آپ کو دھوکے میں رکھا ہے۔ وہ آپ کے دوست نہیں ہیں۔ انہوں نے آپ کی تنظیم پر قبضہ کر لیا ہے اور آپ کے ساتھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اسی لئے آپ کو بھاننے اور گرد کرانے کے لوگوں کو جمع کر کے ایک نئی تنظیم بنانی ہوئی ہے۔ میں ایسے لوگوں کی نہیں ہے جو لوگ دولت کی خاطر لوگ ہیں کئی کو دیکھتے ہیں۔ ایسے خطرناک اور عزم صفت لوگ۔ اور میرے نہیں پھیلے ہوئے ہیں۔ بس انہیں مناسب معاوضہ دیکر اپنے ماتھے ملانے کی ضرورت ہے۔ جب یہ لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے تو آپ ان کی مدد سے۔ کوٹھے لائی اور سومان کو انکار لیں اگر وہ دونوں دوست ہوئے تو پھر تو کوئی بات نہیں کر دشمن ہوئے تو آپ کے ہاتھ میں آ جائیں گے اور ان کے ذریعے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس تنظیم میں آپ کے لئے اور کتنے اسٹین کے ساپ موجود ہیں۔ قرض کریں اگر یہ سب نہیں بھی ہوتا ہے تب بھی آپ کے لئے یہ لٹوڑی کا کوئی بات نہیں ہوگی۔ یہ سب آپ کی ایک لاکھ تنظیم کی ہوگی۔ آپ کو ایک باہر طاقت اور دولت حاصل ہو جائے گی۔“

”مشابہش؟“ دلاور نے بے اختیار ہو کر شبیلہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ”وہ نہیں ہے تمہاری ذہانت کا۔ تم نے ایک ایسا مشورہ دیا ہے جو کسی طور نام کام ہو ہی نہیں سکتا۔ دراج میں تم سے کہتا ہوں کہ لکھی ہوئی کی قدر کرتے رہنا۔ ایسی ذہانت اس ملک میں بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔“

اپنی تحریف سن کر شبیلہ کی گردن اس طرح جھک گئی جیسے لوگوں کی شرارت بھولنے کے۔ لوجھ سے جھک گئی ہوئی۔ دراج بھی مت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ ”میں نے چندے سے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ ”نارے کہنا۔“ لیکن اس سے پہلے مجھے کچھ ضروری انتظامات کرنے ہوں گے۔ دراج کہا تم میرے لئے کسی گاڑی کا بندوبست کرنا ہو۔“

”میں بھی ہمارا دراج“ دراج جلدی سے بولا۔ ”آج کل میں کسی

چلنا ہوں۔ آپ حکم کریں تو میں بھی لگتی آؤں۔“ ”ابھی نہیں۔“ شام کے بعد مجھے کسی کی ضرورت پڑے گی اور ہاں شبیلہ تم بھی میرے ساتھ چلی۔ میں تمہارے مشوروں سے قدم بہ قدم فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔“

دونوں میاں دھوی کے سن کر مسکرا دئے۔ شبیلہ کی مسکراہٹ نے لوجھ سے شکر کے جذبات کو پھر ہوا دے دی تھی۔ اس نے اپنے پتھر دو مری طرف کر لیا۔ وہ زیادہ دیر تک شبیلہ کا ادھر اور وہاں پر نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی خواہشوں کے لئے بند باندھنا نہیں سیکھا تھا۔ سیلاب جیسی فطرت پانی تھی اور سیلاب بی کی طرح سب کچھ بہا لے جاتا چاہتا تھا۔

”نگوڑی واپسی کی خبر ایسی تھی جس نے میں موجود لوگوں کو سنے میں مبتلا کر دیا تھا۔“

”کیا خیال ہے مادام؟“ ماتر نے سومان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“

”اسے آئے تو دو سو مانی لے کر آتا ہے۔“

”ای وقت دروازے پر دھک ہوئی اور لائی کے آواز دینے پر زنگور لکرے میں آ گیا۔ وہ بہت تھکا ہوا اور زچھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کمرے میں آئے ہی اپنی جیب سے ایک پستول نکال لیا۔ ”سومان! اور ماتر پستول کو دیکھ کر ٹھک گئے تھے۔ زنگور نے وہ پستول اپنی پتھلی پر رکھا اور وہ قدم آگے بڑھ کر اس نے وہ پستول لائی کے قدموں میں رکھ دیا۔“

”تم مجھے گولی مار دو آقا۔“ وہ بھلائی ہوئی آوازیں بولا۔ میں اسی قابل ہوں۔ میں نے تم پر ہاتھ اٹھا یا تھا۔ اس کی بھی سزا ہونی چاہیے۔“

”تم ہمارے سامنے رکاری نہیں کر سکتے زنگور! سومان! طرائی؟“ تمہ پستول دے کر بکھر رہے ہو کہ تم لوگوں کو بے وقوف بنا لو گے۔“

”دیکھو سومان! زنگور! تمہیک کے لیے میں بولا۔“ تم یہ اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے اس تنظیم میں کسی کی پروا نہیں کی میں آقا لائی کے حکم کا پابند ہوں۔ تمہاری بوری تنظیم میں کوئی لٹا نہیں ہے جو تمہارے مقابلے میں آسکے۔ مکاری اور دھوکے کی ضرورت بزدلوں کو تو کرتی ہے۔ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں بزدل نہیں ہوں۔“

”تو پھر سب کچھ اٹھا زنگور! لائی نے بولھا۔“ تم نے مجھ پر حملہ کیا کہوں کیا تھا۔ تم مجھے بے ہوش کر کے داور تو کھیل لے گئے؟

ہم تمام میری بات پہنچ کر لوگ آقاؐ پر زنگور لے کر کہا جیتیں
 کیا معلوم کر میرے ساتھ کیا گزری ہے۔ میں نے تمہارے لئے
 کوئی برائی نہیں کی حالانکہ ظاہری ہو تا ہے کہ
 "یہ جھوٹ بول رہا ہے" یہ سوچا لے اچانک آگے بڑھ کر
 زنگور کا پستول اٹھا کر اس کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ تمہارے یہ تڑو
 گئے کہ داور کہاں ہے؟
 "دیکھو بی بی میں اس کھلوے سے دس گنا کا عادی نہیں
 ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس پستول کو جہاں سے اٹھا پایا ہے
 وہیں رکھ دو۔ اس میں تو گولیاں بھری ہوئی ہیں؟
 "میں ایک ایک کر کے ساری گولیاں تمہارے سینے میں
 اتار دوں گی۔" سوچا لے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ داور کو تم نے
 چھپا پایا ہے؟"

"اگر تم جانتی ہو تو جاؤ اسے تلاش کرو۔ زنگور لاہ پروا
 سے بولا۔ پھر اس نے لائی کی طرف دیکھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ
 آقاؐ میں تمہارے پاس آؤں گا تو میرے ساتھ یہ سلوک کیا جانے
 لگا میں تو اپنی صفائی پیش کرنے اور حالات بتانے کے لئے آیا
 ہوں۔ لیکن یہاں مجھ پر پستول اٹھا لیا گیا ہے۔ اب تم خود ہی
 سوچو کہ میں ایسے حالات میں کیا کر سکتا ہوں؟
 "سومالی بے وقوفی بہت کر دے پستول رکھ دو۔ لائی بولی
 سے مخاطب ہوا۔ اگر اس نے کچھ کیا ہے تو میرے ساتھ کیا ہے
 یہ میرا حق ہے۔ مائی نے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بات لی جائے
 "میں کچھ نہیں سنا جانتی،" سومالی نے کہا۔ "میں اس آڑی
 نہیں ہوتی ہوں کہ اپنے پرانے کی قمیض پر مسکوں۔ تمہاری آنکھیں
 چمک رہی ہیں۔ جنہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ حالات کیا رخ اختیار
 کر گئے ہیں۔ تم اپنی کوٹھری میں آنکھیں بند کئے بیٹھے رہو۔
 داور کا میرے ہاتھ سے لٹکے کا مقصد یہ ہے کہ میں ہار مان
 لوں لیکن البتہ انہیں ہوگا۔ میں ہار ماننے کے لئے جیہا نہیں
 ہوتی ہوں؟"

"ہاں گل مت بول رہی، لائی دہلا کر رکھ دو پستول، تمہارا
 دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے۔ تم ہر وقت اپنی من مانی کرتی ہو۔
 "اب بھی میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا، سومالی
 نے کہا۔ "تم میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکتے۔ پھر اس نے
 ماتھر کو اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ دیکھتے ہی ماتھر کمرے سے باہر
 نکل گیا۔ جبکہ سومالی نے اب زنگور کے ساتھ ساتھ لائی کو بھی
 گور کر لیا تھا۔ اس کی آنکھوں اس وقت شیطانی مسامحہ میں تھیں اور
 اس کے ہونٹ جھنجھٹے ہوئے تھے۔
 "تم حکم کرو آقاؐ زنگور لائی سے مخاطب ہوا۔ میں ابھی

تمہاری اس گستاخ زبانی کو مزاحیہ کرتا ہوں؟
 "تم سے تو میں نمٹ لوں گی۔" سومالی غلٹی اس وقت
 میرے ہاتھ صرف داور کی وجہ سے ہوئے ہیں مجھے ہوا
 میں اس کی ضرورت ہے۔ اور تم مجھے اس کا بہتہ بناؤ گے؟
 "زنگور انداز اڑانے والے انداز میں مسکراتے لگا۔ اُن
 مسکراہٹ سومالی کے لئے آگ پر تیل کی طرح ثابت ہوا
 تھی وہ بری طرح بل کھانے کی تھی جبکہ لائی نے اپنی گردن
 لی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سومالی کے سلوک نے
 خروج کر دیا ہو۔ اسی وقت ماتھر کچھ آدمیوں کو لئے ہوسے
 کمرے میں آگیا۔ یہ لوگ زنگور اور لائی کو جانتے تھے لیکن آ
 وقت وہ سومالی کے ٹمڈ میں تھے۔ ان کی وفاداریاں ما
 ہی کی طرح صرف سومالی کے لئے وقف ہو کر رہی تھیں۔
 "ان دونوں کو تمہارے خاندان میں سے جاکر بند کر دو۔ سو

نے آنے والوں کو حکم دیدیا
 لائی نے پستول نکال لئے۔ زنگور لائی کے ہونٹوں
 ابھی تک مسکراہٹ دیتی ہوئی تھی۔ لائی نے امید بھری نگاہ
 سے زنگور کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا کر رہ گیا۔ زنگور کے ز
 ان لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ اگر چاہتا تو اختیار
 کی موجودگی میں مزاحمت کر سکتا تھا۔ لیکن نہ جانے کون
 بالکل خاموش تھا۔ صرف اس آنکھیں چمک رہی تھیں۔
 زنگور اور لائی کو اسی تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ لائی
 بد زنگور کی طرف اس طرح دیکھتا جیسے اسے زنگور کی فا
 پر حیرت ہو رہی ہو لیکن زنگور کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔ لائی
 ہوتا تھا جیسے وہ قید ہی ہوئے کے لئے یہاں تک چلا آ
 ان دونوں کو تمہارے خاندان تک لانے کے لئے چھ آدمی ان
 ساتھ آئے تھے۔ یہ لوگ بھی زنگور سے ابھی طرح واقف
 ہی نہ تھے زنگور کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بہت فطرت طعنے
 زنگور کو خاموش دیکھ کر انہوں نے اطمینان کی سانس
 ان لوگوں کے ساتھ ساتھ ماتھر چل رہا تھا۔ جبکہ سومالی اپنے
 ہی میں رہی تھی۔

ان دونوں کو تمہارے خاندان میں دھکیل کر دروازہ
 گیا تھا۔ تہہ خانے میں آتے ہی لائی کی قوت برداشت
 دے گی۔ وہ ٹھٹھاں ہونے پر تہہ خانے کے فرش پر بیٹھ گیا۔
 "تمی پریشان کی کیا بات ہے آقاؐ زنگور نے آگے
 کر پڑی آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔
 تو ہونٹا تھا؟
 "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سومالی میرے

ملک کہے گی۔ لائی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ گستاخ
 تو ہوئی تھی لیکن وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔ یہیں
 لے سوچا بھی نہیں تھا؟

"آؤں کو جب دولت اور اقتدار کا شہر چھو جائے تو اپنے
 علاوہ اسے پوری دنیا دھندلی معلوم ہونے لگتی ہے۔ زنگور
 نے کہا۔ یہ سب روزمرہ کے تملشے ہیں۔ تم خود سوچو۔ تم نے
 یہاں آنے کے بعد کتنی چالاکی کے ذریعے دلاور کو بڑا تنظیم پر
 قبضہ کر لیا۔ اس کے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسے بس
 کر کے اس تہہ خانے میں قید کر دیا۔ لیکن انہیں یہ نہیں معلوم
 تھا کہ ایک اور طاقت بھی ہے جو نا انصافیوں کا بدلہ لے دینا
 میں دے دیا کرتی ہے۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ تم نے بوٹھے داور
 سے نا انصافی کی تھی کیونکہ وہ خود بھی کوئی فرشتہ نہیں تھا لیکن
 میں یہ سمجھتا ہوں آقاؐ کہ تم بھی اپنے علم اور غفلت کی راہ سے ہٹ
 کر دولت اور اقتدار حاصل کرنے میں لگ گئے تھے۔ اور اس
 قلم کے پھیل کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ تمہاری سومالی تم سے
 زیادہ چالاک ثابت ہوئی۔ تم نے دیکھ لیا کہ تم جن آدمیوں کو اپنا
 سمجھتے تھے وہ سب اسی کے آدمی تھے۔ تم کو اس کے لئے بہت
 پہلے رکھتے تھے آقاؐ یہاں تو سب کچھ اسی طرح چلتا ہے۔ جو
 مسلک تم دونوں نے مل کر دلاور کے ساتھ کیا تھا۔ وہی لوگ
 سومالی نے ماتھر کے ساتھ مل کر تمہارے ساتھ کیا ہے ہو سکتا
 ہے کہ یہی سلوک ہی ماتھر کے ساتھ ہو۔ خود سومالی کے ساتھ
 کون کھڑا کرتا ہے۔ آنے والے دنوں میں کس نے دیکھا ہے؟
 "تم ٹھیک سمجھتے ہو۔ لائی دھیرے سے بولا۔ "دولت اور

طاقت نے سومالی کو اندھا کر دیا ہے۔ اسے اپنے علاوہ اب
 کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس نے مجھے بھی اپنی زندگی سے
 الگ کر دیا ہے؟"

"خیر اب تم حوصلہ رکھو آقاؐ زنگور نے کہا۔ سومالی کچھ
 جیسی بھی ہو لیکن میں تمہارا احترام کرتا ہوں؟

"میری کچھ حس نہیں آتا کہ اب کیا ہوگا؟ لائی بڑبڑاتا
 سنگ دل تو میں یہاں بند کر کے بھول جائے گی؟

"نہیں بھولے گی بلکہ میں یاد رکھے گی۔ زنگور اس کے کہہ
 ہی بیٹھ گیا۔ اس کا اظہار کہ وہیں ہلاک کرنے کا ہوگا۔ وہ نہیں
 رکھ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہے گی۔
 "کیا ایسا ممکن ہے؟ لائی نے سر کوٹھکی کی۔ میں نہیں م
 سکتا۔ سومالی بھی میری آواز دشمن نہیں ہو سکتی؟
 "اس کی آنکھیں اس وقت کچھ نہیں دیکھ رہی ہیں۔ زنگور
 کہا۔ وہ صرف حکمرانی چاہتی ہے اور صرف کرنا آقاؐ۔ تم میں ایسی

کوئی کشش نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے تم دوسروں کو اپنی
 طرف کھینچ سکو۔ جبکہ سومالی ابھی شاداب ہے۔ اور اس کے ارد
 گرد منڈلانے والے گدھے بھی ہیں۔ جب تک اس کے جسم کی
 شادابی، برقرار ہے کہ وہ اس کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ اور جہاں
 شادابی ختم ہوئی تو وہ اسے چھوڑ جائیں گے۔ یہ سومالی کا عقیدہ
 ہے۔ اور جب تک یہ صورت حال ہے۔ تم اس کا کچھ نہیں کر
 سکتے۔ بلکہ اپنی جان کی خیر مناؤ؟

"شاید تم ٹھیک ہی سمجھتے ہو۔ لائی نے ایک گہری سانس
 لی۔ "میں نے ہی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔ میں دولت
 اور اقتدار کی قوت سے واقف نہیں تھا۔ لیکن تم نے مجھے یہی
 حماقت کی تم تو یہاں سے نکل گئے تھے۔ پھر تمہیں آنے کی
 کہا ضرورت تھی۔ میرا مسئلہ تو کچھ بھی ہو۔ لیکن تم تو آگے نہیں
 "ایسی بات نہیں ہے آقاؐ زنگور مسکرا دیا۔ "تم لو اس
 بات کی خوشی ہے کہ میں کچھ سوچ کر لیا تھا وہی ہو، ابھی
 نے تم مجھے اتنا مطمئن دیکھ رہے ہو۔ میں اس تنظیم میں
 شامل ہی نہیں دیکھ کر ہوا تھا۔ میں نے تم سے بہت کچھ
 سیکھا ہے۔ اسی لئے یہاں سے جانے کے بعد میں نے یہ جان
 لیا تھا کہ یہ سومالی تمہیں بھی دلاور کی طرح اپنے راستے سے
 ہٹا دے گی۔ بس اسی لئے میں واپس آگیا؟

"مجھ میں نہیں آتا کہ اس پر کھڑو کر دیا جائے اور کس پر
 بھروسہ نہیں کیا جائے۔ سب کچھ گڈم گڈم ہو کر رہ گیا ہے۔ تم مجھ
 پر حملہ کر کے مجھے بے ہوش کر کے یہاں سے چلے گئے تھے میں
 نے یہ سمجھ لیا تھا کہ تم نہ جانے کیوں تمہارے خلاف ہو گئے ہو
 خاص طور پر اس داور کے ساتھ تمہارا رقبہ حیرت انگیز تھا
 تم اسے اپنے ساتھ پستول کے زور پر لے گئے تھے۔ پھر تمہارے
 کمرے میں وہ تمہارے دوست کی طرح بیٹھا تھا۔ اُن
 کے بعد تمہارا مجھے بے ہوش کر دینا۔ داور کا غائب ہونا
 تمہارا اچانک واپس آ جانا یہ سب میری سمجھ سے باہر ہے۔ نہ
 جانے تم کیا چاہتے ہو اور یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

"آقاؐ میں نہیں سمجھتا جانتا ہوں؟ زنگور نے کہا۔ کیونکہ
 میرے پاس سوائے حق بتانے کے اور کوئی راستہ نہیں ہے میں
 داور کو تمہارے کمرے سے نکال لے گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ
 اپنے ہندوستان آنے کے کچھ دنوں میں میں ایک بہت بڑی
 مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ بس یوں کچھ لو کہ میری زندگی ختم
 ہونے والی تھی۔ لیکن اس داور نے میری جان بچائی تھی میں
 نے اسے پہچان لیا تھا۔ آقاؐ میں نہیں چاہتا تھا کہ جس نے میری
 جان بچائی ہے وہ اس سومالی کے ہاتھوں مارا جائے۔ دھری

طرف تم نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ اسے بچا کر آؤ۔ اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ وہی میری جان بچانے والا آدمی ہے میں تو تمہارے حکم کی تعمیل میں چلا گیا تھا۔ اور میں نے اسے سولہ کے آدمیوں سے نکال کر تمہارے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ پھر میں نے اسے سہان لیا۔ پھر میں نے یہ سنا کہ تم کسی کام سے نیپل بھیج رہے ہو۔ میں جانتا تھا کہ نیپال میں ضرور کوئی ایسا خطرناک کام ہو گا جس میں اس کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہو گا۔ یہ ایرافض یہ تھا کہ میں اسے تم سے اور سولہ سے دونوں سے بچ کر نکال لے جاؤں۔ اس وقت وہ کمرے میں تھا۔ مجھے وقت بہت ہی سوچنی تھی۔ میں نے اسے بہتوں دکھا کر لے کر اپنے کمرے میں لے جاؤں۔ اس کے بعد اسے وہاں سے کر فرار کر دیا۔ وہاں اس وقت تک اس نے مجھے نہیں پہچاننا تھا۔ لیکن اپنے کمرے میں لانے کے بعد جب میں نے اسے یاد دلایا تو اسے یاد آ گیا۔ اکی نے تمہارے اسے کمرے میں دوپٹوں کی طرح بیٹھنے ہونے دیکھا ہو گا۔ میرا حال بھی میں اس سے باتیں کر رہا تھا کہ تم کمرے میں چلے آئے۔ تم کو دام واؤں کے بے ہوش ہو جانے کی خبر نہ کر سکتے تھے۔ میں اس وقت تو خود بھی پریشان ہو کر تمہارے ساتھ یاہر آ گیا تھا۔ میرے ذہن میں آیا کہ تمہارے ڈاور کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا گیا ہو گا۔ اسی نے میں نے تمہیں بھی بے ہوش کر دیا۔ اس وقت میری بھیچہ میں بھی آ گیا تھا۔ آخر کو نامیہ بول نا آقا غلطی تو کر دی تھی اور غلطی کر بیٹھ میرا حال اس غلطی کی تلافی کے لئے دوبارہ یہاں چلا آیا تھا۔ تمہارے حمار مانگ سکوں؟

”زنگور کے خاصوش ہوجانے کے بعد لانی کچھ دیر تک گھری لگا ہوں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر دھبے دھبے اس کے ہونٹوں پر سرنگاہت پھیلنے لگی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر زنگور کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تم واقعی ایک بہادر انسان ہو زنگور! اس نے کہا: ”ورنہ انہی بات کے لئے کون واپس آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں گے؟“

”جیسے تو مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے نزدیک سومالی کی کیا چیز ہے۔ اگر تم اس کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتے تو مجھ پر بوری یہ ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ یاہر میرا ہاتھ دھبے دھبے ہونا پڑا گا۔ اور اگر تم سے کوئی کڑی سزا دی جائے تو مجھ پر یقین رکھو زنگور! ہمارا تلوٹی بھی نہیں روک سکا ہے۔ یہ ہتھ مار کر کیا چیز ہے۔ میں جتنی بدلتی ہے مجھے نکال کر لے جاسکتا ہوں؟“

”میں اسے سزا دیتی چاہتا ہوں“ لانی گہرے میں بولا۔ اس نے ہماری روایات کی تو میں تک ہے۔ اس نے لانی کو قید

کر دیا ہے۔ اس طرح وہ میری نہیں بلکہ پورے قبیلے کی دھم بھم ہوئی ہے۔

”میں نہیں سمجھا آقا۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔ زنگور نے حیرت سے پوچھا۔ ”تم اس قبیلے کی بات کر رہے ہو؟“

”اپنے قبیلے کی لانی فرش سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر گہری خمیدہ رہی تھی۔ ایسا فکوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ ہتھ کی دھاروں سے مخاطب ہو۔ انہیں اپنی کہانی سنانا ہو۔

”یہ سومالی میری بیٹی نہیں ہے زنگور! وہ تمہارے غصے میں بولا۔ بلکہ میں نے کہیں سے اس کی پرورش کی ہے۔ ایک باپ بن کر اسے پالا ہے۔ لالوں کو لوریاں سناتی ہیں۔ اس کے کمرے میں مجھلا رہا ہوں۔ اس کے ہاتھ جسے دونوں کو اپنے سینے سے لگا کر رکھا ہے۔ ہمارا قبیلہ نیپال کی ایک ایسی زبان گری میں واقع ہے ہمارے قبیلے کو رتنا کہا جاتا ہے۔ سومالی کا باپ اس قبیلے کا رہا تھا۔ یہ وہ ہیں تمہیں۔ روپالی اور سومالی۔ روایات کے مطابق سردار کی بڑی اولاد دہلی یا دہلی نامی جاتی تھی۔ یعنی وہی سردار ہوا کرتی۔ چاہے وہ لڑکے ہو یا لڑکیاں۔ جبکہ دوسری اولاد کو سنی کی سردار کی دای یا بیکاری بنا دیا جاتا ہے۔ سردار کی پہلی اولاد بچا لیا تھی اور دوسری اولاد سومالی۔ روایت کے مطابق روپالی کو سردار یا دہلی کا درجہ دے دیا گیا۔ جبکہ سومالی کو میرے پاس ختم و قید کے لئے بھیج دیا گیا۔ میں اس مند کا سب سے بڑا بہرہ ورتا ہوں۔ پرورش پانے والے میری ہی نگرانی میں پرورش پائے تھے۔ مجھے سومالی سے ایک باپ کی طرح محبت ہوئی۔ اور میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی تعلیم و تربیت میں اپنی صلاحیت صرف کر دی۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہیں سکا۔ یعنی اکی نے قید میں اسے سزا باز کر کے لیتی۔ سردار کو ملک کر دیا۔ اور خود سردار بن بیٹھا۔ بہت دیر دوسرا جنگ ہوئی تھی۔ بہت سے بے گناہ لوگ مارے گئے۔ اس جنگ میں بہت ہی نہیں چل سکا۔ روپالی کہاں چلی گئی۔ لیکن لوگ معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھ لیتی کے بہت سے وفاداروں کے نکل جانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ جبکہ میں بھی سومالی کو دبا سے نکال لیا تھا۔ پھر میں سومالی کو لے کر بھی آ گیا۔ سومالی آ وقت جہاں پہنچی تھی۔ اور میری توقع کے برعکس وہ ایک ضدی بہت دھرم اور بے باک لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ نہ جانے میری میں ایسی کون سی خانی رہ گئی کہ سومالی ایسی لڑکی ثابت ہوئی۔ یہاں آئے کے بعد اس نے جس انداز سے دلاوری کی تھی۔ یہ کیا ہے وہ تمہارے سر نہ ہے۔ اس نے میری پرہیزگار دی ہے۔ بلکہ اب تو میری دشمن بنی ہوئی ہے۔ اس میں میری

غلطی ہے۔ میں دولت اور اقتدار کے لالچ میں آکر اس کا ساتھ دینے لگا تھا۔ لیکن اب انجام سامنے آگیا ہے۔

”تمہاری کہانی بہت دلچسپ اور عبرت دلانے والی ہے آقا۔ زنگور نے کہا۔ لیکن یہ ڈاورس کھاتے میں آتا ہے۔ وہ تمہارے کس کام آسکتا تھا؟“

”میں نے اس سے غلط کہا تھا کہ میں اسے سومالی کے ساتھ قیدیں بھیجنا چاہتا ہوں۔ بلکہ ڈاور کا انتخاب اس نے کیا گیا تھا کہ وہ ایک دلیر اور بہادری شخص ہے۔ وہ رتاری کی بیٹی کی لڑکی کی آنکھوں سے میرے نکال کر لاسکتا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں کس قسم کے میرے اور ویسے بھی اس تنظیم میں تم کو کون کو دولت حاصل کرنے کے بہزوں کو باقی بچا لیتے۔ پھر میری دل کی کیا ضرورت پڑتی؟“

”اس میں شک نہیں کہ وہ میرے بہت قیمتی ہیں۔ لیکن ان کے لانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کے ذمے کوئی فائدہ اٹھایا جائے۔ بلکہ ہمارے یہاں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ روپالی کا نکال لیتی کا سردار یا جاگرتا ہے۔ اگر کسی سردار کے ہمد میں میرے غائب ہوجاتے ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سردار اپنے ہمد کے لائی نہیں ہے۔ باقی والے اس شخص کو سرداری سے الگ کر دیا کرتے ہیں۔ اور پھر اس شخص کو سردار بنا دیا جاتا ہے۔ جو دہلی کے میرے واپس لے آئے۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ ڈاور ان میروں کو چھلانے۔ پھر سومالی ان میروں کو لے کر لیتی بیٹھ جائے۔ ظاہر ہے کہ ولایت کے مطابق اسے لیتی کی سردار بنا دیا جاتا۔ ویسے بھی وہ پہلے سردار کی اولاد ہے۔ اسی لئے لیتی والوں کے نزدیک وہ قابل قبول ہوتے۔ وہ ہنسی خوشی اسے قبول کر لیتے۔“

”اس شہر کی اتنی بڑی تنظیم کو چھوڑ کر اس لیتی کی سرداری سے تم لوگوں کو کیا حاصل ہو جاتا؟ زنگور نے بولو چھا۔

”میرے پناہ دونوں“ لانی نے سر ہونٹ کر: ”آئی دولت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے ہو۔ اس لیتی کی زمینوں میں پورے نیم چھپا ہوا ہے۔ اور اس کے ذریعے ملتی دولت یہاں ایک سال میں حاصل کی جاسکتی ہے۔ آئی دولت وہاں ایک ہفتے میں مل سکتی ہے۔“

”اب مجھے زنگور نے ایک گہری سانس لی۔ فرض کر ڈاؤں وہ بھی لیتی بیٹھ جاتی تو؟“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لانی نے کہا۔ کیونکہ میرے کو سومالی کے پاس ہوتے اور روایات کے مطابق مردکی اکی کے حصے میں آئی۔ اور اگر روپالی کی طرف سے کوئی خطرہ

ہوتا تو لانی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ جیسے وہ آگے بڑھ نہیں چاہتا ہو۔“

”بتاؤ نا آقا۔ زنگور نے کہہ کر لانی تم لیتے۔ لوتے خاموش ہو گئے۔“

”کیا بتاؤں؟ لانی دھیرے سے بولا۔ دہلی مجھ پر دم کرے۔ مجھ پر بھی لالچ غالب آئی تھی۔ میں نے اور سومالی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ روپالی کو تلاش کر کے قتل کر دیا جائے۔ واپس وہ ہمیں بھی ہو۔ اس کی موجودگی ہمارے لئے ہمیشہ خطرہ بنی رہتی۔ اسی لئے اسے رستے سے ہٹا دینا ہی بہتر تھا۔“

•

نونا بہت دیر سے آئے کے سامنے کھڑا ہوا خود کو دیکھ کر بار بار مٹتا۔

اس وقت اس نے ملائی رنگ کی ایک عبا پہن رکھی تھی جو اس کے سر سے ہیر تک آ رہی تھی۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے کے بعد اس نے سمجھا کہ یہ ہیر بھی ہوئی اب اس کا اٹھائی اور اگلے ہوسے اپنے ہونٹوں پر پھر میرے لگا اس کے ہونٹ بھی اس کی عبا کی طرح گلابی ہو گئے تھے۔ اب اس کا واپس رکھ کر اس نے ہیر فوہم کی نشیمنی اٹھائی اور اپنے بدن پر پھر کڑا کر کے بعد اس نے نشیمنی بھی واپس رکھ دی۔ اب وہ پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ پر ہتھکڑی لگا ہوں اسے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور لکنت، ہوادروانے کی طرف بڑھ گیا۔

دروانہ کھٹے ہی ایک عورت تیر دھڑوں سے جاتی ہوئی اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس کے نقش و نگار بہت تکیے تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں کے گرد ہٹسے ہوئے حلقے کے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ بہت پریشان رہا کرتی ہے۔ زونا کو دیکھ کر اس نے اپنے تپتے ہونٹوں کو چھینچ لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نوریت اور بے زاری سمٹ آئی تھی۔

”اب تم مجھے ہوتے کہاں چل دینے؟ اس نے تلخ ہنسنے پوچھا۔ ”کیا تمہیں اس جلے میں خرم نہیں آتی؟“

”اے واہ۔ اس میں خرم کی کیا بات ہے؟ نہ لنانے تالی جاتے ہوئے چل دیا۔ میں کون سا کسی کے حق پر ڈاک ڈال رہی ہوں میں تو اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہوں۔ تم کون ہوئی ہو مجھے روکنے والی۔ جب دیکھو مجھے کوئی رتی بوز بہت کر دے۔ وہ موت کرو۔ اسے واہ میں کیا کسی کی تیز بولی؟“

”میں تمہاری بولی بول رہی ہوں؟ عورت نے کہا۔ اور مجھے پورا حق ہے کہ میں تمہیں روکتی رہا ہوں۔ تمہیں احساس دلاؤں؟“

”نہیں بھئی زونا نے اپنے ہاتھ نہانے۔ میں بھی عورت

”تمہاری لوگ اسے واپس بھی لائیں گے مالک یہ تو من ہے
کہہ رہا ہے آپ بالکل بے فکر رہیں، ہم نے اس کی تلاش میں بہت
سے آدمی بھیج دیے ہیں۔ ہر اس جگہ سے تلاش کیا جا رہا ہے
جہاں اسکی موجودگی کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ ہمارے اہلکار
کے مطابق وہ اپنی تنظیم میں ابھی تک واپس نہیں گیا ہے وہ
۔۔۔ وہاں جا بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ لاڈ اور مورال اسے جان

”کے ہے۔ یہ بات ہوئی نا؟“ نونا نے ہلک کر کہا۔ میں تو جانتی تھی کہ میرے بھتیجہ بہت کام کے ہیں مجھے پہچان نہیں کریں گے۔ خیر اب تم دونوں جاؤ۔ میں دنا اپنے آدمی

”میں تو تمہارے سامنے اکثر شرمائے لیجتی ہوں، خیر میرے
مرد ہو، ارے یہی اسی کہا، ہر عورت اپنے مرد کے ساتھ
اسی طرح شرمایا کرتی ہے۔ پتہ نہیں لوگ اس بات کو کہہ سکیں
انہیں سمجھتے خیر میری تمہاری بات تو دلگاہی ہے۔ دیکھو نا۔“

نہیں ملتی تھی۔ پھر اس نے مہر خانے کی بیڑھیوں کی طرف منہ کر کے آواز دی: ”آجائیں آپ لوگ“

اس کی بات سنتے ہی ڈونا پھل کر ایک طرف جلے بگڑے

بین بھول دتی نے اُسے بڑھ کر اسے بچڑھا، اس نے لڑائی کر کے گرد اپنے دونوں ہاتھوں کا حلقہ بنالیا تھا۔ ڈولہ نے شکر کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اسی دوران بڑھتیوں سے اتر کر کچھ لوگ توہ خالے میں داخل ہو گئے اور انھوں نے لڑنا کو اپنے قابو میں کر لیا۔

اس وقت دلاور کا غلیہ ایسا ہور ہا تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی پہچان نہیں سکتا تھا۔

اس نے سیندر رنگ کی کڑوا دانی بوتلی وصولی پہن رکھی تھی جس کے اوپر کھٹ لگا ہوا ایک سیف کھڑا تھا۔ اس کے ملنے پر تنگ لگا ہوا تھا اور گتے میں مینہ بڑی تھی۔ ایسا محسوس ہور ہا تھا جیسے کھٹے سے کوئی رنگاری برتن بھی کی بھر کے لیے آیا ہے۔ وہ اس وقت ایک ٹیسی میں بیٹھا تھا۔ یہ ٹیسی دلاور کی تھی اور وہی اُسے چلا رہا تھا۔ جبکہ اس کی بیوی شیدا دلاور کے ساتھ یہی کھلی نشست پر بیٹھی تھی۔ ان کا رخ ایک مضائقہ لہتی کی طرف تھا۔ اس بستی میں دلاور کو مارگ سے ملنا تھا جس نے اس بستی میں شراب خانہ کھول رکھا تھا اور یہاں جو ابھی کھلوا یا جاتا۔ مارگ ان آدمیوں میں سے تھا جو بیویوں کے لیے اپنی ماؤں تک کو فروخت کر دیا کرتے ہیں۔ دلاور جانتا تھا کہ مارگ اس کے لیے آدمیوں کی پڑی کھپ ہیا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ انھیں معروضہ معقول دیا جائے۔

دلاور کو اس شہر میں اپنی نئی ساکھ جانے کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنی باایسی مرتب کر لی تھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مارگ کے آدمیوں جیسے ہی آدمیوں پر قبضہ کر کے ایک نئی تنظیم کی بنیاد ڈالے گا۔ اس کے لیے اس نے چوٹے بیٹے پر کام کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس سے اس کی نفرت میں بھی اضافہ ہو جاتا اور اس کی دھاک بھی مٹی چلی جاتی۔ یہ سب وجہ یہ خود اپنی تنظیم پر بڑھ کر اس کے معیار کی تنظیم بنانے میں کامیاب ہو جاتا اور بڑھ کر اس سے بڑھ جاتا۔ اس کی باایسی اس کے اب تک کے اصولوں سے بالکل مختلف تھی۔ اس باایسی میں گھٹیا درجے کی بد معاشی شامل ہو گئی تھی۔ دلاور کو اپنے وہ دن یاد آ رہے تھے جب اس نے اس انداز سے اپنی نئی زندگی کی ابتدا کی تھی۔ اس وقت اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ سولے ایک ذہن کے۔ اور وہ ذہن اس کی بیوی شیدا کا تھا۔ جو زمانے میں کہا جاتا تھا۔ شیدا سے پہلے والی بیوی اسے بہت کم یاد آتی تھی۔ البتہ دونوں بچوں کی یادیں اسے کبھی کبھی یاد آتی تھیں۔ اس کے دونوں بیٹے اب

بڑے ہو گئے ہوں گے۔ دلاور اور سلیم سلیم تو اس سے ملا بھی تھا۔ لیکن وہ زیادہ دونوں تک اس کے ساتھ نہیں رہا ہے۔ چوڑ کر چلا گیا۔ جس طرح وہ اپنے دونوں بچوں اور بیوی کو بچھڑا گیا تھا۔ وقت دوسرے کے گال پر مارا ہے ہوئے ملے پٹے اس دنیا میں واپس کر دیا ہے۔ وہ زیادہ انتظار کی نہیں کرتا اور انسان جو فصل لوتا ہے وہ اس کو کاٹنا ہی بڑتی ہے۔ چاہے وہ فصل کاٹنے سے لاکھ لاکھ کرنا رہے۔ کہیں بھی بھاگ جائے۔

دلاور نے جو کچھ کیا تھا اس کی سزا اسے اس طرح مل رہی تھی کہ پڑا یا دیا ہی کبھی نہیں اسے بے چین کر دیا کرتی تھیں۔ ان بڑوں کے آسیب رات کی تمنائی میں اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے اور اُسے پریشان کر لیتے تھے۔ وہ ان سے جاگ جانا چاہتا تھا لیکن یہ اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بہت تجبور ہو کر دونوں بیویوں کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ وہ فٹ پا تھا بھی ویران ہو چکی تھی جہاں اس کی بیوی اور دونوں بیٹے بھاگتے تھے۔ یہ بات بہت پرانی تھی۔ اور اسے دونوں کی بات کو نہ یاد کرتا ہے۔ شیدا کو دیکھ کر اسے سبیل یاد آتی تھی۔ وہ بھی اسی کی طرح ذہن اور خطرناک تھی۔ عورت اگر چین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن بھی ہو تو وہ خود بخود ہی خطرناک ہو جاتا کی ہے۔ شیدا ابھی تو کچھ بھی نہیں تھی۔ اسے نہ تو اپنے حق کا ذمہ لے کا موقع ملتا تھا اور نہ ہی اس کی ذہانت سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ لیکن دلاور جانتا تھا کہ اگر اسے موقع مل گیا تو یہ بیٹے سے کم ثابت نہیں ہوگی۔

ایسی مارو حجاز والی تنظیم بنانے کا مشورہ بھی شیدا ہی نے دیا تھا۔ حالانکہ اس قسم کی حرکتیں دلاور کے مزاج کے خلاف تھیں لیکن وہ شیدا کے سلسلے کچھ نہیں سمجھتا۔ شیدا نے مشورہ دیا کہ اس کی بہت بڑھ چڑھ کر معلوم ہو رہی تھی۔ اور اس کے اندر جوش نے اس کے دونوں گالوں کو انگاروں کی طرح دھکا دیا تھا۔ اور ایلے دیتے ہوئے انکا دوسرے نگاہیں ہاتھ بنا دیتے۔ دلاور کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس کی فوری ہڈیوں میں شیدا کو دیکھ کر اس طرح حرارت سرسرنے لگتی تھی جیسے کوئی آتش دھیرے دھیرے بھلے لگتا ہو اپنے غار سے باہر آ رہا ہو۔

کام کی ابتدا کے لیے دلاور نے ایک لاکھ روپے حاصل کر لیے تھے۔ یہ روپے اس نے اس طرح حاصل کیے تھے کہ خود شیدا اور دلاور کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ان دونوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ وہ اسی طرح ہندو مدین کا لباس پہن کر دلاور کے گھر سے باہر نکلا اور ایک گھنٹے کے بعد جب واپس آیا تو اس کے پاس ایک لاکھ کی رقم موجود تھی اس

نے ان دونوں کو بتایا ہی نہیں تھا کہ اس نے اپنی رقم کہاں سے حاصل کی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ان دونوں کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انھیں آم کھانے سے مطلب تھا۔ بڑھ کر کیا کرتے۔ اس نے ان دونوں میں سے نہیں ہزار روپے دلاور کو دے دیے تھے تاکہ وہ اپنے حق ادا کر دے۔ دوس ہزار اس نے شیدا کو دے دیے تاکہ وہ اپنے لیے ضروری چیزیں خریدے اور باقی رقم اس نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔

وہ دونوں یہاں بیوی اس کے بہت احسان مند ہو رہے تھے وہ بار بار شکر ہے ادا کرتے اور دلاور انہیں خاموش کر دیتا۔ لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ شیدا اسی طرح اس کا شکر ادا کرتی رہے اور وہ اُسے خاموش کرنا رہے۔ وہ اپنے احسان کا بدلہ چاہتا ہے۔ اور دلاور کے خیال میں اس احسان کا بدلہ یہ تھا کہ وہ شیدا کے شاداب جسم کی شادابی کو اپنے اور گوند لانا ہو محسوس کرنا رہے۔ اس کے لیے یہی بہت تھا۔ شادابی شادابی اس کے حتمے میں اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ گاڑی کے رکھنے، اس سے ہی اس کے خیالات کی رونق مل رہی تھی۔ وہ لوگ ہنس باڑی پہنچ چکے تھے۔ یہ وہی بستی تھی جہاں مارگ نے اپنا آؤہ قائم کیا ہوا تھا۔

”اتر تیرے ہمارے۔“ دلاور نے کہا۔ ”ہنس باڑی اچھی ہے۔“

”میرا خیال ہے شیدا کو تم واپس ملے جاؤ۔“ دلاور شیدا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم لوگ کسی اچھی جگہ نہیں جا رہے۔ یہاں غلط قسم کے لوگ ہی ہوں گے۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔“ شیدا کا رنگ پھر پکا پڑ گیا۔ ”میں تو آپ کا ساتھ دینے کے لیے آئی تھی۔ اور مجھے یہ اطمینان ہے کہ جب تک آپ ہیں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن جب آپ ہی کہہ رہے ہیں تو میں واپس ہو جاتی ہوں۔ گھر واپس لوگوں کا انتظار کرتی رہوں گی۔“

دلاور کا سینہ پیٹنے لگتا تھا۔ شیدا نے اس پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ اس نے یہ بتا دیا تھا کہ وہ دلاور پر بھروسہ کر کے لگے ہے۔ اسے اپنا محافظ بننے کی ہے۔ اور ایک مرے کے لیے اس سے بڑی بات اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ کوئی عورت اسے اس طرح اپنا محافظ بنالے کرے اور وہ اس کی محافظت سے انکار کرے۔ البتہ اس مرد کی تو بہن ہے۔ اور دلاور شیدا کے سلسلے اپنی تو بہن نہیں چاہتا تھا۔

”ٹھیک ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔“ اس نے کہا لیکن تم خاموش رہنا۔ میں خود ہی حالات سے نمٹ لوں گا۔“

شیدائے اس کی طرف دیکھ کر اپنی خوبصورت گردن ملا دی۔ وہ تینوں گاڑی سے اتر آئے۔ یہ ایک لباس مانہ لہتی تھی اور یہاں کے لوگ بھی منہ کی کی وجہ سے پس ماندہ ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے اس بستی میں جنم لیا تھا اور وہیں کی بدبودار فضاؤں میں پرورش پائی تھی۔ منہ کی یا تو انسان کو بھگا دیتی ہے یا پھر سرکش بنا دیتی ہے۔ اس بستی کے لوگ بھی تنگ آ کر سرکش ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہاں کے ہر دوسرے گھر میں ناجائز شراب کشید کی جاتی تھی۔ یا گھنگناک مال لکھا جاتا تھا۔ یا غصے جو جو ہوتی تھیں یا پھر بچنے والے تھے اور ان بیویوں کی سرداری مارگ کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ گویا اس بستی کا بے تاج بادشاہ تھا۔

ان لوگوں کو بستی میں دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ ان بیویوں کو جہر سے دیکھنے لگے جبکہ کچھ لوگوں نے بہت دہشت سے دیکھا تھا اور کچھ لوگوں میں نفرت اور نفرت تھی۔ دلاور کو احساس ہو گیا تھا کہ نفرت اور بڑبڑاس کے اور دلاور کے لیے تھی جبکہ دوسری شیدا کے لیے۔ لیکن موقع ان لوگوں پر دھیان دینے کا نہیں تھا۔ اس کے پاس اس کی ہزار روپے تھے اور وہ ان دونوں سے بہت بڑا ڈاؤ پیٹلے آیا تھا۔ اس کے اندر کا سازش اور خطرناک انسان اب بوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے مارگ کو اس بستی سے ہٹا دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اُسے ایک نوجوان دکھائی دے گیا۔ وہ نوجوان کسی بڑا کا تھا۔ اس نے بیان اور بستی پہن رکھی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی بہت شاندار تھیں۔ وہ اس وقت ایک چوڑے بڑے پرچھا ہوا ایک نانی سے اپنا شیڈو بنوا رہا تھا۔ نانی اس سے بڑن کو سستے سے حمان میں لپیٹ کر اس کے گھر سے بڑھ رہا تھا اور ایک اترے سے اس کا شیڈو کوٹنے لگا۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی اس لیے نانی کے ہاتھ ترک ترک کہل رہے تھے۔ وہ دونوں کسی بات پر ہنس بھی پڑے تھے۔

”دیکھو۔“ اس آدمی کی طرف جا رہا ہوں۔“ دلاور نے اس نوجوان کی طرف اشارہ کر کے دلاور اور شیدا کو بتایا کہ لوگ میری ہاں میں ہاں ملانے چاہا۔ اس وقت زیادہ باتیں بھاننے کا موقع نہیں ہے۔ سمجھ گئے۔“

”آپ نے فخر میں ہمارا۔“ میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔ دلاور جلدی سے بولا۔ اس کام میں تو بے گئی مرنے لگا ہے۔“

دلاور مسکراتے ہوئے اس چوڑے کی طرف جھٹے لگا۔

جیکو بیلا اور دلراج اس کے پیچھے تھے۔ ان لوگوں کو کہتے ہوئے
 دیکھ کر نانی نے رونا ہاتھ روک لیا۔ "نوجوان بھی ان لوگوں کی
 طرف دیکھنے لگا تھا۔ بیلا کو دیکھ کر دوسروں کی طرح اس کی آنکھیں
 بھی دلہن سے چپکنے لگی تھیں۔ دلادو چوتھے کمرے کے پاس پہنچ گیا۔
 "فسکار" اس نے ہندوؤں کے انداز میں نانی اور دلراج
 کی طرف رخ کر کے اپنے ہاتھ جوڑے۔ "ہم لوگ اس بستی میں
 اجنبی ہیں۔ آپ سے سہانا چاہتے ہیں۔
 "ہاں۔ ہاں ضرور۔" نوجوان ہنسا کر لولا۔ "کیا کام ہے؟" اس
 کی نگاہیں شیلہ پر جمی ہوئی تھیں۔
 "کہاں اس بستی میں مارگ نام کو کوئی آدمی رہتا ہے؟" لولا
 نے پوچھا۔ "میں اس بستی کا پتہ بتا رہا تھا۔"
 "مارگ؟" وہ نوجوان اور نانی دونوں ہی چونک پڑے
 انہوں نے ایک دوسرے کو غیبی خیر لگا ہوں سے بھی دیکھا تھا۔
 "کہاں مارگ؟" مارگ سے پہلے؟ "نوجوان نے پوچھا۔
 "اس کے چوتھے کمرے تو بہت سے لوگ یہاں آتے رہتے ہیں۔"
 "پر سب مجھے تو نہیں معلوم، لیکن میرا معاملہ کچھ اور ہے۔"
 "دلادو نے کہا۔ تم یہ بتا دو کہ وہ اس بستی میں رہتا ہے یا نہیں؟"
 "ہاں رہتا تو ہی بستی میں ہے۔" نوجوان نے جواب دیا۔
 "میں ایسا تو نہیں کرتا کہ کسی اور مارگ کو تلاش کرنے لے
 ہو۔ اس کا خلیہ کہا ہے؟"
 "دلادو کو مارگ کا خلیہ یاد تھا۔ اس نے جلدی سے اس
 کا خلیہ بتا دیا۔ "کالا اور بہت طاقتور آدمی ہے۔ اس کے لہر
 "ہاں۔ یہ تو وہی مارگ ہے آندہ" نانی نے نوجوان سے
 کہا۔ اس نوجوان کا نام آندہ تھا۔
 "مٹھک سے میں تمہیں اس کا پتہ بتا دیتا ہوں۔" نوجوان
 آندہ ایک گہری سانس لے کر لولا۔ لیکن دلادو سچ کچھ کرنا
 غاص کر اس ناری کو وہاں مت لے جاؤ۔ اس نے شیلہ کی طرف
 اشارہ کیا۔ "وہ حوالی اس لڑکی کو اس طرح غائب کر دے گا کہ نہ
 بھرہ سوئے نہ یہ جاؤ گے۔"
 "دلادو دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس کا کام نہ تھا۔
 نوجوان کے لیے اس کی بات سے اعانہ ہو گیا تھا کہ مارگ
 کے خلاف ہے۔ اور دلادو ایسے ہی کسی آدمی کی ضرورت تھی۔
 یہ نوجوان اس کے کام آ سکتا تھا۔ آندہ کی بات سن کر اس نے
 ایسا غصہ کیا جیسے اسے مارگ کے بارے میں یہ سب سن کر
 بہت جرت ہوئی ہے۔
 "نوجوان۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد نوجوان کی
 طرف دیکھا۔ "تم تو ایک طرف تو آنا۔ تم ضرور یہاں
 کرتی ہیں۔"

اس ہندو نانی پر نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اٹھی۔
 جبکہ نانی کچھ مایوس ہو گیا تھا۔
 "جیل سے بھونڈو ہے آندہ نے نانی سے کہا۔ جلدی سے اپنا
 کام پورا کر۔ سالہا آدھا کام کر کے چور رہتا ہے۔"
 نانی نے جری بے دلی سے آندہ کا بولنا بیٹھا مکمل کر دیا۔
 آندہ نے اس کے ہاتھ پر ایک روپیہ کا ٹوٹا رکھا اور اپنے
 گالوں کو مسلاتا ہوا دھڑکے پاس آگیا۔ اس دوران وہ لوگ
 چور سے سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔
 "ہاں اب بتاؤ پہلے؟" آندہ نے قریب پہنچ کر پوچھا۔
 "کیا مسئلہ ہے؟ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"
 "بات یہ ہے۔ بھائی کریم لوگ بنارس سے آئے ہیں۔ لہذا
 نے کہا۔ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں۔ یہ سب بنانے کی ضرورت نہیں
 ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مارگ نے اس لڑکی کی خیر خواہی کرنے
 کی کوشش کی تھی۔ لیکن بھگوان کی کرپا سے یہ بڑھ گئی۔ میں ایک
 معزز آدمی ہوں۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ بھائی میں رہنے والے
 ایک آدمی مارگ نے اس ناری کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا تو
 میں نے سوچا کہ بات بڑھانے کی بجائے کیوں نہ ان دونوں کا
 بہا کر دیا جائے۔ اس طرح بات بھی چھٹی رہے گی اور ہمارا
 بھی ہلکا ہو جائے گا۔ لیکن ابھی وہ چارے کر رہا ہوں۔ اب تک اسے
 نہیں۔" آندہ نے اس بار بڑی گہری نگاہوں سے شیلہ کی
 طرف دیکھا۔ جبکہ شیلہ اس کی نگاہوں کی پرتھوئی محسوس کر کے ہلکا
 ہلکی تھی۔ دلراج سب سن کر بھی خاموش رہا تھا۔
 "میری ماہیں تو آپ لوگ مارگ کے چوتھے کمرے میں ہیں۔"
 آندہ نے کہا۔ وہ ایک درجہ کا بدعاش آدمی ہے۔ مجھے معلوم
 ہے کہ اس نے کماری جی کو شادی کرنے کا لالچہ دیا ہو گا۔"
 "ہاں۔ ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔" ظاہر نے جلدی سے
 گردن ہلا دی۔ "کیوں بیلا؟ یہی بات تھی نا۔"
 "جی نہیں بات تھی۔" بیلا نے دھیرے دھیرے جواب دیا۔
 بھی اس کے بہکانے میں آئی تھی۔ لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ
 ایسا آدمی ثابت ہو گا۔
 "وہ ایسا ہی آدمی ہے کماری جی۔ اول درجے کا بدعاش
 یہ تو مجھے معلوم ہے کہ اس نے نہ جانے کتنی لڑکیوں کو اس طرح
 جو تو ف بنا دیا ہے۔ وہ تو ہر کوئی بھاری خیر خواہی بھی کرے گا
 کے ہاتھوں سے پہنچ نہیں دے گا۔ وہ تمہیں خوبصورت لڑکیوں
 کو شادی کا لالچہ دے گا کہ ان کے ہاتھ پہنچ دیا کرتا ہے۔
 وہ شراب پی پیتا ہے۔ جو کھانا کھاتا ہے۔ اب میں تم لوگوں کو کیا
 بتاؤں کہ وہ کتنا بدنام آدمی ہے۔ نہ جانے کتنی بار حوالا جا
 کرتی ہیں۔"

جیسا ہے۔ کچھ نہیں آتا کہ تم جیسی اچھی اور بھلا دار لڑکی اس
 نے کچھ نہیں سس طرح بھول گئی تھی۔
 "بس جی۔ اس کی قسمت خراب تھی، اور کیا ہوا جاسکتا ہے؟
 دلادو نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ بھائی اچھا ہوا کہ تم نے
 اس کو بچا رکھا۔ بہت بڑا کام کیا۔ اب میں اس کو بھی اس کے پاس جانے
 نہیں دلاؤں گا۔"
 "یہ تو آپ بہت اچھا کر س گئے پہلے؟" آندہ نے کہا۔
 "میں نے دی کہ اس نے جانے میں آپ سب کو خطرہ ہے۔
 "لیکن میں اب اس طرح واپس بھی نہیں جاؤں گا۔ لولا
 غراتے ہوئے لولا۔ "دیکھو نوجوان۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو
 اور کس مزاج کے آدمی ہو لیکن نہ جانے کیوں متحاری باتیں
 سن کر تم پر بھروسہ کرنے کوئی چاہتا ہے۔ اس لیے میں تمہیں یہ
 بتانے میں کوئی ہجھک محسوس نہیں کرتا کہ اس نے یہ سوچ کر
 آج بھی بھائی اگر مارگ نے اس لڑکی کو دھوکہ دینے کی کوشش
 کی تو اسے مزاد دینے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ مارگ آندہ سے
 وہ کسی کی عزت سے کھینچنے سے بڑا جانے والا ہے۔ اچھا ہوا کہ
 تم سے اس کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔ اس
 کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے دھوکہ ہی دیا ہے۔"
 "آپ اسے کیا سزا دیں گے پہلے؟" آندہ مسکرا دیا۔
 "وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس کے ساتھ بدعاشوں کی
 پوری ایک فوج موجود ہے۔"
 "میں سمجھ گیا ہوں۔ لیکن مجھے تمہیں کچھ نوجوان مل جاتے
 تو اس کی بدعاشی ختم کر سکتا ہوں۔ میں ایسے آدمیوں کو
 چھوڑ دینے کا قائل نہیں ہوں۔"
 "بہت مشکل ہے پہلے۔ میں خود بہت دلوں سے اس
 کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔ لیکن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ اصل
 طاقت تو شیوہ میں ہوتی ہے۔ اگر میرے پاس پیسے ہوتے
 تو میں خود ہی بدعاشوں کی ٹیم بنا کر اس کی بستی کی ترقی دیتا
 لیکن کیا کروں۔" اجبور ہوں۔ ہاتھ مل کر رہ جاتا ہوں۔"
 "اچھا یہ بتاؤ بھائی اگر تمہارا ہے؟" دلادو نے پوچھا۔
 "وہ سلسلے؟" آندہ نے ایک گہری طرف اشارہ کیا۔ اس
 کا وہ گھر مرگ کے کنارے ہی تھا۔ ایک مندر لالائش میں
 بنا ہوا ایک مکان تھا۔
 "تم اسے نام سے اس مکان میں جوئے کا وہ قائم کرو؟"
 "دلادو نے کہا۔ "وہ تو ہوا ہی کاٹ سکتا ہے۔ میں کوئی نہیں جانتا
 ہوں کہ بڑی کا مقابلہ کرنا ہے یا کیا جاسکتا ہے۔"
 "یہ بہت مشکل ہے۔ اقدہ قائم کرنے کے لیے آدمیوں کی
 ضرورت ہوگی۔ اور میں آدمی کہاں سے لاؤں گا؟"

"میں تمہیں اس کام کے لیے بیس ہزار روپے دے رہا
 ہوں۔" دلادو نے کہا۔
 "میں ہزار روپے آندہ کے ہونٹ کا چنے لگے۔ روٹیوں کا سس
 کر اس کے انداز میں اکل بدل گئے۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ہزار روپے
 اس کے انداز میں احترام پید ہو گیا تھا۔
 "میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ تمہاری مرضی کے جو ان چن
 لو۔ انہیں کرنے پر حاضر کرو۔ اب تم اس بستی پر راج کرو گے۔
 اس مارگ کا زمانہ گزرا۔ کچھ۔"
 "اسے تم لوگ کچھ کرانے کے لیے کیوں جلا تے ہو؟
 یہ بات ایک ہوشی کے مالک نے نہیں سن کر ایک گیم کو غلبہ
 کرتے ہوئے کہی تھی۔
 اس گیم میں پہنچا ہوا تھا۔ دو لڑکیاں اور تین لڑکے۔ ان
 کے بال بے شمار بڑے ہوتے تھے۔ ہر ایک کے چہرے اور ہاتھ
 ہاؤں پر سیر کی تھیں جی ہوئی تھیں۔ ان کے بدن سے بدبو
 آتھ رہی تھی، لباس جھول رہا تھا۔ ایک نوجوان نے ایک گنا
 بھی اٹھا رکھا تھا۔ جبکہ دوسروں کے پاس سفی پٹیلے تھے جو ان
 کی پشت سے چپکے ہوئے تھے۔ ان تین آدمیوں میں ایک اور
 بھی تھا۔ اس کا خلیہ بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھا۔ اسے
 دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہے؟"
 اس وقت وہ تینوں کی ایک ٹیم کے ساتھ اس ہوشی
 میں موجود تھا جس کا مالک ایک ایسا شخص تھا جو اس لیے
 نوجوانوں سے اسے اس طرح دکھائی دے رہا تھا۔
 "اسے تم کہا بات لوتنا ہے؟" ان میں سے ایک نے ہوشی
 کے مالک سے کہا۔ "تمہارا کوئی دماغ تو انہیں خراب ہے۔ ہم
 لوگ تمہارے ہوش میں کھانے پینے کے لیے آیا ہے اور تم انہی بات
 کرتا ہے۔"
 "پہلے روکنا دکھاؤ۔" مولا لولا۔ اس سے پہلے ہم تم لوگوں
 کو پیچھے ہی نہیں دے گا۔ جاگو گے کہ تو اچھی تم لوگوں
 کو باری باری اٹھا کر یہاں سے باہر پھینک دے گا۔"
 "ہم لوگ تمہارے کسی جاگو سے نہیں ڈرتا۔" دوسرے ہوشی
 نے کہا۔ "چلو اس کو بھی ہلا کر پیچھ لو۔"
 "اسے جاگو۔" ہوشی کے مالک نے باورچی خانے کی
 طرف دیکھتے ہوئے آواز لگائی۔ "درا ہر اگر ان مایوں کو پیچھ
 تو ہے۔"
 لیکن کے دروازے سے ایک موٹا تازہ آدمی برآمد ہوا
 اپنے پیچھے اور صورت، ہی سے خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔ اسے
 دیکھ کر دونوں لڑکیاں سمٹ کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ جبکہ

داد کو بھی ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے پہلے ان دونوں کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

”جو تم لوگ بیٹھا“ اسے ”جاگو ان دونوں بیٹوں کے سامنے اگر کھڑا ہو گیا تو وہ ابھی چکر چرے کی طرح ٹھکڑا ہوگا“

ان دونوں کو شاید لڑکیوں کے سامنے اپنی بیٹی کی طرح نہیں تھی۔ اس لیے ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ تھام کر بائیں اس گھونے کا اس قوی برقی شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی چٹان پر کسی پتھر کے ٹکڑے ہاتھ نے گھونسہ رید کر رکھا ہو۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ ابھری تھی اور اس نے اچانک اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا کر گھونسہ مارنے والے شخص کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کے لیے اس کی طرف جھٹکا دیا۔ اس نے جھٹکا دیتے ہی گریبان چھوڑ دیا تھا۔ اس جھٹکے سے وہ ہڑ ہڑا کر آگے کی طرف جھٹکا اس کے ساتھ ہی جا گئے اس کی پشت پر وہ تڑپنا رہا۔ اس کا وہ دھڑکا اس کے لیے قیامت ثابت ہوا تھا۔ وہ اوہ کی آواز کے ساتھ ڈرنا تھا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اور ابھی وہ دھڑکی طرح گرے ہی نہیں پایا تھا کہ جا گھونے اس کے برابر کھڑے ہوئے وہ سر سے پہلی کے ہرے ہر ایک گھونسہ رید کر دیا۔ گھونسہ کھانے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی فٹ بال زیر دست ٹھوکر کے ساتھ اڑا رہا ہو۔ میزوں سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ شخص میزوں سے ٹکراتا ہوا میزوں کو ساتھ لیے ہوئے دوسری طرف اٹھ گیا تھا۔

اسی طرح لڑکیاں بڑی طرح چیخنے لگیں۔ ہوتا مانگ نہ دے زور سے ہنس رہا تھا اور جس شخص کو جا گھونے گھونسہ رید کر رہا تھا وہ میزوں سے ٹکرا کر گرنے کے بعد نشانہ بدیم ہوش ہو چکا تھا جبکہ دوسرا ابھی تک ہوش میں تھا لیکن اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اس کے منہ سے یہ وہ کرکڑ نکلتی اور وہ ترپنے لگتا۔ ان دونوں سے مطمئن ہو کر جا گھونے چانک داد کی طرف چھٹ پڑا۔

داد کو اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس شخص سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس دوران جا گھونے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ داد اس کی طاقت اور برق رفتاری دیکھ چکا تھا۔ اس لیے وہ اسے خود پر حرم کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ جا گھونے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور داد نے جھٹکا اس کے کراس کے پیٹ پر ایک گھونسہ رید کر دیا۔ اس گھونسہ نے جا گھونے کا چہرہ مس کر دیا۔ درد کی شدت سے اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ وہ لڑکھارہ کی طرح قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس نے خود کو سنبھالنے میں وہ نہیں لگا تھی سنبھلتے ہی وہ ڈرنا ہوا آگے بڑھا اور اس نے داد کے سینے

پر ایک ٹکڑا رید کر دی۔ یہ ٹکڑا اس نے اپنی تیز رفتاری سے رید کر کئی کراہنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ٹکڑے اسے کئی قدم پیچھے دھکیل دیا۔

جا گھونے اس وار سے شرمیل ہوئی تھی۔ وہ ایک بار پھر ڈرنا ہوا آگے بڑھا اور ایک وقت اسے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اس نے داد کے دونوں شانوں پر کرکڑ مارنے کا ارادہ کیا۔ یہ دو طرفہ وار بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔ لیکن داد اس کا سینہ لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ جا گھونے کا ایک ہاتھ اور دوسرے پیچھے ہٹ کر بڑی برق رفتاری سے ساتھ اس کے دونوں ہاتھوں کو پیکڑ کر اسی برق رفتاری کے ساتھ اس کے لیے طرف جھٹکا دے دیا۔ یہ بالکل وہی وار تھا جو جا گھونے پہلے پہلی کے ساتھ کیا تھا۔

جا گھونے جھٹکا کھا کر آگے کی طرف بڑھا اور داد نے اس کی پشت پر ایک زوردار ٹھوکر رید کر دی۔ یہ ٹھوکر جا گھونے کے لیے حقیقی ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس جھونے میں ڈوڑھا ہوا سامنے والی دھڑکے سے جا کر ٹکرا گیا۔ وہ اس کے ساتھ اس کے ٹھوکر کا منظر بھی بہت خوفناک تھا۔ وہ اتنی زور سے ٹکرا رہا تھا کہ اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ اور پیچھے ہوئے سر سے پھٹ چلا خون بہنے لگا تھا۔ اس کے فرش پر ڈھیر ہوئے ہی موٹے مالک نے زور زور سے چلنا شروع کر دیا۔ اس کی پیچھے دھڑکے ایک سماں باندھ دیا تھا۔ اس کے ٹھوکرے دونوں لڑکیوں کو بھی حرکت دی اور وہ بھی ٹھوکرے لگیں۔

داد کے لیے اب اس ہوش میں ٹھہرنا بیکار تھا۔ اس نے ایک جست لگا کر اور داد سے باہر نکل گیا۔ بارے کچھ لوگ اس شور کو سن کر ہوش کی طرف آئے لیکن کچھ سے انھوں نے داد کو بڑی جرات سے دیکھا اور ایک طرف ہٹ گئے۔

داد اس کے درمیان سے نکلتا ہوا چلا گیا۔ اس نے ہوش کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

پستی زنگاری تھی۔ لیکن یہ مضمونی زنگاری تھی جبکہ بالکل اسی قسم کی کوئی اور پستی یہاں سے بہت دور نیپال کی کسی وادی میں موجود تھی۔

یہاں داد کا اناس منسوبہ کا ایک حصہ تھا جو وہ پالی نے اس کے لیے تیار کیا تھا۔

داد دھڑکی سے ہوش پر حرکت ہو کر عدل کے فلیٹ میں آ گیا تھا۔ یہاں ابھی تک عدل اور سلیم کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے زنگاری کی طرف بھی جا کر دیکھ لیا لیکن وہ بھی ابھی تک سو ماوی اودھانی کے بارے میں کچھ معلوم کر کے واپس نہیں آچکا تھا۔ داد کو بھی غائب ہو چکا تھا اور اب داد کے لیے یہی رہ گیا تھا کہ وہ روپالی کی طرف سے کسی خبر کا انتظار

لڑتا رہے۔ روپالی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ دو چار دنوں میں ہی عدل اور سلیم کے متعلق کچھ معلوم کر کے بتا دے گی۔ چار دنوں کے بعد روپالی نے شیوہ کے درپے اسے پھر اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔

”تمہارے دونوں آدمیوں کا پتہ چل گیا ہے“ داد نے اس کے ہاتھ لے کر کہا۔ ”اور اتفاق سے وہ دونوں اس وقت نیپال میں ہیں۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ داد نے کچھ کرکڑ لولا۔ ”انھیں نیپال جانے کی کیا ضرورت پڑی؟“

”وہ خود سے نہیں گئے بلکہ لے جانے گئے ہیں“ روپالی نے بتایا۔ ”ایک گروہ ان دونوں کو اغوا کر کے نیپال لے گیا ہے۔“

”یہ کہو کہ تمہیں نیپال کے لیے ایسی داستان سناری ہو۔“ داد نے تلخ ہنر کر کہا۔

”میں جانتی تھی کہ تمہارے ذہن میں یہی بات آئے گی“ روپالی نے ایک گہری سانس لی۔ ”لیکن پھر وہ میں نہیں کچھ ثبوت دکھائی ہوں۔“ ”میں خود یقین آجائے گا۔“

اس نے پہلے کی طرح اپنے صوفے کے پیچھے پرچی ہوئی گھنٹی پرانے لنگی کر دی۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی صوبہ انداز میں کمرے میں داخل ہو گیا۔

”ہلام سے کہو کہ وہ داد کے آدمیوں کی فائل پہنچا ہے۔“ روپالی نے ہدایت دی۔

وہ آدمی سر جھٹکا کر کے باہر چلا گیا۔ اس کے چلنے اور ہلام کے آنے تک ممکن خاموشی رہی تھی۔ ہلام ایک لیٹر عمر کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ وہ ایک گھٹے ہوئے بدن کا آدمی تھا اور اس کے سر پر ایک بال بھی نہیں تھا۔ اس کی جگہ کی طرح ہلکے رنگ کی تھی۔ اس کے پیچھے کے ساتھ ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی دونوں ہاتھوں میں جڑی ہوتی تھیں اور ان جڑی ہوتی ہتھوڑوں کے نیچے اس کی آنکھیں چراغ کی طرح روشن تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک فائل سے رکھی تھی۔ اس نے وہ فائل بڑے ادب کے ساتھ روپالی کے آگے پیش کر دی۔

روپالی نے وہ فائل داد کی طرف بڑھا دی۔ ”تم خود دیکھ سکتے ہو۔ اس میں ان دونوں کے بارے میں ثبوت ہے۔“

داد نے بڑی چال بازی سے اس کے ہاتھ سے فائل لے لی۔ فائل کے پہلے ہی صفحے پر وہ تصویر پرانے ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں سلیم اور عدل کی تھیں۔ وہ دونوں ایک ایسے

ہوش میں بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے جس کی یادیں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ ان کے ارد گرد کچھ ایسے لوگ تھے جو صورت سے نیپالی دکھائی دے رہے تھے۔ سلیم اور عدل ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تصویریں اس کے سامنے آتاری تھیں کئی کئی روز اور اس بنی ہوئی کھڑکی اور کھڑکی سے باہر کا منظر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر ایک پہاڑی کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا۔

اس تصویر کو دیکھ کر بڑی آسانی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ تصویر ہندوستان کے کسی علاقے کی نہیں ہے۔ اس تصویر کا روپالی منظر خیالی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ داد کچھ دیر تک اس تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے وہ فائل پالی کو واپس کر دی۔ اس فائل میں اس تصویر کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔

اس تصویر کو دیکھنے کے بعد بھی کچھ یقین نہیں آ رہا ہے۔ داد نے کہا۔ ”یہ دونوں جو ہے نہیں کہ انھیں اس طرح سے ہندوستان سے اٹھا کر نیپال لے جایا گیا ہے۔ اور انھیں ایک ہوش میں کھانے پینے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور وہ دونوں ہوش میں آنا دہرنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھر بیٹھے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہت آسان بات ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ یہ دونوں اپنے ہوش میں ہیں۔“ روپالی مسکراتی ہوئی بولی۔

”کیا مطلب؟“ داد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”یہ کہ اگر وہ ایسے ہو گیا یہ دونوں اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔“

”نہیں۔ انھیں ایک خاص قسم کی دوا استعمال کرانی“

”جی ہے جس کی وجہ سے ان کے دماغ واقعی طور پر مازوف ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں ہیروئن کا عادی بنا دیا جا رہا ہے۔ تاکہ دھیرے دھیرے یہ فوج ہو کر رہ جائیں اور ان لوگوں کے اشارے پر چلتے رہیں جنھوں نے انھیں اغوا کیا ہے۔ تم یقین کر دو۔ ابھی سے ان لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ یہ تم کے ہنرے بن کر رہ گئے ہیں۔“

”انھیں یہ سب کیسے معلوم ہو گیا؟“ داد نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ”ان لوگوں نے سلیم اور عدل کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ وہ کیا چاہتے ہیں؟ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ تم ہی لوگوں نے کیا ہو۔“

”میں نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا۔“ روپالی نے کہا۔ ”کہو کہ تمہارا شک درست ہے۔ تم شاید یہی سمجھتے ہو کہ کہیں انھیں نیپال پہنچانے کے لیے ایسی حرکت کر رہی ہوں۔“

لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تمھارے کہنے پر داور
تم سنان دونوں کے جیسے معلوم کر کے اپنے آدمی ان دونوں
کی تلاش میں بھیج دئے۔ نہ چلے کیوں میرا خیال تھا کہ وہ
دونوں کہیں خیال میں نہ ہوں گے۔
"خیال تھا کہ وہ ذہن میں کس طرح آیا؟" داور نے
پوچھا۔

"آدمی اگر سوچے کچھ کی صلاحیت سے کام لے اور داور
دو جاہ کی طرح متناقض کو جمع کرنے کو پھر سارے مسئلے حل ہو جاتے
ہیں۔" روپالی نے کہا۔ "موت حال یہ ہے کہ یہاں میرے
بہت سے آدمیوں کو معلوم ہے کہ میں تمھان سے ہر دور کے
سیکس میں کوئی کام لینے والی ہوں۔ دوسری طرف موجودہ
سردار یہ نہیں چاہے گا کہ کوئی شخص اس قسم کی حرکت کرے۔
اس لیے اس کے نزدیک بہتر یہی ہوگا کہ وہ خطے کو کتنی تک
پہنچنے ہی نہ دے بلکہ میرے لئے میں روک لے۔ ممکن ہے کہ
ہمارے آدمیوں میں کوئی سردار کا آدمی بھی شامل ہو۔ اس نے
یہ بات سردار تک پہنچا دی ہو۔ اور سردار نے یہی فیصلہ کیا ہو
کہ تم پر داور کو ڈالنے کے لیے تمھارے بھائی اور دوست کو اغوا
کر لیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے تمھاری شہرت سن لی
ہو۔ اور تم سے خوفزدہ بھی ہو۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے،" داور نے اپنی گردن ہلائی۔
"لیکن کیا میں اس طرح اپنے ارادے سے باز آ جاؤں گا؟"
"یہ تو تم پر منحصر ہے،" روپالی نے کہا۔ "اغوا کر کے ڈالنے
یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم ان دونوں کے یکے کے بعد ایک
ہو سکتے ہو۔"

"وہ آدمی تمھارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟" داور
نے پوچھا۔

"یہ بھی تو میں نہیں جانتی،" روپالی نے جواب دیا۔ "اگر
جانتی تو وہ آدمی ایک شخص ہے جس میں آچکا ہو۔ دوسری طرف
میرے بھی دیکھ لینا کہ وہ آدمی میرے سردار نے اپنا نام نہاد مقرر کیا
ہے کہ میرا داور ڈالنے کے لیے تمھارے سامنے آئے گا۔ وہ کوشش
کے ساتھ کہ تم میری بات ماننے سے انکار کرو۔ وہ خیال چلنے کا
ارادہ ترک کر دے۔ ایسی صورت میں تم سے کہا جاسکتا ہے کہ تمھارے
بھائی اور دوست کو واپس کر دیا جائے۔"

"یہ سب کچھ تم تنہا دونوں کے ساتھ کہہ کر ہی ہو کر جیسے
سب کچھ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو،" داور نے کہا۔
"اندر اڑوں کی بھی تو کوئی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ تم دیکھ

لینا کہ ایسی ہی بات ہوگی۔ اور اگر یہ نہ بھی ہوا تو تمھارا دوست
اور بھائی تو خیال میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم انھیں لوں ہی
نہ چھوڑو گے۔"

"ظاہر ہے کہ انھیں واپس لانے کے لیے میں اپنی پوری
کوشش کروں گا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ اگر تمھاری بات
درست ہے تو ان کو اغوا کرنے والے انھیں نقصان پہنچا دیں
گے۔ اگر وہ مجھ سے کام لینا چاہتے ہیں تو میں اس بات کی کبھی
پرہیز نہیں کروں گا کہ تمھاری بیٹی کہاں ہے اور تمھارا سردار
کتنی قوت رکھتا ہے؟"

"تم واقعی اس حوصلے کے انسان ہو۔ مجھے یقین ہو گیا ہے
کہ اب میں تمھاری مدد سے اپنا گم ہوا مقام حاصل کر لوں گی۔"
روپالی نے گفتگو کے بعد داور کے غلبہ کے فیصلہ واپس
آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اور سب واپس آجائیں گے۔ بالمشابہ
داور کو تصور ہو گیا تھا کہ وہ غلط ہو۔ وہ تصدیق کی کہ
ایسی کیر و مرگ ہو جسے وہ سمجھ نہ پایا ہو۔ بہت ممکن ہے
کہ یہ سب روپالی ہی کی چال ہو۔ وہ بہت گہری خوراک معلوم
ہوئی تھی۔ اس کے ذہن اور مسائل بے شمار تھے۔ وہ داور کو
اپنی مرضی پر چلانے کے لیے یہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ اور اگر اس
میں روپالی کا ہاتھ نہیں بھی تھا تو کم از کم ان لوگوں کو داور کے
ضرور رابطہ قائم کر چاہیے تھا۔

داور پر سب سوچ کر غلبہ کے فیصلہ واپس آگیا تھا۔ لیکن
دونوں تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ ان دونوں میں سے کسی نے
بھی اس سے رابطہ پیدا نہیں کیا۔ اب اس کے خیال کے مطابق
فیصلہ میں رہ کر غلبہ اور سب کا انتظار کرنا بے سود تھا۔ اس
لیے اسے روپالی کے لیے ہاں کر دینی تھی۔ روپالی کے منصوبے
پر کام کرنے کے لیے اسے زنا کاری چاہنا تھا۔ بغیر زنا کاری۔

میں میرے دن داور خود ہی روپالی کے پاس پہنچ گیا۔ اس
نے جب روپالی سے اپنی آمادگی ظاہر کی تو وہ خوشی سے
بے تاب ہو گئی۔

"یہ تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے،" روپالی نے کہا۔ "سب
سے پہلے انھیں دولاہ روپے پیش کر دئے جائیں گے۔ بقایا کا
مکمل ہونے کے بعد میں ملے۔"

"تم جیک ہے۔" ڈون "داور نے کہا۔" میں تیار ہوں،
لیکن میں ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں آزادانہ طور
پر کام کرنے کا عادی ہوں۔ میں نہ کسی کی مداخلت پسند
کروں گا اور نہ ہی کسی کا مشورہ مانوں گا۔ میں جو کچھ بھی کروں

اپنی مرضی سے کروں گا۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تمھارے راستے میں کوئی
آئے۔ روپالی اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "تم اپنی مرضی
سے جو چاہو کرو۔ ہمارا کام صرف یہی ہوگا کہ انھیں اس مقام
تک پہنچا دیا جائے جہاں مصنوعی زنا کاری بسائی گئی ہے۔
میں نے اس کو بولنے میں بہت محنت اور سرمایہ صرف کیا ہے۔
ماحول بالکل ویسا ہی ہے جیسا زنا کاری کا ہے۔ اس سے
کچھ عرصہ پہلے میں نے حکومت سے ایک وسیع و وسیع زمین
خرید لی تھی۔ پھر میرے ذہن میں زنا کاری بنانے کا خیال
آگیا۔ اور میں نے وہ بستی بسائی۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں
تھا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ وہ بستی اسی کے مطابق بنائی گئی ہے۔"
"ہوں؟" داور نے ایک ہنسی بولی "میرے لیے یہ بھی
ایک دلچسپ بات ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم اس بستی میں باشندے
کہاں سے لائی ہو؟"

"اور دیکھو کہ وہ ہاتھوں کے لوگ ہیں،" روپالی نے بتایا۔
"ان کے علاوہ بہت سے لوگ خیال سے بھی لائے گئے ہیں۔
حقیقت کارنگ بھرنے کے لیے میں نے اس بستی میں بڑے بڑے
گوشت سی ہونٹیں دے رکھی ہیں جن میں جس طرح خیال میں
اپنی جیسے ہونٹیں مل جائیں گے۔ بالکل اسی طرح بے شمار سی
مٹھیں مصنوعی زنا کاری میں ملیں گے۔ وہ ایک قسم کا ملاؤں
ملاؤں ہے تم وہاں جا کر خوش ہو جاؤ گے۔"

"تم جیک ہے۔ تم نے وہاں پہنچنے کے بعد دوست کر دو۔"
داور نے کہا۔ "باقی حالات میں خود ہی سمجھال لوں گا۔"

روپالی نے اسی وقت داور کو دولاہ رقم ادا کر دی تھی۔
داور نے اس میں سے کچھ رقم الگ رکھی اور بقیہ رقم اس نے
بقی ہی میں اپنے اعتماد کے ایک آدمی کے پاس جمع کروادی۔
روپالی نے اسے شام کے وقت داور کو اپنے پاس بلایا تھا۔
رقم اپنے دوست کے پاس رکھنے کے بعد داور بار بار کی
طرف چلا گیا۔ اس نے اپنے لیے ایک بڑے سے سوئی جھیل کے

علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں خریدی تھیں۔ ان تمام چیزوں
کو سڑی بیگ میں بٹھوٹ کر وہ روپالی کے شانہ کو کھینچی کی طرف
چل پڑا۔ اسے لوگے کے جڑے کے بعد ایک دوسری ہم پر ہوا
ہونا تھا۔ لیکن اس بار غلبہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اور نہ ہی
اس نے کسی اور آدمی کا سہارا لیا تھا۔ اس بار کچھ بھی کرنا تھا
لیکے ہی کرنا تھا۔ لیکن اس کے خیال کے مطابق اس کی یہ پہچانی
اہمیت سے بہت مختلف، دلچسپ اور خطرناک تھی۔

داور کی جگہ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ روپالی کی بات مان
کر صاف کر رہا ہے یا واقعی وہ سب کچھ درست ہے جو اسے بتایا
گیا ہے۔ اس دور میں اس قسم کی گمانوں پر یقین کرنے کو دل
نہیں چاہتا۔ لیکن روپالی کے دئے ہوئے نوٹ مصنوعی نہیں تھے
اصلی تھے۔ گڑبڑ کرتے ہوئے نوٹ جو داور کی بہت سی پریشانی
دور کر سکتے تھے۔ اس نے سولے نوٹ دولت کے لیے جھیل کے اور
کیا کیا تھا۔ اس نے تو اپنی زندگی کا گھڑی ہی بنایا تھا۔ رقم
حاصل کرنا، دل بھر کر پیش کرنا، اس کے بعد ہاتھ بٹھا کر دوبارہ
کسی نئی جہم پر مل رہا۔

یقین نہ کرنے کے باوجود داور نے اس لیے آمادگی ظاہر
کی تھی کہ اس کی طرف اس کی دیر اور ہم جو فطرت
کی لیکن ہوری تھی اور دوسری طرف اسے اپنی رقم مل رہی
تھی جو ہمیشہ میں بد معاشری کرنے کے بعد ایک سال میں ہی مل
نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت اچھا موقع تھا۔ اور
اب غلبہ اور سب کا سامنا بھی نکلی آیا تھا۔ اگر رقم درمیان میں
نہ بھی ہوتی تب بھی اسے ان دونوں کو تلاش کرنا ہی تھا۔
روپالی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے اوپر گراس
کے محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ اور انھیں دیکھ کر داور کے یقین
کرنا پڑا تھا کہ روپالی کو اپنے قبیلے میں کسی دلی کی حیثیت حاصل
ہوگی۔ یہ لوگ روپالی کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اس نے آج تک
کسی کو احترام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اور داور کو یقین
تھا کہ روپالی کے دعوے کے مطابق وہ لوگ اس کے اگلا ہے
برابر اپنی جگہ قریب کر دیتے ہوں گے۔ لیکن جرت کی بات تھی
کہ ان لوگوں کے درمیان ایک ایسا آدمی بھی موجود تھا جو روپالی
کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس آدمی کو تلاش کرنا مشکل تھا۔
جھیل ہوئی گروٹوں کے درمیان کسی پہاڑ جھیل کی نشان دہی
آسان نہیں تھی۔ اگر روپالی کی باتیں درست ہیں تو اسے بہت
احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ اندھیرے سے چلا یا ہوا تو اس
طور پر بہت تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

روپالی اس وقت سفید لباس میں ملبوس تھی جیسے خیال
کی برف پوش پہاڑوں پر سے کوئی اجلا صاف و دودھ صاف
کاغذ انسانی صورت اختیار کر گیا ہو۔ اور اس برف کی انسانی
صورت پر سورج کی ٹپکی ٹپکی دھوپ پڑ رہی ہو۔ وہ انہی ہی رنگ
دکھائی دے رہی تھی جیسے کچھ برف دار ایسی طرح برف کے
دری و قطروں کے چھل چھلنے کی۔ داور نے پہلی بار اسے
نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اس نے سفید ہی مٹیوں کی ایک مالا پہن

رکھی تھی جو اس کے سینے پر چل رہی تھی۔ داور کو احساس ہوا کہ روپالی کے حسن میں دافنی شہزادوں جیسی شان اور دلیریوں جیسی دلغزی پائی جاتی ہے۔

مدہالی کے پاس دوسروں کے علاوہ گونگا اور شیو بھی کھڑا تھا۔ جو داور کو دیکھ کر ہنسے جلنے پہلے انداز میں سکرا دیا اس کے بعد اس نے دو بار گردن جھکا لی تھی۔ برآمدے کے پنجلیک جیب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس جیب پر داور کو سفر کرنا تھا۔ جیب کی ڈرلوں تک بیٹ پر ایک قوی ریل آدی بیچا تھا جو داور کے لیے ڈرلوں پر مقرر کیا گیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ ڈرلوں کی تیاریوں کے ساتھ کئے ہوئے۔“

مدہالی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”خا ہرے۔ میں اپنے طریقہ میں اعتدال کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں ایک بار پھر گا کہ وہ دیتا ہوں کہ اس لیتی میں پہنچنے کے بعد کسی کو ہرے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔“

”یہ بات شاید پہلے ہی ہے۔“ مدہالی نے تنگی

ہلنے میں بولی۔ ”ہمارا ڈرلوں پر تھیں وہاں تک پہنچ کر واپس آجائے گا۔ تم سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اور یہی تم اس کے کچھ معلوم کر سکو کہ کچھ یہ بھی شیوا کی طرف گونگا ہے۔“

”اوہ۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”شاید کسے بھی

شیوا کی طرح شہزادی تھی ہے۔“

”ہمیں یہ پہچاننا تو گنا ہے۔“ مدہالی نے کہا۔ ”وہی میں نہیں یہ بتا دوں کہ یہ معاملات ہمارے ذاتی ہیں نہیں جس کام کے لیے منتخب کیا گیا ہے تم دای کر دو۔“

”نہیں۔“ داور نے جواب دیا۔ ”میں نے تم سے کہ ہمارے یہاں کس کو شہزادی تھی ہے اور کس کو شہزاد نہیں دی گئی ہے۔“

داور کا دل چاہا کہ وہ روپالی کا کام کرنے سے انکار کر دے اس کا ابو اسے ناگوار گزارا تھا۔ لیکن اپنے مزاج کے برعکس وہ خاموش ہو گیا۔ اسے ابھی اس لیتی میں پہنچ کر مدہالی کی توقع پر بدامرز تھا۔ تاہم شہزادہ صرف مزید رقم لینے کے لیے تھا۔ داور نے اصل کام کے لیے یہاں بھی دانا کر دیا تھا۔ وہاں عمل اور بہیم کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔

داور نے ڈرلوں کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اسے روپالی کی احتیاط پسندی پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے داور کے لیے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکا تھا۔ اس نے داور کو دیکھا تھا۔ وہاں ایک کھڑی تھی۔ اس جیب پر داور کو سفر کرنا تھا۔ جیب کی ڈرلوں تک بیٹ پر ایک قوی ریل آدی بیچا تھا جو داور کے لیے ڈرلوں پر مقرر کیا گیا تھا۔

”اوہ۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”شاید کسے بھی

شیوا کی طرح شہزادی تھی ہے۔“

”ہمیں یہ پہچاننا تو گنا ہے۔“ مدہالی نے کہا۔ ”وہی میں نہیں یہ بتا دوں کہ یہ معاملات ہمارے ذاتی ہیں نہیں جس کام کے لیے منتخب کیا گیا ہے تم دای کر دو۔“

”نہیں۔“ داور نے جواب دیا۔ ”میں نے تم سے کہ ہمارے یہاں کس کو شہزادی تھی ہے اور کس کو شہزاد نہیں دی گئی ہے۔“

داور کا دل چاہا کہ وہ روپالی کا کام کرنے سے انکار کر دے اس کا ابو اسے ناگوار گزارا تھا۔ لیکن اپنے مزاج کے برعکس وہ خاموش ہو گیا۔ اسے ابھی اس لیتی میں پہنچ کر مدہالی کی توقع پر بدامرز تھا۔ تاہم شہزادہ صرف مزید رقم لینے کے لیے تھا۔ داور نے اصل کام کے لیے یہاں بھی دانا کر دیا تھا۔ وہاں عمل اور بہیم کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔

داور نے ڈرلوں کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اسے روپالی کی احتیاط پسندی پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے داور کے لیے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکا تھا۔ اس نے داور کو دیکھا تھا۔ وہاں ایک کھڑی تھی۔ اس جیب پر داور کو سفر کرنا تھا۔ جیب کی ڈرلوں تک بیٹ پر ایک قوی ریل آدی بیچا تھا جو داور کے لیے ڈرلوں پر مقرر کیا گیا تھا۔

داور کے لیے یہ ایک نیا کام تھا۔ اس نے بھی اپنا جیب تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ لیکن مدہالی کی بات نے اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا کر دیا تھا کہ اس لیتی میں پہنچنے کی بھی ایک خاص تعداد ہو تو ہے۔ داور نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ بھی کے ٹوپ میں لیتی میں داخل ہوگا۔ اس نے بھی کے بازاروں میں سے اسی لیے بہت سی چیزیں خرید لی تھیں۔

ایک ٹرے سے درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے اپنا پاس تبدیل کر لیا۔ اب اس کے جسم پر پانی نہیں اور ایک میسلی جینز تھی۔ وہ اپنے ساتھ بالوں کی مصنوعی دگ بھی لیتا تھا۔ اس نے ٹرے سے اپنے ساتھ وہ دگ اپنے سر پہن لی۔ اس کے پاس آئینہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ خود کو دیکھتے

بغیر یہ کہہ سکتا تھا کہ اس کا خلیہ بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ اب اسے آسانی سے شناخت نہیں کیا جاسکتا۔

اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ لیتی ایاغ

طوبہ پر دکھائی دینے لگی تھی۔ اس لیتی میں لوگوں کی چہل پہل بھی تھی۔ داور کو روپالی کے وسائل پر حیرت ہونے لگی تھی۔ وہ کیسی عورت تھی جس نے پوری ایک لیتی آباد کر رکھی تھی اور وہ بھی بس یوں ہی۔ جس کا کوئی خاص مقصد بھی نہیں تھا۔

داور نے اپنا آثار ہوا اس سفری بیگ میں ٹھونسوا اور

بیگ کے نشانے سے نکالا اور دوسرے دوسرے شہر کی طرف چل پڑا۔ وہ اب اس شہر میں داخل ہونے والا تھا جہاں ہر طرف اس کے لیے خفیہ کمروں کے علاوہ زمین اور خطرناک لوگوں کے جال

بکھے ہوئے تھے اور اسے ان کے درمیان سے اپنا راستہ بناتے ہوئے اس مندر تک پہنچنا تھا۔ جس میں کالی ریلو کا کادھ مت تھا جس کی آنکھوں میں ہرے سے بکھے ہوئے تھے اور داور کو وہ ہرے اس طرح پہلنے کے لئے کہ وہ بین وقت تک کسی کی گرفت میں نہ آسکے۔ اس کے بعد ہی اس کی اصل ہم کا آغاز ہوتا۔

لیتی سے کچھ فاصلے پر غل غبارے کی آواز سنائی دی۔ وہ ٹھٹھک کر ٹوک گیا۔ ٹرک سے کچھ ہٹ کر کچھ لوگ دائرہ بنائے ہوئے قرض کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ایک ٹرے سے کچھ دیر ایک آدمی بیچتا ہوا ٹرے بے ڈھنگے انداز میں گرا رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ قرض کرنے والے بھی اسی بے ڈھنگے انداز میں قرض کر رہے تھے۔ ان میں دو لڑکیاں اور ایک آدمی تھا۔ داور کے قدموں کی آہٹ سن کر لڑکیاں بچلنے والے نے اپنا ہاتھ روک دیا۔ قرض کرنے والے بیویوں نے بھی قرض کرنا بند کر دیا تھا۔ داور ان سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

”او بھئی آؤ؟“ ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ ”تم بھی اپنے ہی قبیلے کے معلوم ہوتے ہو؟“

”ہاں۔ میں بھی تمھارے ہی قبیلے کا ہوں۔“ داور ان کے قریب آگیا۔

”اچھا، شامل ہو جاؤ ہمارے ساتھ، گنا دے جانے والے نے کہا۔“ ”میں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارا فلسفہ کیا ہے۔ ہم کسی سے یہ نہیں پوچھتے کہ وہ کون ہے۔ اور کہاں سے آیا ہے۔ اور کہاں چلے گا۔ ہمارے قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اچانک شامل ہوتے ہیں اور اپنا نام رخصت ہو جاتے ہیں کسی کے آنے پر تو خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن کسی کے چلنے پر انہوں نے نہیں پہلے چلنے کی بجائے اس کی جگہ کوئی اور اجاتا ہے اور ہم انہوں کا قافلہ چھڑا رہا ہے۔“

”ہم نے شیک کہا۔“ داور بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ”ہم لوگ اسی طرح کے ہو کرتے ہیں۔ ہمیں نہ ایک دوسرے سے برتری آتی ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کے لیے بوجھ ہوا کرتے ہیں۔“

گنا دے جانے والے نے ایک بار پھر جھوم جھوم کر گنا دیا تا شروع کر دیا۔ قرض کرنے والوں میں داور بھی شامل تھا۔ کچھ دیر بعد جب قرض کرتے کرتے ان کے ہاؤں شل ہو گئے تو انھوں نے بیٹی میں داخل ہوئے کالڈ کر لیا۔ انھوں نے اپنا اپنا سفری بیگ اٹھا لیا اور لیتی کی طرف چل پڑے۔

لیتی میں داخل ہونے کے بعد داور کو حیرت ہونے لگی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کوئی مصنوعی لیتی ہو سکتی ہے اچھے مکانات تھے۔ دکا، جن میں ہر شے سفری بیگ میں تھیں، اچھے بیگوں میں اور دھڑلے جاتی ہوئی عورتیں تھیں اور سڑکوں پر چھوٹے ہوئے لوگ تھے۔ دکاؤں کے آگے چھتری ہوئی تھی جن میں گالک موجود تھے۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ

یہ سب کچھ معنوی ہے یعنی میں نے ملکی ہی دکھائی ہے رہے تھے۔ وہاں نے شک کی کہ کیا تھا اس سستی کا ماحول یہاں کیا طرز پر بنایا گیا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ علاقہ ہندوستان کا نہیں بلکہ شمال کا ہو۔

اس سٹیج میں جو کچھ پیشوں کی قومی حکومتی پھر رہی تھی۔ ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ لوگ اسی طرح پچرتے اور گھومتے ہوئے تھے، ہاتھوں میں داخل ہوئے جہاں جاگوسے ان کی لڑائی ہوتی تھی۔ اور دوا دیا جاگوسے زخمی کر کے فرار ہو گیا تھا۔

ہاتھوں کے اندر سے جینے دیکھا کہ آواز اس آری نہیں اور دوا دے گا چلا جا رہا تھا۔ وہ اس معاملے میں خود کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے ایک طرف دوڑ کر گادی تھی۔ وہ بیٹی اس کے لیے جانی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے۔ پس اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ دوڑ لگا دے۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک ایک ایسی جگہ میں لنگھ آیا جس کے دونوں طرف مکان بنے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر مکانوں کے دروازے بند تھے۔ وہ اسی طرح دوڑتا ہوا ان بند دروازوں کے سامنے سے گزرا اور اسی وقت سیڑھے اُسے آواز دی۔

"اے لڑکے جاؤ۔ جاؤ۔ وہ آواز کسی لڑکی کی تھی۔

دوڑنے سے لڑکے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ ایک جوان لڑکی تھی جو اسے اشارے سے اپنی طرف بلاتی تھی۔

"اؤ اندر آ جاؤ۔" اس لڑکی نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ "جلدی کرو۔ ورنہ دوسرے لوگ آ جائیں گے۔"

دوڑنے کے لیے اس لڑکی کی پیشکش پر فوراً کہا پھر اس دروازے میں داخل ہو گیا جس کی طرف اس لڑکی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ ہی اندر آ گئی تھی۔

"کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان کی یہ حالت کب اور کس طرح ہوئی؟" ایک آدمی نے پھولوں کی طرف سے دریافت کیا۔ وہ کوئی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔

"ان میں یہ تبدیلی اب سے دو چار برس پہلے آئی تھی۔" پھولوں کی طرف سے جواب دیا۔ اس کے علاوہ یہ ہر طرح نارمل ہیں۔ ان کی ذہانت بھی باقی ہے۔ یہ جس انداز سے دوسرے پہلے اپنے معاملات کو منظم کرتے تھے آج بھی اسی انداز سے منظم ہیں۔ مانتھنوں پر اسی طرح رعب قائم ہے۔ کاروباری امور کی اسی انداز سے دیکھ بھال کیا کرتے ہیں جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔ پس ان کو اپنی جنس کے بدلنے کا احساس ہو گیا ہے۔ اور خود کو ختم کر ساری حرکتیں کرتے ہیں۔ ان کا چلنا یا بیٹن کرنا سب کا سب خوردوں کی طرح ہو گیا ہے۔ مجھے انھوں نے اپنی بیوی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

"ہوں؟" ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی۔ "کیا میں یہ بلہ چھو سکتا ہوں کہ آپ کے شوہر کو کتنا پیار ہے؟"

"بہت کچھ۔" پھولوں کی طرف سے دوسرے سے جواب دیا۔ "مطلب ہے کہ ان کے معاملات اس قدر پیچیدہ ہوئے ہیں کہ میں آپ کو ہر طرح بتا نہیں سکتی۔ اور نہ ہی انھوں نے مجھے بھی اس بارے میں کچھ بتایا ہے۔ یہ اپنے معاملات اپنے ہی ایک محدود کھٹے کے اندر ہی ہیں۔"

"یہ عجیب کیس ہے مسز فنانہ۔" اس ڈاکٹر نے کہا۔ "اور یہ زیادہ عجیب اس لیے بھی ہو گیا ہے کہ آپ کے شوہر میں کسی قسم کی کوئی جسمانی خرابی نہیں ہے۔ فزیکل یہ پوری طرح فٹ ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے لاشعور میں یہ بات کس طرح بیچھڑ گئی کہ عورت ہیں۔ اس کے لیے میں ان کے لاشعور کو پڑنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"بھگوان کے لیے کچھ کریں ڈاکٹر۔" پھولوں کی طرف سے کہتی ہوئی بولی۔ "میں اپنا کرب بیان نہیں کر سکتی۔ یہ جس وقت عورتوں کی طرح مجھے سے باتیں کرتے ہیں اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ میں خودکشی کروں۔ ہاں گھر کو چھوڑ کر کہیں چلی جاؤں یا کچھ بھی کروں ان کی ایسی باتیں نہ سنوں۔"

"ہم نے ہر خانے میں جو تجربہ دیکھا ہے وہ انھوں نے کب جواب دیا تھا؟" ایک دوسرے ڈاکٹر نے دریافت کیا۔

"یہ حیرت نہیں بلکہ راز کی ہی کوئی ڈی ہے۔" پھولوں کی طرف سے جواب دیا۔ "یہ ایک دن خود ہی اپنے ساتھ اس آدمی کے لئے تھے جس نے ان کی وہ دنیا تیار کی ہے۔ وہ بہت ہی بالکل

آدمی تھا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ باتوں کے اندر ہی کھڑے ہوئے ہوں۔ ذرا سامنے بھی لڑائی نہیں ہے۔"

"کیا اس وقت بھی ان کی یہی حالت تھی؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ "اس وقت، پھر سے۔" نہیں۔ ہاں یاد آیا۔ ہاں ڈاکٹر صاحب اس وقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس آدمی کے ہنسنے کے بعد ان کی یہ حالت ہوتی ہے۔ اور بھگوان پہلے سے کیوں یاد نہیں آیا۔ اس آدمی کے ہنسنے کے ایک ہفتے بعد سے ان کی ایسی حالت ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اس آدمی کو اپنا شوہر سمجھنے لگے تھے۔ اور اس سے اس طرح مخاطب ہونے لگے جیسے وہ ان کا شوہر ہو۔

"اور یہ تو واقعی سوچنے والی بات ہے؟" ڈاکٹر نے اپنے ہونٹ پر ہلکے سے دبا دیا۔ "آپ اس آئینے سے واقف ہیں؟"

"نہیں۔" میں اسے نہیں جانتی۔ وہ ایک خستہ حال لڑکا تھا۔ پھولوں کی طرف سے جواب دیا۔ "لیکن اس کی انگلیاں جاواں معلوم ہوتی ہیں۔"

"ہاں۔" یہ اندازہ اس آدمی کو دیکھ کر ہو جاتا ہے؟ دوسرے ڈاکٹر نے کہا۔ "اس شخص نے آدمی بنانے میں واقعی کمال کر دیا ہے۔ اس کا لاشعور اس کا بہت بڑا ہلکا ہوا ہے۔ اس کے ذہن نے فنانہ صاحبہ کی اس حالت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے لیکن اس وقت تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ "اس شخص نے دریافت کی جو چار برس پہلے لوٹس لے رہا تھا۔"

"پس یہی ایک طریقہ رہ جاتا ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ "لیکن اس کے لیے ہمیں بہت محنت کرنی ہوگی۔ کیونکہ اس شخص کی قوت الاموی بہت مضبوط ہے۔ اس نے اپنے ارادے کی پوری قوت کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ ایک عورت ہے۔ اور اسے کسی عورت کی طرح دیکھنا چاہیے۔"

"خوش بات اور بھی یاد آ رہی ہے؟" پھولوں کی طرف سے بولی۔ "یہ جس وقت اس آدمی کو اپنی ڈی کو ہونے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس وقت ان کا ایک نائب بھی ان کے ہمراہ تھا۔ مجھے یاد آ رہا ہے اس کا نام بروچہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس کا پتہ بھی دے سکتی ہوں۔"

"منزور ضرور ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "اس شخص کے ذہن میں اس آئینے کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جیسے میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس آئینے سے مل کر کیا ہوگا۔"

ہو سکتا ہے کہ سر سے کوئی کامیابی ہی نہ ہو۔ اس آدمی کے ہونے میں اور مڑنا تو اس کے رویے میں کوئی تعلق ہی نہ ہو لیکن کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے؟"

اسی وقت فنانہ نے پھولوں کو گرا بھلا کر شروع کر دیا۔ وہ زور سے انھیں گایاں سے رہا تھا لیکن اس کی گائیوں کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی عورت گایاں دے رہی ہو۔

"کیا انھیں اس طرح باندھ کر رکھنا مناسب ہے؟" ڈاکٹر نے ایک ڈاکٹر نے دریافت کیا۔ "بہر حال اس کے اس طرح نہیں پیش شک بھی لگ سکتا ہے۔ ہم تو ان کا طریقہ کار تو بہت مختلف ہو کر رہا ہے۔ ہم تو انھیں کے ہندوؤں کے ان کے لاشعور کی باتیں لگوا دیا کرتے ہیں۔ لیکن یہاں انھیں باندھ کر رکھا ہے؟"

"میں تو خود بھی انھیں باندھ کر رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن پھولوں کی صاحبہ کا یہ کہنا ہے کہ اس وقت لاشعور بڑا مادہ ہوتا ہے جس وقت ان کے علاج وغیرہ کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور اس وقت بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ بڑی احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی ہے۔"

"اس لیے میں ان کا کامیو اپنا ایلیس بہت مشکل ہو جائے گا۔" دوسرے ڈاکٹر نے کہا۔ "کیونکہ مرلیض جب تک تعاون نہ کرے ہم اس کا نفسیاتی تجربہ نہیں کر سکتے۔"

"اس کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔"

ڈاکٹر نے دوسرے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر دولا۔ اور وہ ترکیب یہ ہے کہ ہم ایک انکشن کے ذریعے ان کے ذہن سے ان کی قوت مدافعت کو کم کر دے۔ اس وقت ان کو بڑی آسانی سے ٹرائل میں بھی لایا جاسکتا ہے۔ اور ان سے ان کے ماضی کی باتیں پوچھی جاسکتی ہیں۔"

"دیکھ لیں ڈاکٹر فنانہ۔" اس کے ڈاکٹر نے کہا۔ "بہن! ایسا نہ ہو کہ ان کی ذہنی حالت اور خراب ہو جائے۔"

"مسٹر بھائی۔" آپ خواہ مخواہ اتنے دھم میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ ہمت نہ بھانڈو۔" میں نے اس طریقہ کار کے تحت اب تک بہت سے مرلیضوں کا علاج کیا ہے۔"

"سوئی مسٹر فنانہ۔" ڈاکٹر بھائی نے جلدی سے کہا۔ "میرا

یہ مطلب نہیں تھا۔" "مسز فنانہ۔" آپ تو اس شخص کا ایڈریس لے آئیے جس کا

نام کیا بتایا تھا برجو۔

"ابھی لاتی ہوں، بھول دیتی ہے ایک نگاہ نو بار
والی پھر اس کے کمرے سے باہر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد خاموشی ہو گئی تھی۔ وہ سب ہی کسی نہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چارٹر بڑھنے والے دونوں ڈاکٹروں نے چارٹر ایک طرف رکھ دیئے تھے جبکہ نوٹا انھیں برا بھلا کہتے کہتے ایک بار پھر خاموش ہو گیا تھا۔ اور بھول دیتی ہے واپسی میں دیر نہیں لگا تھی۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ دبا ہوا تھا۔ اس نے وہ کاغذ ڈاکٹر مہتر کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ بیس اس کا پتہ ہے۔ اتفاق ہے کہ ابھی پچھلے ہی دنوں مجھے اس شخص کا پتہ معلوم ہو سکا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر مرکی اس حالت کے بعد شخص بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ آپ جانتے ہیں بھئی ایک شرفی عورت۔ میرے ذہن میں نفسیاتی بیماری کا کوئی چیز نہیں تھا۔ میں نے یہ سمجھا کہ شاید اس کم بخت آرٹسٹ نے ان پر جادو کر دیا ہے اور ان کی یہ حالت جادو کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لیے خود مجھے بھی اس آرٹسٹ کی تلاش تھی لیکن اس کا ٹھکانہ نہ ہی نہیں معلوم تھا۔ پھر میرے ذہن میں یہ سمجھا کہ برجو شاید اس آرٹسٹ کو جانتا ہو۔ میں نے برجو کو تلاش کرنا چاہا لیکن یہ بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ پھر پتہ چلے گا۔ میں نے اس آرٹسٹ کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اس کا کہنا ہے کہ وہ آرٹسٹ کو نہیں جانتا لیکن میرے خیال میں وہ کچھ چھپا رہا تھا۔ پھر حال میں اس کا بیچا انہیں چھوڑا۔ کیونکہ میرے ذہن کوئی ہوتی ہے۔ میں نے اپنی گاڑی وہیں ایک طرف کھڑی کی اور اس کا تعاقب کرنے لگی۔ اور بالآخر اس کا گھر دیکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے طور پر اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔ اب آپ لوگ آگے ہیں تو آپ ہی لوگ اس سے جا کر مل لیں۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا، ڈاکٹر مہتر نے اس کاغذ پر لکھے ہوئے پتے کو پڑھنے کے بعد کہا۔ میں کوشش کروں گا کہ آج ہی اس شخص سے مل لوں۔ کیونکہ اس معاملے میں دیکر ہی مناسب نہیں ہے۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا ڈاکٹر مہتر، بھائی نے پیش کش کی۔ اس طرح آپ کے ساتھ وہ میرے تجربے میں

اضافہ ہو جائے گا۔"

"خود ہی ڈاکٹر مہتر مسکرا دیا۔ میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آپ میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے لوں۔"

"سنو نوٹا کا کیا ہوگا جناب؟ ڈاکٹر بھائی نے پوچھا۔ کیا ہم انھیں اسی طرح بڑے رہنے دیں؟"

"ہائیں انھیں رات کو لیٹن دے دیا جائے گا۔ ڈاکٹر مہتر نے بتایا۔ یہ اس طرح پر سکون ہو جائیں گے۔"

دوسرے ڈاکٹروں کو ہدایت دے کر ڈاکٹر مہتر بھائی کو لے کر اس کو گھر سے باہر لے گیا جہاں اس کی گاڑی تھری ہوئی تھی۔ اس نے بھائی کے لیے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ اور خود ڈاکٹر نوٹک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر بھائی کے پیچھے ہی ہوتے

گاڑی چلا دی تھی۔ گاڑی کا رخ بھائی کی بازو کی طرف تھا۔

"آپ کے خیال میں یہ کس قسم کا کیس ہے ڈاکٹر مہتر؟ بھائی نے پوچھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ہوا ہے، مہتر نے جواب دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی پرورش ہی اس اماندہ میں ہوئی ہو کہ خود کو عورت سمجھتا ہو۔ ہمارے یہاں بہت سے ایسے والدین ہیں جو اپنے لڑکے کو لڑکی اور لڑکی کو لڑکا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس وقت تو انھیں احساس نہیں ہوتا لیکن جب اس فرد کی شخصیت پر اس پر ناک کی گہری چھاپ لگ جائے تو پھر

روئے پھرتے ہیں۔"

"لیکن یہاں تو مسئلہ کچھ اور ہے۔ کیونکہ یہ شخص شروع میں بالکل نارمل تھا۔ ہمیں بھی ایسے آثار نہیں تھے کہ یہ اپنے آپ کو عورت خیال کرتا ہو۔ اگر بھول دیتی کا بیان درست ہے تو سب کچھ ذہنی نمائے کے بعد ہوا ہے۔ نہیں ایسا تو نہیں کہ اس آرٹسٹ نے ان کے ساتھ کچھ کر دیا ہو۔"

"ہرگز نہیں، وہ تو قوی کی باتیں ہیں، مہتر نے ہر سامانہ بنایا۔ وہ بے چارہ کیا کرے گا! ہم کو بھی اس لیے جارہے ہیں کہ سنو نوٹا کی منتی ہو سکے۔ ورنہ اس پر جو کچھ پاس بھی ملے گی ضرورت نہیں تھی۔ آخر وہ کیا کرے گا۔ لیکن تیر جب اس کا پتہ مل ہی گیا ہے تو اسے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

بھائی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ بھائی کی بازو سے کچھ اُدھر ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مخلوق آبادی تھی۔ برجو کا پتہ اب بھی ملے گا تھا۔ اس کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی تھی۔ وہ مکان

ایا ایک چھوٹی سی کھولی تھی۔ جس کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ لٹک رہا تھا۔ وہ پردہ بھی آدھا پھٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مہتر نے اس کھولی سے کچھ فاصلے پر گاڑی روکی تھی گاڑی سے آکر وہ دونوں بیٹھ گئے۔ اس کھولی کی طرف آئے تھے۔

ڈاکٹر بھائی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی جس کے جواب میں ایک اُدھر غمزدگی سے ہار گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی حسرتی اور غمگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ وہ واپس آئے۔ ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس آدمی کے

پہ کچھ سیسے دوسرے آدمی کا پھر وہاں بار بار بھرا دھوب رہا تھا۔ شاید کوئی دوسرا آدمی بھی تھا۔ جہاں کران دونوں آدمیوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہائیں برجو سے ملنا ہے، ڈاکٹر مہتر نے کہا۔ دیکھا وہی مکان میں رہتے ہیں۔"

"ہاں جی، اس آدمی نے اپنی گردن ہلا دی۔ آپ لوگ یہاں کھڑے رہیں۔ ہم ابھی ملے دیتے ہیں۔ وہ سلسلے والے ہو تھیں میں کہتا ہے۔"

"میں بھی چلتا ہوں تمھارے ساتھ۔ ڈاکٹر بھائی جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ تم ہی چلے جاؤ۔ مہتر جلدی سے بولا۔ میں نہیں کھڑا ہوں۔"

اس آدمی نے ایک نگاہ ڈاکٹر مہتر پر ڈالی پھر کچھ بڑھتے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ مہتر وہیں کھڑا رہا تھا۔ پھر جب وہ دونوں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو ڈاکٹر مہتر اچانک ٹاٹ

کھڑکھڑا کر کھولی کے اندر گیا۔ کھولی کے اندر ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھا ہوا دوسرا آدمی آئے دیکھ کر بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"برجو۔ ڈاکٹر مہتر غصا۔ مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اسی کھولی میں چھپے ہوئے ہو۔ اور تم نے اس آدمی کو بہانہ کر کے باہر بھیجا تھا۔"

"مجھے معاف کروں سرکار، اس آدمی نے اچانک اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ میں بہت تنگ آیا ہوں۔ مجھے فی فی ہو گئی ہے ہر وقت خون خورتا رہتا ہوں۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ جب تم سے یہ کہہ دیا تھا کہ تم اس شہر میں دکھائی نہیں دے گے تو پھر یہاں کیوں ہو رہے تھے انہی بڑی طعنی کی ہے جس کی سزا ملے گی۔"

"میں آپ کے پاؤں پر تڑپا ہوں سرکار۔ میرے حال بددم

کھا میں، برجو روئے لگا تھا۔ اس کے خیف چہرے پر ہنسنے ہوئے انسو بہت بھیانک لگ رہے تھے۔

"دیکھو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ تم پر جوڑ کر چلے جاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم خود ہی مجھ سے ہو کر تمھارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ برجو نے دھنلائی آنکھوں سے ڈاکٹر مہتر کی طرف دیکھا۔ پھر دھندلے سے مسکھانے لگے۔ اسی دوران باہر آئے دسے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

وہ لڑکی جس مکان میں دادو کو بلا کر آئی تھی۔ وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا اور اس میں فریج پر نام کی کوئی چیز نہیں تھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ مکان غریب سے خالی پڑا ہو۔

"کہا بات ہے تمہارا کیوں لاتی ہو؟ وہ دادو نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جنت کہنے کے لیے لڑکی نے جواب دیا۔ وہ اس وقت بڑے دل کش انداز میں مسکراتے ہوئے تھی۔ کہا نہیں جنت کرنی نہیں آتی؟"

"مجھے بہت کچھ کرنا آتا ہے، دادو خشک لبے میں بولا۔ میں منہ سے خون بھی نکال سکتا ہوں اور تیری بیٹی بھی توڑ کر کھینک سکتا ہوں۔ اس لیے بہتر ہے کہ صاف صاف تہاؤ۔"

"اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہوگی؟ لڑکی نے کہا۔ اب تم خود ہی سوچو کہ لڑکی انھیں اس طرح آواز دے کر کسی خالی مکان میں بلائے تو اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟"

"ہوں، دادو نے ایک گہری سانس لی۔ یہ لڑکی اُسے اُنھن میں ڈال رہی تھی۔ انھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ میرے پیچھے بڑے ہوئے ہیں۔"

"تمھارے انداز سے لڑکی نے جواب دیا۔ تمھارا اس طرح دوڑنا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ تم کسی سے بڑے کچھ کر رہے ہو۔ اسی لیے میں نے آواز سے کہیں بلا کر تم پر پاؤں میں دقت کیوں نہ لگا کر رہے ہو۔ کیا میں انھیں نہیں لگاؤں گی کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔ کیا میں تمھارے کسی کام نہیں آتی؟"

"تم خوبصورت تو ہو لیکن مجھے تم جیسی طوائفوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دادو نے کہا۔

لڑکی کے خوبصورت چہرے پر گر دھچکا۔ یوں محسوس ہوا جیسے دادو کی اس بات نے اس کے اندر پھیل چادیا ہو۔ پھر

اس نے خود کو سنبھالی لیا سمٹا۔

”تم تو غصے کے بہت تیز معلوم ہوتے ہو“ اس نے داد کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن داد نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

”رنگ جاؤ بیگم ان کے لیے لڑکی نے آواز لگائی ”وڑا“ کیا ہوگا آج“ اور دروازے کے زکراس کی طرف دیکھا۔ وہ اب بہت پریشان معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے خوبصورت ہونٹ کا پتہ نہ رہے۔

”آج ہم دونوں بیگم کے رہ جائیں گے“ لڑکی نے جیسے سے کہا۔ ”میں خود تو بھوک رہ سکتی ہوں۔ لیکن اسے بھوکا نہیں دیکھ سکتی“

”اوہ کیا تم اپنے بچے کی بات کر رہی ہو؟“ داد نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”ہائیں۔ میں اپنے شوہر کی بات کر رہی ہوں“ لڑکی نے کہا۔

”کیا تم اپنے شوہر کے لیے یہ سب کچھ کرتی ہو؟“ داد جیران نے گہما گہما کیا۔ ”کیسا بے خبرت ہے تمھارا شوہر جو اپنی بیوی کو ایسے کاموں کے لیے بھیج دیتا ہے؟“

”خبردار تم میرے شوہر کو کچھ مدت کہنا۔ درہ میں تمھارا منہ فوجی لوں گی“ بیگم کی بات پر ہنسی سے کہ اس کے پاس بیٹن ایسی باتیں کر رہی۔

”یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم اس کی بیوی ہو اور کوئی بھی شوہر کم از کم اپنی بیوی کو داؤ پر نہیں لگاتا ہے پچھتاوا شوہر کیسا ہے؟“

”یہ شوہر میرے نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے“ لڑکی نے کہا۔ ”بد معاشوں نے اس کے دماغ کو تیروؤں کے دھوئیں میں ڈھپت دیا ہے۔ وہ اب ایسا ہو گیا ہے کہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہیں سکتا۔ اسے ہر وقت بیرونی چاہیے۔ اور اس کی حالت

مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اس لیے میں نے خود کو داؤ پر لگا دیا ہے میں کیا کروں؟ صرف بیگم سے تو بیٹ نہیں بھرتا۔ میں نے اس دوران بہت سے تقریریں کرنے والے ہلے دیکھے ہیں لیکن جب ان کے سامنے اپنا نادان بھلاؤ تو ہاتھ جھٹک کر گئے

بڑھ جاتے ہیں۔ اب میں ایسی باتوں کی ضرورت نہیں ہے“ ”تم قہقہہ ہنسی ہو“ داد نے کہا۔ ”ایسی باتوں سے بہت نہیں بھرتا۔ میں تمھارے شوہر کی علت و ختم نہیں کروا سکتا۔

لیکن تمھاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں بھی میری مدد کرنی ہوگی“

”کیوں نہیں۔ میں نے اسی لیے تو تمھیں بلایا ہے“ لڑکی نے اس کے لئے ہنسنے کہا۔

”نہیں۔ مجھے اس قسم کی مدد نہیں چاہیے۔ یہ میں تمھیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم مجھے اپنے شوہر کے پاس سے بلو۔ میں اس کی حالت دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور تم اپنے وقت کی خدمت کرو۔ میں تمھیں پورا پورا معاوضہ دوں گا۔ بلکہ اتنا دوں گا جتنا

اب تک کسی نے بھی نہیں دیا ہوگا۔ آؤ چلو۔ بتاؤ کہاں رہتی ہو؟“ لڑکی جیران جیران ہی داد کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ جو

دستر خوان سے بیگم کو اٹھائے۔ جو بیگم دینے والی چیزوں کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھے جسے اپنی ہوس بھلائے سے زیادہ کسی اور چیز سے دلچسپی ہو۔ جو اس کے ساتھ چل کر اس کے شوہر کی حالت دیکھنا چاہتا ہو۔ آج تک کسی نے بھی اس سے اس کے شوہر کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ نہ جانے

کیسا آدمی تھا جسے بیوی سے زیادہ شوہر سے دلچسپی ہو۔

”اب کیا سوچ رہی ہو تم؟“ داد نے اسے مخاطب کیا۔ ”چلو بتاؤ۔ تمھارا گھر کہاں ہے؟ کہاں رہتی ہو؟“

”کیا تم مجھے کھانے کے لیے گھر بلا دو گے؟“ لڑکی نے چپکے سے ہنسنے پوچھا۔ وہ اب تک گھٹش میں مبتلا تھی۔

”کیوں نہیں؟“ داد نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ ”یوہ تم کو۔ میں تمھیں ادھر ہی دوں گا۔ ہاں۔ تم مجھے اپنا نام تو بتا دو۔“

”بھلا“ لڑکی نے اس کے ہاتھوں سے نوٹ لیتے ہوئے کہا۔ ”معاف کرنا ابھی۔ اگرچہ پیسوں کی اتنی شدید ضرورت نہیں ہوئی تو میں تم سے کچھ نہیں لیتی۔ لیکن کیا کروں؟“

”کوئی بات نہیں؟“ داد نے سہل کر دیا۔ ”ہم یہاں سے ہر شخص ضرورت مند ہے۔ آؤ اب چلتے ہیں“

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے اس وقت دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔ داد نے سوالیہ نگاہوں سے نیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ خود بھی اس دستک سے پریشان معلوم ہونے لگی تھی۔

”دروازہ کھول جا جان من۔“ باہر سے کسی کی آواز آئی۔ ”کیا کسی اور کو بلے بیٹھی ہو۔ کہ تم نے اپنا مکھڑا دکھا دو۔“ ”کون ہے یہ؟“ داد نے نیلہ کی طرف دیکھا۔

”میری بیوی۔“ نیلہ نے مرتبہ کہا کہ جواب دیا۔ ”میں ایک دن اس کے ساتھ رہ چکی ہوں۔ میں اس بچہ کو لوں سے ملا کرتی ہوں۔ اس لیے یہ سیدھا نہیں چلا آ رہا ہے۔ بہت ہی خطرناک آدمی ہے۔ نارائن نام ہے اس کا۔ یہ میرے ساتھ زیادتیوں بھی کرتا ہے اور۔“

”خبر۔ اب تم پر مدد مت کرو۔“ داد نے کہا۔ ”تم مجھے بتا دو کیا تم اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہو اگر ایسا ہے تو مجھ میں تمھیں روک نہیں سکتا۔ تمھارا بیٹا معاملہ ہے۔“

”نہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ نیلہ نے جواب دیا۔ ”تم مجھے اس کے پاس جانے کے لیے مجبور مت کرو۔ میں تمھارے پیسے واپس کر دوں گی لیکن۔“

”پھر تمھیں کوئی بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔“ داد نے مسکرتے ہوئے لولا۔ ”تم اب بالکل بے فکر ہو جاؤ۔“

”اب کیا ہو گیا جان من۔“ باہر سے اس شخص نے بھر آواز لگائی۔ ”خاصی کیوں ہو؟ کیا میرا نام اڑا رکھا ہے؟ اگر تم بھولتی ہو در لچھا جاؤں؟“

لیکن اس دوران داد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ نارائن ایک نیم نیم پہلوان نما آدمی تھا۔ اس نے اپنے ایک کان میں چاندی کا ایک بالابون رکھا تھا۔ اس کے دونوں کانوں کی لوں پریشہ در پہلوانوں کی لوں کی طرح اندر کی طرف مڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے گھٹن میں سیاہ رنگ کا ایک ٹیوڈ بھی پہن رکھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی بیٹا داد کی آؤں میں چلی گئی تھی۔

اس شخص نے داد کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس کی نگاہیں بیٹا پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے منہ کی گشتاں طرح پھر پھڑا رہے تھے جیسے سامنے کوئی نعمت لگی ہوئی ہو۔

”تم آؤ میں کیوں چلی بیگم جان من؟“ اس نے ایک طرف ہنسنے ہوئے کہا۔ ”ذرا سامنے آؤ۔ عاشقوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے۔“

”تم مجھے بات کرو؟“ داد نے اس کے شالے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”بیٹا تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔“

”کیا تم اس کے ٹھیکیدار ہو؟“ نارائن نے بڑے طنز پر انداز میں پوچھا۔

داد کے پاس اس کے اس سوال کا ایک ہی جواب تھا اس نے ایک جھٹکے سے نارائن کو بائیں طرف کھینچ لیا۔ نارائن جڑنا ہوا کرے میں آگیا۔ اس کے آتے ہی داد نے جھپٹ کر دھڑلے کی گندی بند کر دی۔ اس دوران نارائن سنبھل گیا تھا۔ اس نے اپنے

دونوں ہاتھ ان کے کی طرف پھیلا لیے تھے۔

”ایسا سمجھتا ہے جیسے تمھاری بوت آئی ہے؟“ وہ پھینکتے ہوئے لولا۔ ”میں نے تم جیسے نہ جانے کتنوں کو دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہے۔“

”مجھے اس وقت دوسری دنیا میں جانے سے کوئی بھی نہیں ہے؟“ داد نے مسکرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ میں اس بات کی شرط لگا سکتا ہوں کہ تم میری مرضی کے بغیر اس گھر سے باہر نہیں جاسکتے۔ اگر تم یہاں سے باہر چلے جاؤ تو میں یہ لڑکی تمھارے حوالے کر دوں گا۔ اور اگر تم کالام رہے تو تمھیں اس کے پیروں کو چھو کر اسے اپنی ہون کہنا ہوگا۔“

”کیا تم کو اس کے ساتھ تو؟“ نارائن دبا ہوا۔ ”میں تیری زبان کھینچ کر باہر پھینک دوں گا کچھ۔“

”یعنی۔ تم اس کے مذمت لگو؟“ نیلہ نے آگے بڑھ کر داد کا بازو پکڑ دیا۔ ”تم مجھے اس کے ساتھ وقت گزارنے دو۔ تم پھر آجانا۔“

”میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم خاموش رہنا۔“ داد نے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ ”یہ میرا دارا اس پہلوان کا معاملہ ہے۔“

”تیری تو؟“ نارائن نے داد کو ایک موٹی سی گالی دی اور اس کے ساتھ ہی وہ اس پر جھپٹ پڑا۔

اس کے گلے کا اندازہ یہ تھا کہ وہ دوسری کشتی میں جہاز رت رکھتا ہے۔ داد کے لیے اس قسم کے پہلوانوں کو زیر کرنا کوئی جری بات نہیں تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایک بار اس کی گرفت میں آگیا تو اسے خود کو چھڑانے میں دشواری ہو جائے گی۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ اس شخص سے ایک ہاتھ کے خاصے پر رہ کر بھاگ لیا جائے اسے قریب آنے کا موقع نہ دیا جائے۔

نارائن نے اس پر جھپٹا مارا اور داد اس کے پہلو سے نکلتا چلا گیا پھر اس نے بیک تک نارائن کی پشت پر سید کر دی۔ اس شوگر کی توقع نارائن کو نہیں تھی۔ اس لیے وہ اڑھٹا ہوا آگے چلا گیا پھر اس سے پہلے کہ سنبھل کر مدد سکا داد نے پلٹ کر ایک فلائنگ کک رسید کر دی۔ بیک اس کے سینے پر لگی تھی۔ وہ ڈر لٹا ہوا ایک طرف آٹ گیا۔

اس کا گرجانا خود اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا تھا۔ اس میں پہلے چاہ طاقت اور جہاز تھی لیکن اس کے بدن میں پھرتی نہیں تھی اور داد اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا رہا

74

نیلما اور اس کے شوہر کی طرف دیکھتا رہا۔ نیلما نے ایک گٹھ
 میں، میردن بھر کے اپنے شوہر کے حوالے کر دی۔ اس کے
 شوہر نے لڑتے ہوئے ہونٹوں سے حرکت ملگائی اور دھیرے
 دھیرے کش لینے لگا۔ دادو کی نگاہوں میں نیلما کی اہمیت
 بڑھ گئی تھی۔ وہ ایک ایسی عورت تھی جس نے اپنے لٹنہ زدہ
 شوہر کے لیے خود کو ڈھنکے کر دیا تھا۔ وہ اس کی باتیں کے
 لیے اپنے آپ کو فروخت کرنے لگی تھی۔ دادو نے ایسی عورتیں
 بہت کم دیکھی تھیں۔
 وہ جاکش لینے کے بعد اس کے شوہر کو سکون آتا چلا گیا
 اس نے اپنی کیفیت میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کھولیں اور دادو کو
 دیکھ کر اس طرح چونک پڑا جیسے پہلی بار اس کی موجودگی محسوس
 کی ہے۔
 ”کیون ہے نیلما؟“ اس نے اپنی بیوی سے داور کے
 بارے میں پوچھا۔
 ”یہ میرے گاہک ہیں۔ نیلما نے جواب دیا۔
 ”تم اپنے گاہک کو یہاں کیوں لائیں؟“ اس کا ہونٹ
 ہو گیا تھا۔ ”یہ معاملات باہر ہی طے کر لیا کرو۔“
 ”وہ دلیے گاہک نہیں ہیں۔ نیلما نے کہا۔ یہ دوسری
 قسم کے انسان ہیں۔ انھوں نے میری مدد کی ہے۔
 بکواس۔ سب بکواس۔ اس نے بڑا سنا نہ بنایا۔ ہر گاہک
 ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔
 ”اگر تمہیں اتنا ہی احساس ہے تو اپنی بیوی کو دوڑوں
 کے پاس کیوں بھیجتے ہو۔ اس وقت تھا کہ یہ فلسفہ کہاں چلا جاتا
 ہے۔“
 وہ دادو کو گھورتا رہ گیا۔ دادو نے نیلما کی طرف دیکھا۔ نیلما
 اب میں تم سے وہ کام لینا چاہتا ہوں جس کے لیے میں نے تم
 سے کہا تھا۔
 ”میری بیوی کا وقت بہت قریبی ہے۔ نیلما کے شوہر نے
 کہا۔ یہ تمہارے فائدہ کا کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرے گی۔
 ”تمہارے لیے اس کے کیا فرائض پڑتا ہے۔ تم تو اپنے مرنے
 سے مطلب رکھو اس سے بڑا اور بکا کام ہو گا جو تم اپنی بیوی سے
 کروا رہے ہو۔ میں تمہاری بیوی کو دن بھر اپنے ساتھ رکھوں گا
 اور دن بھر کا معاوضہ اس سے دو گنا ادا کروں گا جتنا یہ حاصل
 کرتی ہے۔ سمجھ گئے۔“
 دنگے مرنے کا کٹ کر اس شخص کا چہرہ ہلکا ہوا تھا۔ جبکہ
 نیلما بہت لڑتی ہوئی اور زخم خوردہ دکھائی دے رہی تھی۔

”بتاؤ کہ کیا کام ہے۔“ نیلما نے کچھ دیر بعد دریافت
 کیا۔ ”کیا تمہیں اپنے بڑے کسی ادا کے حوالے کر دوں گے۔“
 ”ایسی بات نہیں ہے۔ دادو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
 شخص تمہارے شوہر کی طرح بے غیرت نہیں ہوتا۔ تم میرے
 ساتھ چلو اور میں نے تمہیں جو رقم دی تھی۔ اس میں سے اگر
 بچے ہوں تو اپنے شوہر کے لبتہ بر دو میر کر دو تاکہ ان کو نور
 کو چھوڑ کر کٹین حاصل کرنا رہے۔ اور لے لیتیں آجائے
 کرتم جہاں بھی ہو اس کے لیے روپیہ پیدا کرنے کی مشینیں
 ہوتی ہو۔“
 دادو کا خیال تھا کہ اس تلخ بات پر اس کا شوہر بھڑک
 اٹے گا۔ لیکن بھڑکنے کی بجائے وہ اپنی بیوی کی طرف دیکھ
 لگا تھا۔ نیلما نے بتایا کہ اس کے لبتہ بر دو کی خریدار
 کے ہاں جو داس کے پاس اچھے خاصے روپیے پڑ گئے تھے۔ وہ
 کو بیچ کر اس شخص کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔
 انے ان دونوں کی طرف سے دھیان ہٹایا اور دونوں کو دو ٹوا
 باغیوں سے سینے لگا۔
 دادو اور نیلما اُسے اس حال میں چھوڑ کر باہر آئے
 نیلما اس وقت بے حلا داس ہو رہی تھی۔ لیکن دادو نے
 کسی دہریہ اپنی باتوں سے اس کی توجہ اپنے شوہر سے ہٹا
 تھی۔ وہ اُسے اپنے اور عدل کے قصے سناتے دیکھتا جیسے
 من کر نیلما کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکراہٹ دھرنے لگا
 تھی۔
 ”ہلے رام۔“ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”تم نے
 بہت زبردست زندگی گزار لی ہے۔ پھر تم یہاں کیوں
 آئے؟ یہاں سے تمہیں کیا ملے گا؟“
 ”میں یہاں کسی دوسرے کام سے آیا ہوں۔ دادو
 بتایا۔ ”میرا یہاں رہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں اپنا کام
 کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ اور میرا سب سے پہلا کام یہ ہے۔
 میں تمہاری کافی دیوی کا مندر دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں
 اس مندر کی بہت تعریف کرتی ہوں۔“
 ”ہاں۔ وہ بہت زبردست مندر ہے۔ نیلما نے
 پتہ پوچھو تو اس مادام کی پوری قوت بتی سے سستے سستے
 مندر تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اندر جانے کے لیے بہت
 کرنے پڑتے ہیں۔ عام لوگوں کو پہنچنے میں صرف ایک بار
 جانے کی اجازت ہے جبکہ اس مادام کے خاص آدمی
 آنا جانا گارہتا ہے۔“

”کہا تم اس کے کسی خاص آدمی سے واقف ہو گے؟“
 نے پوچھا۔
 ”ہاں۔ ایک آدمی میرا گاہک ہے۔“ نیلما نے بتایا۔
 ”نام ہریش ہے۔ رستے میں کہو۔ بہت خاص آدمی ہے۔“
 ”کہا تم میری اس سے ملاقات کر سکتی ہو؟“
 ”کیوں نہیں۔ نیلما نے کہا۔ لیکن اس کے لیے تمہیں اس
 مندر تک چلنا ہو گا۔ کیونکہ مندر سے متعلق لوگ مندر رہی کے
 حاطے میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے بہت سے کوارٹر بنے ہوئے
 ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ
 مندر کے لیے غریبوں کیوں رکھے گئے ہیں۔ مہر حال یہ میں
 نہیں بتا سکتی۔ البتہ میں تمہیں ہریش سے ملوا سکتی ہوں۔
 یہ بھی مندر کے احاطے میں ہی رہتا ہے۔ ہاں ایک بات اور
 تھیں اس لبتی میں کوئی سواری نہیں ملے گی۔ یہاں بیدل
 کی ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے
 تم نے اب تک کوئی گاڑی بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ ایک گاڑی
 ان بھی تو ان لوگوں کی ہیں جن کا تعلق مندر سے ہے۔ دوڑوں
 یہاں گاڑیاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ دلیے بھی ہیں
 کی کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوتی کہ لبتی زیادہ بڑی
 میں ہے۔ وہ گھنٹوں میں تم پر لڑتی کہ چتر گاہکے ہو۔“
 ”کوئی بات نہیں۔ میں بیدل چلنے کا عادی ہوں۔ بتاؤ
 ہاں سے کس طرف چلنا ہو گا؟“
 ”شمال کی طرف۔“ نیلما نے بتایا۔ ”لیکن وہاں جانے سے
 پہلے میں تمہیں بھوندو کے ہوش کی چالنے بلانا چاہتی ہوں۔ تم
 پورے ہندوستان میں اس سے اچھی چالنے نہیں جانتی ہوگی۔
 دیکھو۔ وہ سامنے جو چھوٹا سا ہوش نظر آ رہا ہے۔ نادری بھوندو
 ہوش ہے۔ اچھی اور سستی چالنے کا اعلیٰ مرکز۔“
 دادو مسکرایا۔ نیلما کے ذہن سے وقتی طور پر یہی اپنے ذہن
 نیاں آ رہی تھیں۔ وہ مسکرا رہی تھی، ہنس رہی تھی۔ وہ نہیں
 رت کے اندر تو چھوٹے چلنے اُسے دوبارہ زندگی کی طرف
 اہمیت و شعور بجاتا ہے۔ دادو کا اس بات کی خوشی تھی کہ اس
 پہلے یہ کام زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔
 وہ دونوں اس دوران باہیں کرتے ہوئے بھوندو کے
 لہجے پہنچے تھے۔ ہوش کے اندر سے لوگوں کی باتیں کرنے
 پہنچنے کی آواز سن آ رہی تھیں۔ نیلما نے اپنے ساتھ ہوش کے
 رہے آئی۔ اس ہوش کا وہ کہہ بہت چھوٹا تھا۔ جہاں گاڑیوں
 بے نیز لگا اور کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ ایک طرف ایک گاہک
 لگا ہوا تھا۔

”تھا۔ گاڑی کے برابر میں ایک کھڑکی تھی اور اس کھڑکی کے
 دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور اس کھڑکی ہوش کھڑکی سے باہر کا
 منظر دکھائی دے رہا تھا۔“
 ”وہ دیکھو جانتی۔ نیلما نے دادو کو متوجہ کرتے ہوئے کھڑکی
 کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پہاڑی دیکھ رہے تھے۔ وہ اور ایک کھڑکی
 پہاڑی ہے۔ بالکل اعلیٰ معلوم ہوتی ہے نا۔“
 نیلما نے اس پہاڑی کے بارے میں شاید کچھ اور بتایا
 لیکن دادو کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔ وہ پستی پستی غوروں
 سے اُس پہاڑی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اس ہوش کا جائزہ
 لیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ماحول اس کے لیے اپنی جہتیں
 ہے۔ وہ یہ سب اس سے پہلے دیکھ چکا ہے۔ پھر سے یاد آیا
 کہ وہ بالی کے عہد میں ادیبہ کی خوبصورت دکھائی تھی وہ تصویر اسی
 ہوش کی تھی۔ وہ دونوں اسی ہوش میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے غلطی
 نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں اسی ہوش میں تھے۔
 دادو کی وی ہوتی رقم نے دادو کا اثر دکھا تھا۔ آئندہ کے
 انداز، ہی بدل گئے تھے۔ وہ ان لوگوں کے گئے پیچھے ہاتھ مارنے
 گھوٹا پھر رہا تھا۔ دادو نے اس وقت اسے ضروری استقامت
 کے لیے کہیں بھیج دیا تھا۔ دلچسپ اور دلچسپ کاروائیاں دیکھ
 دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ آئندہ کے چلنے کے بعد دلانے
 اس سے بچ رہی کیا۔
 ”یہ سب کہا ہو رہا ہے ہمارا راج۔ آپ یہاں کیا کرتے کا
 ارادہ رکھتے ہیں۔“
 ”تم بس دیکھتے جاؤ۔ میں آئندہ کے لیے مارگ کو تھا لو میں
 کروں گا۔ اور مارگ کے ذریعے مجھے ایسے لوگ مل جائیں گے
 جو آگے چل کر میرے کام آسکیں گے۔“
 ”اس کے لیے اختیار پریشانی کیا ضرورت ہے۔ آئندہ ہی
 آپ کو ایسے آدمی لا کر دے گا۔ نیلما نے کہا۔
 ”میں نیلما بات کچھ اور ہے۔ اس میدان میں میرا تجربہ
 تم سے زیادہ ہے۔ اور میرا ذہن تم سے زیادہ کام کرتا ہے۔
 آئندہ کے لئے ہونے والی ذہنی طور پر ہمارا پیش اور نکلنے کے
 کام تو آسکتے ہیں لیکن ان سے کسی بڑے کام کی توقع نہیں کی جا
 سکتی۔ وہ وہاں سے عاری و گہ ہوتے ہیں۔ تمہیں کسے یہ
 حاصل کیا گیا ہو گا۔ اس لیے ان پر ضرور مبنی نہیں کیا جاسکتا۔
 جبکہ مارگ کے آدمی شکست ہوں گے۔ وہ تربیت یافتہ لوگ
 ہوں گے۔“

”یہ تو واقعی بہت دور کی بات ہوئی جہاں سے شیلانے مسکراتے ہوئے کہا میں تو اس حد تک جنیں سورج کی تھی“
 دلاور مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ دلاج اس وقت ان کے سامنے تھا۔ وہ وہ شیلانے کہہ دیا کہ اس کی سب سے کوئی زندگی اس کی وجہ سے ملے ہے۔ وہ تو اپنی زندگی تک سے مایوس تھا پھر شیلانے اس کی مرہ رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ وہ اس قسم کی بہت سی باتیں کہنا چاہتا تھا۔ یہ باتیں اس کے دل میں نہیں۔

آئندہ اسے اپنے گھر ہی میں لے آیا تھا۔ وہ دلاور کے حکم کی تعمیل اس انداز سے کر رہا تھا جیسے وہ اس کا زرخیز غلام ہو۔ اس وقت وہ کچھ آدمیوں کا بندوبست کرنے گیا تھا اور وہ تینوں اس کے گھر ہی میں تھے۔ آئندہ کچھ عرصہ میں تہا رہا تھا۔ اسی لیے ابھی تک اس کے علاوہ اس گھر میں کسی اور کی صورت دکھائی نہیں دی تھی۔
 آئندہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا۔ وہ اپنے ساتھ بارہ آدمیوں کو بھی لے آیا تھا۔ وہ پانچوں صورت ہی سے خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔

”یہ پانچوں اپنے اپنے فن کے استاد ہیں جہاں سے آئے“
 دلاور کو بتایا۔ یہ رگھو ہے۔ چاقو چلانے میں اپنا جواب نہیں کھتا۔ دلاور نے رگھو کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ وہ فیصلے تو ایک نیم نیم آدمی تھا لیکن اس کی آنکھیں اس بات کو ظاہر کر رہی تھیں کہ ان آنکھوں نے جاکوؤں کو اپنی گرفت میں لے کر نہ جانے کتنے انسانوں کو زخمی کیا ہوگا۔ کچھ چاقوؤں کے نشانات اس کے جسم پر تھے جی جیسے کسی دوسرے کے ہاتھوں سے آئے تھے۔

رگھو نے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے چاقو نکالا اور دلاج سے کہا کہ وہ ایک ماہی کی کٹی اچھا دل سے دلاج نے اس کی بات پر ایک ماہی کی کٹی فضا میں اچھا دی ای لے رگھو کی آنکھیں ایک دائرہ بنائی ہوئی حرکت میں آئیں۔ رگھو کی آواز پیدا ہوئی اور وہ چاقو سامنے والے دوازے میں جا کر بیہوش ہو گیا۔ ماہی کی کٹی درمیان سے دو ٹوٹے ہوئے تھی۔ یہ بے مثال جہاز کا بے مثال کارنامہ تھا۔
 ”بہت خوب“ دلاور نے اس کی تعریف کی۔ ”تم واقعی اپنے ہنر میں کمال رکھتے ہو۔ میں نے اس سے پہلے ایسی جہاز نہیں دیکھی۔“
 ”یہ سب آپ کی جوتیوں کا صلہ ہے ہمارا ج“ رگھو نے کہا۔

”برسوں گھنٹوں کے استاد باطل خان کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔“
 تب جا کر یہ بات لگے۔
 ”یہ ہندو ہے ہمارا ج“ دلاج نے ایک دوسرے آٹھ کو آگے بڑھا دیا۔ وہ بھی رگھو سے خطرناک معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ اس ہندو کا آپ اسوں کا بادشاہ کہنے کے ہیں ہمارا ج“ آئندہ نے کہا۔ یہ صرف قسم کا اسلوا استعمال کر سکتا ہے بلکہ قسم کا کر فرام بھی کر سکتا ہے۔ پس آپ اسے عفو دیں۔ یہ آپ کے لیے بہتوں سے بڑے گروپ تک لاکر رکھ دے گا۔

”بہت اچھا“ دلاور مسکرا دیا۔ پھر یہ قسم تو بہت کام کا آدمی ہوا۔ آپ چاکر ہوں ہمارا ج“ ہندو نے ڈھنڈا انداز میں اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ آپ حکم کریں پھر دیکھ کر ہوتا ہے۔“
 ”اور یہ مسلمان ہے“ آئندہ نے ایک عرصہ کوئی کو آگے بڑھا ہونے اس کا تعارف کر دیا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایکلاس آدمیوں پر بھاری ہے۔ مارشل آٹ میں بڑی مہارت۔ مثال آپ سب مارشل آرٹ کے علاوہ قدم طرز جنگ میں بھی اس کا کوئی مقابل نہیں مل سکتا۔ آپ جب چاہیں اسے پورے رخ کے سامنے کھڑا کریں۔ یہ پورے رخ کو بھگا کر تباہ کرے گا۔“

مسلمان نے اپنی تعریف سن کر دانت نکال دیے۔ دلاور کو آوی بھی پسند آیا تھا۔ آئندہ نے بہت ہی کام کا آدمیوں کا تعارف کیا تھا۔

”اور یہ گنزلہ ہے“ آئندہ نے ایک اور آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ تجویر اور اس کے کھولنے میں اپنا جواب نہیں دے میں اسے اس لیے اپنے ساتھ لے آیا ہوں کہ شاید میں اس میں ضرورت ہو۔“
 دلیے بظاہر تو شاید کوئی ضرورت نہ ہو۔

”جہیں ہو رہی ہے لیکن۔“
 ”ہیں اس کی بھی ضرورت ہے“ آئندہ نے دلاور سے کہا۔ ”تم ابھی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن تمہارا آدمی ہمارے کا ہے۔“
 ”بہت بہت شکر ہے باس“ گنزلہ نے بڑے انداز سے گردن جھکا کر دلاور کا شکریہ ادا کیا۔

”اور میں دوٹھ ہوں۔“ باپوچوں آدمی نے خود ہی تعارف کر دیا۔ ”میرے اندر کئی کی پھرتی ہے۔ میں بڑے گاڑیاں چلا سکتا ہوں۔ موٹر سائیکل سے سے کڑی کابینہ اس کے علاوہ مار بیٹ میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ میں نے نہیں کہنا کہ اس مسلمان کی طرح نرم و ست فاخر ہوں لیکن

چار آدمیوں کے پس کا لوگ بھی نہیں ہوں۔“
 دوٹھ کی باتیں سن کر سب ہی مسکرا دیے۔ دلاور کو کڑی بھی پسند آیا تھا۔ آئندہ نے سب سے بڑے چھانٹ کر لے آیا تھا۔ وہ خود بھی ایک عرصے سے جرائم کی دنیا سے شغول تھا۔ لیکن یہ لوگ اس سے پہلے کہاں بچے ہوئے تھے۔ اگر ان کے دعوے درست تھے تو انہیں اب تک سامنے جانا چاہیے تھا۔ دلاور خود بھی ایک جبری تنظیم کا ممبر تھا۔ اور ان کے دعوے درست ہی معلوم ہوتے تھے۔ کم از کم ان میں سے ایک کسی رگھو نے تو اس کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر ہی رہا تھا۔ دوسرے بھی اس کی طرح دیر اور اپنے اپنے تجربہ میں طاق معلوم ہو سکتے۔

اس سے بڑی جہت کی بات یہ تھی کہ آئندہ کی اس طرح ایک گھنٹے کے اندر اندر انہیں سمیٹ لیا تھا۔ جیسے وہ لوگ اس کے انتظار ہی میں بیٹھے ہوں۔

”کیا خیال ہے ہمارا ج آپ کا؟“ آئندہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ اس دوران وہ گنڈا دھڑ دھڑیچے چکے تھے۔ دلاور کی طرح شیلانے ان لوگوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ ”پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کتنی مل کہاں سے آئے؟“ دلاور نے سوال کیا۔ اس کے بعد میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔

”بات یہ ہے ہمارا ج کہ میں آپ سے کوئی بات چھپاتا نہیں سکوں گا۔“ آئندہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”آپ میرے ان داتا ہو گئے ہیں۔ اس لیے کھن کر سب کچھ بتا رہا ہوں۔“
 ہمارا ج۔ آج کی سب سے بڑی قوت دولت ہے جس کے پاس یہ دولت ہے وہ اس دھکا بادشاہ ہے۔ وہ جیسے ہزاروں آدمیوں کو بیل بھر میں خرید سکتا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ اگر کوئی شخص کسی فرم میں ملازمت کرتا ہے تو اس کی ساری دفا دار ہاں اس فرم کے مالک کے لیے ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح آپ نے مجھے ایک طرح سے ملازم رکھ لیا ہے اور میں اپنے ان ساتھیوں کو آپ کے پاس لایا ہوں۔ باپوچوں نے آپ کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے ہماری ساری دفا دار ہاں کم از کم اس وقت تک آپ کے لیے ہیں جب تک آپ ہیں خود سے الگ نہیں کر دیتے۔ لیکن آپ یقین کریں کہ آپ سے الگ ہونے کے بعد بھی ہم آپ کے خلاف نہیں جائیں گے۔ اب میں اپنے بارے میں آپ کو بتا دوں میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ یہ سب وعدے مارگ کے دھندوں سے الگ نہیں تھے لیکن میں اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنے ہاتھ پاؤں نہیں پھیلا سکا۔ مارگ نے اس بات میں یں آنے کے بعد اپنا اترقی کم کر لیا اور لوگوں کے دلوں سے

میری دھشت اترتی چلی گئی۔ میری جگہ وہ مارگ سے ڈر رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں بھی خاموش ہو کر بیٹھ گیا لیکن نہیں میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھا۔ بلکہ میں نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو کسی طرح میرے کام آسکتے۔ اس تلاش میں یہ لوگ مل گئے۔ یہ سب اپنے اپنے فن کے استاد تھے لیکن خاموش ہو کر بیٹھے تھے۔ اس کی وجہ وہی دوسال کی کمی ہے۔ لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ مجھے جیسے ہی موقع ملا میں انہیں اپنے ساتھ شامل کروں گا۔ آج آپ کی وجہ سے مجھے موقع ملے اور میں ان لوگوں کو لیا کر آپ کے پاس لے آیا ہوں۔“

”عقیدہ ہے آئندہ“ دلاور نے مطمئن انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔ ”تمہاری باتوں نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔“

”ہمارا ج“ ہندو نے اسے مخاطب کیا۔ ”مجھے معلوم کرنے کا حق تو نہیں ہے کہ آپ کون ہیں؟ اور یہ سب کیوں کر رہے ہیں کیونکہ اس وقت ہم نے خود کو آپ کی فکری میں دے دیا ہے۔ آپ کو اپنا مالک تسلیم کر لیا ہے۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا لیکن انسان کے ذہن میں کچھ تو کئی رہتی ہے نا میں اس لیے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ جڑا نہ مایوں کو دیکھ اپنے بارے میں بھی بتا دیں۔ آئندہ نے آپ کے اور ان کار میابی اور مارگ کے بارے میں ایک کہانی تو سنائی ہے لیکن مفاد کیجیے۔ بات میں مطمئن نہیں کر سکی۔ میں یقین نہیں آیا ہے۔“
 ہندو کی بات سن کر دلاور مسکرا دیا۔ یہ لوگ خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی تھے۔ اور وہ خود بھی جانتا تھا کہ وہ خود کو ان لوگوں سے چھپا کر نہیں رہ سکا۔ اسے خود بھی اپنی کہانی مصنوعی معلوم ہوئی تھی، لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے بارے میں بھی کچھ ظاہر کرے یا نہ کرے اور اس مسئلے میں اس نے ہنسی مناسب سمجھا کہ شیلانے شور مچا لیا۔
 وہ شیلانہ کو اپنے ساتھ آئندہ کے مکان کے صحن میں لے گیا جبکہ دوسرے لوگ وہیں رہ گئے تھے۔

”میں کچھ گئی کہ آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟“ شیلانے کہا۔ ”آپ کشش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان لوگوں کو کیا بتایا جائے۔“
 ”ہاں۔ یہی مسئلہ ہے۔“ دلاور نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں۔ یہ بہت گھٹا رقم کے لوگ ہیں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں انہیں اس بستی میں مارگ کے پاس کسی اور شخص سے لے آیا تھا لیکن آئندہ ایسے ایسے لوگوں کو کسے ہی کہے تو میں ان سے فائدہ اٹھا رہا تھا

ہوں۔ لیکن دوسری طرف خوف یہ ہے کہ کہیں بے نقاب نہ ہو جاؤں؟

”میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ کو بے نقاب ہو ہی جانا چاہیے؟“

”بھلائے نمبر! میرا مطلب ہے کہ آپ باقاعدہ ایسی ایک تنظیم بنائی گئی۔ اس طرح سوشالی اور لسانی کے دلوں پر آپ کی دہشت قائم ہو جائے گی۔ اور آپ کی تنظیم میں جو آپ کے دوست ہیں وہ آپ سے اُمیدیں کریں گے۔ جبکہ دشمن اس طرف رونے چاہیں گے۔ اس طرح کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے گی۔“

”یہ بہانہ کب تک تو تمہارا مشورہ ٹھیک ہے؟ بھلائیوں کی اس فوج اور جالاک ساتھیوں کا کیا کیا جائے۔ انہوں نے مجھے جینے دے کر تجھ کو دیا ہے اور یہ اذیت مجھ سے برداشت نہیں کی جاسکتی؟“

”آپ نے اگر طاقت حاصل کر لی تو وہ لوگ آپ کے قریب آنے سے کتر نہیں گئے۔ دروازہ بھی کب آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ لوگ کس طرف سے اور کس انداز سے دار کرتے ہیں؟“

”تم واقعی ایک ذہین عورت ہو، شیلہ! وہ دلاور نے کہا اور گزرنے والے ہر لمحہ کے ساتھ تمہاری اہمیت میری نگاہوں میں بڑھتی جا رہی ہے۔ آؤ۔ اب ان لوگوں کو اپنے متعلق بتا دیا جائے۔“

دلاور اور شیلہ دونوں اس کسرے میں آگے بڑھ کر جہاں دلاور اپنے لائے ہوئے پانچوں آدمیوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دلاور کو دلوں آتے دیکھ کر سب احتیاط کر رہے ہوئے۔

”میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تم لوگوں کو اپنے متعلق سب کچھ بتا رہی ہوں۔“ دلاور نے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیونکہ تم لوگوں نے مجھے ریڈمرکل کا نام سنایا ہے؟“

”کیوں نہیں؟“ آندے نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ کھاس شہر میں مجرموں کی بہت بڑی تنظیم ہے؟“

”میں اُسی ریڈمرکل کا سربراہ ہوں؟“ دلاور نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

”کیا؟ سب کے سب بری طرح جنگ بٹھے تھے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ اس کے بعد دلاور نے مختصر گفتگو میں سوشالی لائی اور اپنے قہیدے جلنے کی کہانی سنائی۔ وہ سب کے سب آنکھیں پھاٹے ہوئے حیرت سے اس کی کہانی سن رہے تھے۔ دلاور کے خاموش ہوجانے کے بعد وہ کمرہ مختص قسم کی آوازوں سے بھر گیا۔ سب کے سب کھڑے کھڑے ہل رہے تھے۔

”آج میری زندگی کا سب سے بڑا دن ہے؟“ آندے نے کہے ہوئے کمرے میں جوش اور مسرت کی وجہ سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

”ہم سب آپ کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے؟“

”یہ بات سمجھنے کی بجائے آپ ہماری نئی تنظیم اس شہر کی سب سے بڑی تنظیم ہوئی؟“

”تو پھر آؤ تمہارے گھر؟“ دلاور نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ سب کے سب ایک ہی لمحہ دیکھ کر آگے بڑھے اور انہوں نے ہادی ہادی دلاور کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ دلراج اور شہلا بھی چھپچھپ رہے تھے۔

”ٹھیک اسی وقت باہری دروازے پر دستک ہونے لگی۔ یہ دستک اتنی بلند تھی کہ سب ہی خاموش ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔“

”میں دیکھ کر آتا ہوں؟“ آندے نے کہا۔ پھر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”کچھ دیر لیٹا وہ تیزی سے واپس آیا تھا۔ وہ بہت پریشان معلوم ہو رہا تھا۔“

”باس؟“ اس نے دلاور کو مخاطب کیا۔ ”جنگ شروع ہو چکی ہے۔ مارگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل رہے ہیں۔ اسی وقت بتا دیا ہے کہ ہم اس جہتی میں اس کے خلاف کوئی فائدہ بنانا ہے نہیں؟“

دروازے پر ہونے والی آہٹ کی گونج ابھی ختم ہوئی تھی کہ ڈاکٹر منہ جلدی سے باہر نکلا۔ اس نے کانپتے ہوئے کہہ دیا۔

”ڈاکٹر منہ آپ اندر بھائی نے حیرت سے دریافت کیا جبکہ اس کے ساتھ چلے والے آدمی اس سے بھی زیادہ حیران معلوم ہو رہا تھا۔“

”ہاں بھئی؟“ ڈاکٹر منہ مسکرایا۔ ”میں نے اندر سے کسی کے لئے کی آواز سن لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ شاید کوئی بیمار ہے۔ یہی سوچ کر میں کوئی تکلف کئے بغیر اندر چلا گیا۔ اندر تو ایک آدمی بہت بیمار معلوم ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اسے ٹی۔ بی ہو۔ کیوں؟ اس نے اس آدمی کی طرف دیکھ کر جو بڑی کھولی سے باہر نکلا تھا۔“

”جی صاحب؟“ اس آدمی نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ ”یہی بات ہے۔ وہ بے چارہ بہت بیمار ہے؟“

”کیوں نہ اسے ایک نظر دیکھ لیا جائے؟“ بھائی نے بچہ پیش کی۔

”مگر فائدہ ہمارا میدان تو کچھ اسی ہے۔ ہم تو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہی دے سکتے ہیں؟“ اس نے پھر بڑے سناٹے کی طرف دیکھا۔ ”بھئی اپنے آدمی سے کہو کہ وہ فوراً ہی ہریں سے چلا جائے۔ کسی سیٹی فون میں بھرتی ہو جائے تو اس کی جان بچ سکتی ہے؟“

”ہمت کے لئے میں بھئی ہونی چاہتی شاید اس آدمی نے بھی فحش کر لی تھی۔ اسی لئے اس کی آنکھوں میں غوف ہاں گس ہارنے لگا تھا۔“

”وہ بروجی نہیں مل سکا؟“ ڈاکٹر منہ نے بتایا۔ اس آدمی کا یہ کہنا ہے کہ وہ سامنے والے ہوسٹل کی طرف گیا تھا۔ ہم لوگ اسے وہاں بھی دیکھ آئے؟“

”اب ہم کب تک اس کا انتظار کرتے رہیں گے؟“ ڈاکٹر منہ نے کہا۔ ”آؤ چلتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ آدمی اتنا بیمار بھی نہیں ہے کہ ہم اس کے لئے اپنا وقت برباد کرتے رہیں۔ یہ فحش ایک لفظ کی نہیں ہے۔ اور اس میں میں وہ بروجی یا وہ آرٹسٹ کہا کر سکتا ہے۔ ہم تو کون کو خود ہی کوئی راہ تلاش کرنی ہوئی؟“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب؟“

ڈاکٹر منہ نے بھائی کو راستے میں اندر دیکھا۔ اس کے بعد اس نے لہجہ کی گلائی ایک چھوٹے سے مکان کے پائل لارو رک دی۔ اس مکان کے بیرونی گیٹ پر ایک بڑا سا بورڈ آویزاں تھا۔ اور اس بورڈ پر مڑے ہوئے مٹھے لفظوں میں آپ کے مختصر لکھا تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس بورڈ پر اس مکان کو دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے مختصر سے کیا مراد ہے اور اس مکان میں کون کون لوگ رہا کرتے ہیں۔ یا یہ مکان کس مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس پاس کے لوگوں سے دریافت کیا جاتا تو وہ اس بات پر حیرت ظاہر کرتے کہ اس مکان میں کسی کی آمد و رفت بھی ہوتی ہے۔ یہ مکان عام طور پر بھرتی رہتا تھا۔ سولے ایک گورکھے چکر پارک کے عام طور پر کوئی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

اس وقت بھی اس گورکھے نے ڈاکٹر منہ کو پہچان کر اس کے لئے بیرونی گیٹ کھول دیا اور ڈاکٹر منہ اعلیٰ کے اندر گیا۔ اس کے آتے ہی گورکھے نے وہ گیٹ بند کر دیا تھا۔ ڈاکٹر منہ مکان کے اندر گیا۔ بیٹل کرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ البتہ دوسرے کمرے میں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ یہ کمرہ خوب صورت فرنیچر سے سجایا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہاں

ایک عدد فون کے علاوہ ایک طرف ایک میز پر ایک ٹرانسپیر بھی رکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ان آدمیوں میں ایک بار بے شخصیت کا حامل تھا۔ جبکہ دوسرے اس کے ماتحت معلوم ہوتے تھے۔ اس بار بے شخصیت کی آنکھیں بھی بہت جلد دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے بیٹل کرے میں کوئی بھی نہیں ہونی چاہتی تھی۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر منہ نے بار بے شخصیت سے دریافت کیا۔ وہ بیٹل کرے میں نے اس کی آنکھوں میں پھر دم کیوں آئے یہاں؟“

”میں ایک اہم خبر کے کر آیا ہوں اگر صاحب؟“ ڈاکٹر منہ نے جواب دیا۔ ”وہ خبر ایسی تھی کہ میں فون پر نہیں بتا سکتا تھا۔“

”کہو۔ کیا خبر ہے؟“ بار بے شخصیت نے ہنکاری لی۔ ”کوئی خوار و دستیاب ہو گیا ہے؟“

”جناب۔ میں اس وقت بروجی سے ملاقات کر کے آیا ہوں۔“ ڈاکٹر منہ نے بتایا۔

”کون بروجی؟“ ڈاکٹر منہ نے پوچھا۔

”سیکریٹس۔ بات صاف کیا کرو؟“

”وی بروجی کو ناکا آدمی تھا؟“ ہمت نے کہا۔ اور جسے ہم لوگوں نے پھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ پھر واپس آ گیا ہے۔ اور اس شہر میں چھپ کر زندگی گزار رہا ہے؟“

”کہاں ہے وہ؟“ ڈاکٹر منہ نے پوچھا۔ اس نے واپس آنے کی ہمت کہاں سے حاصل کی تھیں کیسے مل گیا۔ اور اس سے ملنے کے باوجود ہم نے اس کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔“

”اس وقت صورتحال ایسی تھی کہ میں اس کے خلاف کچھ کرنے کے سامنے اب کی ساری کہانی سنا دی۔“

”اوہ؟“ ڈاکٹر منہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو ناکا کی وی اس کا علاج کرانے پر تیار تھی؟“ اور یہ ڈاکٹر منہ کی کون ہے کیا ہے؟ ہم اسے ناکا کی وی دلاور بن رہا ہے۔“

”جی ٹھیک تو لی بات نہیں ہے جناب؟“ ہمت نے کہا۔ ”ویسے میں اس کی طرف سے سخت ڈا ہوں۔ وہ اپنے پیٹے میں ہمارت رکھتا ہے۔ اسی لئے میں اس کی قدر کرتا ہوں؟“

”دیکھو۔ یہ معاملہ بھی کہیں ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔“ ڈاکٹر منہ نے کہا۔ ”اور دھڑلہ دھڑلہ سے اس قسم کی چھٹی چھٹی باتیں بھی ہمارے سامنے کی کاٹ بھی نہ

سکتی ہیں۔ جبکہ ہماری منزل ابھی بہت دور ہے۔ ابھی ہم نے اس ملک میں حاصل کی کہ کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ بس لونا جیسے کچھ لوگ ہمارے قادیوں آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا ہوئے۔

”یہ بھی ذہانت بڑی بات ہے جناب، ہمارے میں موجود آدمیوں میں سے ایک نے کہا: یہ لونا کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس نے انٹر نیشنل پیپرز ایسوسی ایشن بنا رکھی ہے۔ دھوکہ دہی کی بجائے دقتی دارواتوں میں مملوث ہے۔ کروٹوں کی دولت حاصل کر لی ہے۔ وہ خود بھی بے انتہا ذہین ہے اور اس کے ارد گرد ذہین آدمیوں کا مجمع لگا ہوتا ہے۔ اس کے نائب بھی بلا کے ذہین ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے اپنی ذہانت سے اسے ثروت بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں بہت بڑی بات ہے۔“

”ہاں، اور مجھے اپنے اس کارنامے پر فخر ہے“ ناگر نے فرمایا۔ ”مجھے میں بولتا ہوں اور اس کے آدمی اپنی بے پناہ ذہانت سے دولت پیدا کرتے ہیں۔ اور وہ دولت ہماری جیبوں میں آجاتی ہے۔ بے چارے لونا کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ انٹر نیشنل پیپرز ایسوسی ایشن کا پاس ہمارے ہاتھوں چپ ہوا جا رہا ہے یہ ہے ناکامی کی بات۔“

اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ ہنس پڑے۔ ان کی ہنسی بہت دیر تک اس کمرے میں خالی ڈرم کی طرح رخصتی رہی تھی۔ ”باس“ ہنسی ختم ہو جانے کے بعد ایک آدمی نے ناگر کو مخاطب کیا۔ ”کمال ہے کہ لونا مکمل طور پر اپنے آپ کو غوث بننے لگا ہے۔ اس کے باوجود اس کی بنیادی صلاحیت ابھی تک برقرار ہے۔ یعنی وہ اپنی ایسوسی ایشن کو کسی کامیابی سے چلا رہا ہے جس طرح پہلے چلا کر رہا تھا۔“

”یہ تو ہماری“ ایسٹیم کا سب سے اچھا پہلو ہے“ ناگر نے کہا۔ ”اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر وہ ہمارے کسی کام کا ہوتا۔ ہم نے اس کی شخصیت تبدیل کرنے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اس کی ذہانت ختم نہ ہونے پائے۔ اور وہی ہوا اس کی ذہانت برقرار ہے، لیکن ہمارے سامنے آکر اس کی ساری شخصیت اور ساری ذہانت ختم ہو جاتی ہے۔“

”باس، اپنی تعظیمیں مومن اور مومن نانی دوا تہتی چاکر آدی ہیں، ایک آدمی نے بتایا کہ ہمیں وہ دونوں اپنی ذہانت سے ہم تک پہنچ جائیں۔“

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، ناگر نے بڑے وثوق سے کہا۔ ”ہم نے ان دونوں کے ارد گرد بھی اپنے جہل پھیلا رکھے ہیں۔ وہ

جب بھی اپنی ذہانت سے ہماری طرف آنے کی کوشش کریں گے، ہم انہیں قادیوں کر لیں گے۔ اس لئے تم ان کی بھڑا مت کرو۔ دیکھو۔ اس ملک میں آنے کے بعد جب میں نے یہ جھیل شروع کیا تو مجھے معلوم تھا کہ یہ کھیل آسان نہیں ہے۔ اس میں بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔ اس کی خطرناک کئی ماہ رکھنا ڈی کی طرح چال چلتی ہوئی تھا جس نے چھوٹے آدمیوں کے بارے میں نہیں سوچا۔ میرے ذہن میں شروع کی سی طرح کے اگر قادیوں کی چال چلتی ہوئی آئیے شخص کو جس نے خود کو گواہنے قادیوں کر رکھا ہے۔ مزاحمتی کھیل میں آتا ہے جو کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل جائے۔ اسی لئے میری اسٹیم میں اس قسم کے آدمی تھے۔ یہ ذہانت دولت مند یا پھر اپنے لوگ جوڑ کر کی کسی تنظیم کے سربراہ ہوں۔ اتفاق سے پہلا نام لونا کا نکلا۔ تم لوگوں کو میں اب کیا باتوں کر میں نے دقتی مسئلوں سے

اس ملک کے ایسے آدمیوں کی فہرست تیار کر رکھی ہے۔ ان کا پورا ریکارڈ میرے پاس ہے۔ یہاں کی پولیس کو بھی انہیں معلوم ہو گا کہ کون آدمی کیا کر رہا ہے۔ بلکہ پولیس کو تو کچھ معلوم ہی نہیں ہو گا۔ بلکہ میرے پاس ان کی حرکتوں کا مکمل ثبوت موجود ہے۔ میں اگر چاہتا ہوں تو انہیں عام انداز سے بلیک میل بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اس میں دوباہیں میرے سامنے تختیں پہلی بات تو یہ ہے کہ عام قسم کے بلیک میلروں کا انجام ہلاکتیں کوئی بھی شخص ختم نہیں آکر ان کے خلاف کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ اگر میں بھی عام بلیک میلروں کی طرح انہیں بلیک میل کرنے لگ جاتا تو پھر میں اور

دوسروں میں فرق کیا رہتا۔ میری ذہانت پھر کس دن کام آتی۔ یہ سوچ کر میں نے بلیک میلنگ کا وہ راستہ اختیار کیا جو دوسروں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اب تم لوگ خود ہی اس بات کا اندازہ لگاؤ کہ جب اس ملک کی ساری خطرناک تنظیموں کے سربراہ غوثوں کی طرح باتیں کر رہے ہوں گے۔ تو کتنی مزاحمت کا راہ۔ وہ سب کے سب ہمارے قادیوں ہوں گے۔“

”یہ بات تو ہے، ایک آدمی نے اس کی تائید کی۔ ”کچھ دنوں کے بعد اس ملک کے سارے خطرناک آدمیوں کے ذہنوں پر ہمارا راج ہو گا۔“

”ناگر نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور دھک دھک دینے کے بعد ایک پہلوان نما آدمی کمرے میں داخل ہو گیا۔

”باس“ وہ ناگر کی طرف دیکھتے ہوئے بولتا ہوں وہ بڑھاپا ہنگامہ کر رہا ہے۔ اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔“

”چلو میں ابھی آتا ہوں“ ناگر نے کہا۔ وہ پہلوان نما آدمی کمرے سے باہر چلا گیا ناگر نے کمرے میں موجود آدمیوں کو مخاطب کیا۔ ”آؤ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ اور دیکھو کہ میرے کام سے انکار کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس بوٹھے کی شامت آئی ہے۔ ڈاکٹر تمہارا خیال ہے کہ تمہیں بھی یہ سب دیکھ کر خوشی ہوگی۔ آؤ میرے ساتھ۔“

وہ سب ناگر کے ساتھ ایک کمرے سے کمرے میں پہنچ گئے۔ اس کمرے میں ہر طرف موم اور ہلا سٹراف پیرس کے کنسٹرکٹرز بٹھے ہوئے تھے۔ جنھن قسم کے اور ان کی کمرے کے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور ان کے درمیان ایک بوٹھا آدروں بیٹھا تھا۔ اس بوٹھے کی داڑھی بے تحاشہ ڈھری ہوئی تھی۔ اس کے پیرے اس کے جسم پر چھوڑا رہے تھے۔ وہ پہاڑ نما آدمی اس بوٹھے سے کچھ فاصلے پر اپنے سینے پر دو ہلاکتیں ہاندھے کھڑا تھا۔ بوٹھے نے ان کے قدوں کی بہت سی ٹی ٹی لیکن اس نے اپی گردن نہیں اٹھائی۔ وہ اسی طرح ٹھٹھٹوں میں اپنا سر دھپے ہوئے بیٹھا رہا تھا۔

”فہرذا“ ناگر نے اس بوٹھے کو مخاطب کیا۔ ”میں یہ کیا سن رہا ہوں۔ تم نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ تو بہت بری بات ہے جنہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“

”ہاں میں نے انکار کر دیا ہے۔“ بوٹھے نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن اٹھائی۔ ”میں تم پر اور تمہارے اس غوثیاتی کام پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”یہ غلط بات ہے بہر حال۔“ ناگر نے کہا۔ ”تم اپنے طے فکار ہو کہ تمہاری مثال نہیں ملتی۔ تم نے ختمے جسے پاؤں بنائی ہیں ان کی اگر نمائش کر دی جائے تو پوری دنیا میں ہلچل مچ جائے گی۔ لیکن یہ تو بڑا دگر نہیں اپنے فن سے کیا حاصل ہو رہا تھا کچھ بھی نہیں۔ اس ملک میں جنہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے کسی کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ تم فکھ کیسے ہو پھر میں نے تمہیں تلاش کیا۔ تمہاری فوصلہ افزائی کی اور تم سے ڈمیاں بنوائیں۔ یہ اور بات ہے کہ انعامات مل رہے۔ کچھ اور دو۔ یہ تمہارا درد ستر میں ہے۔ یہ ہمارا معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ تم ہماری مخالفت تو نہ بھجو، ہم نے تمہیں آزاد کر رکھا ہے۔ درہم تم جسے کام کے آدمیوں کو اپنے پاس سے جانے نہیں دیتے۔ لیکن انہیں پوری آزادی حاصل ہے۔ تم اپنا کام کمرے کے اپنے غریب واپس جاسکتے ہو پھر تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔“

”میں نے کہا نا کہ میں اب تمہارا کام نہیں کروں گا۔ پورے

غصے سے بولا۔ ”میرا فن غوثیاتی کاموں میں استعمال ہونے کے لئے نہیں تھا۔ میں نے اپنا خون جگر دے کر اس فن کو پروان چڑھایا تھا۔ لیکن تم نے میرے فن سے ناچا مزا لیا۔ اٹھا لے فرود کر دیے۔ میں صبح بھی نہیں سکتا تھا کہ میری مینائی ہوئی ڈمیاں کا اتنا بھانک استعمال بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال میں آج تمہارے آدمی کے ساتھ اس لئے چلائی ہوں کہ تمہیں اپنا یہ فیصلہ سنا دوں کہ میں اب تمہارا کام نہیں کروں گا۔ میں کروں گا۔“

”خدا بھی نہیں ہے بہر حال۔“ ناگر کا بڑا مستحضر منہ تھا۔ ”اگر یہ تمہارے ضمیر وغیرہ کی بات ہے تو تم نے اس سے پہلے بھی تو ڈمیاں بنائی ہیں۔ اس وقت یہ ضمیر کہاں چلا گیا تھا۔“

”تم نے اس وقت مجھے غیور کر دیا تھا۔ تم نے میرے محسوس بولتے ہوئے برکت دے کر مجھے غیور کر دیا تھا۔ وردہ بھی تمہارا یہ غوثیاتی کام نہیں کرتا۔“

”تمہارا ہوتا تو لڑکی بھی تمہارے پاس سے بہرہ دے کہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اس بے چارے پر ایک بار پھر تشدد کیا جاسکتا ہے۔“

”نہیں۔ اب تم اس پر تشدد نہیں کر سکتے۔“ ہلا دھا بہرہ عجیب انداز میں مکر دیا۔

”کیوں میں اس پر تشدد نہیں کر سکتا۔“ ناگر اس کی بات سن کر چونک پڑا تھا۔

”اس لئے کہ میں نے اب بہت دور پہنچ دیا ہے۔ بہر حال نے کہا۔ ”آئی دور چماں سے اسے کوئی بھی واپس نہیں لاسکتا میں نے اپنے بولنے کو ہلاک کر دیا ہے غوثیاتی آدمی۔ اور اب تم مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے سمجھو۔“ اس بات پر بہرہ جنونی انداز میں زور زور سے ہلنے لگا۔

”کہا بات ہے تم تنگ کیوں گئے، نیلم نے داوری طرف دیکھتے ہوئے بول پھڑا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہمیں کچھ یاد آرہا ہو۔“

”ہاں مجھے بہت کچھ یاد آرہا ہے۔“ داور نے ہونٹ صیغے ہوئے جواب دیا۔ ”اور جب مجھے کچھ یاد آئے لگتے ہیں تو آگ اور خون کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ میں اس پوری سٹی کو کھنڈر بنا کر رکھ دوں گا۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو تم دیکھ لینا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو، نیلم جلدی سے بولی۔ لیکن تمہارے بچے سے خوف محسوس ہونے لگا ہے۔ نہ جانے تمہارے ذہن میں کیا ہے۔“

”کچھ نہیں۔“ داور نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔ یہ بات
 ابھی تہدی کی جھمک میں نہیں آئی تھی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس ہوش
 کا مالک کون ہے۔“
 ”وہ جو سامنے کاؤنٹر پر ہے، یہ نیلما نے اشارہ کیا۔ اسی کا
 نام جھوندو ہے۔“ اس ہوش کا مالک ہے۔“
 ”جھٹک۔“ دیکھو میں سامنے والی کرسی پر جا کر بیٹھا ہوں۔
 تم اس جھوندو کو میرے پاس بھیج دو کہ تم اسے مانتی ہو۔“
 ”ہمت ابھی طرح یہ نیلما نے کہا۔“ اور وہ بھی مجھے جانتا
 ہے۔ تم بیٹھو۔ میں اسے تمہارے پاس بھیج دیتی ہوں لیکن
 بات کیا ہے۔ کیا مجھے نہیں بتاؤ گے۔“
 ”ابھی نہیں۔“ دلے میں نہیں سب کچھ بتا دوں گا کیونکہ
 یہاں مجھے تہدی کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔ اب میں چلتا
 ہوں تم اسے بھیج دو۔“
 داور کو نے والی ایک میز کے پاس لگی ہوئی کرسی پر بیٹھ
 گیا۔ ہوش کا یہ کوئی ابھی خالی تھا جبکہ گاہک دوسری طرف
 بیٹھ تھے۔ اس نے دیکھا کہ نیلما جھوندو کے پاس بیٹھ کر اس
 سے باتیں کرنے لگی تھی۔ پھر اس نے داور کی طرف اشارہ کر کے
 جھوندو سے کچھ کہا۔ اس کے جواب میں جھوندو نے اپنی
 گردن ہلادی۔ نیلما کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ آئی۔ اور داور
 کے پاس لگی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔
 ”وہ ابھی جانے لے کر خود ہی آیا ہے۔“ نیلما نے کہا۔ وہی
 وہ اس بات پر حیران ہے کہ تم اسے یہاں بلا رہے ہو۔“
 ”ابھی اس کی حیرانی ختم ہو چکی ہے۔“ داور نے کہا۔ ”وہ نے
 اور تم اس دوران خاموش رہنا۔ یا اگر ہوئے تو کچھ دیر کے
 لئے باہر چلی جاؤ۔“
 ”نہیں میں تمہارے ساتھ ہی بیٹھوں گی میں یہ دیکھنا
 چاہتی ہوں کہ تم کیا کرنے والے ہو۔“
 داور کا ہاتھ اٹھا پھر اس نے خود پر جبر کر کے اپنا ہاتھ
 نیچے رکھ لیا۔ وہ نیلما کے منہ پر پتھر مارنے سے روک گیا تھا۔
 وہ بہرِ طاقت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی طاقت اس کی بات ماننے
 سے انکار کر دے۔ لیکن اس نے بڑی مصلحتوں سے خود کو قابو
 میں کر لیا تھا۔ جھوندو اس دوران کاؤنٹر سے اٹھ کر کچن میں چلا
 گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ کچن سے نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں
 ہالے کی دو پیالیاں تھیں۔ اس نے وہ دونوں پیالیاں داور
 اور نیلما کے سامنے رکھ دیں۔ اور خود ان کے سامنے والی کرسی
 پر بیٹھنے سے ہٹ کر۔
 ”چلو۔“ پہلے تو کم چلے ہو اگر کام سے۔ پھر باتیں
 ہوں گی۔“

”میں تم سے کچھ معلوم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ داور نے
 اس کی آنکھیں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ”اور اس کے بدلے میں
 بلکہ راجہ دھرم دیا جائے گا۔“
 معاوضے کی بات سن کر جھوندو نے دھڑکے انداز میں
 سر کر لیا۔ لگا۔ اس کے ذہن ہمت پہلے ادا ہے ترتیب تھے۔
 ”ہاں۔“ بھئی کہا۔ ”لو چھتا ہے۔ بتاؤ میرے کوچہ کچھ معلوم ہوگا
 وہ میں بتا دوں گا۔“
 ”کیا کچھ دنوں پہلے تمہارے ہوش میں دوا لے آئی آئے
 تھے جن کی تصویریں اندری کی تھیں۔“ داور نے پوچھا۔
 ”تصویریں ان کی تھیں۔“ جھوندو نے جراتی سے اس
 کی طرف دیکھا۔ ”میں تہدی کی بات نہیں سمجھ سکا۔“
 داور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کی تھم میں نہیں
 آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی بات کی وضاحت کرے۔ اگر عبد اللہ
 کی تصویریں اسی ہوش میں اندری کی تھیں تو پھر چھپ کر اندری کی
 ہوں گی۔ تاکہ ہوش والوں کو پتہ نہ چل سکے داور کے پاس ان کی
 تصویریں بھی نہیں تھیں۔ ورنہ وہ تصویریں ہی دکھا کر اس
 ہوش والے سے کچھ معلوم کر سکتا تھا۔
 ”مجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کس طرح اپنی بات کہوں۔“
 داور جھوندو کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ”لو۔ تم اتنا کچھ تو کہنا
 کچھ دوا پہلے میرے دواؤں کو بھئی سے اٹھا کر لیا گیا ہے۔
 دیے میں، ابھی لیکن سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ دونوں اٹھاؤں
 ہیں یا اپنی مرضی سے کہیں چلے گئے ہیں۔ بہر حال مجھے بتایا
 گیا ہے کہ وہ دونوں اٹھاؤں چکے ہیں۔ مجھے ان کی تصویریں
 بھی دکھانی تھیں وہ تصویریں اسی ہوش کی ہے۔ اس تصویر
 میں وہ دونوں اس کھڑکی کے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھے
 ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے ارد گرد کچھ نیلما کی
 بیٹھتے ہیں۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ ان دونوں کو کسی خاص دوا کے
 ذریعے سے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ
 میں تم سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہوں یا نہیں کچھ معلوم بھی
 ہے یا نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ تصویریں اسی ہوش کی تھیں۔“
 ”دیکھو بھائی اس سب میں ہر وقت نئے نئے لوگ آتے
 رہتے ہیں۔ ان میں تمہارے جیسے جیسے ہوش والے بھی ہیں
 ہوتے ہیں وہ لوگ تصویریں بھی اٹھاتے رہتے ہیں۔ اب تم
 خود ہی سوچو کہ جس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ تمہارے
 آدمی کون تھے۔ میں اس معاملے میں تہدی کوئی مدد نہیں
 کر سکتا۔ ہاں کوئی اور کام ہو تو بتا دو۔“
 داور نے خاموش ہو کر چلے کی بیانی اٹھائی۔ جھوندو
 جھٹک ہی کہتا تھا اس طرح واقعی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکتی

تھی۔ اس نے چائے کا گھونٹ لے کر یہاں واپس رکھ دی۔ اس
 کے ذہن میں ایک دوسرا خیال آ گیا تھا۔ اس ہوش کے مالک
 سے ایک اور کام بھی لیا جاسکتا تھا۔ اور وہ کام یہ تھا کہ وہ عبد
 کے فٹ سے کسی طرح اس کی کوئی تصویر منگوا لے۔ بشرطیکہ
 عبد نے اپنی کوئی تصویر کچھ اور بھی ہو اور وہ تصویر برقی سے
 عبد کے فٹ سے ہی میں موجود ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی
 راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ اس نے تنگ آ کر اس معاملے پر سوچنا
 ترک کر دیا۔
 اس نے پھر چائے کی پیال اٹھائی اور دو چار گھونٹ لینے
 کے بعد پیال واپس رکھ دی۔ چائے کی پیال اس کے ذہن پر
 عموماً ہی چھانے لگی تھی۔ یہ عجیب طرح کی خود کوئی تھی۔ جیسے
 آنکھوں کے سامنے میٹھی میٹھی دھند چھانے لگی ہو اور یہ دھند
 اس کی پوری رگوں میں اترنے لگی ہو۔
 لیکن اسے احساس ہو گیا کہ جھوندو کی چائے کی پیال اتنی
 شہرت رکھتی ہے۔ نیلما نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ایسی چائے واقعی
 ہلوسے ہندوستان میں نہیں مل سکتی تھی۔
 ”ابھی بھائی میں تو چلتا ہوں۔“ جھوندو دوسری سے کھڑا
 ہو گیا لیکن داور نے اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”نہیں تم ایسے نہیں جانتے۔“ داور نے کہا۔ ”تمہاری چائے
 یہ بتا رہی ہے کہ تمہارے دونوں آدمی اسی ہوش میں آئے تھے۔“
 ”نہیں۔“ مطلب یہ جھوندو نے حیرت سے پوچھا۔ ”نیلما کی
 داور کی اس بات پر حیران دکھائی دے رہی تھی۔
 ”تم خدا مینے کیجے دیکھو۔“ داور نے کہا اس کے ساتھ ہی
 اس نے اپنی جیب سے پتھر نکال کر اسے میز کے نیچے اس
 طرح رکھ لیا تھا کہ وہ صرف جھوندو کو دکھائی دے جبکہ ہوش میں
 بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کو داور کی اس حرکت کا علم بھی نہیں
 ہو سکے۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب جا رہا تھا۔
 پتھروں کو دیکھ کر جھوندو کے جیسے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ
 اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے کسی طرف سے مدد کی توقع ہو
 کسی کا دھیان بھی ان کی طرف نہیں تھا۔ اس ہوش میں اس وقت
 اول تو گاہک ہی ہمت نہ تھے اور جو گاہک بیٹھے تھے وہ بھی
 چائے پینے اور خوش گیتوں میں مصروف تھے۔
 ”نیلما جھوندو نے نیلما کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا یہ آدمی کیا
 چاہتا ہے۔“
 ”اس سے بات مت کرو۔“ داور نے کہا۔ ”ورنہ یہاں مارکر
 ڈال چلاؤ گا۔ یہ بھی نہیں دیکھو کہ اس ہوش میں کتنے آدمی
 موجود ہیں۔ تم ابھی اٹھ کر تمہارے ساتھ اپنے ہاؤس کی طرف
 چلو۔ میں اب تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ اور اس باڑی سے

پوچھنے کا انداز ڈھانچا تھا۔ ہو گا مجھے۔“
 جھوندو ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ہمت پریشان
 دکھائی دے رہا تھا۔ داور نے نیلما کو وہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔
 خود جھوندو کے ساتھ اس کے کچن میں آ گیا۔ اس کچن میں کوئی
 بھی نہیں تھا۔ شاید جھوندو اٹھا ہی اس ہوش کو چلا یا کرتا تھا
 کچن میں جھوندو نے چائے کے پیسے جڑے برتن رکھے ہوئے
 تھے۔ ان کے علاوہ ایک لکڑی کے ٹوکس پر بہت سی بوتلیں بھی
 رکھی ہوئی تھیں جن میں کوئی سفوف، کھول ہوا تھا۔
 ”تو یہ تہدی کی شہرت کا راز۔“ داور نے ہوش کی طرف اشارہ
 کیا۔ ”تم چائے میں کچھ ملا کر اپنے گاہکوں کو چلا کر دے ہو۔ اسی
 لئے تہدی چائے پینے سے ذہن مافو ہوئے لگتا ہے۔ تم نے
 تو مجھے بھی مفلوج کر دیا تھا۔ اگر میری قوت پر طاقت مضبوط نہ ہوتی تو
 مجھے تہدی چائے کا ٹھہر ہو چکا ہوتا۔“
 ”لیکن اس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“ یہ میل کاروباری سوال
 ہے۔ تم کیوں اس معاملے میں دخل دے رہے ہو۔“
 ”میرا تعلق یہ ہے کہ میرے آدمی بھی تمہارے ہوش میں
 لائے گئے تھے۔ اور تم نے کہا تمہارے آدمیوں نے انہیں
 چائے پلا پلا کر ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہو گا۔ مجھے تمہارے
 کاروباری معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے اپنے
 آدمیوں سے دلچسپی ہے۔ بس میں اٹھنے یہاں آیا ہوں۔ اور
 اب تم مجھے ان کا پتہ بتاؤ گے۔ ورنہ اس نے پتھروں کی نال
 جھوندو کے پیٹ پر رکھ دی۔ جھوندو کی سانس اٹھنے کی کوشش
 ”مجھ کو نئے کے لئے یہ سب مت کرو۔“ جھوندو جلدی سے
 ”لو۔“ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ یہ ہوش بھی میرا نہیں ہے۔
 ”تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ ہوش اگر تمہارا نہیں تو پھر کس
 کا ہے۔“
 ”کالی موت کا۔“ جھوندو نے بتایا۔ ”وہی یہ سب کچھ کرنا
 رہتا ہے۔ رات کو اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیوں کی طرح کچیاں
 اس کا جو حکم ملتا ہے۔ ہم وہی کرتے ہیں۔“
 ”کون ہے۔“ کالی موت۔“ داور نے پوچھا۔ ”کہاں رہتا ہے
 کیا کرتا ہے۔“
 ”یہ میں نہیں جانتا۔ بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا۔“ جھوندو نے کہا۔
 ”جیسے بس اس کا حکم ملتا ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنے لگتے
 ہیں۔ چائے میں نشہ ملانے کا حکم بھی ای کا ہے۔ میں نے
 اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ یہ سفوف بھی اس کے آدمی لا کر دیا
 کہ تیس میل کام صرف اتنا ہے کہ میں چائے میں سفوف
 ملا کر گاہکوں کو چلا دیا کروں۔“
 ”اس سفوف کا کیا اثر ہوتا ہے۔“ داور نے پوچھا۔

"پہلے تو اس کی عادت پڑی ہے، پھر سزاوارت آزادی ہو گئی
ماؤں ہونے لگتے ہیں۔ اس کی یادداشت جلد ہی مٹتی ہے کچھ دنوں
کے بعد وہ کالی موت کے رحم و کرم سے مر جاتا ہے۔ اور وہ اس سے
جو کام چاہے کر سکتا ہے۔"
"کالی موت کو ایسی پہلے پہلے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟
داؤرے بلو چھلا۔
"اس بستی میں ہر طرف بیرونی اور دوسرے نیشنل کے ہوجانے
موجود ہیں۔ بھونڈے بتایا۔ یہ سب کالی موت کے آدمی ہیں۔
یہاں آگے والوں کو ان نیشنل کا عادی بنا دیا جاتا ہے کبھی کبھی
ایسا بھی ہوتا ہے کہ مضبوط قوت ارادی والے لوگ بیرون و بیرون
کے قریب بھی نہیں جاتے۔ ایسی صورت انہیں گھیر کر اس بوٹ
میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہاں کی پہلے پنی لینے کے بعد بہت
کم ایسے ہوتے ہوں گے جو اس جادو سے نکل سکیں۔ رنڈر فز
وہ بھی عادی ہوتے جاتے ہیں۔ کچھ کا مطلب یہ ہے کہ
جو لوگ اس طرح گھیرے میں نہیں آتے۔ انہیں اس انداز سے
منشیات کا عادی بنا دیا جاتا ہے۔
"اور تم اس کی خاطر بھٹاؤنا کام خوشی خوشی کرتے رہتے ہو۔
کیوں؟"
"نہیں خوشی خوشی نہیں بلکہ مجبوراً بھونڈے کی باتیں
تمہیں اس سے کیا۔ میں نے انہیں کچھ بتایا تھا تو یقیناً نہیں
آئے گا۔ اسی لئے میرا فوش برنڈی بہتر ہے۔"
"مجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی بستی ہے۔ یا تو یہاں کی ہر ظلم
ہو رہا ہے یا پھر کوئی ظلم کر رہا ہے۔ اب میری تجھیں نہیں آتا کہ
میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔
"جانی۔ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ اور یہ سب کون کہتے
ہو۔ اگر تمہارے آدمی غائب ہو گئے ہیں اور وہ اس بستی میں دیکھ
گئے ہیں تو میں ان کے ہاں سے کچھ نہ کچھ معلوم کر کے تمہیں
بتا دوں گا۔ لیکن ابھی نہیں۔ تم میرے پاس کل آ جاؤ۔
"یہ تو بتاؤ کہ میں تم پر کس طرح بھروسہ کر سکتا ہوں؟" داؤر
نے بلوچھا۔
"تو پھر مت کرو بھروسہ بھونڈو جھلا کر بولنا۔ کوئی مار دو
مجھے۔ ارے بھائی۔ یہ تو کمرن ہارے گا۔ میں کسی مصلحت سے
تمہیں ایک دن کا وقت دے رہا ہوں۔"
بھونڈو ٹھیک کی گئی تھا۔ داؤر کے ہاتھ میں لگی کچھ
بجی نہیں تھا۔ اسے معلومات حاصل کرنے کے لئے اس شخص
پر بھروسہ کرنا تھا۔
"ٹھیک ہے دوست! اس نے ایک گہری سانس لے
کر پتوں اپنی جیب میں رکھ لیا۔" تم بھروسہ تو کرنا ہی چاہتے

گا۔ میں کل شام کے وقت تمہارے پاس آؤں گا۔"
وہ بھونڈو کو وہیں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ جہاں نیلا ابھی تک
کرتی ہر بستی ہوئی اس کا استیلا کر رہی تھی۔ داؤر نے اسے چلنے
پہننے سے منع نہیں کیا تھا۔ اس نے داؤر نے جب اس کے قریب
پہنچ کر دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اور وہ آہستہ آہستہ
آگے کیچھے جھوم رہی تھی۔
"آؤ میرے ساتھ؟" داؤر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تمہ
شاید پوری پہلے ہی بی ہے۔
"ہاں۔ کیوں۔ کمر بات ہو گئی ہے۔ یہ وہ لکھنؤ کی آہی آؤر
میں یوں؟" چاہے میں کیا نقصان ہے؟
"آؤ میرے ساتھ؟" داؤر نے دوبارہ اپنے گھر آدینے کے لئے اس کا
ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ بھونڈو کے ہوٹل سے باہر
لے آیا چلتے ہوئے بھی نیلا کے قدم لکھنے جارہے تھے۔
"یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟ اس نے داؤر کی طرف دیکھا آہاں
سے پہلے تو ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔"
"تمہیں بھونڈو کے ہوٹل کی چالے کتنی باتیں ہے۔ بڈو
نے بلوچھا۔
"آج پہلی بار؟" نیلا نے جواب دیا۔ اس سے پہلے میں
نے اس چالے کی بہت تعریفیں کیں تھیں۔ اور وہی باتیں میں
نے تمہارے سامنے دہرا دی تھیں۔
"بھونڈو چلنے میں لکھنؤ مارا پلا کر تالے؟" داؤر نے بتایا
میں بھی معلوم کرنے کے لئے اسے کچن میں لے گیا تھا جہاں
اس نے اس بات کا اقرار کر لیا ہے۔
نیلا چلتے چلتے چائے کا چائے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے سر کو
زور زور سے جھٹکا شروع کر دیا۔ جیسے وہ چائے کے گئے کو خود
پرستے اتارنا چاہتی ہو۔
"کیا آؤ کیا ہے تمہیں؟" داؤر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
بلوچھا۔
"میں اس کیپنے کو زندہ نہیں رہنے دوں گی؟" نیلا غصے
سے دہاڑی دے کر شوہر کو اسی نے تباہ کیا ہے۔ میرا شوہر
پہلے اسی کے ہوٹل میں جا کر رہتا تھا۔ وہیں سے اسے نئے نئے
عادت پڑی ہوئی۔ میں اسے جان سے مار دوں گی اس کیپنے
ذیل؟ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں جھنجھکیں۔ غصے کی شرت
سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
"مے وفوی مت کرو؟" داؤر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میرا
تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن مجھے تم دونوں کو دکھ کر
بہت افسوس ہوا ہے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے
کہ میں ان تمام لوگوں سے انتقام لوں گا۔ جنہوں نے تم دونوں

میں بھولی کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ تم میری یقین کرو۔ یوں
مجھ کو میرے دشمنوں کی ہمت میں بھونڈو کے نام کا ساتھ
ہو گیا ہے۔ لیکن بھونڈو اصل آدمی نہیں ہے۔ اس کے چھپے
کوئی اور چھپا ہوا ہے۔ بھونڈو نے اس کا نام کالی موت بتا دیا
ہے۔ کالی موت کالی موت سے واقف ہو گیا۔
"کالی موت؟" نیلا بڑبڑائی۔ پھر اس کے چہرے کا رنگ نفی
ہو گیا۔ وہ یہ نام نہ کر رہی تھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔
"تمہارا خوف؟" بتا رہا ہے کہ تم اسے جانتی ہو؟" داؤر نے
کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس بستی میں ساری شیطانی حرکتوں
کا وہی ذمہ دار ہے۔ جبکہ دوسرے اس کے آدھار کا کج حیثیت
رکھتے ہیں۔
"ہاں۔ یہی بات ہے؟" نیلا دھیرے سے بولی۔ "کالی موت
واقعی کالی موت ہے۔ بھونڈو اس کے غصے سے محفوظ رکھے۔ وہ
ایسا آدمی ہے جس سے ناراض ہو جائے اس کی موت آجانی
ہے۔ شاید میں غلط گھم رہی ہوں۔ وہ آدمی نہیں بلکہ شیطانی
ہے۔ بھونڈو ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ماں نے بھی اس
کی صورت نہیں دیکھی ہوگی، وہ دوسرے پاؤں کا لے لے لے لے
میں رہتا ہے۔ اس کے چہرے پر بھی سیاہ رنگ کی نقاب لگتی
ہے۔ ایک بار میں بھی اس سے مل چکی ہوں۔ اور اس ملاقات
کا ذمہ ابھی تک میرے سینے پر تازہ ہے۔"
"میں نہیں سمجھا؟" داؤر نے اس کی طرف دیکھا۔ "میں حالت
میں تمہاری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟"
"اس کے آدمی مجھے اس کے حضور پیش کرنے کے لئے آگیا
گئے تھے؟" نیلا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "دیکھو ابھی میں
گرچہ ایک طوائف بن چکی ہوں۔ لیکن یہ سوداگری کا بوجھ کرنا ہے
میں اپنے گاہک سے پیسے لیتی ہوں اور وہ مجھ سے سکون
حاصل کرتا ہے۔ یہ دوطرفہ بات ہوئی ہے لیکن اگر کسی طوائف
کو زبردستی تنہا چلنے تو دینا چاہیے کیوں اس کے اندر وہ گرت
جیسے دوسروں سے سلا بیٹھتی ہوئی ہے۔ پھر بیدار ہو جاتی ہے۔
اسے اپنی اولین محسوس ہونے لگتی ہے۔ میرے ساتھ بھی
یہی ہوا تھا۔ کالی موت کے آدمی مجھے اٹھا کر لے گئے وہیں
اس کے پاس سے اپنے دل پر گھٹا فٹے واپس آئی۔"
"وہ تمہیں کہاں سے گئے تھے؟" داؤر نے بلوچھا۔ اسے ب
کالی موت سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔
"میں اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی میری آنکھوں
پر جی باندھ کر ایک گاڑی میں بیٹھا دیا گیا تھا۔ وہ گاڑی
بہت دیر تک چلتی رہی تھی۔ گاڑی رکنے کے بعد مجھے ایک طرح
اتار بھی گیا تھا۔ پھر اسی طرح مجھے مہاراجے کی عمارت کے

اندسے جا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عمارت کون سی تھی پھر
کئی سیر صبا بننے کرنے اور کئی کڑوں سے گزرنے کے بعد مجھے
اس کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔ جہاں کالی موت میرا انتظار
کر رہا تھا۔ بھونڈو، بھونڈو، بھونڈو، بھونڈو، بھونڈو، بھونڈو
میں نے بہت مزاحمت کی۔ اپنے آپ کو پتہ چلا۔ لیکن اس
شیطان نے مجھے اور میرے گرد و دیا۔ اس میں کسی باجی جیسی
قوت تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بلڈ وڈ مجھے روکنا نہ ہو۔
"اوہ؟" داؤر اس کی بات سن کر مضطرب ہو گیا تھا۔ "بہت
ہے کہ تم اس جگہ کو نہیں پہنچتی تھیں۔ جہاں انہیں لے جانا
گیا تھا۔ کاش تمہیں فراموشی کچھ معلوم ہوتا تو میں اس کالی
موت کو اس کی کچھ اسے باہر لے آتا لیکن کچھ بھی نہیں کر سکتا
کیا تم کسی طرح بھی اس مقام کی نشاندہی نہیں کر سکتی؟"
"میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ مولے اس
کے کمرے میں جب تک اس کمرے میں رہی۔ پانی کے گرنے
کی آواز آتی رہی تھی۔ جیسے قریب ہی کوئی چھوٹی سی آواز
ہم رہی تھی۔
"ہم اس سے کبھی کچھ معلوم نہیں کر سکتے نیلا؟" داؤر نے کہا
تو یہاں ان لوگوں کو پہنچی ہی ہو۔ تو میں اس کے پاس لے گئے تھے
"ہاں۔ میں نے ان کی صورتیں دیکھ لیں تھیں۔" نیلا نے
کہا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے بعد مجھے ان میں سے
کوئی بھی اس بستی میں دکھائی نہیں دیا۔
"وہ بہت ہی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے؟" داؤر نے کہا۔
"پھر حال اس کی کوئی نہ کوئی مگر تو یہاں آئی جاتے کی؟"
اس دوران وہ نیلا کے گھر تک پہنچ چکے تھے۔ گھر کا دروازہ
معمول کے مطابق کھلا ہوا تھا۔
"تم اپنے شوہر سے بولی آؤ کہ تم آج رات زور دے آؤ گی
داؤر نے نیلا سے کہا۔
نیلا نے عجیب لگا ہوں سے داؤر کی طرف دیکھا پھر
جلدی سے اندر چلی گئی۔ اندر جانے کے ساتھ ہی اس کی بیٹی
سانی دی۔ پھر وہ روٹی اور چائے پانی ہوا باہر آئی۔
"کیا بات ہوئی؟" داؤر نے پوچھا۔
"میرا شوہر۔"
"کیا ہوا تمہارے شوہر کو؟"
"وہ چلا گیا،" نیلا نے بتایا۔ "وہ لوگ اسے لے گئے۔ اس
نے اب رونا بھی شروع کر دیا تھا۔
"کون لے گئے صاف صاف بتاؤ؟"
نیلا نے اپنی منہ میں دبا ہوا ایک کاغذ داؤر کی طرف
بڑھا دیا۔ یہ دیکھو۔"

دور نے وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ تمہیں کچھ لینا چاہیے کہ تمہارا شوہر بھی اس بستی کے دوسرے لوگوں کی طرح وہیں پہنچا گیا ہے۔ جہاں اسے اس کی ضرورت کی چیز ملتی ہے گی۔ اور جب اس کا کام ختم ہو جائے گا تو اسے دوسروں کی طرح واپس کر دیا جائے گا۔

مارگ کے آنے کی خبر سن کر وہ سب اس طرح کھڑے ہوئے جیسے ان کے پیروں میں سپرنگ لگ گئے ہوں۔
 ”آپ بیٹھے رہیں باس“ رگھو نے کہا، ”تم کو بھی بہت ہیں۔ اب تو آپ نماز پڑھتے رہیں۔“
 ”تمہیں تلاوہ مسکرا دیا۔ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چل رہا ہوں۔ اس نے قبیلہ کی طرف دیکھا کہ تمہیں باہر لے کر کسی ضرورت نہیں ہے۔ تم نہیں رہو۔“

دلاور آندرا اس کے لئے ہونے آئیوں کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے مارگ کو آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس کے غریب کے بدلے میں اس قسم کے لوگ اس کا سامنا کرنا نہیں کرتے تھے۔ دلاور نے خود ایسے آدمیوں سے ملاقات کی تھی بہت گوارا نہیں کی تھی۔ لیکن آج اسے مارگ کے سامنے آنا پڑا تھا۔ اس نے اس شخص کا نام نہ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شخص کون سے آدمیوں کا سودا کر رہا ہے۔ اڈے چلا رہا ہے۔ لیکن اس کی مارگ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح مارگ نے اسے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے سامنے کون کھڑا ہے۔

آندرا اس کے آدی پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سب دقتی دیکھ کر معلوم ہوئے تھے۔ اسی لئے وہ سب مارگ اور اس کے آدمیوں کو سامنے دیکھ کر اس طرح خوش تھے۔ جیسے کوئی نیا پسندیدہ ملنے آئی ہو۔

مارگ اپنے سات آندرا آدمیوں کو لے کر آیا تھا۔ وہ آدیوں کے پیچھے تھے۔ اندرا ان میں سے ہر ایک کے پیچھے بے خوفتہ تھی ان میں سے ہر ایک جرم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔ ایسے لوگ تھے جنہوں نے مار دھاڑ کر کے ہونے زندگی گزار دی تھی۔ اور سب سے آگے خود مارگ تھا۔ جان سب سے زیادہ خطرناک تھا جس کے تیور ان بھیوں سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے دلاور اور دوسرے لوگوں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کی نگاہیں براہ راست آند پر تھیں۔

”میں نے سنا ہے کہ جس نے اس بستی میں ہرن لے کر فروغ کر دیئے ہیں۔ اس نے آند سے کہا۔

”آدی کو زندہ رہنے کے لئے ہر سب کرنا ہی پڑتا ہے۔“

دلاور اسی سے بولا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اس بستی میں زندگی بھر غمی سب کچھ کرتے رہو۔“

”ہوں تو ان لوگوں کی وجہ سے تیری زبان لمبی ہو گئی ہے۔“ مارگ دباؤ میں اپنے آدمیوں سے کہہ دوں تو ان میں سے کوئی بھی یہاں دکھائی نہیں دے گا۔“

”مارگ، دلاور نے تیرا اور بلند آواز میں اسے مخاطب کیا۔ تم شاید مجھے نہیں جانتے۔ اسی لئے، اسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر میں اپنے بلے میں بتا دوں تو تم بھی اس بستی کو لیا اس خبر کو چھوڑنا لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔ میرا مقام یہ نہیں کہیں تم مجھے لوگوں کے مقابلے پر اکڑا کر ہواؤں۔ اسی لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لیجر کی تاریخ کے اس بستی سے ابھارنا ختم کر کے نہیں چلاؤ۔ تم باہر اسے ساتھ آکر شامل ہو جاؤ۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آج اس بستی کے اڈے کا مالک آند ہو گا۔“

”یہ بات اتنی آسان نہیں۔“ ڈیوڈ نے کہا۔ ”مارگ نے کہا کہ اس کا ہلکا دھورہ لگا۔ اس سن کی آواز کوئی اور رگھو کے ہاتھ سے لگا ہوا چاقو مارگ کی آستین کو پھنسا دیا۔ دوسری طرف جاگرا۔ رگھو نے قیامت کے نشانے کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے دوسرا چاقو بھی نکال لیا تھا۔ ”ایک لفظ بھی بولا تو چاقو تیرے سینے کے باہر ہو جائے گا۔“ رگھو نے کہا۔ ”تو نے ہر نشانہ تو دیکھ لیا ہے۔“

رگھو کے اس مظاہرے نے وہاں سناٹا پیدا کر دیا۔ سب کے سب دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اور بھی رگھو کے مظاہرے کی حیرت ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ہند نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر پھینکی کی تیزی سے چھلانگ لگا لی اور مارگ کے پاس پہنچ گیا۔ دم بخود کر دینے والی رفتار کے ساتھ اس نے مارگ کی گردن میں اپنا ناک ہا پھنکا کر دوسرے ہاتھ میں دبا ہوا پستول اس کی گتھلی سے لگا دیا تھا۔ اس نے بہ حرکت آتی چاٹا چاٹا اور سرعت سے اس کی گتھلی کو خود دلاور بھی پھینک چکا تھا۔ مارگ نے جھک کر مارگ کے ساتھ آئے ہونے لوگ بوکھلا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے تھے۔

”اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“ ہند نے کہا۔ ”اگر تم تو نہیں جھٹکا کر کے رکھ دوں گا۔“

”اسے آند سے آؤ۔ ہند نے دلاور کے آواز لگا لی۔ اور اس کے آدیوں سے کہہ کر وہاں سے چلے جائیں ورنہ مارگ کی لائی بڑی ہوئی دکھائی دے گی۔“

مارگ بے بس ہو کر کہا تھا۔ اسے تو یقین بھی نہیں تھا کہ اس کی اپنی بستی میں اس کے اپنے اڈے کے قریب اسے اس

طرح قابو کر جائے گا۔ اس کے ساتھ آئے ہونے آدیوں کی اب اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے ان لوگوں کا غلط اندازہ لگا لیا تھا۔ اسے ان لوگوں سے ایسی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ ہند اس کے ساتھ لوگوں کو وہاں سے جانے کے لئے کہتا اس نے خود ہی اپنے آدمیوں کو منتشر ہو جانے کی ہدایت کی۔ اس کے کوئی شاید ہی موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی بات سنتے ہی وہ سب کے سب بکھر گئے۔ اب وہاں سولے مارگ اور ان لوگوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ بستی کے لوگ بھی ان سے دو کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس بستی میں مارگ کو شہر ہوئے ہونے تو دیکھا تھا لیکن اسے اس طرح چوبیس کی طرح بے بس ہوتے ہوئے دیکھنا ان کے لئے حیرت کی بات تھی۔ وہ سب کے سب کچھ بھی انکھیں سے یہ قماش دیکھ رہے تھے۔

ہند مارگ کو دھکے دیتے ہوئے مکان کے اندر لے آیا۔ اس کے ساتھ آندرا اور اس کے بقایا سامنے بھی آندرا آئے تھے۔ اندر آئے کے بعد دلاور بڑی شان کے ساتھ ایک طرف جا کر بیٹھ گیا۔ ہند نے مارگ کو دھکا دے دیا۔ مارگ مضطرب کی کوشش نہیں کر سکا تھا۔ وہ دلاور کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ دلاور کے ہونٹوں پر بڑی فانی دسی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی دولت و درہدی کے عالم میں بھی اس کے کام آتی تھی۔ اس نے اپنے سر پر ایک بار پھر سرا لڑائی کا سج رکھ لیا تھا۔

”اگر آپ حکم دیں باس تو اسے تھوڑی سی سزا دے دی جائے۔“ سلطان نے دلاور کی طرف دیکھتے ہوئے بول چھا۔ ”تمہیں دلاور نے انکا میں لپی کر دن ہلا دی۔“ بھگے ہلاوہ کا کشت و خون لہند نہیں ہے۔ اور ویسے بھی اس شخص کو تھوڑی بہت عقل تو آئی ہی ہوگی۔ پھر اس نے مارگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے دیکھ لیا کہ میرے ساتھ کس قسم کے آدی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پچاس ہر بھاری ہے۔ میں اس بستی میں سوچ بھی کر گیا ہوں۔“

”آپ۔ آپ جانتے کیا ہیں؟“ مارگ نے لرزتی ہوئی آواز میں بول چھا۔ ”آپ لوگوں کا کیا مقصد ہے۔؟“

”میں تمہاری کمزوری معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“ دلاور نے کہا۔ ”تم مجھے بتاؤ گے کہ تمہاری کیا کمزوری ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکا۔ مارگ حیران ہو گیا تھا۔ بیکی کمزوری؟“ ”تمہارے ساتھ کون کن رہتا ہے۔“ دلاور نے بول چھا۔ ”کچھ بتانا۔“

”کوئی نہیں۔“ مارگ نے جواب دیا۔ ”میرے ساتھ تو کوئی نہیں رہتا۔“

”رگھو۔“ دلاور نے رگھو کی طرف دیکھا۔ ”اس کا ایک کان کاٹ کر اس کے ہاتھ ہر رکھ دو۔ یہ آدی آسانی سے کچھ نہیں بتائے گا۔“

رگھو نے اپنی جیب سے اپنا چاقو نکال لیا۔ اس کے چاقو نکالنے اور اسے کھولنے کا اندازہ ہی ایسا تھا کہ مارگ کے ہاتھ کی لرزش تیز ہو گئی۔

”بتانا ہوں۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”میرے ساتھ میرا لڑکا رہتا ہے۔ بارہ برس کا ہے۔“

”قودہ تمہاری کمزوری ہو نا۔“ دلاور مسکرا دیا۔ وہ کہاں ہے اس وقت۔ دیکھو۔ بتانا۔ ہم لوگ یہاں کسی کی پرواہ یا رعایت کرنے کے لئے نہیں آئے۔ ہمیں اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ بستی کے لوگ اس وقت ہم سے غلاف کیا سوچ رہے ہوں گے۔ یا تمہارے آدمیوں نے تمہارے خلاف کیا کیا منصوبہ بنا لیا ہو گا۔ نہیں، ہمیں کسی بات کی فکر نہیں ہے۔ ہم تمہاری بستی میں ہنگامہ کرنے آئے ہیں۔ اور ہنگامہ کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اسی لئے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا۔

”وہ اس وقت تمہاری برہے ہے۔“ مارگ نے بتایا۔ لیکن تم اس کے ساتھ کیا کرو گے۔ اس کا تم سے کیا تعلق۔؟“

دلاور نے اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر سلطان کو گوارا ہند کی طرف دیکھا۔ ”تم لوگوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس وقت مارگ کے آدی اس کے گھر میں موجود ہوں گے۔ ہم یہاں پہنچ کر ان کی تعداد کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ان میں سے کتنوں کے پاس اسلحہ ہے۔ وہ لوگ اس وقت ہمارے خلاف بری طرح خفیہ میں ہوں گے۔ ان کا بس نہیں چل رہا۔ ورنہ وہ ہمیں بھون کر رکھ دیں لیکن مارگ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے تم سبھوں کو دیکھ رکھا ہے۔ کیا ایسی صورت میں تم لوگ مارگ کے گھر جا کر اس کے پیچھے آؤ گے؟“

”کوہاں لا سکتے ہو۔“ دیکھو غلط غلطے مت کرنا۔ اگر یہ کام تم سے تو بتا دو۔“

”یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔“ سلطان نے کہا۔ ”مگر یہ تمہیں اپنی طرف سے اطمینان دلاتا ہوں کہ میں نے دشمنوں کی تعداد کی پرواہ بھی نہیں کی۔ آپ دیکھتے ہیں۔ میں کس طرح ان کے درمیان گھس کر اس کے پیچھے آؤں گا۔ آپ کے پاس لے آؤں گا۔“

”میں بھی سمان سے کم نہیں رہوں گا باس۔“ ہند بھی اپنی

بڑا: آپ نے میری طرف دیکھا ہے۔ میں نے آپ کا اشارہ سمجھ لیا
اب آپ بے فکر ہو جائیں۔
"میری طرف سے بھی اطمینان لیں۔ یہ رکھوئے کہا۔ ایک
ہر آپ کے اشارے پر جان دینے کا وعدہ کر لیا تو کر لیا۔
"ٹھیک ہے۔ تم تینوں جاگرا اس کے کوسے آؤ گے۔ کوشش کرنا
کہ ہاتھ پاؤں چلانے کی نوبت نہ پیش آئے۔ حکمت عملی سے کام
لےنا ہے۔"
"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ مارگ نے جلدی سے پوچھا۔
"کوشش کی لیکن انوار روشن نے اسے آگے بڑھ کر گرفت میں
لے لیا۔ وہ ان کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ قینوں
دلاور کے اشارے پر ہمارے چلے گئے۔ جبکہ دلاور اور شہلا دلاور
کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ دلاور کا یہ قدم ان کی سمجھ
میں نہیں آیا تھا۔
"اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں یہ غصے اور خوف کی شرت
سے مارگ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔
"اگر تم نے میرا ایک معمولی سا کام کر دیا تو تمہارے بیٹے کو کچھ
بھی نہیں ہوگا۔ دلاور نے کہا۔ پھر اس نے شہلا کی طرف دیکھا
تمہارا خیال ہے کہ تمہاری بیٹی مجھ میں آگیا ہوگا کہ میں اس شخص سے
کہا جا رہا ہوں؟
"نہیں ہمارا رخ میں نہیں سکی۔ شہلا نے جلدی سے جواب
دیا۔ جو آپ نے سوچا ہے وہ ٹھیک ہی سوچا ہوگا۔
"مارگ دلاور مارگ سے مخاطب ہوا۔ تم نے کبھی ریڈنگ
کا نام سنا ہے۔
"میں کتنا ہوں میرے بیٹے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا۔
"خوش رہو۔ دلاور دہرایا۔ تمہیں اتنی بھی تیز نہیں ہے کہ
میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔ اور تم اپنے بیٹے کی رات لگانے
ہوئے۔ روشن فرما سے نہیں تو سمجھا نا۔
"ابھی لیجن چاہ۔ روشن نے بیسٹے ہی بڑی تہی کے
ساتھ مارگ کی گردن میں پھنپی ڈال دی۔ اس نے رجا نے کون
سی رنگ دیادی کہ مارگ اس کی گرفت میں پھن پھرنے لگا اس
کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ بڑی تکلیف کے عالم میں
بڑی گردن اڑھو اڑھو کرنے لگا تھا۔
"چھوڑو اب۔ دلاور نے حکم دیا۔ میرا خیال ہے کہ اسے
کچھ عقل آگئی ہوگی۔
روشن نے اس کے کہنے پر مارگ کی گردن چھوڑ دی۔
وہ بہت دیر تک اکڑی اکڑی سانس لیتا رہا تھا۔ پھر جب

اس کی حالت اعتدال پر آگئی تو۔ دلاور نے بھڑکے سے مخاطب کیا
"ہاں۔ تو میں نے تم سے یہ پوچھا کہ کیا تم ریڈنگ سے
واقف ہو۔ تم نے کبھی اس تقییم کا نام سنا ہے؟
"ہاں سنا ہے۔ مارگ نے جواب دیا۔ وہ اب بالکل سیدھا
ہو گیا تھا۔ اس کی ساری ہوا نکل گئی تھی۔ یہ ایک خطرناک تقییم ہے۔
"تو اس ریڈنگ سے کیا ایک گودام بھی ہے؟ دلاور نے کہا
اس گودام کے پیچھے ان لوگوں نے ایک عمارت بنوا رکھی ہے۔ اگر
تمہیں اس کا بہت نہیں معلوم تو کوئی بات نہیں میں تمہیں بتا
دون گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنے آدھوں کو لے کر اس گودام
پر حملہ کرو گے۔ اور ریڈنگ کی معاون سوما کی ادائیگی دیکھ لینی
کو اٹھا کر کے اپنے اٹے تک لے آؤ گے۔ وہاں میں تمہیں اس
گودام میں آگ بھی لگا رہی ہے۔ میری بات سمجھ گئے نا۔
"یہ کام تو بہت مشکل ہے۔ جبنا۔ مارگ نے لکھ لکھ کر لایا۔ یہ
کیسے ہوگا۔ وہ تو بہت خطرناک لوگ ہیں۔
"اسی لئے تو تمہارا بیٹا میرا ہے۔ پاس ہے گا تا کہ ہر حال میں
وہ کام کرے۔ وہ اس آدھوں کو اتنی بھی یہاں سے چل دیں گے۔
تم ان لوگوں کو لے آؤ تو اپنے اٹے ہی پر رکھنا۔ ہم خود ہی تمہارے
پاس آکر تمہارا بیٹا تمہیں واپس کر دیں گے اور ان لوگوں کو دھوکا
کر دیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔
"یہ تو بہت ہی شاذ و نادر بات ہوگی ہمارا رخ۔ شہلا نے بے ختم
اپنا ہاتھ دلاور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ جو ان ہاتھ کے جوان لسنے
دلاور کے دل میں پھنکی اس کی چوٹی لیکن وہ ایک گہری سانس
لے کر رہ گیا۔ وہ اتنے لوگوں کے اور خاص کر دلاور کے سامنے
اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

میں آتی جا رہی تھی۔
"میں تم سے آخری بار پوچھتی ہوں۔ زنگولہ اس نے زنگولہ
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم مجھے اس داور کا ہاتھ بتا دو۔ اسے
کہاں رکھنا ہے؟
"تم تو اسے سامنے والی تمہیں۔ اب اس کی اتنی فکر کیوں کر
ہے؟ زنگولہ نے سڑکتے ہوئے جواب دیا۔
"وہ میری حماقت تھی۔ میں غصے میں آئی تھی۔ لیکن اب
مجھے اس کی ضرورت ہے۔ میں اس سے اپنا کام لکھنا چاہتی
ہوں۔
"اگر زنگولہ کو دلاور کے بدلے میں کچھ معلوم بھی ہو تو پھر میں
اس سے یہ کہوں گا کہ یہ تم جی جی کو تو سمجھتا ہے۔ بتانے کی لانی
بول پڑا۔
"تم خاموش رہو۔ ہاتھ سے سوما کی دہائی۔ تم نے مجھ سے
بہت فائدہ حاصل کر لیا ہے۔ اور اب تمہاری موت کے دن
آئے ہیں۔
"تم شاید پاگل ہو گئی ہو سوما۔ لانی نے کہا۔ یہ بات تم
اس کو کہہ رہی ہو جس نے باپ کی تمہاری ہمدردی کی تھی جس
نے تمہیں ہمیشہ اپنے سینے سے لگا رکھا۔
"لوگوں کا احسان کر دیا مجھ پر۔ سوما نے زنگولہ کی تمہاری
وقت میں تمہاری خوشحالی بھی ہوئی تھی۔ تم نے مجھے اس لئے
جنت دی کہ تم دلاور کی نعمت سے محروم نہ رہے۔ میری ہمدردی
کر کے تمہیں سکون مل رہا تھا۔ اس لئے تم نے مجھ پر کوئی احسان
نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ میرا احسان ہے کہ میں تمہاری خوشی کی خاطر
تمہاری بیٹی بنی رہی۔
"آپ اس کے مفہوم نہیں سمجھ رہی۔ زنگولہ لانی سے مخاطب ہوا
یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ ابھی اس نے طاقت کا نیا نمونہ
چکھا ہے۔ ابھی تو گارگ اس کے اشارے پر تکیوں کی طرح اپنی
ڈھب ہلا رہے ہیں۔ اور جب یہی سنے بہت کراہے گئے۔
تو اسے ہتھ چلے گا کہ عمارت اور وفاداری کا چیز ہوتی ہے۔
"خاموش رہو۔ سوما کی دہائی۔ اگر تم نے زیادہ بکواس
کی تو میں ان آدمیوں کو قہراً بولیں نہیں رکھ سکوں گی۔
"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دلیر آدمی ہمارے میں نا ہی من
لے کر میرے سامنے آتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی مرد ہے تو اس
سے کہو کہ خالی ہاتھ مجھ سے مقابلہ کرے۔ بلکہ چلو میں یہاں تک
جتنا کہوں کہ سب کے سب خالی ہاتھ مجھ سے مقابلہ کریں۔ سب
لیک ساتھ آجائیں۔ اگر یہ مجھ پر قابو پالے میں کامیاب ہو گئے تو

میں وعدہ کرتا ہوں کہ صرف داور کا ہاتھ بناؤں گا بلکہ اسے اپنے
ساتھ بھی لے آؤں گا۔ بولو کیا کہتے ہو۔ یہ سودا منقول ہے۔ کھک
لو۔ اس میں ہوسکت ہے کہ تمہارا فائدہ ہی ہو جائے۔
سوما نے زنگولہ کی بات سن کر کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔ پھر وہ
دھیرے اس کا پھر ہو چکے۔ لگا جیسے سورج کوئلے کے درمیان سے
باہر آجائے۔ وہ اب بڑی چپکلی سے زنگولہ کی طرف دیکھ رہی تھی
وہ اپنے مزاج میں اس قسم کی لڑکی تھی۔ اس نے ای انداز میں باہر
زندگی گزاری تھی۔ ہر طرح کی نپا وید نہایت خوش۔
"کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟ اس نے اپنے آدھوں کی طرف
دیکھا۔ اس کا لے آؤی سے مقابلہ کر دے۔
"کیوں نہیں مادام۔ لیکن آؤی جلدی سے بول پڑا۔ بہت
مل کر اس کی دھبیں پھیر دیں گے۔ لیکن میری بیٹی رائے میں اس
مقابلے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ حکم کریں تو میں اس کے
دونوں ہاتھ اور چہرے میں گولیاں مار کر لے رہیں ڈال دوں۔
زنگولہ نے اسے بوجھ کے بعد یہ خود ہی اس شخص کا ہاتھ بتا دے گا۔
"میرا خیال ہے کہ تم نے اپنی بیٹی نہیں لے آؤی ہو گی کہ لے
لیں۔ زنگولہ نے ہنسنے ہوئے کہا۔ اسی لئے ان لوگوں کو میرے ہاتھ
میں معلوم نہیں۔ اگر اسے میری قوت ارادی کا علم ہوتا تو یہ لچکا
کبھی ایسی باتیں نہیں کرتا۔ بسنے دے۔ تم نے جن آدمیوں پر رحم و
کیا ہے۔ وہ تمہارے صرف گولیاں جلا سکتے ہیں۔ ہاتھ پر
سے نہیں ہٹ سکتے۔ اگر میں ان کے سامنے تمہارے چہرے پر ہتھ
لگی دوں تو یہ کچھ نہیں کریں گے۔ یقین نہ ہو تو انہیں آڑ مار کر دیکھ
سکتی ہو۔
زنگولہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہا تھا کہ سوما کی اشتیاق میں
آجائے۔ اس نے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ سوما کی طبیعت
میں آکر گولیاں چلانے کا حکم بھی دے سکتی تھی۔ لیکن زنگولہ ابھی اس
کی طاقت سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سوما کی ضدی طبیعت
خوش دلا لے۔ ہر دلی کہے گی وہ جو چاہتا تھا اوتی ہی ہوا سوما
نے غصے سے اپنے آدھوں کی طرف دیکھا۔
"میں نہیں حکم دیتی ہوں کہ تم لوگ اپنی اپنی ایک طرف رکھ
کر اس آؤی سے مقابلہ کر دو۔ مجھے داور کا ہاتھ چاہیئے۔
ان پانچ آدمیوں کے لئے ایک زنگولہ سے مقابلہ کرنے کا
خیال شاید آتما مشکل نہیں تھا۔ اسی لئے انہوں نے جلدی جلدی چلی
کے پردوں کے پاس اپنا اپنا ٹیگن رکھ دیا۔
"یہ کیا دھوکہ ہے کہ میرے ہاتھ زنگولہ لانی اس کی طرف دیکھتے
ہوئے ہوں۔ لانی انہوں نے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالتے ہوئے

”بس آپ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جائیں آقا زنگور نے کہا ان میں سے کوئی بھی مجھ پر قابو نہیں پاسکے گا“ اس دوران سومالی نے ایک ٹائیٹل اٹھا لیا۔ زنگور نے ٹائیٹل گن میں نے تمہارے نہیں بلکہ اپنے آدھوں کے لئے اٹھا ہے اس نے کہا اگر ان میں سے کسی نے بھی مقابلہ کرتے وقت بڑی دھماکا تو میں اسے گولی مار دوں گی۔ ان لوگوں کو تم پر قابو پا کر دھماکا ہو معلوم کر رہا ہے۔ بس میں اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جانتی“

سومالی کے آدھوں نے اس طرح چونک کر سومالی کی طرف دیکھا جیسے انہیں سومالی سے اس روپے کی توقع نہیں تھی پھر انہوں نے اپنے اپنے سر پہلے اور دوسرے دھبے زنگور کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ بھی ڈانٹ پھڑانے کے فن میں ماہر لوگ تھے۔ اہ سومالی نے ان کا انتخاب لیا، یوں انہیں کیا تھا۔ ان میں سے ہر

ایک جان دینا چاہتا تھا۔ زنگور نے لائی کو بلا دیا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی مطمئن سی مسکراہٹ چھیلی ہوئی تھی جس طرح جیتا اپنے شکار کو حملہ کرنے دیکھ کر بیتاب ہو جاتا ہے۔ اس زنگور کی یہی کیفیت تھی۔ وہ پانچوں ایک دائرے میں لیکن ایک دوسرے سے بیک پیسلے ہوئے فاصلہ کر کے زنگور کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں زنگور کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ زنگور نے اپنے منہ سے افریقی جنگجوؤں کی طرح ہلپا کی آواز نکالی اور اپنے دونوں بہروں کو ایک دوسرے سے مل کر اس طرح اچھل گیا جیسے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگی ہوئی ہو۔

ان پانچوں کی نگاہ چمکی اور وہ ان میں سے ایک کے سر پر سے گزرتا لیکن منور کر مایا باؤد و مری طرف چلا گیا جس شخص کو منور کی مٹی وہ زنگور ایک طرف جا کر جس سے پیسے کر وہ لپیٹ چلا کوئی بھٹل سکتے زنگور اس کی طرح بل لٹھا کر ان پر حملہ آور ہو گیا۔ اس وقت اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ہاتھوں کی طرح کام کر رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے بدن میں بجلی چمکی ہو۔ خرا دیہ میں سومالی کے دو آدھ زنگور کی طرف دھمک گئے۔ لیکن تیسرے نے جھپٹ کر زنگور کی کراچی کرت میں سے لی تھی۔

زنگور ابھی طور جیسا گرفت کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسی لئے وہ دیکھ کر اس کی آدھ پر ہڑلہ نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے اپنا ایک ٹکٹا اس طرح مولا گیا جب وہ اس کی آدھ سے

اس کا ٹکٹا ہوا ٹکٹا اس کی آدھ کے ہیٹ میں اتارنا چلا گیا جس شخص کی پہنچ بہت ہی کم تھی۔ وہ نیچے کر رہی طرح پھرنے لگا۔ دوسری طرف بقیہ باؤد و آدھوں نے اچھل کر زنگور کو دو طرف سے لپٹ کر کوشش زنگور آپ کو گت کی طرح اپنے ہاتھ جلائے لگا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اس شخص کے چہرے پر ملا جو سب سے آگے تھا۔ اچھل کر ٹھٹھ ہل کی طرح سومالی کی طرف دھمک چلا گیا۔ ایک بار پھر ایک دشمنانہ جنگ شروع ہو گئی۔ زنگور اور آدھ گرنے والوں نے اپنی ہمت پر ٹھٹھ کر ایک بار پھر زنگور پر زور قوت سے حملہ کر دیا تھا۔ لیکن یہ لوگ بکھری دھمک دہمک لائے۔ اسی لئے وہ بکے ہوئے بھلیوں کی طرح فرش پر گر گئے۔ زنگور نے انہیں ٹھونسن اور ٹھونسن پر دھمک دیا تھا۔

”چلو اٹھو“ سومالی نے ٹائیٹل سن کر اس نے اپنے آدھ کی طرف گردیا یہ حملہ کر دیا۔ وہ آدھ گھٹنے ہوئے دھار کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سومالی کی بات سن کر ان نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ”رحم کر بس مدام“ ”کوئی رحم نہیں“ سومالی ذات پتی ہوئی بولی۔ ”میں کہنا کر مجھے دھار کا پتہ چاہیے۔ بس معلوم کرو ورنہ“ اتنا کہنے اس نے ٹریگر دھار دیا تھا۔ بیکے بعد دیکھ کر کئی گولیاں مٹی میں نال سے نکلیں اور اس کی آدھ کے اس پاس فرش میں دھنڑر کچھ دیو لائیں جا گئیں۔ سومالی نے براہ راست اسے نشانہ بنایا تھا بلکہ اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

گولہوں کی آواز اس تہہ خانے میں گونج کر رہ گئی۔ ایک کے لئے سب نے اپنے ہاتھ روک لئے۔ سب کا دھیان منور کی طرف ہو گیا تھا۔ پھر سومالی کے ساتھ آئے والوں کے چہرے چلے گئے۔ خاص کر اس کی حالت اور بھی خستہ ہو گئی تھی جسے طرف سومالی نے گولیاں چلائی تھیں۔ اس کے بعد سے بن کر زہ طاری ہو گیا تھا۔

ایک بار پھر جنگ شدت اختیار کر گئی۔ سب کے سب سومالی سے بچنے کے لئے زنگور پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اس خانے میں قیامت کی جنگ چھوٹی تھی۔ زنگور بڑی بے دھ سے انہیں مار رہا تھا۔ لیکن وہ خون اٹکتے اور دھمکے کرنا۔ وہ بڑی طرح زنگور کے باوجود زنگور پر ٹوٹے جا رہے۔ لیکن یہ کھیل زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا۔ وہ کے ہاتھ میں دیے ہوئے ٹائیٹل کا خون بھی ان کی رگوں خون کی روئی کو تیز نہیں کر سکا۔ آخر میں وہ بے ہمت تھے۔ انہیں

حالت اور دھمک بھال نہیں ہو سکی۔ وہ سب بیکے بعد دیکھ کر فرش پر دھمکوتے چلے گئے۔ بکھری دھمکوتے زنگور بکھڑے ہوئے۔ وہ درمیان کی مینڈا کی طرح کھڑا رہ گیا تھا۔ ویسے اس پرانی لے اسے بھی دھماکا کر دیا تھا۔ اس کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ اور اس کے ہونٹوں سے بھی خون بہنے لگا تھا۔

”اب کیا خیال ہے۔“ زنگور نے سومالی کی طرف دیکھا۔ ہیکے اور کھ باہر کھڑے ہوں تو انہیں بھی لے آؤ“ ”میں جانتی تھی کہ ان لوگوں کی مٹی انہی ہو گا۔ سومالی پھٹا ہوا انہیں بزدلوں سے پہلے بھی کوئی توقع نہیں تھی۔ لیکن میں یہ حال میں دھار کا پتہ معلوم کر کے رہا ہوں گی۔ اور یہ پتہ تم مجھے بتاؤ گے۔“

”تم پہ کاری ضد کر رہی ہو“ زنگور نے خشک لبہ میں کہا۔ ”میں نہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی بڑی دھماکا پتہ معلوم نہیں کر سکتیں۔ تم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ مجھ پر زور دھمکی نہیں کی جاسکتی۔ میں دھونس میں آئے والا نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ مجھ میں اتنی قوت برداشت ہے جس کا اندازہ بھی تمہیں نہیں ہو سکتا۔ تم چاہو تو مجھ پر تشدد بھی کر سکتی ہو“ ”ٹھیک ہے اب تم پر تشدد ہی کیا جائے گا۔ ویسے تم بھی یقین کر لو کہ مجھ میں اتنی ضد نہیں ہوئی ہے جس کا تم بھی خور نہیں کر سکتے۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تم سے ادا کا پتہ معلوم کر کے رہا ہوں گی۔ اور یہ حال میں ایسا ہی ہو گا۔

پہلے تم لہری جنگ پہنچائی کیوں نہ بن جاؤ“ ”اتنا کہہ کر اس نے اپنے ان آدھوں کی طرف حقارت سے دیکھا اور گولی مار کر زنگور کی آواز نکالی۔ ”اب میں سے بکھڑا فٹ ہے۔ ہوش تھے اور کچھ نے سومالی اور زنگور دونوں سے بچنے کے لئے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ سومالی نے بڑے اچھل انداز میں زنگور کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ میں دبا ہوا آئی ان ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی تہہ خانے کی بیڑیوں سے کسی کے آنے کی آواز سنائی دی۔ ایک آدھ بڑی بڑی مٹی سے بیڑیوں میں اتارنا ہو گیا۔ اس کی سانس بڑی طرح بھل رہی تھیں۔ اس نے ایک نگاہ تہہ خانے کی حالت پر الٹا پھر مٹی سے اپنا دھیان ہٹا کر سومالی سے مخاطب ہوا۔ ”مدام بہت سے لوگوں نے گودام پر حملہ کر دیا ہے“ ”کیا سومالی یہ سن کر تو تک اٹھی یہ کس نے حملہ کیا ہے کون لگے ہیں۔“

”معلوم نہیں مدام۔ وہ لوگ مختلف گاڑیوں پر گرنے ہیں انہوں نے آتے ہی فائرنگ شروع کر دی ہے۔“

سومالی نے پھر زنگور اصرار کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ تیزی سے بیڑیوں کی طرف چھٹی اور اوپر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس تہہ خانے میں بے ہوش بڑے ہوئے آدھوں اور زنگور اصرار کی کے ساتھ کوئی نہیں رہا تھا۔ جس کے خبر لے والا بھی بدحواسی کے عالم میں سومالی کے ساتھ ہی اوپر چلا گیا تھا۔ زنگور نے آگے بڑھ کر ایک ٹائیٹل اٹھا لیا۔

”آقا“ اس نے لائی کی طرف دیکھا۔ یہاں ایک نیا کھیل شروع ہو گیا ہے۔ ہمارے لئے بہت اچھا موقع ہے۔“

بہزاد نے ایک بار پھر دونوں ٹھٹھوں میں اس ہمارا اس طرح پھر لایا جسے وہ اپنے ہاتھ کے پیرے پیرا انگشت کر کے مطمئن ہو گیا ہو۔

”تم جھوٹ بولتے ہو“ ناگ نے کہا۔ ”ویر لہجہ سرگوشی کی بات ایسا نہیں کر سکتے۔ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے بلے کو ہلاک نہیں کر سکتے۔“

”کیوں نہیں کر سکتا۔“ بہزاد نے طنزیہ انداز میں اپنی طرف اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ جس میں تہمداری خاطر اپنے ضمیر کو ہلاک کر سکتا ہوں تو بھلے ہو کیوں نہیں کر سکتا۔ جاؤ اپنے کسی آدھ کی دھمکے پھر پھر کر معلوم کر دلو کہ تمہیں ایک کسے میں میرے ہاتھ کی لاش مل جائے گی۔ اس کے آس پاس اس کے کھلنے بکھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ اپنی پسند کے مخلوقوں کے درمیان تین کی نشاندہ ہو رہا ہے۔ کچھ۔ وہ بہت سکون سے ہے اور اس سے زیادہ بھٹے سکون گل گیا ہے۔ اب مجھے کوئی تم نہیں ہے تم لوگ مجھے اب کوئی کام نہیں لے سکتے۔ کچھ۔ کوئی کام نہیں لے سکتے۔“

ناگ نے آگے بڑھ کر ایک زوردار ہتھوڑا اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔ اس کے سینے میں چپاچ کی آواز گونج کر رہ گئی تھی۔ زوردار ہتھوڑے نے بونہے بہزاد کی گردن تھما دی۔

”اب مجھے تمہارے بلے کی کوئی براہ نہیں ہے۔“ ناگ نے کہا۔ ”وہ میرے بلے کے لئے ہے۔ اب تم میرے لئے کام کر دے، ہمیں کام کر دینے کے اور بھی طریقے آتے ہیں۔ ہم تم پر اتنا تشدد کر دیں گے کہ تمہاری بوڑھی بیڑیاں فریاد کرنے لگے لگیں۔ تم کرنے کی دعا میں مانگو گے۔ لیکن موت نہیں آئے گی۔ تمہارے جسم سے ہم اس طرح کھال اتار دیں گے جس طرح عقاب جانوروں کی کتہر لپکتے ہیں۔“

میں نے لہری جان اپنے جگر لپٹے ہوئے کو ہلاک کر کے سے بڑا تشدد برداشت کر لیا ہے۔ بہزاد آدھوں سے بھی اٹھ کر کے ساتھ بولا۔ اب اس سے بڑا تشدد اور کیا ہو گا۔“

”یہ تم دیکھتے جاؤ یہ ناکرے منکراتے ہوئے کہا پھر اس نے اپنے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا، ہنسی ڈھونڈ میں پلا سٹراف پیرس آدھا بھراؤ۔“

ڈاکٹر جت نے چوٹ کرنا کر طرف دیکھا، لیکن اس نے کچھ نہیں کہا، وہی حالت، لوٹھے مہزادی گئی، اسے پرواہ ہی نہیں تھی کہ ناکرے اس کے لئے اپنے آدمیوں کو کیا حکم دیا ہے۔ ناکرے کا حکم سننے ہی اس کے آدی غم سے باہر چلے گئے۔ جبکہ ناکرے قاری کے عالم میں کمرے میں بیٹھنے لگا۔ وہ اس وقت بہت جھنجھلا ہوا معلوم ہو رہا تھا، اس کی جھنجھلاہٹ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی، وہ بھی کبھی کرک اس انداز سے مہزادی طرف دیکھنے لگتا جیسے اس پر چڑھ کر بیٹھ گا پھر اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر کمرے میں بیٹھنے لگتا۔

ناکرے کے آدی بھی دھم میں ایک ہڑاسا ڈرم دھکیلتے ہوئے کمرے میں لے آئے۔ ناکرے کی ہدایت کے مطابق اس ڈرم میں آدھے سے زیادہ پلا سٹراف پیرس بھر دیا گیا تھا ناکرے نے ڈرم کو دیکھ کر رضا مندی ---- کے اظہار کے طور پر اپنی گتھن ملا دی۔ پھر لپے آدھے آدمیوں سے محاذ لب ہو کر انہیں دھڑک دیا۔

”اب اس لوٹھے کو اٹھا کر اس ڈرم میں آدھے دھڑک اتار دو جب اس کا پھیلاؤ دھڑکنا ہو جائے گا تو پھر دیکھوں گا کہ اس میں کتنی قوت پروا ہوتی ہے۔“

”نہیں ابہر امت کر دو، ہنزاں پھیل کر کھڑا ہو گیا، اس کے چہرے پر دھشت پھیل گئی تھی۔“

اس موقع پر ڈاکٹر جت نے بھی کچھ کہنے کی کوشش کی اس کی زبان نہیں کھل سکی، وہ اس کے کمرے سے باہر چلا گیا، اسے باہر چلے دیکھ کر ناکرے نے ہنزاں میں ہنس پڑا پھر اس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں دوبارہ ہدایت دی، اس بار اس کے آدمیوں نے ہنزاں کو پھر پلا سٹراف پیرس کی گرفت سے نکلنے کے لئے بری طرح جھلنے اڑھنے پر لگا لیکن اس کی ہوری ہڈیوں میں اس توانائی نہیں رہی تھی، اسے بے بس کر کے دھڑے دھڑے اٹھا لیا ادا اس ڈرم میں اتار دیا گیا۔

ڈرم میں اتارے گئے وہ سخت باہم تھا۔ اگر تم نے آواز بند نہیں کی تو پلا سٹراف پیرس تمہارے چہرے پر جھجھکا دیا جائے گا، ناکرے دھکی دی، ”یہ تو تمہاری پہلی منزل ہے۔ اس کے بعد تمہارے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

ہنزاں کے ہونٹ کھلے پھر بند ہو گئے، اس کی حالت خراب ہوئی باری تھی، دھشت سے اس کی آنکھیں محسوس

جیسے باہر نکلنے لگی تھیں۔

”اس بڑھے کو اس وقت تک اسی طرح پکڑے رہو جب تک کہ ڈرم میں جم جائے نہ ناکرے اپنے آدمیوں کو دھکی ہدایت دی اور پھر لگتا ہوا اس کمرے سے باہر گیا، اس کے اپنے عقب میں ہنزاں کی چوٹیں سی تھیں، وہ اب زور زور سے اسے گالیاں بھی دے رہا تھا لیکن ناکرے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔

دوسرے کمرے میں ڈاکٹر جت اس کا انتظار ہی کر رہا تھا، ”کیا اس کی چوٹیں باہر نہیں سنائی دیتی گی۔“ اس نے ناکرے سے پوچھا۔

”قواس سے کیا فرق پڑے گا، ناکرے کہا، ”تمہیں شاید نہیں معلوم کہ ذہانت بھی کوئی چیز تو کرتی ہے، ہم سب ہم سب یہ مٹھور کر رہا تھا کہ اس مکان میں ایک بوڑھا آدمی جتنا اس کے بیٹے وغیرہ کبھی بھی اسے دیکھنے کے لئے آئے ہوں اور وہ بوڑھا کبھی بھی دماغی دھڑکے کا شکار ہو جاتا ہے، آئے اگر کسی نے یہ چوٹیں سن بھی لیں تو ان کی طرف دھیان نہ دے گا۔“

”میں تمہاری ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن کچھ بڑے راز رکھنے لگتی ہیں، مثال کے طور پر مکان کے باہر ہونے اس بوڑھے کی کیا ضرورت ہے جس برائے کے قصور لکھا ہوا ہے، وہ بوڑھے دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا

پھر اس وقت کیا ہوگا؟“

”ابھی تک قواس بوڑھو کو دیکھ کر کوئی نہیں آیا ہے، نا لے کہا، ”وہ میری خواہش ہے کہ کچھ لوگ اس بوڑھو کو کر میرے پاس آئیں۔“

”وہ کیوں؟“ جت نے چوٹ کر پوچھا، ”لوگوں کے آنے تمہارا کیا فائدہ ہوگا؟“

”مہر نہیں ہے کہ تم نے اپنی ذہانت جبر کے کسی طر رکھ دی ہے، ناکرے ہنسنے ہوئے کہا، ”لوگوں کے آئے مقصد یہ ہوگا کہ کبھی بھی اس مکان میں ہم لوگوں کی جھنجھلا دکھائی دیا کرتی ہے۔ اس کا جواز پیدا ہو جائے گا، اس کے تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ علاقہ شہر کے رئیس لوگوں کا علاقہ ہے ایسے لوگ عام طور پر نفسیاتی ریش ہوا کرتے ہیں، ان کی ان کے لئے وہاں بن جاتی ہے، وہ ذہنی ڈپریشن کا شکار ماہر نفسیات کے پاس پہنچ جاتے ہیں، اگر اس کو آدی اسر آ لگا تو وہ ہمارے کام بھی آئے گا۔“

”اوہ ڈاکٹر جت نے اپنے ہونٹ کھلے، ”تم بہت دا سوچتے ہو لیکن اس بوڑھے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ

مردوں کی علاج گاہ ہے۔“

”یہ بھی جان لو جو کر کیا گیا ہے، ناکرے کہا، ”ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی کی توجہ خاص طور پر اس مکان کی طرف ہو۔ دیکھنا تو ہے قصد لوگ قواس بوڑھو کے پاس برکوتی دھیان نہیں دیتے گئے۔ دس قصد لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر گھر کے پاس آئے تو ہمارا کام بن جائے گا کسی کی توجہ ہو یا نہ ہو تو دونوں صورتوں میں وہ بوڑھے ہمارے لئے فائدہ مند ہے۔“

ڈاکٹر جت نے اس بار کوئی سوال نہیں کیا اس کے پاس سوال کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی، ناکرے کی طرف ہر ایک انتہائی حاضر و صاف شخص تھا، جس نے جو کچھ بھی کہا تھا، سوتھ کر کہا تھا، دوسرے کمرے سے آئے والی ہنزاں جیسے قواس مدغم ہو گئی تھیں، لیکن کبھی اس کی سسکیاں اور گرائیں سنائی دے جاتی تھیں۔

”مہر اخیال ہے کہ اس بوڑھے کے ہوش اب ٹھکانے آئے ہوں گے، ناکرے جت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ”آؤ ڈاکٹر لکھ لکھ دیکھ لیتے ہیں۔“

”کیا تمہارے ہمتاؤں کے اس بار، مہر مطلب ہے کہ اس بار کوں تمہارا شکار ہونے والا ہے۔“ ڈاکٹر جت نے پوچھا۔

”ہنزاں سن ہمارا آف نیٹ کر گئے، ناکرے منکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا، ہنزاں جو کچھ کہے ہو، کیا کہہ رہے ہو، ہمارا آف نیٹ کر گئے، یعنی یعنی۔“

”ہاں، میرا باپ، میرے باپ، ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ میرا شکار بن سکے، اس کے پاس بھی ہے پناہ دولت ہے؟“

”لیکن وہ دولت تو تمہاری ہے، تم ہی اس کے وارث ہو۔ پھر تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”صرف اس لئے کہ میں اپنے اصول سے نہیں ہٹنا چاہتا جو حرکت میں دوسروں کے ساتھ کرتا ہوں، وہی اپنے باپ کے ساتھ بھی کروں گا۔“

جت نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے، اسے اس شخص سے خوف محسوس ہونے لگا تھا، بے ہمتا خوف۔

داوڑے کا غنہ اس نگرے کو اپنی جیب میں مٹھوں لیا، نیکل کے شوہر کا اخوا اسے اپنی توہین محسوس ہو رہا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ اس ملک میں ایسے بھی واقعات ہو سکتے ہیں، کوئی شخص علی الاطلاق اس طرح کسی کو اٹھا کر لے جاسکتا ہے۔ ادا اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا، کالی نوت نے اس کی طرح اور دے گئے آدھوں کو غائب کر دیا اور گالیاں

خط میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ نیکل کے شوہر سے کوئی کام نہیں جائے گا، لیکن وہ کام ہو سکتا تھا۔ وہ اس وقت نیلہ کی شہر میں بیٹھا تھا، نیلہ بہت دیر تک روتے روتے اب خاموش ہو گئی لیکن اس کی آنکھیں ابھی تک بھیٹی ہوئی تھیں۔

”اس بچی کے کتنے لوگ اس طرح غائب ہو چکے ہیں۔ داوڑے نے کچھ سوتھ کر سوال کیا۔

”میں ان کی جمیع تعداد تو نہیں بتا سکتی، لیکن میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتی تھی، جو میرے شوہر کی طرح لٹے کے عادی ہوئے، پھر چارنگ غائب ہو گئے۔“

”ان میں سے کچھ لوگوں کی والدہ بھی جی ہوئی ہے، بڑا داوڑے نے پوچھا۔

”ہاں، لیکن ان کی حالت پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہو چکی ہے، ان کے دماغ ماؤں ہیں، وہ لوگ کسی کو پہچاننے کے قابل نہیں رہے۔“

”کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ان لوگوں کو کہاں لے جایا جاتا ہے۔“

”نہیں، یہ کوئی بھی نہیں جانتا، ہو سکتا ہے کہ کچھ خاص لوگوں کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو، یہ میں نہیں بتا سکتی ویسے وہ کچھ کہتے تھے کہ گئی۔“

”ہاں ہاں جتاؤ کیا بات ہے، کیا یاد رکھ رہے، اس وقت جتن کچھ بھی تمہارے ذہن میں ہو سکتا ہے بتا دو۔“

”جتن نہیں، بات تمہارے کام کی ہو یا نہیں، نیلہ گھٹی ہوئی بولی، پھر حال اس بستی کے شہر کی طرف ایک غامض میلان ہے بہت بڑا میدان اور ہر چندہ بیس دنوں کے بعد اس میدان میں گولیاں چلنے کی آواز سنائی دیتی ہے، گولیوں کی آوازوں

کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگوں کا شور بھی سنائی دیتا ہے، پہلے پہل کچھ لوگ معلوم کرنے کے لئے اس طرف گئے لیکن دوسرے دن ان کی لاشیں ملیں، اس کے بعد سے لوگوں نے ان آوازوں کی طرف دھیان دینا ہی چھوڑ دیا ہے۔ آواز سنائی دیتی ہیں، خوش ہوتا ہے، لیکن کوئی بھی اس طرف نہیں جاتا، لوگوں کے غائب ہونے سے گرجہ اس بات کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن بس یوں ہی یاد آ گیا، اسی لئے میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔“

”تم نے بہت اچھا کیا، ہو سکتا ہے، جو چیز بظاہر ہر کچھ دکھائی دیتی ہے، اندر سے کچھ اور ہو، میرے ذہن میں فی الحال تو کوئی بات نہیں آ رہی ہے، لیکن میں نے اسے

اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس کا کچھ لگا کے بعد ہی کچھ معلوم ہو سکے گا۔ اس وقت تو تم مجھے کسی ایسے آدمی کے پاس لے چلو جو غائب ہونے کے بعد دوبارہ واپس آ گیا ہو۔ خاں پیداس سے کچھ معلوم ہو سکے گا۔

”یک تو بہت ہی قریب میں ہے۔ نیلمائے بتایا اور رحمت خان نام ہے اس کا۔ ایک سال پہلے تلک کی شہر کی طرح تھا۔ اور اب کی حالت دیکھ کر انشا افسوس ہوتا ہے کہیں بتا نہیں سکتی۔“

”آؤ بس اب اٹھ جاؤ۔ داور کھڑا ہو گیا۔ ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔“

وہ اور نیلمائے اس مکان سے باہر آ کر ایک طرف چل پڑے اس وقت شام ہوئے والی تھی۔ اور گلیوں اور سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ سچے سچے بھی کھیلنے دکھائی دے رہے تھے۔ داور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ پولیسی ایسی ہی پولیسی ہی بس دی گئی تھی کسی مستقل سی اور اس سٹی میں فرق ہی کیا تھا۔

چلتے چلتے وہ لوگ ایک نالے کے پاس آ کر رگ گئے یہ نالہ ایک راستے کے درمیان میں تھا۔ اور اس نالے کو عبور کر کے دوسری طرف جانے کے لئے اس پر پتھر رکھ دیئے گئے تھے۔ اس نالے میں سٹی کے گئے کے پانی کا بہاؤ بہت سی تھا۔ وہ پانی آواز کے ساتھ نالے میں بہتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف چلا جا رہا تھا۔

داور نے نہ غور کرنے کے لئے پتھر کے ایک پل کی طرف قدم بڑھائے اور نیلمائے آواز دے کر اسے روک لیا۔ ”کیوں کیا بات ہوئی؟“ داور نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا ”کہا آگے نہیں جانا ہے۔“

”نہیں“ نیلمائے جواب دیا۔ پھر اس نے ایک طرف اشارہ کیا ”وہ دیکھو وہی ہے رحمت خان۔“

نیلمائے جس آدمی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ داور نے پہلے اس پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ شخص نالے کی کچھ پکائی ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر سٹی مل رکھی تھی اس کے بال لے ہی تھڑے ہوئے تھے اور کپڑوں سے اس کا جسم جھانک رہا تھا۔ جس پر سٹی کی موٹی تہہ ہی ہوتی تھی۔ ”کہا یہی ہے رحمت خان؟“ داور نے نیلمائے سے اس بات کی تصدیق چاہی۔

”ہاں بیٹی ہے۔ نیلمائے کہا۔ تم دیکھ لو۔ اس کی سما حالت ہے۔ تم اس سے کیا معلوم کر سکو گے؟“

پھر گئے نکت جیسے کئی کے جھٹکے ٹک رہے ہوں۔ داور جیسے اس کے قریب جاتا گیا۔ اس کے خدو خال واضح ہوئے۔ اسے اس لحاظ سے دھیان دیا جیسے وہ رحمت خان کو اس سے پہلے بھی نہیں دیکھ چکا ہے۔ آدمی اپنی تمام تر خیرات اور خوشحالی کے باوجود اپنے فحوص اپنے ساتھ ہی رکھتا ہے چاہے وہ لاکھ بٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ داور نے اس شخص کو یہ جان لیا تھا۔ وہ واقعی سٹی کے زمانے میں شیریں طرح تھا۔ داور اس شخص سے سٹی میں مل چکا تھا۔ اس کا بھائی میں ایک اقد تھا۔ اور اس کی دھاک کا عالم تھا اس کے آگے کے اور گھر کی کچھلنے کی جڑت نہیں ہوتی تھی۔ اور آج وہ اس حال میں داور کے سامنے پڑا ہوا تھا۔

داور اس کے قریب پہنچ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اسے واقعی افسوس ہو رہا تھا۔ رحمت خان اس نے سٹی سے پہلے رحمت خان کی طرف دیکھا پھر پھر لگا رہا۔

”کی کو پہچاننے پہ باتیں کرنے کے مرحلوں سے گزر چکا تھا پھر اس نے کسی اور کے کرانے کی آواز سنی۔ اس نالے پر پتھر رکھنے والے ہر ایک اور آدمی اسی انداز میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی حالت بھی بے درخشہ تھی۔ نیلمائے داور کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ ”میں اس آدمی کو جانتا ہوں نیلمائے۔ وہ دھیرے سے بولا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ واقعی شہر کی طرح تھا۔“

”وہ دیکھو دوسرا بھی اسی حال کو پہنچ گیا ہے۔ نیلمائے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن ایک بات بھی میں نہیں آتی کہ جو بھی واپس آتا ہے۔ وہ اسی نالے کے کنارے آ جاتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ اس انکشاف نے داور کو چلکا دیا تھا۔ ”میں اب تک کئی لوگوں کو دیکھ چکی ہوں۔ وہ ہوتے تو کہیں اور ہیں۔ لیکن یہ جگہ اور کھینٹے ہوتے اس نالے کے کنارے آ جاتے ہیں۔“

”کہا ان کے علاج کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔“ ”کون تو جو دے گا۔ اپنے رشتہ داروں کے لئے تو یہی ہی دن مرچے ہوئے ہیں جس دن ہیروئن پہلی بدمال کے منہ لگتی ہے۔ بہت کم ایسے ہوں گے جنہوں نے سٹی کو اس طرح سمیٹ کر رکھا ہوگا جس طرح میں نے اپنے شوہر کو سمیٹ کر رکھا تھا۔ شوہر کے ذکر سے اس کی آنکھوں کے گوشے پھر گئے تھے۔“

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں سے واپس آنے والا اس نالے کے کنارے کیوں آ جاتے ہیں؟“ داور نے اس کے دھیان بنانے کے لئے پوچھا۔ ایسی کون سی شے ہے جو

انہیں یہاں کھینچ لاتی ہے۔ یہاں کیا ہے۔ سولے بیٹے ہوئے غم سے پانی کے۔ بیٹے ہوئے غم سے پانی کے؟ پھر وہ ہونک کر رگ گیا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے جھپکنے لگی تھیں۔ ”کیوں کیا بات ہوئی؟“ نیلمائے اس کی طرف دیکھا۔ ”کچھ یاد آ گیا ہے کیا؟“

”ہاں بیٹے ہوئے پانی کی آواز۔ تم ذرا اپنی آنکھیں بند کر کے اس پانی کی آواز سنو۔“

”کیوں؟“ اس سے کیا ہو جائے گا؟ نیلمائے بہت حیران ہو رہی تھی۔

”جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔ آنکھیں بند کر داور اپنا دھیان بیٹے ہوئے پانی پر لگا دو۔ پھر دیکھو تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟“

نیلمائے داور کے کہنے کے مطابق اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنا دھیان بیٹے ہوئے پانی کی آواز پر لگا دیا۔ وہ بڑے غور سے اس آواز کو سن رہی تھی۔

”ہاں رام؟“ اس نے آنکھوں سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ”یہ تو وہی آواز ہے۔ بالکل وہی ہے۔“

”کیسی آواز؟“ داور نے اسے حوصلہ دیا۔ ”ٹھیک ہے یاد کرو کیسی آواز؟“

”آواز کی آواز۔ اس بیٹے ہوئے پانی کی آواز جو میں نے کالی موت کے کمرے میں سنی تھی۔“

”ہاں۔ اس کالی موت کے لیے نہیں زیادہ دور نہیں لے جایا گیا تھا۔ تم نہیں آس پاس موجود نہیں؟“

نیلمائے اس طرح خاموش ہو گئی جیسے اس چانک ہوئے والے انکشاف نے اسے کئے میں مبتلا کر دیا ہو۔ نالے کے کنارے پر پہنچے ہوئے رحمت خان اور اس کے دوسرے آدمی کی آواز سنی گئی تھی۔ لیکن داور کا ذہن اس وقت بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اس نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ کیا اس سٹی کے کسی ایسے مکان میں لے جایا گیا تھا جو اس نالے کے آس پاس واقع تھا اور اسے میں پانی کے بہنے کی آواز کو سننے لے آواز کی آواز لے لیا تھا۔ لیکن وہ مکان کہاں تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز اس کے ذہن میں پھونکنے لگی۔ منشیات کے عادی لوگوں کو کہاں لے جایا جاتا تھا پھر وہ جب تباہ ہو کر واپس آتے تو اس نالے کے کنارے کیوں آ جاتے تھے۔ انہیں یہاں سے کما حاصل ہوتا تھا۔ پانی بہنے

کی آواز ان کے لیے کسی قسم کی امید کھینچتی تھی؟ وہ داور کے پاس بیٹھا تھا۔ ان سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ اس لیے اس نے ان سوالوں پر سوچنا سمجھ کر دیا۔ اس کی توجہ دوبارہ اس کی طرف ہو گئی۔ وہ مکان اس نالے کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ ہوسکتا تھا۔

”نیلمائے کہا سوچ رہی ہو؟“ داور نے نیلمائے کو خاموش دیکھ کر سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔ نیلمائے چونک پڑی۔ ”میں سوچ رہی ہوں کہ اگر وہ مکان اس نالے کے آس پاس ہے تو پھر یہی کتنی دور کہاں لے جایا گیا تھا؟“

”وہ سارا چکر تمہیں دھوکہ دینے کے لیے چلایا گیا تھا۔ داور نے کہا۔ ”تا کہ تم سمجھنا نہ کر سکو۔ اب تمہیں اس نالے کے ساتھ ساتھ کو چلنا ہے۔ تا کہ اس مکان کو تلاش کیا جاسکے۔“

نیلمائے کچھ نہیں کہ بات آتی تھی۔ وہ دونوں نالے کے ساتھ ساتھ چلے گئے۔ داور کا خیال تھا کہ اگر وہ دونوں اسی طرح چلتے ہوئے اتفاقاً اس مکان تک جا سکیں تو انہیں یقیناً روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اس کا انہیں روکنا بھی اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ اپنی منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ لیکن اس سفر میں کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نالے کے اندر کچھ بھی ضرور دکھائی دینے چاہی۔ اپنی دنیا میں سٹی ہو رہے تھے۔ داور اس سٹی کا حال دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اس سٹی کو سمجھنا نہ آ رہا تھا۔ جہاں کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ نہ جانے اتنے بچوں اور غیر ملکیوں کو کون سی کشش تھی کہ اس سٹی میں لے آتی تھی۔

وہ بہت دیر تک چلتے رہے۔ لیکن کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ آدلی تو اس نالے کے آس پاس بہت کم مکانات تھے۔ اور جو تھے بھی وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ان میں کسی قسم کی سہارا کے بہرہ ور چڑھنے کا امکان نہیں پایا جاسکتا تھا۔ ٹھیک ہاں کہ وہ دونوں واپس آئے۔ ایک موہم سی امید بھی تھی۔

نیلمائے رات داور کو اپنے پتھر لے آئی۔ دوسرے دن بھونک دھول و لے کے داور کو کچھ بتانے کے لیے کہا تھا۔ اور اس سے پہلے اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ داور نے نیلمائے کہا۔ ”کی ٹھیک وہ رات نہیں اور گزرا ہے۔ گالیکن نیلمائے ضد کے آگے وہ مجبور ہو گیا تھا۔ وہ اس عورت کا دل نہیں لٹوڑنا چاہتا تھا۔“

اس رات نیلمائے داور کے لیے کھانے تیار کیے اور پھر سینگ کے ساتھ اس کے سامنے رکھ دئے داور کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ ایک نیا احساس تھا۔ اس نے کبھی ایسی زندگی نہیں گزاری تھی جس میں کوئی عورت سینگ کے ساتھ کھانا سنا سکتی ہو اس نے مینا کے ساتھ کچھ وقت بسر کیا تھا لیکن اس کا مستزاج مختلف تھا۔ وہ کھو ہو کر کماؤں کے چتر میں نہیں پڑا کرتی تھی۔ اور

برنگی طوائف ہوجانے کے باوجود اپنے آپ کو عورت کے روپ میں لندہ رکھے ہوئی تھی اس عورت کے روپ میں جس کا نام مردوں کی خدمت کرنا اور ان کی دلچسپی حاصل ہوا کرتا ہے۔

اس جھوٹے مکان میں کمرہ بھی ایک ہی تھا۔ بہت چھوٹا سا۔ اسی چھوٹے سے کمرے میں ایک چھوٹا سا بستر تھا جس پر بیٹا کا سر بٹا رہتا تھا۔ لیکن اب وہ بستر خالی ہو چکا تھا۔

”میں نے کھانا نام تو بچھا ہی نہیں آجی! یہ کھانا کھانے کے برقع کھینے کے بعد کھاؤں میں کھانا نام پوچھوں ہی نہیں؟“ وہ کہیں؟“ دادو نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ نام پوچھنے میں کیا حرج ہے؟

”نام شغفیت کے ساتھ فحوس ہو کر رہ جاتے ہیں“ بیٹا جیسے سے لولی بڑا کر انسان سے کوئی نام انگ بھیجئے تو اس کا ہر دھڑلہ نہیں جاسکتا لیکن آجی کے چہرے پر کادھ اس نے بھی نہیں ہوتا کہ وہ بہر حال آجی ہونے سے نہ شایہ بڑے ہنس کے تہیہ نہیں نے خود کو محکوم دینے والی بات کی ہے لیکن میں اس سے علاوہ اور کچھ کہہ بھی نہیں سکتی ہوں۔“

”ٹھکانا پاؤں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم جیسی لکھی ہوئی دادو نے کہا۔“ پھر تم اس بنی میں کس طرح کا لکھی نہیں؟“

”میرا سر بھی بڑھا کھا آؤ گی ہے آجی لیکن جب قسمت دھوکہ دینے کی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ وہ کسی بڑے لکھے کو ہر دھڑلہ کر رہی ہے یا کسی کا۔ اور اس کے لیے سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بچے کہانی بیان کرنے کا سلیقہ نہیں ہے بس آٹھ لاکھ دو لاکھ میاں ہوئی اگر آباد میں بڑی خوش گوار زندگی بسر کر رہے تھے یہ اور بات ہے کہ ہمارے پاس دولت نہیں تھی لیکن ہماری مسکرائیں جتنی تھیں۔ ہاتھ لکھی ہم اس سے بھی چھوٹے مکان میں رہتے اور امید میرے خواب دیکھا کرتے اور جب ان خزانوں کی توہمیں نہیں ملتی تو بچائے آفسردہ ہونے کے ہم بیٹھے لکھے کچھ کو نہ جب دو محنت کرنے والے ایک دوسرے کے ساتھ ہوں تو کھوں کا احساس بہت کم ہوتا ہے پھر ایک دن ایسا ہوا کہ غمزدہ میرا خیال اس کے اسی کہانی سالے سے پہلے میں تھا۔ اسے چلنے بنا کر کے کون تھیں اس کی خواہش محسوس ہوئی ہوگی؟“

”یہ تم نے غفلت مندی کی بات کی اور ہاں میرے لیے اگر کوئی جادو وغیرہ ہو تو میں فرس ہو چکا ہوں؟“

”یہ کہیے ہو سکتا ہے آجی! بیٹا جلدی سے لولی دیکھیں اور ہر سونا ہوگا۔ میں تمہارے قدوں سے نیچے فرس ہو رہی ہوں گی۔ میں نے تمہارے قدوں کے نیچے سونے کی بات اس لیے کی ہے کہ تم آٹھ لاکھ ہو کہ تمہارے قدوں میں خاک نہ کر رہا جائے۔ تم یہ

چلتے ہو کہ میں کون ہوں کتنی عجیبوں ہوں اس کے جادو تم نے نہیں کہا کہ تم خیر؟“

”میرے ایک جیسا نہیں ہوتا تھا! دادو نے کہا۔“ میرا بھی کوئی فرس نہ نہیں ہوں۔ بہت بڑا آدمی ہوں۔ لیکن میں اپنی برائیاں دوسروں کی مجبوروں سے الگ رکھی ہیں۔“

”میری تو تمہاری عظمت ہے آجی! یہ ہملا عقیدت میرے انداز میں لولی تم مجبوروں کا سودا نہیں کرتے۔ پھر وہ میں چائے لے کر آتی ہوں۔“

بیٹا کے چلنے کے بعد دادو نے اپنے سر سے مصنوعی بالوں کا بوجھ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنے غری بیٹے سے اپنا لباس نکال کر بستر اور جیکٹ اتار کر ایک طرف رکھا اور اپنا لباس پہن لیا۔ وہ اب خود کو بکا بچکا ہوا لکھا کرتے لکھا کرتے چلتے بنے کے بعد وہ خود کو بچکا ہوا لکھا کرتے لکھا کرتے۔

بیٹا جب چائے کی پیالیاں لینے ہوئے کمرے میں آئی تو دادو کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔

”ٹھکانا نہیں۔ یہ میں ہی ہوں۔“ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جلی آؤ۔“

”یہ تم نے کون سا روپ بنا رکھا ہے آجی! بیٹا جاسکے بیاباں میں رکھتے ہوئے لولی تم تو پہلے اس اصل روپ میں بہت شاد اور معلوم ہوتے ہو۔“

”میں نے مجبوراً یہ نہیں اختیار کر لیا تھا۔“ دادو نے بتایا۔

”میں اس بارے میں نہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے چائے پو۔“

”جب تک تم اپنے بارے میں بتاتی جاؤ۔“

بیٹا نے اپنے لیے فرس بڑھائے کھا لیا تھا۔ دادو نے چائے کی پیالیاں اٹھائی اور بستر پر بیٹھ گیا۔ بیٹا نے چائے پیئے کے بعد اپنی کہانی پھر شروع کی۔

”ہاں تو میں یہ بتا رہی تھی کہ بد قسمتی اس طرح چاکا نک سنا آجاتی ہے جیسے موت آجائے۔ میرے علوم کا نام راجن ہے۔ وہ اگر آبادی ایک فرس میں کام کرنا تھا۔ خواہ کچھ معمولی تھی لیکن سکا بہت تھا۔ لیکن آٹھ لاکھ ہنرے خواب دیکھنے کا مادی ہے تو راجن بھی ہنرے خواب دیکھا کرتا تھا۔ پھر ایک دن وہ میرے باکر ایک انجیلے آیا۔ اس انجیلے میں اسی رنگا رنگی کے بارے میں وہ اشتہار تھا جس سے متعلق میں نہیں بتا سکتی ہوں۔ اگر اشتہار نے ہم لوگوں کی نگاہیں چند جھلکیں۔ ہم نے بھی بہت کچھ سوچنا شروع کر دیا۔ آؤ گی چاہے کتنا ہی قناعت پسند نہ ہو آجی زندگی کا لاپس اسے اس طرح اپنی طرف مٹنے لیتا ہے جیسے لہجہ کو متناہیں چھینے۔ ہم نے بھی ادا دے اپنا بڑے بڑے مانڈ لیا اور

راجن نے دفتر سے استعفی دے دیا۔ پھر ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ اس وقت میں یہاں اگر کوئی بہت خوش ہوئی تھی۔ کچھ بڑا اس بستی کو تازہ نگاہ میں رکھا تھا۔ ہر طرف اچھے لوگوں کی بہتات تھی۔ سب ایک ہی جنت بنانے کا خواب ہے کہ یہاں آتے تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے ساتھ مسکرا کر ان کو تازہ نگاہ میں رکھا تھا۔ جرم باطل نہیں ہوتے تھے کوئی کسی کی طرف بڑی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ زندگی اس طرح تھی اور انسان بھی جیسے کہ یہاں کے وہاں سے لکھے والی تھی۔ جیسا کہ بستر اٹھائی ہوئی اپنا سفر لے کر تھی۔

یہ کوئی بے بیانی نہیں کوئی آٹھ لاکھ نہیں اس وقت یہاں اس مادام کی طرف سے کوئی مقرر تھے جو گئے والوں کا غیر مقدم کرتے اور انھیں رہائش کے لیے مفت مکان اور نوکری فراہم کرتے۔ میں نہیں یہ یہ سچی ہوں کہ یہاں کوئی کسی قسم کی جتنی کسی کو چلانے والے ادارے میں بڑے بڑے لوگوں کو مدامت دے دی تھی۔ راجن کو بھی اسی ادارے میں رکھ لیا گیا تھا۔ جو اب میرے کرتے تھے۔ وہ اب یہاں پوری ہوئی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس لیے کہ بہت خوش تھے نہیں ابی کیا ہر قسم کی کھٹک خوش تھا۔ پھر جس طرح قتلے کیا بیڑوں میں کوئی جادو کر لیا اور ماحول بدل دیا کرتا ہے اس طرح اس قسمی کام ماحول تبدیل ہو گیا۔“

بیٹا اتنا کہہ کر خاموش ہوئی۔ دادو کو اس کی کہانی سے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی اس دلچسپی کی ایک قویہ تھی کہ اس طرح اس بستی کے عین مظاہر ہوتے دے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ بیٹا کے بولنے کا انداز بہت دلکش تھا۔ اس کی آواز میں بہت خوبصورت تھی۔ وہ لفظوں کے انتخاب کا سلیقہ بھی جانتی تھی۔

”ہاں تو میں یہ بتا رہی تھی کہ اس قسمی کام ماحول بدل گیا۔ بیٹا نے پھر اپنا شروع کیا۔ اس بستی والوں کے لیے سید موت بھی ہر دن پہنچانی چلتے تھے۔ بہت دھیرے دھیرے ناموس طریقے سے پھر لوگوں نے ہر دن کا ادا ہر شروع کر دیا۔ ان کے گھر بڑی بستی میں ہر طرف پھیل گئے۔ اس مادام کی طرف سے کٹرول کرنے کی بھی کوئی شکل تھی لیکن یہ معاملہ اس کے بس سے باہر ہو گیا۔ پھر وہ جس طرح ایک تہہ بہ تہہ ریت کی دیواریں کو مینڈا ہوا ایک کالے لگا دیتا ہے اسی طرح بستی کے محافظ اور ادا دے کوئی بھی سننے سے پھر کھٹکے سننے سے غائب ہی ہو گئے۔ جب کہ بڑے لوگ ہر طرف پھیل گئے۔ ان لوگوں میں بے شمار نام بے شمار تھے۔ لیکن اب یہاں کی کیا کیا باتوں پھر ایسا ہوا کہ وہ سید موت میرے گھر آئی۔ راجن کو بھی نے ہر دن کی کٹ لگا دی۔ اور وہ ہر دن اپنے لگا۔ تم ان میں سے ایک آدمی سے تو مل ہی چکے ہو وہ پہلوان جس سے تمہارا چھوٹا ہو گیا تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔ دادو نے اپنا سر ہلاتا۔ اس کا نام شایہ نارائن تھا تھا تھا۔“

”ہاں۔ ہمارے دھرم میں اس نام کی بہت اہمیت ہے۔ اسے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ یہ راجن کے خلاف جنگ کی علامت ہے۔ لیکن اس نام کے ایک شخص نے ہمیں نہادہ کیا ہے۔ اس نے ہر برائیاں پھیلانی تھیں۔ وہ پہلے ہر سب کے کھیل میں جتنی بھی جیسے لوگ اچھا نہیں کر جاتے ہیں اور جی اچھے نام نہتہ ہی چلتے ہیں۔“

”اس شخص کے خلاف میرا عقیدہ بھی تھا کہ نہیں ہوا ہے۔“ دادو نے کہا۔ ”میں ایک بار پھر اسے سزا دوں گا۔“

”کس کس کو سزا دو گے آجی۔ نارائن تو ایک معمولی کاندھ ہو گا۔ جانے نارائن کی طرح اور کتنے لوگ اس قسمی میں موجود ہیں۔“

”تم غم ٹھیک کتنی ہو؟ دادو نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”ہر حال میں اس قسمی میں رہ کر پھیلنے والے کی گردن تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اگرچہ میرا یہاں آئے کا مقصد کچھ اور ہے میں وہ جی بتاؤں گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ میں جس کام سے یہاں آیا ہوں اس کا سلسلہ ان ہی لوگوں تک چائے جو اس قسمی کو تباہ کر رہے ہوں۔“

”ایسا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک بڑی دوسری برائی کے پھر پھر چلتی ہے۔ ہر برائیاں ایک دوسرے کی دوست ہو کر رہتی ہیں۔ ہر حال میں نہیں یہ بتا رہی تھی کہ راجن نے میری بستی شروع کر دی اور رختہ رختہ اس کی حالت تباہ ہوئی تھی۔ میری بستی انسان کو اپنی جلدی تباہ کر دیتی ہے کہ تباہ ہونے والا لیکن یہی وجہ کا تارہ جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس کے بعد مجھے ہمنصاب ہے لیکن سچتے والی نوربت بھی نہیں آتی جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو پھر جتنا کہ وہ تو اندر سے کھولا ہو چکا ہے۔ یہی حال راجن کا ہوا۔ میں نے اسے اس قسمی سے چلنے کی کوشش کی لیکن اس نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ فریوڈن کے نندہ میں رہ سکتا تھا۔ اور یہ فریوڈن آسانی کے ساتھ یہاں مل سکتا ہے۔ اتنی آسانی کے ساتھ پھر ہندوستان میں نہیں ملے گا۔ راجن کو بھی یہ بات معلوم تھی اس لیے اس نے نہیں اور جانے سے انکار کر دیا۔“

”ہاں میں بھی یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ کتنی جلدی میں ہر دن اتنی آسانی سے مل جاتی ہے جیسے یہ علاقہ ہندوستان کا نہیں بلکہ کیں اور کا ہو۔“

”اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جلدی قسمی ایک بار نہ تو براہ راست ہے۔ اس کے علاوہ شاید حکومت نے بھی اس قسمی کو منشیات کا ریڈ لاسٹ کر دیا قرار دیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ کو اور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ”تم نے ایک عجیب بات کہہ دی ہے مثلاً“

”ہاں“ بھی بھی تو مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً نے کہا۔

”جس طرح ہر جہے میں طوائفوں کے لیے ایک علاقہ مخصوص کر دیا جاتا ہے کہ اس کی زندگی کی علامت میں رہے۔ باہر نہ آنے پائے اور جس کو کونہ ہونے کا شوق ہے وہ خود وہاں چلا جائے۔ اس طرح تنہا اس کو بھی منشیات کا یہ لٹا لٹا ایسا بنا دیا گیا ہے۔“

”تمہاری بات بہت عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سچی بھی معلوم ہو رہی ہے۔ مثلاً اب تو مجھے بھی ایسا محسوس ہونے لگا ہے۔ بہر حال تم کوئی کہانی سننا دو۔“

”تو ہر ایک راجن نے میرے ساتھ کہیں اور جانے سے انکار کر دیا اور اس کی حالت تنہا ہوتی رہی تو وہ کسی کام کا ہی نہیں سہا ایک دن ایسا بھی آیا کہ اسے ملازمت سے جواب مل گیا۔ وہ دن ہمارے لیے قیامت کا تھا۔ اجنبی، اگر تمہارے ذہن میں قیامت کے دن کا کوئی تصور ہے تو تم اس دن کو ہمارے لیے قیامت کا سمجھ سکتے ہو۔ تم خود ہی سوچو کہ میری کیا حالت ہوگی، کھانے کے لیے گھر میں کچھ نہیں۔ راجن کی حالت ایسی تباہ تھی کہ وہ خود سے بچھڑی نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف بے بسی ایسی کہ وہ علاقے کے لیے کہیں اور چلنے سے بھی انکار دیتے جارہا تھا۔ میری بھی کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ میں نے انہیں اتنا اور احساس ہو گیا ہوا کہ میں اپنے شوہر سے محبت کرتی ہوں۔ دوسری طرف میں مشرقی عورت ہونے کی حیثیت سے اپنے فرض سے بھی آگاہ ہوں۔ اور ایسی عورت کا شوہر جب اس کے سامنے کھانے کے لیے تڑپتا رہے۔ بہر حال اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اپنا شوہر کھانے کے لیے تو وہ کب کب کھتی ہے۔ میں نے خود کو اور خود سے زیادہ اسے پہچانے کے لیے کوئی بھی تلاش کی لیکن اس اجنبی میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی طرف ایک ہی جگہ کی کہیں اپنے آپ کو فروخت کرنے کوئی نہ پتی تھی اسی قسم کی ہے۔ مجبور و منشیات کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اور یہی کہ مجبوریوں اس کی تکی عورتوں کو جسم کی تجارت پر مجبور کر دیتی ہیں۔ یہی یہاں دوی کا نام ہیں۔ اس میں کچھ کہہ کر تم نے اسے اس حالت میں خود کو کسے کیا ہوگا۔ کو اور نے کہا ”میرے کچھ مت بتاؤ۔“

”نہیں“ اجنبی سب کچھ نے بغیر بغیر حالت کی نوعیت کا اندازہ نہیں ہو سکا اس کے علاوہ مجھے اپنی کہانی سنلے دو۔ کو بھی کچھ بار مجھے کوئی ایسا آدمی ملا ہے جو میرے جیسے جگہ سے میری تھوڑی سی دیکھی لے رہا ہے۔ میں نے محسوس کر دیا کہ اس کا شائد اس طرح میرے ذہن کا بوجھ اترنے لگے۔“

”جھگ ہے میں اب تمہیں نہیں دوں گا تم اپنے سارے داغ دکھا دو۔ کو اور دھیرے سے بولا اس نے چائے پانی کر پیا ایک

طرف کھڑی تھی۔

”تمہارا بہت بہت شکر ہے۔ تمہارے ایک گہری سانس کی ایک دن ایسا کیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ راجن کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ بیرون کے دوڑنے کے لیے بھی کبھی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ کو اور میرے حال کا خاکہ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں اس کے لیے بیرون کا بندوبست کہاں سے کرتی۔ مجبور و کہیں نہ اس سے بیرون چلا کہ کہیں اس کے لیے بیرون کہاں سے لاسکتی ہوں۔ اس نے مجھے جھجکا کہ اگر چند کچھ بتا دیا۔“

”اوہ تو کیا تمہاری کہانی کا یہ ایک بنا کر دو اور۔“

”ہاں تمہارے لیے بنایا لیکن انتہائی گھٹا اور بے عزت انسان میں نے اس کے لیے تو کہا تھا کہ مجھے اپنے باپ سے میں سب کچھ بتانے دو۔ بہر حال راجن کے لیے بیرون کی عزت ماننے اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا گھر کسی کے مغرب میں آخری گھر ہے اور پتی کے بہت سے گھروں سے ملا اور اچھے۔ جب میں وہاں پہنچی تو وہاں سب کچھ عورتیں پیسے سے بوجھتی ہیں۔ ان میں سے کوئی اپنے بیٹے کے لیے بیرون لینے تھی کوئی اپنے بھائی کے لیے اور کوئی میری طرح اپنے محبوب اور شوہر کے لیے۔ اسی دن میں پہلی بار اس نالائک کو دیکھا تھا۔ تو ہم لوگوں کو ایک، ایک دوسرے میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد چند ہمارے سامنے آیا۔ اجنبی نے میرے جیسے سے تو بچے ہوں گے۔ بہر حال میرے کچھ بھی نہیں گئے لیکن محکوم اور گھٹا بنا چہرہ شاید دیکھا ہو۔ چند انسانی محکوم اور گھٹا فٹے چہرے والا آدمی ہے۔ اسے دیکھ کر لگائی آئے تھی۔ اس کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے کی طرح محکوم تھی۔ اور اس کے جسے سے اسی بد لوٹ رہی تھی جیسے گھر سے نکل کر آیا ہو۔ اگر بیرون لینے کی مجبوری نہ ہوتی تو نہ نہیں کو روکیں وہیں اس پر لعنت بھیج کر واپس آجاتی۔ لیکن کیا کہی راجن کی حالت میری برداشت سے باہر تھی۔ اسی لیے مجھے اس محکوم آدمی کے سامنے رہنا تھا کہ عورتوں کو دیکھ کر اس کی بوجھتی آجھیں یوں چلنے لگیں جیسے وہ عورتوں سے دل بٹھا رہا ہو۔ اس نے کہیں لگا ہوں لگا ہوں میں پرکھنا شروع کر دیا۔ جیسے ہماری قیمت لگایا ہو۔ اس وقت میں نے بھر چلا کہ میں بھائی جاؤں لیکن راجن کے خیال نے میرے بیرون میں زبردستی ڈال دی تھی۔ اسی لیے میں کچھ نہ کر سکی اور لاہجے کے لیے بیرون کی فرمائش کی۔

”بیرون تو بڑی ہنسی مٹی ہے۔“ اس نے کہا لیکن مٹی پیسے لائی ہو۔“

”نہیں“ میں نے بھی ہنسی ہوئی لگا ہوں کے ساتھ جواب دیا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ گھر میں کھانے کے لیے یہی نہیں ہے تو بیرون کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ اس نے ہنکار لی۔ تو پھر اسی صورت میں

تمہیں لوگوں کے بیرون دینا ہوگا۔“

میرا ہاتھ میرا لیرا گیا جا کر اس کے منہ پر ہلکا سا رید کر دیا۔

”نہیں میری مجبوری ہے میرے اٹھے ہوئے ہاتھ کو غلط کر دیا۔ میرے اعصاب خفا زدہ ہو گئے ہیں کتنے کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ میں یقین ہی نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی کوئی شخص مجھے اس انداز کی غمناقی بتائی کہ کہہ جائے گا۔ اس وقت میرا دل دلی تھا جو عزت کا ہونا چاہیے۔ میں اسے برا بھلا کہہ کر واپس آئے تھی۔ اس نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ اور میرے قریب آکر بولا۔

”دیکھو چچا۔ چچو۔ اس کی میں بھی ہوتا ہے تمہیں شاید اس کا تجربہ نہیں ہے۔ یہاں کے مرد جب بیرون کے عادی ہوجاتے ہیں تو ان کی عورتیں ہی کہتی ہیں۔ مرد دیکھنے کو نہیں کہ بہت ناؤں ہوتے ہیں غصے میں مل کھاتے ہیں۔ بھرا، ہستہ، ہستہ ان کا غصہ تھا ہونا جاتا ہے۔ بیرون کا شہ نہیں جینے نہیں دیتا۔ اور ان دنیا میں زندگی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ پیسے بھی بہت ملتی ہوتی ہے۔ بہر حال بھائی ہوجاتی ہے شروع شروع میں وہ اپنی عورتوں پر اس بات کے لیے ہنسنے ایک بار غصہ کرتے ہیں۔ پھر یہ غصہ میرے میں ایک بار پھر جاتا ہے۔ اس کے بعد ہستہ ہستہ میرے لیے تم ہو جاتا ہے۔ تو تمہارا یہی حال ہونے والا ہے۔ ہاں تمہیں ایک بات اور بتا دو۔ اس مٹی میں عورتوں کے رپ مختلف ہیں۔ اور یہ رپ تم نے مختلف کیے ہیں۔ اور یہ رپ ان کے خنوں کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔“

”میں تمہاری خواہش سن رہا ہوں چچا۔“ میں نے خستے سے کہا۔

”یہ تمہیں سنائی ہوئی ہوگی کہ کو کو اب ہی تمہارا منتیں ہونے والے۔ تم نے ابے جرمانہ کرنے والے تو دیکھے ہوں گے جن کے ساتھ جتنی باہر بار کرتے جاؤ وہ جرمانے کی رقم بٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ تو اس مٹی میں تم نے بھی یہ طریقہ اپنا رکھا ہے یہی بار بار آؤ رپ بٹھتے ہوں گے۔ خود کر کے دوسری بار کوئی تو رپ تم کو بھائے گا۔ میری بار کوئی تو رپ اور مجھ کی ہوگا۔ یعنی تم جتنی بار یہاں سے نالائک ہو کر جا کر کوئی ایسی حساب سے تمہاری قیمت تم کو بتائی جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ میری بات مان لو۔“

میں نے اسے بھر گایاں دیں اور اپنے گھر کی یہاں پہنچی تو راجن مجھ سے زیادہ بیرون کے انتہا میں دروازے پر لگا رہا تھا۔ میرا بڑا ہاتھ خالی ہاتھ تھے دیکھ کر وہ بری طرح مایوس ہو گیا۔ میں نے اسے جب ساری بات بتائی تو وہ غصے میں گھر گیا۔ اس نے مجھے تنہا ہی میرے ساتھ بٹھ کر رفاہ دیا لیکن دوسری طرف اس کی حالت بھی خراب ہوتی تھی۔ اسی طرح ہم نے دو دن اور گزاریے۔ لیکن کوئی اس امید پر دل نہ کر اسے۔ سامنے تو سوائے اندھیروں اور

ملاؤ بیسوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک طرف تو بھوک کی شدت تھی اور دوسری طرف راجن کی حالت۔ وہ اس طرح بٹھکے لیے لٹا جیسے مٹی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اسی لیے ہاں اجنبی۔ اسی لیے اور ان کی حالت میں میرے ذہن اس گھٹانے شخص کے مکان کی طرف اٹھ گئے۔ اور میں چونکہ دوسری بار تھی تھی اس لیے میرا رپ ان کے مہلوں کے تحت کہہ گیا تھا۔ مثلاً آنا کہہ کر دھیرے دھیرے سکے تھی۔

دو اور بڑی مہلوں کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی کہانی نے اسے عجیب و غریب شاعر کر دیا تھا۔ وہ خود بھی گھر تھا۔ لیکن اس کی رائی ان کو روک دے کیے نہیں تھیں۔

”اب میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے پہلی رات کے ساتھ گزری تھی۔“ مثلاً نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ اسی چند کے ساتھ میں یقین کر دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرے پورے بدن پر غلاظت چھو رہی تھی۔ سو بدلو اور گنگنی کو میری نگاہوں میں داخل کر دیا گیا ہو۔ ہاں میں نے اپنی تھیں دیواریں کی ہوا بھل گئی۔ ایسا احساس ہوا رہا تھا۔ کاش میں غفلتوں میں اپنی حالت تباہی کی وجہ کو دوسری طرف چند رکھ رہا تھا کہ وہ اسے نہا تھا۔ مثلاً نے گارہا تھا۔ خوشی سے چل رہا تھا۔ طنز کر رہا تھا۔ اور مجھے تنہا کر رہا تھا۔

”تم واقعی ایک قابل قدر عورت ہو مثلاً۔ کو اور دھیرے سے بولا۔ مجھے تمہارے کرب کا احساس ہو رہا ہے۔“

”ہاں“ مثلاً نے ایک گہری سانس لی۔ ”وہ میرا ہوتا تھا۔ قتل اس کے بعد میں دھیرے دھیرے مٹی جی گئی۔ اب میرے گھر میں بیرون مٹی لگے۔ اور رکھنے پینے کا سامان بھی۔ راجن زندہ رہا اور میں اس کو کونہ دیکھنے کے لیے خود کو ماری تھی۔ تم نے نالائک کو تو دیکھ ہی لیا ہے۔ وہی میرے لیے گاہک اور راجن کے لیے بیرون لایا کرتا تھا۔“

”اس چند کا مکان کہاں سے مثلاً؟“ کو اور نے پوچھا۔

”میں نے بتایا تھا کہ اس مٹی کے مغربی سمت میں اس کا مکان ہے۔“ مثلاً نے خواب دیا۔

”تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ اور اس کا مکان دکھا کر واپس آجانا۔“

”نہیں تم کھوت کرنا اجنبی۔“ مثلاً نے کہا۔ تم خود سوچو اس سے فائدہ کیا ہوگا کیا تم کچھ ہو کر چند کے خلاف کچھ کرنے سے اس مٹی کی برائی ختم ہو جائے گی۔“

”نہیں برائی تو نہیں ختم ہوگی لیکن برائی کو ایک دھچکا ضرور ملے گی۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں خود ایک اچھا آدمی نہیں ہوں۔ لیکن میں عورتوں اور بچوں پر ظلم کرنے والوں کو اس دنیا کا سب سے گھٹا انسان سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ناقابل معافی جرم ہے۔“

اور جہاں جہاں مجھے اس کا پتہ چلتا ہے وہاں میں اس کے قدم درکار کو تباہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں تاؤ میرے ساتھ کچھ مکان دکھا کر دیکھو آجانا میں اس مکان سے آؤں کو لگا نہیں کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن میں اسے اس خیال میں نہیں رہنے دوں گا کہ وہ آئندہ کسی عورت کو اپنے بستر پر لائے گا۔

دادا کا بوجھ ایسا تھا کہ مجھے ہر گھنٹی داور کے لیے میں ایسا عیش تھا جو اسے بالوں کی گرج کی طرح گونجنا ہوا عیش ہوتا تھا۔ آج تمہیں ہونے ہو جانی ہو نہ ملے اسے روکے کی کوشش کی یہ کام بھی تو ہو سکتا ہے۔

۴ ہمیں آج رات میرے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ اور میں اپنا وقت مراد کے قابل نہیں ہوں۔

جرہائی نس ہمارا آف ٹیم گروہ کے دستخط تھے۔ دعوہیں کرتا اور شکار کھیلتا۔ دعوہیں وہ تھے جسے سرکاری افسروں، صنعت کاروں، مشورہ و نصیحت کی کیا کرتے شکار وہ ہر لوں، چیتوں کی قسم کے دیگر جانوروں اور عورتوں کا کیا کرتے تھے فرق یہ تھا کہ جانوروں کو شکار کر کے تک لایا جاتا تھا جب کہ عورتوں کو شکار کرنے کے بعد کسی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ ان کے گھر والوں کو رقم دے کر ان کا منہ بند کر دیا جاتا۔

ہمارا آف ٹیم گروہ کا نام کچھ نہیں تھا۔ ہمارا دوسرے راجا اور ہمارا وائس سے زیادہ متعلقہ نہایت ہونے تھے انھوں نے بہت پیسے اپنی جائیداد پر فروخت کر دی تھیں۔ سارا سامان اتار بیٹوں میں بٹ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ملک کے دوسرے شہروں میں بیٹوں کو بھی کھائی تھیں۔ اس لیے یہ تباہ ہونے سے پہلے گئے۔ اور اب ان کے دن عیش سے گزر چکے تھے۔ جرہائی کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ جب کہ ایک ولادت بھی آئی تھی۔ اس کے لیے اگر بچہ دیا تھا۔ ایک شاندار محل تھا جس میں ملازمین کی بڑی فوج کے ساتھ رہا کرتے۔

اس عمر میں بھی ہمارا ایک محنت قابل دشمن تھی۔ جہاں جہاں اچھا قد و سرہ و شیر و شکر، بڑی بڑی شے، سرمائی اور جھینڈاں کو مرغوب کرتی ہوتی تھیں۔

ہمارا اس وقت بھی شکار کے لیے جنگ میں تھے۔ وہ جب بھی شکار کے لیے جا کر آتے اس کے ساتھ ملازمین کی ایک فوج ہوا کرتی۔ ان میں اس کے باورچی کے کمران کے سوا کچھ نہیں لگا ہوا کرتے۔ یہی محافظان کے لیے دوسری قسم کا شکار تلاش کرنے کے کام کیا کرتے تھے۔

اس وقت ان کا نیم ایک بہاری کے دامن میں لگا ہوا تھا۔ یہ بہاری بھی ٹیم گروہ کی جدی تھی۔ بہاری کے ساتھ ایک تکی

مٹی جو دو رنگ لکھا جاتی تھی۔ بہاری کے اوپر اوٹھنے اور نکلے سرو کے درخت میں ہونے تھے۔ اس کو اس کے بچے دو رنگ میز پر لگا ہوا تھا۔

ہمارا کوہ علاقہ بہت پسند تھا وہ اس سے پہلے بھی کئی بار اسی مقام پر چھ روزوں اور بچے تھے۔ اس علاقہ میں ہرن اور چیل ہرنی آسانی سے مل جاتے تھے۔

ہمارا ایک صبح بھر جاگتے تھے۔ اس صبح بھی وہ اپنے خیمے کے قریب باورچی کے آگے جب سورج بھی طلوع ہونے کے بارے میں سوچ رہا ہوا تھا۔ اسے باورچی کے کمرہ پر کھڑی تھی۔ اس کی ہر گھنٹی میں اور دھیرے دھیرے ایک طرف دھڑکتے تھے۔ صبح کی ہر گھنٹی ان کے معمولات کا ایک لازمی حصہ تھی۔ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود صبح کی ہر گھنٹی کے وقت نکال آئی ہوا کرتے تھے۔ ان کے ملازمین بھی تنگ سوئے ہوتے تھے۔ انھوں نے بڑا دکھ و غم کرنے کے لیے جو آگ جلائی تھی وہ اب رکھ ہو چکی تھی۔ ہمارا بچہ اس وقت اپنے کسی ملازم کو بیدار کرنا سب نہیں سمجھا اور دھیرے دھیرے چلتے رہے۔

ان کے برادر سے وہ تکی کچھ صبح بھر جیو بہاری سے نکل کر شہر کی طرف جایا کرتی۔ ہمارا کوہ ارادہ اسی تکی کی طرف جانے کا تھا۔ وہ تکی کے کنارے آکر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے اپنی نگاہیں نیچے ہونے پائی۔ ہر جاہلی صبح کی خوشگوار دیکھیں تکی کا پانی بہت ہونے ہونے جل رہا تھا۔ جیسے کوئی اچھوت وغیرہ غلام کرتی ہو۔

پھر اچانک ہمارا کوہ غصے ہو گیا۔ پانی کی سطح پر چاندنی کی کوئی لکیر تھی۔ یہ لکیر کچھ دور جانے کے بعد غورنگ کر پانی کے اندر چلی گئی تھی۔

ہمارا بچہ اپنی آنکھیں مٹی شروع کر دیں۔ ان کا وہ بھی ہو سکتا تھا۔ پانی کی سطح پر چاندنی کی ایک چمکتی ہوئی لکیر ان کے دہرے سوا اور گیا ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ بہت مضبوط قوت ارادی اور مصمت کے آدمی تھے۔ انھیں اپنی زندگی میں بھی اس قسم کا وہم نہیں ہوا تھا۔

وہ دیکھ کر دھڑکتی دی اس باورچی کے بہت واضح تھی اور ہمارا کوہ غصے ہو کر وہ چاندنی کی طرف ایک لکیر کی نہیں تھی بلکہ اس کا جسم بھی تھا۔ ایسا جسم جیسی انسان کا، ہوا کرتا ہے۔

دو ہاتھ۔ دو پاؤں۔ ایک سر اور ایک دھڑکا لکڑی جسم۔ ہمارا بچہ ایک باورچی کی آنکھیں میں وہ چاندنی کا جسم بھرے ہوئے نہیں لگا رہا تھا۔ بلکہ سطح پر تیرتا رہا تھا۔ یہی کچھ جس کی ساری زندگی ہی پانی میں گزری ہو۔ ہمارا کوہ کچھ نہیں سمجھا کہ ہاتھ کا یہ سب کیا ہے۔ وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں یا کوئی حقیقت انھیں دکھانے میں مبتلا کر رہی ہے۔

ایک بار تو ان کی خواہش ہوئی کہ وہ اس چیز پر رعبت بیچ کر

نے خیمے کی طرف واپس چلے جائیں۔ نہ جانے یہ کیا چیز ہو اور وہ کون سا نام تھا۔ لیکن اس کی ہر گھنٹی میں اس کے قدم واپس نہیں جاسکے۔ ایک تو ان کی قوت ارادی مضبوط تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس چاندنی جسم کے خدوخال واضح ہونے لگے تھے۔ وہ کوئی عورت تھی۔

ہمارا کوہ جب یہ غصے ہو کر دیکھ کر کوئی عورت ہے تو ان کی دلچسپی اور دھڑکتی۔ اس کو مت کے چاندنی جسم ہمارا کوہ کے سیاہ بال پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہ بالیں میں پھٹی ہوئی بال کے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی تیراکی بھی حیرت انگیز تھی۔ اس کے بدن میں بجلیاں بھری تھیں۔ اور ان بجلیوں نے چاندنی کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ وہ ایک حسین عورت تھی۔ ہمارا بچہ اپنی زندگی کی بد قسمت کی سیاہی میں بس کر گئی۔ وہ اپنی طرح جانے لگے کہ عورت کی خوبصورتی کو اس طرح دیکھا جاسکتا ہے۔ اس چاندنی جسمی عورت پر ان کی نگاہیں بھر پور نہیں رہی تھیں۔ لیکن چاندنی انھوں نے دیکھا تھا تھا وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ انھوں نے شاید ایسا لہجہ بھرا جس سے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے ماحول سے بے خبر ہو کر اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے۔

پھر اس عورت کی نگاہ بھی ان سے ہٹ کر پڑے۔ ہوتے ہمارا کوہ بڑی۔ اور اس نے ہمارا کوہ کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ لادیا۔ ہمارا کوہ دل میں ہوا جیسے ان کا دل بچھ کر چلی نہیں آگیا۔ ہوا جیسی شرمساری انھوں نے بھی غصے نہیں کی تھی۔ اس کی حسین چاندنی جسمی عورت نے ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ لایا تھا۔

ہمارا کوہ کے لیے یہ چیز بہت عجیب تھی۔ اس نے کبھی ایسی عورت نہیں دیکھی تھی۔ اس عورت نے ایک باورچی ہمارا کوہ کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ بلایا اور دھیرے دھیرے تیری ہوئی کی طرف آئے۔ اس کی جس طرح ہمارا کوہ کھڑے تھے۔ اسے کتنے دیکھ کر ہمارا کوہ کی سانسیں تھیں پھل ہونے لگیں۔ ان کے دھڑکتے لیکن مضبوط بدن بڑی مٹی کی لڑائی طاری ہو گئی۔ وہ چاندنی جسمی عورت اچانک ہائی سے نکل کر کنارے پر لگی تھی۔ ہمارا کوہ کی دھڑکتیں بند ہو گئیں۔ ان کو سستہ سا ہولکا تھا۔ وہ بے پناہ حسین عورت بالکل چاندنی کی طرح تھی۔ اتنی ہی جگہ۔ اس کی جلد سے چاندنی پھیلتی پھیلتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے خطرناک دھڑک متناہب جسم پر چاندنی کی پاش پاش کر دی گئی ہو۔ لیکن اس کے بالوں کا رنگ ہمارا کوہ تھا اور اس کی آنکھیں گلابی ہوئی تھیں۔ اور اس کے کھنکھے ہوئے نگوں سے جھانکنے ہوئے دانت موصوفی کی طرح بھیدتے۔

اس عورت کے ساتھ ہمارا کوہ کے لیے سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ اس نے کوئی لباس نہیں پہن رکھا تھا۔ بلکہ بالیں میں لہو کی تیری تیرتی چھری تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر کسی قسم کی عروانی کا حسرت

انہیں ہوتا تھا۔ ہمارا کوہ کی کچھ نہیں سمجھا کہ ہر چاندنی اس کے لباس کی بے لباس کی جدی لکیر ہے۔ ہر حال وہ جیسی بھی خفاہ اور بے حد دلچسپ تھی۔

”کون ہو؟“ ہمارا بچہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ہمارا کوہ اس سال کی عمر وہ ہنس بڑی اس کی ہی نہیں تھی کہ خرم شامل تھا۔ ہمارا کوہ شرم تو نہیں تھے لیکن اس وقت اس عورت کی ہنسی سن کر ان کے ذہن میں بے شمار خیالات آئے کی تھیں۔

”بتاؤ نا کون ہو؟“ ہمارا بچہ پھر پوچھا۔ ان کی ہر شرم نگاہیں اس عورت پر پڑی ہوئی تھیں۔

”میں۔ دو سو ایک ہوں۔ اس عورت نے اپنی مترنم آواز میں جواب دیا۔

”دو سو ایک؟“ ہمارا بچہ حیرت سے دہرایا۔ ایک مطلب۔ کون ہو تم کہاں سے آئی ہو؟“

”میں وہاں سے آئی ہوں۔ عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

ہمارا کوہ کی آنکھیں اس خطاب سے اور دھڑکتی تھیں۔ ان کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ عورت کون ہے۔ اس کا مزہ جسم اور اس کی رعبت حیرت انگیز تھی۔ لہذا اس کا نام بھی عجیب تھا۔ دو سو ایک۔ نہ جانے کیا نام تھا۔ اور کبھی اس عورت تھی۔ پھر اس نے جس طرح ہنری کا مظاہرہ کیا اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ آسمان سے آ رہی ہے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے بہت حیرت کا سبب بنتا جا رہا تھا۔ ان کی بوڑھی نگاہیں اس عورت کے عجیب بدن پر اس طرح پھسل رہی تھیں جیسے ریت تھی۔ نہیں پھر جانے کے بعد آہستہ آہستہ پتہ چلتا ہے۔ اس نے اپنا نام بھی عجیب بتایا تھا۔ دو سو ایک۔ یہ کیا نام ہوا کہ اس نے ایسا تو نہیں کر عورت واضح تھی اس اور دنیا سے آئی ہو لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سب تو کہا بیٹوں اور فلوں کی باتیں ہیں۔ جتنی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر ہمارا کوہ آف ٹیم گروہ کا یاد کیا کہ وہ اس جگہ کے ہمارا کوہیں بلکتے لیکن اس سے کافور بڑا تھا۔ ان کا محل اس کے محل سے ہوا تھا۔ ان کے ملازمین اس کی پاس موجود تھے۔ اور اسی حالت میں ہمارا کوہ اپنی حیثیت سمجھا کر کھنکھناتی تھی۔ اپنے آپ کو اس عورت کے سامنے باوقار ثابت کرنا تھا۔

”اے بڑی میں نہیں جانتا کہ کون ہو؟“ ہمارا بچہ اس عورت کو مخاطب کر کے کہا۔ ہم کہاں سے آئی ہو۔ اور تم نے کیا لباس پہن رکھا ہے۔ مجھے ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ہمارا کوہ آف ٹیم گروہ ہوں۔ انھیں میرے سامنے چلنا ہوگا۔

”میں نہیں جانتی کہ ہمارا کوہ کیوں نہ آئے۔“ ہمارا کوہ کی ہنسی مسکرائی ہوئی تھی۔ لیکن میں ضرور چلوں گی۔ ہمارے ساتھ۔

”اس حال میں۔ ہمارا جو کہ یکایک خیال آگیا۔ ہم لباس پہن لو“

”لباس تو پہن رکھا ہے، لڑکی نے ہنسنے ہوئے بتلایا۔ میرا لباس اس قسم کا ہونے لگا۔“

”کیا بچو اس ہے؟“ ہمارا جو کہ لڑکے۔ ”کیسا لباس ہے۔ یہ لو میری مثال؟“ انھوں نے اپنے شانے سے مثال اٹا کر اس لڑکی کی طرف بڑھادی۔ ”تم بہ اپنے جسم کے گرد لپیٹ لو میں نہیں اس حال میں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔“

”لڑکی نے ہنسنے ہوئے ہمارا جسم سے ان کی مثال لے کر کہنے جسم کے گرد لپیٹ لی۔ اس کا چاندی جیسا جسم اب چمکدار نہیں رہا تھا۔“

”اب آؤ ہمارے ساتھ۔“ ہمارا جانے ایک طرف اشارہ کیا۔

”اسی طرف ہمارا لڑکھا۔“

”یہ لڑکا کی چیز ہے؟“ اس عورت نے ہمارا جسم کے ساتھ چپٹے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے تمھاری زبان پوری طرح نہیں آتی؟“

”تم تو پوری طرح میری کچھ نہیں سمجھتی آتی ہو؟“ ہمارا جانے ایک گہری سانس لی۔ ”ایک طرف تم میری کوئی بات نہیں سمجھتی میری زبان پوری طرح نہیں آتی اور دوسری طرف اتنی باتیں بولی جتنی نہیں سمجھتی۔“

”میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے تمھاری زبان نہیں آتی۔ بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو مجھے نہیں آتے جیسے یہ لڑکا۔ یہ کیا ہوتا ہے؟“

”خیر تم بھی جلد کر دیجیے، ہمارا جانے کہہ۔ تمھیں خود پتہ چل جائے گا لیکن تم اس کو اس شخص میں ہیں کہ کھانا نام کیا ہے۔ یہ دوسرا ایک کیا چیز ہوئی۔ یہ تو نہیں ہوا؟“

”تم اسے میرا نام کچھ لوبا کچھ لوبا ہی ہے سب کچھ ہمارے ہاں نام نہیں ہوا کرتے۔ میرے کہنے ہیں جیسے ہمارے بادشاہ کا نمبر ایک ہے۔“

”تم آخر تو کون۔ کہاں سے آئی ہو۔ یہ تمھارا بادشاہ کون ہے؟“

ہمارا جانے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اب میں تمھیں کتنی باتوں کو کہیں وہاں سے آئی ہوں۔“

دوسرا ایک نے پھر آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

ہمارا جانے اس بار گہری سانس لے کر کہنے لگے۔ ”انھوں نے اپنے لڑکے۔“

”اب اس لڑکی سے کوئی بات نہیں کہ وہ لڑکی بڑی ہے ہر وہاں سے ان کے ساتھ جتنی آری تھی۔ ہمارا جو کہ اس کی چال ہی بہت دھن دھن محسوس ہو رہی تھی۔ اس لڑکی کے خوبصورت ہاتھ ہمارا جسم کے دل کو دھرتے ہوئے گھر رہے تھے۔“

”لڑکے پاس آکر ہمارا کچھ ٹھٹھکے۔“ انھیں اپنے ملازمین

کا خیال آگیا تھا۔ نہ جانے وہ لوگ اس چمکدار لباس والی لڑکی کو ہمارے ساتھ دیکھ کر کیا خیال کرتے۔ ہمارا جانے لڑکی کی مثال اس لڑکی کو بدی تھی۔ اس کے باوجود ہمارا بد چمکدار عاری ہو گئی تھی لیکن ہمارا جو کہ موجود ملازمین نے ہمارا جسم کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھ کر کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا۔ انھوں نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ یہ اور بات تھی کہ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں تھیں لیکن ہمارا جو کہ اب الٹا ہوا گیا تھا۔

”وہ اس لڑکی کو کہنے کہ اپنے خیمے میں آگئے۔ یہاں آنے کے بعد اس لڑکی نے ہمارا جو کہ دی ہوئی مثال اٹا کر ایک طرف لٹھکری ایک بار پھر اس کا وہ پہلا جسم ہمارا جو کہ لگا ہوا کو خیرہ کرنے لگا تھا۔ اس خیمے میں کتنی اور دیر کا قیام بھی ہوئی تھی جس پر غیر بد چاندی تھی اور خیمے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ گاؤں کے خیمے ہوئے تھے۔ ہمارا جو کہ اپنی روایات کو فراموش کرنے کے قائل نہیں تھے۔“

”چلو۔ چلو۔ جاؤ۔“ ہمارا جانے لڑکی سے کہا۔

”لڑکی ایک طرف جا کر بیٹھی۔ ہمارا جو کہ نگاہیں اس بڑی ہوئی تھیں۔ ہمارا جو کہ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ کسی جھمک میں مبتلا ہوئے تھے۔ اور وہ بھی اس لڑکی کے سامنے۔ وہ اس سے پیچھے ان کے سامنے آنے والی عجیب اور غریب لڑکیوں ان کی شہرت اور دولت۔“

”عجب، ہر کرمان کے جھمک کی طرح بیٹھ جاتی تھیں۔ لیکن اس لڑکی نے خود انھیں برائیاں کر دیا تھا۔“

”اچھا۔ اب تم انھیں سے بتاؤ کہ کون ہوا؟“ ہمارا جانے سوال کیا۔ ”کہاں سے آئی ہو؟“

”ہمارا خیال ہے کہ تم نے میری بات بد یقین نہیں کیا؟“ لڑکی نے مسکرتے ہوئے کہا۔ ”خیر میں تمھیں بتا دوں کہ میں کون ہوں۔ میں ایک دوسرے تیار سے آئی ہوں۔“

”کیا بچو اس ہے؟“ ہمارا جو کہ پوچھنے لگے۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے تم نے مجھے کیا اتنا بے وقوف کچھ رکھا ہے کہ میں تمھاری بات بد یقین کر لوں گا؟“

”اگر تم چاہو تو میں اس کا ثبوت بھی دے سکتی ہوں کہ لڑکی نے کہا۔ لیکن بہتر ہے کہ تم پہلے میرے بارے میں جان لو۔ اس کے بعد تمھیں ثبوت ہمارا کہ دوں گی؟“

”جھمک ہے بتاؤ؟“ ہمارا جانے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن چوہہ نہ ہونا۔“

”میرا تعلق جس تیار سے ہے اس کا نام ہے زیگ۔“ لڑکی نے بتلایا۔

”یہ کیسا نام ہے؟“ ہمارا جانے پھر لوگ دیا۔ ”میں نے اس کے

زیگ نام ہی کسی تیار سے کا نام نہیں سنا۔“

”اس میں میرا کچھ قصور ہوا؟“ لڑکی بخلائی۔ ”صرف تم ہی کیا۔“

تمھاری زمین کے زمین تین سائندھ لڑکیوں کو تیار سے کے بارے میں نہیں معلوم ہوگا۔ ہمارا تیار ہمارے نظام میں نہیں آتے وہ یہاں سے بہت دور ہے۔ لیکن ہم لوگ تم لوگوں سے نہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس وقت میں تمھارے سامنے بیٹھی ہوئی ہوں۔ جب کہ تمھاری زمین کے سائندھ لڑکی ابھی تک نظام میں کسی کی حد سے نہیں نکل سکے ہیں۔ ہمارا تیار زیگ بالکل ہی تمھارے تیار کے طرح ہے۔ میرا مطلب ہے اب ہو کر ہو کر ہم سب کچھ اسی طرح ہے۔ اسی لیے اس تیار سے ہر زندگی کی طرح موجود ہے جس طرح تمھاری زمین پر لیکن ہمارے اور تمھارے نظام میں فرق یہ ہے کہ تمھاری زمین مختلف محسوس میں جاتی ہوئی ہے مختلف مالک ہیں جب کہ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے۔ پورا تیار ایک ہے۔ اور ایک ہی حکمران ہے۔ ایک ہی زبان ہے۔ ایک ہی جیسا چکر ہے جسے تم کیا کہتے ہو۔ تہذیب۔ ایک ہی تہذیب ہے۔ ہم دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ہم اور تم ایک ہی سموت شکل کے ہیں۔ اگر میں اپنا یہ لباس اتار کر تمھاری زمین کا لباس پہن لوں۔ تو کوئی نہیں کہے گا کہ میرا تعلق کسی دوسرے تیار سے ہے۔ اسی طرح اگر تم ہمارا لباس پہن کر ہمارے تیار سے میں چلے جاؤ تو کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ حتیٰ کہ ہمارے یہاں کے جانور اور درخت بھی تمھاری زمین ہی کی طرح ہوتے ہیں؟“

”پتہ نہیں۔ تمہیں سب کیا کہہ رہی ہو؟“ ہمارا جانے بے چینی سے پوچھو بدلا۔ ”میری تو جیت مرنی جا رہی ہے؟“

”تم خاموشی سے سننے لڑکھو۔ لڑکی نے کہا۔ ہمارا زبان تمھاری زبانوں سے مختلف ہے۔ لیکن جنھیں سازگار مقرر کیا جاتا ہے۔ انھیں تمھاری زمین کے ہر خطے کی زبانیں سمجھ جاتی ہیں۔ ہمارے تعبیری اور وہ ہیں۔ انگریزی، فرانسیسی، چینی، اردو عربی اور فارسی وغیرہ دنیا کی ہر زبان تجارت کا رکن ہو سکتی جاتی ہیں؟“

”یہ بات میری کچھ نہیں آتی؟“ ہمارا جانے نے پھر لوگ دیا۔ ”جب تمھارا تعلق دوسرے تیار سے ہے تو پھر تمھیں دنیا کی مختلف زبانوں کے بارے میں کیسے پتہ چل گیا؟“

”یہ تم نے بہت غلط ہندی کا سوال کیا ہے؟“ لڑکی مسکرا دی۔ ”وہ مجھ کو اب سے تین سال پہلے تمھاری دنیا کے میں سال پہلے ہمارے یہاں کے سائندھ لڑکی نے نفی اپنے جسم اس اور نفی کی خاطر اسے کائنات کے دوسرے تیاروں کی طرف ہر وہاں شہر لگیں۔ ہم لیکن نے سات زیگ لڑکھو۔ انھیں نے اب تم نے زیگ لڑکی نہیں رکھا ہوگا۔“

تم لوگ جسے لاکھ کہتے ہو اسے ہم زیگ کہتے ہیں۔ ہم حال ایک زیگ تمھاری زمین کی طرف نکلا۔ اس زیگ ہمارا ایک سائندھ چار سو دس ب سوار تھا۔

”یہ چار سو دس ب سے کیا مطلب ہوا؟“ ہمارا جانے پوچھا۔

”انھیں اب اس لڑکی کی باتوں سے دلچسپی معلوم ہونے لگی تھی۔“

”چار سو دس قس کا نام یا پھر ہوا اور اب ب سے مراد یہ ہے کہ وہ سائندھ چار سو دس ہے۔ ہمارے یہاں حوزہ رہتے ہیں۔ ان کے خیمے کے آگے لگا لگا جاتا ہے اور جو چاہتے ہیں ان کے آگے بٹھ کر جاتا ہے۔ اس طرح انھیں فوراً ہی پتہ چل جاتا ہے کہ کون زندہ ہے اور کون مر چکا ہے؟“

”یہ تو بہت اچھا اور آسان طریقہ ہوا؟“ ہمارا جانے کہا۔ ”اس طرح تم لوگوں کو لڑکی کی آبادی کے بارے میں بھی علم ہو جاتا ہے؟“

”فوراً؟“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں یہ معلوم کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ ہمارا تعداد کتنی ہے۔ خیر تو میں لیکن اس سائندھ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ تو وہ اپنے زیگ کو لے کر اتفاقاً زمین کی طرف نکلا۔ یہاں آکر جب اس نے اٹا لوں کو اور زمین کو دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے ہی تیار کے کسی علاقے میں جا رہا ہو۔ اس نے فوراً ہی زیگ کے حکام سے رابطہ قائم کر کے انھیں تعبیری رپورٹ دوا کر دی وہاں سے اسے رہایت دی گئی کہ وہ فوراً زمین کے کسی شخص کو اپنے ساتھ زیگ لے آئے۔ چار سو دس ب نے یہ کہا کہ اس نے تمھاری زمین سے ایک آدمی کو قابو نہیں کیا اور اسے نہ زیگ پہنچ گیا۔ وہ آدمی روتی رہا تھا۔ وہاں اسے روکی کھائے۔ پھر مجبور کیا گیا۔ غرض کہ ہم نے تمھاری زمین کی زبانیں اس طرح سمجھی ہیں کہ ہم ہر خطے کے لوگوں کو اٹھا کر کے اپنے ساتھ لے جاتے رہے ہیں۔ لوگوں کے علاوہ ہم نے تمھاری زمین کی ہزاروں کتابیں اور دیگر چیزیں بھی زیگ تک پہنچا دی ہیں۔ اس طرح اب زیگ ہر ہزاروں ایسے ہیں جو دنیا کی زبانیں اتنی ہی دانی کے ساتھ لوگوں سے ہیں جس طرح میں لوں رہی ہوں۔ میں نے اردو اور انگریزی سمجھی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اب تمھاری کچھ نہیں زبانوں کا سائندھ آگیا ہوگا؟“

”میری جوت ابھی تک دور نہیں ہوئی ہے؟“ ہمارا جانے کہہ ”تم اپنے بیان کا ثبوت کس طرح پیش کر سکتی ہو؟“

”بڑی آسانی سے؟“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”وہ زیگ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے جس کے ذریعے میں آئی ہوں۔ تم پھر میرے ساتھ میں نہیں وہ زیگ رکھا جاتی ہوں؟“

”کیا مجھے بھی یہاں سے اٹھا کر کے اپنے تیار لے جانا چاہی؟“

6

10

07)

...the fact that the ... (C)

کوس نے کہیں نہیں روکا ہے لیکن کسی نے کچھ کاغذ معمولی بات نہیں ہے بکھری دیں بہرہ پوری کی یہاں تہہ ہو جانے کی؟
 پھر یہ لوگ بڑی افز و فریزی کے عالم میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ انھوں نے دو گاڑیاں لیں جنھیں ایک گاڑی میں دلاور شہلا، آئندہ دلراج اور مارگ کا بیٹا تھا جب کہ دوسری گاڑی میں دوسرے لوگ تھے۔ رخصتے ان لوگوں کو اپنے گھر پہنچنے کے لئے کہا تھا کہ رخصتہ کا گھر بائیں باڑی سے کچھ فاصلے پر تھا۔
 ان لوگوں نے رخصتہ کے گھر سے بہت فاصلے پر کر کے کی گاڑیاں چھوڑ دیں اور عیدل رخصتہ کے گھر پہنچ گئے۔ مارگ کا بیٹا بہت ہما ہما ان کے درمیان چل رہا تھا۔ دلاور کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا اس قسم کی وارداتیں گھٹیا لوگ کیا کرتے تھے لیکن اسے اب ان کی لوگوں کی مدد سے اپنی جی نہیں تھیں دینی تھی اور اس نے ان لوگوں کو پیسے اپنی دن سے معروف کار کردیا تھا اس طرح اس کے دو منافع حاصل ہو جاتے اگر مارگ سہمی اور لانی کو لائے میں کا مباب ہو جاتا تو اسے پہل چل جاتا کہ وہ لوگ اس کے دوست تھے یا نہیں اس کے علاوہ دلاور کو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ آئندہ کے لئے ہونے والی شغل وقت میں کس قدر حصے کا غرت دے گئے ہیں۔ یہ لوگ مارگ کے آگے سے اس کے بچے کو اٹھا لائے تھے اس سے فوجہ بات ظاہر ہوئی تھی کہ آئندہ کے لئے ہونے والے بہت کام تھے۔ اب سوامی اور لانی کا انتظار تھا اور اس کے لیے ابھی کچھ وقت دلاور تھا۔
 آئندہ رخصتہ اور دوسرے لوگ رخصتہ کے گھر ہی پر رہ گئے دلراج بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا لیکن اس نے خودی دلاور سے درخواست کی تھی کہ وہ شہلا کو اپنے ساتھ لے جائے۔ دلاور رخصتہ کے مکان میں نہیں رہنا چاہتا تھا اس کا ارادہ کی بول میں قیام کرنے کا تھا۔
 ”آپ شہلا کو اپنے ساتھ لے جائیں یا اس؟“ دلراج نے خود ہی پیشکش کی ”یہ آپ کے بہت کام آئے گی“
 دلاور کی پیشکش میں ہر طور پر مارگ نے لگا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا لیکن دلراج سے کہنے میں تھک محسوس ہوئی تھی اور اب اس نے خودی دلاور کی پیشکش آسان کر دی تھی دلاور نے ان لوگوں کو بہت سی ہدایتیں دیں۔ مارگ کے بیٹے پر نظر رکھنے کے لیے کہا اور خود شہلا کو لے کر رخصتہ کے مکان سے باہر آگیا اس وقت چند لڑکوں کے ساتھ چھٹے پیشکش کی تھی لیکن اس نے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا۔ دلاور کو جب یہ کار لگا ہوں ہے یہ بچا چاہیہ تھا کہ شہلا بھی اس کے ساتھ جانے کے بقول سے بہت خوش ہو

دی تھی۔
 دلاور نے اپنے قیام کے لیے ایک بہت معمولی سے بھول کا انتخاب کیا تھا اس بھول کا ایک ڈول کواٹھیں بہت مناسب لگے بڑل کیا تھا اور اب وہ دونوں اسی بھول کے کمرے میں موجود تھے اور دلاور شہلا کو اپنے سامنے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوا جا رہا تھا۔ سوامی کے بعد پہلی اسی تھی جو اس کی زندگی میں اس طرح داخل ہوئی تھی جیسے مذکورہ سیلاب دروازے اور کھڑکیاں توڑتا ہوا مکان میں داخل ہو جائے۔ اور اس کے سامنے کوئی چیز نہ لگ سکے۔ اپنے پاؤں نہ چلا سکے۔ دلاور کا بھی یہی حال ہو ا تھا۔
 اور اس وقت وہ دونوں ایک معمولی سے بھول کے معمولی سے کمرے میں موجود تھے۔ دلاور کی بڑشوں لگا ہوں شہلا کے سر پر ہیں پیوست ہوئی جاری تھیں اس کے بدن پر بھی ہلکی سی روش طاری تھی۔ یہ لرزش اس کی وقت ہو کر تھی ہے جب جذبات متار کے تادل کی طرح دل کے اندر چھوٹنے لگے ہیں شہلا بھی ایک مضبوط کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی اس کے بدن کا ہر عضو کھل چکا تھا کہ وہ بھول کو بھی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ دلاور اس وقت یہ فریاد کر رہا تھا کہ وہ شہلا کو اس کی ذہانت کی خاطر اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ دلراج کی بوی ہے۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ اب لڑکھا ہو چلا ہے اور اس کے اعصاب اس کے قابو میں نہیں رہے ہیں۔ وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ اسے صرف ایک بات یاد تھی اور وہ تھی شہلا کی قربت۔
 شہلا نے بھی رخصتہ کی طرح دلاور کی دیکھی ہوئی لگا ہوں کی آغوش محسوس کر لی تھی۔ اس معاملے میں عورت کی حس بہت تیز ہوا کرتی ہے۔ وہ یہ بچا چاہتی ہے کہ کوئی اسے اس انداز سے دیکھ رہا ہے۔
 ”کیا بات ہے مہاراج؟“ شہلا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بلوچھا ”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“
 ”ہاں ہاں طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے بس یوں ہی کچھ سی محسوس ہو رہی ہے“ دلاور نے کہا۔
 ”میں جانتی ہوں کہ آپ اس وقت کس عذاب سے گزر رہے ہیں؟“ شہلا دھیرے سے لولی دیکھو خود یہ تجربہ میرے لیے نیا نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کیا ہو چکا ہے؟“
 ”کیا مطلب؟“ دلاور نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا کہنا چاہتا ہوں؟“
 ”وہ اس سے پہلے بھی باری حرکت کر چکا ہے“ شہلا نے کہا۔ ”آپ خود سوچیں کیا ایک مرد اپنی بوی کو کسی کے ساتھ

بسر کرنے کے لیے بھیج سکتا ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ لیکن دلراج نے آپ کے ساتھ بغیر کسی شک کے بھیج دیا کیا اس سے آپ کی بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ آپ تو خود ایک عقل مند اور ذہین انسان ہیں۔“
 ”میں ابھی تک تمھارا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ کیا تم کہنا چاہتی ہو کہ دلراج تمھیں؟“
 ”ہاں۔ وہ اپنے فرض خواہوں سے بچنے کے لیے میرے ساتھ ہی سلوک کرتا ہے۔“ شہلا کی آنکھیں پھر نہیں گرچہ وہ آپ کا فرض دار نہیں ہے لیکن آپ سے اسے رخصتہ کی ایسے ہی لے اسے لے گئے آپ کے حوالے کر دیے۔ تاکہ وہ بھری وجہ سے آپ سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔“
 ”یہ سب کیا کہہ رہی ہے؟“ دلاور نے سے کھڑا ہو گیا اور دلراج ایسا آدمی تو معلوم نہیں ہوتا۔
 ”کوئی عورت اپنے بارے میں اتنا جڑ جھٹ نہیں بولی سکتی مہاراج؟“ شہلا نے بے چارے میں کہا۔ دلراج بہت اچھا آدمی ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ لیکن یہ اس کے کردار کا سب سے گھٹانا اور گروہ پہلو ہے میں اس کے لیے ایک ایسے چیک کی طرح ہوں جسے وہ بار بار کرکشی کر دیا سکتا ہے اور کیش کر دے۔ رہتا ہے اور میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس اس کے لیے فرضی خواہوں کی تعداد میں کی کرتی رہتی ہوں۔ میں نے بھی کسی سے یہ سب کہ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کوئی مجھے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ میں اپنی زبان بڑھ کر کہتی ہوں۔ صرف میری آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ یہ آنکھیں جڑھ بڑھ کر کہتی ہیں۔ دیکھتی ہیں اور میرے ذہن پر نقش کر دیتی ہیں۔ لیکن آپ کے سامنے یہ دل چاہا کہ سب کچھ بتا دوں کہ جو آپ کی شخصیت بھی ایسی ہے۔“
 دلاور نے فریاد سے کہنے میں نہیں لگا۔ اسے بھی شہلا کی بات پر معلوم ہو رہی تھی۔ اسے دلراج کا رویہ یاد رہا تھا۔ دلراج نے خورجی سے یہ گوشش کی تھی کہ شہلا دلاور کے ساتھ ساتھ رہے اور آخرا اس نے شہلا کو دلاور کے ساتھ بھی دیا تھا۔ دلاور کو اس لڑکی پر دم لگنے کا جو جذبہ تھا اس کی طرح دلراج جیسے کوئی کے بچے ہاتھ دیکھ لیتی تھی۔
 ”تمھارے دلراج جیسے آدمی سے شادی کیوں کر لی؟“ دلاور نے پوچھا کہ دلاور۔
 ”مہاراج یہاں شادی نہیں کی جاتی بلکہ کرانی جاتی ہے۔“ شہلا نے جواب دیا۔ دلراج اور میں دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ دلاور تو شہلا کا بھائی تھا جب کہ میں گاؤں میں رہی۔ ہم دونوں کے ماں باپ ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ میں نے گاؤں

میں تعلیم بھی حاصل کی اس کے بعد فرضی قبیلے کے کام میں داخلے کیا۔ میں بڑھتی رہی جب کہ دلراج شہلا کے گھر ڈراؤ ہو گیا۔ پھر جب یہ گاؤں پہنچا تو ہم دونوں کو گھر کر شادی کر دی گئی۔ میں نے بھی ہنسی خوشی رخصت کے اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ کیونکہ ہمارے یہاں احتجاج نہیں کیا جاتا۔ دلراج مجھے لے کر شہلا کے شروع شروع میں ہماری زندگی سکون کیسا محسوس ہوئی۔ دلراج نے مجھے نہایت ہی طرح دلراج کو اپنے اور جس کی عادت پڑ گئی۔ جس کو اس نے کچھ ہی دنوں کے بعد خودی چھوڑ دی تھی لیکن جو اچھلنے کی عادت نہیں کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاں بلکہ تہہ ہوئے اس کی تہا میں فرضی کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ دلراج نے مجھے کی خاطر نہ جانے کتنے لوگوں سے فرضی لے رکھا ہے۔ پھر جب مفقہ ہوئے ہی فرض خواہوں کے تھا۔ شہلا کو اپنے تو دلراج نے دھیرے دھیرے اپنی غیرت مادی شروع کر دی۔ پہلے تو کچھ اچھا کر پھر تھکے سے پھر دھکی سے آخر میں مار پریش کر دیا۔ مجھے ایسے لوگوں کے حوالے کر لگا جی سے کچھ دم مل سکتی۔ میں اس کے روئے کمانے والی نہیں بنی۔ وہ میرے ذریعے روئے حاصل کرتا اور ان روئوں سے خود ساقض اور کیا جاتا اور وقت کی روٹی کھاتی جاتی۔ بس یہ ہے ہماری زندگی۔ شروع شروع میں مجھے اپنے آپ سے بھی محسوس ہوئی تھی خود کشی کرنے کی جانتا پھر رفتہ رفتہ میں خود بھی اس بات کی عادی ہوئی جاتی تھی۔ ایک ہی جیاد اور اقتدار مسلسل ہوتا رہے۔ فسانہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ میں کرچہ لچہ لچہ عادی ہو گئی ہوں لیکن میرے اندر کی عورت ابھی زندہ ہے۔ وہ احتجاج کر رہی ہے۔ اور جب آپ میرے گھر آئے تو مجھے یوں لگا جیسے کوئی دونا چلا آیا ہوگا۔ شہلا نے یہ بات اس انداز سے کہی کہ دلاور کو اپنے کچھ بر غرض محسوس ہونے لگا۔ شہلا کی قربت اسے حاصل ہونے والی تھی۔
 ”مجھے تمھاری کہانی سن کر بہت افسوس ہوا ہے۔“ دلاور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ یہ جانتے کہ مجھے کیا چاہتی ہو؟“
 ”میں اب ساری زندگی آپ کے قدموں میں گرنا چاہتی ہوں۔“ شہلا دھیرے سے بولی۔
 دلاور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اتنی خوبصورت پیش کش اسے ایک عرصہ بعد ہی تھی۔ اور جب شہلا خودی اس کی طرف رہی تھی تو اسے دلراج کی بھی بڑھ نہیں تھی۔ لیکن وہی طرز پر وہ ابھی دلراج کو ناراض کیا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں میں اس کے خلاف ہر وہ پگڑیہ بھی کر سکتا تھا۔
 ”جانتے نا؟“ شہلا نے حرارت سے پھر بولنا چاہا تھا۔ دلاور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس ہاتھ کی تمنا اسے اپنے ہاتھ میں محسوس

ہوئے گی تھی۔
 ”تمہاری خواہش تو یہ تھی کہ شہلا دلاؤں نے جلدی سے
 کہہ دینا بھی تو سوچو کہ یہ سب کس طرح ہو سکتا ہے تم اس کی
 بیوی ہو وہ تمہیں کیسے چھوڑ دے گا؟“
 ”بڑی آسانی سے، شہلا نے جواب دیا، اگر دو تین لاکھ روپے
 ہوں تو اس لیے بغیر کے منہ پر مارا دوں۔ وہ مجھے چھوڑنے میں
 ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔“
 ”یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے شہلا دلاؤں کہتے ہوئے بولا۔
 ”میں خالی ہاتھ نہیں ہوں میرے پاس ابھی بھی اتنی دولت
 ہے کہ میں تمہارے لیے ایک محل تعمیر کروا سکوں۔“
 ”کیا واقعی؟“ شہلا نے انہیں جھکے لائے لیکن آپ تو
 بڑی ابتر حالت میں ہمارے پاس آئے تھے۔“
 ”اس سے کیا ہوتا ہے میں نے اپنے ریڈرنگ کے زمانے
 میں دولت چھوڑ رکھ دی تھی جواب میرے کام کسک۔“
 ”یقیناً نہیں آتا کہ یہ دولت آپ کے پاس تو سوامی
 اہلانی باپ کے خاٹن کو اس کا بہن نہیں چل سکا۔“
 ”نہیں جنتا کیونکہ وہ دولت، سونے کے زوارات، قیمتی
 ہیروں اور لوگوں کی شکل میں ایک ایسی جگہ پر چھپی ہوئی ہے جس کی
 طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاسکتا۔“
 ”ایسی کوئی جگہ ہوتی ہے جہاں آپ کے خاٹن نہیں
 پہنچ سکتے؟“
 ”عجائب گھر“ دلاؤں نے جواب دیا۔ ”عجائب گھر میں ایک
 بہت بڑے عیسے کے اندر دولت موجود ہے۔“
 ”میں نہیں سمجھتی۔ شہلا نے حیرت سے کہا۔ عیسے کے اندر
 یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“
 ”ہاں یہ ایک عجیب کہانی ہے، دلاؤں کچھ سوچنے پر ہوشیار
 ”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں اپنے اس راز سے کبھی کسی کو آگاہ نہیں
 کروں گا کیونکہ وہی دولت میری زندگی کا سرمایہ ہے لیکن تم نے
 میرا انصاف ساتھ دیا ہے اور تم میرے لیے اتنی مفید ثابت ہوئی ہو کہ
 میں نہیں اس راز سے کبھی آگاہ کر رہا ہوں کیونکہ اس کا نام کریم
 کی کو میرے لیے کام کرنا ہوگا اس لیے بہت سے کھاتے علم میں
 سب کچھ آجائے۔ یہ اب سے ایک سال پہلے کی بات ہے میرے
 معاملات بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ چل رہے تھے کسی طرف
 سے بھی مخالفت کا سامنا نہیں تھا۔ ریڈرنگ پر میرا مکمل اختیار
 تھا سب لوگ میرے حکم کے آگے اپنے سر جھکا لیتے تھے۔ دودھ کی
 دہلی پہلی تھی ہر طرف میرے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے بے شمار ذرائع سے

بے شمار دولت آ رہی تھی میں اپنی تنظیم کا سب کچھ تھا۔ میری
 حیثیت ایک ڈیڑھ جیسی تھی۔ پھر کہیں سے ایک کتاب میرے ہاتھ
 آئی۔ وہ شہر معق لائبریری کے ڈیڑھ اور ڈیڑھ شہر کی تھی
 کتابوں وغیرہ کو فی خاص وہی نہیں دیتی تھی لیکن نہ جانے کہاں
 میں نے وہ کتاب پڑھ لی اور اس کتاب نے میری آنکھیں کھول
 دیں اس کتاب نے مجھے بتایا کہ ڈیڑھ کو اپنے سائے تلے سے
 بھی خوفزدہ رہنا چاہیے۔ اور وہ اپنے لیے تو خود کشی کا یا فرار کا
 راستہ تلاش کرے۔ کچھ میں خود کشی کا تصور تو نہیں کر سکتا تھا،
 لیکن میں نے فرار کے راستے سوچ لیے۔ جو میرے خود بھی کسی ڈیڑھ
 کی طرح تھا اس لیے میں نے اپنے مستقبل کی بلا تگ شروع کر دی۔
 اور اپنا سرمایہ سنا شروع کر دیا۔ ہم جیسوں کے ساتھ ایک ایجنٹ
 یہ بھی ہے کہ اپنی دولت قانونی طور پر کسی بینک میں نہیں رکھ
 سکتے۔ اس کے علاوہ میرے پاس اتنی دولت تھی جس سے بے کسی
 پر اعتماد بھی نہیں کیا جاسکتا تھا میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ
 اگر مجھے جھوٹا دیا گیا اور میرے ہی آؤٹی میرے ذہن میں آئے تو وہ اک
 دولت کا پتہ چلا نہیں گئے۔ جا بے اسے نہیں بھی جیسا کہ رکھوں گی
 یہ مجھے ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں کسی کا تصور ہی نہیں جاسکے
 یہ سب کچھ میں نے جگہ کی تلاش شروع کر دی اور ایک چھوٹی سی
 ایک دن عجائب گھر بن گیا۔ وہاں بعدہ دوسرے کال ہاں میں ہی
 ہمارا تمام دھاک ایک عظیم الشان مجسمہ رکھا ہوا ہے۔ وہ مجسمہ اندر
 کھوکھلا ہے اور جگہ جگہ سے برسوں سے اسی جگہ رکھا ہوا ہے۔
 نے اس مجسمے کی پشت پر جاکر بچھا۔ اور اتفاق سے مجھے ایک خلا
 دکھائی دے گیا۔ وہ خلا اتنا بڑا تھا کہ میں اس کے اندر ہاتھ ڈال
 کر اپنی دولت اس کے اندر رکھ سکتا تھا کسی کو احساس بھی نہیں
 کر دے مجسمہ اب کس قدر قیمتی ہو چکا ہے۔ دلاؤں اتنا کہہ کر ہنس پڑا
 شہلا بھی اس کے ساتھ ہی ہنس پڑی تھی۔ آپ نے وہ
 بہت ذہانت سے کام لیا ہے۔“
 ”اس کی ضرورت تھی شہلا کیونکہ اس کتاب میں جس نے
 وقت کی نشاندہی کی تھی۔ وہ برادقت کچھ دنوں بعد مجھ پر آ
 گیا۔ میرے اپنے ہی لوگوں نے مجھے بے دست و پا کر کے ایک
 تہ خانے میں قید کر دیا۔ انھوں نے میری دولت کا نام دھوکہ
 کی ہر کی غرض کی میرے مکان کو ادھر رکھ دیا گیا۔ لیکن یہ
 دھوکہ اتنی میرے کام تھی۔ انھیں کچھ بھی پتہ نہیں چل سکا۔
 ”ان لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ کے پاس اتنی دولت
 ہے؟“ شہلا نے پوچھا۔
 ”وہ لوگ برسوں سے میرے ساتھ کام کرتے رہے تھے

یہ معلوم تھا کہ ریڈرنگ کے پاس کن ذرائع سے دولت کبری ہے
 اور اس دولت میں میرا حصہ کتنا ہوا کرتا ہے۔ تو کیا انہیں اس
 بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ انہیں نہ صرف اندازہ تھا بلکہ انہیں
 ہوا تو یقین تھا کہ میرے پاس بے پناہ دولت ہو رہی ہے۔“
 ”تو آپ کا کیا پروگرام ہے؟“ شہلا نے پوچھا۔
 ”ظاہر ہے۔ وہ دولت وین چھپی ہوئی تو میں نے کتنی بولا
 نے خواب دیا۔ وہ اب میرے اور تمہارے کام ہی آئے گی یوں
 ٹھیک ہے نا۔“
 شہلا کی آنکھیں میں چلائے جل اٹھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ
 کر دلاؤں کے پاس آئی۔ دلاؤں اس کی قربت کو محسوس کر کے اپنی
 بے ترتیب جھڑکوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن
 اب سب کچھ اس کے اختیار سے باہر ہو چکا تھا وہ ایک نا کام
 انسان کی طرح دریا کے قریب سے واپس نہیں جاسکتا تھا۔
 اس نے اپنا زدن اتنا ہوا تھا کہ آگے بڑھا دیا۔
 گودام میں واقعی افراتفری مچی ہوئی تھی۔
 زنگور نے ایک حافظہ کا ٹائی ان اٹھا لیا تھا۔ لانی اس کے
 ساتھ تھا۔ جبکہ سوامی تلے کی خبر سے ہی بدحالی کے عالم
 میں ہنہ خانے سے جا چکی تھی۔ اس وقت گودام میں موجود
 لوگوں کو ایک دوسرے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ سب کے سب
 عملاؤں کی گویوں سے بچنے کے لئے ابھر اُدھر بھاگتے پھرتے
 سب تھے۔ گودام کے ایک حصے میں آگ لگی ہوئی تھی جس
 کی وجہ سے رات ہوئے کے باوجود ہر طرف روشنی پھیلی تھی
 تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی منظم گروہ نے ریڈرنگ کے گودام
 پر حملہ کر دیا ہو۔
 لانی بہت پریشان اور بدحواس دکھائی دے رہا تھا
 جبکہ اس ہنگامے میں سوامی کا کوئی پتہ نہیں تھا۔
 زنگور نے باہر اہر حالات کا جائزہ لیا۔ اس کا ذہن بڑی
 تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس موقع پر اس کی ساری صلاحیتیں
 بیدار ہو گئیں تھیں اس نے، اندازہ کر لیا تھا کہ عملاؤں
 نے گودام اور اس سے ملحق عمارتوں کو لپٹے حصہ زمین لے
 لیا ہے اور وہی اس کو اس حصہ سے باہر لپٹنے نہیں دہی گے
 عملاؤں کو اس بات کا بھی اندازہ حاصل تھا کہ انہوں نے
 باقاعدہ آگے رکھی تھی۔ اور وہ اس آگ سے گولیاں چلا رہے
 تھے۔
 زنگور اہلانی اس وقت برآمدے کے ایک صلیب کے

عقب میں چھپے ہوئے تھے۔ جبکہ ریڈرنگ کے دوسرے
 لوگ اس برآمدے سے کچھ فاصلے پر تھے۔ وہ لوگ بھی گولیاں
 چلا رہے تھے۔ لیکن عملاؤں کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا۔
 کے خیال میں یہ کھیل خطرناک تھا۔ ریڈرنگ والے کسی وقت
 بھی مدد سے جاسکتے تھے۔
 پھر اچانک عملاؤں کی گولیاں چلی بنی ہو گئیں۔ باہر
 خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی نے زنگور کو اور بھی
 کر دیا۔ ریڈرنگ والے بھی دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ عملاؤں
 کا یہ رویہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ لیکن جب عملاؤں کی
 طرف سے ہیکار ایک اعلان کیا گیا تو گولیاں بند ہونے کی وجہ
 سمجھ میں آئی۔ کسی نے بلند آواز میں چیخ کر لائی اور سوامی کو آگے
 بڑھنے کی ہدایت کی تھی۔
 ”میں لانی اور سوامی سے کہتا ہوں کہ وہ دونوں اپنے
 ہاتھ اوپر اٹھا کر ہماری طرف آئیں۔“
 ”یہ کون لوگ ہیں زنگور لانی نے کتنی بولی آواز میں
 بلوچھا۔ کیا جانتے ہیں مجھے کیوں بلا رہے ہیں۔؟“
 ”یہ میں کیا بتا سکتا ہوں؟“ زنگور نے جواب دیا۔ ”بس مجھے
 رہیں کیا ہوتا ہے۔ جب کہ میں نہ ہوں آپ خاموش رہیں گے۔“
 ”میں صرف لانی اور سوامی کی ضرورت ہے۔ یہ اس آواز
 نے پھر کہا۔ ہماری دوسروں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم
 ان ذرائع کو آگے آنے کے لئے صرف دس منٹ کی جہت دیتے
 ہیں۔ اگر اس دوران وہ لوگ سامنے نہیں آئے تو دوسروں
 پر گولیوں کی فوج چلا کر دی جائے گی۔ ہم نے ہر طرف سے اس
 گودام کو گھیر رکھا ہے۔“
 ”آقا زنگور نے لانی کو غائب کیا۔ آپ ہمیں رکن میں
 آگے جا رہا ہوں۔“
 ”اتنا کہہ کر زنگور ہنگامتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ زمین
 سے چپکا ہوا کسی سانپ کی طرح رہا تھا۔ اس کا رخ ریڈرنگ
 کے ان لوگوں کی طرف تھا جو تذبذب کے عالم میں ہو چکے
 بنائے بیٹھے تھے۔ اس وقت صرف پانچ آدمی دکھائی دے
 رہے تھے۔ جبکہ دوسرے زنگور کی نگاہوں سے ابھل گئے۔
 زنگور بڑی خاموشی سے ریگتا ہوا ان لوگوں کے قریب
 پہنچ گیا۔ زنگور نے انہیں متوجہ کرنے کے لئے آواز نکالی۔ وہ
 پانچوں کو کھلا کر کچھ کی طرف بٹھے۔
 ”میں زنگور ہوں۔ زنگور جلدی سے بولا۔ گول دست
 چلنا۔ اس وقت تم لوگوں کے ساتھ میں بھی چھپنا ہوا ہوں۔“

ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جبروت سے بڑھا
 کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔
 ”اگر تم لوگ مجھ پر جو سر کرو تو میں ان لوگوں سے بات
 کر کے دیکھتا ہوں“ زنگور نے کہا۔
 ”تم کہا بات کرو گے؟ ان میں سے ایک خشوک انداز میں
 بولا: ”تم تو خود۔“
 ”میں تم لوگوں کا دشمن نہیں ہوں زنگور نے اس کی
 بات کاٹ دی۔ تم خود سوچو۔ میں تمہارا ساتھی تھا۔ مادام
 نے غصے میں آکر مجھے قید کر دیا تھا۔ اب اس وقت سب
 کے سب پیچھے ہوئے ہیں۔ اسی لئے تم لوگ مجھے اپنی ننگی
 پزلے کی اجازت دو۔ ورنہ ہم واقعی ان کے حصار سے نہیں
 نکل سکیں گے۔ انہوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔
 ”مثیک ہے؟ اس آدنی نے اپنی گردن ہلائی: ”میں
 بھی دیکھتا ہوں کہ تم کیا کرتے ہو؟“
 ”میں تمہارے لیڈر سے کچھ کہنا چاہتا ہوں زنگور
 نے حملہ آوروں کی طرف گردن اٹھا کر آواز لگائی۔
 ”سومالی اور لائی کو حوالے کرنے کے علاوہ اور کوئی بات
 نہیں ہوگا۔ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔
 ”ہم صرف لائی کو تمہارے حوالے کر سکتے ہیں زنگور
 نے کہا: ”سومالی تمہارے درمیان نہیں ہے۔ اگر تمہیں منظور
 ہے تو بتا دو۔ ورنہ ہم بھی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔“
 جواب میں کچھ دیر کے لئے خاموشی طاری ہوئی۔ کچھ دیر
 بعد ہی آواز نے مخاطب کیا: ”مثیک ہے۔ لائی کو آگے بھیج دو۔“
 ”لیکن اس سے پہلے میں تمہارے لیڈر سے بات کرنا
 چاہتا ہوں“ زنگور نے پھر اپنا مطالبہ دہرایا۔
 ”یہ کواں مت کرو؟ دوسری طرف سے بھلائی ہوئی
 آواز آئی: ”ہم تم سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ تم وقت ضائع
 کرنے کی کوشش مت کرو۔“
 ”تمہاری مرضی لیکن میں یہ بھی بتا دوں کہ تم لوگ لائی
 کو کہاں سے نہیں لے جا سکو گے تمہارا منصوبہ ناکام ہو جائیگا
 ”یہ بھی ای نہیں سکتا۔ ہم نے چاروں طرف سے نہیں
 گھیر رکھا ہے۔ اور احماد سے پاس اسٹوں کا ذخیرہ موجود ہے۔“
 ”اس کے باوجود تم لائی کو نہیں لے جا سکو گے۔ کیونکہ ہم
 نے اپنی بات منوانے کے لئے لائی کو کور کر رکھا ہے۔ اگر تم
 نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو لائی کو گولی ماری
 جائے گی۔ اور اگر اس کی لاش تمہارے کسی کام آسکتی ہے تو

لاش اٹھا کر لے جانا۔“
 ”تم تم جھوٹ بولتے ہو؟ دوسری طرف سے بوکھلا کر
 کہا گیا: ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“
 ”میں یقین دلائے کے لئے قسم نہیں کھا سکتا۔ تمہیں
 مجھ سے بات کرنی ہے تو تبادو۔ ورنہ۔“
 ”مٹو۔ اس آدنی نے جلدی سے آواز دی: ”میں ہی
 لیڈر ہوں۔ اور میں تم سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔
 لیکن تمہیں دو فوف ہاتھ اوپر اٹھ کر اٹھانا ہوگا۔“
 ”مجھے منظور ہے زنگور نے کہا: ”میں اسی طرح
 آ رہا ہوں۔“
 ”تم یہ سب کیا کر رہے ہو؟ ان پانچوں میں سے ایک
 بولا: ”اس طرح تو تم موت کے منہ میں چلے جاؤ گے۔“
 ”اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ مجھے ان کے
 حصار کو توڑنے کے لئے یہی کرنا ہوگا۔ ورنہ سب کے سب
 مارے جائیں گے۔“
 اتنا کہہ کر زنگور نے ٹانگیں ایک طرف رکھا اور زمین سے
 کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔ پھر وہ
 دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ ماحول پر سکوت طاری تھا
 اور گودام کی آگ ابھی تک ہلکے ہلکے جھپک رہی تھی جس کی وجہ سے وہ
 تمام حصار روشن ہو رہا تھا۔ زنگور کے سامنے ایک خشوک اور
 دو چھپ چھپ کھڑی ہوئی تھیں حملہ آوران ہی کا ڈولوں میں یہاں
 آئے تھے۔ اور اس وقت ان سبھوں نے ان ہی کا ڈولوں کی آڑ
 لے رکھی تھی۔ زنگور کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا اگلا قدم موت کی
 طرف جارہا ہے یا زندگی کی طرف۔ اس نے ایک بہت بڑا خطرو
 مول لیا تھا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے جس آدنی کی بات
 کرنے کے لئے بلایا ہے۔ وہ کس مزاح کا ہوگا۔ اس وقت اس
 کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ اور حملہ آور ہر قسم کے اسٹوں
 سے مسلح تھے۔ وہ اگر زنگور کی طرف گولیوں کی بجھاد کر دیتے تو
 وہ پھر بھی نہیں کہہ سکتا تھا اس کی زندگی حملہ آوروں کے رحم و
 کرم پر تھی۔ اس کے باوجود وہ بڑے مضبوط قدموں سے آگے
 بڑھا جا رہا تھا۔
 وہ ان کا ڈولوں سے کچھ فاصلہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا
 ہاتھ جیسے جسم اس وقت کسی دیوار کی طرح ایسا وہ دکھائی دے
 رہا تھا۔
 ”میں آیا ہوں“ اس نے ان کا ڈولوں کی طرف دیکھ کر آواز
 لگائی: ”اب وعدے کے مطابق تم نے اپنے لیڈر کو میرے پاس

بیچ دو۔“
 چن چن کی خاموشی کے بعد ایک جیب کی اوٹ سے
 ایک آدنی لکل کر زنگور کے سامنے آ گیا۔ اس شخص نے اپنے
 ہاتھ میں ایک لپتوں لے رکھا تھا۔ زنگور بڑی دلچسپی سے
 اس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس کے لئے ایک اجنبی آدنی
 تھا۔ اپنے طے سے وہ بھی ایک خطرناک آدنی معلوم ہوتا تھا۔
 وہ زنگور کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے قہقہہ اکر رہ گیا۔
 ”ہاں بتاؤ۔ تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے زنگور
 سے سوال کیا۔
 ”میں سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم سومالی اور لائی کے ساتھ
 کیا کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد ہی میں تمہارے سوال کا
 دوں گا۔“
 ”میرے پاس تمہاری باتوں کا جواب دینے کی ہمت نہیں
 ہے۔ اس نے کہا: ”تمہاری بہتری ای میں ہے کہ تم وہ لوں
 کو تمہارے حوالے کر دو۔ ورنہ تمہارے آدنی۔“
 ”تم یہ دھمکیاں اس سے پہلے بھی بتا دے۔ مجھے پتہ چلا
 نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی: ”مثیک ہے۔ تم اگر چاہو
 تو اپنے آدنیوں کو حملہ کرنے کا حکم دے سکتا ہو لیکن یاد رکھو
 کہ ایسی صورت میں نہ تو لائی تمہارے ہاتھ آنے کا اور نہ ہی
 سومالی ملے گی۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ تم کہہاں سے ناکام ہیں
 جانا ہوگا سمجھو۔“
 ”میں ناکام واپس چلنے کے لئے نہیں آیا میں ہر حال
 میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“
 ”مثیک ہے۔ تو پھر اپنی کوشش کر کے دیکھو تو زنگور
 نے لاہر دہائی سے جواب دیا۔
 اس شخص نے زنگور کی بات سننے ہی اپنا پستول والا
 ہاتھ اٹھا لیا اور اسی وقت اس گودام میں دوسری قیامت
 ٹوٹ پڑی۔ یہ گدھاں تھیں جو باتوں کی طرح اس طرف سے
 برسنے لگی تھیں جس طرف گودام میں آگ لگی تھی۔
 نہیں پہنچ رہی تھی۔ ان گولیوں کا رخ ان کا ڈولوں کی طرف
 تھا۔ جو حملہ آورا اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ پھر اس سے
 پہلے کہ گولیوں کی دوسری باڑھ ماری جانی زنگور نے بجلی
 کی تیزی سے اس آدنی کے پستول والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ
 مار دیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جا کر
 اس کے ساتھ ہی زنگور نے اس شخص کو اپنے ساتھ لے
 ہوئے ایک طرف چھلانگ لگادی۔ وہ دو لڑائی زمین

پر کچھ دور تک اڑھکتے چلے گئے تھے۔
 پھر یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس گودام کے احاطے
 میں کتنے لوگ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ زنگور
 کو تو یہی خیال ہی تھا کہ جیسے دو فوجیں ایک دوسرے
 کے مقابلے لگی ہوں۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ لائی اور
 سومالی کے آدنی احاطے میں کس طرف موجود تھے لیکن
 اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حملہ آوروں پر یہ جولی حملہ دہائی
 لے گیا ہوگا۔ وہ بہت پہلے تہ خانے سے نکل جانے
 میں کامیاب ہوئی تھی اور آتی دہ میں اس کے لئے آدنی
 اٹھ کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔
 زمین پر لڑھک جانے کے باوجود اس نے اس
 لیڈر کو نہیں چھوڑا تھا۔ وہ غصہ خود ہی گولیوں سے بچنے
 کے لئے اس کے ساتھ ہی چپکا ہوا تھا۔ اس وقت وہ دونوں
 ہی گولیوں کے زخم سے بچنے کے لئے ایک دوسرے کا سپہارا
 لے ایک طرف رہ گئے۔ پھر اس شخص نے رینگتے رینگتے
 کروٹ بدلی اور زنگور سے ایک طرف ہٹ جانے کی کوشش
 کی لیکن زنگور نے ایک کر اس کی گردن پکڑ لی اور تھکے دیتا
 ہوا لولا: ”نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔ ورنہ میں تمہاری
 گردن توڑ دوں گا۔“
 اس شخص نے زنگور کی گرفت سے اپنی گردن پھیلانے
 کی کوشش کی لیکن زنگور کی گرفت اتنی آسان نہیں تھی اس
 شخص کو زنگور کی قوت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی لئے اس نے
 اپنی ہمدردی ترک کر دی۔ اور ویسے بھی وہ برقی ہوئی گولی
 سے بچنے کے لئے زنگور کی بات ماننے پر مجبور سا ہو گیا تھا۔
 ”اسی طرح رینگتے ہوئے میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔“
 زنگور نے کہا: ”میں نہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔“
 اس نے زنگور کی بات پر ہنسنے نہیں کہا۔ وہ دونوں دھڑ
 دھڑے آگے بڑھتے رہے۔ زنگور اس احاطے سے واقف
 تھا۔ وہ اسی طرح اس شخص کو گودام کے اس حصے کی طرف
 رینگنے کے لئے مجبور کرتا رہا جس طرف نہ صرف اندھیرا تھا
 بلکہ وہ جڑ گولیوں کے کسی حرکت محفوظ بھی تھی۔ یہ دراصل
 اس گودام کا کچھ اگھر تھا۔ یہاں بے شمار غالی بولیاں اور
 ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ در در تک کڑا کرٹ
 پھیلا ہوا تھا۔ ویسے تو اس گودام کے ہر حصہ کو بہت صاف
 سمجھا جاتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس طرف توجہ نہیں
 دی گئی تھی۔ اسی لئے گودام کے اس حصے میں بد لوگ بچے

اچھے رہتے تھے اور گودا اس سے متعلق لوگ بھی اس طرف بہت کم آیا کرتے تھے۔ زنگور نے جب کے اس ذخیرہ کے بارے میں سنا تھا کہ یہ پورا داور کے زمانے سے بڑا ہوا تھا، لیکن اس نے کبھی اس پر گھرے کاٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر جب لائی اور سوائے نے دھوکے سے دلاؤ کو قید کر دیا اس وقت بھی یہ کچھ لائی طرح موجود تھا۔ یہ ہم لوگ اس طرف آ گئے۔ اب اس شخص نے زنگور کے ساتھ ساتھ رینگتے ہوئے کہا۔ وہ بدلو کی وجہ سے بہت پریشان ہوا تھا۔

”اس وقت جان بچانے کی بس یہی ایک جگہ ہے۔ زنگور نے جواب دیا۔ بس چپ چاپ میرے ساتھ رینگتے ہوئے چلے آؤ۔ ہماری طرف انکی تانی لے دھیان نہیں دیا ہے۔“

وہ دونوں ایک ڈرم کے عقب میں آکر کھڑے ہوئے گولیاں اٹھی تھیں چل رہی تھیں۔ دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی ہلکا مارنے کے لئے تیار نہیں تھا، لیکن وہ لوگ اب خطرے سے محفوظ ہو چکے تھے۔

”یہاں سے کون سا راستہ ہے باہر نکلنے کا؟“ اس آدمی نے جھلک کر پوچھا۔

”پہلے کا یہ ذخیرہ داور کے ساتھ خاصی بلندی تک چلا گیا ہے۔ زنگور نے بتایا۔ ہم اس ذخیرہ پر چڑھ کر دوسری طرف جھلانگ لگا سکتے ہیں۔“

وہ آدمی پھر تذبذب کا شکار ہو گیا۔ زنگور نے اس کی کشمکش کو بھانپ کر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچا شروع کر دیا۔ اس نے اس وقت بھی خود کو زنگور کی گرفت سے چھلانے کی کوشش کی لیکن زنگور نے کسی آنے زنگور سے کی طرح اسے جکڑ لیا تھا۔ اسی لئے وہ اپنی کوشش کے باوجود ایک قدم بھی آگے نہیں جاسکا۔

”اب چلو آگے“ زنگور نے اسے دھوکے کی طرف دھکا دیا۔ وہ آدمی دو قدم آگے بڑھا پھر ایک کی سانپ کی طرح پٹ پٹا اس کے ہاتھ میں جا تو جکڑ لیا تھا اور اب تک چورنگی رہے ہوئے تھے۔ زنگور انکی کھینچنے سے جبرک انھیں اس شخص نے چاقو والا ہاتھ آگے بڑھا یا اور دوسرا ہاتھ ایکون پھیلا دیا۔ اس کی نگاہیں زنگور پر جمی ہوئی تھیں۔ اب طرف اندھیرا تھا۔ اس کے باوجود دستاروں کی روشنی انکی کھینچنے میں اس شخص کے تیمور اور اس کے ہاتھ میں چمکنا

ہوا چاقو صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چاقو قبیلے کا زنگور نے بتا رہا تھا کہ وہ اس فن اناڑی نہیں ہے۔ زنگور نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں جمادیں وہ اس شخص کے مقابلے میں ہنستا تھا۔ لیکن اسے اس شخص کی طرف سے زیادہ پریشانی نہیں تھی۔ اصل مسئلہ انگوں کا تھا جو دوام میں ایک دوسرے پر گولیاں برس رہے تھے ان میں سے کوئی بھی اس طرف آ سکتا تھا۔ اسی لئے زنگور آؤ جو کچھ بھی کرنا تھا وہ جلدی کرنا تھا۔ وہ اس شخص کی ہمتی جنگ کو طول نہیں دے سکتا تھا۔

اس شخص نے چاقو والا ہاتھ بھانپا۔ اس نے بہت جرات کے ساتھ یہ حملہ کیا تھا لیکن زنگور نے اس کے تیمور بھانپ لئے تھے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شخص کا ہاتھ کس طرف جائے گا۔ اسی لئے وہ اس کی حقانی سمیت ہتھک گیا اور جھٹکتے ہی اس نے ایک ٹیک لک اس شخص کے گھٹنے پر رسید کر دی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ لہراتا ہوا ایک طرف گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ زنگور کی کھوکھار کھوکھار کی طرف بڑھ کر گئے ہی، زنگور نے اس پر جھلانگ لگا دی تھی وہ اس شخص کے جسم پر اس طرح آکر اس کے ایک ہاتھ نے اس شخص کے چاقو والے ہاتھ کو پانی گرفت میں لے لیا تھا جبکہ اس کے دونوں گھٹنے اس کے سینے پر پڑے تھے۔

اس شخص نے ایک زوردار جھج ماری اور اس وارے بری طرح تڑپنے لگا۔ چاقو بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ اس میں اب خود کو پانی کی بھی ہمت نہیں رہی تھی زنگور نے جلدی سے کھڑے ہو کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور اسے دیوار کی طرف کھینچ کر شروع کر دیا لیکن وہ اس طرح زیادہ دیر نہیں جاسکا تھا۔

اچانک اس کا پیر کسی محسوس چیز سے ٹکرایا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ پچھلے کے ذخیرہ پر گر پڑا اور اس کے گرد ہی اس ذخیرہ میں پٹی پٹی لڑخاں بھرنے لگی۔ اس نے ابھی اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا گرفت میں لے رکھا تھا۔ زنگور نے جاری سے کھڑا ہونا چاہا لیکن اس کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی پچھلے کا ذخیرہ درمیان سے اس طرح پھٹ گیا جیسے دیوار شنی ہوئی ہو۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن زمین میں نمودار ہونے والے اس غلغلے سے نکل لیا تھا۔ وہ نیچے زمین کی گہرائی میں ڈھسا چلا گیا۔ اس وقت اسے صرف اتنا یاد تھا کہ اس آدمی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی زمین کی

گہرائی میں اترتا چلا رہا ہے اور اس کی جھپیں بری طرح گونج رہی ہیں۔

رات گہری اور خشکی نے ہوئے تھی۔ داور کے ساتھ چلتے ہوئے نیلا کو خوف بھی محسوس ہوا رہا تھا۔ اس نے لپٹے میں بھی ایک دو بار داور کو اس کے ارادے سے ہلکے کی کوشش کی لیکن داور نے اسے جبرک کرنا شروع کر دیا تھا اس کی جبرک نے نیلا کو ہما دیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیتا غار باہر ہو۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ داور کی فطرت کا یہ وحشیانہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اسی لئے اس پر گہرے خوف سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ پر جبرکے ہوئے داور کا ساتھ دھپے چارہ لگتی۔ وہ جی اس وقت سسنا رہی تھی۔ اس کے سینے میں اپنے گھروں میں آرام کی نیند مڑ رہی تھی کبھی کوئی کتا انہیں دیکھ کر بھونکنے لگتا جاتا۔ پھر خود ہی غاموش ہو کر ایک طرف دوڑ جاتا۔ وہ دونوں اس وقت اس چندر کے مکان کی طرف جا رہے تھے جس کے ہالے میں بھلنے لے سے بتایا تھا کہ اسے طوائف بنانے کی ابتدا کرنے کی تھی۔ نیلا کی کہانی سننے ہی داور کے بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ براہوئے کے باوجود مڑوڑوں پر جبر کرنے والوں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کے نزدیک عورت کو جبر کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہمارے کرنے لئے پیدائی تھی تھی۔

وہ لوگ بستی کے مکانوں کا ڈانوں اور مڑوں کو چھوڑ کر ایک ایسے راستے پر گئے جس کے دو طرف درخت لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک کچا راستہ تھا۔ لیکن اس پر گاڑیوں کے گزرنے کے نشانات نہ پائے جاتے تھے۔

”یہی راستہ چندر کے مکان کی طرف جاتا ہے۔ نیلا نے دھیمی آواز میں داور کو بتایا۔

داور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ نیلا کو یوں لگا جیسے داور کی مسکراہٹ نے اس کے دل میں بسے ہوئے خوف کو کھوج کر پھینک دیا ہو۔ اس نے ایک لمحے میں شعلہ اور دھڑک میں غم بٹھائے ہوئے اس سے پہلے کبھی کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ داور کی مسکراہٹ نے اسے حوصلہ بھی دیا تھا اور کھٹکا کا احساس بھی ہوا تھا۔

کچھ دور کے بعد چندر کے مکان کے فروغ والہ واضح ہوئے لگے نیلا نے تمہیک مای کہا تھا۔ اس کا مکان بستی کا بس

سے بڑا مکان تھا۔ اس مکان کے گرد چہار دیواری لگی ہوئی تھی لیکن اس کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ چہار دیواری کے اندر کچھ بیکس بھی بنے دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان بیکسوں سے کچھ بٹ کر چندر کا مکان تھا۔ چندر کو چھو کی سی طرف سے خطرے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی لئے چہار دیواری کے گیٹ پر کسی بہریداری کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ”کیا تم یہاں سے تہا داپس جاسکتی ہو؟“ داور نے نیلا سے پوچھا۔

”نہیں! نیلا اچھی بولی بولی میں سمجھتی ہوں کہ میرے لئے بہت مشکل ہوگی۔ راستہ بھی!“

”ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“ داور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”میں تمہیں کسی جگہ بیٹھا کر خود مکان میں داخل ہو جاؤں گا۔“

داور کے مقبوض ہاتھ کے لمس نے نیلا کے بدن میں حرارت کی دھڑادی۔ ایسا لڑکھا لگا اور یہ لطف احساس اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کی زندگی میں بے شمار روکنے تھے جبریت ہی تھی لیکن وہ دھڑکتے۔ لیکن ان میں سے کسی کا لمس ایسا محسوس ہوا تھا۔ داور کے لمس میں حرارت کے علاوہ مکمل محفوظ کا احساس بھی تھا۔

وہ دونوں احاطے کے گٹ کو کھول کر لندرا گئے۔ چندر کے مکان اور بیکسوں میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ البتہ صرف ایک جگہ ہلی کی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ ایک کونہ تھا جو احاطے کے ساتھ ساتھ بیروں کے سلسلے کے پاس ہی بنا ہوا تھا۔ داور نے کچھ تلاش کرنے والے انداز میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں پھر اسے ایک ایسی پناہ گاہ دکھائی دے گی جہاں وہ نیلا کو کچھ دیر کے لئے چھپا سکتا تھا۔ وہ برآمدے کی بیڑیوں کے درمیان بنا ہوا خلا تھا۔ نیلا اس خلا میں اس کی واپسی تک دیکر بیٹھ کر رہا تھا۔

”نیلا! تم اس خلا میں دیک کر بیٹھ جاؤ۔ باوجود اسے بیڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہاں سے نہیں نکلنا۔“

نیلا اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس خلا میں بیٹھ گئی۔ داور کو اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ اس نے بیڑیوں کی طرف قدم بڑھا دیے۔ کچھ گھر کو توجہ کر رک گیا۔ اس مکان کے احاطے میں بنے ہوئے بیڑیوں اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ یہ بیڑیوں بنائی ہوئی تھیں۔ اس کے دل

میں ان ہر کوئی کو اندسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہونے لگی
چند سے اس کے لئے نشانہ جاسکتا تھا۔

وہ میٹر پہلے سے ان کے ہر کوئی کی طرف چل پڑا۔ ابھی
تک اس مکان کے اعلیٰ میں کوئی دھکا نہیں دیا تھا
بات داور کے حق میں جلدی تھی۔ وہ ایک ہرک کے خلاف
پہلے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا ایک کان اس دروازے سے لگا
دیا شروع شروع میں اندسے کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی
جیسے وہ ہرک بالکل خالی چلا ہو۔ پھر لوں لگا جیسے اس ہرک
کی کہ لوں اور دروازے کو ناخصل سے کھڑا جلد باہر نکلی
ای آواز اسے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ اندر کیا ہو سکتا ہے۔

اس نے کچھ متحرک ہو کر اسے دروازے پر دست دی
لیکن دستک کے جواب میں کسی کی آواز نہیں سنا دی۔ البتہ
ناخصل سے کھرنے کی آواز میں بدستور آئی رہی تھی۔ اس
کی حیرت بڑھتی چلی جلدی تھی۔ اس نے دروازے پر ہاتھ کا
دباؤ ڈالا اور وہ دروازہ اندر کی طرف کھل گیا۔

ہرک کے اندر اندر تھا۔ شروع شروع اسے کچھ دکھائی
نہیں دے سکا۔ لیکن جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں بیٹھنے
کے قابل ہو گئیں تو اسے کچھ بڑے دھکا دینے لگے۔ یہ بڑے
دروازے کچھ فاصلے پر ہرک کی ایک دیوار کے ساتھ ساتھ
لگے ہوئے تھے۔ اور اندھیرا ہونے کے باوجود داور کو اندر
ہو گیا تھا کہ ان تجربوں کی تعداد کسی طرح بھی سو ڈیڑھ سو سے
کم نہیں تھی۔ یہ بڑے ایک دوسرے کے اوپر اس طرح کے
ہوئے تھے کہ ایک بلند دیوار سی بن گئی تھی۔

داور کچھ دیر تک دروازے پر کھڑا رہا۔ پھر ہرک کے
اندر گیا۔ وہ ان تجربوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔
اس نے تجربوں کی دیوار کی طرف قدم بڑھانے اور ان
کے دروں پر دوس سے کوئی چیز اٹھائی۔ اس نے جلدی سے
اپنے ہرک کو چھتا دیا۔ وہ چند اس کے ہرے الگ ہو کر دھپ
سے ایک طرف جا گری۔ داور نے اس چیز کو پہچان لیا وہ ایک
چھ ہاتھ جو اندھیرے میں اس کے ہر دوس سے آکر ٹکرائی تھا
چھ ہرک کو دیکھ کر داور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس
نے دو قدم اور آگے بڑھانے احساس ہر ایک دقت کی
چھ ہرک اس کے ہر دوس سے آکر ٹکرائی تھیں۔ داور کو ان کے
لچھے جسموں کا گہرا اثر محسوس ہونے لگا۔ اس نے
جلدی جلدی اپنے دونوں ہرکوں کو چھتا دیا۔ لیکن ان کی تلو

بڑھتی چلی جاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ باقاعدہ داور پر
حملہ آور ہوئے ہوں۔

اس نے داور کو احساس ہوا کہ ان تجربوں میں چھ ہرک
ہوئے تھے۔ اس نے جو آوازیں سنی تھیں وہ ان کی چھ ہرک کی
تھیں جو اپنے ناخصل سے تجربوں کی دیوار سے چھ ہرک
پہلے لگے داور ہر ایک اور انکشاف ہو۔ یہ انکشاف بھی بہت
حیرت انگیز تھا۔ وہ چھ ہرک ناخصل سے چھ ہرک رہتے
اس ہرک کر رہے تھے لیکن بالکل خاموش تھے۔ یہ ایک ایسی
حیرت انگیز بات تھی جو اس سے پہلے داور کے مشاہدہ میں نہیں
آئی تھی۔ بلکہ اس سے پہلے لگے چھ ہرک بھی نہیں دیکھے تھے
اگر ان چھ ہرکوں میں ہونے کی صورت ہوئی تو وہ اب تک چھ
چھ کر کے ہرک ہر ایک اپنے سر پر اٹھا لیتے۔

چھ ہرک ہرک ہرک کے ہر دوس سے اپنے ہرک سے
تھے۔ اس دوران کی چھ ہرک اس کے ہرک کی قدرتوں سے لگے
بھی گئے۔ لیکن مرتے وقت بھی انہوں نے کوئی آواز نہیں
نکالی تھی۔ داور کو اگر معلوم ہوتا کہ ہرک کا دروازہ کھلتی
اس مصیبت میں پھنس جانے کا تو وہ بھی اس طرف آنے کی
حماقت نہیں کرتا۔ اس نے بچپن میں پڑا ہرک کے صندوق کی
بھائی بڑی تھی۔ ہرک کا دروازہ اس کیلئے پڑا ہرک کا صندوق
بن گیا تھا۔ وہ چھ ہرک ہرک کی طرح تجربوں سے ہرک ہرک
کر رہا کر رہے تھے۔ اس سے اپنے چھ ہرک سے تھے۔ وہ ہرک
اس ہرک میں کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنے ہرکوں
کو چھتے ہوئے دروازے سے باہر چھلا لگا دی چھ ہرک
میلاب اس سے پیچھے رہ گیا۔ لیکن ابھی کچھ چھ ہرک کے ہرک
میں اپنے ہرک سے دانت گڑھنے ہوئے تھے۔ داور نے ہرک
سے باہر آنے کے بعد ان چھ ہرک کو اپنے ہرک سے چھتے
کھینچ کر لگ کر داور کے مکان کی طرف دوڑ لگا دی چھ ہرک کی
فوج اس کے تعاقب میں تھی۔ چھ ہرک اب میلاب کی طرح امڈ
امڈ کر ہرک کے کھلے ہوئے دروازے سے باہر آنے لگے تھے۔
دوڑتے دوڑتے داور نے داور کے ہرک کر دیکھا۔ باہر سڑکیں
کی روشنی میں وہ چھ ہرک اب حریف دکھائی دے رہے تھے۔ داور
کے اندر اس کے مطابق ان کی تعداد ہزاروں کے لگ بھگ
تھی۔ اور ان کی جماعت کی کچھ تھی۔ داور نے اپنی زندگی
میں ایک ساتھ اتنے چھ ہرک بھی نہیں دیکھے تھے۔ ان کے دھننے
سے کسی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے کوئی ٹرین زمین کو ادھیرتا
ہوا چل رہا ہو۔ اہل کال یہ تھا کہ سب کے سب گئے تھے داور

اب دوڑتے دوڑتے میٹر دھنوں کے قریب آچکا تھا جس کے
خلا میں اس نے نیلا کچھپنے کے لئے کہا تھا۔

چھتے نے شاید دھنوں سے داور چھ ہرک کے درمیان
ہوں۔ دوڑ دیکھتی تھی۔ ای لے وہ میٹر کی سے باہر نکل آئی
تھی۔ اور دونوں ہاتھ ہرک داور کو تیز دوڑنے کا اشارہ کر رہی
تھی۔ دوڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ نیلا ہرک کی طرح خنجر
دکھائی دے رہی تھی اس کی آنکھیں دشت سے بچتی ہوئی تھیں
”بھگوان کے لئے۔ یہ سب کیا ہے؟ وہ کاہنتی ہوئی آواز
میں بولی۔ یہ تو چھ ہرک کا سیلاب معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں۔ اب یہاں سے بھاگ۔ یہ چھ ہرک کوشت خور
معلوم ہوتے ہیں۔“ داور نے کہا۔
”کہاں سے بھاگیں۔ وہ تو ٹکٹ تک بھاگے ہوئے ہیں
نیلا خوف سے لرزتی ہوئی بولی۔

داور نے ٹکٹ کی طرف نگاہ کی۔ ان چھ ہرک نے ٹکٹ او
ان لوگوں کے درمیان ایک سمندری کھال کر دی تھی ہزاروں
چھ ہرک کے آس پاس کھلا رہے تھے وہ ہرک سے لکل
کر بڑھتے ہی چلے کر رہے تھے۔

”اب کیا ہوگا؟ نیلا نے بوجھا خوف کی وجہ سے وہ
داور کے بالکل قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

”چھتے“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ہمیں چھتے پر
پہنچنا ہوگا۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، ہرک چھ ہرک
کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

ان خون خوار چھ ہرکوں کا ہر ایک اب میٹر دھنوں کے قریب
پہنچ چکا تھا۔ ان کے ناخصل کی سرسراہٹیں ہر طرف گونج رہی تھیں
داور نے نیلا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ اسے اس
ہات کی بددعا ہی نہیں رہی تھی کہ اس طرح اس مکان کا کوئی
شخص انہیں دیکھ بھی سکتا ہے۔ اس وقت اصل مسئلہ ان
چھ ہرکوں سے بچنے کا تھا۔ جو چھ ہرک ہوئے ساہلوں کی طرح ان
دونوں کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

داور نیلا کو لئے ہوئے اس مکان کے عقبی حصے میں
آ گیا۔ یہاں ایک کھڑی تھی جس کے کالرس سے چھتے کا فاصلہ
بہت کم کر گیا تھا۔ داور کے لئے تو چھتے پر جانا مشکل نہیں
تھا لیکن اصل مسئلہ نیلا کا تھا۔

”تم میرے کندھے پر کھڑی ہو کر کالرس پر چھو جاؤ۔ داور
نے کہا۔ وہ دونوں اب اس کھڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔
”تمہارے کندھے پر نیلا کچھ لگنے لگی۔“

”جلدی کرو۔“ داور نے کہا۔ ”جو چھ چلے آ رہے ہیں۔“
وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس نے سہارا دینے کے لئے

نیلا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ نیلا اس کے ہاتھوں کو
مضبوطی سے تھاں کر اس کے شانے پر کھڑی ہوئی۔ داور اس
کا وزن سمجھ لے ہوئے دھیرے دھیرے کھڑا ہو گیا۔ نیلا کا ہاتھ
کالرس تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے کالرس کے کنارے کو مضبوطی
سے پکڑا اور ہاتھ اسے اوپر اٹھنے کی بھرہو کسی دھکی طرح
کالرس تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس کے کالرس
پر چلے ہی داور نے بھی ایک کر کالرس کو پکڑا۔ نیلا نے دھکی
ہاتھوں کے بل پھر اوپر اٹھنا ہوا خود بھی کالرس تک پہنچ گیا۔
اب ان کے لئے اگلے مرحلہ کالرس سے چھتے تک پہنچنے کا تھا
لیکن اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ ہشک اسی وقت
مکان کے سامنے والے حصے سے کسی کی آواز سنائی دی۔

”یہ چھ ہرک کیسے کھل گئے؟“ کسی نے پکار کر کہا۔
”ہرک کہاں ہوئے لوگ؟“
”جواب میں کسی طرف سے دوسرے آدمی کی آواز آئی۔
”ہرک اپنی کھڑی میں ہیں باس۔“

داور کے پیچھے پہلی آواز کے مالک نے انہیں ڈانٹ
دیا۔ دیکھتے نہیں چھ ہرکوں سے نکل آئے ہیں۔ جلدی
سے نمونہ لاکر فائر کرو جلدی۔“
”یہ آواز چھ ہرک سے نیلا نے مرگوشی میں بتایا۔
اس کیلئے کی آواز اچھی طرح پہنچی تھی۔“

اسی وقت داور کو ہلکے محسوس ہوا جیسے کسی چیز کی ہل
آہستہ آہستہ شدت اختیار کرنے لگی تھی۔ داور کو ایسی ہل کا
تجربہ بھی پہلے نہیں ہوا تھا۔ اس میں گوشت کے چھلنے سے لے
کر کرے سے لے کھنے والی بو تک کا اثر شامل تھا۔ وہ ہل
نا قابل مروت تھا، ہوتی جاری تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی
ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ چھ ہرک کے دوڑنے کی آواز
رگ نہیں جیسے اس ناقابل برداشت ہل دے انہیں آگے
بڑھنے سے روک دیا ہو چھ ہرک کے ناخصل کی آواز زیادہ حیر
تک نہیں رہی رہی تھی۔ وہ آوازیں پھر کرنے لگیں اس
بار وہ آوازیں بڑھنے کی بجائے گھٹتی جاری تھیں جیسے
رفتہ رفتہ سارے چھ ہرک اپنی اپنی ہرک میں واپس چلے گئے
ہوں۔ وہ لوگ جہاں کھڑے تھے۔ وہاں سے وہ چھ ہرک
دکھائی تو نہیں دے رہے تھے لیکن بڑی آسانی کے ساتھ
یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ چھ ہرک واپس چلے گئے ہیں۔

"نکتن ہے چہے واپس چلے گئے نیلما داور نے کہا۔
 ان کی طرف سے خطرہ ٹل گیا ہے۔"
 "لیکن سب کیا تھا اور وہ بدلو کیسی تھی۔ مجھے تو ایسا
 لگا جیسے سدا صدق پھٹنے والا ہو۔"
 "میرا خیال ہے کہ وہ چہے ایسا بدلو کی وجہ سے واپس
 گئے ہیں۔ یہ بھی نہیں آتا کہ چند نے اتنے چہے کیوں
 جمع کر رکھے ہیں۔"
 "سب چہے واپس چلے گئے پاس۔ اسی وقت کسی
 آدمی کی آواز سنا دی۔
 "تم لوگ کہاں سرگئے تھے؟ چند کی آواز سنا دی؟"
 اگر یہ چہے باہر نکل جاتے تو مصیبت آ جاتی۔
 ہم لوگ ذرا باہر گئے، ہونے تھے پاس، دوسری آواز
 نے جواب دیا۔ ہمیں خیال بھی نہیں کہ چہے اس طرح
 نکل آئیں گے۔"
 "آئندہ سے احتیاط رکھنا اور سوز لپٹنے سے بچنا۔"
 "کرو؟ چند نے کہا۔
 اس گفتگو کے بعد قدموں کی آوازیں سنا دیں پھر
 خاموشی ہو گئی۔ چند کی باتوں نے داور کے لیے ایک نئی بات
 پیدا کر دی تھی۔ چند نے یہ چہے کسی خاص مقصد سے
 جمع کر رکھے تھے۔ اور ان چہوں کو سوز نانی کسی چیز کے
 ذریعے واپس چلنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔
 "تم یہاں پہلے بھی تو آجی ہو؟ داور نے کچھ سوچ کر
 نیلما سے کہا۔ کیا تم نے چہے نہیں دیکھے تھے؟
 "نہیں، نیلما نے جواب دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی
 تھی کہ اس مکان میں اتنے چہے ہوں گے۔ یا ہو سکتا ہے
 کہ اس وقت چہے نہ ہوں؟
 "یہی ممکن ہے۔ داور نے پھر خیال انداز میں لہٹی
 گردن ہلاتی۔
 "اب کیا کرو گے؟ نیلما نے پوچھا۔ میرا خیال ہے کہ
 ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"
 "نہیں، میں اپنا کام کے لیے واپس نہیں جاؤں گا۔"
 داور نے کہا۔ بلکہ ان چہوں کی وجہ سے میری دلچسپی بڑھ
 گئی ہے۔ میں چند سے یہ سب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"
 نیلما نے کچھ ہنسنے کی کوشش کی، لیکن اپنے ہونٹوں
 پر ہرمان پھر کر رہی۔ وہ داور کو اس کے فیصلے سے ہنسنے
 رکھ سکتی تھی۔ داور کھ دیر تک خاموشی سے مکان میں پیدا

ہونے والی آہٹوں کو سنتا رہا۔ پھر جب مکمل سنا لیا تھا
 تو اس نے نیلما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 "اب میں جا رہا ہوں۔ اس وقت تمہارے بڑے
 سے محفوظ جگہ پر بیٹھ کر بیٹھ کر بیٹھ کر بیٹھ کر
 کر بیٹھ جاؤ۔ اندھے میں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ میں
 بہت جلد آنے کی کوشش کروں گا۔"
 نیلما نے خوفزدہ لگا میں داور پر ڈالیں۔ اپنا ہاتھ
 آگے بڑھا ہاتھ پھر جھک گئی۔ داور نے اس کی طرف دھیان
 دینے پر کارن سے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نے یہ اندازہ
 کر لیا تھا کہ اس مکان میں زیادہ آدمی نہیں تھے۔ چند ایسا
 تھا۔ ورنہ اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو چہوں کا ہنگامہ
 سن کر وہ بھی باہر آ جاتا۔ لیکن چند اور اس کے دونوں
 آدمیوں کے علاوہ کسی اور کی آواز سنا دی نہیں دی تھی کارن
 سے نیچا کر داور نے اوپر دیکھا۔ نیلما اس کی بات کے
 مطابق داور سے چپک کر بیٹھ گئی تھی۔ اور اندھے میں
 دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
 داور چند لوگ کھڑی کے پاس کھڑا ہوا سوچتا رہا۔ پھر
 اس نے کھڑی پر لہٹا ہاتھ رکھ دیا۔ کھڑی کے پاس سے ہٹ کر
 مکان کے بائیں پہلو کی طرف لہٹا۔ یہاں بھی کھڑی تھی۔ اور
 اتفاق سے یہ کھڑی کھلی ہوئی تھی۔ داور اس کھلی ہوئی کھڑی کے
 پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اندر خاموشی تھی۔ چہوں سے نمٹ کر چند
 شاید پھر کھڑے کے لیے جا چکا تھا۔ داور چند لمحوں تک اسی
 کھڑی کے پاس کھڑا رہا۔ پھر اس نے آگے کھڑی کے کنارے
 بڑے اور ایک جست میں کھلی ہوئی کھڑی کے ذریعے کمرے
 میں داخل ہو گیا۔
 اس کمرے میں اندھرا تھا۔ وہ اپنی آنکھیں بھرا بھرا کر
 چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھے
 میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ اس مکان
 کے باورچی خانے میں کھڑا تھا۔ اس باورچی خانے کی ایک دیوار
 کے ساتھ ایک بڑا سا فریج رکھا ہوا تھا۔ اور اس کے برابر
 برتنوں کی ایک المی تھی۔ باورچی خانوں سے اٹھنے والی
 مخصوص بو اس باورچی خانے میں بھی موجود تھی۔
 داور نے احتیاط سے قدم بڑھائے اور باورچی خانے کا
 دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اب وہ اس مکان کے کھانا خانے
 میں کھڑا تھا۔ اس کمرے میں کون کون کا ایک بلب بھی روشن تھا
 جس کی وجہ سے وہ کمرہ اور اس میں رکھی چیزیں صاف

دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی کھڑکیوں پر موٹے پردے
 پٹے تھے۔ اس نے کمرے کی روشنی باہر سے دکھائی نہیں دے
 رہی تھی۔ اس فریج کے درمیان دو دروازے تھے۔ جن میں
 سے ایک چند کی خواب گاہ کا دروازہ ہو سکتا تھا۔
 یہاں آنے کے بعد داور کے اس اندازے کی تصدیق ہوئی
 کہ اس مکان میں چند کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اگرچہ اس وقت
 تو اب تک دکھائی دے جاتا۔ داور نے اپنی جیب میں ہاتھ
 ڈال کر گمان دار چاقو نکال لیا۔ وہ صرف یہی ایک ہتھیار اپنے ساتھ
 لیا تھا۔ اس نے چند کو جس قسم کی سزا دینے کا ارادہ کیا تھا
 سزا دی چاقو کے ذریعے دی جا سکتی تھی۔
 وہ جبے پاؤں چلتا ہوا ایک دروازے کے پاس آکر کھڑا
 ہو گیا۔ اس نے اس دروازے سے بھی اپنا کان ڈال دیا۔ اندھ
 تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ کر دوسرے دروازے کے پاس
 لہٹا۔ یہاں میرا خاموشی نہیں تھی بلکہ اندھے خراٹوں کی آوازیں
 سنا دیں۔ وہ یہ تھیں۔ ان آوازوں کو سن کر داور کے ہونٹوں
 پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کی آنکھیں اس چیز کی آنکھوں کی
 طرح چمکنے لگیں جس نے اپنا منہ دکھ لیا ہوا۔ اس نے دروازہ
 کھولنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ یہ دروازہ اندھے ہونٹوں
 دروازے کو بند پا کر داور کے منہ میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ دیر
 کہ اس نے زور زور سے دھک دینی شروع کر دی۔ چند لمحوں
 بعد اندھے چند کی جھلائی ہوئی آواز سنا دی۔ کون ہے۔
 کیا مصیبت آگئی؟
 "چہے پھر باہر آئے ہیں پاس۔ داور نے دانٹوں کو
 بھینچتے ہوئے کہا۔
 اس کی بڑے زور سے کھلیا ہوا ہوئی تھی۔ چند نے آگے بڑھ
 کر ایک جھکے سے دروازہ کھول دیا اور دیکھنے لگا۔ وہ اپنے چاقو والے ہاتھ
 آگے بڑھایا اور چاقو کی نوک چند کی گردن پر رکھ دی۔ چند
 خوف سے رزنے لگا تھا۔ اس کی بصورت آنکھیں اپنے ہاتھوں
 سے باہر لگتی تھیں۔ نیلما نے اس کے بارے میں غصہ ہی
 کہا تھا۔ داور نے اپنی زبانی میں اس سے زیادہ بد صورتی اور
 کہیں نہیں دیکھی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے دنیا جہان کی بد صورتی
 ایک ہی جگہ سے اس کی صورت سے نکلتی ہوئی ہو۔ بد صورتی کے ساتھ
 ساتھ اس کی صورت سے کراہت بھی محسوس ہوتی تھی۔
 "شہوت کرنا اور غرا پنا۔ ورنہ چاقو کی نوک دوسری
 طرف نکال دوں گا۔"
 اتنا کہہ کر اس نے چاقو پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور چند کی گردن

ہوا کی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ داور نے کمرے میں آنے کے بعد
 پھرتی سے دروازہ بند کیا اور دوبارہ چاقو کی نوک اس کی گردن
 سے لگا دی۔ اس غلط شخص کے سامنے اس کراس کا غصہ بڑھتا
 چلا جا رہا تھا۔
 "کون ہو تم؟ چند نے پوچھا۔
 "تمہارا باپ؟ داور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ میں
 نے یہ مسئلہ یہ کہ تم نے اب تک بہت عیش کئے ہیں۔ یہ غم
 خور کوئی مجبوروں سے فائدہ اٹھا پایا ہے۔ کیوں؟
 "یہ۔ یہ جھوٹ ہے۔ چند غصہ لگتے ہوئے بولا۔ میں
 میں ایسا نہیں ہوں۔"
 "تو اس بند کو؟ داور نے چاقو کی نوک سے اس کی گردن
 میں ایک خراش ڈال دی۔ اس خراش سے سرخ خون کی
 لہر چمکنے لگی تھی۔ بیچ بیچ میں توراؤں میں نہیں جان سے مارا
 گا۔ تم نے اب تک کتنی مجبور خورقوں سے فائدہ حاصل کیا ہے
 جھوٹ۔ لے لے کوشش مت کرنا۔"
 "وہ۔ وہ سب پیسے لینے کے لیے میرے پاس آتی تھیں
 چند نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں ان کو پیسے دیتا تھا۔"
 "تم نے پھر جھوٹ بولا۔ داور غرا پنا۔ وہ سب تمہارے
 پاس پیسے کے لیے نہیں بلکہ میری روٹی کے لیے آتی تھیں۔
 ٹھیک ہے نا؟
 "ہاں، ٹھیک ہے۔ چند نے ایک گہری سانس لی۔ ان
 سے تمہارا کیا تعلق ہے بھائی؟ تم تو یہاں کے معلوم کی نہیں
 ہوتے ہو۔"
 "یہ میری روٹی نہیں کہاں سے ملتی ہے؟ داور نے پوچھا۔
 "کالی موت کے آدمی میری روٹی لاکر دیا کرتے ہیں۔ چند نے
 جھکے ہوئے لہجے میں بتایا۔ بھنگان کے لئے جھٹ سے اور کچھ
 مت پلو پھو۔ ورنہ وہ مجھ جان سے مار دے گا۔ وہ بہت
 خطرناک آدمی ہے۔"
 "خطرناک تو ہیں بھی ہوں؟ داور غرا پنا۔ اسی نے جو کچھ چھتا
 ہوں بتاتے جاؤ۔ ورنہ داور کچھ کر دے گا۔ کالی موت کون
 ہے۔ کہاں رہتا ہے؟
 "کوئی نہیں جانتی۔ کوئی نہیں معلوم کر دے گا۔ کون ہے اور
 کہاں رہتا ہے۔ اس کے آدمی اگر کچھ سے رابطہ پر کر لیں تو
 منشیات دیا کرتے ہیں۔ تاکہ میں تیری والدین کو اس کا مادی بھلاؤ
 ہوں۔ داور نے ایک گہری سانس لی۔ اور یہ خورقوں کا
 کیا چکر ہے۔ کیا یہ بھی کالی موت کے حکم سے ہوتا ہے؟"

”نہیں“ چند جلدی سے لولہ بڑا ہوا کالی موت کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا کام ہے۔
 ”لوگ تو خوں کو تباہ کرنے کی ذمہ داری صرف تم پر ہے۔
 ہاں۔ دیکھو میں نے تم کو قح و رخ بتا دیا ہے۔ اب تم مجھے چھوڑ دو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ تم جو مانگو گے وہ میں دے دوں گا اگر تمہیں ہیر و من چاہئے تو اس کرے میں بھی کی تمہیلا رکھی ہوئی ہیں۔ وہ میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ دولت چاہیے تو وہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ اس کے علاوہ تم جو چاہو۔
 ”خیر۔ مجھے جو کچھ چاہئے وہ تو میں دھول کر لی لوں گا۔ لیکن اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے چھپے کیوں پال رکھے ہیں۔ تم ان سے کیا کام لیتے ہو؟“
 ”یہ میں نہیں جانتا ان سے کیا کام لیا جاتا ہے“ چند نے جواب دیا۔ ”کیونکہ“

”میں“ یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ میں کلکتہ میں بھی ایسی کیا کرتا تھا۔ اکی تیس نے اس کوئی بات مان لی اور یہاں چلا آیا۔ اس دن اس کے بعد سے پھنس کر رہ گیا ہوں۔ ایک بار میں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اس نے میرے ہیروں کے دونوں انگوٹھے کھوا دیے اس دن کے بعد سے میں اس سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ میری ہمت نہیں بڑی کہ اس کے خلاف کچھ کر سکوں۔“
 ”لحد تو تم ہیر۔ اگر تم اتنے ہی بزدل ہو تو تمہیں ان دھندوں میں بڑنے کے لئے کس نے کہا تھا۔؟“
 ”میں کیا کروں میں نے آج تک سڑاں بھڑائی نہیں کی۔ اپنے اڈے پر بھی اپنے آدمیوں سے کام لیتا ہوں۔ میں نے خود سے کچھ نہیں کیا۔ اسی لئے میں کالی موت یا تم جیسے آدمیوں کے سامنے....“

دوڑنے سے بات بوری کرنے کی ہمت نہیں دی تھی اس نے دوسرے ہاتھ سے ایک زوردار ٹپک چند کے چہرے پر رسید کر دیا۔ ٹپک کی چندر کوئی قدم بھی نہ چلا گیا۔ دوسرے ایک ہی تپک نے اس کی حالت خیر کر دی۔ وہ اس طرح کانٹے لگا تھا جیسے بوزا گیا ہو۔ دوسری توقع کے برعکس وہ بہت بڑل ثابت ہوا تھا۔ چڑھوں کے ساتھ زورہ کر خود بھی چہرے کی طرح ہو گیا تھا بلکہ اس کے ہمال پر دھڑکنے والے چہرے اس سے کہیں زیادہ خطرناک اور جنگجو تھے۔
 ”بھگوان کے لئے مجھے مت مارو۔ چندر گھبرا گیا تم ہوئے بولا۔ میں ان چڑھوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“
 ”پھر یہ جو ہے تمہارے پاس کہاں سے آگئے۔؟“
 ”میں نے یہ سب کالی موت کے کہنے پر کر لیا ہے۔“ چند نے بتایا۔

”مجھے اس وقت تمہاری بزدلی یا تمہاری بہادری سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ یہ جو ہے کس مرض کی دوا ہیں؟“
 ”بھگوان کی سونڈ میں نہیں جانتا۔ چند نے کہا ایک دنوں پہلے اس نے مجھے علم دیا تھا کہ میں اپنے آدمیوں کو بچہ بچہ جمع کرنے پر لگا دوں اور ان چڑھوں کو باہر ہر گولوں میں رکھتا جاؤں۔ اس نے مجھے چڑھوں کو کھلانے کیلئے خاص قسم کی غذا بھی دی تھی۔ اس کا تیرہ ہوا کہ ان چڑھوں کی آواز بند ہوئی یہ گوشتے ہوئے لیکن ان کی جسامت بڑھ گئی۔ اور یہ خود کھا ہوتے چلے گئے۔ اس نے مجھے موزنا کی ایک آنچ بھی دیا تھا۔ اس آٹے میں خاص قسم کا ٹیکسٹل موجود ہے۔ اس ٹیکسٹل کی بدولت جو بچہ بچہ لگا اپنے بچروں میں داپس چلے جاتے ہیں۔“
 ”یہ کام بغیر ٹیکسٹل کے تو نہیں ہو سکتا۔ کیا ان بچروں کو موز کی بو سے جھراؤ بڑوں میں جلنے کی ٹیکنک دی گئی تھی؟“

”ہاں“ چند نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ تم ٹیکسٹل جیتے ہو۔ کالی موت کے ایک خاص آدمی نے ان چڑھوں کو زندہ کر دیا تھا۔“
 ”کیا تم مجھے اس آدمی کا نام اور یہ بتا سکتے ہو۔؟“
 ”چند ہچکچاتے لگا۔ دوا کے ایک بار پھر چاقو کی ٹوک اس کی گردن بڑھ کر دی۔ ٹیکسٹل سے بتاتا ہوں۔ چندر ہچکھا کر بولا۔ اس کا نام سنو توش ہے۔ وہ کالی موت کا ایک بھاری بہ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ لیکن بھگوان کے لئے تم اس کے سامنے

میرا نام مت لینا۔ ورنہ کالی موت مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔“
 ”کون مت کرو؟“ دوا سرکرایا۔ کالی موت تمہاری حالت دیکھ کر تمہیں کوئی سزا نہیں دے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“ چند کے جیسے کارنگ تبدیل ہو گیا۔
 دوا نے اچانک ایک ٹھونس اس کی پٹنی پر رسید کر دیا۔ عین وقت پر چند نے اپنی گردن پیچھ پٹائی تھی۔ اسی لئے دوا کا ٹھونس اس کے شانے پر پڑا۔ دوا کو اس بزدل سے امید نہیں تھی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے ایسی جدوجہد بھی کر سکتا ہے۔ وہ دوا کے چاقو کی بدواہ کے بغیر اس سے لپٹ پڑا تھا۔
 دوا نے خود کو چٹک کر چند کو دھڑکنے کی کوشش کی لیکن وہ بلا کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔ دوا نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا چاقو ایک طرف ڈال دیا اور دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں بھنسا کر ایک زوردار دوہتر چند کی کمر پر رسید کر دیا۔ اس ضرب سے چند کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ دوا نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنا ایک گھٹا پوری قوت کے ساتھ اس کے پیٹ میں دے مارا۔ چند را بکاٹی لیتا ہوا دوا کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سامنے ہی دوا نے تازہ توڑی ٹھونس اس کے چہرے پر رسید کر دی۔

چند نے زیادہ دیر تک اپنے ہیروں پر بھڑکائیں نہ سکا۔ وہ کسی نئی طرح محسوس ہوا فزش پر دھیمہ ہو گیا۔ اس کے گردے ہی دوا نے جلدی سے چاقو اٹھا لیا۔
 چاقو کو دیکھ کر چند کی حالت خیر ہو گئی۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن دوا نے ایک ٹھونس اس کے چہرے پر رسید کر دی۔ اس ٹھونس نے چند کے کئی دانت بھاد دیے۔ اس کے منہ سے خون ابل ابل کر باہر گئے۔ لگا۔ دوا نے چاقو ایک اس کے پیٹ کے اوپر رکھ دی۔ اس وقت اس کی بے رحمی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔
 ”نہیں نہیں بھگوان کے لئے مجھے مت مارو۔ چند نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ بولتے ہوئے اس کے منہ سے خون کے جھینے اڑنے لگے تھے۔

”تمہیں کس نے کہا کہ میں تمہیں مارنے والا ہوں؟“ دوا نے مکرانے ہوئے کہا۔ البتہ میں تمہیں ایک ایسی سزا دی چکا ہوں کہ آئندہ سے تم کسی عورت کو برباد کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔“
 اس سے پہلے کہ چندر کچھ اور جبر سکتا دوا نے چاقو ایک سے ایک لپیٹ لپیٹ دی۔ چند کے کہنے اوپر سے یہ کچھ جیتے جیتے۔

ایک لمحے کا تحمل تھا۔ چاقو ابتر دوا سے چندر کو بھینٹنے سے ناکارہ کر دیا تھا۔ وہی ذرہ کئے ہوئے بکرے کی طرح اچھل رہا تھا۔ خون کے چھینٹوں نے دوا کے ہاتھ اور اس کے کپڑوں کو بھی رنگین کر دیا۔ چند پر غشی طاری ہوئے لگی تھی وہ چیختا ہوا تھکا تھکا دوا نے اس کے منہ کو اپنے مضبوط ہاتھ سے بند کر رکھا تھا۔ اسی لئے اس کی چیخیں اس کے حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئیں۔ چند لمحوں بعد دوا سے چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے خون میں بھیگے ہوئے چاقو کو چند کی کمر پر سے صاف کیا اور چاقو کو جب میں رکھ لیا۔ وہ کچھ تک چند کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ چند کو اگر طبی املا ملے گی تو وہ زندہ رہ جائے گا۔ اور طبی املا کے لئے اسے چند کے ان دونوں آدمیوں کی ضرورت تھی جو ابھی تو کڑی میں موجود تھے۔

دوا نے اسی حال میں چھوڑ کر سے باہر آ گیا۔ دوا کے لئے اس نے دوا راہ اختیار کی جس سے وہ مکان میں داخل ہوا تھا۔ نیلا ابھی تک کارلس بر دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی بیٹھی تھی۔
 ”آؤ نیچے آ جاؤ۔“ دوا نے نیلا کو سہارا دینے کے لئے اپنے ہاتھ کے بڑھا دیئے۔
 نیلا کسی بھی کی طرح دوا کے بازوؤں میں آگئی۔ دوا نے بڑی اسٹیلی سے اسے کارلس سے اتار کر زمین پر رکھ کر دیا تھا۔
 ”ہاں بتاؤ کیا ہوا۔؟“ نیلا نے دوا کی طرف دیکھتے ہوئے بول چھا۔ ”کیا تم نے اسے مار دیا۔؟“
 ”نہیں۔ بلکہ ایک ایسی سزا دے دی ہے جسے وہ اگر زندہ رہا تو ساری زندگی یاد رکھے گا۔ میں نے اسے غوروں کو فٹ دھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔“
 نیلا کانپ کر رہ گئی۔ دوا کی سزا اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔
 دوا کا یہ روپ اس کے لئے بہت خطرناک تھا۔

”اب تمہیں ایک کام کرنا ہو گا۔“ دوا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”چند ایک عیاش کوئی ہے۔ اسی لئے اس کے پاس غوروں کی آمد و رفت راقی ہوگی۔ ہم دونوں دوا کے ہونے کے باہر نکلیں گے۔ اس کے بعد تم کبھی دوبارہ گھٹ سے انرا لگاں بار آور دیتی ہوئی آنا۔ چند کے دونوں آدمی تمہارے پاس آ جائیں۔ تم انہیں یہ بتا سکتی ہو کہ چند نے تمہیں اس وقت بلایا ہے۔“
 ”کیوں! اس سے کیا ہوگا؟“ نیلا نے حیران ہو کر بول چھا۔
 ”میں اس سزا کے بعد اسے زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ دوا

نے جواب دیا "ایں تہیں اس کے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ
نہملی دوجہ سے وہ دونوں اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اس کے
بعد اسے اٹھا کر کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں کہ کیا حال ہے تم
یہ کام کر سکتی ہو؟

"کیوں نہیں جو تم چاہتے ہو میں وہی کر دوں گی؟"
داور نیلا کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ اس
نے یہ پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ اس مکان کے احاطے کی دیواریں
اتنی ہی نہیں تھیں۔ اور بڑی آسانی کے ساتھ ان دیواروں سے
اترنا جاسکتا تھا۔ وہ دونوں مکان کے عقبی حصے کی دیوار کے پل
آگئے۔ داور نے پہلے نیلا کو چار دیواری پر چڑھایا اس کے
بعد خود بھی چھ دیواری پر آگیا۔ پھر پہلے نیلا کی دوسری طرف
کو دی گئی نیلا کے بعد داور بھی دوسری طرف آگیا۔ اس کے
بعد وہ دونوں تیز قدموں سے ایک طرف چل دیئے۔ داور ایک
طرف رک گیا۔ گیٹ آگیا تھا۔
"اب تم جاؤ" اس نے نیلا سے کہا: "میں یہیں کھڑا

ہوں کہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں؟"
نیلا نے سچہری لگا ہوں سے دیکھا پھر تیز قدموں گٹ کی
طرف بڑھ گئی۔ داور وہیں کھڑا رہا تھا۔ اس نے نیلا کو گیٹ کے
اندراجے ہوئے دیکھا۔ کچھ دیر بعد اسے نیلا اور ان کی
کے لوٹنے کی آواز سنائی آئی۔ لیکن فیصلے کی وجہ سے
وہ یہ نہیں سن سکتا کہ وہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ بڑی
بے قراری کے ساتھ نیلا کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ نیلا نے
واپسی میں دیکھیں لگا کی تھی۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی گیٹ سے
باہر لگی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر داور خود بھی اس کی طرف بڑھ گیا
"ہو گیا؟ نیلا بھولی ہوئی سانسوں سے بولی۔ "ان آنکھوں
نے چند کاحال دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے میں بھاگ آئی؟"
"بس پھر ٹھیک ہے۔ آؤ یہاں سے چل دو" داور نے
کہا۔ بوجھ میں آتے ہی وہ لوگ تھیں تلاش کرنا شروع
کر دیں گے؟

وہ دونوں واپسی کے لئے تیز تر اس راستے کی طرف چل
دیئے جس راستے سے چند کے مکان پر پہنچتے تھے۔ واپسی کا
مفرجی مشکل ثابت نہیں ہوا تھا کسی قسم کی کوئی کاٹ مارنے
نہیں آئی تھی۔ اس کے علاوہ۔ یعنی میں بھی سکون تھا۔ اس
بستی کے ایک بدن نام شخص پر گزرنے والی قیامت کا کسی کو بھی
علم نہیں ہو سکا تھا۔
"کیا تم کالی مندر کے کسی سنوٹش مافی پجاری سے واقف
ہو؟" داور نے نیلا سے پوچھا۔

"ہاں" نیلا نے اس کی طرف دیکھ کر گئی گردن ہلادی
"میں اسے جانتی ہوں۔ وہ ایک بوڑھا آدمی ہے بہت نیک
تھیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟"
"اسی نے چند کے چاروں کو ٹریننگ دی ہے" داور
نے بتایا۔ پھر اس نے مختصر گفتگو میں نیلا کو چند سے ہونے
والی ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ نیلا بڑی حیرت سے سستی
رہی تھی۔

"یہ معاملہ تو کچھ سے باہر ہے" اس نے کچھ سوچتے ہوئے
کہا۔ "سنوٹش تو بہت شریف آدمی ہے۔ اس کے علاوہ پورے
کالی موت، ہی کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے۔ نہ چلے وہ کیا چاہتا
ہے؟"
"یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی جڑیں کالی مندر میں
معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس مندر کا ان واقعات
سے بہت گہرا تعلق ہے؟"

"ہاں۔ اب تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیا تم آج رات
سنوٹش کے پاس بھی جانے کا ارادہ کر رہے ہو؟" نیلا نے پوچھا
"نہیں" داور جواب دیا: "آج رات نہیں۔ آج میں بہت
تھک چکا ہوں۔ یہ کام کل کیا جائے گا؟"
نیلا مسکرا دی۔ اس کی یہ مسکراہٹ بھی بہت خوبصورت
تھی۔ جیسے بادش کے بعد آسمان گھر گیا ہو۔ داور کی بات سن
کر اسے خوشی ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے شوہر
کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا محسوس کیا تھا۔ اور شوہر نے ساتھ
بھی تحفظ کا ایسا احساس نہیں تھا۔ جیسا اس اجنبی کے ساتھ تھا
گھر آگیا تھا۔ وہ دونوں گھر میں آگئے۔ نیلا اسی طرح خوش
پر گیٹ گئی جبکہ داور مسہری پر مڑا ہو گیا تھا۔ اس کی کیفیت
بھی کسی طرح نیلا سے مختلف نہیں تھی۔ اس ٹکی کے کمرے میں
اسے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کی قوت میں دھوپ چھائی
کی کیفیت تھی، یہ لڑکی اپنا صاحب بکھیرا ہوا دیکھنے کے باوجود
بڑی دھیمی اور گھڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے حالات اس پر
اثر انداز ہوئے بغیر اس کے برابر سے گزرتے ہوں۔

کچھ دیر گزری۔ ان دونوں میں سے کسی کو نیند نہیں
آ رہی تھی۔ اس کے کمرے کا درجہ حرارت اچانک بڑھ گیا تھا۔ داور نے
نیلا کی طرف سے کمرے بدل کر لیا۔ پھر اچانک وہ ایک کھٹے سے اٹھ
بیٹھا۔ اس نے ایک آواز سنائی تھی۔ یہ آواز گرجہ بہت ہی تھی لیکن
اس کے حس کاؤں نے اسے دہم میں مبتلا نہیں کیا تھا۔
وہ گولی چلنے کی آواز تھی؟ آواز نہیں دے رہی تھی۔
"کیا بات ہوئی؟" اجنبی نے نیلا سے اسے میٹھے دیکھ کر سوال کیا۔

"میں سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی؟" داور نے جواب دیا۔
نیلا نے کچھ کہنا چاہا لیکن گولیاں چلنے کی آوازیں آنے
لگیں۔ اس بار یہ آوازیں اتنی واضح تھیں کہ باطل قریب معلوم
ہوئی تھیں۔ ان آوازوں کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے
چلنے چلنے کی آوازیں آنے لگیں تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا
تھا جیسے دشمنوں کی پوری فوج نے اس بستی پر حملہ کر دیا ہو۔
"میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں؟" داور مسہری سے بچے آگیا۔
"نہیں۔ تم مت جانا۔ نیلا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ
پکڑ لیا۔ وہ بہت خوفزدہ معلوم ہو رہی تھی۔ یہ وہی ہے ہاں
باطل وہی؟"

"کالی دایو داور نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا
کہا جاتی ہو؟"
"میں نے تم سے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک میدان
ہے۔ رات کے وقت اس میدان سے اس قسم کی آوازیں سنائی
دیتی ہیں۔ یہ وہی آوازیں ہیں؟"
"اگر ایسی بات ہے تو پھر میں ضرور جاؤں گا۔ تم دروازہ بند
سے بند کر لینا؟" داور نے اتنا کہہ کر دروازے کی طرف قدم بڑھا
نیلا اسے روکتی رہی تھی۔

مارگ واپس نہیں گیا تھا۔ داور نے اس کی خبر لینے کے
لئے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ ہر ایک جھٹکے سے بعد آواز سے
مارگ کے ہاں میں اطلاع دے رہا تھا۔ اس نے بتایا
تھا کہ مارگ کا پتھر جھٹکے کے گھر میں بڑے سکون سے ہے اور اسے
کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا گیا ہے۔ جہنہ مسلمان اور گھوس
کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

داور کو اب مومالی کی زیادہ فکر نہیں رہی تھی۔ اس نے
مارگ کو مومالی کو لانے کے لئے اس نے کہا تھا کہ اسے ایک
جوان جسم کے قرب کی ضرورت تھی۔ اس کا پتھر جھٹکے اگر آدمی کو
دفعہ وقفے سے عرصے کے مختلف حصوں میں مختص غذا فراہم
رہے تو اس کی توانائی اور صحت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ اور صحابی
ایک لڑکی لائی تھی جس نے ملنے کے بعد سے لے کر اب تک اسے
غذا پکے کی ہون کی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ طاور
نے اسی لئے مارگ سے کہا تھا کہ وہ مومالی کو اس کے پاس
لے آئے۔ اس طرح ایک تو اس کو مومالی کی قوت حاصل ہوئی
بھلا سے یہ معلوم ہوا تھا کہ مومالی لڑکی اس حد تک اس کے
مفاصل میں۔ اس طرح ایک پختہ دو کاج والی بات ہو جاتی لیکن
اب فیصلے بڑی حد تک مومالی کی کمی پوری کر دی تھی۔ اس
نے اسے احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ طاور سے اس کی ملاقا

کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ وہ ہادل کی طرح دلاور کی بجز
زمین پر مضبوط ہو گئی تھی۔ اس نے اتنے مختصر وقفے میں دلاور
پر اتنی فزائیش کی تھیں کہ دلاور کو لائی یا مومالی کی ہر آواز سن
رہی تھی۔ اس کی ہلا سے ان لوگوں نے چاہے اسے دھوکہ
دیا ہو یا اس کے ساتھ دفن داری کی ہو۔ اس نے ریلز سرکل
واووں کے لئے مارگ کو جمع ہی دیا تھا تھا۔ اور اسے یقین تھا
کہ مارگ نے اپنے ساتھ تھیں کی مدد سے اب تک وہاں قیامت
پر بار کر دی ہوگی۔ گواہوں میں آگ لگا دی گئی ہوگی اور گروہ دونوں
مارگ کے ہتھے چڑھ گئے تو وہ انہیں لے کر رہی آگیا ہوگا۔

اس لئے جب آواز سے اسے آکر بتایا کہ مارگ ابھی تک
اپنے آڈے پر نہیں پہنچا تھا۔ تو کچھ دلاور کو کوئی خاص پریشانی
نہیں ہوئی۔ اس کے لئے یہی بہت تھا کہ شاید جیسی حالت اس
کے ساتھ تھی۔ اس کے علاوہ اس نے آواز اور دلچ کی مدد
سے کچھ بہادر اور دلیرانہ خیال کو اپنا سنا تھا۔ اور سب
سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے پاس ابھی تک بے شمار دولت
موجود تھی۔ آدمی کی دولت اس کے پاس سب تو اس کے لئے
پیرا تھی۔ پہنچنا نہیں تھا۔ مگر مارگ کی طرح ہو جاتی ہیں۔ اسے
اب ریلز سرکل کی گنج بہ وہ نہیں رہی تھی۔ وہ ان سے لوگوں اور اپنی
دولت کے ضیاع کے ایک نئی تنظیم بن سکتا تھا۔ اس کے لئے اب
کوئی مشکل نہیں تھی۔ اس کی دولت اس کے کام آسکتی تھی۔
آئندہ سے ہونے کے لئے میں اس کے لئے مارگ کے نہ
آئے کی خبر سنائی تھی۔

"میں نے ایک آدمی کو اس کے آڈے پر بھیجا تھا یا اس؟"
آئندہ بتایا۔ لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔ ایسا لگتا
ہے جیسے کسی نے جکڑ میں پھنس گیا ہو؟
"کوئی بات نہیں؟" داور نے مسکراتے ہوئے کہا: "تم لوگ میں
اس کے بچے کو لے لیا کہ کھنڈا مارگ بھی دیکھی ہمارے کام آگئی
چلے گا۔ اس کے علاوہ تھوڑا لایک کام یہ ہے کہ کل بھولی کے کسی
اپنے سے علاقے میں کوئی بہت بڑی گولی دیکھ کر اسے خریدنے
کی بات کر دو۔ میں اس کو گولی کو بہرہ فائدہ خریدا چاہتا ہوں۔ اس
میں بہتر فائدہ بھی ہونا چاہیے؟"

"بہتر؟" ابھی ہو جانے کا اس نے آئندہ سے جواب دیا: "میں
کل ہی اپنے آڈے میں اس کام پر لگا دوں گا؟"
اس کے علاوہ وہیں فوری طور پر ایک جیب اھر کھ کاڑو
کی ضرورت ہوئی؟ دلاور نے کہا: "میں سلیطے سے کام کر لیتا ہے؟"
"بھئی ہو جانے کا یا اس؟" اور کوئی حکم؟
"بس اب جاؤ؟" دلاور نے کہا: "کل شام کو کھوٹ کے کر
ادھر آجانا؟"

آئندہ کے جانے کے بعد دلاور نے کہے کہ دلاور بند کر دیا۔ شیلہ بہتر تھی، ہوتی رات کی طرح بٹی ہوئی تھی، اس کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو دوسرے کہے میں جھپٹتی تھی، اس کا اندازہ لگا کر یہ کہہ رہا تھا کہ آؤ مجھے فتح کرو۔ میں ایک ایسی مملکت ہوں جہے دولت اور اقتدار سے پامال کیا جا سکتا ہے، اور دلاور کے پاس اس وقت دونوں ہی چیزیں تھیں اسے، بھی اس بات کا احساس تھا کہ اس کے ہاتھ بیرونی میں گرچہ کرشمہ زنی تھی مگر اس کے باوجود شیلہ کو اپنے پاس پرکھنے لگی۔

دوسری صبح شیلہ نے دلاور سے اجازت لی اور اس بوتل سے باہر آئی۔ دلاور نے اس کو بہت سے لوٹ دیے تھے، باہر آکر شیلہ نے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹیکسی روٹی اور ڈرائیور کو ہدایت کر دی کہ اس کو کچھ شیشے پر طرہ ہوگی، اس وقت وہ بہت پریشانی دکھائی دے رہی تھی۔

کپڑاں گاؤں سے کچھ فاصلے پر اس نے ٹیکسی کو روٹی کرایہ ادا کیا اور پیدل چلتی ہوئی کارڈن کے گیت کے پاس آکر کھڑی ہوئی۔ یہاں آتے ہوئے اس نے تائب کا دھواں رکھا تھا، اسے وہاں آتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک طرف سے دلاور بھی اس کے پاس آگیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

”تمہاری مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ تم ناکام نہیں رہیں۔“ دلاور نے اسے قریب آکر کہا۔

”ظاہر ہے، جو ارادہ کر لیا وہ تو ہر حال میں پورا ہونی تھا“ شیلہ سے جواب دیا۔ ”اس لیے وہ فوج شخص نے مجھے اپنی ساری کمان سونپ دی۔“ شیلہ نے جواب دیا کہ اسے سامنے تھے جنگ دیتے ہوئے وہ بولی ہو۔ یہاں خیال تھا کہ وہ گھگھادی ہوئی ہے۔ جبری شکلوں سے کھنکھرتے ہوئے۔

”بتاؤ کہ کیا چھپائی ہے تم سے اپنی دولت؟ دلاور نے پھر فریاد کرنا شروع کیا۔

”اب اتنی بے فکری کیس ہو سکتی ہے؟“ شیلہ نے جواب دیا۔ ”میں تمہاری پابند نہیں ہوں، ہمیں جس سے ہم سے مل کر کیا ہے اس کی کوئی راز سے آگاہ کرنا چاہیے۔“

”تم بے وقوف ہو گئی ہو شیلہ؟ دلاور نے ہراسہ میں کہا۔ ”میں تمہیں کوئی نقص نہیں کرنا چاہتا۔“ ان سے کیا اندیشہ گزر رہا ہے؟ ”تم خود موجود۔“ دلاور کی دولت اگرچہ اسے استعمال میں لے آئیں تو کتنا اچھا ہو کہ وہ ہمیں مٹانے کی زندگی بسر نہیں کرے۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ تمہارے پاس بے شمار دولت ہو اور گاڑیاں ہوں۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے دلاور، لیکن اگر تم نے اس شخص کو نہیں بتایا تو وہ میرا دشمن ہو جائے گا۔ کیا تم اس کی دشمنی بول سکتے ہو؟“

”یہ بات تو ہے۔“ دلاور نے ایک گھبراہٹ میں سانس لی اور ایک چمک چمکاتے ہوئے ایک اور ٹیکسی لیا اور ٹیکسی سے بیڑے دہن میں، برسر میں سے اپنا حوصلہ نکال لیتے ہیں۔ اس کے بعد اس شخص کو بتا دیں گے۔ اسے کیا معلوم کہ دلاور کے پاس کتنی دولت ہے۔ اس طرح، ہم بھی فالکے میں رہیں گے وہ بھی مطمئن ہو جائے گا۔

”ہاں، یہ ٹیکسی مناسب ہے۔“ فیڈر چمک چمکی، لیکن آواز ہم کیا کہیں گے۔

”جہد دینا کہ ابھی تک دلاور نے کچھ نہیں بتایا ہے۔“ جہد۔ ”تو پیسے اسی کو چل کر مطمئن کرتے ہیں۔ پھر وہاں پر تمہیں بتا دوں گی کہ وہ دولت کہاں رکھی ہے۔“ شیلہ نے کہا۔ ”فیلڈ کے کچھ بہرہ دلاور نے ایک ٹیکسی کو روٹی ٹیکسی کو انہوں نے کو بولے کا پتہ بتایا تھا، کیا اسے پہنچ کر انہوں نے ٹیکسی کو چلنا کیا اور خود پیدل ایک طرف چل پڑے۔“

بس اسٹاپ سے کچھ ہٹ کر برگہ کا ایک بڑا سا درخت تھا، اس درخت کے نیچے ایک چھوٹی سی کھدائی تھی، بولی تھی، کنبی کے باہر کچھ لوگ بیٹھے تھے، ان میں جو تین بھی تھیں مرد بھی تھے، یہ لوگ موٹی رکن مندر کے دیدار اور ان کا تعجب لینے کے لیے تھے۔ موٹی رکن مندر گزشتہ چند دنوں سے اس عہدے میں دیکھے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے انہوں نے ہمارے ہی تہذیبوں میں اپنی تہذیب کی کتنی ہی بات سنا کر چپے لے کر بتائی تھی جو خود بھی موٹی کے ساتھ ہی اس کم میں رہتا تھا۔

وہ دونوں بھی ان لوگوں کے ساتھ آکر بیٹھ گئے جو رکن مندر کے لیے موٹی کی کنبی کے سامنے بیٹھے تھے، ان لوگوں نے انے والوں کی طرف دیکھا پھر اپنا دھین لکھ کر دروازے کی طرف لگا دی۔ موٹی کی کنبی بھی وقت بابت والا تھا، موٹی جی کے سامنے جانے کا طریقہ کار یہ تھا کہ ان باری باری باہر موجود شخص کو بل کر روٹی کی کنبی میں سے اور وہ شخص شہر سے باہر آ جاتا، ہندوستان اس کو بہت زرخیز ملک ہے کہ یہاں قدم قدم پر ہمارا دھواں چمک کر رہے ہیں، جو عقلمندوں کی مرادیں پوری کر کے میں بھی کام نہیں کر سکتے۔

ان کو ابھی بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کنبی

پر دلاور نے ہر سواری کی کنبی پر نمودار ہوا۔ وہ ایک چٹان آوی تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر کھنکھناتی دلاور کی کنبی تھی، اس نے صرف ایک کاچھا ہاتھ رکھا تھا، اس کے گلے میں موٹے داخنوں کی ایک مالا پڑی ہوئی تھی۔

”ہری اوم ہری اوم“ اس نے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں پر ایک خاص انداز سے ڈالی پھر دلاور اور شیلہ کو دیکھ کر کھڑک بٹا۔ پھر دلاور کو گھیر کر کہے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہلو، موٹی جی نے تم دونوں کو دشمن کے لئے بلایا ہے۔“ دلاور اور شیلہ جلدی سے کھڑے ہوئے۔ دوسرے لوگ انہیں بڑی رشک سے دیکھ رہے تھے، کنبی کے آگے ہی آئیں لہذا میں بلالہ گیا تھا، وہ دونوں بھی ہری اوم ہری اوم کرتے رہے، ان میں داخل ہوئے جبکہ وہ چیلہ دروازے کے پاس بیٹھ کر ہاتھ دلاور کے وسط میں ایک مرگ چھال گئی ہوئی تھی جس پر موٹی جی بڑا حیران تھے، ان کے چہرے کی داغی بھی نے نئی شہر بڑی ہوئی تھی، ان دونوں کو آتے دیکھ کر موٹی جی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ انہوں نے اشارے سے ان دونوں کو اپنے قریب بلایا۔

”ہاں بتاؤ کہ یہاں موٹی جی نے اختیاق بھرے لیے ہیں۔“

”بڑی حد تک کامیابی ہو گئی ہے۔“ شیلہ نے بتایا۔ ”میں نے اس بوڑھے دلاور کو اپنے حال میں پھانسی لیا ہے۔ وہ بڑی سنگ جھجھک کر دوسرے لگا ہے۔“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تم نے کس حد تک اسے قیو لوں کی ہے۔ میں تو صرف اس کی دولت کا پتہ چاہتا ہوں۔“ وہ بھی معلوم ہو جانے کا۔ ”شیلہ نے کہا۔ ”وہ بھی بہت چالاک آدمی ہے۔ اتنی آسانی سے کچھ نہیں بتائے گا۔“ دلاور دن لگ جائیں گے۔

”ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔“ ہمیں دو دنوں کی اور بہت دی جاتی ہے۔ تم کسی طرح بھی ان دونوں میں اس کی دولت کا پتہ چلاؤ۔ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر دونوں کے بعد بھی تم دونوں اسی طرح ناکام واپس آئے تو پھر میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا گا۔ اب تم لوگ جائیں۔“ وہ دونوں اسی طرح ہری اوم ہری اوم کرتے ہوئے کنبی سے باہر آئے۔ باہر آکر وہ دونوں پیدل کی ایک طرف چل پڑے تھے۔

”دونوں بہت ہوتے ہیں شیلہ؟ دلاور نے کچھ دور چلے گئے۔ ”اس دن میں، ہم لوگ یہاں سے بہت دور جا چکے ہیں۔“

125

”جو بھی قدم اٹھانا یا ڈالنا سوچ کر سمجھ کر اٹھنا، شیلہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”ان لوگوں کو دھوکا دینا آسان نہیں ہو گا۔“ دھوکا کھن دے رہا ہے۔ انہیں اس دولت کا پتہ تو بتا دی جانے کا۔ یہاں اب بات ہے کہ اس میں سے کچھ پہلے سے ہمارے پاس آچکا ہو گا۔ ہاں، اب بتاؤ کہ اس بوڑھے نے وہ دولت کہاں چھپ کر رکھی ہے۔“

شیلہ نے اسے ہر تہا بھدھ کے مجھے کے بارے میں بتایا۔ دلاور بڑی جرات سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ ”اس بوڑھے نے تو کمال کر دیا۔“ دلاور نے شیلہ کے غائب ہو جانے کے بعد کہا۔ ”اگر وہ خود سے نہیں بتاتا تو کوئی بھی قیاس تک اس کی دولت کا پتہ نہیں چلا سکتا تھا۔“

”اور اس سے رازنا گھلانے کا سارا لکڑیٹ میرا ہے۔“ شیلہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ”تم خود موجود۔“ کتنا برا محسوس ہو رہا ہو گا جب ایک کنبی سارا بھٹا شخص مجھے سے جیت کا اظہار کر رہا ہو گا اور میں اس کی باتیں نہ کر سکا رہی ہوں گی۔ اس کا حوصلہ بڑھا رہا ہو گی۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے اپنے آپ کو اب جاگرتا کیا ہو۔“

”دولت کے لئے سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور ویسے بھی ہم میں سے کون پار سائی کا ڈوڑی کر سکتا ہے۔ تم تو اس سے پہلے بھی بہت کم قیمت پر۔“

”بس کرو؟“ شیلہ نے ایک موٹی سی گولی دیتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ دلاور اس کی طرف دیکھ کر منہ پڑا۔ ”اب کیا ارادہ ہے تمہارا۔“ شیلہ نے چلتے چلتے پوچھا۔ ”ارادہ کیا! ہمیں آج رات ہی ہمارا پتہ دھکے مجھے سے کم از کم آگے دولت باہر نکال لینی ہے اور اس وقت ہم اس مجھے کو دیکھنے کے لئے میوزم کی طرف جا رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ شیلہ نے ایک گھبرائی سانس لی۔ ”جب یہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ نہیں لگائی چلیے۔“ وہ دھبہ دھبہ ٹیکسی آ رہی ہے۔ اسے اشارہ دیدو۔

اس مملکت کے طور طریقے سب سے نرا لے تھے۔ وہاں جو سب سے زیادہ خستہ حال اور پچھڑا دکھائی دیتا اس کی سب سے زیادہ عزت کی جاتی تھی۔

بڑبڑائی نس جہاں آف نیکر گھوڑے کے لئے سب کچھ خواب کی طرح تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے کوئی خواب دیکھا تھا یا جو کچھ ان پر گزری ہے یا گزرنے والا ہے وہ سچ ہے۔ انہیں یاد تھا کہ وہ اس چمکی لڑکی کے ساتھ اس

124

گاڑی میں سولہ ہوئے تھے جسے وہ لڑکی زیبا کا نام دے رہی تھی۔ پھر زیبا کہیں آئے ہی دھوئیں کے دھنوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ بے ہوش ہو گئے لیکن ہوش ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے آدھوں کی چیخیں بھی سنی تھیں۔ یہ آدھی زیبا کے باہر تھے۔

ہمارا جہانے ہوش میں آنے کے بعد خود کو ایک اجنبی زمین پر پایا تھا جہاں کی ہر چیز اجنبی ہی تھی۔ یہاں کے اصول یہاں کی مشینیں، یہاں کے مکانات، یہاں کے درخت اور ہلوں سے سب کچھ مختلف تھے۔ ایسا لگتا جیسے انہیں وہاں کسی دوسرے سیارے میں پہنچا دیا گیا ہو۔ ان کے لئے جو کچھ مخصوص کیا گیا تھا اس کی دیوار میں سانس لیتی ہوئی ٹیوس ہوتی تھیں جو پھٹی آواز کا کرتی ہوئی دیوار میں۔ اس کمرے میں ان کی دیواروں کی وجہ سے روشنی تھی، روشنی کی لہریں ان کوں سے لگتی رہاں اور دیواروں کو روشن ہو جاتا۔ باہر جانے کے لئے ان کیسے میں دروازہ لگی بنا ہوا تھا لیکن باہر کی دنیا بہت مختلف تھی۔ یہاں انہیں بہت سے محافظ دکھائی دیے جو کئی لڑکی جیسا اچھا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں تارنگی ہوتی تھی۔

ہمارا جہانے کے لئے اس مملکت میں سب سے پہلا دن بہت ہی حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے خود کو ایک کمرے میں دیکھا جس کمرے میں انہیں رکھا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک حیرت سے انہیں کھولے ہوئے چاروں طرف دیکھتے رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں آئے ہیں۔ ان کا ذہن ماؤف ہوئے لگا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ انہیں سب کچھ یاد آ گیا۔ اور وہ بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت وہ ایک بستر پر لیٹے تھے۔ اس بستر کا بیئر بھی بہت حیرت انگیز تھا۔ انتہائی آرام دہ پھر جب ان کی نگاہ پھٹی اور سڑکتی ہوئی دیواروں پر پڑی تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اس وقت ان دیواروں سے زرد رنگ کی روشنی خارج ہو رہی تھی، اور اس روشنی میں اس کمرے کی ہر چیز زندہ دکھائی دے رہی تھی۔ پھر لڑکی نے اس کمرے میں کسی کی آواز کو سنا۔ وہ آواز بھی روشنی کی طرح دیواروں سے خارج ہوئی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”ہم آپ کو مملکت بے نام میں خوش آمدید کہتے ہیں“

”کون ہو تم؟ ہمارا جہانے دیوار کی طرف کھولے ہوئے پوچھا

”میں اس مملکت بے نام کا ایک بے نام جدید لڑکیوں میرا کام آپ جیسے جہانوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ ان کے

آرام کا خیال رکھنا ہے۔“

”کیا بکواس ہے تم لوگ مجھے انکار لائے۔ وہ لڑکی کہا ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں“

”آپ نہ جانے کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔ اور آپ کی پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ آپ کو ان میں سے کسی ایک کو یہاں جہان جہان بنا کر لائے ہیں“

”میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جس نے چمکھلا لہاں پہن رکھا تھا اور جس نے اپنا نمبر شاید دو سو دس بتایا تھا جو مجھے اپنی لختی گاڑی میں دھوکے سے لے گئی تھی اور آپ کو اس قدر ناراض نہیں ہونا چاہئے اسی آواز نے کہا یہ آپ جس لڑکی کی بات کر رہے ہیں اسے فائدہ دیا گیا ہے کیونکہ اس نے اپنا نام مکمل کر لیا تھا۔

”کیا مطلب؟ ہمارا جہانے حیرت سے پوچھا۔ کیا وہ لڑکی مرنے کی تم لوگوں نے اسے مار ڈالا۔؟“

”ہم لوگ اسے موت نہیں دیتے۔ فنا کئے ہیں۔ وہ لڑکی مشینوں سے بنائی گئی تھی۔ تم اسے ایک مشینی لڑکی کہہ سکتے ہو۔ بلکہ رولوت کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نہیں مان سکتا۔ اس کا وجہ تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی جیتی جاگتی لڑکی“

”تمہیں نہیں معلوم کہ ہماری مشیناں تو ہی تمہاری مشیناں سے کتنی زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ ہماری مشیناں میں اس قسم کے بے شمار رولوت بنائے جاتے ہیں۔ اسی لئے انہیں ایک نمبر دیا جاتا ہے۔ جیسے اس لڑکی کا نمبر دو سو دس تھا۔ ان رولوتس کو ہر قسم کی تربیت دی جاتی ہیں۔ ان کی یادداشت میں مختلف زبانیں محفوظ کر دی جاتی ہیں اور ان میں سے ایک کو ایک مخصوص کام پھر درکار دیا جاتا ہے۔ دو سو دس کے ذمے تمہیں زیبا کا رنگ لسنے کا کام دیا گیا تھا۔ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ اس کی ضرورت ختم ہوئی اسی لئے اسے ختم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ایک دوسری رولوت لڑکی تخلیق کی جا گی۔ ہمارے یہاں یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے“

ہمارا جہانے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس موقع پر کس قسم کے رد عمل کا اظہار کرنا چاہیئے۔ انہیں حیرت ہوئی یا افسوس ہوا وہ غصے میں آ گئیں۔ یہ سارا کچھ دھندہ ان سمجھ سے باہر تھا۔ کیا وہ اپنی وہ کسی دوسرے سیارے میں پہنچا گئے تھے جہاں کی ہر چیز ان کے لئے اجنبی اور نئی تھی لیکن شخص نے تو اس جگہ کو مملکت بے نام کہا تھا۔ یہ کیس نام؟

”تم لوگ مجھے جہاں کیوں لائے ہو؟ ہمارا جہانے پوچھا

”ہاں۔ بہت دیر بعد تم نے کام کی ایک بات پوچھی ہے اس آواز نے کہا۔ وہ تمہیں تو اسی لڑکی کے تذکرے کے علاوہ کسی اور چیز سے کچھ نہیں سمجھی۔ ایسا لگتا ہے کہ لڑکیں تمہاری کمزوری ہیں۔ شاید یہی نے تمہاری فطرت کا اندازہ کر کے تمہارے لئے ایک لڑکی بھیجی تھی۔“

”کیا بکواس ہے؟ ہمارا جہانے جہاں لڑکی؟“ تم اپنی باتوں سے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے یہ سب کچھ جھوٹ ہے میں پھر پوچھتا ہوں کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔“

”بھلا لڑکی؟ یہ ہے کہ پھر پوچھنا کوئی نہ کوئی نہ صرف ضرور ہوا کرتا ہے۔ کوئی چیز بلا وجہ تخلیق نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ تمہی ہمارے کام آ سکتے ہو۔ اب یہ کام کیا ہو گا؟ تمہیں اب میں بتایا جائے گا۔ فی الحال تو تمہیں اس سے باہر نکل کر یہاں کی سیر کر دو۔ لوگوں کو کام کرتے دیکھو۔ وہ کچھ کچھ تمہاری دنیا کے لوگوں سے کتے آگے ہیں۔ اب جاؤ۔ تمہیں یہاں وقت پھر تھوڑا مل جایا کرے گی۔ کسی چیز کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ تم کسی زمانے میں ہمارا جہانے کے ہوسٹم تمہارے لئے تمہارے شہر یا انشان انتظامات کریں گے۔“

ہمارا جہانے جھلک کر کچھ کہنا چاہا لیکن وہ آواز غماض سے بھری اس کے ساتھ ہی کہے کی رنگ بدلتی دکھائی دے رہی تھی۔ رنگ بدلتے لگیں۔ رنگوں کے بدلنے کے اس عمل میں اب آجی پہلا ہوئی تھی۔ جیسے رنگ گھٹنے لگے ہوں۔ ہمارا جہانے باہر جانے کے لئے قدم اٹھے۔ بڑھایا پھر دروازے کے پاس آ کر مڑ گئے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس آواز نے انہیں باہر جانے کی ہدایت کی تھی۔ اور وہ اگر اس کی ہدایت پر باہر چلے جاتے تو یہ ان کی توہین تھی اسی لئے ہمارا جہانے باہر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دروازے کے پاس سے ہٹ آئے۔

انچھوہ کر کے کے وسط میں بیٹھتے تھے کماں کے کی دیواروں کا رنگ پھر تبدیل ہونے لگا۔ اس بار رنگ آتے۔ اہان کی چمک ایک لمحے کے لئے کمرے میں ابھری پھر وہ رنگ دوسرے رنگ میں تبدیل ہو جاتے۔ ہمارا جہانے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے رنگوں کا یہ کچھ دھندہ کیوں پھیلا رکھا ہے۔ ہیرنگ کس کام آتے ہوں گے۔

پھر سرخ رنگ آیا اور دیواروں پر پتھر کر رہ گیا۔ ہیرنگ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ ہمارا جہانے محسوس کیا کہ پہلے دیواروں

ہائی کلائی، پتھر کلائی رنگت تیز ہو کر گہرا کلائی پھر یہ کلائی رنگ سو گھٹائیں بدلنے لگا۔ نہایت آہستہ آہستہ لیکن اس کے بدلنے کا احساس ہوا۔ ہمارا جہانے کو کچھ عجیب سی بے چینی محسوس ہونے لگی۔ خون جگر رنگت ان کے ذہن پر پھوٹنے لگی۔ ان کی آنکھیں اب سرخ رنگ کو دیکھ نہیں پاری تھیں۔ انہوں نے گہرا کلائی آنکھیں بند کر لیں لیکن سرخ رنگ کا ایک سیلاب سالانہ کی آنکھوں میں امانڈا کر رہا تھا۔ ان کے لئے آنکھیں بند رکھنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ لوکھلا کر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولنے کی وہ سرخ رنگ ان کے اعصاب پر مسلط ہونے لگی۔ یہ رنگ جیسے اب دیواروں سے نکل کر کمرے میں جمع ہونے لگے تھے۔ ان کے چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ ہمارا جہانے کوں میں چنگاریاں ہی دور کرنے لگیں۔ پھر یہ چنگاریاں ان کے ذہن پر قفس کرنے لگیں۔

ان کے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ انہوں نے ایک چیخ ماری اور دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ ان رنگوں نے ان کو جنونی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ دروازے کے پاس آتے ہی وہ دروازہ ایک جھٹے سے ٹکرا گیا اور وہ دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ باہر آنے کے بعد ان کی رگوں میں دوڑنے والی چنگاریاں سرد ہونے لگیں۔ ان کے اعصاب، ہر جہانے ہونے لگے دیر سے دھیرے دھیرے ختم ہو گئے۔ اب انہیں سکون مل گیا تھا۔ انہوں نے اس آواز کے کہنے پر باہر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن ان رنگوں نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ یہ رنگ انہیں دھکیل کر اس کمرے سے باہر لے آئے تھے۔ ہمارا جہانے کو اب احساس ہوا کہ ان لوگوں نے رنگوں سے کیا کام کیا۔ یہ رنگ کس کام آتے ہیں۔ اور یہ ان کی ٹیکنالوجی کا کمال تھا کہ وہ رنگوں کی مدد سے کسی بھی شخص کو بیجان میں مبتلا کر سکتے تھے۔

رنگوں کے علاج سے نجات حاصل کر لینے کے بعد ہمارا جہانے نے اطمینان کی سانس لی۔ اب ان کے حواس بحال ہو چکے تھے اور انہیں بے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس آواز نے انہیں باہر نکلنے کی بات کیوں کی تھی۔ وہ کہاں جانا چاہتا تھا۔ وہ دنیا داغی بہت عجیب تھی ایسا لگتا تھا جیسے کسی اور سیارے پر آگئے ہوں۔ ایسا لگتا تھا وہاں اس قسم کے اور بہت سے کچھ ایک ترتیب میں بنے ہوئے تھے۔ وہاں عملاقوں کے ڈیزائن بھی بہت مختلف تھے۔ یہ اہرام نما خردی عملاق تھیں جو پتھر سے تھوڑے فاصلے پر بنی ہوئی تھیں۔ ان عملاقوں کے درمیان بہت سے لوگ دکھائی دے رہے تھے جو مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ وہاں

یہ امر ای اسپیکر سے نشر ہو رہی تھیں۔ اس اسپیکر سے لکھ کر وہ تاریخ کر کے طرف چلا گیا تھا۔ داور پھر اس تاریخ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ کچھ فاصلے پر ایک دوسری بھاڑی کے درمیان ایک دوسرا اسپیکر چھپا یا گیا تھا۔

داور نے اس میدان کا بلور چکر لگایا۔ مقننہ سے محفوظے فاصلے سے اسپیکر بھاڑیوں کے درمیان رکھ دینے کے لئے تھے لیکن ہی سے لگایاں پٹنے اور لوگوں کے پیچیدگی اور سنائی دے رہی تھیں۔ داور کے ذہن میں ان آوازوں کے متعلق جو خیال پیدا ہوا تھا وہ درست ثابت ہوا۔ ان آوازوں کے ذریعے ہی والوں کو اس میدان سے دور رکھا جاتا تھا۔ بوسن تھا کہ پہلے یہاں پہرے بھی لگائے جاتے ہوں تاکہ جب کوئی اس میدان کی طرف آئے تو اس کا قصد تمام کر دیا جائے۔ شروع شروع میں دو تین آدمیوں کو ہلکے بھی کر دیا گیا ہوا۔ پھر اس کے بعد لوگوں کے دلوں میں اس میدان کی دہشت پیدا ہو گئی اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر اس طرف آنا چھوڑ دیا۔ ان آوازوں کو پہلے لگے دے اب مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ اس لئے میدان میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن ان آوازوں کا کیا مقصد تھا۔ اتنا جھنجھٹ کیوں پھیلا یا گیا تھا۔

داور کو اب اس ٹیپ ریکارڈر کی تلاش تھی جس کے ذریعے یہ آوازیں میدان میں نشر کی جاتی تھیں۔ بوسن تھا کہ اس ٹیپ ریکارڈر کے پاس کوئی موجود ہوا داور اس پر قابو پا کر اس سے بہت کچھ اخراستگ تھا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر کو تلاش کرنے کے لئے اپنی جلد چمک تیز کر دی وہ ٹھنڈوں کے بل بیٹھا کر ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اسپیکروں میں لگائے جانے والے تار ای طرف سے آہٹے تھے۔ کچھ دور کے بعد اسے ٹیپ ریکارڈر بھی مل گیا۔

وہ ٹیپ ریکارڈر بھی ایک بھاڑی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ لیکن اس کے ارد گرد کوئی نہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اہل گناہ جیسے کیسٹ لگا کر وہ لوگ مطمئن ہو گئے ہوں۔ انہوں نے کسی بھی جگہ نگرانی کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ شاید انہیں اپنی دلوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

داور اس ٹیپ ریکارڈر سے کچھ فاصلے پر گھٹات لگا کر ٹیپ ریکارڈر ختم ہونے کے بعد اسے تہہ میل کرنے یا بدلنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس طرف آئی تھا۔ با میدان میں بکھرے ہوئے اس جھنجھٹ کو سینے کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور آتا۔ آں

وقت لے سے قائم رہیں کیا جا سکتا تھا۔ فی الحال تو داور صرف انتظار کر رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ان آوازوں کے درمیان ایک اور آواز کا اضافہ ہو گیا۔ یہ آواز لوگوں اور انسانی آنکھوں کی آوازوں سے بالکل مختلف تھی۔ یہ آواز میدان کے وسط سے آ رہی تھی۔ لوگوں نے اپنی نگاہیں جمادیں۔ میدان کے وسط میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے دکھائی دے گئے۔ اور ان لوگوں کے سروں پر ایک ایسی کاپڑنٹ لارہا تھا۔ داور نے جو آواز سنی وہ اس پہلی کاپڑنٹی کی آواز تھی۔ میدان کا ایک چکر لگا رہا تھا۔ اس آواز میدان کے وسط میں اتر گیا۔ کچھ کھڑے ہوئے آدمیوں نے ناچ جاکر پلانٹ کی رہنمائی بھی کی تھی۔

ٹیپ ریکارڈر کی طرف سے دھیان ہٹا کر داور نے میدان کے وسط کی طرف ریگنٹا شروع کر دیا۔ وہ اس ڈرل سے کوفتہ سے دیکھنا چاہتا تھا۔ پہلی کاپڑنٹی کے اترنے کے بعد میدان میں کھڑے ہوئے لوگ اس کے پاس آ گئے تھے۔ ٹیپ ریکارڈر کی تلاش کے چکر میں داور نے بھی نہیں دیکھ سکا تھا کہ یہ لوگ میدان میں کس طرف سے آئے تھے۔

وہ ریگنٹا جوان لوگوں سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رک گیا۔ پہلی کاپڑنٹی کے ارد گرد تقریباً چھ سات آدمی کھڑے تھے۔ اور یہ ت کی بات یہ تھی کہ وہ سب ہی بالکل خاموش تھے۔ جیسے انہیں یہ کبھی طرح معلوم ہو کر ان کی ذہن داریاں کیا ہیں۔ اگر وہ انہیں میں باتیں کر رہے ہوتے تو داور ان کی باتیں سن کر ان کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ پھر داور کے دیکھنے دیکھنے وہ لوگ پہلی کاپڑنٹی داخل ہو گئے۔ پہلی کاپڑنٹی کے پیچھے لے ایک بار پھر گوش شروع کر دی تھیں۔ تاہم آواز میدان میں گونجنے لگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پہلی کاپڑنٹی پر واز کر گیا۔ داور بڑی بے بسی سے اڑتے ہوئے پہلی کاپڑنٹی دیکھتا رہا تھا۔

اب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اس میدان میں لوگوں کو دور رکھنے کے لئے اتنا شور کیوں پیدا کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ پہلی کاپڑنٹی کی آواز چھپانے کے لئے اس قسم کی دہشت ناک آوازیں پیدا کرنے کے ذریعے نشر کر رہے تھے۔ لیکن صرف پہلی کاپڑنٹی کی آواز کے لئے اتنے شور کی کیا ضرورت تھی۔

داور نے اب ٹیپ ریکارڈر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اسے اٹھانے کے لئے کسی نہ کسی کو آواز دی تھا۔ پھر ایک داور کو محسوس ہوا جیسے غلام میں ملحق ہو گیا۔ سو شروع کر دی آوازیں

ایک ختم ہو گئیں تھیں۔ اور میدان میں ایسی خاموشی چلی وہ کسی دوسرے سراپے پر چلا گیا ہو۔ ایک جگہ چلا جائے والی اس خاموشی نے اسے ملحق کر دیا تھا کہ انہیں اسے بھی احساس ہوا جیسے اس کے سروں کے نیچے سے زمین نکال دی گئی ہو۔ ان لوگوں کا کام ختم ہو گیا تھا۔ پہلی کاپڑنٹی انہوں کو بے روایتی چاچا تھا کہ اس نے ٹیپ ریکارڈر کی ضرورت بھی ختم ہو گئی تھی۔ داور جب اس خاموشی کے حقدار سے باہر نکلا تو اس نے تیز قدموں سے اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف وہ ٹیپ ریکارڈر چھپا یا گیا تھا۔ وہ اس مقام سے کچھ فاصلے پر تھا کہ اس میدان میں ایک دوسری آواز گونج اٹھی۔ یہ ایک فائبر کی آواز تھی جو خاموشی کی دیوار کو چیرتی ہوئی نہ جانے کتنی دھڑک چلی تھی۔

داور نے اپنی جہت کے تحت فوری ایک طرف چھلانگ لگادی۔ لیکن وہ گلی اس پر نہیں چلائی تھی۔ کیونکہ گلی کی آواز کے ساتھ ہی ایک انسانی پیچ بھی سنائی دی تھی۔ اور یہ دونوں آوازیں مصنوعی نہیں تھیں۔ پہلی انہیں کسی ٹیپ ریکارڈر سے نشر نہیں کیا گیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں آوازیں حقیقی تھیں اور اس ٹیپ ریکارڈر کے پاس سے آتی تھیں جیسے داور چھوڑ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہی وہ کھڑا ہوا اور اس نے ٹیپ ریکارڈر کی طرف دوڑ لگادی۔ لیکن وہ دیر سے پہنچا تھا۔ کیونکہ گلی چلانے والا ایک عدالت کا چوڑا کر چاچا تھا۔ وہ لاش ٹیپ ریکارڈر کے پاس ہی پڑی تھی اور اس کے سینے پر عین دل کے مقام سے خون آبل ابل کر چاروں طرف پھیلتا جا رہا تھا۔

میویم برما ہونے میں ٹھوڑی دیر تھی کہ وہ دھن ہویم کے گیت بد پہنچ گئے۔

یہاں تک آئے میں انہوں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ اراپ انہیں اطمینان تھا کہ ان کا تواق نہیں کیا گیا ہے۔ تواق کا یہ خطرہ انہیں سواری کی طرف سے تھا سواری کی کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ ان دونوں نے کون سے راز کا بھید پایا ہے۔ مگر انہوں نے انکی سواری کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن محکم تھا کہ سواری نے ان کی باتوں پر یقین کی نہیں کیا ہو۔ وہ خود بھی بہت چالاک آدمی تھا۔ وہ داور اس کے چیلے مل کر نہ جانے کتنے لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا تھا۔

داور نے آگے بڑھ کر پہلے اوٹھیلانے کے دو ٹکٹ

خریدے اور وہ دونوں میوزیم میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہاں موجود لوگوں کو جانے کی جلدی تھی۔ اپنی ہفتی متاتی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے غیر ملکی بھی تھے۔ ان دونوں نے یہاں آنے کے بعد بہت احتیاط کرتی تھی۔ وہ اس طرح قیادت کو دیکھتے اور اس پر مشورہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے جیسے وہ بس ای مقصد سے یہاں آئے ہوں۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد وہ بالآخر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں جہانما بدھ کا وہ عظیم الشان مجسمہ رکھا ہوا تھا جس کے اندر دلاور نے اپنی بے پناہ دولت کو محفوظ کر دیا تھا۔ وہ مجسمہ ایک اونچے سے چوڑے پر نصب تھا اور وہ بدھ فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس مجسمہ میں سنگ تراش نے جہانما بدھ کو لوگا کے انداز میں بیٹھے ہوئے دکھایا تھا۔ وہ فن کا ایک شہکار تھا۔ جلو محسوس ہوتا تھا جیسے جہانما بدھ اپنے گہاں سے فاصلے پر نورانی لگی کچھ کہنے والے ہوں۔ اس ہال میں اس عظیم الشان مجسمے کے علاوہ اور بھی بہت سی قیمتی قیادت تھیں۔ اس نے اس ہال میں عی قیادت کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ یہ عی قیادت کو رکھا جاتی تھے جو اپنے پہلوؤں سے ریلاور نکلتے ہال میں دھر دھر گھومتے پھر رہے تھے۔ ان کی مختاری لگا ہیں ہر شخص کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

خیلا اور دلال اس مجسمے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے پاس اور بھی کچھ لوگ کھڑے ہوئے۔ اس سنگ تراش کو خرچ کمبین پیش کر رہے تھے جس نے یہ قیمتی قیادت لیا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک اس مجسمے کے سامنے کھڑے رہے پھر غیر اداوی طور پر مجسمے کے عقبی حصے کی طرف آ گئے۔

وہ مجسمہ دلال کے ساتھ نہیں لگا یا گیا تھا۔ بلکہ دیوار اور مجسمے کے درمیان اتنی جگہ موجود تھی کہ ایک آدمی بڑی آسانی کے ساتھ اس خلا میں مسماں تھا۔ اس مجسمے کے عقبی حصے میں ایک سے نیچے تک ایک باریک سی لکیر تھی۔ اور وہ لکیر جہاں ان کے ختم ہوتی تھی وہاں کچھ کور سا پتھر اس طرح لگا یا گیا تھا جیسے مجسمے کے بل پر بیٹھ گیا ہو۔ دلاور نے ای ٹوکڑ پتھر کے بائے میں بتا تھا۔ اس پتھر کو دبا نے سے وہ غلام دلاور جاتا جس کے اندر دلاور نے دولت جمادی تھی۔

ان کی منزل ان کے سامنے تھی کچھ دیر بعد انہیں انکی دولت ملنے والی تھی جس کا انہوں نے کسی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ اس وقت کسی بے تاب یا جلد بازی کا مظاہرہ نہیں

132

مدگ اس وقت بہت لڑنا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ زنگور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لے کر دیا۔ اور وہ دونوں ان ہی جگہوں کی طرف چل پڑے جن پر پہنچنے والے تھے۔ وہ تہہ فلے میں چلے ہوئے تھے۔ اس تہہ فلے کی بناوٹ میں روشنی اور دھواں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر یہ محسوس ہوتا تھا روشنی اور دھواں اس طرف سے آ رہا ہے۔ اس کے باوجود وہ تو وہاں مکمل انحصار تھا اور نہ ہی کسی قسم کی ٹھنکن محسوس ہو رہی تھی، کمال یہ تھا کہ اس تہہ فلے سے باہر نکلے ہوئے کے ڈھیر کی اونچی جہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

وہ دونوں تہہ فلے پر آئے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے اوپر آتے ہی وہ دروازہ پھر کھل گیا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کا نظام میٹھیوں میں رکھا گیا ہے۔“ زنگور نے کہا۔

مدگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لہنی انجن میں مبتلا تھا۔ وہ دونوں تہہ فلے سے باہر آئے۔ ان کے باہر آتے ہی وہ تہہ فلہ کی سی آواز کے ساتھ پھیلنے لگا۔ باہر بارش کا موسمیاتی ہر طرف اندھیرا ہی پھیلا ہوا تھا۔ لہذا لگتا جیسے اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا ہو۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ اس جنگ میں کتنے لڑائی والوں کو قلعہ ہوئی تھی۔ مدگ کے ساتھی کا مایہ سہے تھے۔ وہی اور لانی کے ہمارے میں بھی کچھ نہیں تھا۔

مدگ نے کہا ”نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ مدگ نے کہا ”وہ لوگ اس قسم کی باتوں کے عادی ہیں۔ ان کا کام یہی ہے اگر انہوں نے خود کو زخمی دیکھا ہوگا تو انہوں سے بھاگنے لگے۔ اب ان میں سے کوئی بھی یہاں نہیں ہوگا۔“

وہ دونوں کچھ سے گزر کر ہرگز مدگ کی طرف آئے۔ لیکن کسی نے ان کا راستہ نہیں روکا۔ گودا میں لگنے والی آگ بھی اب ٹھنڈی ہوئے لگی تھی۔ اور وہ گاڑیاں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں جو مدگ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس کے آگے کالکی کوئی پتہ نہیں تھا۔ اب اس احاطے میں مولنے سارے کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”میرا خیال ہے کہ سب یہاں سے جا چکے ہیں۔“ زنگور چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میٹھیوں اور لاشوں کو بھی اٹھا لیا گیا ہے۔ اب ہمیں بھی یہاں سے نکل لینا چاہیے۔ پولیس کسی بھی لمحے آنے والی ہوگی۔ لہذا خاصہ ہنگامہ ہر پانچ بجے ہے۔“ زنگور کا اندازہ درست ہی تھا۔ وہ دونوں ابھی اس گودام کے احاطے سے کچھ فاصلے پر آئے تھے کہ پولیس کی گاڑیاں

دکھائی دینے لگیں۔ گاڑیوں سے کچھ کے لئے وہ دونوں ایک طرف دیکھ گئے تھے۔ گاڑیوں کے نکل جانے کے بعد وہ پھر آگے چل پڑے۔ مدگ زنگور کو اپنے گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس نے بتا دیا تھا کہ دلاوہ کے آدنی صورت حال معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر کی طرف آئے والے ہوں۔ زنگور نے ابھی اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ ابھی خود اس کے ذہن میں یہ بات واضح نہیں تھی کہ وہ کس طرح مدگ کے بیٹے کو اپنی دلاوہ لے گا۔

مدگ جس وقت زنگور کو اپنے ساتھ لے کر آئے پھر پانچ تو اس وقت اس جتنی کے کچھ لوگ اس کے آگے سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو مدگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان کے پیچھے کے لئے پریشان تھے۔ جیسے زبردستی انکار کیا گیا تھا۔ مدگ کے کچھ آدنی بھی سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ ان ہی میں ایک ایسا بھی آدنی تھا جو مدگ کو دیکھتے ہی اٹھ کر اس کے پاس آگیا۔ ”کیا بات، ہوگی دادا؟“ اس نے مدگ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرا نام بتاؤ اس کا میں اس کی کھال کھینچ لوں گا۔“ ”یہ کام پولیس کے بس کا لوگ نہیں ہے۔ کوئی۔“ مدگ نے کہا۔ ”تمہاری ہرمانی کو تمہارے چھپنے کے لئے چلے آئے۔ لیکن یہ میرا لہنا معاملہ ہے۔ میں یہی نہیں کروں گا۔“

”سوچ لو دادا۔“ گویا نے زنگور کی طرف دیکھا۔ اور یہ ”کون ہے؟“

”یہ میرا دوست ہے۔“ مدگ نے جواب دیا۔ ”بہت دلوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے اس سے۔“

”ایک بار پھر سوچ لو دادا۔“ گویا نے کمرہ آخروہ کوں لوگ تھے جو تمہارے آگے میں کھڑے تھے۔ اتنا بڑا انکار کئے تم ان میں سے کسی کو جاننے تو ہو گے۔“

”نہیں۔ میں کسی کو نہیں جانتا۔ پھر میں یہ بتا رہا ہوں کہ وہ لوگ تمہارے بس کا لوگ نہیں ہیں۔ یہ ہماری آپس کی دشمنی ہے۔ اور ہم ہی اس سے نمٹنا بھی جانتے ہیں۔“

”تمہاری مرضی،“ گویا نے کچھ مایوس ہو گیا۔ ”اور کوئی حد نہ ہو تو مٹاؤ۔“

مدگ اس پولیس والے سے پیچھا چھڑا کر زنگور کو اپنے مکان میں لے آیا۔

”اب ہمیں اس کے کسی آدنی کا انتظار کرنا ہے۔“ مدگ نے کہا۔ ”اس کے بعد ہی یہ معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے میرے بیٹے کو کہاں رکھا ہے۔ وہ حالات معلوم کرنے کے لئے میرے پاس ضرور آئیں گے۔“

”میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔“ زنگور کچھ سوچے ہوئے بولا۔ ”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہاری واپسی کی اطلاع

ان لوگوں کو نہ ہو۔“ ”ہمیں۔ اس سے کہا ہوگا۔“ مدگ نے حیرت سے پوچھا۔ ”دیکھو نا تم خالی ہاتھ واپس آئے ہو۔ لانی اور سومانی کو اپنے ساتھ نہیں لائے ہو۔ اسی لئے تمہاری یہ ناکامی اس کے غصے کو بڑھ کر بھیجتی ہے۔ تم ایک آدنی کو دن کسی طرح آکر آکر لو تو میں اس کے آدنیوں کا ناقاب کر کے اس تک پہنچ سکتا ہوں۔“

”ہوں۔“ مدگ نے ایک گہری سانس لی۔ ”تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے ہمت سے لوگوں نے دیکھا گیا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں واپس آچکا ہوں۔ ایسی صورت میں اپنی موجودگی کس طرح چھپا سکتا ہوں ان لوگوں کو تو آتے ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں خالی ہاتھ آیا ہوں۔“

”اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم چارے آدنیوں کے سامنے نہیں یہ بتاؤ کہ تم صرف مجھے یہاں تک پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ اور اب تم دوبارہ اپنی جہم پڑو اور پاس جا رہے ہو۔ اس بار تم کسی مذکی طرح لانی اور سومانی کو اپنے ساتھ ہی لے آؤ گے۔ ظاہر ہے کہ تمہارے آدنی تمہاری یہ بات آگے بڑھا دیں گے۔ اور میں ان کا ناقاب کر کے اس جہم تک پہنچ جاؤں گا جہاں تمہارے بیٹے کو رکھا گیا ہے۔ وہاں پہنچ کر اسے آزاد کرانے کی ترکیب بھی سوچ لی جائے گی۔“

”اور اگر میرا کوئی آدنی میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا تو۔“

”بارہم خود بھی سمجھ لاد آؤ۔“ میرا خیال ہے کہ کچھ ہے۔ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنے آدنیوں کو کس طرح ٹال سکتے ہو۔“

مدگ نے زنگور کے کہنے پر عمل کیا اور وہ اپنے آدنی کو مطمئن کر کے کہیں چلا گیا۔ زنگور نے اسے دو دن کے بعد آنے کے لئے کہا تھا۔ اس دن دوران نہ صرف یہ کہ اس کا بیٹے کا ہاتھ چل سکے۔ بلکہ اسے بارہم کی ترکیب بھی ہوئی جائے۔ مدگ اپنے آدنیوں کو زنگور کے آرام کا خیال رکھنے کے لئے گہم کر واپس چلا گیا تھا۔

مدگ کے جانے کے بعد زنگور نے حالات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ مدگ نے جتن کچھ بتایا وہ حیرت انگیز تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پوڑھا دلاوہ سومانی اور لانی کی قید سے آزاد ہو جانے کے بعد اس طرح کی حرکتیں شروع کرے گا۔ زنگور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلاوہ نے ایسا کیوں کیا۔ ریڈمر گل کے گودام میں آگ لگنے کی حرکت

اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اس کے علاوہ لانی اور سومانی کو آغا کروانے والی بات بھی حیرت انگیز تھی۔ اور ان سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جن دو آدنیوں نے ریڈمر گل والوں کو دھوکا دے کر دلاوہ کو بارہم کو لایا تھا۔ وہ وہاں سے کہاں چلے گئے تھے۔ ان لوگوں نے دلاوہ کو چھوڑ دیا تھا۔ یا وہ بھی اس کے ساتھ تھے یہ سب کچھ ایک ایسا معما تھا جو زنگور کی سمجھ سے باہر تھا۔ زنگور نے وہ رات ہی گھر میں گزار دی۔ دوسری صبح بھی وہ یوں ہی گھر میں بیٹھا رہا۔ دلاوہ کے آدنی مدگ کے پاس نہیں آئے۔ لیکن شام کے وقت ایک آدنی مدگ کے گھر آئی گئی۔ زنگور کے لئے وہ آدنی ابھی تھا۔ اس نے اپنا نام آندنی بتایا تھا۔ مدگ کے آدنی اس کو زنگور کے پاس لے آئے تھے۔

”مجھے نہیں معلوم کہ مدگ کہاں ہے۔“ زنگور نے کہا۔ ”تم لوگوں نے اس کے لئے مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ وہ میرا اپنے بیٹے کے لئے پریشان ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لئے بھی پھر واپس چلا گیا ہے۔“

”تم کون ہو۔“ ”آندنی۔“

”میں ہم دونوں گودی کا بارہم کرتے تھے۔ پھر ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اس دوران مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرا بیٹا بھی کا ایک بہت دور جا رہا ہے۔ اس نے اپنا آدنی قائم کر لیا ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔“

”یہ بہت جلا کر تم لوگوں نے اس آدنی سے ہر جگہ کے اسے نہ صرف تھکا کر دیا بلکہ اس کے بیٹے کو بھی اٹھا کر لے گئے۔“

”لوگ چلتے کیا ہو۔“

”ہم کچھ نہیں جانتے۔“

”جو کچھ جانتا ہے۔ ہمارا پاس جانتا ہے۔“

”آندنی کہہ لے۔“

”اور تمہارے دوست کو ہر حال میں یہ کام پور کرنا ہے۔“

”ہم لوگ اپنے پاس کو بھی نہیں سکتے گے۔“

”اس وقت جو کہ تمہاری پولیشن مضبوط ہے۔ اسی لئے تم ایسے لمبے میں بات کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جیسے لوگ اپنے بچے کو پولیس میں نہیں دے سکتے۔“

”تم حاؤ۔ مدگ اب کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ اور ہاں۔ تمہیں ایک بات اور بتا دوں۔ اس کے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ سمجھ۔“

”آندنی نے کچھ کہا جانا۔“

”زنگور کے ساتھ مدگ کے آدنی بھی بیٹھے تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی آندنی



میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ ہمارے پاس ہم صرف تمہیں دھمکے دے کر یہاں تک کا مقصد ہے کہ تم ہماری طرف سے

اس نے ایک میٹھی اور اسی وقت دو آدمی اس کے پہلو سے اگلے۔ دارو کی چوٹی جس نے اسے ان دونوں طرف سے خبردار کر دیا تھا لیکن وہ دونوں اس سے ہمیں خوشخبردار اور نذر خیر ثابت ہوئے تھے۔

"بس مسٹر دارو،" ان میں سے ایک نے مجھے ہم دونوں

داور نے اسپیکر کو کون سا کسے کی مجلس کی بین
وہیں کچھ نہیں تھلا ایسا لگتا تھا جیسے رات کو اس میدان میں
جو کچھ بھی ہوا تو وہ صرف خواب ہو جیسا کہ وہ لاش بھی نہیں
تھی۔ داور نے اس ماس کی جھڑپاں بھی دیکھ ڈالیں لیکن را

”میں لوہا کی بہت موثر دوا بھی دیکھ چکا ہوں۔“ وہ دوا دیکھنے کے لیے میری طرف دھڑکتے ہوئے آئے۔
 ”میں یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ وہ دوا کونسی ہے؟“
 ”اس دوا کو دیکھو۔“ وہ دوا میرے سامنے رکھ کر اس کی شکل دیکھنے کے لیے میری طرف اشارہ کیا۔
 ”وہ دوا تو ایک پتھر کی طرح ہے۔“
 ”وہ دوا تو ایک پتھر کی طرح ہے۔“ وہ دوا میرے سامنے رکھ کر اس کی شکل دیکھنے کے لیے میری طرف اشارہ کیا۔

لہذا اس نے اپنی جیب سے لوہے کی ایک چھوٹی سی سلاخ نکل کر ایک طرف پھینک دی۔
 دوا ایک ٹھری سانس نہ کر رہ گیا۔ یہ ایک نیا کیلی تھا جو اس کے ساتھ کھلا جا رہا تھا۔ وہ دونوں جس انداز سے اسے گھر کر رہا تھا اس سے لگے تھے۔ وہ انداز اب تبدیل ہو چکا تھا اب وہ دونوں ہی دوستانہ انداز میں اس سے باتیں کر رہے تھے۔ دوا کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ راولپور کے صوبے میں کسی اور جگہ کے بل پر میرے وقوف بنا دیا گیا تھا۔
 ”تم نے تو بہت دنوں نہ کھنہ ہوگا۔“ دوا نے پوچھا۔
 ”مگر اگر اتنا ضرورتاً سنا ہوں کہ اب تمہارے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔“ ایک نے کہا اور دوسری نے کہا کہ کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔
 ”خیر خطرے کی تو میں نے کبھی نہ پوچھا۔“ دوا نے کہا اور دوا جبراً حال دیکھ لیتا ہوں کہ اب تم لوگ میرے لئے کیا تمنا لائے ہو لیکن ایسے نہیں آگے آئے تم دونوں اس مکان میں داخل ہو گئے۔ میں تمہارے پیچھے رہوں گا کیوں ٹھیک ہے نا۔
 ”بالکل ٹھیک ہے۔“ دوا نے کہا اور دوا نے چلو سب سے پیچھے ہم ہی چلتے ہیں۔
 دوا ان دونوں کے پیچھے آگے اس مکان میں داخل ہو گیا وہ مکان بھی اسی قسم کے دوسرے مکانوں کی طرح ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اس میں صرف دو کمرے تھے۔ پہلا کمرہ شاید بھنگ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ دوسرا کمرہ کسی دھندلے دھندلے رکھے ہوئے تھے۔ دو صوفوں کے درمیان ایک کرسی رکھی تھی۔
 اس کرسی پر بیٹھ کر دونوں کی شان سے روپائی بیٹھی تھی۔
 دوا روپائی کو دیکھ کر ہنس گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے اسے اس کمرے میں پہنچا کر باہر چلے گئے لیکن دوا کلاہیاں اب صرف روپائی کی طرف تھا۔ وہ خوبصورت پورا سا دھرتی افروز سا نسل رکھنے والی لڑکی جس نے دوا کو اس لڑکی میں آکے کی دعوت دی تھی۔ جس نے دوا کو ایک گا سپر دیا تھا۔ جو دوا کی قیمت اور زمانہ کو آدھا بنا چکی تھی۔
 ”خوش آمدید۔“ روپائی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کی نرم آواز کا دوا اس کے لیے نہیں گیا تھا۔
 ”ہوں۔“ دوا نے ایک ٹھری سانس لے کر اب تمہارا اس لڑکی میں جو کچھ بھی ہوا ہے۔ اس کی ذمہ دار تم ہو۔
 ”یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ اس لڑکی میں کیا ہوا ہے۔“ دوا نے جلدی سے لہی۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ میرے لئے تو اپنی طرف سے اس لڑکی کو اس کا گوارا بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہاں سے ملنے

والی اطلاعات نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ میری رہائی ہوئی ہے۔ لہذا تم کا اتنا بڑا کریم بن جائے گی۔
 ”تم نے تو مجھے خود ایک جرم کرنے کے لئے کہا ہے۔“ دوا نے کہتا ہوا کہ وہ روپائی کے لئے ایک نیا کیلی تھا۔
 ”وہ بات کچھ اور ہے۔“ روپائی نے جواب دیا۔ اس کی نوعیت بہت مختلف ہے۔ البتہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے میں اس کے لئے اپنے آپ کو مصافحہ نہیں کر سکتی۔
 ”کھا رہے ہو تم خود کس طرح معاف کرو گی کہ یہ یہاں کے واقعات معمولی آدمی کے کس کاروبار نہیں ہیں۔ ان بھجوں کے عقب میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے پاس بے شمار مال اور یہ بڑا دولت ہے۔ تم لوگوں نے اس لڑکی کو منشیات کا سب سے بڑا ذریعہ بنا کر انھوں روپے بیٹھ لئے ہیں۔“
 ”سب غلط ہے دوا۔“ روپائی کھڑی ہوئی۔ اس کا لہجہ تھا۔
 ”مجھے یہاں کے واقعات کا علم ہوتا رہا ہے لیکن میں نے نہیں سمجھا تھا کہ ان کی جڑیں اتنی گہری ہو چکی ہیں۔“
 ”میں شاید یہ بات معلوم ہوئی ہو کہ پہلے اس پوری لڑکی پر میرا عمل دخل تھا۔ میرا کام چلتا تھا۔ لوگ میری بات مانتے تھے۔ اس وقت یہ لڑکی واقعی بہت پرسکون تھی۔ یہاں کسی قسم کا ہنگامہ نہیں ہوتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ بڑے عرصے میں اس لڑکی میں اپنے باؤں چلنے لگے۔ ہماری طاقت سمٹنے لگی۔ ہمارا کام مذاق سمجھا جانے لگا۔ پھر سمٹنے لگا۔ اس منزل تک محدود ہو کر رہ گئے۔ اب میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب مندرجہ ذیل ہے۔ مندرجہ ذیل کے باہر کی پوری لڑکی میرے دائرہ اختیار سے نکل چکی ہے۔“
 ”ہاں۔“ دوا نے کہا۔ لیکن تمہاری بات پر یقین کرنا چاہیے یا نہیں؟
 دوا نے کہا۔ لیکن تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تم جس مندرجہ ذیل کو پاک صاف سمجھ رہی ہو میرے انداز کے مطابق اسی مندرجہ ذیل کے جرم کا سیلاب نکل کر اس پوری لڑکی میں پھیل رہا ہے۔ تمہارا مندرجہ ذیل کی طرح یہاں ہونے والے واقعات میں ملوث ہے۔
 ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ روپائی مضطرب ہو کر کرسی سے کھڑی ہوئی۔
 ”یہ تم کو کچھ کہنا ہے۔“
 ”بیٹھ جاؤ۔“ دوا نے کہا۔ لہذا ہاتھ پٹیاں۔ اس میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا تو سوسکتا ہے کہ تمہاری سمجھ میں کچھ آجائے۔
 روپائی چند لمحوں تک بڑی عجیب نگاہوں سے دوا کو دیکھنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گئی۔ دوا اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر دوا نے اب تک کے سارے واقعات بتا دیے۔
 روپائی بڑی جرات سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ دوا کو اس کی جرات منہوئی بھی معلوم نہیں ہوئی تھی۔ روپائی کے تاثرات یہ تھا کہ اسے یہ سب سن کر صدمہ ہوا ہے۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہاں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“
 روپائی نے دوا کے خافوں ہونے کے بعد لڑکی کی بھینٹاں لگتے ہوئے کہا۔ یہ کیسے واقعات ہیں۔ بروا تو ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ لیکن خود کرنے کے بعد سارے مسئلے ایک ہو گئے ہیں۔ پھر وہ کافی محنت لگائی اب میرے اصرار پر سوار ہو گیا ہے۔ دوا نے وہ کون سا ہے۔
 ”وہ کون سا ہے۔“ اس نے ایک بار میرے ہاتھ لگا کر کہا۔
 ”اسے یہ بتا دوں کہ موت عرف کا نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور بھی رنگ ہوتے ہیں۔“
 ”وہ کیسے تم بھاری طرح ناہم نہیں رہے دوا۔“ روپائی نے کہا۔
 ”مجھے یہ سب باتیں معلوم تھیں لیکن سرسری طور پر۔“ تم نے اتنے کم عرصے میں سننے واقعات بتائے ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تم یہاں آتے ہی معروف ہو گئے ہو۔ ویسے میرے کام کے مسئلے میں ابھی تک نا کافی ہوتی ہے۔
 ”وہ سب طرح۔“ دوا نے چونک کر پوچھا۔
 ”میرا بھی بات ہے۔“ میں نے تمہارے لئے کہا تھا کہ تمہاری بھینٹاں اور ضمانت کے بل پر اس طرح مندرجہ ذیل ہونے میں میرا کیا ہو جاؤ کہ میرے آدمیوں کو تمہارے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن یہ بھی کہ تم اصل مندرجہ ذیل کا دخل ہو سکتے ہو۔ لیکن اس کے برعکس تم میرے آدمیوں کی نگاہوں میں آ گئے۔ میں کل رات ہی یہاں آئی ہوں۔ اور میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ صرف مندرجہ ذیل کے آدمیوں کو ہدایت کر دیں۔ اور جیسے ہی تم انہیں مندرجہ ذیل کے آس پاس منزل لاتے ہوئے دکھائی دے جاؤ۔ وہ تمہیں میرے پاس لے آئیں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اس کے لئے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں رات یہاں آئی اور صبح تم مندرجہ ذیل سے پکڑ لئے گئے۔“
 ”یہ تم ٹھیک کہتی ہو۔“ دوا نے ایک ٹھری سانس لی۔
 ”اعتراف ہے کہ میں پہلے مرحلے میں نا کام ہو گیا ہوں۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“ روپائی خوش دلی سے ہنس پڑی۔
 ”پھر تم نے کرو اور میں جانتی ہوں کہ تمہارے علاوہ میرا یہ کام اور کوئی بھی آدمی نہیں کر سکتا۔“
 ”مجھے صرف تمہارا کام کرنے سے بلکہ اس کا موت تک بھی پہنچنے سے دوا نے مجھ میں خود بھی کوئی فرشتہ نہیں ہوں۔ جرم ہی میری ضمانت رہی ہے۔ لیکن میں پھر تو ان لوگوں کے معاملے میں بے حد حساس ہوں۔ جب میں کسی ظلم و عدل کو دیکھتا ہوں تو مجھے لگتی ہے کہ یہ یاد آجاتی ہے۔ لیکن کوئی فرشتہ ہوتے ہوئے دیکھنا تو کیا لیکن لگا ہونے کے سامنے آ جاتا ہے۔ اسی لئے میں اس کو معاف کر کے اس کی موت پہنچا رہا ہوں۔“
 ”تمہیں پورے ذمہ کی ضرورت نہیں ہے۔“ روپائی نے پوچھا۔

”ہیں۔“ تم نے ایک واس کے طور پر حفاظ کیا تھا اس حالت بڑا احتیاط میرے پاس موجود ہے۔ میں اب کام ختم کرنے کے بعد اپنی بات کو ختم کر لوں گا۔ اور یہاں تمہارا گیارہ گیارہ ہے۔ تم اس لڑکی میں رہو گی یا نہیں؟
 ”مجھے واپس جانا ہے۔ میں جینے میں ایک بار اس لڑکی سے اپنے آدمیوں سے ملنے کے لئے آیا کرتی ہوں۔ روپائی نے بتایا۔
 ”ٹھیک ہے۔ اب میں بھی چلتا ہوں۔“ دوا نے پوچھا۔
 ”تم سے اسی وقت ملاقات ہوئی جب میں یہاں کا کام ختم کر لوں گا۔“
 روپائی اس کی طرف ٹھری لگا ہوں سے دیکھتی رہی اور وہ اس کے لئے اس کے پاس آیا۔ وہ دونوں آدمیوں سے اپنے ساتھ میں تک لے کر گئے تھے۔ اب تک باہر کی کھڑے تھے۔ دوا کو دیکھ کر ان دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دکھائی دی۔ دوا ان کی طرف ہاتھ پٹتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
 ”وہ اب مندرجہ ذیل جانا نہیں تھا۔ میں مندرجہ ذیل ہونے کا مرحلہ ناہم ہو گیا تھا۔ اس کے لئے یہ جرات کی بات تھی کہ روپائی کے آدمی اسے ہانتے تھے۔ دوا کی کچھ نہیں آ رہا تھا کہ روپائی کے آدمیوں کو اس کی صورت اور اس کے چلنے سے کہوں کہ لگتا ہوگی تھی۔ وہ لیٹر کسی غلطی کے اس کے پاس چلے آئے تھے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس لڑکی کے اور جانے کتنے لوگ اس سے واقف ہوں گے۔ اسی لئے اب اسے بہت محتاط ہو کر کام کرنا تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کچھ پالنے کے لئے نہ کر سکتا تھا۔ پھر اس کے ذہن میں ایک ایک کا خیال آ گیا۔ یہ ایک فلی اور ماہوسی نادوں والا طریقہ تھا۔ لیکن بھی بہت کام تھا۔ انا تھا وہ خفا لڑکی میں ایک لڑکی کے بدن کا دخل تھا۔ اسے اپنا وہ چھپ کر قرار رکھنا چاہیے تھا۔ اگر وہ ابھی تک اسی جیل میں ہوتا تو ان لوگوں کے لئے اسے تار کش کرنا ممکن نہیں تھا۔
 پھر حال اب اسے ختم کرے اسے اپنی لڑکی کی موت عملی تیار کر لی تھی۔ اس لڑکی میں اس کی آواز ہے۔ حفاظ کرنا ہے۔ اسے ساتھ لے لیں۔ اور اس نے یہ جان لیا تھا کہ وہ اگر کسی طرح میں تو اپنے ساتھ لے کر جاتا ہوا تو وہ دوسری لڑکیوں سے کچھ نہیں سکے گا۔ اب اسے ٹھیک سے مل کر شہرہ لین تھا۔ وہ لڑکی آتی ہوئی اور دین تھی کہ اس کے اعتقاد پر پورا اترنے لگی تھی۔ اس نے یہ لڑکا کر لیا تھا کہ اس کے لئے بہت کلا دیا تھا۔ ہر کسے ہے۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا۔ وہ کسی عورت پر اتنا بھروسہ کرنے لگا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے۔
 وہ ٹھیک سے ٹھیک لگا۔ اس کے گھر کا دوا کو دیکھا تھا۔
 ”س نے تمہارا ہاتھ دے دوا کے لئے دروازہ کھلا رکھا۔“ دوا کے لئے اس کی بے قراری کا یہ حال تھا کہ وہ اسے دستک دینے کی زحمت بھی دینا نہیں چاہتی تھی۔ دوا کو اس کا داخل ہونا

جہاں آج آف فیل گڑھ کے محل میں اضطراب کی تیسری آواز
جہاں آج کے اکلوتے بیٹے ناگہ کی آمد تھی جو اپنے ساتھ بک دو سو
کو بھی لایا تھا اور میراں کے حالات سن سن کر حیران ہو رہا تھا کہ

تو لیکن اس کی محبت کا اعلازا لیا تھا جیسے کوئی شخص اپنی محبوبہ
میں آئے والی کسی چیز سے محبت کرتا ہو وہیں سے اسے اپنی محبت
سے عیاں کرتے ہوئے دکھا ہے اس وقت میں ناہم تھا کہ
اس کی حرکتیں میرے لاشعور میں ہم کی طرح سمجھ ہوتی جا رہی
میں چران آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہتا۔ اس سے کچھ کہہ
کر محبت نہیں ہوتی تھی۔ میری حال سے ایک بالذباں کھنٹے
محبت کی تھی پھر جانتے ہو کہ اس کے ساتھ کہ ہوا ہمارا آف
گرمی نے ہمارا آن فیم گڑھ کو تہہ خانے میں سے باہر نکالا

”اور اس کے ساتھ ساتھ بے مثل فنکار بھی ہے۔“ ناظر علی

”میں تم سے صرف دس محنتے اور تعاون کا بیٹا نکالے گا۔ یہ بیڑا وعدہ ہے اور تم نے یہ دیکھ لیا ہو گا کہ میں نے آج کچھ عجیب ہیں لکھا۔ جیسے دسواں غمتم مکمل ہو گا۔ تمہیں جانے کی اجازت صرف دس دی جانے گی، بلکہ میں تمہیں اتحاد دولت بھی دے دوں

ہمارا جسے جب برداشت نہیں ہو سکا تو وہ ہنسے اتر آئے ان کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ انہوں نے پہلی ہی دیکھ کر کہا تھا کہ ان کے آنے جیسے ہر کوئی یا بندہ نہیں لگتا کئی دفعہ ہر وقت کھل سکتا تھا۔ وہ دروازہ کھول باہر آئے۔ باہر آنے کے بعد رات ہونے کا پتہ چلا تھا۔ دور دراز سے آئے تھے۔ انہوں نے پہلے پہل جلتا پھر تپتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ ہر طرف کی روشنی کئی کئی درمیں پر گری ہوئی سوئی بجی اٹھائی جا سکتی تھی۔ ہمارا کچھ دیر تک کہیں کے پاس کھڑے سوچتے رہے۔ پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

ان کے ہر طرف حیرت انگیز مینیوں اور عجیب طرز کی عمارتوں کا جال بھیلنا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی اور دنیا میں چلے آئے ہوں۔ یہ لوگ ٹیکس لادی اور سائنس کے شعبے میں بہت مہارت یافتہ معلوم ہوتے تھے۔ ہمارا ابھی تک کھنکھ میں مبتلا تھے ان کی کچھ نہیں تھیں۔ آج تھا کہ یہ سب واقعی کئی مخلوق کی کائنات تھی۔ ہمارا ہی نہیں کے انسان یہ سب کچھ کہتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آنے کے بعد ہر طرف انسانوں کی دیکھا تھا۔ سوائے ان چمکیلے انسانوں کے جو خود بھی بالکل انسانوں کی طرح تھے۔

ہمارا دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اپنے سینے سے دور گئے انہوں نے اندازاً ایسا رکھا تھا جیسے بس ہوا بخوری کے کپے نہیں تھے باہر آئے ہوں۔ وہ بھوک سے بیتاب ہو کر کہیں سے باہر گئے تھے لیکن باہر آکر بھوک کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ اب ان کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا وہ جہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ جگہ ہندوستان سے باہر نہیں تھی کیونکہ انہوں نے یہاں کام کرنے والے ہندوستانی ہی دیکھے تھے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے یہ بتایا تھا کہ انہیں کبھی کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی ہندوستانی ہوئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہندوستان ہی کے کسی حصے میں تھے۔

چلتے چلتے ہمارا اچانک اجالوں کی دنیا سے نکل کر دھیرے میں آگئے۔ ہر طرف سوائے انہوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مادہ مینیوں اور عمارتوں کی طرف سے مسلسل اچانک ختم ہو گئے تھے یہ بالکل خاموشی جی جی تھا۔ یہاں کوئی ظلم نہیں تھا۔ کسی مہارے کے تحقیقی مرکز کا چارو ایک دم ہی ختم ہو گیا تھا۔ ہمارا ایک ایسی جگہ آگئے تھے جیسے ہندوستان میں دکھائی دیتی ہے۔ دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کے سلسلے۔ اونچے نیچے تلے گردو پھا سے اٹا ہوا راستہ۔

ہمارا دھیرے دھیرے ہوا جیسے ان کا دل دھڑکا پھر گیا ہو۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی آسانی سے کھانا کھا کر حصد سے باہر نکل سکے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کسی نے ان کا ہاتھ بھی نہیں کیا تھا۔ کوئی بھی ان کے راستے میں نہیں

آپا تھا۔ یہاں کچھ کر جہاں لے۔ اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ اب تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ پھر انہوں نے باقاعدہ دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ دوڑتے ہوئے گراؤ کے کھیتوں میں داخل ہوئے یہ کھیت ان کے جانے سچی تھیں۔ یہ فصلیں ان آٹا تھیں کھیتوں سے لگتی ہوئی مخصوص خوشبو اور خوشگوار بوئیں انہیں آزادی اور قرب کا احساس دلانے لگیں۔ دوڑتے دوڑتے انہیں روشنی سی جھلکائی دکھائی دینے لگی۔

یہ روشنی کھیتوں کی مٹی پر سے ہوتی ہوئی کسی چوڑی کی کھڑکی سے دکھائی دے رہی تھی۔ جہاں پر کاسٹ آئی جو بھڑکی کی طرف تھا۔ اس چوڑی میں بہت سے والے لوگ انہیں ایک لائن کے لئے پناہ دے سکتے تھے۔

جھوٹے کھیتوں کے دروازے تک آتے آتے ان کی سانسیں بھولنے لگیں۔ وہ جھوٹے کھیتوں کے بندہ دروازے پر ایک لگا لگا ہونے اندر سے کسی مرد اور عورت کے بائیں کرنے کی آواز سن آ رہی تھیں پھر ایک بچے کے ہنسنے کی آواز سنائی دی اور جہاں پر یہ مٹلن ہو کر بنی آنکھیں بند کر لیں۔

خون کی لکیر اس دلال میں بھی تھی۔ لیکن نیلا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

وہ لکیر اس مکان کے عینی دھار کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیلا کو سامنے کی طرف سے نہیں بلکہ کچھ طرف سے بھیجیں گے جہاں پر آج تھا لیکن یہاں۔

دھار کے میں کچھ دیکھ کر نیلا کی تلاش میں چلے گاؤں فائدہ نہیں تھا۔ اسے اتنی دیر میں دے جانے کہاں سے کہاں آتا ہو گیا ہوگا۔ اس کے سامنے مسائل کے انہار لگے ہوئے تھے۔ اب نیلا کا معاملہ بھی آگیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ سب دھاری کی وجہ سے ہوا ہو۔ اگر بڑی بات تھی تو وہ اپنے آپ کو اس وقت تک معاف نہیں کر سکتا تھا جب تک نیلا کا سراغ نہ مل جائے۔ اس نے نیلا کے انگوٹھے کے مکانات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں چند کا خیال آ گیا۔ وہ شخص جس نے نیلا کو طواف بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور دھار جس کو اس کے دم کی سزا دے آیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نیلا کو انگوٹھے کے ذمے داری اسی کی ہو۔ حالانکہ اس کے انگوٹھے سے نیلا کا کوئی تعلق ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ پھر اس نے چند کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ نیلا کے گھر سے نکل کر چند کی طرف چل پڑا۔ راستہ بچھا لیا تھا۔ لیکن اس وقت نیلا اس کے ساتھ نہیں تھی۔ صرف نیلا تھے جو اس کے چاروں طرف مبتلا رہے تھے۔

چند کا مکان بھی کے انتہائی سرے پر تھا۔ دھار اس مکان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ہوا اس مکان کی طرف دھکتا رہا لیکن اس مکان میں کسی کی موجودگی کے آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

بہت جلد یہاں آیا تھا۔ تو یہ مکان بہت سے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے راستے میں آنے کی کوشش کی تھی۔ چند خود بھی ایک خطرناک آدمی تھا۔ یہ اور بہت تھی کہ دھار سے اس بد صورت اور بیگناہ انسان کو ناگوار نہ کر دے کہ وہ کیا تھا۔ لیکن کسی کی تو یہاں ہونا چاہیے۔ لوگوں کے علاوہ اس مکان کی سڑکوں میں بڑا ہلاک ہونے لگا ہوا ہوئے تھے۔ جنہوں نے دھار کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

دھار نے اپنی جیب کو کھنکی دی۔ اس کا ہاتھ اس کی جیب میں تھا۔ اور کئی خطرے کی صورت میں اس کے کلام آ سکتا تھا۔ وہ بہت محتاط اور کراس مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مکان کے قریب آنے کے باوجود کسی کی موجودگی کے آثار محسوس نہیں ہوتے تھے۔ اس نے ہاتھ کی جیب سے نکل کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ چند کے مکان کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اندر آنے کے بعد اسے لے لیں شوش ہوا جیسے وہ کسی ایسے مکان میں چلا آیا ہو جہاں بیڑوں سے کسی کی رہائش نہیں ہو۔

وہ مکان بھی نہیں تھا۔ لیکن یہاں پر کراس تھا۔ پورے مکان خالی تھا۔ انتہائی تھکی کر فریج پر کسی کی کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گھر میں ہٹے والے مکان خالی کر کے اپنا سامان لے کر کہیں چلے گئے ہوں۔ دھار نے ایک ایک کمرہ دکھایا۔ لیکن کسی کی کمرے میں کچھ نہیں تھا۔ وہ مکان سے نکل کر دھار کی طرف آگیا۔ اس نے ہر ایک کے دروازے کو دھک دھک جلا دیا۔ وہ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اور اس پر کچھ کے اندر چڑھوں کا ایک بچہ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ وہی ہر ایک تھی جس میں بچہ ہے بھولے ہوئے تھے۔

دھار مایوس ہو کر واپس آیا۔ وہ نیلا کے مکان کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اس کی جیب میں اس گھر کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی شے نہیں تھا۔ مکان کے دروازے پر آتے ہی اسے کسی ٹیڑھے کراساں ہونے لگا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ مکان سے چلے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ لیکن دروازہ اب کھلا ہوا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا مکان میں داخل ہو گیا۔ نیلا کے کمرے کوئی سرے سے پاؤں تک چارو اڑھے ہوئے لیٹا ہوا تھا۔ دھار نے کپڑے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے وہ چارو مٹا دی۔ اس چارو کے نیچے نیلا تھا۔

لیکن شاید وہ نیلا نہیں تھی۔ اس کی صورت اتنی عجیب تھی۔ اس کے بدن پر تشدد کے اتنے نشانات نہیں تھے۔ وہ تو بالکل عظیم تھی۔ ایک خوبصورت اور قادر الذی جس کی ہوا کوئی کوتاہی کے اسے موت کی بینہ سلامتی کی تھی۔ دھار دو قدم پیچے بہت ترس کر ہوا گیا۔

نیلا کو بہت ہی طرح مارا گیا تھا۔ اس کے کپڑے تار تار تھے اس کے چہرے کو اس طرح کر دیا گیا تھا جیسے چہرے کے ذریعے گود دیا گیا ہو یا شاید چہرے نے ترس لیا ہو۔ دھار کے ذہن

میں جھک کر ہوا۔ ہاں یہ کراساں کی جو ہوا کی ہو سکتی تھی نیلا کے خوبصورت بدن اور فاضل صورت کو جو ہوا کی ہی نے ترس کر گرا دیا تھا۔ دھار کی آنکھوں میں خون اٹھ گیا تھا۔ اس نے جہے چند کے مکان میں دیکھے تھے۔ اور نیلا کا کراساں چند ہی تھا۔ دھار نے بہت کم لوگوں کی موت پر اتنا دکھ نہیں کھیا تھا۔ اسے لوں لگ رہا تھا جیسے اس کی کوئی قیمتی اور عزیز چیز اس سے چھین لی ہو۔ اس کی خون ہوتی ہوئی آنکھوں میں اب درد و غم کے جذبے بھی جھلکنا نہ لگے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نیلا کے خون آلود پاؤں کو چھو پھر چارو اڑھا دی۔

اب اسے چند ہوا اس کے ساتھیوں کو تلاش کر کے انہیں انجام تک پہنچانا تھا۔ ان کے علاوہ یہ حرکت کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ چند نے دھار کے ہاتھوں اپنے ناکارہ ہونے کا بدلہ لینا لے لیا تھا۔ دھار نے اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ چند نے کس طرح اس کے اور نیلا کے تعلق کو جان لیا ہے یا اسے کیسے معلوم ہوا کہ دھار نے نیلا کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔ یہاں پر دھار میں سوچی جا سکتی تھیں۔

دھار نے اسے اب اس مکان میں کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ اس مکان میں نیلا کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے پاس اس وقت کو نیلا کے لگاے گاؤں کی ذریعہ بھی نہیں تھا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس لاش کو ہاتھ پھوڑ کر جلا جائے۔ یہ اس عمر نے ولی کی نہیں تھی۔ لیکن اس کے علاوہ کراساں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے اب اپنے دکھ کے احساس پر قابو پایا تھا۔ اب اس کے سینے میں آگ جلا رہی تھی۔ یہ آگ اس جتنی کے بہت سے لوگوں کو اپنی لپٹ میں لیے کے لئے بھڑک رہی تھی۔

وہ نیلا کے مکان سے باہر نکلے ہی والا تھا کہ اسے یاد آگیا کہ وہ اپنا ایک مہینہ بھولتا ہوا ہے۔ اس بیک میں اس کے چند چوڑوں کے علاوہ ایک بہت کام کی چیز بھی تھی۔ وہ ایک بچی بن کر اس کی جیب میں داخل ہوا تھا۔ اور اس نے اپنا سا آگٹ اپنا تھ کر اس کی جیب میں رکھ دیا تھا۔ اسے ایک باجور کی بھرپور کی ضرورت تھی۔

اس کا بیک اور اس کے اندر رکھا ہوا سامان بالکل محفوظ تھا۔ آنے والوں نے کچھ نیلا کے مکان کو الٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے باوجود کسی نے اس کے بیک کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ دھار نے بیک کھول کر چند کی جلدی کیٹ اپ کا سامان باہر نکال لیا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے سر پر مصنوعی ہاتھ کی ڈگ جالی بیک بیک فینٹوں کی جیکٹ پہن لی۔ اس کے بعد اس نے اس تبدیل کر لیا وہ اب دوبارہ بچی بن کر نکلا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ بیکٹ اپ ایسا ہی ہے جس کو وہ پہننے کے لئے کیا جانے۔ لیکن کچھ بھی آشنا ضرور ہو گیا تھا کہ دور سے دیکھنے والے اسے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے پہلے سے گھبراہٹ سے گرد آؤ کپڑے میں اپنے آپ

پاس جاتے گا کیونکہ اس شہر میں سے دو کہیں بہت ہی سہل مل سکتی ہیں۔
 ہے کہ اس کا اندازہ ہو تو اتفاق سے دوست ثابت ہوا۔ دوسری طرف
 اس نے آئندہ دیشیا کو کوئی اپنی طرف ملائید ناگزیر کسی طرح یہ معلوم
 ہو گیا تھا کہ ظاہر کے پاس اپنی خاصی دولت ہے۔ اور وہ جب تک
 ریڈمرگل میں قیدی رہتا رہے گا اس وقت تک اس دولت کا بہتہ
 نہیں چلا سکتا۔ اسی لئے اس نے ہماری معرفت دلا دیا کہ وہ فریڈ
 اور دوسری طرف آئندہ دیشیا کو ہوشیار کر دیا۔ یہ اس کی بہت خدمت
 پالیسی ہے۔ دلا وہ ان دونوں کو لینا آتی تھی تھی ہے۔ اور وہ ہوسکتا
 ہے انہیں اپنی دولت کے بارے میں بتا بھی سکتا ہوگا۔
 تو پھر ہم کہاں کے چیرو ہوئے بھائی! سارا معاملہ تو

ناگزیر ہے۔
 پھر کبھی ہو۔ ہم اپنے اصولوں پر قائم ہیں، ہر ایک خاص
 معاوضے کے دوسروں کے لئے کام کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے
 بعد ہماری ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔
 ”یہ مجھے تم سے ایک شکایت رہی ہے وہاں نے کہا۔
 تم دونوں بظاہر ایک ہو کر کام کرتے ہیں لیکن بہت سی باتیں میری
 سمجھ میں نہیں آتیں میرا مقصد ہے کہ ہمارے سے بات کرنے کی
 ذمہ داری جو کچھ تمہاری ہوتی ہے۔ اسی لئے تم مجھے اندھیرے
 میں رکھتے ہو مثال کے طور پر مجھے دلاور کو رہا دیا لیکن
 اسے براہ راست ناگزیر کے پاس کیوں نہیں لے گئے۔ تو ناگزیر کے
 سے جلدی کی کیا تھی۔ تو ناگزیر اس سے کیا اتفاق تھا؟
 ”میں نے کہا ناگزیر بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ نہیں
 چاہتا تھا کہ اس کا ہر دلاور کا نام لے لیا ہو۔ دوسری طرف وہ یہ بھی
 جاننا تھا کہ وہ دلاور سے نہ دوستی اس کی دولت کا راز انہیں اگلا سکتا
 دلاور ایک سخت ہاں آدمی ہے۔ اسی لئے اس نے یہی مناسب سمجھا
 کہ دلاور کو فوٹا کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اور ظاہر کیا جائے کہ اس کو
 رہا کرانے میں کو ناگزیر کا ہاتھ ہے۔ پھر اسے فوٹا کے گھر سے بھی پلے
 جانے کی اجازت دے دی جائے۔ دوسری طرف اس نے آئندہ
 اور دیشیا کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ اس نے یہ سارا ڈراما اس
 لئے رچا پایا ہے کہ دلاور آئندہ دیشیا پر بھروسہ کر کے انہیں اپنی
 دولت کے بارے میں بتا دے اور وہ دونوں مجھے آکر بتا دیں
 اور ہم یہ راز ناگزیر تک پہنچا دیں۔
 ”بہت ہی لمبا چور چڑھتا ہے۔“ موہن نے ایک گہری سانس
 لی۔ اب ایک بات اور اگر دلاور یہ راز دونوں کو بتا دیتا ہے تو انہیں
 ہمارے پاس آنے کی کیا ضرورت۔ وہ براہ راست یہ راز ناگزیر تک
 پہنچا سکتے ہیں۔
 ”تم بھی بے وقوف آدمی ہو۔“ موہن جھلکا۔ اسے بھائی۔

نند اور شیلانگ پہنچنے کا ذریعہ بھی تو ہم ہی بنے تھے۔
 ”گویا ہم نے بکرا لپکا یا کالدار اس کے منہ میں رکھ دیا ہے۔“
 ”ایسا ہی سمجھ لو لیکن یہ ہمارا اصول ہے۔ ہم ایسا ہی کام
 کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے کلائنٹ کے لئے یہ سوچنے کی ضرورت
 نہیں ہے کہ ہم سے ذہن سے کام لے کر اس نے کتنی دولت
 حاصل کر لی ہے۔ ہمیں تو پوری ایمان داری اور خلوص کے ساتھ اپنی
 ذکوئی انجام دینی ہے۔“

”اب ایک آخری بات یہ بتا دو ہمارے کہ یہ گروا دیشیا کا کچھ
 چلانے کی کیا ضرورت ہے۔“
 ”اس کی دو وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح ہماری
 دال روٹی چل رہی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ ایک وقت
 کئی بار انہوں سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر نند اور
 شیلانگ کہاں آتے ہیں۔ ناگزیر کہاں آکر ضرورت حال معلوم کر جاتا ہے
 اس کے علاوہ دوسری باتیں بھی ہم سے اسی ڈے ہر کسوفات
 کرتی ہیں۔ ہم سے ملتی ہیں۔ اور ہم ان کے دکھ درد کا بھی علاج
 کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس یہی ہے ہماری زندگی۔ فقیروں
 اور غریبوں والی۔“

”اب ایک بات یہ بھی بتا دو۔ کیا مستقبل میں بھی کسی پارٹی کے
 ملنے کا امکان ہے۔ میرا مطلب ہے مستقبل قریب میں۔“
 ”کیوں نہیں؟“ موہن ہنس پڑا۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد ایک
 پارٹی آنے والی ہے۔ وہ غیر ملکی لوگ ہیں۔
 ”بہت خوب۔“ ظاہر ہماری فہریت غیر ملکیوں تک پھیل چکی ہے
 وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔“
 ”ان سے بات کرنے کے بعد ہی اندازہ ہو گا لیکن یہ ظاہر ہے
 کہ وہ کسی لیے چکر میں ہیں۔“
 ”دلاور وغیرہ کا کیا ہے گا۔“ موہن نے بوجھا۔ ”کیا ہم ان کو
 اسی طرح چھوڑ دیں گے۔“
 ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم ان سے بھی رابطہ رکھیں گے تاکہ ہم
 اپنی فیس بحال کر سکیں۔ کوئی بڑے گھر کے کام ناجائز اور خدمت کا
 مال نکالتے ہیں۔“
 ”کلیا کے بیرونی حصے سے کسی کے ہاتھ کرنے کی آواز اس
 آنے لگیں۔“

”کیا مصیبت ہے۔“ موہن جھلکا۔ ”لوگ تو ہر وقت چلے
 آتے ہیں۔“
 ”ڈاکٹروں اور دوسروں کو بھی دیکھو گا کوئی وقت نہیں ہو کر تا
 موہن نے کہا۔ ”ضرورت مند ہر وقت آ سکتے ہیں۔ جاؤ انہیں بلا
 کرے آؤ۔“

موہن منہ پر ہاتھ رکھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بول نکلیا
 ہوا لٹپٹا ہوا پس آگیا تھا۔
 ”وہ غیر ملکی اس نے بتایا۔ دو ہیں۔“
 ”کھلی ہے۔“ ہمیں ان کی کا انتظار تھا۔ ”جاؤ بلا کر آؤ۔“
 وہ دونوں بہت ہی لمبے جوتے اور خطریک صورت کے
 معلوم ہوتے تھے۔ کچھ ان دونوں نے اپنی فنی ادا اپنے لباس
 پہن رکھے تھے۔ لیکن وہ لباس ان کی شخصیت سے ہم آہنگ
 نہیں تھے۔

”ہم نے لوگوں کو اس وقت ڈر نہیں کیا۔ ان میں
 سے ایک نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے پہلے ہتھوڑا
 میں ادا کیا تھا۔
 ”بافل نہیں؟“ موہن مسکرا دیا۔ ”وہی ہے تمہاری بات
 لے آ رہا گا کوئی وقت نہیں ہوتا۔“

”موہن کی بات سن کر وہ دونوں ہنسنے لگے۔
 ”ہی پر ہنسنے۔“
 ”ہم نے تمہاری بہت تعریف سنی تھی۔“ دوسرے نے کہا۔
 ”آئی نے تمہارے پاس آئے ہیں؟“ اس نے بھی یہ بات اردو میں
 کہی تھی۔

”آپ لوگوں کا بہت بہت شکر ہے۔ لیکن مجھے اس بات پر
 حیرت ہو رہی ہے کہ آپ ہماری زبان بہت صاف بول لیتے ہیں۔“
 ”اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں
 کو خاص طور پر اس زبان کی تربیت دی گئی ہے۔ ویسے میں اپنا
 تعلق کرادوں۔ میرا نام سینڈر ہے۔ اور یہ میرا ساقی کوئی۔“

”میں موہن ہوں اور یہ موہن۔“ موہن نے کہا۔ ”میرا خیال
 ہے کہ اب معاملے کی بات ہو جائے گا۔ تمہارے آدمی نے تمہارا
 پیغام تو ہم تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن اس نے اور کچھ نہیں بتایا تھا۔
 ”ہم یہ بات اسے نہیں بتا سکتے تھے۔“ سینڈر نے کچھ سوچتے
 ہوئے بولا۔ ”تم میری اسی لئے اعتماد کر رہے ہیں کہ ہم نے
 تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ ہمیں یہ پتہ چلا کہ
 تم لوگ کبھی اصولوں کے آدمی ہو۔ اگر پارٹی سے تمہارا سودا
 ہو جاتا ہے تو تم دونوں اس کے لئے کام کرتے ہو۔ روز انکا کی
 صورت میں یہ راز کی بظاہر نہیں ہوتا کہ تم سے کسی پارٹی نے کیا
 کہا تھا۔ یعنی وہ راز تمہارے سینے میں ہی دفن ہو جاتا ہے۔ ان
 کے علاوہ ہمیں اس بات سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہو تا کہ وہ
 پارٹی تم سے فلاں کام کیوں کر واری ہے۔ کیوں میں غلط فہم
 رہا ہوں۔“

”نہیں، ہمارے بارے میں تمہاری معلومات حیرت

انگریزوں کی طرف سے دوست ہے۔“ موہن نے کہا۔ ”لیکن تم ہم کو کوئی
 سے کچھ کام لینا چاہتے ہو؟“ تمہارے اپنے وسائل بھی کم تو
 نہیں ہوں گے۔“

”اسی وجہ سے کہ تم لوگ یہاں کے مقامی ہو۔ یہاں
 کے طرح معاشرت اور طرح طریقوں سے واقف ہو۔ یہاں ہماری
 واقفیت بھی کام سے زیادہ ہوگی۔ تم یہاں کے شہروں اور چھوٹے
 سے بھی واقف ہو۔ تم اپنی طرح جانتے ہو کہ کوئی کام کس شخص
 اصولوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ کہ تم دونوں میں بھی جو
 منصوبہ بندی کی صلاحیتیں بھی ہیں تم میں۔ اسی لئے ہم نے تمہارا
 انتخاب کیا ہے۔ یہ کام، ایسا ہے کہ مراد صاحب کے ذریعے نہیں
 کیا جا سکتا۔ اس میں بے پناہ ہوشیاری کی ضرورت ہوگی۔ اور
 اس کے لئے ہندوستان بھر میں تم سے زیادہ موزوں اور کوئی
 نہیں ہو سکتا۔“

”چلو اب وہ بھی بتا دو۔“ موہن نے بوجھا۔
 ”تم لوگوں کو دو دوا دہروں کی چوری کرنی ہے۔“ کوئی نے کہا۔
 ”بس اتنا سا کام ہے۔“ موہن جلدی سے بولا۔ ”میں تو یہ
 سمجھ رہا تھا کہ کوئی بہت ہی زبردست جہم ہوگی۔“

”یہ زبردست جہم بھی ہو سکتی ہے۔“ سینڈر نے کہا۔ ”یہ کوئی
 عام جہم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مالی دہروں کی آنکھوں میں لگے ہوئے
 ہیں۔ مالی دہروں کا یہ جہم نیپال کی ایک بستی رتا گری میں ہے۔
 ”میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کو ان مہروں کی کیا ضرورت رہی ہے۔“
 ”یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ کوئی جلدی سے بولا۔ ”تم اپنا مواضع
 بتاؤ۔ بلکہ پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہ کام کیسے کرنے لگے۔ تمہارا ہوا نہیں
 اس کے بعد ہمیں صورتحال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ حالانکہ تمہارا
 اصول تو یہ ہے کہ تم ہارنی سے کچھ نہیں معلوم نہیں کرتے۔ لیکن
 ہم ہمیں بتا دیں گے۔ تاکہ تم بہت سوچ کر اور دھوری ہو شہری
 کے ساتھ اس جہم پر جاؤ۔“

”بھیک ہے۔“ ہم نے ہاتھ میں موہن نے کہا۔ ہمارا اس کے علاوہ
 اور کام ہی کیا ہے۔ لیکن اس کے لئے تمہیں دی مواضع دینا ہوگا
 جو ہم طلب کریں گے۔“
 ”میں منظور ہے۔“ سینڈر نے اپنی جیب کو تھپکی دی۔ ہم بھی پوری
 تہاری کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں۔“

•
 ہمارا چاہ تھا کہ ہم کو کوئی سانس بہت دیر تک اعتدال میں
 نہیں آسکی تھیں۔

”انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک بلند پہاڑی پر بیٹھے
 ہوئے چڑھ گئے ہوں۔ وہ دروازہ آئی نہیں تھے۔ ان کے ذہن بہت

مضبوط تھے۔ وہ ورزش کے بھی عادی تھے لیکن ورزش کی یہ حالت
 اختیار نہ تھی۔ اس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ لیکن اس طرح فلز
 ہونے میں ان کی جھجکی اور ضعف خفاں تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے
 لئے بھاگے تھے۔ اسی لئے ان کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ جہت جہ
 تک اس جھونپڑی کے گرد و بارے بہرے بہ جس کے اندر سے
 غول اور غول کے لئے کی آوازوں کی آوازیں نکلتی تھیں۔

بہت دیر بعد جب ان کے خراس بحال ہوئے تو انہوں
 نے جھونپڑی کے دروازے پر دستک دے دی۔ دستک دہتی
 غول اور غول کی آوازوں کی آوازیں آتی رہی۔ پھر وہ دروازہ کھول دیا
 گیا۔ دروازہ کھولنے والا ایک طویل قامت اور اکثر مزاج آدمی ظہور
 ہوا تھا۔ جو سوار لگا ہوا تھا۔ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 ”جھکوان کے لئے مجھے پانی لوجھا یا یہ ہمارا جے کیڑا
 بڑی دھڑ سے بھاگتا ہوں یہاں تک آئی ہیں؟“

”پچھلے کوئی آفت آئی ہے تمہارے اس لئے پوچھا۔
 ”میں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے مجھے مختصراً سنا پانی بلاؤ۔
 ”ہاں۔ ہاں۔ اندر آ جاؤ وہ آدمی ایک طرف ہٹ گیا۔

ہمارا جہ جھونپڑی میں داخل ہو گئے کی جھونپڑی
 کے اندر جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس
 طرف سے گزرا بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن جھونپڑی انہیں وہاں
 ہونی یہاں تک لے آئی تھی۔ اس جھونپڑی میں تین آدمی اور بھی
 تھے جو فرش پر سر دی پچھائے بیٹھے تھے۔ وہ تینوں ہی دروازے
 کھولنے والے کی طرح صحت مندا اور خطرناک دکھائی دے رہے تھے
 اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس جھونپڑی میں نہ تو کوئی بچہ
 تھا اور نہ ہی کوئی عورت تھی۔

”میں نے تو اچھی غور توں اور غول کی آوازیں سنی تھیں؟“
 ہمارا جہ اس آدمی سے ملو پھا تو اندر لپکا تھا۔

”کیوں نہیں یہاں غول تھیں اور بچے بھی ہیں؟“ وری پوچھے
 ہوئے ایک آدمی نے جواب دیا کہ تم ان کی آوازیں سنو گے۔
 ہمارا جہ کی جھجک نہیں آتا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن
 جب اس شخص نے اس جھونپڑی کے کمرے میں جا کر دیا رکھے
 ہوئے ایک بیسپر دیکھا تو کاشن دیا دیا تو ہمارا جہ کی جھجک میں
 سب کچھ گیا۔ وہ آوازیں اس سے نشی ہو رہی تھیں اور ہمارا جہ
 ان آوازوں کے دھوکے میں آگئے تھے۔

”کیا بات ہے ہمارا جہ صاحب۔“ ان میں سے ایک نے
 پوچھا۔ ہوتے ہوئے پوچھا۔ کیا سوچا ہے ہو۔

”یہ کسی کے احساس نے ہمارا جہ کی آنکھوں میں آنسو پھر
 دیے۔ وہ ان لوگوں کے چہل سے نہیں نکل سکے تھے۔ انہوں

جو رائے صاحب نے سنا تھی۔ رائے صاحب کی طرح ہمارا جہ
 کی دولت بھی اب ان کے ہاتھ سے جانے والی تھی۔
 ”کیوں تم خاموش کیوں ہو گئے؟“ اسی آواز نے نواں کہا
 ”یہ نہیں ہو سکتا۔“ ہمارا جہ نے کہا۔ ہم نے دولت اس
 لئے حاصل نہیں کی کہ تمہارے حوالے کر دیں تم چاہے کچھ بھی کرنا
 ”یہ تو تم بھی جانتے ہیں۔ ہمارا جہ کی قسم اتنی آسانی سے
 ہماری بات نہیں مانو گے۔ اسی لئے ہم نے تم جیسے ہمارا دلوں
 کی خاطر ایک کھیل کا بندوبست کیا ہے۔ اگر تم اس کھیل میں جیت گے
 تو پھر تم تمہارے کھیل میں مائیکس گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ بلکہ
 واقعی آؤ اور دیا جائے گا۔ اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ یہ کھیل
 تمہارے اور کچھ بے زبان جانوروں کے درمیان کھیلا جائے گا۔
 کے طور پر کچھ چوہے اس کھیل میں شریک ہوں گے۔“

”کھانکوا اس ہے؟“ ہمارا جہ نے جلدی سے اس کی بات یوں
 دی۔ ”تم ہمیں خوفزدہ نہیں کر سکتے بلکہ اس بات خود ہمارا کام
 تھی کہ خوف نے ان پر کیسا تسلط کر لیا تھا۔ ان کی آواز واضح طور پر
 اس طرح لرز رہی تھی جیسے سردی کا اثر ہو گیا ہو۔“

دوسری طرف سے ایک پتھر سناں دیا۔ پھر خاموشی چھائی
 ہمارا جہ کو بہت بے چینی سی ہوئی تھی۔ اس شخص نے چوہوں
 کا تذکرہ کر کے انہیں دہشت زدہ کر دیا تھا۔ آخر یہ لوگ کس قسم کا
 کھیل کھیلنا چاہتے تھے۔ اور وہ بھی چوہوں کے ذریعے۔

ہمارا جہ کی سمجھ کا سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ
 سکا۔ ان کے کمرے کا دروازہ چاٹک کھلا اور تین آدمی اندر آ گئے۔ ان
 تینوں نے ہمارا لباس پہن رکھے تھے۔ اور ان تینوں کے ہاتھوں
 میں نارنج رنگ کی شے تھی جس کے بارے میں ہمارا جہ کا اندازہ
 تھا کہ یہ چیراں لوگوں کا کوئی زہر دہشت بخشا ہو سکتی تھی۔

”ہنریا اس؟“ ان میں سے ایک نے بڑے ادب سے
 ہمارا جہ کو مخاطب کیا۔ ”آپ کو کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔
 ہمارا جہ کی بے بسی اس وقت اپنے عروج پر تھی۔ یہ لوگ
 ان کے ساتھ کوئی برا بھلا نہ کرنے کے لئے لے جا رہے تھے لیکن
 ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ہمارا جہ کا صدق دل سے احترام کرتے
 ہوں۔ یہ ذہنی طور پر کسی کو باگیا بنا دینے والی حرکت تھی۔ ہمارا جہ
 کے لئے ان کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسی
 لئے وہ بڑی خاموشی کے ساتھ ہار گیا۔

”اس بھول گھر میں صبح ہو چکی تھی۔ ہمارا جہ جب یہاں سے
 فرار ہوئے تھے اس وقت رات تھی۔ پھر انہیں جھونپڑی سے اٹھ
 کر یہاں تک لایا گیا تھا۔ اور اب صبح ہو چکی تھی۔ صبح ہونے کی یہاں
 کام شروع ہو جاتا تھا۔ ہمارا جہ کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا

اس آواز نے ان کے ذہن میں سرایت کرنا شروع کر دیا جیسے کوئی
سارپ بھروسے لگے، جہاز نے لمبی دو فٹ لمبھان بچھنے میں لپٹا
اجاس ہو گیا تھا کہ یہ چال ان کے اعصاب کو گزروا کرنے کے لئے
چلی جا رہی ہے۔ اور وہ دشمنوں کے اس حربے کے آگے ہنسنے لگے
کو تیار نہیں تھے۔ ان کے اعصاب فولادی تھے۔ ان کے ابا و
مضبوط تھے اور ان کی شخصیت ایسی تھی کہ انہوں نے جھکاؤ نہیں
کیا تھا۔

وہ آواز دھتورے برساتی رہی جہاز نے اتنی سختی کے
ساتھ اپنے ہونٹوں کو کھینچ لیا کہ ان کے دانت ہونٹوں میں پھنس
ہوئے تھے۔ لیکن یہ آواز اب ان کی روح میں شامل ہو گئی تھی۔
ان کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ دھنسنے لگی تھی جہاز نے
ایسی کیفیت کا اس سے پہلے کبھی اندازہ نہیں کیا تھا۔ آج انہیں یہ
معلوم ہو گیا تھا کہ عمومی سی تھوڑی آواز بھی ان جیسے آہنی انسان
کو پاگل بنا سکتی ہے۔

”بند کرو یہ سب کچھ“ وہ دھتورے سے دبا ہے۔ میں تمہارے
کے شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ تم لوگ مجھ کو زمین پر رستے
جہاز کے اس جھلے کی بازگشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی
تھی کہ وہ تھمر سنا دیا۔ ٹھوڑی کی آواز کے ساتھ یہ تھمر بھی ان کے
اعصاب کے لئے ڈانٹ مرث ثابت ہوا تھا۔ یہ تھمر جس طرح چانگ
بلند ہوا اسی طرح ختم بھی ہو گیا۔ اور اس آواز کے فاتح کے ساتھ
جہاز کو ایک دوسری آواز سنا دی جو ٹھوڑی کی آواز اب سنائی دیتی تھی
یہ دوسری آواز کچھ عجیب سی تھی۔ یہ سرسراہٹ تھی جیسیت
سے کیڑے کلبا رہے ہوں۔ جہاز نے دیکھا کہ اور دھتورے بچھا
دیواروں کے نیچے فرش کے قریب سے ہونے لگا ہوا ہے جہے
اچھل اچھل کر کرے میں چلے آ رہے تھے۔ وہ پہلے اپنی کھنٹی
سوراخ میں داخل کرتے پھر کمرے میں جھانگ لگا دی۔ خراک دیر
میں وہ کمرہ ان بچوں سے بھر چکا تھا۔

دور نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نئی کنیش کے ساتھ ڈوٹی
سے جا کر کھڑی نہیں ہوئی تھی بلکہ کوئی جہاز اسے کنیش کے پاس
لے گیا تھا۔
اس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی بے بسی اور خوف صاف
ظاہر ہو رہا تھا۔ جبکہ کنیش کے ہونٹوں پر بڑی فاتحانہ سی مسکراہٹ
تھی اس نے اپنے جنس داور کو شکست دے دی تھی۔
”کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی۔“ وہ داونے نئی کنیش
دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”نہیں یہ تمہارے ساتھ نہیں مانے گی۔“ نئی کنیش کے بدلے

کنیش نے جواب دیا تھا۔
”جی اس کی مرضی“ داونے پرواہی سے بولا۔ پھل چانگ
آگے بڑھ کر اس نے نئی کنیش کو بڑھ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔
نئی کنیش جھٹکتے سے اس کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ
داونے کنیش پر جھانگ لگا دی کنیش نے اس کے کندھے پر
کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ داونے اپنے
ساتھ لپٹا ہوا ایک طرف اڑھک گیا تھا کنیش نے خود بخود آواز
میں داور کو گالیاں دینے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب
سے چاقو نکال لیا تھا۔

داونے بھی بھیجا تھا۔ اس نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی تھی
کنیش کے چاقو نکالنے سے ہی سرپیوں پر کھڑے ہوئے لوگ اور داور
سمتے لگے۔ داونے ایک جھٹکا دے کر کنیش کے سینے پر ہتھکڑی
کی اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مندر کی سرپیوں پر مل کر لگا۔
کنیش نے بھی چاقو اٹھارتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔
راستے میں جو لوگ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی پھلکا کر داور
اور دھتورے لگے۔ ڈرائیو میں وہاں جھگڑنے لگی تھی۔ آخر
سرپیوں پر ایک آدمی چانگ داور کے راستے میں حاصل ہو گیا
داونے اسے پیچھے کی طرف دھک دے دیا۔ اس آدمی کے
گرتے ہی داور نے ایک جھٹکا لگا کر اس کے اندر لگا لیا۔
اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اس نے یہ سلاخیں
مند میں داخل ہونے کے لئے چھپا لیا تھا۔

مند میں داخل ہونے کے بعد پھر داور نے کچھ دکھائی نہیں
دیا۔ یہاں اندھیر تھا۔ اور نئی سے اندھیرے میں آنے کے بعد
اس کی آنکھوں پر اندھیرے سے مبالغہ نہیں پیدا کر سکتی تھیں پھر داور
دھیرے دھیرے مندر کے اندرونی حصے کے خدو خال واضح ہونے لگے
اس کے ساتھ ہی دھتورے ہونے قدموں کی آوازیں آنے لگیں
کنیش بھی اس کے تعاقب میں زور زور سے دھارتا ہوا اس
تک پہنچ چکا تھا۔

داور کے لئے کنیش کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ جب چاہتا تو
توڑ کر کھینچ سکتا تھا۔ لیکن اس کا مقصد کنیش نہیں بلکہ کچھ اور تھا۔
وہ جس ہال میں آکر کھڑا ہوا تھا۔ وہاں کچھ لوگ دکھائی
دے رہے تھے۔ جو اس مندر کے بروہت یا بھاری ہی ہوتے
تھے کچھ کچھ مٹھے سروں والے لوگ۔ جنہوں نے اپنے جسم پر صرف
دھوتیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ داور گرجہ بہت ہی مشکوک انداز سے
مند میں داخل ہوا تھا۔ اس کے دھتورے انہوں نے اس سے
کوئی بارے نہیں کی۔ بس ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور اپنے
اپنے رخ چاہا جس میں مصروف ہو گئے۔ مگر داور کے جس شخص

کو دھک دیا تھا۔ وہ اب سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اب بھی
خاموش تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس مندر کے اندر آجائے والوں
کو نہ تو بار لگا جاسکتا تھا اور نہ ہر عمل کیا جاسکتا تھا۔ داور
کے لئے یہ صبر تحمل اطمینان بخش تھی۔

اس ہال کے وسط میں کالی دھلی کا وہ بت کھڑا ہوا تھا
جس کے لئے داونے یہ جن کئے تھے۔ تھیراٹ کا ایک
قوی ٹیکل بت تھا۔ اور کالی دھلی کے دوسرے سمتوں سے بالکل
مختلف۔ اس کی آنکھوں میں دھاتی وہ پتھر لگے ہوئے تھے جن
کی روشنی اس نیم تنہیک ہال میں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس
بت کے ارد گرد ایک جھلر ہوا ہوا تھا جس میں یقیناً بجلی کی لہریاں
دور لڑی ہوئی تھیں۔ داونے ایک نظر میں سے سب کچھ دیکھ لیا تھا
وہ دوبارہ مندر کے دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ آتی پر
میں کنیش بھی کھینچ چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تو نہیں تھا لیکن
اس کے ہاتھ سے تیز رفتار آواز آ رہی تھی۔ کنیش کو تو قہر
دہی ہوئی کہ داور اس طرح پھر اس کے برابر سے گزر کر نہ گئے
جائے گا۔ اسی لئے وہ کچھ دیر کے عالم میں رہا تھا۔ لیکن اسے
جیسے ہی ہوش آیا وہ دوبارہ گالیاں دیتا ہوا سرپیوں پر لگا۔
سرپیوں پر کھڑے ہوئے لوگ اب کنیش کو دیکھ کر سننے
لگے تھے۔ داور نے اسے سنا کر کھڑک دیا تھا۔ داور ورنیش کی بھاگ
دوران کے لئے اب تمنا میں گم رہ گئی تھی۔ داور سرپیوں پر لڑتی
کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب
سی مسکراہٹ چھلکی ہوئی تھی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ نئی کنیش نے حیرت کہا۔ ”تم نے اسے
میری طرح بھڑکا دیا ہے۔“
”میں نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔“ داور نے بتایا
”اب تم میرے ساتھ چل دو۔ میں نہیں چاہتا کہ اس مندر کے پاں
کوئی ہتھ مارے۔“

نئی کنیش کی طرف دیکھا جو اتنی دیر میں کی برہنہ
طرے چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دوبارہ چاقو دکھائی دے رہا تھا
”تم اس کی طرف مت دیکھو۔ داور بولا۔ مجھے اندازہ ہو گیا
ہے کہ تم اس سے خوفزدہ ہو۔ تم چلو میرے ساتھ میں نہیں
ہمیشہ کے لئے اس کے خوف سے نجات دلا دوں گا۔“
نئی کنیش کوئی اس کے ساتھ چل پڑی۔ تمنا دیکھنے
والے بھی کچھ لوگ ساتھ چلے تھے لیکن کھنٹی دور جانے
کے بعد ان میں سے بہت سے رک گئے۔ جبکہ کنیش دوڑتا چلا
آہٹھا۔ داور کوئی نے اپنی رفتار تیز کر لی تھی۔ کنیش کی حالت

اس وقت جنہوں جیسی ہوری تھی بالآخر ایک مقام پر داور
رک گیا۔ نئی کنیش اس کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ کنیش ان کے قریب
پہنچ گیا۔

”کیا بات ہے۔“ داونے نے جھلے والے انداز میں اس
سے پوچھا۔ ”کیوں پاگل کی طرح چل رہا تھا؟“
”میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ کنیش غراہا۔
داور ہنس پڑا۔ اس کی اس ہنسی نے کنیش کو اور بھی بھڑکا
دیا۔ وہ دھاتی کسی پاگل کی طرح داور پر چھٹ پڑا۔ داور نے کھنٹی
دے کر اس کے چاقو طے ہاتھ کو گرفت میں لیا۔ یہاں تک کہ کنیش
نے غبر ارا دی طور پر اپنا ہاتھ ایک طرف کر لیا تھا۔ اس نے داور
اس کے ہاتھ کو گرفت میں نہیں لے سکا۔ بلکہ کنیش کے چاقو نے
اس کی کلائی پر علیک لہری خراش ڈال دی تھی جس سے گرم خون
نکلنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے خون نکلنے دیکھ کر نئی کنیش
کنیش نے اپنا رخ انداز سے بدلتے ہوئے داور پر دوسرا حملہ
کر دیا۔ داور کی آنکھوں میں خون اتر گیا تھا۔

کنیش ہر دھاپے میں اسے کامیاب نہیں ہوسکتا تھا اس
ہار داونے اپنی ہمارت سے کام لیتے ہوئے اس کی کلائی
پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اسی لئے جب اس نے ایک چھٹکا دے کر اپنے
بازو کو ایک بل دیا تو کنیش کی کلائی کی بڑی ٹوٹ گئی۔ چاقو اس
کے لئے جان انگیزیوں سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ وہ کی چوٹ کھا
ہوئے تھے کی طرح بلبلائے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔
داور نے اس کا لگا ہوا چاقو اٹھا لیا۔ اس کے ہاتھ میں
چاقو دیکھ کر کنیش نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن داونے
ایک زوردار ٹھوکر اس کی پسلی پر سید کر دی۔ وہ ڈر کر انہوں میں
پر لپٹ گیا۔ دوسری جھٹکوں میں اس کے منہ سے کی ہولناکی تھی
اب وہ کسی لئے پس اور کور جا کر طرح پڑا ہوا تھا۔ داور نے چاقو
کی نوک اس کی گردن پر کھوکھری۔

”نہیں نہیں اسے مت مارو۔“ نئی کنیش سے لول پڑی۔
”آے۔ لوں، ای رہنے دو۔“
”میں اپنے لئے اسے نہیں مارتوں گا۔“ داونے کہہ کر بلکہ
میں تمہارے ذہن سے اس کا خوف دور کرنا چاہتا ہوں میں
نے یہ محسوس کیا ہے کہ تم اس سے خوفزدہ ہو۔ اب میں اس کا
سبب تم سے نہیں بلکہ اس سے معلوم کروں گا۔“
”جھگڑاؤں کے لئے چھوڑ دو۔“ کنیش بلبلا کر بولا۔ ”میری
بڑی ٹوٹ گئی ہے۔“
”میں بھی جانتا ہوں۔“ داور ہنس پڑا۔ ”لیکن تم مجھے یہ بتاؤ
کہ نئی کنیش تم سے خوفزدہ کیوں ہے۔“

”مٹھرو میں بتاتی ہوں، نئی جلدی سے لہلہ پڑی ہے۔“
 بلیک میل کر رہا ہے۔
 ”میرے ذہن میں ای قہری بات تھی، ڈاؤنٹش کو چھوڑ
 کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ایسی قسم کا ڈنڈا ہوگا
 وہ لوگ جہاں موجود تھے، وہ ایک میدان تھا۔ دھند
 تک پھیلنا ہوا۔ اس میدان میں خوردہ دھندلوں سے تھے۔ یہاں
 بدلتی ہوئی اکھڑی تھی، جیسے لمبی دالے، ابھی غلطی تھی ایسی میدان
 میں لاکھ بھینکتے ہوں، اس میدان میں ان لوگوں کے علاوہ اس
 وقت اور کوئی نہیں تھا۔
 ”نہاں اب بتاؤ دواصے زنگیش کے ہاتھوں کو ہکا کر چھلایا
 یہ کس قسم کی بلیک میلنگ ہے۔ میری نظر میں دو شخص دنیا کا سب
 سے گھناؤنا شخص ہے جو کسی لڑکی کو بلیک میل کرتا ہوگا
 ”اس میں گھٹے۔ گھٹے پیسے ملتے ہیں یا زنگیش کر رہے ہوئے
 لولا۔ اگر تم چاہو تو۔ میں نہیں جانتی۔“
 دواصے ایک جھٹکے سے اس کے بال جھوڑ دیئے۔ اس کی
 آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ غصے کی یاد دینے اس کے چہرے کے
 نفوس تبدیل کر دیئے۔ اس نے ایک ہاتھ ادا ہلایا اور پوری
 قوت سے زنگیش کی گردن پر دھڑکا۔ چٹا خ کی آواز کے ساتھ ہی
 زنگیش کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ کٹھن کو مٹا کر طرح پھینک دیا۔ اس کے
 منہ سے خون لپٹنے لگا تھا۔ پھر خون اس کی آنکھوں اور کانوں سے بھی
 رستے لگا۔ اس کی حالت دیکھ کر نئی کی حالت ایسی ہوئی تھی جیسے
 اسے گتہ ہو گیا ہو۔ دواصے زنگیش کو اسی حالت میں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس
 کے چہرے پر ابھی تک وحشت طاری تھی۔
 اچانک نئی نے ایک جھٹکے سے ساتھ ایک طرف دوڑ لگا دی
 اس طرح دھڑرائی تھی جیسے اس نے کوئی بلا دی تھی۔ دواصے نے بھی اس
 کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔ اس نے نئی کو بالوں سے پکڑ کر اس کے
 چہرے پر ایک پتھر پھینک کر دیا۔ پتھر ٹھکانے لگا چکا کہ ایک طرف جا رہی
 اس کی آنکھوں سے برقی طرح انسو بہ رہے تھے۔ ادا اس کے پورے
 جسم پر لرزہ طاری تھا۔
 ”تمہارا گدا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ ڈاؤنٹش یا یہ کیوں ہوگا
 راہی نہیں۔“
 ”مجھے مت مارو مت مارو۔ مجھے نئی نے اپنے ہاتھ جوڑ
 لئے۔ میں نے تمہارا کچھ نہیں لگا دیا ہے۔“
 ”اوہ“ دواصے ایک گہری سانس لی۔ پاگل ہو تم! میں
 نہیں کہیں منہ نہ لگا چلا آؤں اس نے سہلے سے گتے لپٹا
 ہاتھ نئی کی طرف بڑھا دیا۔ نئی نے تجھ سے ہونے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 دواصے اسے کھنکھرائی تھا۔ میں تو اس کو بھی مدد نہیں چاہتا

مٹھرو میں بتاتی ہوں، نئی جلدی سے لہلہ پڑی ہے۔“
 نئی نے جلدی جلدی اپنے آئینہ بکھڑے، اس کا خوف بھی
 تک ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی بھی گھبراہٹ ہوئی نظر آ رہی تھی اس کی
 طرف دیکھ رہی تھی۔
 ”بے وقوف مت بنو۔ دواصے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں کوئی
 خون دھند نہیں ہوں۔ پہلے یہاں سے چلنے کی سوجھ بوجھ سے
 لوگوں نے ہمیں اس طرف آتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر ان میں سے
 کسی ایک نے زنگیش کی لاش دیکھی تو خود بخود ایک ایک مہبت کھڑی
 ہو جائے گی۔ ویسے تو مجھے امید نہیں ہے کہ انہیں زنگیش کی لاش
 ملنے کے بعد بھی کچھ ہو سکتا ہے۔“
 نئی کچھ بولے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ دواصے
 اس پر اس قدر حیران ہوئی تھی کہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی
 دواصے کا رخ مخالف سمت کی طرف تھا۔ وہ اس وقت مندری طرف میں
 جانا چاہتا تھا۔ نئی نے بھی اس کے ساتھ چلتے ہوئے نہ نہیں بولنا
 وہ اسے کمال سے جا رہا ہے۔ دواصے کے ذہن میں اس ایک سی
 ٹھکانا تھا۔ اور وہ ٹھکانا کھڑا کھڑا۔ وہ کھڑا سے پناہ دے سکتا تھا
 ٹھکانا کو بھولا نہیں تھا۔ اس وقت شاعر عورت کی ہر بات اسے یاد تھی
 اور اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس نے چند کے مکان میں پہلی کیون
 آؤ لاش دیکھی تھی۔ اور اس نے چند کو تباہ کرنے کی قسم بھی کھا
 تھی اسے ہر حال میں پہلی کی موت کا انتقام لینا تھا۔ وہ چند
 کی تلاش میں اس مندر کی طرف گیا تھا۔ لیکن اب راستے میں یہ نئی کی
 کے ساتھ بول تھی۔ اس کا بھی اپنا مسئلہ تھا۔ اور دواصے کے خیال
 میں ”سارے سلسلے ایک ہی تھے۔ کر دیا جیسے قتل کیوں نہ
 اس بات میں جرائم کی جتنی بھی شکلیں تھیں وہ ایک ہی کہانی کی تھیں
 ہوتی تھیں۔“
 پہلی کا مکان اسی طرح تھا جس طرح دواصے سے چھوڑ دیا تھا
 مدافعت نہیں کسی کی موجودگی کے آثار نہیں۔ سب کچھ اسی طرح
 تھا۔ البتہ کمرے سے لے کر صحن تک خوف کی جلیب جلیبی تھی وہاں
 اب خشت ہوئی تھی۔ پس اس کے علاوہ اس مکان میں اور کچھ
 تبدیلی نہیں آئی تھی۔
 ”یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔“ نئی نے چاروں طرف دیکھ
 ہوئے بوجھا۔ کیا یہ تمہارا مکان ہے۔“
 ”نہیں۔ یہ اس عورت کا مکان ہے جس سے اس نے نئی
 آنے کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ دواصے نے بتایا۔ ”اس عورت کا
 میرے سر پر ہے اور میں اسے ادا کرنے کے لئے مندر کی طرف
 گیا تھا۔ لیکن درمیان میں تم لوگ مل گئے اور پھاری کہانی شروع
 ہوئی تھی۔“

”میں نہیں سمجھی کیا قرض“ نئی حیران دکھائی دے
 رہی تھی۔
 ”اس عورت کو پڑی ہے وحشی سے قتل کر دیا گیا ہے۔“
 دواصے نے بتایا۔ ”مجھے اندازہ ہے کہ اس کا قاتل کون ہے میں اس
 کے قاتل سے انتقام لینے کے لئے مندر کی طرف گیا تھا۔“
 ”ہاں۔ ہم میں کمال اگر کسی کو نئی نے دو دن پہلے
 سے اپنا سر پکڑ لیا اور ڈھال ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔“
 ”جو لڑکی ایک بار اپنے گھر سے نکل جائے۔ اس کے ساتھ
 اسی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ دواصے نے کہا میں یہ نہیں
 معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمہارے حالات کیا تھے۔ اور تم کس طرح
 مجھ کو یہ نقصان پہنچاؤ۔ میں ابھی بہت سی کہانیاں سن چکا ہوں
 میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ زنگیش تمہیں کس طرح بلیک
 میل کر رہا تھا۔“
 ”ہر نقص اور سبب کا چکر مٹانے نئی نے کچھ دیر بعد اس
 کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں اسی لئے اس کے ہنڈے
 میں بیٹھ گئی۔“
 ”صاف صاف بات کرو۔ یہ نقص دو سبب کا ذکر کرتے ہیں
 پہلے بھی سن چکا ہوں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس بات میں
 دنیا بھر کے جرائم ہوتے ہیں۔ وہاں نقص اور دو سبب کا کوئی قانون
 ہی اہمیت حاصل ہو سکتی۔ یہ تو بہت عام بات ہے۔“
 ”یہ عام نقص اور دو سبب نہیں ہے۔ نئی نے بتایا۔ ”بلکہ
 یہ ایک ایسا گھناؤنا نقص ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“
 ”میرا خیال ہے کہ تم اب سب کچھ بتا دی دو۔“ دواصے نے
 ایک گہری سانس لی۔ ”ورنہ میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔“
 ”پہلے تمہیں یہ بتاؤ کہ زنگیش کو قتل کرنے کے بعد اتنے
 مطمئن کیوں ہو۔ کیا نہیں پکڑے جانے کا خوف نہیں ہے۔“
 ”نہیں۔“ دواصے نے دیا۔ ”میں اس بات سے کہ حالات دیکھ
 چکا ہوں۔ یہاں کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ کون کتنی طاقت استعمال
 کر سکتا ہے۔ پس جس کے پاس جتنی طاقت ہے وہ اتنی ہی طاقت
 ہے۔ پہلی کیوں اسے اول تو دکھائی نہیں دیتی۔ اگر مجھے بھی تو اس کا
 ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ یہاں ہونے والے جرائم کی راہ
 بلکہ کاؤٹ نہیں بنتی۔ اسے یہاں ہونے والے قتل وغیرہ سے
 کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ متان کیا ایک
 اس بات کا وجود کیوں کر ممکن ہو گیا جہاں سرے سے کوئی قانون
 کھانا ہو۔ مجھے تو یہاں اگر یہ غمیں ہو رہا ہے جیسے میں کسی
 دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔“
 ”سب کا ہی موت کی وجہ سے ہے۔“ نئی نے کہا۔ ”مثلاً

”اوہ۔ کالی موت۔“ دواصے سے کھڑا ہو گیا۔ ”گویا تم بھی اس
 کے نام سے واقف ہو۔ میں اس کا نام آجی ماہن چکا ہوں کہ
 اس سے وحشت ہونے لگی ہے۔ کاش وہ ایک بار میرے سامنے
 آجائے تو مجھ میں اسے ”ہاتھوں کی موت کے ہتھکڑیاں“
 ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں کالی موت تک پہنچا سکتی ہوں۔“
 نئی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”کہا۔ دواصے نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ”تم کہا پھر پھر
 ”خشب گہرائی ہوں۔ میں اس کالی موت کے ٹھکانے سے
 واقف ہوں۔“
 ”اے کاے کو کالی پٹی لوم مارتا ہے۔“ عدیل نے کمر لٹے
 ہوئے کہا۔ اپنا کمر اس کا معلوم ہوئی گا تو سارا وہ ٹھکانہ
 کر دے گا۔“
 ”تم کس استاد کی بات کر رہے ہو۔“ ادا صرے میں ایک طرف
 سے آواز آئی۔ ”یہاں کس استاد کا نام نہیں چلتا۔ یہ بھی سارا اپنے
 علاقے کا استاد تھا۔ لیکن ہو گیا۔ آج ادا صرے کے پاس پہنچا ہوں۔“
 عدیل نے اس آدمی کی آواز سن کر کچھ گھبراہٹا۔ پھر خاموش ہو گیا
 وہ تو بہت دور سے اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ اسے تو یہ بھی
 اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کتنی دیر سے یہاں آئے۔ دواصے نے قہر سے
 اس کے ذہن پر ایسی دھند چھائی تھی جس کا اثر اسے پہلے بھی
 نہیں ہوا تھا۔ کچھ بھی دھند اس کے ذہن سے چھٹ گئی تھی۔
 اس وقت عدیل کو اپنے ساتھ کمرے ہوئے واقعات اس طرح یاد
 آنے لگے جیسے گتے میاں ہاتھوں کے درمیان کچھ بھی بجلی چمک لگے
 اس کے بعد پھر دھند چھا جائے اور اس وقت اسے کچھ یاد نہیں آتا۔
 ایک غمزدگی کے سوا اور کوئی احساس نہیں ہوتا۔
 اس وقت کچھ گتے میاں ہاتھوں کے درمیان کچھ بھی چمک رہی
 تھی۔ ادا سے واقعات یاد آنے لگے۔ ”اے کاے یاد آ گیا تھا کہ اس
 کا ایک استاد اور اس کی نوکارتا تھا۔ دواصے اور ادا نے دیر اور غمزدگی کوئی
 تھا۔ وہ عدیل کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتا تھا۔ اس نے پہلے
 کچھ کچھ انتہائی خطرناک مواقع پر عدیل کی مدد کی تھی۔ اسے یہ بھی
 یاد آ گیا تھا کہ وہ دواصے کے کھانے کیلئے کے ساتھ اپنے فلیٹ میں تھا کہ
 اچانک کچھ مسلح لوگ اس کے فلیٹ میں داخل ہو گئے۔ ان کے پاس
 عجیب قسم کے ہتھیار تھے۔ انہوں نے ان ہتھیاروں سے ان دونوں
 ہاتھوں کو دیا۔ وہ دونوں مے قہقہے میں لیکن ان کے ذہن غمزدگی
 کیلئے میں چلے گئے۔ ان ہتھیاروں سے عجیب قسم کی بلیک میل شروع
 ہوئی۔ یہی ہتھیار کچھ کر سلا دینے والی۔ وہ دونوں ذرا کچھ مزاحمت

نہیں کر پاتے تھے۔ ان کے ہوش و حواس ہی غائب ہو گئے تھے۔
 بھروسہ محض آدمیوں کے حکم پر غلبت سے باہر آنے اور ایک گاڑی میں
 بیٹھ گئے۔ یہ گاڑی وہ محلہ اور اپنے ساتھ ہی لے کر گئے تھے۔ ان
 دونوں کا حال تھا جیسے ان پر جادو کر دیا گیا ہو۔ عدیل کو کھلی
 کیفیت کا آثار عذاب نہیں ملے لیکن وہ اپنے لیے یہ جگر سکن تھا کہ اس
 وقت اس کے سوچنے کچھ کی صلاحیتیں بے درختیں۔ وہ جانتا تھا
 کہ اسے اور سلیم کو زندہ ہی نہیں ملے گا یا جادو ہے۔ لیکن وہ کچھ بھی
 نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ پر اس کے اختیار میں نہیں تھے
 ایک دھندلی جڑی ہر پہچان ہی جا رہی تھی۔ اور اسی دھند میں ان
 کا سفر جاری تھا۔

عدیل کو اتنا غلام تھا کہ ہر رطلے پر سلیم اس کے ساتھ ہی
 رہا تھا۔ اس گاڑی سے اترنے کے بعد انہیں ایک ریل میں سوار کر لیا گیا
 تھا۔ اس ریل کا سفر بھی بہت دیر تک جاری رہا تھا۔ اس دوران
 ان دونوں کو لائے والے انہیں کچھ کھانے پینے کو بھی دیتے رہے
 تھے۔ جن کے بعد وہ دھند اور بھی گہری ہو جاتی تھی۔ وہ کچھ کرنا چاہتا
 تھا لیکن اس کے اعصاب اس کا ساتھ ہی نہیں دیتے تھے۔ ایسی
 بے بسی اور بے چارگی کی کیفیت اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی
 یہ لوگ تو بھڑکی جادو جادے کے اس بعد ہی ہوئے تھے۔

رہل سے اترنے کے بعد انہیں پھر ایک دھند میں بھر دیا
 گیا تھا۔ اس بار ہی دھند کے عالم میں اس نے محسوس کیا کہ اس دھند
 میں اس کے ساتھ نہ صرف سلیم تھا بلکہ آدھی اور بھی تھے۔ جن کی
 کیفیت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ ان کا بھی وہی حال ہو رہا تھا۔ وہ لوگ
 بھی ٹھنڈی ٹھنڈی دھند بھر چکے تھے۔ انہوں سے دھند اور
 دیکھتے پھر ان کی گردنیں ڈھلک جاتیں۔

دھند کا سفر بھی بہت دیر تک جاری رہا تھا۔ دھند غلا
 چھٹی تو عدیل کو احساس ہوتا کہ وہ دھند پہاڑی راستوں سے گزرتی
 ہے۔ جن کے دامن میں چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے ہیں۔ یہ
 علاقہ اس کے لئے اجنبی تھا۔ یکم از کم اس وقت یہاں نہیں آ رہا تھا
 ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے بھی ان علاقوں کی طرف آیا ہو لیکن اس کی
 یادداشت اس معاملے میں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

دھند سے اترنے کے بعد انہیں پھیل چلا گیا تھا۔ ان کو
 ساتھ لائے والے ان کے ساتھ چلتے رہے۔ یہ سفر بھی پہاڑی
 راستوں کے درمیان ہو رہا تھا۔ اور عدیل کو صرف اس بات کا احساس
 تھا کہ یہاں سردی بہت تھی۔ ایسے سرد چھوٹے چھوٹے گدے بد بختوں کی
 طرح مرنے لگے۔ اس پہاڑی راستے کے دونوں طرف ہر ایک کی بہت
 تھی۔ دو دو رنگ مریضوں کی بھی ہوئی تھی۔
 عدیل کا سفر ختم ہوا تو وہ لوگ ایک لڑی میں داخل ہو گئے۔ یہ

ایک اچھی خاصی لڑی تھی جس میں مقامی لوگوں کے علاوہ بھڑکی بھی
 تھے۔ تعداد میں دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی
 قسم کے لوگ چمکی اڑے اور لوگوں کی بھی تھے جو ادھر سے ادھر دوڑتی
 پھر رہی تھیں۔ ان لوگوں کو کہیں اور ملے جانے سے پہلے ایک بڑا
 میس لے جایا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا ہوش تھا۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے
 چائے پھیلا کر گدے دھانے ہوئے۔ اسی وقت ایک حادثہ رونما ہوا
 ماہٹے کے پتے میں سلیم اس سے الگ ہو گیا۔ اور اب اسے سلیم
 کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

ان کے محافظ انہیں ہوش سے نہ رہا بلکہ ہی تھے کہ
 ان لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ دو فیاض آدمی وقت لڑھکے
 جبکہ گولیوں کی آوازوں نے عدیل کے ذہن کی دھند کی صاف کرنا
 وہ بھی لڑی طرح ہوش میں آ گیا تھا۔ ذہنی طور پر ہمدرد ہونے کے
 بعد اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک جھگڑا لڑی ہوئی تھی۔ جہاں
 بھی جولی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ جس کے نتیجے میں جھگڑنے
 والے آدمی مارے گئے تھے۔ جبکہ تیسرے کو گرفت کر لیا گیا تھا۔ اسی
 ہی ہنگامے میں سلیم اس سے الگ ہو گیا تھا۔ جبکہ عدیل نے بھی
 کہیں جانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اپنی خودی اور ذہن بھڑکا
 ہوئی دھند کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ شاید کچھ آگے بڑھ
 بھی نہ تھا لیکن فوراً ہی اسے گرفت میں لے لیا گیا۔

اس سب کے لوگوں کو شاید اس قسم کے ہنگاموں اور ان میں سے
 لینے والوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے نزدیک ظالم اور غلام
 دونوں ایک ہی جیسے تھے۔ اسی لئے کوئی ان پر دھیان بھی نہیں
 دے رہا تھا۔ ان لوگوں نے شاید سلیم کو تلاش کرنے کی بھی کوشش
 کی تھی۔ لیکن جب اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تو وہ عدیل اور اس کے
 آنے والے چار آدمیوں کو لے کر ایک طرف چل پڑے۔

عدیل کے ذہن میں جھگڑے کے پورے تھے۔ اسے
 کچھ یاد آتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ شاید اس پر جبر
 ہتھیار سے حملہ کیا گیا تھا۔ اس کا سفر ختم ہونے لگا تھا۔ لیکن یہ وقت
 کھانے پینے کو بھی دیا کرتے تھے۔ اگر وہ یہ محسوس کرتے کہ عدیل کا
 ان کے تسلط سے آزاد ہونے لگا ہے تو وہ اس کی غذا میں کچھ
 تھے۔ پینے کی بات میں کوئی مداخلت کی جا سکتی تھی۔ اگر وہ چاہتے
 اس پر ہیٹر خود کی مسلط رہتی۔ لیکن وہ اپنے حواس میں دبا
 گھول آتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ کیا وہ اسے اور اس کے
 آنے والوں کو اس اندھیرے تہ خانے میں بند کر کے مٹا رہے تھے؟
 وہ لوگ عدیل کو اس تہ خانے میں لے آئے تھے۔ یہ
 بالکل اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے ہی میں اسے ایک طرف بانگ
 وہ تہ خانہ لوگوں سے بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ مسلسل ٹوٹا

ہے ہاتھ ہر دھند سے عکس نہ رہتا تھا۔ لوگ جواب میں اسے گالیاں
 جتنے بڑھتا جتنے اور وہ عکس نہ کر پاتے آپ کو جھٹلے بول بھڑکے رہتے
 ہاں۔ لیکن کچھ دھرنے کے بعد پھر گڑ گڑنا تھا۔ ایک مصیبت
 تھی کہ وہ گاؤں کے جواب میں گالیاں بھی نہیں دے سکتا کیونکہ اس
 زبان پر اس مسلسل جاری رہنے والی خودی نے نہ جانے کیسی تہر
 بڑھا دی تھی کہ اسے اپنی زبان کوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

بالآخر اسے ایک کونے میں پناہ مل گئی۔ وہ دیوار کے ہمدرد
 ایک کھلم کھلا۔ بیٹھے کے بعد اس نے ادھر ادھر ہاتھ پھیلائے
 لیکن اس کے ارد گرد کوئی بھی نہیں تھا۔

ایک دیوار بیٹھے ہوئے کھڑی دھند ہوئی تھی کہ تہ خانے میں
 پڑی ہوئی۔ اس روشنی نے اسے ہمر کے لئے اس کی آنکھیں بندھا
 دی تھی۔ پھر جب اس کی آنکھوں نے روشنی سے مطابقت کر لی تو
 اس نے ہاتھوں طرف نگاہ دوڑائی۔ اس تہ خانے میں اس کے
 ہمدرد تیر لچرہ آدمی اور بھی تھے۔ اسراکت تھا جیسے ان لوگوں کو
 بہت دلوں سے قید کر رکھا ہو۔ ان میں سے بعض کی دالیاں
 اپنے تہ خانے پر بھی ہوئی تھیں۔ ان کے لباس میلے اور خستہ ہو چکے تھے
 ناگوں نے روشنی ہوتے ہی چیخ چیخ کر زبانی سے کراہنا بھلا کر
 زور دے رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر گالیاں دے رہے تھے۔ اس تہ خانے
 میں کان بڑی آواز کی ساری نہیں دے رہی تھی۔ یہ روشنی نے اسے
 ڈالنے کی قوت لیکن وہ قہری نہیں معلوم ہوتے تھے بلکہ ان کا
 خلق قید کرنے والوں سے معلوم ہوتا تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ دالیاں
 اور دھندوں کے بندل اٹھا کر لائے تھے۔ ان میں سے کئی لوگوں
 کے ہاتھوں میں پانی سے بھری ہوئی بالٹیاں بھی تھیں۔ انہیں سے
 رو آدھی بھاڑوں سے سستے تھے۔ جو تہ خانے کی دیوار کے ساتھ
 لٹک کر پڑے ہوئے۔ جبکہ دھندوں نے تہ خانے والوں میں کھانا
 تھم کر شروع کر دیا۔ ان کا طریقہ کار بالکل ایسا ہی تھا جیسا جیل میں
 ہوتا ہے۔ وہ ہر شخص کے سامنے ایک برتن اور ایک گلاس رکھتے
 برتن میں دال دے دی جاتی اور دوشیاں ہاتھ میں پکڑا دیتے ساتھ
 گلاس میں پانی بھی بھر دیا جاتا۔ عدیل کے آگے بھی یہی سب
 کر رکھ دیا گیا۔ وہ اپنے دھند لائے ہوئے ذہن اور دھند لائی
 ہوا آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہاں موجود قہری کھانے
 کے دوران بھی ان لوگوں کو گالیاں دینے چاہے تھے۔ جو ان کے
 لئے کھانے لے کر آئے تھے۔ لیکن شاید کھانا لانے والے یہ جانتے
 تھے کہ یہ ہوش میں ہے لوگ سامنے گالیاں دینے کے اور کچھ بھی
 نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ لوگ کچھ بہرہ ور اسے بھی تھے۔

عدیل کو کھانا دینے والا ایک دالھی والا آدمی تھا جس کی
 بالکل ہلک دی تھیں۔

”ہوس میں رہنا تھا۔ ہوش میں رہنا“ وہ عدیل کے بیٹ
 میں دال ڈالتے ہوئے بولا۔ بھوک مروا دینا کر لینا کھانا نہیں
 میں پھر کڑوں کا“

ذہن میں بھائی ہوئی۔ دھندل بیٹ کے ہاتھ عدیل کو یہ
 احساس ہو گیا تھا کہ اسے تنہا ہی جا رہی ہے۔ ہدایت کی جا رہی ہے
 احساس کھانے میں یقین تو کئی لڑی کو ملے کہ دالھی والا نہیں چاہتا
 کہ وہ کچھ کھائے۔ یہ شاید اس کا ہمدرد معلوم ہوتا تھا۔ لیکن دوسرے
 لوگ تو کھانے میں مشغول ہوئے تھے۔ شاید ان لوگوں کو یہ ہدایت
 نہیں دی گئی تھی۔ وہ دالھی والا صرف اسی کا ہمدرد معلوم ہوتا تھا
 لیکن کھوں؟

عدیل کو اس وقت بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی اس کے منہ
 ایک برتن میں دال لگی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو روٹیاں
 تھیں۔ کھانا چاہے کیسا ہی کھوں نہ ہو بیٹ کی آگ تو کھانا کھاتا
 وہ آدمی تو کھانا کھاتے رہا تو آگے چلا گیا تھا۔ لیکن اس نے عدیل کو ایک
 ٹکڑے میں ڈال دیا تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے
 کچھ کھائے یا نہ کھائے۔ پھر اس نے بھی ہتھوڑا کر ہاتھ بھینچ لیا جانے
 اس نے روٹیاں بیٹھ کے اوپر رکھ دیں اور گلاس لایا۔ پانی
 لیا۔ اس دالھی والے نے پانی کے لئے اسے ہدایت نہیں کی تھی۔
 اس کا مطلب یہ تھا کہ کچھ کچھ کھانے کو دے دے کھائے ہی نہیں تھی۔

تہ خانے میں قید لوگوں نے گالیاں دیتے ہوئے کھانا ختم کر لیا
 اس سے پہلے کھانا پہنچانے والے واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ
 پھر کھانے کا برتن کھینچے گئے لائے۔ اس بار صرف تین آدمی آئے
 تھے۔ ان میں سے ایک تو دی دالھی والا تھا۔ جبکہ باقی دو مسخ
 محافظ تھے۔ محافظ پہلے کی طرح دلوں سے الگ کر کھڑے ہوئے۔ جبکہ
 دالھی والے نے برتن کھینچے شروع کر دیئے۔

”یہ اچھا کھانے“ اس نے عدیل کے پاس آ کر گڑ گڑائی کہ
 نے اسی لئے تیرا انتخاب کیا ہے“

”چکر لیا ہے“ عدیل نے بھی اسی طرح بول دیا۔ کون ہو گا؟
 یہ لوگ کیا جانتے ہیں؟

”سب کچھ بتاؤں گا۔ اس نے جگہ میں موقع پر کار رات کو آؤں
 گا تیرے پاس۔ ہوش میں رہنا“

وہ برتن بھٹ کر آگے بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد عدیل
 نے آنکھیں بند کر لیں اور دلوں سے ٹک لگائی۔

وہ آدمی اس رات اس کے پاس نہیں آ سکا تھا۔ نہ جانے اسے
 کیا ہوا تھا۔ کھانا تھم کر دے والے آئے تو کچھ لیکن وہ ان شامل
 نہیں تھا۔ عدیل نے اس بار بھی کھانے کو کھانا نہیں لگایا تھا۔ اس
 میں بھی اسی قوت باقی تھی کہ وہ دھندل قوت کی بھوک مروا دینا کر لینا

وہ ساری رات دلاڑی والے کے انتظار میں رہا۔ چھوٹا
آگیا اور اس وقت آگیا تھا اس وقت تہ خانے میں موجود لوگ
بہر پہلے نہ مری تہ خانہ سے تھے۔ عبدل کو یہاں ہی ہوا تھا لیکن
اس دلاڑی والے نے اگر اسے بیدار کر دیا۔
”جوان! اس نے سپیڈ کی طرح سرخوشی؟ ہوش میں رہنا
ہوش میں؟“

”بابا! جن کو بتا دو کسی نے کہا اغیار ہے؟ عبدل نے کہا“
”مگر میں اپنی ناسیگ پھر گیا ہے۔“
”یہ لوگ اسی طرح لوگوں کو پکارتے ہیں۔ دلاڑی والے نے
بتایا۔ اور انہیں مختلف طریقوں سے منشیات کا عادی بنایا جاتا ہے
کسی کو لکڑی کا جاتا ہے اور کسی کے کان میں پھر ملا دیتے ہیں
پھر ان سے کام کر دیا جاتا ہے لیکن تیسرے ساتھ معاملہ کچھ اور ہے۔
”مطلوم تو ہو! ان کے ساتھ کامیاب ملے۔ اب میں کون
سامر خاں کا بھرا گیا ہے۔“
”میں نے یہ سنا ہے کہ تو کسی دلاڑی کا ساتھی ہے؟ اس نے کہا
”یاں ہاں۔ وہ سالہا اب کا استاد ہے۔ لیکن ان لوگوں کو
استاد سے کیا مطلب؟“

”یہ سدا چکرانی کے لئے چلا یا گیا ہے۔ اس نے اپنے پیٹے
سے ایک چھوٹا سا پستول نکال کر عبدل کی طرف دکھایا۔ بے رکھنے
تو بہت کمرے تو اس کے ساتھ تھے۔ یہاں سے باہر نکل کر کمرے میں
سے لٹنے کے بعد کسی سے پھر کفر قیام کی پہنچ جاتا۔ وہاں کلا کلا گان
پلوچ لپٹا۔ میں اسی مکان میں تھیں کہ اگر ملوں گا۔ اور اگر تو پھر جانے
تو زینام نہ لیتا۔ میں بھی جتنے چھوڑنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا
گا۔ جہر کے بیٹھ جاؤں گا پھر تیری طرح کسی کو تلاش کر دیا گا۔ یہ
پستول رکھ لے۔ اس میں گولیاں بھری ہوئی ہیں۔“

عبدل نے اس سے پستول لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔
وہ دلاڑی والا اسی وقت تہ خانے سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے
بعد عبدل ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ پستول اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔
اور اب اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اسے اس جھیل میں جرات
حاصل تھی اور وہ جانتا تھا کہ جب پستول اس کے ہاتھ میں ہو تو پھر
صورتحال بدل سکتی ہے۔

اس آدمی کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی ناخن دینے کے
لئے وہ لوگ آئے۔ ان میں حسب معمول دو مسخ یا فطرت تھے جو کہ
پہلے کی طرح دیوار سے لگ کر کھڑے ہوئے۔ جبکہ باقی دوسرے
لوگ تھے۔

عبدل کے لئے اب صورتحال دلچسپ ہوئی تھی۔ پستول
ہاتھ میں آتا ہے، اب اس کا حوصلہ اس کے ہاتھوں میں آگیا تھا اس

کے علاوہ ذہن بردی ہوئی دھند بھی اب صاف ہوئی تھی۔ سب
اسی دلاڑی والے کی ہرمانی تھی اس نے عبدل کو کھانے سے الگ
رکھ کر اس کے ساتھ ایک چلا حسان کیا تھا۔
ناخن دینے کے لئے ایک آدمی عبدل کے قریب آیا اور عبدل
نے کسی چپتی کی طرح اسے دلوچ لیا۔ اس نے پستول اس کی کپٹی
سے لگا دیا تھا۔
”نامک۔ ادھر آگئی نے بین کار راستہ روکا کیا تو بین اس سالا
کی کھوپڑی اڑا دے گا کیا؟“

ناخن دینے والے اور فطرت کے عالم میں کھڑے روٹے
وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان غم کے ہوش آدمیوں میں
سے کوئی ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے۔ جبکہ قیدیوں کا حال تھا کہ
انہوں نے عبدل کی اس حرکت کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ کیا
ان کے نزدیک عبدل کا فعل کسی فحشے سے زیادہ نہیں تھا۔
”اے تم فطرت کس سوچ میں ہے؟ عبدل نے دونوں کی خاطر
کو لکھا۔ اپنا ہاتھ لکھو اور دھند چھینک کر دونوں باہر لکھا دو دو۔“
فطرتوں نے غصے کے عالم میں اسے ٹھوکتے ہوئے دیا
کہ جس کی عبدل نے ہدایت کی تھی عبدل نے قابو میں آئے والے
فحش کی کپٹی سے پستول کی نال بنگار اس کی کمرے لگا دی۔

”اب تم سالا میں سادھا جھلنا رہو۔ اس نے کہا۔ وردہاں
سالا جہاری ناگ کہ میں سوارا ع براندے گا کیا؟“

اس کے راستے سے دونوں کی حفاظت اور دوسرے لوگ ایک
طرف ہٹ گئے۔ سپیڈ عبدل کا لارہ تھا کہ وہ دوسرے قیدیوں کو
بھی اس تہ خانے سے نکال لے جانے کا۔ لیکن ان میں سے کوئی
بھی ایسا نہیں تھا جو عبدل کا ساتھ دے سکتا۔ فطرت کی زیادتی نے
ان لوگوں کو بے حس کر دیا تھا۔ ان میں کچھ کر گزرنے کی صلاحیت
ختم ہوئی تھی۔

عبدل اس کی فطرت کو اسی طرح کرتے ہوئے سیر جھول
لے کہا۔ اب صرف ایک فطرت تھا کہ کہیں اور کچھ لوگ نہ ہوں گے
ایسا ہوتا تھا اس کے لئے ٹھوڑی سی بے لاشی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ
کوئی بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اوہرواے کی فطرتوں
ادھر ادھر چلے گئے تھے یا پھر سب کے سب اس تہ خانے سے
تھے تہ خانے کے دروازے سے ایک ٹوٹا سا سالہا لٹک رہا تھا
جس کی جانی آسمان سے نہیں موجود تھی۔ عبدل نے بڑی پھرتی
ساتھ ایک تھوڑا سا اس شخص کی کمر پر سر رکھ کر دیکھا جیسے وہ
ساتھ لے آیا تھا۔

وہ شخص ایک مکروہی فحش کے ساتھ تہ خانے کی سیر
سے رخصت ہوا جیسے چلا گیا۔ اس کے گرجانے کے بعد بڑے اہل

مے ساتھ تہ خانے کا دروازہ بند کیا۔ تاکہ باہر جانی جہب نہیں
لہو۔

اس شخص کا ہم پیر سائن تھا۔
اس کی عمر چھ ساتھ کے لگ بھگ تھی۔ لیکن وہ اب تک
بان اور جاق و چرند دکھائی دے رہا تھا۔ کمری جسم اور دھنکے
بے زخرد۔ آنکھوں میں زندگی کی چھلچھل۔
وہ مہاراجہ آریہ سنگھ سے ملنے کے لئے ان کے محل
آگیا تھا۔ لیکن یہاں پہلے جہار کے اس کی ملاقات ناگے
ہوئی تھی۔ جو اس کی خاطر ملاقات میں پہچا جا رہا تھا۔

”پاپا نے تو بھی آپ کا تذکرہ نہیں کیا؟ ناگے نے اسے بتایا۔
”بھئی میں ایک سیلائی آدمی ہوں۔ سامنے نے کہا۔ آج
مال تو لگ رہا۔ ویسے انجینئر کار ہے والا ہوں۔ میرا پاپ بہت
ی جلد اور ادر ہے بہانہ دولت چھوڑ کر گیا تھا۔ لیکن میں نے پاپ
اس بائیکاٹ اور دولت میں اضافہ ہی کیا ہے۔ ناخلف اولادوں
پر اسے ضائع نہیں کیا۔ اب میرے پاس اتنی دولت ہے کہ
ن کا حساب کتاب بھی نہیں کرتا ہے۔“

”بہت خوب۔ ناگے کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ تو بہت اچھی
تہ ہے۔ اسی لئے آپ اتنی شاندار شخصیت کے مالک ہیں۔“
”ایسا ہی سمجھو۔ سامنے ہنس پڑا۔
”آپ کی ہندوستان آمد کا مقصد کیا ہے جناب؟ ناگے نے

پچھا۔
ایک تو تہ خانہ سے پاپ سے ملاقات اور دوسرا شکار۔ سامنے
نے بتایا۔ میں نے سنا ہے کہ اس علاقے میں نایاب قسم کے ہرن
پہلے ہیں۔ میرے آنے جانے کا سلسلہ کچھ یوں ہی ہو کر رہا ہے
لگا چلا۔ اس وقت میرے پیڑا اور دوسرے لوگوں کو یہ معلوم
نہیں ہو گا کہ میں کہاں ہوں۔ جب میرا خطا انہیں ملے گا تو انہیں
بڑے لگا میں اس وقت ہندوستان میں بھیجا ہوا ہوں۔

ناگے کے لئے اب سیرت چھاننا دشوار ہو گیا تھا۔
لیکن تہ خانہ سے پاپ کے ساتھ یہ سب کہا چکر ہے۔ سامنے
بوجھد۔
ناگے نے اسے اب تک کے حالات سے آگاہ کر دیا۔ سامنے
سے دھیان سے اس کی باتیں سنتا رہا تھا۔

”یہ تو واقعی بہت عجیب صورتحال ہے۔ ناگے کے خاموش
دھانے کے بعد اس نے کہا۔ ہندوستان جیسے ملک میں اس
لکھو واقعات پیش آیا ہو بھی جیت ناگے ہے۔
گیا آپ کے خیال میں ہندوستان اس قابل نہیں ہے کہ

بہاں اس قسم کے واقعات ہوں؟

”نہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ میں تو صرف
بہت چاہتا ہوں کہ یہ ملک سامنے کی طرح جلد بھی اتنا ہیرواں نہیں
ہو سکے کہ یہاں اس قسم کے سامنے شعبہ دکھائے جا سکیں۔“
”ایسا نہ کہیں اٹھیں۔ آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کریں کہ
مجموعوں نے بھی اب سامنے اور فیما بین تہ خانے استعمال کرنے شروع
کر دیئے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ یہاں کیا تم مجھے وہ جگہ دکھانے
ہو جہاں وہ ڈائن فٹسری بائی گئی تھی؟“
”جسے خرق سے۔ ناگے نے جواب دیا۔ کچھ دنوں تک وہاں
چہرے لگے رہے تھے۔ لیکن اب جیسے بڑا دیئے گئے ہیں آج
تو آپ آرام کریں۔ کل ج میں آپ کو ویدالے چلوں گا۔“
اس کے بعد ناگے سامنے کو ایک بد نظف کرے میں لے آیا۔
یہ کہ اس نے سامنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ سامنے کو اس
کے کمرے میں پہنچا کر وہ اپنے کمرے میں آیا اور ڈائن فٹری کے طلب
کر لیا۔ ڈائن فٹری بہت جلد اور دل گرفتہ سا دکھائی دیتا تھا جیسے
کسی کو زبردستی قید کر دیا جائے اور وہ ابھی رہائی کی طرف سے
ملا سوں کا شکار ہو۔

”کہا بات ہے فطرت جیت۔ ناگے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
ہو چھا۔ ”تم قہمت ادا اس اور پریشان دکھائی دیتے ہو۔ کیا یہاں
کی آپ وہاں اس نہیں آئی؟“

”میں اب ان ہنگاموں سے آگیا چکا ہوں۔ اس نے پھر کر کہا
فطرت میں اب برداشت کی وقت نہیں رہی۔ میں ایک مجرم ذہن کا
آدمی نہیں ہوں لیکن تہ خانہ وجہ سے میں گناہ کے اس دل میں
دھندلا جا رہا ہوں۔ اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔ میں تہ خانہ
اطاعت اور غلامی نہیں کر سکتا۔ یہ میرے بس سے باہر ہے۔“

”اچھی طرح سوچ لو فطرت جیت۔ ناگے نے کہا۔ اس ملک
میں تہ خانہ کی فحش سامنے ہے۔ میرے ذرا سے اختلاف ہے۔ پھر
ساتھ تیار ہو جائے۔ تم کہیں کے بھی نہیں روو گے۔ لوگوں کو
جب یہ معلوم ہو گا کہ اس ملک کے مشہور و معروف مرجن فاکٹر
ہیت نے ایک مر لہنے کے ساتھ۔“

”بس بس خاموش رہو۔ ایسی بات نہیں ہے کہ تہ خانہ سے باہر
سے وہ مجھے یاد آتی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہ ہم لکھ آجیب
کی طرح ہر آن میرے تعلق میں رہتا ہے۔ نہ جانے وہ میری زندگی
کا کون سا کوئی تھا جس میں نے یہ حرکت کی تھی۔ اس کے لئے
میں کتنے پریشان رہا ہوں۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے اور مجھے اب بہت
کچھ احساس ہے کہ شاید میرے جھگڑنے نے مجھے حافی کر دیا ہو۔“

لیکن تم مجھے معاف نہیں کرو گے۔

”اس کی وجہ یہ ہے میرے دوست کہ میں بھگوان نہیں
الست ہوں۔ اور اس میں معاف نہیں کرتا۔ ناگ کے ہونوں پر ایک
زہریلا مسکراتی تھی۔ اس کے علاوہ تم یہ بھی تو سوچو کہ میں نے اب
نہ تم سے کتنا وہ ستارہ سلوک کیا ہے۔ تم سے مختلف معاملات
میں حضور سے لیت رہا ہوں۔ تمہیں یہ احساس بھی نہیں ہونے دیا
ہے کہ تم میرے زہر آثر ہو۔ یا میں تمہاری کسی کمزوری کا فائدہ اٹھا
رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر تم اتنے
پریشان کیوں ہو؟

”کیا بتاؤں؟ جیتنے والے ایک گھری سانس لی۔ ایک آدھریے
تغاف میں ہے۔ وہ آواز یہ کہتی ہے کہ میں نے بہت سے جرائم
ہو کر گناہ میث لئے ہیں اور اب مجھے شانت ہو جانا چاہیے۔ ورنہ
بھگوان جب مجھ پر اپنی گرفت سخت کرے گا تو پھر مجھے کہیں پناہ
نہیں ملے گی۔ بس اسی خیال نے مجھے خوفزدہ کر رکھا ہے۔“
”میرے دوست اول تو غلی غلی اور ترقی یافتہ دنیا میں
ایسی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود تم نے اگر
دھرم جاری بننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو یقین مانو میں تمہاری
راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔ تمہیں جانے کی اجازت دے دوں گا
یہی نہیں تمہاری کمزوریوں کے جو فیوت میرے پاس ہیں وہ بھی
واپس کر دوں گا۔“

”کیا جیتنے والے یقین دکر لے والے انداز میں اس کی طرف
دیکھا؟ کیا کہہ رہا ہے۔ ہو کیا ایسا ممکن ہے۔“
”ہاں۔ لیکن اس طرف ایک آخری کام تمہیں کرنا ہو گا۔ میں
اس پیڑ سائن کو اپنی راہ پر بلانا چاہتا ہوں۔“
”پھر وہی بات۔ میں نے کہہ دیا نا کہ اب مجھ سے یہ سب
نہیں ہوسکتا۔“

”یہ تو تمہیں کرنا ہو گا۔ تم پیڑ سائن ہر اپنی وی دلاؤ آناؤ
یہ ایک ارب بڑی آدمی ہے۔ میں بھی شاید اس کے بعد اس کھیل
سے باز آ جاؤں۔ یوں مجھ کو کہہ ہمارا آخری نشان ہو گا۔ اس کے بعد
میں تمہیں رحمت نہیں دوں گا۔“
”تم یہ وعدہ مجھ سے پہلے ہی کر چکے ہو۔“
”لیکن اس بد اس کی ذمیت قنات ہے۔“ ناگ نے خیرامیر
سائن کی دولت حاصل کر لینے کے لئے یہیں اور کچھ کرنے کی ضرورت
نہیں ہوئی۔

جیتہ چند عورتوں تک ٹھٹھک کے عالم میں ناگ کی طرف دیکھتا
رہا پھر ایک طویل سانس سے کہہ بولا۔ ”ٹھیک ہے لیکن یہ میرا آخری کام
ہو گا۔ اس کے بعد چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔“

”لو کہ ناگ خوشی سے اچھل پڑا۔ تو یہ کام آج ہی سے بلکہ
سے شروع ہو جانا چاہیے۔ تم جا کر پیڑ سائن کی اسٹری کرو۔ دیکھو
وہ اس مزاح کا آدمی ہے۔ اور کتنی اس کی کتنی دشمنی ہے
وہ ٹرانس میں آج ملے گا۔ بلکہ ایسا کرو۔ شام کو چنے بڑے سے
ملاقات کر لینا۔ میں جب تک ہزار دیکو اس کا جھمٹہ تیار کرنے کے
لئے کمر دیتا ہوں۔“

ناگ اس کمر سے بہا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ناگ
جیتہ نے پرخیاں انداز میں گردن ہلاتی اور کمرے میں بیٹھنے لگا۔ وہ کچھ
اٹھا اور دکھائی دیتا تھا۔ لہذا لگتا تھا جیسے وہ کسی بیچ میں بند
ہو۔ پھر جیسے دھبے اس کے ہونوں پر ایک مسکراہٹ پر لگ
آئی۔ جیسے اس کے ذہن میں اپنے مننے کا کوئی حل آ گیا ہو۔
پیڑ سائن سے اس کی ملاقات ناگ کے کہنے کے مطابق
کی جانے پھر ہوئی تھی۔ اس وقت وہ لوگ باہر ان میں بیٹھے تھے
جہاں آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان سے کھٹا خاصے پورے
ملازمین ادب سے کھڑے تھے۔ اس وقت سائن کے ساتھ ناگ
بھی موجود تھا۔ جو اس وقت بھی سائن کے ساتھ بہت اذہب
دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تو پھر میں کب اس مقام پر پہنچتا ہے؟ سائن نے ناگ کو
دیکھتے ہوئے بلکہ چہا۔ میں اپنے دوست کی وجہ سے بہت ہی
پریشان ہو رہا ہوں۔“

”بس کل صبح ہم لوگ رواد ہو جائیں گے۔ ناگ نے کہہ دیا
جگہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ جہاں وہ اڑن فٹنری دکھنا
دی تھی۔“
”کیا آپ کو بھی ایسی باتوں پر یقین ہے ڈاکٹر جیتہ؟ سائن

نے جیتہ سے سوال کیا۔
”کچھ مجھ نہیں سکتا۔ جیتہ نے جواب دیا۔ ویسے وہ دونوں
جو اس تا بلکاری انصاف کی وجہ سے پناہ مانے ہوئے ہیں۔ ناگ کی بہ
ہے کہ انہوں نے ایک اڑن فٹنری دیکھی تھی۔
”یہ معاملہ بہت پر امر لو لیکن دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ سائن
نے کہا۔“ اگر یہ سب درست ہے تو دنیا بھر کے سائنس دان
نیلم لڑھکی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔“
”آپ لوگ بائیں کرسیں میں بیٹھ آنا ہوں۔ ناگ کمرے پر وکی
کے ساتھ ہی اس نے جیتہ کو آنکھ سے اشارہ کر دیا تھا۔ جیتہ
کا اشارہ سمجھ کر کئی گردن ہلا دی۔

سائن نے اپنا بائیں سلاکھا اور دھبے دھبے کس
ملا۔ اس کے ساتھ پھر کئی ہونے سوتیلے میں ظاہر کر دی تھیں۔
س وقت کچھ روح پر ہاتھ جیتہ نے اس کے چہرے کا جائزہ

دیا۔ اپنے چہرے کی بناوٹ سے سائن ایک مضبوط قوت لڑوی
آدنی معلوم ہوتا تھا۔ اور ایسے لوگ آسانی سے ٹرانس میں نہیں
ہا کرتے تھے۔ اس نے ناگ کے کہنے پر ایک تک جن لوگوں کی طبیعت
نہیل کر دی تھی۔ وہ بنیادی طور پر کمزور لوگ تھے۔ ان کے پاس
قوت لڑائی اور قوت فیصلہ کی کمی تھی۔ اس کے علاوہ جن کا طریقہ کار
بھی کچھ مختلف تھا۔ وہ صرف ٹرانس پر اکتفا نہیں کیا کرتا بلکہ اس شخص
لوگ خاص قسم کی دوا استعمال کر ان جاتی تھی جسے ذہنی طور پر
نہیل کرنا ہوتا تھا۔ اس دوا کی خاصیت یہ تھی کہ وہ آہستہ آہستہ ہونے
کے قوت خیم کر دیتی تھی۔ دوا استعمال کر کے والے کی قوت لڑائی
اورد ہوتی جاتی تھی۔ اس پر سے اسے ٹرانس میں لایا جاتا تھا۔ پھر ہی
ہی کمرے پر لڑ کے ہٹائے ہوئے جیسے سے بھری ہو جاتی تھی اور وہ
نفس مکمل طور پر خود کو ایک دوسرا فرد سمجھنے لگتا تھا۔ اور اس شعری
طور پر جیتہ کی ہدایت کے تحت وہ ناگ کے زہر آثر آ جاتا اور ناگ اس
نفس سے فائدہ اٹھاتا کرتا۔ اس شخص کی دولت رفتہ رفتہ ناگ کی طرف
منتقل ہوتی جاتی اور کچھ عرصے کے بعد وہ شخص ذہنی اور معاشی طور
پر تباہ ہو کر رہ جاتا تھا۔ ناگ نے بلیک میننگ کا یہ ایک عجیب طریقہ
اختیار کیا تھا۔ ڈاکٹر جیتہ کے تجربے کے مطابق وہ ایک اذیت بھرا
نفس تھا جس نے وہ ای قسم کی حسیں کیا کرتا۔ ورنہ عام طور پر کسی کو
ایک میل کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار نہیں کئے جاتے۔

اس کھیل میں ڈاکٹر جیتہ ناگ کا سب سے بڑا معاون تھا۔ بلکہ
ہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ جیتہ کے بغیر ناگ کی نہیں کرسکتا تھا۔ دونوں
کی طرح جیتہ بھی ناگ کے اشاروں پر چلنے کے لئے مجبور تھا۔ اس کی
وجہ یہ تھی کہ ناگ کے ہاتھ میں اس کی ایک ایسی کمزوری آ گئی تھی جو
اگر ظاہر ہو جاتی تو جیتہ تباہ ہو کر رہ جاتا۔ اور اب جیتہ کو احساس ہونا
تھا کہ اپنا دامن صاف رکھنا ضروری ہو اگر تباہ ہے۔ اس کے بغیر
آدنی ایک سا وقار زندگی بھی نہیں گزار سکتا۔

ذہن کو مادم کرنے والی دوا ڈاکٹر جیتہ کی ہی ایجاد تھی۔
اس دوا کے استعمال سے ذہن کے خلیے کمزور ہونے شروع ہوتے
تھے۔ خاص طور پر ایسا ہوتا تھا کہ ذہن باطل کی ماف ہو کر رہ جاتا
لیکن ٹرانس میں لانے کے بعد اس شخص کی ذہنی کیفیت کو کسی خاص
نعت کی طرف مائل کر جاسکتا تھا۔ مثلاً کسی کو اگر یہ باور کرنا ہو کہ وہ
قوت پر کیا ہے اور اسے صرف دوا ہی استعمال کر ان کی ہو تو
وہ پھر اپنے آپ کو مکمل طور پر عورت ہی سمجھنے لگتا۔ اس کی کچھ سی
نقصیت اس کے ذہن سے ماف ہو جاتی۔ اس طرح وہ معاشی
اورد دیگر سماجی دوسرے کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن
ان لوگوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ دوا کے ساتھ ساتھ اس شخص کو ٹرانس
میں لاکر اسے ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اگرچہ قوت پر نہ چکا ہے لیکن

وہ اپنے کاروباری فرائض میں کی طرح انجام دے سکتا ہے اور
چیک پر بروخط بھی پہلے کی طرح کر سکتا ہے۔
”تم کو سونے لگے ڈاکٹر جیتہ نے ہیر سائن نے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں؟“ وہ چونک پڑا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ”مر سائن
اگر میں تم سے کچھ کہوں تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے؟
”کیوں نہیں۔“ سائن نے کہا۔ ”میں بھی تو پاپ ایک طرف
دیا۔ کیا کہا کیا جانتے ہو۔“
”اگر میں نے کہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ کیونکہ یہاں تمہارے
لئے خطرہ ہے۔ تمہیں ایک عجیب طریقہ سے تباہ کر دیا جائے گا تو
کیا تمہیں یقین آجائے گا؟

”بالکل یقین آجائے گا۔ سائن مسکرا دیا۔ کیونکہ یہ بات میں
پہلے سے جانتا ہوں۔“
”کیا ڈاکٹر جیتہ کی آنکھیں بھی نہ گئیں دیے کیا کہہ رہے ہو۔
”ہاں۔ میں ہمارا جہ آف نیلم لڑھکے لڑکے کے پاسے میں
جاتا ہوں کہ وہ اس انداز سے لوگوں کو بلیک میل کر رہا ہے۔“

اس جیسے کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔
یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس نے دلائل کو جہاں کر دیا تھا۔
وہ سکتے کے عالم میں خطرہ لگ گیا تھا۔ وہ کبھی اس شخص کی طرف دیکھتا
پھر شبیلہ پر لگائیں ڈان خود خود کی ایک بہت کی طرح کھڑی ہوئی تھی۔
کیا دلائل نے ان دونوں سے جھوٹ بولا تھا۔ شبیلہ کو تو خود پر بہت
اعتماد تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی اداؤں کے ذریعے دلاؤ کر دولت
کار کا راز ظاہر کرے۔ پھر خود کرسکتی ہے۔ پھر وہ دلاؤ سے کیا معلوم
کرتے ہیں کا سہا ب ہوئی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ دلاؤ نے تو اسے کبھی
دھوکے میں رکھا تھا۔ اس سے جھوٹ بولا تھا۔ آخر کیوں کب
دلاؤ کو شبیلہ پر اعتماد نہیں تھا۔ اگر کیا بات تھی تو پھر یہ بہت خطرناک
صورت حال تھی۔ دلاؤ جیسے آدمی کی فنی لغت مول لینے کا مقصد یہ تھا
کہ اپنی زندگی تباہ کر لی جائے۔

یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ دلاؤ کی دولت کسی اور کے ہاتھ
گئی ہو۔ ہوسکتا تھا کہ وہ کچھ کسی شخص کو جیسے کے اندر رکھی ہوئی
دولت کے بارے میں اتفاق کیا معلوم ہو گیا ہو۔ ورنہ اسے وہ
دولت حاصل نہ ہو۔ اور ایسا تھا تو کبھی یہ شخصے ولی ہاتھ کر پڑ
دلاؤ نے اس دولت کے بارے میں شبیلہ کو بتایا تھا اور دولت
غائب دیکھ کر اس کا دھماکا شبیلہ کی طرف جاتا۔ دونوں صبر توں میں
ان کے لئے پریشانیوں پیدا ہو گئیں۔

”کہا تم نے خشک سے دیکھ لیا ہے شیلہ؟“ دراج نے
 اٹھ کر بولا۔
 ”جی نہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟“ شیلہ نے اس سوال کو
 ڈالا تو پھر ایسا کرو۔ تم خود ہی دیکھ لو۔
 دراج تہذیب کے عالم میں کچھ دیر تک کھڑا رہا۔ شاید
 ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس سے کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر
 نے خود ہی جتنے کے جتن میں اس دولت کو تلاش کرنے کا ارادہ
 کر لیا۔ وہ مزید اطمینان چاہتا تھا۔ وہ جھٹکوں کے بل جھکا ادا ساسی
 وقت کوئی ٹھنڈی اور سخت چیز اس کی گردن سے آگئی اس نے
 بولھا کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ وہ شیلہ تھی جس نے اپنے لباس سے لپک
 چھوٹا ہسٹل نکال کر اس کی نال دراج کی گردن سے لگا دی۔ اوقت
 اس کے جب سے تاثرات بالکل تبدیل ہو گئے تھے۔ وہ کوئی اور
 ہی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹ نیچے ہونے لگے اور اس کی آنکھیں
 اندر دیکھ کر بیان سے دیکھ رہی تھیں۔
 ”یہ کیا حرکت ہے شیلہ؟“ دراج نے بولھا کر پوچھا کیا تم
 پاگل ہو گئی ہو؟
 ”پاگل؟“ میں نہیں تم ہو گئے ہو۔ دراج؟“ شیلہ نے کہا۔ اس
 جتنے میں چھپی ہوئی دولت میری ہے؟
 ”کہا۔“ جہت کی شدت سے دراج کی آنکھیں ٹھکی رہ گئیں
 تو کہاں بلواس کر رہی ہو؟
 ”ہاں۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ جب میں دولت کے غائب
 ہونے کا ہوا نہ کروں گی تو تم میری بات مان کر پیچھے ہٹ جاؤ گے لیکن
 تم نے خود ہی جتنے کے جتن دیکھنے کا ارادہ کر لیا۔ اسی لئے میں اب
 کچھ نہیں کر سکتی۔ اس کے اندر دولت موجود ہے۔ اور یہ دولت
 میری ہے؟
 ”تم غیاب پوش میں نہیں ہو؟“ دراج نے کہا۔
 ”موش میں تم نہیں ہو۔ دراج؟“ انہیں ابھی تک یہ اندازہ
 نہیں کہ دولت کتنی بے رحم چیز اور کتنی ہے۔ اور کوئی کھلے ہوئے
 دل کے ساتھ دوسرے کو دولت مند نہ ہونے نہیں دیکھ سکتا
 میں بھی نہیں دیکھ سکتی۔ چاہے وہ تم ہی کیوں نہ ہو۔ اور اب یہ
 ہے بناہ دولت۔ ہم دونوں کے نہیں بلکہ صرف میرے کام آئے گی
 میں نے ہر قیمت پر اسے تنہا حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں
 اس میں جہد کی شرکت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے بہتر ہے کہ
 پیچھے ہٹ جاؤ۔
 ”تم واقعی بے وقوف ہو گئی ہو شیلہ۔ کیا تم نے مجھے قتل کرنے
 کا ارادہ کر لیا ہے؟
 ”ابھی تک تو میں نے یہ سب نہیں سوچا لیکن ہو سکتا ہے

کچھ ایسا ہی ہو جائے۔ فی الحال تو میں تمہیں یہاں سے ایل
 میں بند کر دینا چاہتی ہوں تاکہ تم میرے کام میں مداخلت نہ
 کر سکو۔ تمہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اگر اس کے میں بند ہو
 نے تو وہ جیسا نثر و تراجم کر دیا تو تمہارا کیا حشر ہوگا؟
 ”مجھے کچھ نہیں۔“ شیلہ مسکرا دی۔ میں نے اس مسئلے کے
 کا اعزاز سے لیا ہے۔ اقول تو تمہاری آواز باہر می فکوں تک
 پہنچنے لگی۔ اگر ان لوگوں نے تمہاری بیچ و باریک بینی کی تہ
 مجھے تلاش نہیں کر پائیں گے۔ میں نے یہاں ایک گوشہ رکھ
 ہے۔ جہاں میں ایک ہفتے کی بھی چھپی رہ سکتی ہوں کسی
 بھی نہیں چل سکے گا۔ کچھ۔ اب تم خاموشی سے اٹھاؤ اور اس
 کی طرف چل دو جہاں ہم دونوں چھپے ہوئے تھے۔ کوئی چلا
 دکھائی کی کوشش مت کرنا۔
 دراج کچھ دیر تک گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھ
 رہا تھا۔ اس آواز نہ کھل سکی۔ غصے کی شدت نے اس وقت اس
 ذہن موقوف کر دیا تھا۔
 ”اب آگے بڑھو۔“ شیلہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔
 ”ایک بار پھر سوچو۔“ دراج نے کہا۔ ہم دونوں ہر
 دونوں سے ایک دوسرے کے ساتھ تھیں۔ میرے پاس کچھ
 آتی رہی ہے لیکن میں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا
 نہیں کیا؟
 ”اچھی بڑی دولت تمہارے پاس کچھ نہیں آتی تھی۔ اگر
 تمہارے پاس آتی تو شاید تم اس سے بھی برا سلوک کرتے۔ جلد
 چل دو۔ دعوہ واری ہے؟“
 دراج نے بے بسی سے اپنے شانے اچکائے اور اس
 کی طرف چل پڑا جس کی طرف شیلہ نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے
 سختی کے ساتھ اپنے ہونٹ پیچھے رکھے تھے کہ اس کے جڑوں
 پٹیاں تک لٹکا آئی تھیں وہ دل ہی دل میں بری طرح سوچ رہا
 تھا۔ اگر اس کے پس میں ہوتا تو وہ اس وقت شیلہ کو
 مار کر ڈھیر کر دیتا لیکن ایک آنٹی ہتھیار کی موجودگی میں وہ
 بے بس ہونے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دونوں آگے
 پیچھے اس کرے تک پہنچ گئے۔
 ”چلو دروازہ کھولو۔“ شیلہ نے کہا۔
 دراج نے ایک بار پھر دروازہ کی طرف دیکھا۔ پھر اسے
 کا دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ لگائے۔ بڑھا دیا۔ اس وقت شیلہ
 کی طرف سے چمک گئی تھی۔ دراج کو دروازے کی طرف ہاتھ
 ہونے دیکھ کر اس نے ہی کچھ ہٹا کر وہ دروازہ کھولنے کے
 ہاتھ بڑھا رہا ہے لیکن دراج کچھ اور فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے

بے دونوں ہاتھ آگے کئے اور ان کی سی تہری کے ساتھ پٹیاں
 نے بل جھمک کر اس نے شیلہ کے ہاتھ پر ایک کلک رسید کر دی
 کی یہ حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ شیلہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکی
 دراج کی تھوکر اس کی کلائی پر مٹی اور پستول اس کے ہاتھ
 چھوٹ کر ایک طرف جا گرا۔ وہ کھٹکے کے عالم میں کھڑی رہ
 تھی۔ ہی لٹھے دراج نے جہت لگائی اور اس سے پیچھے کہ
 کچھ اندازہ کر سکتی اس نے پستول اٹھا لیا تھا۔
 ”اب بتاؤ وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ کیا خنجر کروں
 بن تمہارا؟
 ”میں نہیں نہیں۔ مجھے مت مارنا۔“ شیلہ نے اپنے دونوں
 ہاتھ لٹکے۔ ”مت مارنا۔“
 ”کیوں۔ موت کو سامنے دیکھ کر اس گم ہو گئے۔ پھر دراج
 نے کہا۔ ”میں نہیں برسوں کے ساتھ کا بھی خیال نہیں آیا تھا۔“
 ”جہر۔“
 ”میں نہیں مارنا نہیں چاہتی تھی۔ تم یقین کرو میرا ایسا
 کا ارادہ نہیں تھا میں تو بس۔“
 ”خاموش رہو۔“ دراج نے اس کی بات کاٹ دی۔ سچے
 ب تم پھر دوسرے نہیں رہا۔ جالا جالا دل تمہارے لئے رہا
 ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ میں زندہ چھوٹنے کا مطلب یہ
 ہے کہ میں زندگی بھر بھی آستین میں سا پ کی پرورش کر رہا
 ہوں۔ میں شیلہ۔ تم نے اپنے بیروں پر خود ہی گھماڑی مار لی
 ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“
 ”نہیں۔ نہیں۔ البتہ تم کرو۔ میں اس دولت سے کچھ
 میں لوں گی۔ اس جتنے میں کی تنبیہیں بھی ہیں۔ میں نے خود
 نہیں ہاتھوں سے چھو لیا ہے۔ تم وہ سب لے لو۔ لیکن مجھے مارنا
 نہیں۔ ہم دونوں بہت دونوں سے ایک دوسرے کے ساتھ
 تم۔ البتہ تم کرنا۔
 ”اسی لئے تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ہم دونوں ایک
 دوسرے کے بہت اچھے ساتھی ہیں۔ لیکن ایک دوسرے
 کو مار کرنے کی رسم تو تم نے شروع کی ہے۔ میں اب اس
 سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“
 شیلہ نے ایک قدم آگے بڑھا یا اور اس وقت دراج نے
 ان کے دروازہ دیا۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں پستول کی نال سے
 ان کے سینے میں اتر گئیں۔ شیلہ اب ناگ پیچھے کے
 نافوس پر گر پڑی۔ اس کے سینے اور گردن سے خون نکلنے

لگا تھا۔ اس کی کھٹی ہوئی آنکھوں میں بے پناہ جہت اور اذیت
 کا نثر تھا۔ شاید اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ وہ مردی ہے
 اس کے چہرے پر کرب منہ ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک
 اپنے ہاتھ پاؤں فرش پر مارتی رہی پھر ٹھنڈی ہو گئی۔
 گولیوں کی آواز میں اس جانب گھر میں گونج کر رہ گئی۔ اب
 صرف ان کی بارگشت باقی تھی۔ وہ بارگشت ہی ختم ہوئی۔ دراج
 کھٹکے کے عالم میں کھڑا رہ گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ
 اس کے ہاتھوں سے شیلہ کا خاتمہ بھی ہو سکتا تھا۔ پھر جب اسے
 ہونٹ آیا تو وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھا اور شیلہ کی لاش کے
 پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔
 ”مجھے معاف کر دینا شیلہ۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”میں نے نہیں ہلاک کر دیا ہے۔ تمہاری جان لے لی ہے مجھے
 معاف کر دینا۔“
 اس نے اپنی باپتی ہوئی انگلیاں آگے بڑھائیں اور شیلہ
 کے بالوں میں پھیر کر شروع کر دیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں
 سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت دیر تک اسی بے خودی کے
 عالم میں شیلہ کی لاش کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے کھڑا
 ہو گیا۔ اب اس کے پیرے بدن پر ہلکا سا پھر دھیرے دھیرے کھڑا
 کی حالت ایک ایسے حوالی کی تھی جس نے خود اپنے ہاتھوں سے
 اپنا بسنا کچھ مراد کر لیا ہو۔ وہ چن چن لوگ شیلہ کی لاش کے پاس
 کھڑا رہا۔ پھر پستول کو جیب میں رکھ کر اس جتنے کی طرف بڑھ گیا
 جس کے اندر وہ دولت تھی ہوئی تھی۔
 جتنے کے پاس پہنچ کر وہ پھر کشمکش میں مبتلا ہو گیا جیسے
 اس کی کچھ میں نہ آ رہا ہو کہ اگر اسے دولت مل بھی گئی تو وہ کیا
 کرے گا۔ پھر اس نے اس جتنے کے خلاف کے اندر ہاتھ داخل
 کی کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس طرح ایک جھٹکے سے
 پیچھے ہٹ آیا تھا جیسے کسی سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔ اک
 خلا کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔
 دراج اس وقت خود بھی کسی جتنے ہی کی طرح بے جان
 دکھائی دے رہا تھا۔
 اس نے اپنی پٹیشا کی پر آیا ہوا ہینڈ صاف کیا اور دوبارہ
 اس جتنے کے خلا میں ہاتھ ڈال دیا۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ شیلہ نے
 اس سے کہا تھا کہ اندر تنبیہاں بھی ہوتی ہیں۔ اور اس کے
 ہاتھوں نے ان تنبیہوں کو کچھ کر سوس کیا ہے۔ لیکن اس کے
 اندر تو کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا شیلہ نے جھوٹ بولا تھا؟ آخر کیوں!

اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی اگر اس جیسے کے اندر دولت نہیں تھی تو پھر تھلا لے اس پر سنبھل کیوں مٹھایا تھا؟ وہ کیا چاہتی تھی۔
وہ ابھی یہ سب کچھ سمجھ رہی تھی کہ اس نے ایک غائب گھر کا وہیل قدموں کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ یہ دوڑنے ہوئے قدموں کی آوازیں تھیں۔ شاید فاقوں نے گولیاں چلنے کی آواز سن لی تھیں۔ اور وہ صورت حال معلوم کرنے چلے آ رہے تھے۔ اس ہال میں پھٹی ہوئی تختوں میں اچانک اضافہ ہو گیا۔ دروازہ کھولا محسوس ہوا جیسے اس کا پورا بدن پھینے سے بھیبھکا جلا ہو۔ وہ بہت بری طرح پھنس گیا تھا۔

داوڑ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ لڑکی اس سے کیا کہہ رہی تھی۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اطمینان کے لئے دوبارہ پوچھا۔
”کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ کیا تم کالی موت کے ٹھکانے سے واقف ہو۔“

”بہت لمبی طرح یہی تھی کہ ایک گہری سانس لی۔“
زید وہ اس کے ٹھکانے سے اور کون واقف ہو سکتا ہے میں نے وہاں اپنی زندگی کے بدترین لمحے گزاریے ہیں۔ اسی کے ٹھکانے پر تو وہ نقص اور کوئی ہوئی ہے جس کے بارے میں نہیں بتا سکتی ہوں۔“

”کیا تم مجھے اس کے ٹھکانے تک پہنچا سکتی ہو۔“ داوڑ نے بے تابی سے پوچھا۔ میں نے اس لڑکی سے کالی موت کے سامنے کو ہینٹر کے لئے دوڑنے کا ارادہ کر لیا ہے۔
”بہت مشکل ہے داوڑ یہی تھی کہ“ وہ شخص زبردست پہروں میں بہتا ہے۔ اس کے کمرے تک پہنچنے کے لئے کئی مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی انتہائی خطرناک سناں ہے۔ دشمنی اور درندہ۔ اس کے بازوؤں میں آبی قوت ہے کہ وہ بوری ایک جیب کو الٹ کر بھیج سکتا ہے۔ تم اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”یہ سب وقت کے کھیل ہوتے ہیں بے پی۔“ داوڑ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن آدنی کو ہاتھ پر ہاتھ دھسے ہوئے نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ پر قابو ہی پالے لیکن اس خوف سے جدوجہد ترک فونہیں کی جاسکتی تھا۔ اس کا نام کات تو زندگی کے ہر گھنٹے میں ہوا کرتے

میں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں ہی اس پر قابو پاؤں۔
”ٹھیک ہے۔ پھر میں نہیں اس کے ٹھکانے پر چلوں گی۔ میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ کار اسے نوڈر کر اس طرح پھینک دو جس طرح اس نے دوست ہمدون کو پتھر کر کے پھینک دیا تھا۔ جس طرح اس نے میرے ساتھ سلوک کیا تھا۔ میرے اندر اس کے کی آگ سے بھی زیادہ بھیاں آگ دھک رہی ہے۔ لیکن اس کے ہاتھ پاؤں کو روکھو تو میں ان کے ارادے کو منہ نہیں کر سکتی۔ اسی لئے وہ صبر کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔“
”بس ہمیں ابھی اور اسی وقت کالی موت کے ٹھکانے طرف چل دینا چاہئے۔“ داوڑ نے کہا۔ تم مجھے اس کا ڈر دکھا کر واپس آ جانا۔ اور میرا انتظار کرنا۔“

”نہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی کیونکہ اس کے ٹھکانے میں کئی ایسے خفیہ راستے ہیں جن سے میری طرح واقف ہوں میں نے پورے تین مہینے اس کے کام میں گزارے ہیں اور اس دوران میں نے اس کو ہمارے علاوہ ایک کام یہ بھی کیا ہے کہ ان تمام جگہوں سے وا ہو گئی ہوں جہاں کالی موت پھیرا گیا کرتا ہے۔“

”کیا اس کا ٹھکانہ ایسی جگہ میں ہے؟“ داوڑ نے پوچھا۔
”نہیں اس لڑکی سے کچھ حاصل نہیں ہوئے۔“
”کیا تمہیں وہاں تک جانے کے لئے کسی سواری کی ضرورت ہوئی؟“

”اگر سواری نہ بھی ملے تب بھی ہم پیدل سفر کریں گے۔“
”کہا میں اس لڑکی کو کالی موت کے آسپاہن سے ڈرانا چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر میں چل رہی ہوں۔“
داوڑ نے اپنا سامان ایسی مکان میں بٹھانے دیا۔ اس نے ہسٹول ایک جیب میں رکھ لیا تھا جبکہ دوسری جیب اس نے کارٹس بھر لئے تھے۔ ان کے علاوہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا فون تھا کہ آدنی کے پاس تھا۔ ہونو دو مری چیزیں خود بخود اس کے پاس آتی تھیں۔ جیسے جیسے فون ٹیبلٹ ہوئے تو کھینچ لیتا ہے دو فون ٹیبلٹ کے مکان کو منہ کر کے باہر آگئے۔ باہر سے ہجوم لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ لیکن ان میں سے شخص اپنے آپ میں مگن تھا۔ کسی کو دوسرے کی طرف

دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ داوڑ نے اس لڑکی میں بھی اسی بات کو دیکھی تھی۔ فک ایک دوسرے سے جان پہچاننے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے سر پر اچانک سے سائے منڈلاتے رہتے تھے۔ اسی لئے سوائے اس کے اور کوئی بھی کسی سے بے تکلف نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہیں مشرق کی طرف سفر کر رہے تھے۔ نئی نے بتایا۔ دو جانے کے بعد سڑک دائیں طرف مڑ جاتی ہے لیکن بائیں طرف کے میں چلنا ہوگا۔ جس کے دونوں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ راستے میں ایک ٹولہ بیٹوں کا قادم ہے جس کا نام دیپال ڈیمہ ہے۔ وہاں سے دوسرے

ان کو دودھ وغیرہ سہانا ہوا کرتا ہے۔
”دودھ پہنچانے کے ذرائع کیا ہیں۔“ ڈا داوڑ نے پوچھا۔

”دودھ لانے لے جانے والی گاڑیاں ہیں۔“ نئی نے دیا۔ تم انہیں ترک کر سکتے ہو۔
”ہمیں اس ڈیمہ سے اور کتنی دور جانا ہوگا۔“
”مگر ازم دس میں۔“

”ٹھیک ہے۔“ داوڑ نے پر خیال انداز میں اپنی گردن پر اس ڈیمہ سے کسی سواری کا بند و بست ہوگا۔

نئی نے ایک نظر داوڑ کی طرف دیکھا پھر اپنے ہونٹ لہرائی۔ یہ خطرناک حد تک دلچسپی اسے بہت پسند آتا۔ اپنی زندگی میں اس نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کی قیمت میں اتنے تحفظ کا احساس ہوتا ہو۔ اس طرہ بہت عجیب تھی۔ اتنا پرسکون اور اتنا مستقل ہونے کا احساس اس نے کبھی نہیں گزرا تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ پیش جیسے آدنی کی چھٹی کر دی تھی اور مائے جہر سے کے تاثرات بھی تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس کی طرح کے کسی شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا ایسا تو جیسے کسی چوٹی کو روند دیا جائے۔ نئی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس شخص سے خوف کھانے کا باعث محسوس کرے کہ اس نے انہیں اسے خوف میں مبتلا کر رکھا تھا اور اس کا اسے حوصلہ دلاتا تھا۔

”مگر کیا تمہاری ہوئے؟“ داوڑ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت وہ دونوں لڑکی کی ایک ایسی سڑک

سے گزر رہے تھے جو انہیں باہر لے جاسکتی تھی۔ اس سڑک پر سوائے سائیکلوں اور راگےروں کے اور کسی قسم کی گاڑی دیکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لڑکی میں عام طور پر ایسی ہی صورت حال تھی۔ سولہاں سالہاں ہوتی ہی نہیں تھیں۔
”کچھ نہیں۔“ نئی چونک پڑی۔ ”بس یہی صورت حال تھی کہ میرا گھر ہوگا۔ میری کیا زندگی ہے۔“

”یہ سب تمہیں پسند ہو جانا چاہئے تھا۔“ داوڑ نے کہا۔ لیکن ہماری معاشرے کی ہر لڑکی کو یہ سوال اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جب اس نے گھر سے قدم باہر نکال لیا تو پھر اس کا کیا ہوگا۔

”مگر ٹھیک کہتے ہو۔“ نئی نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔ میرے ذہن میں تو صرف یہ تھا کہ گھر سے باہر زندگی بڑی حسین ہوتی ہوگی۔ مجھے اپنے گھر کے چھوٹے سے آگن اور دو کھڑکیوں سے بڑی وضاحت ہوتی تھی۔ مجھے اپنے روتے ہوئے بہن بھائی بھی پسند نہیں تھے۔ میرے خیال کے مطابق ان ہی لوگوں کی وجہ سے میری زندگی سخت بھاری تھی۔ اگر نہ ہوتے تو ابلی خواہ میں بڑی آسانی سے گزرا ہو سکتا تھا۔ لیکن ان بہن بھائیوں نے پیدا ہو کر مجھے فاسی کے غائبین و عیال دیا تھا۔ مجھے کچھ بھی یاد ہے کہ میں جب لڑکیوں کو ایک آب و فیرہ کے ہونے دیکھتی تو فیرہ سے سینے پر ماسٹ پونٹے لگتے۔ میں سوچتی کہ یہ بھی زندگی ہے کہ پانڈر اور سرنی کے لئے کچھ ترسی ہو۔ پھر ان ہی خروہوں کے دوران میری ملاقات اکرم سے ہوئی۔“

”یہ اکرم کون ہے۔“ ڈا داوڑ نے پوچھا۔ وہ نئی کی کہانی صرف اس لئے سن رہا تھا کہ اس طرح نئی کے دل کی ہمدردی بھی تھی۔ ”میری گلی کے عکس ہر اس کی فوٹو گرافی کی دکان تھی۔ نئی نے بتایا۔ ”وہ ایک فوٹو گرافر تھا۔ بہت خوبصورت سا آدمی۔ اس کی دکان میں ایسی ایسی تصویریں لگی ہوئی تھیں کہ کم لڑکیاں ان تصویروں کو دیکھ کر مڑ جاتی تھیں۔ اس کے باوجود پوری چھپے ان تصویروں کو دیکھ بھی لیتی۔ دراصل میں اپنی زندگی کے جس عمر میں تھی۔ اس عمر میں سوائے فنی کشش کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کسی دوسری چیز بھی نہ تھی۔ لیکن اس کی طرف بلا لیا کرتیں۔ کچھ چلنے پھرنے دیکھنے۔ کچھ سننے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بیٹھ کر سب کچھ بتا دے۔ زندگی کے وہ لمحے بھی ظاہر کر دے جن

”میں نے اپنے آپ کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ خود کو
ہر طرح ان کے حوالے کر دیا تھا۔ تم اس میری بزدلی سمجھ لے
غیر لیکن مجھ کو یہ پختہ بخند یہ گمراہی میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ جب مقتدر
کرنے والی لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک جاتا ہے۔ اسی لیے
میں نے وہی سب کچھ کیا جو وہ کہتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ مجھ پر اعتبار کر لیا گیا۔ ایک طرح سے مجھ وہاں کی لڑکیوں کا
انچلے مقرر کر دیا گیا۔ پھر وہ انہیں بلوری طرح یقین دہانیا کہ
میں ان کا ساتھ دیتی ہوں تو مجھے آزادی دے دی گئی تاکہ
میں باہر جا کر دوسری لڑکیوں کو ان کے جال میں پھنسانے
کا کام کروں۔ اس سلسلے میں اتنی لڑکیوں کے لئے خاص طور

”اس لڑکی کے حق میں میری ہی تھی، جتنی نے کہا اور بڑی پیاری معصوم سی لڑکی تھی، شکنتہ نام تھا اس کا، اس بے چاری کے ساتھ ان لوگوں نے ایسے مظالم کئے کہ میرے دوشے ٹھہرے ہوئے تھے اس کی حالت دیکھ کر میں جب مرہم پٹی کرنے کے لئے اس کی کونٹھری میں پہنچی تو اس نے رورور کرتی کہ میں اسے ہلاک کر دوں۔ اسے جان سے مار دوں۔ اس کی انٹائیگی مجھ پر اڑ کر گئیں۔ اور میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ مجھے اس پرافسوس نہیں ہے بلکہ خوشی ہے میں کسی طرح اس سے کام لوائی۔ اس کی موت کی کوئی روادہ نہیں کی تھی کیونکہ لوگوں کو وہاں رہنے کی اجازت تھی“

اس کالی موت کا حلیہ کیا ہے، بچہ دادا دے لے لہوچلے
 میں نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی تھی
 ہمارا یہ اس کے چہرے پر ہمیشہ ایک غائب ہونی ہے
 وہ ایک نیم شبیم آدمی ہے بالکل ہماری طرح - اور
 ہمارے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے ہنک میں لے پرہا
 نہ توجہ دے۔ ایسا گفتے سے جیسے وہ کوئی انسان نہیں

ٹرک ڈرائیور نے کچھ دیر تک نئی کواٹھکوں ہی اسٹاپوں
میں سہاڑنے کے بعد ٹرک آگے بڑھا دیا۔ داور غصے کے

عالم میں جاتے ہوئے ٹرک کو دیکھتا رہ گیا تھا۔
 "مجھے اندازہ ہے کہ تمہیں اس وقت غصہ آ رہا ہو گا۔
 نے کہا: لیکن تمہارے کچھ کرنے سے بات بگڑ سکتی تھی۔
 اکی لے میں نے تمہیں روک لیا۔ اس کے علاوہ تم کتنے
 لوگوں کی نگاہوں کے وارو کو گئے۔ اس معاشرے کا تہر
 شخص اپنے دل میں ہوس کا سمندر نے غموم رہا ہے۔
 "مجھے معلوم ہے: داور دھیرے سے بولا: لیکن نہ
 جلنے کیوں تجھے ایسے حالات میں خود ہرقد ہو نہیں سکتا۔
 بہر حال تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس راستے سے سنوٹو
 نام کی کوئی بستی بھی ہے۔
 "یہ مجھے اس وقت معلوم ہو گیا تھا جب میں کالی موت
 کے ٹھکانے پہنچی تھی۔ بتایا۔
 "وہ رقص اور موسیقی کا کیا سلسلہ ہے؟ داور نے پوچھا
 "وہ بھی تمہی گھناؤنا کاروبار ہے۔ یہ لوگ انگوٹھ سے
 لئے سپرے عریاں اور فٹش فیم کے رقص کرواتے ہیں۔
 ان کی باقاعدہ فلم تیار ہوتی ہے پھر اس فلم کو ہر دن ملک
 فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اس سے انہیں دو فائدے حاصل
 ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ اس فلم کے اچھے خاصے
 بیسے مل جاتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر دن ملک
 شوقین لوگوں کو جوڑی پسند آتی ہے اس کا سودا بھی ہو جاتا
 ہے۔ تم نے اپنی بھری زندگی اتنے پیو وہ قسم کے رقص
 نہیں دیکھے ہوں گے عریضہ ان لوگوں نے ہر طرح سے
 ہمیں تباہ کرنے کا سامان پیدا کر لیا ہے۔ چاہے وہ سنٹیا
 کا زلیجہ ہو جس طرح فوٹی کا ہو یا رقص اور موسیقی کا۔
 "اسے کاروبار میں کتنے لوگ ملوث ہیں، داور نے
 پوچھا۔

"بہرے اندازے کے مطابق کم از کم دو درجن آدمی
 فی نے جواب دیا: بہرے بینڈیشن اور اسی قسم کے دیگر
 غیرت اور بے ضمیر لوگ
 اب وہ لوگ دیہال ڈھرے کے قریب پہنچ چکے تھے وہ
 عمارت اب دکھائی دینے لگی تھی۔ اس وسیع و عریض عمارت
 کے گرد وسیع و عریض احاطہ تھا جس کے درمیان لوہے کا
 گیٹ لگا ہوا تھا اس وقت وہ گیٹ بند تھا۔ اس کے باہر
 دو ٹرک کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔
 "اب یہاں سے ہمارے سڑک دو سڑک حلقہ شروع ہونے

والا ہے؟ داور نے کہا: ہمیں یہاں سے کوئی سواری حاصل
 کرنی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ وہ سنوٹو سڑک کالی موت کے ٹھکانے
 سے کتنے فاصلے پر ہے؟
 "زیادہ سے زیادہ دو میل۔"

"ٹھیک ہے اگر کوئی ٹرک سنوٹو سڑک کی طرف جاتا ہوا
 دکھائی دے گیا تو ہم اس ٹرک پر فٹ لینے کی کوشش کریں
 گے۔ پھر سنوٹو سڑک پر پیدل کالی موت کے ٹھکانے تک
 واپس آ جائیں گے۔ اس طرح ہمیں ایک طویل سڑک کاٹنا پڑے گا
 لیکن کوئی ہم پر شک نہیں کرے گا ہمیں کالی موت سے منٹنے
 سے پہلے کسی اور جھوٹ میں پڑنا نہیں چاہتا۔"

وہ دونوں اس دوران ڈھیری تک پہنچ چکے تھے لوہے
 کا گیٹ بدستور بند تھا۔ اس گیٹ میں لوہے کی سلاخیں
 لگی ہوئی تھیں جن کے خبیث انداز کا منظر دیکھا جاسکتا تھا
 گیٹ سے ایک راستہ ڈھیری قدام کی مرکزی عمارت تک جاتا
 تھا۔ یہ عمارت دراصل کھیریل کے بنے ہوئے، بیکس تھے
 اس راستے کے دونوں طرف سرسبز گھاس پھیلی ہوئی تھی۔
 جوشا پد پویشیوں کے لئے قدرتی چار گاہ کا کام دیتی تھی۔
 لیکن اس وقت اس چراگاہ میں پویشی دکھائی نہیں دے
 رہے تھے گیٹ سے باہر کھڑے ہوئے ٹرکوں کے پاس
 بھی کوئی نہیں تھا۔

"اب ہم ٹرک ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں؟
 داور نے کہا: جیسے ہی کوئی گاڑی اس راستے کی طرف جاتی
 ہوئی دکھائی دے تم اسے ہاتھ دے کر روک لینا۔
 وہ دونوں اس ڈھیری کے احاطے سے کچھ دور اڑکھڑے
 ہوئے۔ ان کی نگاہیں گیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ داور کے
 لئے پیدل سڑک پر کوئی اتنا شور مچا رہا تھا کہ اس نے
 اسے بہت کچھ کی غلط گردن پر ہاتھ جو بہت ٹھنکی ہوئی
 معلوم ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے رتنگاری سے یہاں تک
 کم از کم سات آٹھ میل کا سفر طے کر لیا تھا اصرار ہی کی ہمت
 جواب دے گی تھی۔

مختصری دور بعد ڈھیری کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر
 آیا۔ وہ باہر کھڑے ہوئے دو میں سے ایک ٹرک پر بیٹھا
 اور اسے اسٹارٹ کر دیا۔ اتفاق سے اس ٹرک کا رخ اسی
 سمت تھا جہاں داور اور ٹی کھڑے ہوئے تھے۔
 "چلو اسے ہاتھ دو؟ داور نے خی سے کہا۔

"مٹی نے اپنا ہاتھ لہرا کر اشارہ کر دیا۔ ڈرائیور نے
 ان کے قریب آ کر ٹرک روک لیا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا
 جس کے چہرے پر کھنٹی کھنٹی مچھلی تھیں۔
 "کہاں جا رہے تم لوگوں کو؟ اس نے ٹی کے سر
 نکالتے ہوئے پوچھا۔

"سنوٹو سڑک؟ مٹی نے جواب دیا: پیدل ملتے چلتے
 ٹھٹھ گئے ہیں۔ تمہاری جہرانی ہوئی اگر وہاں تک پہنچاؤ؟
 "ٹھٹھ ہے بیٹھ جاؤ؟ اس نے کہا: میں بھی اسی
 طرف جا رہا ہوں۔ لیکن تم لوگوں کو کچھ دور اتار دوں گا؟
 "کوئی بات نہیں۔ جتنا بھی فاصلہ کم ہو جائے اچھا ہے۔"

داور دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا:
 وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ آگے ہی بیٹھ گئے تھے
 ان کے بیٹھ جانے کے بعد ڈرائیور نے ٹرک آگے بڑھا
 دیا۔ وہ پہلے والے ڈرائیور سے مختلف معلوم ہو رہا تھا اس
 نے ایک بار مٹی کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کی
 نگاہیں سامنے مٹی ہوئی تھیں۔ اور وہ ٹرک چلانے میں
 مصروف تھا۔ یہ راستہ بھی ہندوستان کے دوسرے دیہاتی
 راستوں کی طرح وہاں انیس سو ستر میں تھی تو میں اہل
 کہیں کہیں ہر گھنٹہ کام کرتے ہوئے دکھائی دے جاتے
 جو ٹرک کر دیکھ کر اپنی گردنیں اٹھاتے پھر اپنے کام کی طرف
 متوجہ ہو جاتے۔

کچھ دور کے سفر کے بعد ایک بڑی سی جھلی دکھائی
 دینے لگی۔ یہ جھلی راستے سے ایک طرف ہٹ کر بنائی تھی
 تھی۔ اس کی اوپر دیواروں پر خار دار تاروں کی باڑھ لگی ہوئی
 تھی اور اس کا صدارہ دروازہ بہت اونچا اور مضبوط بنا ہوا
 تھا۔ وہ ایک وسیع و عریض جھلی تھی۔ اس کی وسعت کا اندازہ
 اس کے احاطے کو دیکھ کر ہو جاتا تھا۔ مٹی نے داور کے
 ہاتھ کو ہونے سے دبا دیا۔ داور اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ یہ اسی
 کالی موت کا ٹھکانہ تھا۔ کالی موت کے ٹھکانے کو دیکھ کر
 داور کی نپٹیاں ترنخنے لگیں۔ اس بستی میں آنے کے بعد
 اس نے اس شخص کے بہت چہرے سنے تھے۔ اس کے
 دل میں اس سے ملنے کی خواہش تھی۔ اس نے بڑی شدت
 کے ساتھ اس کے خلاف اپنے سینے میں نفرت کی
 آگ روشن کر رکھی تھی۔ اور اب اس پر اسرار درندے کا
 ٹھکانہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ
 وہ اسی ٹرک سے جھلانگ لگا دے اور گولیاں چلا کر ہوا

جھلی میں داخل ہو جائے اور ہر شخص کو جان سے مار
 ڈالے جو اس کی راہ میں آنے کی کوشش کرتا ہو۔ اس
 جھلی میں رہنے والا ہر شخص قابل نفرت تھا۔
 "ہمارا کارشن پر شاہ کی جھلی ہے؟ ڈرائیور نے اپنا ایک
 جھلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"کیا یہ داور نے ہر ٹرک کراس کی طرف دیکھا؟ کون لڑا
 کرشن پر شاہ؟
 "مٹی نے زلمے میں راجا ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے
 باپ دادا راجا تھے؟ ڈرائیور نے بتایا: اب تو صرف نام
 ہی رہ گیا ہے۔ ویسے ابھی کبھی بہت دولت ہے ان کے
 پاس۔"

"تم کس طرح جانتے ہو؟ راجا کرشن پر شاہ کو؟ مٹی نے
 پوچھا۔
 "ان کو جاننے میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟ ڈرائیور
 نے کہا: اس علاقے کا ہر شخص راجا صاحب سے واقف
 ہے۔ اتنے نیک آدمی تو کون نہیں جانتا ہوگا؟
 "نیک آدمی؟ مٹی نے نفرت سے اپنے ہونٹ سیڑھ
 لئے: "تمہیں کیسے معلوم کہ وہ نیک آدمی ہے؟
 "یہ بات کبھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے؟ ڈرائیور
 نے منٹے ہوئے کہا: ہر شخص جانتا ہے۔ میں نے خود ان
 سے ہی بار بار بات کی ہے۔ اتنے رئیس آدمی آدمی ہیں۔
 لیکن حال ہے جو خدا سامنے غرور ہو۔ ایک بار انہیں یوں غم

ہو چلے کہ ان کے علاقے میں کوئی جہان آیا ہوا ہے جس
 اس کے آگے پیچھے اس طرح کچھ جانتے ہیں جیسے اس
 آنے والے نے ان ہر کوئی بہت بڑا احسان کر دیا ہو؟
 "کیا ہم ان سے ملاقات کر سکتے ہیں؟ ڈاور نے
 پوچھا۔
 "کیوں نہیں کرشن پر شاہ کے دروازے ہر شخص کے
 لئے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ لوگوں کو بدعات ہے کہ
 جس وقت بھی کوئی ان سے ملنے کے لئے آئے ان سے
 ملا دیا جائے۔"

"تو پھر تم ہمیں ان سے ملو؟ داور نے کہا۔
 ڈرائیور نے ایک نظر داور کی طرف دیکھا پھر ٹرک روک
 دیا۔ اس دوران وہ لوگ جھلی کو بہت دور پہنچاؤ آئے تھے۔
 ڈرائیور نے ٹرک کو روک کر کہا اور دوبارہ جھلی کی طرف دوڑا
 دیا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ جبکہ مٹی ہوئی دکھائی دے گی تھی
 کالی موت کے حوالے سے یہ ایک نئی بات سامنے آئی تھی۔

کالی موت راجا کرشن پر شلہ ڈالنے سے ڈر کر موت لاکر رک گیا۔ اور ان دونوں کو اتنے کا اشارہ کرتے ہوئے ٹرک سے پیچھے لگا۔

”تم لوگ نہیں بھڑے رہو میں دیکھتا ہوں۔ ذرا بیروں سے ڈرنا۔“
 ”اوہ! ابھی گروں ہلا دی۔ ذرا بیروں کی طرف بڑھ گیا۔“
 ”میں اس کے سامنے نہیں جاؤں گی۔“

”وہ مجھے پہچان لے گا۔“
 ”پہچان تو لے گا لیکن وہ میری اور ذرا بیروں کی موجودگی میں کچھ نہیں کرے گا۔ دیکھ کر سوچتے ہوئے۔“
 ”لو کہ میں ہلا دی کالی موت ہے تو وہ اپنے رویے سے کبھی اپنی حقیقت ظاہر نہیں ہونے دے گا۔ میں نے جان لو تو کہ اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں اس طرح کم از کم اس شخص کو قریب سے دیکھ لوں گا۔ بعد میں سوچا جائے گا کہ اس پر کس طرح ہاتھ ڈالنا ہے۔“

”خفیہ نہیں ہوئی۔“
 ”اور اس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ تھی۔ اگر دوا اس کے ساتھ نہیں ہوتا تو شاید وہ اب تک فرار ہو چکی ہوتی۔“
 ”ذرا بیروں کی گھٹ کے گھٹ تک پہنچ چکا تھا۔ اور زہر زور سے جوتی کے گھٹ کو دونوں ہاتھوں سے مصیبت بھگتا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک لعلی دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آگیا۔ اس آدمی نے سر پر ہڈی باندھ رکھی تھی اور اس کے پیلو سے ریلو اور لنگ رہا تھا۔ وہ اس جوتی کا فی ظلم معلوم ہوتا تھا۔ وہ فی ظلم اور ذرا بیروں کے دوسرے سے کچھ باتیں کر کے لگے۔ ذرا بیروں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ بتایا اور وہ فی ظلم ای گروں بلاتا ہوا اندر چلا گیا جبکہ ذرا بیروں ہار مری کھڑا ہوا۔ وہ آدمی شاید اندر سے اجازت لینے گیا تھا۔

”مہیا لوں کو ہم لگ جان۔“
 ”لو جھکر خطرے کو دعوت نہیں دے رہے ہیں۔“
 ”میں جانتا ہوں کہ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن بس اچانک یہ ترکیب میرے ذہن میں آئی۔“
 ”میرے ساتھ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلے گھر گزرتا ہوں اس کے بعد سوچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس بار بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ بہر حال تم نے ایک قدم اٹھا ہی لیا ہے اب چاہے غلط ہو یا صحیح۔“
 ”میں نہیں ہینا ہے۔“
 ”چکر مٹن رہا۔“
 ”جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں

کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چاہے وہ کالی موت کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔“
 ”میں اپنے لیے نہیں بلکہ شاید تمہارے لیے برائیاں ہو رہی ہوں۔“
 ”خفیہ سے لہو۔“
 ”جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے تو میری زندگی میں اب ایسی کوئی کشش نہیں رہ گئی جس کے لیے جیسے کی تمنا کی جائے۔ زندگی کے جتنے بھی بھائی بھائی ہو سکتے ہیں۔ وہ سب ہی دیکھ چکی ہیں۔ اب کچھ بھی نہیں رہ گیا۔“

”اور نے کچھ کچھ چاہا تھا کہ اس وقت لعلی دروازہ کھلتا ہوا دکھائی دیا اور اس بار دو فی ظلم باہر آئے۔ انہوں نے اس ذرا بیروں سے کچھ کہا اور ذرا بیروں نے دوا اور خفیہ کی طرف دیکھ کر ہاتھ سے اپنی طرف آئے کا اشارہ کرنا شروع کر دیا۔
 ”مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔“
 ”خفیہ نے جلدی سے دوا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر خود ہی ہنس کر بولی۔ تم بھی کہتے ہو گے کہ میں کیسی عورت ہوں۔ ایک طرف تو ایسی باتیں کر رہی ہیں اور دوسری طرف اتنی خوفزدہ بھی ہوں۔ لیکن کیا روں اس دردندے کے سامنے جانے کے خوف سے ہوں۔“

”ابھی تمہاری اس کیفیت کو سمجھ رہا ہوں۔“
 ”اور نے اس کے ہاتھ پر ہتھیلی دی۔“
 ”آؤ چلتے ہیں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“
 ”کچھ نہیں ہے تو جوتی کے اندر جانے کا کوئی ذریعہ مجھ میں نہیں لگتا تھا۔“
 ”خود ہی ایک راستہ مل گیا ہے۔ اس طرح دوسری شخصیں بھی آسمان ہوتی جائیں گی۔ یہ میرا تجربہ ہے۔“
 ”لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم اتنے دوا تک پہنچا رہی ہو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ کالی موت اور راجا کرشن پر شاد دونوں ایک ہی شخصیت ہیں۔“

”میں تو خود اس پر حیران ہو رہی ہوں۔“
 ”خفیہ نے کہا۔“
 ”تم یقین کرو مجھے ذرا بھی علم نہیں ہو سکا تھا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس دوران باہر کے لوگوں سے میری ملاقات نہیں ہوئی ہو۔“
 ”میں نے مجھے یہ نہیں معلوم نہیں ہوسکا۔ اس کے علاوہ جو لوگ بھی کالی موت کے ارگرد موجود تھے وہ سب اسے کالی موت ہی کہہ کر خفا طلب کرتے تھے۔“
 ”چلو وہ لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔“
 ”داؤ نے کہا۔ وہ لوگ جوتی کے گھٹ کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں ذرا بیروں اور جوتی کے دونوں فی ظلم کھڑے ہوئے تھے۔
 ”راجا صاحب نے تم دونوں کو اسی وقت بلایا ہے۔“

”ذرا بیروں کی طرف دیکھتے ہوئے۔“
 ”لو لاؤں نے ہسٹو دیا تھا کہ تم دونوں اس علاقے میں جہاں گئے ہوئے ہو۔ اب تم لوگ جاؤ۔“
 ”مجھے ابھی آگے جانا ہے۔ پھر وہاں سے واپس لازم پہنچ کر دو دھلیاں ہے۔ اس کے بعد شہر کی طرف جانا ہے۔“

”ذرا بیروں دونوں سے اجازت لے کر پہلے ٹرک کی طرف چل دیا۔ یہ دونوں فی ظلموں کے ساتھ جوتی کے اندر آئے۔ دوا اور اس وقت بہت بچوں معلوم ہوا تھا کہ صور حال ایسی تھی جیسے کوئی خود ہی بھڑکیوں کے غار میں گھس پڑے۔ اس نے اپنا ہاتھ ہاتھ اپنی اسی جیب پر رکھ لیا تھا جس کے اندر کچھ ہوا پسٹول موجود تھا۔ خفیہ کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ دوا کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ درہم درہم سے بدن سے کاٹنے لگا تھا۔ وہ دوا کے ساتھ بالکل چپک چپک چل رہی تھی۔ اس کی خوف زدہ نگاہیں چاروں طرف اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے اسے کسی بھی سمت سے حمل کا اندیشہ لاحق ہو۔“

”وہ دونوں فی ظلم انہیں اس جوتی کے شندرا دیوان خانے میں لے آئے۔ اس دیوان خانے کو دیکھ کر ہی یہ احساس ہوتا تھا جیسے اس کا مالک کوئی راجا ضم کی چیز ہو سکتا ہے۔ انتہائی نفیس قسم کا فیٹنی فرنیچر دیوان سے لٹکتے ہوئے فانوس، دیبر قالین، دیوار پر لگی ہوئی نادر تصاویر۔ یہ سب راجا پرشاد کی شان و شوکت کو ظاہر کر رہی تھیں۔“

”آپ دونوں پھار دیں۔“
 ”راجا صاحب ابھی آتے ہیں۔“
 ”ایک فی ظلم نے جیسے ادب کے ساتھ کہا۔“
 ”وہ دونوں آرام دہ صوفی پر بیٹھ گئے۔ ان کے پیچھے کے بعد وہ دونوں فی ظلم اس دیوان خانے سے باہر چلے گئے تھے۔“
 ”تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔“
 ”داؤ نے فی ظلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“
 ”ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور جوتی ہو۔“
 ”میں غلط فہمی کا سوال ہی نہیں ہٹا ہوتا۔“
 ”خفیہ نے کہا۔“
 ”میں سب کچھ پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔ لیکن آج میں کا ماقول بالکل غلط دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں تو چاروں طرف خطرناک صورتوں والے غنڈے گھومتے پھرتے تھے لوگوں اور خوف کی سسکیاں اور کراہیں سنائی دیا کرتی تھیں۔ ہر طرف غلا اور تشدد کا دورہ دورہ تھا۔ پھر سب تبدیل کیسے ہو گیا۔“

”بہت نہیں کہہ چکا ہے۔“
 ”ہم سنا رہے ہیں کہ راجا کی شخصیت بظاہر کچھ اور ہو اور باطن کچھ اور ہو۔ ایسی دو جلی فطرت والے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے۔“
 ”خفیہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت سامنے والے ایک دروازہ کا لعلی پردہ ایک طرف ہٹا اور ایک قد آور شخص دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک انتہائی قیمتی طاقتور اور باعرب چہرے والا آدمی تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے اور اس کی شاندار مونچھیں اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھیں۔
 ”داؤ نے خفیہ کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت غیر معمولی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت ڈھلے ہوئے لئے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ وہ آگے پیچھے اس طرح جھول رہی تھی جیسے نفوس ہو کر گرنے والی ہو۔ اس کی حالت کو دیکھ کر اس سے کچھ بول چھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ راجا کرشن پر شاد ہی کالی موت تھا۔“

”داؤ نے پک کر جلدی سے خفیہ کو سنبھال لیا۔ وہ ہکا بکا کر گئے، ہی دالی تھی۔ راجا کرشن پر شاد نے خفیہ کی یہ کیفیت محسوس کر لی۔“
 ”مہیا ہو گیا ہے۔“
 ”اس نے اپنی گونجی لہر آواز میں بول چھیا۔“
 ”ایسا لگتا ہے جیسے دلو کی جی کی ظہیر خراب ہو۔“

”دوا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی وقت راجا پر شاد پر پڑے۔“
 ”یہ شخص کمال کا داکار شہرت ہو رہا تھا۔ لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ راجا کے خلاف کچھ کر سکتا۔ وہ اس کی جوتی میں موجود تھا۔ جہاں ہر طرف راجا کے آدمی پھیلے ہوئے تھے اور دوسری بات یہ تھی کہ خفیہ اس کے ساتھ تھی۔ خود فوں کے ساتھ وہ ہمیشہ سے بہت ننگا بچا کر کوئی قدم اٹھاتا کرتا تھا۔ اس نے راجا کو کوئی جواب دیئے بغیر خفیہ کو ایک صوفے پر بٹا دیا۔ کرشن پر شاد نے اس دوران ملازمین کو آواز دے کر بلا لیا تھا۔ ان میں دو عورتیں بھی تھیں۔ کرشن پر شاد کے اشارے پر وہ عورتیں بے ہوش خفیہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
 ”اگر تمہاری اجازت ہو تو دلو کی جی کو اندر لانا خانے میں بھیج دیا جائے۔“
 ”کرشن پر شاد نے دوا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہاں ان کی بہتر دیکھ بھال ہو سکے

گی "نہیں! داور نے الکار میں اپنی گردن ہلا دی یہ
ابھی خود ہی ٹھیک ہو جئے گی!"
داور کے لہجے کی خوشی سے کرشن ہر شاد کی پہلی
میں لہجے کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے کچھ کہنے کی
کوشش کی، پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھر کر رہ گیا۔ داور
کے لئے یہ بہت ہی نازک موقع تھا۔ اسے اپنے جذبات
پر قابو رکھنا ضرور ہوا تھا۔ کالی موت اس کے سامنے
کھڑا تھا۔ اس کا اندازہ کالی موت کے سلسلے میں درست
ثابت ہوا تھا۔ اس کا شروع سے خیال تھا کہ کالی موت
کسی بڑی حیثیت کا آدمی ہو گا۔ کوئی ایسا آدمی جس کے
اختیارات اور وسائل بے پناہ ہوں گے جس کے پاس
بے پناہ دولت ہوگی۔ اور یہ راجا کرشن ہر شاد کالی موت
ثابت ہوا تھا۔ اس شخص نے اتنی فکر لاندہ بات کے
ساتھ خود کو چھپا رکھا تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں
جوہر کا متاثر کرتا مگر یہی ہونے والے بھیانک جرائم
اس کی بدولت رونما ہوا کہتے ہیں۔
اس دوران کئی کی غفلت ختم ہوئی۔ وہ کمر اٹھ بیٹھ
اس کے اٹھتے ہی اس کے آس پاس کھڑی کینز کے
سے باہر چلی گئیں۔ داور نے کئی کی طرف دیکھا۔ اس کا
چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا۔ اور وہ کسی خوفزدہ کبوتر کی
طرح بھی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ داور اس کی نشانی کے لئے
اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔
"کیا ہو گیا تھا؟ دلوی نہیں۔ ہا کرشن ہر شاد نے پوچھا
اس کا بچو اس وقت بہت نرم اور جذبات تھا۔
"جو کچھ ہوا ہے وہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ بدو
لوں بڑا۔ اب اس کی قوت برداشت جواب دے گی تھی۔
"کیا راجا کرشن ہر شاد کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔
"کیا کہہ رہے ہو۔ ہم نے تم لوگوں کے ساتھ کون سا
سلوک کیا ہے؟"
اس کمرے میں اس وقت سوائے ان تینوں کے
اور کوئی نہیں تھا۔ راجا نے اپنے آدمیوں کو واپس بھیج
دیا تھا۔ داور ابھی کھیل شروع کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن
یہ جملہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ اور یہ لوگ ان سے لطفے
کے بعد واپس نہیں آکر رہے لیکن کھیل شروع ہو چکا تھا
اور اب اسے اس کھیل کو اس کے اختتام تک پہنچانا
تھا۔

"میں بہت دنوں سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں راجا
کرشن ہر شاد! داور ایک ایک لفظ ہر زور دیتے ہوئے
بولتا اب تم اپنے انجانہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"
اتنا کہہ کر اس نے راجا پر چھلانگ لگا دی۔ راجا اس
کے اس اچانک حملے کو سہل نہیں سکا اور لڑکھانا ہوا لیکن
طرف جا کر لیکن داور کے اندازے کے برعکس وہ کبھی
لڑائی کے فن میں کسی سے کم نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس
نے دوسرے ہی لمحے اپنی دونوں ٹانگیں جڑلیں اور
داور کے سینے پر رکھ کر اسے زور سے دھک دے دیا۔
داور کی گرت چھ جلا گیا تھا۔ اس نے دوبارہ راجا پر چھلانگ
لگائی اور راجا پر حملہ کیا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ داور فرش
سے ٹکرایا اور ساتھ ہی اس نے بھی کروٹ لیتے ہوئے
اپنی ایک ٹانگہ داور کی طرف جھلا دی۔ اس کا یہ وار تو شرافت
ہوا۔ اس دفعہ ایک زوردار ضرب راجا کے سینے پر لگی
اور وہ دوسرے دھڑا تھا۔ اس دوران کئی دوڑتی ہوئی
ان دونوں کے قریب آ گئی۔
"مارو داور! وہ جوش سے بولی "جان سے مار دو
اس شخص کو۔ مار ڈالو اسے!"
داور نے اچھل کر راجا کے سینے پر ایک فلائنگ
لگ رہا کر دی۔ راجا اس وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اس
ضرب نے اسے بالے کر دیا اور وہ تقریباً اڑتا ہوا
سامنے والی ایک دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی
دروازہ کھلا اور ایک وقت کئی اندر آ گئے۔ یہ راجا کے
ملازمین تھے جو مسلح ہو کر راجا کو بچانے کے لئے اس
کمرے میں آئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی داور کو
گھیر لیا۔
"تم لوگ ایک طرف ہٹ جاؤ! راجا نے اپنے ہاتھ
بھٹکے۔ یہ جہاں سے میرے دشمن معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لڑائی
میرے اور ان کے درمیان ہے۔ لیکن اتنا ضرور پہنچا
کا کہ اس جنگ کی وجہ کیا ہے؟"
راجا کے کہنے پر دوسرے لوگ ادھر ادھر بیٹھ کر
کھڑے ہو گئے۔ داور چند لمحوں تک راجا کی طرف تو بخوار
نگاہوں سے دیکھنے کے بعد بولا: "میرا خیال ہے کہ کالی
موت کو یہ بوجھ تھا کہ اس جنگ کی کیا
وجہ ہے؟"
"کالی موت! راجا جازم بڑ بڑایا۔ اس کی آنکھوں

میں لہجے کچھ اور بڑھ چکی تھی۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں
کو اشارہ کیا اور وہ دوبارہ اس کمرے سے باہر چلے گئے۔
راجا کا یہ قویہ داور کی سمجھ سے باہر تھا۔
"دیکھو دوست! اگر تم مجھے صفائی کا موقع دیجئے بغیر
اپنا دشمن خیال کرتے ہو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں
اور اگر تم صفائی کا موقع دینا چاہتے ہو تو کچھ دیر بیٹھ کر
میری باتیں سن لو۔ اس کے بعد بھی اگر تم مجھ سے لڑنا ہی
چاہتے ہو تو میں تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں
میں بزدل نہیں ہوں۔ لیکن خواہ مخواہ کسی جنگ میں
لجھنا بھی نہیں چاہتا۔"
"تمہارے پاس کچھ کہنے کے لئے ہے کیا کہنے
انسان! کئی اچانک بول پڑی "تم جیسا ذلیل شخص تو میرے
ہندوستان میں کوئی اور نہیں ہو گا۔"
"دیکھو۔ بولی جی! میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں بزدل
نہیں ہوں۔ میں تمہاری اس بات کا بہت معقول جواب
دے سکتا ہوں۔ اور یہ بھی جان لو کہ میری اور ان کے
درمیان اگر کوئی جنگ ہوئی تو میرا کوئی آدمی مداخلت
نہیں کرے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ کوئی بھی میری بات
آئے گا۔ لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم آپس میں بات
کر لیں۔ کسی پینے پر بیٹھ جائیں؟"
"بہت خوب! داور مسکرا دیا۔ ہزاروں آدمیوں کو
تیار کرنے والا کالی موت اب ایسی باتیں کرنے لگا ہے۔
یقین کرو کالی موت میں تمہیں کتنے کی موت ماروں گا!"
"سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بار بار مجھے کالی موت کیوں
کہہ رہے ہو؟ راجا نے کہا: "ایسا لگتا ہے جیسے تمہیں
کوئی زبردست غلط فہمی ہوئی ہے۔"
"بگو اس بند کر دی کئی دہائی! میں تمہیں بہت اچھی
طرح جانتی ہوں۔ میں ہمیشہ تمہاری گندی سانس میں
نقحری رہی ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ ایک ایک
لمحے کا عذاب برداشت کیا ہے۔"
"بہت دنوں کے بعد تم وہ پہلے لوگ ہو جو مجھے
میرے منہ پر کالی موت کہہ رہے ہو۔ میں نے یہ نام
پہلے بھی سن رکھا ہے۔ اور میں اس کی تہہ تک پہنچا ہوا
ہوں۔ لیکن اب سے پہلے کسی میں اتنی ہمت ہی نہیں
ہوئی تھی کہ وہ میرے سامنے آکر کالی موت کہہ کر مجھے
غائب کر سکے۔ میں نے نہ جانے کہاں سے یہ خبر سنی

تھی کہ اس کالی موت کا تعلق میری اس جھٹی سے ہے اس
کے بعد میں نے بے شمار لوگوں سے معلوم کیا۔ اپنے
ملازمین سے تفتیش کی۔ لیکن نہ جانے کیوں۔ کوئی بھی
کچھ بتانے کو تیار نہیں ہوتا۔ اب تم لوگ آئے ہو تو
مجھ کو ان کا واسطہ ہے بتاؤ یہ کیا سلسلہ ہے۔ ام میری
باتوں کو غلط مت سمجھنا۔ بہت سمجھنا کہ میں تم سے خوفزدہ
ہو کر یہ سب کہہ رہا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں
تم سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ میرے بازوؤں میں ابھی
اتنی توانائی موجود ہے کہ میں تمہارا مقابلہ کر سکوں۔ اس
کے علاوہ میری ایک آواز ہر یہ کہہ میرے مسلح ملازمین
سے بھر جائے گا۔ اور تم اپنی جان کا راز نہیں ہو سکو گے

اس لئے یہ خیال تو اپنے ذہن ہی سے نکال دو کہ میں کسی مصیبت کے تحت ایسی باتیں کہہ رہا ہوں بہترین ہی ہے کہ تم لوگ مجھے ساری صورت حال سے آگاہ کر دو یہ داور کو اس کی باتیں بہت معقول معلوم ہو رہی تھیں یہ شخص اپنے انداز اور اپنے رویے سے مجرم نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں کسی قسم کی شیطانی چمک پائی جاتی تھی۔ وہ ایک سیدھا سادہ آدمی تھا جس نے سیدھے سادھے انداز میں اپنی بات کہہ دی تھی۔

”سب سے پہلے یہ بتا دو کہ یہ کالی موت کون ہے؟“

راجا نے بوجھا ”تمہیں اس کے بارے میں کچھ کچھ معلوم ہوتا دیتا۔“

”کیا خیال ہے نئی؟“ داور نے نئی کی طرف دیکھا ”کیا ان باتوں پر یقین کر لیا جائے؟“

”میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی“ نئی الجھتی ہوئی بولی۔

یہ وہی شخص ہے جو فیصد وہی میں اسے پہنچنے میں غلطی نہیں کر سکتی لیکن اس کا یہ انداز اور وہ بالکل مختلف ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کالی موت اس قسم کی جذباتی گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ چلو تم اس کو بتا دو لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص خود ہی اس بات کا اقرار کرے گا۔“

پھر وہی بدگمانی ”راجا سدا دیا“ ٹھہرو میں تمہیں اپنے بارے میں پہلے ایک ثبوت دے دوں۔ اس کے بعد تم سے باتیں ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔“

اتنا کہہ کر اس نے زور سے کسی کو آواز دی اور ایک وردی بلوٹس ملازم اندر آگیا۔ وہ ایک جوان لڑکا اور چاندی چوہا آدی تھا۔ اس کے دونوں پہلوؤں سے ہوسٹرنگے چمکے تھے۔ اس نے بڑی ہنسی لگا ہوں سے داور اور نئی کی طرف دیکھا پھر راجہ کے پاس آکر موڑ بکھڑا ہو گیا اس سے پہلے شاید وہ دروازے کے قریب ہی تھا اسی لئے راجا کی ایک آواز نہ اندر آگیا تھا۔

”تم یہ بتا دو کچھ دنوں میں پاگوں کی طرح کس کو تلاش کر رہا ہوں؟“ راجا کرشن بدشاد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے جواب دینے سے پہلے اس طرح داور

اور نئی کی طرف دیکھا جیسے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ ان دونوں کے سامنے جواب دے یا نہ دے۔ پھر راجا کے اشارے پر وہ دھڑکے سے بولا ”کالی موت ہو۔“

”اب تم جا سکتے ہو؟“ راجا نے کہا اور وہ شخص جس طرح آیا تھا اسی طرح باہر چلا گیا۔ اب کیا خیال ہے تمہارے راجا نے داور سے سوال کیا۔

”مٹھیک ہے۔ اگر تم خود کالی موت نہیں ہو تو میری لڑکی تمہیں دیکھ کر دھوکا کیوں کھا گئی۔ اسے کیوں یقین ہے کہ تم ہی کالی موت ہو؟“

”میں تمہیں یہ بھی بتا دوں گا“ راجا نے ایک گہری سانس لی۔ ”لیکن اس سے پہلے مجھے پورے واقعات معلوم ہو لینے۔ ورنہ میں اپنے حالات کی روشنی میں ان واقعات کا تجزیہ کر سکوں۔“

داور نئی کو اشارہ کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ نئی بھی اس کے برابر آکر بیٹھ گئی جبکہ راجا ان دونوں کے سامنے کھڑا ہی رہا تھا۔ ایسا الٹا تھا جیسے نو بلوٹس اس کے اضطراب میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہو۔ وہ جلد سے جلد حالات جان لینا چاہتا ہو۔ داور کی لڑکی ہونے پر یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی بچی بلاوجہ مصنوعی نہیں تھی۔

داور کو کالی موت کے حوالے سے حتیٰ باتیں معلوم تھیں وہ سب اسے بتا دیں۔ راجا بڑی حیرت سے اس کی کہانی سنتا رہا تھا۔ داور کے حاشیوں ہوجانے کے بعد اس نے نئی سے پوچھا۔

”اور وہ لڑکی تمہیں یہ شہ کیسے ہوا کہ کالی موت کا تعلق اسی عورتی سے ہے۔ یا میں ہی کالی موت ہوں؟“ نئی نے داور سے جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ اس نے راجا کو بھی بتا دیا۔ راجا اب پہلے سے کہیں زیادہ پریشان اور مضطرب معلوم ہونے لگا تھا۔

”تم نے کہیں کوئی غلطی تو نہیں کی ہے دہلی جی؟“ راجا نے پوچھا۔ میرا مطلب ہے کہ وہ کوئی اور عورتی ہو کوئی اور آدمی ہو؟

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا“ نئی جلدی سے بولی۔ ”اندھی یا بے حس نہیں ہوں۔ اور جا بے تم کچھ بھی کہتے رہو مجھے تمہارے یقین نہیں آئے گا۔ میں تمہارے جنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ تمہارے ظلم و تشدد کا شاہدہ

کر چکی ہوں۔ میں نے تمہاری غلامت میں بہت دن گزارے ہیں اور یہ

”بس خانووش رہو۔ راجا نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر نئی کو مزید بولنے سے روک دیا۔ شاید میں بڑی حد تک معاملے کی تہرنگ پہنچ گیا ہوں۔ صورت حال یہ ہے کہ تم بھی غلط نہیں ہوتی ہو اور میں بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ صدمہ ہیں۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ داور نے جلدی سے کہا۔ ”اس قسم کی جگہاں میں تمہیں زیب نہیں دیتی؟“

”میں حق کہہ رہا ہوں جوان پیراجا کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ ریٹک گئی۔ ”تم دونوں آدمیہرے ساتھ۔ میں تمہیں کالی موت سے ملوا دیتا ہوں۔“

اس قسم کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود شبیلہ نے اس پر ہتھول تان لیا تھا اور اب خود موت کی نیند سو رہی تھی۔ یہ سب کچھ دلراج کی سمجھ سے باہر تھا۔ شبیلہ کاروبار حیرت انگیز تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ لیکن دلراج کے پاس ان معاملات پر سوچنے کے لئے اب وقت نہیں رہ گیا تھا۔ غائب گھر کا وہ ہال قتل کی آوازوں سے بھرے لگا تھا۔ دلراج نے ادھر ادھر لنگھیں دوڑائیں۔ اس کے چھیننے کے لئے کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ درمیان میں شبیلہ کی لاش پڑی ہوئی تھی اور غائب گھر کے منتظمین بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس طرف چلے آ رہے تھے۔

پھر اسے اس کمرے کا خیال آگیا جہاں وہ اور شبیلہ جا کر چھپے تھے۔ اس وقت اس کمرے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے اس کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ کمرے کی قدر اور مسمول کے عقب میں تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ کمرے میں کھڑا رہ گیا۔ یہ ایک ناقابل یقین سی بات تھی۔ وہ اور شبیلہ اسی کمرے میں چھپے تھے اسے ابھی طرح یاد تھا کہ جب وہ دونوں اس کمرے سے باہر نکلے تو اس وقت یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس بات میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر یہ دروازہ کس

نے بند کیا۔ دوسری طرف محافظ ہال کے دروازہ کو کھول کر ہال میں آگئے تھے۔ ان کی آوازوں سے ہال بھر گیا تھا۔ ان کی تعداد بھی اچھی خاصی معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ سب کے سب یقیناً مسلح ہوں گے۔ اور ان کے مقابلے میں وہ اکیلا تھا۔ وہ اکیلا ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے اپنا شک دور کرنے کے لئے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے اندر کی طرف دھک دیا۔ لیکن وہ دروازہ واقعی بند تھا۔ اس نے دستک دینے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھا یا پھر کمر لیا۔ دستک کی آواز ہال میں آنے والے محافظوں کو اس کی طرف متوجہ کر گئی تھی۔ انہیں سمت کا انداز نہ ہو سکتا تھا۔ پریشان ہو کر اس نے ادھر ادھر لنگھیں دوڑائیں۔ پھر اسے ایک اچھا جھٹکا کھانی دے گیا۔ یہ قسم کسی فرعون کی تھی کہ طرہ پر بنا یا گیا ایک بڑا جھمکا تھا۔ دلراج کے چھینے کے لئے وہ جھمکا سب نہیں تھا۔ لیکن اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ ڈھونڈتا ہوا شخص ہمیشہ نکلے کا ہاتھ اتار کر لگتا ہے۔ وہ دوڑتا ہوا اس قسم کے عقب میں پہنچ گیا۔ جہاں اتنی جگہ موجود تھی وہ اپنے بدن کو کسی نہ کسی طرح سنبھال کر اس کے عقب میں بیٹھ گیا تھا۔

پھر اسی وقت کسی کی بلند آواز سنائی دی۔ شبیلہ کی لاش دیکھ لی گئی تھی۔ اس لاش کے ملنے ہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ سینیاں بچنے لگیں۔ لوگ جھنجھک کر ایک دوسرے کو ہوشیار کرنے لگے۔ اسے لگتا ہے کہ لئے آواز میں بلند ہونے لگیں۔ ہال کے دروازے وغیرہ بند کئے جانے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان لوگوں نے دلراج کو اسی ہال میں چاروں طرف گھیر لینے کا ارادہ کر لیا ہو۔

دلراج کے پورے جسم پر کبکی طاری تھی۔ ایسا امر وقت اس سے پہلے اس پر کبھی نہیں آیا تھا۔ اور یہ شبیلہ کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ وہ اگر ایسی حرکت نہیں کرتی تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر اسے قسم کے اندر سے کچھ نہیں ملتا تو پھر اسے ایسا رویہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر چانک اسے کسی دروازے پر ہرگز زور سے دھک دینے کی آواز سنئی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

176

کرتے تھے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ آدمی کو غصہ نہیں کرنا چاہئے۔ بہت بری چیز ہوتی ہے آدمی کو خود پر اختیار نہیں رہتا خواہ مخواہ قتل و غیروہ کر دیتا ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ آدمی کو بھلا ہوا سلو اپنے پاس رکھنا ہی نہیں چاہئے جیسے میں رکھتا ہوں۔ میرا یہ پستول خالی نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھ پر قاتل پانے کی کوشش کرو۔ میں نے تو نوئی ایک بات کہہ دی ہے۔

لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے دراج نے اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نقاب پوش کا خوف اب ممکن طور پر اس کے دل سے نکل چکا تھا۔ اس کے علاوہ شیلہ کی ہلاکت کے بعد اس کے سر پر ویسے ہی ایک جنون سا مور تھا۔ اسی لئے اس نے یہ معلوم ہونے ہی کہ نقاب پوش کا پستول خالی ہے اس پر حملہ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن وہ نقاب پوش اس سے نہیں زیادہ بھرتیلنا ثابت ہوا۔

اس سے پہلے کہ دراج اس تک پہنچ سکتا وہ تیری سے ایک طرف ہٹ گیا۔ دراج اب بھی جھوٹے آگے کی طرف چلا گیا۔ اور ابھی وہ مہل کر رہے تھے پاپا تھا کہ نقاب پوش نے اس کی ہر ایک زوردار حرکت رسید کر دی۔ دراج اس والے زور سے دوڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تاریں رقص کرنے لگیں۔ اسے یہ احساس ہو گیا کہ یہ نقاب پوش ڈاڑھی بھرائی میں اس سے ہمیں زیادہ زور صرف ہمارت رکھتا ہے بلکہ وہ بے پناہ طاقت ور بھی ہے۔ اس نے چند لمحوں میں دراج کو بے بس کر کے کھرا بھٹکا۔ دراج نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو کر بیٹھا ہر کرے جیسے اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ پھر جیسے ہی توقع مل سکے وہ نقاب پوش ہر گز رفت قائم کرے۔ پھر اسے اچانک یا دیکر اس نے شیلہ کو جس پستول سے ہلاک کیا تھا۔ وہ پستول ابھی تک اس کی جیب میں تھا۔ جبکہ نقاب پوش کا پستول بال میں ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ دراج کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے جلدی سے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا وہاں وقت نقاب پوش کی آواز گونج اٹھی۔

”میرا خیال ہے کہ تم اپنے پستول کو تلاش کر رہے ہو گے۔ لیکن شاید تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ پستول اترتے ہوئے میں نے تمہاری جیب سے پستول نکال لیا تھا۔“

دراج بھٹکا کر رہ گیا۔ یہ شخص اس کی توقع سے زیادہ خطرناک اور چالاک ثابت ہو رہا تھا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ دراج نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو آواز دے کہ مجھے تلاش کرنے والوں کو یہاں بلا کر مجھے ان کے حلقہ کیوں نہیں کر دیتے۔ اس طرح مجھے پریشان کرنے کا کیا فائدہ؟

”میں تو تمہیں پریشان نہیں کر رہا ہوں۔“ نقاب پوش نے کہا۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری جان بچ جائے اور تمہیں وہ دولت بھی مل جائے جسے یہ کے لئے تم لوگ یہاں آئے تھے۔“

تہر خانے والے مکان سے نکل کر عبدال کو شیش گنگ پیچھے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اس نے پستول کے بل پر اس عمارت میں بچا لوگوں کو تہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ اسی لئے جبکہ اس تہر خانے کا دروازہ نہیں کھلتا اس وقت تک اس کے ڈار ہونے کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ شیش گنگ وہ لوگوں سے بچھتا ہوا چلا آیا تھا۔ یہاں آئے کے اسے کسی کما کا مکان تلاش کرنا تھا۔ اس پورے فز نام بتایا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس پورے کی ہلاکت پر عمل کرے۔ بچہ یہاں سے واپس ہوئے۔ پھر اسے اپنے کے احسان کا خیال آ گیا۔ اس پورے کی ہلاکت کے بغیر وہ اس تہر خانے سے نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ کما کا مکان تلاش کر لی لے اس نے کان کا پتہ ایک ایسے آدمی سے معلوم کیا جو صورت ہی سے غنڈہ اور آخر تم سے آدمی معلوم ہوتا۔ اس نے پورے کے پہلوؤں کی طرح ایک کرتا اور ایک بٹی پہن رکھی تھی۔ اس کے دونوں کانوں میں چمکیے بالے بڑھے ہوئے تھے جو بڑے اور کشادہ سینہ چاندی کے تعویذ لنگ رہے تھے۔

”بابا! میں اس گلی میں کما کے مکان کا کھون لگانا ہے۔“ عبدال نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

”میں کام ہے استاد تجھے کما سے۔ اس پہلو ان نما شخص نے کلچر کے میں دریافت کیا۔“

”بابا! اپنی تمہارے کو اب کہا بتلاؤ۔ تمہارے کو پتہ معلوم ہے تو بتا دے ورنہ اپنا راستہ لے۔“

”اوہ تو تو سر میرا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پہلو ان نے کہا۔ لیکن ہے نہیں اور سے آیا ہے۔ اکی لئے ادا پہلو ان سے ایسی باتیں کر رہا ہے۔“

”ماں! میں کو بالکل نہیں معلوم کہ کون پہلو ان ہے اور کون سر میرا آدمی ہے۔“ عبدال جلدی سے بولا۔

”تو بس اتنا جانتا ہے کہ سالادھر مار پیٹ میں تمہارے لگو آدھر باتوں سے کام چلاؤ۔ اگر باتوں سے بھی کام نہیں چلے تو سالادھی ہو جاؤ۔ بھوٹ جاؤ۔ وہاں سے۔“

”خوب پہلو ان ہنس پڑا۔ آدمی تو مزیدار ہو۔ ویسے یہ تو بتا دو تمہیں کما سے کیا کام ہے۔“

”ارے بابا! کائے کو کھا لیا اپنی کے پیچھے پڑا ہے۔ اگر تمہارے کو نہیں بتانے کا ہے تو ویسا بول دے۔ اپنی ٹھنڈا ٹھنڈا آگے بڑھ جائے گا۔“

”تھک ہے تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس ادا پہلو ان سے واسطہ پڑا تھا۔“

”وہ میں تمہیں کما کے پاس لے جاتا ہوں۔ اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔“

”تو بابا پہلے کیوں نہیں بولا کھا لیا اپنی کا منگ پھر لیا تھا۔ چلو۔ کس طرف کو چلنے کا ہے۔ اپنی سالادھیر سے ساتھ چاندھیر بھی چلنے کو تیار ہے۔“

پہلو ان اسے اپنے ساتھ اس گلی کے ایک دو منزل مکان میں لے آیا۔ یہ مکان سرخ اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ اس کی کھڑکیوں اور دروازے پر مومے موٹے ہر دے بڑے ہوئے تھے۔ جبکہ اس مکان کا دروازہ ایسی لکڑی کا تھا جس پر نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ اس پہلو ان نے اسی دروازے پر دستک دی تھی دستک کے جواب میں کچھ دیر بعد دروازہ کھول گیا کہ دروازہ کھولنے والا پہلو ان تھا اسی لئے وہ فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔ پہلو ان نے عبدال کو اشارہ کیا اور وہ دونوں مکان میں داخل ہو گئے۔ وہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی تھی جس کے دونوں

طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ پہلو ان نے ان کمرے کی طرف رخ نہیں کیا وہ سیدھا چلتا ہوا ایک بال میں آ گیا۔ اس بال میں ایک عورت جو کی پرہیزگاری ہوتی تھی پہلو ان اس عورت کو دیکھ کر مرنے میں رہ گیا۔

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس عورت کو پہچانتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایسی پہلو ان عورت اس سے پہلے بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس عورت نے بھی ایک لٹی اور ایک کرتا پہن رکھا تھا۔ اس کے گلے میں چاندی کی ایک تعویذ لنگ رہی تھی۔ اگر اس کے بال دراز نہیں ہوتے اور اس کے چہرے کے نقش و نماں نہیں ہوتے تو اسے کوئی بھی عورت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کی چوکی کے پاس ایک اہر عورت کھڑی اس کے ایک بازو کی مٹا کر رہی تھی۔ عبدال کے سامنے آئے ہوئے پہلو ان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ پھر اس نے عبدال کو کھورتے ہوئے اس پہلو ان سے پوچھا۔

”یہ کسے اپنے سامنے آئے آپا ہے ادا پہلو ان؟“

عبدال اس کی آواز سن کر کوٹک پڑا۔ اس کی آواز حیرت انگیز طور پر نرم تھی۔

”کما لابی! یہ نہ جانے کون ہے۔ تمہارا بہنو ہے۔“

”یہاں رہتا ہے۔“

”میں اسے تمہارے پاس لے آیا ہوں۔ ویسے آدمی جیلا معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں بھئی کون ہو تم۔“ کما نے عبدال کی طرف دیکھا

”میں نے بھیجے تھے نہیں میرے پاس۔“

”اپنی کو نہیں معلوم کہ کس نے بھیجا ہے۔“ عبدال نے جواب دیا۔ اپنی سالادھیر اتنا جانتا ہے کہ وہ ایک پورے ادا تھا جو اپنی کو ادا دھرتا خانے میں مل گیا تھا۔ وہ سالادھیر کو بولا کہ تم اس تہر خانے سے معاملہ خلاص کر کے ادا دھرتا خانے میں کما کے مکان پہنچ جانا۔ اپنی سالادھی ادا دھرتا آجائے گا۔ تو اپنی اس کی بات سن کر ادا دھرتا آیا ہے۔“

”اوہ۔ میں سمجھی۔“ کما کچھ مضطرب ہوئی تھی۔ پھر اس نے ادا پہلو ان کی طرف دیکھا۔ ”وہ پورے کما کا بیٹا ہے۔“

”ہاں۔ وہ اس سے پہلے بھی نین بندوں کو بھیج چکا

ہے، اودھانے کہا نہ جانے یہ کیا سلسلہ ہے۔ وہ
بوڑھا گیا جاتا ہے۔

”کیا تم کو اس تہ خانے میں زبردستی پہنچا یا کہا تمہارے
کملانے عبدال کی طرف دیکھتے ہوئے بوجھا۔

”وہ اپن کے باب کا سال استرال تو نہیں ہے ناگ
اپن وہاں خوش ہو کر گیا تھا۔ ارے وہ سال لوگ اپن کو
دھوکے میں پکڑ کر ادھر بھیج دیا ہے۔

”بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ کملانے مونڈے کی کرسیوں
کی طرف اشارہ کیا جو دیوار کے ساتھ تھی، ہونی تھیں اور
ذرا ہمیں تفصیل کے ساتھ سب کچھ بتاؤ۔ ہم لوگ خود
اس صورت حال سے پریشان ہو گئے ہیں۔

عبدال لاہروائی سے منہ جلاتا ہوا ایک مونڈے
پر بیٹھ گیا۔ اودھا پہلوان نے بھی اس کے برابر والی کرسی
منہ جلاتی تھی۔ جبکہ کملانے اشارے پر اس کے بازو پر
مالش کرنے والی عورت باہر چلی گئی۔ عبدال نے اسے
اپنے اور سلیم کے اٹوای بوری داستان سنا ڈالی۔ اس نے
درمہاں میں داہر کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ وہ دونوں بیٹے
دھیان سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

”دیکھو بھئی، عبدال کے خاموش ہو جانے کے
بعد کملانے کہا، مجھے تمہاری کہانی پر کوئی شک نہیں
ہے۔ تمہارے ساتھ ضرور ایسا ہوا ہو گا۔ لیکن حیرت کی
بات یہ ہے کہ تم لوگ اس بوڑھے سے ناواقف ہیں۔
ہم اسے بالکل نہیں جانتے۔ مجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس
تہ خانے سے لوگوں کو میرے پاس کیوں بھیج دیا کرتا ہے
وہ تم سے پہلے بھی تین آدمیوں کو یہاں بھیج چکا ہے اور
ہر ایک کی وہی کہانی ہے جو تمہاری ہے۔ وہ اس تہ خانے
میں قید ہونے والے کسی ایک آدمی کو منتخب کرتا ہے
اور اس کی مدد کر کے ہمارے پاس بھیج دیتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ تم سے پہلے آنے والے تینوں آدمی
بہت ختمہ حالت میں یہاں تک پہنچے تھے۔ اور ان تینوں
میں سے کوئی زندہ نہیں رہ سکا تھا۔ وہ لوگ کسی نہ
کسی طرح تہ خانے سے لٹکنے میں کامیاب تو ہو گئے تھے
لیکن انہیں گھیر لیا گیا تھا۔ ان پر گولیاں برسادی گئی
تھیں جبکہ تم بالکل صحت سلامت یہاں تک پہنچے ہو۔“
”یہ تو سال بالکل کسی فلم کی اسٹوری جان بڑھانے ہے۔“

نے کہا۔ ایک ہمارا رتہ خانہ۔ اس میں بہت سی
لوگ۔ ایک سال بلانا اولڈ ٹائم کا بوڑھا وہ کسی کی طرف
ہے۔ اس کو کوئی مار دیا جاتا ہے۔ پھر سب کو کملانے
ایک عورت کا ہاتھ بتایا جاتا ہے جو سال خود بھی نازن
کی اولاد معلوم ہوتی ہے۔ ارے بابا۔ تم کیسی عورت ہو تم
کو دیکھ کر تو اپن سال اچھم رہ گیا ہے۔
اس کی بات پر دونوں ہی ہنسنے پڑے۔ ان دونوں
کو عبدال کی باتیں ابھی نئی تھیں۔
”دیکھو کملانے، اودھا پہلوان نے کملانے کو فی طلب کیا
نے کہا تھا نا کہ یہ آدمی جیلا معلوم ہوتا ہے۔ یہ جس انداز
سے اس تہ خانے سے نکل آئے ہیں کامیاب ہوا
ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ

”بس بس۔ اپن سال اچھا وہ تعریف نہیں سننے کا ہے
کہا۔ اپن کو ہارٹ فیل ہونے لگتے ہیں۔ کچھ سال بھی
ایک عورت تعریف کر بلا تھا تو اپن دونوں کے لئے
سے ہوش ہو گیا تھا۔ جیر۔ اب تم لوگ دھت ہو۔ اس
سال اندھیر گریس کیس پچوٹ راج پی ہوا ہے۔ یہاں
کہا ہوتا ہے جیلا ہے۔ سالادھر کا کچھ مجھ میں نہیں آتا
”ہم لوگ ہندوستان سے یہاں آئے ہیں۔ کملانے
بتایا۔ یہ ایک بہت بہلائی بستی ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد
یہاں تجارت کے عوض سے آئے جاتے رہتے تھے
انہیں پہلوانی کا بھی شوق رہا ہے۔ پھر میرے دادا یہیں
رہ گئے۔ اور انہوں نے ہندوستانی طرز کی نشیمنوں کی
ترتیب دینا شروع کر دی۔ یہاں کے لوگوں میں ہماری
بہت عزت ہے۔ میرے والد استاد دھرم بخش ایک بڑے
پہلوان تھے۔ خدا انہیں جنت نصیب کرے۔ ان کی یہ
خواہش تھی کہ ان کو کوئی بیٹا پیدا ہوتا کہ یہ فن آگے بڑھ
سکے۔ لیکن ہوا کہ صرف میں پیدا ہو کر رہی۔ میرے
والد صاحب کو بہت مایوسی ہوئی تھی۔ لیکن میں نے
ان کی روایت کو قائم رکھا اور خود کسرت شروع کر دی۔ اور
اب والد صاحب کے انتقال کے بعد میں اسی جانشین
ہوئی ہوں۔“

”تو تم سالاسلمان ہو؟“ عبدال نے کہا۔ اپن بھی
سالاسلمان ہے۔ عبدال نام ہے۔ لیکن یہ صرف نام
ہے۔ کام تو کچھ اور ہے۔ پھر میرا نام کیسلہ ہے۔ کملانے

”میرا نام کملانے نہیں مکی ہے؟“ کملانے بتایا۔ لیکن
ماں والوں نے مجھے کملانے کہہ کر پکارنا شروع کر دیا
لئے میں کملانے مشہور ہوئی ہوں۔ میں نے جب ہوش منگالا
تھا یعنی میرے والد کے زمانے میں یہ بستی بہت بڑھ چکی
تھی۔ یہاں کسی قسم کے ہنگامے نہیں ہو کر تھے۔ اور
نگہ بڑی آسانی سے گزرتی تھی۔ لیکن یہاں اقتدار کی
نگ چڑھی۔ یہاں سب سے کام سردار زمین نامی ایک آدمی
تھا۔ جس کی دو بیٹیاں تھیں۔ روپانی اور سومالی۔ ان دونوں
کا ایک نام ہی بھی تھا لانی۔ اصول کے مطابق سردار زمین
کے بعد یہاں کی حکمرانی روپانی کے پاس آئے والی
تھی۔ لیکن اس سے پہلے ہی کووند لانی ایک سردار نے
بنو ات کر کے سردار زمین کو ہلاک کر ڈالا اور لانی ان
دونوں لڑکیوں کو لے کر کہیں غائب ہو گیا۔ اس بستی کی
حکمرانی اب کووند کے پاس ہے۔ لیکن ایک روایت
چلی آ رہی ہے کہ اس بستی کے مرکزی مندر میں رکھی ہوئی
پورنی کی انھوں کے پیرے چمڑی ہو جائیں گے تو پورنی
بعد دونوں لڑکیوں میں سے کوئی ایک ان ہیروں کو
واپس آ جائے گی۔ اور روایت کے مطابق بستی والوں
کو اس لڑکی کو اپنی سردار بنانا ہو گا۔ ورنہ اس بستی پر پورا
کا تہ نازل ہو جائے گا۔ سردار کووند کا اب اس بات کی فکر
ہے کہ کوئی شخص ان ہیروں کو پوری نہ کرے۔ اس لئے
اس نے ان کی حکمرانی کے زبردستی انتقامات کرتے
ہیں۔ دوسری طرف کچھ غیر ملکی طاقتیں بھی اس معاملے
میں سردار کووند کا ساتھ دے رہی ہیں۔ وہ کووند کو ہر
حال میں اس بستی کا حاکم ان دیکھنا چاہتی ہیں۔

”کس لئے۔ اپن کا مطلب ہے کہ اس سال سردار ہیں
کو ن سا خاص بات لگا ہوا ہے۔ وہ بھی تو سال اچھوڑی
ہے۔“
”قصہ یہ ہے کہ اس بستی میں سوریم کا بہت بڑا
ذخیرہ دریافت ہوا ہے۔ کملانے بتایا۔ میں اس
قہر کی چیزوں کے بارے میں زیادہ بات تو نہیں جانتی
لیکن اتنا ضرور سنا ہے کہ وہ بہت کام کی دھات ہے
مرد کووند نے ان غیر ملکیوں کو وہ دھات نکالنے کی
پوری کڑا دی دے رکھی ہے۔ اسی لئے ان غیر ملکیوں
نے اس کے لئے بہت سی سہولتیں جتیا کر دی ہیں۔ وہ

اسے بے تحاشہ دولت بھی دیتے ہیں اور اس کی سخت
کا بھی بندوبست کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس مندر
کی دیکھ بھال بھی ان ہی غیر ملکیوں کے سپرد ہے۔ ان کی
مرضی کے بغیر کوئی مندر میں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔
”کملانے۔ یہ سال لانا چوڑا چکر اپن کے پیچھے سے
باہر ہے؟“ عبدال نے کہا۔ اپن تو صرف اتنا جانتے کہ
وہ سال لوگ اپن کو یہاں اٹھا لیا تھا۔ پھر اپن اس تہ خانے
سے نو دو گیارہ ہو گیا ہے۔ اب وہ سال لوگ اپن کو خود
رہا ہوا گا۔ سال اٹھا جانے کی میں سوائے مارا مار کی
اور کچھ بھی نہیں ہے۔

”ہم سب بھی بہت پریشان ہیں۔ اودھا پہلوان عبدال
کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ پہلے تو یہ بہت برسوں
بستی تھی۔ لیکن اب یہاں دنیا بھر کے جرائم ہونے لگے
ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جرائم ان ہی غیر ملکیوں
نے پھیلانے ہیں۔ تاکہ یہاں کے لوگوں کو دباؤ میں
رکھا جاسکے۔ اور وہ ان کے خلاف کچھ نہ کر سکیں یہاں
اب ہیروں بھی سرعام ملتی ہے۔ جو اس بستی کے رہنے
والوں کو تباہ کر رہی ہے۔ ہم تو کون کاہلا ملد الگ ہے
ہم یہاں کسی اور مقصد سے رہتے ہیں۔ ہم یہاں لوگوں
کو پہلوانی کے ذوق سے سکھاتے ہیں۔ ان سے مجھے
ہیں کہ وہ جرائم وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔ انہیں استعمال
نہ کریں۔ ورنہ ان کا جسم بھی کھوکھلا ہو جائے گا۔ اور روح
بھی ویران ہو جائے گی۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ ہم
لوگوں کو یہاں سے کو ن کرنا پڑے گا۔ یہ بستی رہنے کے
قابل نہیں ہے۔“

”ایسا مت بولو استاد۔ اپن سالادھر آ گیا ہے۔
اپن ان لوگوں کو کس فضا کا کر دے گا۔ اور اگر اپن کا
استاد بھی ادھر آ گیا تو پھر سب کا باجی دے گا۔ اور
باں وہ بوڑھا اپن کو بھی بولا تھا کہ تم سال استاد
کا آدمی ہے۔ اسی لئے میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔
اس بوڑھے کو کیسے معلوم کہ میں کس کا آدمی ہوں؟“
”بوڑھا بھی ہمارے لئے حیرت انگیز ہے۔ کملانے
نے کہا۔ وہ خود بھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا ہے
لیکن ہمیں اتنا ضرور معلوم ہو گیا ہے کہ اس بستی میں
کوئی ایسی جگہ موجود ہے۔ جہاں لوگوں کو اٹھا کر رکھا

جاتا ہے۔ اور انہیں رفتہ رفتہ منشیات کا عادی بنایا جاتا ہے۔ وہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آ سکا ہے۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ان سالاب کیا کہے؟“ عدیل نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ کم کچھ دن ہمارے پاس ہی رہو۔ کھلانے کھانے ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ صاف سے منہ کے لئے آئی جائے۔ اگر وہ چار دن انتظار کے بعد وہ نہیں آیا تو ہم لوگ اس تہ خانے پر دھاوا بول دیں گے کیا خیال ہے۔ تم اس میں ہمارا ساتھ دو گے؟“

”کیوں نہیں دے گا۔ بروہر دے گا۔ اپن سالاب ابھی سالاماری کے لئے تو پیدا ہوا ہے بس ایک بار انہیں کا ہاتھ چالو ہو جائے تو پھر کتنا مشکل ہو جائے گا؟“

ڈاکٹر جنہ جبریت سے پیر سائمن کو دیکھنے لگا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بڑی ہوئی تھی۔

”کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے جناب۔ پاس نے اپنی جبریت دور کرنے کے لئے پھر دلوچھا۔“

”بہت اچھی طرح؟“ سائمن نے جواب دیا۔ ”مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کام میں تم اس کی کتنی مدد کھا کرے ہو۔ بلکہ وہ تمہاری ہی مدد سے اس طرح لوگوں کو بلیک میل کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے؟“

”پھر تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں اس کے سامنے کس طرح مجبور ہو گیا ہوں؟“

”ہاں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ اسی لئے میں تم کوئی الزام نہیں لگا رہا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تمہارا ضمیر جاگ اٹھا ہے۔ تم اس کے شکنجے سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن وہ نہیں اس کا موقع نہیں دے رہا ہے۔ ہر حال میں اب تمہارے پاس آگیا ہوں۔ اور تمہیں اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہوں؟“

”لیکن آپ ہیں کون۔ ہمارا جہ سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ آپ کو کس طرح یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر یہ سب کچھ کرتا پھر رہا ہے؟“

”ہمارا جہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سائمن

نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ بلکہ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے آج تک ہمارا جو کچھ کیا نہیں ہے۔ دراصل میرا تعلق انٹر پول سے ہے مثلاً تمہیں اس ادارے کے بارے میں واقف ہوگی؟“

”بہت اچھی طرح؟ جہت کی جہاز پر بھٹی جابری تھی؟ لیکن اس ادارے کو ناگزیر کے بارے میں کیسے معلوم کیا ناگزیر شہرت میں الا فوای منط پر پھیل گئی ہے؟“

”کچھ ایسا ہی کچھ لو سائمن نے دھیرے سے کہا۔ ”کچھ دنوں ہیر ایک دوست پر وفیسر ہیری وائٹ ہندوستان آیا ہوا تھا۔ وہ بھی عمل تو یہ کام ہر شخص پر اتفاق سے اس کی ملاقات تھوڑی لال سے ہوئی۔“

”میرا خیال ہے کہ تم کو تھوڑی لال ابھی طرح یاد ہو گا۔ وہ شخص ہے جس کو تم نے اور ناگزیر نے مل کر بلیک میل کیا تھا۔ اور اس کی ہینٹ تک تبدیل کر دی تھی۔ اسے ٹرانس میں لاکھ سے یہ یاد کر دیا تھا کہ وہ ایک یورپ ہے۔ لیکن پھر نے کسی نہ کسی طرح اس کے ذہن اس تاثر کو ختم کر دیا۔ اور اس سے تمہاری اور ناگزیر ساری کہانی معلوم کر لی۔ ماسی کے ذریعے پتہ چلا کہ تم کون ہو اور ناگزیر کون ہے۔ پروفیسر ہیری نے واپس آکر مجھے ساری کہانی سنا ڈالی۔ میرے لئے یہ ایک نیا فیصلہ تھا۔ اسی لئے مجھے اس میں دلچسپی فہوس ہوئی اور پروفیسر ہندوستان آگیا۔ یہاں آکر میں نے ناگزیر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ پھر پتہ چلا کہ ہمارا جہ آف نڈر کا پیٹا ہے۔ اور ہمارا جہ غائب ہے۔ بس میں یہاں چلا آیا ہوں۔ تم اسے میرا فانی کیس بھی سمجھ سکتے ہو میں نے یہ تنبیہ کر لیا ہے کہ میں ناگزیر کو مزید انسانوں کا شکار نہیں کرنے دوں گا؟“

”آپ کی بڑی ہرمانی ہوئی جناب؟“ جنہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”وہ واقعی ایک انٹیلیجنس کی طرح ہے۔ جو اپنے بے شمار دشمنوں میں انسان کو اس طرح گرفت میں لے لیتا ہے کہ نجات مشکل ہو جاتی ہے لیکن آپ نے کس کے لئے کیا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کس طریقے اس پر ہاتھ ڈالیں گے؟“

”آپ بالکل اسی طرح جس طرح اس نے دوسروں پر ہاتھ ڈالے؟“ سائمن نے کہا۔ ”میں نے یہ سوچ لیا ہے کہ

میں خلاف وادی سب کیا جائے گا جو اس نے اب دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات قانون کے خلاف ہے۔ لیکن میں ذاتی طور پر اس سے نفرت ہوس کر کے لگا ہوں۔ ایسے شخص کے لئے قانون کی ناکوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کو بھی احساس دلایا جائے اس نے اسٹنگ دوسروں کے ساتھ کیا کیا ہے؟“

”آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں جناب؟“ جنہ جلدی سے بولا۔ ”اس شخص نے ایسے ایسے ظلم کئے ہیں کہ جس کی مثال نہیں دی جاسکتی؟“

”تو پھر یہ کام تم ہی کو کرنا ہو گا؟“ سائمن نے کہا۔ ”کیا کہا مجھے؟“ جنہ جہاز پر رہ گیا تھا۔ ”میں کس طرح رسکتا ہوں؟“

”جس طرح دوسروں کے لئے کیا تھا۔ اسی طرح ناگزیر کے لئے بھی کرنا ہو گا۔ میں بھی اس معاملے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ ناگزیر مجھے بہت متاثر اور معجب ہو گیا ہے۔ ہم شکار کے لئے جائیں گے۔ اور وہاں کسی طرح ہر تینوں دوسرے لوگوں سے الگ ہو جائیں گے۔ پھر انہیں اپنا کام انجام دینا ہو گا۔ کیوں اس کے لئے تیار ہو؟“

”لیکن یہ کام اتنی جلدی کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟“ ”یہ سب سچا میرا کام ہے۔ تمہارا کام یہ معلوم کرنا ہے کہ ناگزیر کو بلیک میل کیا کرتا ہے۔ ان کے خلاف مواد اس نے کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ وہ مواد ہمارے ہاتھ آجائے تو ان مظلوم لوگوں کی غلو ملاصی بھی ہو سکتی ہے۔ ناگزیر کی کوئی ٹوٹ جائے گی۔ اور جس کی شخصیت زور ہو جائے تو پھر اس کو جبری آسانی کے ساتھ ٹرانس میں لایا جاسکتا ہے؟“

”ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ ناگزیر سب کچھ کہاں چھپا کر رکھتا ہے؟“ ”ہمت نے کہا۔ وہ اس معاملے میں مجھ پر اعتماد کرنے لگا ہے۔ اسی لئے میں اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں؟“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ یقین خوش نہیں ثابت ہو؟“ ”سائمن دھیرے سے بولا۔ ناگزیر کو اندازہ ہو گیا ہے کہ تم اس کے تسلط سے آزاد ہونے کی سوچنے لگے ہو۔ اس

لئے ممکن ہے کہ احتیاط اس نے وہ سالامو آداس جٹ سے بٹا دیا ہو۔ جو کچھ تمہارے علم میں ہے؟“ ”نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ناگزیر کا دھیان اس طرف نہیں گیا ہو گا۔ ہمت نے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سالامو آداس ہر وقت اس کے ساتھ ہی رہتا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ ”کیسے ممکن ہے؟“ ”آج کے دور میں تو ہر چیز ممکن ہے۔ سائمن نے کہا۔ ”ہمت مسکراتے ہوئے بولا۔ ”اس نے ہر مواد کی مانگ و فلیس بنوا رکھی ہیں۔ اور وہ فلیس ہر وقت اس کے لباس کی ایک اندرونی جیب میں رکھی ہوئی ایک ٹھری کے اندر محفوظ ہیں۔ اس ٹھری کی زنجیر ہر وقت اس کے گلے سے لٹکتی رہتی ہے۔ اس لئے ان مواد کو آسانی سے چرائیں جاسکتا؟“

”اوہ؟“ سائمن نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ تو شاید اور بھی اچھی بات ہوئی ہے۔ ہم ناگزیر کو قابو میں کر کے بعد وہ مانگو و فلیس بھی حاصل کر سکتے ہیں؟“

”ہمت نے پچھو جتنا ناچا تھا کہ ناگزیر بھی اسی وقت ان کے پاس آگیا۔ ان دونوں نے اسے دیکھتے ہی گفتگو کا موضوع بدل دیا تھا۔ وہ اب اس علاقے کی آب و ہوا اور شکار کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ناگزیر ان کے ساتھ اس گفتگو میں شامل ہو گیا۔ وہ سائمن سے بہت معرب معلوم ہوتا تھا۔ یا ایسا ظاہر کر رہا تھا۔ وہ اس کی ہر بات پر سعادت مندی کے انداز میں اپنی گردن ہلاتے لگتا۔“

”میں تو یہ چاہتا ہوں بھائی کہ کل کا دن بے کار نہ جائے؟“ سائمن نے ناگزیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا ارادہ کل شکار کھیلنے کا ہے۔“

”ناگزیر نے مٹھی خیز لگا ہوں سے ہمت کی طرف دیکھ کر اپنی ایک آنکھ مار دی۔ اس نے سائمن کی اس تجویز سے فوراً اتفاق کر لیا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر میں اپنے آدمیوں کو تمہاری کا حکم دے دیتا ہوں؟“ وہ سائمن سے قیاطب ہوا۔ ”کیسے آدنی کیسی تیار۔ بابا میں چاہتا ہوں کہ زیادہ مجھے بھارت نہ ہو۔ صرف دو آدنی ساتھ چلیں اور تم پوری

بھیڑے جانے کی بات کر رہے ہو۔ تفریح کے وقت تو اپنے ذہن سے راجا اور ہمداج وغیرہ ہونے کا خیال ترک کر دیا کرو۔ ورنہ ایسی تفریح سے کیا فائدہ؟

”یہ تو درجی ابھی بات ہے؛ ناگرنے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی؛ آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں خود بھی اسی مزاج کا آدمی ہوں لیکن میں نے تو کہاں کے رسم و رواج کو دیکھتے ہوئے یہ بات بھی غلطی سے کیا ہے؟“

پرجا پاتے ہیں۔ ہلورالہ و شکار کے ساتھ ہوتا ہے۔ ”بھی تمہارے بابا کے مزاج میں حکمرانی ہے۔ اور میں ایک مزدوروں کا۔ اس لئے مجھے یہ سب تعلقات پسند نہیں ہیں۔ ویسے ہمداج کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟“

”ابھی تک نہیں“ ناگرنے جواب دے کر ہی گردن جھکا لی۔ اس کے اس مصنوعی انداز کو مجھے اور سامن دونوں نے محسوس کر لیا تھا۔

دوسری صبح شکار پر روانہ ہوئے۔ سامن ناگرا اور ہتہ کے ساتھ جو آدی اسی جیب کا ڈرائیور تھا جس کے ذریعے یہ لوگ شکار پر جا رہے تھے۔ ناگرنے سامن کے کہنے پر سامان بھی بہت کم لیا تھا۔ ان کا روادار فیملی کے کئی شمالی پہاڑیوں کی طرف جانے کا تھا۔ جن کے پیچھے جنگلات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اور ناگرنے کہنے کے مطابق ان جنگلات میں سا بھر چیتاں بھرن اور دوسرے شکار ابھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ ان لوگوں نے دور مار بندو قیں اور کارٹوں کے علاوہ کھانے پینے کا سامان بھی لے لیا تھا۔ لیکن ہمداج سامان اتنا نہیں لے گا۔ جتنی روایت ہمداج نے قائم کی تھی۔ یہ سامان صرف اتنا تھا کہ دو ایک دنوں سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

ناگرنے ایک مقام پر جیب رکولنے کا حکم دیا۔ وہ لوگ فوراً چار گھنٹوں کے سفر کے بعد یہاں تک پہنچے تھے۔ اور اس سے آگے راستہ بہت دشوار گزار ہو گیا تھا۔ جیب کو ایک بڑے سے درخت کے پاس روکا گیا تھا۔ اس درخت کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی بھڑیاں اور بڑے بڑے پتھر تھے۔ ان سے آگے ایک دھولان تھا جس کے بعد ایک چھوٹا سا میدان۔ میدان کے بعد اونٹنے اور بچے درختوں والے جنگلات کا وہ سلسلہ جس میں شکار

کے پائے جانے کے امکانات تھے۔

”اب ہم لوگوں کو یہاں سے پھیل آئے جانا ہوا ناگرنے سامن کو بتایا۔ ”کیا آپ چل سکتیں گے؟“ ”کیوں نہیں؟“ سامن سترک ادا کیا۔ میں ابھی بوزیر نہیں ہوا ہوں۔ مجھ میں ابھی ابھی خاصی توانائی موجود ناگرنے ڈرا بیور کو دھیں رکنے کے لئے کہا۔ اور لوگوں نے بند تو قیں اور کارٹوں کے ساتھ ساتھ پانی کی بوتلیں اٹھائی تھیں۔ ان کا سفر پھر شروع ہو گیا۔ بار بار پھیل شوکر رہے تھے۔ ناگرنے سے آگے نہ بناتا ہوا پھل رہا ہے۔ ناگرنے کے پیچھے سامن تھا اور اس کے پیچھے جت چل رہا تھا۔

وہ دھولان سے اتر کر اس میدان میں آگئے جو چھوٹی چھوٹی بھڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ناگراں راستوں سے ابھی طرح واقف ہو۔ وہ ان بھڑیوں کے درمیان بنے ہوئے تنگ قدرا راستوں پر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر جب وہ لوگ اس میدان کو اچھا خاصہ طور پر گھومنے کو اچانک سامن نے اپنی رفتار کم کر دی۔ ناگرنے تو اپنی دھن میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ لیکن ہتہ اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ سامن کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ جو اس نے اپنی جیب سے نکالا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ”یہ تو یاس نے ہتہ کی طرف پستول بڑھاتے ہوئے سرگوشی کی؟“ اور اس ناگرنے کو یہیں ختم کر ڈالو؟

ہمداج نے اپنے آپ کو پانی کی بہت کوشش کی۔ لیکن ان چھوٹوں کے سامنے ایک نہیں چل سکتی تھی۔ وہ خود بخود چھبے شہد کی مکھیوں کی طرح ہمداج سے بھڑکے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے دانت ہمداج کی ہڈیوں میں اتار دیئے۔ ہمداج ایک آدی تھا۔ اس کی ہڈیاں ایک تھیں۔ اس کا جسم ایک تھا۔ اس کے ہاتھ دو تھے لیکن خمد کرنے والے چھوٹوں کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سینکڑوں جیسے تھے اور ہزار دانت۔ عام حالات میں جہاں بہت بڑوں کو اگر تباہی انسان کے قریب نہیں آتا۔ لیکن ان چھوٹوں کی فطرت مختلف تھی۔ ان کے انداز مختلف تھے۔ شاید اس کی

وجہ یہ تھی کہ ان کی تعداد بے حساب تھی۔ وہ ایک انسان کو اس کمرے میں لے بس دیکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ہمداج نے انکاٹا لئے بغیر کچھ چھوٹوں کو اپنے پیروں تلے چل ہی ڈالا تھا۔ لیکن کب تک۔ وہ کتنے چھوٹوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

اس وقت کوئی بھی انہیں جاننے والا یہ یقین کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ہمداج آف ٹیم کڑھ میں ان کی بددلتی مشہور تھی۔ ان کی نازک مزاجی ضرب اٹھ سکتی۔ ان کا دبدبہ کھانچوں میں بیان کیا جاسکتا تھا۔ ان کا صبر بے مثال تھا۔ لیکن اس وقت ہمداج کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ کسی حقیر انسان کی طرح رو رہے تھے۔ اچھل رہے تھے۔ ٹھوڑا رہے تھے۔ لیکن ان چھوٹوں کو نہیں معلوم تھا کہ وہ یہ قسم کس پر کر رہے ہیں۔ انکے سامنے ایک عام انسان ہے یا کوئی ہمداج ہے۔

ہمداج سے جب برداشت نہیں ہو سکا ان سے کھڑا نہیں رہا جاسکتا تو وہ فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ اور یہ بات ان کے لئے اور بھی خطرناک ہوئی۔ ان کے گرنے ہی وہ جیسے جواب تک صرف پتھریوں تک محدود تھے اب ہلورے جسم پر گھس گئے۔ انہوں نے ہمداج کو کاٹ کاٹ کر نیم جان کر دیا۔ ان کے ہلوے جسم سے ٹون سینے لگا تھا۔ لباس تار تار ہو گیا تھا۔ جینٹے تھے۔ ہمداج کی آواز تک بیٹھے کی تھی۔ موت ان کے سامنے چھوٹوں کی شکل میں ان کے چاروں طرف رقص کر رہی تھی۔ شور کر رہی تھی۔ ان کے جسم پر اچھل رہی تھی۔ ان کے بدن میں اپنے دانت اتار رہی تھی۔

لیکن موت شاید ابھی دور تھی۔ اسی لئے اس کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی چیز ہمداج کے جسم سے آکر ٹکرائی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے بلند آواز میں کہا۔ ”جلدی سے یہ رسی خوب منبوی سے پکڑ لو“ ہمداج نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ سامنے دروازے پر ایک قوی پہیل آدی کھڑا تھا۔ وہ خود کمرے میں نہیں آیا بلکہ اس نے ہمداج کی طرف رسی پھینک دی تھی۔ ہمداج نے اس کی ہدایت پر فوراً عمل کیا اور وہ رسی پکڑ لی۔ رسی پکڑنے ہی ان کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس شخص نے انہیں ہلوری قوت سے دروازے

کی طرف کھینچ لیا۔ نہ جانے کتنے چھوٹے ان کے جسم سے ٹکرائے گئے۔ کچلے گئے۔ لیکن ہمداج کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کے لئے قوی بہت تھا کہ کوئی انہیں زندگی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ دروازے سے باہر لے جا رہا تھا۔ اس کمرے سے باہر لے جا رہا تھا۔ جہاں ہر طرف موت ٹھوٹی پھیر رہی تھی۔

چند ہی لمحوں میں اس قوی پہیل آدی نے ہمداج کو اس کمرے سے باہر کھینچ لیا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ چھوٹے اس کمرے سے باہر نہیں آئے تھے حالانکہ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان چھوٹوں پر پابندی عائد کر دی گئی ہو۔ انہیں باہر آنے سے منع کر دیا گیا ہو۔ یاد وہ جیسے اس بات سے واقف ہوئے کہ انہیں کہاں تک چلنے پھرنے اور اپنی کارروائی کرنے کی اجازت ہے۔

اس قوی پہیل آدی نے ہمداج کے باہر راتے ہی رستی اپنے ہاتھ سے چھوڑی اور ایک جھٹکے سے ہمداج کو اٹھا کر اپنے شانے پر لاد لیا۔ اس نے یہ کام اتنی آسانی سے کیا تھا جیسے ہمداج کا وزن اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو۔ ہمداج کو اپنے شانے پر لاد دینے کے ساتھ ہی اس نے ہلوری تیز رفتاری کے ساتھ ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ ایک دوسری عجیب بات یہ تھی کہ اس کا راستہ کسی نے بھی نہیں روکا تھا۔ اس کمرے سے باہر میدان تھا۔ جس میں بھڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ ہمداج کو اپنے ساتھ اسی میدان میں لے آیا تھا۔

اتفاقاً فصل طے کر لینے کے بعد جو اس شخص میں تھکان کے آثار ہمداج میں ہوئے تھے۔ وہ ہمداج کو اسی طرح اٹھائے جلتا رہا۔ اس وقت ہمداج کی حالت گرچہ خیر نہ تھی لیکن وہ بوڑھے میں تھے۔ اور انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ انہیں کس انداز سے ایک شخص اپنے شانے پر بٹھائے، ہونے لے جا رہا ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ آدی ہمداج کو اپنے ہونے اس میدان میں ہی ہوئی ایک چھوٹی سی میں داخل ہوا۔ اس چھوٹی سی میں گھاس پھوس کا بستر تھا۔ اس نے بڑی آہستگی کے ساتھ ہمداج کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور وہ

جھوپڑی کے ایک کونے کی طرف چلا گیا جہاں تین کا ایک بڑا سا کس رکھا ہوا تھا۔ اس نے بس کھول کر اس کے سے مہم کی ایک ڈبیر نکالی اور ہمارا جہ کے زخموں پر اس مہم کی مائش کر کے لگا۔ ہمارا جہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے چنگار دیوں سے جلنے ہوئے بدن بکسی لہر پہ پھیرتی شروعات کر دی ہو۔ اس مہم کی تاثیر حیرت انگیز تھی۔ انہیں سکون آتا جا رہا تھا۔ وہ ادنیٰ بڑی تندہی اور خفیت کے ساتھ ان کے زخموں پر ہر نیم لگا رہا تھا کچھ دیر بعد ہمارا جہ کی پلکیں بوجھل ہوئے لیکن اور انہیں نیند آئی۔

نہ جانے کتنی دیر بعد ان کی آنکھیں کھلیں۔ شروع شروع میں تو انہیں یاد نہیں آسکا کہ وہ کہاں ہیں۔ پھر جیسے ہی انہیں سانسے واقعات یاد آئے وہ ایک جھوپڑی کے کراٹھ بیٹھے۔ انہوں نے جلدی جلدی اپنے ہاتھ اور پیروں کی طرف دیکھا۔ جو بول کے کانٹے کے نشانات تھے اب معدوم ہو چکے تھے۔ زخموں میں کسی قسم کی سوزش بھی نہیں ہو رہی تھی۔ اس وقت انہیں احساس ہوا کہ ان کے جسم پر لباس بھی وہ نہیں تھا۔ بلکہ ان کی بندھ کے درون ان کا لباس بھی تبدیل کر دیا گیا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار انہوں نے اپنے دل میں کسی کے لئے شکر گزاری کا جذبہ محسوس کیا ہوگا۔

وہ گھاس کے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت وہ قوی پہیلی آؤنی جھوپڑی میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک گلاس لے کر دیکھا تھا جس میں دودھ بھرا ہوا تھا۔

”لو۔ یہ دودھ پی لو۔ اس نے گلاس ہمارا جہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ جھوپڑی بہت کمزوری ہے۔ وہ جی ختم ہو جائے گی۔“

ہمارا جہ نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں سارا دودھ پیا۔ گلاس اسے لوٹا دیا۔ اس آؤنی نے وہ گلاس ایک طرف رکھ دیا تھا۔

”تم بہت بہت شکر ہے۔ ہمارا جہ نے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن تم کون ہو۔ تم نے میری جان کیوں بچائی۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس کمرے میں کسی کو چھوڑنے کے

ذریعہ عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے۔“
”میں تمہاری پہنچ دلہا سن کر تمہاری طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس آؤنی نے کہا۔ اب بیٹھ جاؤ۔ میں اطمینان سے سب کچھ بتا دیتا ہوں۔“

ہمارا جہ گھاس کے بستر پر بیٹھ گئے۔ وہ بڑی بھری لگا ہوں سے اس قوی پہیلی شخص کا جائزہ لے رہے تھے۔ جوان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آؤنی تھا۔ سر کے بال بھڑی ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بڑی چمک تھی۔ اور گفتگو میں بھی وہ بہت جذبات معلوم ہو رہا تھا۔

”میں تم سے پہلے بھی تین آدمیوں کو اس جہ سے ولے کرے سے لپکا کر لپکا ہوا ہوں۔ اس نے ہمارا جہ کو متنا شروع کیا۔“
”اچھا۔ ہمارا جہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کمرے میں کسی کو قتل نہ دی جاوای ہے۔“

”بس اتفاقاً اور ان لوگوں کی سرگرمیوں سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا۔ یہ لوگ جس کمرے میں آؤنی ہوئی ہے اسے اس کمرے میں بند کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ اطمینان رہتا ہے کہ اس طرف کوئی نہیں آئے گا۔ اسی لئے نگرانی وغیرہ بھی نہیں کی جاتی۔ تم نے دیکھا کہ میں کتنی آسانی سے تمہیں وہاں سے نکال لایا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے لئے بھی کوئی پریشانی مقرر نہیں کر گیا ہے۔ لیکن اب وہ لوگ جب تمہیں اس کو بھڑی میں نہیں پائیں گے تو تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔“

”کیا ہمارا جہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اس طرف بھی آسکتے ہیں تمہاری جھوپڑی کوئی زیادہ دھڑ تو نہیں ہے۔“

”نہیں وہ اس طرف نہیں آسکتے۔ وہ مسکرا دیا۔“
”معمروف میں تمہیں ذرا تفصیل کے ساتھ بتا دوں تو پھر تمہاری انہیں دور ہو جائے گی۔ میں خود بھی ان لوگوں کا قیدی تھا۔ بلکہ اب بھی ہوں۔ یہ لوگ مجھے کھلتے سے اٹھا کر لائے ہیں۔ یہاں ہر شخص کو قتل کی طرف توجہ سے لایا گیا ہے کسی کو خلائی لڑائی کی جھلک دکھا کر اٹھا کیا گیا ہے کسی کو

زبردستی اٹھا لیا گیا ہے کسی کے ساتھ کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جبکہ مجھے معاوضے کے عوض یہاں لایا گیا تھا۔“

”معاوضہ دے کر؟ ہمارا جہ کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ آؤ تم ان کے ساتھ چلے آئے۔“

”بس کیا بتاؤں۔ آؤنی کے ساتھ لڑائی لڑتی ہے۔ اس نے کہا۔ میں ایک الیکٹرونک انجینئر ہوں۔ میں نے الیکٹرونک کے میدان میں بہت کام کئے ہیں۔ اور ابھی خاصی شہرت بھی رکھتا ہوں۔ انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ میں نے کتنی اور کرائے وغیرہ بھی کئی کتنی رقم جو میری بچت دیکھ رہے ہوں تو یہ سب اسی تربیت کا نتیجہ ہے۔ بہر حال میں ٹھکانے کی ایک بہت رقم سے وابستہ تھا۔ کتنی خاصی رقم۔ رسی کئی ایک دن ایک آؤنی مجھ سے ملا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک نئی رقم کے لئے میری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ رقم نہ تو مجھ کے جنوبی حصے میں تجارت کر رہی ہے میں چونکہ الیکٹرونک سے واقف ہوں اس لئے وہ رقم یہ کہتی ہے کہ یہ کام کا ادنیٰ ثابت ہوگا۔ اسی لئے وہ مجھے اپنے ذم میں ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ پہلے تو میں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس نے ایک اتنے بڑے معاوضے کی پیش کش کی جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی آسانی دے دی کہ میں اگر چاہوں تو اپنی رقم سے چھٹی کر اس کے ساتھ چل سکتا ہوں۔ اگر مجھے وہاں اچھا معلوم ہو تو میں واپس بھی آسکتا ہوں۔ مجھے اس کی یہ بات چونکہ معقول محسوس ہوئی اسی لئے میں نے معاوضہ کر لیا۔ یہ معاوضہ باقاعدہ کاغذات پر ہوا تھا۔ اور معاوضہ کے بعد وہ مجھے یہاں لے آئے اب مجھے کس طرح لایا گیا وہ ایک الگ جہاں ہے لیکن اتنا مجھ کو کہہ رہا ہے آؤنی میں نے گزشتہ محسوس کر لی۔ ہر طرف الیکٹرونک کا ایسا نظام پھیلایا دکھائی دیا۔ جو ایک عام انسان کو حیران کر کے رکھ دے۔“

”لو کیا یہ سب کچھ ہمارا جہ کچھ بولتے بولتے خاموش ہوئے۔“
”اوہ۔ میں سمجھا۔ اس نے اپنی گردن ہلادی۔ تم بھی شاید انہیں کوئی خلائی فنون کچھ سے ہو۔ نہیں اسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب اسی زمین سے تعلق رکھنے والے ہوئے۔“

”اوہ۔ میں سمجھا۔ اس نے اپنی گردن ہلادی۔ تم بھی شاید انہیں کوئی خلائی فنون کچھ سے ہو۔ نہیں اسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب اسی زمین سے تعلق رکھنے والے

لوگ ہیں۔ لیکن بے حد چالاک سبے پناہ ذہین۔ انہوں اس بولے سے علاقہ میں اپنی ذہانت کے حال بچا دیئے ہیں۔ ایک ایسی جادوگری تخلیق کر دی ہے۔ جو کسی دوسرے سارے کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ جسے تو نہیں بھی یہاں اگر پریشان ہو گیا تھا۔ میری کچھ میں نہیں کر رہا تھا۔ میرے ارادہ کیا ہے۔ چھٹی ہوئی لڑکیاں عجیب عجیب اسٹیل رنگ بدلتی دے لو۔ اس اڑن ہوشیاروں کو لڑنے ہو جانے والے گھر مضمین کر سب کچھ لیا تھا جیسے ہم زمین پر نہیں بلکہ کسی دوسرے سیارے پر پہنچ گئے ہوں۔ کچھ دن تک کو میری یہی حالت رہی۔ پھر میں نے محسوس کر لیا کہ یہ سب الیکٹرونک اور جدید ٹیکنالوجی کا کام ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں لیکن جن لوگوں نے یہ نظام ترتیب دیا ہے۔ وہ بلکہ ذہن اور ہوشیار ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک ہوتے ہی میں نے ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کی جو اس نظام کو چلا رہے ہیں اور مجھے غلطی ہے کہ میں ان تک پہنچنے کا مایوس بھی نہ کیا اور اب میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں۔“

”کیا کہا۔ یہ ان لوگوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہو۔ ہمارا جہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ کون لوگ ہیں۔“
”ان کا کرتا دھرتا یا سہرا ایک غیر ملکی ہمسارک ہے۔ ہمارے بتایا۔ وہ جرمنی کا رہنے والا ہے۔ بے انتہائی ذہین۔ سائنسدان ہے۔ یہ تم جس قدر بھی حیرت انگیز چیز دیکھو یہ ہونا بہت اسی کے ذہن کی کارستانی ہے۔ اس نے پہلے کمال کر دیا ہے۔ وہ ایک ایسا آؤنی ہے جسے شروع سے نازی ازم سے دلچسپی رہی ہے۔ وہ ہٹلر کے نظریات کو دہرت سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جرمنی کو یہ لوری دنیا پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہمسارک نے اپنے کل ہڈیے جرمنی میں ہی نکالنے شروع کر دیے تھے۔ لیکن کسی وجہ سے اسے خراب ہو گیا۔ اس نے ہندوستان کو اپنے نظریات کے لئے چن لیا۔ اس کا خیال ہے کہ یہ چونکہ ایک دور افتادہ اور غیر ترقی یافتہ ملک ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو بھی جدید ٹیکنالوجی کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ اسی لئے وہ سائنس کے بل پر لوگوں کو توہمات میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اس کا یہ خیال درست ثابت ہوا۔ تم خود دیکھو کہ اس نے کیسے کیسے لوگوں کو اپنے عقیدوں سے حیران کیا ہوا ہے۔“

لیکن یہ سب اس لئے کس طرح کر لیا، میرا مطلب ہے کہ اس کے پاس اتنے وسائل اور اتنی دولت کہاں سے آئی؟

”جرمنی سے نکلنے کے بعد اس نے بہت سے زمین لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا، بلام نے بتایا کہ لوگ مختلف شعبوں میں کمال کا درجہ رکھتے تھے، پھر اس نے بڑے بڑے لوگوں کو ہلیک ہلیک کر کے یہاں شروع کر دی۔ اس کے ذہن میں شروع ہی سے یہ خیال تھا کہ اسے ایسی مملکت بنانی چاہیے جو سائنسی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہو۔ وہ جرمنی سے نکلنے کے بعد فرانس پہنچا، وہاں اس نے کچھ بڑے لوگوں کو پھیل بنا کر اولیہک ٹیبل کر کے ابھی خاصی دولت اکٹھی کر لی۔ اس کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ گیا، وہاں بھی اس نے دولت حاصل کرنے کے لئے یہی طریقہ کار اختیار کیا۔ اس کے گرد پ کے لوگ ہر مرحلہ پر اس کا ساتھ دیتے رہے۔ وہ جہاں بھی گیا اس نے اپنے ہی مزاج کے ترجمانے لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی جو ان لوگوں کی عقلیں اور ذہن ترین لوٹھے تھے۔ پھر ان لوگوں نے مل میٹھ کر ایک مہنگی اور بے سوجاں کتاب ان کے پاس اچھے خاصے وسائل دولت اور ذہن جمع ہو چکے ہیں۔ لہذا ایک نئی سائنسی مملکت کہاں بنانی چاہیے بہت سوچ بچار کے بعد ان لوگوں نے ہندوستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے کن کن ذرائع سے اپنی دولت اور ساز و سامان جہاں منتقل کر دیا ہوگا۔ اس کی دشواریوں کا خم بوجھ اندازہ لگا سکتے ہو، ہر حال یہاں آنے کے بعد انہوں نے بے حد مصلحت کرنی۔ جہاں تم اس وقت ان کا حیرت انگیز مملکت دیکھ رہے ہو؟

”پہلے یہاں تک تو بات کچھ میں آئی، لیکن یہ کچھ میں نہیں آیا کہ ان لوگوں کی سرگرمیاں حکومت اور دوسروں کی لگا ہوں سے کیوں کر چھٹی رہ گئیں؟

”بہت بڑا علاقہ ہے، کئی میل پھیلا ہوا، بلام نے کہا: ”کئی زمانے میں یہاں خود راجنکلات کا سلسلہ ہوا کرتا تھا۔ ان راجنکلات میں شیر اور چیتے ہوا کرتے تھے جو اس کے دیمائیوں کو ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ یہاں کی نوع پرستی سے تو تم واقف ہی ہو، یہودیہ ہو گیا کہ اس

علاقے میں ایک بلال آئی ہے۔ اور وہ لوگوں کو ہلاک کر دیا کرتی ہے۔ اس افواہ کا پھیلنا تھا کہ لوگوں نے اس طرف آنا جاننا ترک کر دیا، اور ہمارا کاروبار اس کے لئے اس افواہ کی عظمت جان کر یہ علاقہ اپنے لئے منتخب کر لیا۔ اس کے بعد کا ذکر جو دہائی اس طرف انکشاف سے لے کر دی سے ہلاک کر کے علاقے سے باہر ڈال دیا جاتا تاکہ اس علاقے کی ہولناکی بدستور قائم رہے۔ لوہاں طرح انہوں نے یہ علاقہ اپنی مملکت کے لئے منتخب کیا اور ایک مملکت بنا ڈالی؟

”بہت خوب؟ ہمارا جانے ایک گہری سائنس کی خیریت انجینئر ہو تھی بہت چالاک لوگ ہیں، لیکن تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟

”ان کے گرد وہ ایک بڑی مجھے سے محبت کرنے لگی تھی۔ بلام نے بتایا کہ اس کا نام جوڈیٹا تھا۔ وہ فرانس کی رہنے والی تھی۔ اسی لئے مجھے سب کچھ بتایا تھا۔ تم نے یہ کہا تھا کہ ان لوگوں تک پہنچ گئے تھے۔ آخر کس طرح؟

”سیدھی بات ہے۔ میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ میں ایک بڑا ٹانگہ بچھڑا ہوں۔ ان لوگوں نے جو راجان کے کھنے پر اہم منشیات کے سلسلے میں مجھ سے بھی مشورہ لینا شروع کر دیا، اس طرح میں ان لوگوں کے قریب مانے اور انہیں دیکھنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ میں اس طرف ان کا تعلیم کے ہر نام فرد سے مل چکا ہوں۔ انہیں دیکھ چکا ہوں؟ لیکن یہاں بہت سے مقامی لوگ بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کا کیا مصروف ہے؟ ہمارا جانے دریا کی لہ بہاں دو قسم کے مقامی لوگ ہیں؟ بلام نے بتایا: ”ایک تو تم جیسے دولت مند جن کے ذریعے دولت حاصل کی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو سخت مزدوری کر سکتے ہیں۔ ان سے زبردست زمین سرتیں اور علاقے بنوائی جا رہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ ارد گرد کے دیہاتوں سے انھیں کئے گئے ہیں؟

”میں ان کے انھیں کوئی بڑا کام نہیں ہوا۔ ہمارا جانے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ بلام نے مسکراتے ہوئے کہا: ”عجب لوگوں کی داوری کن کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہادر کر لیا گیا کہ ان بے چاروں کو جیل کی بلا اٹھانے کی ہے؟

”یہ تو بہت بڑا ظلم ہے، ہمارا جانے کہ ہمارے چھری حکومت کے اہل کاروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے تھی؟“ کون توجہ دے گا؟ بلام نے ہر اسامہ بنایا: ”نجانے کتنے لوگوں کو خرید لیا گیا ہے۔ ہمارے یہاں سب سے بڑی آسانی تو یہی ہے کہ لوگ آسانی سے خریدے جاسکتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا کاروبار اس کے ساتھ ہی بجائے نہیں اور جانے سے اس طرف چلے آئے ہیں۔ خبر تو میں یہ بتا رہا تھا کہ ان لوگوں نے زبردست زمین پوری ایک بستی تعمیر کر رکھی تھی۔ جہاں دنیا بھر کے اسلحے کے ذخائر ہیں۔ اور ایسے ایسے جدید ہتھیار ہیں جن کا باہر کی دنیا میں کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جو زمین ان سے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوا ہے۔ وہ خود ایک زمین سائنس دان تھی اور ان لوگوں سے اکتائی ہوئی تھی۔“

”تھی سے کیا مطلب؟ کیا اب وہ نہیں ہے؟ ہمارا جانے بوجھا۔

”نہیں۔ ان لوگوں نے اسے ہلاک کر دیا تھا۔ بلام نے کہا: ”اس کا بڑا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی اور مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ تم جانتے ہو کہ برائی کو برائی متور کیا کرتی ہے۔ تو جب ان لوگوں نے یہاں آکر یہ حال پھیلایا تو ہندوستان کے بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان ہی لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو براؤن شوگر بھی، بیرونی کی تیاری جانتے تھے۔ یہ لوگ اس زبردستی سے بچا رہے تھے۔ ان ہی لوگوں میں ایک ایسا آدمی تھا جسے کالی موت کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ واقعی ایک خونخوار آدمی تھا۔ اس نے ہمارا کاروبار کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ وہ خام مال یہاں بھیجا کرتا ہے اور ہمارا کاروبار یہاں اس خام مال کو بیرونی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس کالی موت نے بھی اس ملک میں رتنا گڑی نامی ایک بستی میں اپنی مملکت قائم کر رکھی ہے۔ وہ لوگوں کو بیرونی اور درجہ منشیات کا عادی بنا رہا ہے۔ اس نے ہندوستان کے تقریباً ہر شہر میں اپنے کارندے مقرر کر رکھے ہیں جو خود ایک اختیار اور دولت مند آدمی ہے۔ اسی لیے ہمارا کاروبار اس کی دوستی قبول کر لی۔ کالی موت کے پاس کیلاش نامی ایک آدمی ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ چوہوں اور دیگر جانوروں کو سہاڑنے کا فن جانتا ہے۔ کالی موت ایک

تشنہ دہند آدمی بھی ہے۔ اس نے ہمارا کاروبار کو بھرپور پیش کی کہ وہ کیلاش کے ذریعے چوہوں کو خونخوار بنانے کا تجربہ کرتا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو وہ چوہے باغیوں کو سزا دینے کے کام آئیں گے۔ ہمارا کاروبار چوہوں کو سزا دینے کا انسان ہے۔ اسی لیے اس نے کالی موت کی یہ تجویز مان لی۔“

”وہ تو وہ چوہے جن کے ذریعے مجھ پر عذاب مسلط کیا گیا تھا۔ یہ وہی چوہے ہیں؟“

”ہاں یہ وہی چوہے ہیں؟ بلام نے کہا: ”خیر تو اسی دوران نیپال کی ایک بستی میں یورپیہم کے ذخائر دریافت ہو گئے تھے۔ شاید اس کی اہمیت کا بلوری طرح اندازہ نہ ہو۔ وہ دھات دنیا کی سب سے قیمتی دھات ہے اور اس کے ذریعے اہم ہر سے لے کر نہ جانے کیا کیا چیزیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اس دھات کا پرآمد ہونا تھا کہ اس علاقے کی تقدیر بدل گئی۔ اور دنیا کی بڑی طاقتوں کی نگاہیں اس بستی پر مرکوز ہوئیں۔ لیکن صرف ایک طاقت ایسی ہے جس نے سازشوں کا چکر چلا کر اس بستی کے جائز حکمرانوں کو وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ اور ان کی جگہ اپنی مرضی کا ایک سردار مقرر کر دیا۔ اس کے بعد یورپیہم کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا ہے۔ ایک نازک اور دشوار مرحلہ ہو کر رہا ہے۔ اس کے لیے بہت آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کالی موت اس قسم کا آدمی ہے کہ اس نے فوراً اس بستی کے حکمران اور ان غیر ملکیوں سے رابطہ قائم کر کے انھیں یہ پیشکش کی کہ وہ ان کے لیے آدمی فراہم کر دیا کرے گا۔ اس کے بدلے وہ اسے تجارت کرنے کی اجازت دے دیں۔“

”کیسی تجارت؟ ہمارا جانے جلدی سے بوجھا۔ ”وہی تو بتا رہا ہوں۔ بیرونی کی تجارت کالی موت کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس بستی کے لوگوں کے پاس اچانک بہت دولت آگئی ہے۔ یہ دولت ان غیر ملکیوں کی ہے جو وہاں سے یورپیہم نکال رہے ہیں۔ انھوں نے بستی والوں کا منہ بند رکھنے کے لیے انھیں دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ یہ صورت حال چوہی کالی موت کے لیے مفید تھی۔ اس لیے اس نے اس بستی میں بیرونی پہنچانی شروع کر دی۔ اس کی قیمت بھی اسے بہت زیادہ ملنے لگی۔ دوسری طرف اس نے لوگوں کو اعوا کرنا شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کو اعوا کر کے

میلے تو ان کو منشیات کا عادی بناتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو اس بستی میں محنت کرنے کے لیے دیکھیل دیا جاتا ہے جہاں وہ بے چارے دن رات جھاد ڈالتے اور کدال چلاتے رہتے ہیں۔
”تو کیا لیمارک نے کالی موت کو اس کی اجازت دے دی تھی؟“

”نہیں۔ شروع شروع میں لیمارک کالی موت سے بہت ناراض ہو گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کالی موت سے چونکہ لیمارک کا تعلق ہے اس لیے کالی موت کو کسی کے لیے کام نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن جب کالی موت نے اسے بورہنم کے بارے میں بتایا تو لیمارک خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے کالی موت کو مجبور کیا کہ وہ بورہنم کے ذخائر میں سے کھوڑا ٹھوڑا کر کے لیمارک کے پاس پہنچا تا کہ وہ لوگوں کو کالی موت دونوں ہاتھوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ ایک طرف تو لیمارک کے ذریعے بیرونی تیار کردہ کالے پوسے ہندوستان میں سپلائی کیا کرتا ہے۔ دوسری طرف مجبور لوگوں کو بیکڑا کر انھیں محنت مزدوری کرنے کے لیے ان غیر ملکیوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور تیسری طرف وہ بورہنم چمک کر لیمارک کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ ہر طرف سے فائدے اٹھا رہا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کالی موت بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”ہاں۔ اس سانسے فساد کی جڑواں ہے۔ اب تم یہ سمجھ لو کہ اس ملک میں خطرناک لوگوں کے دو گروپ ہیں۔ ایک لیمارک اور اس کے ساتھی۔ اور دوسری طرف وہ چورنگی جو بورہنم نکال رہے ہیں۔ لیمارک ان دونوں میں کوئی رابطہ نہیں لیکن یہ دونوں گروپ ایک دوسرے کے محنت قسم کے دشمن ہیں۔“

”لیمارک ان لوگوں پر حملہ کرے انھیں قتل و میس کریں نہیں کر لیتا۔“ مہاراجہ نے بولوچھا۔

”یہ مت سمجھو کہ ان کا تعلق بھی ایک سپر پاور سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس اتنے جدید ہتھیار ہوں جتنے لیمارک کے پاس ہیں۔ لیکن کسی ملک کی طاقت انفرادی طاقت سے ہوا کرتی ہے۔ اگر لیمارک نے کسی ایسی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ یہ خود مصیبت میں پھنس چلتے۔ سان غیر ملکیوں کو اپنے ملک کی بلوری پشت پر تائی مل رہی ہے۔

وہ بیلاری تک کر داسکتے ہیں۔ ان کے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ سب کچھ ہے ان کے پاس۔ اسی لیے لیمارک ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ ورنہ اس کے اختیار میں ہوتا تو ایسی ہی ایک اور وجہ کے اس ذخیرے پر قبضہ کر چکا ہوتا اور ہم کو کون چھوڑتا ہے؟“

”وہ سپر پاور کیوں نہیں لیمارک پر حملہ کر دیتی ہے؟“ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے۔ بلرام مسکرا دیا۔ وہ لوگ بھی لیمارک اور اس کے ساتھیوں سے خوفزدہ ہیں۔ انھیں یہ ڈر ہے کہ بھانے لیمارک کے پاس کیسے کیسے ہتھیار ہوں۔ اور وہ ان کے لیے کتنا نقصان دہ ثابت ہو جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ دونوں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے دور رہیں۔ اس کے علاوہ ان غیر ملکیوں کو اس مرحلے پر کسی ہنگامے سے محتاط رہنا چاہیے۔ وہ لڑائی بھڑائی نہیں چاہتے۔ ان کی کوشش ہے کہ وہ جلد سے جلد بورہنم لے کر یہاں سے نکل جائے۔

”میں نے یہاں پچھلے بدن والی لڑکیاں اور ایک اڑن طشتی تملہ پتھر دیکھی تھی۔ وہ سب کیا ہے؟“ مہاراجہ نے بولوچھا۔

”بہت معمولی سی بات ہے۔ ایسی لڑکیاں یہاں شکاری کہلاتی ہیں۔ وہ آپ جیسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاپرواہی ہیں اور ان لوگوں کے حوالے کر دیتی ہیں۔ ان کے جسموں پر ایک قسم کا مائل ملا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ چپتی ہوئی دکھائی دیتے لگتی ہیں اور وہ اڑن طشتی دراصل ایک گاڑی ہے۔ جسے اندر ادھر باہر سے اڑن طشتی کی شکل دے دی گئی ہے تاکہ دیکھنے والوں کو دھوکہ ہو جائے کہ یہ کسی بیرونی دنیا کی سواری ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی طاقتور روشنی نصب کی گئی ہے جو دیکھنے والوں کی بینائی تک کو متاثر کر سکتی ہے۔ یہ روشنی توانائی کے ایک ایسے مادے سے تیار کی گئی ہے جو تابکاری اثرات کا حامل ہے۔ یہ گاڑی بھی ان لوگوں کو روکنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوتی ہے جو اس گاڑی کو اتفاقاً دیکھ لیتے ہیں اور اس کی حقیقت جاننے کے لیے اس کی طرف دوڑنے چلے آتے ہیں۔ تم نے یہاں رنگ بدلتی ہوئی دیواریں بھی دیکھی ہوں گی۔ وہ بھی کچھ نہیں ہیں۔ بس ایک معمولی سا فمعدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ میں یہاں موجود ہر بیکار

کی تفصیل تو نہیں بتا سکتا۔ ہاں۔ البتہ ان سب میں ایک جڑواں بات یہ بھی ہے کہ یہ لوگ جب بھی چاہے یہاں موجود عمارتیں اور ساز و سامان سیکڑوں میں غائب کر سکتے ہیں۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکے گا کہ انھی کچھ دھڑ پہلے یہاں کوئی بستی موجود تھی؟“

”اوہ۔ یہ کیس طرح ممکن ہے؟“ مہاراجہ نے حیرت ظاہر کی۔

”تم نے بورچ و جبرہ کے ایسے اسٹیج کے بارے میں سنا ہوگا۔ جس پر پبلک جیتے ہیں مناظر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تقریباً وہی تکنیک انھوں نے یہاں بھی استعمال کی ہے۔ جس علاقے میں ان کی تقریر تھی ہوتی ہیں اس کے نیچے ایک خلا ہے۔ جس کے ذریعے وہ تقریر زمین کے اندر جاسکتی ہیں اور اوپر کی زمین برابر ہو سکتی ہے۔ اوپر کی زمین پر گھاس پھوس اور چھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایسا محسوس ہوگا جیسے یہاں شروع سے جنگ آباد ہے ہو سکتا ہے کہ ان کی کسی کی لگا ہوں میں نہ ان کی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

”بہت ہی حیرت انگیز، بہت عجیب۔“ مہاراجہ بڑبڑاتے۔

”شاید اسی لیے اس سائنس غری کی باتیں عام نہیں ہو سکی ہیں۔“

”ہاں۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں سے کوئی باہر نکل ہی نہیں سکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے بھی کچھ ایسی کم کی کوشش کی ہوگی۔“ بلرام نے بولوچھا۔

”میں نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اور شاید اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ بہت دور نکل گیا تھا۔ پھر ایک جھوپڑی کے دروازے پر بے دم ہو کر گر پڑا۔ اس جھوپڑی میں ان کے ہی آدمی موجود تھے۔ گویا میں ان ہی سے فرار ہو کر ان ہی کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔ وہ لوگ مجھے وہاں سے دوبارہ یہاں ہمے لے آئے۔ اور سزا کے طور پر مجھے جیل کے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ چھکے ہووا ہوا تھکے ملتے ہیں۔“

”ہوں۔“ بلرام نے ایک گہری سانس لی۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو اور یہ لوگ انھیں کیوں اٹھا لائے ہیں؟“

بات تو نہیں رہی لیکن ابھی بھی میرے پاس بے شمار دت موجود ہے۔ یہ لوگ مجھے اس دولت کی لالچ نہیں اٹھا لے رہے ہیں۔ یہ مجھ پر دباؤ ڈال کر کہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کے سامنے جھٹکنے سے انکار کر دیا تھا۔

”اسی لیے تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔“ بلرام نے کہا۔ ”میں نے اس سے پہلے جن آدمیوں کو یہاں سے نجات دلوائی تھی ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی۔ وہ بھی بہت دولت مند لوگ تھے۔ بورہانی ماس؟“

”نہیں۔ نہیں۔“ مہاراجہ نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ ”اب تم مجھے اس طرح قیامت طر کر دو۔ اس سے نصیحت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں اتنی دیکھنا تم سے اس قدر بے تکلف ہو گیا ہوں کہ اس قسم کی مصنوعی لفظوں کو بھی نہیں لے گی۔ تم مجھے تم ہی کہہ کر بات کرتے رہو۔ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔“

”بہت بہتر۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے جن لوگوں کو چوروں کے کمرے سے نجات دلوائی تھی۔ ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی۔ انھوں نے بھی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔“

”تو اب وہ لوگ کہاں ہیں؟“ مہاراجہ نے بولوچھا۔

”کیا وہ لوگ یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے؟“

”نہیں۔ یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔“ بلرام نے کہا۔ ”وہ تینوں اس وقت بھی جنگوں میں پھنس چکے رہے ہوں گے۔ اگر یہاں سے نکلنا آسان ہوتا تو اب تک میں بھی فرار ہو چکا ہوتا۔“

”تو کیا تم آزاد نہیں ہو؟“ مہاراجہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس جھوپڑی کی طرف کوئی آتا نہیں ہے۔ تمھارے پاس کوئی پیرہ نہیں ہے۔ اور کیا آزادی ہوئی؟“

”نہیں۔ میں آزاد نہیں ہوں۔“ بلرام نے کہا۔ ”اس بستی سے نکلنا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس علاقے سے فرار حاصل کیا جاسکے۔ اور میں اس کوشش میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ تم نے جس قسم کی جھوپڑی دیکھی تھی نا۔ اس قسم کی جھوپڑیاں اس علاقے کے چاروں طرف اور قدم قدم پر موجود ہیں۔ جن میں نکلنا کرنے والے چوبیس گھنٹے موجود رہتے ہیں۔ ان کے

پاس جدید تہوں اسلئے اور طاقتور تر آئیں مگر جو وہیں یہ لوگ یہاں سے فرار ہوئے والے اور اس علاقے میں داخل ہونے والے ہر شخص کی تفصیل اس بستی میں لیمارک اور اس کے ساتھیوں کو رائے برسر پہنچا دیتے ہیں۔ یوں کچھ لوگ ان جھوٹے شلوں کی صورت میں سرحدی چوکیاں قائم کر دی گئی ہیں۔

”تو پھر تم ان لوگوں سے دوسرے طرح یہاں رہ رہے ہو کبکہ لوگ بغیر تلاش نہیں کر سکتے۔“

”ہائیں، ہلرام مسکرا دیا۔ یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ میں نے بغیر جزئیات کے بارے میں بتایا تھا۔ تو اسی کے ذریعے مجھے ایک حیرت انگیز کہانی معلوم ہوئی۔ وہ کہانی یہ ہے کہ جس وقت ان لوگوں نے اس علاقے کو اپنا مرکز بنایا تو اس جھوٹے شلوں میں جہاں اس وقت ہم دونوں موجود ہیں، ایک سادھو رہا کرتا تھا۔ وہ ایک بالکل انشخص تھا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے نزدیک ان سادھوؤں اور جھوٹوں وغیرہ کو کتنی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ لیمارک نے یہاں آنے کے بعد جن لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ وہ اپنی اپنی جگہ خطرناک تہوں جرم فرم فرمے۔ لیکن ان کے دلوں میں سادھوؤں ویزو کا خوف اور احترام بھی موجود تھا۔ لیمارک کا خیال تھا کہ اس علاقے سے اس سادھو کو بھی نکال دیا جائے لیکن ان لوگوں نے یوں کچھ لوگوں کو اس سادھو کے حق میں بغاوت کر دی انھوں نے سادھو کے خلاف کچھ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سادھو اور لیمارک کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔ وہ معاہدہ یہ تھا کہ لیمارک سادھو کو یہاں سے ہٹانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ اگر کسی شخص کو سادھو نے پناہ دے دی تو لیمارک کچھ نہیں کرے گا چاہے وہ آدمی لیمارک کے لیے کتنا ہی اہم اور کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف اس سادھو سے لیمارک کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اس کے ہندوستانوں کے لیے کبارم اور اسی قسم کی دیگر مذہبی رسومات ادا کر دیا کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ جب ان لوگوں نے جو زمین کو ہلاک کر دیا تو ان سے بدل ہو کر فرار ہو گیا میری کوشش تھی کہ میں اس علاقے سے دور نکل جاؤں۔ لیکن ان کی بہرے والی چوکیوں کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہو سکا اور مجھے واپس آنا پڑا۔ انھوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس لیے میں نے ایک غفل مندی پر کھجائے

لیمارک کے پاس جانے کے اس سادھو کے پاس اگر پناہ لی۔ معاہدے کے مطابق لیمارک اور اس کے ساتھی اس سادھو پر دباؤ نہیں ڈال سکتے تھے۔ اسی لیے وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور اس وقت میں اس جھوٹے شلوں میں مقیم ہوں۔ اب مجھے لیمارک نے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن وہ سادھو کہاں ہے۔ وہ تو مجھے دکھائی نہیں دیا۔“

”اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہلرام نے بتایا۔ اور یہ بات حرف بندہ دن پہلے کی ہے۔“

”او بھگوان۔ تو اب کیا ہوگا؟“ لیمارک نے بدحواس ہو کر پوچھا۔ ”میرا مطلب ہے کہ اب تو سادھو کی موت کے بعد اس معاہدے کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ وہ لوگ تو کسی بھی وقت مجھے تلاش کرنے کے لیے اس طرف آ سکتے ہیں۔“

”ہاں۔ آ تو سکتے ہیں لیکن انہیں کسی نہیں کیونکہ ابھی کسی کو معلوم ہی نہیں ہے کہ سادھو مر چکا ہے۔“

راجا کرشن پرشاد کا روئے اتنا حیران کن تھا کہ وہ دونوں اسے دیکھتے رہتے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کچھ کہے کالی موت کون ہے۔ اور وہ ان دونوں کو کالی موت سے ملوانے کے لیے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اور اور ہی اس کے ساتھ چلتے رہے کرشن پرشاد اس وقت بالکل خاموش تھا۔ وہ ان دونوں کو اپنی حوصلے سے باہر لے آیا جہاں ایک جیب کھڑی تھی۔ جیب کے پاس ہی اس کا ڈاڑھی بھی تھا جو ان لوگوں کو دیکھتے ہی تیزی سے ان کے پاس آ گیا تھا۔

”کیا گاڑی نکالوں جناب؟“ اس نے کرشن پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ادب سے پوچھا۔

”گاڑی نہیں جیب کی ضرورت ہوگی یا کرشن پرشاد نے کہا۔“ اور تم ساتھ نہیں جاؤ گے۔“

ڈاڑھی نے اتنا سننے ہی اپنی جیب سے چابی نکال کر کرشن پرشاد کی طرف بڑھا دی۔ کرشن پرشاد نے چابی لینے کے بعد داور سے کہا۔ ”بس تھوڑی دیر کا سفر ہے۔“

جیب کرشن پرشاد کی چاربا تھا جب کہ وہ دونوں پیچھے نشست پر بیٹھ گئے تھے۔ کرشن پرشاد کے ہونٹ پیچھے ہوتے تھے۔ اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ داور نے بھی اس کو غائب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ خود بھی کرشن پرشاد کے رویے سے الجھ رہا تھا کہ کرشن پرشاد کی خاموشی اور اس

جنگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اس کے سینے میں طوفان رہے ہیں۔ اس کا انداز پتہ معلوم ہو رہا تھا۔ بغیر کا مارا نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن داور اپنی جگہ بالکل جو کس تھا۔ اس کی نگاہیں کرشن پرشاد پر تھیں۔ اور وہ اس اسی بھی حرکت کے جواب میں احتیاطی تدابیر اختیار کر سکتا تھا۔

”میں تو بچنے ہی ہوں۔ تم نے دھیرے سے کہا۔“

”میں یہ شخص نہیں اپنے ساتھ کہاں لیے جا رہا ہے؟“

”میں بھی تو تمھارے ساتھ ہی چل رہا ہوں۔ داور کی جگہ آواز میں بولا۔ ویسے نہ جانے کیوں مجھے شخص جھڑپا ہو نہیں سکتا تھا۔ اس کے انداز سے پتہ چل گیا کہ وہ کبھی نہیں تھا۔“

”مجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چلے۔ جب کہ میں تمھیں کہہ رہی ہوں کہ یہی کالی موت ہے۔ دوسری طرف یہ نہیں اور دکھانے اپنے ساتھ لیے جا رہا ہے۔“

”بس چپ چاپ دیکھتی رہو کیا ہوتا ہے۔ اگر اس کی ف سے کسی دھوکے کا امکان ہو تو میں اس کی گردن لٹو رہینگے دوں گا۔“

ان کا سفر جاری رہا۔ یہ سفر پتھروں سے بھرے ہوئے تھے۔ کوئی راستوں پر ہو رہا تھا۔ اس وقت احساس ہوا کہ کرشن پرشاد نے گاڑی کی بجائے جیب کیوں استعمال کی۔ ان دشوار راستوں پر گاڑی چلی ہی نہیں سکتی تھی۔ دور دراز سوائے میدان کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور میدان بھی ایسا جو سبز کی تہمت سے بالکل پاک تھا۔

چلتے چلتے کرشن پرشاد نے اچانک جیب نکال دی۔

”جیب کے کتے ایک ایک چٹکا سا لگا تھا۔“

”معاف کرنا۔ یہ کرشن پرشاد نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال آ گیا ہے۔ میں قس کالی موت سے ملوانے سے پہلے ایک اور آدمی سے ملوانا چاہتا ہوں۔“

”جو تمھاری مرضی ہو وہ کرو۔ داور نے کہا۔ لیکن اتنا ہلکا ہلکا جو شخص اس طرح بے دھرم دشمنوں کی کھچا ہلکے داخل ہو سکتا ہے دھوکے نہیں دیا جاسکتا۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ابھی تک مجھ سے بدگمان

ہو، کرشن پرشاد دھیرے سے مسکرا دیا۔ لیکن میں تمھاری بدگمانی دور ہو جانے تک کچھ نہیں بولوں گا۔ بس مجھے اپنے بے کی تصدیق کرنے دو۔“

داور نے کچھ نہیں کہا۔ کرشن پرشاد نے جیب کاٹنے موڑ لیا۔ جیب اب دوبارہ واپس جلدی تھی۔ کرشن پرشاد کی حوصلے بھی آگئی۔ لیکن اس نے جیب نہیں روکی بلکہ حوصلے کے برابر سے گزرتا چلا گیا۔ اب وہ لوگ پتھر اور ادا رہتے پر سفر کر رہے تھے۔ مرکز کے دونوں طرف کھیت بھی تھے اور ان میں جھوٹے شلوں بھی بنی ہوئی تھیں۔ پھر کچھ دیر کے سفر کے بعد جیب ایک ایسی جگہ آگئی جو اونٹنے اونٹنوں سے گھری ہوئی تھی۔ ایک پہاڑی بھی تھی جس کے پیچھے سے صاف پانی کا ایک نالہ بہہ رہا تھا۔ یہ بہت ہی خوبصورت جگہ تھی۔ ایسا غوس ہوتا تھا جیسے وہ لوگ کسی برفی پہاڑی مقام پر نکل آئے ہوں۔ داور کو اس بات پر حیرت ہونے لگی تھی کہ ایک طرف تو غیر آباد اور بخر میدان پھیلا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف اس علاقے میں ایسی خوبصورت جگہ بھی موجود تھی۔ راجا کرشن پرشاد نے پہاڑی کے پاس جیب روک دی۔

”یہ جگہ تریانی ہل کہلاتی ہے۔“ اس نے ان دونوں کو بتایا۔ اب سے دو سال پہلے یہ علاقہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ لیکن اتفاقاً ایک بار ڈاکٹر تریانی کا اس طرف سے گزر ہوا اور اس نے حکومت کی نوٹہ اس طرف دلائی۔ تریانی جو محض اس ملک کا بہت بڑا آدمی ہے۔ اس لیے حکومت نے اس کے نام پر اس جگہ کا نام تریانی ہل رکھ دیا ہے۔ تریانی کو یہ جگہ اتنی پسند آئی کہ اس نے یہاں اپنے لیے ویسٹرن اسٹائل کا ایک کالج بھی تعمیر کر لیا ہے۔ وہ کالج تو یہاں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ پہاڑی کی دوسری طرف ہے۔“

”تم تو نہیں کالی موت سے ملوانے والے تھے؟ داور نے کہا۔“ پھر تم یہ کیا قہقہے کر رہے ہو؟“

”میں اپنا کام چھوٹا نہیں ہوں۔ وہی بتا رہا ہوں۔ تم میری بات سننے ہو تو نہیں خود پتہ چل جائے گا تو میں یہ بتا رہا تھا کہ ڈاکٹر تریانی نے یہاں ایک کالج بنوایا ہے۔ اور وہ سال میں کم از کم دو تین بار یہاں ضرور آتا ہے۔ تم نے شاید اس کا نام سن رکھا ہوگا۔ وہ اس ملک کا سب

سے بڑا ماہر نفسیات ہے۔

”ہاں۔ اس کا نام میں نے سُن رکھا ہے؟“ تم نے کہا۔

”لیکن ان باتوں سے تمھارا کیا مطلب ہے؟“

”میں وہی بتا رہا ہوں۔ اتفاق سے تیرا پانی آج کل

بہہیں آیا ہوا ہے۔ ہم اسی کے پاس چل رہے ہیں اور اس

سے مل کر کیفیں پتہ چل جائے گا کہ میں یہ سب کچھ کیوں کہہ

رہا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔“

وہ سب گاڑی سے پیچھے گئے کرشن پرشاد انھیں اپنے

ساتھ لے کر پہاڑی کے عقب میں آگیا۔ یہاں واقعی ایک

خوبصورت سا کالج بنا ہوا تھا۔ جس کے باہر دور دور تک

پھول لگے ہوئے تھے۔ کالج کے ارد گرد خاردار تاروں کی باڑھ

لگتی۔ اس باڑھ کے اندر ایک جیب بھی کھڑی ہوئی دکھائی

دے رہی تھی۔

”تیرا پانی موجود ہے؟“ کرشن پرشاد نے بتایا۔

اس کے کہنے کے مطابق تیرا پانی کالج میں ہی موجود

تھا۔ وہ ایک وسیع کھیتوں کا مضبوط باڑھ بیروں والا ایک باغدار

سا آدمی تھا۔ جس کے سر کے بال کچھ پھڑپھڑاتے تھے۔ کرشن

پرشاد کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آنے لگی۔

”آؤ۔ آؤ۔“ وہ دواڑھ کھولتے ہوئے بولا۔ ”تم نے تو مجھے

حیران کر دیا ہے۔ کیسے آنا ہوا۔ اور یہ لوگ؟“

”یہ دونوں میرے دوست ہیں۔ انھیں پرشاد نے بتایا۔

”اس طرف تفریح کی غرض سے آئے ہیں۔ میں نے جب

تیرا پانی مل کے باسے میں بتلایا تو فوراً یہاں آنے کے لیے تیار

ہو گئے۔“

”ہاں۔ واقعی یہ جگہ کسی ہفتے کی طرح دھرتی کے سینے

پر نمودار ہو گئی ہے۔“ تیرا پانی نے کہا۔

اس دوران وہ لوگ کالج میں آگئے تھے۔ اس کی

اندرونی دہائش بھی بہت خوبصورت تھی۔ تیرا پانی نے اس

دیرلے میں بھی تھری زندگی کی ہوسلیات حاصل کر رکھی تھیں۔

”راجا صاحب۔ آج کل میرے پاس کوئی ملازم وغیرہ

نہیں ہے۔“ تیرا پانی نے کہا۔ ”اس کے باوجود میں بہت

اتنی کافی بنا پاتا ہوں۔“ اگر نہیں تو؟

”نہیں۔ نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ کرشن

پرشاد نے جلدی سے منہ کر دیا۔ ”میں تو آپ کے پاس رام

پرشاد کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔“

”بس ویسا ہی ہے جیسا اسے ہونا چاہیے۔“ تیرا پانی

جواب دیا۔ ”اب اس کی حالت میں کیا تبدیلی ہوگی۔ ہم

گزر رہی ہے۔ بس اسی طرح گزرتی جائے گی۔“ تم نے خود کو

لیا کہ ہم لوگوں نے اپنی بوری کو کشش کر کے دیکھی۔ لیکن

بھگوان کی مرضی۔ اس میں کون دخل دے سکتا ہے؟

”میرا ایک چڑواں بھائی ہے رام پرشاد۔“ کرشن پرشاد

نے داور اور تھی کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ ”مٹی، برسوں سے

اس کی ذہنی حالت خراب ہے۔ مجھے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے

علاج ہو چکا ہے۔ دماغی ہسپتال میں بھی رہ چکا ہے۔ اس

کے باوجود اس کی حالت سدھرنے کا نام نہیں لے رہی ہے

ہم دونوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ ہم دونوں بالکل

جیسے ہیں۔ ایک جیسا قد، ایک جیسا چہرہ ایک جیسی آواز۔

وہ تمھارے سامنے آجائے تو تم یہ نہیں کہہ سکو گے کہ وہ کرشن

پرشاد ہے یا رام پرشاد۔ میں نے سوچا تھا کہ میرا بھائی یا

بازو بن جائے گا۔ لیکن اس بد قسمتی کا کیا علاج کر دے چلا

کسی کام کا نہیں رہا۔“

”ادھ۔“ داور سنبھل کر ہنسنے لگا۔ کرشن پرشاد کی بات کسی

تک اس کی سمجھ میں آئی جا رہی تھی۔ ”لو کیا تمھارا بھائی تمھارے

ساتھ نہیں رہتا؟“

”نہیں۔ اسے ایک دور دورہ راز مقام پر رکھا گیا ہے

وہ جگہ بھی بہت خوبصورت اور صحت افزا ہے۔ وہاں اس

کے لیے ایک چھوٹا سا لیکن خوبصورت سا مکان بنا دیا گیا۔

جہاں وہ اپنے ملازمین کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ ملازمین اس

کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ کچھ کئی برسوں سے ڈاکٹر صاحب

کے زیرِ علاج ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی حالت بہتر نہیں

ہوئی۔“

”ہاں صاحب۔ یہ بہت بڑی تڑپڑی ہے۔“ ڈاکٹر

تیرا پانی نے کہا۔ ”ایک ڈاکٹر کو لے کر جیت سے میں اتنی

بوری کو کشش کر رہا ہوں۔“

”ڈاکٹر کیا کیفیں لیتے ہیں؟“ کرشن پرشاد کا ذہنی توازن

ابھی تک خراب ہے۔ ”ڈاکٹر پرشاد نے اچانک سوال کیا

اس کا بوجھ ایسا تھا کہ سب ہی چونک پڑے تھے۔

”ہاں بھائی۔ مجھے یقین کیوں نہیں ہوگا۔“ ڈاکٹر صاحب

سے جواب دیا۔ ”میں اس کا ڈاکٹر ہوں۔ مجھے یہ بات نہیں

داور کے معلوم ہوئی۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا؟

”منہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوتا جیسے اس کا ذہنی

ن خراب نہیں ہے۔ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔“

”یہ تم دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں

ہی؟“ داور نے سوال کیا۔

”نہیں۔ کبھی کبھی جب مجھے اس سے ملنا ہوتا ہے

میں اطلاع سمجھا دیتا ہوں۔ ڈاکٹر تیرا پانی اس کی ذہنی حالت

دیکھتے ہوئے اس ملاقات کی بات دہرا دیتے دیتے ہیں

میں غصہ دیتے ہیں۔ اگر میں انہوں کی اس کے سامنے

اجاؤں گا تو وہ مجھے دیکھ کر اچانک اس طرح اشتعال

پا جاتا ہے کہ اسے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میں نے

اسے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا ہے۔“

”میں نہیں بتا رہا ہوں کہ اس کی ذہنی حالت ابھی تک

یک نہیں ہوئی ہے۔ پھر تم ایسی بات کیوں کر کہہ رہے ہو؟

پانی نے ہلچکا۔

”مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم جان بوجھ کر جھوٹ بول

رہے ہو۔“ ڈاکٹر کرشن پرشاد نے کہا۔ ”میں آج حقیقت

معلوم کرنے کے لئے تمھارے پاس آیا ہوں۔“

”میں تم بھی اپنے بھائی کی طرح باغی ہوتے جا رہے ہو؟“

زبان اٹھتے سے۔ ”لو۔“ اس کے علاوہ اور کیا حقیقت

دیکھتی ہے؟“

”دیکھو بھائی۔ کرشن پرشاد نے اچانک داور کو قہقہے

لپکا۔ ”یہ درست ہے کہ میں خود کو کافی موت کا ڈر سن سن کر

ٹھک چکا ہوں۔ میں اس کی گردن پکڑنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ

میں درست ہے کہ اس نے براہِ راست میرا کوئی نقصان

نہیں کیا ہے۔ جبکہ وہ تمھارا ذہنی دشمن ہے۔ تم ہی وجہ

کی بنا پر اس سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ مٹی نے میں

تمھارے معاملے میں دل نہیں دوں گا۔ چلو۔“ ڈاکٹر تیرا پانی

سے خود ہی بل چھوڑ کر میرا بھائی رام پرشاد اچھی تک پاگل ہے

یہ ٹھیک ہو چکا ہے۔ اس سوال کا جواب مل گیا تو کافی ہمت

ملی مل جانے لگا۔

داور نے کرشن پرشاد کے سوالات ہی سے صورتحال

کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ تیرا پانی کچھ سمجھ سکتا۔ یا

اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بول سکتا۔ داور نے کسی چیز کی

طرح اس پر جھلانگ نہ کی۔ اور اسے اپنے ساتھ لے

ہوئے دوسری طرف جا کر تیرا پانی نے بیخ پر کار شروع

کر دی تھی۔

پہنچے کرتے ہی داور نے اس کے پیٹ اور سینے

پر ٹھونسنے پر سادہ بنے۔ بول رام پرشاد کہہ رہا ہے۔ کیا وہ

ٹھیک ہو چکا ہے؟“

تیرا پانی نے بڑی سختی کے ساتھ اپنے ہونٹ پیچھے

لئے۔ وہ خود بھی ایک جاندار آدمی تھا۔ اس نے داور کے

بال اپنی گرفت میں لیے اور انہیں جھٹکے دینے لگا۔ اس کی

گرفت اتنی سخت تھی کہ داور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

تیرا پانی نے اپنی بالائی قوت داور کے بالوں پر صرف کر دی

داور نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے اور اپنی دو

انگلیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر تیرا پانی کے منہ

پر ماری۔ ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ تیرا پانی نے

اس کے بال پھینک دیئے۔ وہ فرش پر گر کر اوجھلی کی طرح

تڑپ رہا تھا۔ اس کے حلق سے خرخرات بلند ہو رہی تھی

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گل پکڑ رکھا تھا۔ داور کو

یہ خدشہ ہونے لگا کہ وہ مرنے جا رہے۔ لیکن کچھ دیر کے

بعد اس کی حالت بتدریج سنبھلنے لگی تھی۔ اس دوران

کرشن پرشاد بالکل لائقِ تیار رہا تھا۔ جیسے اس معاملے

سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ جھک کر داور سے کچھ فاصلے

پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”بتاؤ کہہ رہا ہے رام پرشاد؟“ داور نے زور سے پوچھا۔

”ورہ آگلی دفتر میں تمھاری گردن منڈوا کر رکھ دوں گا۔“

”بنانا ہوں؟“ تیرا پانی اپنے حلق کو مسلتے ہوئے بولا۔

”مجھے تمھارا پانی پلاد دو؟“

”ہاں میں پلا دیتا ہوں۔“ راجا کرشن پرشاد نے کہا۔

”اور تم اس کے سوالوں کے جواب دیتے رہو۔ ورنہ میں

تمھارے لئے کچھ نہیں کر سکتا گا۔“

تیرا پانی گہری غہری سانسیں لینے لگا۔ اس کے ہونٹوں

سے خون بہنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر شیل پڑ گئے

تھے۔ کرشن پرشاد نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا

اس نے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا تھا۔ گلاس

خالی ہوئے ہی داور نے اس کے ہاتھ سے گلاس

چھین کر ایک طرف پھینک دیا۔

”تمہیں اس حرکت کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا

راجا۔“ تیرا پانی نے کرشن پرشاد سے کہا۔ ”تمہیں معلوم

ہے کہ میں کتنی بڑی حیثیت کا مالک ہوں اور تم؟“

داور نے اس کی بات بوری نہیں ہونے دی۔

اس سے پہلے ہی اس نے ایک زوردار تھپڑ اس کے

چہرے پر رسد کر دیا تھا۔ ترپانی کی گردن ایک طرف گھوم گئی۔ وہ دوسرے پنج بڑا تھا۔
 میں اسی طرح نہیں جان سے مار سکتا ہوں گا کہ اس نے کہا: بہتر یہی ہے کہ کرشن ہر شاد کی بات کا جواب دے دو۔
 ہاں۔ وہ ٹھیک ہو چکا ہے۔ ترپانی نے بالآخر اقرار کر لیا۔ وہ کرشن ہر شاد سے لگا میں نہیں ملتا تھا۔
 ”مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کرشن ہر شاد و حیرے سے بولتا۔ وہ کب سے نازل ہوا ہے۔“
 ”نوعیا چار برس سے۔“ ترپانی نے جواب دیا۔
 اور تم کیسے انسان؟ تم نے انہی بڑی بات مجھ سے چھپائے رکھی؟ کرشن ہر شاد دیکھو اٹھا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم بھی اس کے جرم میں برابر کے شریک ہو نہیں سکتے۔
 اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اس نے کون سا روپ اختیار کر رکھا ہے۔ بتاؤ۔ کیا تمہیں یہ سب معلوم نہیں تھا؟
 ہاں۔ مجھے سب معلوم ہے۔ ترپانی نے اپنی گردن ہلا دی۔ مجھے غلطی ہوئی۔
 اسے تم غلطی کہتے ہو۔ راجا نے غصے سے کہا۔ لعنت ہو تم پر۔ اتنا جرم قابل اور شہر آدمی ایک اتنے بڑے جرم کی حمایت کر رہا ہے۔ اس کو دوسروں کی لگا ہوں چھپا رکھا ہے۔ اس کے پاس میں غلط برہوت دے رہا ہے۔ اور یہ صرف غلطی ہے نہیں ڈاکٹر غلطی نہیں بلکہ جرم ہے۔ ناقابل معافی جرم۔ جلتے ہو اس شخص نے اپنے پاگل پن کی آڑ میں کتنی بڑی تباہی پھیلا دی۔ وہ اپنے دوسرے روپ میں کتنی خطرناک ہو گیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کالی موت میرا بھائی ہو سکتا ہے۔ اور اس کو جرم کرنے کی بھی چھٹی دینے والا اس ملک کا سب سے بڑا ذہنی معالج ہے۔ لعنت ہو تم پر تم لوگ اس قابل نہیں ہو کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں دیکھ سکو تمہیں تو شرم سے ڈوب کر مرنے پڑے۔“
 ”کیا تم یہ جانتے ہو کہ رام ہر شاد کو کس نام سے جراتم کہا کرتا ہے؟“ داو نے پوچھا۔ اب کوئی بدت چھپانے کا فائدہ نہیں ہو گا۔ اس نے حق سے بتا دیا۔
 ”وہ کالی موت کے نام سے جراتم کہا کرتا ہے۔“
 نے بتا دیا۔

”کیا خیال ہے؟“ داو نے اچانک کرشن پر مخاطب کیا۔ ”کیا اپنے شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حاصل ہے؟“
 ”ہرگز نہیں۔“ کرشن ہر شاد نے جواب دیا۔ ”میر خود اپنے بھائی کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا۔“
 ”تو پھر تمہیں کب سے۔“ میں بھی اس کا قہقہہ مچا کر ہوں۔“ داو نے اتنا کہتے ہوئے ترپانی کی گردن دلوڑ لی۔
 وہ پانچ آدمی تھے جنہوں نے پتیل کے بڑے تختہ اٹھا رکھے تھے۔ اور پانچوں کے آگے دو آدمی اور بھی تھے جنہوں نے قمیص اور پتلیوں رکھی تھیں۔
 وہ دونوں ہی اپنے حلیے اور لباس سے دلوڑ مند معلوم ہو رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں پر چمکناٹا تھا۔ جن کی دیکھیں سوئے کی تھیں۔ ان کی باتن بھی سوئے کے تھے۔ ان کے چلنے کے آگے ہی سے ان کی دولت مندی کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن میں داخل ہونے کے بعد ان دونوں ہی نے بڑا انکساری سے اپنی گردنیں جھکا لیں اور مندر کی پہا سیرٹی ہمہ ڈنڈت کرتے ہوئے میری طرف سے ان کے پیچھے وہ پانچ آدمی تھے جنہوں نے تختہ رکھے تھے۔
 مندر کی انتظامیہ کو پہلے ہی سے خبر دے دی تھی کہ ہندوستان کے دو بہت بڑے تاجر بہت بھا اور قیمتی ہر شاد کالی دہلوی کے چروں میں رکھا جا رہا ہے۔ انتظامیہ کو دونوں تاجروں کا بلکہ ان سے زیادہ کے قیمتی چرچاؤں کا انتظار تھا۔ اور آج جب وہ دو تاجر ہاتھ مقامی مزدوروں کے سروں پر تختہ رکھ کر میں داخل ہوئے تو مندر کے ہی بولیں اور پیچھے جانے کے ہونٹوں پر حیرت ماحول کر گئی۔ ان کا دھیان تاجروں سے زیادہ ان تختوں کی طرف تھا۔
 سب سے پہلے مندر کے جیسے بھاری دشمنان نے آگے بڑھ کر ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ ان دونوں نے باری باری ہر شاد و دشمنان کے پاس چھوئے۔ ”جنگلوں کی رکھے۔“ ہر شاد نے ان دونوں کے ہر ہاتھ دیکھے ہوئے نہیں۔ ”شیر یادوی۔“ میں نے

سے لے مندر کا وہ تہہ خانہ کھلوایا ہے جہاں بہت ڈوں کے بالوں پر سے ہیں۔
 ”آپ کی بڑی کرپا ہے ہمارا۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ پھر اپنے پیچھے آنے والے پانچوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”پہلے یہ مجھ کو سو کر لیں ہر شاد۔“
 ہر شاد کے چپے تھے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان کے ہاتھوں میں لڑوئے کے چراغ جل اٹھے تھے۔ اس نے اپنے آدھوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے ان پانچوں کو زور سے وہ تختہ لے لئے۔ ان تختوں کو ہال کے وسط میں رکھ دیا گیا۔ خود ہر شاد سے جب صبر نہیں ہو سکا تو مانے آگے بڑھ کر تختہ پر گر پڑے، ہونٹے کھڑے تھے۔
 ان پانچوں تختوں میں سوئے کے چھوٹے چھوٹے کرسی لوٹ لٹوئی اور تختہ اٹھاتے تھے۔ ہال میں جلنے والی روشنی میں ایسا مفسوس ہونے لگا جیسے مارے سے جھلانے لگے ہوں۔ اس سے پہلے کسی نے اس مندر کو اتنے قیمتی تحائف نہیں دیے ہوں گے۔ ہال میں موجود ہر بھاری اور جیسوں کی لگا ہیں ان تحائف پر رکتہ زور کر رہی تھیں۔
 ان دونوں نے اس ہال کا گہری نگاہیں سے جائزہ لیا۔ درمیان میں کالی دہلوی کا ایک عظیم الجذبہ نصب تھا۔ جس کی آنکھوں میں ہیرے لگے ہوئے تھے۔ یہ ہیرے بالکل کسی چراغ کی طرح جھلک رہے تھے۔ اس بت کے ارد گرد ایک جنگل سا بہن دیا گیا تھا۔ اس جنگل کے اندر کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور سر ہلا کر بھاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ بھاری اب انہیں چھوڑ کر تختوں کو اندر سے جانے کی ہدایت دے رہا تھا۔ تختوں کو پہنچانے والے وہ پانچ آدمی دہلوی کو ڈنڈت کر کے واپس جانے لگے۔ اس ہال میں اب صرف دس بارہ آدمی رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک بھاری تھا۔ دوسرے چھوٹے بھاری تھے۔ ان کے علاوہ چار مسلح محافظ بھی تھے۔ جن کے دونوں پہلوؤں سے ریلو اور ایک ہے۔
 جن کی منتانی لگا ہیں۔ ہلے ہال میں گردش کر رہی تھیں۔ وہ دونوں اس ہال کی ایک دہلوی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان دونوں نے اس طرح اپنی آنکھیں بند کر

رکھی تھیں۔ جبے خروان حاصل کر رہے ہوں۔
 ”یہ تو بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے سوئے۔“ ان میں سے ایک نے سر کوئی کی۔
 ”کچھ سمجھیں نہیں آتا۔“ دوسرے نے کہا۔ ”کوئی خاص حفاظتی انتظامات بھی نہیں کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص چاہے تو ان چاروں محافظوں کو ڈھیر کر کے یا کسی طرح انہیں خرید کر ان ہیروں کو بڑی آسانی سے لے جاسکتا ہے۔ میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ یہاں جاننے کیسے کیسے انتظامات ہوں گے۔“
 ”اول تو اندر آئے ہی نہیں دیا جائے گا۔ اور اندر آجائی گئے تو نہ جانے کس کس انداز سے چپک کیا جائے گا۔ لیکن یہاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان لوگوں کو بھروسہ کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔“
 ”یہ بڑا بھاری بہت چالاک معلوم ہوتا ہے سوئے۔“
 ”مومن۔“ بولا۔ ”میں ایسا نہ بولا کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ تم نے اس مندر میں کتنی چیزوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔“
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ سوئے نے اپنی گردن ہلائی۔
 ”پہلے وہ مال فرانس اور اٹلی کے بہترین کاریگروں سے حاصل کیا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے جوہری ان چیزوں سے دھوڑا کھا چکے ہیں۔ یہ بے چارے بھاری کس کھیت کی مولی ہیں۔ ان کو تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ چاہے یہ ہلورے ہندوستان کو لاکر دکھا دیں۔“
 ”اب سوال پھر وہی ہے بھائی۔“ مومن نے کہا۔ ”پہلی ہم سے تو یہ کہا گیا تھا کہ یہ ہیرے بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے بے شمار انتظامات کئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔“
 ”مجھے تو یہاں آکر ملایوسی ہوئی ہے۔“
 ”اس میں ماہیوتی کی کیا بات ہے؟ سوئے سر کرتے ہوئے بولا۔ ”بلکہ یہ تو عام ہے۔“
 ”بڑی آسانی سے ان ہیروں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔“
 ”کوئی ترکیب ہے تمہارے ذہن میں۔“ مومن نے پوچھا۔
 ”میں نے کوئی ترکیب ذہن میں نہیں تھی لیکن اب سمجھ میں آئی ہے۔“
 ”نام ان بھاریوں اور محافظوں کی لالچ سے فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ عام لالچ لالنے ہوئے ہیروں اور سوئے کے ٹکڑوں کو دیکھ کر ان

کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ان کی یہ لافچہ بھاسے کام آسکتی ہے۔ ہم انہیں رشوت دے کر اپنا کام نکل سکتے ہیں۔ یاد نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک اور ٹھٹکا پہلا ہوا ہوا ہے، "مومن نے کہا۔" وہ کیا؟ "مومن نے اس بار انہیں کھول کر مومن کی طرف دیکھا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے، ہیرے نقل ہوں صلی ہیرے پہلے ہی چرائے جا چکے ہوں۔"

لیا کر رہا ہوں تو اس کا خواب ہو ہے کہ میں اس وقت
 ہوں۔ یہ کچھ لوگ یہ تہہ خانہ ہی میرے گھر ہے۔
 کہیں دربار نے چونک کر اس کی طرف دیکھ کر
 ہو سکتا ہے یہ تو عجیب گھر ہے۔ غم غم اب گھر میں کہ
 طرح رہ سکتے ہو؟
 اس شہر میں سب کچھ ہو سکتا ہے میرے اس
 غم غم گھر میں رہنے کی داستان بہت دلچسپ ہے
 تمہارے پاس وقت ہو تو میں یہ کہانی تمہیں سنا دوں
 لیکن تمہارے اس سے پہلے میں اپنا جھوٹا دل لے
 کے لئے تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کیا خیال
 میرا ساتھ دو گے؟
 میں نہیں سمجھ سکا بھائی، دربار نے کہا یہ غم
 تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟
 "ذرا ایک منٹ کچھ چاؤ پھر سب کچھ تمہاری کچھ
 جانے گا اگر تم اس بات کا وعدہ کرو کہ دوبارہ مجھ پر
 کرنے کی کوکش نہیں کرو گے تو میں تمہیں اپنا
 دیکھاؤں؟
 تمہارا کارنامہ تو میں دیکھ چکا ہوں، دربار سگڑا
 اور کہا دیکھاؤ گے؟
 "بہات ہوئی نا؟ اس نے اپنے ہاتھ ہلکے سے
 سے ہوا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کسی حد تک مجھ پر
 لگے ہو۔ فی الحال اتنی بہت ہے۔ اؤ میرے ساتھ
 "کہاں؟ دربار پھر چراں ہو گیا تھا؟ کہاں؟
 ہو چکے؟" تم اؤ تو میرے ساتھ؟ اس نے اشارہ
 میں نہیں ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں؟
 دربار اس کے ساتھ ہو گیا۔ وہ تہہ خانہ پہنچا
 اٹھا، ایسا مسکوں ہو رہا تھا جیسے اوروں سے یوزم
 نیچے یہ تہہ خانہ پھیل ہوا ہے۔ کاکھ کہاں کے درمیاں
 سے گزرنے ہوئے وہ ٹھنڈی دربار کو ایک اور مہیا
 کے پاس لے آیا۔ یہ میز بھی تہہ خانے کے اوپر
 ڈالی تھی۔ میز پر چڑھنے کے بعد ایک چھوٹا سا
 نام تھا۔ وہ ایک بیٹ کا ہوا ہے۔ کاکھ کہاں کے درمیاں
 ایک دہلا کر تھی جس پر ایک چھوٹا سا سولہ بنا ہوا تھا
 نے اس دہلا سے اپنی آنکھ لگا دی۔ وہ کچھ دیر تک
 ہوا سے باہر کی طرف جھانکنے کے بعد کچھ ہٹ
 "چلو تم دیکھو؟ اس نے دربار سے کہا؟ اور
 ناؤ؟ تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے؟

وہ دونوں اس کی لاش کو اٹھا کر تہہ خانے میں
لے آئے جہاں وہ لاش ایک طرف ڈال دی گئی۔ برکت
نے وہ لاش پھر مبرا کر دی تھی۔
”اب وہ لوگ ڈھونڈتے ہی رامیں گئے کہ لاش
کہاں جا گئی ہے۔“ برکت نے کہا: ”وہ“ مجھ میں گئے کہ
اس عجب گھر میں بھوتوں نے سہرا کر لیا ہے۔ پہلے لاش
دکھائی دیتی ہے۔ گوریاں جلنے کی آواز سن آتی ہیں۔ پھر
قاتل غائب ہو جاتا ہے۔ قاتل کے بعد لاش بھی غائب
ہو جاتی ہے۔“
نکبان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ اس عجب گھر میں
ایک تہہ خانہ بھی ہے۔ ڈولر نے پہلے
”نہیں ان کے فوٹے بھی یہ بات نہیں جانتے۔“
برکت نے کہا: ”میرا خیال ہے کہ پورے ملک میں
صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں۔ اوصاف تم بھی
جان گئے ہوں۔“
دلرانے ٹیلا کی لاش کی طرف دیکھا۔ اس کے
جسم سے نکلنے والا خون اس کے لباس پر بہنے لگا تھا۔
اس کی لاش میں اب اکڑن پیدا ہوئی تھی۔ کچھ دیر پہلے
وہ زندگی سے بھرپور عزت تھی جس نے ہزاروں خواب
دیکھ رکھے تھے۔ اوصاف ان خوابوں کی تعبیر اس سے ہمیشہ
کے لئے تم ہوئی تھی بلکہ وہ خود بھی تم ہی تھی۔ ایسی جگہ
جا چکی تھی جہاں سے وہی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔
آؤ یہاں سے الگ ہٹ کر بیٹھتے ہیں۔ برکت نے
اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ورنہ لاش کو دیکھو دیکھ کر ہر شان
ہوئے راتوں کے۔
دلرانے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک نظر ٹیلا کی لاش
کی طرف دیکھ کر برکت کے ساتھ ہو گیا۔ وہ دونوں لاش
سے کچھ فاصلے پر آئے۔ ایک دیوار کے پاس پہنچ کر برکت
اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ دلرانے اس کے سامنے
کوٹھ رہا تھا۔ وہ ایسی تک اس شخص کو کبھی طرح سمجھ نہیں
پایا تھا۔ برکت نے ابھی تک اپنی نصاب نہیں اتاری تھی
اس سے پہلا ہر دور ہا تھا کہ وہ دلرانے کو اپنا تہہ دکھانا
نہیں چاہتا۔
”تم بھی بیٹھ جاؤ۔ کھڑے ہونے کیوں ہو۔ تم برکت
نے دلرانے سے کہا: اس طرح تو تھک جاؤ گے۔“
دلرانے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
”تم نے یہ کیسے دعویٰ کیا کہ اس تہہ خانے کے راز

سے صرف تم ہی واقف ہو؟ دلراج نے کچھ دیر بعد دریافت کیا۔
 ”برکت! ہنس پڑا وہ یہ تم بھی ملک اس سے نہیں الجھے ہوئے ہو، ایسا لگتا ہے جیسے تم اپنے پیچھے جانے سے خوف دہا ہو، یہ ہو، کیوں اگر ایسی بات تھی تو اس بڑی کو قتل کیوں کیا، لیکن بے تمہیں اس سے محبت بھی تھی، اور جنت میں گولی مارنے والا شخص میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔“

”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟ دلراج جھٹکا کر لولا۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کہ ہم دونوں کے درمیان کبسا رشتہ تھا اس کے علاوہ اگر تم نہیں دیکھ سکتے تو تمہیں پیوٹا ہوگا کہ میں نے اسے کس طرح مارا تھا، لیکن مجبور ہو گیا تھا۔ اگر میں اسے نہ مارتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتی۔ میں نے اپنی زندگی بچانے کے لئے اس کو ہلاک کیا ہے۔“
 ”ہاں، یہ میں دیکھ چکا ہوں، برکت نے تمہارا دل اس سے بہت الجھا تھا، ثابت ہوئی ہے کہ انسان کو اصل جنت اپنے آپ سے ہوتی ہے۔ اس کی اپنی زندگی برفزار رہی چلیے اور یہی منبت رعب ہے۔ دوسروں کی خاطر زندگی قربان کرنے والے ہمارا سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ میرا تو یہی انداز ہے۔“

”تم آدی تو بڑے سے لکھے معلوم ہوتے ہو، ہر حکم چور کس طرح بن گئے؟“
 ”حالات میرے بھائی، برکت نے ایک ٹھری سانس لی۔ حالات جن کے تحت تم نے اپنی عجوبہ کو گولی مار دی جس کی وجہ سے تم اس دولت کو چرائے آگئے جو ملک چھیننے کی غائب ہو گئی۔“

”کیا تم اس بات سے واقف ہو؟ دلراج نے پوچھا۔ تمہیں نہیں معلوم ہے کہ ہم لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟“
 ”خاطر ہے تم دونوں اس وقت بیوزیم کی سہر کرنے تو نہیں آئے ہوئے؟ میں اس وقت ہل ہی میں موجود تھا۔ میں نے تمہیں ایک کمرے میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پھر میرے دل میں بھی تجسس پیدا ہو گیا، میں بددیکھا جانتا تھا کہ تم لوگوں کے ارادے کیا ہیں، پیسے تو میں نے بکھ کر تم لوگ اس بیوزیم سے کوئی قیمتی چیز دیکھو چرائے کے لئے آئے ہو۔ اس لئے میرا تجسس بڑھتا گیا اور میں نے تم دونوں کی نگرانی شروع کر دی، پھر اس

حقے والا ڈرامہ پیش آیا، تمہاری ساتھی لڑکی نے دولت لکھنے کے لئے اس کے اندر ہاتھ ڈالا، پھر تمہیں بتا کر اس کے اندر کھینچی نہیں ہے۔ جب تم نے خود اس حقے کے اندر دیکھا جانا تو اس نے تم پر ہتھول لگال لیا، یہ دولت کے لئے بے قیاد ہو رہی تھی، پھر تم نے اسے گولی مار دی یا وہ تمہارے ہاتھ سے مر گئی۔ پھر حال اس کے بعد جب تم نے اس حقے میں ہاتھ ڈالا تو اس کے اندر کچھ بھی نہیں تھا، یہی سب ہوتا رہا ہے نا۔“

”ہاں، اور میں اس بات پر حیران ہوں کہ اس نے اہر کیوں کیا۔ جب اس حقے کے اندر کچھ بھی نہیں تھا تو اسے اتنا بھرنے کی کیا ضرورت تھی؟“
 ”تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اس حقے کے اندر کچھ نہیں تھا؟ برکت نے کہا، اس کے اندر اتنی دولت تھی جس کا نام فقر بھی نہیں کر سکتے۔“

”کیا؟ دلراج نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔“
 ”کیسے ہو سکتا ہے میں نے خود اس حقے میں دیکھا تھا، اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔“
 ”اس میں کچھ کچھ بھی تھا، وہ اس دوران لگال لیا گیا تھا جس وقت تم ٹیبل کے ساتھ الجھے ہوئے تھے، پھر تم نے بتایا۔“

”کیا ایک رعب ہے ہو؟ دلراج جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ تم نے؟“
 ”نہیں، نہیں، برکت نے جلدی سے اپنا ہاتھ ہلا دیا، نہیں، تم غلط سمجھ رہے ہو، میں نے وہ دولت نہیں لی بلکہ وہ کوئی اور آدمی تھا، جس نے وہ رقم لگائی تھی۔“
 ”کیا؟ دلراج کی حیرانی بڑھتی جا رہی تھی، کیا تم نے کہا جہتے ہو کہ اس وقت ہل میں میرے اور ٹیبل کے علاوہ بھی کوئی اور موجود تھا۔“

”ہاں، وہ ایک نقاب پوش تھا، میری طرح۔ اس نے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہن رکھا تھا، میں مسلسل اس کی طرف دیکھتا رہا تھا، وہ تم لوگوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تم اور ٹیبل جب اس حقے کی طرف گئے تو اس وقت بھی وہ تمہارے قریب ہی موجود تھا۔ وہ اس دوران مختلف جگہوں کے عقب میں چھپا رہا تھا، اسی لئے تمہیں اسے نہیں دیکھ پائے تھے۔ جب تمہاری ساتھی لڑکی نے یہ کہا کہ اس حقے کے اندر کچھ نہیں ہے تو وہ بے

اختیار دو قدم آگے بڑھا آیا تھا، پھر جلدی سے آدھیں چھپ گیا، پھر جب تم دونوں ایک طرف گئے تو وہ خود آگے بڑھا اٹھا اس نے حقے کے اندر بھی اونی دولت لگال لی اس کے بعد وہ دھڑکا ہوا سی کمرے میں چلا گیا، جس کمرے میں پہلے تم دونوں چھپے ہوئے تھے۔“

”اوہ؟ دلراج نے ایک ٹھری سانس لی، تو وہ دروازہ اسی لئے بند تھا، لیکن اس دروازے کو توڑ کر بھی دیکھ لیا گیا تھا، اس کے اندر تو کوئی بھی نہیں تھا۔“
 ”یہ لوگ بھی اول درجے کے بے وقوف واقع ہوئے ہیں، برکت نے کہا۔ تمہیں تو خود اس کمرے کے بلے میں معلوم ہونا چاہیئے۔ اس کمرے میں ایک بڑی کھڑکی ہے جس کے اوپر دروازہ لگا ہوا ہے۔ شاید تم نے اس پر فکے کو ہانک نہیں دیکھا ہو گا، کھڑکی ٹوٹی ہوئی ہے۔ اور اس کے باہر بیوزیم کا گیارخا ہے۔ وہ شخص اسی کھڑکی کے ذریعے باہر چلا گیا تھا۔ اور یہ بے وقوف اسے ہل میں تلاش کرتے رہ گئے۔“

دلراج پہلو بدلت کر رہ گیا۔ برکت نے ایک عجیب بھائی سا دی تھی۔ وہ کون تھا جو اس ساری دولت کو لٹا لے گیا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ برکت کی بات پر یقین کسے کیا کرے۔ ایک بات یہ بھی برکت نے اس شخص کو دولت کے کیوں نقل جانے دیا، وہ خود اس کے راستے میں کیوں نہیں آ گیا تھا۔

”جب تم نے یہ دیکھا تھا کہ وہ شخص حقے سے دولت لگال کر رہے ہاں، اسے تو پھر تم نے اسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“
 ”میں بھی اس کے پاس ایک طاقتور لوگوں کا تھا، اس کے علاوہ تمہارے پاس بھی ایک عدد دیپتول تھا۔ تم دونوں ہی دولت کے لئے پاگل ہو رہے تھے، اگر میں راستے میں آ جاتا تو تم مجھے زندہ نہیں رہنے دیتے اس کے علاوہ میں نے بھی جانتا تھا کہ وہ چاہے جو بھی ہو، ہمارے نکل نہیں سکتا۔“

”وہ کیوں؟ دلراج نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔“
 ”ایسا لگتا ہے جیسے تم لوگ بڑھکی واضح منصوبہ بندی کے بیوزیم میں چلے آئے تھے، برکت نے کہا۔“

خلائق کا مایاب واردات کے لئے ضروری ہے کہ ہر بات پہلے سے معلوم کر لی جائے، شاید تمہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس رات دس بجے کے بعد اس بیوزیم میں خود کھڑکیوں کی بھڑکی ایک فوج گشت کرتی رہتی ہے۔ یہ کتنے ذرا سی دہریس کسی اجنبی کو پھانسی دیتے ہیں۔ اس لئے میں جانتا تھا کہ وہ بے جا رہ دولت لے کر ہال سے تو باہر چلا گیا ہے لیکن اس اہل طے سے باہر نہیں جاسکتے گا۔“

”اس کے باوجود وہ غائب ہو گیا کیوں؟ دلراج نے تلی سے پوچھا۔“
 ”اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں، یا تو اس نے کتھن کو مدھوش اور بے خود کرنے کے لئے کوئی دوا یا گیس وغیرہ استعمال کی ہے۔ آج کل ایسی چیزیں عام طور پر ہر مل جاتی ہیں، یا پھر اس شخص کا تعلق اسی بیوزیم سے ہے اور کتنے اس سے ایسی طرح واقف ہیں۔ اسی لئے انہوں نے کوئی ہتھکنڈ نہیں کیا۔“

”اوہ؟ دلراج کھسا کر رہ گیا، تم واقعی ایک ذہین آدمی ہو، برکت۔ بالکل صحیح نتیجہ پر پہنچے ہو، اس کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہو سکتی۔“
 ”اس نے تم کو گھراؤ نہیں اگر اس کا تعلق اسی بیوزیم سے ہے تو پھر وہ مجھ سے بچ کر نہیں جاسکتا، میں نے اسی لئے تم سے کہا تھا کہ میں وہ دولت تمہیں دلا دوں گا۔ تم جس کی تلاش میں میرا تک آئے ہو، میں اسی مزاح کا آدمی ہوں، بچپن ہی سے مل بانٹ کر کھاتا چلا آیا ہوں۔“

”لیکن تم نے اسے باسے میں کچھ نہیں بتایا۔ تم کون ہو، تم نے اس بیوزیم میں رہائش کیوں اختیار کر رکھی ہے؟“
 ”میں جو کچھ بتاؤں گا کیا تم اس پر یقین کر سکتے؟“
 ”برکت نے پوچھا۔“
 ”کیوں نہیں، اب تو میں تم پر بھروسہ کرنے لگا ہوں، دلراج نے کہا۔ تم نے جس انداز سے میری مدد کی ہے۔ وہ قابل تعریف ہے۔“
 ”تو پھر یہ سمجھ لو کہ بیوزیم ہمراہ ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔“

درج کے ہونٹوں ہر ایک بیٹے کی مسکرت
پھیل گئی۔

متم شایا اس نے مسکراہے ہو کر تھیں مہری بات ہر
یقین نہیں کیا اس نقاب پوش برکت نے کہا: ویسے یہ
بھی مذاق ادا نے والی بات، بھلا کون یقین کر سکتا ہے
کہ کوئی سرکاری میز پر بھی کسی کی ملکیت ہو سکتا ہے لیکن
میں نہیں یہ بتا دوں کہ اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ اور نہ
ہی میرا دماغ خراب ہوا ہے۔ یہ بیوقوف دماغی میرا ہے۔
میں واقعی تمہاری بات نہیں سمجھ سکا ہوں۔" درراج
اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: صاف صاف بتا دو تو تمہاری
ہمراہی ہوگی؟

مکالمے نے بھی اودھ کے نواب کرامت شاہ کے بارے
میں کچھ سنا ہے۔ برکت نے پوچھا۔
مشافہ میں نے یہ نام سن رکھا ہے۔ درراج نے جواب
دیا: لیکن اس حوالے سے سنا ہے۔ یہ یاد نہیں کہ بارے
"نواب کرامت شاہ ایک ایسے آدمی تھے جنہیں
نوادرات جمع کرنے کا شوق رہا ہے۔ برکت نے بتایا: ہوں
نے اپنی دولت اور اپنی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف
کر دی تھی۔ شروع شروع میں ان کے نوادرات کا ذخیرہ
بہت مختصر تھا، ایک کمرے میں سماسکتا تھا لیکن وقت
گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ نواب
کرامت شاہ نے نہ جانے کہاں کہاں سے اور کتنی دولت
خرچ کر کے ایسی چیزیں جمع کر لیں جو پورے ہندوستان
میں ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھیں۔ اس
وقت وہ لکھنؤ سے کچھ فاصلے پر ایک جوتیا میں رہتے
تھے۔ اور وہ ایسی جگہ پر جہاں کے شوق کو سرنے والا
کوئی نہیں تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی میں کوئی بڑا شغل
تجربہ کر کے اس میں بہ چیزیں رکھوا دیں۔ تاکہ دنیا بھر کے
سیاح یہاں آئیں اور ان نوادرات کو دیکھ کر ان کے ذوق
اور پسند کی داد دیں۔ تم اسے ایک تم کا خط بھیج سکتے
ہو لیکن یہ ان کا شوق تھا۔ اور ان شوق کی خاطر سب کچھ
کرتے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اب ان کے پاس اتنی دولت
نہیں تھی کہ وہ اپنے شوق کی تکمیل کے لئے اس قسم کی کوئی
عمارت تعمیر کر سکتے؟

پھر ان کے ذہن میں ایک نگرہ آئی اور انھوں نے
اپنے بے شمار نوادرات میں سے ایک حصہ فروخت
کر دیا۔ اس کی فروخت سے اتنی رقم حاصل ہوئی کہ انھوں

نے یہ عمارت تعمیر کروائی۔ پہلے اس کا نام شاہ محل تھا۔
لیکن اب میوزیم کر دیا گیا ہے۔ برکت اتنا کہہ کر خاموش
ہو گیا۔

جلو سے سب سامان لیا۔ درراج نے کہا: لیکن یہ سمجھ
میں نہیں آیا کہ تمہارا اس عمارت سے کیا تعلق؟
"مجھے آدمی کی کرامت شاہ میرے والد تھے۔ برکت
نے بتایا: اب تو مجھ میں آگیا ہو گا کہ یہ میوزیم میرا اس
طرح ہے؟

"اوہ! درراج نے اپنے ہونٹ مسکاتے ہوئے: اگر تم کرامت
شاہ کے بیٹے ہو تو پھر تمہاری حالت اتنی خستہ کیوں ہو
رہی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تم براہ راست اپنی چیزوں
کی دہائی کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے۔ تم مطالبہ کر کے دیکھو
ہو سکتے ہو کہ حکومت تمہاری بات مان جائے۔
"تم بھی ایسی باتیں کہتے ہو جن چیزوں کو حکومت
اپنی قویل میں لے لے وہ واپس کہاں ہوتی ہیں۔ یہ تو
کچھ سرکار مضبوط ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ میرے والد
کی جمع کی ہوئی چیزیں قوی ورڈ قرار دی جا چکی ہیں۔ لہذا
ان کی واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ
تم اب یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ مجھے اس تہ خانے کا علم
کس طرح ہوا ہے۔ میں اس محل کی تعمیر کے وقت تو نہیں
تھا، لیکن والد مرحوم نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ انہوں
نے یہ تہ خانے اس لئے تعمیر کروائے تھے کہ زیادہ قیمتی
چیزیں اس میں رکھی جائیں لیکن یہ ابھی ہوا کہ والد صاحب
نے اس کے راز سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ سوائے میرے
اور ان کارپروں کے اس کا راز کوئی نہیں جانتا اور وہ
کارپور بھی اب مر کھ گئے ہوں گے۔

"ہوں بھو درراج نے ایک گہری سانس لی لیکن تم اپنی
اس گفتگو کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو۔؟
"ایک دو نہیں۔ ہزاروں حکومت کی دستاویزات
تصاویر و تصویب کی شہادتیں۔ یہ سب ثابت کر دیں گی کہ
یہ عمارت میرے والد مرحوم نے تعمیر کروائی تھی۔ اور میں ان
کی کلونی اولاد ہوں۔ والد صاحب کے ساتھ میری کئی تصاویر
ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں لوگ گواہی کیلئے موجود ہیں۔"
مجھے یقین آگیا، درراج نے اپنی گردن ہلاتی لیکن
بھائی! تمہارا یہ نام کیسا ہے۔ برکت میں نے نوٹ کیا کہ
نوابوں کے نام بڑے باعرب ہوا کرتے ہیں۔
برکت ہنس بڑا میرے دوست بھرا نام بھی بہت

با عرب ہے یعنی معظم علی لیکن ہمارے یہاں شتون کے
طرح ہر گز کچھ نام رکھے جاتے ہیں۔ تو یہ برکت میرا شتون
کا نام ہے۔ والدین کا خیال تھا کہ میری پیدائش کے بعد
میرے والد کی جائداد و روز قاریں برکت ہوگی، لیکن
ہوا یہ کہ سب کچھ سرکاری نذر ہو گیا۔ اب اگر تم چاہو تو مجھے
معظم علی بھی کہہ سکتے ہو؟

"نہیں نہیں یہ برکت ہی ٹھیک ہے۔" درراج نے
جلدی سے کہا: میرا خیال ہے کہ اب تم اپنے چہرے سے
یہ نقاب ہٹاؤ۔ دو، ہم دو دنوں ایک دوسرے پر اعتماد
کرنے لگے ہیں۔

"اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے ہٹا دیتا ہوں۔ برکت
نے اپنے چہرے سے نقاب اتار کر ایک طرف پھال دیا
درراج حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ
ایک خوبصورت آدمی تھا۔ اس کی عمر بڑی زیادہ نہیں تھی مگر
وسفیر رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، بھرا واسر و دل جسم وہ
واقعی تو ہی نواب ہی معلوم ہوتا تھا۔ درراج نے محسوس کیا
کہ وہ اس شخص سے مرعوب ہوتا جا رہا ہے۔

"نواب تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟" درراج نے برکت سے
پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ تم نے ان چیزوں کو حاصل کرنے
کے لئے کچھ سوچا ہے یا حکومت ہی کے پاس رہنے
دو گئے۔؟

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ برکت نے اپنی گردن ہلاتی
ان چیزوں پر میرا حق ہے۔ اور یہ میرے پاس آئیں گی میں
اس عمارت کو اختیار کروں گا۔ لیکن یہاں
رکھی ہوئی چیزیں اودھ سے اُدھر کی جا سکتی ہیں۔ اور میں
نے ان کو محفوظ رکھنے کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔
میرا خیال ہے کہ شاید پوری دنیا میں یہ پہلا واقعہ ہو گا
کہ پورے کا پورا میوزیم غائب ہو گیا ہو۔

میرا مطلب۔؟" درراج نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم
اس پوری عمارت کو خالی کر دینا چاہتے ہو۔؟
"ہاں۔ برکت نے جواب دیا: "لیکن آہستہ آہستہ ایک
ساتھ نہیں در نہ ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ
کہ اس پر میرا حق ہے یا نہیں۔؟
"اگر تمہاری کہانی درست ہے تو پھر واقعی یہ سب کچھ
تمہاری ہے۔" درراج نے کہا: لیکن میری دولت کس طرح
واپس آوے گی؟ تو بتاؤ۔
"میں نے جہاں تک اس مجھے سے تمہاری دولت تہرا

کے لئے جانے والا ایک ایسا شخص ہے جسے یہاں کے
مافوق فطرت بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اور میں جانتا
ہوں کہ رات کے وقت کون یہاں آ سکتا ہے۔ چنانچہ
میرے لئے اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل نہیں ہے۔ ویسے اگر
تم کوئی حرج نہ سمجھو تو مجھے یہ بتا دو کہ اس مجھے میں کتنی؟
دولت تھی۔؟

"کہا کرو گے پوچھ کر۔؟
"کچھ نہیں۔ کم از کم اندازہ ہو جائے گا کہ تمہاری بھاگ
دوڑ جائز تھی یا نہیں۔ یہاں صرف ایک معمولی رقم کے لئے
تم نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

"اس کے اندر تقریباً دو کروڑ کا اثاثہ تھا۔" درراج
نے بتایا۔
"کہا۔ برکت ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ کیا تمہارے
ہو۔ دو کروڑ۔؟

"ہاں۔ نقد رقم کے علاوہ سونے کے بیش قیمت
زینوارات اور دوسرے جواہرات بھی تھے۔
"خدا کی ہناہ۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ برکت
اضطراب کے عالم میں بیٹھنے لگا۔ پھر اس نے درراج کو
دیکھا: "کاش اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جانا کہ اس
مجھے کے اندر اتنی دولت چھپی ہوئی ہے تو میں اب تک
اس مجھے ہی کو غائب کر چکا ہوتا۔ لیکن اب۔ اب میں کچھ
نہیں کر سکتا۔ میں ایک اصول پسند آدمی ہوں میں نہیں
چاہتا کہ میں تمہاری دولت کو ختم کر جاؤں۔ اب تم آؤ
میرے ساتھ حور نہ آدمی ہمارے ہاتھ سے لطف جائے
گا۔ اتنی دولت پا کر کوئی ہمارے انتظار میں بیٹھا نہیں
رہ سکتا۔"

درراج نے کچھ چمنے کی کوشش کی، لیکن برکت کے
تور ایسے ہو رہے تھے جیسے وہ کچھ سننے کے موڈ میں
نہیں ہو۔ اس نے ایک طرف گرا ہوا پستول بھی اٹھا کر
اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ وہ بہت ہی ہلکی سی کامیاب ہو
کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دولت دیر ہوئے پر واقعی
درراج کے ہاتھ سے لٹ سکتی تھی۔

برکت اسے ان کی میز پر بٹھلے آیا جہاں وہ ٹیبل
پر بیٹھا تھا۔ جس کو وہ اپنے سے تہر خانے سے باہر جانے کا
راستہ نمودار ہو جاتا تھا۔ درراج اس ہلکی سی نہیں دیکھ سکا
تھا کہ برکت نے ہلوار کے کسی حصے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس پہلے
کی طرح اس بار بھی ایک راستہ نمودار ہو گیا تھا۔ وہ دونوں
اس راستے کے ذریعے ہل میں آ گئے۔ وہ دیوار پہلے کی

طرح اپنی جگہ پر لگئی۔ وہ راستہ غائب ہو چکا تھا۔
 ہاں میں خاموشی تھی کوئی فی فط بھی دکھائی نہیں
 دے رہا تھا۔ برکت نے دراج کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ دونوں
 ہستہ ہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک
 اس سال میں کسی کی آواز گونج اٹھی۔

”خبردار۔ بھاگے کی کوشش مت کرنا تم جہاں پھر ہو
 میں کھڑے رہو۔“

داوری کی آہنی گرفت سے تریانی کی آنکھیں باہر اٹھیں
 زبان لنگ لنگی تھی اس کی سانسیں ٹھٹھکی تھیں۔
 میرا خیال ہے کہ چھوڑ دو اس کو اگر کرشن پرشاد نے
 سے کہا۔

نہیں۔ اس کا مرجانا بہتر ہے۔ یہ ایسا شخص ہے
 جس نے ڈاکٹروں کے نفیس کو پامال کیا ہے۔ اس
 نے ایک خونی بیٹھیرینے کو محفوظ دے کر دے جانے کتنے ہی
 لوگوں کو مر یاد کر دیا ہے۔ یہ بھی اس کا موت سے کم
 سزا یافتہ نہیں ہے۔

”داور ٹھیک کہتا ہے۔“ غمی بھی بول بڑی ایسے ڈھل
 لوگوں کا مرجانا ہی بہتر ہے۔“

داور نے تریانی کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈھکا
 دیا۔ ایک لمحہ تریانی بھڑکنے لگا۔ پھر دوسرے لمحے اس
 کی آنکھیں اور ناک سے خون بہنے لگا۔ اس کی گردن
 ٹوٹ چکی تھی۔ غمی نے اس وقت اپنا چہرہ دوسری طرف
 کر لیا تھا۔

داور نے تریانی کے بے جان جسم کو ایک طرف پھینک
 دیا۔ اور باجھتے جاتا ہوا پھر گیا۔ کچھ دیر پہلے اس کے
 چہرے پر ٹھٹھکی ہوئی دردنگی کے آثار کی موت ختم ہو چکے
 تھے اب وہ پرسکون ہو گیا تھا۔ جیسے طوفان گزر جانے
 کے بعد ساحل پرسکون ہو جاتا ہے۔

”اب ہمیں تمہارے بھائی کے پاس چلنا چاہیے“
 داور نے کرشن پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں
 یہی سلوک اس کے ساتھ کروں تو تمہیں برا تو نہیں
 محسوس ہوگا؟“

”ہرگز نہیں! کرشن پرشاد نے اپنے ہونٹ پیچھے لے
 چاہے وہ میرا بھائی ہو یا کوئی اور۔ ایسے وحشی انسان کا
 جانا ہی بہتر ہے۔“

”تو پھر چلتے ہیں اس کی طرف؟“

”وہ سب جہاں کی لاش وہیں چھوڑ کر چلے۔ ہر دفعتی پہل
 نے دریاؤں کی تھالواری حاتم پر لاسی موت واضح ہوئی تھی اس نے جو
 خوبصورت کین بنایا تھا۔ اسی میں اس کی لاش بڑی ہوئی
 تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے لئے بنائے کیا سوچ رکھا تھا
 وہ ایک طاقتور آدمی تھا۔ معاشرے میں اسے عزت حاصل
 تھی۔ لیکن اسے ایک کمزور اور بے بسی کی موت مل گئی تھی
 موت اور زندگی اسی انداز سے ایک دوسرے کے پہلو
 ہو پہلو چلتے رہتے ہیں۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت
 کس پر موت غالب آجائے۔“

وہ لوگ چلتے ہوئے اس گاڑی تک آگئے جو انہوں
 نے پہاڑی کی دوسری طرف گاڑی کی بجائی تھی اس دوران
 اس طرح خاموشی تھی جیسے بولنا بھول گئی ہو۔
 ”کیا بات ہے؟“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
 پوچھا۔ ”کیا اس کی موت کا منظر تمہارے لئے ناقابل برداشت
 تھا؟“

”ہاں، غمی نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ وہ منظر تو اپنی جگہ
 واقعی وحشت ناک تھا لیکن مجھے ایک اور خیال بھی
 پریشان کر رہا ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“
 ”میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم کیسے آدمی ہو؟ غمی نے
 کہا۔ کبھی تم اتنے وحشی اور دہمخا دکھائی دیتے ہو کہ تمہاری
 طرف دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی تم اتنے مہربان
 اور نرم دل بن جاتے ہو کہ جس کی مثال میں مل سکتی
 غمی نے تم کس مزاج کے؟ غمی نے جواب دیا۔ ”جس طرح
 تم میرے سامنے دو آدمیوں کو ہلاک کیا ہے۔ یعنی گیش
 اور تریانی کو۔ اور ان دونوں کو تم نے اس آسانی سے مار
 ڈالا جسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اتنے خطرناک عمل کے بعد
 تم پھر پرسکون ہو جاتے ہو۔“

”یہ سب میرے حالات نے مجھے سکھایا ہے۔“ داور
 نے جواب دیا۔ ”میں اگر موم بنا رہوں تو زندگی میں شاید
 کچھ بھی نہ کر سکوں۔ یہ یاد رکھو کہ تمہارے ارد گرد بھوکے
 بھیڑیوں کے ڈول منڈلا رہے ہیں۔ وہ تمہیں کھا جانا
 چاہتے ہیں۔ اور ان سے نجات کا ان سے غفور بننے کا
 صرف یہی طریقہ ہے کہ خود ان سے زیادہ خوفناک اور
 اگر ذرا بھی نرمی اختیار کی تو پھر بیٹھے پھاڑ کر رکھ دیں گے
 اسی طرح میں نے اپنی تربیت کی ہے۔ ورنہ اب تک
 غمی نے کب کام چکا ہوتا ہے۔“

غمی نے کچھ نہیں کہا اس دوران وہ لوگ اس
 گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے پہلے کی طرح کرشن پرشاد
 نے ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھل لی جبکہ یہ دونوں کھلی آستہ
 پر بیٹھ گئے کرشن پرشاد اب باکل خاموش تھا۔ وہ اپنے
 جس شبر کو دوڑ کرنے کے لئے یہاں تک آیا تھا وہ وہ
 ہو چکا تھا۔ تریانی کے اقدار کے بعد یہ بات ثابت ہوئی
 تھی کہ اس کا اپنا بھائی ہی کافی موت بنا ہوا تھا۔ شاید
 نے کرشن پرشاد نے چپ سا دھڑکی تھی۔

گاڑی اب اسی ویران راستے پر سفر کر رہی تھی جہاں
 سے یہ پہلے ہوئے تھے۔ اس بار بھی اس مکان سے کچھ
 فاصلے پر گاڑی روک دی گئی کرشن پرشاد نے داور اور
 غمی کو اشارہ کیا اور وہ دونوں بھی گاڑی سے نیچے آ گئے۔
 ابھی وہ لوگ گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑے کہ ایک
 آدمی لکل کر ان کے سامنے آ گیا۔ وہ مسخ تھا۔ اس کے
 ہاتھ میں ایک پستول دبا ہوا تھا۔ لیکن کرشن پرشاد کو
 دیکھتے ہی اس کے تیور بدل گئے۔ اس نے جلدی سے
 اپنا ہاتھ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

”مالک آپ؟“ اس نے گڑبڑا کر پوچھا۔ آپ اس
 وقت کیسے چلے آئے۔“

”کیوں۔ میرے آنے پر کوئی پابندی ہے کیا؟ کرشن
 پرشاد نے اسے گھورا۔

”نہیں تو مرنا۔“ اس نے اپنی گردن جھکا لی۔ میں
 تو بس یوں ہی جھمکا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ تمہیں کھڑے رہو۔ ہم لوگ آگے جا رہے
 ہیں۔ اور یاں۔ جب تک میں نہ کہوں کسی کو اس طرف آنے
 کی اجازت نہیں ہے۔“

بالکل ایسا ہی ہو گا سرکار۔ وہ جلدی سے بولتا۔
 جال جو کوئی پرندہ بھی ہمارے۔“

کرشن پرشاد نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ داور
 غمی بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ رام پرشاد نے اس شخص کو بھی اپنے
 ساتھ ملا لیا ہے۔ یہ کرشن پرشاد نے ان دونوں کی طرف
 دیکھتے ہوئے بتایا۔ پہلے یہ میرا حافظہ تھا۔ پھر میں نے
 رام پرشاد کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے اس کی ہمارا
 مفکر کر دیا تھا لیکن ہرانی بڑی تیزی سے جڑ چڑھ رہی ہے
 اب یہ شخص رام پرشاد کا راز دار معلوم ہونے لگا ہے۔“

”اگر تو اس کا بھی پتہ صاف کر دیا جائے۔“ داور
 نے کہا۔ ”ایسے لوگوں کو زندہ رکھنا حماقت ہے۔“
 ”تم تو بد ہر وقت لڑنے مرنے کی بات کہتے رہتے
 ہو؟ کرشن پرشاد مسکرایا۔ کچھ اس کے علاوہ بھی تو سوچو۔
 ”میرے پاس بس یہی ایک ترکیب ہے جو ہر موقع
 پر استعمال کرتا ہوں۔“ داور ہلکتے ہوئے بولا۔

اس دوران وہ سب اس مکان کے قریب پہنچ
 چکے تھے۔ یہ مکان بھی ایک بڑا بڑا مکان تھا لیکن
 یہ اتنا خوبصورت نہیں تھا۔ جتنا تریانی کا علاقہ تھا۔ وہ جیسے
 جیسے اس مکان کے قریب ہوتے گئے۔ ویسے ویسے اس
 میں زندگی کے آثار واضح ہونے لگے۔ بہت سے لوگ
 چلتے پھرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

”یہاں تو پوری ایک فوج معلوم ہوئی ہے۔“ داور
 نے تبصرہ کیا۔ ”اگر تمہارے بھائی کو پال لیا جاتا ہے۔
 تو اتنے فی فطوں کی کیا ضرورت ہے۔“
 ”یہ میں خود نہیں سمجھ سکا۔“ کرشن پرشاد نے کہا۔ یہ
 لوگ رام پرشاد ہی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

رام پرشاد کے آدمی ان تینوں کو دوسرے آتے ہوئے
 دیکھ کر مکان کے سامنے منع ہونے لگے لیکن جیسے جیسے
 وہ لوگ اس مکان کے قریب ہونے لگے ویسے ویسے
 انہوں نے کرشن پرشاد کو پہچان لیا۔ وہ سب ایک طرف
 ہٹ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔

”کھا کر بی کہاں ہیں۔“ کرشن پرشاد نے ایک آدمی
 سے دریافت کیا۔

”وہ ابھی اپنے گھر گئے ہیں مالک؟“ اس نے جواب
 دیا۔ ”اگر کہیں تو بلا لاؤں؟“

”ہاں بلا کر لے آؤ۔“ کرشن پرشاد نے کہا۔ پھر داوری
 طرف دیکھا۔ ”گھر آؤ نہیں۔“ بھائی کا مکان زیادہ دور نہیں
 اس مکان کے باکل ہی ہے۔“

وہ تینوں پہلے ہوئے اس مکان سے کچھ فاصلے
 پر آ گئے۔ کرشن پرشاد اس وقت کسی سوچ میں ڈوبا ہوا
 معلوم ہو رہا تھا۔

”کیا تمہارا بھائی رام پرشاد مکان میں ہے؟“ داور
 نے پوچھا۔

”ہاں اتنے آدمیوں کی موجودگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ
 وہ اس وقت مکان میں موجود ہے۔“ کرشن پرشاد نے

کہا: "وہی بھی عام طور پر وہ اپنی کارروائی کے لئے رات کو نکلا کرتا ہے۔ سب لوگ گرچہ رام پرشاد کی کے ادنیٰ ہیں لیکن مجھے بھی اسی طرح پہنچتے ہیں۔ اب تم یہ سن کر کہہ دو کہ اس کی دماغی حالت بالکل درست ہے لیکن اسے میرے آنے کی خبر مل چکی ہوگی۔ اس نے جب ہم اس کے پاس پہنچیں گے تو وہ پاگلوں کی طرح اچھل کود کر رہا ہوگا۔" مجھے تو اس کا سامنا کرنے کے خیال سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ مگر نے کہا: "وہ انسان نہیں درندہ ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ وہ واقعی درندہ ہے۔ کاش مجھے اس درندے کے بارے میں پہلے سے علم ہو جاتا۔ خیر لڑکی بھی وقت نہیں گزرا ہے۔"

"یہ ٹھیک کہی گئی ہے۔ ڈاؤرنے بھو جھا۔" یہ بھی بھلائی آدمی ہے۔ کرشن پرشاد نے بتایا میں نے اسے یہاں متعین کر دیا ہے۔ تاکہ وہ رام پرشاد کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ اس کی دوا اور علاج کا خیال رکھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے جیسے سب کے سب اس کے ہاتھوں فروخت ہو چکے ہیں۔ نہ جانے اس نے کون سا جادو کر دیا ہے۔"

"یہ دولت کا جادو ہے۔ راجا صاحب نے ڈاؤرنے کہا ہے جس پر چل جائے۔ اس کی دنیا بدل جاتی ہے۔ تم صرف ان لوگوں کو لازم نہیں دے سکتے۔ میں نے اس جادو کے زور سے چٹان جیسے لوگوں کو موم کی طرح پگھلتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اس دوران ایک بوڑھا لیکن عیاں صورت آدمی ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے کوئی بلی اپنے شکار کو دیکھ رہی ہو۔ راجا کرشن پرشاد کے سامنے آکر اس نے اپنے دو دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ کہا: "کیا حال میں ٹھیک رہی۔" کرشن پرشاد نے دریافت کیا: "بالکل ٹھیک ہوں ہمارا۔" مٹھا کرشن نے اپنے دانت نکال دیئے۔

"بھائی کا کیا حال ہے؟" "ان کا کیا حال ہے؟" مٹھا کرشن نے ایک ٹھہری سانس لی۔ "خود ہی چل کر دیکھ لیں۔ جاہلی میں اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں۔"

"اس مکان میں تیار کر رکھا جاتا ہے۔" کرشن پرشاد

نے ایک خنزیر سی مسکراہٹ سے کہا: "جیسے اس کے فرار ہو جانے کا خوف ہو۔" مٹھا کرشن نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور سب اس مکان میں آگئے۔ دوا کو یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ اس دماغ نے میں بھی ہر قسم کی شہری سہولیات جن کی کمی تھیں۔ اس مکان میں سب کچھ تھا۔ تندرہ، فینچ، وہینے، قانون اور خوبصورت فالوئس۔ اس علاقے میں گرچہ دھور دھرتیک بجلی کے بجائے نہیں تھے لیکن اس مکان میں بجلی کا انتظام تھا۔ شاید اس مکان کو جنرل پٹر کے ذریعے بجلی فراہم کی جاتی تھی۔

وہ لوگ جس کمرے میں داخل ہوئے وہ ایک بل تھا بہت بڑا۔ اس بل کو ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ وہ سب کرشن پرشاد کی معیبت میں اس بل سے گزر کر ایک راہداری میں آگئے۔ جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ سب سے آخر والا کمرہ رام پرشاد کا تھا۔ اس کمرے میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے رام پرشاد کھڑا ہوا تھا۔

دوا اور مٹی اس شخص کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ اتنی بہت اچیز متناہت انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اگر کرشن پرشاد ان کے ساتھ نہیں ہوتا تو دوا اور مٹی کرشن پرشاد کی ہمت، وہی جسم، وہی ہارنگ، وہی لباسی چہرہ وہی بی آنکھیں، سب کچھ ایک ہی جیسا لگتا تھا۔ جیسے کرشن پرشاد آگئے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ہو۔

"دیکھ لیا تم لوگوں نے؟" کرشن پرشاد دوا اور مٹی سے مخاطب ہوا: "ہم دو دونوں بالکل ایک جیسے ہیں نا؟" "نہال ہے؟" مٹی نے ایک ٹھہری سانس لی۔ "میں نے اتنی مشابہت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کو سامنے بیٹھا کر ایک دوسرے کی نقل ادا کر رہی ہو؟"

نے کہا: "اور یہی تمہارا مطلوبہ کالی موت ہے؟" کرشن پرشاد نے کہا: "اسی وقت رام پرشاد نے اچھل کود شروع کر دی وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پوٹ رہا تھا۔ شور مچا رہا تھا۔ دوا اور مٹی کی طرح سلاخوں کو پھیر رہا تھا۔ جیسے اس پر چلک دوڑ رہا ہو۔"

"بند کرو یہ ڈرامہ یا کرشن پرشاد چلا یا؟" ہمیں تہماری حقیقت معلوم ہوئی ہے۔ تم پناہ نہیں ہو۔ بلکہ تم نے

سب کو پناہ بنا رکھا ہے۔" "میں اس کو کھڑی میں کیسے آکر بند ہو گیا؟" دوا اور مٹی کرشن پرشاد سے پوچھا: "اسے کیسے معلوم ہوا کہ تم لوگ اس طرف آ رہے ہیں؟" "مٹی کی بات ہے؟" کرشن پرشاد نے غصے سے کہا: "اس کم سخت نے اپنے آدمیوں کو طاقتور دوڑائیں فراہم کر رکھی ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں دوسرے آتے ہوئے دیکھ لیا ہوا گا۔ اور یہ اطلاع ملتے ہی بے رحم اور مکیرہ شخص اس کو کھڑی میں آکر قید ہو گیا۔"

"اودھ اب بھی؟" دوا نے اپنی گردن ہلائی: "گو یا یہ ہر وقت اداکاری کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔" "قلم ہے۔ اب دیکھو کس طرح اچھل کود رہا ہے۔ خالص طور پر جب میں اس کے سامنے ہوتا ہوں تو اس کو اس طرح کے دور پڑنے لگتے ہیں۔"

"تو کیا خیال ہے۔ اس کے اس ڈرامہ کو ختم کر دیا جا دوا نے پوچھا: "اسے باہر لٹکا لو تا کہ اس کی حقیقت سامنے آ سکے۔"

مٹی اس دوران ایک طرف جا کر کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہیں رام پرشاد پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان لگا ہوں میں غصے کی آگ دہک رہی تھی۔ اس نے بڑی غصت اور مٹی سے اپنے ہونٹوں کو پیچھ کر رکھا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس مکان میں سے اس کے خلاف ہمیں کچھ اور ثبوت بھی مل جائے؟" کرشن پرشاد نے کہا: "تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہی کالی موت ہے۔ ادا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب تک ہمارے پاس صرف چرپائی کا بیان ہے اور وہ بھی مرچکا ہے اس کے علاوہ ہماری پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" "ثبوت تلاش کرنے میں وقت ضائع کرنے کی کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟" دوا اور رام پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "تم مجھے اس کی کوکھڑی میں جانے دو۔ یہ خود ہی اپنے خلاف سارے ثبوت پیش کر دے گا۔ میں نے تو بہت دنوں سے اس کے لئے قسم کھا چکی ہے۔" کرشن پرشاد کچھ تذبذب میں مہلتا ہو گیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو کھڑی میں جانے کی اجازت دے یا نہ دے۔ دوسری طرف رام پرشاد اس کا بھائی تھا۔ وہ شاید اس کے لئے کچھ دن معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دن سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کر لی لیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم چلے جاؤ۔ اس کی کوکھڑی میں لیکن دیکھو: میں یہ وہ کچھ کہتے کہتے کہتے کہ گیا۔" "میں تمہاری کینڈت سمجھ رہا ہوں؟" دوا جلدی سے بولا: "ٹھیک ہے۔ تم سامنے سے ہٹ جانا؟" "نہیں۔ دوا۔ تم صدمت جاؤ؟" اچانک مٹی یوں بڑی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔

"کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ تمہارے دشمن سے تمہارا انتقام لیا جائے؟" دوا نے اس کی طرف دیکھا: "کیا اس شخص کو دیکھ کر تمہاری رگوں میں ہونٹیں کھولنے لگے؟" "کیوں نہیں؟ میں تو خود ہی یہی چاہتی ہوں۔ اگر میرے بس میں ہو تو اس کی بوٹیاں لٹاخ دوں لیکن نہ جانے کیوں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"تم بے فکر ہو۔ میں اس جیسے دس رام پرشاد کو سنبھالنے کے لئے کافی ہوں،" دوا نے کہا: "کرشن پرشاد سے مخاطب ہوا: "چلو تم اس کو کھڑی کو کھول دو۔" کرشن پرشاد نے مٹھا کرشن کو اشارہ کیا۔ مٹھا کرشن ایک طرف چلا گیا۔ جبکہ مٹی نے جینی سے پہلو بدلنے کی کئی دواؤں نے اپنی نگاہیں رام پرشاد پر رکھی تھیں۔ جواہری لکھنؤ کے باوجود ابھی تک پہلے کی طرح اچھل کود رہا تھا۔ اس نے بندروں کی طرح خود کو تھپتی مشرور کر دیا تھا۔

"یہ سلاخیں ایک مٹین کے ذریعے لٹھائی جاتی ہیں؟" کرشن پرشاد نے دوا سے پوچھا: "یہ سلاخیں جیسے ہی کھڑی سی اوپر اٹھیں تو ان درمیان جاتا۔ رام پرشاد کو ہاتھ لپٹنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ اگر ایک بار یہ باہر نکل گیا تو باہر پھوٹے ہوئے اس کے آدمی ہمارے لئے مصیبت کھڑی کر دیں گے؟" مٹی اس کی فکر مت کر دی۔ دوا مسکرا دیا: "یہ کالی موت چاہے کتنی ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔ مجھ سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔"

مٹی نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنے ہونٹوں کو پیچھ کر رہ گئی۔ دوا نے اس کی طرف سے دھیان ہٹا لیا تھا۔ وہ صرف رام پرشاد کو دیکھ جاتا تھا۔ اس دوران ایک بلی سی آواز کے ساتھ وہ سلاخیں دھیرے دھیرے اٹھنے لگیں۔ ایک آنچ۔ دوا کی سلاخوں کے اٹھنے کے ساتھ رام پرشاد کی اچھل کود میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اب اچھا خاصا شور مچا رہا تھا۔ پھر وہ سلاخیں ابھی غامی اور لڑنے لگیں اور دوا کی سی کی سی تیز رفتاری اور ہمارے کے ساتھ

ان مسلمانوں کی اچھی ہوئی دیوالیہ ہوتا ہوا رام پرشادی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔
رام پرشاد بدک کر بچے بہت گیا۔ مسلمانوں کی وہ دیوالیہ دوبارہ گرنے لگیں۔ پھر زمین میں ہیوت ہوئی۔

آج وہ دن تھا جب ان لوگوں کو تہر خانے پر حملہ کرنا تھا۔

آدھا پہلوان اور کلا لے جیج ہی سے اس کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں جبکہ عبدل ان کی تیاریاں دیکھ کر مسکراتے جارہا تھا۔ ان کی تیاریوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان لوگوں نے کسی قلعے پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔ جیج ہی سے کلا کے شاگرد جمع ہوئے شروع ہو گئے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہیں کلا نے پہلوانی اور دیگر لڑائیوں کی تربیت دی تھی۔ اس لڑائی میں بھی وہ لوگ تھے جو منہات اور اس لڑائی میں پھیلنے والی دیگر خواتین سے پاک تھے۔ عبدل کی بھر میں کلا کا گرداگرد بھی نہیں آیا تھا۔ اس نے کلا جیسی عورت آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اتنا متضاد مزاج بھی بہت کم کا ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف تو پہلوانوں کو کشتی کے داؤد سے کھٹا پار کرتی اور دوسری طرف نماز کا وقت ہونے ہی وضو کرنے پہنچ جاتی۔ اس لڑائی میں صرف ایک چھوٹی سی سپر تھی جس کی آواز ان کی آواز سے کلا کے آگے تک ہی آ کر نہ تھیں۔

کلا کے شاگردوں میں ہندو مسلمان سب ہی شامل تھے۔ وہ سب اس کا بے حد احترام کیا کرتے۔ اس کی ہر بات ان کے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ عبدل نے ایسے جان نثار لوگ بھی بہت کم دیکھے تھے۔ جو کلا کے ایک اشارے پر بے لوث خطے سے نبرہ ڈال رہے ہوتے۔ کلا نے چلے آئے تھے۔ ان کی تعداد سات تھی۔ اور وہ سب ہی فدا اور طاقت ور لوگ تھے۔ ان میں سے تین آدمی پوری طرح مسلح تھے جبکہ باقی چار آدمیوں کے پاس خنجر وغیرہ تھے۔ "ابن کو تو ایسا جان بڑتا ہے کلا جیسے تم سالانہ لوگ امریکہ سے واپس گئے جا رہے ہو" عبدل نے ہلستے ہوئے کہا "احتیاط تو بہت ضروری ہے نا آدھا لے جاوے" وہ بہت خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔" خطرناک تو ہیں لیکن اب اتنے بھی نہیں کہ پورا ایک آرمی ان کے واسطے چلا جائے۔ سالانہ آدمی بہت ہے۔

ایک ابن اور ایک کوئی اور یہ دو فوجی کی بات کرتے ہوئے وہ لوگ ہر طرح سے مسلح ہیں۔ ان کے وسائل اور ذرائع بہت ہیں تم لوگ توان کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ پھر بھی ہم نے اپنی طرف سے کسی حد تک انتقام کر لی لیا ہے۔ یہ ہم ایک دو آدمیوں کے بس کی نہیں ہے" کلا نے کہا۔
ابن نے جوابی تہمت کا فائل نہیں سے عبدل کو ملنے ہوئے بولا۔ "ابن کے ہاتھ میں صرف ایک گولی ان کے ہاتھ میں تھی۔ دو۔ پھر تم شاہد کھانا۔ اگر ابن کا استاد دوتا تو وہ سالانہ اس پوری لڑائی کو اچھڑ کر رکھ دیتا۔" کیا تمہارا استاد اتنا ہی بہادر آدمی ہے۔ آدھا لے لے بلوچھا۔

"اب ابن اس کی کیا تعریف کرے۔ بس وہ سالانہ کلا پورا فوج ہے۔ اس کو جہاں بھیج دو۔ وہاں بولا کھڑا کر دے گا۔ ابن کی ماں کو تو صرف آدھا بھائی تم اور کلا ابن کے ساتھ چلو۔ اگر جیاتی آدمی رکھنا ہے تو ایک ایسا آدمی ہو جس کے پاس گاڑی ہو۔ وہ سالانہ اس گاڑی پر بیٹھا رہے۔ ہم لوگ اندر سے تین فنگ کمرے واپس آ جائیں گا" عبدل کی بات سن کر کلا موت میں پڑ گئی۔ پھر شاید عبدل کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ اس نے ان آدمیوں کو منع کر دیا جو اس ہم میں حصہ لینے کے لئے آئے تھے۔ البتہ ان میں سے ایک آدمی گاڑی لائے چلا گیا۔ عبدل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ہم کا مقصد کیا ہے۔ اور اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ اکیلا ہی اس طرف جانا چاہتا تھا لیکن ان دونوں نے اسے روک رکھا تھا۔ ان دونوں نے اپنے طور پر لڑائی میں سلیک کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی تھی اس نے انہیں میلہ کے چیلے سے واقف کر دیا تھا لیکن ان کی تلاش بے سود ہوئی تھی۔ سلیک کو کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔ اور اب وہ لوگ اس مکان کی طرف جانے والے تھے۔ کچھ دیر میں کلا کا شاگرد ایک دین لے کر آگیا اس آدمی کا انتخاب خود عبدل ہی نے کیا تھا۔ اس کا نام بیرم تھا۔ اور وہ پہلوانوں کے ساتھ ساتھ جدید فوجی حرب سے بھی واقف تھا۔ وہ آٹمی ہتھیاروں کے استعمال سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ عبدل کے نقطہ نظر سے اس ہم کے لئے ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔ عبدل اس آدمی کے ساتھ خلیہ لوگ سیٹ کے بلکہ

بیٹھ گیا۔ جبکہ کلا اور آدھا کچھ انشورٹ ہر محقق اس مکان میں آنے کے بعد پہلی بار عبدل کو بار بار لکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس لئے وہ اس بلکہ اس راہ حیرت انگیز کو حیرت سے دیکھ رہا تھا جس میں دنیا بھر کے جرائم پیشہ نہ جانے کہاں کہاں سے آ کر جمع ہو گئے تھے۔

عبدل بیرم کو راستہ بتا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ اس مکان کے سامنے آئے جس کے ایک تہ خانے میں عبدل کو قید رکھا گیا تھا۔ بیرم نے اس مکان کے سامنے ہی گاڑی روک دی تھی۔

"اب ابن کو اس مکان کے اندر جانے کا ہے" عبدل نے کہا بیرم تو صرف آدھا بھائی اور بیرم ابن کے ساتھ چلیں گا۔ جبکہ کلا تم کو ادھر ہی بیٹھ رہنے کا ہے۔"

"وہ کیوں؟ کلا چک اٹھی؟" میں بھی چلوں گی، میں بھی تو دیو کیوں کر یہاں کون لوگ بستے ہیں؟" "ٹھیک ہے۔ تم بھی آ جاؤ۔ سالانہ صاحب شکر آئی گیا ہے تو شکر ہی چلے گا۔ ادراہن سالانہ کلا دال بنا ہوا تمہارے ساتھ ساتھ کھڑے ہو رہا ہے۔ تم سالانہ لوگ جا رہے جہاں بھی چلو بس تم لوگ کو خدا کا حق پیرا کر کام کرنے کا ہے کیا۔ سالانہ کلا کمر پر ابن کی سمجھ میں آ بھی تک نہیں آ رہا ہے؟"

عبدل جڑ پڑتا رہا اور یہ سب اس مکان کی طرف چل پڑے۔ جو اس وقت سننے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس مکان میں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ اس مکان کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

"ابن کو تو کوئی کوئی دیکھنا ہے" عبدل نے کہا۔

"سب سالانہ کلا کمر سے تین فنگ کمرے ہو گیا ہے۔" "کیا خیال ہے اندر چلا جائے؟ آدھا لے بلوچھا۔" "تو ادراہن سالانہ کلا کمر پر بیٹھ جائیں گا کیا؟" اندر چلا گیا۔ اس کے اندر اس کی تصدیق ہوئی تھی۔ اس مکان میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ بلکہ اس مکان خالی بڑا تھا۔ فوجیوں نام کی بھی کوئی چیز اس مکان میں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہر طرف سناٹا۔ عبدل ان لوگوں کو اس کمرے میں لے آیا جہاں تہ خانے کی بیڑھیاں لگیں۔ انہیں یہاں آ کر کچھ حیرت ہی ہوئی تھی۔ تہ خانے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

"اب یہ تہ خانہ ہی دیکھنے کے لئے رو گیا ہے" آدھا نے کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب مکان چھوڑ چکے ہیں۔ "چلو اس میں ہی چل کر دیکھ لیتے ہیں" کلا عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ابن کو تو اس کے اندر بھی کوئی نہیں دیکھتا ہے سب سالانہ کلا کمر پر بیٹھ گیا ہے؟"

"میں نہیں تم مکان کھول تو نہیں گئے؟" کلا نے پوچھا۔ "ہو سکتا ہے وہ کوئی اور مکان ہو؟"

"ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" عبدل نے جواب دیا۔ "ابن سالانہ کلا کمر پر بیٹھ گیا ہے۔ سالانہ اس میں تہ خانہ بھی تو ہے؟"

وہ تینوں تہ خانے میں انڑا گئے۔ باہر سے آتی ہوئی روشنی یہاں کے اندر سے کو در کرنے میں نا کام رہی تھی۔ پھر بھی اس سلیک اندھیرے میں انہیں ایک لاش دکھائی دے گئی۔ یہ اسی بوڑھے کی لاش تھی۔ عبدل نے لاش کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ بوڑھے کو کوئی ماری نہ تھی اس کے سینے میں ایک سوراخ تھا جس سے خون ابل ابل کرا رہا تھا۔

اچانک کلا نے بوڑھے کے چہرے کو دیکھ کر ایک ہلکی سی چیخ ماری اور دیوالیہ لگ کر پھڑکی ہوئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ دکھا اور اذیت کے اثرات تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ اس کے ہونٹ دھڑکے دھڑکے لرز رہے تھے۔

"کیا بات ہے کلا؟" آدھا نے گھر کر بلوچھا۔ "کیا تم اس مرنے والے کو جانتی ہو؟"

"بہت اچھی طرح" کلا بڑبڑائی۔ "یہ میرا ماموں تھا۔"

نذیر احمد
ہمارا حصہ کے لئے ہمارے کہانی بہت حیرت انگیز تھی۔ اس سادھو کے مرنے کے بعد ہمارے ایک چھوٹی سی میں رہائش اختیار کر گئی تھی اور ہمارا اور اس کے ساتھ لے پناہ طاقت اور وسائل رکھنے کے باوجود یہاں تک نہیں آئے تھے کیونکہ سادھو اور ہمارا رک کے درمیان ایک معاہدہ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب معاہدہ تھا اور یہ کہانی بھی بہت عجیب تھی۔ اس دور میں بھی سب کچھ ہوتا تھا۔ اس جگہ انہیں دونوں انتہائی دیکھنے کو ملی تھیں۔ ایک طرف قلعہ بنا سانسٹی ترقیاں۔ اور

دوسری طرف ایسا تو تم :-
 ”کیا ہم اسے لئے یہاں سے لڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟ ہمارا جانے بلو چھا۔“
 ”بہت مشکل ہے۔ ہمارے جواب دیا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو سب سے پہلے میں خود یہاں سے فرار ہو چکا ہوتا۔ ہم صرف اسی جنگ کی حد تک محفوظ ہیں۔ اس سے باہر جانے کے بعد ہمارے لئے کوئی ضمانت بھی نہیں دی جاسکتی۔“
 ”تو اس کا مطلب یہ ہو کہ میں اب اسی جنگ میں قید ہو کر رہ جاؤں؟ ہمارا جانے بے چہر ہو کر بلو چھا۔“
 ”جب تک یہاں سے لڑنے کا کوئی راستہ نہیں مل جاتا مجبوری سے ہمارے جواب دیا۔ لیکن مجھے اپنی حالت سے زیادہ آپ کی حالت دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔ میرا کیا ہے۔ میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں جس کی کوئی خاص حقیقت نہیں ہے۔ لیکن آپ ایک بہت بڑے آدمی ہیں۔ بلو معاشرہ آپ سے واقف ہے۔ لوگ آپ کے ارد گرد رہتے ہیں۔ آپ بے پناہ دولت و وسائل اور اختیار کے مالک ہیں۔ ان سب کے ہوتے ہوئے آپ کی ایسی حالت ہو رہی ہے۔ مجھے اسی بات کا دکھ ہے۔“
 ہمارا جگہ کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ انہوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل سکی تھی۔
 ”آخر ہمارا ہو گا کیا؟ ہمارا جانے بلو چھا کچھ تو بڑے چلے نہیں کرنا سکا ہے۔“
 ”میں نے کہا تھا کہ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ویسے میں ان کی کوئی کمزوری تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسے ہی کوئی کمزوری پائے گا میں اسے ساتھ ساتھ آپ کو بھی یہاں سے نکال لے گا۔ لیکن اس سے پہلے نہیں اور خطرات کا سامن کرنا پڑے گا۔“
 ”وہ کیسے خطرات۔ تم نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ اس جنگ میں ہماری تلاش کے لئے کوئی نہیں آسکتا۔“
 ”میں نے یہ غلط نہیں بتایا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی دھیان میں رکھیں کہ باہر والوں کو ابھی یہ نہیں معلوم کہ یہاں مقیم سادھو کا انتقال ہو گیا ہے۔ اگر کوئی بندہ مر گیا اور اس کی قبر مار کم کے لئے آخری رومانات وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تو وہ لوگ اسی جھوپڑی کی طرف رخ کریں گے ظاہر ہے کہ اس وقت سادھو تو ہو گا نہیں۔ اسی لئے انہیں یہ

معلوم ہو جائے گا اور اس علم کے ساتھ ہی وہ معاہدہ ہو سادھو اور ہمارے درمیان طے پایا تھا ختم ہو جائے گا۔ پھر ان لوگوں کو یہاں حملہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔“
 ”اوتھوکان؟ ہمارا جس کے بدن پر مرزہ طاری ہو گیا ہے؟ تو بہت ہی خطرناک بات ہے۔“
 ”خطرناک تو ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے ہمیں کون سی تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔“
 ”تو پھر کچھ سوچو نا؟ ہمارا جگہ جلدی سے بولے۔ کسی کو مرتے ہوئے کون سی دہر گئی ہے؟“
 ”کاش! میں ان خطرناک لوگوں کے لئے کچھ کر سکتا۔“
 ہمارا جھوپڑی میں بیٹھنے لگا۔ اس کی کیفیت سے اس کی ہمیشہ کی اور ذہنی الجھن کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ”لیکن افسوس کہ میرے پاس وسائل نہیں ہیں۔ دولت نہیں ہے۔ اگر سب کچھ ہوتو میں ہمارے ہی ہائی پلٹ کر رکھ دیتا۔“
 ”کیوں؟ تم اس کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ ہمارا جانے چوٹ کر رہ چھا۔“
 ”میں اس دولت سے یہاں کے سرکردہ مقامی لوگوں کو خریدنے کی کوشش کرتا۔ ہمارے بتا یا آپ خود چاہیں کہ ہمارے لئے ان لوگوں کو کس بنیاد پر ملک اور قوم سے غارتگری پر گام کیا ہو گا۔ اس کی بنیاد وہی دولت ہو سکتی ہے نا تو کیا ہم زیادہ دولت دے کر ان لوگوں کو اپنے لئے خریدنا نہیں سکتے؟ یہ بات تو ہے؟ ہمارا جانے اپنی گردن ہلائی؟ چوٹیں اس کام میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ میرے پاس بے شمار دولت ہے۔ میں اپنی دولت کے ذریعے کل شخص کو بریاد کرنے کے ذرائع خرید سکتا ہوں۔ بشرطیکہ مجھے یہاں سے جانے کا موقع مل جائے۔ کیونکہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ یہاں تو نہیں آسکتا نا؟“
 ”دولت تو یہاں لانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی بھٹک دکھا کر اور وعدے کر کے لوگوں کو خریدنے کی فریاد ہے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہیں تو پھر آج ہی سے میں اس ہم کی ابتداء کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ چھوٹا آدمی تک حملہ سے محفوظ ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی اگر ہماری طرف آجائے تو پھر ایک زنجیر بن سکتی ہے۔“
 ”تو پھر کیا طریقہ ہے تمہارے ذہن میں۔“
 ”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دوں۔ ہمارا سادھو اپنا بس مجھے اس

بات کا یقین ہو گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ اور میری پشت مضبوط ہوئی ہے۔“
 ہمارا جگہ لڑی جڑ سے کھڑے ہو کر گڑی کے پاس آگئے۔ پھر اچانک وہ تیزی سے ہرام کی طرف بڑھے اور گڑی کوئی آواز میں بولے۔
 ”وہ بہت سے لوگ؟“
 ”کہا، ہرام بھی پریشان ہو گیا تھا۔ کیا کہہ رہے ہیں۔؟“
 ”ماں بہت سے لوگ اس طرف چلے آ رہے ہیں۔ شاید غلطی کوئی مر گیا ہے۔“
 ”مومن کے اس اعتقاد نے مومن کو جہان کر دیا۔ یہ ایک ایسی خطرناک بات تھی جو سچ معلوم ہوتی تھی۔ اگر ایسا تھا تو پھر ان کی یہ جہان نام ہوئی تھی۔ مندر میں ہلوی کی حفاظت کے لئے کئی کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ اس بات نے اس شے کو اور تقویت دے دی تھی۔“
 اچانک ہڑبیری ان دونوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اس کی حیرانہ آنکھوں میں اس وقت چمک اور شدت پیدا ہوئی تھی۔
 ”جو تم دونوں اصلی دہلی کا دیکر گرو۔ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“
 وہ دونوں اس کے قریب آتے ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ بھاری نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ یہ بات ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔
 ”کہاں چلیں ہمارا جگہ؟ مومن نے بلو چھا۔ دہلی جی کا دیکر تو ہم کہہ رہے ہیں۔ وہ سامنے ہیں تو؟“
 ”نہیں۔ بھاری کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آگئی۔“
 ”تو اصل دہلی کی پھانسیا ہے۔ اصل دہلی تو ہمیں اور ہے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔“
 بھاری نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں نے معنی خیز لگا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس بھاری کے ساتھ ہوتے۔ وہ بھاری انہیں اس ہال کے برابر والے ایک ایسے کمرے میں لے آیا جہاں دیواروں کے ساتھ اسکرین بنے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں آتے ہی اس اسکرین پر درخت سے نمودار ہونے لگے۔ پھر ان دھتوں نے ایک دوسرے سے متصل ہو کر واضح شکلیں اختیار کر لیں۔ وہ ان کی جیبوں میں بھی ہوئی چیزیں نکلیں جو اسکرین پر واضح ہوئی تھیں۔ یہ تلاش کا بہت ہی جدید

سسٹم تھا۔
 وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس مندر میں ایسے ایسی اشیاء مانت ہو گئے۔ اس کمرے کا ایک دروازہ دوسری طرف کھنکھاتا ہوئی ان دونوں کو اپنے ساتھ اس دروازے سے باہر لے آیا۔ ایک راہداری تھی۔ بڑی طویل سی جس کی چھت بہت اونچی تھی اور چھت کو سہارا دینے کے لیے ستون بنے ہوئے تھے ہر ستون میں ایک خود کار کمرہ نصب تھا جس کی آنکھیں اس راہداری میں آنے والوں کو دیکھ لیتی تھیں۔ ان کمروں کے بارے میں کسی نے انہیں بتایا نہیں تھا۔ لیکن کمرے کے دروازے سے نکلنے ہی انہیں کچھوں کا احساس ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہر ستون کے پاس ایک غیر ملکی مسلحہ ہی حافظہ رکھتا تھا۔
 ”یہاں ہر ایک کی تلاشی لی جاتی ہے۔ یہ بھاری نے ان دونوں کو بتایا اور خود دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک کون کے پاس آگیا۔ وہاں کھڑے ہوئے حافظے بھاری کی تلاشی لیتے ہوئے اپنی گردن ہلا دی۔“
 ان دونوں کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا تھا۔ وہاں چار ستون تھے اور ہر ستون کے پاس ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ وہ ان مرحلوں سے گزر کر ایک اور کمرے میں داخل ہو گئے اور اس کمرے میں وہ بیٹریاں نکلیں جو پچھلے پتہ خانے میں جاری تھیں۔
 بھاری اشلوک بڑھتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔ بارہ بیٹریاں اترنے کے بعد وہ ایک بڑے سے ہال میں آگئے۔ اس ہال میں روشنی کا بہت معقول انتظام تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہوائی آمد و رفت کے لئے منصوبہ انتظام کیا گیا ہو۔ ہوائی قسم کی بھی ٹھن مونس نہیں ہو رہی تھی اس کے برعکس یہاں ایک خوشگوار سی ٹھنڈک تھی ہال میں خود وغیرہ کی مخصوص خوشبو پکرائی ہو رہی تھی۔ اس ہال کے وسط میں ایک چوڑا ہوا اس چوڑے پر کالی دہلی کی وہ عظیم الشان مورتی رکھی تھی جس کے لئے یہ سارا کچھ کیا گیا تھا۔ وہ ہندوستان میں پائی جانے والی کالی دہلی کی مورتیوں سے بہت فخرانی تھی۔ بلکہ وہ ایک خوبصورت عورت کا بت تھا۔ جس کی آنکھیں بہت چمکدار تھیں۔
 وہ سب اس چوڑے کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے ان کی نگاہیں اس مجسمے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس کی

دونوں آنکھوں میں لگے ہوئے میرے واقفی اتنے روشن تھے کہ روشنی ہی نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”ہماری دہلوی کا یہ جتہ بہت قدیم ہے یہ بھاری نے بنایا۔ اور اس جتے کی طرح اس کی آنکھیں قدیم ہیں۔ یہ ایسے ہیہے ہیں جیسے ہرے اب زمین کی کوکھ سے نکلے بند ہوئے ہیں۔ ان کی قیمت چلے سیکھ چکی ہو ان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہیہے اس بستی کی تقدیر ہیں۔ یہ اس بستی کے حوالوں کی قیمت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ ہیہے جس سردار کے دور میں اس موری کی آنکھوں میں موجود ہیں گئے اس دور کے سردار کو کچھ بھی نہیں ہوگا اس بستی کے رہنے والے اس سردار کے خلاف کچھ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن جس دن یہیہے پوری ہوئے گئے ان اس سردار پر آفت آجائے گی۔ لوگ اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ پھر حکمرانی اس کے حصے میں آئے گی جو ان ہیروں کو واپس لے کر آئے گا۔ چاہے اس کا تعلق اسی بستی سے ہو یا وہ نہیں اور نہ ہو۔“

”ہمارا ج تو زمین میں کسہراں کے لوگوں کو بریکے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہیہے ابھی تک محفوظ ہیں۔ تو بنے بلوچا۔ میرا مطلب ہے کہ دہلوی کی حفاظت تو اتنے زبردست طریقے پر ہی جاتی ہے پھر عوام کا دیکھ کر کس طرح کرتی ہے۔“

”تم نے دیکھا ہوگا کہ اس تہ خانے کے اوپر والے ہال میں بھی اسی قسم کی ایک مورتی موجود ہے۔“ بھاری نے کہا۔ جس کی آنکھوں میں اس قسم کے ہیہے لگے ہوئے ہیں۔ وہ ہیہے نکلتی ہیں لیکن انہیں اتنی کارہی سے تیار کیا گیا ہے کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر اندازہ نہیں کر سکتا۔ تو عام فوٹوں کو اسی مورتی کا ورژن کر لیا جاتا ہے۔ عام لوگوں سے مراد ہے اس بستی سے باہر کے عام لوگ جبکہ اس بستی کے لوگوں کے لئے اسی مورتی کا ورژن ہوتا ہے لیکن ہم ایک وقت میں پوری بستی کو اندر نہیں بلاتے بلکہ صرف باغ آدمیوں کو اندر بلایا جاتا ہے۔ یہ باغ آدمی کے فوٹوں میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی آدھی ہوتی ہے بستی ہی والے ان کا انتخاب کرتے ہیں اسی لئے جب وہ باغ آدمی اس مورتی کو دیکھ جاتے ہیں تو پوری بستی مطمئن ہو جاتی ہے۔“

”ہوں۔“ سوہن نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ قیمت

ایچا طریقہ ہے ہمارا۔“

”ایک بات بلوچوں ہمارا ج۔“ موہن نے بھاری کی طرف دیکھا۔ ”اگر آپ ہمارے نمائندے ہو۔“

”یاں۔ یاں بلوچوں کی بات ہے۔“

”اتنی بلوچوں کی کس لئے آپ لوگوں نے ان چند ہلکیسیوں کو کیوں کھرا کر رکھا ہے۔ تمہیں اس بستی سے حفاظت نہیں مل سکتے تھے۔“

”موہن کے اس سوال پر بھاری جڑ جڑ کر رہ گیا تھا۔ اس نے کچھ بتانے کے لئے اپنے ہونٹ کھولے پھر سختی سے بھونکے۔ موہن نے اس کی نمکناش محسوس کر لی تھی۔ اتنی لمبے اس نے جلدی سے موضوع بدل کر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اس مورتی کی قدامت اور اس کے کاریگروں کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ بھاری نے بھی جواب دینے شروع کر دیئے کچھ دیر کی گفتگو کے بعد موہن اور سوہن نے بھاری سے چلنے کی اجازت طلب کی اور وہ لوگ اسی راستے سے ہوتے ہوئے مندر سے باہر نکلے۔

”اب کیا خیال ہے تمہارا۔“ سوہن نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا ان ہیروں کو چھپایا جاسکتا ہے۔“

”بہت مشکل ہے۔“ موہن نے ابھی گردن ہلائی۔ ”ان کی حفاظت کے لئے بہت ہی زبردست انتظامات کئے گئے ہیں۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چاہے قلعہ کن ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ اس میں کوئی نا کوئی کمزور گوشہ ضرور ہوتا ہے۔ جہاں سے دشمن اندر جاسکتے ہیں۔ اسی وہ کمزور پہلو ملنے نہیں آسکا ہے۔ لیکن کوئی نہ کوئی ہوگا ضرور۔ اور ہمیں اسی کمزور پہلو کو تلاش کرنا ہے جلد یا بدیر وہ پہلو بھی ہمارے سامنے آئی جائے گا۔“

”ان غیر مسلکیوں کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔“ سوہن نے پوچھا۔ ”اتنے فلاح مند میں حفاظت کے لئے غیر مسلکی کیوں مقرر کئے گئے ہیں۔“

”مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اس بھونٹی بستی میں عامی سازشیں ہر وہاں چھڑ رہی ہیں۔“ موہن نے کہا۔ لیکن ہمیں ان سازشوں کے چکر میں نہیں پڑنا ہے۔ ہمیں تو اپنا کام انجام دینا ہے اور یہاں سے روانہ ہو جانا ہے۔“

”وہی تو بلوچ رہا ہوں کہ تم نے کیا سوچا ہے۔“ سوہن

چڑکر بولا۔ اس بار یہ کام آسان نہیں معلوم ہوتا۔“

”بہت آسان ہے۔“ سوہن نے کہا۔ ”ہم آج اس بستی کے سردار سے ملاقات کریں گے۔“

”اس سے کیا فائدہ ہوگا۔“

”یہ تم دیکھتے رہنا کہ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم ہیہے مانتے ہو اور ہم دونوں کا تعلق ہندوستان کی ایک خفیہ ایجنسی سے ہے۔ تم نے روایا اور سوچا کے بارے میں تو سن ہی لیا ہے۔ ہماری ایجنسی ہندوستان کے کام کرتی ہے۔ یعنی ہم دونوں جو کچھ کرتے ہیں وہ انہیں سچ سچ بتا دیں گے۔“

”جھگڑا جانے تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں رہا ہے۔“

”ہر تر ہے کہ تم اپنے ذہن ہندوستان دو۔ صرف یہ سوچو کہ سردار سے ملاقات کس طرح کی جاسکتی ہے۔“

”اس میں کون سی مشکل ہے۔ چلو ہم یہیں سے سردار کے پاس چلتے ہیں۔“ سوہن نے کہا۔

”انہوں نے صرف ایک آدمی سے سردار کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ وہ کوئی نیپالی ہی معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے گہری لگا ہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ وہ دونوں اس کا اشارہ یاد کر کے اسی راستے پر ہونے لگے۔ کچھ دور چلنے کے بعد بستی کی ایک منزلہ عمارتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب وہ جس علاقے سے گزر رہے تھے وہ صاف ستھرا علاقہ تھا۔ اور یہاں خوبصورت مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان کے لئے یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے ویسے ویسے غیر مسلکیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی اور ملک میں پہنچ گئے ہوں۔ بالآخر انہیں ایک گیٹ پر آگے بڑھنے سے روک دیا گیا۔

یہاں ایک گارڈ راتروں والی باؤنڈری بنی ہوئی تھی جو بہت دور تک چلی گئی تھی۔ اس باؤنڈری میں محفوظ فاصلے سے ٹاور بنائے گئے تھے جن پر سطح سنتری تعینات تھے۔ گیٹ پر بھی ایک کیمین بنا ہوا تھا جس میں سطح کی حفاظت تھی۔ گیٹ سے ایک راستہ اندر کی طرف چلا گیا تھا جس کے اختتام پر دو منزلہ خوبصورت سی عمارت تھی۔

”کہاں جانا ہے تم لوگوں کو؟“ روکنے والے ایک فلاح

نے ان دونوں سے پوچھا۔

”ہمیں سردار کو دندلا سے ملنا ہے۔“ موہن نے جواب دیا۔ ”ہم ان سے ملنے کے لئے بہت دور سے آئے ہیں۔“

”کیا کام ہے سردار کو دندلا سے۔“ دوسرے نے سوال کیا۔

”وہ کام تم کو نہیں بتایا جاسکتا۔“ ان کا ایک ذاتی کام ہے۔ وہ ہمیں نہیں جانتے لیکن ہم ان کی ہی وجہ سے یہاں تک آئے ہیں۔ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔“

”تمہیں سردار سے ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔“

”یہ فلاح درشت لگے ہیں۔ بولا۔“

”وہ کچھ بھائی اور سردار سے ملنے دور۔ اسی میں ہنری ہے۔“ موہن نے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا تعلق ہندوستان کے ایک بہت بڑے اخبار سے ہے، ہم چار آدمی بھی اس سے یہاں آئے ہیں۔ دو آدمی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہمارے فون کا انتظار کر رہے ہیں، تم خود موجود ہو۔ یہ بستی بڑی بات ہوگی کہ ہندوستان کے سب سے بڑے اخبار میں ہر خبر شائع ہوگی کہ تیارگی کے سردار سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔“

”ہمیں وہم کیا دینے کی ضرورت نہیں ہے کچھ؟“

”یہ فلاح ہو کر بولا۔ تمہارے پاس کیا بوت ہے تم کسی اخبار کے نمائندے ہو؟“

”تم اگر چاہو تو میرا کارڈ دیکھ سکتے ہو۔“ موہن نے ابھی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔ وہ ہندوستان کا ایک جعلی کارڈ تھا جس میں ٹی ٹو کا نام درخشاں تھا۔ لکھا تھا۔

”اب تو یقیناً کہہ ہوگا کہ تمہیں بلوچا چاہا۔“

”مردار سے بول دو۔“

”فرض کر دو اگر تم تمہیں یہاں سے واپس نہ جانے دیں تو یہ فلاح لے پوچھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک سردار سے ملنے کی ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے کہ تم تمہیں واپس نہ جانے کی دھمکی دے رہے ہو۔ ہم تو ان کے فوٹوں کے فوٹوں کے سردار سے ملاقات کی ہیں۔ ان کے انٹرویو لئے ہیں۔ لیکن کسی سے بھی ملاقات کی خواہش کرنے پر ہم سے ایسی بات نہیں کہی گئی۔ اب اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو تو یہ سن لو کہ ہم نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہہ دیا ہے

کہ اگر ہم مقررہ وقت تک واپس نہیں آئے تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔ اور اخبار میں یہ خبر شائع کر دیں کہ ہندوستان کا گورنر دو دنوں کے اندر سے رتھ لڑائی کے سردار سے ملنے گئے تھے لیکن واپس نہیں لوٹے۔ اس وقت سوچو تھماری کیا بول رہی تھی؟

سو تو کو توہن کی اس بے باکی پر حیرت ہونے لگی تھی۔ اس نے بڑی بے خوفی سے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ دونوں ہی فطرتاً سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

”تم واقعی بہت چالاک آدمی ہو، میلے والے نے کہا۔“

”ہم سردار سے تمہاری عملی ملاقات کا بندوبست کروا دیتے ہیں۔“

اس کو کھڑکی کی سلاخیں فرش سے بھوست ہو گئیں اور داور رام ہرشاد کے ساتھ اس کو کھڑکی میں قید ہو گیا۔ جبکہ کرن ہرشاد کھڑکی اور قیدی باہر کھڑے رہے تھے۔

نئی کی حالت اس وقت بہت خیر ہو رہی تھی۔ وہ داور کو روک لینا چاہتی تھی لیکن روک نہیں سکی تھی۔

داور نے رام ہرشاد کی طرف زنگ لگائی۔ وہ اب اپنے ایک کمرے کے روبرو پہنچ چکا تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شخص سے زندگی اور موت کی جنگ لڑے گا۔ آخر وہ تم۔ اس کے دل میں اس منکر وہ مکار شخص کے لئے رنج کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

”داور! کرن ہرشاد نے اچانک اسے مخاطب کیا۔ میں نے تمہارے گھر پر تمہیں کالی موت کے تجھے میں پہنچا دیا ہے۔ اب یہ شخص تمہارے رحم و کرم پر ہے۔ میں تمہاری اس لڑائی کو لے کر دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔ جو سکتا ہے کہ یہ اس کو کھڑکی میں ہونے والی جنگ برداشت نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ“

”اس کے علاوہ شاید تم بھی اپنے بھائی کو بڑے حال میں نہیں دیکھ سکو۔ داور مسکرایا۔“

”نئی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جب اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا میں تمہیں آواز دے دوں گا۔“

”نہیں میں نہیں جاؤں گی۔“

”تم نے موت منو لی۔“

”جاؤ! داور دباؤ تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اس وقت میرے سامنے رہو۔ جاؤ۔“

نئی نے عجیب بے چارگی سے داور کی طرف دیکھا

اور اپنی گردن جھکا لی۔ کرن ہرشاد نے بڑے مشتاقانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ ایک طرف لے گیا۔ کھڑکی ان کے ساتھ ہی گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد اب وہاں صرف داور اور رام ہرشاد کے سوا کوئی بھی نہیں رہ گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں رام ہرشاد! داور نے اپنے ہونٹ میکرے۔“ تم باطل نہیں ہو۔ بلکہ پاگل بنے ہوئے ہو۔ اور میں تمہاری عقل واپس لانے کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم نے جو کچھ کہا ہے اب تمہیں اس کی سزا برداشت کرنی ہوگی۔“

”پاگل میں نہیں بلکہ تم ہو! رام ہرشاد نے کہا۔“ کیا تم بھی اس مکار کے دھوکے میں آ گئے۔“

”یہ ہوتی بات! داور کے ہونٹوں پر ایک طنز پر سی مسکراہٹ آئی۔“ تو تم نے پاگل پن کا پتہ لہجہ کیا۔ اچھا ہوا تم خود ہی ہوش میں آ گئے۔ ورنہ تم کو کس مار مار کر نہیں ہونٹ میں لے آتا۔“

”جھکوان کے لئے تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔“

رام ہرشاد جلدی سے بولا۔ میں واقعی باطل نہیں ہوں لیکن تم مجھے جو کچھ کہتے ہو۔ میں وہ نہیں ہوں۔“

”تو پھر تم کون ہو۔“ داور کے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

”میں صرف رام ہرشاد ہوں۔ حالات کا ستابا ہوا ایک ایسا انسان۔ جسے اس کے اپنے بھائی نے تباہ کر دیا ہے۔“

”جو اس منت کرو۔ داور نے آگے بڑھ کر ایک زوردار گونہ اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔“

اس ضرب کی شدت سے رام ہرشاد لکھڑکٹا ہوا پیچھے ہٹا اور کھڑکی کی دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے اور ان سے خون نکلنے لگا تھا۔ داور نے اچھل کر اس کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے کھڑکی کے وسط میں لے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ کالی موت سے اس کا گروا بہت دشمنی خیز ثابت ہو گا لیکن وہ بہت ہی لودا اور کڑور ثابت ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں میں کوئی جان ہی نہ ہو۔ اس نے داور کی جھلک بٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

”کالی موت! داور نے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ بزدل تم مقابلہ کیوں نہیں کرتا۔“

”میں تمہارا مقابلہ نہیں کروں گا۔ رام ہرشاد اپنے

ہونٹوں کیونکہ تمہیں بہت زبردست دھوکے میں رکھا تھا ہے۔ میں کالی موت نہیں ہوں۔“

”بھئی! داور منہ بٹا کر موت کو سامنے دیکھ کر نہ لے اپنی اصلیت بھی ترک کر دی۔“

”تم چاہے مجھے جان سے مار ڈالو لیکن یہ حقیقت ہے۔ رام ہرشاد بولا۔ میں کالی موت نہیں ہوں۔“

”تو پھر کون ہے کالی موت!۔“

”وہی جو تمہیں دھوکے سے اس کو کھڑکی میں بند کر گیا ہے۔ رام ہرشاد نے کہا۔“ وہی کالی موت ہے۔“

”کیا کو اس ہے۔ داور اس کا گریبان چھو کر دیکھتا ہٹ گیا۔“

”یہ تو اس نہیں حقیقت ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو پھر تم اس کو کھڑکی سے باہر نکل کر دکھا دو۔“

داور کے ذہن پر ایک چھناک سا ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور سلاخوں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے زور زور سے سلاخوں کو ہلاتے ہوئے آوازیں دی شروع کر دیں۔ وہ چیخ چیخ کر کرن ہرشاد کو پکار رہا تھا۔ لیکن جواب میں سوائے خاموشی کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس ویران مکان میں اب کوئی بھی نہ ہو۔

پھر اس نے ایک چیخ سی۔ یہ چیخ دوسرے آتی تھی لیکن داور نے پہچان لیا تھا۔ وہ قیدی کی چیخ تھی۔ بڑی واضح اور بے لیں سی چیخ۔ جیسے اس پر تشدد ہو رہا ہو۔ بالے اس کی مرضی کے خلاف اٹھا کر کسی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

غصے کی شدت سے داور کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے سلاخوں کو چھوڑ ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ سلاخوں کی منبھوٹی کے ساتھ فرش میں گڑی ہوئی تھیں۔ کان میں ہلکی سی جنبش بھی پیدا نہیں ہوئی۔

”بے کار سے دوست! رام ہرشاد نے آگے بڑھ کر داور کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں خود ایک عرصے سے ان سلاخوں کو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”میں اس شخص کے منہ کے رکھ دوں گا۔“

داور بڑبڑایا۔ اس نے دھوکے سے مجھ پر قہر بھرا دیا ہے۔“

”وہ سب کے ساتھ یہی کہتا ہے۔“ رام ہرشاد بولا۔ اب تم اپنے آپ کو نارسل کرو۔ اور میری بات سنو۔“

”کیا کھانا چاہتے ہو۔“

”تم کون ہو اور تم اس کے دھوکے میں کس طرح آ گئے۔“

”تم مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہو۔ بہت دھوکے دیے بعد کسی سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ میرے لئے تو مولے ان آہنی سلاخوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ کس طرح مجھے کھڑکی بہت غذا دے دی جاتی ہے۔ اس طرح میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اتنے مصائب کے بعد مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔“

”لیکن تم کون ہو! داور نے بول چھا۔“ تمہیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔“

”ابھی ان مافیائے کرنے کے لئے۔ رام ہرشاد نے جواب دیا۔“ یہ دولت بہت ظالم اور بے وفا چیز ہوا کرتی ہے۔ یہ آنکھوں کے آگے پیشیانہ ہوتی ہے۔ اور ان پیشیوں کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی حال کرن ہرشاد کا ہے۔ ہم دونوں سنے بھائی ہیں۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد اس کے علاوہ ہم دونوں جڑواں بھی ہیں۔ ہماری صورت شکل بھی ایک جیسی ہے لیکن صورت شکل ایک ہونے کے باوجود ہمارے مزاج اور ہمارے کردار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تجھے ہماری بناوٹ میں کہاں پر اتنا مطمئن کیا ہے کہ ہم غنائی نظریات کے ہونگے ہیں۔ اس کے نزدیک دھوکہ ظلم و تشدد اس سب کچھ سے ہے۔ جبکہ میرے نزدیک زندگی روشن اور پاک اصولوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ وہ میرا قلم اور تشدد ہے اور میں سربراہم۔“

”میر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے کھڑے کروں۔ داور نے کہا۔“ میں اس دوران اتنے دھوکے کھا چکا ہوں کہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔“

”کیا کھانا چاہتے ہو۔“

”تم کون ہو اور تم اس کے دھوکے میں کس طرح آ گئے۔“

”تم مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہو۔ بہت دھوکے دیے بعد کسی سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ میرے لئے تو مولے ان آہنی سلاخوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ کس طرح مجھے کھڑکی بہت غذا دے دی جاتی ہے۔ اس طرح میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اتنے مصائب کے بعد مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔“

”لیکن تم کون ہو! داور نے بول چھا۔“ تمہیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔“

”ابھی ان مافیائے کرنے کے لئے۔ رام ہرشاد نے جواب دیا۔“ یہ دولت بہت ظالم اور بے وفا چیز ہوا کرتی ہے۔ یہ آنکھوں کے آگے پیشیانہ ہوتی ہے۔ اور ان پیشیوں کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی حال کرن ہرشاد کا ہے۔ ہم دونوں سنے بھائی ہیں۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد اس کے علاوہ ہم دونوں جڑواں بھی ہیں۔ ہماری صورت شکل بھی ایک جیسی ہے لیکن صورت شکل ایک ہونے کے باوجود ہمارے مزاج اور ہمارے کردار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تجھے ہماری بناوٹ میں کہاں پر اتنا مطمئن کیا ہے کہ ہم غنائی نظریات کے ہونگے ہیں۔ اس کے نزدیک دھوکہ ظلم و تشدد اس سب کچھ سے ہے۔ جبکہ میرے نزدیک زندگی روشن اور پاک اصولوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ وہ میرا قلم اور تشدد ہے اور میں سربراہم۔“

”میر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے کھڑے کروں۔ داور نے کہا۔“ میں اس دوران اتنے دھوکے کھا چکا ہوں کہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔“

”تم مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہو۔ بہت دھوکے دیے بعد کسی سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ میرے لئے تو مولے ان آہنی سلاخوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ کس طرح مجھے کھڑکی بہت غذا دے دی جاتی ہے۔ اس طرح میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اتنے مصائب کے بعد مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔“

”لیکن تم کون ہو! داور نے بول چھا۔“ تمہیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔“

”ابھی ان مافیائے کرنے کے لئے۔ رام ہرشاد نے جواب دیا۔“ یہ دولت بہت ظالم اور بے وفا چیز ہوا کرتی ہے۔ یہ آنکھوں کے آگے پیشیانہ ہوتی ہے۔ اور ان پیشیوں کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی حال کرن ہرشاد کا ہے۔ ہم دونوں سنے بھائی ہیں۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد اس کے علاوہ ہم دونوں جڑواں بھی ہیں۔ ہماری صورت شکل بھی ایک جیسی ہے لیکن صورت شکل ایک ہونے کے باوجود ہمارے مزاج اور ہمارے کردار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تجھے ہماری بناوٹ میں کہاں پر اتنا مطمئن کیا ہے کہ ہم غنائی نظریات کے ہونگے ہیں۔ اس کے نزدیک دھوکہ ظلم و تشدد اس سب کچھ سے ہے۔ جبکہ میرے نزدیک زندگی روشن اور پاک اصولوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ وہ میرا قلم اور تشدد ہے اور میں سربراہم۔“

”میر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے کھڑے کروں۔ داور نے کہا۔“ میں اس دوران اتنے دھوکے کھا چکا ہوں کہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔“

”تم مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہو۔ بہت دھوکے دیے بعد کسی سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ میرے لئے تو مولے ان آہنی سلاخوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ کس طرح مجھے کھڑکی بہت غذا دے دی جاتی ہے۔ اس طرح میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اتنے مصائب کے بعد مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔“

”لیکن تم کون ہو! داور نے بول چھا۔“ تمہیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔“

”ابھی ان مافیائے کرنے کے لئے۔ رام ہرشاد نے جواب دیا۔“ یہ دولت بہت ظالم اور بے وفا چیز ہوا کرتی ہے۔ یہ آنکھوں کے آگے پیشیانہ ہوتی ہے۔ اور ان پیشیوں کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی حال کرن ہرشاد کا ہے۔ ہم دونوں سنے بھائی ہیں۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد اس کے علاوہ ہم دونوں جڑواں بھی ہیں۔ ہماری صورت شکل بھی ایک جیسی ہے لیکن صورت شکل ایک ہونے کے باوجود ہمارے مزاج اور ہمارے کردار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تجھے ہماری بناوٹ میں کہاں پر اتنا مطمئن کیا ہے کہ ہم غنائی نظریات کے ہونگے ہیں۔ اس کے نزدیک دھوکہ ظلم و تشدد اس سب کچھ سے ہے۔ جبکہ میرے نزدیک زندگی روشن اور پاک اصولوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ وہ میرا قلم اور تشدد ہے اور میں سربراہم۔“

”میر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے کھڑے کروں۔ داور نے کہا۔“ میں اس دوران اتنے دھوکے کھا چکا ہوں کہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔“

”تم مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہو۔ بہت دھوکے دیے بعد کسی سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ میرے لئے تو مولے ان آہنی سلاخوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ کس طرح مجھے کھڑکی بہت غذا دے دی جاتی ہے۔ اس طرح میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اتنے مصائب کے بعد مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔“

”لیکن تم کون ہو! داور نے بول چھا۔“ تمہیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔“

”ابھی ان مافیائے کرنے کے لئے۔ رام ہرشاد نے جواب دیا۔“ یہ دولت بہت ظالم اور بے وفا چیز ہوا کرتی ہے۔ یہ آنکھوں کے آگے پیشیانہ ہوتی ہے۔ اور ان پیشیوں کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی حال کرن ہرشاد کا ہے۔ ہم دونوں سنے بھائی ہیں۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد اس کے علاوہ ہم دونوں جڑواں بھی ہیں۔ ہماری صورت شکل بھی ایک جیسی ہے لیکن صورت شکل ایک ہونے کے باوجود ہمارے مزاج اور ہمارے کردار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تجھے ہماری بناوٹ میں کہاں پر اتنا مطمئن کیا ہے کہ ہم غنائی نظریات کے ہونگے ہیں۔ اس کے نزدیک دھوکہ ظلم و تشدد اس سب کچھ سے ہے۔ جبکہ میرے نزدیک زندگی روشن اور پاک اصولوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ وہ میرا قلم اور تشدد ہے اور میں سربراہم۔“

”میر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے کھڑے کروں۔ داور نے کہا۔“ میں اس دوران اتنے دھوکے کھا چکا ہوں کہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔“

دیکھ لیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔
چلا گیا ہے۔ وہ ایک درندہ انسان ہے اور تمہارے
ساتھ جو لڑکی آئی تھی وہ اس کی زندگی کا شکار بننے والی
ہے۔ نہ جانے تم نے دنیا کی طرح دیکھی ہوگی کیا نہیں
یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ لڑکی اس کے ساتھ جانا
نہیں چاہتی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کو غریبی
میں داخل ہو جاؤ۔ ایسے معاملے میں عورت کی جس
بہت تیز ہو کر گرتی ہے۔ اسے بلوری طرح اور کٹھن
مٹھا لیکن اس نے خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ لیکن تم نے
ذائقہ کرا سے جانے کے لئے مجبور کر دیا۔ تم اس وقت
میرے خلاف غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ اسی لئے
تمہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا شاید تمہاری آنکھوں
سے کچھ بٹی اڑ چکی ہوگی۔

وہ ایسی آواز تھی کہ دلراج اور برکت دونوں رک
گئے تھے۔
آواز دینے والا سامنے نہیں تھا۔ اس نے نہیں
رکنے کی ہدایت کی تھی اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ
آگے بڑھے تو تمہیں کوئی مار دی جائے گی۔ اور وہ دونوں
رک کر اس آواز دینے والے کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن
وہ بال پیلے کی طرح خالی تھا جیسے باتو نہیں دہم ہوا ہو۔
ہا ہوا چکاڑتی ہوئی ان کے برابر سے زرتی ہو۔
کچھ دیر بعد وہ آواز پھر سنانی دی۔ اس بار بھی بالوں
وہی جملہ اسی انداز سے دہرایا گیا تھا۔
"کوئی بات نہیں" برکت نے مسکراتے ہوئے دلراج
کے شانے پر پڑھ لی "اسے وہم کچھ لو ہمیں دھوکہ دیا
جابر ہے۔"

کیا مطلب ہے؟ دلراج نے حیران ہو کر پوچھا۔
"مطلب یہ ہے کہ اس ہال میں کوئی نہیں ہے۔"

برکت نے کہا۔
"کیا اور یہ آواز؟"
"بھائی یہ آواز کسی اسپیکر سے نشر کی جا رہی ہے۔"
برکت نے بتایا۔ تم نے غور نہیں کیا۔ دونوں ہلدا ایک
ہی جملہ ایک ہی انداز سے کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جملہ
منروغ ہونے سے پہلے ہلکی کی کھڑکھڑاہٹ بھی سنانی دی
تھی۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو ایک خاص وقفے کے
بعد یہ آواز پھر سنانی دے گی۔ وہ وقفہ ہونے ہی والا ہے
وہ روہ آواز۔

برکت نے انکی اپنی بات مکمل بھی نہیں کی تھی کہ
وہ آواز پھر سنانی دی۔
"ہمارا قحی تمہارا اندازہ سو فی صد درست ہے۔ دلراج
نے کہا۔ لیکن یہ سب کس نے کہا ہے۔"
"ظاہر ہے کہ ان جی فظوں میں کچھ ذہین شخص موجود
ہے۔" برکت چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا پھر اس
نے دلراج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "لیکن آؤ پہلے ہمیں تہ خانے
میں چلنا ہے۔ اگر میرا اندازہ کچھ اور درست ہو تو اس
ہال میں وہ لوگ آنے ہی والے ہوں گے آؤ جلدی
سے آؤ۔"
وہ دونوں پیلے کی طرح تہ خانے میں واپس آئے
دلراج اب اس شخص کی صلاحیتوں سے متوجہ ہو گیا تھا۔
وہ واقعی ایک ذہین اور بروقت فیصلہ کرنے والا آدمی
تھا۔ انکی وہ لوگ تہ خانے میں واپس آئے تھے کہل
میں قدیموں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ وہ بال لوگوں سے
بھر گیا تھا۔ دلراج نے تہ خانے میں بسے ہوئے سورج
سے جھانک کر ہال میں دیکھا اور ایک گہری سانس لے
کر رہ گیا۔
"تمہارا اندازہ بھی درست لگتا" اس نے برکت
سے کہا۔ کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم نے یہ اندازہ
کس طرح کر لیا تھا؟
"مجھے اب کیا ہر بات مجھ سے پوچھو گے؟" برکت
مسکرا دیا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ جب ان لوگوں نے
ٹیبب اور اسپیکر وغیرہ لگایا ہے تو اس کارڈ عمل بھی دیکھنے
آئیں گے۔ وہ یہ دیکھنا چاہیں گے کہ اس آواز کو کس
کر ہال میں کوئی رکا ہے یا نہیں۔"
"تمہاری باتیں دل کو ٹیڑھی لگاتی ہیں لیکن یہ مجھ میں نہیں
آتا کہ ان لوگوں کو اتنے جھنجھٹ کی کیا ضرورت ہے؟"
دلراج نے کہا۔
"ایسا لگتا ہے کہ ان جی فظوں کے درمیان کوئی ذہین آدمی
بھی موجود ہے۔" برکت نے بتایا۔ وہ لوگ اس سے
پہلے اس ہال میں آکر دیکھ چکے ہیں۔ انہیں کسی کا
مرلج نہیں مل سکا۔ اسی لئے انہوں نے یہ ہال چھلایا
ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شاید اس طرح اس ہال میں
دکھائی دے جائے۔
"تو پھر اب کیا کیا جائے؟" دلراج نے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مگر کیا ہے۔ ہم پھر باہر نکلیں گے۔ اب ہمیں یہ
معلوم ہو گیا ہے کہ ان آوازوں کا کیا مقصد ہے۔ ہم ان
آوازوں کے بعد بھی آگے بڑھتے نہیں گے۔ بس
تھوڑی دیر بعد یہ جی فظ پہلے کی طرح ناکام ہو کر واپس
ہو جائیں گے۔ ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہے۔"
وہ دونوں تہ خانے کی دیوار کے پاس کھڑے
ہے۔ کچھ دیر بعد وہ ہال پہلے کی طرح جی فظوں سے
خالی ہو گیا۔ برکت نے خفیہ طور پر اس کے ذریعے جھانک
کر ہال میں دیکھا۔ پھر پہلے کی طرح دیوار میں غلا پیدا
کیا اور وہ دونوں ہال میں آگئے۔ دیوار کو پہلے کی طرح
برابر کر دیا گیا تھا۔

ان کے ہال میں آتے ہی وہ آواز پھر گونج اٹھی
جس نے انہیں پہلے خبردار کر دیا تھا۔ لیکن اس بار انہوں
نے آوازوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ برکت بڑی
تیزی سے اس کمرے کی طرف دوڑ رہا تھا جہاں پہلے
ٹیبلا اور دلراج جا کر بیٹھے تھے۔ وہ کمرہ دفتر کے طور پر
استعمال کیا جاتا تھا۔ دلراج کو اس بات پر حیرت تھی کہ
اس کمرے میں کوئی کھڑی وغیرہ دکھائی نہیں دے
رہی تھی پھر برکت باہر کے جانے کے لئے اس کمرے
میں کیوں آیا تھا۔ لیکن اس نے برکت سے کچھ نہیں
کہا۔ برکت نے اندر آنے کے بعد کمرے کا دروازہ
بند کر دیا تھا۔

اس کمرے میں آنے کے بعد برکت نے نہانے
کس دیوار میں موجود کس خفیہ نشان کو متحرک کیا کہ کمرے
کی ایک دیوار ایک طرف ہٹ گئی۔ اتنا بڑا خلا نمودار
ہو گیا تھا کہ وہ دونوں اس کے اندر سے تھوہل باہر جا
سکتے تھے۔ وہ دونوں اسی خلا سے باہر آگئے۔ برکت اس
غائب کمرے کے خفیہ دروازہ پر اسٹون سے واقف تھا۔
باہر آنے کے بعد اس نے دیوار پہلے کی طرح برابر
کردی تھی۔ اب اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا
تھا کہ کچھ دیر پہلے اس میں کوئی خلا نمودار ہوا تھا۔
"دیکھا؟ تم اس طرح باہر آگئے؟" برکت دلراج کی طرف
دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے میرے اس راستے سے
اور کوئی بھی واقف نہیں ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ تم بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا
ہو۔" دلراج نے کہا۔
"وہ کیوں؟" برکت بوجھ بڑا۔

"تم شاید یہ بھول گئے کہ جب کاغذ ہال میں آئے
تھے تو اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس کا مطلب یہ
ہوگا کہ وہ برابر اس شخص اس کمرے میں موجود تھا۔ پھر جب
دروازہ کھولا گیا تو اس کا کوئی ہتہ نہیں تھا۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح اس راستے سے باہر نکلا ہوگا۔"
برکت چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں دلراج پر
اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے وہ شکش میں مبتلا ہو گیا
ہو۔ پھر اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرزنے لگے۔
اس نے بے ساختہ دلراج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بہت ہلکا ہوا
ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"مشاہدہ تم ٹھیک کرتے ہو میں واقعی خوش فہمی میں
مبتلا ہوں۔ اس شخص کو یہ خفیہ راستہ معلوم ہے۔ تو پھر
"ایسا کون ہو سکتا ہے؟" دلراج نے پوچھا۔
"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ اب مجھے اس
تہ خانے کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہی ہم
کچھ کر سکیں گے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔"
اس نے دلراج کا ہاتھ پکڑا اور دونوں اس کمرے
کی دیوار کی طرف دوڑ پڑے۔ اس کمرے سے ہوتے
ہوئے وہ دونوں ہال میں آئے اور اسی وقت انہیں پھر
لیا گیا۔ یہ ایک وقت ہی آدمی ان دونوں کے سامنے آکر
کھڑے ہو گئے تھے۔

ہلراہ جہا لاج کے برابر آکر کھڑا ہو گیا۔
واقعی بہت سے لوگ اس جھوپڑی کی طرف چلے
آئے تھے۔ انہوں نے ایک چار پائی اٹھارہ تھی جس
پر کسی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ تو یہ جہا لاج کا یہ اندازہ درست
ثابت ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں لوگوں کو معلوم ہونے والا
تھا کہ اس گلی میں بسنے والے سادھو جہا لاج کا دیہات
ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہلراہ کی مصیبت آجانی اور
ہلراہ کے ساتھ خود جہا لاج ایک بار پھر ان لوگوں کے چنگل
میں چلے جاتے۔

"جہا لاج یہ ہلراہ بڑی تیزی سے جہا لاج کی طرف مڑا
آپ ایک طرف لیٹ جائیں۔ میں آپ کے اوپر جاؤں
ڈال دیتا ہوں۔ اپنا چہرہ موت دکھائیے گا۔"
جہا لاج کی ہچکچاہٹ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا البتہ وہ
اتنا جانتے تھے کہ انہیں ہلراہ کی ہدایت پر بے چارے
عمل کرنا ہے ورنہ ان کی خیر نہیں تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے
ایک طرف گئے اور فرش پر لیٹ گئے۔ ہلراہ نے ان کے

ہلرام اس شخص کو لے کر گلیا میں آگیا۔ جہاں ہزاروں ایک کو لے میں چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے۔ ہلرام کا دل اس وقت بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بات صرف چند لمحوں کی تھی، آنے والے لمحوں میں ہلرام اور ہمارا راجہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ یہ شخص سدا دھو ہمارا راجہ کو گلیا میں غائب دیکھ کر فوراً ہنگامہ مہربا

پوری جہل بنائے گا نہیں ہے، باہر مگر اسے ادنیٰ طور پر ڈھونڈے ہیں، ہمارے نہیں بلکہ کہ کبھی دیس تب کبھی ہم پر سے نہیں لنگ سکیں گے اس کے باوجود وہیں یہ چاہتا ہوں کہ غم میری بات پر یوں لگے کہ میرا ساتھ دو۔

”جہت خوب“ ہمارے سچے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ رہے گی، کیا اس طرح زبردستی کسی کو ساتھ دینے پر مجبور کرنا حرام ہے؟

یوں کہ انہوں نے مجھے چناؤ کی فتحی بھری جان بھائی
 کی تھیں بھری بھائی تو معلوم ہی ہوگی۔ اسی لئے میں
 اپنے جان بھائی نے دلے کے خلاف کیا کر سکتا تھا وہ
 قدرتی موت مرے ہیں اور میں نے ان کا کیا کر سکتا تھا
 ہے یقین جانو اس میں ضرور اور اور بھی جھوٹ نہیں ہے
 اگر ایسی بات ہے تو پھر تم نے سادھو جواراج کے

[illegible]

مختارہ کوڑی کی آڑ میں کھڑے ہو کر باہر کی طرف دیکھ رہا تھا صرف چند لمحوں کی بات تھی۔ ان لمحوں میں ان کا جھلکا ہوا تھا۔ مختارہ پھر اس نے بہادر کی آواز سنی جو لوگوں کو بتا رہا تھا "ہاں بسادھو جہاز جہاز بہت سخت جہاز ہیں، بہادر سیکھ کر رہا تھا، وہ نہ تو کسی کو درشن دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کے قریب جاسکتا ہے۔"

جہاز راجہ دلاور سے ٹپک لگا کر کھڑے ہوئے، بہادر سیکھ کی آواز انہوں نے بھی سنی تھی۔ ان کے ہاتھ بہادر کی لرزش بند نہ ہوئے تھے، جبکہ دلاور نے بھی اطمینان کی سانس لی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ مجمع لاش والی چار پارٹی کا ٹکڑا واپس چاچکا تھا۔ اور اب صرف سناٹا تھا۔

"بھگوان نے ہمیں بچا لیا ہے، جہاز راجہ نے ہمارے طرف دیکھتے ہوئے کہا، درہ ہماری موت سامنے کھڑی تھی، جہاز راجہ صاحب، ابھی کچھ کیا جاسکتا ہو سکتا ہے کہ بہادر سیکھ اپنا ارادہ تبدیل کر دے۔ وہ واپس جا کر ایک کو ہماری بارے میں بتا دے۔ فرض کریں اگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تب بھی ہمارا یہاں سے لنگھنا آسان نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ بہادر سیکھ کا تھوڑا سا بھی ہمارے ہی کام نہ آ سکے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ساری زندگی ہی جھل میں قید رہنا ہے کیوں؟ جہاز راجہ جھلا کر بولے۔

"آپ یہ دیکھ لیں کہ آپ کے سامنے کوششیں کر رہا ہوں۔ دیکھتے ایک راستہ تو دکھائی دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہادر کامیاب ہو جاتی جائیں۔ ابھی سے کوئی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آج رات کا انتظار کریں دیکھیں آج رات کیا ہوتا ہے؟"

دلاور نے جھٹکا کہ اپنے سر کے بال نوچ لے۔ اس نے اپنی دھوری زندگی میں اتنا بڑا دھوکا کبھی نہیں کھا یا تھا۔ کرشن پریشانے جس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا تھا وہ بھی اپنی جگہ سے مثال تھا۔ اس نے بے ہنگم دلاور اور رام پریشانہ کو ایک ہی کھڑکی میں قید کر دیا تھا۔ اور دلاور کے دیکھنے ہی دیکھنے ہی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یہ دلاور کی ایسی توہین تھی جس کا اندازہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑی خاموشی سے رام پریشانہ کو برا بھلا سنتا رہا تھا۔ جواب خود بھی بولتے، بولتے نہ تھاں ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ دلاور نے اس سے پوچھا، میں اس شخص کے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہوں۔"

"فی الحال تو کوئی راستہ نہیں ہے۔" رام پریشانہ نے لگی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

دلاور نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں غصے کی شرت سے اس کی آنکھوں میں خون اتر گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر جانک ایک بات اس کی سمجھ میں آئی۔ اور وہ بات یہ تھی کہ اسے خود بہر قابو رکھنا چاہیے۔ اپنے غصے کو تیراگ دینا چاہیے۔ ورنہ غصے کی آگ بھڑکنے والے رستے کو بھی لگا ہوں سے اوچھل کر دیتی ہے۔ اس کے اساتو نے بھی اس کو یہی تلقین کی تھی کہ اگر حالات کے جبر میں مبتلا ہو جاؤ تو اپنے دھن سے غصے کی تھک کر خن ڈالو اپنے اعصاب کو ہر سکون کر دے۔ غصہ ہے ہو جاؤ گیو کہ غصہ ہے ہو جانے کے بعد لڑتے بھگوانی دے سکتا ہے۔

بہرہ وہ ٹھنڈا اور ہر سکون ہوتا چلا گیا غصہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کا دھن اس سے دور چاچکا تھا اور اس کے سامنے ایک شخص تھا جو اس سے بھی کہیں زیادہ مظلوم اور بے بس تھا۔ دلاور اپنے آپ کو سمجھتا ہوا رام پریشانہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اتنی دھم میں خود بہر قابو حاصل کر لیا تھا۔

"ہاں، اب بتاؤ کہ سب کیا چکر ہے۔" اس نے رام پریشانہ سے پوچھا، جب تک کوئی راستہ نظر نہیں آتا میں تمہاری بھائی سن لوں؟

"ہاں۔ یہ بہتر رہتا ہے۔" رام پریشانہ کے کونکے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔ میں نہیں لپٹے ہمارے میں سب کچھ بتا دوں گا کہ تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ میں نے اب تک کتنا جہر برداشت کیا ہے۔ کیسے عذابوں میں رہا ہوں۔ ہم دونوں جیلوں بھائی ہیں۔ ایک ہی ماں باپ کی ایسی اولاد جن کی صورتیں بھی ایک دوسرے سے اتنی مشابہت ہیں کہ ہر شخص انہیں دیکھ کر دھوکے میں آجاتا ہے۔ ہمارے والدین بڑے بارہو اور دولت تھے۔ ہمارے بچے ہی اس علاقے کے راجا تھے پورے راجا طران کے پاس تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ سب کچھ کم ہوتا چلا گیا۔ دوسری طرف میرے اور کرشن

پریشانہ کے مزاج میں اختلاف بھی برپا تھا۔ وہ متروغی سے بہت ہوس پرست اور شیطان صفت تھا۔ سوئے پریشانہ یہ ہوا کہ جوان ہونے کے بعد اس کی ملاقات مٹی جہاز سے ہوئی۔ اور اس شخص نے کرشن پریشانہ کو جیتیم شیطان بنا کر رکھ دیا۔

"یہ سنی چار کون ہے؟" دلاور نے حیران ہو کر پوچھا۔ ایک انتہائی خبیث اور وحشت ناک آدمی ہے۔ رام پریشانہ نے بتایا، تم تو صرف ایک شخص کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ تم صرف کالی موت کو دیکھ رہے ہو۔ لیکن اس کم بخت مٹی چار نے مجھے کتنے کالی موت تخلیق کئے ہیں وہ ایک انتہائی مکروہ آدمی ہے۔ گندے علوم کا ماہر وہ صرف طاقت اور دولت کا بھاری ہے۔ اس کے کرشن پریشانہ کو گھبراہٹ کیا ہے۔

"تم مجھے اس شخص کے بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ۔" دلاور نے کہا، وہ کہاں رہتا ہے؟ کہاں کھاتا ہے؟ اس نے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے اوپر اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے۔ رام پریشانہ نے بتایا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ لیکن اس نے ایسا چکر چلا رکھا ہے کہ عمر اور حالات کا اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے شمار چیلے دن رات اس کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ کرشن پریشانہ بھی دولت اور طاقت کے حصول کے لئے اس کے پاس جانا متروغ کر دیا تھا۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تو میں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی۔ اسے سمجھا لیا لیکن اس نے میری بات بردھیاں نہیں دیا۔ مجھے اس مٹی چار نے اس پر کیا جادو کیا کہ وہ میری جان کا دشمن بن گیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اس کے راستے سے ہٹ جاؤں تاکہ وہ نہ صرف اپنی سن مانی کر سکے بلکہ پتائی کی چھوڑی ہوئی دولت بھی اس کے ہاتھ آجائے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے سٹے پر اپنی خبیث مٹی چار سے مشورہ لیا ہوگا جس نے یہ مشورہ دیا کہ مجھے پاگل قرار دے کر اس دیرانے میں بند کر دیا جائے۔

"لیکن اس نے تو یہ کہا تھا کہ تم بچپن ہی سے ذہنی طور پر غیر متوازن تھے۔" دلاور نے کہا، اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ وہ اگر چاہتا تو تمہیں ہلاک کر داسکتا تھا۔ پھر اس نے تمہیں زندہ رکھنے کا خطرہ کیوں مول لیا؟

"وہ مجھے برا اور راست ہلاک نہیں کر داسکتا ہے۔" رام پریشانہ نے جواب دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پتائی کی بے پناہ جاہلاد میں میرا بھی حصہ ہے۔ ہم دونوں آدھے آدھے کے خمدار ہیں۔ میں نے اپنے ارد گرد خطرہ محسوس کیا تھا اسی لئے میں نے فوراً ایک وصیت تیار کروائی جس کی رو سے اگر میں ہلاک ہو جاتا ہوں تو میری موت کے بعد میری جائیداد حکومت کے پاس چلی جائے گی۔ یہ احتیاطی تدبیر میں نے اسی لئے اختیار کی تھی کہ وہ مجھے ہلاک کرانے سے گھر نہ کرے۔ تم ذرا دیکھو کہ کہہ سادھو سے کوک حق کا سامنا کر دینا نہیں چاہتے۔ نہ جانے انسان کی سرشت میں یہ کیسی تبدیلی آئی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ہم دونوں ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، جتنی دولت اس کے پاس ہے۔ اتنی ہی دولت کا میں مالک ہوں۔ لیکن لوگوں نے سامنا کس کا دیا کرشن پریشانہ کا۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کے گرد مٹی چار سے خوفزدہ ہو کر اس کا ساتھ دے رہے ہوں لیکن وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ حق تو یہ ہے کہ میں سب کچھ سمجھتا ہوں اس لئے کسی کی زندگی گوارا نہیں کرتا۔

"تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا ذاتی قوانین ٹھیک نہیں ہے تب بھی تمہاری دولت تمہارے کام نہیں آسکتی؟" دلاور نے پوچھا۔

"یہ بات تو ہے۔ خود کرشن پریشانہ کی بار بار کوشش کرچکا ہے کہ وہ اس دولت کو مجھے پاگل قرار دے کر چھینے اور وہ مجھے پاگل سمجھتا ہی ہے کیونکہ اس کے سامنے جان کے خوف سے میں نے کبھی خود کو صحیح الدماغ ٹا نہیں کیا۔ لیکن میرا وکیل بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اس نے اب تک کرشن پریشانہ کی ہر کوشش کو ناکام بنائے رکھا ہے اس کا موقف ہے کہ میں جلد یا بدیر صحت مند ہو جاؤں گا کیونکہ میں مشکل پاگل نہیں رہتا۔ بلکہ مجھ پر صرف دوسرے پڑتے ہیں۔ اور یہ دوسرے ٹھیک بھی ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف ڈاکٹر تربائی بھی میرا ساتھ دے رہا ہے۔"

ڈاکٹر تربائی نے دلاور کو جگ بڑا کیا تھا۔ یہ وہ تھا رام پریشانہ کا ساتھی نہیں تھا۔

"تمہارا ڈاکٹر تربائی مرچکا ہے۔" دلاور نے بتایا میں پوچھا۔

"تمہارا ڈاکٹر تربائی مرچکا ہے۔" دلاور نے بتایا میں

اس کا سبب بعد میں بتاؤں گا پہلے یہ بتاؤں کہ یہ سبب
چکر کیا ہے۔ کیا وہ تمہارا ساتھ سے رہا تھا۔ یا گریں پڑا
کا۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

”وہ بہت زبردست آدمی تھا اور میرا رام پرشاد
نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ میں نے اپنی
جان کے خوف سے ہانگہ بن کر لیا تھا تو کرشن
پرشاد نے اپنا اطمینان کرنے کے لئے مجھے ڈاکٹر
ترپانی کے حوالے کر دیا۔ میں نے ڈاکٹر ترپانی کو ماری
صورتحال بتادی، میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے راز
کو خود نگ رکھے۔ اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ میں ذہنی طور پر
پرہیزگار ہوں تو اس کی یہ بات میری موت کا پیغام بن جا
ئی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا۔ اور ابھی تک اس
وعدے کو نبھا رہا تھا۔ لیکن اب تم یہ بتا رہے ہو کہ وہ
مرچ کا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے ایک زبردست
بھروسے سے محروم ہو چکا ہوں۔ تجھ سے دو دنوں میں میرے
کام آ یا کرتا تھا جس سے میں اپنے دل کی باتیں کہتا
تھا، مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ مرچ کا ہے۔ کیا تم مجھ سے نہیں
بتاؤ گے کہ وہ کس طرح مرچا ہے۔“

”کیا بتاؤں؟“ ڈاکٹر کا ہونٹوں پر اس کو کھڑی میسٹین لگا
اس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔
”تم نے رام پرشاد نے بے یقینی سے اس کی طرف
دیکھا ہو کیوں کیا تم نے ایسا کیا کیوں مارا اس کو۔“

”مٹھرو۔ میں نہیں سب کہتا دیتا ہوں،“ ڈاکٹر
اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے رام پرشاد کو ڈاکٹر
ترپانی کی موت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر ترپانی اتنی خاموشی
سے کیوں مر گیا۔ اس نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم کالی موت
نہیں ہو۔ وہ اگر چاہتا تو اسی وقت تمہاری صفائی پیش
کر سکتا تھا۔“

”نہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ رام پرشاد نے
بتا یا کہ کیونکہ اسے خود یہ نہیں معلوم تھا کہ کالی موت
ہوئی تھی یا نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اگر تم مجھے صاف صاف بتا دو تو
زیادہ بہتر رہے گا۔“ ڈاکٹر اچھڑا کر بولا۔ اس طرح تو میں
پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہوں۔
”دیکھو کرشن پرشاد نے جب مٹی چھڑکی صحبت اختیار

کر لی تو اس کے اوپر سے ہناہ دولت اور اقتدار کا جھوٹ
سوار ہو گیا۔ حالانکہ جھوٹا کا دیا اس کے پاس سب کچھ تھا
اس کے باوجود اس نے جرائم پیشہ افراد کو اپنے ساتھ ملا
کر ہر طرف جرائم کے حال بکھا دیئے۔ اس نے جو کچھ کیا
وہ تم نے کسی حد تک سن ہی لیا ہو گا۔ اب اس کے سڑکی
ذہن نے ایک اور منصوبہ تیار کیا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ
کالی موت بن کر خود جرائم کرتا رہے اور طعنات اور حالات
کو اس انداز سے قریب دے کہ کالی موت ہونے کا ظہور
مجھ پر ہو۔ بظاہر تو وہ کرشن پرشاد بن رہا لیکن دہرہ
اس نے کالی موت بن کر مدعا شاہان شروع کر دیں اپنے
ارد گرد جرائم پیشہ لوگوں کو جمع کر لیا۔ جبکہ میں اس کے خلاف
کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مجھے اس وعدے میں قی
کر دیا گیا تھا۔ یہ تمہارا اس نے اس لئے چاہا تھا کہ اگر
کسی طرح ٹھیک ہو جاؤں تو وہ مجھے جرائم میں ملوث کر
دے کہ مجھے ہمیشہ کے لئے نہ صرف جائیداد سے محروم
کر دے بلکہ قانونی طور پر مجھے موت کی سزا بھی دلا دے
تم نہیں جانتے کہ وہ کتنے زبردست سازشی ذہن لہلہ
ہے۔ ڈاکٹر ترپانی نے جب میرے پاس آنا چاہتا تھا تو
کیا تو اس نے ایک دہری چال چلی۔ اب میں یہ نہیں کہہ
سکتا کہ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں ذہنی طور پر راضی نہیں
ہوں۔ یا اس نے بس۔ یوں ہی یہ چال چلی تھی۔ بہر حال ایک
دن اس نے مجھے اس کو کھڑی سے لگا کر کہیں اندر
دیا اور خود میری جگہ بیٹھ گیا۔ اور جب ترپانی معمول کے
مطابق اس کو کھڑی میں پہنچی تو اس نے خود کو رام پرشاد
ظاہر کرتے ہوئے یہ کہہ کر کالی موت ہے۔ ترپانی
سن کر بھوک اٹھا تھا۔ لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح ترپانی
اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد
اس نے ترپانی کو بہت بھاری رشوت دی۔ آدمی چلے
جہاں بھی ہو۔ دولت اس کے پیروں کی زنجیر بن جاتی تھی
تو اس ترپانی نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ بھی سمجھتا رہا
میں ہی کالی موت ہوں۔“

”اس سے کرشن پرشاد کو کیا فائدہ مل سکتا ہے
داہرے نے بوجھا۔ وہ اگر چاہتا تو مجھے خود کو رام پرشاد
کرنے کے کرشن پرشاد بن کر بھی ترپانی سے یہ فرسودہ
تھا کہ وہ کالی موت ہے۔ اتنا بلکہ بڑا ڈراما کرنے کی کیا
ضرورت تھی۔“

”ضرورت تھی۔ وہ اس طرح ترپانی کو میرے خلاف
گواہی کے لئے تیار کر رہا تھا۔ تاکہ اگر کبھی ایسا وقت آئے
تو ترپانی یہ کہہ سکے کہ رام پرشاد ہی کالی موت ہے۔
”تو کیا تم نے ترپانی کے سامنے اپنی پوزیشن صاف
نہیں کی؟“ داہرے نے پوچھا۔ ”نہیں تو ترپانی کو بتا دینا
چاہئے تھا۔“

”مجھے ترپانی کو کچھ بتانے کا موقع ہی کہاں ملا۔ رام
پرشاد نے کہا۔ کیونکہ اس کے بعد یہ معمول ہو گیا تھا کہ
جہاں ترپانی مجھ سے ملنے کے لئے آتا تھا اس کو کھڑی
سے بٹا دیا جاتا اور میری جگہ کرشن پرشاد آ کر بیٹھ جاتا۔
بے چارہ ترپانی ہی کو رام پرشاد سمجھ کر واپس ہو جایا کرتا۔
”ہوں تو یہ بات تھی،“ داہرے نے ہنکاری کی۔ ”اسی لئے
جب ترپانی سے یہ پوچھا جا رہا تھا کہ اس نے رام پرشاد
کے کالی موت ہونے کا راز کیوں چھپا رکھا ہے تو وہ اس
کا جواب نہیں دے سکا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی یہی سمجھ
رہا تھا کہ تم ہی کالی موت ہو۔ اور وہ تمہارے ساتھ تو
کر رہا ہے۔“

”ہاں۔ یہی بات ہے۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ کرشن
پرشاد نے ایک عجیب چال چلی تھی۔“

”خیر پہلے تو یہ سن کر مجھے افسوس ہوا تھا کہ ترپانی
تمہارا راز دان تھا۔ اور میں نے اسے اپنے ہاتھ سے ہلاک
کر ڈالا۔ لیکن اب اس افسوس کا زائل ہو گیا ہے۔ اس نے
بہر حال کالی موت کے راز کو چھپا رکھا تھا۔ چلے وہ تمہارا
ساتھ تعاون کر رہا تھا کہ کرشن پرشاد کے ساتھ وہ بھی
ماہر کا جوہر تھا۔“

”ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن مجھے اس کی
موت کا دکھ اس لئے ہوا ہے کہ جب تک کرشن پرشاد
نے یہ پھیل نہیں شروع کیا تھا اس وقت تک بس
وہ میرا راز دان تھا۔ میں اس سے باتیں کر لیا کرتا تھا۔
اور وہ میری سنا رہتا تھا۔ لیکن اب وہ بھی نہیں رہا
ہے۔“

”اب تو میں تمہارے پاس آ گیا ہوں،“ داہرے کو یاد
آجھا۔ ”تو کیا کرشن پرشاد کو یہ پورا یقین ہے کہ تمہارا
ذہنی توازن درست نہیں ہے۔“

”ہاں۔ اسے پورا یقین ہے۔“ رام پرشاد نے چوہ
دبا دیا۔ اس کے سامنے خود کو ہمیشہ پاگل کی علامت

کرنا رہتا ہوں۔“

”لاش یہاں سے باہر کا کوئی راز نہ مل سکتا۔“ داہر
بڑبڑایا۔ میں تمہارے اس کرشن پرشاد کے ساتھ ساتھ
اس مٹی چھڑکی سے جھٹکا جاتا ہوں۔ کیا تمہیں کھانا دینے
کے لئے کوئی نہیں آ یا کرتا۔“

”نہیں۔ کوئی بھی براہ راست میرے پاس نہیں آتا
ہے۔ بلکہ تم یہ سامنے والی دیوار دیکھ رہے ہو۔ یہ ایک
خاص میکانزم کے ذریعے ایک طرف ہٹ جاتی ہے۔
اس کی دوسری طرف بھی ایک کو کھڑی بنی ہوئی ہے۔
اسی کو کھڑی میں غسل خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ ہے اس
میں ایک دروازہ باہر کی طرف کھلتا ہے۔ جب کھانا
یا پانی دینا ہوتا تو وہ لوگ اس باہری دروازے سے یہ
سب لاکر اس کو کھڑی میں رکھ جاتے ہیں۔ پھر ان کے باہر
جانے کے بعد اس کو کھڑی کی دیوار پر ہٹا دی جاتی ہے
تاکہ میں دوسری طرف جا سکوں۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے لئے بہت سی سخت
انتقادات کئے گئے ہیں؟“ داہرے نے کہا۔

”ہاں۔“ رام پرشاد نے اپنی منہاں بیٹھ لیں۔ ”اور
اسی لئے ہرگز نہ دلاؤقت مجھے یہ بتا رہا ہے کہ مجھے
کرشن پرشاد کو کبھی اسی طرح ترپانی پر مارنا ہے چلے
وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“

وہ لوگ اس بوڑھے مذہب احمدی لاش اٹھائے
تھے۔

لاش کو قبرستان میں دفن کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اس
اس لاش میں کسی قسم کا قانون وغیرہ نہیں تھا۔ اسی لئے
ان لوگوں سے یہ سوال ہی نہیں کیا گیا کہ وہ کسی لاش
ہے۔ اور مرنے والے کو کس نے گولی ماری ہے وہ ایک
مشیز قبرستان تھا۔ جہاں ہندوؤں کو جلانے کی رسم ادا کی
جاتی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو دفن کر دیا جاتا۔ لاش کی
تدفین کے بعد وہ لوگ واپس آ گئے۔

مکلا بھگت اس حادثہ کی وجہ سے بھی کبھی
مدی گئی۔ پھر اس نے اپنے اصحاب سے اس سامنے لاش
طرح جھٹک دیا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ عبد اللہ کو اس
عورت کے آبی اعصاب پر حیرت ہونے لگی تھی۔ اس
کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا
ہندو احمدی لاش کا کاموں تھا تو وہ جرموں کے پتھے کس

طرح چھڑ گیا تھا۔ اور کیا کلا کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کاموں مجرموں کے لئے کام کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ نذیر احمد نے اس دوران کلاسے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ اس کے پیروں میں کسی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔

کلا نے بھی جو کچھ سادھی تھی اسی لئے عدل نے بھی اس سے کچھ دریافت نہیں کیا لیکن وہ اب یہاں بڑے بڑے اکتا گیا تھا۔ اسے اس مقام سے انجن ہونے لگی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ادھا پہلوان اور کلا اس کے لئے تخلص ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے طور پر کچھ کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے اسی دن کلاسے جلنے کی اجازت طلب کر لی۔

آخر تم جاؤ گے کہاں؟ کلا نے پوچھا۔ یہ بتی تو تمہارے لئے جانی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں چاروں طرف تمہارے دھن بھیلے ہوئے ہیں۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔ برزخ اب اس سے چپ چاپ نہیں بیٹھا جاتا۔ مگر اب اس سے اپنے استاد کی بہت یاد آ رہی ہے۔ وہ سالہا اگر اس کے ساتھ ہوتا تو اٹھا جاتی میں رولا پڑ جاتا۔“

”یہ مدت کتنا کہ تم نے نہیں جھوڑ کر کے یہاں رکھا ہے۔ کلا نے کہا۔ لیکن یہ ہم چاہتے ہیں کہ تم کی مصیبت میں دلچسپی جاؤ۔“

”یہ سالہا اب بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ برزخ اب بہت ہو گیا۔ وہ سالہا بدعاش لوگ یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا ہوگا کہ اب اس سالہا چپ کر کے بیٹھ گیا ہے۔ لیکن ایک بار ذرا دل مار دی جاو جاو جائے۔ چھوڑ دیکھنا کہ اب اس طرح ان لوگوں کا ڈبہ گول کر دیتا ہے۔“

کلا اور ادھا دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں نمودار ہو گئیں۔ شاید ان کے خیال میں عدل صرف بائیں بنانا جانتا تھا۔

”ابن کو سلیم کی بھی تلاش کرنی ہے۔ عدل نے پھر کہا۔ وہ سالہا ابن کے پاس استاد کا امانت تھا۔ استاد سالہا ابن کی گردن ناپ لے گا۔ ملدرا کر کیس بھروں گا۔“

”کہا ہم کسی آدمی کو تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے ساتھ کر دیں؟“ ادھا نے پوچھا۔

”تم کیسی بات کرتا ہے۔ ادھا بھائی۔ ابن سالہا کویت ہے کیا۔ بس ابن کو کوئی ہنگامہ کرنے والا ہتھیار دے دو۔“

بھولہ بن کا تماشا دیکھو۔
”ہنگامہ کرنے والے اعتبار سے تمہاری لڑکائی پرستل وغیرہ ہے۔ کلا نے بولھا۔“

”اور کیا۔ ایک بار اس کے ہاتھ میں آجائے تو پھر ان بادشاہ سے کوئی سالہا راستے میں نہیں آسکتا۔“

کلا کے اشارے پر ادھا نے نہیں سے ایک پستول لاکر اس کے حوالے کر دیا۔ اس میں گولیاں بھی بھری ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی اس نے گولیوں کا ایک بکس اس کے حوالے کر دیا۔ عدل کے چہرے پر اب طمانیت پیدا ہوئی اس نے پستول لے کر بڑے پیار کے ساتھ اسے چوما اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ کلا اور ادھا سے اجازت لے کر اس مکان سے باہر آ گیا۔ اسے ان لوگوں کے رویے پر حیرت ہونے لگی تھی ان لوگوں نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کی ہر ممکن حفاظت کی فکر کیا کرتے تھے۔ اسے تنہا باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن عدل نے یہ شکوکس کاٹ دیا تھا کہ اس بوڑھے کی لاش ملنے کے بعد ان کے رویے میں تبدیلی آئی تھی۔ کچھ سرد جہری سی آئی تھی۔

اس مکان سے نکل کر عدل ایک طرف چل پڑا۔ اس کے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس شہر میں کس سے اس کو ملنا ہے۔ اور کیا کلا وہ اس بستی کی دکانوں اور مالوں کو دیکھتا ہوا ایک طرف چلتا رہا۔ یہاں جو لوگ کھتے انہیں دیکھ کر ایسا شکوکس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بین الاقوامی ٹرولر بوٹ پر بیٹھ گیا ہو جہاں ہر ملک کے لوگ موجود ہوں۔ اُنی چھوٹی سی بستی میں اتنے غیر ملکیوں کی موجودگی اس کے لئے حیران کا سبب بن گئی تھی۔ اس نے ایک عجیب بات یہ بھی دیکھی تھی کہ اس بستی میں سواریاں بہت کم تھیں۔ اور جو تھیں بھی ان کا خلق بستی کی انتظامیہ سے تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی سمجھ میں اس بستی کی انتظامیہ بھی نہیں آئی تھی یہاں ہر قسم کی غنڈہ گردی اور لاقانونیت ہو کر تھی اور لاقانونیت اسے روکنے سے قاصر تھی۔ نئی لیس ای انتظامیہ تھی۔

جلتے جلنے جب وہ مکان منسوس کرنے لگا تو چائے بننے لگے۔ ایک چھوٹے سے رستوران میں داخل ہو گیا وہ ایک چھوٹا سا رستوران تھا۔ جہاں کئی کی چن چینی تھیں۔ ایک طرف ایک کاؤنٹر بھی ہوا تھا۔ جس کے

پچھلے ایک ایسا آدمی بیٹھا تھا جس کو دیکھ کر عدل چونک پڑا۔ وہ اس آدمی کو پہچانتا تھا۔ بھائی میں اس کی ملاقات اس آدمی سے ہو چکی تھی۔ لیکن کہاں۔ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ بہت جانا پہچانا چہرہ تھا۔ جیسے دونوں بہت دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہوں۔

پھر عدل کے ذہن کی دھند صاف ہونے لگی۔ اسے یاد آ گیا کہ اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔ یہ اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس کا نام وکرم تھا۔ جو کسی برفیلا نہ حلقے کی سزا جھگٹ رہا تھا۔ وکرم کو پہچانتے ہی عدل کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ رینک گئی۔ اسے ایک اچانا سا حوصلہ محسوس ہونے لگا۔ بڑے وقت کے ساتھی مینڈے کام آیا کرتے ہیں۔ وکرم بھی اس کے ان دنوں کا ساتھی تھا۔ جب وہ جیل میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جیسے لوگوں کی دوستی اچھے لوگوں کی دوستیوں سے کہیں زیادہ پائیدار اور کارآمد ہوا کرتی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کاؤنٹر کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ وکرم اس وقت بھی آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ عدل نے کاؤنٹر پر ہاتھ ملا دے وکرم نے چونک کر عدل کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے عدل کو پہچان لیا تھا۔ وہ بھلی کی تیزی سے کاؤنٹر کے عقب سے باہر آیا اور اپنے دونوں بازو پھیلا دئے۔ دونوں بہت اہمک کر ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ وہ دونوں بار بار ایک دوسرے کو مہار کرتے پھر ایک دوسرے کو بھینچ لیتے۔ عدل کا اندازہ درست تھا۔ وکرم نے اسے فراموش نہیں کیا تھا۔ پھر جب گرم جوشی کا یہ طوفان ختم تو وکرم نے عدل کا ہاتھ پکڑا اور اسے اس ہال کے برابر بنے۔ ہونے ایک کمرے میں لے آیا جہاں آرام دہ بستر سجھے ہوئے تھے۔

”بھٹوان کی قسم تمہیں دیکھ کر مجھے زندگی مل گئی ہے۔ عدل بھائی۔“ وکرم نے کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں پھر سے جوان ہو گیا ہوں۔ مجھ میں کتنی آگئی ہے۔ میرے بھائی تم یہاں کہاں سے آ گئے۔“

”یہ اسٹوری بھی سالہا بلا خطر ناک سے وکرم۔ عدل مسکراتے ہوئے بولا۔ سالہا بالکل کسی فلا اسٹوری لگتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب یہ ایدہ حیرتوں آیا ہے۔ کس طرح آیا ہے۔ لیکن تم سالہا اب چھوڑ کر ایدہ حیرتوں آ گیا۔“

ادھر تو تمہارا دھندہ ہائی ٹیک ٹھاک تھا۔ پھر تم ایدہ حیرت ہو گئے تھے کیا۔ یہ سب سالہا کی لڑ بڑ ہے۔“

”میں نہیں اپنے بارے میں بتا دوں گا عدل بھائی۔ پہلے میں نہیں اپنی بیوی سے ملوا دوں۔“

”کیا تم نے ایدہ حیرت دی کر لیا۔“ عدل نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں عدل بھائی۔ میری بیوی کا نام وصتی ہے۔ یہ ہونٹ لسی کا ہے۔ لیکن مجھے ہریشا نہیں بہت اہم اور زندگی خراب ہو کر رہی ہے۔ اب تم آگے ہو تو لڑا لڑا ہے جیسے ذہن سے بوجھا کر لیا ہو۔ تم کو دیکھ کر لڑنا ہی حوصلہ ملا ہے۔ ورنہ میں اس سے پہلے کئی بہرہ ور ہی نہیں کر سکتا تھا۔“

”آخر بات تو بتاؤ۔ کیا کچھ ہو گیا ہے۔ تمہارے ساتھ پہلے تم بتاؤ۔ تم ایدہ حیرتوں کئے؟ یہ تو مصیبتوں سے بھری ہوئی بستی ہے۔ یہاں آنے کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی زندگی سے لڑاؤ کر گیا ہے۔ عدل بھائی ہم لوگ بھی کوئی تشریف نہیں نہیں ہیں۔ ہم نے بھی بہت کچھ کیا ہے۔ لیکن یہ لوشیطا لوں کی بستی ہے۔ یہاں ایسے ایسے بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ عقل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ جی جانتا ہے کہ سب چھوڑ چکا۔ یہاں سے بھاگ بس لیکن آئی ہو جی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ کہیں فرار بھی نہیں ہو سکتا۔ میں ادھر جیل میں تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ اس سے زیادہ مصیبت اور کم نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہاں آکر اس لگ رہا ہے جیسے جیل کی مصیبتیں یہاں کے مقابلے میں کچھ نہیں تھیں۔ مجھے کون سی ایسی بد قسمت گھڑی تھی کہ میں نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔“

”اوہ۔ تم سالہا تو دیب کی راکا فک ڈا ملاگ بول رہا ہے۔ عدل نے کہا۔ اب سالہا ایسا لڑا لڑا ہونے کا کیا بات ہے۔ اب تم سالہا ابن کو دیکھو۔ اب سالہا اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ پھر بھی موع نہیں ہے جو جو کا سالہا دیکھ جائے گا۔“

”وہی تو بوجھ رہا ہوں عدل بھائی کہ تم یہاں کس طرح آ گئے۔“ وکرم نے پوچھا۔ تم پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ پھر میں کہیں اپنے بارے میں بتاؤں گا لیکن تمہارا اس سے پہلے تم میری بیوی سے مل لو۔ کچھ ناشتہ

وغیرہ کرلو۔ پھر اطمینان سے تھیں، ہوں گی؟

عبدال اسے روکنا چاہتا تھا لیکن وکرم اس کمرے میں نہ ہوئے ایک دوسرے دروازے سے دوسری طرف چلا گیا۔ شاید اس نے اپنی رہائش کا بندوبست بھی ای ہی ہوتے میں کر رہا تھا۔ یہ ایک بڑا مکان تھا جس کے ایک بال کو بوش بنا دیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے کمرے اور مکان کے دوسرے حصے رہائش کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ عبدال نے نیچے کو دیوار کے ساتھ لگا ٹریک لگانا وکرم نے آنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی بہت ہی بھرپور اور دلکش جس کی آنکھوں میں چمک تھی اور ہوش پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس کا بدن بہت بھرپور اور اس کا ہاتھ اس نے لگا لیا۔ رنگ کی ایک پھولدار سا ڈیجا باندھ رکھی تھی۔ اس سا ڈیجی میں اس کا سر پورا اور بھی جاذب نظر ہو گیا تھا۔ یہ ہے میری بیوی و منشی، وکرم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدال کو بتایا۔ اور عبدال بہ میرا دوست میرا بھائی سب کچھ؟

و منشی نے بڑی ادا کے ساتھ ہاتھ جوڑتے ہوئے عبدال کو منستے کیا جس کے جواب میں عبدال نے اسے سلام کیا تھا۔ لیکن وہ اس عورت کو دیکھ کر کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی نگاہیں اسے اسے جسم پر بھرپور کی طرح چلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ منشی سامنے رہی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی جبکہ وکرم کھڑا تھا۔ "تم جاؤ۔ جلدی سے نکھڑے آؤ" و منشی نے وکرم کی طرف مڑ کر کہا "عبدال صاحب کو بھوک لگ رہی ہوگی؟" نہیں نہیں بھائی، فی الحال تو میں صرف چائے پیوں گا عبدال جلدی سے بولا۔ اور نگاہ کی ضرورت نہیں ہے؟

چائے بھی مل جائے گی و منشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وکرم کی طرف رخا طلب ہوئی "اب تم جاؤ نا کھڑے ہوئے سوچ کیا رہے ہو؟"

وکرم جلدی سے دروازے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد و منشی نے عبدال کی طرف دیکھا۔ اب آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے عبدال صاحب۔ آپ کہیں نہیں جائیں گے؟

عبدال بہو بدل کر رہ گیا۔ اس عورت کا رویہ ٹھیک

نہیں تھا۔ کچھ عجیب تھا۔ اس کے اندر جس قسم کی ہلکی سی تھکی وہ عبدال نے اس سے پہلے — کچھ دوسری چیزیں میں بھی دیکھی تھیں۔ لیکن وہ عورتیں کسی کی بیویاں نہیں بنا کرتی تھیں۔ ان کی — زندگی کسی اور انداز سے گزرتی تھی۔

"کیا بات ہے آپ کچھ بولتے نہیں ہیں کیا۔ ہوسنی نے اسے چپڑنے کی کوشش کی؟ آپ تو بالکل چپ چاپ بیٹھے ہیں۔" اب ایسا بات بھی نہیں ہے؟ عبدال نے بہت سنبھل بھل کر کہا۔ "ابن بولتا بہت ہے میرا مطلب ہے کہ میں بہت بولتا ہوں۔ لیکن اس وقت ذرا کھانا کھا رہا ہوں۔" چائے پینے کے بعد آپ کی گفتگو ختم ہو جائے گی؟ و منشی ایک اولے کے ساتھ بولی: وکرم تو آپ کی بہت تفریہ کیا کرتا تھا۔ جتنا تھا کہ عبدال صاحب اتنے زبردست آؤنی ہیں کہ پورے ملک میں ان کا جواب نہیں ہوگا لیکن یہاں تو آپ میں کوئی زبردستی نہیں دکھائی دی۔ خیر میں چائے لے کر آتی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ چائے پینے کے بعد آپ کا موڈ ٹھیک ہو جائے؟

بھرہو جس طرح کھیتی اور اٹھاتی ہوئی کمرے میں آئی تھی اسی طرح واپس چلی گئی۔ عبدال نے اس کے جانے کے بعد اطمینان کی سانس لی تھی۔ اس کے لئے ایک الجھن تھی کہ وہ اس کے ایسے دوست کی بیوی تھی جو اس کو دیکھ کر بہت خوش ہو گیا تھا۔ جس نے عبدال پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ اسی لئے وہ اس عورت کی اوڑھنے کے جواب میں بھڑ نہیں کر سکتا تھا۔

وکرم بھی کچھ دیر بعد اس کمرے میں آگیا۔ "تم نے دیکھ لیا میری بیوی کو؟" اس نے عبدال کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ دیکھ لیا؟" عبدال نے جواب دیا "اچھا ہے بہت اچھا ہے؟"

"جھوٹ مت بولو عبدال بھائی جو کہنا ہو کر دو؟" وکرم نے کہا "میں جانتا ہوں کہ وہ عورت شکل کی بہت اچھی ہے۔ لیکن وہ اپنی بدعاش اور طوائف قسم کی عورت ہے؟" تو پھر "عبدال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو پھر تم اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" "بہی اوٹھل ہے کہ میں نے جس دن ایسی کوشش

کی اس دن میری لاش سڑک پر پڑی ہوئی دکھائی دے گی۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں؟" ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ و منشی ایک رٹے میں چائے اور کھانے بیٹنے کا بہت سا سامان لے آئی۔ وہ وکرم کی موجودگی میں بھی عبدال سے ہلکے ہلکے کمرے میں گرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اپنی اوڑھنے بڑی جی جی کے ساتھ پھانچا کر رکھ رہی تھی اور وکرم بالکل خاموش تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔ عبدال نے ایسی بے حساسی سے پہلے بھی نہیں دیکھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وکرم نے و منشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہاں ضرور و و منشی مسکرا دی۔" لیکن واپس بھی لے آنا۔ ایسا نہ ہو کہ باہر سے باہر چلتا کرو؟" "ابن تو کچھ دنوں کے بعد چائے گا؟" عبدال نے کہا "تم سالہا ابن کی چٹنا مت کرو۔ اتنی آسانی سے چائے کا نہیں ہے؟"

و منشی کھلکا کر و منشی ہوئی بولی "مرا آگیا میں نے اس سے پہلے ایسی بیٹی زبان بھی نہیں سنی۔ جی چاہتا ہے کہ تم بولتے رہو اور میں سنتی رہوں؟" وکرم نے اس وقت عبدال کا بازو پکڑا اور اسے باہر لے گیا۔ باہر جانے کے لئے انہوں نے ہوش کے بلتے کو استعمال کیا تھا۔ اس وقت بال کے کاؤنٹر پر ایک اور آؤنی بیٹھا ہوا تھا جسے شاید وکرم نے اپنی غیر موجودگی میں بیٹھا دیا تھا۔ وہ دوڑوں بوش سے باہر آئے۔

"آؤ میں آپ میں ایک پرسکون جگہ کے چلتا ہوں؟" وکرم نے کہا "وہاں ہماری باتوں میں مداخلت کرنے کے دلا کوئی نہیں ہوگا؟"

وہ دوڑوں اس بیٹی کے میدان کے ایک قدرتی نیلے ہر آئے۔ یہ ایک قدرتی تیل تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے اسے نشتر کے طور پر استعمال بھی کیا جاتا ہو۔ اس کے اوپر ایک بڑا سا پتھر بھی بڑھا ہوا تھا۔ جوان دوڑوں کے پھٹنے کے لئے کافی تھا۔ وہ دوڑوں کی پتھر پر آکر بیٹھ گئے اس وقت وکرم بہت کھو یا کھو یا سا اور ہر پریشان محسوس ہو رہا تھا "ایسا دیکھتا ہے جیسے تم سالہا اپن سے بڑا دیو داس

بنیلا ہے؟" عبدال نے کہا "اب ابن کو بتائی دو کہ یہ سب کیا لفظ ہے۔ تم سالہا اپنی بیوی سے کہیں دہتا ہے۔ وہ اگر خراب عورت ہے تو پھر تم نے اس سے شادی کیوں بنایا تھا۔ پھر تم سالہا اتنے اچھے شہر کو چھوڑ کر اس جھیلے میں کیوں آگیا۔؟"

"اس بات کا تو پتہ تھا واپس دوست و وکرم نے کہا "میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں اگر زندگی اس طرح عذاب بن جائے گی۔ وہاں اچھی خاصی گزر رہی تھی لیکن یہ جوسانی لائی نے نا۔ یہ آؤنی کو کسی کام کا نہیں رہنے دیتی۔ اسے میرا وکرم کے رکھ دیتی ہے۔ تم تو میری بہتری سے واقف ہی ہو نہیں پہلے فلم انڈسٹری میں کیرور میں تھا۔ یہ میرا نہیں بلکہ دوسروں کا تھا۔ اسے کہتے دنوں کے بعد فلم انڈسٹری کو کچھ جیسا وہاں کیرور میں ملا ہے۔ میں نے فیملیوں کی فوٹو گرافی کی میرے کام کو سراہا بھی گیا۔ یہ سب کچھ تو بتا رہا لیکن میری آمدنی نہیں بڑھ سکی یعنی اتنا تو مل جاتا تھا کہ اس طرح گزر بسر ہو جاتی۔ لیکن وہی لاٹھ والی بات ہے۔ ہوسنی یہ کئی کڑیا دوسے زیادہ آجلے۔ اتنا آجلے کہ ساری زندگی عیش سے گزرنے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انڈسٹری والوں کی زندگی بہت مختصر ہو کر رہی ہے۔ اگر قسمت ان کا ساتھ دے رہی ہے نہیں کامیابی مل رہی ہے تو پھر ہر کوئی ان کے آگے پیچھے نہ جاتا ہے اور جہاں دو تین ٹکس نام ہوئیں۔ اس کا تارہ بھی بدل گیا۔ اسی لئے انڈسٹری کا ہر شخص اپنے طور پر جلد سے جلد اتنا کمالینا چاہتا ہے کہ ساری زندگی کو کافی ہو تو عبدال بھائی میری بھی یہی خواہش تھی لیکن ہوا ہوا کہ میں اس جگہ میں غلط آدمیوں کے ہاتھوں پڑ گیا۔ انہوں نے مجھ سے غلط قسم کی تقویٰ بریں بنوائیں۔ اور یہیں سے میری جرمانہ زندگی کا آغاز ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے میں بہت سیدھا سادھا آؤنی تھا۔ ہر حال میں نے فلم انڈسٹری چھوڑ دی۔ غبن کئے ڈاکے ڈالے۔ بالآخر ایک قاتلانہ حملے کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا جہاں تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ جیل سے نکلنے کے بعد میرے پاس کوئی تھا نہ نہیں تھا۔ دوسری طرف انڈسٹری بھی واپس نہیں جاسکتا تھا میری سبھی میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں کہ اس دوران یہ کوئی مجھ سے آکر نہ جواب میری بیوی ہی ہوئی ہے؟

"اوہ؟" عبدال نے اپنے ہونٹ مسکرایے "تو یہ عورت سالہا تم کو کبھی میں ملا تھا۔؟"

ہاں بھی: وکرم نے جواب دیا: اس نے مجھ سے کہا کہ وہ بہت دنوں سے میرے پیچھے تھی۔ وہ جاتی تھی کہ میں کون ہوں، اور میرے پاس فوٹو لڑائی کا کیسا ہنر ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اس کی بات مان لوں تو میرے دن پھر جائیں گے، اور وہ بات یہ تھی کہ میں معصوم لڑکوں کی غلط تصور میں بنایا کروں۔ عبدال بھائی! میں یہ کام پہلے بھی کرچکا تھا، اور میرا دل اس سے اچھا ہو گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ معصوم لڑکیوں کی بد دعا میں لینا شروع کر دوں مجھے پیسوں کی ضرورت تو تھی، لیکن اس انداز سے اب نہیں چاہتا تھا، اسی لئے میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا، مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ یہ کیسی عورت ہے جو اپنی ہی صنف کو تباہ کرنا چاہتی ہے، میرے دل میں اسی دن سے اس کے خلاف نفرت پیدا ہوئی تھی، جس وقت یہ مجھ سے ایسی باتیں کر رہی تھی اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں مار مار کر اس کی بد بیاں توڑ ڈالوں، یہ تو عورت کے نام پر ایک جوتہ تھی میں نے انکار کر دیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کی اپنی خاصی تو میں بھی کر ڈالی، وہ میرے پاس سے اٹھ کر چلی گئی میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ ختم ہو گیا ہے، لیکن ایسا نہیں تھا، معاملہ تو اس دن سے شروع ہوا تھا۔

وکیا اس عورت نے تیرے ساتھ کوئی کھیل چاہا تھا کہا: عبدال نے بوجھا۔

”اس عورت نے نہیں بلکہ اس کے ساتھیوں نے“

وکرم نے بتایا: دوسرے ہی دن!

اس کی گفتگو ادھوری رہ گئی، اسی وقت اندھیرے میں کسی طرف سے کوئی چلی اور وکرم ایک چپچے کے ساتھ لڑھکتا ہوا شیشے سے نیچے جا کر عبدال نے بھی اس کے ساتھ ہی جھلانگ لگا دی تھی۔

عبدال کو یہ اندازہ نہ تھا کہ کوئی کس طرف سے چلائی گئی ہے لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس کی قسمت اس کا ساتھ دے گئی تھی۔ ورنہ اندھیرے میں چلائی ہوئی کوئی وکرم کے بجائے اس کو بھی لگ سکتی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وکرم کا کیا حال ہوا۔ اس نے وکرم کی چیخ شنائی تھی، اس کے بعد وہ نیچے سے بڑھک گیا تھا۔

عبدال نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ

جلد اور آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا۔ اور وہ اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس اندھیرے میں جہاں وہ جلد اور اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہاں اس اندھیرے نے عبدال کو بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل کر رکھا ہوگا۔

جلد اور ایک ہی گولی جلا کر خاموش ہو گیا تھا عبدال کچھ دیر تک تو اپنی جگہ پر بڑا رہا۔ پھر اس نے کہنوں کے بل آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگنا شروع کر دیا، وہ زیادہ دیر تک اسی طرح خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسری طرف اسے وکرم کا بھی خیال تھا۔ وہ اس کی جان پہچان کا تو تھا ہی اس کے علاوہ اس کی بیوی وسنتی عبدال کو کام کی معلوم ہوتی تھی۔ وکرم کی کہانی سننے کے بعد اس نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اس عورت کی مدد سے وہ ان لوگوں تک پہنچ سکتا ہے جو ان تمام ہنگاموں کے ذمے دار تھے۔ کہنوں کے بل رینگتا ہوا وہ شیلے کی دوسری طرف نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی جلد اور اس طرف موجود ہوا تو وہ اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اس پر قابو پانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس طرف کوئی بھی نہیں تھا۔ گرج وہاں گھسپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لیکن کوئی ہونا تو اس کا خاکہ تو ضرور دکھائی دے جاتا۔ پھر جب اسے کوئی دکھائی نہیں دیا تو اس نے اپنا ایک کان زمین سے جکا دیا۔ وہ آہستہ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کسی قسم کی کوئی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جلد اور ایک ہی گولی چلانے کے بعد فرار ہو گئے ہوں۔ اب اسے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ گولی وکرم ہی پر چلائی گئی تھی یا اس کا نشانہ وہ تھا۔

جب کچھ دیر تک اسے کوئی آہٹ سنائی نہیں دے سکی۔ اور نہ ہی کوئی دکھائی دیا تو جلد اور وہ کھڑا ہو گیا۔ گرج اس نے ایک حاکمت کی تھی، لیکن اس طرف اندھیرے میں ادھر ادھر جھٹکتے رہنا بھی اسے پسند نہ تھا۔ ایسا جان بوجھ کر اور انتظار اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ ویسے وہ اس بات کے لیے تیار تھا کہ اب کسی سمت سے کوئی گولی اسے آکر لگنے والی ہے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ کوئی گولی چلی اور نہ ہی کوئی آہٹ سنائی دی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اس شیلے کے آس پاس کوئی نہیں ہے تو وہ وکرم کو تلاش کرنے لگا۔

وکرم اسے ایک طرف گڑبھا ل گیا تھا۔ اور اسے کوئی

گرا زخم بھی نہیں آیا تھا۔ جلد اور کی چلائی ہوئی گولی اس کے ایک بازو کے گوشت کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی تھی عبدال کو اتنا دیکھ کر وہ اپنے ایک ہاتھ سے اپنے زخمی بازو کو دباتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”جھگوان کا شکر ہے کہ یہ گولی نہیں لگی۔ اس نے کہا۔“ مجھے بھی زیادہ گرا زخم نہیں آیا ہے۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔“

”یہ کیا چکر ہے؟ تم پر کس نے ٹین ٹنک کر دیا؟“ عبدال نے پوچھا۔ ”اپن سالار تو یہ سمجھا تھا کہ تم پر لوگ سردا لگیا ہے۔“

”یہ مجھ پر تیسرا حملہ ہے عبدال بھائی! وکرم نے کہا۔“ اس سے پہلے بھی دو حملے ہو چکے ہیں۔ اور حیرت کی بات ہے کہ ان کا کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں ہوا۔“

”پھر؟“ کا کوئی تو ایسا لگتا ہے کہ ان کا ہر حملہ کامیاب ہو گیا ہے۔“ عبدال کچھ سوچتے ہوئے بولا: وہ لوگ تیرے کو کھلا س کرنا نہیں چاہتے۔ بس ڈرانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے ایسا حملہ کیا ہے۔“

”اوہ۔“ وکرم نے ایک گہری سانس لی: یہ تم جھیک کہتے ہو عبدال بھائی، اب مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ لیکن یہ کون کون ہو سکتے ہیں؟“

”اپن کو تو سالار اس بستی کا جغرافیہ نہیں معلوم، پھر ان لوگوں کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اب تم کھرجو۔ تمہارا سالار مرہم جی بھی کرنے کا ہے کیا؟“

”وہ دونوں گھواپس آگئے۔ یہاں وسنتی جائے تیار کیے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وکرم کو زخمی دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس کی مسکراہٹ نے عبدال کا خون کھولا دیا تھا۔ لیکن وہ ایسا موقع نہیں تھا کہ اس وقت اس عورت سے الگ ہو سکتا۔ اس نے وکرم کو چار پائی پر بٹھایا اور وکرم پانی سے اس کے زخم کو دھو کر مرہم لگا کر اپنی باندھ دی۔ وسنتی اس دوران بڑی دلچسپی سے اس کی کارروائی دیکھتی رہی تھی۔

”آپ تو پورے ڈاکٹر معلوم ہوتے ہیں عبدال صاحب! اس نے کہا۔“ اتنی صفائی سے پٹی باندھی ہے کہ واہ، خرا لگیا۔“

”اپن سالار ڈاکٹر ہو یا نہ ہو پر سالار اپن کو یہ نہیں معلوم کہ تم وکرم کی کیسی بیوی ہو۔“ عبدال سے برداشت نہ ہو سکا

تھا۔ ”تم نے سالار یہ بھی نہیں معلوم کیا کہ تمہارے پتی کو کیا ہوا ہے؟“

”یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عبدال صاحب“ وسنتی سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”دو بار پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے اور دونوں بار ان کو گھر سے زخم نہیں آئے ہیں۔ وہ لوگ جو بھی ہوں وکرم کو مارنا نہیں چاہتے صرف ڈرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ یہ ادھر ادھر اپنی زبان نہیں کھولنا پھرے۔“

”کیا مطلب؟“ عبدال نے چونک کر پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ وسنتی ایک اواسے مسکرا دی۔ ”آپ چھوڑیں یہ سب، چائے پیئیں۔ میں نے آپ کے لیے بہترین چائے بنائی ہے۔ پی کر مڑا آجائے گا۔“

رام پرشاد نے اپنی کہانی سنا دی تھی اور دوا پر اپنا سر پٹ کر کر لیا تھا۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے اس انداز سے بھی بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ اسے خود سے زیادہ ہمتی کی فکر تھی کہ رشاد اس کے سامنے سے ہمتی کو لے گیا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں کر پاتا تھا۔ وہ رام پرشاد سے لگا ہوا تھا۔ جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ قدرت نے اسے ایسا کیا تھا۔ دے دیا تھا جو انتہائی مگرار، شاطر اور بے رحم تھا۔

”کاش میں یہاں سے کسی طرح نکل سکتا۔“ دوا بڑبڑایا۔

”کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی امید نہیں ہے؟“

”بہت مشکل ہے۔“ رام پرشاد نے اپنے ہونٹ مسکراتے ”جب یہ مکان خالی ہو تو چھینے چھینے کا زور بھی بیٹھ جائے گی۔ اور کوئی دھیان دینے والا نہیں ہوگا۔ ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس ویرانے میں کوئی نہیں آتا۔ اس لیے بے فکر ہو کر مجھے چھوڑ جاتے ہیں۔ انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ میں مجھو کا رہتا ہوں یا پیسا سا مر رہا ہوں۔“

”کیا تمہیں اندازہ ہے کہ اس لڑکی کو کہاں لے جایا گیا ہو گا؟“ دوا نے پوچھا۔

”ظاہر ہے۔ وہ اسے اپنی حویلی میں ہی لے گیا ہوگا۔“

رام پرشاد نے بتایا: جہاں اور بھی نہ جانے کتنی مظلوم لڑکیاں سکے ہوئے زندگ گزار رہی ہیں۔

دوا بڑبڑاتا ہوا کہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایسی بے بسی کا سامنا اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہاں تو ہاتھ پیٹھ لڑنے کا

ہو کر رہ گئے تھے۔ کوئی راستہ ہی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے کوٹھڑی کی سلاخوں کے ساتھ بھی زور آزمائی کر کے دیکھ لی تھی، لیکن بے سود۔ سلاخیں اتنی مضبوطی کے ساتھ زمین میں گڑی ہوئی تھیں کہ انہیں صرف خاص کسٹم ہی کے ذریعے اٹھایا جاسکتا تھا۔

پھر اچانک مایوسی کے اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن سی دکھائی دے گئی۔ یہ ایک آواز تھی کسی جیب کی آواز جو ابھی تو دور تھی لیکن آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ شاید کچھ لوگ اس مکان کی طرف ہی آرہے تھے۔ یہ کرشن پرشاد یا اس کے آدمی بھی ہو سکتے تھے لیکن داور کے لیے یہی بات اہم تھی کہ اس ورنے میں ایک تحریک ہوئی تھی۔ کوئی اس طرف آرہا تھا۔ چاہے وہ جو بھی ہو۔ رام پرشاد بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر سلاخوں کے پاس آگیا۔ اس نے بھی جیب کی آواز سن لی تھی۔ اور اس کی آنکھوں میں بھی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے اس جیب کی آواز سن رہے تھے جس میں آنے والے ان کے لیے نجات دہندہ بھی ہو سکتے تھے اور ان کے دشمن بھی ہو سکتے تھے۔

جیب کی آواز مکان کے باہر آدم توڑ گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جیب مکان کے پاس آکر رک گئی ہے۔ اور اب انہیں جیب سے آنے والوں کا انتظار تھا۔

کچھ دیر گزر گئی پھر اس کی راہ گشتی کی آواز سنائی دی۔ یہ مکان تو خالی معلوم ہوتا ہے جانو۔

داور نے بے تاب ہو کر رام پرشاد کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ کوئی اور لوگ ہیں، ہمارے لیے راستہ نکل آیا ہے۔

اتنا کہہ کر داور نے زور زور سے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ رام پرشاد بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ ان کی آوازیں سے وہ خالی مکان گونجنے لگا تھا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھریں۔ اور ایک نوجوان اور ایک لڑکی آکر اس کوٹھڑی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ نوجوان ایک خوش شکل اور کسرتی بدن کا آدمی تھا۔ جبکہ وہ لڑکی بھی بہت چاق و چوبند اور ذہین معلوم ہوتی تھی۔ ان دونوں نے جینز پہن رکھی تھیں۔ لڑکی نے اپنے شانے سے ایک کیمو بھی لٹکا رکھا تھا جبکہ نوجوان کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی۔ یہ دونوں بڑی حیرت سے داور اور رام پرشاد کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”کون ہو تم لوگ؟“ لڑکی نے پوچھا۔ ”کس نے بند کیلئے تمہیں؟“ پہلے تم نہیں یہاں سے نکلنے کی ترکیب کرو۔ پھر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ داور نے کہا۔

یہ تو بہت مشکل ہے۔“ لڑکی نے اپنے ہونٹ سیٹھے۔ ”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم شکار کرنے کے لیے نکلے ہیں اور شکاروں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ہر ایک کی مدد کرتے رہیں۔ ابھی ہم ایک گاڑی کو دھکے لگا کر اسٹارٹ کروا رہے ہیں۔ اور اب تم مدد کے لیے کہہ رہے ہو۔“

داور کو اس لڑکی پر غصہ آنے لگا تھا لیکن یہ موقع غصہ دکھانے کا نہیں تھا ورنہ یہ سرچھری لڑکی اپنے ساتھی نوجوان کو واپس بھی لے جاسکتی تھی۔

”دیکھو بی بی، یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”اگر وہ ڈاکو واپس آئے جنہوں نے ہمیں اغوا کر کے بیان قید کر رکھا ہے تو پھر ہمارے ساتھ تم بھی چھٹی جاؤ گے۔“

”تھک ہے۔“ نوجوان نے اپنی گردن ہلائی ”ان لیا کرتے لوگ منظم ہو لیکن تم خود ہی باہر آنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟“

”یہ سلاخیں یہاں سے نہیں اٹھ سکتیں۔“ رام پرشاد جلدی سے بول پڑا۔ ”دوسرے کمرے میں وہ سپرنگا ہے جس کو گھمانے سے یہ سلاخیں اوپر اٹھ جائیں گی۔“

”باہر آنے کے بعد تم لوگ ہمارے لیے کوئی پریشانی تو نہیں کھڑی کر دو گے؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”کیا میں اپنی صورت سے اتنا احسان فراموش کر سکتی ہوں؟“ داور نے سوال کیا۔

لڑکی مسکرا کر ہو گئی۔ وہ نوجوان کچھ تذہیب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پھر ان دونوں نے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں۔ پھر اس کمرے کی طرف چلے گئے۔ جس طرف کہ رام پرشاد نے اشارہ کیا تھا۔

”چلو نجات کی صورت تو نکلی۔“ داور نے کہا۔ ”اب کرشن پرشاد کو اپنی مدد بخشی کی سزا جگہ گنتی ہوگی۔“

”وہ تم سے کہیں زیادہ میرا دشمن ہے داور۔“ رام پرشاد دھیرے سے بولا۔ ”تمہاری دشمنی تو ان کی ہے لیکن میں تو برسوں سے اس کے مسئلہ کے ہونے غراب کو برداشت

کرتا چلا آیا ہوں۔ وہ میرا بھائی ہے تو کیا ہوا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔“ داور نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت سلاخیں بلند ہوتی شروع ہو گئیں۔ داور نے پوری طرح سلاخوں کے کھنکے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ وہ کوٹھڑی کے فرش پر لیٹ کر بچسٹنا ہوا باہر آگیا۔ رام پرشاد نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ وہ دونوں آزاد ہو چکے تھے۔ اس دوران وہ نوجوان اور لڑکی بھی اس کمرے سے نکل آئے۔

”تمہارا بہت بہت شکریہ دوست۔“ داور نے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ ”تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔“ ”تم صورت سے تو مار زدن معلوم ہوتے ہو۔“ لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔ ”لیکن اس کوٹھڑی سے باہر نہیں آسکے۔“ ”کھانا خاموش ہو جاؤ۔“ نوجوان نے اسے جھٹک دیا۔

پھر ان دونوں سے مخاطب ہوا۔ ”معاف کرنا، میری بہن کو بکواس کرنے کی بہت عادت ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ داور مسکرا دیا۔ ”تمہاری بہن بائو لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ باتیں اس کی زندگی کی دلیل

ہیں۔“ ”شکریہ شکریہ۔“ کھانے آداب کرنے والے انداز میں اپنے ہاتھ کو جنبش دی۔ اب یہ بھی بتا دو کہ وہ کون بدبخت تھا جس نے تم لوگوں کو یہاں بند کر رکھا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو تو بہت ہے۔“ داور نے کہا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ تمہاری ہنستی کیلئے زندگی پر کوئی تارک سایہ انداز کرے۔ تم لوگ جہاں جا رہے تھے وہاں چلے جاؤ۔ بلکہ بہتر یہی ہے کہ ابھی روانہ ہو جاؤ۔ ورنہ وہ لوگ واپس آئے تو مشکل ہو جائے گی۔ تم نے ہماری مدد کی ہے، ہم اس کا بدلہ تو نہیں دے سکتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر تمہیں بھی کسی مدد کی ضرورت ہو تو بے تحکج ہیں آواز دے لینا۔ ہم ہر طرح تمہاری مدد کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔“

”اب تم سے ملاقات ہی کہاں ہوگی جو تم سے مدد مانگیں گے؟“ لڑکی نے جلدی سے کہا۔

”ملاقات ہو بھی سکتی ہے۔ یہ دنیا اتنی وسیع نہیں ہے۔ جنی وسیع دکھائی دیتی ہے۔ خاص کر جب آدمی کو دکھ لگیں تو اس کے لیے بہت مختصر ہو کر رہ جاتی ہے۔“

”باتیں تو تم بہت اچھی کر لیتے ہو۔“ لڑکی ہنسنے ہوئی بولی۔ ”کہاں سے سیکھی ہیں ایسی باتیں؟“

”ملاقات ہو بھی سکتی ہے۔ یہ دنیا اتنی وسیع نہیں ہے۔ جنی وسیع دکھائی دیتی ہے۔ خاص کر جب آدمی کو دکھ لگیں تو اس کے لیے بہت مختصر ہو کر رہ جاتی ہے۔“

”باتیں تو تم بہت اچھی کر لیتے ہو۔“ لڑکی ہنسنے ہوئی بولی۔ ”کہاں سے سیکھی ہیں ایسی باتیں؟“

”ملاقات ہو بھی سکتی ہے۔ یہ دنیا اتنی وسیع نہیں ہے۔ جنی وسیع دکھائی دیتی ہے۔ خاص کر جب آدمی کو دکھ لگیں تو اس کے لیے بہت مختصر ہو کر رہ جاتی ہے۔“

”باتیں تو تم بہت اچھی کر لیتے ہو۔“ لڑکی ہنسنے ہوئی بولی۔ ”کہاں سے سیکھی ہیں ایسی باتیں؟“

”ملاقات ہو بھی سکتی ہے۔ یہ دنیا اتنی وسیع نہیں ہے۔ جنی وسیع دکھائی دیتی ہے۔ خاص کر جب آدمی کو دکھ لگیں تو اس کے لیے بہت مختصر ہو کر رہ جاتی ہے۔“

”زندگی نے سکھا دی ہیں بی بی۔“ اچھا اب تم لوگ چل دو ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تم چھٹی جاؤ۔“

اس نے اس نوجوان کی طرف مصلحتی کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ نوجوان نے باری باری دونوں سے ہاتھ ملایا اور اپنی ہاتھ کو لے کر باہر چلا گیا۔ یہ دونوں بھی مکان سے باہر آکر جاتی ہوئی جیب کو دیکھتے رہے۔ جو تھوڑی ہی دیر میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

”اگر ہم اس جیب سے چلے جاتے تو اچھا تھا۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”اب ہمیں اچھا خاصا لاصلہ پیدل طے کرنا ہوگا۔“

”نہیں ہم اس جیب پر نہیں جا سکتے تھے۔ اس طرح ہماری وجہ سے یہ لوگ بھی مصیبت میں چھٹی سکتے تھے۔“

خیر اب ہمیں لاکھ عمل طے کر لینا چاہیے۔ کیا خیال ہے اس وقت کرشن پرشاد کہاں مل سکے گا۔ مجھے سب سے پہلے اس لڑکی کو اس کی قید سے ہائی دلائی ہے۔ وہ بے چاری میری وجہ سے اس آفت میں گرفتار ہوئی ہے۔“

”میرا اندازہ ہے کہ وہ اس وقت عریں میں مل جائے گا۔“ رام پرشاد نے کچھ دیر سوچتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن مجھے اس پر حیرت ہے کہ کسی نہ کسی کو تو یہاں ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی کئی بار وہ لوگ مجھے اسی مکان میں چھوڑ کر چائے ہیں۔ لیکن مکان سے باہر کوئی نہ کوئی ضرور ہونا تھا۔ اور آج تو کوئی بھی نہیں ہے۔“

”یہ سارے مجھے کرشن پرشاد سے مل کر ہی حل ہوں گے۔“ داور نے کہا۔ ”آؤ، اب چلنا شروع کر دیں۔“

وہ دونوں دور دراز چھلے ہوئے میدان میں اپنا سفر طے کرنے لگے۔ داور جان بوجھ کر اس میدان میں موجود ٹیلوں اور جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کہ راستے میں اگر کسی چھپنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کسی ٹیلے یا جھاڑی کے عقب میں پناہ لے سکے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ مکان سے بہت دور نکل آئے تھے۔

”بھئی، اب تو میں ڈھال ہو گیا ہوں۔“ رام پرشاد میں پڑ پڑ گیا۔ ”مجھ سے اب چلنا نہیں چاہا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اتنے دنوں کی قید نے مجھے بے حد کمزور کر دیا ہے۔“

”تم تھک کہتے ہو۔“ داور نے اپنے ہونٹ جھپٹتے ہوئے چاروں طرف دیکھا۔ ”اگر کوئی ایسی پناہ گاہ مل جائے تو ابھی تم ایک دو دن آرام کر سکو تو پھر میں بھی مطمئن ہو جاؤں۔“

”مجھے یاد آ رہا ہے کہ اس راستے سے ہٹ کر دائیں طرف

جہاں درخت دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے عقب میں ایک بستی موجود ہے۔ رام پرشاد نے بتایا: "اس بستی کا نام گول ٹکڑ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس بستی کا نام گول ٹکڑ کیوں رکھا گیا ہے۔ بہر حال وہ مزدوروں کی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اور وہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔ برادری تو یہی چاہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔ میری رگوں میں اپنے عزیز صفت بھائی کے لیے نفرتوں کا لاوا ابل رہا ہے لیکن یہی بھی جانتا ہوں کہ اگر میں نے تمہارا سفر اور طے کیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑوں گا۔ اور تم مزید انجمن میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لیے تم مجھے اس بستی میں پہنچا کر آگے بڑھ جانا ہو سکتا ہے کہ وہاں سے تمہیں آگے جانے کے لیے کوئی سواری بھی مل جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر وہیں چلتے ہیں؟" داور نے کہا۔ وہ بستی رام پرشاد کے کہنے کے مطابق زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ پر ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جہاں کچے پکے کاٹ بنے ہوئے تھے۔ بستی کے درمیان میں ایک بازار بھی تھا۔ جہاں چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔ آکا دکان گھڑیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

بستی والوں نے ان دونوں کو طبی حیرت سے دیکھا لیکن کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ وہ دونوں بستی کے درمیان سے گزرتے رہے۔ یہاں تو کوئی ہٹل بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ داور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اب سوال یہ ہے کہ تم اتنی دیر کہاں رہو گے؟"

"ظاہر ہے کہ اس بستی میں ہٹل کہاں سے آئے گا۔ ہمیں کسی معقول آدمی کو تلاش کرنا ہو گا۔ جو ایک دو دونوں کے لیے مجھے اپنے گھر میں رکھ سکے؟" مجھے ایک بزرگ آتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ داور نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں سے ایک بوڑھا سا شخص لائٹ میکانا ہوا اس طرف چلا آ رہا تھا۔ اس نے ایک لٹکی باندھ رکھی تھی۔ اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ایک مسلمان بزرگ ہے۔ ہندو عام طور پر دھوتیاں باندھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

داور نے رام پرشاد کا ہاتھ پکڑا اور اس بڑے میاں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے میاں ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے تھے۔

"مترم۔" داور نے بڑے ادب کے ساتھ انہیں مخاطب

کیا۔ میرا ساقھی ہفتہ بیمار اور کمزور ہے۔ ہمیں ایک رات کے لیے پناہ چاہیے۔ کل یا پرسوں یہاں سے چلا جائے گا۔ کیا آپ مجھے کوئی ایسی جگہ بتا سکتے ہیں جہاں یہ رہ سکے۔ کوئی اگر چاہے تو ہم معاوضہ بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔" تنہی۔ نہیں یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بڑے میاں نے جلدی سے اپنی گردن ہلائی۔ "تم کہیں اور جاؤ کسی اور بستی میں چلے جاؤ۔"

بڑے میاں کا انکار اتنا غیر فطری اور خوفزدہ سا تھا کہ داور کے ذہن میں کھٹک سی پیدا ہو گئی۔ اس نے معنی خیز لنگاہوں سے رام پرشاد کو دیکھا پھر بڑے میاں سے مخاطب ہوا۔

"آخر بات کیا ہے مترم؟ آپ اس قدر خوفزدہ کیوں ہیں؟ کیا اس بستی میں کسی کو پناہ دینا منع ہے؟" ایسا ہی سمجھ لو۔ بڑے میاں نے بڑے مختار انداز میں سرگوئی کی۔ "میرا خیال ہے کہ تم لوگ یہاں سے چلے ہی جاؤ تو بہتر ہو گا۔ میں تم لوگوں کو یہاں کے حالات بتا نہیں سکتا ہوں۔"

"آپ کی مرضی۔" داور نے ایک گہری سانس لی۔ لیکن اب یہاں کے حالات معلوم کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ آخر یہ ہندوستان ہی کی ایک بستی ہے۔ اور ہم بھی کوئی باہر سے نہیں آئے ہیں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ رہے ہو۔" بڑے میاں نے کہا۔ ابھی کچھ پہلے اس بستی میں ایک لڑکی کی لاش پائی گئی ہے۔ بستی والے بہت پریشان بھی ہیں اور غصے میں بھرے ہوئے بھی ہیں۔ پولیس کو خبر کر دی گئی ہے۔ کچھ دیر میں پولیس بھی یہاں آئے والی ہوگی۔ تم دونوں بچے مائیں دکھائی دیتے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس تم لوگوں کو پریشان کرنا شروع کر دے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ایسے موقعوں پر پولیس کا رویہ کیا ہو جاتا ہے۔ میں اس لیے تمہیں یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"وہ لاش کہاں ہے بڑے میاں؟" داور مضطرب ہو کر بولا۔ "کیا میں اس لاش کو دیکھ سکتا ہوں؟" "کیوں؟" بڑے میاں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "تم لاش کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟" "بس یونہی ایک خیال میرے ذہن میں آ رہا ہے۔" داور نے کہا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہم لوگوں نے ایک لڑکی کو اس بستی کی طرف آتے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ لاش اسی بڑی

لی ہو کسی نے اسے مار کر پھینک دیا ہو۔ اگر آپ ہمیں اس لاش تک لے جاسکتے ہیں تو یہ آپ کی مہربانی ہوگی۔" "میں تو نہیں لے جاؤں گا۔" بڑے میاں نے جواب دیا۔ البتہ یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ لاش کہاں ہے۔ وہ سائے سرخ انیٹوں والا ایک دو منزلہ مکان نظر آ رہا ہو گا۔ وہ لاش اسی کے پیچھے ایک جوہر کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ ابھی تک اسے اسی حالت میں رکھا گیا ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔"

بڑے میاں تیز قدموں سے ایک طرف چلے گئے۔ "اگر یہ لاش تمہی کی ہوئی رام پرشاد؟" داور نے رام پرشاد کی طرف دیکھا۔ تو پھر یہ سمجھ لو کہ کرشن پرشاد کی موت بہت بھیاںک ہوگی۔"

داور کا لہجہ اس وقت اتنا خوفناک تھا کہ رام پرشاد پھر میری لے کر رہ گیا۔ وہ داور کے چہرے کی طرف دیکھ کر نہیں رہا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں۔ وہ دونوں اس مکان کی طرف بڑھ گئے۔ جس کے عقب میں ایک جوہر کے کنارے وہ لاش رکھی ہوئی تھی۔ بستی والوں نے ابھی تک اس لاش پر کوئی چادر بھی نہیں ڈالی تھی۔ اس لیے کچھ فاصلے ہی سے اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا تھا۔ اور وہ لاش نمی ہی کی تھی۔

داور ٹھٹھک کر رُک گیا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں آتی زور سے جھینچ لیں کہ اس کے ناخن گوشت میں اترنے لگے تھے۔ اس کے پورے بدن میں آگ بھڑکتی تھی۔ وہ سب کو جلا کر خاک کر دینا چاہتا تھا۔ کرشن پرشاد کو، اس کی جوبلی کو اور اس بستی کو جس میں نہی کی لاش بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ رام پرشاد کا حال بھی غلط نہ تھا۔ اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ داور سے اس لڑکی کا کیا تعلق تھا۔ لیکن وہ داور کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھ چکا تھا اور اس کی لاش دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کچھ گھنٹوں پہلے یہ لڑکی زندہ تھی۔ توانائی اور حرارت سے بھر پور اور اب موت اس پر محیط ہو گئی تھی۔ زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ اتنا ہی کم ہوا کرتا ہے۔

"اب آؤ میرے ساتھ۔" داور نے رام پرشاد کے شلنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اب میرے پاس وقت نہیں رہا ہے۔" "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کہوں؟" "نہیں۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" داور غرایا۔ "تم صرف اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ کچھ دیر پہلے میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں کرشن پرشاد کو بہتر سے لیے چھوڑ دوں گا۔"

تمہارے حوالے کر دوں گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے۔ میں اب اس وعدے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ اب میرا ذاتی دشمن بن گیا ہے۔ اور میں ایسے دشمنوں کو معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ آؤ، ہم کوئی سواری تلاش کرتے ہیں۔"

لیکن وہ لوگ زیادہ دور نہیں جاسکے تھے۔ اچانک کچھ لوگ ان کے سامنے آ گئے۔ وہ سب مضبوط ہاتھ بروٹھے پہلوان نما لوگ تھے۔ جن کے فرائض سینوں پر چاندی کی تعویذیں ڈول رہی تھیں۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ قوی مسلح تھا، ان کا سرخٹہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے مسکراتے کے انداز میں بڑی عقارت اور بڑی درگنجی ہوئی تھی۔ "اے۔ کہاں چلی دیے تم لوگ؟" اس نے داور کو مخاطب کیا۔ "جانتے نہیں کہ اس بستی سے باہر جانا منع ہے۔ یہاں ایک لاش پڑی ہوئی ہے اور جب تک اس لاش کا حساب کتاب برابر نہیں ہو گا۔ تم لوگ یہاں سے نہیں جاسکتے۔"

"اور اگر چلے جائیں تو؟" داور غرایا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ بستی والے اس آدمی اور اس کے ساتھیوں سے خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ جیسے ہی داور کے راستے میں آتا تھا بستی والے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ داور نے ان ہی لوگوں کے درمیان ان بڑے میاں کو بھی دیکھا جنہوں نے لاش کے بارے میں بتایا تھا۔ اور اگر ہم چلے جائیں تو۔؟" داور نے اپنی بات دہرائی۔ "سوچ لو پہلوان۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ جگمگ کے سامنے اس طرح سر اٹھا کر بولنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ سر کھینچ دیا جاتا ہے اس کا۔"

"دیکھو۔" داور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ہم لوگ تمہاری اس بستی میں اجنبی کی طرح آئے ہیں۔ یہیں ہمیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی لاش پڑی ہوئی ہے۔ بہر حال ہمارا اس لاش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تم جانے دو تو بہتر ہے۔ ہمیں بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ اور ہمارا پاس وقت بالکل بھی نہیں ہے۔"

"اگر اس لاش سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر تم لوگ اسے دیکھنے کیوں گئے تھے؟" اس نے پوچھا۔ "بس یوں ہی۔ ایک شک سا تھا جو اس لاش کو دیکھ کر دور ہو گیا۔ پھر تم یہ بھی تو سوچو کہ اگر ہم نے اس لڑکی کو مارا ہوتا تو ہم اس بستی میں کیوں آتے؟"

”یہ سب سوچنا ہمارا نہیں بلکہ پولیس کا کام ہے اور ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ کہیں یہاں سے جانے نہ دیں۔ اب چل کر سامنے والے درخت کے نیچے بیٹھ جاؤ۔ اور ہاں تم لوگوں نے اگر مجھنے کی کوشش کی تو پھر۔“

داور کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ یہ شخص خواہ مخواہ ہی ان کے راستے میں جلا رہا تھا۔ اس کے پاس وقت تھا ہی نہیں۔ کرشن پرشاؤ کو ممکن تھا کہ علم ہو گیا ہو کہ دونوں اس کی قید سے نکل بھاگے ہیں۔ ایسی صورت میں اس نے ہر طرف اپنے آدمی دوڑائے ہوں گے۔ اور اس راستے پر ہی ایک بستی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے آدمی اس بستی میں پہنچنے ہی والے ہوں۔ ایسی صورت میں ان کی منزل اور بھی ٹھوٹی ہو سکتی تھی۔ انہیں بہت جلدی یہاں سے نکل لینا تھا۔ لیکن یہ جنگ اس کی دیوار کی طرح ان کے راستے میں آکر حائل ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔“ اور درخت کی طرف جانے کے لیے مڑ گیا۔

لیکن وہ مڑا کہاں تھا۔ اس نے مڑتے ہی ایک بیک لگ جگا کو رسید کر دی تھی۔ اس کی ٹھوک جگا کے پیٹ پر لگی۔ اور وہ گر کر ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ اس کے گرنے ہی اس کے ساتھیوں نے پوری شدت کے ساتھ داور پر ہل بول دیا تھا۔ داور کو بہت دنوں کے بعد اس طرح لڑنے کا موقع ملا تھا۔ اس کے بازوؤں کی پھلیاں توڑنے لگی تھیں۔ اس کے جوڑوں میں رچی ہوئی ٹھکن اور سلسلہ کی گھنٹی جا رہی تھی۔ رام پرشاؤ نے ایک عقلمندی پر کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ ورنہ یہ کھل ہوا نعل اسے رفتہ رفتہ دیتا۔ اور اب اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ کسی سے جھگڑا کر سکے۔ وہ پانچ آدمی تھے۔ چچا تو ابھی تک پیٹ کو دو دنوں ہاتھوں سے دبائے ہوئے تڑپ رہا تھا۔ جبکہ اس کے باقی ساتھیوں کا بھی حال اس سے مختلف نہیں رہا تھا۔ ان میں سے دو ایسے تھے جن کی ناکوں کے بالے ٹوٹ چکے تھے۔

اور ان میں سے خون قوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔ جبکہ ایک آدمی کی گردن میں چوٹ آئی تھی۔ اور وہ کسی درجہ ہوش سے ہوتے جانور کی طرح خرخرانے لگا تھا۔ داور اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا استعمال کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بجلی سے تڑپ کر ادھر سے ادھر چلی جاتی ہو وہ ایک کو ٹھوک مارتا تو اسی لمحے دوسرے کے جھڑپے پر

وہ گھولنے رسید کر دیتا۔ یہ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہی تھی۔ وہ قوی بھیل اور قد اور لوگ تو تھے لیکن لڑائی کے بہتر سے نا آشنا تھے۔ اور ان دونوں جنگ حرف جسم ہی سے نہیں بلکہ ذہن سے بھی لڑی جاتی ہے۔

داور کا جسم بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا اور اس کا ذہن بھی بیشترے بتا رہا تھا۔ لہذا یہ جنگ بہت جلدی ختم ہو گئی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے پیروں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ سب کے سب ہی ڈھیر ہو چکے تھے۔ ان کے ڈھیر ہو جانے کے بعد داور نے اپنے اور گرد و کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ مجمع کو ساٹھ سو لگے گا تھا۔ سب ہی خاموش تھے لیکن ان کی نگاہیں داور پر اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے وہ لوگ دوری دنیا کی کسی مخلوق کو دیکھ رہے ہوں۔ ان نگاہوں میں داور کیلئے غصہ بھی تھا، جیت بھی تھی اور احترام بھی تھا۔

داور کے چہرے پر پچھلی ہوئی گرد پھر صاف ہو گئی۔ وہ بالکل نارمل دکھائی دیتا تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ ابھی یہ شخص بے پناہ خونخواری کا مظاہرہ کر چکا ہے۔ رام پرشاؤ بھی ایک طرف سے نکل کر اس کے پاس آ گیا۔

”معاف کرنا دوست۔“ وہ شرمندہ لہجہ میں بولا۔ ”میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکا۔ لیکن تمہیں تو کسی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم نے کتنی آسانی سے ان بد معاشوں کو مار گرایا ہے اپنی بقا کے لیے یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”اگر میں انہیں مار پاتا تو یہ لوگ میرے کمرے کے رکھ دیتے۔ خیر اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔“

”بستی والوں پر تمہارا رعب طاری ہو گیا ہے۔“ رام پرشاؤ نے لوگوں کی طرف دیکھا۔ ”اگر تم ان سے کسی سواری کے لیے کہو تو شاید یہ بندوبست کر دیں۔“

”یہ تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔“ داور نے اپنی گردن ہلائی۔ ”تم یہیں کھڑے رہو، میں ان سے بات کر کے دیکھ لیتا ہوں۔“

اس نے دور کھڑے ہوئے بستی والوں کی طرف اپنے قدم بڑھائے اور اسی وقت کئی گاڑیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں بڑی تیز رفتار سے اسے سفر کرتی ہوئی اسی طرف آرہی تھیں۔

”پولیس۔“ مجمع میں سرگوشی پھیل گئی۔ ”پولیس آرہی ہے۔“

داور بجائے آگے جانے کے رام پرشاؤ کے پاس واپس آ گیا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک رہی تھیں۔ گاڑی فابندوبست ہو گیا رام پرشاؤ۔ اس نے کہا۔

”وہ کس طرح؟“ رام پرشاؤ نے حیرت سے پوچھا۔

”پولیس آرہی ہے۔ اور ہمیں پولیس کی کسی گاڑی پر قبضہ کرنا ہے۔ تیار رہو۔“

رات ہمیشہ اپنے ساتھ اندیشے اور خدشے لے کر آیا کرتی ہے۔

جنگ کی وہ رات بھی بہت عجیب تھی۔ خوف و لاقی ہوئی یسی رات کا تجربہ مہاراج نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ ان کے جسم کے نعل کے بستر پر سونے کی تربیت حاصل کی تھی۔ پریشانیان کبھی ان کے پاس نہیں آئی تھیں۔ ان کی ایک وادہ خدمت گزار ہاتھ باندھے ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کی سابقہ زندگی خواب تھی یا وہ آج کل خواب دیکھ رہے تھے۔ انہیں ایسا لگتا تھا جیسے ان کے اعصاب آہستہ آہستہ بواب دیتے جا رہے ہوں۔

”کبھی کبھی تو یہ خاموشی ہوتی کہ وہ سب پر لعنت میچ لڑائی ساری دولت لہار کا نامی اس پر اسرار شخص کے حوالے کر کے اپنے نعل کی طرف لوٹ جائیں، جہاں آرام وہ بستر ان کے انتظار میں تھے۔ پھر انہیں جب یہ خیال آ جاتا کہ دولت دینے کے بعد خود ان کے پاس کیا باقی رہ جائے گا۔ تو وہ اپنے آپ پر چر کر رہ جاتے۔ انہوں نے کسی کے گے جھکا نہیں سیکھا تھا۔ ان کے پرکھوں نے انہیں یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ کسی کے آگے سر جھکا دیا جائے۔ لیکن اس لہار کا نامی شخص نے اپنے حریفوں اور اپنی جدید سائنسی سہولتوں کے ذریعے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔

برآمدے سے کہا تھا کہ رات ہونے پر یہ دونوں یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ نہ جانے برآمدے کے دروازے میں یہاں سے نکلنے کی کیا ترکیب تھی۔ ویسے مہاراج کو برآمدے کا دم بہت غیبت محسوس ہو رہا تھا۔ اگر یہ شخص مہاراج کا ساتھ نہیں دیتا تو نہ جانے ان کا کیا حال ہو چکا ہوتا۔ برآمدہ خود بھی ایک جیالا، باحوصل اور دلیر شخص تھا۔ مہاراج سنگھ کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ

اس نے یہ کہا تھا کہ وہ حالات معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس آئے گا۔ لیکن اس کے نہ گئے نہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے یا تو اپنا ارادہ بدل دیا ہے یا پھر کسی اور کام میں الجھا ہوا ہے۔ ورنہ اس کی حیرانی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بھی لہارک اور اس کے ساتھیوں کے راز کو جاننے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔

مہاراج اس وقت گھاس پھوس کے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ ہرام کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا ہر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت آسمان پر چاندانی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ لیکن اس کی روشنی نے اس جنگل کے ماحول کو اور بھی دہشت ناک بنا دیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ہرام نے مہاراج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مہاراج صاحب۔ اب یہاں سے نکلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے۔ ورنہ ہم ساری زندگی تو اس گڑھا میں نہیں گزار سکتے۔ آپ یہ بتائیں، کیا آپ نے کبھی اسلحہ استعمال کیا ہے۔“

”یہ کیا بات کر رہے ہو؟“ مہاراج جھل کر بولے۔ ”میں ساری زندگی اس کے علاوہ اور کیا کرتا رہا ہوں۔ شکار پر تو اسلحہ ہی کام آتا ہے۔“

اسلحے کا استعمال و مختلف چیزیں ہیں مہاراج صاحب۔ جانوروں کو ہلاک کرنا اور بات ہے، انسانوں کو ہلاک کرنا اور بات۔ یہاں آپ انسانوں کو ہلاک کر رہے گے۔ بغیر کسی جھجکا کسی تکلف کے کیونکہ آپ نے اگر ایسا نہیں کیا تو وہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ ایک کی بھاؤ دوسرے کی موت ہوتی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ مہاراج بستر سے اٹھ کر ہرام کے پاس آئے۔ ”کیا تم یقین کرو گے کہ میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں آدمیوں کو دیکھا ہے۔ ان کی باتیں سنیں ہیں ان کے تجربات کا مشاہدہ کیلئے۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ متاثر کرنے والے تم ہو۔ تم واقعی ایک ذہین اور عملی انسان ہو۔“

”شکریہ۔“ ہرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چل دینا چاہیے۔ آسمان پر باد کا ایک بڑا سا ٹکڑا دکھائی دے رہا ہے۔ لیکن وہ ابھی چاند سے بہت دور ہے۔ ہم چاندنی میں جنگل عبور کر رہے گے اور میرے اندازے کے مطابق جب ہم جنگل سے نکل چکے

ہوں گے تو اس وقت چاند اس کمرے کے عقب میں چلا جائے گا۔ اور اس اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر ہم اس جاؤ و گری میں داخل ہو جائیں گے۔ اب آجائیں۔“

مہاراجہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ بلرام نے ایک بار پھر انہیں بے پناہ ذہانت کا ثبوت دے دیا تھا۔ وہ دونوں اس چھوٹی پڑی سے باہر آگئے۔ جنگل میں اس وقت بالکل سناٹا تھا۔ کبھی کبھی درختوں کے درمیان کوئی سرسبز سناٹا دیکھ کر اس کے بعد پھر پہلے کی طرح خاموشی چھا جاتی۔ وہ دونوں جنگل کے درختوں کے درمیان بیٹھ کر ایک ٹری پر چلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ بلرام اس وقت بہت چٹکنا دکھائی دے رہا تھا۔ داسی آہٹ بھی محسوس ہوتی تو اس طرح کھٹک جاتا جیسے پتھر کا مجسمہ بن گیا ہو۔ بالکل بے حرکت۔ اس کے بعد پھر مہاراجہ کو اشارہ کرتا۔ اور وہ دونوں آگے بڑھ جاتے۔

کچھ دور چلنے کے بعد مہاراجہ کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ ایک انوکھی بات تھی۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ بلرام جس وقت انہیں چاہوں والے کمرے سے نکال کر اس لکڑی میں لایا تھا، اس وقت یہ سفر بہت جلدی طے ہو گیا تھا لیکن اب انہیں چلتے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اس جنگل کی حد رستم نہیں ہو پا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بلرام جان بوجھ کر اس جنگل سے نکلتا نہیں چاہتا ہو۔ بلرام آگے بڑھتا، پھر غیر محسوس طور پر اپنا رخ تبدیل کر لیتا۔ جیسے ان کا سفر ایک دائرے میں ہو رہا ہو۔

مہاراجہ بھی جنگلوں کے مزاج سے واقف تھے کسی اور کے لیے تو اس بات کا پتہ لگانا ناممکن تھا لیکن مہاراجہ نے یہ بات بھانپ لی تھی۔ چلتے چلتے انہوں نے بہرام کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”یہ کیا مذاق ہے بہرام؟“ انہوں نے کہا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو کہ میں سمیت کا اندازہ نہیں کر سکتا ہوں۔“

”اوہ۔ تو آپ سمجھ گئے۔“ بلرام ہنس پڑا۔ بات یہ ہے کہ میں آپ کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ درست ہے کہ میں اس جنگل میں سے باہر نہیں نکلتا ہے، اسی طرح گھومتے رہتا ہوں۔“

”وہ کیوں؟“ مہاراجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اس کی وجہ بہادر سنگھ کا رویہ ہے۔“ بلرام نے کہا۔ یہ درست ہے کہ ہم نے بہادر سنگھ کو مختصر فطرتوں میں یہاں کے حالات سے آگاہ کر دیا تھا لیکن اس کے ذہن پر برسوں

کا نشہ چھایا ہوا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اس نے کتنے مسائل سے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ وہ چاہتا تو اسی وقت ہنگامہ کھڑا کر دیتا تھا۔ لیکن اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ بس خاموشی سے باہر چلا گیا۔ اور اپنے آدمیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ نہیں مہاراجہ صاحب، زندگی نے مجھے اتنی ٹھکر نہیں لگائی ہے کہ میں حد سے زیادہ محتاط رہنے کا عادی ہو گیا ہوں۔ اسی لیے میں نے بہادر سنگھ پر بھی وسوسہ نہیں کیا ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ وہ اس وقت تو چلا گیا تھا، لیکن واپس آئے گا۔ وہ رات ہی کو واپس آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لیٹا کر اور اس کے ساتھیوں کو ساتھ لے آئے یا ممکن ہے کہ اپنے اعتماد کے آدمیوں کو لیتا آئے تاکہ وہ ہمیں گرفتار کر کے لیٹا کر کے سامنے پیش کر سکے اور اس کی مزید مہربانیاں اسے حاصل ہو جائیں۔“

”تمہارے خدشات درست ہی معلوم ہوتے ہیں بلرام؟“ مہاراجہ نے بھی اس کی تائید کی۔ ”میں بھی نہ جانتے کیا نتیجہ لگتا تھا۔ لیکن اب کیا کرنا ہے؟“

”کچھ نہیں۔ اگر میرے خدشات درست ہیں تو تمہارے لیے اس جنگل سے نکلنے میں بہت خطرہ ہے۔“ بلرام نے کہا۔ ”یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے آدمیوں کو چاروں طرف پھیلوا رکھا ہو۔ ایسی صورت میں ہم یہاں سے نکلنے ہی بڑی طرح محسوس جائیں گے۔ میں اسی گھوم کر دوبارہ اس غیر پڑی کی طرف جانا چاہتا ہوں۔“

”یہ کیا اقاقت ہے؟“ مہاراجہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہم اگر دوبارہ وہاں پہنچ گئے تو کیا وہ ہمیں چھوڑ دیں گے؟“

”آپ غلط سمجھ گئے۔ ہم دوبارہ اس لکڑی میں داخل نہیں ہوں گے۔“ بلرام نے بتایا۔ ”بلکہ ہم ایک غاری میں جا کر چھپ جائیں گے۔“

”میرا خیال ہے تم جان بوجھ کر خطرہ مول لے رہے ہو۔“ مہاراجہ نے کہا۔ ”جب ہمیں موقع مل ہی گیا ہے تو اس جنگل سے نکل لینا چاہیے۔ پھر ہم اگر اس غار میں چھپ گئے تو کیا ہمیں تلاش نہیں کیا جائے گا۔“

”نہیں۔“ بہرام نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے وہ غار تلاش کیا ہے۔ وہ غار کیسا ہے۔ ایک بہت بڑے عظیم الشان درخت کی جڑ میں موجود۔ ایک خلا ہے۔ جس میں دو یا تین آدمی آسانی سے چھپ سکتے ہیں۔ ہمیں تو صرف اپنے اندازے کی تصدیق کرنی ہے یہ دیکھنا ہے کہ واقعی بہادر سنگھ اس لکڑی پر

دھاوا بولتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر ہمارا اگلا قدم یہاں سے نکلنے کا ہو گا۔ اور اگر اس نے دھاوا بول دیا تو پھر اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔“

مہاراجہ خاموش رہے۔ بلرام نے ساری دقت واریاں اٹھائی تھیں۔ اسی لیے اس سے کچھ بولنا بھی مناسب نہیں تھا۔ ویسے انہیں یہ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ بلرام ایک ذہین آدمی ہے اور جو کچھ بھی کر رہا ہو۔ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ان دونوں نے پھر چلتا شروع کر دیا۔ اور اس بار واضح طور پر ان کے سفر کا رخ

اسی لکڑی کی طرف تھا۔ وہ دونوں ایک طویل چکر کاٹ کر اس لکڑی کے عقب میں جا نکلے۔ یہاں مہاراجہ کے ذہن میں ایک سوال اور بڑی طرح کھٹکنا لگتا تھا۔

”بلرام، اگر ہمیں اس درخت ہی کی طرف آنا تھا۔ تو اتنا لمبا چکر کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم براہ راست بھی یہاں آ سکتے تھے۔“

”ایسے موقعوں پر دشمن کی ہر حال کو سامنے رکھنا چاہیے۔“ بلرام نے جواب دیا۔ ”ہو سکتا ہے کہ بہادر سنگھ نے اپنا کوئی آدمی اس پاس چھپا رکھا ہو۔ اس نے یقیناً ہمارا تعاقب کیا ہو گا۔ اگر ہم براہ راست اسی درخت کی طرف آ نکلے تو شاید اس طرح گھیر لے جاتے جیسے کسی چوہے کو گھیر لیا جاتا ہے۔ میں نے اتنا لمبا چکر اسی لیے چلایا ہے کہ اگر کوئی تعاقب بھی کرے تو جنگل میں جھسکتا رہ جائے۔“

مہاراجہ کو پھر اس کی ذہانت کی داد دینی پڑی تھی۔ یہ شخص قدم قدم پر حیران کیے جا رہا تھا۔ یہ بالکل سلفی کی بات تھی اور مہاراجہ کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔

بلرام نے انہیں ایک بڑے سے درخت کے پاس لا کر کھڑا کر دیا۔

”یہ ہے وہ درخت۔“ بلرام نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہم اس کے اندر بڑی آسانی سے چھپ سکتے ہیں۔“ لیکن مجھے تو اس کے تنے میں کوئی خلا نہیں دکھائی دے رہا۔“ مہاراجہ نے کہا۔

”ابھی نظر آ جاتا ہے۔“ بہرام نے آگے بڑھ کر اس درخت کے تنے کی چھال کھول دی۔ وہ چھال اس طرح کھل گئی جیسے کوئی دروازہ کھل گیا ہو۔ مہاراجہ حیرت سے اس خفیہ دروازے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

”یہ خلا اتفاقاً ہی دریافت ہو گیا تھا مہاراجہ صاحب“

بہرام نے کہا۔ ”پھر میں نے سوچا کہ اسے ایک دوسری پناہ گاہ کیوں نہ بنالیا جائے۔ اس لکڑی کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ وہاں کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب سوچ کر میں نے ایک دوسرے درخت سے اس خلا کے برابر چھال تراش لی اور لکڑی سے کیلیں تلاش کر کے اس چھال کو کسی دروازے کی طرح اس میں لگا لیا۔ اب یہ اگر بند ہو جائے تو کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ اس دیوار کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہے۔ میں نے باہر جھانکنے کے لیے اس میں سوراخ بھی بنا دیے ہیں۔ اب آئیں، چل کر بیٹھ جاتے ہیں۔“

اس درخت کے اندر وہ دونوں ہی سہل گئے تھے۔ بلرام نے دروازہ بند کر دیا۔ اندر اندھیرا تھا لیکن گھٹن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ ان دونوں نے اس دروازے کے سوراخوں سے اپنی آنکھیں لگا دیں۔ وہ لکڑی ان کے سامنے ہی چاندنی میں نہائی گھڑی تھی۔ اس پاس کا منظر

محمد علی ڈاٹ اینجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

مہاراجہ

ایک عیاش مہاراجہ کی عبرتناک داستان، ایک ایسی داستان جسے بدلوں فراموش نہ کیا جاسکے گا، وہ مشیر کی کھال میں بھیٹا تھا، ایک ایسے مہاراجہ کا قصہ جس کے دو جڑواں بیٹے تھے، ہم شکل راجا کی مضحکہ خیز کہانی

مہاراجہ مکمل ایک حصے میں شائع

میکر محمد علی ڈاٹ اینجسٹ

۳، اردو بازار — کراچی

اس وقت پوری طرح واضح تھا۔

پھر ایک آدمی اس کٹیہا کے پاس بھٹکتا ہوا دکھائی دے گیا۔ وہ چاروں طرف حیران ہو ہو کر دیکھ رہا تھا۔ ایک بار وہ کٹیہا کے اندر بھی گیا اور فوراً ہی واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دیا ہوا پستول انہیں دکھائی دے گیا۔ ”میرا پہلا اندازہ درست ہوا مہاراجہ صاحب“ بلرام نے کہا۔ ”یہ وہی آدمی ہے جس نے ہمارا تعاقب کیا ہو گا۔ اور اب ہمارا نشان کم کر بیٹھا ہے۔ اور اس کے ہاں دکھائی دینے کا مقصد یہ ہے کہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کا انتظار ہے۔ وہ لوگ اس کے پاس آئے ہی والے ہوں گے۔“

بلرام کا دوسرا اندیشہ بھی درست ثابت ہوا تھا۔ ابھی اس نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ایک طرف سے بہت لوگ آتے ہوئے دکھائی دے گئے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔ ان میں سے ایک کو مہاراجہ نے پہچان لیا تھا۔ یہ وہی بہادر سنگھ تھا جو ان کی مدد کا وعدہ کر گیا تھا لیکن اب ان کے لیے کچھ آدمی بھی لے آیا تھا۔ ان آدمیوں میں ایک غیر ملکی بھی دکھائی دے رہا تھا۔ حالانکہ اس درخت سے اس کٹیہا کا اچھا خاصا فاصلہ تھا۔ اس کے باوجود مہاراجہ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بہادر سنگھ کے ساتھ دوسرے شخص کوئی غیر ملکی ہے۔ اس کے چلنے کا انداز اس کی جسامت، اس کا حلیہ دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ ”یہ براؤن ہے مہاراجہ صاحب“ بلرام نے کہا۔ لیٹارک کا خاص آدمی ہے۔ بہادر سنگھ نے جب لیٹارک کو جاکر سادھو کی موت کی خبر سنائی ہوگی تو اس نے مزید تصدیق کے لیے براؤن کو بھیج دیا ہوگا۔

”میں تمہاری ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں بلرام“ مہاراجہ نے کہا۔ ”تم واقعی بہت سوچ سمجھ کر کام کرنے کے عادی ہو۔“

اس میں ذہانت کی نہیں بلکہ آنکھیں کھلی رکھنے کی بات ہے۔ خیر اب دیکھیں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔“

اس فاصلے سے ان کی آوازیں تو سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ لیکن یہ ضرور اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شخص جس نے ان دونوں کا تعاقب کیا ہوگا۔ اب انہیں اپنی ناکامی کی داستان سننا رہا تھا۔ اور وہ لوگ اس پر ناراض ہو رہے تھے۔ پھر اس غیر ملکی براؤن نے بہادر سنگھ کو اشارہ

کیا اور وہ کٹیہا کے اندر چلا گیا۔ فوراً ہی واپس آ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے براؤن کو بتا دیا تھا کہ وہ دونوں کٹیہا میں نہیں ہیں۔ براؤن نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور اس جنگل میں روشنی پھیل گئی۔ نہ جانے کتنے آدمیوں نے طاقت و سرسبز لائٹ روشن کر لیے تھے اب ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی تھی لیکن ان دونوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر کوئی اس طرف آ بھی نکلتا تو اسے یہ احساس نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ کسی درخت میں دو آدمی چھپے ہوئے ان کی کارروائی دیکھ رہے ہیں۔ وہ لوگ ہر طرف پھیل کر تلاش میں مصروف ہو گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں یہ پرسکون جنگل طرح طرح کی آوازوں سے گونجنے لگا تھا۔ سرسبز لائٹ بے ہوشے مسلح لوگ ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ ان کے شور اور ہنگاموں نے اس جنگل میں پہلی بار پاکردی تھی۔ پرندے شاخوں سے اڑنے لگے تھے۔ ہر طرف پتھر پتھر اٹ اور مختلف قسم کی آوازوں نے اپنا بسیرا کر لیا تھا۔

یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ نہ جانے کتنے لوگ اس درخت کے سامنے سے گزر گئے۔ جس کے اندر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی کا بھی دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔ انہوں نے درختوں کے اوپر تک دیکھ لیا تھا۔ کچھ دیر بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ لیکن واپس ہوتے ہوئے انہوں نے اس غیر ملکی کے اشارے پر اس کٹیہا کو آگ لگا دی تھی۔ گھاس پھوس کی بنی ہوئی وہ جھوٹی دیوہٹا دھڑا دھڑا جلنے لگی تھی۔ اور اس کی جلتی ہوئی آگ نے جنگل کے اس حصے کو اس طرح روشن کر دیا تھا جیسے دن نکل آیا ہو۔

اب یہ سہارا بھی گیا۔ بلرام نے جلتی ہوئی جھوٹی دیوہٹا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اب ہم ہر حال میں اس جنگل سے نکلتا ہی ہوگا۔ انہوں نے جھوٹی دیوہٹا کو اسی لیے آگ لگائی ہے کہ ہم واپس اس میں پناہ نہ لے سکیں۔“

”ہمیں کب تک یہاں رہنا پڑے گا؟“ مہاراجہ نے پوچھا۔ ”میرا تو بہت دم گھٹنے لگا ہے۔“

”بس تھوڑی دیر اور۔۔۔ وہ لوگ ابھی تک جنگل ہی میں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ بس ذرا وہ اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہو جائیں۔ پھر ہم بھی نکل لیتے ہیں۔“

وہ دونوں کافی دیر تک بیٹھے رہے تھے۔ اس دوران

طرف دیکھا۔

”فی الحال تو کسی گاڑی کی تلاش میں ہوں؟ بلرام نے جواب دیا۔“ تاکہ اس گاڑی پر قبضہ کر کے یہاں سے نکلنے کی ترکیب کی جائے۔“

لیکن کسی گاڑی کے بجائے اچانک ایک طرف سے ایک سیاہ پوش ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رائفل دبی ہوئی تھی۔ جس کا رخ ان دونوں کی طرف

ہی تھا۔ وہ آہستگی سے اور اتنی خاموشی کے ساتھ نہ جانے کس طرف سے نکل آیا تھا۔ کہ ان دونوں کو احساس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ اور جب احساس ہوا تو دونوں اس کی رائفل کی زد پر آچکے تھے۔

وہ جھوٹی بھی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اس کی آگ بجھتے ہی دوبارہ اندھیرا چھا گیا۔ پھر جب جھوٹی بھی جلنے والی آخری چنگاری بھی بجھ گئی تو وہ دونوں اس درخت سے باہر آ گئے۔ اب ان کا رخ فنگل سے باہر جانے والے راستے کی طرف تھا۔

کچھ دیر بعد جنگل کی حد ختم ہو گئی۔ وہ ایک میدان میں نکل آئے تھے۔ جہاں سامنے کچھ بیرکس بنے ہوئے کوئی دس دسے رہے تھے۔ لیکن ان کی حفاظت کے لیے کسی تعینات نہیں کیا گیا تھا۔ شاید ان بیرکوں میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ جس کی حفاظت کی جاسکتی۔ وہ دونوں ان بیرکوں سے بھی آگے نکل آئے۔

”آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟“ مہاراجہ نے بلرام کی



بانی تیرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیے

عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

کوہِ کبرا

تیسرا حصہ





”ان دونوں کی تلاش کی لو۔“ اس آدمی نے ایک محافظ کو حکم دیا۔
تلاشی کے بعد ان کی جیبوں سے کچھ بھی نہیں نکلا تھا۔
دلراج کا پستول تو غیر تہہ خانے میں ہی رہ گیا تھا لیکن برکت کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ محافظ ان دونوں کی طرف سے مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

”ہم نے تباہی کے لیے جو حال بچھایا تھا، تم لوگ اس میں آہٹے ہو۔“ اس نے کہا۔ ”ورنہ پہلے تو میں نے بھی یہی سمجھا تھا کہ شاید یہ سب کسی بھوت کی کارستانی ہے۔ اب تم لوگ سچ بتاؤ گے کہ تم کون ہو اور تم نے یہ کیا چکر چلا رکھا ہے؟“
”میں نے تو تمہیں بتا دیا ہوں گا کہ تم کون ہو؟ یہ برکت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ماں بھڑا صاحب۔ کیوں نہ پولیس کو خبر کر دی جائے۔“
ایک محافظ نے صراحت کی۔
”ہاں۔ تم پولیس کو فون کرو۔“ ماں بھڑا نے اپنی گردن

دلراج اور برکت نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔
دیکھتے ہی دیکھتے میوزیم کا وہ ہال محافظوں سے بھر گیا۔
وہ سب ہی مسخ لوگ تھے۔ اور ان کی قیادت ایک ایسا آدمی کر رہا تھا جو ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس نے بڑے سلیقے کا لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس کے سر پر برائے نام بال تھے۔ لیکن اپنے منہ پر جلیے کے باوجود اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ایسا آدمی ہے جو وقت آنے پر خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی طنز پس مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”کیوں؟ ختم ہو گیا نا بقی اور جو ہے نہ کھیل۔“ وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دیکھا؟ یکس انداز سے تمہیں گھیر گیا ہے۔“

برکت نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ بڑی کینہ توڑ لگا ہوا سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جبکہ اس کی نسبت دلراج کچھ خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔

ہلا دی۔ لیکن پولیس کی آمد سے پہلے میں اپنے طور پر ان لوگوں سے کچھ معلوم کر لینا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں دلراج اور برکت پہلے بھی جا چکے تھے۔ ان دونوں کو اس کمرے میں پہنچا دو۔

برکت اور دلراج کو دھکے دے کر اس کمرے میں پہنچا دیا۔ ان کے ساتھ ہی وہ شخص بھی چلا آیا تھا جسے ماتھر کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ ملتے ہی وہ لوگ کمرے سے باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ماتھر نے رٹے اٹھانے سے دواوازہ بند کر دیا اور ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

”میرے آدمیوں نے پولیس کو فون کر دیا ہو گا اور تم جانتے ہو کہ پولیس کے آنے کے بعد تمہارا کیا حال ہونے والا ہے۔“

”ہاں ہم جانتے ہیں۔“ برکت مسکراتے ہوئے بولا۔

”اس لیے اب تم سووے کی بات کر ہی لو تو بہتر ہے۔“

”اوہ۔“ ماتھر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تو تم سمجھ گئے۔“

”خاطر ہے۔ تم ہمیں اس کمرے میں کیوں لائے ہو۔ اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہی تھا تو ان لوگوں کے سامنے بھی پوچھ سکتے تھے۔ لیکن یہاں لائے کا مقصد یہ ہے کہ تم مجھے کوئی ایسی بات معلوم کرنا چاہتے ہو جو تمہارے آدمیوں کے علم میں نہ آ سکے۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔“

”بالکل ٹھیک۔“ ماتھر خوش دلی سے ہنس پڑا۔ آدمی ذہین معلوم ہوتے ہو۔ ہاں، ہمیں تم سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ دولت کہاں رکھی ہے جو تم لوگوں نے اس مجھے سے نکالی تھی۔“

”میں تھا کہ دلراج کو کھلا کر کچھ کہہ بیٹھا۔ لیکن ایک وقت برکت نے اس کے پیر پر اپنا پر رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ دلراج اپنے ہونٹوں پر زبان بھر کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ اس آدمی کو دولت کے بارے میں کیسے علم ہوا تھا۔ پھر یہ کون تھا۔ اس عجیب گھر سے اس کا کیا تعلق تھا۔ اس کے علاوہ دلراج کے لیے ایک دکھ اور جرت کی بات یہ تھی کہ وہ دولت نہ جانے کون ان مجھے سے نکال کر لے گیا تھا۔ اگر دولت اس شخص کے پاس ہوتی تو یہ کبھی ایسی بات نہیں کرتا۔“

”دیکھو۔ میں تمہیں صورتحال سے آگاہ کر دوں تو بہتر ہے۔“

ماتھر نے برکت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس دولہانے دلراج سے مخاطب ہی نہیں ہوا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اگرچہ اجنبی ہیں۔ اس کے باوجود کسی کسی حد تک ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ میں اس میوزیم کا نگران ہوں۔ میرا نام ماتھر ہے۔ کچھ دن پہلے میرے کسی آدمی نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ اس میوزیم میں کسی نے پیش قیمت میرے جواہرات لاکر چھپا دیے ہیں۔ دیکھو، میں ایک انسان ہوں۔ اور انسان دولت کے لالچ میں ہمیشہ سے مبتلا رہا ہے۔ میرا فرض تو یہ تھا کہ میں اس کی خبر پولیس کو دے دیتا اور پولیس خود ہی وہ خزانہ تلاش کر لیتی۔ لیکن لالچ نے مجھے اس طرح گھیر لیا کہ میں نے خود ہی اپنے طور پر اس کا پتہ چلانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں کام کے بہانے یہاں تک جایا کرتا اور رات گئے ایک ان پیرے جواہرات کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ لیکن بدقسمتی کہ مجھے کچھ بھی نہیں مل سکا۔ لیکن اس تلاش کے دوران مجھے ایک کام کی بات معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ اس عمارت میں کئی خفیہ راستے اور تہ خانے موجود ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں جہاں کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہم لوگ اس وقت جس کمرے میں موجود ہیں، اس کمرے سے بھی ایک خفیہ راستہ میوزیم سے باہر جاتا ہے۔ لیکن یہ عرف ایک خفیہ راستہ ہے۔ جبکہ یہ عمارت ایسے ان گنت راستوں سے بھری ہوئی ہے۔ مجھے یہ اندازہ تو ہے کہ اس عمارت میں ایک مرکزی تہ خانہ بھی موجود ہے لیکن میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ابھی تک اس کا سراغ لگانے میں نا کام رہا ہوں۔ اس دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ اس میوزیم کی کچھ چیزیں غائب ہونے لگی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو لیکن میرا کام یہی یہی ہے۔ میں نے یہاں کی ہر چھٹی اور بڑی چیز کو اپنے دھیان میں رکھا ہے۔ اس لیے جب چیزیں غائب ہونے لگیں تو میں نے نگراںیت سمٹ کر وادی۔ باہر سے گئے مشکوایہ۔ محافظوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ اس کے باوجود چیزیں غائب ہوتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ پھر ایک دن اچانک مجھے عقل آگئی۔ میں نے سمجھ لیا کہ چیزیں کون غائب کر رہا ہے۔“

”یہ مت کہو۔“ برکت مسکراتے ہوئے بولا۔ ”بلکہ یہ کہو کہ یہ اندازہ ہو گیا کہ چیزیں کس راستے سے غائب ہو رہی ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لو۔“ ماتھر نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے جانی لیا کہ یہ چیزیں اس عمارت کے ان خفیہ تہ خانوں اور راستوں سے غائب ہو رہی ہیں جو ابھی تک میرے علم میں

نہیں آئے ہیں۔ یہ ایک تشویش ناک صورتحال تھی۔ اس طرح تو پورا میوزیم غائب ہو جاتا۔ اور ہم لوگ باہر بیٹے رہ جاتے۔ مجھے اس وقت پولیس کو خبر کرنی چاہیے تھی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور ان چیزوں کی چوری کو کسی نہ کسی طرح پوشیدہ رکھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دوسروں کو ان چیزوں کا علم ہو جائے۔“

”وہ کیوں؟“ دلراج بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔ تمہارا اس سے کیا فائدہ تھا؟۔“

”وہی دولت۔“ ماتھر مسکرایا۔ چیزوں کے غائب ہونے کے بعد مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے میرے جواہرات کے بارے میں جو اطلاع ملی تھی وہ غلط نہیں تھی۔ کیسے میرے جواہرات لاکر اس میوزیم میں چھپا دیے گئے۔ لیکن تہ خانوں سے نکلنے والے چور نے دوسری چیزوں کی طرح ان کا بھی منہایا کر دیا۔ میں تو ان پیرے جواہرات کی طرف سے مایوس ہو گیا تھا لیکن مجھے امید تھی کہ اگر ایک بار ان تہ خانوں کا راستہ معلوم ہو جائے تو شاید اس دولت کا کوئی سراغ پانچ آ جائے۔ یہ سوچ کر میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا اور اپنے طور پر ان راستوں کی تلاش میں لگا رہا۔ لیکن آج جو واقعہ ہوا ہے اس نے مجھے چونکا دیا۔ اور اس واقعے کے نتیجے میں تم لوگ میرے سامنے آ گئے ہو۔ لہذا اس کے تعلق سوچ کر لینے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ اب تم دونوں میرے رحم و کرم پر ہو۔ میرے آدمیوں نے پولیس کو فون کر دیا ہو گا۔ پولیس آنے والی ہو گی۔ اس لیے پولیس کے آنے سے پہلے تم اگر مجھے یہ بتا دو کہ تم دونوں نے وہ دولت کہاں چھپا رکھی ہے تو ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں بچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اور اگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا تو پھر پولیس تم سے سب کچھ اگلا لے گی۔ ظاہر ہے اس طرح وہ دولت میرے ہاتھ تو نہیں آئے گی۔ لیکن تم بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔ اور اگر تم نے میرا ساتھ دیا تو میں آدھا آدھا کرنے پر بھی تیار ہو جاؤں گا۔ اب تم چلے چکے ہو مجھے سمجھو۔ جب میں گندگی میں آ کر بیٹھا ہوں تو پوری طرح کیوں نہ خود کو تعبیر لوں۔“

”تمہاری صاف گوئی نے مجھے متاثر کر لیا ہے ماتھر۔“

برکت نے کہا۔ ”اور میں تمہیں اس دولت کے بارے میں بتانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم پہلے یہیں یہاں سے فرار کر دو۔“

”کیا تم مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو؟“ ماتھر تنگی

سے ہنس پڑا۔ ”تم چاہتے ہو کہ میں خود اپنے پاؤں پر کھڑی مار لوں۔“

”نہیں۔ میں تمہیں اس بات کی ضمانت دے سکتا ہوں کہ ہم فرار ہو کر تم سے دو دن نہیں جائیں گے۔“ برکت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج رات کیا ہوا ہے۔“

”میرا مطلب ہے کہ آج رات تم نے اس میوزیم میں کیا دیکھا؟“

”بہت کچھ دیکھا ہے۔ میں نے۔“ ماتھر نے کہا۔ ”میں خفیہ راستوں کی تلاش میں ٹھیک رہا تھا کہ میں نے ایک کمرے سے تمہارے اس ساتھی کو ایک بڑی کے ہمراہ نکلنے ہوئے دیکھا۔ اس نے یہ بات دلراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ دونوں رات کے وقت میوزیم کے اندر کس طرح رہ گئے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں میوزیم بند ہو جانے کے بعد کہیں چھپ گئے ہوں گے۔ خیر تو میں ایک بڑے جیسے کے عقب سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔ اس وقت میری نگاہ ایک سیاہ پوش پر گئی۔ وہ بھی اسی ہال میں موجود تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آج رات اس ہال میں کیا ہونے والا ہے لیکن کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ اس لیے میں چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ اس سیاہ پوش نے مہتابا بھ کے بڑے جیسے کے عقب سے کوئی چیز نکالی تھی۔ یہ ایک بیٹک تھا۔ بہت بڑا بیٹک۔ یہ اس قسم کا تھا جس قسم کے بیٹک لوگ تحفے میں دیا کرتے ہیں۔ چھپے ہوئے کاغذ میں بٹے سیتے سے لپٹا ہوا۔ میں نے جب اس بیٹک کو سیاہ پوش کے ہاتھ میں دیکھا تو میں اپنا سر بیٹک کر رہ گیا۔ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ میں نے جس دولت کے بارے میں سنا تھا، وہ اسی بیٹک میں موجود ہے۔ اور مجھے اپنی اس حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے ویسے تو پورے میوزیم کو گھمانا دیکھا تھا لیکن مہتابا بھ کے جیسے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ بعض اوقات آدمی عیاشی و اضعاف غلطی ہو جاتی ہے۔ سامنے کا سیاہ پوشی لے دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے سوچا کہ اس سیاہ پوش کو گھیر لوں۔ لیکن اس وقت تمہارے اس ساتھی اور بڑی کے دھیان بھڑکا شروع ہو گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس بڑی نے ہسٹول نکال لیا لیکن تمہارے اس ساتھی نے اس بڑی سے ہسٹول چھین کر اسے ٹولی مادی۔ یہ صورتحال ایسی تھی کہ میری توجہ اس سیاہ پوش کی طرف سے ہٹ گئی۔ اور وہ اتنی دیر میں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ بڑی کے ہلاک

ہوئے کے بعد اس ہال میں بھگدڑ مچ گئی۔ میوزیم کے محافظ اسنے لگے۔ اس لیے میں بھی اس کمرے میں آ گیا۔ اور دروازہ اندر سے بند کر کے اس کمرے میں موجود خفیہ راستے کے ذریعے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد میں اس طرح میوزیم میں داخل ہوا جیسے ابھی ابھی گھر سے چلا آ رہا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد مجھے۔

محافظوں نے بتایا کہ ہال میں کسی طرح کی لاش پڑی ہے۔ میں تو خود اپنی آنکھوں سے اس لاش کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ پھر جب میں اپنے محافظوں کے ساتھ اس لاش کا جائزہ لینے کے لیے ہال میں پہنچا تو اتنی دیر میں لاش غائب ہو چکی تھی۔ یہ میرے لیے بہت پریشانی کی بات بھی تھی۔ اور میری اس بات کی تصدیق بھی ہو رہی تھی کہ اس ہال میں بھی کوئی نہ کوئی خفیہ راستہ موجود ہے۔ میں نے تم لوگوں کو گھیرنے کے لیے ٹیپ والا پکڑ لیا۔ اور بالآخر تم لوگ میرے جال میں آکر پھنس گئے۔ اب تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

مجھے نہیں۔ برکت نے ایک بڑی سانس لی۔ ہمارے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ میرے اس ساتھی نے اس لاش کو کوئی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اگر تم نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو تم خود اس بات کے گواہ ہو گئے۔ کہ اس نے مجبوراً ایسا کیا تھا۔ اس کے بعد اس کی لاش سے لیٹ کر لٹا بھی رہا ہے۔ خیر میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟

میں نے اپنا مطالبہ تہا سے سامنے رکھ دیا ہے۔ مگر نے کہا۔ کیونکہ مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ دولت لے جانے والا سیاہ پوش سوائے تمہارے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

”فرض کرو اگر ہم آدھا آدھا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ تو پھر تم کس طرح ہماری جان بچاؤ گے؟“

”یہ میرا مرد ہے۔ میں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لوں گا۔ تم صرف ہال یا نہ میں جواب دے دو۔“

”میں نے کہا نا، میں تیار ہوں۔ برکت نے اپنی گردن ہلائی۔ لیکن پولیس تو ابھی آنے والی ہے۔“

پولیس کے آنے سے پہلے تم مجھے یہ بتا دو کہ وہ دولت کہاں رکھی ہے؟“ مگر نے کہا۔ ”پھر میں تم دونوں کو اتنی صفائی کے ساتھ یہاں سے نکال لے جاؤں گا کہ پولیس ہاتھ ملتی رہ جائے گی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بتا دیتا ہوں، برکت نے کہا۔ ”البتہ تم صرف اسے ایک نظر دیکھ سکو گے۔ جب اسے دیکھ

کر مطمئن ہو جاؤ تو ہمارے پاس آکر ہمیں یہاں سے نکالنے کی ترکیب کرنا۔ ورنہ۔“

”یہ میرا وعدہ ہے۔“ مگر جلدی سے بولا۔ ”کیونکہ تمہارے بغیر میں اس دولت کو حاصل بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں دھوکہ دینے کا مطلب اپنے آپ کو پھنسا دینا ہوگا۔ چلو اب بتا دو کہ میں کیا کروں؟“

”تم ہال میں جاؤ۔ وہاں احمد حسین کی ایک تصویر لگی ہوئی ہے، خزان کی بارش۔ اس فریم کے بائیں جانب دیوار پر ایک پھول بنا ہوا ہے۔ اس پھول میں صرف پتھر یاں ہیں۔ ایک چھوٹی، ایک بڑی۔ بڑی پتھر کی کو داؤدینار وہ خفیہ راستہ نمودار ہو جائے گا۔ میٹھی اترنے کے بعد نہیں ایک تہہ خانہ دکھائی دے گا۔ جس کی چھت پر ایک کنڈی کے سراسر وہ بلیک لٹکا ہوا ہے جس کی ہم دونوں کو فروزا ہے۔ لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ تم میری مدد کے بغیر اس پکٹ کو وہاں سے نہیں اتار سکو گے چھت کی کنڈی کو پیچے لانے کی بھی ایک خاص تکنیک ہے۔ اب تم اس تہہ خانے میں جا کر اس پکٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ۔“

ہال میں تو مگر اسے ساتھی موجود ہیں مگر۔ دلراج نے لہجے میں بولا۔ ”تم ان کی موجودگی میں اس خفیہ تہہ خانے میں کس طرح داخل ہو گئے؟“

”یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو کسی بہانے ہال سے باہر بھیج دیتا ہوں۔ صرف دو آدمی یہاں تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ہمیں ان لوگوں کو بھی مطمئن کرنا ہے۔“

اتنا کہہ کر مگر ان دونوں کے پاس سے گزر کر دروازے کی طرف آیا۔ اور دروازہ کھول کر کسی کو آواز دی۔ اس دوران وہ ان دونوں کی طرف سے چونکا بھی رہا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں ان دونوں پر جم رکھی تھیں۔ دو آدمی اس کی آواز پر کہے میں داخل ہو گئے۔ یہ دونوں بھی مسلح تھے۔

”پولیس کا کیا ہوا؟“ مگر نے ان میں سے ایک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”فون کر دیا ہے جناب۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ پولیس پہنچنے والی ہے۔“

”ٹھیک ہے تم دونوں اسی کمرے میں رہو اور ان کی نگرانی کرتے ہو۔“ اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں ابھی آتا ہوں۔“

مگر کمرے سے باہر چلا گیا۔ جبکہ وہ دونوں دلراج

یت کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

”یہ سب کیا چکر ہے برکت بھائی؟“ دلراج نے سرگوشی لی۔ ”تم نے اس سے جھوٹ کیوں بولا؟“

”پاکل آدمی۔ اس طرح میں نے تھوڑی سی مہلت لی ہے۔ برکت نے اسی انداز میں کہا۔ ورنہ یہ شخص تو ہمیں پولیس کے حوالے کرنے پر تیار ہو جائے۔“

”لیکن اب کیا ہوگا؟ جب اسے تہہ خانے میں کوئی پکٹ دکھائی نہیں دے گا تو وہ غصے میں جھوٹ بنا ہی والیں آجائے گا۔ اور نہ جانے پھر ہمارا کیا مشورہ۔“

”تم پریشان مت ہو۔ وہ واپس ہی نہیں آئے گا۔“

”کی مطلب؟“ دلراج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”میں نے اسے موت کے سفر پر روانہ کر دیا ہے۔ اس پھول کو دباتے ہی۔“

ابھی برکت کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مگر کی جھانک چیت لہراتی چلی گئی۔

رام پرشاد نے بڑی حیرت سے دھڑک دیکھا۔

داور نے جس آسانی کے ساتھ اپنے مقابل آنے والوں کو مار مارا ہاتھا۔ یہ اس کی مہارت کی دلیل تھی۔ رام پرشاد نے ایسا بے جا کہہ کر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

داور کے ہاتھوں شکست امتحان کر وہ لوگ اس طرح منتشر ہو گئے تھے۔ جیسے کسی بڑے کو آتے دیکھ کر بچے خوف سے فرار ہو جاتے ہیں۔ بستی کے لوگ بھی ابھی ان دونوں سے الگ ہی کھڑے تھے۔ پھر اسی وقت پولیس گاڑیوں کے سائرن گونجنے لگے تھے۔ اور داور نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ وہ پولیس ہی کی گاڑی چھین کر اسے اپنی سوار کی کے طور پر استعمال کرے گا۔

داور اگر تنہا ہوتا تو اب تک بہت کچھ کر چکا ہوتا۔ لیکن رام پرشاد کی موجودگی نے اس کے پیروں میں زلزلہ ڈال دی تھی۔ اگر رام پرشاد کے لیے کہیں ٹھکانا میسر ہو سکتا تو وہ زیادہ آسانی کے ساتھ حرکت کر سکتا تھا لیکن رام پرشاد کی موجودگی میں ایسا ہونا بہت مشکل تھا۔

اس سے پہلے کہ رام پرشاد اور داور وہاں سے کہیں جاسکتے، پولیس کی گاڑیاں اس جگہ میں پہنچ گئیں۔ وہ دونوں اب کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ انہیں پھیلنا پڑا تھا۔

گاڑیاں رکیں اور پولیس والے ان گاڑیوں سے اترنے لگے تھے۔

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی رام پرشاد؟“ داور بڑبڑایا۔ یہ پولیس والے اتنی آسانی کے ساتھ ہمیں نہیں جانے دیں گے۔ ہمیرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ پولیس والے کرشن پرشاد کو پہچانتے ہوں۔ اگر ایسی صورت ہوئی تو میں خود کو کرشن پرشاد کا مظاہر کروں گا۔ پھر یہ لوگ ہمارے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔“

پولیس والے گاڑیوں سے اتر کر بستی کے لوگوں کی طرف چلے گئے تھے۔ پھر بستی والوں نے رام پرشاد اور داور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پولیس والوں سے کچھ کہا۔ اور پولیس کے واسطے اور دو سپاہی ان کی طرف بڑھنے لگے۔

”میں اب خود کو کرشن پرشاد کا مظاہر کرنے والا ہوں داور۔ بھائی۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”تم اس دوران خاموش رہنا۔“

داور نے محسوس کیا کہ وہ پولیس والے جیسے جیسے ان کے قریب آتے جا رہے ہیں ان کے تیور تبدیل ہونے لگے۔

تھے۔ پہلے تو ان کے چلنے کے انداز میں بہت غرور اور رعزت پائی جاتی تھی۔ لیکن ان دونوں کے قریب آنے کے بعد ان کی رفتار رست پڑ گئی۔ اور وہ حیرت زدہ سے دکھائی دینے لگے۔ پھر تین پولیس والے ایک مقام پر رُک گئے۔ جبکہ ایک انسپٹر بڑی تیزی سے ان دونوں کے پاس آگیا تھا۔

”راج صاحب آپ۔“ اس نے رام پرشاد کو مخاطب کیا۔

”آپ اور یہاں۔“

”میں تو اب بستی میں آکر پھنسا رہا ہوں۔“ رام پرشاد نے برا سامنے بناتے ہوئے کہا۔ ”میں نے سوچا تھا کہ کچھ دیر کے لیے یہاں ذرا سکون مل جائے گا۔ لیکن یہ لوگ تو مجھ ہی کو مشکوک لگا رہے ہیں۔ دیکھنے لگے۔ کچھ لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن میرے اس دوست کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ اس نے داور کی طرف اشارہ کیا۔

”راج صاحب۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ پولیس والا کچھ گنگھا ہوا تھا۔ ”میرا مطلب ہے ایسی حالت میں، اتنے خست کھڑے۔ اس کے بعد اس طرح۔“

”ہم لوگ شکار کے لیے نکلے تھے۔“ رام پرشاد نے بتایا۔ ”راستے میں کچھ لوگوں نے اسلوں کے زور پر ہمیں گھیر لیا۔ وہ لوگ ہمیں ایک مکان میں لے گئے۔ جہاں انہوں نے

ہمارے لباس تبدیل کر لائے۔ رات بھر تشدد کرتے رہے۔ پھر صبح کو انہوں نے ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اس مکان سے نکال دیا اور ویرانے میں چھوڑ دیا۔ ہم دونوں نہ جانے کتنا طویل چکر کاٹ کر کیسی کیسی دشواریوں سے جب اس بستی میں پہنچے تو پتا چلا کہ یہاں کسی لڑکی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اور بستی والوں نے ہم ہی دونوں کو مشکوک سمجھا کر مارا کر دیا۔“

”اوہ۔ یہ تو بہت برا ہوا راجا صاحب۔ کیا آپ ان لوگوں کی پاس مکان کی نشاندہی کر سکتے ہیں؟“

”اس وقت تو ہم اتنے تھکے ہوئے ہیں کہ حویلی جانا چاہتے ہیں۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”کیا تم کوئی بندوبست کروا سکتے ہو؟“

”کیوں نہیں۔ ہماری گاڑیاں حاضر ہیں۔“ پولیس والا مستعدی سے بولا۔

کچھ دیر بعد یہی دونوں ایک جیب میں بیٹھے ہوئے حویلی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ سواری کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ گاڑی چلانے والا بھی ایک پولیس ہی کا آدمی تھا جو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ ان دونوں کو لے جا رہا تھا۔ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل خاموش تھے۔ حویلی کے گیٹ پہنچ کر رام پرشاد نے جیب نکالی۔

”ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔“ اس نے جیب سے اُسے کے بعد پولیس والے سے کہا۔ ”اور اپنے آفسیر کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینا۔“

پولیس والا ان دونوں کو ایک عدد دروازہ سلام کر کے واپس ہو گیا۔

”اب بتاؤ۔“ رام پرشاد نے دوا کی طرف دیکھا۔ ”یہ حویلی تو بالکل خالی معلوم ہوئی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ داور نے اپنی گردن ہلائی۔ ”ورنہ کوئی نہ کوئی تو ہمارے راستے میں ضرور آتا۔ گلتا ہے کہ کرشن پرشاد کو یہی فرار ہو گیا ہے۔“

”ہاں۔ اسے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم اس قدر سے نکل بھاگے ہیں۔ اسی لیے وہ ہمہ اپنے ساتھیوں کے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔“

”سچ میں نہیں آتا کہ اسے روپوش ہونے کی کافرورت پیش آگئی؟“ داور نے کہا۔ ”اسے تو ایسے حالات پر پورا اُتیا حاصل ہے۔ اس کے پاس آدمیوں کی پوری فوج ہے۔ وہ جب چاہے ہمیں تلاش کروا سکتا ہے۔ پھر اس خاموشی

کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ رام پرشاد نے دھیر سے کہا۔ ”زہر حال نہیں حویلی میں چل کر دیکھ لینا چاہیے۔“

حویلی کا صدر دروازہ بظاہر بند دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن وہ بند نہیں تھا۔ وہ دروازہ دھکے دینے پر اندر کی جانب کھلتا چلا گیا۔ سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ ایک حیرت کی بات تھی۔ داور اس سے پہلے بھی کئی کے ساتھ اس حویلی میں آچکا تھا۔ اس وقت یہاں ملازمین کی ابھی خاصی تعداد موجود تھی۔ یہ ملازمین ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ جن کے درمیان کرشن پرشاد کسی راجہ ہی کی شان کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن اس وقت یہاں کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف سناٹا۔ وہ دونوں ممتاز قدموں سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ برآمدے میں اونچے اونچے ستونوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ اور پہلے ہی ستونوں کے پیچھے ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ لاش ستون کے عقب میں اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ انہیں سامنے کی طرف سے دکھائی نہیں دی تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ برآمدے میں پہنچے۔ وہ لاش دکھائی دے گئی۔ اس کے سر میں گولی ماری گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ شناخت کے قابل نہیں رہا تھا۔ لاش کے آس پاس خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ اس لاش کے پاس ایک ریوا لور بھی گرا ہوا تھا۔

”یہ ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔“ داور اس لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”نہ جانے کیوں ہے۔ کس نے مارا ہے اسے؟“

”یہ مجھے کرشن پرشاد کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ رام پرشاد نے کہا۔

”چلو ہاں میں چلتے ہیں؟“

داور نے آگے بڑھ کر لاش کے پاس گرہوار پالو اٹھا لیا۔ اس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔

ہال میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کو بھی گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ رام پرشاد نے ان دونوں میں سے ایک کو ہچکچاتا لیا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ کرشن پرشاد ہی کا آدمی تھا اور کبھی کبھی رام پرشاد کے لیے اس کی کوٹھڑی میں کھانا لے کر آیا کرتا تھا۔ ان لاشوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ البتہ اس ہال میں آفراتفری کا منظر تھا۔ گلتا تھا جیسے جنگی جانوروں کا کوئی خول اس

ہال میں ٹھس آیا ہو۔ صوفے اُلٹے ہوئے تھے، کرسیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ قالینوں کو اچھڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔ دیواروں پر لگی ہوئی قیمتی تصاویر نیچے گری ہوئی تھیں۔ دوسرے کمرے کی طرف نکلنے والے دروازے اپنی جگہوں سے الٹے ہوئے تھے۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ایک لاش پڑی تھی۔ اور اس کمرے کی حالت بھی ابتر ہو رہی تھی۔

مجموعی طور پر اس حویلی میں سناٹ لاشیں دکھائی دی تھیں۔ اور ہر کمرے کو زبردستی دیکھا گیا تھا۔ جیسے ملازمین کے کسی بہت بڑے گروہ نے اس حویلی پر حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر دیا ہو۔

”سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ہو گیا ہے؟“ رام پرشاد پریشان ہو کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس حویلی پر بہت بڑا اور منظم حملہ کیا گیا ہے۔“

”ہاں۔“ داور نے اس سے اتفاق کیا۔ ”اور اب ہماری منزل ہم سے کچھ اور دور چلی گئی ہے۔ ہم یہاں کرشن پرشاد کی تلاش میں گئے تھے۔ جو زبردست وسائل رکھنے والا اور بہت طاقتور آدمی ہے۔ لیکن اس حویلی کی حالت نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ کوئی اور بھی ہے جو خود کرشن پرشاد پر حاوی ہو گیا ہے۔ اب ہمیں ان نئے حملہ آوروں کا پتا چلانا ہو گا۔ ممکن ہے کہ کرشن پرشاد بھی ان ہی لوگوں کے قبضے میں ہو۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں کرشن پرشاد سے بھی زیادہ زبردست دشمن سے نمٹنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔“

”اس پورے علاقے میں کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جو کرشن پرشاد پر حملہ کر سکے۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”حملہ آور باہر کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔“ اور اس حملے کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔“

”ہم لوگوں کو یہاں سے نکال لینا چاہیے۔“ داور نے کہا۔ ”ورنہ ہو سکتا ہے کہ پولیس یہاں بھی پہنچ جائے۔“

وہ دونوں اس حویلی سے باہر نکلنے کے لیے صدر دروازے کی طرف بڑھے اور دروازے کے قریب کیا رہوں گے درمیان ایک شخص کھلتا ہوا دکھائی دے گیا۔ وہ اندر آتے۔ ہوئے اس آدمی کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ داور ڈوٹنا ہوا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا۔ اسے بھی پہلے پرگولی ماری گئی تھی۔ اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن ابھی اس میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ داور ٹھٹھوں

کے بل اس پرکے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے دم توڑتے ہوئے آدمی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس وقت بھی خوفزدہ تھا۔ اس کی بے بس دم توڑتی ہوئی آنکھوں سے اس کے اندر جھپی ہوئی دہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ”کیا تم کچھ بول سکتے ہو؟“ داور نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

اس نے اپنی گردن ہلا دی۔ پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ”پ۔ پ۔ پ۔ پانی۔“

”میرا پرشاد یہ سنتے ہی ڈھڑٹا ہوا حویلی کے اندر چلا گیا تھا۔“

”میرا ساتھی پانی لاتے گیا ہے۔“ داور نے اسے بتایا۔

”اگر تم بول سکتے ہو تو بتاؤ کہ یہ کس کی کارستانی ہے؟ کس نے مارا ہے تم لوگوں کو؟“

”جان ہونے۔“ اس آدمی نے بڑی مشکلوں سے اُلک اُلک کر بتایا۔ اس کو تشش میں اس کے منہ سے خون کی ایک قے بھی ہو گئی تھی۔

”کون جان ہو؟“ داور نے چہرے سے پوچھا۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں رہتا ہے؟“

”پ۔ پرسن فار۔ فار۔ فارمنگ۔“ اس نے بڑی خشک سے بتایا۔ پھر اس کی زبان اٹیٹھ گئی۔ اس کی گردن ڈھک گئی۔ وہ پانی پیے بغیر ہی مر چکا تھا۔ داور اس کی لاش کے پاس سے ہٹ آیا۔

اسی وقت رام پرشاد ایک گاس میں پانی لیے ہوئے حویلی سے نمودار ہوا۔

”کوئی فائدہ نہیں دوست؟“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کی قسمت میں پیاسا ہی مرنا لکھا تھا۔“

”اوہ۔“ رام پرشاد نے پانی کا گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ ”کچھ بتا چلا یا۔ کچھ بتایا اس نے؟“

”ہاں۔ اس نے کسی چان ہو کا نام لیا ہے۔ کوئی چینی معلوم ہوتا ہے۔“

”جان ہو۔“ رام پرشاد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ”میں نے تو اس علاقے میں ایسا نام پہلے نہیں سنا۔“

”یہ کسی پرسن فارمنگ کا نام بھی ہے رہا تھا۔ یہ کیا چیز ہے؟“

”اوہ پرسن فارمنگ۔“ رام پرشاد کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”یہ کس صنعت کار کی نجی ملکیت ہے؟“ اس نے بتایا۔

”وہاں ریس کے گھوڑوں کی افزائش ہوتی ہے۔ وہ ایک بہت

بڑا علاقہ ہے۔ سنا ہے کہ وہاں اتحاد دکھڑے ہیں۔ لیکن یہ جان ہوسمجہ میں نہیں آیا۔
 ”ہوسکتا ہے کہ اس شخص کا تعلق اسی پرنس فارمنگ سے ہو۔“ داور نے کہا ”تم مجھے بتا سکتے ہو کہ وہ یہاں سے کتنی دور ہوگا؟“
 ”بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔“

”نہیں۔ تم اب میرے ساتھ نہیں چلو گے۔“
 ”وہ کیوں؟“ رام پرشاد نے چونک کر پوچھا۔
 ”برامت نامنا دوست۔ میں جب بھی کسی کے ساتھ ہوتا ہوں تو میری کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ میں اپنے ساتھی کی طرف سے پریشان رہتا ہوں۔ اس کے تحفظ کی فکر کرتا ہوں۔ جس کے نتیجے میں یہ ہوتا ہے کہ میں تقریباً مغلوب ہو کر رہ جاتا ہوں۔ کچھ بھی نہیں کر پاتا۔ جبکہ میں تیار ہر بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میری پوری ایک فوج کے درخ کو بدل دینے کی صلاحیت اور بہت موجود ہے۔ لیکن کسی کی موجودگی میرے اعصاب کو حسرت کر دیا کرتی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ مت جاؤ۔ مجھے تنہا کام کرنے دو۔ اس کے علاوہ تم بھی کرو رہو۔“

تمہارے اعصاب پر پہلے ہی اتنا بوجھ پڑ چکا ہے کہ میں اب مزید بوجھ دلانا نہیں چاہتا۔ تم مجھے صرف اس فارمنگ کا پتا بتا دو، میرا دل تمہارے پاس ہے کہ اگر میں وہاں پہنچ گیا تو صورتحال ہمارے قابو میں آجائے گی۔ بہت سے جمید کھل جائیں گے۔ اگر نذرہ رہا تو پھر ضرور تمہارے اگروں کا کارگر نہیں آسکتا تو سمجھ لینا کہ قسمت نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو اس سے پہلے شکست کھانے والوں کے ساتھ کر چکی ہے۔“

لیکن یہ تو سوچو کہ پھر میں کہاں جاؤں گا۔ کہاں رہوں گا؟
 رام پرشاد نے پوچھا۔
 یہ مسئلہ تو ہے لیکن اس حوالی میں کیا کوئی ایسا پوشیدہ مقام نہیں ہے جو صرف تمہارے علم میں ہو کسی اور کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ تم وہاں جا کر چھپ سکتے ہو۔“
 ”ایسی جگہ؟“ رام پرشاد سوچنے لگا۔ ”ہاں ایک جگہ تو ہے۔ لیکن وہ حوالی میں نہیں۔ عشق شے کی طرف بتے ہوئے ملازمین کے کوارٹر میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان میں سے کسی کو ارڈر میں جا کر چھپ جاؤں تو ایک دو دن تک کوئی اس طرف دھیان نہیں دے گا۔ مگر مسئلہ یہی ہے کہ پولیس

پہنچے گی تو پھر کیا ہوگا؟“
 ”میں سمجھتا ہوں کہ پولیس فی الحال ادھر نہیں آئے گی۔“ داور نے کہا۔ ”پولیس اسی وقت پہنچی ہے جب اسے خبر دی جائے اور یہاں خبر دینے والے کون ہے۔ سب کے سب ہلاک ہو چکے ہیں۔“
 ”یہ بھی تم چھپکے کہتے ہو۔ تو پھر تم جاؤ۔ میں اپنے لیے کوئی ٹھکانا تلاش کر لیتا ہوں۔“

رام پرشاد سے انک ہونے کے بعد داور خود کو ہلاک محسوس کرنے لگا۔ اس کے ساتھ وہ بندہ کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ عجیب و غریب ہم اسے کس طرف لے جائے گی۔ وہ نہ نکلا تھا کسی اور کام سے۔ پھر اچھٹائی چلا گیا تھا۔ ایسے ایسے واقعات رونما ہونے لگے تھے جن کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ یہ ہم اس کے لیے ذہنی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بہت مشکل ثابت ہو رہی تھی۔ اور لطف یہ تھا کہ وہ ابھی تک کچھ بھی حاصل نہیں کر پایا تھا۔ ایک آدمی سامنے آتا تو پتا چلتا کہ اس کی پشت پر کوئی اور بھی ہے۔ وہ جان جو کھوں میں ڈال کر اس تک پہنچتا تو یہ معلوم ہوتا کہ اس کی بھی ڈور کوئی اور ہلا رہا ہے۔

یہ معاملہ مندر میں رکھے ہوئے دو ہیروں کی چوری سے شروع ہوا تھا۔ اسے وہ میرے اس مندر سے خارج کر دیتے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک اس مندر میں ہی نہیں پہنچ پایا تھا، جہاں وہ میرے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں اور ہی بھٹکتا رہا تھا۔ کچھ اور لوگ اس کے راستے میں آگئے تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جن کا تعلق اس مندر سے تو تھا لیکن وہ اس کے ہاتھ بھی نہیں آ سکتے تھے۔ وقت اس کے ہاتھ سے بھٹکتا جا رہا تھا۔ اس سوچتا ہوا، اس حوالی سے باہر گیا۔

ایک بار اس کے جی میں یہ بھی آئی کہ وہ اس مہم پر اہمیت بھیج کر واپس بھیج چلا جائے۔ جہاں روپے حاصل کرنے کے اور بھی بہت سے ذریعے تھے۔ کیا ضروری تھا کہ آدمی ایسے کاموں میں ہاتھ ڈال دے جن کا سرسیری سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ کبھی میں عبدل کے ساتھ اچھی خاصی زندگی گزار رہی تھی کہ یہ معاملہ اس کے درمیان آ گیا۔

لیکن وہ یہ سب کیا سوچ رہا تھا۔ یہ معاملہ تو ایسا تھا جس کا اس کی زندگی سے کچھ تعلق تھا۔ وہ تو اپنے باپ کی تلاش میں نکلا تھا۔ اور باپ کی تلاش کے ساتھ ہی سب ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ ان ہنگاموں سے اس کے باپ کا بھی تعلق تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ

یہ ہنگامے اسی کی ذات کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ وہ خود بھی ان معاملات میں ملوث تھا۔
 اسے یاد آیا کہ اس نے رام پرشاد سے پرنس فارمنگ کا پتا تو دریافت ہی نہیں کیا تھا۔ اب تو ایسے پرنس فارمنگ جا کر جان چوکے خبر سے بھی نقاب اٹھائی تھی۔ کیونکہ اس کی ذات سے کرشن پرشاد یا کالی موت کا تعلق تھا اور کالی موت نے جہاں بہت کچھ کیا تھا، وہاں وہ نئی کی موت کا بھی ذمہ دار تھا۔ نئی کی موت کے ساتھ ساتھ نیلا میسی عودت کی موت بھی اسی کی وجہ سے آئی تھی۔ ان دونوں کے علاوہ بھی اور جانے کتنے لوگوں کا خون اس کے کھلتے میں لکھا ہوا تھا۔ وہ داور کا بیٹا نہیں تھا۔ یہ دشمنی کسی اور کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ داور خود اس شخص کی نفرت میں براہ راست ملوث ہو گیا تھا۔

اس کے ذہن میں ابھی کچھ بھی نہیں تھا کہ وہ پرنس فارمنگ پہنچ کر کیا کرے گا۔ چنانچہ نامی اس آدمی نے کرشن پرشاد کی حوالی میں تباہی مچا دی تھی۔ اس کے نہ جانے کتنے آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اب یہ جان ہو کون تھا؟ کیا اس کے وسائل اتنے ہی زبردست تھے کہ وہ کرشن پرشاد جیسے شخص پر حاوی ہو گیا تھا کہ کرشن پرشاد سے اس کی کیا دشمنی ہو سکتی تھی اور وہ بھی ایسی کہ اس نے قتل عام مچا کر رکھ دیا تھا۔ بہر حال جان ہوسے ملنے کے بعد ہی اس مسئلے کا پتا چل سکتا تھا۔

وہ جس ٹرک پر چل رہا تھا اس پر گاڑیاں بہت کم چل رہی تھیں۔ اسے کسی ایسی مناسب سوار کی کی ضرورت تھی جو اسے بغیر کسی دشواری کے پرنس فارمنگ تک پہنچا دے۔ ابھی تو اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ پرنس فارمنگ ہے کہاں پر۔

سامنے کی طرف سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ ایک کار تھی سفید رنگ کی۔ داور نے اسے روکنے کے لیے زور زور سے اپنے ہاتھوں کو ہلا نا شروع کر دیا۔ وہ تیز رفتار گاڑی اس کے سامنے سے گزری پھر آگے جا کر ٹرک گئی۔ ڈرائیور نے اتنی زور سے بریک لگا یا تھا کہ پیہلوں کی چرچر اٹھ ڈور ٹرک گونج اٹھی تھی۔

داور دوڑتا ہوا اس گاڑی کے پاس پہنچ گیا جس کے اندر چار آدمی بیٹھے تھے۔ دواگے، دو بچپن نشست پر ان میں سے ایک غریب دکھائی دے رہا تھا۔
 ”کیا آپ لوگ بتا سکتے ہیں کہ یہ پرنس فارمنگ کہاں ہے؟“ داور نے گاڑی چلانے والے سے پوچھا۔

”کیوں نہیں؟“ بچپن نشست پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے جلدی سے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔ ہم لوگ بھی اسی طرف جا رہے ہیں۔“ اتنا کہہ کر اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ داور شکر یہ کہنا ہوا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ گاڑی آگے روانہ ہو گئی۔ لیکن گاڑی کے چلنے کے ساتھ ہی ایک ریالور کی نال داور کے پہلو سے اٹکی تھی۔

موہن اور سوہن کو بڑی کڑی نگرانی میں بستی کے دراز گونڈا کے سلسلے پہنچا دیا گیا۔

وہ میریک باہر سے معمولی دکھائی دیتی تھیں لیکن ان کے اندر کشش کی ہر چیز مہیا تھی۔ دبیز قالین، خوبصورت اور قیمتی فرنیچر، گھڑیوں اور دروازوں پر خوبصورت پردے، فون، موسم کی ستیوں سے محفوظ رکھنے والے آلات اور ان کے علاوہ گونڈا کی حفاظت کے لیے میخ اور ناوردی نگران کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکس کھڑے تھے۔ ملتے جلتے ٹھٹھا باٹ سے کسی ملک کا حکمران بھی نہیں رہتا ہوگا۔ لیکن ایک چھوٹی سی بستی کے سردار کو یہ ساری سہولیات مہیا تھیں۔

گونڈا کے کمرے خاص میں پیش کرنے سے پہلے ان دونوں کی اچھی طرح تلاشی کی گئی تھی۔ ان کے پاس سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہو سکی تھی۔ موہن اس سلسلے میں بہت اصول پسند واقع ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کو ہتھیاروں سے زیادہ اپنے ذہن سے کام لینا چاہیے۔ ہتھیار وہ رکھتے ہیں جن کے ذہن کند ہو چکے ہوں۔ اسی لیے وہ ہتھیار وغیرہ اپنے پاس رکھنے کے خلاف تھا۔ سوہن بھی اس کی تقلید کیا کرتا تھا۔

گونڈا ایک طویل قامت اور مرغ و سفید بارعب سا آدمی ثابت ہوا تھا۔ جس کی شاندار موچیں اس کی شخصیت کو اور بھی بارعب بناتی تھیں۔ اس کمرے میں دو محافظ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک غیر ملکی تھا جبکہ دوسرا مقامی آدمی تھا۔ وہ دونوں ہی بہت کینہ توڑ لگا ہوں سے موہن اور سوہن کی طرف دیکھ رہے تھے۔
 ”ہاں۔ کیوں ملنا جاتے ہو تم لوگ مجھ سے؟“ گونڈا نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جوابات کرتی ہو جلدی کرنا۔ میرے پاس اور بھی بہت کام ہیں۔
 ”ہم پہلی بار آپ کی بستی میں آئے ہیں سردار۔“ سوہن نے کہا۔ ”ہم سوچا بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنے ڈور افتادہ

علائے میں ایک ایسی بستی بھی ہوگی جہاں۔
 "خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ کیا غریبی ہے اس بستی
 میں؟" گووند کا بچہ اٹھ اٹھا تھا۔
 "خالی تو کوئی نہیں ہے سردار لیکن میں آپ سے بہت
 ضروری باتیں کرنی ہیں۔"
 "تو پھر انتظار کیا ہے، بتاؤ۔"

موہن نے سستی خیز لگا ہوں سے سوہن کی طرف
 دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔ "دیکھیں سردار! میں جو کچھ
 کہتا ہے وہ ہم ان دونوں کے سامنے نہیں کہہ سکیں گے۔"
 "تو پھر اس ملاقات کو ختم سمجھو، سردار نے زور
 سے کہا۔ "میں نے تمہیں بہت پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے
 پاس خالی تو وقت نہیں ہے۔" اٹھا کہہ کر اس نے مقامی
 محافظ کی طرف دیکھا جاؤ، رتنا کو بلا کر لے آؤ۔"

موہن نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن سردار اب ان کی
 طرف دھیان ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے
 رکھی ہوئی میز پر سے ایک فائل اٹھالی تھی اور اس کی ورق
 گردانی میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ مقامی محافظ تھوڑی دیر
 میں ایک بوڑھے شخص کو لے کر اس کے پاس داخل ہوا۔
 وہ بوڑھا ایک قوی الجشت آدمی تھا اس کے بال بالکل سفید
 ہو رہے تھے۔ اس کی پیشانی پر بڑی ہوئی سلوٹیں یہ بتا
 رہی تھیں کہ وہ عورتوں کا بچہ عادی ہے۔ اس کے دونوں
 پہلوؤں سے لٹکے ہوئے ہوسٹروں میں رہا اور رکے ہوئے
 تھے۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت بھی متاثر کرنے والی تھی۔
 وہ شخص باوقار قدموں سے کمرے میں داخل ہوا اور
 سردار کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے موہن اور سوہن
 کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی۔

"جی سردار۔" اس نے گووند کو مخاطب کیا۔ "آپ
 نے مجھے یاد کیا تھا۔"

"ہاں۔" سردار نے اس پر نگاہ ڈالی اور پھر ان دونوں
 کی طرف اشارہ کیا۔ "ان دونوں کو شہر تک پہنچاؤ۔ یہ لوگ
 جھپٹکے ہوئے اس طرف آسکے ہیں۔"

موہن کی نسبت سوہن زیادہ غصے میں پھرا ہوا تھا۔
 اس نے ایسی بے عزتی کبھی برداشت نہیں کی ہوگی۔ سوہن
 نہ جانے کیا سوچ کر میان آیا ہوگا لیکن اس اٹھ فرنگ
 شخص نے اس کی پروا ہی نہیں کی تھی۔
 "آہستہ چلیں، رتنا نامی اس شخص نے دروازے
 کی طرف اشارہ کیا۔ میں اپنی گاڑی پر آپ دونوں کو پہنچاؤں"

دیتا ہوں۔"
 موہن اور سوہن نے گووند کو ہنستے کیا اور اس شخص
 کے ساتھ اس کمرے سے باہر آ گئے۔ اس کا مزاج بھی
 گووند ہی جیسا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ اس طرح
 چل رہا تھا جیسے کوئی جاہل حرمین اپنی رعایا کے ساتھ چلا کر
 ہے۔ وہ ان دونوں کو ایک جیب کی طرف لے آیا جو احاطہ
 کے اندر ہی کھڑی ہوئی تھی۔

ڈرائیونگ اس نے خود ہی سنبھال لی تھی۔ جبکہ وہ
 اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اور سوہن نے
 بہت بدولت انداز حال سا ہو کر پچھلی نشست سنبھال لی تھی۔
 ان دونوں کے بیٹھے ہی اس نے جیب ایک جھپٹکے سے اسلحہ
 کی گینٹ پر متعین محافظوں نے اس جیب کو دیکھتے ہی
 دروازہ کھول دیا۔ جیب سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئی۔
 یہ سفر کچھ دور تک اسی طرح جاری رہا۔ پھر جب وہ
 جیب کچھ فاصلہ طے کر چکی تو اس شخص نے بریک پر ہاتھ
 رکھ دیے۔ جیب ایک پرشور آواز کے ساتھ ٹرک ٹکی
 "ہاں اب بتاؤ،" اس نے موہن کی طرف دیکھا۔ "تم
 گووند سے کیا کہنے والے تھے؟"

"اب کیا کرنا ہے تاکہ یہ موہن نے برا سامنہ بنایا۔
 "جب تمہارے سردار نے کوئی بات نہیں سنی۔ اس نے
 ہماری طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ تو پھر تمہیں بتانے سے
 کیا فائدہ؟"

"تم غلط سمجھ ہو؟" وہ مسکرا دیا۔ "اس نے تمہاری
 طرف پورا دھیان دیا تھا۔ ورنہ وہ تمہیں میرے ساتھ کب
 بھیجتا۔ میرے ساتھ تمہیں بھیجنے کا مطلب یہی ہے
 کہ وہ سب کچھ مجھے بتا دو جو اس سے کہنا چاہتے آؤ۔
 تم میری اس بات پر پورا یقین کر سکتے ہو؟"

"اگر ایسی ہی بات تھی تو سردار نے وہیں ہماری
 کیوں نہیں منس لی؟" یہ سوال سوہن نے کیا تھا۔
 سوہن کے اس سوال پر رتنا سوچ میں پڑ گیا۔

کچھ دیر بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں پر پھرو
 کیا جاتے یا نہیں۔"

"تمہارا پھر وہ کتنا ہی بہتر ہے۔" موہن نے کہا
 "میں تمہیں اشارہ دے سکتا ہوں کہ تمہارا سردار کچھ
 ہے۔"

"ٹھیک کہا تم نے۔" رتنا نے ایک ٹھنڈی سانس
 "ہم سب مجبور ہو گئے ہیں۔ اب چلے تم کو بھی ہو"

خلق کسی سے بھی ہو۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔
 ہم دوست ہو یا دشمن مخلص بن کر آئے ہو یا دھوکہ دینا
 چاہتے ہو۔ ہم نے یہ سوچ رکھا تھا کہ جو بھی آئے گا، ہم
 سے یہ بتا دیں گے کہ ہمیں کس طرح مجبور کیا گیا ہے۔
 نروہ دوست ہوا تو وہاں اس جا کر حکام کو خبر دے گا لڑاکا
 دیتا ہے گا۔ اور اگر دوست نہیں ہوا تو ہمارا مجبور یوں
 میں کچھ اور اضافہ ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ تو اور کچھ
 ہیں ہو سکتا نا۔"

"تم یقین کرو، تمہاری مجبوریوں میں اور اضافہ نہیں
 ہوگا۔" موہن نے کہا۔ "ہم دوست بن کر آئے ہیں آج
 ہم مندر کی طرف گئے تھے۔ اور مندر میں موجود غیر ملکیوں
 کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور اس
 بستی کے لوگ ہم اپنے سردار کے کس آفت میں مبتلا ہو
 گئے ہیں۔ کیونکہ یہ غیر ملکی جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے بچے
 اس طرح کاڑھتے ہیں کہ زمین ان کے بوجھ سے سکھنے
 لگتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو دوست؟" رتنا ایک دم خوش ہو گیا۔
 یہی بات ہے۔ ہم واقعی ان کے ہاتھوں کچھ پہلی بن کر رہ
 گئے ہیں۔ ہماری اپنی کوئی معیشت نہیں رہی۔"
 "کیا تم ہمیں تفصیل سے سب کچھ بتا سکتے ہو؟"

موہن نے کہا۔
 "کیوں نہیں۔ پہلی بار تو کسی کو کچھ بتانے کا موقع مل
 رہا ہے۔ یہ گووند میرے چاچا کا بیٹا ہے۔ میرا نام رتنا
 ہے۔ تم نے جاری شکلوں کے درمیان مشابہت شاید
 محسوس کر لی ہوگی۔ بہر حال اس بستی کا سردار میرے کووند
 تھا۔ جس کی دو لڑکیاں تھیں۔ گووند کے پتا اس سردار
 کے سیر سالار تھے۔ پھر ہوا یوں کہ ایک دن اس بستی
 میں کچھ غیر ملکی چلے آئے۔ غیر ملکیوں کا آنا جانا یہاں لگا
 ہی رہتا ہے۔ ہمیں پورے میاں میں غیر ملکی گھسنے کو
 میں نظر آئیں گے۔ تو ان غیر ملکیوں پر بھی ہم نے کوئی۔
 دھیان نہیں دیا۔ ہم نے سوچا کہ جس طرح دوسرے غیر ملکی
 یہاں آیا کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی آئے ہیں اور
 واپس چلے جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ غیر ملکی کچھ
 اور مقصود لے کر آئے تھے۔ نہ جانے انہیں یہ کیسے معلوم
 ہو گیا تھا کہ رتنا گری کی زمین میں ایک ایسی دھات پائی
 جاتی ہے جو بہت اہم ہے۔ یعنی یورینیم یہ غیر ملکی اس
 دھات کی تلاش میں آئے تھے۔ اور جب انہیں اس بات

کا یقین ہو گیا تو انہوں نے پہلے تو سردار سے سودا کرے
 کی کوشش کی۔ جب سردار نے ان کی بات نہیں مانی تو
 انہوں نے سردار کے خلاف گووند کے پتا جی کو خبر دیا۔
 انہوں نے نہ جانے کیسے کیسے لاپٹ دے کر گووند کے پتا ان
 کی باتوں میں آ گئے۔ اور انہوں نے اپنے سردار کے خلاف
 بغاوت کر دی۔ اچھا خاصا خون خرابہ ہوا۔ اس پکڑ میں ہزار
 نو مارا گیا۔ لیکن اس کی دونوں لڑکیاں ایک آنا لینی لائی کے
 ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔ خیر سردار کے جانے
 کے بعد گووند کے پتا سردار بن گئے۔ اور انہوں نے
 غیر ملکیوں کو یورینیم نکالنے کی اجازت دے دی۔ اس کے
 عوض ہر سال کا معاوضہ طے پا گیا۔ اجازت کا لٹنا تھا کہ اس
 بستی میں غیر ملکی بھر آئے۔ وہ اپنے ساتھ جدید ترین مشین
 آلات اور نہ جانے کیا کیا لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد
 گووند کے پتا کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی جگہ ان غیر ملکیوں
 نے گووند اور سردار بنا دیا۔ لیکن یہ ایک ایسی سرداری ہے
 جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ گووند اسے اختیار میں کچھ
 بھی نہیں ہے۔ اسے سونے کے ٹبرے میں قید کر کے رکھ
 دیا گیا ہے۔ وہ اپنی مرضی میں سے کچھ نہیں کر سکتا اس
 کی خواہش ہے کہ وہ ان غیر ملکیوں کے تسلط سے نجات
 حاصل کرے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کے چاروں طرف
 ایسے پیرے لگا دیے ہیں کہ وہ کھٹ کر وہاں تالے بند کیا
 طور پر وہ ایک اچھا آدمی ہے۔ لیکن اپنے پتا کے کیے کی
 سزا جگت رہا ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے
 کچھ بھی نہیں کیا ہے لیکن اس کے اپنے لوگ اسے خفارت
 بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان غیر ملکیوں نے گرج
 اس کے آگے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیے ہیں اس
 کے باوجود وہ ان کے چنگل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن کوئی
 تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی۔ میں نے یہ باتیں تم لوگوں کو
 اس لیے بتا دی ہیں کہ تم اس کی مجبوری کو سمجھ سکو۔ بہت
 دنوں سے وہ اس امید میں تھا کہ شاید باہر سے کوئی آکر
 اس کے حالات دریافت کرے لیکن نہ جانے کیوں اس
 بستی میں جو بھی آتا ہے وہ بستی میں ہی گھوم پھر کر واپس
 ہو جاتا ہے۔ گووند تک پہنچنے والے تم پہلے لوگ ہو۔ اسی
 لیے اس نے بہانے سے مجھے تمہارے ساتھ کر دیا تاکہ
 تم جو کچھ بتانے یا کہنے آئے ہو۔ مجھے کہہ دو اور میں نہیں
 سو رہا حال سے آگاہ کر دوں۔"

"ہوں۔" موہن نے ایک گہری سانس لی۔ "یہ تو واقعی

بہت بُری صورت حال ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے سردار کو غلط سمجھا۔ اچھا، اب جو میں پوچھوں تم اس کا جواب دو گے۔

”کیوں نہیں؟“ رتنا نے کہا۔ ”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم کام کے آدمی ثابت ہو سکتے ہو۔ اگر تم میں کوئی اچھا مشورہ دے سکو تو ہم خوشی سے قبول کر لیں گے۔ ہم بہت تنگ آ چکے ہیں۔ ان غیر ملکوں کے آنے کے بعد ہماری یہ پرسکون بستی بد معاشوں کا اڈا بن کر رہ گئی ہے۔ دنیا بھر کی فضیلتیں یہاں سے مل جاسں گی۔ یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔ کسی کی عزت اور جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بس تمنا شافی کی طرح دیکھتے رہتے ہیں۔“

تمہاری حکومت اس معاملے میں کیوں دخل نہیں دیتی؟“ موہن نے پوچھا۔ ”یو رہیں تو ایسی دھات ہے جس پر حکومت کا اختیار ہونا چاہیے۔“

”تھک جاتے ہو لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ ایک خود مختار بستی ہے۔ بہت پہلے حکومت اور اس بستی کے سرداروں کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا تھا جس کی رو سے حکومت یہاں کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتی۔ حکومت کے کئی نمائندے سردار سے اس معاملے پر بات کرنے کے لیے آئے تھے لیکن بغیر ملکی کسی کراس کے پاس جھٹکنے بھی نہیں دیتے۔ تم لوگ نہ جانے کس طرح سردار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔“

”اچھا یہ بتاؤ۔ کیا تمہارے یہاں بیروں کی بھی کوئی داستان مشہور ہے؟“ موہن نے پوچھا۔

”یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہے؟“ رتنا نے چونک کر موہن کی طرف دیکھا۔

”میں اس بستی میں کسی نے بتایا ہے۔“ موہن نے کہا۔ ”جب تم نے مجھے سب کچھ بتا ہی دیا ہے تو ان ہیروں کی کہانی بھی سناؤ۔“

رتنا نے اس پر جو کچھ بھی بتایا وہ موہن اور سوہن اس سے سیدھی کئی باتیں چکے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہیرے واقعی اس علاقے کی سرداری کا فیصلہ کر سکتے تھے۔

”اب تم لوگ بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو؟“ یہاں کیوں آئے ہو؟“ گوندرا سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟“

”تم ایک اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو رتنا۔“ موہن اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس لیے میری خواہش ہے کہ میں

”میں تمہیں بہت اچھا مشورہ دے رہا ہوں رتنا۔ تم خود بتا چکے ہو کہ وہ ہیرے اس علاقے میں کسی سردار کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے تو اس بات کا پتہ چلنا چاہیے کہ تمہارے گوندرا کے دل میں کیا ہے۔ کیا وہ بدستور اس بستی کا سردار رہنا چاہتا ہے یا اس کی یہ خواہش ہے کہ حق دار کو اس کا حق واپس کر دیا جائے۔“

”ہاں۔ وہ بھی چاہتا ہے۔“ رتنا نے اپنی گردن ہلائی۔

”ہم بھی یہی چاہتے ہیں، ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جب گوندرا کے پتائے دولت کے لالچ میں آکر ان غیر ملکوں سے ساز باز کر لیں تو اس کے بعد سے ہمارا کیا حال ہو گیا ہے۔ ہم کہیں کے بھی نہیں رہے ہیں۔ اس بستی پر گناہوں کے سائے منڈلانے لگے ہیں۔ ہمارا جینا دو بھر ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ سرداری اس کے پاس چلی جائے جو اس کا حقدار ہے۔ لیکن ان غیر ملکوں کا کیا ہوگا؟“ گوندرا سہی، کوئی اور سہی۔ یہ کسی دوسرے سے سر پر مسئلہ ہو جائیں گے۔“

”کیوں ان غیر ملکوں کے تسلط حاصل کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس بستی کے لوگ بڑی خاموشی اور صبر کے ساتھ ظلم کو برداشت کرنے لگے ہیں۔ فرض کرو اگر ان دونوں لوگوں میں سے کوئی لیڈر ان ہیروں کو لے کر واپس آجائے تو بستی والوں کا کیا سلوک ہوگا؟“

”وہ اس کا स्वागत کریں گے؟“ رتنا نے جواب دیا۔

”ہاں۔ وہ اس لیے स्वागत کریں گے کہ اوّل تو وہ سرداری کی جائز حقدار ہوگی۔ اور دوسری بات یہ ہوگی کہ وہ متعدد ہیرے اس کے پاس ہوں گے۔ اس لیے

حق والے اس کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔ وہ اگر یہ کہہ دے کہ ان غیر ملکوں کو اس حق سے نکال دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ پوری بستی ان لوگوں کے لیے کی۔ وہ ہیں کہنے؟“ گنتی کے کچھ لوگ۔

”اور تمہاری بستی والے ابھی تک اس لیے خاموش ہیں کہ انہیں کوئی آگے بڑھانے والا نہیں مل رہا ہے۔ کوئی سہارا نہیں مل رہا ہے۔ کوئی تحریک نہیں مل رہی ہے۔ ایک بار یہی تحریک مل جائے تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”ہاں۔ تمہاری بات سمجھ میں آ رہی ہے۔“ رتنا دھیرے سے بولا۔ ”لیکن وہ ہیرے کون چوری کرے گا؟ پھر انہیں مل حقداروں تک کون پہنچائے گا؟“

”ہم کریں گے چوری۔“ موہن نے کہا۔

”تم۔“ رتنا پھر حیران ہو گیا تھا۔

”ہاں۔ ہمیں اس قسم کے کاموں کا بہت تجربہ ہے۔ لیکن تم ہمیں چوریت سمجھا رہے ہو۔ اصل ایک پرائیویٹ ملازمت کی ایک بستی چلاتے ہیں۔ اس لیے ہمیں ان سب کاموں کی تربیت ملی ہوئی ہے۔ ہم وہ ہیرے چور کرنا نہیں چاہتے۔ گوندرا کو دین گے۔ اور تم انہیں اصل حقداروں تک واپس کر لو دیتا۔“

”تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔“ رتنا بڑبڑایا۔

”الجھن کی کوئی بات نہیں ہے۔ پہلے اچھی طرح سوچ لو۔ پھر تم اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کچھ ایسا بندوبست کر دینا کہ ہمیں ہیرے چوری کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔“

رتنا نے کچھ کہنا چاہا۔ پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

وہ اس وقت تذبذب میں مبتلا معلوم ہو رہا تھا۔

”کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ کہیں وہ قیمتی ہیرے ہم لے کر فرار نہ ہو جائیں؟“

”دیکھو یہ سب میرا نہیں پوری بستی کا معاملہ ہے۔“ رتنا نے کہا۔ ”وہ ہیرے میرے لیے بہت بہتر ہیں۔ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی قیمت چاہے جتنی بھی ہو۔ ہمارے لیے ان کی قیمت سے کہیں زیادہ اہمیت ان کے پوتہ ناکا ہے۔ اس لیے میں سوچ میں پڑ گیا ہوں۔“

”میں تمہیں اس کا بھی ایک طریقہ بتا دیتا ہوں اور طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے اعتماد کے آدمیوں کو مندر کے باہر کھڑا کرنا۔ ہم لوگ جیسے ہی مندر کے باہر آئیں تمہارے

آدمی ہم سے وہ ہیرے لے لیں۔ اگر چاہو تو ان سے یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اگر تم فرار ہونے کی کوشش کریں تو ہمیں وہ کوئی بھی مار سکتے ہیں۔ اب بتاؤ، میں اس سے زیادہ اور کیا ضمانت دے سکتا ہوں۔“

”میں اس سلسلے میں گوندرا سے مشورہ کر کے تمہیں بتا دوں گا۔“ رتنا نے کہا۔ ”مگر ہم لوگ ٹھہرے ہوئے کہاں ہو؟“

”موہن نے اسے اپنا پتا بتاتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم ہم لوگوں کو چھوڑ کر واپس ہو جاؤ۔ ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔“

”تھک ہے۔ میں تم لوگوں سے جلدی ملاقات کر دیکھا۔ وہ دونوں جیب سے نیچے آگئے۔ رتنا جیب کو آگے بڑھالے گیا تھا۔

”یہ تم نے کیا چکر چلا دیا؟“ سوہن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اسے کہتے ہیں عقل کا صحیح استعمال“ موہن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب تم دیکھ لینا کہ وہ ہیرے کس طرح ہمارے قبضے میں آتے ہیں۔“

”لیکن ان ہیروں کے قبضے میں آنے کے بعد غیر ملکی کس طرح واپس جائیں گے؟“

”غیر ملکوں کے ہونے یا نہ ہونے سے ہمیں کیا دلچسپی ہے۔ چاہے وہ جائیں یا نہ جائیں۔ ہمارا اصل کام تو ان ہیروں کو حاصل کرنا ہے۔ یاد رکھو، ہم جیڈز یا یوسی الٹین کے نمائندے ہیں۔ ہمیں کسی سے ہمدردی وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھے؟“

داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جس نے اس کے پہلو سے ریوالور لگا رکھا تھا۔

وہ ایک قوی ہیکل آدمی تھا، پیٹ اور آدمی آستین کی قمیص میں لمبوس جن سے اس کے بازو کی مچھلیاں ٹپ ٹپ ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی کینہ توڑ مسکراہٹ تھی۔

”اس حرکت کا کیا مقصد ہے؟“ داور نے غرور بولنا۔

”خاموش رہو پیارے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”ہم آپس فارمٹ کا پتا پوچھنے والے ہر شخص کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔“

”آخر کیوں؟“ میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسی خفیہ جگہ ہے تو

میں کبھی اس کا پتا دریافت نہیں کرتا۔
 یہ آدمی تو بہت جھک رہا ہے منوہر۔ ریوا لورڈ
 نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ کیا خیال ہے چھٹی گدی جائے
 "ابھی نہیں، ابھی اس سے معلوم تو کر لو کہ آخر یہ کون
 ہے۔ کیا جانتا ہے؟" ڈرائیور نے جواب دیا۔
 "میرا نام گنگا ہے۔" اور خود ہی بولنے لگا "میں
 کرشن پرشاد کا آدمی ہوں۔ یہ پورا علاقہ ان کا ہے۔ بہت شخص
 ان کو جانتا ہے۔ انہوں نے میرے سپرد ایک کام کیا تھا۔
 انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ کام ہو جائے تو اگر مجھے بتا
 دینا اور اگر میں حویلی میں نہ مل سکوں تو پرنس فارمنگ
 چلے آؤ۔ میں کام کر کے جب آیا تو حویلی میں لاشیں ہی لاشیں
 پڑی ہوئی تھیں۔ پھر مجھے یاد آگیا کہ کرشن پرشاد نے مجھ
 سے کیا کہا تھا۔ میں اس لیے تم لوگوں سے پرنس فارمنگ
 کا پتا دریافت کر رہا تھا۔ اور تم لوگ میرے ساتھ یہ سوگ
 کر رہے ہو۔ میں کرشن پرشاد کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس
 کی حویلی میں کیسا اندھیر چھ گیا ہے۔"
 "اوہ۔ یہ آدمی تو بہت کچھ جانتا ہے منوہر۔ ریوا لورڈ
 والے نے پھر ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ اسے تو یہ بھی معلوم
 ہے کہ اس حویلی میں کتنی لاشیں ہیں؟"
 "ہاں۔ چھ گڈی چلانے والے ڈرائیور نے اپنی گردن
 ہلاتی۔ یہ اتفاق ہے کہ ہم لوگ اس وقت ادھر سے گزر
 رہے تھے۔ ورنہ یہ تو نکل گیا ہوتا۔"
 "تو پھر کیا خیال ہے تمہارے؟" اس نے پوچھا۔
 "ابھی نہیں۔ پہلے اسے جان ہو کہ سامنے پیش کر دیتے
 ہیں۔ ہو سکتا ہے اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہی ہو جائے۔"
 "اور اطمینان کی سائنس لے کر رہ گیا۔ اسے بھی تو جان
 کے سامنے ہی جانا تھا۔ چاہے کسی طرح بھی لے جا جائے۔
 اب ایک راستہ نکل آیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ یہ راستہ بڑھ
 بھی تھا لیکن داؤد کو ان لوگوں کی پروا نہیں تھی۔ اسے یہ
 اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اسے جان ہو کہ سامنے لے
 جانے سے پہلے گولی نہیں مارے گے۔ اب ایک الجھن یہ تھی
 کہ یہ لوگ اس کی طرف سے مشکوک کیوں ہو گئے ہیں حالانکہ
 اس نے بڑے عام انداز میں صرف پرنس فارمنگ کا پتا ہی
 دریافت کیا تھا اور یہ مصیبت مجھے پہنچی تھی۔
 "ہاں تو پیارے یہ ہمیں بتاؤ گے کہ کرشن پرشاد
 نے تمہیں کس کام کے لیے بھیجا تھا؟" ریوا لورڈ والے
 نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں۔ میں یہ نہیں بتا سکتا۔ یہ میری تھماری ہوگی
 مالک کا کام مالک ہی کو بتانا چاہیے۔"
 "اوہ۔" اس بار گاڑی چلانے والا منوہر زور
 پھنس پڑا۔ "بہت ہی وفاق وار معلوم ہو تھو کہ رجسٹری
 کل ایسے جانور نم ہی ملتے ہیں۔"
 "داؤد بھول کر رہ گیا۔ یہ جگہ میں اس کے غصہ کو آج
 تھا پھر اس نے خود پر قابو بھی پایا تھا۔ اس دوران منوہر
 اور رجسٹری بولتے رہے تھے۔ جب کہ رجسٹری اور دوسرا آدمی
 بالکل خاموش رہے تھے۔ غیر ملکی نوٹس ہائیڈران کے درمیان ہونے
 والی گفتگو نہیں سمجھ سکا۔ لیکن وہ دوسرا شخص بھی اسی طرح
 راتعلق تھا جیسے ان معاملات سے کوئی دہشتی نہ ہو۔
 "داؤد سے پھر کسی نے نہیں پوچھا۔ اس دوران وہ گاڑی
 اچھا خاصا سفر لے کر چلی تھی۔ اور ابھی تک اس فارمنگ کے
 آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ پھر اچانک وہ گاڑی سڑک چھوڑ
 کر کچے میں اتر گئی۔ یہاں ایک راستہ تو بنا ہوا تھا لیکن یہ راستہ
 ایسا تھا کہ گاڑی بار بار اچھل جاتی۔ کچھ دور کے بعد اچھل کود کا یہ
 سلسلہ ختم ہوا۔ اور وہ گاڑی پھر ایک ہموار راستے پر آئی جس
 کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ درختوں کا سلسلہ ختم
 ہوا گاڑی روک دی گئی۔ اس کی منزل آگئی تھی۔
 "چلو اترؤ۔" داؤد کی کریمیں ریوا لورڈ کی نال سے تھوکر دیا گیا۔
 "کوئی ٹوہرمت کرنا دے اس دیر لے میں گولی چلنے کی آواز کسی
 بھی سنائی نہیں دے گی۔"
 "داؤد گاڑی سے اترے گا۔ اس کے ساتھ دوسرے لوگ
 بھی اتر آئے تھے۔ داؤد کے سامنے خاندان تاروں والا ایک حویلی
 عربی طرز کا تھا جس کے اندر دو رنگ گھاس کا سرسبز میدان
 بچھا ہوا تھا۔ اور درمیان میں بہت سے درخت بنے ہوئے تھے
 احاطہ کا ایک مرکزی گیٹ بھی تھا جہاں چار سٹریٹ فائٹ بکس
 لگائے تھے۔ ان چاروں کے علاوہ احاطہ کے اندر بھی کچھ لوگ
 دکھائی دے رہے تھے۔ احاطہ کے برقی گیٹ پر ایک بڑا سا
 بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر پرنس فارمنگ لکھا تھا۔ داؤد اس
 بورڈ کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔
 "چلو آگے۔" ریوا لورڈ والے اسے جڑھن کا اشارہ کیا۔
 "پہلے بتاؤ کہ تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو؟" داؤد نے کہہ
 "یہ پرنس فارمنگ تو نہیں ہے۔ بورڈ پر تو کچھ اور لکھا ہے۔"
 "ہاں میرے بھوئے انسان؟" ریوا لورڈ والا ہنسنے ہوئے ہوا
 "کسی زمین نے نہیں یہ پرنس فارمنگ ہی تھا۔ بہت لوگوں کو
 کا اصل نام معلوم ہے۔ پھر اسے پرنس فارمنگ کر دیا گیا۔ تم

جب پرنس فارمنگ کا حوالہ دیا تو ہم لوگ اسی لیے چونک گئے
 تھے۔ کیونکہ یہ نام بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اب آئی کچھ میں
 بس ناک کی سیدھے میں دونوں ہاتھ اٹھائے آگے بڑھتے رہو۔
 "داؤد ایک گہری سانس لے کر آگے چل پڑا۔ اس نے
 اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے تھے۔ صورت حال اب اس کی
 سمجھ میں آگئی تھی۔ اگر وہ پرنس فارمنگ نہیں کہتا تو یہ لوگ
 اس کی طرف سے کبھی مشکوک نہیں ہوتے لیکن اب کیا ہو سکتا
 تھا۔ وہ تو یہاں تک آیا تھا اور اس کا مدعا بھی یہی تھا۔
 چاہے یہ پرنس فارمنگ ہو یا پرنس فارمنگ۔ دینے اس نے
 اپنے دل میں اس رونا اور ہمارا کو سبق سکھانے کا پورا ارادہ کر لیا
 تھا۔ وہ ابھی بھی کسی سانپ کی طرح ہلٹ کر اس کے رونا اور ہمارا
 ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے جان ہو گا بدکار تھا۔
 "جواب کا اندازہ نہیں کی طرح اس کے سامنے میں چلا آیا تھا۔ یہ
 ایک ایسی ہی فہم تھی جس میں پیار سے کھینکے کی طرح دفاعی تہذیب
 اترنے چلے جا رہے تھے۔ ایک آدمی کے چہرے سے نقاب ہٹا تو
 اس کی جگہ دوسرا آدمی سامنے آ جاتا۔
 گیٹ پر کھڑے ہوئے فی فٹوں نے انھیں دیکھ کر راستہ
 دے دیا تھا۔ داؤد اس حالت میں آئے دیکھ کر بھی انھوں نے
 کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ
 یہاں لوگوں کو اس طرح لایا جاتا رہا ہے۔ وہ غیر ملکی اور اس کے
 ساتھ والا شخص ابھی تک خاموش تھے۔ جب کہ بولنے اور عمل
 کرنے کی ذمہ داری اس رجسٹری اداؤد پر لے کر چلی تھی۔
 گیٹ کے بعد ایک راستہ یہ لوگوں کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ
 لوگ ابھی کچھ دور ہی چلے ہوں گے کہ اچانک ایک طرف سے کوئی
 دوڑتا ہوا آیا۔ اور داؤد سے ٹکرا گیا۔ داؤد نے بڑی مشکلوں سے
 خود کو گرنے سے بچا یا تھا۔ جب کہ وہ شخص داؤد کے فلوڈ لائٹ کے
 ٹھکر کر ایک طرف الٹ گیا تھا۔
 "کیا مصیبت ہے؟" منوہر زور سے چیخا۔ "کھڑا ہوا۔"
 "گرنے والا بڑا کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر داؤد کی آنکھیں
 جھپٹ گئیں۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے اپنی ہر طرف
 بہن کے ساتھ گمراہ دار اور ہم پرشاد کو سلاخوں کی تہ سے
 نکالا تھا۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ خوف سے
 اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی اس کے چہرے پر بخراہش تھی۔
 اور اس کا لباس بھی جلد بکڑے پٹھا ہوا تھا۔ لیکن تھا کہ اس
 نے بھی داؤد کو بھی پہچان لیا ہو لیکن وہ اس وقت اتنا خوفزدہ
 تھا کہ اس کے ہونٹ صرف کانپ کر رہ گئے تھے۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟" اس بار رجسٹری چیخا۔ "کون ہے
 تو کہا بھاگ دوڑ لگا رہی ہے۔"
 "وہ وہ شرطو۔ وہ نوجوان اپنے ہونٹوں پر زبان
 پھیر رہے ہوئے۔ ہلا پھر اس طرح بچے شرطو دیکھنے لگا جیسے کوئی
 بلا اس کے تعاقب میں چلی آ رہی ہو۔
 "اوہ شرطو۔ رجسٹری عمرہ انداز سے ہنس پڑا۔ "تو شرطو
 کے چکر میں پھنس گیا ہے نا کیوں؟"
 اس نوجوان نے اپنی گردن ہلاتی اور دوبارہ ایک طرف
 دوڑنا چاہا تھا کہ داؤد نے ایک کراس پڑ لیا۔ وہ داؤد کی
 مصیبت گرفت میں ایک کے رہ گیا تھا۔
 "کیا کہہ رہے ہو؟" داؤد نے حیرت سے برکت کی طرف
 دیکھی۔
 اس دوران اس کمرے میں موجود لوگ پہنچ گئے۔ کمرہ دھکی
 کے عالم میں ہار پھرنے لگے۔ انہیں یہ دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ
 اس کمرے میں وہ دونوں بھی موجود ہیں۔ کمرہ خالی ہونے ہی
 برکت اچھل کر نکلا۔ اور اس نے ایک کھینکے سے دروازے کی کلائی
 پھڑکی۔ پھر اسے کچھ یاد آیا اور اس نے دوڑتے ہوئے اس کمرے
 کا دروازہ بند کر دیا۔ حیرت اس نے کمرے کی وہ کھڑکی کھول دی
 جو باہر کی طرف تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دروازے
 کی طرف پلٹا۔
 "اب ہم لوگ محفوظ ہو گئے۔ دوست! اس نے کہا۔ اب
 کوئی آپس ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"
 "کیا کہہ رہے ہو؟" ابھی ہم لوگ اسی کمرے میں ہیں اور
 چاروں طرف سٹریٹ فائٹ بکس ہوتے ہیں۔"
 "باز ایک ذہین آدمی تھا۔ برکت مسکراتے ہوئے بولا۔
 "لیکن وہ یہ معمول کیا تھا کہ اس کمرے سے جو راستہ باہر کی طرف
 جاتا ہے۔ میں بھی اس راستے سے واقف ہوں۔ اور صرف
 اس راستے سے واقف ہوں۔ بلکہ اس کمرے کے خفیہ راستوں
 سے میں دوبارہ اس خفیہ تہ خانے میں بھی پہنچ سکتا ہوں۔ جہاں
 ہم پہلے موجود تھے۔ اب آؤ۔ میں نے یہ کھڑکی اس لیے کھول
 دی ہے کہ وہ لوگ اس دھوکے میں رہیں کہ ہم کھڑکی کے ذریعے
 کہیں باہر فرار ہو گئے ہیں۔ آؤ۔"
 دروازے ایک گہری سانس لے کر برکت کے پاس آ گیا۔ برکت
 نے اس بار بھی ایسا غیر محسوس عمل کیا تھا کہ دروازے کا اندازہ
 بھی نہیں ہو سکا۔ نہ جانے اس نے دروازے کھٹے سے ہاتھ رکھا
 تھا کہ دروازے ایک طرف سرک گئی۔ برکت انتہائی حیران اور

انہما ہی ذہین کوئی ثابت ہو رہا تھا۔ اب اس دیوار میں خلاہ نموداری ہوئی تھی اگر کمرے کے دروازے پر دھڑ دھڑ ہونے لگی۔ وہ سب اپنی غلطی محسوس کر کے دروازے کی طرف بھاگ پڑے تھے۔ دروازے نے لوہا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ برکت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیوار کے خلاف کی طرف کھینچا اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں اس خلاہ میں اتر گئے تھے۔ ان کے اترنے ہی وہ دیوار پہلے کی طرح اپنی جگہ برابر ہو گئی تھی۔ سب جیسا کہ غلطی اور غلط اندہ جہولہ برکت نے اگر درراج کا ہاتھ نہیں پکڑ رکھا ہوتا تو شاید وہ لوہا کر تا ہوا سب جیوں سے نیچے جا کر اترے۔ برکت ہی اسے قدم قدم سہارا دے کر اس طرح نیچے کیا جیسے اس کی انھیں اس اندھیرے میں بھی واضح طور پر دیکھ رہی ہوں۔

وہ دونوں ایک جگہ رگڑا کر سی تہہ خانے میں آگے جہاں سے ان کا سفر شروع ہوا تھا۔ درراج نے اب اس بات پر حیرت کرنی ترک کر دی تھی کہ اس عمارت میں تہہ خانوں کا چال کس کس انداز سے چھللا ہوا ہے کیسے کیسے راستے بنائے گئے ہیں نہ جانے ان کے تہہ میں کتنی ہی سخت کی گئی ہوگی۔ وہ تہہ خانہ ابھی تک درراج کو پریشان کر رہا تھا یہیں ایک لاش پڑی ہوئی تھی اور یہ لاش کسی اور کی نہیں بلکہ شہلا کی تھی جسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔ یہ تہہ خانہ اب اسے کٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ جاتا جاتا ہوتا تھا۔ لیکن تیزی سے گزرنے والے واقعات اسے اتنا متوجہ ہی نہیں دے رہے تھے۔ اس نے سوچا اگر وہ شہلا کی موت کا ماتم کرے گا۔ اسے بچھ کر یا د کرنا رہے گا۔ اس کی روح سے معافیاں طلب کرے گا۔ لیکن اسے جہالت ہی نہیں مل رہی تھی۔

برکت۔ اسے اپنے ساتھ اس دیوار کے پاس لے آیا جہاں سے ہال میں جھانک کر دیکھا جاسکتا تھا۔ ان دونوں نے ہال میں جھانکنا شروع کر دیا۔ وہاں ابھی تک افراتفری مچی ہوئی تھی۔ نہ جانے کتنے خوفزدہ لوگ بوکھلائے ہوئے کھڑے ہوتے تھے۔ اور ایک طرف ایک لاش بھی پڑی ہوئی تھی جو یقیناً ماتم کی تھی۔ اس کی زندگی کا چراغ بہت جلدی بہت اچانک گل ہو گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کیسے خواب دیکھ رکھے تھے۔ لیکن یہ خواب اب کبھی فراموش نہ ہوئے۔ والے نہیں تھے۔

وہ دونوں کچھ دیر تک ہال میں ہوئے۔ دلی بے گدڑ دیکھتے رہے۔ پھر واپس تہہ خانے میں پڑی ہوئی لکڑی کی پیٹریوں پر گر بیٹھ گئے۔

”ہاں اب بناؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ درراج نے پوچھا۔ ”ساری صورت حال تمہارے سامنے ہے تم نے دیکھ لیا کہ ماتم ایک ایسا آدمی تھا جس نے اپنی دہانت سے یہیں کھیر لیا تھا۔ لیکن میری زبان نے اس کا کام تمام کر دیا۔“ آخر کس طرح؟

”یاد تم بھی عجیب تھا۔ مادی ہو؛ برکت نے تھا کہ کبھی میری سی بات ہے کہ میں نے اسے دیوار کے جس حصے کو بدلنے کے لیے کہا تھا۔ وہاں ایک نہ ہری سوتی موجود ہے۔ ان خفیہ راستوں کی نگہ کرنے والوں نے یہ انتظام جان لوہ کر کیا۔ بگاڑ مجھے بس اتفاق سے معلوم ہو گیا تھا۔ ورنہ آج میں خود تمہیں یہ سب سننے کے لیے تمہارے سامنے نہیں ہوتا۔ تو اس طرح اس ماتم کی کہانی ختم ہو گئی۔ جو ہر حال میں ہمیں ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔“

”تو تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟“ ظاہر ہے وہ اتنے بے خوف آدمی نہیں تھا کہ دولت مل جانے کے بعد وہ یہیں زندہ رکھنا تاکہ اس کی دولت کا رافض کر دیں۔ اس نے یہ سچ لیا تھا کہ وہ دولت کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد میں کوئی مار دے گا۔ اس کے لیے یہ بہت اچھا بہانہ تھا کہ ہم نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسی لیے اس نے اپنے بچاؤ میں ہمیں ہلاک کر دیا۔ خیر میرے سامنے مسئلہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ میں اس سیاہ پوش کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو چلنے لگتی دولت کے فرار میں ہے۔ کیا یہ ہو گیا ہے۔ نہ جانے وہ کون ہے؟

”میں انھیں ایک بات بناؤں۔“ درراج نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”ہاں بناؤ۔ کیا بات ہے؟“ ”میں نے اس دولت کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے میں تمہیں اتنا مطمئن رکھانی ہے رہا ہوں تھے اب اس دولت کی بدواہ نہیں رہی۔ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ دولت اب میری قسمت میں نہیں ہے۔ اور جو بہتر قسمت میرا نہ ہو اس کے لیے سچ سچ کر خود کو پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔“

”تمہارا یہ تو بے اچھا بھی ہے اور اور بھی۔“ برکت نے کہا۔ ”اچھا اس لیے ہے کہ تم اس طرح ذہنی طور پر سکون ہو گئے ہو اور میرا اس لیے ہے کہ تم اس طرح بہت بارہی ہو۔ یہ گمان ہوتا ہے کہ تم نے ہمارا دل لی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تم

نے اپنی تلک و دو کی ہے۔ اپنے ایک ساتھی سے اسی دولت کے لیے محروم ہو گئے ہو۔ اور اسی دولت کے ملنے سے مایوس ہو گئے ہو۔ اب ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تمہاری شکست کی دلیل ہے اور شکست خوردہ لوگ کبھی اچھے نہیں بن سکتے۔“

”لو پھر تم ہی بناؤ۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟“ ”ہم سوچ سکتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں غور کر سکتے ہیں جو ابھی تک ہم جیوں سے زیادہ خوش قسمت ثابت ہو رہے۔ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ وہ کون ہے۔ کہاں ہے آیا تھا اور دولت لے کر کہاں گیا تھا۔“ ”نہ جانے کہیں اب میرا دل اس دولت کی طرف سے اچھا ہو گیا ہے۔“ درراج نے پھر کہا۔ ”میں یہ دیکھ چکا ہوں کہ اس دولت نے اتنی ہی دیر میں کتنی خون ریزیاں بہا کر دیں۔“ ”یہ تمہاری مرضی۔ لیکن میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ دولت میرے ہاتھ آئی۔ تو میں تمہیں تمہارا حق ضرور پہنچا دوں گا۔ ہاں اب اب میں تمہارے ساتھی کی لاش تھکانے لگانا ہے۔“ لاش۔ درراج مری طرح چونک پڑا۔

”ظاہر ہے۔ یہ لاش اس تہہ خانے میں تو نہیں رہ سکتی۔ کچھ دیر بعد اس میں خرابی کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے بہتر ہے کہ اس سے پہلے اسے کہیں ٹھکانے لگا دیا جائے۔“ شہلا کی لاش کے تذکرے پر درراج نے اپنی گردن ہٹا کر لی۔ یہ کبسا اتفاق تھا۔ اسے سب سے زیادہ جس سے محبت تھی اس کو اس نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا تھا۔ شاید انسان کے لیے اپنی زندگی سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ دولت کا لاپرواہ سارے جذبوں پر غالب آجاتا ہے۔ جب یہ عوامل موجود ہوں تو محبت بھی درمیان میں نہیں رہتی۔ خاموشی سے ایک طرف ہٹ جاتی ہے جس طرح شہلا ہٹ گئی تھی۔

”آؤ میرے ساتھ۔“ برکت کھڑا ہو گیا۔ یہ کام بھی کر ہی لیا جائے۔ اس تہہ خانے میں ایک زمین دونوں لہ رہا ہے۔ ہم اس لاش کو اسی گالے میں بہا دیں گے۔ یہ نالہ بدھاسمندریں جا کر مل جاتا ہے۔ چھپا لاش کو کون کرکھا لیگی۔ اس طرح تمہاری ساتھی کا جو تک ختم ہو جائے گا۔ زندگی اس طرح جاتی رہتی ہے۔ یہی دستور ہے۔“

زمین دونوں لہ رہا ہے۔ اس کے نیچے ہی سے بہتا تھا۔ ہال کی ایک دیوار کے ساتھ لوہے کا ایک ڈھکنا لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں لاش اٹھا کر اس گالے کے دہانے کے پاس لے آئے تھے۔ پھر برکت ہی نے ایک ہاتھ سے اس ڈھکنا کو ایک طرف ہٹا لیا۔

اور دونوں نے مل کر وہ لاش اس گالے میں ڈال دی جیسا کہ ایک آواز کے ساتھ شہلا کے وجود کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

”نقاب پوش اس طرح اچانک سامنے آ گیا تھا کہ ہرام اور ہمارا چہ دونوں ہی سٹ پٹا کر رہ گئے۔“ اسی وقت چاند بھی بدلیوں کی اوٹ سے نکل آیا اور اس کی روشنی میں یہ نقاب پوش بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جیڈ سے کسی ایک شاٹ گن تھی جس کا ڈنچ ان دونوں ہی کی طرف تھا۔

”آگے چلو۔ اس نقاب پوش نے بھی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ بھی کچھ عجیب سا تھا۔“ ہمارا چہ اور ہرام نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ نقاب پوش ان کے پیچھے ہی رہا تھا۔ اس نے جس طرف چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ بھی ایک برکت ہی تھی۔ دو قدم چلنے کے بعد اچانک ہرام نے ہٹا لیا اور اپنی ایک عضو کو نقاب پوش کے غٹھے پر رید کر دی۔ نقاب پوش لوہ کر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے اس کی شاٹ گن چھوٹ کر ایک طرف جا گری تھی۔ ہرام نے جھپٹ کر شاٹ گن اٹھالی۔ یہ عمل اتنی جلدی اور اتنی آسانی کے ساتھ ہو گیا تھا کہ ہمارا چہ دیکھنے ہی رہ گئے تھے۔ انھیں ہرام کی جرأت پر حیرت ہوئی تھی۔

”چلو اب کھڑی ہو جاؤ۔“ ہرام نے شاٹ گن ہارنے ہوئے کہا۔ ”میں نے اندازہ کر لیا ہے کہ تم کوئی عورت ہو۔“ وہ نقاب پوش آہستہ آہستہ زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”چلو اب اپنی یہ نقاب بھی اتار دو۔“ ہرام نے دوسرا حکم دیا۔ نقاب پوش نے جھجکا کر اپنی نقاب اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ وہ ایک عورت ہی تھی۔ عظیم الشان عورت۔ روشن چہرے اور سنہری بالوں والی۔

”ہاں اب بناؤ کون ہو تم؟“ ہرام نے پوچھا۔ ”اوہ تم ہمارے راستے میں کیوں آئی ہو؟“

”میں نہیں بناؤں گی۔“ اس نے کہا حالانکہ اس نے یہ جملہ ہندوستانی ہی میں ادا کیا تھا جس میں اس کا لہجہ باریک تھا کہ اسے اس زمانہ کے بچے پر عروصہ حاصل نہیں ہو سکا ہے۔

”تمہیں تو بتانا ہی پڑے گا۔“ ہرام مسکرتے ہوئے بولا۔ ”ورنہ میری جیب میں ایک تیز دھار چاقو موجود ہے۔ میں اس چاقو سے تمہاری پوٹیاں اتار لوں گا۔ میں تم پر گردیاں نہیں چلاؤں گا۔ کوئی اس کی آواز دوسروں کو خبردار کر دے گی۔“

وہاں تم ایسا کر سکتے ہو تم سب کے سب بے رحم اور ظالم ہو۔ یہاں کی فضا میں ظلم کا اثر ہے۔ یہاں رہنے والوں کے سروں پر ہر وقت خون سوار رہتا ہے۔

”ہنہیں ایسی بات نہیں ہے خاتون! بلرام دجبر سے بولا۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں۔ شریف لوگ جو کچھ سامنے نہیں آتے۔ اپنی عزت کے خوف سے خاموش رہتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں زیادہ تعداد میں سے لوگوں کی دکھانی دینی ہے جب کہ یہاں اچھے لوگ بہت زیادہ ہیں۔“

”جوتے لہستے ہو تم میں نے کسی کو بھی اچھا نہیں دیکھا۔ سب کے سب بے رحم اور ظالم ہو۔ تم لوگوں نے میرے بھائی کے ساتھ مل کر لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ وہ بھی پہلے ایسا نہیں تھا۔ بہت شریف آدمی تھا لیکن یہاں آنے کے بعد اس کا مزاج بھی یہاں کے ماحول کی وجہ سے جلد بدل ہو گیا۔ وہ اب سب سے بڑا ظالم ہے۔“

”تم کسی کی بات کر رہی ہو بھتیجی۔“ مہاراجہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”کون ہے تمھارا بھائی؟“

”بھتیجی، اس عورت نے جو کہ اس طرح ہمارا جب کی طرف دیکھا جیسے پہلی بار نظر پڑی ہو۔“

”جانتے ہو بھتیجی کسی کو کہتے ہیں؟“ وہ تلخ ہو کر بولی۔ ”کچھ کہنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیا کرو ورنہ بعد میں بہت خرابی ہوگی ہے۔“

”میں نے بہت سوچا کچھ کر نہیں پڑی کہا ہے۔“ مہاراجہ نے کہا۔ ”تھیں دیکھ کر ایسا ہی احساس ہو رہا ہے۔ خبر یہ بتاؤ کون ہے تمھارا بھائی؟“

”بہمارا؟“ اس نے جواب دیا۔ ”وہی لیما رک جو اس بارے کا رخا ہے جو چلا رہا ہے جس نے سارے جال پھیلانے ہیں۔ میں اسی شخص کی بہن ہوں۔“

”خاتون۔ تم لوگ بھی تمھارے بھائی کے سناٹے ہوئے ہیں۔ بلرام جلدی سے بولا۔ ”ویسے مجھے یہ جان کر جوت ہوئی ہے کہ بہمارک کی کوئی بہن بھی ہے۔ اور وہ بھی ایسی جو اپنے بھائی کے ظلم و تشدد سے بیزار ہو چکی ہے جس کے اندر انہی صبر و جود ہے۔ اور پوری طرح کام چلی کر رہی ہے۔“

”ہاں۔ میں شک جی ہوں میں نے اپنی غارت گری دیکھی ہے کہ اب میرے اعصاب تنگ مثل ہو چکے ہیں میں اسے سمجھا کھا کر شک جی ہوں میں اس سے کہتی ہوں کہ جلد تم لوگ واپس اپنے اسی خوبصورت گاؤں میں چلتے ہیں جہاں بہنے

اپنی زندگی کے خوبصورت نرئی دن گزارا ہے تھے۔ لیکن دھیری بات بھی نہیں سنا کہ یہاں کبھی جو ایک عورت ہوں اس لیے بزدل ہوں لیکن میں بزدل نہیں ہوں میں نے اسی طرح رات کے اندھے میں چھپ کر اپنی اسی شاٹ گن کے ذریعے اپنے بھائی کے قہر پر تین آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ جنہیں میں اپنی آنکھوں سے مفلوس ہر پرے پناہ ظلم اور تشدد کہتے ہوئے دیکھ چکی ہوں۔ اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ بہمار عمل قابل سزا ہے یا نہیں میں نے کوئی گناہ کیا ہے یا نہیں بس میرے دل میں آئی اور میں اس پر عمل کر گزری۔“

”ہنہیں تم نے غلط کام نہیں کیا۔ بلرام نے کہا۔ ”ایسے جند کو مارنے سے خدائی خوش ہوتا ہے لیکن تم نے نہیں کیوں چھوڑ دیا اگر تم چاہتے تو دور دراز سے یہیں نشانہ بناسکتی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں اس کی وجہ یہ خود ہمیں کچھ سی ہوسکتا ہے کہ تمھاری قسمت میں ابھی موت نہ ہو۔ تمھاری زندگی باقی ہو اس کے علاوہ تم لوگ جنگل کی طرف سے آئے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور مجھے یہ معلوم ہے کہ اس جنگل میں دو آدمی چھپے ہوئے ہیں اور ان کی تلاش کا نام ابھی ہے میں نے سوچا کہ غاید تم دونوں دی ہو۔“

”ہاں۔ ہم دونوں دی ہیں۔“ مہاراجہ نے تکیا۔ ”میں جہاڑ آف نیکم کر رہا ہوں اور یہ میرا ساسھی بلرام ہے۔“

”ٹھیک ہے مجھے اب اطمینان ہو گیا۔ بہرام جوزلفاں ہے۔ اس نے کہا۔ چلو میں تمھیں اپنے یرک میں لے جاتی ہوں یہاں زیادہ دیر کھڑا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی بھی آسکتا ہے جوزلفاں کا یرک وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ یہ بھی بڑی خوبصورتی سے سجایا ہوا ایک یرک تھا۔ اس میں آسائش کی ہر چیز پتیا کر دی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوگ کسی دیرلے میں بنے ہوئے کسی یرک میں نہیں بلکہ کسی شاندار ہوٹل کے کسی کمرے میں چلے آئے ہوں۔

”تم لوگ بچو میں تمھارے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔“ جوزلفاں نے کہا۔

”کھانے پینے کا تو نہیں البتہ چائے کا بندوبست ضرور کرو۔“ مہاراجہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ”اس وقت بہت خواہش ہو رہی ہے۔“

”ابھی لائی۔“ جوزلفاں کمرے سے باہر چلی گئی۔

”قدرت نے ہماری مدد کی ہے مہاراجہ صاحب۔“ بلرام نے کہا۔ ”وہ ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ ایک بے صبر شخص کی

جوزلفاں کچھ دیر میں ایک خوبصورت سی ٹریسے میں چائے کے کرائی۔ اس نے ٹریسے کے ساتھ چائے کے برتن ان کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

”بہت دنوں کے بعد میں نے ایسا سکون محسوس کیا ہے۔“ جوزلفاں ایک گری سائس لیتے ہوئے بولی۔ ”جب ہم اپنے گاؤں میں تھے تو بہت خوش تھے بہت خوشی کی چیزیں تھیں ہمارے پاس پھر میرے ذہن میں بھائی نے اپنی ہوس کا دائرہ بڑھا لیا وہ ایک بے مثال سائنس دان اور موجد ہے۔ اس نے ایسی ایسی چیزیں ایجاد کیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے لیکن ہمارے کچھ انے فائدہ پہنچانے کے اس نے اپنے عقیدے کے خلاف سودا کر لیا۔ وہ خزانے کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے جیسے کی بہن لوگوں کی ایک ایسی علم تیار کر لی جو اس کے اشارے پر سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔ پھر رت چلے کہاں کہاں اس سے اس نے لے لے شمار دو سال اور دولت پیدا کر لی۔ اور اپنے آدمیوں کو لے کر دنیا کے مختلف ممالک میں گیا تاکہ وہاں اپنی چھٹی سلطنت قائم کر سکے۔ اتفاق سے تمھارے ملک کی زمین اب اس آگئی۔ کیونکہ یہاں عزت اور دینی انتشار بہت ہے۔ اور جہاں یہ دونوں چیزیں ہوں۔ وہاں انسانوں کی خریداری بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ تو میرے بھائی لیما رک نے بھی یہاں آنے کے بعد جلد ہی پناہ دولت و سائیں اور ایجادات کے ذریعے نہالے کئے آدمیوں کو خرید لیا۔ اور اس کی یہ سلطنت قائم ہوئی۔“

”کہنا بھی اس مرحلے میں اس کے ساتھ رہی تھیں بھگیاہ نے پوچھا۔

”ہنہیں میں اس وقت اپنے گاؤں ہی میں تھی۔“ جوزلفاں نے جواب دیا۔ ”ہم دونوں ہی بھائی بہن اپنے خاندان میں روئے ہیں۔ جب لیما رک نے یہاں سب کچھ ٹھیک کر لیا تو اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے مجھے بھی بلوایا۔ اس وقت اس نے صورتحال نہیں بتائی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے یہاں آکر کچھ کر لیا ہے میں خوشی خوشی اس کے بلانے پر یہاں چلی آئی۔ اور یہاں آنے کے بعد جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے کتنے جال پھیلایے ہیں کیسے سچے سچے تم کرنے لگے تو میں تڑپ کر رہ گئی۔ لیکن لیما رک کا یہ حال ہے کہ وہ میری باتوں کو سننا ہی نہیں اس کے نزدیک میں ایک کمزور اور قابل رحم مخلوق ہوں۔ اور مجھے اپنی حد میں رہنا چاہیے۔ اس نے مجھ پر بھی کس قسم نہیں کیے ہیں میں اس کے پاس کسی کی مرضی کے بغیر نہیں جاسکتی۔ مجھے اس بستی سے نکلنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے خود مجھے بھی

قبضہ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا ہر کام میرا احترام کرنا ہے میری بات ماننا ہے۔ تم لوگ یہ دیکھ رہی ہو کہ میرے لیے دنیا بھر کی سہولیات میسر ہیں۔ اس کے باوجود اب یہ سب ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ میں اس عذاب کو ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ میں ظلم اور بربریت کی اس سلطنت کو ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ لیکن آخر ہوں نا کمزور مخلوق کچھ بھی نہیں کر پاتی۔“

”ہنہیں ایسا تم کو کمزور نہیں بلکہ طاقت ور اور بوجھلارہ نے کہا۔ جس میں اپنے غلام ماحول سے بغاوت اور نفرت کا جو حملہ ہو رہا ہے۔ وہ بہت طاقتور ہوتا ہے۔ تم جیسے لوگ تو بہت کم ہوتے ہیں بھتیجی۔ خواہے ہی بھائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ تمھاری طاقت کی دلیل ہے۔“

”فرض کرو اگر تمھارے بھائی کے خلاف کوئی کچھ کیا ہو جاتی ہے تو پھر اس کے پیچھے میں تمھارا بھائی تباہ ہو جائے گا کیا تم یہ برداشت کر سکتی؟“

”کیوں نہیں کیونکہ وہ اب میرا بھائی نہیں رہا۔ ظالم اور مظلوم کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ رشتے اس وقت ختم ہو جاتے ہیں جب ہم میں سے کوئی ایک ظالم اور دوسرا مظلوم بن جاتا ہے۔“

”بہت خوب۔“ مہاراجہ نے اپنی گردن ہلائی۔ ”تمھاری باتیں بہت متاثر کرنے والی ہیں۔ تم نے اپنی اپنی زبان کہاں سے سیکھی۔“

”ہنہیں رہ کر سیکھی ہے۔“ جوزلفاں مسکرا دی۔ ”میں چیکے چیکے ان لوگوں کی مدد کیا کرتی ہوں جو میرے بھائی کے ہاتھوں سناٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ ان کے دکھ و درد کو پوری طرح جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں کی زبان سمجھ لوں۔ اس شوق نے مجھے زبان سیکھنے میں مدد دی۔ اس معاملے میں بہمارک نے بھی میری مدد کی۔ وہ مجھے یہ زبان سکھا کر مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے میرے بے اختیار میں منگوا کر دیں۔ اس کے علاوہ اس نے ایک انسٹانڈی بوجھلے کہاں سے بلوایا تھا۔ اس نے چارے سے بھی میرے ساتھ بہت محنت کی اور جس میں اس قابل ہوئی ہوں کہ تمھاری ہی زبان میں اپنا سامانی الفیہ بیان کر سکوں۔“

”یہ تم نے اپنی شاٹ گن سے لوگوں کو ہلاک کرنے کا کیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ بلرام نے پوچھا۔

”تو اور کیا کروں۔“ جوزلفاں نے جواب دیا۔ ”میرے پاس اس ظلم کے خلاف کا آزار اٹھانے کا اور کون سا طریقہ ہے؟ لیکن مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں نے جن تین آدمیوں کو اس طرح رات

کو ہلاک کیا ہے۔ وہ بے گناہ نہیں تھے، ظالم تھے، میں نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں ظلم کرنے ہوئے دیکھا تھا، اسی لیے میرا ضمیر مطمئن ہے۔ اب تم لوگ اپنے باپ سے بیٹاؤ، تم کیا فی ہو جو اس جنگ میں چھپے ہوئے تھے۔ بہادر ہو سکتے تھے، یہی بننا تھا کہ جنگل میں رہنے والے سادھو کا استعمال ہو گیا ہے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور رہتا ہے؟

اس کا مطالبہ ہوا کہ بہادر ہو کر گھٹنے پھریں کی بلرام نے کہا: "اس نے یہاں آنے کی ہمارا کو ہمارے پاس سے نہیں بننا دیا۔"

"ہمیں اس نے کوئی بد عہدی نہیں کی، بلکہ وہ خود ہمارا کہ ظلم کا شکار ہو گیا۔ وہ جب جنگل سے واپس آیا تو اس وقت ہمارا کہ نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس کا خاموش ہو کر جنگل سے واپس آجانا یوں ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے بیٹے میں کوئی راز چھپا کر واپس آیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا کہ نے اپنے ہی آدمیوں کے ذریعے اس پر اتنا اشتدک واپاک اس نے تم دونوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ ہمارا کہ ہی نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ تم دونوں کو بچنے کے لیے براؤن اور لینے دیگر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے چلے۔ اس نے جو کچھ کیا بہت عجیب ہو کر کہا ہے۔ ہمیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ جو ہمارا چلے بلو چھا۔" ظاہر ہے، میں اس کی بہن ہوں۔ میرے ارد گرد بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو میرے خوف کی حماقت کرتے ہیں ان ہی لوگوں سے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوا تھا۔

"اے بلرام نے اپنے ہونٹ سکڑے ہیں اب بچھا اچھا یہ بتاؤ کہ تم کس حد تک، عمداً ساتھ دے سکتی ہو؟"

"کیا ساتھ چاہتے نہیں؟"

"میں نے تو عمداً ارادہ تھا کہ تم کسی طرح یہاں سے نکل لو گے بلرام نے کہا: لیکن کم از کم اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جیسی لڑکی سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ تم ایک زندہ ضمیر کی مالک ہو۔ اور تم اگر میرا ساتھ دو تو اس سلطنت کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں مولے کا ظلم اور غیر ملزم گریہوں کے اور ہے یہ کیا۔ تمہاری بھی شاید یہی خواہش ہوگی کہ یہ نقام باطل ہو کر رہ جائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس معاملے میں میرے ساتھ بولا بولا قوانین کرو گے؟"

معروف تمہارے ساتھ نہیں بلکہ میرے ساتھ ہی، ہملا ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے: "میں گرجہ، لوڈھا

ہو گیا ہیں۔ لیکن میرے اعصاب ابھی تک جڑاں ہیں، اس کے علاوہ میں نے اپنی پوری زندگی مختلف انداز میں گزری ہے۔ لیکن اب یہاں آنے کے بعد مجھے یہ احساس ہو گیا ہے کہ اپنی زمین پر اگر خوف اور جرم کے سائے منزلانے رہیں تو اپنے فعل میں ہر سکون زندگی نہیں گزاری جاسکتی میں نے اپنی زندگی میں بہت سے گناہ کئے ہیں اور اب ان کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں؟

"ٹھیک ہے، میں پوری طرح تم دونوں کا ساتھ دوں گی کہو کہ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ ہمارا کہ کے مضبوط قلعے کے کون کون سے کمزور پہلو ہیں؟"

"چھوڑ دو اسے، منور پوری قوت سے چلا جاؤ۔ داوڑے اس خوفزدہ لوجان کا بازو ختم کیا تھا اور وہ لوجان وادری مضبوط گرفت میں پھول کر رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد خوفزدہ تھا جیسے اس کی جان لگی جا رہی ہو۔

"اے تم نے چھوڑا نہیں اسے، رجنی نے اپنے لالہ داوڑے کا ہاتھ کو جنبش دی۔ جلدی چھوڑ دو ورنہ کوئی ملر دوں گا۔"

"کچھ بھی کر دو۔ لیکن جب تک مجھے نہیں پتہ چلے گا کہ یہ کیا چیز ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا، داوڑے کہتا ہے: اتنا خوفزدہ کیوں ہے۔ یہ کس شرط کی بات کر رہا ہے؟"

"بہت ضدی معلوم ہوتا ہے رجنی، منور اپنے ساتھی سے غلط ہوا۔ کیوں نہ یہ شرط اس کے ساتھ لگا لی جائے۔ بہت دلوں سے کوئی تمنا نہیں دیکھا ہے ویسے بھی آدمی جاندار معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ لونا لونا پانی منٹ کا بھی نہیں ہے، کیا خیال ہے تمہارا؟"

"اسی اشتاد میں دو قوی پھیل آئی دوڑتے ہوئے وہاں آگے وہ دونوں کی دلو کی طرح لانسے چڑھے اور چہمے تھے۔ انہوں نے صرف خاک رنگ کی پشتیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے بازوؤں کی پھلیاں پھڑک رہی تھیں ان کے کشادہ سینوں پر کھینے بالوں کے جنگل آگے ہونے تھے۔ مجموعی طور پر وہ ایسے لوگ تھے جو دوسروں کو اپنے ہن اور اپنے قامت ہی سے خوفزدہ کر سکتے تھے ان دونوں کو دیکھ کر اس لوجان نے کسی لمحے ہتے کی طرح

لڑنا شروع کر دیا۔ داوڑے اس کے بازو ہراہتی گرفت اور مضبوط کر لی۔ ورنہ وہ لوجان وحشت زدہ ہو کر کسی طرف دوڑ لگا دیتا۔

"چھوڑ دے اس کو، ان دونوں میں سے ایک داوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے غائب کیوں ہو کر رہا ہے؟"

"ہری دھرے منور نے اس دلو پر کوفتاً طلب کیا: تم اب یہ فیصل اس کے ساتھ — ٹھیک بہت متنا ہے اس کو۔ بہت دھیر سے چلا کر رہا ہے؟"

"اچھا، ہری دھرے ہنس پڑا اس کی ہنسی بھی اس کے غیلے کی طرح بھاگ گئی: تو پھر دیر کس بات کی ہے اس کے ساتھ تو اور بھی مڑا گئے گا۔"

"تم لوگ کم از کم یہ تو بتاؤ کہ یہ کیا سلسلہ ہے؟ داوڑے نے بڑے مطمئن لہجے میں پوچھا: اگر میں اس غیل میں جیت گیا تو کیا انعام ملے گا؟"

"اس کھیل کو جیتنے کے چکر میں نہ جانے کتنے لوگوں کی لاشیں دریا میں ڈالی، تڑپیں ہیں، رجنی نے کہا: دیکھ لوجان، ہم لوگ یہاں بڑی خشک زندگی گزار رہے ہیں، ہمارا پاس اور کوئی تفریح تو ہے نہیں کبھی کبھی کوئی لڑکی وغیرہ ہاتھ آجاتی ہے تو ذرا تفریح ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد میری جی خشک زندگی، تو ہم لوگوں نے بہت سوچ کر یہ کھیل نکالا ہے۔ اور وہ کھیل یہ ہے کہ تم ان دونوں کو دیکھو، ہونا ان کے بازوؤں میں فلاں دھجک دیا گیا ہے، اگر چٹان کوگی گھونسہ مار دوں تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہل جائے۔ تو ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا پہنچے یہاں گرفت کر لے کر آئے، ہم اس سے کہتے ہیں کہ وہ ان دونوں سے بچ کر بھاگ لے، اگر وہ کامیاب ہو گیا تو پھر ہم لوگ اس کا تعاقب نہیں کریں گے اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ کامیاب نہیں ہوا، تو یہ دونوں اسے بہت لمبے دردی سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ آج تک تو ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بچ کر بھاگ نکلے۔ اب تمہاری موت آئی ہے تو چلو یہ تمنا تمہارے ساتھ ہی ہو؟"

"تمہاری بہن کہاں ہے؟ داوڑے اس کا جواب دینے کی بجائے اس لوجان سے سروٹوئی کی۔

"وہ ان لوگوں کی قید میں ہے، لوجان نے ہری کی شکلوں سے غائب آئے، جواب دیا: خوف نے اس کی حالت ڈر گوں کر رکھی تھی۔"

"تم گھراؤ نہیں؟" داوڑے اسے تسلی دی: "ابنا چھوڑ قائم رکھو میں آج ان لوگوں کو جنہر سہ کر دوں گا، پھر اس نے رجنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ٹھیک ہے میں یہ کھیل کھیلنے کو تیار ہوں۔ لیکن میری شرط یہ ہوگی کہ تم لوگ اس دوران اس جان کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے یہاں اگر میں بار جاؤں تو پھر جو چاہے سلوک کرنا۔"

"ٹھیک ہے، تمہاری یہ شرط ہم منظور کرتے ہیں، منور سکر لے ہوئے۔ لولا، سوچا تو یہی تھا کہ ہمیں جیت کے سامنے پیش کر دیں گے۔ لیکن اب تم نے راستے ہی میں اپنی موت بلا لی ہے تو اس کا کیا علاج کیوں ہری دھرے اس دیوانہ بھل ہری دھرے کو اپنی گردن ہلا دی جبکہ دیگر قوی پھیل اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔ البتہ اس کے چہرے کے سمت نقوش یہ بتا رہے تھے کہ وہ بھی ہری دھرے سے کچھ کم خوفناک نہیں ہے۔ وہ غیر ملکی اور اس کے ساتھ والا شخص اب دھجائی نہیں دے رہے تھے، شاید وہ دوا کسی اور طرف چلے گئے تھے، جبکہ ان لوگوں کے ارد گرد اتنی ہی دیر میں ایک نچ سالگ گیا تھا، سب بڑی اشتہابی بھری لگا ہوں سے داوڑے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ سب ہی اپنے حیلے اور اپنے انداز سے جرائم پیشہ دکھائی دیتے تھے۔ داوڑے اس لوجان کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ ابھی بھی بہت خوفزدہ تھا۔ اگر داوڑا اس کے پاس کھڑا ہوا نہیں ہوتا تو وہ اب تک بے ہوش ہو چکا ہوتا۔

"تم یہ نہیں کھڑے رہنا؟" داوڑے اس لوجان سے کہلا: "یہ لوگ تمہیں ہاتھ نہیں لگائیں گے۔"

"تو پھر تمہارے ہوتے موت کے منہ میں جانے کے لئے؟" رجنی نے پوچھا۔

"اب یہ تو آنے والا وقت ہی بننے کا کہ موت کے منہ میں گون جانے والا ہے؟" داوڑے کہا: لیکن میں تیار ہوں، بتاؤ کیا کرنا ہے مجھے؟"

"کرنا کیا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے دوڑنا شروع کر دو۔ اور جب یہ دونوں تمہیں پکڑ کر تمہارے منہ کے اڑا دیں۔ تو پھر اس لوجان کے بارے میں سوچا جائے گا؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے دوڑنے بھاننے کی کیا ضرورت کیا میں یہیں کھڑے ہو کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا؟" داوڑے نے پوچھا۔

"تمہاری مرضی: منور ہی آنکھیں پک آنکھیں یہ تو

اور بھی ابھی بات ہوئی تھا شا جلتی جلدی شروع ہو جائے
اتن بہتر ہے؟
رجی نے اس پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو دھڑکنے
کا اشارہ کیا اور وہ ایک بڑا سا دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے جس
کے درمیان میں دائرہ اور وہ دونوں آگے سامنے کھڑے
ہوئے تھے۔

داور نے اپنا دھیان بلوری طرح ان دونوں پر مرکوز
کر دیا بہت دلوں کے بعد اسے اپنی اصل حیثیتوں سے بلور
کام لینا تھا اس کے سامنے کھڑے ہوئے یہ قوی میل لوگ
آسمان نہیں دکھائی دیتے تھے۔ ان کے تصور بتا رہے تھے
کہ وہ لڑنے کا فن جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مزاج
میں بے رحمی اور ظلم کا مادہ بھی بھرا ہوا ہے۔

اچانک دوسرے والے نے اپنی جگہ سے جت لگا
دی۔ دائرہ اطمینان کے ساتھ کھڑا رہا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا
کہ وہ شخص جیسے ہی اڑتا ہو اس کے قہقہے آگے کا وہ غوم
گرد و مری طرف چلا جائے گا لیکن وہ شخص اس کے اندازے
سے نہیں زیادہ بہتر بتانا ثابت ہوا تھا۔ داور نے اس کا جوت
خالی جانے دیا۔ اور جیسے ہی وہ غوم گرد مری طرف پہنچا
وقت اس شخص نے پلٹ کر اپنا ہاتھ دائرہ کے سینے پر مار
دیا۔ دائرہ گڑھ ضرب پائی محسوس ہوئی جیسے کسی نے تھوڑا
مار دیا ہو۔ اس نے فوراً ہی اپنی سانسیں روک لی تھیں
اس شخص نے ایک دائرہ بناتے ہوئے اپنی ٹانگ چلائی
اور یہ ضرب دائرہ کی گرد پڑی۔ وہ آگے کی طرف جھکا اور اس
کے ساتھ ہی اس نے اپنا دایاں پیروں پر اٹھایا کہ اس شخص
کے سینے پر رسید کر دیا۔ وہ ڈگڑا کر ٹھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا
داور نے چھلانگ لگا دی۔ لیکن یہ چھلانگ اس نے اس
مقابلہ کرنے والے پر نہیں لگائی تھی۔ بلکہ اس نے اس
کے دوسرے سامنے ہری دھڑ پر لگائی تھی۔ اس
طرح اس نے ایک عجیب نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔

ہری دھڑ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ دائرہ کی
پہلی ہی ٹھوکہ کئے اسے زمین پر گر دیا لیکن اسی دوران
وہ دوسرا شخص کسی پہچھے ہوئے جانور کی طرح غرائے سے
دائرہ پر حملہ آور ہوا اور اس نے پیچھے سے آکر دائرہ کی گرد
لی۔ دائرہ نے کبھی کی طرح اپنی ہنسی اس شخص کے پیٹ میں
مداری اس کے ساتھ ہی اس نے گیسے ہوئے ہری دھڑ کے
سر پر ایک ٹھوکہ رسید کر دی۔

اس دائرہ کے اندر ایسی جنگ کا آغاز ہوا جس میں

لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ دائرہ کے
بدن میں کبلیاں سی بھڑکی تھیں۔ اس نے اس جنگ میں
اپنا سارا ہنر صرف کر دیا تھا وہ اپنی ساری توانائی استعمال
کر رہا تھا۔ اس نے ایسے ایسے دائرہ استعمال کئے کہ وہاں
کھڑے ہوئے لوگ کبھی تائیاں ہلانے لگے تھے۔ وہ کبھی
کی طرح ٹرپ کر کبھی ایک پر حملہ کرتا۔ پھر ای طرح پھسل کر
دوسرے کو ٹھوکہ کر دوسری طرف چلا جاتا۔ پھر اس سے
پہلے کہ وہ دونوں سنبھل پاتے۔ وہ دوبارہ ان پر ٹوٹ پڑتا۔
ان دونوں کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا تھا۔ ان
کے جسم پر بے شمار زخم پڑ گئے تھے۔ وہ کراہ رہے تھے۔

پیچھے رہے تھے لیکن یہ جنگ جاری تھی۔ دائرہ نے کبھی ایسی
ہولناک لڑائی کا تجربہ اس سے پہلے بہت ہی کم کیا ہوگا۔
ٹھوکہ کس ٹھوکے جو دوڑ کر لائے۔ دلی قہقہے۔ لگائے
اس جنگ میں کیا کیا ہو رہا تھا۔ وہ جنگ توانائی اور طاقت
کے ساتھ ساتھ بے پناہ جذبات اور ہنرمندی کی بھی جنگ
تھی۔ اور اس جنگ میں دائرہ کا ہلہ اس طرح بھاری رہا کہ
وہ دونوں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔

داور کی آنکھیں اس وقت سرخ ہو رہی تھیں۔ اس
کے اندر بھی مرید توانائی باقی تھی۔ وہ اس طرح بھرا ہوا تھا
کہ اس کے سامنے اگر اس وقت کوئی باقی بھی ہوتا تو شاید
وہ اس سے کبھی بچ جاتا۔ اس کے بدن کی تپش ابھی کم نہیں
ہوئی تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ یہاں آنے کے بعد اس نے
بہتلی جنگ کی ہے۔ اور ابھی خاتمے کیا کچھ ہونا ہے۔
وہ نوجوان تیزی سے اس کے پاس آگیا۔ وہ بہت ہی
پریشوش اور خوش دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے بیٹنگ کی
نے جیتی ہو۔

”کمال کو بیٹا تم نے؟“ اس نے بے اختیار دائرہ کا ہاتھ
چکڑا کر منہ لے لیا۔ یہی جنگ کی ہے جو میں نے آج تک
نہیں دیکھی تھی؟

داور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ اس نے اپنے
تاثرات بیک وقت تبدیل کر لئے تھے۔ اس کی آنکھیں میں
اترا آئے والا خون اب سمٹ کر داپس جا چکا تھا۔ اس کے
چہرے پر چھایا ہوا امید ناگ جلال اب ایک دم سے
غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ہر سول اپنے اعصاب پر قابو
پانے کی مشق کر رکھی تھی۔

اس دوران منور اور رجی بھی اس کے پاس آ گئے
ہوئے تھے۔ رجی نے گریہ رونا اور ٹھاکا دکھا دیا لیکن اس

کی کیفیت بھی تبدیل ہوئی تھی۔ وہ اب دائرہ سے مغرب
خادم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دائرہ کے لئے احترام
کے جذبات تھے۔ کم و بیش یہی کیفیت منور کی تھی۔ وہ
داور کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کسی تجزیہ کو دیکھ
ہا ہو۔

”یار کون ہو تم۔؟“ رجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
پوچھا۔ تم کرسن پر مشاد کے آدمی تو نہیں معلوم ہوئے؟
”وہ دیوے؟“

”اگر تم اس کے ساتھ ہوتے تو وہ کبھی اس طرح مار
نہیں کھاتا۔“ منور نے کہا۔ ”تم تو کمال کی چیز ہو۔“ منور
بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی شخص اتنی آسانی سے ہری دھڑ
یا بلرنگ کو مارے گا لیکن تم نے تو دونوں کو لٹا دیا ہے۔
شان ہو تم سے مل کر بہت خوش ہو گا۔ اسے تم ہی جیسے
آدمی کی ضرورت ہے۔“

”اس نوجوان کے پاسے میں کیا ہو چاہے تم نے؟“
داور نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی ایک ہن بھی
تم لوگوں کے پاس قید ہے؟“

”تم جو ہو گئے وہی ہو گا۔ کاش یہ مقابلہ شان ہو بھی
دیکھ سکتا۔ وہ بہادر و لوگوں کی بہت عزت کرتا ہے۔ تم بھی
ایک دھڑا آدمی ہو۔ اسی لئے وہ تمہاری بات مان لے گا۔ تم
پتو اس کے پاس۔“

”ٹھیک ہے۔“ داور نے کہا پھر اس نوجوان کی طرف
بکھلا اور تم بھی میرے ساتھ رہو گے۔“

اس نوجوان پر چھایا ہوا کچھ دیر پہلے کا خوف اب غائب
رہ گیا تھا۔ وہ اب بڑی حد تک مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ یہ
بیرنگ کی طرف چل دئے تھے۔ ان کے وہاں سے
تھی ہی تھا دیکھنے والے لوگ اب ہوش پڑے ہوئے
یا دھڑا اور بلرنگ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ شاید انہیں
ہاں سے اٹھانے کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔

وہاں بیرنگ کی بلوری قطار تھی۔ اور ان کے اندر سے
اے لے ٹھوڑوں کے ہنہانے کی آواز سنی۔ اس کا مطلب
ہاں ان بیرنگوں میں ٹھوڑے موجود تھے۔ گو دیرام پر مشاد
ہاں اطلاع درست تھی کہ یہاں ٹھوڑوں کی ہر ویش کی جان
ہے۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ بیرنگ فارس فارنگ کا نام
میل ہو چکا ہے۔

ان بیرنگوں کے عقب میں ایک خوبصورت دونمزل
ان بنا ہوا تھا۔ جو سامنے کی طرف سے بالکل بھی دکھائی

نہیں دیتا تھا۔ اس مکان کے احاطے میں سرسبز لانا موجود
تھا۔ جن کے درمیان بھولوں کی کھیریاں بنی ہوئی تھیں۔
وہاں بھی کئی چراغ پتھر فم کے لوگ چلتے پھرتے دکھائی دے
رہے تھے۔ ان لوگوں نے بڑے سرسری طور پر گئے والوں
کو دیکھا تھا۔ لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔

رجی اور منور ہر آمدمے میں آکر کھڑے ہوئے۔ ایک
دروازے کے پاس ایک دروازہ مت ٹھکس کھڑا تھا۔

”اس کی گھر رہا ہے۔؟“ رجی نے اس کی طرف دیکھتے
ہوئے پوچھا۔

”کیا گھر رہا ہے؟“ اس آدمی نے جواب دیا پھر خود
ہی بولا۔ ”آج اسے بہت دھڑا ہوئی۔ درہ گمان تو جسے سہرا
ہی ختم ہو جاتا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم لوگ جب تک انتظار کر لیتے ہیں؟“
منور نے کہا۔

”انتظار کی کیا بات ہے۔ جاؤ اندر چلے جاؤ۔ اور اپنے
ان جہانوں کو بھی لے جاؤ۔“

اتنا کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔
”چلو اندر۔“ منور نے ان دونوں سے کہا۔ ”اس سے
تمہاری ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اور تم اس کے خیالات
سے بھی واقف ہو جاؤ گے۔“

”ہاں ایک بات اور؟“ رجی نے دائرہ کی طرف کہا۔
ایک بہادر آدمی ہو۔ اسی لئے مجھے امید ہے۔ تم اپنی بات
پر قائم رہو گے۔“

”کون سی بات؟“ داور نے حیرت سے اس کی طرف
دیکھا۔

”میں اپنا بے پروا اور اپنی جیب میں رکھ رہا ہوں۔“
نے کہا۔ ”گمان کے کمرے میں بڑی سختی کے ساتھ اسلم
استعمال کرنا منع ہے۔ تم وعدہ کرو کہ اس کمرے میں جا کر
کوئی ہنگامہ نہیں کرو گے۔“

”ہوں۔“ داور مسکرا دیا۔ ”چلو آج یہ تمنا بھی دیکھ لیتے
ہیں۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔“

رجی کے چہرے پر نا تواری کے تاثرات پیدا ہوئے۔
پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔ اس نے اپنا ہوا اور جیب
میں رکھ لیا تھا۔ داور نے اس نوجوان کو اپنے قریب ہی
رکھا تھا۔

اس کمرے کے بعد ایک اور بڑا سا کمرہ تھا جس میں
فرش بچھا ہوا تھا۔ اور اس فرش پر بہت سے لوگ بڑے

مذہب ہو کر بیٹھے تھے۔ سوائے دو لوگوں کے ہاں ایک آدمی
کھانا کھا اور دوسری شان ہو تھا۔ وہ ایک ادب مند آدمی تھا اس
کی کوئی چیز دولوں طرف لگی ہوئی تھی۔ انہیں بے حد
نوش اور چکر لڑا اور ہر ایک بال بھی نہیں تھا۔
کمرے میں بیٹھے تھے۔ گولہ لگے ان کی آمد پر
ان کی طرف دیکھا پھر دوبارہ اس کے لیے کی طرف متوجہ ہو گئے
جو دھار اور اس کے ساتھ آنے والی کی جانب سے لینا
دیکھا دیتا تھا۔
منوہر نے دھار کو اشارہ کیا اور دھار کھینچ دھار کے
پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اس نوجوان کو بھی اپنے ساتھ بیٹھا
لیا تھا۔ منوہر اور رجنی نے بھی اپنے لیے جگہیں تلاش
کر لی تھیں۔ ان کے بیٹھ جانے کے بعد اس نے شان ہو
نے پھر بولنا شروع کر دیا۔ وہ ان کے آنے کے بعد خاموش
ہو گیا تھا۔
ہاں تو میں بھر رہا تھا کہ انسان کو اپنے نفس پر قابو
رکھنا چاہیے۔ اس کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہو کہ وہ چاہے
سے بھی شکر سکے۔ یہ قوت ارادی، زندگی کا اصل سرچشمہ ہے
اس کے بغیر انسان کی بساط دو کوڑی کی ہو کر رہ جاتی ہے
کو تش بھی کر کہ اپنا فرض ادا کرے نہ ہو۔ اور فرض کی راہ
کو ہمارا ارمان بنانے کا عمل صرف قوت ارادی کے
ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اصل چیز یہی ہے۔ اور جس
کی قوت ارادی توانا ہوئی ہے وہ ستاروں کو بھی تسخیر
کر سکتا ہے۔
دھار بڑی جہت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس
کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کا مزاج کیسا ہے۔
ایک طرف تو جہاں پہلے لوگوں کا سر براہ بنا ہوا تھا۔ اور دوسری
طرف انہیں لپی باتوں کی تلقین کر رہا تھا۔ جو اس مزاج کے
آدمیوں کی فطرت کے خلاف تھیں۔ دھار نے ایسی مثال
اس سے پہلے بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کی آواز بھی بہت
گھڑی ہوئی تھی۔ وہ ہر سکون سے دو غیر ملکی ہونے کے
باوجود بہت اچھی زبان بول رہا تھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا
جس میں جہان گرد بننے والی پوری صلاحیت موجود تھی۔
"ہاں تو میں انسانی قوت ارادی کی بات کر رہا تھا۔ اس
نے پھر گنا شروع کیا۔" اور میں تم لوگوں کو ایسے ایک شخص
کی مثال بھی دے سکتا ہوں۔
"ایسا شخص کون ہے جناب۔" بیٹھے تھے لوگوں میں
کسی نے دریافت کیا۔

"میں اس کا نام نہیں جانتا لیکن وہ جس وقت یہاں
آیا تھا۔ میری آنکھوں نے اسی وقت اس کے اندر کچھ ہوئی
صلاحیتیں دیکھی تھیں۔ وہ آدمی وہ سامنے بیٹھا ہے۔ اس
نے دھار کی طرف اشارہ کر دیا۔
سب کے سب مرکز دھار کی طرف دیکھنے لگے تھے۔
لوگوں کی جہان اور متحیر نگاہیں اس کے بدن میں کچھ
تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت خود کو
بے وقوف محسوس کرے یا خود بہر فرزند شروع کر دے اگر
یہ شخص اس کا دشمن تھا تو اس نے ایسا دشمن بھی نہیں
دیکھا تھا۔
"آپ ٹھیک کہتے ہیں باس۔" منوہر اچانک کھڑا ہو گیا۔
یہ واقعی حیرت انگیز آدمی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے
ہری دھار اور ہراج کو مار مار کر کھنڈ کر دیا ہے۔
کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ اور حیرت زدہ ہو گئے
تھے۔ جبکہ اس نے شان ہو کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی
مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔
"چلو آج کا لیکن ختم ہوا۔" اس نے اپنے آدمیوں کی
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کل صبح سے معمول کے مطابق
لیا ہوا کہے گا۔ مجھے اس نوجوان سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔
"تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔" دھار نے نوجوان کا بازو
پکڑتے ہوئے بولا۔ "میری مرضی کے بغیر یہ لوگ تمہیں نہیں
لے جاسکتے۔
شان ہو کا حکم سنتے ہی اس کمرے میں بیٹھے ہوئے
لوگ ایک ایک کمرے کے باہر چلے گئے۔ صرف منوہر اور رجنی وہاں
کھڑے رہ گئے تھے۔
"حافظ تم لوگ بھی جاؤ۔" شان ہو نے کہا۔
اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس نے نوجوان کی طرف
اشارہ کیا۔
"نہیں۔۔۔ میرے ساتھ ہی رہے گا۔" دھار نے جلدی
سے کہا۔ "میں نے اس کی مدد کا وعدہ کر لیا ہے۔"
"اچھا۔" شان ہو کی مسکراہٹ اور چہرہ ہو گئی۔ "اگر ایسی
بات ہے تو پھر تمہارے اس وعدے کا ضرور احترام کیا جائے
گا۔ یہ کون ہے تمہارا کیا نام ہے اس کا۔؟
"اس کا نام تو میں نہیں جانتا ہوں۔" دھار نے کہا۔
"میرا نام کاش ہے۔" نوجوان جلدی سے بول پڑا۔ "میں
ادھر سے آئی ہوں اس کے ساتھ گزار رہا تھا کہ تمہارے آدمیوں
نے مجھے پکڑ لیا۔ میری بہن۔۔۔ مجھے یہی بہن اس وقت
کس حال میں ہوئی۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہوئی۔" شان ہو اس کی طرف دیکھتے
تے بولا۔ "عمدی آدمی غور تو اس اور بچوں کے ساتھ کچھ
ہم کیا کرتے۔ ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔
"اچھا۔ ایسی بات ہے تو پھر اس کی بہن کو ہمارے دھار
"یہ معاملہ دوسرے ہی شان ہو مسکرایا۔ "میں نے یہ
کیا ہے کہ اس لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے
ن۔ یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔
"تمہاری مرضی۔" دھار نے لاہر وای سے اپنے منہ
لیے۔ پھر شان ہو کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن
وعدہ ہے کہ میں اس لڑکی کو تمہاری قید سے ضرور رہا
ں گا۔ چاہے تم اپنی پوری قوت اس کی نگرانی کے لئے
۔۔۔ یہ اس شخص کا وعدہ ہے جس کو تم نے ناقابل تسخیر
ت قرار دیا ہے۔"
"ناگ آگے چل رہا تھا اور اس کے پیچھے ڈاکٹر ہیتہ اور
تھے۔
ڈاکٹر ہیتہ کو بولوں محسوس ہوا جیسے سامن نے اسے
س معلق کر دیا ہو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
کیا کہہ رہا ہے۔
میں نے کہا نا۔ گولی مار دو اس کو۔" سامن نے پھر
بلدی کر دیا۔
"ارمان دونوں کے ارادے سے بے خبر آگے چلا جاتا
ہے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے پیچھے چلنے والے
سامن اس کے لیے کیا کوشش کر رہے ہیں۔
لڑنے کا نیتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا ہتھول اٹھایا
لی ہتھول کا نشانہ دے کر ٹریگر دبا دیا۔
"بھئی نہیں ہوا۔
ساپتول سے گولی نہیں چلی تھی۔ سامن نے اس
پس خالی ہتھول دیا تھا۔ اس نے بول کھلا کر دوبارہ
دبا دیا۔ لیکن اس بد بھی کچھ نہیں ہوا پھر اس نے
بڑے سامن کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی
امکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس نے ناگ کی زبان
لڑنے والے ہونٹ کو سمجھ کر دبا دیا تھا۔
سب کیا ہے۔؟" ہیتہ نے بول کھلا کر پوچھا۔ "سپتول
۔۔۔ یہ خالی ہے۔" سامن جلدی سے بولا۔ "اب ہر
ماخالی ہو گا پھر اگر کی طرف اٹھا کرے گا۔"
اور ان ناگ کی ہتھول کران دونوں کے پاس آگیا

وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ اور مزید کا یہ حال تھا جیسے اسے زمین
میں زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔ اس کا بولہ جسم پیسے میں ڈوب
گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا
کھیل کیوں کھیلایا گیا۔ کیا ناگ اور سامن دونوں اپنے مزاج
میں ایک ہی تھے۔ کیا ان دونوں ہی نے اس کے خلاف
سازش کی تھی۔ لیکن کیوں۔ اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا
تھا۔ وہ خود کو دھندلکوں کے درمیان محسوس کر رہا تھا۔
ایسے دھندلکے جنہوں نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کے
قابل نہیں رکھا تھا۔
"مجھے محسوس ہے کہ تمہارے ہتھول میں گولہ نہیں
تھیں۔" ناگ نے استہزائی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔ "حقیقت یہ کچھ غصے کی کوشش کی۔ لیکن وہ صرف اپنے
ہونٹوں پر زبان بھر کر رہ گیا تھا۔
"سوچ کر بارے ہو ڈاکٹر ہیتہ۔" سامن ہنستے ہوئے بولا۔
تمہارا کیا خیال تھا کہ میں واقعی ناگ کا دشمن ہو گیا ہوں۔"
"میں نہیں سمجھتا کہ تم اتنے بڑے دھوکہ باز ثابت
ہو گے۔" ہیتہ بالا خروں بڑا اب اس کا خوف اجاگ تھا۔
تھا۔ اور اس خوف کی جڑ ایک شدید غصے کی لہر اس کے
پلوں سے وجود میں آئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان
دونوں دھوکے بازوں کا کلا ٹوٹ کر رکھ دے۔
"یہ دنیا ہی دھوکے پر چل رہی ہے ڈاکٹر ہیتہ۔" سامن
نے کہا۔ "بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی مرضی
کے دھوکے دیتے ہیں۔ یعنی انہیں اس عمل سے کوئی فائدہ
نہیں پہنچتا۔ ان کے ہاتھ خالی ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ میرے
ساتھ ایسا نہیں ہے۔ میں نے اگر دھوکہ بھی دیا ہے تو اس
سے بہت کچھ حاصل بھی کروں گا۔ اور میرا خیال ہے کہ
اپنے فائدے کے لیے کسی کو دھوکہ دینا کوئی بڑی بات
نہیں ہے۔"
ڈاکٹر ہیتہ کا اس وقت ذہن ہی الٹ کر رہ گیا تھا۔ اس
نے ایسا دھوکہ کبھی نہیں کھایا تھا۔ ایسی سخت اسے کبھی
برداشت نہیں کرتی پڑی تھی۔
"دھوکہ تو تم بھی دے رہے تھے مجھے۔" ناگ نے کہا۔
تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارا لٹھے دھوکہ دینا جائز تھا۔
ناگ نے شاید کچھ اور بھی کہا ہو گا لیکن ہیتہ نے اس
کی بات ہی نہیں سنی تھی۔ اس نے اچانک سامن پر حملہ
کر دیا۔ سامن اس کے حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسی

لے وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ کر ایک طرف جا گئے۔ اور ٹھیک آتی وقت جھک کر ساہواریہ ایسا جھکا تھا جس نے ان سبھوں کی نگاہیں خبردار کر دیں۔ ہتیا اور اس ایک دوسرے سے اٹھے ہی رہ گئے۔ ناگربانی جھجہ پر کھڑی رہ گیا۔ پہلے لڑائی کی آنکھیں خبردار ہوئی تھیں۔ پھر ان کے ذہن وہندوں میں ڈوبتے چلے گئے۔



داور کے چیخ نے اس کمرے میں خوشی بکھر دی۔ شان جو اس کی طرف مہری نگاہیں سے دیکھتا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اس کی روش آنکھیں اب اور بھی روشن ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے اپنے تئیں سخت کرنے لگے تھے شاید ان کے نزدیک داور نے شان کو جو چیخ دے کر بہت بڑی جرأت کا ثبوت دیا تھا اگر شان آواز اشارہ کرتا تو شاید وہ سب داور پر ٹوٹ پڑتے۔

”بات یہاں اس کمرے میں کرنے کی نہیں ہے جوان! شان تو بے نیازی سے ”ولا“ میں نے اہلادوس ختم کر لیا ہے۔ اب ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔“ شان جو کمرے اشارے پر اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہوئے۔ داور کے لئے شان جو ایک حیرت انگیز آواز کی ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے چہرے کی بناوٹ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ مضبوط ترین قوت ارادی کا آدمی ہے اور اس کا بوجھ اس کی زبان پر ظاہر کر رہی تھی جیسے وہ اہل بول ہو۔ مگر وہ اپنے خدو خال سے چینی دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے شخص سے کاد فی تھا کہ قتل و عدت مگری کے باوجود وہ اپنے آدمیوں کو گلیاں دھمان میں لگاتے رکھتا تھا۔ اس کمرے سے باہر چنی اور بنو ہرستول لئے ہوئے تھے۔ داور نے کمرے سے باہر آتے جھمکے آکاش کا ہاتھ تمام لیا تھا۔ داور کی ناک کسی سوئے ہوئے پتے کی طرح ہوئے ہوئے لرز رہا تھا۔ داور اور آکاش کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے میں بہت ہی ٹھنڈی اور قیمتی چیز موجود تھیں۔ ایک طرف ایک شیشی بھی تھا جس میں کن کوہر کی ہوئی تھیں۔ یہ شان جو واقعی ایک جوتہ انگیز انسان تھا۔ اتنا ہوشیار تھا۔ داور نے ایک صوفے کی طرف

اشارہ کیا۔

داور نے بڑی بے نیازی کے ساتھ پہلے آکاش کو کھینچ کر خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے ادنیٰ لگا ہوا شک پرچا دی تھیں۔

”تو تو مجھے اس کی بہن کو یہاں سے نکال لے جلد کا مارا کر لیا ہے۔“ شان جو نے آکاش کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہاں! داور نے اپنی گردن ہلائی۔ ”میں ایک ایسا لالہ ہوں جو کہ: ہر اصرار کرنے والے کو کبھی فلاوٹ نہیں کرنا اس کو جان اور اس کی بہن نے میری زندگی بچائی تھی۔ اسی لئے میں بھی ان دونوں کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں وہ ضرور کروں گا۔“

منسوب: ”شان جو نے ایک مہری سانس لی۔“ گویا تھا ساتھ ہی ایسا واقعہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔“

”میں نہیں! میں ایک انسان ہی تو ہوں۔“ داور نے کہا۔ ”اور میرے گرد و بار کی سب سے بڑی ترہی یہ ہے میں دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی دھوکہ دینے والا کو یہاں سکتا ہوں۔ اگر میں بھی مارا بھی گیا تو میری سے جاؤں گا۔ کوئی دھوکہ دے کر کچھ برفاں آسکتا ہے۔ ج میری فطرت لٹکا کر مارنے والی ہے۔ میں نے بھی اپنے کسی دشمن پر عجب سے وار نہیں کیا۔“

”تم جیسے انسان سے میں بھی یہی توقع کر سکتا ہوں۔“ شان نے آکاش سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تمہارا انداز بہت سادہ ہے کہ تم کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ دیکھتے تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تمہیں دھوکہ دینے والا کون تھا۔“ وہی جس کی حوصلہ میں نے موت نازل کر دی تھی۔ داور نے کہا۔ ”یعنی کرشن پر مشاد۔“

”کہا! شان جو نے چونک کر داور کی طرف دیکھا تھا۔ کرشن پر مشاد نے دھوکہ دیا تھا اس طرح۔“ داور نے مختصر لفظوں میں کوئی فیکی سلاخوں میں قہ ہونے کی کہاں بنا دی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم بھی اس کے دشمن ہو۔ لیکن کہ ”کرشن پر مشاد سے پہلے میری کوئی ذات دشمنی نہیں تھی۔“ داور نے بتایا۔ ”لیکن اس شخص نے لوٹ مار کا جو کمر کر رکھا ہے۔ وہ کالی موت۔ نہ کہ جس طرح بستیوں بستیوں تباہ کر رہا ہے۔ اس کی ان بی باکوں نے مجھے اس

بغض بنا دیا تھا۔ پھر اس نے میری سانچی لڑکی کو قتل کر کے میری موت مول لے لی ہے۔ اب میں اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔“ لیکن اس کی حوصلہ میں ایسی غرض سے گہرا تھا۔ لیکن جب لاشیں بھی ہوئی تو وہیں تو وہیں آگیا۔ اسے میں تمہارے آدمی تھے گاڑی میں بیٹھا کر یہاں تک لے آئے۔ اور اب میں تمہارے سامنے ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو۔ اور تم نے کیسا مارا مارا کیا ہے۔ تم اس ملاپے میں کرنا تو بھر رہے ہو۔ کرشن پر مشاد سے کہا کہ لیا دھاتی تھی۔

”ایک طویل داستان ہے جو ان ”شان جو نے کہا۔ ”کرشن پر مشاد سے میری دشمنی کی وجہ یہی ہے کہ وہ کالی موت ہے۔ بہت دنوں پہلے اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے ایک ایسا نقصان پہنچا یا ہے جس کی بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس نے میری اکلوتی بیٹی کو ہلاک کر دیا تھا۔“ ”اچھا! داور نے اپنے ہونٹ سیکڑے۔ ”اب مجھ ہی نے تمہارے اس کے ساتھیوں کو ہلاک کرنے میں اتنی برتری کا مظاہرہ کیا ہے۔“

”کاش میں اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتا۔“ لالہ پی پری بہت بے بسی کی بیٹی تھی۔ چینی کرشن کی طرح خوبصورت۔ میں نے ناں بن کر اس کی ہر ویش کی تھی۔ اس وقت میں بھی میں نا تھا ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ شاد و اجر لاکم دیا ہے۔ یہ وہ میں نے لالہ پی کی ہر ویش بہت اچھے انداز میں تھا۔ زندگی بڑے مزے سے گزری تھی۔ پھر نہ جانے کس پر کرشن پر مشاد نے میری بیٹی کو دیکھ لیا۔ وہ بھی نا کچھ تھی۔ مایک وجاہت اور دولت کے چہرے میں اتنا ترہا ہو گیا تھا۔ اسے مجھ نے کی کوشش کی لیکن اس پر کرشن پر مشاد کی انت کا بھوت سوار تھا۔ اس نے میری بات نہیں مانی اور آخر ایک دن وہ مجھ سے ایسی حالت میں ملی کہ اس کا پورا جسم وہ سے جو سوراخا تھا۔ اس کی سانس اس کی ہونٹ بڑی تھیں۔ وہ چند لمحوں کی جہان تھی مرنے ہوئے اس نے مجھے ادیا کہ یہ سب کچھ کرشن پر مشاد نے کیا ہے جس سے وقت تھی تھی۔ تم اندازہ کر سکتے ہو جو ان کرشن وقت میری اولاد نہ میری باہنوں میں دم توڑا ہوگا۔ اس وقت میری کیا فیت ہو رہی ہوگی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں اس پورے رگو ہلاک کر رکھ کر دوں۔ اس ملک کو تباہ کر دوں جس میں شن پر مشاد جیسے لوگ رہتے ہیں۔ لیکن میں کچھ نہیں کر

سکا۔ میں نے قانون کا سہارا لیا۔ لیکن قانون بھی اس کرشن پر شک کا کچھ نہیں بلکہ سکا۔ کیونکہ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ بہت دولت مند۔ بہت دہشت اختیار اور ذرائع کا مالک۔ میں ہی نے سر ہٹ کر رہ گیا۔ تنگ آ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس شخص سے انتقام لوں گا۔ چاہے اس کے بعد کچھ بھی ہو۔ تاہم ہے۔ مجھے ویسے بھی لالہ پی کے ہولناکی زندگی سے کوئی کچھ نہیں رہی تھی۔ میں ایک دن کرشن پر مشاد کی اس کو کھلی میں قتل کیا جہاں وہ رہا کرتا تھا۔ دیکھو جو ان میں اپنی یہ داستان بہت مختصر کر کے سنایا ہوں۔ اور وہ بھی اس لئے کہ نہیں یہ اندازہ ہوا ہے کہ میں اپنی فطرت میں کیسا تھا اور اب کیسا ہو گیا ہوں۔ ہر حال میں اس کی کوئی میں داخل ہو گیا جو کچھ مجھے کوئی خبر نہیں تھا اسی لئے مجھے ہی پکڑا لیا۔ اس وقت کرشن پر مشاد کی خوشی دینے کے قابل تھی۔ وہ میرا مذاق لڑا رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک چینی شخص کے حوالے کر دیا۔ وہ مارشل آرٹ کا ماہر تھا۔ اس شخص نے مجھے بہت بڑی طرح مارا۔ لیکن مجھ کو اس دن میرے جسم کی نہ جانے کتنی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ میں نے تانگ سن کو بتایا بھی کہ میں بھی تمہاری طرح چین کا رہنے والا ہوں۔ لیکن اس نے میری ایک بات بھی نہیں سنی۔ اس کا کچھ تھا کہ اس دور میں سب سے مضبوط اور پائیدار رشتہ دولت کا ہوگا رہے۔ کرشن پر مشاد جو کہ اسے پیسے دیتا رہتا تھا اس لئے تانگ سن کے نزدیک مجھ سے کہیں زیادہ کرشن پر مشاد کی اہمیت تھی۔ وہ اس کی بات ماننے کے لئے مجبور تھا۔

شان جو ابھی داستان سناتے سناتے اس طرح خاموش ہو گیا جیسے بکھری یادوں کو سینے کی کوشش کر رہا ہو۔ داور کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا ہر شخص کے چہرے وہ جیسے تھے۔ ایک وہ چہرہ جو ظاہر دوسروں کو دکھائی دیتا ہے۔ اور دوسرا وہ چہرہ جو لوگوں میں آتا۔ بھی پہلا چہرہ سمیت اور دوسرا غمت بھرا ہوتا ہے۔ تو دوسرا چہرہ غمزدہ اور اداس کر دینے والا ہوتا ہے۔ اور بھی پہلا چہرہ غمزدہ اور اداس کر کے والا ہوتا ہے۔ تو دوسرے چہرے ہر سکون کی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ یہ سلسلہ لو جہاں تا رہتا ہے۔ ”ہر حال تو میں یہ بتا رہا تھا کہ اس تانگ سن نے میری ہڈیاں تو توڑ رکھی ہیں اور مجھے ایک کپڑا میں پھینک دیا گیا۔ اس دن مجھے یہ خبر ہو گیا کہ اگر زندہ رہنا ہے تو صرف وہی کر

کی ضرورت ہوتی ہے یعنی دولت کی طاقت اور جسم کی طاقت اگر میرے پاس دولت کی طاقت ہوتی تو کرشن پر شاہد میرا کچھ نہیں رہتا نہ سکتا تھا۔ اگر جسم کی طاقت ہوتی تو شاید میں بھی تانگ میں نہ کو تو مرد و مرہ کر دیتا۔ عرض کر اسی دن سے میں نے ان دونوں طاقتوں کے حصول کی کوشش شروع کر دی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے جسم پر ہر روز دیہری عرق چھڑا کر خاص کر ہاتھ کی لیکن میرے ادا کے جوان بچے تھے۔ میرے سر پر انتھام کی دھن سوار ہوئی تھی، میں نے اس عرق میں بھی محنت شروع کر دی۔ اور وہ بھی اسی کر اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ میں نے تین سال تک اپنے آپ کو بھی میں جھونک رکھا۔ سونا جان حرام کر دیا۔ ایک بہت بڑے کامل فن کی خدمات حاصل کر لیں۔ ان کی محنت کی کہ وہ خود میرے اس دلوے کو دیکھ کر دنگ نہ کیا تھا۔ تین سال کے بعد میں داخل کرٹ میں ماہر ہو چکا تھا۔ یعنی بہری ایک قسم پوری ہو چکی تھی کہ میں اپنے جسم کو طاقت و برنامی کا تانگ تانگ سن جیسے آدمیوں کا تانگہ کر سکوں۔ قدرت نے بھی بہت جلد مجھے یہ موقع فراہم کر دیا۔ خیر یہ میں نہیں بد میں بتاؤں گا اس وقت تو یہ ہوا کہ میں نے جسمانی طاقت و برامی حاصل کر لینے کے بعد دولت کی طرف دھیان دیا۔ اور ایک برس کے اندر اندر اچھی خاصی دولت حاصل کر لی تھی۔

”وہ کس طرح؟“ اور پوچھ بیٹھا۔ وہ اس شخص کی داستان سے دل چاہی محسوس کرنے لگا تھا۔

”ظاہر ہے کہ میں نے دولت کے لئے ناجائز ذرائع ہی استعمال کئے تھے۔“ شان بھونے لگا۔ ”میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ میں نے جو کچھ بھی مل سکا وہ میں میری چالاکی اور اسمگلنگ سے لے کر منشیات فروشی تک ہر وہ کام کیا جو قانون اور معاشرے کی نگاہ میں غلط اور سکتا تھا۔ لیکن مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔ میرا مقصد تو دولت کا حصول تھا۔ دولت مل جانے کے بعد میں نے اپنے کام کے آؤ کی تلاش کرنے شروع کر دی۔ میری نگاہیں اب برائی سرانجام کر چکی تھیں۔ میں نے پناہ اختلافات اور ذرائع بھی حاصل کرنا چاہا تھا۔ لہذا میں نے اپنے بہت سے آدمی اپنے ارد گرد جمع کر لئے۔ تم اس وقت بھی جن آدمیوں کو میرے آس پاس دیکھ رہے ہو۔ وہی میرے تنگ خوار ہیں۔ میں نے ان کی طرح انہیں اپنے اختیار میں کیا ہے۔ یعنی ایک جانب

تو میں نے انہیں دولت دی اور دوسری طرف ان کی طاقت اور طاقت کے ذریعے انہیں لو کر رکھا۔ اس طرح لو کر کر وفا دار بن گئے ہیں۔ پھر جب میرے پاس طاقت اور وسائل جمع ہوئے تو میں کرشن پر شاہد کی کو بھی میرا ٹکڑا میں لینے آؤی بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں پر شاہد سے تو ملاقات نہیں ہوئی لیکن تانگ میں ہر ہاتھ اٹھا کر آدمیوں نے اس سے اپنی شکست کا پورا پورا لے لیا۔ میں نے اس کے بدن کی ساری ہڈیاں تو رکھ دیں۔ اور کرشن پر شاہد کے ایک ملازم سے یہ ہوا کہ کرشن پر شاہد کو بھی میں نہیں رہتا بلکہ رتناگری نے ایک بستی کے پاس اس کی شاندار کو بھی موجود ہے۔ یہ نے اپنے کچھ آدمی ساتھ لئے اور یہاں پہنچ گیا۔ یہاں آئے کے بعد جو کچھ بھی ہوا ہے۔ وہ ایک طویل داستان ہے مختصر اس اتنا سمجھ لو کہ یہاں اگر معلوم ہوا کہ کرشن پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ مجھے یہی اسی وقت ہو گیا تھا کہ کرشن پر شاہد نے بہت مضبوط جال پھیلایا تھا۔ اور اس کی شخصیت کے دو روپ ہیں۔ یعنی کرشن اور کالی موت۔ میں نے کرشن پر شاہد ہر ہاتھ ڈالنے کے لئے یہ فارم خرید لیا اور اپنے آدمیوں کو لے کر یہاں آ گیا۔ یہاں میں نے یہاں گھوڑوں کی پردوش شروع کر دی۔ اپنے آدمی بھی کرشن پر شاہد کے پیچھے لگا دیے جو اس ہر حرکت کی مجھے اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ اسی دوران یہ بھی پتہ چلا کہ کالی موت یعنی کرشن پر شاہد نے کیسے یہ دھندہ پھیلایا رکھے ہیں۔ رتناگری میں کیا کچھ ہوا ہے۔ منشیات کا کاروبار کس طرح پھیلایا جا رہا ہے سب سے بات یہ ہے کہ ایک زبردست سائنس دان یسارک کرشن پر شاہد کے کیسے تعلقات ہیں وہ سب میں جائز ہیں۔ اس مطلب پر وہ اور چونک پڑا۔ کیا اس نے یہاں یہ گونی سائنسدان بھی موجود ہے۔

”ادہ شاید نہیں ہے۔ یہ نہیں معلوم۔“ نلم گڑھ کے پاس اس شخص نے ایک پورا سائنسی شہر بنا کر رکھا ہے۔ وہاں پہنچ جاؤ تو تمہیں یہ احساس ہو گا کہ جیسے کسی دور سے آئے ہو۔ اس شخص نے اس شخص نے ایسا زبردست تخلیق کر رکھا ہے کہ اس کی ذہانت کی داو دینی پڑتی ہے۔ میرے لئے یہ ایک نئی اطلاع ہے۔“ واہ نے وہ بستی کیوں بسائی تھی ہے؟

”یہ سارا ضابطہ جو ریشم کا ہے۔“ شان بھونے جواب دیا۔ ”میرے کہ یہاں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں یہ ریشم کا بہت بڑا ذخیرہ دریافت ہو گیا ہے۔ اس پورے ریشم کو حاصل کرنے کے لئے بڑی طاقتوں کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ یہ طاقتیں براہ راست تو اس بستی پر قبضہ نہیں کر سکتیں اسی لئے انہوں نے رتناگری کے سردار کو اپنے جال میں پھنسا کر بے دمیت و پاکر دیا ہے۔ یسارک دراصل انہی بڑی طاقتوں میں سے ایک کا نمائندہ ہے۔ وہ اپنے ورمل سے آدمی حاصل کرتا ہے۔ اور ان آدمیوں کو ریشم کی کھال کے لئے رتناگری بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں سے ریشم کسی کسی طرح یسارک کے پاس اس سائنسی بستی میں پہنچا دی جاتی ہے اور وہاں سے دوسرے ملک کو روانہ ہو جاتی ہے۔“

”خلک پناہ۔“ وہ قہمت لہا پڑا۔ ”جو ہے؟“ واہ نے تبصرہ کیا۔ ”یہ اس معاملے میں تمہاری معلومات کچھی حیرت انگیز ہیں۔“

”ہاں۔ میں نے چونکہ اپنی آنکھیں کھلی تھیں اسی لئے مجھے یہ سب معلوم ہو گیا ہے۔“ شان بھونے کہا۔ ”ورنہ میں بھی دوسروں کی طرح حیرت ہی ظاہر کرتا رہ جاتا۔ لیکن اب میں یسارک اس کے ساتھیوں اور اس کی سائنسی بستی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔“

”اگر تم اتنے ہی باخبر ہو تو کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ یہ دوسری رتناگری کس خوشی میں بسائی تھی ہے؟“ واہ نے پوچھا۔

”یہ رتناگری سائنسی نہیں بلکہ اتفاق سے موجود ہے۔“ شان بھونے نے کہا۔ ”تم اسے اتفاق ہی کہہ سکتے ہو کہ ہندوستان میں بھی اسی نام کی ایک بستی موجود ہے۔ چالاک اور ذہین یسارک نے اس بستی کے بارے میں یہ غمخوہ کر دیا کہ یہ ورمل نیپال والی رتناگری کا عکس ہے۔ اس نے ایک مندر کی ایک دیوئی کی پیروں والی انھوں کے بارے میں بھی داستان مشہور کرادی کہ اگر وہ میرے اس مندر سے باہر چلیں تو سردار ہر گونی آفت نازل ہو جاتی ہے۔ جبکہ یہ کسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”کیا تم سب سے ہوتے؟“ واہ نے چونک کر پوچھا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اب تک یہی سنا ہے اس کے علاوہ کچھ کوئی بات نہیں ہے۔“

”میرے لئے یہ ایک نئی اطلاع ہے۔“ واہ نے وہ بستی کیوں بسائی تھی ہے؟

”گہا ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری بات پر کس طرح یقین کر لیا جائے۔“

”آخر کیوں؟“ شان بھونے سوال نہ کیا ہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں یقین کیوں نہیں آتا؟“

”اس کی وجہ یہ ہے کہ خود مجھے اس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔“ واہ نے بتایا۔ ”ادہ مجھے اس کام پر مقرر کرنے والوں نے اچھی خاصی رقم بھی دی تھی۔“

”دیکھو جان۔“ حالانکہ وہیں ایک دھن کی طرح یہاں لایا گیا ہے۔ اس کے باوجود وہ مجھے یہ کیوں پیراؤں یہ کہہ رہا ہے کہ تم سے دشمنی نہیں کرنی چاہئے۔ تم ایک بہادر سے اور مضبوط ارادوں کے آدمی ہو۔ اور ایسے آدمیوں سے دوستی کی جانی سے دشمنی نہیں ہو سکتا ہے کہ تم کسی وقت میرے کام آتی جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کام آ جاؤں۔ اسی لئے اگر تم مجھے یہ یاد دلاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا معاملات ہیں تو شاید میرا مشورہ ہی تمہارے کام آ جائے۔“

”اگر تم نے دوستی جیسی شے کا حوالہ دے ہی دیا ہے تو پہلے تمہیں بہری ایک بات مانی ہوگی۔“

”وہ کیا بتاؤ؟“

”تم پہلے اس نوجوان اور اس کی بہن کو راکے یہاں سے روانہ کر دو۔“ واہ نے آکاش کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ دونوں ہمیں کرشن پر شاہد کی جوتی سے باہر لے گئے۔“ شان بھونے بتایا۔ ”اسی لئے ہم انہیں اٹھا کر لے آئے ہیں۔“

”ہم دونوں تو جناب بس بھٹکتے ہوئے اس طرف جا نکلے تھے۔“ آکاش جلدی سے بول پڑا۔

”میں بھی اس بات کی گواہی دیتے کہ تمہا ہوں کہ کرشن پر شاہان سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ واہ نے بتایا۔ ”کیونکہ ان دونوں نے مجھے اس کی قید سے نجات دلوائی ہے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر میں اپنے اصولوں کے خلاف انہیں چھوڑ دینے کو تیار ہوں۔ ایک منٹ بھر وہ شان بھونے نے اتنا کہہ کر کسی کو آواز دی۔

”دروازہ کھلا اور ایک لہا پڑا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ جس کے دونوں پہلوؤں سے بول اور لنگ رہے تھے۔“

وہ شان ہوئے کے سامنے اگر بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا تھا
"اس لئے کے ساتھ جوڑی لائی تھی اسے یہاں لے
آؤ یہ شان ہوئے کے حکم دیا۔

وہ آدمی فوراً ہی باہر چلا گیا اس دوران آکاش بہت
بے قرار دکھائی دے رہا تھا اس کی نگاہیں دروازے پر
لٹی ہوئی تھیں۔ وہ بھی دادر کی طرف اس طرح دیکھنے لگتا
جیسے اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہو لیکن اس کے پاس
افغانہ ہوں۔ دوسری طرف وہ شان ہوئے کو اس طرح دیکھنے
لگتا تھا جیسے اسے یہ خدشہ ہو کہ وہیں شان ہوئے کا حکم پال
نے لے۔ انہیں دادر نا اُمیدی کے بدلتے ہوئے رنگ اس
کے چہرے پر عکس ہوتے تھے۔

جب کچھ دیر بعد وہی لڑکی کرے میں داخل ہوئی تو
ان دونوں کا اہل اہل دیکھنے کے قابل تھا۔ دونوں ایک
دوسرے سے ہٹ کر رہنے لگے تھے۔ دادر کو اس وقت
بہت سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ان دونوں کے
احسان کا بوجھ اپنے سر سے اتار دیا تھا۔

وہ دونوں جب ایک دوسرے سے مل چکے تو اس
وقت لڑکی کی نگاہ دادر پر پڑی۔ دادر کو دیکھتے ہی وہ تیر
کی طرح اس کے پاس آگئی۔
"تم بہت شاہد وہی ہو"

"ہاں۔ میں وہی ہوں۔" داور نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"شان ہوئے اپنے ایک آدمی کو بلا کر ان دونوں کو
ب حفاظت اس فارم سے دور پہلے کی ہدایت کر دی۔
"کہا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟ آکاش نے
داور سے پوچھا۔

"نہیں۔ میرے اور تمہارے راستے الگ الگ ہیں۔
تم دونوں نچے کے اس طرح میرے راستے میں آگئے تھے
بہر حال اب تم ان علاقوں میں بھٹکتے مت چھو یہاں تک
قدم پر تمہارے لئے ہر لیشاںیاں ہیں خواہ وہ اپنے آپ کو
عذاب میں ڈالنے کا کیا فائدہ؟"

"تم عجیب کہتے ہو؟ آکاش نے کہا۔ ہمیں یہاں سے
چلا جانا چاہیئے؟"

"اور ہاں ایک بات یاد رکھنا۔" شان ہوئے ان دونوں
کو مخاطب کیا۔ یہاں سے جانے کے بعد تم بھول جاؤ گے
کہ تم کہاں سے آ رہے ہو۔ یوں سمجھ لو کہ تم دونوں نے اب
تک جو بھی دیکھا وہ ایک جھیاںک خواب کی طرح تھا۔ اور اچھے

خواہوں کو یاد نہیں رکھنا چاہیئے۔ انہیں بھول جانا بہتر ہے
ان دونوں نے دادر کی طرف بڑی شکر گزار نگاہیں
سے دیکھا اور باہر چلے گئے۔ شان ہوئے اپنا ایک کوا
ان کے ساتھ کر دیا تھا۔
"ہاں اب بتاؤ کہ تم جیسا آدمی کس طرح ان بیروں
چکر میں آگیا۔؟"

داور نے فقر لفظوں میں اسے روپائی سومالی او
لائی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اسے یہ بھی بتا
کہ رتن گری میں اس نے کیسے کیسے انتخابات دیکھے؟
کیسے کیسے لوگ اس کی راہ میں آئے اور وہ ان لوگوں
کس طرح غمزدار ہوتا ہوا کرکشن پر شاداوار اس کے
بھائی نام پر شادا تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔
"یہ تو بہت سی دلچسپ داستان ہے۔" شان ہوئے
داور کے خاموش ہو جانے کے بعد کہا۔ لیکن اس داستان
کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف لوگوں
کو گمراہ کرنے کے لئے داستان پردہ کی گئی ہے۔ روپائی او
سومالی بھی دراصل لیمارک کی ایک ایکٹ میں ہے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" دادر کی حیرت بڑھتی جا رہی
تھی۔ ان دونوں کا اس سے کیا فائدہ اس کے علاوہ
انہوں نے سمجھ دیکھا ہے کیا وہ چوٹ ہے۔؟

"نہیں۔ چوٹ نہیں وہ بھی حقیقت ہے۔ مگر
تمہیں سب کچھ سمجھا دیتا ہوں، صورتحال یہ ہوئی کہ رتن
گری میں لوریئم کے ذخائر دس تیاں ہو گئے۔ بڑی حیرت
نے رتنہ دونوں طرف رخ کر دیں۔ ایک طاقت نے و
کے پرانے سردار کو موزوں کر دیا۔ اور سازش کے ذریعہ
ایک دوسرے کو دوسرے سردار مقرر کر دیا گیا پہلے سردار
دو بیٹیاں تھیں۔ یعنی روپائی اور سومالی۔ ان کے علاوہ
ایک اتلیق بھی تھا۔ لائی داستان یہاں تک بالکل دور
ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے
جو کچھ بھی ہے وہ بہت حد تک غلط اور بے بنیاد ہے
مثال کے طور پر روپائی اور سومالی کے درمیان کوئی
نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک ہیں۔ اور اسی لیتی سے لڑ
کے بعد وہ دونوں لیمارک کی ایکٹ ہو گئیں۔ اور علی
علیہ رہائش اختیار کر لی۔ اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ ان
کے درمیان اختلافات ہیں۔
"لیکن اس سے ان دونوں کا کیا فائدہ؟" داور نے

ہوئے پوچھا۔

"فائدہ ان دونوں کو نہیں بلکہ لیمارک کو ہے۔" شان
ہوئے نے بتایا۔ وہ ایک انتہائی ذہین اور شاطر قسم کا آدمی
ہے۔ اس نے ان دونوں سے کہا ہے کہ وہ اپنے اپنے
طور پر رتن گری میں ان بیروں کی بھڑائی کے لئے متعلق
لوگوں کو بھیجیں۔ نہ پا کریں۔ اور وہ دونوں اسی کی ہدایت پر ہر
عمل کرتے ہوئے یہ سب کر رہی ہیں۔
"وی تو میں بوجھتا ہوں کہ آخر کیوں۔" لیمارک ک
طرح کیا جانتا ہے۔؟"

"میں نے بتا تھا کہ لیمارک کا ایک غیر ملکی طاقت
سے گھڑ چوٹ ہے۔ اس نے یہ چکر اسی لئے چلا رکھا ہے کہ
رتن گری کا موجودہ سردار اس غیر ملکی طاقت کا مروتون منت
ہے۔ اور اس کے خلاف کچھ نہ سوج سکے۔ دیکھو۔ اس لیتی
میں ان بیروں سے متعلق جو داستان تم نے سنا ہے اس
میں بھی کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں واقعی ایسی
ایک داستان مشہور ہے۔ اب میں تمہیں شروع سے
حالات بتاتا ہوں تاکہ تمہاری سمجھ میں سب کچھ آسکے۔
نے بڑی شکلیں سے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔ کھانے
کتنے دنوں تک خود بھی سرگرداں رہا ہوں تب جا کچھ
یہ سب کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ رتن گری میں
زندگی بہت پرسکون گزر رہی ہے۔ لوگ خوش حال ہیں۔
کسی قسم کا کوئی جرم اس علاقے میں نہیں پایا جاتا۔ سدا
سادا سردار۔ پھر اتفاق سے ایک غیر ملکی جو لو جیل کر
کرنے والی ٹیم وہاں آئی ہے۔ اور انہیں یہ معلوم ہوا
ہے کہ رتن گری کی لوریئم کی دولت سے مالا مال ہے۔ وہ
لوگ مقامی حکام سے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے اور
خاموشی سے وہاں ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے جا کر یہ لوگ اپنے
ملک کے حکام کو اس کی اطلاع دیتے ہیں۔ اس دوران
ایک دوسرے ملک کو بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ
پہلا والا ملک اس سلسلے میں زیادہ تیز رفتار ثابت ہوتا
ہے۔ وہ ملک ایک ایسی ہوئی اسبیم بناتا ہے۔ اور رتن
گری کے سردار کو اپنے ساتھ ملائے اور اسے لائی دیکھی
پیش کشی کی جاتی ہے۔ لیکن وہ ایک غریب وطن اور بدھارا
ہے۔ اسی لئے وہ ان کی باتوں میں نہیں آتا۔ اس کا
ہوتا ہے کہ ایک اور شخص کو سردار بنانے کا فیصلہ کر لیا
جاتا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کی قوت فیصلہ بہت کمزور

ہے۔ وہ لائی میں آجاتا ہے اور اس غیر ملکی طاقت کو یہ
اختیار دے دیتا ہے کہ وہ اس کے علاقے سے لوریئم
کی کھدائی کر سکتی ہے۔ اب وہ دوسرا ملک بھی میدان میں
آجاتا ہے۔ پہلی طاقت فوراً ہی بیروں کی اس داستان کو فٹ
کر دیتی ہے۔ اور سردار کو باور کرا دیتی ہے کہ اگر وہ میرے
چوری ہوئے تو اس کی سرداری کا جاکر ہو جائے گا سردار کو
یہ بات گوارا نہیں ہے۔ دوسری طرف غیر ملکی طاقت لیمارک
جیسے ذہین آدمی کی مدد حاصل کر لیتی ہے۔ لیمارک نے ایک
ساتھی لیتی لیمارک ہے۔ وہ مختلف علاقوں سے لوگوں کو اغوا
کرتا ہے اور انہیں رتن گری روانہ کر دیتا ہے۔ جہاں اس
ملک نے پہلے ہی سے حفاظتی اقدامات کر رکھے ہیں۔ لہذا
وہ لوگ پکڑے جاتے ہیں اور انہیں سردار کے سامنے پیش
کر دیا جاتا ہے۔ ساتھی سردار پر ہاتھ قائم ہو جاتا ہے کہ
جب تک یہ غیر ملکی طاقت اس کی پشت پناہی کرے گی۔ ان
بیروں کو کوئی نہیں چرسا اور اس کی سرداری قائم رہے گی
اس طرح وہ غیر ملکی طاقت کے لیے کوئی بڑا منافع دہری
چال چل رہی ہے۔ روپائی اور سومالی وقت فوقت بیروں
کو ہرانے کے لئے معاہدے دے کر بیروں کو بھیجی رتی ہیں
اس کے ساتھ اس کوئی کے چلے اور اس کے کوائف سے
لیمارک کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ لیمارک رتن گری میں موجود
غیر ملکی طاقت کو رتا دیتا ہے۔ پھر اس آدمی کو گرفتار کر کے موزوں
کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔

"خلا کی پناہ۔ یہ تو بہت عجیب چکر ہے؟" داور نے ایک
گہری سانس لی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو چارے کے
طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اس کے علاوہ ایک کھیل
اور بھی کھلایا جا رہا ہے۔

"وہ کیا؟" داور نے پوچھا۔
"ایک دوسری طاقت بھی ان بیروں کے چکر میں ہے۔"
شان ہوئے نے بتایا۔ فرض کرو اگر وہ دوسری طاقت کامیاب
ہو جاتی ہے۔ میرے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ تو وہ
لائی روپائی یا سومالی سے رابطہ قائم کرنے کی کہ وہ رتن گری
کی سرداری قبول کر لیں۔ اور وہ لوگ پہلے ہی لیمارک کے
جیل میں ہیں۔ اسی لئے جب ان دونوں میں سے کوئی ایک
سردار بنے گی تو لوریئم کے ذخائر پہلے ملک سے چھ کر دیں
طاقت کے پاس آ جائیں گے۔

”لیکن بیمار کو پہلی طاقت کا آدمی ہے۔“ دواؤں سے بچھا
 بچر وہ دوسری طاقت کی حمایت کیوں کرنے لگا؟
 وہ دراصل ان دونوں میں سے کسی کا آدمی نہیں ہے
 اور ان کے ساتھ بھی ہے۔ تم اسے ایک ذلیل اور بکثرت
 سکتے ہو۔ وہ دونوں طاقتوں سے فائدہ حاصل کر رہا ہے۔
 ”اوه اب سمجھا۔“ دواؤں سے اپنے ہونٹ میکڑے۔ لیکن یہ
 کالی موت یعنی کیشن پر شاد کمال فٹ ہوتا ہے۔
 ”کسی بھی ملک یا علاقے پر قبضہ کرنے کے دو طریقے ہوتے
 ہیں: نشان بٹونے، بتانا۔ پہلا طریقہ تو میدان و املاوت
 طریقہ ہے یعنی فوج لے کر چڑھنا یا کر دی جائے۔ لیکن یہ فتح
 عارضی ہے۔ اس میں جسم تو غلطی قبول کر لیتا ہے جبکہ ذہن
 آزاد رہتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جسم کو آزاد رہنے دیا جائے
 اور ذہن کو فہم کر دیا جائے۔ ان دونوں میں یہ دوسرا طریقہ
 اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک غلطی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو
 یہ خبر نہ تھا کہ کہیں رتناگری کے رہنے والے ذہنی طور پر
 بہادر نہ ہو جائیں، کہیں ان میں یہ عقل نہ اچلے کہ ان کے
 علاقے سے ایک بہت بڑی دولت دوسرے ملک کو روانہ
 کی جا رہی ہے۔ یہ سوچ کر ان لوگوں نے رتناگری میں
 منشیات چھلادیا۔ عریانی اور فحاشی کو فروغ دیا۔ فدا بازی
 عام کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب بوری رتناگری جرائم کا گڑھ
 بن گئی ہے۔ دنیا بھر کے جرائم پیشہ وہاں موجود ہیں۔ قانون ختم
 ہو گیا ہے۔ اور لوگوں کی ذہنی صلاحیتیں موقوف ہو کر رہ گئیں
 ہیں۔ ایک کلاس کام کے لئے ایسے آدمی کی تلاش تھی، اس کی خوش
 قسمتی کہ اسے کیشن پر شاد جیسا آدمی مل گیا۔ جو پہلے ہی سے
 ایسے معاملات میں ملوث تھا۔ بس بچ کر رہا تھا۔ بیمار کے اپنی
 طاقت دکھا کر اسے اپنا غلام بنالیا اور اس کو کھلی چھٹی دے دی
 گئی کہ وہ جس طرح چاہے رتناگری کو برباد کر کے رکھ دے۔
 دواؤں کے ذہن سے اب بڑی حد تک دھندھ صاف
 ہو گئی تھی۔ یہ بڑی طاقتوں کے درمیان ہونے والی ایسی کشمکش
 تھی جس نے پورے ماحول کو برباد کرنا اور ناقابل فہم بنا کر رکھ
 دیا تھا۔ اور اب نشان ہو کر باقیوں سے بہتر چلتا تھا کہ ان
 علاقوں میں کس قسم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔
 ”چلو میں یہاں تک تو بچھ گیا کہ دواؤں سے بچے ہوئے
 بول رہا لیکن یہ مصنوعی رتناگری میری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔
 آخر رتناگری ہی جیسی ایک دوسری بستی ہندوستان میں بھرتے
 کی کیا ضرورت تھی پھر مجھے براہ راست نیپال، کیوں نہیں

بھیج دیا گیا۔ اس رتناگری میں الجھامے رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟
 یہ بھی اس بیمار کے ذہن کا کمال ہے۔ نشان بٹونے
 بتانا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں بھی رتناگری
 نام کی ایک بستی پہلے سے موجود ہے اس لئے پہلے رتناگری
 شہیدوں کی مدد سے اس بستی میں ہنگامہ برپا کر دیا جس
 کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون نافذ کرنے والے دواؤں سے بھی اس بستی
 سے دور بھاگنے لگے۔ پھر اس نے نیپال کی رتناگری کی طرح
 اس رتناگری میں بھی منشیات اور دوسری برائیوں کو عام کر دیا
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بستی کے لوگ بھی ذہنی طور پر تباہ ہو گئے۔
 ”آخر کیوں؟“ دواؤں سے سوال کیا۔ پھر یہیم کا ذخیرہ وقت بیکار
 والی رتناگری میں ہے۔ پھر اس رتناگری کو ایسا بنانے کی
 کیا ضرورت پیش آئی؟
 ”وی تو میں نہیں بتا رہا ہوں لیوان کہ بیمار کے
 یہ سارا چکر اس لئے چلایا ہے کہ بیمار اس کے کام کے آؤں
 کو حاصل رتناگری میں نہیں بھیجتا بلکہ لقمی رتناگری میں بھیج
 دیا کرتا ہے۔ جہاں وہ ایسے جکڑوں میں الجھا دیئے جاتے
 ہیں کہ ان کی برہنہ داشتگ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ بڑی آسانی
 سے ان لوگوں پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے کوئی مرکزی
 جال میں پھنس چلے والی کٹی ہوئی ہوائی پانی ہے۔
 ”تمہارے مجھے کا مقصد یہ ہے کہ صرف اتنی سی بات کے
 لئے کہ مجھ جیسے لوگ اس کے قبضے میں آجائیں اس لئے اتنا
 لمبا چکر چلایا ہے۔
 ”ہاں لیکن یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔“ نشان بٹونے
 کہا۔ یہ کسی بھی تنظیم کو چلانے کے لئے آدمیوں کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ صرف ایک شخص اتنے ہنگامے پر پائیں کر سکتا
 اس کے لئے بہت سے ایسے آدمیوں کی ضرورت پڑتی
 ہے۔ جو دیرینہ ساز و برگ اور ہوشیار ہوں۔ تم میں یہ
 خوبیاں موجود ہیں۔ لہذا تمہیں اس رتناگری کے چکر میں
 الجھا دیا گیا ہے۔ تاکہ تم پریشان ہو جاؤ۔ اس کے بعد اس
 کی عقل کا اعتراف کر لو۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ اس نے
 آدمیوں کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بے چارے کو
 قسم کے آدمیوں کو وہ اصل رتناگری بھیج دیا کرتا ہے جہاں
 انہیں پکڑ کر وہاں کے سردار کے سامنے پیش کر دیا جاتا
 ہے۔ پھر وہ ان لوگوں کو چاہے چھوڑ دے یا سزا دے دے
 اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ خود ان لوگوں کی
 کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ دوسرے درجے میں وہ لوگ

آتے ہیں جو بالوقت دولت مند ہوتے ہیں یا عام سے
 لوگ جن سے ضروری کر دیا جاسکے۔ یا ہاتھ بیروں کے
 ایسے مضبوط لوگ جن کو قانون میں رکھ کر اپنے مقصد کے لئے
 استعمال کیا جاسکے۔ ایسے لوگوں کو سامان بستی میں پہنچا دیا جاتا
 ہے جہاں پہنچ کر ان کی عقل ضبط ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور
 دولت مندوں کو ایک میں لیا جاتا ہے جبکہ دوسروں کو
 مزدوری یا بستی کی نگرانی پر لگا دیا جاتا ہے۔ تیسری قسم ان
 لوگوں کی ہے جو بہت بھادور اور ہوشیار ہونے کے ساتھ
 ساتھ دولت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو
 تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی مثال کے طور پر مہاراجا راجا دونوں
 تو ہمارے زمانہ کو ایسے لوگوں کو رو پالی یا سومالی کے ذریعے
 اس ہندوستان والی رتناگری میں پہنچا دیا جاتا ہے یہاں
 ان کو دھوکا دیا اور ان کو مہاراجا اور دیگر ڈرائے سے لے کر
 کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ کہیں نہیں جاسکتے۔ مجھے تو اس بات
 پر حیرت ہے کہ تم کیسے لکل آئے۔
 اگر تمہاری یہ داستان درست ہے تو پھر مجھے بھی اس
 بات پر حیرت ہونی چاہیے کہ میں کیسے لکل آیا۔ دواؤں سے کھلے
 ہوئے کھما۔
 ایک لمحے کے لئے نشان بٹونے کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ شاید
 اسے دواؤں کی بات ناگوار گزری تھی لیکن اس نے اظہار
 نہیں کیا۔
 ”میں تو کتنا اہل درستی ہی کہتا ہوں؟“ وہ کچھ دیر
 بعد لکھتا۔ مجھے تمہارے سامنے اتنی سی چوڑی کہانی کھڑے کی
 کیا ضرورت تھی، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کسی کے
 دباؤ میں ہو تم اس وقت مجھ پر کیا دباؤ ڈال سکتے ہو آئندہ
 میری باتوں کو چھوڑ مت قرار دینا۔
 ”اوه تم تو ہمارے مان گئے؟“ دواؤں نے جلدی سے کہا۔ ”حیدر
 حال یہ ہے کہ میری عقل واقعی ضبط ہو کر رہ گئی ہے۔ صرف
 اتنے سے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس شخص نے
 پوری ایک بستی پر اپنا تسلط کر رکھا ہے۔ یہ واقعی حیرت کی
 بات ہے۔“
 ”تمہیں تو اس وقت بھی حیرت مرنی چاہیے تھی جب
 تمہیں اس بستی میں بیروں کی چوری کے لئے بھیجا گیا تھا۔
 سے شاہد یہ کہا گیا کہ ہوا کا سیل تم ان غلامی بیروں کو چر داس
 کے بعد اصلی بیروں کی طرف نہیں بھیج دیا جائے گا کیوں
 یہی بات تھی نا۔“

”تم مضحک کہتے ہو؟“ دواؤں نے ایک گہری سانس لی
 تجھ سے یہی کہا گیا تھا۔ اور میں ابھی تک اسی رتناگری
 میں الجھا ہوا ہوں۔
 ”اگر تم یہاں کا سیلاب بوجھتے تو بھر تمہیں رتناگری
 کی طرف نہیں بھیجا جائے گا۔ نشان بٹونے بتایا۔ ”کیونکہ
 تمہاری کامیابی سے وہ سمجھیں گے کہ تم بیمار کے وہم
 نگر میں پہنچا دیا جائے گا جہاں تم اس کے مفادات
 کے لئے کام کرتے رہو گے۔“
 ”ایسا بھی نہیں ہو گا۔“ دواؤں نے اپنی گردن ہلانے پر
 کا مطلب یہ ہوا کہ اصل آدمی بیمار ہے۔ کالی موت کی
 کوئی حیثیت نہیں ہے۔
 ”میں یہی تو فہم رہا ہوں کہ کالی موت کوئی حیثیت
 نہیں ہے۔ وہ بیمار کے لئے شہ طاعت و رہروں میں
 سے ایک جزو ہے۔“
 ”تو اس کہانی کو اس کے انجمن تک پہنچانے کے لئے
 بیمار کے پر ہاتھ ڈالنا ہو گا۔“
 ”ہاں۔ کیونکہ اس سارے فساد کی وجہ یہی ہے لیکن
 اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس نے سائنسی
 چنگلوں کے حصار میں اپنے آپ کو محفوظ بنا لیا ہے۔
 جب ان کی آنکھیں کھلیں تو وہ ایک حیرت انگیز کمرے
 میں منہ دیکھتے۔
 اس کمرے کی دیواریں رنگ بدل رہی تھیں۔ اور اس
 کی بلند چھت سے ایسی روشنی نکل رہی تھی جو ذہنوں پر غور و
 طاری کر دیا کرتی ہے۔ وہ کمرہ کچھ تو ٹیٹھے تھے لیکن ان
 کے ذہن ابھی تک ابھل ہو رہے تھے۔ جیسے غنیمت کی
 حالت میں ہوں۔ ناگزیر یہ اور سامان تینوں ایک ساتھ ہی تھے
 ڈاکٹر ہند کو برباد کرنا تھا کہ اسے جب یہ معلوم ہوا تھا کہ
 ناگزیر سامان کے نسل کر اسے دھوکا دیا ہے تو اس نے جھنجھلا
 کر تھک کر دیا تھا۔ پھر اسی وقت روشنی کا ایک جھماکہ سوا۔ ان
 کی نگاہیں خیرہ ہوئیں اور اب وہ لوگ اس کمرے میں موجود
 تھے۔ اس وقت ڈاکٹر ہند کے ذہن سے ناگزیر سامان دونوں
 کے خلاف غم اور غصے کا تاثر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں
 بس یہی بات تھی کہ وہ کہاں آ گیا ہے۔ یہ کون سی ڈے ہے
 ان دونوں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ وہ دونوں

بھی بلیس جیسا کہ جبریت سے اور حراہ و دیگر رہے تھے۔
 یہ ہم کو ہمارے آگے ہیں۔ ناگہانے کچھ دیر میں بد چلائے
 کون کی جگہ ہے؟
 "میں بھی چران ہوں۔ سامن نے کہا۔ ایسا لگتا ہے
 جیسے جادو کے کسی کہے میں پہنچا دیا گیا ہو۔
 "نہیں وہ روکھنی ناگہانے کچھ کہتے تھے۔
 "اوہ میں سمجھا تم کہا کہنا جا رہے ہو؟ سامن نے ایک
 گہری سانس لے ہو سکتا ہے کہ تمہارے ڈیڈی ہمارا جہ آف
 نیلم گڑھ کو بھی ہماری طرح روشنی دکھا کر ہمارے آگیا ہو۔
 شاید وہ ہمارے آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔ میں نے
 تمہارے ڈیڈی کی کہانی میں کسی خلائی مخلوق وغیرہ کی کہانی
 کبھی سنی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو بھی اسی مخلوق کے اغوا
 کر لیا ہو؟

"تم لوگوں نے میرے ساتھ جوسلوک کیا ہے وہ میں
 کبھی نہیں سمجھوں گا۔ ناگران دولوں کی طرف دیکھتے ہوئے غلایا
 میں نہیں۔
 "اب ختم بھی کرو۔ ناگہانے اس کی بات کاٹ دی۔ پہلے
 تو یہاں سے نکلنے کی بات کرو۔ اس کے بعد ہم لوگوں سے
 ڈاکٹر میتہ جبریز ہو کر رہ گیا۔ ناگہانے ٹھیک ہی کہنا تھا
 یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں تھا۔ اس وقت انہیں یہاں سے
 نکلنے کی تدبیر کرنی چاہیے تھی۔
 سب سے پہلے ہیڑہا ہو کر اوپر اٹھ کے ذرا باہر
 تک دھند چھائی ہوئی تھی۔ جھٹ سے آتی ہوئی روشنی نے
 اعصاب پر غنود کی منظر کر رکھی تھی۔ اس روشنی کا تاثر حیرت
 انگیز تھا۔ وہ اعصاب کو تھیک تھیک کر ملانے کے لئے کوئی جبر
 نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اس نے منجھتی سی ہلکی سی منوڈوں و دوچیل
 بن چاری کر دیا تھا۔ جیسے گرمی کی دوپہروں میں ٹھنڈی ٹھنڈی
 ہوائیں چلنے لگیں۔ کچھ ایسی صورت حال تھی۔
 ایک حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ اس کمرے کا کوئی دروازہ
 نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی دروازہ دیکھا جانے والا تھا۔
 کے باوجود انہیں ٹھنڈا کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر
 جیت نے کمرے کی دیوار میں ٹھنڈی سردی مگر دریں۔ وہ دیکھنا
 چاہتا تھا کہ دیوار کے درمیان کوئی خفیہ راستہ نہ ہو۔ انہیں
 ہے۔ لیکن اس تلاش میں اسے ناگہانی ہوئی کسی دروازے
 کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ تھک ہار کر ان دولوں سے کچھ فاصلے
 پر آکر بیٹھ گیا۔ اس پریشان کے باوجود ان دولوں کی طرف

سے اس کے دل میں لغزش کی چند گہریاں جلی رہی تھیں۔
 "خوش آمدید! چانک کی جانب سے آواز آئی۔ وہ
 سب اس آواز کو سن کر ہلکے ہلکے تھے۔ وہ آواز کمرے
 کی دیواروں سے اسٹنڈی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
 "کون ہو تم؟ سامن نے بلند آواز میں بلوچہا تم نے
 ہمیں قید کیوں کر رکھا ہے؟
 "ہم ہر اس شخص کو پھانسا بیٹھتے ہیں جو ہمارے کام
 کا ہوتا ہے۔" اسی آواز نے کہا۔ تم تینوں بھی بڑے کام کے
 ہو۔ تم اور تمہارا سہیلی ناگہانے کو بلیک میل کرنے میں اپنا
 جواب نہیں رکھتے۔ تم نے بلیک میل کرنے اور ذرا سی اذیت
 دینے کے ایسے ایسے طریقے کیا کر رکھے ہیں جو تم ہی جیسے
 عقل مند لوگوں کے ذہن میں آسکتے ہیں۔ اور تمہارا تیسرا
 ساتھی ڈاکٹر میتہ تفصیلات کو تبدیل کرنے میں اپنا بیانی نہیں
 رکھتا۔ یہ اس کے پاس ایک ایسا فن ہے جو بہت کم لوگوں
 کو نصیب ہوا ہوگا۔
 "کہ تم ہم لوگوں کو جانتے ہو؟ ناگہانے کچھ بریشان
 ہو کر بلوچھا۔
 "ظاہر ہے۔ بغیر جانے ہوئے میں یہ سب نہیں کہہ
 سکتا تھا۔ بہر حال اب تم لوگ ہمارے پاس آگئے ہو۔
 اس لئے تم اب ہمارے لئے کام کرو گے۔ ہماری تعلیم کے
 لئے کام کرو گے۔
 "یہ نہیں ہو سکتا۔ ناگہانے کہا۔ تم ہمیں مجبور نہیں
 کر سکتے ہو۔
 "تم مجھے معلوم ہے کہ تم اتنی آسانی سے ہماری بات نہیں
 مانو گے۔" اسی آواز نے کہا۔ کیونکہ تم ایک ضدی باپ کے
 ضدی بیٹے ہو۔
 "تو کیا میرے پتا ہمارا جہ؟
 "ہاں وہ تو مجھے ہمارے جہان ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ
 ان کے ساتھ کچھ ایسی ہی حرکتیں کرنی ہر گز نہیں چاہی جو ان کی شان
 کے خلاف تھیں۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کسی سے کام لینا
 ہی ٹھہرا تو ہر قسم کے حربے اختیار کرنے جاتے ہیں۔ اسی
 لئے ہم نے ان کے ساتھ بھی کچھ زیادتیوں کا رویہ اور
 اب وہ ہمارے کام کے ہو گئے ہیں۔
 "تم ان سے کہا کہ کام لینا چاہتے ہو؟ ناگہانے بلوچھا
 "ظاہر ہے دولت مند آدمیوں سے ان کی دولت
 حاصل کرنے کے علاوہ اور کیا کام لینا چاہتا ہے؟ اسی شخص
 نے مجھے ہمارے کہا ہے کہ تم نے ان لوگوں کو بلیک میل

کر کے کروڑوں کی دولت جمع کر لی ہے۔ اور اب تمہاری
 دولت ہمارے کام آئے گی۔ میں بھی اس سلسلے میں کیا
 کر سکتا ہوں۔ تمہارا ملک ہی ایسا ہے کہ قدم قدم پر ہر پہلے
 کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر روپے ہوں تو ہوسے ہندوستان
 کے وک سجدہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر روپے نہ ہوں
 تو کوئی مسکرا کر دیکھتا بھی نہیں ہے۔ اسی لئے ہمارا سب سے
 پہلا کام یہی ہے کہ روپے جمع کر لیں۔
 "تم جیسے کچھ بھی کہتے رہو میں اپنی دولت تمہارے
 حوالے نہیں کروں گی۔
 "ظاہر ہے۔" اسی آواز نے کون اپنی دولت کی اور
 کے حوالے کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی تم جیسا شخص جس کے
 نزدیک دولت ہی زندگی ہے۔ مجھے تمہاری دولت لیتے
 ہوئے افسوس ہو گا۔ شہر ناگہانے کو اپنی لئے شہر دولت میں
 بڑی محنت سے حاصل کی ہے۔ نہ چلنے کتنے لوگوں کی
 زندگی تباہ کی ہوئی۔ کتنے لوگوں کو خود کوئی بڑے جو کر دیا گیا ہوگا
 تب جا کر اپنی دولت ہمارے پاس آئی ہے۔ لیکن کیا کروں
 میری جی کچھ مجبوریاں ہیں۔ اسی لئے مجھے اسے آپ بہر
 جبر کرتے ہوئے یہ دولت حاصل کرنی پڑے گی۔
 "میں نے کہہ دیا کہ میں اپنی دولت تمہارے حوالے
 نہیں کر سکتا۔ چاہے تم مجھ بھی کر کے دیکھ لو۔
 "اب سے کچھ دن پہلے اگر تم مجھے لو لیں واقعی مشکل
 میں پڑ جانا۔" اسی آواز نے جھٹے ہوئے کہا۔ کیونکہ اس
 وقت تک ہمارا ڈاکٹر میتہ بلا تھانہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ اسی
 لئے مجبور مجھے لوگوں پر تشدد کرنا پڑتا تھا۔ کچھ لوگ
 تو فوراً ہی تشدد کے آگے بڑھتے تھک دیتے تھے۔ اور کچھ
 لوگ اتنے ضدی اور مستقل مزاج ہوتے تھے کہ میرے
 تشدد کے مقابلے طریقے ناکام ہو جاتے تھے۔ تمہارا باپ
 ہمارا جہ آف ٹیم گڑھ بھی ان ہی آدمیوں میں سے ہے۔ ان
 پر ہم نے بہت تشدد کیا۔ لیکن وہ جی دار شخص ہر تشدد و
 کر کے لیکن میں نے کہا ناگہانے ایسا نہیں ہو سکتا۔ انہیں
 کسی پر تشدد وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر میتہ
 پلانٹ مکمل ہو چکا ہے۔ اب تم چاہو یا نہ چاہو ناگہانے کو
 میری مرضی ہوگی۔
 "آخر تم کو یوں۔" سامن نے سوال کیا۔ مجھے کچھ ایسا
 شہر ہو رہا ہے جیسے میں نہیں جانتا ہوں۔
 "ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں سڑ

سامن! اس نے کہا۔ لیکن پہلے تمہیں یہ بتا دوں کہ جو
 تم بھی ایک سائنس دان ہو۔ اس لئے تمہارے سامنے کسی
 دوسرے تیارے یا خلائی مخلوق وغیرہ کی بات نہیں ملے
 گی کیونکہ تم نے یہاں آئے ہی یہ اندازہ کر لیا ہو گا کہ سائنس
 سائنس کے کٹھن ہیں۔ اور تم نے ہمارے ڈاکٹر میتہ پلانٹ
 کے بارے میں بھی اندازہ کر لیا ہو گا۔
 "ہاں۔ مجھے بہت کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔" سامن ایک
 دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے۔ لولا یعنی تم ان سے سائنس
 کی مدد سے لوگوں کو اٹھا کر لیتے ہو پھر انہیں اپنے مقصد
 کے لئے استعمال کرتے ہو۔ یہ ڈاکٹر میتہ پلانٹ تم نے
 اسی نے بنایا ہے کہ اگر کوئی تمہارا ساتھ نہ دینا چاہے تو تم
 اس ہی جیسا کوئی دوسرا انسان تخلیق کر لو۔
 "یہی بات ہے سڑ سامن! اس نے جھٹے ہوئے کہا۔
 اب تم ناگہانے کو صورت حال سمجھاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔
 وہ آواز جس طرح آجائیک پیدا ہوئی تھی اسی طرح غائب
 ہوئی۔ اس آواز کے غائب ہونے ہی ناگہانے ایک دھڑکن
 کے عالم میں سامن کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 "مجھ کو ان کے لئے بتاؤ۔ سب کیا چکر ہے۔" آؤ بی کیا
 کہہ رہا تھا؟

"میر لیا ہے کہ اس آؤ بی نے اپنی سائنسی سلطنت
 قائم کر رکھی ہے۔" سامن نے بتایا۔ وہ خود کچھ کہے کہ وہ
 تو یہاں کو آؤ کر کے لایا کرتا ہے۔ اور ان کو بلیک میل کر کے ان
 کی دولت اپنے مقاصد کے لئے حاصل کر لیا کرتا ہے۔ ظاہر
 ہے کہ ایک سائنسی سلطنت کو برقرار رکھنے کے لئے بہت
 دولت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے وہ تشدد کیا کرتا تھا لیکن
 اب اس نے ایک دوسرا سیاسی طریقہ استعمال کیا ہے اور وہ
 ہے منتقلی جہ کا۔
 "میں نہیں سمجھ سکا یہ کیا چیز ہے۔" ناگہانے بلوچھا۔
 "وہ اس پلانٹ کے ذریعے تم جیسے ہی ناگہانے کو
 مکتا ہے۔
 "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارا ممکن ہے؟
 "ناممکن نہیں۔ اس دور میں سب کچھ ممکن ہے اور
 اب مجھے یاد آئے کہ اسے کہہ شخص کون ہے۔ یہی زمانے میں
 میرا ایک کلاس فیلو ہو کر تھا تھا لیدر ایک انتہائی ذہین انتہائی
 تیز ذہن انتہائی شاعر۔ میں نے اس کے لیے اور آواز سے اس کو
 پہچان لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔ اگر وہی

سے تو پھر اپنے ملک کی خیر مراد۔ یہ پورے ملک کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔
 "مجھے اپنے ملک کی نہیں صرف اپنی فک ہے؛ ناگرنے کہا۔ سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا ہو گا؟
 "جہاں تک تمہارا سوال ہے تو تمہاری جمع کی ہوئی دولت حاصل کرنے کے بعد وہ تمہیں کسی چھوٹے موٹے کام پر لگا دے گا۔ کیونکہ اس کے بعد تمہارا مصروف ختم ہو چکا ہو گا۔ تمہاری مثال اس لئے چلی ہو جائے گی جس کے اندر سے رس نکال لیا جاتا ہے جبکہ میرے اور شاید ڈاکٹر جنت کیساتھ سے صورت حال کچھ مختلف ہوگی۔
 "وہ کہوں؟ اس بار ڈاکٹر جنت نے بلوچہا وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہوا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔

"وہ اس لئے کہ ٹرانسپیرٹ پلانٹ کے ذریعے کسی انسان کی صورت شکل اس کی عادتوں اور انداز وغیرہ کو کوئی دوسرے میں منتقل کیا جاسکتا ہے لیکن ذہن کا ذخیرہ نہیں ہو سکتا اتفاق سے میں ایک سائنس دان ہوں۔ ہمارے کام آسکتا ہوں، اور ڈاکٹر جنت ایک ماہر نفسیات دان ہے۔ جبکہ تم صرف ایک دولت مند انسان ہو اور تمہاری خدائی یہ ہے کہ کسی کو پیکیج میل کر سکتے ہو جبکہ وہاں اس ہنر کی کوئی مثال نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسا کام ہے جسے بڑا بلیک میل ہے۔ جنت کا ذخیرہ شاید اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہو۔ جسوں سے ہوا جیسے ناگہانی حالت دیکھ کر اسے دنیا بھر کی دولت مل گئی ہو۔ جبکہ ناگہان کا یہ حال تھا کہ وہ شعلہ بار لگا ہوا ہے کچھ اس طرح اس کر کے کی درباروں کو دیکھ رہا ہو جیسے وہ انہیں برہنہ کر دینا چاہتا ہو۔

"یہ ہیں، میں پھر حاضر ہو گیا۔ اسی آواز نے انہیں غلبہ کر کے چلنے لگا دیا۔ تم میں سے کسی کو کچھ بلوچہا ہے تو پھر چلو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میں اس کے بعد تم لوگوں سے ملنے نہ کر سکوں۔ میں ویسے ہی ایک مصروف آدمی ہوں۔ بہت مشکل سے تم لوگوں کے لئے ٹھکانا وقت لگا لیا ہے۔
 "میں یہ بلوچہا چاہتا ہوں کہ کیا تم ہمارے ہو؟ ہمارے سامنے

نے بلوچہا۔
 "ہاں میں ہمارے ہی ہوں۔ اس نے کہا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے پہچاننے میں غلطی نہیں کی، ہم دونوں ایک ہی گانے میں ہو کر گائے تھے۔
 "لیکن میں تو تمہارا دوست رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ

ہم دونوں کے درمیان اچھی خاصی پہچان رہی ہے پھر تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔
 "اس میں حیران ہو۔ دل کی بات نہیں ہے مان؟
 "یہاں تک پہنچے ہوئے۔ بلوچہا کوئی شخص کی بڑے مقصد کی طرف اپنے قدم بڑھاتا ہے تو اسے بہت سی چیزیں اپنے دامن سے چھٹک دینی پڑتی ہے۔ ان میں دو قیامت رفتے ناطے سب کچھ شامل ہیں۔ میں نے بھی ایسے چھوٹے چھوٹے جڈوں کو اپنے ذہن سے چھٹک دیا ہے۔ میں اب رشتے ناطوں کے چکر میں نہیں پڑتا جہاں تک تمہارا سوال ہے تو تم ایک ذہین انسان ہو اور میں نہیں صاف نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میری تنظیم کے لئے سفارشات ہوئے۔ تم نے میرے ہاتھ میں کیا سوچا ہے۔ ناگہان چھڑ کر چلا آیا۔

"تمہارے ہاتھ میں بنا دیا گیا ہے۔" ہمارے لئے کہا۔
 "کیونکہ لوگ دنیا میں کوئی اچھی آدمی آخری قوت نہیں ہوتا میں خود اپنے ہاتھ میں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ وہ سنا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہیں قریب ہی موجود ہو جو میری اس سلطنت کو تباہ کر کے رکھ دے۔ لیکن تم نے شاید ایسا بھی نہیں سوچا ہو گا۔ تمہی طاقت اور ذہانت کے عزو میں رہے۔ تم نے کبھی دوسروں کی بے بسی کا اندازہ نہیں کیا ہو گا۔ لیکن اب تمہیں یہ احساس دلانا ہے کہ طاقت کیسے جیتے ہیں۔
 "اور میں؟ ڈاکٹر جنت نے آواز لگائی۔ میں نہیں کبیا کروں؟

"تمہارے لئے کچھ بھی کچھ نہ کچھ سوچ لیا جائے گا۔ ہمارے لئے کہا۔ کچھ اور بلوچہا ہے سامنے؟
 "ہاں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارے اختیار کیا اور سائنسی شیعہوں کی حد کہاں تک ہے؟
 "یہ بات ہوئی نا۔ ہمارے کا قہر گونج اٹھا۔ یہ سوال مجھ سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سائنس دان کے ذہن اور غام توگوں کے ذہن میں کتنا فرق ہو سکتا ہے۔ تم نے جس انداز سے یہ سوال کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ تم یہ کچھ نہیں پتہ کر رہی کہ کہاں تک ہے۔ ہاں۔ یہ درست ہے کہ ہم اگر چاہیں تو اس پورے ملک سے لوگوں کو اٹھا کر اپنے ہاں لے آئیں لیکن سائنسی شیعہوں کی حد صرف سائنس دانوں کی حد کے فاصلے تک ہے۔ اس پر بیچ میں جو کچھ آجاتا ہے ہم

اسے اٹھا کر یہاں لے آتے ہیں۔ میں اگر چاہتا تو ناگہان جہاز کو ان کے محل سے بھی لایا جاسکتا تھا۔ لیکن اس کے لئے مجھے دوسرے ذرائع استعمال کرنے پڑے تھے۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کم لوگ میرے دامن میں آئے اور میں انہیں ابھی الزامہ بننا شروع ہونے کے ذریعے بے ہوش کر کے یہاں لے آیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب بہت باتیں ہو جائیں گی۔ اب تم لوگ میری کئی کئی چیزیں ہمارے کی آواز غائب ہوئی اس کے ساتھ ہی رنگ بدلتی ہوئی ایک دیوار درمیان سے اس طرح طوق ہوئی جیسے کسی نے توار سے دو ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ دروازہ نمودار ہوتے ہی دو ایسے آدمی کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے لباس تہن سکے تھے جو چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھا چھوٹے سے ہتھیار بھی تھے۔

"کوئی بے وقوفی مت کرنا۔ سامنے نے ناگہان سے گڑھی کی۔ ان ہر جگہ کرتے ہی ڈھیر ہو جاؤ گے۔
 ان دونوں میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے ان تینوں کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔
 "نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ ناگہان چمک پھر اٹھا۔
 "لوگ مجھے زبردستی یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔
 کیا طاقت ہے ناگہان؟ سامنے جلدی سے بول پڑا۔
 "کیا کر رہے ہو۔

لیکن ناگہان ہر اس وقت جنوں سواری ہو چکا تھا۔ اس نے اچانک سامنے ہر جھلانگ لگا دی اور وہ دونوں ایک دوسرے سے اٹھ کر فرش پر گر پڑے۔ ڈاکٹر جنت بڑی حیرت سے ناگہان کی کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ ناگہان ایسے ٹھنڈے تھے کہ جگر متھا جوتا حال میں آنا جاتی نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اسے عجیب سا لگا رہا تھا۔

ناگہان اور سامنے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے فرش پر گر چکے تھے۔ جبکہ اس کرے میں آنے والے دونوں آدمیوں کا رد عمل بہت عجیب تھا۔ وہ بالکل خاموش رہے تھے جیسے انہیں اس جھگڑے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ سامنے زور زور سے ہلار رہا تھا۔ اس کی کمرکش کچی ہو گئی تھی۔ ناگہان کو اپنے اوپر سے جھٹک کر جھٹک دے گا۔ اگر اس سے کسی آسیب کی طرح جھٹک لیا تھا۔ جنت کی کچھ نہیں جہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ ان دونوں کو ایک دوسرے

سے لگ کر نہ چاہتا تھا۔ لیکن پھر یہ سوز کرنا موٹی ہوئی۔ یہ دونوں ہی اسے دھوکہ دینے والوں میں سے تھے۔ چاہے وہ ایک دوسرے سے لڑنے لڑتے مری کیوں نہ جاہل۔ جنت کو اس سے کیا واسطہ تھا۔

"آئیں اب میرے ساتھ آجائیں۔ ان میں سے ایک آدمی نے ہنر کو مخاطب کیا۔ باس کا حکم ہے کہ آپ کو کسی کی سیر کرادی جائے؟
 "میں نہیں سمجھتا۔ ہنر نے ہنر کیا تھا۔ اور۔ دونوں ان کے ناگہان سامنے کی طرف اشارہ کیا جو ابھی تک ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔

"چھوڑیں انہیں ابھی۔ کچھ باس کا پیغام ملا ہے۔ ان دونوں کی فکر نہ کی جائے۔
 ہنر نے ایک زنگہ ناگہان سامنے ہر ڈال اور چمکدار لباس والے ان دونوں آدمیوں کے ساتھ اس کرے سے باہر آگیا۔ اس کے باہر کتے ہی وہ دیوار پہلے کی طرح برابر ہوئی۔ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کچھ دیر پہلے کوئی درد نہ بھی ہوتا ہو گا۔

جنت کو کرے سے باہر کتے ہی ایسا محسوس ہو جیسے وہ ڈرنی لینڈ میں چلا آیا ہو۔ پورا ساحل ایسا تھا کہ لگا ہوں کہ یقین نہیں آتا تھا کہ زمین پر کبھی ایسی ہی موجود ہوگی۔ ہمارے نے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ ایک سائنسی قوت ہے۔ وہ اگر یہ نہیں بتاتا تو ہنر خود کو کسی دوسرے سپاہی سمجھ لیتا، جاننے کے باوجود اس کے پاس جواب دے گئے تھے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کتنے لوگوں نے کتنی دولت صرف کر کے اور کتنے دلوں میں یہ حیرت انگیز مگر کیلیک کی ہوئی وہ دونوں فی اظلاس کے پہلو پہلو چل رہے تھے اور وہ تصویر حیرت بنا ہوا ان کے ساتھ تھا۔ عجیب طرح کے روشنی پھیلانے والے مکانات، درخت، گائے ہاں اردو لوٹ اور نہ جانے کیا کیا اس نے وہاں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جن سے مختلف کام لئے جا رہے تھے ان لوگوں کے ساتھ ساتھ چمکدار لباس والے بھی موجود تھے۔ گویا ان کی نگرانی کر رہے ہوں۔

پھر اچانک ان لوگوں کے درمیان ڈاکٹر جنت کو مارنے بہادرانہ جھگڑت سننے لگی دکھائی دے گیا۔
 جنت انہیں پھانسیے حیرت سے رائے بہادر کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ ہنر اس شخص کو بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ

راہے بہادر کا خطاب اسے انگریزوں نے دیا تھا اور بے پناہ دولت اس نے اپنی مکاری اور ظلم و جبر سے حاصل کی تھی۔ پچھلے ایک سال سے رائے بہادر اپنے علاقے سے غائب تھا۔ بتایا گیا تھا کہ وہ شکار کھیلنے گیا تھا پھر لوہے سے ایک پھوپھا اور فٹ گر نہیں آیا۔ اس کے بارے میں کچھ خیال کیا گیا تھا کہ وہ مر چکا تھا۔ لیکن اب رائے بہادر اس کے سامنے تھے۔

جس طرح سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رائے بہادر جیسے آدمی کی اتنی بڑی حالت تھی، ہوسکتی تھی اس کے جسم پر بہت معمولی سالباں کا مخمراز دوروی والا اس کے چہرے پر رقابت ظاہری تھا۔ اس کے کال اندک کی جانب دھنس گئے تھے اور اس کی آنکھوں کے گرد حلقے بنے ہوئے تھے۔ جس کی اگر یادداشت بھی نہیں ہوئی تو شاید وہ رائے بہادر کو بھی نہیں پہچان سکتا اور ابھی وہ رائے بہادر کی حالت پر خود ہی کہہ رہا تھا کہ کوئی آدمی جلتے جلتے اس سے نکل آیا۔

اس نے فرنگہ درجی اور اس کی حالت عجیب ہوئی اس سے نکلنے والا بھی رائے بہادر ہی تھا۔

ان دونوں کو بہادر کی بہن جو زلیخان کے ساتھ بستے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔

جو زلیخان نے اس دوران ہر طرح ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ انہیں آکر بتاتا رہتی کہ لیڈارک نے ان دونوں کی تلاش میں پورے علاقے کو چھان مارا ہے۔ ان کی کچھ بہن نہیں آ رہیں کہ یہ دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ جو زلیخان بہادر کی بہن تھی۔ اسی لئے اس گھر میں ایسے ساتھی آلات نصب نہیں کئے گئے تھے جو بہادر کو ان کے ہونے کی خبر دے سکتے۔

درنا اس پورے علاقے میں جا سکی کہنے والے آلات کا جاننا بھی ہوا تھا۔ پہلے ایسے آلات جو زلیخان کے گھر میں بھی تھے۔ لیکن جو زلیخان نے ہنگامہ کر کے ان آلات کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ اس طرح وہ دونوں سکون سے اس کے ساتھ رہ رہے تھے۔

لیکن ان دونوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کا سکون ماضی ہے۔ وہ آخر کتنے دونوں تک یہاں جیسے رہ سکتے تھے۔ ویسے ان کے لئے بہت بڑی بات تھی کہ خود بہادر کی بہن بھی اس کے خلاف تھی۔ اس نے اپنے بھائی کے خلاف ان دونوں کی مدد کی تھی۔ بلرام اور ہمارا جو دونوں ہی اس لڑکی سے بہت متاثر نظر آتے تھے۔

جو زلیخان کا ارادہ تھا کہ وہ کوئی راستہ دیکھ کر ان دونوں کو اس علاقے سے باہر بھیج دے گی لیکن بلرام نے اس طرح جلنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس پورے کا غلے اس نئی کو تباہ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ ایک خوب وطن و بہن اور بہادر آدمی تھا۔ اسے اپنی جان کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ اپنے ملک کی زمین پر پیدا ہو جانے والے اس ناسور کو ہمیشہ پیش کے لئے ختم کر دینا چاہتا تھا۔ وہ جاننا تھا کہ اس سائنس نگر کی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ اکیلا یہاں ایک اور اس کے ساتھیوں کا کچھ نہیں لگا کر سکتا تھا اس کے باوجود اس نے اپنے طور پر کوشش کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ اس کی جان چلی جاتی۔

اور اب یہی حال ہمارا آف نمل گروہ کا بھی تھا۔ نچلے گہا سوچ کر انہوں نے بھی بلرام کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک دن جو زلیخان نے ان دونوں کو ایک ایسی خبر سنائی جو ان کے لئے بہت پریشانی کا باعث تھی۔ اس وقت وہ دونوں چلے ہی رہے تھے جب جو زلیخان گھر میں آئی۔ وہ ایک مخصوص انداز سے دست دیا کہ کتنی اور اس شخص دست کو سن کر وہ دونوں کچھ جلنے تھے کہ انے والی جو زلیخان ہے۔ اگر دست کا انداز مختلف ہوتا تو وہ دونوں اس اسٹور روم میں بند ہو جاتے۔ جو زلیخان نے ان کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

تو وہ اس وقت چلے ہی رہے تھے جب جو زلیخان کی مخصوص دست کے انہیں جو لگا دیا۔ اس طرح چونکے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت جلدی واپس آئی تھی۔

بلرام نے جلدی سے دروازہ کھول دیا جو زلیخان بہت پریشان پریشان ہی اندر آئی تھی۔

”کیا بات ہوئی؟“

”جیہاں سے دروازہ بند کرتے ہوئے دریافت کیا۔“

”بہارک نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کی تکمیل کا وقت اب آ پہنچا ہے۔ جو زلیخان نے بتایا۔“

”کیا مطلب؟“ ان دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”خدا کی پناہ۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اب کیسی تباہی ہونے والی ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے شیطان ذہن نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ پوری انسانی تاریخ

میں اپنی مثال آپ ہے۔“

”تم ذرا اطمینان سے بتاؤ۔“ ہمارا نے کہا۔ ”کیا مسئلہ ہے؟“

”اس نے ٹرانسپیرٹ پلانٹ مکمل کر لیا ہے۔ جو زلیخان نے بتایا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب کے سب اس کے اختیار میں چلے گئے۔“

”میں کتنی تک نہیں سمجھ سکا۔ جو زلیخان نے بتایا۔“

”اس کے حساس کپیڑے کو کسی بھی انسان کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کر دی جاتی ہیں۔ یعنی وہ خود کہتا ہے اس کا قد کتنا ہے۔ اس کا وزن کتنا ہے۔ اس کی عادات کیا ہیں۔ اس کی تحریر کا انداز کیا ہے۔ اس کی آواز کیسی ہے۔ پھر وہ کپیڑے ٹراس انسان کی سینکڑوں غلطیاں تیار کر دیتا ہے۔ حتیٰ ایک انسان کے ہزاروں انسان۔“

”خدا کی پناہ! بلرام اچھل پڑا۔ یہ کیا کچرری ہو۔ اس طرح تو؟“

”ہاں۔ میں اسی خطرے کی نشان دہی کرنا چاہتی ہوں جو زلیخان نے جملہ وہ اگر چاہے اگر چاہے تو اپنی آنکھوں کی فوج تیار کر سکتا ہے۔ اس ملک کے حکمران کی سینکڑوں غلطیاں تیار کر سکتا ہے۔ اب تم خود ہی انداز لگا لو کہ اس طرح کتنی افراطی فتنے والے ہیں کتنے بڑا طوفان آنے والا ہے۔ اس کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں ہوئی اس کی فوج ہندوستانی فوج سے بھی تعداد میں سو گنا زیادہ ہو جائے گی۔ پورے ملک میں اس کے آدمی دکھائی دے گئے۔ پھر کچھ لوگ۔“

”یہ تو بہت ہی خطرناک بات ہے۔“

”لیکن کیا ایسا ممکن ہے۔“

”کی جاؤ و گری کہ ان میں سے رہا ہوں۔“

”اس دور میں سب کچھ ممکن ہو گیا ہے۔ ہمارا صاحب جو زلیخان نے کہا۔“

”یہ سائنس کی معراج کا دور ہے۔ یہاں عقل کم ہو کر رہ گئی ہے۔“

”تو پھر اس کا کیا علاج ہو؟“

”اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اس کی طرح اس پلانٹ کو تباہ کر دیا جائے۔ جو زلیخان نے بتایا۔ لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اسے سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں کہ خود بہادر کو اس طرح کی سبکدوشی سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس ہال تک وہاں ناممکن ہے۔“

”تو پھر کیا ہم اس شیطان کو سن مانی کرنے دیں؟“ ہمارا نے

بڑا ملنے دوہ تو اس کی بجا دی بدولت پوری دنیا کو ٹپٹ کر کے رکھ دے گا۔“

”یہی تو مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس پلانٹ کے تخلیق کردہ انسان کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر اصل انسان کو ہلاک کر دیا جائے تو اس جیسے جتنے بھی بنائے گئے ہوں گے سب کے سب خود ہی ہلاک ہو جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں کی کپیڑے میں ہم کہاں اصل انسان کو تلاش کرتے پھر میں گئے۔ اور کس کس کو ہلاک کر دیں گے؟“

”یہ تو واقعی بہت ہی بڑا ہوا۔ بلرام نے کہا۔“

”ہو سکتا ہے کہ کل ہمیں جو زلیخان بھی سینکڑوں کی تعداد میں گھومتی ہوئی دکھائی دے جائیں۔ جو زلیخان ان دونوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ کیونکہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اپنے آپ کو۔ پچانے کے لئے وہ سینکڑوں لیڈارک تخلیق کر ڈالے۔ تو پھر کیا ہو گا؟“

”اگر اس کے پاس کسی کاریگر کا ذہن ہو تو بلرام نے کسی خیال کے تحت چلو چھا۔“

”تو پھر کچھ نہیں ہو گا؟ جو زلیخان نے کہا۔“

”جسے اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہو گا تو وہ سب کپیڑے کو کہاں سے فیڈ کرے گا؟“

”میرے ذہن میں ایک بات آدمی ہے۔ بلرام کچھ بچتے ہوئے بولا۔“

”وہ کیا؟“

”دیکھو اس ملک کو بلکہ اس پوری دنیا کو اس شخص کے شیطان ارادوں سے بچانے کے لیے۔“

”ہم میں سے کسی نہ کسی کو قربانی دی ہوگی۔ لیکن ہے کہ ہم تینوں ہی اس مقصد میں کام آجائیں لیکن ہم نے اپنی جان دے کر بھی دنیا کو اس آنے والے طوفان سے بچا لیا تو بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص اس طرح اس پلانٹ تک پہنچ سکتا ہے؟“

”اس مسئلے میں میں خود اپنے کو پیش کر رہا ہوں۔ اگر مجھے کسی طرح اس پلانٹ تک پہنچا دیا جائے تو وہ سب کچھ کر دیا جائے گا۔ کوئی طرح تو ذہن میں آجائے۔ لیکن اصل مسئلہ تو وہاں تک پہنچنا ہے۔ ہمارا چلنے کہا۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں شکار بن کر وہاں تک پہنچنا

چاہتا ہوں؟

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بیمار کے آوی نہ پڑوں اور بیمار کے جھجے جیسے انسان تیار کرنے کے لئے مجھے اس پاور بلاٹنگ سے بچ دے۔ اس طرح وہاں تک پہنچنے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ زندہ کر کے کیا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مرحلہ تو طے ہو گا۔“

”پلاننگ تک پہنچنے کی تمہاری ترکیب تو بھی ہے لیکن اس میں ناکامی کا بھی اندیشہ ہے۔ جو زلیخان نے کہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی اور سلوک کرے۔ یہیں پلاننگ تک جانے ہی نہ دے؟“

”ایرکانات تو ہرجے ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاؤں۔ ابھی سے کیا کہا جا سکتا ہے؟“

”چلو مان لیا کہ تم وہاں تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد کیا کرو گے۔ ظاہر ہے کہ تم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار تو نہیں لے جا سکتے؟“

”میں جہاناک ابھی اس طرف میں نے کوئی دھماکا نہیں دیا ہے۔ میرے ذہن میں کوئی بات نہیں ہے۔“

”اگر تم لوگ جو لوگوں پر دھمکیاں کمال کی مدد حاصل کر لوں۔ پھر جو زلیخان نے بلو چھلا۔“

”کون ہے یہ میرا کمال؟“

”ایک بہت ہی ذہین سائنسدان ہے۔ جو زلیخان نے جواب دیا۔“ ہو سکتا ہے کہ میرا یہ اندازہ غلط بھی ہو۔ لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ میرا کمال بھی بیمار کی اس پالیسی سے خوش نہیں ہے۔ حالانکہ اس نے مجھ کو نہیں سے لیکن اس کے نتیجے سے اندازہ ہو رہا تھا۔ خاص طور پر اس ٹرانسپیرنٹ پلاننگ پر گفتگو کرتے ہوئے اس کا جو بہت تلخ ہو رہا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔ بیمار کے خلاف کہا۔“ نئے کٹنے لوگ ایسے ہوں گے جو بیمار کے خلاف ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ بیمار کے سامنے سب سے بڑی مثال خود بیمار ہی ہے۔ تم اس شخص کی بہن ہو۔ سب سے زیادہ تم پر اس کا اثر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن تم اس سے کوئی مختلف ہو۔ تمہارا یہ اندیشہ تو ہی انتہا بہت کے لئے ہے۔ اس کی طرح ممکن ہے کہ وہ میرا کمال بھی زندہ ضمیر کا شخص ہو۔ لیکن یہ کہ

وہ بھی بیمار کے خلاف ہو۔ لیکن حالات کی وجہ سے خاموش ہو؟“

”اس بیمار کمال کو آزما لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ بھی بلا ناکامی اور کامیابی کو سناٹے ہی رہتے ہیں۔ اس میں بھی آدھے آدھے امکانات موجود ہیں۔“

”بھیک ہے۔ تو پھر میں ابھی اس موضوع پر اس سے بات کرنے آئی ہوں۔ جو زلیخان نے کہا۔“ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب ہو جس کی مدد سے اس بلا کا خاتمہ کیا جاسکے؟“

”تمہارے جذبے کو دیکھ کر میرا حوصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ بیٹی، بیمار آج اسودہ نمی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔“

”اور میں بھی تمہاری اس عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ بیمار نے کہا۔“

”جو زلیخان سچے سچے بھی مسکراہٹ آئی۔ اس کی آنکھیں اس کے اندرونی احساس کی وجہ سے روشن ہوئی تھیں۔ وہ اس شام ایک ادھیر عمر آدمی کو اپنے گھر لے آئی۔“

”یہ ڈاکٹر میرا کمال تھا جس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ لیکن اس کی روشن آنکھیں حرارت کا احساس دلاری تھیں۔ اور جو زلیخان نے اس وقت تک اسے بیمار اور بیمار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان دونوں کو ایسی سٹوریوں چھپا دیا گیا تھا۔ جہاں وہ جا کر چھپ جاتے تھے۔“

”آپ یہاں اطمینان سے باقی رہیں گے۔ میں مسٹر کمال جو زلیخان نے میرا کمال کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کیونکہ یہاں جا سوئی کرتے والے آلات نہیں ہیں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ میرا کمال بیٹھتے ہوئے بولا۔“

”ظاہر ہے تم کو خصوصی رعایات حاصل ہوں گی؟“

”یہ رعایات حاصل نہیں ہوں گی۔ بلکہ حاصل کی گئی ہیں۔ جو زلیخان نے کہا۔ شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ مسٹر کمال کے میں بھی یہاں رہنے والے ان ہزاروں لوگوں سے خفی نہیں ہوں جو یہاں سے بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔“

”کیا کہہ رہی ہو تم؟“ میرا کمال نے حیرت ظاہر کی۔ ”میں سچ کہہ رہی ہوں مسٹر کمال۔ جو زلیخان نے ایک گہری سانس لی۔“ مجھے نہیں معلوم کہ میں آپ سے جو کچھ کہنے والی ہوں۔ وہ بلا آپ ہی تک محدود رہے گا یا نہیں لیکن میں نے بہت ہی تجویر ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ میرا

میرے سامنے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ میں ہر اس شخص سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں جو ذرا سا بھی زندہ ضمیر رکھتا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ اس مقام پر نہیں سب سے مختلف ہیں۔ سب سے جدا ہیں۔ کیونکہ میں نے آپ کی باتوں میں پشیمانی اور کرب محسوس کیا ہے اور یہ آپ کے زندہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔“

”میرا کمال نے کچھ کہنے کی کوشش کی پھر ہلکا سا کر رہ گیا۔ شاید وہ کچھ بولنے سے پہلے جھک جھک کر رہا تھا۔“

”ہم دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ مسٹر کمال۔ جو زلیخان نے کہا۔ یہ درست ہے کہ بیمار میرا کمال ہے۔ اس کا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ تم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بہت جرات بھی لی ہے۔ لیکن اب میرے اور اس کے راستے بالکل مختلف ہو گئے ہیں۔ اس نے شیطانت اختیار کر لی ہے۔ وہ اب کسی کا دوست نہیں رہا۔ سارے رشتے اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ایسے کسی شخص کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔“

”تم بھٹک گئی ہو۔“ میرا کمال دھیرے سے بولا۔ لیکن میں ”شاید آپ کو ابھی تک میرے مخصوص رہنمائی نہیں کیا ہے۔ مسٹر کمال۔ بھٹیک ہے۔ اس میں آپ کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ کو غلط طور پر ہدایا چاہئے۔ کیونکہ میں بیمار کی بہن ہوں۔ لیکن میرے پاس آپ پر سچی ثابت کرنے کے لئے ایک ایسا ثبوت موجود ہے جس کو دیکھ کر آپ جہاناک بائیں گے۔ مجھ میں پہلے آپ وہ ثبوت دیکھ لیں پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔“

”جو زلیخان ان بات کو کہہ کر صوفے سے اٹھی اور اس کے کمرے کی طرف آئی جس میں بیمار اور میرا ملا جھپے ہوئے تھے۔“

”تم دونوں کو اب میرا کمال کے سامنے چلنا ہو گا۔ اس نے لہجہ میں کہا۔“ یہ جو اب میرا کمال کیوں خطرہ مول لہائی ہو گا؟“

”بھٹیک ہے۔“ بیمار نے آمادی ظاہر کر دی۔ ”میں تمہاری ہمارا جو بھی اس کے سامنے چلنے کے لئے تیار ہوں۔“

”جو زلیخان ان دونوں کو ذرا ٹانگ روم میں لے آئی جہاں کمال بھی تھا۔ اور بیمار کمال جو زلیخان کے ساتھ دو کونہ میں کو ایوڈ کچھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کے تاثرات یہ بتا رہے تھے کہ وہ ان دونوں کو پہچانتا نہیں تھا۔“

”یہ دو بھیکیں ہماری سہانی کے ثبوت۔ جو زلیخان نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔“

”کون ہیں یہ لوگ؟“ میرا کمال نے پوچھا۔

”یہ وہی دونوں ہیں جن کی تلاش میں بیمار کا کلام ہو چکا ہے۔ جو زلیخان نے کہا۔“

”کیا یہ میرا کمال اچھل پڑا؟“ یہ دونوں وہی؟

”ہاں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو جھگڑے سے غائب ہوئے تھے۔ جو زلیخان نے بتایا۔ یعنی بیمار اور بیمار آج نیم گڑھا۔“

”اوہ۔ اب کچھ ہیکال کے ایک گہری سانس لی۔ ان دونوں کو غم سے بڑھا دے رکھی ہے اسی لئے انہیں تلاش نہیں کیا جا سکا۔“

”ہاں اب بتائیں۔ کیا آپ ابھی کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کا ساتھ دے رہی ہوں؟“

”ہرگز نہیں۔“ میرا کمال نے جلدی سے اپنی گردن ہلانے کی۔ ”تم نے بیمار کے بھائی کو بڑھا دے رکھی ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور اب میں کچھ کچھ کہہ رہا ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک زندہ ضمیر کا آدمی ہوں۔ اسی لئے اس کے منصوبوں اور ارادوں سے مجھے اختلاف ہے۔ لیکن میں اس کے خلاف کچھ کرنے میں نہیں کمر لاتی۔“

”اب کی طرح میں اس کی طاقت اور ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے خاموش ہو کر رہ گیا ہوں۔“

”آپ نے اسے دل سے بڑھ چھوڑا ہے۔ مسٹر کمال اس لئے آپ بھی، معاملے کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہیں۔ بیمار نے کہا۔“

ہر جاہل نے، لو جھلا۔
 "اقل تو ایسا ہونا ممکن ہے" میرا نال نے بتایا، اور لگے
 وہ پلانٹ تباہ ہو گیا تو کچھ سب کچھ تباہ ہو جانے کا اس علاقے
 میں آئی تباہی پھیلنے کی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس
 کی بنا ہی ہوئی یہ سائنسی لہجے اس طرح بھگ سے اڑ جانے کی
 جیسے اس پر لہجہ بگڑا دیا گیا ہو۔ ایک ایک کر کے ساری عمارتیں
 تباہ ہو جانیں گے۔ اگر درگزر دیکھیں تو ہرے سارے لوگ ہلاک
 ہو جائیں گے۔ اور یہ عمل ملکوں میں مکمل ہو جانے کا اندازہ
 بہت سب، ہی خفا ہو کر رہ جائیں گے لیکن یہ صرف اسی وقت
 ہو گا جب کوئی اسے تباہ کرنے کے ارادے سے اس
 پلانٹ تک پہنچے میں کامیاب ہو جائے اور ایسا تو نہیں ممکن
 "کیا اس پلانٹ کو دوسری چیزوں سے منسلک کر دیا
 گیا ہے یا بلور نے، پوچھا۔" میرا مطلب ہے کہ صرف پلانٹ کی
 تباہی سے باقی سب کچھ کس طرح تباہ ہو جائے گا؟
 "یہ ارادے اسے اس نام ترین پلانٹ کی حفاظت
 کے لئے یہ ترکیب اختیار کی ہے" میرا نال نے بتایا وہ جانتا
 ہے کہ اگر کسی نے اسے تباہ کرنے کی حماقت کی تو وہ اپنے
 ساتھ ساتھ ہزاروں دوسرے لوگوں کو بھی تباہ کر دے گا۔
 اسی لئے ہمارے خیال میں اس حماقت کی کوئی جرأت
 نہیں کر سکتا؟
 "کاش میں کسی طرح اس پلانٹ تک پہنچ سکتا۔ بلرام نے
 میرا نال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" ویسے میرے ذہن میں
 اس پلانٹ تک پہنچنے کی ایک ترکیب ہے۔
 "وہ کیا؟" میرا نال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا
 "تو یہی ترکیب؟"
 "وہی تو اس پلانٹ تک جانا مشکل ہے لیکن اگر ہمارے
 کسی کی نقل تیار کر لی جائے تو پھر اخیال ہے کہ اس شخص کو
 یقیناً پلانٹ تک جانا پڑے گا۔"
 "یقیناً۔" کہو یہ وہ پلانٹ دراصل بیٹے کا ایک بڑا سا کپڑا
 ہے جس کے اندر اس شخص کو بند کر دیا جاتا ہے جس کی گتلیں
 تیار کر لی ہوئی ہیں۔ پھر اس بال میں موجود اس قسم کے دوسرے
 گتلیوں میں اس شخص کی گتلیں ڈھونڈ لگائی ہیں۔ یہ چاروں کا سا
 کھیل معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص
 کو ایسے بال میں کھڑا کر دیا جائے جہاں ہر طرف ہزاروں آئینے
 لگے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ خود تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن
 عکس ہزاروں ہو جاتے ہیں۔
 "مگر اس پلانٹ تک، ہم کوئی خفیہ ہتھیار لے کر نہیں

جاسکتے۔ بلرام نے پوچھا۔
 "ہرگز نہیں۔ اس کیس کے اندر اس شخص کو لے پاس
 رکھے گا دیا جاتا ہے۔ اور ہاں۔ ایک بات یہ میرا نال اس
 طرح کھڑا ہو گیا جیسے اس کے ذہن میں کوئی بات آئی ہو پھر
 وہ خودی، لہنے لگا۔ "نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ نا ممکن۔"
 "مگر بات، ہو گئی سڑ پھر نال پہنچا لہنے لگا۔ "بلور نے
 "آپ کے ذہن میں اگر کوئی ناممکن ترکیب بھی ہے
 تو ہمیں بتا دیں" بلرام نے کہا۔ "تو سکتا ہے کوئی راستہ نکل
 ہی آئے؟"
 "ہے ایک ترکیب" میرا نال دھیرے سے بولا۔ لیکن
 یقینی موت کے سامنے۔
 "میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"
 "بات یہ ہے کہ میں ہر قسم کے ہم بنانے میں ماہر ہوں"
 میرا نال نے بتایا "میں نے ایسے ایسے ہم ایجاد کئے ہیں جن
 صرف تصور کی مدد سے بھڑا جاسکتا ہے۔ اور یہ ہم ایسی
 تباہی برپا کر سکتے ہیں جن کا تصور بھی خیال سے نہیں
 ہوں کو مختصر کرنے کا ہر خیال لیا ہے۔ میں ایک انتہائی طاقتور
 ہم کو اتنا مختصر کر سکتا ہوں کہ وہ کوٹ کے بن کے برابر ہو
 جائے اور کمال یہ ہے کہ اس کی تباہ کاری کی قوت اپنی جگہ
 برقرار رہتی ہے۔"
 "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر مجھے کوئی ایسا ہم مل
 جائے تو میں پلانٹ تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"
 "نہیں۔ ہم مل جائے گا۔ جو دو ہاں تک پہنچنا مشکل
 ہے۔ میرا نال نے کہا۔ اس کی وجہ میں بتا چکا ہوں یعنی اس
 ہاں تک جہاں وہ پلانٹ رکھا ہے کوئی بھی ایسا ہم نہیں لگائیں
 جاسکتا۔ ہر ایک کو بے لاس ہو کر جانا ہوتا ہے۔ اور بے لاس
 ہونے کے بعد بھی حساس آلات پوری طرح اس کی تلاقی لیتے
 ہیں۔ ایسی صورت میں صرف ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے۔"
 "وہ کیا؟"
 "وہ طریقہ یہ ہے کہ وہ ہم جسم کے اندر موجود ہو۔"
 "کیا؟ سب ہی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے
 "ہاں۔ یہی ایک طریقہ ہے۔ اگر اس ہم کو پلانٹ کے ذریعہ
 کسی کے جسم میں رکھ دیا جائے تو پھر وہ ہم اس پلانٹ تک
 پہنچ سکتا ہے۔"
 "لیکن اسے بھڑانے کی کیا ترکیب ہوگی؟"
 "خیال کے ذریعہ۔" میرا نال نے بتایا۔ "فریکوئنسی ایک
 کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خیال کی لہروں کے ذریعہ

ہم کو بھڑا جاسکتا ہے۔"
 "آپ آپریشن کا بندوبست کریں۔ میں اس ہم کو جسم
 کے اندر رکھنے کو تیار ہوں۔ بلرام نے کہا۔
 "میں نے تم دونوں کے لئے ان ہیروں کو جانے کا
 ایک بندوبست کر دیا ہے۔" رتنا نے موہن اور موہن کو بتایا۔
 "مواہن اور موہن نے بستی کے سر درگزر کو دیکھ کر خاص
 آدھی رات ہر ساری صورت حال واضح کر دی تھی۔ اور اسے اس
 بات ہر گسایا تھا کہ وہ ان ہیروں کی چوری کا بندوبست
 کر دے تاکہ وہ ہرے چور کو سرکاری کے اصل حق دار
 کو دے دیے جائیں۔ اور وہ ان ہیروں کی مدد سے اس
 بستی کے سر دار بن کر ان غیر ملکیوں کو ہار لڑکا دیں جنہوں
 نے بستی پر اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا۔ موہن نے رتنا سے
 کہا دیا تھا کہ وہ جب بھی اس قسم کا کوئی بندوبست کرنے
 میں کامیاب ہو جاؤ تو اگر ان کو بتا دے۔ اسنے وعدے
 کے مطابق رتنا ان دونوں کو بتانے کے لئے چلا آیا تھا
 اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی تھی کہ وہ اور گونداس
 بستی سے غیر ملکیوں کے تسلط کو ختم کرنے کے لئے کتنے
 سنجیدہ تھے۔
 "موہن نے رتنا کو اس تپے سے آگاہ کر دیا تھا جہاں
 ان دونوں نے اپنی رہائش اختیار کر رکھی تھی۔
 رتنا نے آئے ہی ان دونوں کو یہ خبر سنائی۔
 "واہ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی" موہن نے کہا۔
 میں سمجھ رہا تھا کہ تم کوئی نہ کوئی طریقہ تلاش کر ہی لو گے۔"
 "ہاں۔ میں نے اور گونداسے دونوں سے مل کر اس
 اس مسئلے پر بہت غور کیا۔ بہت سوچا۔ اس طرح گونداسی
 سر داری کو ختم ہو جانے کی لیکن اس کا ذہنی سکون اسے
 واپس مل جائے گا۔ وہ بہت الجھ کر رہ گیا ہے۔ اس کے
 پاس دولت بھی ہے اور یہی حد تک اقتدار بھی حاصل ہے
 لیکن اس سے کیا فائدہ۔ اس کی آزادی منسلک کر لی گئی ہے
 اس ہر میرے لگاؤ دے گئے ہیں۔ تم لوگ اپنی آنکھوں
 سے اس کی حالت دیکھ چکے ہو۔"
 "ہاں ہمیں اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا۔ موہن نے سوال
 پوچھنے لگا۔ اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ تم لوگ یقیناً کوئی نہ
 کوئی راستہ تلاش کر لو گے۔ تو پھر کیا طریقہ سوچا ہے؟"
 "آج رات کسی بھی وقت اس قبضے کے کسی حصے کو ٹوڑ
 لیا جائے گا۔ رتنا نے بتایا۔

"میں ان دونوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا
 "کیا یہ رہے ہو۔ یہ کوئی ہی ترکیب ہوئی۔"
 یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کی مدد سے تم دونوں
 اس قبضے کے قریب پہنچ سکتے ہو۔ اور موقع دیکھ کر ان ہیروں
 کو لڑکا سکتے ہو۔"
 "میں نہیں سمجھ سکا۔ آخر یہ کس طرح ہو گا۔ اگر وہ جتھر
 کسی جگہ سے ٹوٹ گیا۔ تو ہم اس کے پاس کس طرح سے
 جاسکیں گے؟"
 "تم اس کی فکر مت کرو۔ ہم نے سب بندوبست کر لیا
 ہے۔ پرتنا نے کہا۔ "تم دونوں جتھر ساز کی جنت سے
 اس قبضے کی مرمت کے لئے اس کے پاس جاؤ گے اس
 طرح اس قبضے کے گرد جو ایک بڑی جنگی حصار قائم
 کیا گیا ہے۔ وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور ہمیں ان ہیروں کو
 لگانے کا موقع بھی مل جائے گا۔"
 "واقعی یہ تو بہت زبردست ترکیب ہے" موہن نے
 بھی اس کی تعریف کی۔ "لیکن ہمیں جتھر ساز کی تو نہیں آتی؟"
 "کیا ضرورت ہے اس کی؟" موہن نے کہا۔ "ہمیں تو
 وہاں جا کر دوسرا کام کرنا ہے۔ پھر اس نے رتنا کی طرف
 دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے
 ترکیب بہت زبردست ہے لیکن اس میں ایک خطرو
 یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ ہمارے
 کام کے دوران ہماری نگرانی نہ کریں۔"
 "وہ یقیناً ہمارے نگرانی نہیں گے۔ پرتنا نے بتایا۔
 لیکن ہمیں جو اوزار فراہم کئے جائیں گے۔ ان میں ایسے
 ہم بھی ہوں گے جو دھوکے بکھرتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے
 کہ مندر کے اس حصے میں خون خرابہ ہو اسی لئے دھوکے
 والے ہم کا انتظام کیا گیا ہے۔ تم ان ہیروں کو حاصل
 کرنے کے بعد یا اس سے پہلے ان ہیروں کے ذریعہ پہنچ
 کر دینے والا دھواں پھیلا کر خود وہاں سے لٹک سکتے ہو۔
 یہ دیکھ لو کہ ہم نے جہاں کام آسان کر دیا ہے۔ لیکن شرط یہ
 ہے کہ تم لوگ ان ہیروں کو مندر سے باہر نہ کر میرے حملے
 کر دو گے۔ میں باہری خطرہ ہوں گا۔"
 "ہم نے تو یہ بات پہلے ہی کر لی تھی۔" موہن نے کہا۔
 "ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ علاقہ غیر ملکیوں سے خالی ہو
 جائے۔ چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔ چوری
 بھی۔"
 "بس تو پھر ٹھیک ہے۔ ہمارے درمیان معاہدہ ہو گیا

تم جب وہ ہیرے مندر سے باہر لا دو گے تو پھر ہم ان ہیروں کو ان کے حقداروں کے حوالے کر دیں گے۔ اور اس لحاظ سے ہم تمہارے شکر گزار بھی ہوں گے جو تمہاری سازش کے اوڑھنا اور دیکر ہتھیار نہیں آج شام تک مل جائیں گے مندر کا جلا بھاری عمارت سے ساتھ ہے۔ تمہارے ہاتھ میں انہیں بتا دیا جائے گا کہ تم لوگ ماہر مجسمہ ساز ہو۔ اسی لئے تمہیں اس جگہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی لیکن میں ایک بار پھر واضح کر دوں کہ تم لوگ اگر یہ جانا تو کہ ان ہیروں کو غائب کر دیا جائے تو پھر شاید ایسا نہیں کر سکو گے۔

”دیکھو بھائی اگر تم ہمیں دھکی دینا چاہتے ہو یا ہم پر اعتقاد نہیں ہے تو اس قضیے کو یہیں ختم کر دو۔ یہ یاد رہے کہ تمہارے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مومن تلخ ہو کر لولا۔“ معاف کرنا دوست، بات صرف اتنی ہے کہ ہم ان ہیروں کی طرف سے بہت جذباتی ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے لئے بہت بڑی جہیز بنت رکھتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے بہت مقدس ہیں۔ اسی لئے دل در تپا ہے کہ ہمیں ایسا نہ ہو جائے کہ وہ ہیرے مندر سے بھی نکل جائیں اور عمارت باغ بھی زبردستی لے لیں۔ ایسی صورت میں ہم تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ ہمیں تمہاری اس ہریشانی اور احتیاط کا بلور اندازہ ہے۔ مومن نے کہا۔ لیکن تم نے فکر نہ کیا۔ ان ہیروں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہو گا کہ ہم کسی طرح ان ہیروں کو مندر سے باہر لا کر تمہارے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد ہمارا دشمن نہیں ہو جائے گا۔ اور ہم تمہیں خدا کا فضل کبہ کر دے گا۔ وہ جانا نہیں گئے۔

ان کے درمیان معاہدہ طے پا گیا۔ رتن بہت خوش خوش واپس ہو گیا تھا۔ رتن کے جانے کے بعد مومن نے مومن سے بوجھا کہ تم اس شخص کو بے وقوف سمجھتے ہو؟

”ہم تم سے اس نے کبہ دیا۔“ پھر جب ہم ان ہیروں کو باہر لائیں گے تو ہمیں کچھ کہہ دیا۔ یہی شکل تلاش کی جائے گی۔ ایسی صورت میں ہمارا کی غنت کا فائدہ کیا ہو گا؟

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم دیکھتے تو رہو۔ مومن نے اسے تسلی دی۔“ ہیرے ہمارے پاس ہوں گے، یہی نہیں تو ہم ویرہ برآمد کہاں سے کریں گے؟

”کیا مطلب؟“ مومن نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا تم وہ ہیرے ہمیں چاہتے ہو؟“

”چراغ کا ضرور لیکن ان ہیروں کو مندر سے باہر نہیں لاؤں گا۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔“ پھر بار جب ہم مندر میں گئے تھے تو میں نے ایک ایسی جگہ دیکھی تھی جہاں وہ ہیرے چھپائے جاسکتے ہیں۔ بعد میں وہاں سے ان ہیروں کو نکال لینا دشوار نہیں ہو گا۔“

”لیکن تم رتن کو کہا جواب دو گے۔؟“

”اس سے کبہ دوں گا کہ میرے چرلے کا موقع ہی نہیں مل سکا ہے۔“ مومن نے کہا۔

”لیکن اس نے ہیرے اگر غائب دیکھ لئے تو؟“

”تو پھر کبہ ہو گا۔ اول تو اتنی دیر نہیں بہت بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان ہیروں کی جگہ نفی ہیرے بھی لگا دیے جائیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے اپنے منصوبے میں کوئی خالی رکھی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میرے منصوبے میں کوئی خالی نہیں ہے میں نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بنایا ہے۔“

”مجھے تم پر کچھ سوچ ہے۔“ مومن نے کہا۔ ”لیکن تمہارے یہ بھی سوچا ہے کہ تم لوگ یہاں سے نکلنے میں کس طرح کامیاب ہوں گے۔“ میرا مطلب ہے کہ اس بستی سے کیسے نکلیں گے۔؟

”اس کا بھی انتظام ہو ہی جائے گا۔“

”تو پھر ہم لوگوں کو تیار پال کر لینی چاہیں گے۔“ ہماری تیار پالی ہی کیا ہوتی ہیں؟ مومن مسکرا دیا۔

”تم تم ہر جگہ خالی باغیچہ یا جاگرتے ہیں۔ ہم نے اسی لئے ہتھیاروں کا جھنڈ بھی نہیں رکھا ہے۔ صاف ستھرا کا ہوتا ہے ہمارا۔“

”سوچنا خاموش ہو گیا۔ مومن کی باتوں سے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔

”آپ دونوں کے لئے عزت مآب رتنانے یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ کل صبح اپنا کام کر سکتے ہیں۔ آپ کے لئے راستے ہمارے گریہ گئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم نے ان کا پیغام موصول کیا۔ مومن نے ایک شان کے ساتھ کہا۔ ان سے کچھ دینا کہ ہم اپنے منصوبے پر پورا پورا عمل کریں گے۔“

”یارہ کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو۔ رتن کے پیغام بر کے جانے کے بعد مومن، لولا، وہ کچھ متفکر دکھائی دے رہا تھا۔“

”کیسا دھوکہ؟“ مومن کھڑا ہو گیا۔ ”یاد تم بھی عجیب آدمی ہو۔ سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کے باوجود تم اسے دھوکہ سمجھ رہے ہو؟“

”یہ تو ہے لیکن یہ سب کچھ اتنی آسانی کے ساتھ ہو رہا ہے کہ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ لگتا ہے کہ میں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ ورنہ یہ ہم اتنی آسان بھی نہیں کھلی۔“

”بعض اوقات جب کوئی دشواری اچانک آسان ہو جائے تو اسی قسم کا اندیشہ ہو کر رہتا ہے۔“ مومن نے کہا۔ ”اسی لئے تمہیں سب کچھ ناقابل یقین محسوس ہو رہا ہے ورنہ ہیرے خیال کے مطابق ہریشانی کی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے۔“

وہ رات انہوں نے بہت دیر تک ایک دوسرے وقار میں کر کے کیوشن کی تھی۔ مومن کچھ گھبرا ہوا تھا اور اس کی فکر لپٹ نے اب مومن کو بھی متفکر کر دیا تھا۔ اس کے بھی خیال کے مطابق یہ ہم اب بہت دشوار اور لمبا

امکن تھی۔ لیکن اب یہ بہت آسان دکھائی دینے لگی تھی۔ ”ہمارے لئے تو سمجھتا ہوں کہ دیکھ دیا ہے۔“ اس نے سوزن سے کہا۔ ”میں خود کچھ گیا ہوں۔“

”میرا یہ مقصد نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہاں جانے سے پہلے ہمارا مکان کا جائزہ لے لیا جائے؟“

”یہ بھی تم ٹھیک سمجھتے ہو؟“ مومن نے ایک گہری سانس لیا۔ ”اب یہی دیکھو کہ ہمارے لئے کون کون سے خطرات ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ سوچا جائے کہ رتنانے ہمیں گرفتار کر لے کی ساری ہے۔ تو یہ خیال اس لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ وہی

ہماری بھی گرفتار ہے۔ وہ اگر بھی چاہے تو ابھی کچھ سہا ہوں بھیج کر ہمیں بکڑا دے۔ اس کے لئے اس کا ہر حربہ منہور

بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔ اب اگر دشمن کو وہ کہ اس وقت کا انتظار کرنا ہو جو ہم ان ہیروں کو لے کر مندر سے باہر نکلیں تو اس وقت ہیرے ہمارے ہاں ہوں گے، یہی نہیں۔ لہذا اس کا حربہ بھی ناکام ہو جائے گا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم لوگوں نے بھی ایک دنیا دیکھ رکھی ہے۔ کیا کووند اور رتن کے بچوں اور لڑائی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کا پڑا بنا دیا ہے۔“

”نہیں لسی تو کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ دونوں ہی اس معاملے میں مخلص معلوم ہوتے ہیں۔“

تو پھر بات ختم ہوئی۔ خوفناک وہاں کو اپنے جن میں جگہ مت دو۔ اگر ہم بھی سب سوچتے رہ گئے تو پھر کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ جو ہوگی دیکھی جائے گی۔“ مومن نے کہا۔ وہ دونوں دوسری صبح بہت جلدی مندر تک پہنچ گئے۔ مومن کا خیال تھا کہ کام ختمی جلدی ہو جائے اتنی ہی بہتر ہے۔ وہ دونوں اس سے پہلے بھی مندر آچکے تھے۔ لیکن اس بار ان کے روپ پہلے سے بالکل مختلف تھے۔ وہ پہلے تاجرین کی طرح تھے۔ اور اب مجسمہ ساز بن کر پہنچ گئے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ میں اور اڑوں کا پتھلا اٹھا رکھا تھا۔ جن کے اندر اڑوں کے ساتھ ساتھ دھوکے والے ہم اور گیس ماسک بھی رکھے ہوئے تھے۔

مندری پر دھوکے پر انہیں کچھ لوگ بھی بیٹھے ہوئے دکھائی دے گئے۔ اور یہ لوگ ان کے خیال میں رتنانے لعلی رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑی گہری نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے اس طرح گردن ہلا دی جیسے وہ نہ صرف اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتا ہو۔ بلکہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ ان کے لئے راستہ صاف کر دیا گیا ہے۔

وہ دونوں پھیلے اٹھائے ہوئے مندر کے دروازے تک آئے جہاں ایک بھاری نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

”آج بھوکا کے لئے یہ مندر بند ہے۔“ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ ہمیں بھی معلوم ہے لیکن ہم دہلی جی کے بستی مرمت کے لئے آئے ہیں۔“ مومن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔“ وہ بھاری نے چونک اٹھا۔ پھر اس نے ان دونوں

کے لئے راستہ دے دیا۔ ٹھیک ہے اندر آ جاؤ لیکن یہ ادا ہلا
کے تھکے تھیں میرے حوالے کرنے ہوں گے۔
”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ سوہن نے پوچھا کہ اس کی طرف
دیکھا۔ اگر ہم نے اوزار گتھارے حوالے کر دینے تو ہم کیا
خالی ہاتھوں سے مریت کر دیں گے۔
”خیر مریت کر دے یا سامان بند میں تمہارے پاس پہنچ
جائے گا پہلے انہیں بھی طرح چک کیا جائے گا۔“
سوہن اور سوہن نے ایک دوسرے کو انگی ہوئی
لگا ہوں سے دیکھا۔ یہ صورت حال ان کی توقع سے بالکل عکس
مکھی۔ اہی تھیلوں میں ان کا سب کچھ مقابہ تھیلوں کے حوالے
کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی اسے نکلے میں پھانسی
کا جھنڈہ ڈال لیں۔ اس دوران کچھ اور لوگ بھی ان کے قریب
آئے تھے۔
”کیا کر رہے ہو؟“ وہ قذوہ بھاری نے سرگوشی کی۔ ”تمہیں
رتنا جی نے بھیجا ہے نا۔“
”اوہ۔ سوہن نے ایک گہری سانس لی پھر ہلکا ہلکا
بجاری کی طرف بڑھا دیا۔ یہ یوں ہمارا۔“
بجاری نے ان دونوں کے تھیلے کے لئے پھلن دونوں
کو مختلف مرحلوں سے گزارنے کے بعد اس تھر خالے میں
پہنچا دیا۔ یہاں جہاں اصل مورچہ رکھی ہوئی تھی، یہاں پہلے
کی طرح ہی مدد دینے کی بھی دیکھائی دے رہے تھے۔ جو خود کار
تھیلے لے اپنی اپنی جگہ بالکل چوس تھے۔
ان دونوں کے تھر خالے میں آتے ہی تھر خالے کا
دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ سوہن اور سوہن کے لئے ایک بڑی
بات یہ تھی کہ بال میں موجودی فٹوں کو ہٹا نہیں گیا تھا۔
اور اس سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ مورچہ بالکل صیغ و سالم
تھی۔ اس کا کوئی بھی حصہ ٹوٹا ہوا نہیں تھا۔
ان دونوں نے وہ ایک وقت پوچھا کہ اپنے چاروں
طرف دیکھا۔ اور ٹھیک اسی وقت اس تھر خالے میں گیس
پھیلی شروع ہوئی۔ ہا ہی گیس تھی جس نے ان دونوں کو
بے ہوش کر دیا۔ ان کے جسم بے جان ہو کر ایک طرف
لڑھک گئے۔
دراچ کے لئے یہ بہت نازک لمحہ تھا۔
برکت نام کے اس آدمی نے ماتر کو کبھی موت کے
سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ
دراچ یہاں سے کہیں جا ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے
راستے بند ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک طرف تو شبلا اس کے ہاتھ

بلاک ہوئی تھی۔ دوسری طرف دلاور کی دولت اس کے ہاتھ
سے نکل گئی تھی۔ اور اس پر تم ہے ہوا تھا کہ وہ برکت کیساتھ
ایک اور آدمی کی موت میں شامل ہو گیا تھا۔
ماتر کی چیخ سنتے ہی برکت ایک تھکے سے کھڑا ہو گیا۔
”اب آدمی میرے ساتھ۔“ اس نے دراچ کی طرف دیکھے
ہوئے کہا۔ لیکن پہلے کرے کا دروازہ بند کر دو جلدی کر دو۔
دراچ نے پوچھا کہ کرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کی
سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ برکت کی کہنے والا ہے۔
”تمہارا ارادہ کیا ہے؟“ اس نے برکت کی طرف دیکھے
ہوئے پوچھا۔
”میں اس کرے کا خفیہ راستہ تلاش کرنا ہے۔ اس نے
جواب دیا۔ جب ماتر اس راستے کو تلاش کر سکتا ہے۔ تو ہم
بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ چلو جلدی کر دو۔“
برکت اتنا سمجھنے ہی کرے کہ وہ باروں سے جھٹ گیا
وہ ایک ایک گوشے کو دبا رہا تھا۔ ٹول ٹول کر دیکھ رہا تھا
لیکن کوئی راستہ نمودار نہیں ہو رہا تھا۔ دوسری طرف دروازہ
پر دستک شروع ہوئی تھی۔ وہ لوگ چیخ کر دروازہ کھولنے
کے لئے کمر بستہ تھے۔ گالیاں دے رہے تھے۔ بڑھ چلا کر
سبہ تھے۔ دھکے پان دے رہے تھے۔
”ہم تو مرنے نہیں گئے استاد۔“ برکت نے ایک مضعل
سی مسکراہٹ کے ساتھ دراچ کی طرف دیکھا۔ راستہ نہیں
مل رہا ہے۔“
”میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تمہارے ساتھ رکھائی رہی
کچھ ہو گا۔“ دراچ نے پوچھا۔ ”کہا نہیں یہ احساس نہیں کہ
مجھ پر یہ مصیبت تمہاری وجہ سے آئی ہے۔“ وہ زمین
ابھی خاصی طرح میاں رہ رہا تھا۔ کسی کو معلوم بھی نہیں تھی
لیکن تم نے یہاں آتے ہی پہلے تو اپنی ساتھی لڑکی کو فطر
گیا پھر اپنے ساتھ تھکے بھی پہنچا دیا۔“
دراچ خاموش ہو کر رہ گیا۔ برکت بھی ٹھیک ہی
تھا۔ دراچ کی ہا جرم تھا جس نے ان دونوں کی زندہ
مصیبت میں ڈال دی تھی۔
”ہو تو سوچو کہ کیا کیا ہو گا۔“
”اب کیا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم خود کو ان کے
کر دیں۔ اس طرح ان لوگوں کا ختمہ کچھ کم ہو جائے گا۔“
یہ لوگ اگر دروازہ ٹوڑ کر اندر آئے تو پھر تمہارے ساتھ ہم
براسلوک کیا جائے گا۔“
برکت کی یہ بات بھی معقول تھی۔ مانی نے دراچ نے

اعتراض نہیں کیا۔ برکت نے آگے بڑھ کر خود ہی دروازہ کھول
دیا۔ دروازہ کھلتے ہی سب کے سب بھڑکتے ہوئے اندر
آئے۔ پھر اس سے پہلے کہ یہ دونوں متنبہ ہو سکیں وہ سب ان
پر ٹوٹ پڑے۔ تھکے تھکے لائیں۔ تھکے تھکے۔ یہ دونوں فٹ ہال
کی طرح اس کرے میں لڑھکتے پھر رہے تھے۔ ان کے کہنے
تار تار ہو گئے۔ تھر پھٹ گئے پھر وہ دونوں ہی تھوڑی
ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے برکت کی آکھ گئی۔ آکھ کھلتے ہی سب
سے پہلے احساس شدید درد کا ہوا تھا۔ یہ درد ہلوسے پان
میں ہو کر کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ انکو کھٹے سے لے کر
گردن تک۔ اور اوپر چہرے پر پھر نہیں۔ جہاں نقارے
سے نچ رہے تھے۔ پھر اوپر پانی کی کسی لہری طرح واپس
ہو جاتی۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس وقت کسی بہرہ برتر
پر لپٹا ہوا ہے۔ اور جہاں اسے لٹا گیا ہے وہ ایک کرہ
ہے جس کی ٹھری میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ کرہ
کسی جیل یا پولیس کے قید خانے کا نہیں بلکہ کوئی اور ہی
کرہ تھا۔ جیل یا قید خانے کی برکت کو بہت بھی طرح پہچان
تھی۔ اس نے کرہ کی آواز سن کر اپنی گردن گھمائی۔ گردن
گھماتے ہوئے اسے درد کا احساس ہوا تھا۔ لیکن جب اس
نے دراچ کو بھی اپنے برابر والی ایک بہرہ برتر نے ہونے
دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک اتودہ سی مسکراہٹ پھیل
گئی۔ وہ اس مزاح کا آدمی تھا۔ اس نے زندگی کو بہتر بناتے تھے
ہوئے گزارا تھا۔ اور اس وقت بھی اس کے نزدیک جو کچھ
ہو رہا تھا وہ زندگی کے لہجے پر ہونے والا ایک ایسا ڈرامہ
تھا جس کا انجام ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔
اس نے دراچ کی حالت دیکھ کر اپنی حالت کا اندازہ
کر لیا۔ دراچ کے پورے چہرے پر مار کے نشان تھے۔
ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر بھی اسی کی طرح ایک توپ لپٹی
ہوئی تھی۔ بس ان دونوں میں صرف فرق یہ تھا کہ وہ پوس
میں آگیا تھا شاید کہ وہ دراچ سے کہیں زیادہ صحت
جان والا ہوا تھا۔ جہاں دراچ پر ابھی تک مغفلی طاری تھی۔
اسی لئے کرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے
بے دخل گردن گھما کر آنے والے کو دیکھا۔ وہ ایک جوان آدمی
تھا۔ طویل قامت صحت مند۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا
آدمی بھی تھا جس نے اپنے ہاتھ میں ایک بڑی سی ٹرے
اٹھا رکھی تھی۔ برکت کو متحک دیکھ کر وہ شخص جلدی سے

اس کے پاس آگیا۔
”اچھا ہوا تم ہوش میں آئے۔ اس شخص نے نرم لہجے
میں کہا۔
برکت نے میز سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے
اٹھا نہیں گیا۔ اس کے پورے جسم میں درد کی لہر جاگ
اٹھی تھی۔
”نہیں نہیں۔ اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ
آدمی جلدی سے بولا۔ ”ان کم بختوں نے تمہارے ساتھ
بہت برسرِ سلوک کیا ہے۔ اگر میں نہیں پہنچ جاتا تو خالے
نم دونوں کا کیا حشر ہوتا۔ بس اتنا فانی سے میں اس طرف
جان لکھتا ہوں۔“
”کون ہو تم۔“ برکت نے اٹھتے اٹھتے کمزوری آواز
میں پوچھا۔
”مجھے اپنے ذہن کو مدت تھا کہ وہ تمہیں سب معلوم ہو
جائے گا۔ اس نے کہا۔ ”بس اتنا کچھ لو کہ میں شہلا پندرہ
ہوں۔ چلو مشروب پڑاؤ۔“ بات اس نے اس شخص سے
کہی جو اپنے ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے ہوئے خاموش کھڑا
تھا۔ ”مشراب پی دو بہت اچھی چیز ہے۔ اس نے برکت
کو بتایا۔“ اس کے استعمال سے جسم میں توانائی آ جاتی ہے۔
برکت نے اپنا ہاتھ پڑھا کر گلاس پکڑنا چاہا لیکن اس
کے ہاتھوں میں بھی جان نہیں رہی تھی۔ یہ دیکھ کر دوسرے
شخص نے اپنے ہاتھ سے ٹرے ایک طرف رکھا اور گلاس
برکت کے منہ سے لگا دیا۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ
قطرہ قطرہ مشروب برکت کے حلق میں اندر ڈال دیا تھا۔
”اب کچھ دیر بعد تمہیں نیند آ جائے گی۔“ اس آدمی
نے کہا۔ ”اور بال۔ تم مجھے سا کا کہہ سکتے ہو۔“
”مس کا۔“ برکت بڑبڑایا۔ ”کیسا نام ہو گا۔“
”پھر تم اپنے ذہن کو تھکانے لگے۔ چلو تمہیں ہند
کر لو۔ تمہیں بعد میں سب معلوم ہی ہو جائے گا۔ تو ابھی
سے خود کو بہرہ لیٹان کر لے گا کیا فائدہ۔“
برکت نے ایک گہری سانس لے کر اپنی آنکھیں بند
کر لیں۔ یہ شخص سا کا ٹھیک ہی کہتا تھا۔ اس نے جانے ہوئے
قدیموں کی آواز سنیں۔ پھر دروازہ بند ہوا اور وہ لوگ
باہر چلے گئے۔ برکت کے ذہن پر اس وقت دھند چھانے
لگی تھی۔ اس نے اس دھند کے خلاف جدوجہد کرنے کی
کوشش کی۔ لیکن اسے نیند آتی چلی گئی۔
بیدار ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے دراچ

کی طرف دیکھا۔ وہ بہتر پریشان ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر
 گرچہ مایہ کے نشانات تھے۔ لیکن اس کی حالت بہتر معلوم
 ہو رہی تھی۔ برکت کو جلتے دیکھ کر اس نے سکرانے کی
 کوشش کی۔ لیکن اس کے سوجے ہوئے ہونٹ لرز رہ گئے
 برکت اپنے دونوں ہاتھوں کو گردش دیتا ہوا اٹھ بیٹھا
 اس بار سے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس مشروب
 نے واقعی اپنا کام دکھا دیا تھا۔
 "یار۔ یہ ہم لوگ کہاں آئے۔" ڈرلراج نے اس کی
 طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ ویسے اتنا ضرور ہے کہ ہم پولیس
 کی قید میں نہیں ہیں۔ کیونکہ پولیس اتنا دھیان نہیں
 دیکھتی۔"
 "ابھی کچھ دیر پہلے ایک آدمی مجھے کوئی مشروب پلا
 گیا ہے۔" ڈرلراج نے بتایا۔
 "ہاں۔ میں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ برکت نے کہا۔ اس
 نے اپنا نام سا کا بتایا تھا۔
 "مجھے تو اب اس کا کتنا ہے جیسے ایک مصیبت سے نکل کر
 دوسری مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"
 "زندگی تو ایسا کام ہے پیارے۔ برکت سکاڑا یا اس
 شرط یہ ہے کہ آدمی کو اپنا مصلحت برقرار رکھنا چاہیے۔ باقی
 سب بھٹیک ہو جاتا ہے۔"
 "کیا ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟"
 ڈرلراج نے پوچھا۔
 "کوشش تو کر سکتے ہیں۔ لیکن کیا ضروری ہے کہ اس
 میں کامیابی بھی ہو؟ برکت نے سکرانے ہوئے کہا۔
 اس بات پر شکر ادا کر کے ہم لوگ مائے دالوں کی قید میں
 نہیں ہیں۔ یہ کوئی اور ہی معلوم ہوتا ہے۔
 "یہ یوں شخص ہو سکتا ہے۔ یہ ہمیں وہاں سے کون
 لایا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ان کے بچل
 سے کس طرح نکال لایا۔"
 "میری سب سوالات میرے ذہن میں بھی ہیں۔ لیکن
 ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ ویسے دیکھنے میں تو بھٹیک
 مٹا گیا ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"
 ڈرلراج نے کچھ نہیں کہا۔ برکت نے بھی خاموشی
 اختیار کر لی۔ وہ دونوں ہی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔
 کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہی آدمی اندر آ گیا جس
 نے اپنا نام سا کا بتایا تھا۔ اس وقت وہ کیلا ہی آیا تھا

انداز کے لیے بعد اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ دروازہ
 بند کر دیا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے
 اسے ان دونوں کی جانب سے کوئی خطرہ ہی نہ ہو باقی
 مطمئن معلوم ہو رہا تھا۔
 "خوب۔ اب تو تم دونوں ہی بہتر معلوم ہو رہے ہو۔"
 اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 "یہ سب تمہاری ہریانی ہے سرس کا یہ برکت اس کی
 طرف دیکھتے ہوئے۔" لولا اب ایک ہریانی یہ کہہ کر ہماری
 ۔ ابھیوں دوکر دو۔ ہم تمہارے بارے میں سوچ سوچ
 کر رہے ہیں۔"
 "واہ۔ تم تو بہت زندہ دل آدمی معلوم ہوئے۔ یہ لولا کا
 سکاڑا دیا۔ پہلے تم لوگ ابھی طرح صحت یاب ہو جاؤ۔ پھر
 سب کچھ بتاؤں گا۔ اتنی جلدی کیلئے۔"
 "ہم بالکل بھٹیک ہیں۔" ڈرلراج جلدی سے بول پڑا۔
 "میرا پرانہ کڑ بھٹک گیا تھا۔"
 "پہلے یہ بتاؤ کیا تم لوگ تمہاری قیدی میں یا برکت
 نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "نہیں۔ قیدی میں نہیں بلکہ حفاظت میں ہو رہا
 نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔
 "برکت ایک گہری سانس نے شکر رہ گیا۔ دروازے
 کے باہر دو مسلح آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ جو دروازہ کھلتے
 ہی الارٹ ہو گئے تھے۔ سکاڑے کچھ دروازہ بند کر دیا تھا۔
 "حفاظت کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ برکت نے سکرانے
 ہوئے کہا۔
 "یہ بہت ضروری تھا۔" سکاڑے نے اپنی گردن ہلاتی
 "ورنہ مرنے والے ماحول کے آدمی تم لوگوں کو پاگلوں کی طرح
 تلاش کر رہے ہیں۔"
 "یہ سلسلہ کیا ہے۔ تم ہمیں کیوں اٹھا لائے ہو تمہارے
 ساتھ ہی ہوتا کہ جیل بھیج دیئے جاتے۔ اور کیا ہو سکتا
 تھا؟"
 "تو پھر تم سمجھتے ہو کہ ماحول نے تمہارے ساتھ کوئی
 قانونی کارروائی کی تھی۔ یا اس کا تعلق عجیب گھر سے تھا یا
 کوئی بات نہیں ہے۔"
 "کیا کہہ رہے ہو تم؟ برکت چونک پڑا۔ اس نے تو
 مجھے اپنے بارے میں ہی بتایا تھا۔"
 "کہانی سناتے اور حقائق میں بہت فرق ہو کر رہا ہے
 سکاڑے نے کہا۔ ماحول کا تعلق اس عجیب گھر سے نہیں تھا۔

اور بات ہے کہ اس نے اس کے ساتھ جیل کے عجیب
 گھر میں ان کی قید کر رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے تم دھوکے
 میں آ گئے۔ اس نے بھی شاید یہی لیکن دلائل کی کوشش
 کی ہوگی۔"
 "میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ برکت نے کہا
 سے۔ لولا۔ میں اتنے الٹ پھیر برداشت کرنے کا عادی ہی
 نہیں ہوں۔ یہ میری سادھی دلروائیں کر کے لکل جاتا ہوں۔
 لیکن اس شخص کے کرنے کے بعد جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس
 نے میری کچھ بڑی الٹ دی ہے۔ یہ بات اس نے ڈرلراج
 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی تھی۔
 "دیکھو دوست فقط یہ ہے کہ اس عجیب گھر میں کئی
 عدد ہتھیار خزانے بنے ہوئے ہیں۔" سکاڑے نے کہا۔ اور تم سے
 زیادہ ان ہتھیاروں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔"
 "یہ نہیں کیلئے معلوم۔"
 "اس لئے کہ میں خود بھی بہت دنوں تک ہتھیاروں
 میں بھٹکتا رہا ہوں۔" سکاڑے نے بتایا۔ "میں نہیں دیکھا
 کرتا تھا۔"
 "خدا کے لئے میری قوت برداشت کا امتحان مت لو۔"
 برکت نے کہا۔ "ورنہ میں سوچ سوچ کر بالکل ہو جاؤں گا۔"
 "دیکھو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں۔" سکاڑے
 میں بھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھنے ہوئے۔ لولا۔ صورتحال
 یوں ہے کہ جس طرح تم اس عجیب گھر کے ہتھیاروں کے بارے
 میں بہت کچھ جانتے ہو ایسی طرح میں بھی جانتا ہوں۔ یہ
 درست ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد نے اس عمارت کے کچھ
 دیا تھا۔ لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ اس کی تعمیر کا کام جس شخص
 کے سپرد کیا گیا تھا اس نے اپنے طور پر ایک آفر لکھ دیا کہ
 لیا تھا۔ یوں تم کو اس نے دھوکے بنائے تھے۔ ان میں
 سے ایک تو اس نے عمارت کے تعمیر کرنے والے والوں کے لئے
 تمہارے آباؤ اجداد کے لئے کر دیا۔ جبکہ دوسرا اس نے
 اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ دوسرا آفر لکھ میرے پاس آ گیا۔
 "تھے اس میں بول چمی محسوس ہوئی اور میں ایک رات اس
 لکھنے کی مدد سے اس عمارت کے تہ خانے میں داخل ہو گیا۔
 میں نے ایک چیز دیکھی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے
 محسوس ہونے کا ایک ایسا بات جو کسی طرح کی چارٹ سے
 کم نہیں تھا۔"
 "کیا کہہ رہے ہو تم؟ برکت اچھل پڑا۔ چارٹ کا سچو
 کاہت۔ نا۔ لیکن۔ اتنا کتنی؟"

"میں تم سے کچھ نہیں جانتا دوست۔ تم چاہے تسلیم
 کر دیا کرو۔ خالص سوئے کاہت جس کی ساری بات انہوں
 میں ہو سکتی ہے۔ اس شخص کو دیکھ کر میں خود بھی سے باقی
 ہو گیا۔ وہ آدمی بڑی دولت تھی جس کو حاصل کرنے کے لئے
 آدمی صرف خواب ہی دیکھ کر رہا ہے۔ اور وہ خواب جنم
 تعبیر کی صورت میں میرے سامنے تھا۔ اب میں نے اس
 مجھے کو خودخت کرنے کی ترکیب سوچنی شروع کر دی۔"
 "یہ کیا بات ہوئی؟" برکت نے ایک بار اس پر مٹا ہوا ہتھ
 اس کو جھٹکا کہ کئی خودخت کر سکتے تھے۔ ہاں سے مجھے خودخت
 کرنے کے بارے میں کیا سوچنا تھا؟"
 "نہیں۔ اس طرح اس کی اہمیت ختم ہو جاتی۔" سکاڑے
 نے کہا۔ "تم نہیں سمجھتے کہ اس شخص کی کیا اہمیت تھی۔
 اول تو وہ خالص اور محسوس سونے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی
 ایک اہمیت تو یہ ہوئی اور دوسری اہمیت یہ تھی کہ وہ فن
 کا شہکار تھا۔ اتنا خوبصورت مجسمہ بھی میں نے اپنی پوری
 زندگی میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کو بنانے والے نے
 اپنا پورا ہنر اس پر صرف کر دیا تھا۔ تم سمجھ رہے ہو نا ای
 لئے اس مجسمے کی اہمیت اور اس کی قیمت دو ہی ہو سکتی تھی۔
 اگر اسے بچھلا دیا جاتا تو صرف سو تارہ جاتا۔ فن کا شہکار
 ختم ہو جاتا۔ ہر باد ہو جاتا۔"
 "مفہم ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔" برکت نے اپنی گردن
 ہلاتی "تو کیا تم اس کی دوسری قیمت وصول کرنے کے چکر
 میں تھے؟"
 "ہاں۔ میں نے ایسے کر وڑی غیر ملکیوں کو تلاش کرنا
 شروع کر دیا جو اس قسم کے نوادرات خریدنے میں دلچسپی
 رکھتے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے جس کو بھی وہ ختم دکھا
 دیا وہ اپنے آپ کو فخر کر بھی اس کو حاصل کرنے کی کوشش
 کرے گا۔ کیونکہ وہ چیز ہی ایسی تھی۔ لیکن اس سے پہلے میں
 نے ایک کام کیا کہ اس مجسمے کو ایسی تہ خانے میں بند کرنے
 مردان کے انارٹے چھپا دیا۔ تاکہ اگر کوئی اتفاق سے تہ خانے
 میں آجی لکے تو اسے اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم
 نہ ہو سکے۔"
 "اوہ۔ تو ایسی لئے میں وہ مجسمہ نہیں دیکھ سکا کہ برکت
 نے اپنے ہونٹ کیلئے۔"
 "ہاں۔ اسی لئے نہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں
 معلوم نہیں۔ تو لولا کام یہ رہ گیا تھا کہ میں دن بھر خدایہ
 کی تلاش میں مدامدا رہتا ہوں۔ پھر رات ہوئے ہلکے تہ خانے

میں پہنچ جاتا۔ اس جتنے کو دیکھ کر سکون حاصل کرنا مستقبل کے خواب دیکھتا اور پورے عجائب و غرائب کی بھرپور تازہ کاری رات میں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا جس نے میوزیم کے بال میں ایک آدمی کو دیکھا۔ یہ میرے لیے حیرت کی بات تھی۔ کیونکہ میں یہ جان گیا تھا کہ رات کو میوزیم بند ہونے کے بعد بال کی طرف کوئی نہیں آتا تھا۔ خدا جی ہوتے ہیں تو باہری ہوتے ہیں۔ وہ آدمی عجیب سے عجیب سے متعلق تھی دیکھا تو نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک ادھیر مضمبوہ جسم کا مالک تھا۔ وہ شخص بال میں موجود ایک دروازے کی طرف دے پاؤں چلا رہا تھا۔ میں اس کے اندر کود دیکھنے ہی کچھ گیا تھا کہ وہ شخص بال سے باہر جانے کی سوچ رہا ہے۔ بھر جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اس کی موجودگی خالی از غایت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کوئی نہ کوئی جھجھک رہا تھا۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگایا تھا کہ وہ شخص اب میوزیم سے باہر جانے والا ہے۔ وہ کس طرح باہر جاتا ہے۔ یہ اندازہ نہیں تھا۔ میں فوراً غصہ سے تہ خانے میں آیا اور تہ خانے سے نکل کر میوزیم کے گیٹ پر آکر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر ہوئی وہ شخص بھی گیٹ سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اس وقت مجھے ہتھ چلا کہ اس نے میوزیم جانے کی آسانی ہوئی تھی۔ اس شخص کی گاڑی گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ چونکہ اس وقت رات ہوئی تھی اس کے تعاقب کے لئے مجھے کوئی سواری نہیں مل سکتی تھی۔ اسی لئے میں نے ایک کام یہ کیا کہ اس کا رجسٹریشن نمبر نوٹ کر لیا۔ اس کا تھا وہ نمبر برکت نے بیتاب ہو کر بول چھا۔

”بتا رہا ہوں بھائی“ سا کاہنتے ہوئے بولا۔ تم تو بہت ہی بے قرار دکھائی دے رہے ہو۔ خیر تو میں نے دوسرے ہی دن رجسٹریشن آفس سے اپنے ایک دوست کے ذریعے وہ نمبر معلوم کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ نمبر ایک فرم کے مالک کی گاڑی کا ہے۔ اور اس کا نام دلاور ہے۔

دلاور کا نام سن کر دلاور پہ پہچان کر رہ گیا۔ سا کا کہانی اب دلچسپ ہو رہی تھی۔ اب اس دولت کا حلیہ کھلنے والا تھا جو دلاور نے مجھے کے اندر چھپائی تھی۔

”خیر تو ایک دن میں نے دلاور کے بارے میں جیٹھت کیں تو پتہ چلا کہ وہ تو بہت ہی غریب آدمی ہے۔ اس شہر میں اس کا بہت ہی منظم اور طاقتور گروہ موجود ہے اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا شخص رات کو پوری

میوزیم میں کیوں گیا تھا۔ باہر گئے وقت میں نے اس کے ساتھ میں بھی کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے میوزیم سے کوئی چیز نہیں لی تھی۔ بلکہ شاید وہ کچھ رکھنے یا دینے کے لئے گیا تھا۔ اس لیے مجھے سمجھنے کے لیے میں نے میوزیم کے بال کی تلاش کی۔ کچھ دیر بعد میں نے کوئی چیز بھی نہیں مل سکی۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر خشک لپائی دوران میں نے ایک رات تہ خانے میں نہیں دیکھا تھا۔ یہ نہیں دیکھ کر میں اور بھی چونک اٹھا۔ ابھی تک میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس تہ خانے کا راز صرف مجھ ہی کو معلوم ہے۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

”ہی میں بھی سوچا کرتا تھا۔ برکت نے کہا لیکن اب ایسا لگتا ہے جیسے بولا۔ خیر ان تہ خانوں کے راز سے واقف ہو گیا۔“

”نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ سا کا مسکرا دیا۔ ابھی بھی غلطی کے سمجھ لوگ اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ خیر تو اس تہ خانے میں نہیں دیکھ کر مجھے فکر لاحق ہوئی۔ میں نے یہ سمجھ کر شاید نہیں اس جتنے کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے اور تم اس جتنے کو حاصل کرنے کے لئے آئے ہو لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تمہاری لنگا اس جتنے کی طرف نہیں تھی ہے تو مجھے غصہ اٹھیا۔ اب ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ تہ خانے خطرے کے ساتھ وجود میں اس جتنے کو باہر نہیں لے جاسکتا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے چھپا کر رکھا جاسکے یا اس میں ایسی تہ خانے میں اس جتنے کو رکھنے پر مجبور تھا۔ ہاں اس دوران مجھے تم بولتی لگاؤ کھنی تھی۔ تو میں نے ہتھاری ٹنگائی شروع کر دی۔ اور نہیں اس کا احساس بھی نہیں ہو سکا کہ تمہارے آس پاس ہی سے کوئی دوسرا شخص بھی موجود ہے۔“

”ہاں۔ مجھے تمہارا احساس نہیں ہو سکا تھا۔ اگر احساس ہو جاتا تو شاید آج ہی کہاں بہت جتناف ہوئی۔“

”تم غصہ کئے ہو؟ اس نے اپنی گردن ہلائی۔ کوئی بھی شخص اپنی ملکیت میں دوسرے کا وجود براداشت نہیں کر سکتا۔ میں بھی براداشت نہیں کر رہا تھا۔ لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کیا ہو۔ کیونکہ ہو۔ اور میری طرح تمہیں اس تہ خانے کا راز کس طرح معلوم ہوا ہے۔ یوں سمجھو کہ مجھے تمہاری طرف سے شش تھا۔“

”پھر نہیں میرے بارے میں کیا معلوم ہوا۔ برکت نے بولا۔

”وہی تو بتا رہا ہوں میں نے اس دوران اس شخص یعنی دلاور کے بارے میں کچھ اور معلومات بھی حاصل کیں۔ میرے ذہن میں بس یہی ایک خیال تھا کہ وہ شخص رات کے وقت میوزیم میں گیا کر رہا تھا۔ اسے کیا چاہیے تھا۔ یہ ایک ایسا راز تھا جس نے میری فینڈس حرام کر دیں پھر ایک رات میوزیم کی سرکرتے ہوئے میں نے مانتہ کو دیکھ لیا۔ یعنی وہی شخص جسے تم نے اپنی حکمت عملی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ وہ بھی رات کے وقت اس بال میں بمشکتا پھر رہا تھا۔ اتفاق ہوئے کہ میں اس کو پہلے سے جانتا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی زمانے میں اسی میوزیم سے منسلک رہ چکا ہے۔ لیکن اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ برطرف ہونے کے باوجود اس کے تعلقات ان لوگوں سے تھے جو میوزیم کی گنجائش کا کرتے ہیں میں نے مانتہ کو یہ دیکھا کہ وہ ہاں کی دیوار میں ٹوٹتا پھر رہا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے یہ تو معلوم ہے کہ ہاں کی دیوار میں کوئی خفیہ راستہ موجود ہے۔ لیکن اسے اس راستے کے مخصوص مقام کا پتہ نہیں تھا۔ اسی لئے وہ میوزیم کی دیوار میں ٹوٹتا رہتا تھا۔ اس کی موجودگی نے مجھے اور بھی حیران کر دیا۔ میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس بال میں ایسا تو کوئی نہ کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کے لئے پہلے دلاور پھر مانتہ یہاں دکھائی دیتے تھے۔ پہلے تو مجھے اپنے دریافت کے ہوئے تھے کہ بارے میں ختم ہوا کہ شاید ان دونوں کو اس کی تلاش تھی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ بعد میں مجھے مانتہ کی گفتگو سننے کا موقع مل گیا۔ وہ عمارت کے نگران سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو سے مجھے یہ پتہ چلا کہ اس بال میں دلاور نامی اس شخص نے اپنی دولت لاکھ بھڑائی ہے اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس مانتہ کو دلاور کی دولت کے بارے میں کیسے پتہ چلا تھا۔ اسی لئے وہ گڑاں سے کھڑا تھا کہ اسے اس بات کی اجازت دی جانے کہ وہ روز رات کو آکر میوزیم کے بال کی تلاش کرے گا۔ اگر نگران اس کام کے لئے اس کے ساتھ تعاون کیسے لو اس کا حقہ بھی اسے دے دیا جائے گا۔ یہ سن کر نگران نے اس سے یہ کہا کہ وہ کہاں نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہو کر رہتے ہیں۔ اور ہر ایک کو اس کا حقہ دینا ہوگا۔ مانتہ نے نگران کی یہ بات مان لی تھی۔ پھر اس رات کے بعد سے مانتہ نگران اور

اس کے آدمیوں کی رضامندی سے میوزیم میں داخل ہوا کرتا تھا۔ یعنی اب مانتہ نگران اور دوسرے محافظ سب اس معاملے میں ایک ہو گئے تھے۔

”اوہ۔ ہاں۔ مجھے یہ برکت نے ابھی گردن ہلائی۔ اسی لئے مانتہ اس کا ہرگز رہا تھا جسے سب اس کے ماتحت ہیں۔“

”ماتحت تو نہیں البتہ سب اسی کے آدمی ہو گئے تھے۔ مراکانے بتایا۔ پھر گرفتار اس بال میں ایک ڈراکھلا گیا جس نے میری عقل بھی دنگ کر دی تھی۔ اس ایک رات اتنی تیزی سے اور اتنے واقعات رونما ہوئے تھے واقعتاً پورے جینے میں پیش آئے تھے۔ سب سے پہلے میں نے تمہیں بال میں تھے ہوئے دیکھ لیا۔ یہ اشارہ دلاور کی طرف تھا۔ تمہارے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی کیوں۔“

”ہاں دلاور نے خشک ہو کر جواب دیا۔ مثیلا نام تھا اس کا۔“

”خیر میں نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو اسی وقت میں نے اس بال میں دلاور کو بھی دیکھ لیا۔“

”کہا۔ دلاور نے کہ چونکہ اس کی طرف دیکھ کر کچھ رہے ہو۔ گیا دلاور بھی وہاں موجود تھا۔“

”ہاں۔ دلاور بھی وہاں تھا۔ سا کا نے بتایا۔ اس کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ شاید اس آج ڈرنے کا دلربا میں ہونے والا ہے۔ دلاور کی موجودگی حیرت انگیز تھی اس دن کے بعد سے وہ پہلی بار دکھائی دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلاور اندر آئے میں کس طرح کامیاب ہو گیا ہے۔ کیونکہ تہ خانے کا راستہ تو صرف مجھے اور برکت کو معلوم تھا۔ باہری راستوں پر مانتہ کی حکمرانی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بال میں داخل ہونے کا کوئی اور ذریعہ بھی تھا جو صرف دلاور کو معلوم تھا۔ ابھی میں دلاور کے بارے میں یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ مجھے کے غصے کے عقب سے ایک چرخی تھیل لایا اور اچانک سی طرف چھپ گیا۔ شاید اس نے تم دونوں کی اہم فکوس کر لی تھی۔ وہ اتنا چھپتا کہ آدمی تھا کہ مجھے اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ کس طرف غائب ہوئے۔ ابھی میں اسے تلاش کرنے ہی والا تھا کہ میں نے تم دونوں کو کمرے سے نکل کر مجھے کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت میں خود اپنا بیڑی رہا تھا۔ میں نے اس بال کا چھپ چھپان مارا تھا۔ لیکن بدی دیکھو کہ اس جتنے ہی کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا کہ وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ ابھی مجھے چیزیں اٹھانے کے سامنے

ہوئے کے باوجود دکھان نہیں دیتیں یہی حال میرا تھا۔ بہر حال اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے تم دونوں ہی واقف ہو۔ تم نے اپنی ساتھی لڑکی کو جسے کی تلاش کی لینے کے لئے کہا۔ اس نے تم سے کہا کہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر جب تم نے خود ہی تلاشی لینی چاہی تو اس نے تم پر لڑائی اٹھا لیا۔ پھر وہ تمہارے ہاتھوں ہلاک ہو گئی۔

”ہاں یہی سب ہوا تھا؛ ورنہ جس کے کہا لیکن میں ابھی تک انھیں میں مبتلا ہوں، جب اس مجھے کے اندر کچھ نہیں تھا، تو اس نے غلط بیانی کیوں کی۔ اس نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا جس کے پتے میں اس کی جان چلی گئی؟“ اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا یہ سالکانے بتایا ہے جو کل یہ سچی کہ وہ دلا دہشت، یہ گہرا آدمی تھا۔ اس نے ایک کام یہ کیا کہ اپنی جھپٹ لگانے کے بعد اس نے اس مجھے کے لڑکے دوسری جھپٹ لکھ دی تھی، تمہاری ساتھی لڑکی نے جس وقت مجھے کے اندر ہاتھ ڈالا۔ دوسری جھپٹ کو اس نے غصے کیا اور فوراً ہی اس نے کہہ دیا کہ اس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ تب میں یاد ہو گا کہ اس دوران تم دونوں اس جھپٹ سے الگ ہٹ گئے تھے۔ سب میرے لئے اتنا موقع بہت تھا میں نے خود ہی اپنے جھپٹ کی خاطر وہ جھپٹ بھی باہر نکال لی جس کے اندر کھنکھار پھر مجھے ہوئے تھے۔“

”اوہ۔ اب ساری کہانیاں خود بخود کھجی میں آتی ہے۔“

برکت نے کہا کہ میں نے بھی یہ سب دیکھا تھا لیکن میں دلا دہر کو اور نہیں نہیں دیکھ سکا تھا، میں نے نصف درجہ اور اس کی ساتھی لڑکی کو دیکھا تھا، ماحقر نے شاید تمہاری جوالہ دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس مجھے کے اندر سے کسی شخص نے جھپٹ نکال لی ہے اور وہ دانے کی طرف چلا جائے۔“

”ہلو یہاں تک کی باتیں تو مجھے میں آ جاتی ہیں۔“ درجہ نے کہا۔ لیکن اب کیا صورت حال ہے۔ تم نہیں کس طرح وہاں سے نکال لائے؟“

”میں نے جب یہ دیکھا کہ تم دونوں ماحقر اور اس کے آدمیوں کے چپ میں چپس چکے ہو تو میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے تم دونوں کو چھوڑا لایا۔ اس سلسلے میں ماحقر اس ہنگام بھی کرنا پڑا۔ گولیاں بھی چلانا پڑیں۔ لیکن تم لوگوں کو وہاں سے نکال لایا ہوں۔ اور اب تم دونوں یہاں موجود۔“

”واقعات اب بوری طرح کچھ میں آئے ہیں، برکت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن ابھی کچھ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم ہمیں کیوں لائے ہو، جبکہ ہمیں یہ بھی

معلوم ہے کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو تمہارا ہے۔ اس طرح ہم تمہاری راہ میں رکاوٹ ہو سکتے ہیں۔ پھر میں لائے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ضرورت ہے یہاں اس کا رونا میں تم لوگوں سے کام لینا چاہتا ہوں۔ تم لوگ میرے لئے بہت مفید ثابت ہو گئے اسی لئے میں نے یہ جھگڑا مول لیا ہے۔“

”کیا کام لینا چاہتے ہو؟ ورنہ جس کے پوچھا۔“

”ابھی نہیں میں نے پہلے ہی تم لوگوں کو بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اب کچھ انتظام کرو میں کسی کی آمد کا منتظر ہوں جب وہ آجائے تو پھر بتا دوں گا کہ تم لوگ میرے لئے کس طرح سودمند ثابت ہو سکتے ہو۔ اس وقت تم یہیں رہو۔ تمہاری ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا تب میں کسی چیز کی تکلیف نہیں ہونگی لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہاں سے جانے کی کوشش مت کرنا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے چاروں طرف بہت سے لوگ ہیں جو تمہاری کوشش کو آسانی سے ناکام بنا سکتے ہیں۔“

وہ جپ بڑی تیز رفتاری سے سوچ رہی تھی۔ اس جپ کو ایک دہراؤ دہرا کر ماحقر جس کے چہرے پر زخموں کے ان گنت نشانات تھے۔ ان نشانات نے اس کے چہرے کو بہت بھلا کر بنا دیا تھا۔ جپ کی انٹی بیٹ پر ڈراؤ کر کے بازو میں کئی عدد مقرر ماس اور باسکٹ جڑو رکھے تھے جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کی پچھلی نشست پر شان، تو بیٹھا تھا، اس کے ہارے داور تھا۔ ان دونوں نے خاکی لباس پہن رکھا تھا۔ ان کے پاس بندو قیں بھی تھیں۔ جبکہ ان دونوں کی جیبوں میں بھی خود کار ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ لظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ بڑے خطرے شکار کے ارادے سے نکلے ہوں۔ ان دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ جبکہ ڈراؤ کر گازی چلانے کے علاوہ اور کچھ چاہتا ہی نہیں تھا۔

یہ جب جس راستے پر سوچ رہی تھی اس کے ایک طرف کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ جبکہ دوسری طرف اونچے اونچے درختوں کا سلسلہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ راستہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ یہاں پہلے کچھ ڈراؤ کر گازی کے نشاندہ سمت کرتے ہوئے خطرے کی طرف دیکھا۔

”اب کس راستے پر چناؤ؟ اس نے پوچھا۔“

”واپس راستے ہمارے نشان آئے۔“ جواب دیا۔

”ڈراؤ کر گازی اس کی ہدایت کی تھی جپ کو واپس واپس

والے راستے پر دوڑا دیا۔“

”جلتے ہو میں اس بیمار کی بستی کی طرف کیوں جا رہا ہوں۔“ نشان ہونے داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”خفا ہے کرشن پر شاد کے لئے؟“ داور نے جواب دیا۔

”تم ٹھیک سمجھ؟“ نشان ہونے نے اپنی گردن ہلاتی۔ میں اس کے آدمیوں کو کھینچنے میں تو کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن وہ خود میرے ہاتھوں سے بچ نکلا۔ اور فرار ہو کر بیمار کے پاس پہنچ گیا۔ میرے سینے میں اس کے لئے انتقام کی آگ قبی ہوئی ہے۔ اسی لئے میں اپنے ذاتی انتقام کی غرض سے اس طرف جا رہا ہوں۔ حالانکہ مجھے اس معاملے میں دور رہنا چاہیے تھا بیمار کی بستی میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ لیکن یہ انتقام اس کی بہت بڑی بات ہے۔ یہ انسان کو اندر ہی اندر سلا کر رہتی ہے۔“

”میں بھی اسی لئے تمہارے ساتھ چل رہا ہوں؟“ داور نے کہا۔ اس کرشن پر شاد سے میرا کچھ جھگڑا ہے۔ پہلے میں اسے شکست دینا چاہتا تھا۔ اب انتقام لینا چاہتا ہوں۔ پہلے دوسروں کے لئے اس سے دشمنی تھی۔ اب اپنے لیے اس سے نفرت ہو گئی ہے۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کھایا۔ اس نے میری ایک عزیز دوست کو بڑی بے رحمی سے ہلاک کیا ہے۔ میں اس سے ان خرابیوں کا پورا پورا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں یہ جلتے ہوئے بھی بیمار کے لئے اس کے گرد بہت غصہ و حسد قائم کر رکھا ہو گا۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے تمہارے ساتھ چلا جا رہا ہوں، ورنہ اس سے پہلے میں نے ہمیشہ تمہارے کام نہ کیا ہے۔ کسی کے ساتھ شمولیت نہیں کی ہے۔ کیونکہ تمہارے ہی صورت میں میرے ساتھ چاہتا ہوں آزاد رہتے ہیں۔ اور میں اپنی مرضی سے انہیں استعمال کر سکتا ہوں۔“

”شاباش! نشان ہو مسکا۔“ میں اسی لئے تو تمہیں اتنا پسند کرتے اور اعتماد کرتے لگا ہوں۔ ورنہ کسی کی ہر لڑائی خود میرے بھی مزاج کے خلاف ہے۔“

”ایک بات میری کچھ میں نہیں آتی کہ ہر لوگ اس بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے یہ میرا مطلب ہے کہ جب وہ بیمار کی اتنی زبردست ساتھی قوتوں کا آگاہی ہے تو اس کی سب سے میں کس طرح کامیاب ہوں گے۔“

”اسی لئے تو میں نے لاڈلہ شکر اپنے ساتھ نہیں لیا ہے۔“

”شان ہونے بتایا۔ کیونکہ ایک بوری فوج بھی اس کی بستی میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی لئے میں نے یہ حقائق

کی ہے؟“

”پھر ہم کس طرح اس بستی میں داخل ہوں گے؟“ داور نے پوچھا۔

”تم نے بہت دیر کے بعد وہ سوال دریافت کیا جو پہلے دریافت کر لینا چاہئے تھا کیا تمہیں اس بات پر بھی حیرت نہیں ہوتی کہ اگر میری معلومات کے ذرائع کیا ہیں مجھے بیمار کی اس کے ساتھیوں اور ان کے متعلقہ افرادوں کے بارے میں کس طرح معلوم ہو گیا۔ پھر مجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ کرشن پر شاد بیمار کے پاس ہی موجود ہے؟“

”میں زیادہ سوال کرنے کا عادی نہیں ہوں؟“ داور نے کہا۔ میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا پھر یہ سوچا کہ تم خود ہی بتا دو گے؟“

”واہ! نشان ہو مسکا۔ یہ تم واقعی ایسے آدمی ہو کر تمہاری قدر کی جلتے۔ خیر۔ تو میری معلومات کا ذریعہ ایک عورت ہے۔ اور اسی کے حوالے سے ہم اس بستی میں داخل ہوں گے۔“

”کیا یہ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ عورت! کون ہے وہ عورت؟“

”بیمار کی بہن جو زلیخان! نشان ہونے جواب دیا۔“

”ہاں۔ وہ ساتھ دینے کے لئے تمہارے یہ کہہ کر وہ اپنے مزاج میں اپنے بھائی سے بالکل مختلف ہے۔ اگر اس نے ساتھ نہ دینی دیا تو ہم کم از کم اس کی مدد سے بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کے بعد خود دیکھ لیں گے کہ تم کیا کر سکتے ہیں۔“

”تم اس کی بہن کو کس طرح جانتے ہو۔“

”بیمار بہت پہلے ہندوستان آ گیا تھا۔ نشان ہونے بتایا۔ یہاں آنے کے بعد جب اس نے معاملات سنبھال کر لئے تو اپنی بہن کو بلا لیا۔ اس کی بہن کا قاعدہ باپ پورٹ اور وہ بڑے کے ساتھ ہندوستان آئی تھی۔ وہ بستی کے پوئی آؤں سے ہراتری تھی اس وقت بیمار کو اسے لینے کے لئے امر پورٹ آنا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ نہیں آ سکا اور اس نے چند رات ہی ایک آدمی کو بھیج دیا۔ چند ایک لاڈلی سا آدمی تھا۔ ویسے تو وہ بیمار کے سامنے بے کی طرح لرزتا رہتا تھا۔ لیکن جو زلیخان کو دیکھ کر وہ خود ہر طرف ہلکی ہلکی سہکا۔ اس نے جو زلیخان کے ساتھ کوئی بد نظری بھی نہیں کی۔ بس امر پورٹ سے سیدھے اسے اپنے آؤں سے لے گیا۔ اور جو زلیخان کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ وہ اس کے

پائل بن کو قبول کرے۔ جو زلیخان یہ دیکھ کر بہت برعمر ہوئی اس نے بہت شور مچایا لیکن چندر ہر تو بھوت ہوا ہو گیا تھا اس نے جو زلیخان کو جلانے نہیں دیا۔ اور اسی آگے کے ایک کمرے میں قید کر کے باہر سے اپنے خاص آڈیو کا پھر ونگوا دیا۔

اور لیما رنگ کا کیا ہوا کیا اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا اس کی بہن کہاں ہے؟

”اول تو لیما رنگ اس وقت اپنے معاملات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی اور دوسری بات یہ تھی کہ چند نے اس سے کہہ دیا کہ جو زلیخان اٹریلوٹ ہر دکھائی تو دی تھی لیکن اس کے لئے کہیں غائب ہوئی۔ لیما رنگ نے یہ سمجھ لیا کہ جو زلیخان کہیں سیر و تفریح کے لئے نکل گئی ہوئی۔ دراصل یہ دو دنوں بہن بھائی کی مزانج کے ہیں۔ ایک دوسرے سے متعلق بھی اور ایک دوسرے سے بے پروا بھی۔ اس دوران چند نے اس چندر کے آگے ہر قید رہائی۔ اس دوران چند نے اس کے آگے اپنا دل بچھا دیا۔ اس نے جو زلیخان سے کہہ دیا کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کا کیا حشر ہوئے والا ہے لیکن وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا ہے۔ اسی لئے اس نے استیفاء قدم اٹھا لیا ہے۔ اس نے جو زلیخان کو کوئی تکلیف نہیں دی۔ اس ہر ہاتھ تک نہیں اٹھایا۔ بلکہ اس کی باتیں سناتا رہا۔ ایک بار جو زلیخان نے غصے سے گلاس پھینک کر اس کا سر بچھا دیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔

”بہت ہی مستقل مزاج قسم کا عاشق تھا۔ ہاں۔ ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔ بہر حال کچھ دول کے بعد میری اور چندر کی مدد ہوئی۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے۔ چندر جسے جو کہ اپنا اذہ بنا رکھا تھا اس کی جگہ کی ضرورت تھی۔ میں نے چندر کو پیش کش کی تھی کہ میں وہ جگہ خریدنا چاہتا ہوں۔ فوری طور پر سودا بھی ہو گیا تھا پھر چند نے جو زلیخان کے آنے کے بعد اپنا ارادہ بدل دیا۔ اور مجھے کہہ دیا کہ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اذہ فروخت کر دے گا۔ مجھے چونکہ اس کی فوری ضرورت تھی۔ اسی لئے میں چندر کو بھالنے کے لئے اس کے آگے سے ہر پہنچ گیا۔ مزید اتفاق یہ ہوا کہ چند اس وقت اپنے آگے پر موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمیوں نے مجھے پہنچا لیا لیکن ہم رنگ کا کوئی ہوں۔ اسی لئے وہ مجھ سے بھگتے چند

نے اپنے اذہ کی نگہبانی کے لئے بے وقوف و لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے نہیں الجھتے تو میں چونکا نہیں ہوتا لیکن ان کے اذہ نے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اس آگے ہر کوئی نہ کوئی نہ کرے۔ میں نے ان لوگوں پر قابو لیا کہ جب اس آگے کی تلاش کی تو ایک کمرے سے جو زلیخان برآمد ہوئی۔

”ادہ۔ تو اس طرح جو زلیخان سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ پھر وہ ہماری مشورہ بھی ہوئی۔

”ہاں بہت زیادہ۔ اسی نے مجھے اپنے بھائی کے بارے میں بتا کر وہ ایک زبردست سائنس دان ہے اور ہندوستان آیا ہوا ہے۔ میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا اور جب چندر کو جا کر پوچھا تو اس نے لیما رنگ کے بارے میں مزید انکشافات کر کے دو چار دنوں کے بعد میں نے جو زلیخان کو اس کے بھائی کے پاس روانہ کر دیا تھا۔ وہ میری اس قدر احسان مند تھی کہ پھر اپنے ساتھ لے گئی اور کچھ ہی دنوں کے بعد اس کا خط آیا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس نے ملاقات کی جگہ روپ رنج تجویز بھی کی اس لئے جتنی سے کچھ فاصلے ہر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جہاں لوگوں کے میلے لگتے ہیں۔ بہر حال میں اس کے بتانے ہوئے دن اس سے ملنے گیا۔ اس ملاقات پر اس نے لیما رنگ اس کے ساتھیوں اور اس کی بہن کی بھائی ہوئی۔ جتنی کے بارے میں ایسے حیرت انگیز انکشافات کے کہ میں دن رات سوچ رہا تھا۔ اس وقت وہ چندر کی طرف سے بھی دینی تھی۔ تم اسی سے اندازہ کرو کہ وہ دل کی کتنی اچھی لڑکی ہے۔ چندر نے کہ جس کے ساتھ مدائی کی تھی۔ لیکن چندر کی نعت کا سے بے حد فاسوس ہوا تھا۔

”چندر کس طرح مر گیا تھا۔ پڑا دوسرے چونک کر بوجھا۔ اسے لیما رنگ نے ملنا تھا۔ شان ہوئے بتایا۔ جو زلیخان نے اپنے بھائی کے پاس پہنچ کر لوں ہی اسے چندر کے بارے میں بتا دیا۔ اور لیما رنگ نے اسے سزا دینا کہ مار ڈالا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے جو زلیخان کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اسی دن سے اسے اپنے خاتم بھائی کی لغزت ہوئی ہے۔ پھر جیسے جیسے جو زلیخان کو لیما رنگ کے ارادوں کا پتہ چلتا گیا اس کی لغزت بڑھتی چلی گئی پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے یہ سوچ لیا کہ اگر اس کا بس چلا تو وہ اپنے بھائی کو تباہ کر دے گی۔ اس لئے کہ وہ کراہ کر کھڑا ہوا دینی جس بستی میں جرائم کی باقاعدہ ہر ورش کی جہاد کی

اس نے اس کام کے لئے میری مدد بھی مانگی۔ لیکن ایک تو اس وقت میرے سامنے خود اپنے مسائل تھے۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ میں لیما رنگ کی طاقت کا پتہ نہیں کر سکتا تھا اسی لئے میں نے انکار کر دیا لیکن ساتھ ساتھ اسے یہ یقین بھی دلا دیا کہ جس دن میں نے اتنی طاقت حاصل کر لی۔ یا اپنے ارادے کو بخیر کر لیا۔ اسی دن میں اس کام میں اس کا ہاتھ بٹانے کے لئے اس کے پاس چلاؤں گا۔ پھر اس نے مجھے یہ بتایا کہ اسی بستی میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ اور میں جب جاؤں اس طریقے کی مدد سے بستی میں داخل ہو سکتا ہوں۔

”کیا طریقہ ہے۔ پڑا دوسرے دریافت کیا یہ میں اس لئے بوجھ رہا ہوں کہ شاید کبھی مجھے تنہا اس بستی میں جانا پڑا تو کیا کروں گا۔

”بہت آسان اور سیدھا سا طریقہ ہے۔ شان ہوئے نے بتایا۔ اس شخص نے اپنی بستی کے چاروں جانب اپنے آدمیوں کی چوکیاں قائم کر رکھی ہیں۔ یہ لوگ بظاہر سیدھے سادھے دیہاتی دکھائی دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ لیما رنگ کے ہر کام سے ہیں۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں ان کے پاس ہر قسم کے جدید ہتھیار اور آلات موجود ہیں ہمیں کسی ایک چوکی پہنچ کر صرف اتنا کرنا ہو گا کہ ہم انہیں یہ بتا دیں کہ ہم جو زلیخان کے ہمارے ہیں۔ اتنا سن کر وہ چوکی والے بستی میں رابطہ قائم کر کے جو زلیخان سے دریافت کر لیں گے اور اس کی اجازت ملنے پر ہم بستی میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جو زلیخان سے مل کر کوئی ہر وگرام بنایا جا سکتا ہے۔

دوسرے کچھ نہیں کہہ سکا اسے اب اس بستی کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ملک میں کوئی شخص کسی غیر ملک سے اگر ایک پورا سامانی کارخانہ قائم کرے گا۔ خوف اور دہشت کی فضا قائم کر دے گا۔ اور اتفاقاً یہ کچھ نہیں کرے گی۔ یہ حیرت کی بات تھی اگر شان ہوئے اس کی ملاقات نہیں ہوتی تو اسے لیما رنگ کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اس عجیب و غریب ہم کے دوران کیسے کیسے لوگ اس سے ملے تھے اور کیسے کیسے لوگ اس سے بچ رہے تھے۔ کیسے کیسے لوگ اس کی سامنے آئے تھے۔ کیسی کیسی کہانیاں سننے کو تھیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے حاصل کیا کچھ بھی نہیں۔ بس سوائے بھاک و ذرا خون خرابیوں کے

اور کیا حاصل ہوا تھا۔ اس کے ساتھی تک اس سے بچھڑ گئے تھے۔ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ اور یہ ہم شیعان کی بستی کی طرح طویل ہوئی جارہی تھی۔ وہ اپنے باپ دلا کر کے چڑ میں لگا تھا۔ اور بھگتا بھگتا شہانے کہاں پہنچ گیا تھا اور اب شان ہوتا ہی اس آدنی کے ساتھ۔ اجنی مقام کی طرف چلا جا رہا تھا۔

یہ شان ہو بھی عجیب مزاج کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اپنے آدمیوں کو بھگتا بھگتا اور فرمان وصال پر بچھڑ دینے والا لیکن دوسری طرف جرائم کی سرپرستی کرنے والا قتل و غارتگری جانے والا جو سب سے داور کے سامنے اس کا دشمن بن کر گیا تھا لیکن داور نے اپنی صلاحیتوں سے اسے موم کر لیا تھا۔ وہ اب داور کا خیر خواہ بن گیا تھا اور داور کے ساتھ ہر معاملے میں تعاون کرنے کو تیار تھا۔ خود ایک بہادر آدمی تھا اسی لئے اس نے داور کی قدر کی تھی۔

ساتھ میں ایک جگہ کر انہوں نے دو پہر کا کھانا بھی کھا لیا۔ بالکل ایسا ہی فاسوس ہو رہا تھا جسے وہ خود کے لئے لگے ہیں۔ ان میں سے کسی کے چہرے پر کرنے والی ہر لہائیوں اور خطروں کا کوئی احساس نہیں تھا جسے انہیں پرواہ ہی نہ ہو کر آئے والا وقت ان کے لئے کیا ہے کر گئے والا ہے۔ شان ہوئے کا ڈرا پور بھی اسی مزاج کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ پھر گئے کی طرف چل پڑے راستے میں ایک دیہاتی سے انہوں نے نیم گڑھ کا راستہ بھی معلوم کیا۔ وہ ضمیمہ راستے پر چلے گئے۔ اور اس دیہاتی کے مطابق نیم گڑھ اچھی بھی دو ٹھنوں کی مسافت پر تھا۔ اور وہ بستی کی سڑک گڑھ سے بھی آگے تھی۔ شان ہوئے کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ بستی ایک ایسی جگہ تعمیر کی گئی ہے جس طرف جانے ہوئے لوگ خوفزدہ ہو کر گرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ جگہ بھولوں اور رحوں کا ممکن بن گئی ہے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہاں لیما رنگ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیکر کر رکھا تھا۔

بہر حال آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا کہ انہیں اس ہم میں کامیابی ہونے والی تھی یا نا کامی لیکن اتنا ضرور تھا کہ اگر وہ ایک بار اس بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تو پھر کم از کم اس کالی موت کو ٹھہری لے گا جہاں سے کہنے ہی ہر دوں میں کیوں نہ رکھا گیا ہو۔ اس نے یہ قسم کھائی تھی۔ غیہ کر لیا تھا۔

یہ لڑکھڑکی سیٹھ میں انہیں دو گے بچلے تھیں گئے
 گئے تھے۔ یہ ایک چھوٹا لیکن صاف ستھرا شہر تھا۔ جہاں
 کے قابل دید مقامات میں ایک بادک اور ہمارا محل
 تھا۔ ان کی جیب اس قصبے کے مرکزی بازار سے گزرتی ہوئی
 آگے بڑھتی تھی۔
 قصبے سے باہر آنے کے بعد جو سب سے پہلے آدنی
 دکھائی دیا۔ جیب اسی کے پاس رک گئی۔ وہ ان دونوں کو
 دیکھ کر بہت حیران ہو رہا تھا۔
 کیوں بھائی! یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں شکار وغیرہ
 کھیلا جاسے؟ شان بھائی نے اس سے پوچھا۔
 "آپ لوگ شکاری ہیں؟" اس نے بڑی گہری لگا ہوا
 سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔
 "ہاں بھئی! کوشش کر رہے ہیں شاید کچھ ہانڈہ آجائے" واور
 نے کہا۔ پہلی بار اس طرف آئے ہیں۔ مانی نے راستہ نہیں
 معلوم کیا ہے۔
 "خوش اور دوسرے چھوٹے جانوروں کے لئے مکان
 بازی بہت اچھی جگہ ہے جناب! اس نے کہا۔ وہاں ساتھ
 پر چلتے چلے جائیں۔ آگے جا کر ایک چھوٹی سی آبشار سیٹی
 اس آبشار سے پانی کو محوم جالیں برنگنڈوں کی جھانپوں
 کے بعد رگن بڑی کی جھنگلات شروع ہو جائے ہیں جہاں
 چھوٹا شکار بہت ہے۔ آج کل سب لوگ اسی طرف جلتے
 ہیں۔ وورہ پہلے رام وادی جایا کرتے تھے؟
 "کیوں۔ اب رام وادی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟
 "وہ جواب کا خطرناک ہوئی ہے جناب۔ رات کے وقت
 عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ رنگ برنگی روشنیاں
 دکھائی دیتی ہیں۔ کبھی کبھی گولیاں چلنے کی آوازیں آتی ہیں۔
 انسانوں کی جہیز سنائی دیتی ہیں؟
 "والی! تو بہت حیرت کی بات ہے۔ شان بھائی نے
 حیرت ظاہر کی۔ کیا علاقے کی پولیس نے یہ نہیں چلایا کہ
 وہاں کیا ہے؟
 "پولیس والے بھی تو آپ اور ہم جیسے انسان ہی ہوتے
 ہیں بھائی! اس نے کہا۔ کچھ جگہ سے دو تین پولیس والے
 اوجھڑا کر غائب ہوئے ہیں۔ پولیس والوں نے دھیمان دینا
 ہی چھوڑ دیا ہے؟
 "یہ رام وادی ہے کس طرف؟" واور نے سرسری انداز
 سے پوچھا۔
 "وہ اس راستے پر ہے۔ آگے جا کر ایک کالی پہاڑی

آتی ہے۔ اس پہاڑی کو پار کرتے ہی رام وادی کے جھلدار
 شروع ہو جاتے ہیں۔ دھماکے نے خواب دیا۔
 "اچھا بھئی! تمہارا بہت بہت فکریہ؟" عثمان بھائی نے کہا۔
 اور ڈرامہ کو گاڑی بڑھانے کی ہدایت کی۔
 "خیر! مجھ کو ایک جھنگل کے ساتھ گاڑی آگے بڑھادی
 تھی۔
 "تو یہ رام وادی ہی ہماری منزل ہے؟" شان بھائی وورہ
 کے بعد بولا۔ ابھی تک تو ہم نے بڑے اطمینان کے ساتھ
 اپنا سفر انجام دیا ہے۔ لیکن اب رام وادی میں پہنچتے ہی
 ہمارے لئے دشواریاں شروع ہو جائیں گی۔ کوئی نہیں کہہ
 سکتا کہ وہاں پہنچ کر کیسے حالات پیش آئیں گے۔ اس لئے بہتر
 یہی ہے کہ اسے اب کو بھر سے ٹھٹھل لیا جائے۔
 "یہ بات نہیں سمجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" واور
 نے کہا۔ میں نے آگے بڑھا ہوا قدم کھینچے نہیں ہٹا دیا۔
 چاہے اس کا کچھ بھی ہو؟
 "مرگوا کہ تم واپس جایا جاسے۔ جو بے نشان ہوئے ڈرامہ
 سے ہو چکا۔ تم نے اب تک بہت سارے ساتھ دیا ہے۔ اور اگر
 تم واپسی کا فیصلہ کرو تو میں کوئی خیال نہیں کروں گا۔"
 "نہیں مالک! کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ تو مجھے شان بھائی
 کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تو مائل کی طرح ہمیشہ آپ
 کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ کا لگ کھایا ہے۔ اب چاہے کچھ
 بھی ہو جائے۔ میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا۔"
 واور دل ہی دل میں رنگے جذبے کو سرور کر رہا
 وہ ایک بہادر اور وفادار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس سفر کے
 درمیان پہلی بار رنگے نے اتنی بات کی تھی۔ وورہ وہاں واپس
 ہلاتا رہتا تھا۔ پھر ہوں ہاں کر کے رہتا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت
 ہو رہی تھی کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے کام سے کام
 رکھنے کا عادی ہے۔
 کالی پہاڑی تک پہنچنے میں انہیں مزید دو گھنٹے لگ
 گئے۔ اس دوران شام ہو چکی تھی۔ اور شام کی سیاہی ارد گرد
 کے مناظر پر اتارنے لگی تھی۔ وہ جیب اب جس راستے پر چل
 رہی تھی۔ اس کے ارد گرد کھیتوں کا تسلسلہ ختم ہو گیا تھا اور
 خود رو جھاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان خود رو جھاڑیوں
 کا اختتام ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہو رہا تھا۔ اس پہاڑی کو
 ساہو پہاڑی شاید اس لئے کہا جاتا تھا کہ دھوپ کی سختی نے
 چٹانوں کو سیاہ مائل کر دیا تھا۔ اس کالی پہاڑی کے عقب
 میں وہ سیدھا علاقہ تھا جہاں ان لوگوں کو جانا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنی جیب ہمیں کہیں چھوڑ دی
 جائے؟" شان بھائی نے کہا۔ سرمان ہم اپنے ساتھ لے لیں گے؟
 "اسکو بھی تو ہے ہمارے پاس؟" واور اس کی طرف دیکھتے
 ہوئے بولا۔
 "ماں! اول تو اس حادثہ کو ہی میں کام نہیں آئیں
 گے۔ اس کے علاوہ ہم بڑی بد وقتیں اپنے ساتھ بھی
 نہیں لے جاسکتے۔ ایسا کر لیتے ہیں کہ چھوٹے اسلحے اپنے
 ساتھ رکھ لیں اور بڑی بد وقتیں ہاتھوں میں لیں۔ آخر ہم
 شکار کی ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو کھانا بھی ہو گا۔"
 اس جیب کو یہاں پہاڑی کے دامن میں ایک ایسی جگہ
 روک دیا گیا جہاں سے وہ جیب دکھائی نہیں دی جاسکتی
 تھی۔ پھر ان لوگوں نے جیب سے سارا سامان نکلوا کر اگلے
 کھینچے۔ ہوتے آگے بڑھ گئے۔ اب تنگ کے سڑ میں انہیں
 کسی کی طرح زندگی کے آثار دکھائی دیتے نہ تھے۔ یا تو
 انسان نظر آتے۔ انسان نہ ہوتے تو کم از کم جانور اور پرندے
 تو نظر آئی جلتے۔ لیکن اب وہ جس راستے پر چل رہے
 تھے۔ وہاں ایک غیر فطری سامان تھا۔ ایسا انکی تھا جیسے
 یہاں بسنے والے پرندے اور جانور بھی اجرت کر گئے ہوں۔
 "بہت ہی غیر فطری سامان! کھانا کھانا ہے؟" واور نے
 شان بھائی سے کہا۔
 "ہاں میں بھی یہ محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن یہاں کی غلطی
 ایسی ہے کہ جانے کتنے طوفان اور ہلکے ہوٹھہ ہو گئے۔
 "وہ دیکھیں مالک! ان لوگوں نے جاگ ایک طرف اشارہ
 کیا۔ وہ ایک چھوٹی سی دکھائی دے رہی ہے۔
 "اوشی! یہاں جو جاؤ؟" شان بھائی نے خبردار کیا۔ پہلی جگہ کی
 آگ ہے؟
 "واور نے مستحش لگا ہوں سے اوجھڑا دھڑکیا وہ
 چھوٹی سی ان سے کچھ فاصلے پر جاتی ہوئی تھی۔ وہ ایک مامی
 چھوٹی سی تھی جس طرح عام طور پر ممالوں میں ہوا کرتی ہے
 بہتر اس چھوٹی سی کے آگے والے اچھے خاصے رقبے کو کھڑا
 نکالوں سے صاف کر دیا گیا تھا۔ واور کی عقائی لگا ہوا
 نے ایک اور چھوٹی سی بھی دیکھی۔ یہ چھوٹی سی پہلی والی
 بو پڑی کی سیدھ میں بنائی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ
 یہ چھوٹی سی میں سے بسنے والے کی لگا ہوں سے نکل
 رہا بہت خصل تھا۔ اگر چھوٹی سی والے دو تین سے بیٹھے
 ان تو ایسی صورت میں ان کی لگا ہوں سے پھنسا اور بھی
 کل ہو جاتا تھا۔

داوڑ سے دیکھا کہ انہیں چھوٹی سی کی طرف بڑھتے
 ہوئے دیکھ کر دو آدمی چھوٹی سی کے دروازے پر آکر
 کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ بڑی دلچسپ اور گہری لگا ہوں
 سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ بہت ہت
 تھے۔ کھلے انداز میں چلتے ہوئے چھوٹی سی کے پاس آکر
 کھڑے ہو گئے۔
 "بھائی! کیا ہم چھوٹی سی دیر یہاں رک سکتے ہیں؟" واور
 نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 "وہ دونوں قوی لکڑا اور خطرناک صورتوں والے ایسے
 لوگ تھے جنہوں نے دیہاتوں جیسے لباس پہن رکھے تھے
 لیکن ان کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسے لباس
 استعمال کرنے کے عادی نہ ہوں۔ ان کے چہرے، ہتھکے
 تھے کہ وہ نہ صرف شہری زندگی سے بہت اچھی طرح واقف
 ہیں بلکہ انہوں نے شہری زندگی کے تاریک پہلوؤں کا بھی
 سامنا کیا ہے۔ ان کے چہروں کی کشتی ان کے دلوں کی
 شقاوت اور بے رحمی کا اظہار کر رہی تھی۔ انہوں نے دھوپوں
 کے اوپر ہلکے کرتے مئے ہوئے تھے۔ اور ان کے
 دونوں پہلو بہت بڑے تھے کہ ان کے پاس ہتھیار بھی موجود
 ہیں۔ کون ہو تم لوگ؟" ان میں سے ایک نے ان کی طرف
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کے چہرے کی طرح اس کا بوجھ بھی
 کڑھتا تھا۔
 "ہم لوگ شکاری ہیں بھائی! شان بھائی نے جواب دیا۔
 "تھکے ہوئے اس طرف آگئے ہیں۔ کیا چھوٹی سی دیر کے لئے
 ہم اکرام نہیں کر سکتے؟"
 "اس علاقے میں شکار کہاں ملتا ہے؟" دوسرے
 نے کہا۔ تم لوگ غلط آگئے ہو۔ تو وہ ران علاقہ ہے۔ بہتر ہے
 کہ تم واپس چلے جاؤ؟
 "ٹھیک ہے۔ ہم واپس ہو جائیں گے۔ لیکن کیا ہمیں
 چھوٹی سی دیر کے لئے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں ہوئے؟" واور
 بولا۔ تم لوگ کیسے دیہاتی ہو۔ ہم نے تو یہ مقامات دیکھا تو
 میں رہنے والے سازوں اور جہانوں کا بہت خیال رکھا
 کرتے ہیں۔ اور تم جانے کے لئے گھر رہے ہو؟
 ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز لگا ہوں
 سے دیکھا پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "ٹھیک ہے آؤ
 اندر آ جاؤ۔"
 واور مسکرا دیا۔ اس کے خیال کے مطابق کھیل شروع
 ہو چکا تھا۔ ان کی جھپک یہ بتا رہی تھی کہ وہ بیمار کی گئی

آدمی ہیں۔ شان ہوئے جو زبان کے حوالے سے اس
 جہت میں داخل ہوئے کہ منصوبہ بتایا تھا لیکن دوا کے ذہن
 میں دوسری بات تھی۔ اس نے کوئی اور طریقہ مستوح نہ کیا تھا
 اور وہ جاننا تھا کہ اپنے منصوبے پر کس طرح عمل کیا جا سکتا
 تھا۔ وہ نشان ہو گا احسان مند ہو کر ہمیں رہنا چاہتا تھا کہ
 نہ ہی اسے یہ قبول تھا کہ وہ کسی کامیاب کے الگو کی طرح شان
 ہو گا ہدایات پر عمل کرتا رہے۔ یہ اس کے مزاج کے خلاف
 تھا۔

جوزلیغان کے ڈرائیونگ روم میں جوزلیغان اہلرام
اور مراد کے علاوہ دوا اور آدمی بھی تھے۔

ان میں سے ایک ڈاکٹر میکمل تھا۔ مجھ کو ماہر
ایک ماہر سرجن تھا جس کا نام میکمل نے پتیریا یا ایتھیر
خود بھی ایک ماہر ترین سرجن ہونے کے باوجود میکمل
جو برفان ہی کے مزاج کا تھا اسے لیماک سے نفرت
تھی۔ اس کی بلیسیوں سے نفرت تھی۔ اور اس کے رویے
سے نفرت تھی اور اس کے وجود سے نفرت تھی۔ اس کی
وجہ میکمل نے بہتانی تھی کہ لیماک نے اسے زبردستی
اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اس پر پناہ نہ دیا گیا
تھا۔ اس کی بیوی اور بچوں کو ملا کر دیا گیا تھا۔ اس کے
بعد سے زبردستی اس بات پر مجبور کر دیا گیا کہ وہ لیماک
کے ساتھ رہے۔ اس کے آدمیوں میں سے جس کے ساتھ
مجھ سرجری کی ضرورت پیش آئی۔ ڈاکٹر پتیریا اس وقت کام
آتا تھا۔

اما تھا۔
پیٹر کے بارے میں، سب کچھ میکمل نے بتایا تھا
جبکہ جوزیفاں صرف اتنا جانتی تھی کہ پیٹر لہارک کے ساتھی تھا
میں سے ہے۔ ان کے علاوہ اسے کچھ اور نہیں معلوم

تھا۔ اس وقت ان کے سامنے ایک میز پر مہر جی کے آلات کے برابر میں ایک چھوٹا سا بس بھی تھا۔ جی دھا کارا اور اٹھنا پیکس میں کائل اپنے ساتھ لایا تھا۔

وہ جوان تہا راجہ پر قابض وید ہے کہ پاپیڑے ہر نام
 کہا لیکن بہتر یہی ہے کہ ایک بار بھر سوچ لو، ہم لوگ
 جو طریقہ اختیار کر رہے ہیں، اس میں تہا راجہ موت
 یقینی ہے۔ موت تو خیر، ہم لوگوں کی بھی ہے لیکن ہمارا
 اٹھائی نہیں ہے۔ ہر دستہ ہے کہ اس تہا راجہ میں ہمیں
 کوئی رخ نکلنے میں کامیاب بھی ہو جائے لیکن تہا راجہ
 اڑ جائے گا۔

”میں نے بہت سوچ کر مری یہ فیصلہ کیا ہے کہ بلرام
سکراتے ہوئے بولا: زندگی انسان کو صرف ایک بار ملتی
ہے۔ اگر یہ کسی بڑے مقصد میں کام آ جائے تو اس سے کچھ
اور کہا بات ہوگی۔“

”ٹھیک ہے ایسا کائن نے ایک گہری سانس لی باب
میں تمہیں وہ ہم دیکھنا، ہوں جو شاید موجودہ عہد کا سب سے
جہت انجمن ہے؟“

اتنا کہ اگر اس نے دھاتی کبس اٹھا کر اسے کھول لیا
کبس کے اندر ایک چھوٹا سا کپہول رکھا تھا۔ اس کے اوپر
حصے میں لہریں بنی اور بگڑی ہوئی مخصوص ہوری کی کڑی
رج مٹنے پھیلنے پھر ختم ہو جانے اس کے نکلے حصے میں
ایک چھوٹی سوئی سی ہوئی تھی جو پیشے کے ایک کبس کے
اندر مٹھی۔ وہ سوئی دایں اور بائیں کو حرکت کر رہی تھی۔

ہے وہ ہم، یہاں تک کہ بڑی احتیاج کے ساتھ
ہم کو اٹھائے ہوئے بتایا، ہم تھوڑے کہیں زیادہ تیار
کرنے سے ہم اس الزام کو دیکھنے کے ذریعے کنٹرول کرتے ہیں اور
حقے میں رنگ بدلتی ہوئی وضو یا جھوٹی اثرات اور نانی
کو ظاہر کر رہی ہیں۔ جبکہ دوسرا حصہ ہمیشہ کی طرح ہے ایک
ایسے کمپیوٹر کی طرح جسے خیال کی اہروں کے ذریعے کنٹرول
کیا جاتا ہے۔ اس کی کنٹرول کرنے کے لئے جس شخص کا لکڑیا
جاتا ہے اس کی آواز اس کمپیوٹر میں محفوظ کر لی جاتی ہے
اس کے اندر ایک بہت مختصر سا کلمہ ————— رکھا گیا
ہے۔ جو اس شخص کی آواز اس کے بچے اور فرزند کی آواز
کر لیتا ہے۔ پھر جب وہ شخص وہی بات دہراتا ہے تو یہ کمپیوٹر
بہت آواز دہرائے گا جسے کوئی متحرک کر دیتا ہے اور اس طرح
ہم بھٹ جاتا ہے“

بہت سی حیرت انگیز ایجاد ہے؛ ہمارا ہے یہ صرف
 سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے ہمارا صاحب
 یہ کمال نے بتایا؛ ویسے اس سائنس بلانڈ جی ایجاد کے
 کسی اور ایجاد پر حیران ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی
 • مینک کہتے ہو وہ انگریز ہلرام نے ابھی کر دیا بلانڈ
 بہت آگے سو کر رکھا ہے، آنکھوں کو ابھی اور بہت کچھ
 باقی رکھا ہے، تو چلیں آپ لوگ اپنا کام شروع کریں
 تو پہلے تھریک سے دس تک گنتی گن کر یہ کمال نے
 کیا اس کہیہ ٹکڑے فیکر دیا جسے کاکا جب تم دس تک
 پہنچو تو پو پو بھڑک دے:

میکائل نے اس چھوٹے سے تھاکن کیپسول کا کوئی
حصہ دبا یا اور بہت لمبی سی گھون گھون کی آواز گونجنے لگی۔ یہ
آواز ایسی کھلی کہ بہت غصہ سے سننے کے بعد ہی غصہ مٹ سکی
جاسکتی تھی۔

لیکن اس وقت، اپنی سمت میں ہے۔ یعنی تم دس تک گنتی گن بھی لو گے تو تب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ صرف تہاری آواز غوغلا ہو جائے گی۔ جو بھرت تم اپنی تکی تک کر لو گے تو میں اس کپور کو روک سکتی ہوں۔ تو کروں گا۔ اس کے بعد جہاں تم نے دس تک گنتی گنی وہاں یہ ہم چھٹ پڑا جیلتہ شروع ہو جائیگا۔

موسلموں نے ایک نظریہ جو اہل ان کی طرف دیکھا اس کے
ہو نہ ہو دھیرے دھیرے اس طرح لڑ رہے تھے جیسے وہ
اپنی دلی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی
آنکھیں اداس تھیں۔ لیکن وہ اس طرح خاموش تھی جیسا
ہو رہی ہو۔ یا اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔

ایک آدمی ہلرام نے جوڑا ہاتھ کے چہرے سے لگا رہا تھا، ہونے لگی شروعات کر دی، آٹھ ٹوکوس پہ صوب لوگ سانسیں روکے ہوئے ہلرام اور اس کیپول کی طرف دیکھ رہے تھے جس کی سوئی دھبے دھبے اس طرح لرز رہی تھی جیسے اس کے اندر ارتعاش برپا ہو گیا ہو۔ اس کمرے میں سولے ہلرام کی آواز کے اور کوئی آواز نہیں مچتی۔ پھر اس عجیب اور سیدھا ماتحتی میں ہلرام نے اپنی کٹی مکمل کر لی۔ برکانے کے کیپول کی سوئی کو مثبت کرتے ہوئے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کیپول کا ذہن دوبارہ بند رہا رکھ دیا۔ اس ہم کایک مرحلہ ختم ہو چکا تھا۔ اس خطرناک اور تباہی دہانے والے چہرے سے جب میں ہلرام کی آواز بھردی گئی تھی جو دس تک لگتی تھی کے بعد اس ہم کو صحت کر سکتا تھا۔ اس کی آواز تباہی پھیلا رہی تھی۔ اس پورے علاقے کو گناہ کا دھبہ رہا سکتی تھی۔ ہوساری عزت تباہیاں ہلرام کی زبان کے نیچے قید ہوئی تھیں۔ اسے اب اس ہم کی تباہ کاری بہرہ ور اختیار حاصل ہو سکتی تھی۔

یہ کمال ہے کہ ہم رکھتے ہی اس کمرے میں زندگی کی ہر دوڑی جوڑ بھانسنے آگے بڑھ کرے سائنہ بطرام کھاتا ہے۔ لیکن اس نے اس بار بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن بطرام اپنی خاموشی کو کچھ کر دھیرے سے سکرا دیا جوڑ بھانسنے کی خاموشی نے نہت کچھ بتا دیا تھا۔

”غواب یہ تم ہم سے حکم کیا بند ہو گیا ہے۔ یہ کائنات نے
 ہم سے تم جب چاہے اسے تباہ کر سکتے ہو۔“
 ”میرے ذہن میں ایک اور بات آ رہی ہے،“ جلالہ
 ”ن لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے،“ اس کا ضروری ہے کہ اس
 ”کم کم بھاٹنے کے لئے اس کم کم کلمہ کے جسم کے اندر
 ”کھا جائے۔ جب یہ تم انہی طاقتوں سے ہوا ہے کہ
 ”جی رکھ کر چھوڑا جا سکتا ہے۔“

آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے جہاں یہ صاحب :-
 سکاٹلنڈ نے کہا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کے وقت نہیں
 ہے۔ وہ وہاں کا پلانٹ جس سال میں رکھا گیا ہے وہاں
 متن مضبوط بنایا گیا ہے کہ اس پر جس قسم کے بم کا کوئی اثر
 نہیں ہوتا ہو سکتا۔ یہ درست ہے کہ یہ ہم بہت تباہ کن ہے
 کے اثرات دور تک محسوس کئے جائیں گے لیکن اس
 سال پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ وہاں اور یہاں کی رہائش
 آہستہ آہستہ ہو رہی ہے۔ اگر یہ پوری جیسی بھی مکمل طور پر
 تباہ ہو جائے یہاں موجود شخص کی موت واقع ہو جائے
 اور صرف یہ کہ اور ٹرلر سٹریٹ پلانٹ باقی بچے تب بھی یہاں
 اس مسئلے کے ایک خطرناک خوفناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس
 کے علاوہ ہر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

”وہ کس طرح؟ ہمارا جہ نے بلوچستان تباہی کی صورت میں وہ افرادی قوت کہاں سے لانے کا؟“

”کہا ضرورت ہے افرادی قوت کی۔ وہ اپنے آپ کو ہزاروں صورتوں میں تخلیق کرے گا۔ ایک کی بجائے ہزاروں ہمارے گھومتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ایسی صورت میں وہ بھی زیادہ تہلی کا انداز لیتا ہے۔“

”اسی لئے تو میں جانتا ہوں کہ جلد از جلد کام شروع کر دیا جائے۔ مسٹر بیٹر آپ تیار ہیں؟“

”یہ آپ کی شہرت بہت معمولی ہو گا۔“ یہ سنے نے بتایا: اس
پیشوا کو آپ کی زبان کے اندر رکھ دیا جائے گا۔ تم اس پر
بیک خاص فکری کوٹ کر دیا گئے۔ اس کی وجہ سے جس
زمین کو بھی آپ کے جسم میں اس کی موجودگی کا پتہ نہیں
چلا سکتے گا۔ یہ نظم گر جو معمولی ہو گا۔ پھر بھی اسے جھوٹے
دعاؤں کا دن لگ جائیگا۔ اس دوران آپ کو مشکل
عام کرنا ہو گا۔

”جو شخص موت کے منہ میں جا رہا ہو اس کے لئے
میں سے کیا فرنی پڑتا ہے کہ اس کا زخم بھوے یا نہ بھوے؟“
ایلام مسکراتے ہوئے بولا۔

”تم واقعی بہت عظیم انسان ہو مگر اسے جو زیلجائن نہ کہد“
 ”میں نہیں بلکہ میرا جذبہ عظیم ہے“
 ”ایک ہی بات ہے عظیم جذبہ عظیم ہی لوگوں کے پاس ہو اگر تھے ہیں“
 ”تو پھر تم اس مہر پر لیت جاؤ تو جو ان سے بڑھنے ایک بڑی سی میری طرف اشارہ کرتا کہ یہ عظیم کام شروع کیا جائے۔ یہ وقت گواہ رہے گا کہ تم لوگوں نے پوری انسانیت کو ہمارا جیسے انسان کے شہر سے بہانے کے لئے ایک بہت بڑی قربانی دی ہے۔ اس عظیم کردار میں ہماری جیتیں نالوثی ہے۔ اصل کردار جو زیلجائن اور ہمارا ہیں“
 جو زیلجائن نے ہمارے کی طرف مسکراتے ہوئے ایسی لگا ہوں سے دیکھا جن میں اس کے لئے جھلکا اور فحش کا پیمانہ چھپا ہوا تھا پھر آگے بڑھ کر اس نے ہمارا ایک ہاتھ اٹھا کر اس کی ہتھیلی پر بوسہ دیا اور چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ہمارا مسکراتا ہوا اس میری کی طرف بڑھ گیا جس پر اسے سر جری کے عمل سے گزرنا تھا اور وہی وقت فون کی گھنٹی بج گئی۔

●

وہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔
 اس ہال کی بناوٹ۔۔۔ عجیب تھی۔۔۔ اس کی چھت بہت اونچی تھی۔ اور چھت پر مختلف رنگوں کی ریڑھیاں لہریں لے رہی تھیں۔ چھت کی سطح سے بچے جڑ جڑ اسٹائن لائٹ بھی لگی ہوئی تھیں۔ اس عظیم چھت کو ہمارا دینے کے لئے کئی عدد ستون بھی بنائے گئے تھے۔ یہ ستون کسی ایسی دھات کے تھے جن کی وجہ سے وہ جلتے ہوئے محسوس ہوتے ان ستونوں کے درمیان کلوز مرٹ گئے ٹی وی اسکرین نصب کئے گئے تھے۔ ٹی وی اسکرینوں سے نیچے ہر ستون میں بیوٹر نصب تھے جو اعداد و شمار کو ظاہر کرنے میں مصروف رہتے تھے۔

اس ہال کی دیواروں کے ساتھ ساتھ مختلف نوعیت کی مشین بھی لگی ہوئی تھیں۔ یہ مشینیں جہاد میں کسی رپورٹر سے لے کر ٹیکریک تھیں۔ ان مشینوں سے مختلف رنگ پر مینے تار نکل کر ہال سے باہر چلے گئے تھے اس ہال میں کوئی بڑی کونڈر واڈہ کوئی روشن دان نہیں تھا۔ اس کے باوجود محض کاشا نہیں تھیں تھا۔ گھون گھون کی ہلکی ہلکی آواز یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اس ہال میں کوئی بڑا منڈی شنگ ہون لگا ہوا ہے۔ اسی لئے اس ہال میں ایک خوشبواری مٹھنڈ لک پائی جاتی تھی۔ جبکہ ستونوں میں گئے ہوئے کپڑے بتا رہے

تھے کہ اس ہال سے باہر بھی خاصی گرمی پڑ رہی ہے۔ ایک دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا ڈائس بنا ہوا تھا۔ اس ڈائس پر شیشے کی عدد دیں تھے۔ یہ تابوت عیا کیس کسی انسان کے قبے کے برابر تھے۔ ڈائس کے مرکز میں ایک عیب قسم کی مشین تھی جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصے میں بے شمار ڈائل اور دین وغیرہ بنے ہوئے تھے جبکہ دوسرے حصے ایک شیشے نما بڑے سے کیس کا تھا۔ اس کیٹوں سے کئی عدد تار نکل کر دوسرے تابوتوں کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت اس مرکزی تابوت میں ایک انسان بند تھا۔ اس کے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں زندگی کی حرارت اور جگمگ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس شخص کے جسم سے کئی چھلکے ہوتے آتے تھے جیسے ہوئے تھے۔ جبکہ دوسرے تابوتوں میں آگے نیچے رنگ کی دھند بھائی ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں رکھے ہوئے ہر تابوت میں نیچے رنگ کا دھواں بھرتا جا رہا ہو۔ ڈائس پر جانے کے لئے کئی میٹریاں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے پہلی میٹریا ہر ایک طویل قامت آدمی تھا۔ اس نے سر سے پاؤں تک سفید رنگ کا ایک گاؤں پہن رکھا تھا۔ جس کے درمیان میں کمرے کے پاس ایک لمبی ڈوری بندھی ہوئی تھی۔ وہ چالیس پینتالیس برس کی عمر کا ایسا انسان تھا جس کے چہرے ایسے ہی تھے اس کی بے بناہ و بابت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی اتنی روشن تھیں جیسے چراغ جل رہے ہوں یہی ہمارا تھا۔ وہ اس وقت بڑی دلچسپی سے ڈائس پر رکھے ہوئے تابوتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک ڈائس کے نیچے والے ایک ستون سے ہلکی سی ہپ ہپ کی آواز آنے لگی۔ ہمارا کچونک کر اس ستون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس ستون کے ٹی وی اسکرین پر ایک انسانی چہرہ موجود تھا۔

”کیا بات ہے؟“ ہمارا کے لئے درشت بے میں ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں معلوم نہیں کہ میں جب تک اس ہال میں ہوں مجھے ڈسٹرب نہیں کیا جائے گا۔“
 ”میں ابھی طرح جانتا ہوں جناب“ ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والا بڑے ادب سے بولا۔ ”لیکن مجھے مجبور کیا گیا ہے کہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں“
 ”مجبور کیا گیا ہے۔ کیا بکواس کرتے ہو جس نے مجبور کیا ہے۔“

”منو ہر ہر کاش نے جناب“ ٹی وی پر دکھائی دینے والے نے جواب دیا۔
 ”کون منو ہر ہر کاش؟“
 ”مگر تم میرا بڑا بیڑ جناب۔ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“
 ”کیا بکواس ہے۔ اب میں ایسے آئے لوگوں سے ملنا ہمارا ہر ہم ہو گیا تھا۔“
 ”میں نے اسے مجھائی کی کوشش کی تھی ماس“
 ٹی وی پر نظر آنے والے نے کہا۔ ”لیکن وہ آپ سے ملنے کے لئے بعد ہو رہا ہے۔ میں نے جب اسے ملنا چاہا تو وہ مجھ پر ہتھولے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ہر حال میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ وہ آپ سے ضرور ملے گا۔ کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق وہ آپ کو کوئی اہم اطلاع دینا چاہتا ہے۔“
 ”کیا مصیبت ہے؟“ ہمارا نے کہا۔ ”چلو بلاؤ اسے“
 ”اب ٹی وی کے اسکرین پر ایک دوسرے آدمی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہ بھی ایک جوان العمر آدمی تھا۔ اور اس وقت بہت خوفزدہ دکھائی دینا تھا۔
 ”ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟“ ہمارا غرایا ہوا کہنا چاہتے ہوئے۔

ٹی وی پر نظر آنے والے شخص نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ ”ایسے نہیں جناب میں آپ کے سامنے آ کر عرض کروں گا۔“
 ”کیا بکواس ہے جلتے نہیں کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔“
 ”مجھے احساس ہے ماس۔ لیکن بات ہی ایسی ہے کہ صرف آپ سے ہی جاسکتی ہے۔ میں اس گستاخی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے گا۔ اگر وہ بات اہم ہو تو آپ مجھے کوئی ملر دیں گے۔ میں اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔“
 ”اچھا ہمارا نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو وہ بات ٹی وی پر آجی۔“
 ”جی جناب۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اسے میری ہی طرح سمجھ دیں گے۔“
 ”تھیک ہے تو پھر آئیے۔“ ہمارا نے لہری لڑن بلا دی۔

ہمارا کی اجازت کے ساتھ ہی ٹی وی کی اسکرین تاریک ہوئی۔ اس کے فونڈا اوردی وہ اسکرین دوبارہ

روشن ہو۔ اس بار مختلف منظر تھے۔ یہ منظر اسی شخص کے تھے جس نے ہمارا سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ وہ اب ہمارا سے ملنے کے لئے مختلف مرحلوں سے گزر رہا تھا۔ جدید احساسات کے ذریعے اس کی تلاش کی جارہی تھی۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک طویل راہداری میں جلتا ہوا دکھائی دیا۔ اس وقت ہمارا نے ٹی وی کے اسکرین سے لگا ہوا ہمارا ایک دیوار کی طرف جھکا دیں۔ کچھ ہی دیر بعد دیوار ایک طرف سمت کی اور دوسرے ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ اس ہال میں گئے بعد دیکھا کہ ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ یہاں پہلی بار آ رہا تھا۔ اسی لئے اس ہال نے اسے مرعوب کر دیا تھا۔ وہ ایک جگہ کھڑا ہو کر اس طرح دیکھ جا رہا تھا جیسے اس میں آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں رہی ہو۔ بالائی نے اس پر حاد و کر دیا ہو۔ اس کی حالت دیکھ کر ہمارا کے ہونٹوں پر ایک دلچسپی سی مسکراہٹ آئی۔ جیسے اس نے خود ہی ختم بھی کر دیا تھا۔
 ”آؤ آؤ وہ کھستہ تھے میں بولا۔“ وہاں کیوں رک گئے؟“
 ”منو ہر کاشیتے ہوئے قدموں سے ہمارا کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹی وی اسکرین پر وہ بہت خود اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن ہمارا کے پاس آنے کے بعد اس کی خود اعتمادی ہوا ہوئی تھی۔
 ”ہاں۔ کہو کیا بات ہے؟“ ہمارا نے بلے جھانک رہا تھا۔
 ”جلدی کہنا۔ اور بات بہت اہم ہوئی چاہیے۔ ورنہ بہت بڑا سلوک کروں گا۔“
 ”بہت ہی اہم بات ہے ماس۔ اسی لئے تو اقی بہت کر کے آپ کے سامنے چلا آیا ہوں۔“
 ”تو پھر بتاؤ کیا بات ہے۔“
 ”ماس۔ اب سے کچھ دنوں پہلے آپ کے حکم سے اس علاقے میں ہر جگہ جاسوسی کرنے والے خناس آلات لگا دیئے گئے تھے۔ یہ دو قسم کے آلات تھے۔ یعنی آواز لانے والے اور تصویریں دکھانے والے۔“
 ”ہاں۔ ہاں یاد ہے مجھے۔ ہمارا کچھ جھلکا رہا تھا۔“
 ”اصل بات بتاؤ میں یہ سب مسئلے سے جانتا ہوں۔“
 ”جناب اس مسئلے میں مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ بہت بڑی غلطی ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ جب اس غلطی سے ہونے والے فائدے پر مددگار نہیں گئے تو

مجھے معاف کر دیں گے۔
 ”بہ نہیں۔ تم کو بکواس کر رہے ہو۔ لیسا کو اب غصہ کرنے لگا تھا۔ جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔“
 ”جناب۔ بات یہ ہے کہ یہ آلات حرف دو اور تین ہوں گے علاوہ پورے علاقے میں لگا دیئے گئے ہیں۔ اب کی بہن جو ریفائن کے یہاں بھی ایسے آلات لگائے گئے تھے لیکن آپ کے کہنے پر یہ آلات ختم ہو کر جو ریفائن کے مکان سے ہٹائے گئے۔“
 ”ہاں۔ ہاں۔ ہیل۔ سب جانتا ہوں۔ لیکن تم مجھے کیوں یاد دلانے لگے ہو۔“
 ”اسی معاملے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے جناب۔“
 ”اب اگر تم نے صاف صاف نہیں بتایا تو میں اسی وقت تمہاری ججٹی کر دوں گا۔“
 ”نہیں جناب۔ میں بتا رہا ہوں آپ کو۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ علاج ایسے ہی آلات پر تعینات کیا گیا ہے۔ اس علاقے میں ہونے والی ذرا ذرا سی سرکوشی بھی میں ریکارڈ کر لیا کرتا ہوں۔ اگر عام سی باتیں ہوتی ہیں تو انہیں ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اگر خاص بات ہوتی ہے تو آپ تک پہنچا دی جاتی ہے۔ تو ہوا یہ جناب کہ آپ کی بہن ختم ہو۔ جو ریفائن کے یہاں سے آلات ہٹانے میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ نہ جانے کس طرح تصویریں اتارنے اور دکھانے والے آلات تو بٹالے گئے لیکن آواز سنانے والے آلات وہاں سے ہٹائے نہیں جاسکے۔ وہ اب بھی تک وہیں لگے ہوئے ہیں۔“
 ”کیا کہا؟“ اپنی بڑی غلطی۔“
 ”لیماک چیخ پڑا جاتے ہو تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔“
 ”مجھے اس کا احساس ہے جناب۔ لیکن اس غلطی کی وجہ سے ایک ایسی بات کا پتا چلا ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔“
 ”کون سی بات؟“
 ”آپ کی بہن ختم ہو کر ریفائن آپ کے خلاف ایک خطرناک سازش کر رہی ہیں۔“
 ”کیا؟“ لیماک اس بار گلا چڑا کر چلا تھا۔ اس نے اپنا منہ منوہر کی گردن پکڑی۔ بکواس کرتا ہے تو۔ میں تجھے گتے کی موت ماروں گا۔“
 ”نہ نہیں باس۔“ منوہر ہنسنے لگا۔ میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میرے پاس اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔“
 ”کہاں ہے ثبوت؟“ لیماک نے اس کی گردن چھوڑ

دی۔ ”بتا کہاں ہے ثبوت؟“
 ”منوہر نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا کیس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ لیسا جناب۔ میں نے اس گھر میں ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی ہے۔“
 ”لیماک اس وقت اس قدر بے قرار ہو رہا تھا کہ اس نے منوہر کے ہاتھ سے کیسٹ چھین کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ منوہر بھی اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ وہ دونوں دیوار کے پاس پہنچے تھے کہ ان کے قدموں کی آہٹ سے دیوار شق ہوئی اور وہ دونوں اس بال سے باہر آ گئے۔“
 ”لیماک ایک ایسے کمرے میں آ گیا جہاں مختلف قسم کے آلات کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہی کنٹرول روم تھا۔ اسی جگہ سے اس علاقے میں ہونے والی گفتگو سنائی جاتی تھی۔ اس کمرے میں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ جو لیماک کو دیکھتے ہی ہونکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ لیماک نے انہیں کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اور وہ کیسٹ چھوڑ کر منوہر کی طرف بڑھا دیا۔ چلو سناؤ اسے۔“
 ”منوہر نے اس کے حکم کی تعمیل میں ایک چھوٹے سے کیسٹ پلیئر پر وہ کیسٹ لگا دیا۔ آوازیں ابھرنے لگیں۔ یہ آوازیں جو ریفائن کی تھیں۔ میکائل کی تھیں۔ ڈاکٹر پٹری تھیں۔ لیماک کے لیے ان آوازوں کی شناخت مشکل نہ تھی۔ وہ بہت اچھی طرح ان آوازوں کو پہچانتا تھا۔ ان کے علاوہ دو اور آوازیں تھیں۔ یہ آوازیں بلرلم اور مہاراج کی تھیں۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کوسن سن کر لیماک کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ جارہے تھے۔ اس نے بڑی سختی کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو چھینچ لیا۔ اس کی آنکھیں خون برساری تھیں۔ وہ کچھ بھی سن رہا تھا وہ انتہا حیرت انگیز تھا۔ اس کی اپنی بہن جو ریفائن نے اسے تباہ کرنے کے لیے سازش شروع کر دی تھی۔ اور سازش بھی ایسی کہ جس میں اس کی تباہی لازمی تھی۔“
 ”گفتگو یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس بلرلم نامی آدمی کے بدن میں لیٹر بم کا کیپسول رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ منوہر نے کچھ اور غیب نہیں کیا تھا۔ وہ یہ غیر سنائے۔“
 ”یہ دھڑاتا ہوا لیماک کے پاس چلا آیا تھا۔ کیسٹ ج خاموش ہو گیا تو منوہر نے بڑے ادب کے ساتھ اسے بند کر دیا۔“
 ”تم واقعی انعام کے لائق ہو۔“ لیماک نے اپنی حال

پر تقابلاً پاتے ہوئے منوہر کی طرف دیکھا۔ ”کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟“
 ”یہ ایک ایسا سوال تھا جس کی منوہر نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ حیران لگا ہوں سے لیماک کی طرف دیکھنے لگا۔“
 ”میں پوچھتا ہوں، کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟“
 ”جی۔ جی جناب۔“ منوہر نے گڑ بڑا کر جواب دیا۔
 ”دو بچے بھی ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے۔ وہ لوگ کہاں رہتے ہیں؟“ ان کا پتا کیسا ہے؟“
 ”رام واس بلڈنگ۔ آندھری، بمبئی۔“ منوہر نے زبان ہمو کر بتایا۔
 ”ٹھیک ہے۔ تمہارا انعام تمہارے گھر والوں کو بھیج دیا جائے گا۔ تم نے واقعی ایک زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ ورنہ میں اندھیرے میں مارا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی تم نے جو ریفائن کے گھر سے سارے آلات تباہ کر دیے۔ بڑی غلطی کی ہے۔ اور تمہیں اس غلطی کی سزا موت کی صورت میں دی جائے گی۔“
 ”منوہر کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے پورے بدن پر لرز اٹھ رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن لیماک اس پر دھیان دینے بغیر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس وقت غصے کی شدت سے اس کے ذہن میں آنکھیں سی جل رہی تھیں۔ اگر جو ریفائن اس کے سامنے ہوتی تو وہ اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دیتا۔“
 ”وہ اسی طرح غصے میں بھرا تھا۔ اتنا ہوا اس عمارت سے باہر آ گیا۔ اس نے جو ریفائن پر سے نگرانی ختم کر کے ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اس علاقے میں اس نے دو ہی مقامات کو دارالامن قرار دیا تھا۔ ایک اس کی اپنی رہائش گاہ اور دوسرے جو ریفائن کا گھر۔ اور اب جو ریفائن ہی اسے تباہ کرنے پر تزل گئی تھی۔ اس جنت کو بر باد کرنا چاہتی تھی جو اس نے اپنی ذہانت سے تعمیری تھی اور لیماک نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ جو ریفائن کو ایسا نہیں کرنے دے گا۔ عمارت سے باہر آتے ہی اس نے اشارہ کیا اور ایک خوبصورت سیاہ سی گاڑی پھسلتی ہوئی اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ڈرائیور نے جلدی سے آنکر اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ لیماک ایک جھلکے سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کی ہر حرکت سے اس کا اضطراب اور

بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔
 ”جو ریفائن کی طرف چلو۔“ اس نے ڈرائیور سے کہا۔
 ”اور یہ پوچھنا کہ رو۔“
 ”ڈرائیور نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ریڈیو آن کر دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔“
 ”ہیلو۔ کالام۔“ اس نے ریڈیو پر کسی کو مخاطب کیا تھا۔
 ”جی باس۔ حاضر ہوں۔“ دوسری طرف سے کسی کی آواز آئی۔
 ”جو ریفائن کی رہائش گاہ کو گھیرے میں سے لو۔ لیماک نے کہا۔ آرمیوں کو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہونا چاہیے۔ سمجھے، فوراً۔“
 ”جی سمجھ گیا جناب۔“ دوسری طرف سے حیرت بھری آواز آئی۔ پھر یہ گفتگو ختم ہو گئی۔
 ”لیماک اضطراب کے عالم میں بار بار اپنے ہونٹوں کو چبا رہا تھا۔ اس کی گاڑی اس کی تخلیق کردہ عمارتوں اور مڑنوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ یہ سب کچھ اتنا حیرت انگیز تھا کہ پوری نسل انسانی کو اس پر فخر کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اس کی اپنی بہن انہیں تباہ کرنے کی کوشش میں تھی۔ اور وہ بھی اس لیے کہ اس نے اپنی ذہانت سے نگرانی کے خواب دیکھے تھے۔ اس کے حصول کی کوششیں کی تھیں۔ اور اس میں برائی بھی کیا تھی۔ وہ بے پناہ ذہین تھا۔ اس نے ایسا ہاتھ کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ وہ ان کیلئے کوڑا پر حکومت کرنے کے قابل تھا۔ اس کی تخلیق ہی اس لیے ہوئی تھی کہ وہ ایسے لوگوں پر حکومت کرنا رہے جو اس کی طرح ذہین نہیں تھے۔“
 ”کچھ ہی دیر بعد اس کی گاڑی جو ریفائن کے گھر کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کی ہدایت کے مطابق بہت سے لوگوں نے اس کی رہائش گاہ کو گھیرے میں سے لیا تھا۔ اور اب وہ لیماک کے دوسرے حکم کے منتظر تھے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں جدید قسم کے ایسے ہتھیار تھے جو بے لفاظ تباہیاں پھیلا سکتے تھے۔“
 ”ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ لیماک نے ڈرائیور کے دروازہ کھولنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے خود ہی دروازہ کھولا اور تقریباً دوڑتا ہوا جو ریفائن کی رہائش گاہ کا باطن داخل ہو گیا۔ اس نے ان لوگوں کی طرف بھی نہیں دیکھا تھا جو اس مکان کو گھیرے میں لیے کھڑے تھے۔“

اس کی دستک کے جواب میں جوزلفائن نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ لیہارک کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ لیکن یہ مسکراہٹ خوفزدہ سی تھی۔ جیسے جبراً مسکرا رہی ہو۔ لیہارک اسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ جوزلفائن کا خوف اور عروج پر پہنچ گیا۔

”کہاں ہیں وہ لوگ؟“ لیہارک نے چاروں طرف دیکھے ہوئے پوچھا۔

”کس کو تلاش کر رہے ہو؟“ جوزلفائن نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اب اس نے بڑی حذرک لپٹے خوف پر قابو پایا تھا۔

”وہی لوگ جن کی مدد سے تم نے میرے خلاف سازش کی ہے؟“ لیہارک نے کہا۔

”اوہ۔“ جوزلفائن نے ایک گہری سانس لی۔ ”توچہر تمہیں معلوم ہو گیا؟“

”ہاں۔ تم کیسا بھتیجی تھیں کہ اتنی بڑی بات مجھ سے چھپی رہ جائے گی؟“ لیہارک غرایا۔ ”کہاں ہیں وہ کینے لوگ۔“

”وہ کینے لوگ نہیں ہیں بھائی۔ وہ بہت بڑے لوگ ہیں۔“ جوزلفائن نے کہا۔ ”انسانیت کو سچانے والے اس کو تباہ کرنے والے سے زیادہ بڑے ہوتے ہیں۔“

”بلکہ اس بند کرو۔ میں تمہیں بھی اس حرکت کی نراواں گا۔ لیکن پہلے تم ان لوگوں کا پتا بتاؤ۔ کہاں ہیں وہ؟“

”تم خود انہیں تلاش کر لو۔“ جوزلفائن مسکراتی ہوئی بولی۔ ”لیکن تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو؟“

”آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے جوزی؟ تم میری بہن ہو۔“

”اسی لیے تو میں نے تمہارے خلاف یہ سب کچھ کیا ہے۔ بھائی کے گناہوں کا ازالہ میں تو کر سکتی ہوں۔“

”سکتا ہے اسی طرح ہمارے والدین کی روتوں کو کیسکون ل جائے۔ ورنہ وہ تو تمہاری حرکتیں دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے ہوں گے۔“

”کہاں ہیں وہ؟“

”میں کہتا ہوں اپنی زبان بند کرو۔ بتاؤ کہاں ہیں وہ؟ میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ وہ جیسے جہاں بھی ہوں، عبرتناک مزا سے تمہیں جک سکتے۔“

”انہیں خود بھی زندگی کی خواہش نہیں ہے بھائی۔“

جوزلفائن نے کہا۔ ”وہ مرنایا چاہتے ہیں، اسی لیے تو انہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔“

”کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟“

”نہیں، اب مجھے ہوش آ گیا ہے۔ پاگل پہلے تھی تم پر فخر کیا کرتی تھی کہ میرا بھائی اتنا ذہین ہے میں کبھی سمجھی کہ شاید تم نے اپنی بے پناہ ذہانت کے ذریعے انسانوں کی خدمت کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ہندوستان آئے تک مجھے کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ میں اسی خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے ارادے کیا ہیں، تم کیا چاہتے ہو تم کس طرح اس دنیا کو تباہ کرنے کے بعد اس پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ اور تمہارا ساتھ وہ دے رہے ہیں جو خود بھی تمہاری طرح ذہین لیکن مجرم ذہنیت کے ہیں اور۔“

”میں تمہارا ہوں اپنی بلکہ اس بند کرو۔“ لیہارک جھنجھڑا۔

”میں تمہارے پاس یہ سب سننے کے لیے نہیں آیا۔ مجھے تو ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ جنہوں نے مجھے سے غدار کی ہے۔ میں میکائیل اور پیٹر پر بہت بھروسہ کرتا تھا لیکن وہ دونوں گھٹیا ثابت ہوئے ہیں۔“

”ایسا بات کہو۔ تمہارے ارد گرد لوگوں کی جھپٹ میں وہی دونوں تو سچے انسان نظر میں۔“

”دیکھو جوزلفائن، تم میری بہن ہو۔ اس لیے میں تمہیں ایک اور موقع دے رہا ہوں۔ میں تمہاری غلطی معاف کرنے کو تیار ہوں۔“

”میری طرح اس ملک میں ہزاروں اور بھی عورتیں ہوں گی جو کسی نہ کسی کی بہن ہوں گی۔ میں اپنی ایک جان بچا کر سب کے لیے عذاب مول نہیں لے سکتی۔“

جوزلفائن بڑے اعتدال سے باتیں کر رہی تھی جبکہ لیہارک غصے میں جھلجھلا کر اپنا پاؤں فرش پر مارنے لگتا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

”اچھا، تم موت بتاؤ۔“ لیہارک نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی جیب سے ریولور نکال کر اس کا رخ۔

جوزلفائن کی طرف کر دیا۔ ”شاید تمہیں نہیں معلوم کہ انسان پر جب اقتدار کا نشہ سوار ہو جاتا ہے تو اس کی ہڈی ششیں بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی کوئی بہن نہیں ہوتی، کوئی بھائی نہیں ہوتا۔ تم بھی اس وقت میرے لیے صرف ایک عورت ہو۔ ایک ایسی کم عقل اور بد بخت عورت جس نے میرے خلاف بغاوت کی۔ اور میں ایسی کسی عداوت کو معاف کر دینے کا قائل نہیں ہوں۔“

اس نے اپنا ریولور والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ جوزلفائن نے اس وقت اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کسی بھی لمحے کوئی

چلنے والی تھی۔ لیہارک نے ریولور کے ٹریگر پر انگلی رکھی اور اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور میکائیل اور ڈاکٹر پیٹر دونوں باہر آ گئے۔ ان کے ساتھ ہلرام اور ہماراج بھی تھے۔ لیہارک نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔ وہ بڑی حقارت اور نفرت بھری نگاہوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تو تم جیسے خفیہ کاریوں نے اتنا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے، کیوں؟“

”ہاں لیہارک، ہم جیسے ہی کیڑے اس ظلم کی راہ روک سکتے ہیں، میکائیل نے کہا۔

”بہت دیر کے بعد ہوش آیا ہے تمہیں؟“ لیہارک نے طنز پر انداز میں کہا۔ ”کیا اس سے پہلے تمہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ کیڑا کر رہے ہو؟“

”ہوش جب بھی آجائے، اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔“ پیٹر بھی بول پڑا۔

”ٹھیک ہے۔ اگر تم لوگوں نے اپنا دماغ خراب ہی کر لیا ہے تو پھر عبرتناک انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ لیہارک غرایا۔

”تمہیں لیہارک، یہ عبرتناک انجام ہمارے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے ہو گا۔ ہلرام نے کہا۔

”میں اس وقت اپنا مکمل تعارف تو نہیں کر لوں گا لیکن اگر تمہیں سارے حالات کا علم ہو گیا ہے تو اتنا جان لو کہ وہ ہم میرے ہی بدن میں محفوظ ہے۔“

”کیا؟“ لیہارک نے ناقابل یقین لگا ہونے سے ہلرام کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ”ٹھیک ہے“ لیہارک نے ایک گہری سانس لی۔ ”اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تم لوگوں نے اپنی چالاک سے یہ بازی جیت لی ہے۔ تم واقعی مجھے تباہ کر سکتے۔“

”میں جبار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بنائی ہوئی بیحیرت انگیز دینا تباہ ہو جائے۔ تم لوگ اسے میرے جانے کے بعد حکومت کے حوالے کر دینا۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ یہ بستی محفوظ رہے گی۔“

”اور تم۔ تم کھانا چاؤ گے؟“ جوزلفائن نے پوچھا۔

”اب میرا میلہ کرنا ہے کار ہے۔“ لیہارک نے کہا۔ لہذا ختم ہو جائے تو کمزوروں کو پس پشت چلے جانا چاہیے میں بھی پس منظر میں جارہا ہوں۔ اب تم میں سے کوئی بھی میری ذہانت کی داستان نہیں سن سکے گا۔ اب میں کوئی ایجاد نہیں کروں گا۔ بھول جاؤں گا کہ میں ایک ذہین آدمی ہوں۔“

لیہارک جگہ اپنی زندگی بسر کروں گا جہاں مجھے شناخت کرنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ میرے لیے اب گناہی ہی بہتر ہوگی میں جا رہا ہوں تاکہ تم لوگ ایک نئی زندگی گزار سکو۔ ایک ایسی زندگی جس میں میرا کوئی خوف نہ ہو۔“

لیہارک کی آواز سے اس کی شکست کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس کمرے کی نصابی کھانک بوجھل ہو گئی تھی۔ وہ سب بڑی حیرت سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو اپنے لیے یہ تکر و غور کرتا تھا۔ لیکن اب وہ ایک ٹوٹے ہوئے بچے کا آدمی تھا۔ وہ ایک ایسا جواری تھا جس نے اپنی ہر بازی ہار دی ہو۔

لیہارک چند لمحوں تک ان لوگوں کی طرف دیکھتا رہا پھر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اور دروازے کے پاس پہنچ کر وہ اچانک مڑا اور اس نے اپنے ہاتھ میں دیے ہوئے ریولور کا ٹریگر دبا دیا۔ اس نے ہلرام کا نشانہ لیا تھا۔ گولی کی آواز اس کمرے میں گونج اٹھی۔ ہلرام پہنچ کر ایک طرف الٹ گیا۔ وہ گولی اس کے پیٹ میں دھنس گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی لیہارک کا قبضہ گونج اٹھا۔

”یہ وقفہ۔ تم لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں واقعی اس حیرت انگیز بستی کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا۔ میں نے اس شخص کو گولی مار لی ہے جس کے بدن میں یہ محفوظ ہے۔ اس بم کو فعال کرنے کے لیے اسے یقیناً وہ کم گناہ ہو گا اور میں اسے گولی مائل کرنے نہیں دوں گا۔ سمجھے۔“

سب کے سب سستے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔ بازی اچانک الٹ گئی تھی۔

”تم وحشی ذلیل۔“ جوزلفائن بھرا تھی۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی ہلرام کے پاس پہنچ گئی۔ ”گناہ شروع کر دو ہلرام، خدا کے لیے گناہ شروع کر دو۔“

ہلرام نے اپنی بھتیجی ہوئی آنکھوں سے جوزلفائن کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اسی وقت لیہارک نے دوسری گولی چلا دی۔ یہ گولی ہلرام کے شانے میں اتر گئی تھی۔

”ایک۔ دو۔“ ہلرام نے کائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کھڑے ہو جاؤ تو کم ہو گے ہلرام کے شانے میں اتر گئی تھی۔ ہماراج، پیٹر اور میکائیل ہلرام کے سامنے دیوار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ہرٹ جاؤ ایک طرف۔“ لیہارک غرایا۔ ”ورنہ ایک ایک کو مار ڈالوں گا۔“

ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ لیہارک نے

عمل کر تھیری گولی چلا دی۔ یہ گولی مہاراجہ کو لگی تھی۔ وہ اپنا سینہ پھوڑ کر ایک طرف گر پڑے۔
 ”تین چار۔“ ہزارم کی آواز ابھری۔
 ”بولتے رہو ہزارم۔“ جوزیفائن چیچی ”میں بھی تمہارے پاس ہوں۔ تمہارے ساتھ مہروں کی۔“

”تاج۔“ چھ۔
 ایک اور گولی۔ ایک اور موت۔ ہزارم کی گنتی کچھ اور آگے بڑھ گئی۔ سات۔ آٹھ۔

ان دونوں دیہاتیوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد داؤد نشان ہوا اور رنگو کو جھوٹری میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ جھوٹری خالی تھی۔ یعنی اس میں ایسا کوئی سامان نہیں تھا جو عام طور پر گاؤں کی جھوٹریوں میں ہوا کرتا ہے۔ فرش پر ایک طرف گھاس چھوس کا بستر تھا جس پر چادر ڈال دی گئی تھی۔ ایک طرف مٹی کا بنا ہوا ایک چوہا تھا جس کے قریب کچھ برتن رکھے تھے۔ اور ایک طرف ٹکڑی کی کچھ بیٹیاں تھیں جن پر بھی چادریں ڈھکی ہوئی تھیں۔

وہ بیٹیاں بڑی بے تکلفی سے بستر پر آتی پالتی بارک بیٹھ گئے۔ جبکہ جھوٹری میں رہنے والے دونوں آدمی ابھی تک بڑی مشکوک نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔
 ”کیا تم لوگ اس سے پہلے کبھی اس علاقے کی طرف نہیں آئے تھے؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

”نہیں۔“ داؤد نے جواب دیا۔ ”یہ پہلا موقع ہے اسی لیے تو راستہ بھول پڑے ہیں۔ لیکن تم لوگ بار بار یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی سرحد کی چوکی ہو۔“

”ہم تو بس یونہی اپنی کھوئی شائے کے لیے پوچھ رہے ہیں۔“ دوسرے نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اب میں تم لوگوں کو صاف صاف بتا ہی دوں۔“ شان ہوان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
 ”کیا مطلب؟“ وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ بات کوئی اور ہے کیا؟

”بات یہ ہے کہ ہم تمہاری جوزیفائن کے مہمان ہیں۔“ شان ہوانے بتایا۔

”کس کے مہمان؟“
 شان ہوانے ابھی ہوئی نگاہوں سے داؤد کی طرف دیکھا۔ پھر ان دونوں سے مخاطب ہوا۔ ”جوزیفائن کے۔ اگر تم لوگ چاہو تو ان سے پوچھ بھی سکتے ہو۔ میرا نام شان ہو

ہے۔ صرف اتنا کہ دنیا کا بی ہوا گا۔ وہ ہمیں خود تلاش کی گی۔“
 ”اوہ۔“ ایک دیہاتی نے گہری سانس لی۔ ”تو یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی؟“
 ”میں نہیں نہیں تھا کہ تم لوگ وہی ہو۔“ شان ہوانے کہا۔
 ”ہاں۔“ ہم تو وہی ہیں لیکن تم لوگ کوئی اور معلوم ہوتے ہو۔“ ایک دیہاتی نے یہ کہتے ہوئے اچانک اپنے کرتے کے دامن کو اٹھا کر ایک ریو اور نکال لیا۔
 پرتینوں اس ریو اور کو دیکھ کر اطمینان سے بیٹھے رہے تھے۔

”اب بتاؤ، تم لوگ کون ہو؟“ ریو اور والے نے کہا۔
 ”جب تک ہمیں اطمینان نہیں ہوگا، ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے۔“

”تمہارے اطمینان کے لیے کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ ہم جوزیفائن کے دوست ہیں؟“ داؤد ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میرے دوست نے کہا ہے کہ تم اگر چاہو تو جوزیفائن سے رابطہ قائم کر کے ہمارے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔ اگر تمہاری جوزیفائن نے ہمیں بستی میں داخل ہونے کی اجازت دے دی تو پھر جھک سکتے ہو۔ ورنہ تم ہمیں گولی مار دینا پس اس سے زیادہ ہم اپنے لیے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ریو اور والے نے دوسرے سے شخص کا اشارہ کیا۔ دوسرا ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے جھوٹری سے باہر چلا گیا۔ اور اسی لمحے وہ سب کچھ ہو گیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دوسرا شخص جھوٹری کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسی وقت قیامت برپا ہو گئی۔ یہ ایسی قیامت تھی جس نے انہیں زمین سے الگ کر دیا تھا۔ وہ دھماکہ اتنا شدید تھا جیسے ہزاروں آتش فشاں ایک ساتھ چھٹ پڑے ہو۔ داؤد نے بولکھلا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن آگ کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ ہزاروں چنگاریاں، ہزاروں شعلے ہزاروں زلزلے، وہ ان چنگاریوں اور شعلوں کے درمیان گھر کر رہ گیا تھا۔ اس کی آواز بند ہو گئی اور پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔



ایکے مستقل دھماکہ، مستقل کرب، مسلسل دکھ۔ ہر طرف مٹی بلی چنگاریاں ان چنگاریوں کے درمیان دھوکا لہرائی تھی۔ ہر دھوکا دوڑ رہی تھی۔ جیسے درو کو بھی صورت مل گئی ہو۔ آتش فشاں پہاڑ تھا جس کے اندر لاوا پک رہا تھا چھری لاوا پوری شدت کے ساتھ دہانے سے باہر آ جاتا۔ بوسے بدن پر پھیل جاتا اور بدن کو اس طرح جھٹکے لگتے لگتے جیسے کئی کے تار بدن سے باندھ دیئے گئے ہیں۔ درو کی لہریں پہلے تو جسم کے کسی ایک حصے میں بے وار ہوئیں پھر بڑھتے ہوئے سبیل کی طرح پورے بدن کی رگوں میں دوڑنے لگیں۔ دماغ پر محیط ہو جائیں۔ دماغ کے کرب کو جسم اور جسم کے دکھ کو دماغ محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ دماغ کی خواہش، ہونی کو وہ سوچا۔ اس پر مدد ہوئی اور مٹی طاری ہوئے۔ لیکن دھماکہ ہوا کرب دماغ کو بھی جگمگاتے رکھتا۔ نجانے کتنے زمائے اسی طرح گزر گئے۔ شاید وقت کا احساں اسی وقت ہوا کرتا ہے۔ جب زندگی طرب اور نشاط کے درمیان گزر رہی ہو۔ لیکن جب اسی زندگی درد اور دکھ کا آتش فشاں بن جائے تو وقت، محمد ہو کر رہ جاتا ہے۔ بہت دھیرے دھیرے سڑ کر رہتا ہے۔ بہت آہستہ دھڑکتا ہے۔

لیکن وقت کی تیز رفتاری اور آہستہ روی کا احساس بھی ذہن کی بے داری سے ضرور ہو کر رہتا ہے۔ ذہن سویا ہوا ہو تو یہ احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ ہسپتال کے ایک کمرے میں بے شمار بیٹوں سے لپٹا ہوا دھمک ایک جہم رہ گیا تھا۔ ایک ایسا جہم جو ابھی صرف جسم تھا۔ اور جس کی کوئی شناخت نہیں تھی جس کا کوئی چہرہ نہیں تھا جس کا کوئی نہیں تھا کہ وہ اگر اس کی پہچان کر سکتا پس کچھ مدد قسم کے ڈاکٹر تھے جو اس دم توڑتے ہوئے جہم کو زندہ رکھنے کی کوشش میں خود بھی توانائی کم کرتے جا رہے تھے۔

آتش کو جس وقت ہسپتال لایا گیا تھا اس وقت اس کی صرف سانس باقی تھیں۔ اور وہ بھی ایسی کم کسی وقت بھی دھوکا لہرائی تھی۔ یہ ایک ایسا ایجنسی کیس تھا کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی ٹیم اس کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹروں کا بھی خیال تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی خراب حالت اس سے پہلے کبھی کسی کی نہیں دیکھی

ہوگی۔ اس کا پورا جسم ریزہ ریزہ گیا تھا۔ آنکھوں سے لے کر ہر تنگ شے کی حالت میں تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جسم کو ڈائنامائٹ کر دیا گیا ہو۔ ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کی سانس بھی کیوں چل رہی ہیں۔ انہیں تڑپتے پہلے ہی ڈوب جانا چاہیے تھا۔ لیکن بعض لوگ اتنے سخت جان ہو کر گرتے ہیں کہ مرنے میں بھی اچھا خاصہ وقت لے لیتے ہیں۔

ڈاکٹروں کی اس ٹیم میں چار ڈاکٹر تھے۔ کرنل راجندر، پروفیسر جہان ڈاکٹر رومان اور ڈاکٹر میاش۔ یہ چاروں ملک گیر شہرت کے حامل تھے اور ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی کیس ان کے لئے چیخ بن گیا تھا۔ مریض کی ابھرتی اور ڈوبتی ہوئی نبضوں کے ساتھ ساتھ ان کے دل بھی ابھرتے اور ڈوبتے رہتے تھے۔ اس مریض کے معائنے کے بعد ہر شام ان ڈاکٹروں کی میٹنگ ہوا کرتی تھی جس میں وہ ان مریض کے متعلق گفتگو کرتے اور اپنی اپنی رائے پیش کرتے۔ اس مریض کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ حکومت کو بھی اس مریض کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا۔ حکایت کے اعلیٰ عہدیدان دن میں کئی بار فون کے ذریعے باؤد اگر ڈاکٹروں سے اس مریض کی رپورٹ لیا کرتے تھے۔

اس مریض میں حکمت کی دیکھی کی وجہ یہ تھی کہ یہ جس جگہ سے پایا گیا تھا وہ پورا علاقہ کسی انجانی وجہ سے مکمل طور پر بدستار ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس علاقے پر ایٹم بم گرا دیا گیا ہو۔ آس پاس کے کئی دیہات بھی آگ تباہی کی زد میں آ گئے تھے۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ سیلوں دور تک سنا گیا تھا۔ دھماکے کے بعد کئی میل کے علاقے میں خوفناک آگ بجھ کر اٹھی تھی۔ آس پاس کے جنگلات اس آگ کی لپیٹ میں آ کر راکھ بن گئے تھے۔ اس پورے علاقے کی پولیس امدادی جماعتیں ایضا کھارہستے اس طرف بھیج دیئے گئے تھے۔ یہ لوگ کئی دنوں تک آگ کے کھٹے کا انتظار کرتے رہے تھے۔ حکومت کو اس کی اطلاع پہنچائی تو نو فوجوں نے اس پورے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ کسی کو بھی اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ حکومت نے اپنے اعلیٰ افسران کو اس علاقے کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہاں کی صورت حال کی تفصیلی رپورٹ تیار کر سکیں۔ ان لوگوں کی بھیجی ہوئی رپورٹیں بھی بہت حیرت انگیز ثابت ہوئی تھیں

ان ہی روروں کو سامنے رکھ کر اخبار والوں کو منہ دے ڈیل
خبر ڈرامہ کی تھی۔
”نیم گھنٹہ سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل میں کسی انجان
وجہ سے حیرت انگیز تباہی مبرما ہو چکی ہے، پہلے وہاں ایک
زوردار دھماکا ہوا اس کے بعد اس علاقے میں ایک بھونک
اٹھی، دھماکا اتنا شدید تھا کہ اس باس کے کئی دیہاتوں کے
مکانات زمین بوس ہو گئے۔ اور آگ اتنی شدید تھی کہ اس آگ
نے جنگلات کو تباہ کر کے رکھ دیا، آگ بجھانے کے بعد اس
علاقے کی تلاشی کے دوران یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ یہاں
کوئی ایسی موجود نہ تھی، کوئی ایسی حکومت اور خوام کے لئے
اجنبی تھی، اس بات کے ٹوٹے ہوئے مکانات اس بات کی گواہی
دے رہے ہیں کہ یہاں آبادی بھی راسخ ہو گئی، سب سے حیرت
انگیز بات یہ ہے کہ ایسی پیچیدہ شہینوں کے چلے ہوئے ٹوٹے
مٹے ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا
ہے جیسے اس بات میں کوئی سائنسی نوعیت کا بہت بڑا کام
ہو رہا ہو۔ اس کے علاوہ ان گنت جلی ہوئی لاشیں بھی درمیان
ہوئی ہیں۔ البتہ اس تباہ شدہ علاقے سے کچھ فاصلے پر ایک
ایسا شخص بھی ملا ہے جو بہت بری طرح زخمی ہے، اس شخص کا
انتہائی ٹھیکہ لاشت کے شعبے میں علاج کیا جا رہا ہے۔ اس
کے ہوش میں آنے کے بعد اس حیرت انگیز واقعے کے متعلق
انکشافات کی توقع ہے۔“

کچھ اسی قسم کی خبریں ”بیرونی اخبارات میں بھی شائع
ہوئی تھیں۔ وہ علاقہ پورے ملک کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔
ہندوستان کی انجی توانائی کے چیرمین کے اس بیان نے اور
بھی صورتحال کو پرامن بنا دیا تھا کہ اس علاقے میں تباہ کاری
کے اثرات پائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کو اور کچھ بھی معلوم
نہیں ہو سکا تھا۔ بس سارا دار و مدار اس شخص پر تھا جو آواززدہ
رہتا تو اس راز سے پردہ اٹھا سکتا تھا لیکن ڈاکٹروں کے
خیال میں اس کی زندگی کے امکانات بہت کم رہ گئے تھے۔
آج بھی ڈاکٹروں کی میننگ میں اس مریض کے بارے میں
گفتگو ہو رہی تھی، آج کی میننگ اس لئے بھی لازم تھی کہ اس
میں وزارت داخلہ کا ایک اعلیٰ نمائندہ بھی شامل تھا۔
”اس شخص کی زندگی ایک معجزہ ہے، کرنل راجندر نے چلا
طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر اس کی صرف سانسیں بھی باقی
ہیں تو بھی، حیرت کی بات ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس شخص کی قوت ارادی حیرت انگیز ہوگی
ڈاکٹر ہمیش نے کہا کہ اس کی قوت ارادی ایسی ہے کہ وہ اپنے
لاشور میں بھی موت کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔“
”کیا اس کی شناخت کا کوئی طریقہ نہیں ہے، پٹھان
داخلہ کے نمائندے جہاد پورے دریافت کیا۔
”اس کا چہرہ ہی ناقابل شناخت، بوٹلیا ہے جب ڈاکٹر
روٹی لے بتا: ”اسی لئے اس کی شناخت بھی نہیں ہو سکتی۔“
”کاش وہ کسی طرح ہوش میں آجائے جہاد پورے کہہ
جب سے ہمیں بہت چلہ ہے کہ اس علاقے میں ناکارہ لاش
اغرات پائے گئے ہیں اس وقت سے اس کی زندگی اور بھی اہم
ہو گئی ہے اس کے علاوہ کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ اس
علاقے میں کیا ہو رہا تھا۔“
”ہم لوگ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن
کسی بھی صورت میں کوئی یقین نہیں دلایا جا سکتا۔ اگر وہ زندہ
رہ گیا تو شاید اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہو گا۔“
”اس کے علاوہ اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی
شناخت کا مرحلہ اور بھی دشوار ہو جائے گا، کرنل راجندر نے بتایا۔
”وہ کیوں؟ جہاد پورے کرنل کی طرف دیکھا۔
”اس کے چہرے کو ٹھیک کرنے کے لئے ہم اس کی پلاننگ
سر جری بھی کر رہے ہیں، کرنل نے کہا، ”اگر اس کی پلاننگ
سر جری نہیں کی گئی تو چہرے کے زخم اس کی جان لے لیں گے۔“
”اوہ۔۔۔ تو بہت مشکل ہوگی، جہاد پورے اپنی گردن جھٹکی۔
سر جری کے بعد کون اسے پہچانے گا۔“
”وہی بھی کوئی اسے پہچان نہیں سکتا، یہ بات ڈاکٹر ووفی
نے بھی تھی۔“ اس کا چہرہ اتنا سخ ہو گیا ہے کہ ناقابل شناخت
ہے۔“

”چلیں جو آپ کی مرضی، جہاد پورے ایک ٹھری سانس
لی اور ہمیں تو دیکھتے ہی اس کے چہرے سے نہیں بلکہ اس
کے ذہن سے دیکھ رہے ہیں۔ ہمہ طلب ہے کہ اس کی یادداشت
بحال رہی جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ چہرے کے ساتھ ساتھ اس کی
یادداشت بدل جائے۔“

”امکانات تو ہیں لیکن اس کے ہوش میں آنے کے بعد
ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، کرنل راجندر نے کہا۔
جہاد پورے دیران کے ساتھ بیٹھنے کے بعد داہیں چلا
گیا۔ اس کے جانے کے بعد ان ڈاکٹروں نے ایک باہر نرس

مریض کے ہاتھ میں گفتگو شروع کر دی۔ ان دونوں کے پاس
اس مریض کے علاوہ اور کوئی موضوع نہیں رہ گیا تھا۔ وہ ان
کے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گیا تھا، میننگ ختم ہو جانے کے بعد
وہ چاروں پھر اس مریض کے کمرے میں آگئے جہاں دو چیز
ڈاکٹر مریض کے روتے کے پاس موجود تھیں۔ اس وقت اسے خون
دیا جا رہا تھا جبکہ آئین کے سینڈر اس کمرے میں تیار کئے ہوئے
تھے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورتحال میں مریض کی سانسیں بحال کی جا
سکیں۔ وہ چاروں بجوے، میننگ مریض کے کمرے میں رہے
پھر جو چیز ڈاکٹروں کو ہدایات دے کر واپس آئے۔ اب ان کے
راستے الگ الگ ہو گئے تھے۔

کرنل راجندر کو اپنے عین کی طرف جانا تھا جہاں کچھ اہم
لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ پروفیسر جہان کو اپنے بچہ کی
تجاری کرنی تھی، ڈاکٹر ووفی کو کھروا پس جانا تھا کہ وہ زخمی ہوئی
ٹوے کر شادی کی ایک تقریب میں جا سکیں، جبکہ ڈاکٹر ہمیش
نے ابھی دھوت نرملا کو منے کا وقت دے رکھا تھا۔

نرملا اور ہمیش کی ملاقات ایک لیتوران میں طے ہوئی
تھی، ڈاکٹر ہمیش جس وقت اس لیتوران میں پہنچا نرملا اپنے
سے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی، ہمیش کو دیکھ کر اس نے بڑا
سامنے بنالیا، ہمیش مسکراتا ہوا اس کے سامنے والی کرسی پر
بیٹھ گیا۔

”ابھی اتنی جلدی آنے کے لئے کس نے کہا تھا؟ نرملا
نفس سے بولی، کچھ دیر اور لگا دیتے۔“

”ہم ڈاکٹروں کے لئے بہت کی چیزیں لائیں، اگر کرنی ہیں نرملا
ہمیش نے کہا، میں نہیں بتا چکا تھا کہ آج کل ہمارے پاس
ایک ایسا مریض آیا ہوا ہے جو توڑ مٹا ہو چکا ہے۔ کس بچہ
کو ہم سب مل کر ایک مہرے میں جان ڈالنے کی کوشش
کر رہے ہیں، اگر ہم کامیاب ہو گئے تو یہ ہمارا بہت بڑا کارنامہ
ہو گا۔“

”میں تو اس مریض کا تذکرہ سننے سے تنگ چکی ہوں آخر
اس میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟“

”سب سے خاص بات اس کی قوت ارادی ہے، ہمیش
نے کہا، ”ابھی سخت جان ہم لے اس سے پیسے بھی نہیں
لیے تھی۔“

”کیا اس مریض کی شناخت ہو سکتی ہے؟ نرملا نے پوچھا
”نہیں۔ اسے کوئی شناخت بھی نہیں کر سکتا، ہمیش

نے جواب دیا، ”اس کی وجہ یہ ہے کہ جسے کاچہرہ بھی بری
طرح سخ ہو چکا ہے۔“

”یہ تو واقعی بہت خراب صورتحال ہے، کیا اس کے جسم
پر کوئی ایسا دھماکا نہیں ہے جس کی مدد سے اس کی شناخت
کی جاسکے؟ میرا مطلب ہے کہ بہت سے لوگ اسی طرح پہچان
لے جاتے ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو لیکن اس کے ساتھ ایسی بھی کوئی بات
نہیں ہے۔ اس کے جسم کی بھی بری حالت ہے، البتہ اس کے
ایک بازو پر کچھ ایسا نشان بنا ہوا ہے جسے کسی سارنگی دم
ہو صرف دم ہی ہتھیل سکی ہے، بازو کا گوشت بھی لپٹی جگہ سے
اُدھر لگایا ہے۔“

”اب کتنے بھی تمہارے اس مریض سے دلچسپی محسوس ہوتی
ہے۔ نرملا نے کہا، ”ایسے مریض بہت ہی کم پائے جاتے
ہیں۔“

”ہم لوگ اس کی پلاننگ سر جری کرنے والے ہیں، ہمیش
نے بتایا، تاکہ اس کے بچھوے ہوئے چہرے کو کوئی روپ دیا
جاسکے۔“

”اور کیا پلاننگ سر جری کے بعد اس کا چہرہ بدل جائیگا؟“
”بالکل بدل جائے گا۔“

”سنو، نرملا، جانک پر جوش دکھائی دینے لگی، اس نے
ہمیش کے ہاتھ پراپنا ہاتھ رکھ دیا تھا، کیا تم
پلاننگ سر جری کے ذریعے اس کے چہرے کو کوئی بھی روپ
دے سکتے ہو۔“

”ہاں، پلاننگ سر جری میں ہی ہوتا ہے۔ کوئی تصویر
سامنے رکھ کر اسی تصویر کے مطابق مریض کے چہرے کو تراش دیا
جاسکتا ہے، زخم بھر جانے کے بعد وہ مریض اسی تصویر کی طرح دکھائی
دینے لگتا ہے۔“

”تو پھر تم اس مریض کو منہ پر کاچہرہ دے دو، نرملا نے
کہا، ”میں تمہارا احسان بھی نہیں بھلاؤں گی۔“

”کیا، ہمیش نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا، یہ کیا کہ
رہی ہو، منہ پر کاچہرہ دے کیسے ہو سکتا ہے۔“

”ہو کیوں نہیں سکتا جب تم لوگ اس کے چہرے کو بدل
دی رہے ہو تو کسی اور کاچہرہ دینے کی بجائے اسے منہ پر ہی
بنا دو، میں اس کی سینکڑوں تصویریں لاکر تمہیں دے دوں گی
تم جانتے ہو کہ منہ پر میری کمزوری ہے، میں جب اسے دیکھا

کردوں گی۔ یہ سمجھوں گی کہ نہ ہر کوئی دیکھ رہی ہوں!۔
”تم تو باگی ہوئی ہو، مولا اس طرح تم اپنی زندگی کو ادا
بھی روک رکھا تو گی۔ تمہارے ذہن پر اس کا اثر بہت خراب
پڑے گا۔“

”تم نہیں جانتے کہ ہم دونوں میں کتنی محبت تھی، نہ ملنے
کہا، ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر زندہ رہتے تھے ماں
باپ کی موت کے بعد میرے لئے سوائے منورہ کے اور کوئی
تھا، کوئی بھی نہیں رہی، میرا بھائی بھی تھا اور میرا باپ بھی میرا
دوست تھی۔ اس نے میری خاطر بہت پریشانی برداشت
کیں بہت دکھا اٹھا، مجھ کو کسی کام سے لگے بچا گیا تھا اور
وہاں سے اس کی موت کی خبر آئی۔ اور وہ بھی اس انداز میں کہ
اس کی لاش بھی دستبند نہ ہوئی۔ اب تم خود سوچو، میرا کیا حال
ہوا ہو گا۔ یا اس کے بغیر میری کیا کیفیت ہے اگر تم نہیں ہوتے
تو شاید میں اب تک مر چکی ہوتی، میں اسی لئے جاتی ہوں کہ
تم اس مریض کو میرا منورہ بنا دو۔ میرا بھائی بنا دو۔ میں اسے
صرف دیکھ کر اوروں کی اسے کیا معلوم ہو گا کہ اس کا چہرہ کس
کالے ہے۔ تمہارا احسان ہو گا۔“

”تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے، بڑا بھلا، ہمیشہ
ایک مہری سائل لی۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔“
”کیوں آسان نہیں ہے تم اگر چاہو تو سب کچھ ہر ملتا
ہے۔ یہ تمہارے اختیار میں ہے، تم اسے ایک چہرہ لو جو یہی
رہے ہو تو میرے بھائی کا چہرہ کیوں نہیں؟“
”مضبوط ہے۔ میں اس کے پرانی ٹیم سے بات کروں
گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کوئی کیا کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ماں
ہی جانیں گے۔“

وہ ایک کوئلہ کو دام تھا۔
یہ گو دام کو لہری کے علاقے میں تھا۔ یہاں کی زمین
کوئلہ اٹھتی اور ہر کالے خزانے کو بڑھانے میں پورے ملک
میں مشہور تھی۔ آس پاس کے علاقوں سے ہزاروں مرد اور بچے
صبح ہوتے ہی اسی علاقے میں اپنی مزدوری حاصل کرنے کے
لئے آ جاتے تھے۔ اور کوئلوں کے ٹھیکیدار انہیں معمولی سے
مختلے کے عوض دن بھر کے لئے کام پر لگا دیا کرتے۔ یہ
بیمیل لوگ تھے۔ جن کی عزتیں اپنے بدن پر صرف ایک ملوٹی
لینے رہی تھیں۔ اور جن کے مرد صرف دھو تیاں بندھے رہتے

اور ان کے سیاہ لیکن فداوی جسم محنت کے پسینوں سے چلتے
رہتے تھے۔

کچھ لوگوں نے کو لہری سے کچھ فاصلے پر ایک عارضی
بستی قائم کر لی تھی۔ یہ بستی ان ہی محنت کشوں کی تھی، جنہوں نے
جھوپڑیاں بنائی تھیں، بد بو دار گھلاں اور کچھ دوکانیں اس بستی کی
ملکیت تھیں۔ ان ہی محنت کشوں کے درمیان ایک باغیٹری
بھی تھی۔ جو بائیس تیس برس کی لگ بھگ عورت تھی، وہ بہت
کم عمری میں بیوہ ہو چکی تھی۔ اس کا شوہر کوئلہ کھدائی کے دوران
ہلاک ہوا تھا۔ اور ایسی اموات یہاں عام تھیں، ٹھیکیدار باغیٹری
کے ہاتھ ہر دو سو روپے رکھ کر اپنے فرض سے سبک دوں
ہو گیا تھا۔ اس وقت سے باغیٹری ٹھیکیدار کے خلاف انتقام
کی آگ میں اس طرح سلگ رہی تھی، جسے کسی چوٹے میں
کوئلوں کو دھکوا گیا ہو۔ اس ٹھیکیدار کا نام گھنٹام تھا اور اس
علاقے میں سب سے بڑا ٹھیکیدار وہی تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایسے لوگ تھے جو کوئی کام نہیں کرتے
تھے۔ یعنی وہ محنت مزدوری نہیں کیا کرتے تھے بلکہ وہ ٹھیکیدار
کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ یہی ان کا کام تھا۔ یہ لوگ ٹھیکیدار
کی خاطر کھانے کو جنم رسید کرنے کے لئے تیار رہتے تھے جو
ٹھیکیدار کی لگاؤ ہوں سے اتر جاتا۔ یا ٹھیکیدار جن کی طرف
اشارہ کر دیتا۔

باغیٹری کو دینے ہوئے دو سو روپے آخر تک اس
کا ساتھ دے سکتے تھے بالآخر ختم ہو گئے۔ اور ان ریلوں
کے ختم ہو جانے کے بعد باغیٹری کو احساس ہوا کہ اس کے
ساتھ اور اس کے سوگڑ باقی بچی کے ساتھ نا انصافی کی گئی
ہے۔ دو سو روپے اتنے اچھے انسان کی زندگی کا بدل نہیں
ہو سکتے۔ یہ سوچ کر وہ ایک فصیح ٹھیکیدار کے آفس پیسج کی۔

یہ آفس کیا چٹائیوں سے بنی ہوئی ایک چھگی تھی جو پیل
کے ایک بڑے سے بیڑے کے نیچے بنائی تھی۔ لیکن ٹھیکیدار
اور اس کے ساتھی سارا وقت اس چھگی سے باہر ہی بیٹھوں پر
بیٹھے رہتے تھے۔ یہیں ٹھیکیدار ایک کرسی پر بڑی شان کے
ساتھ بیٹھا ہوا اور دونوں کی محنت کا فیصلہ کرتا رہتا تھا۔

باغیٹری کے سر پر جو کہ جنون سوار تھا، اس نے وہ دن تنہا
ہوئی ٹھیکیدار کے سامنے جا کھڑی ہوئی، ٹھیکیدار کے پاس اس
وقت بھی اس کے آوی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں کی لگاؤں
باغیٹری پر جم کر رہ گئیں جو کہ وہ خود بھی کوئلے کی طرح سیاہ لیکن

کوئلے کی طرح کھڑی ہوئی اور چمکی اٹھی۔

”کیا بات ہے ری؟ ٹھیکیدار اس کی طرف دیکھتے ہوئے
بولے۔ کیوں آئی ہے؟“

”تو میرا حساب کر دے، باغیٹری نے کہا۔ ”دو سو روپے
کچھ بھی نہیں ہوتے۔ میرا بچی تیری غلطی سے مرا ہے۔“
”تیرا شاید دماغ خراب ہو گیا ہے، گھنٹام نے ابرو منہ
سکڑ لیا۔ چل بھاگ یہاں سے، تیرے لئے یہ دو سو روپے بہت
تھے۔ پھر اگلے شوکر کا تھا تو اسی وقت آ جاؤ اب کیوں
آئی ہے۔ جی اسی لئے پیسے مانگنے کے لئے۔ کوئی باپ کہاں سمجھ
رکھا ہے؟“

”دیکھ ٹھیکیدار، تو ایسی بولی بہت بول، باغیٹری نے ٹھکری
دی۔ ”ورنہ میں تو رائیخہ توڑ لوں گی۔“

”جیسا اس بندہ ٹھیکیدار دبا رہا تھا۔“ جانتی ہے میں کون
ہوں۔ اگر میں چاہوں تو تجھے اس کو ٹکڑی سے بھی نکال دیا
پھینکوں۔“

”میں چیخ کر بھڑکی دنیا کو بتا دوں گی کہ تو نے مجھ
پر کیا ظلم کیا ہے۔ باغیٹری نے کہا۔ ”میں بڑے باؤٹک تیری
شکایت لے جاؤں گی، بڑے باؤٹ سے اس کی مراد اس علاقے
کا اور بڑیر تھا۔ اور باغیٹری جانتی تھی کہ وہی ایک ایسا شخص ہے
جو ٹھیکیدار کو دبا سکتا ہے۔ اس نے خود ٹھیکیدار کو اس کے
آگے بچھے ہوئے ہونے دیکھا تھا۔

”تو جانتی ہے یا نہیں؟ ٹھیکیدار جھلک کر سیسے کوٹھا ہوا
اور بھٹایا ہوا باغیٹری کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے باغیٹری کو مارنے
کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا، یہی تھا کہ اچانک کوئی برق رفتاری کے
ساتھ آگے بڑھا اور اس نے ٹھیکیدار کی کلائی پکڑ لی۔

ٹھیکیدار لٹل کھارہ رہ گیا۔ اس کی کلائی پکڑنے والا ایک
نوجوان تھا جس نے سیسی تھیں اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اس
کے گلے سے سونے کی ایک زنجیر چھوٹی رہی تھی اور اس کے
ہاتھ میں اتنی طاقت تھی کہ ٹھیکیدار جھکا کھارہ رہ گیا تھا۔
”ہار تو کیسا مر د ہے۔“ نوجوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔ ”لو ایک عورت پر ہاتھ اٹھا رہا ہے۔“

”کون ہے تو؟ ٹھیکیدار غرایا۔ ”چھوڑ مر رہا تھا ورنہ؟“
نوجوان نے مسکراتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اس
دوران ٹھیکیدار کے ساتھی بیسج سے اٹھ کر ان کے چاروں
طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے تیور کوٹھکس کرنے

کے باوجود اس نوجوان کے تاثرات میں کوئی تہدیبی نہیں آئی
تھی۔ وہ بالکل لاپرواہ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس کے نزدیک
ان لوگوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہو۔

”میرا نام گھنٹام ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”میں ادھر سے گزر
رہا تھا اب میں نے دیکھا کہ تم ایک عورت کو پھینچ رہے ہو اس کی کون
کمر سے ہو۔ یہ دیکھ کر میں اسے بچانے کے لئے چلا گیا ہوں
میرا خیال ہے کہ میری یہ حرکت تمہیں اور تمہارے ساتھیوں
کو بہت برائی لگی ہے۔ کہوں؟“

”ٹھیکیدار جڑ جڑ کر رہ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے
اپنے علاقے میں کسی نے اس طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر بات کی تھی۔ اور اس کا بڑھا ہوا ہاتھ روک لیا تھا۔
”دیکھ نوجوان، ٹھیکیدار اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے
بولے۔ ”تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے چلا جا۔ ورنہ
پھر اپنے پیروں پر جانے کے لالی نہیں رہے گا۔“

”ہاں بابو چلا جا، باغیٹری بھی بولی بڑی۔ ”میرے لئے تو
کاہلے کو آفت مولی لیتا ہے۔ یہ بہت ظالم لوگ ہیں میں
نوجوان کے رحم پر ہوں۔ یہ جو چاہے سلوک کرنا رہے میں
مہتر کھا کر بھی نہیں رہوں گی اور تو نہیں باہر سے آیا ہے اس
لیحان سے میری مرمت لے۔“

”میں تو یہاں سے جانے کے لئے نہیں آیا۔“ نوجوان نے
مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ میں اسی علاقے میں کام کرنے کے
لئے آیا ہوں۔“

”تو جانتا ہے یا نہیں؟ ٹھیکیدار کے ایک آدمی نے لپٹا
اس نوجوان کا گریبان پکڑ لیا۔

اس کی یہ حرکت اس کے لئے بہت مہنگی ثابت ہوئی
تھی۔ نوجوان نے اچانک اس کے پیٹ میں ایک گھونرہ رسد
کر دیا۔ وہ گھونرہ اتنا طاقتور تھا کہ آدمی اوہ کر کے دیر لپٹا
اس سے پہلے کہ ٹھیکیدار کے آدمی کچھ سمجھ سکے۔ وہ نوجوان
بیک وقت ان سمجھوں پر فوٹ پڑا۔

اس کے بدن میں ہلائی پھرتی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے
بکلی کو مٹی جا رہی ہو۔ وہ کسی گھونرہ مارا کسی گھونرہ رسد کرتا
پھر اچھل کر دوسری طرف چلا جاتا۔ اسے لڑنے دیکھ کر باغیٹری
کا چہرہ ہلکا اٹھا تھا۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی
بالو نے اس کی پیٹ سے لڑائی کی تھی۔ اس نے بہت سی فلموں
میں اس قسم کے مناظر دیکھے تھے۔ یہ وہ دن غنڈوں کے درمیان

پھنس جاتی ہے اور ایک ہیرو ان فنڈوں کو مار کر کھاتا ہے۔ یہاں تک بالکل ویسا ہوتا تھا لیکن فرق یہ تھا کہ وہاں تو بلی جگہ ایک حقیقت تھا لیکن وہ کوئی ہیرو نہیں بلکہ ایک معمولی عورت تھی اور وہ بھی ایسی عورت جو یہ تو جیو جس کے پاس دھنک کالہاں بھی نہ ہو جو دو وقت کی روٹی کے لئے تڑپ کر رہ جاتی ہو۔

اس نوجوان اور ٹھیکیدار کے آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر کچھ لگ گیا لیکن سب کے سب بالکل خاموش تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی دل میں ٹھیکیدار یا اس کے آدمیوں کے لئے کوئی عذر دی نہیں تھی۔ اسی لئے وہ سب ہی خوش تھے لیکن وہ اپنی خوشی کا اظہار بھی نہیں کر پاتے تھے۔

وہ نوجوان جتنے کی طرح برق رفتاری سے چلا اور کسی لڑائی کی طرح چلا تھا۔ اس نے اس جنگ میں ایسے ایسے پیڑھے استعمال کئے تھے جو طے نام اور اس کے سامنے کی تھکتے یا تھکتے یا شاید وہ اس نے بھی اس نوجوان سے مارا تھا۔ اس نے اس علاقے میں کسی نے ان پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اور اس نوجوان نے ان کا زور ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

یہ جنگ جس وقت ختم ہوئی اس وقت ٹھیکیدار کے علاوہ اس کے تمام ساتھیوں کی حالت خیر ہو چکی تھی اس نوجوان نے ان کے کیوں ٹھیکیدار پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس طرح ٹھیکیدار کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس نے جن لوگوں کے بل پر کرائی قائم کر رکھی تھی۔ وہ اب اس کے ساتھ دینے کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔

”تم جھگ جاؤ یا لو“ باگیشری نے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو اپنے تڑپوں کو زمین بوس کر دینے کے بعد بڑے الجھنات کے ساتھ ہاتھ جھارتا ہوا ایک طرف ہٹ کر ہوا تھا۔ ”یہ لوگ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ یہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے بلکہ یہ تمہاری زندگی حرام کر دیں گے“

”میں نے کبہ دیا کہ مجھے یہاں سے نہیں جانا ہے۔“ نوجوان مسکراتے ہوئے بولا۔ ”میں یہاں سے واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ یہاں لوگ رہ کر رہ گئے ہیں۔“ باگیشری جڑ بڑھ کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا وہ آدمی ہے جو کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لارہا ہے۔

جس نے آسانی کے ساتھ ٹھیکیدار کے ساتھیوں کی ٹھکانی کر دی ہے جیسے وہ انسان نہ ہوں موم کے ستے ہوں باگیشری نے ایسا نہ کیا۔ ان اس سے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ دوسرے مزدور اور بوڑھیں ان کی نگاہ سے دم سادھے کھڑے تھے۔ انہوں نے شاید ایک حیرت انگیز نظارہ دیکھ لیا تھا۔ ٹھیکیدار کی ٹھکانی اور اس کا غصہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی آنکھوں سے ایک وقت آگ بھی برس رہی تھی اور خود بھی غما ہو رہا تھا۔

”کیا تمہارے علاقے میں مجھے نہیں رہنے کی جگہ مل سکتی ہے؟“ اس نوجوان نے باگیشری سے سوال کیا۔ باگیشری سوچ میں پڑ گئی۔ یہ نوجوان اپنی بہادری اور انسانیت پر مدد دی کی وجہ سے اسے اچھا لگتا تھا۔ جی کے رہنے کے بعد اس کا کوئی سہارا بھی نہیں تھا۔ بسنی کے لوگوں نے ٹھیکیدار کے خلاف اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ سب ہی ٹھیکیدار سے خوفزدہ تھے لیکن یہ نوجوان اسے جانے بغیر ہی کی خاطر جنگ میں کود پڑا تھا۔ اس نے ٹھیکیدار اور اس کے ساتھیوں سے دشمنی مول لی تھی۔ اسی لئے اب یہ باگیشری کا فرض ہو گیا تھا کہ وہ اس کا ساتھ دے۔ اسے پناہ کی تلاش تھی۔ باگیشری کو اسے پناہ دے دینی چاہئے۔ کسی والے چاہے کچھ بھی کہتے رہیں۔ اسے اب ان بڑوں کو لوگوں کی کوئی پروا نہ رہی رہتی جو اپنے علاقے کی ایک عورت کی عزت بھی نہیں بچا سکتے تھے۔

”کیوں نہیں۔ تمہارے لئے میرے گھر میں جگہ ہے یا وہ باگیشری نے کہا۔“ تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ مجھے کسی کی پروا نہ رہی ہے۔ یہ بات ہوئی نہ وہ نوجوان مسکرا دیا۔ تمہیں واقعی کسی سے نہیں ڈرنا چاہئے۔“

”تو پھر آؤ چلو میرے ساتھ“ باگیشری نے کہا۔ ”اے باگیشری“ ٹھیکیدار نے آواز دے کر باگیشری کو روک لیا۔ تو بہت سی برا کر رہی ہے۔ یہ آدمی کب تک تیری حفاظت کر سکتا ہے؟“

نوجوان نے کچھ نہ کہا لیکن باگیشری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بکھینچ لیا۔ وہ سب دیکھتے رہ گئے تھے۔ باگیشری کی نوجوان کو اپنے مکان میں لے آئی۔ اسے کچھ صبر اور پیلاؤ والا ایک مکان تھا جس میں دو چھوٹی چھوٹی کھڑیاں ہی تھیں۔ باگیشری نے ان ہی میں سے ایک کو کھڑی میں اس۔

نوجوان کو ٹھکانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پہلوئے بیٹھ جاؤ۔ باگیشری نے اس میں جا رہا تھا دی۔ میں تمہارے لئے چلے بنائی ہوں لیکن تم نہ لو گناہ میں نے بتایا کہ میرا نام گلزار ہے۔ نوجوان نے کہا۔ ”نہ روز گار آدمی ہوں۔ اس علاقے میں روز گار کے چکر میں آیا تھا کہ تمہارے ٹھیکیدار سے ملاقات ہوئی۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔ اب تو تمہاری تسلی ہو گئی۔“

”ٹھیک ہے“ باگیشری مسکرا دی۔ ”تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ابھی نہیں۔ میں فردا ایک کام کر کے واپس آتا ہوں۔“ باگیشری نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کو نظر انداز کرتا ہوا دوبارہ وہیں آ گیا جہاں ٹھیکیدار اپنے آدمی کے ساتھ بیٹھا رہتا تھا۔ وہ لوگ اس وقت بھی وہیں موجود تھے۔ گلزار کو واپس آتے دیکھ کر وہ لوگ کھجکا سے رہ گئے۔ ان کے تیرہ بے تہا سے تھے کہ انہوں نے اس گلزار کے خلاف کسی بڑی کاروائی کا ارادہ کر لیا ہے۔ ان آدمیوں کے یہ سہاں پیٹھا ہوا ٹھیکیدار اور کئی جبران دکھائی دے رہا تھا۔ گلزار ان لوگوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ڈی جی سی مسکراہٹ برپا ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ ٹھیکیدار کا ایک آدمی اپنی آستین بڑھاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ”کیوں واپس آیا ہے۔ اس باڈیڈ بری موت ہی تھے واپس لائی ہے۔“

”موت کا مزہ تو کچھ دیر پہلے تم لوگ دیکھ رہے تھے۔“ گلزار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن اس وقت میں ٹھیکیدار سے بات کرنے آیا ہوں۔ تم لوگ نہج میں دخل مت دینا۔“ ”کیا بات ہے؟“ ٹھیکیدار نے اپنے ہونٹوں پر زبان بھرتے ہوئے کہا۔ ”کیا کہنا چاہتا ہے؟“

”تم ذرا اپنے آدمیوں سے الگ ہو کر اس طرف آ جاؤ۔“ گلزار نے کہا۔ پھر تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“ ٹھیکیدار نے معنی خیز نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر کسی سے اٹھ کر گلزار کے پاس آ گیا۔ گلزار نے اس طرف لے گیا تھا۔

”تم نے یہ تو دیکھ لیا ہوگا کہ میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا ہے۔“ گلزار مسکراتے ہوئے بولا۔ ”تم اسی سے اندازہ لگا لو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“ ”کیا مطلب؟“ ٹھیکیدار حیران ہو گیا تھا۔ شاید اس نے

میں اس بات کو اب محسوس کیا تھا۔ ”دیکھو ٹھیکیدار“ گلزار نے اسے کچھ بات کہنے سے بھی دیکھ لیا کہ تمہارے آدمی میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میں جب چاہوں اسی طرح انہیں مار مار کر ڈھیر کر سکتا ہوں میں اگر چاہتا ہوں تو میں تمہیں بھی مار سکتا تھا لیکن میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری حقیقت ان سے بہت مختلف ہے۔ تم ایک معزز آدمی ہو۔“ ٹھیکیدار کے کھنچے پھونکے اور کچلے لگے۔ اسے اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نوجوان نے اپنی طاقت اور ہمت کے باوجود اس کی عزت کی تھی۔ اس کے لئے یہی بہت تھا۔

”ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟“ ٹھیکیدار کا ابو بدل گیا تھا۔ ”تمہارے آدمی تمہاری حفاظت کرنے اور تمہارا کام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔“ گلزار نے کہا۔ ”تم نے خود ہی دیکھ لیا کہ مجھ جیسا کوئی اور آجائے تو بڑی آسانی سے تم پر قابو پا سکتا ہے۔ اور تمہارے یہ دیگر کچھ دیکھتے رہ جاؤ گے۔ میں اسی لئے تمہارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔“

”تم؟“ ٹھیکیدار کا منہ کھلا رہ گیا۔ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم تو؟

”میں بھی کوئی شریف آدمی نہیں ہوں۔“ گلزار نے کہا۔ ”میں اسی لئے تمہارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں لیکن کہہ مجھے اپنے ساتھ شامل کر کے کہیں مالا لوسی نہیں ہوتی۔“ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم؟“

”ہاں۔ تم مجھے اپنا دوست سمجھو۔“ گلزار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ”کیوں ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے“ ٹھیکیدار نے کچھ نہ کہا پتے ہوئے اپنا ہاتھ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

آج اس مریض کے ساتھ ایک خوش گوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سینے سے بہت دھیمی بہت دھیمی آواز نکالی۔ ”آواز کیا ایک گراہ تھی۔ جو اس کے سینے سے نکلی تھی۔ یہ گراہ اتنی مدھم تھی کہ اگر جو نیر ڈاکٹر اس کے بستر کے پاس کھڑے ہوئے نہ ہوتے تو انہیں مریض کے اندر میرا

ہونے والی اس تبدیلی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔
جوئیئر ڈاکٹروں نے اسی وقت ان چاروں کو اس واقعہ کی خبر دی دے دی جو اس کے علاج کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ وہ سب کے سب اس کمرے میں چلے آئے تھے اس مریض کی یہ کہ اس نے بہت امیدوار تھا کہ اس میں اپنی تکلیف کا احساس جاگ اٹھا تھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہی تکلیف میں مبتلا ہے۔ پھر اس کی طرف سے ہونے لگی تھی۔
ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ڈاکٹروں کے لئے یہ بہت امیدوار تھا تھی۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے ان کی شب و روز کی محنت رنگ لانے والی تھی۔

ان چاروں نے اسی وقت جوئیئر ڈاکٹروں اور نرسوں کو ہدایات دیں۔ مریض کا معائنہ کیا گیا پھر رنگ روم میں چلے آئے جہاں اس مریض سے متعلق ہر راز رکھا ہوا موجود تھا۔ وہ لوگ بہت دیر تک اس ریکارڈ اور میڈیکل رپورٹوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ پھر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رنگ روم ختم ہو گئی۔
ڈاکٹر ہمیش ابھی تک شش و پنج میں مبتلا تھا۔ اس نے نرملا سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ بلا شک و شبہ سرجری کے ذریعے اس مریض کی صورت کو اس کے بھائی کی منوہری صورت میں تبدیل کر دے گا۔ لیکن کام آسان نہیں دکھائی دے رہا تھا۔
اول تو بلا شک و شبہ سرجری والے سرجن ہراس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ پھر دوسری بات یہ تھی کہ وہ کسی خاص صورت تبدیل کرنے پر اصرار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں سے ہر شخص یہ پوچھ سکتا تھا کہ آخر ڈاکٹر ہمیش کو اس مریض کی صورت سے کیا پسند نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف اس نے نرملا سے وعدہ بھی کر لیا تھا اور وہ ہر حال میں اس وعدے کو نبھانا چاہتا تھا۔ نرملا نے سلی بلا اس سے کسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اس کی پہلی ہی خواہش بہت عجیب ثابت ہوئی تھی۔

بالآخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس موضوع پر سرجن موڈ سے بات کرے گا۔ سرجن مورے پلاننگ سرجری کا ماہر تھا۔ ان نے اپنی مستقل رہائش پورے میں کر رکھی تھی۔ لیکن اس مریض کے سلسلے میں اسے خاص طور پر باہر سے بلایا گیا تھا۔ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق اس کی سرجری ایک دو دنوں میں مکمل ہو جانی تھی۔ تاہم اس دوران اس کا علاج بھی ہوتا رہے اور اس کا چہرہ بھی کسی ڈھب پر آجائے۔
سرجن مورے کو حکومت نے ایک مقامی شاندار ہسپتال میں بٹولا

تھا۔ ڈاکٹر ہمیش کو اسی ہسپتال کی طرف جانا تھا۔ وہ ہسپتال سے نکل کر پیراکنگ لائٹ کی طرف بڑھا جہاں اس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ گاڑی کے پاس ہی وہ ٹھہر کر رہ گیا۔ گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے ایک سادہ کھڑا ہوا تھا۔ اس سادہ کھڑے بدن پر زرد رنگ کی ایک دھوٹی تھی۔ اس کے گلے میں موٹے موٹے دانوں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی پیشانی پر جو نائل رکھا تھا۔ اس کی دماغی بڑھی ہوئی تھی اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس طرح سرخ ہو رہی تھیں جیسے ان میں خون بھرا ہوا ہو۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت ایسی تھی کہ اس کی طرف دیکھ کر ہول محسوس ہوتا تھا۔

ڈاکٹر ہمیش کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی ککڑی دھڑکی۔
”نئے“ ڈاکٹر ہمیش نے اس کے قریب پہنچ کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ”بتاؤ ہمارا ج میں تمہاری کیا سیوا کر سکتا ہوں؟“
”ہالک“ میں۔ ”مجھ سے تیرے جیون کا سودا کرنا چاہتا ہوں۔ بول موت اچھی لگتی ہے یا بیجون؟“
”میں سمجھا نہیں جہاں راج؟“ ڈاکٹر ہمیش جلدی سے بول اس کی آواز کرنے لگی تھی۔ ”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“
”دیوتاؤں کی یہ مرضی نہیں ہے کہ تو جس مریض کا علاج کر رہا ہے وہ ٹھیک ہو جائے۔ موت اس کے جھاگ مگر کھدائی کی ہے۔ اسی لئے تو دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف کام نہ کرنا ہے۔ اس کے حال پر چھوڑ دے۔ اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو ہو سکتا ہے کہ تو خود کسی عذاب میں پھنس جا۔“
ڈاکٹر ہمیش حیران رہ گیا تھا۔ اس سادہ کھڑے ایک عجیب بات کہہ رہی تھی۔ اگر وہ کسی مریض کا علاج کر رہا تھا تو پھر اس میں دیوتاؤں کی خلاف مرضی کی کون سی بات تھی؟ اس کے علاوہ یہ بھی حیرت کی بات تھی کہ اس سادہ کھڑے ساسر مریض کا پتہ کیسے چل گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس سادہ کھڑے اسے الجھا کر رکھ دیا۔
”ہاں بول کیوں ہو گیا ہالک؟“ سادہ کھڑے اسے دیا۔
”کیا کیا تھے دیوتاؤں کی خواہش پوری کرنا اچھا نہیں ہے؟“
”معلوم ہو گا۔“
”یہ بات نہیں ہے ہمارا ج۔ ہمیش سنبھل کر بولا دیا۔

تو یہ سوچ رہا ہوں کہ جب یہ دیوتاؤں کی مرضی ہے تو وہ سیدھے سیدھے اسے مار کیوں نہیں دیتے۔ ڈاکٹر ہالک کو علاج کرنے سے کیوں روک رہے ہو۔ دیوتا تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔“
”تو بالکل مور کھ ہے ہالک؟“ سادہ کھ عجیب انداز سے مسکرا دیا۔ ”مجھے کیا معلوم کہ دیوتاؤں کی کیا مرضی ہے۔ وہ کس طرح کسی کے دل میں شک پیدا کرتے ہیں۔ کسی سے کام لیتے ہیں۔ کسی کو اپنی مرضی سے جیسا چاہیے دیتی موت دیتے ہیں۔ اور کسی کے لئے کسی اور کو مقرر کرتے ہیں تو دیوتاؤں کے کبھی نہیں جان سکتا۔“

ہمیش کو اب اس شخص سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سادہ کھ کو ہاں سے بھگوا دے۔ یہ کیسا سادہ کھ تھا جو ایک ڈاکٹر سے یہ کہہ رہا تھا کہ وہ کسی مریض کی موت کا سہارا بن کر دے کسی مریض کا علاج نہ کرے۔ ایسا کس طرح ہو سکتا تھا۔ سادہ کھ لوگ تو بہت دم دلی اور ہریان مزاج کے ہو کر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسا سادہ کھ تھا جو اسے اس قسم کے ٹھوسے دے رہا تھا۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ اور اپنے فرائض سے غفلت نہیں کر سکتا تھا۔
”معاف کیجئے گا ہمارا ج۔“ اس نے سادہ کھ کی طرف دیکھ کر بولے۔
”ہاں“ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ میں نے مریضوں کی خدمت کرنے کے لئے قسم کھائی ہے۔ میرا کام ان کا علاج کرنا ہے۔ وہ ٹھیک ہوں یا نہ ہوں۔ یہ اوپر والے کی مرضی۔ میں تو اپنا فرض پورا کر دینا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔“
”میں تو لیکن تو نے انکار کر کے بہت برا کیا ہے۔“

سادہ کھ مٹھوئی مٹھ میں بڑبڑاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ہمیش کو ایک خیال آیا کہ اسے اب بہت بڑی حماقت سرزد ہو چکی تھی۔ وہ سادہ کھ اس مریض کا علاج نہ کرنے کے لئے کہہ رہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس مریض کو جانتا تھا۔ چلے۔ یہ شانساںی لغت اور فتنہ بے جذبہ کے تحت کیوں نہ ہو۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ مریض اس سادہ کھ کے لئے گناہ نہیں تھا۔
ہمیش نے گاڑی سے اتر کر اس طرف دوڑ لگا دی۔ اس طرف اس نے سادہ کھ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن

سادہ کھ اب غائب ہو چکا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ پھر پائوس ہو کر گاڑی کی طرف واپس آ گیا۔ اس نے ایک حماقت کر دی تھی۔ اور اب اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ دوسرے ڈاکٹروں کو بھی اس واقعہ کے بارے میں بتا دے گا۔ لیکن اب اس نے ارادہ تبدیل کر دیا تھا۔ سب ہی اس سے یہ پوچھتے کہ اس نے اس سادہ کھ سے مریض کی شناخت کیوں نہیں معلوم کر لی۔

وہ ان ہی سب خیالوں میں الجھا ہوا سرجن مورے کے ہسپتال پہنچ گیا۔ مورے سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی اس لئے مورے نے کسی وقت کے بغیر اسے پہچان لیا تھا۔ سرجن مورے ایک بوڑھا آدمی تھا جس کے سر کے بال اڑ چکے تھے لیکن جو بھی تک تھکا ہوا تھا۔ اور جس کی آنکھوں میں ابھی تک چمک پائی جاتی تھی۔
”آؤ بھائی! آؤ! سرجن مورے نے دروازہ کھول کر ہمیش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تم میں سے کسی کی آمد کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ یہ بتاؤ تمہارا مریض کہاں ہے؟“
”آج اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی ہے سرجن مورے ہمیش نے بتایا۔

”بہت خراب اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر زندگی موجود ہے۔ زندہ انسان ہی دیکھو اور تکلیف کو محسوس کیا کرتا ہے۔“
”آپ کا کیا ارادہ ہے سرجن مورے؟ ہمیش نے دریافت کیا۔
”میرا مطلب ہے کہ آپ کب اپنا کام شروع کر رہے ہیں؟“
”کل رات؟“ مورے نے بتایا۔
”یہاں تک سرجری کی مداخلت میں انجام تک پہنچتی ہے۔ یہ سرجری کے ساتھ ساتھ ایک قسم کا تخلیقی عمل بھی ہے۔ ہمیں اپنے آلات کو منہ پرش کی طرح استعمال کرنا تھا۔ کسی شخص کو نئے خدوخال دینا اتنا آسان نہیں ہو کر رہا۔ اس میں تخلیقی صلاحیتیں چاہئے۔“
”کیا آپ نے یہ سوچا ہے سرجن مورے کہ آپ اسے کون سی شکل دیں گے؟“ ہمیش نے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔
”نہیں بھئی۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔“ مورے نے بتایا۔
”بہر حال بلا شک سرجری کے سلسلے میں میرے نزدیک اسے خاص پہلو ہے۔ ہوتا ہے کہ میں جغرافیائی عوامل کو بھی سامنے رکھ کر رہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر یورپ کے

کسی شخص کی پلاننگ سرجری کے ذریعے صورت تبدیل کرنے کرنی ہے تو میں اسے یورپ، جی کے کسی شخص کے خدمت میں دینے کی کوشش کروں گا۔ ایسا نہیں ہو گا کہ اس کا تعلق تو یورپ سے ہے۔ اور اس کی صورت ہندوستانی میلی ہوئی ہے یہ احتیاط ضروری ہے۔ ورنہ بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

”بہت اچھی بات ہے سرجن مورہ یہ ہمیش نے کہا۔“

کیا خیال ہے اگر میں آپ کو لہی طرف سے ایک چہرہ دے دوں تو؟

”جولوہ تو اچھی بات ہوئی، مورہ سکرایا، میں چہرے تلاش کرنے کی زحمت سے بچ جاؤں گا۔“

”بس تو سرجن مورہ میں آپ کو اس کی نئی تصویریں لاکر دے دوں گا۔ ہمیش نے جلدی سے کہا۔ لیکن آپ کسی کو بتائیں گے نہیں کہ میں نے اس مریض کے لئے کوئی چہرہ جو بہتر کیا ہے۔ دیکھیں نا، ہوسکتا ہے کہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکیں۔ کیونکہ یہ ایک جذباتی مسئلہ ہے۔ میں اس چہرے کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں، میری یہ خواہش ہے کہ وہ میری لگاؤں کے سامنے رہے۔ اس لئے میں نے یہ جو مزید پیش کی ہے لید ہے کہ آپ نے کوئی خیال نہیں کیا ہو گا۔“

”نہیں، سرجن مورہ کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی کڑک رہی آئی۔“ میں کچھ گیا ہوں کہ تم ایسا کیوں چاہتے ہو، ہر حال تم مجھے اس کی تصویریں لا دینا۔“

ہمیش کچھ دیر اور بیٹھنے کے بعد سرجن مورہ کا اشارہ ادا کر کے اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا کام اتنی جلد ہو جائے گا۔ اب اسے ایک خوشگوار حیرت ہو رہی تھی۔ زملائی خواہش، لہری ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ اور وہ بھی بڑی آسانی کے ساتھ۔

وہ بیڑھیاں اترتا ہوا اپنے آگے پھر کوئی دورے گزارتا ہوا ہونٹ کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ ایک لڑکی آگے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

”کیا آپ ہی ڈاکٹر ہمیش ہیں؟ اس نے ہمیش سے پوچھا۔ ہمیش اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے بہت ہی مناسب اور خوبصورت لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے لباس سے خوشبو کے پھکے اٹھ رہے تھے۔ جو اس بات کی گواہی دے رہے تھے

کہ یہ کوئی خوش حال گھرانے سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہے۔ جی ہاں۔ میں ہی ہمیش ہوں یہ ہمیش نے کہا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

تمہا آپ کے پاس اتنا وقت ہے کہ آپ کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سن سکیں۔ لڑکی مسکراتی ہوئی، بولی، یقین کریں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔“

ہمیش نے اپنی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کے پاس کچھ وقت تھا اور ویسے بھی اتنی اچھی لڑکی کی دعوت آسانی سے رد نہیں کی جاسکتی۔

”ٹھیک ہے س، ہمیش نے کہا۔“ میرے پاس مختوڑا سا وقت ہے۔“

”تو پھر آئیے۔ باہر میری گاڑی کھڑی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم گاڑی ہی میں بیٹھ کر باتیں کر لیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔“

ہمیش اس کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کچھ پوچھنے لگا تھا۔ لیکن اس لڑکی نے بے لگائی ہو کر اس کا ہاتھ تمام لٹھا تھا۔ اس لمس نے ہمیش کو موم کی طرح چھ دیا تھا۔ وہ لڑکی اسے اپنے ساتھ ہونٹ کے باہر بانٹ لٹ میں کھڑی ہوئی ایک گاڑی کی طرف لے آئی۔ اس گاڑی کو دیکھ کر ہمیش کو معلوم ہو گیا کہ اس لڑکی کی خوش حالی کے متعلق اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس کی گاڑی بہت شاندار تھی۔ اور اس گاڑی کے پاس کھڑا ہوا اور ڈی شو فر بھی بہت شاندار دکھائی دے رہا تھا۔ جو اس لڑکی کو اتنے دیکھ کر مورہ ہو گیا تھا۔ ان کے قریب بیٹھنے ہی اس لڑکی نے ڈرا بھر کہا، کے اشارے سے چلے جانے کے لئے کہا۔ ڈرائیور مودبانہ انداز میں گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گیا۔

”چلیں شریف رکھیں، لڑکی نے کچھ جھنجھٹ کی طرف اشارہ کیا۔“

ہمیش کے ذہن سے اب اس لڑکی کی طرف سے کچھ دور ہو چکا تھا۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ گاڑی کی کچھ نشست پر بیٹھ گیا۔ لڑکی بھی اس کے برابر آکر بیٹھ گیا۔ گاڑی کا دروازہ بند ہوا اور ڈاکٹر ہمیش کو کوئی ہوش نہیں رہا۔ بجائے اس طرف سے کیس کا ایک ایسا جھپکا یا تھا کہ اس کی سانس ٹھنک گئی۔ اس کے ہاتھ پیروں سے جان لٹکے لگی اس نے بے بسی سے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے پھر اس کی گردن

طرف دھلک گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکا۔

بستی والوں کے لئے یہ بہت حیرت کی بات تھی کہ اس نوجوان نے ٹھیکیدار کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔ بالکیشری نے غمزدگی سے کہا کہ اس معاملے پر بات کی تو غمزدگی سے اسے سمجھا دیا تھا۔ دیکھ بالکیشری میں جو کچھ کر رہا ہوں تیری وجہ سے کر رہا ہوں۔ تو خود سوچ۔ میں کس تک تیری خبر گیری کر سکتا تھا۔ اسی لئے میں نے مصلحتاً ٹھیکیدار اور اس کے آدمیوں سے دوستی کر لی ہے۔ اس دوستی سے مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ لیکن ان لوگوں سے تمہارا خیال بچھڑ جائے گی۔“

یہ بات بالکیشری کی سمجھ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو لیکن وہ خاموش ہو گئی تھی۔ اس کا دلیہ بھی اس شخص پر کوئی حق نہیں تھا جو کھانے کھانے سے اس کی بستی میں اور اس کے پاس چلا آیا تھا۔

بالکیشری کی طرح خود ٹھیکیدار گھٹام بھی اس نوجوان کی طرف سے بہت حیران تھا۔ کہاں تو اس نے دشمن بن کر اس کے ساتھیوں کی ٹھکانا کر دی تھی اور کہاں وہ اس سے چپک کر رہ گیا تھا۔ ٹھیکیدار کے ساتھ اسے رہتے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ اور ابھی تک اس نے ٹھیکیدار سے کسی کام کے لئے بھی نہیں کہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے یہاں آنے کا مقصد ہی ہو کہ وہ ٹھیکیدار کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ ٹھیکیدار کے ساتھ اس نوجوان سے بہت غصے تھے۔ ان کے دلوں میں اس نوجوان کے خلاف انتقام کی آگ جل رہی تھی لیکن ٹھیکیدار کی وجہ سے وہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔

تیسرے دن ٹھیکیدار نے اس نوجوان سے تنہائی میں بات کی۔ وہ اس نوجوان کا بھید جاننا چاہتا تھا۔

”مجھے تم صرف یہ بتا دو کہ تم کیا چاہتے ہو۔“ ٹھیکیدار نے پوچھا۔

”مجھے اب یہ مدت کھتم نہ کرے۔“

”یہ تمہیں میں اس بات پر یقین نہیں کروں گا۔ تم مجھے صاف صاف بتا دو کہ تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے بھائی،“ نوجوان مسکرایا۔ ”اب مجھے صاف بتانا ہی ہو گا۔ یہ علاقہ کوٹے کی کالوں کے لئے بہت مہربان ہے۔ یہاں اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہاں کے مزدوروں کے لئے خوشی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ پچارے کاؤں سے لگتے ہیں اور سیدھے اپنے جھوپڑوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی بیٹھ نہیں، کوئی توزیع نہیں، کوئی کھین نہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ کیوں تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔“

”بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔“ ٹھیکیدار نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”پھر تم ان کے لئے کیا چاہتے ہو۔“

”تو کچھ بھائی، تم اس علاقے کے سب سے طاقتور آدمی ہو۔ اسی لئے اس کام میں تمہارا تعاون بہت ضروری ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”میں جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہوں وہ تمہاری مدد سے کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو پھر بتاؤ نا کیا بات ہے۔“

”براؤن شوگر۔“ نوجوان اس کی طرف دیکھتے ہوئے لولا۔

”تم سمجھ گئے ہو گے۔ براؤن شوگر کیا ہوتا ہے۔ یہ میں یہاں کے مزدوروں میں بہت شکر پھیلا نا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ تریگ میں آکر کام بھی زیادہ کریں گے۔ مزدوری بھی کم لیں گے اور تمہاری بھی چاندی ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم تمہیں اس کا پکا کو کمیشن ادا کیا کریں گے۔ کہو منظور ہے۔“

ٹھیکیدار کی آنکھیں جھلک اٹھیں۔ آج پہلی دفعہ اس کے علاقے میں کوئی ایسا آدمی آیا تھا۔ جو اس کے فائدے کی بات کر رہا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ خود ہی دوسروں میں پیر تقسیم کیا کرتا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی کم ہی لیکن ملنا لڑائی کی جیب سے تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ براؤن شوگر کے دھندے میں بہت دولت ہے۔ لیکن اس کا کسی سے رابطہ نہیں ہوتا تھا۔ اور اب یہ نوجوان خود ہی چل کر اس کے پاس آیا تھا۔

”اس کام میں خطرہ تو بہت ہے۔“ ٹھیکیدار نے سرگوشی کی۔ ”پولیس کو بہت جلد گیا تو۔“

”خطرہ جتنا بھی ہو اس کی ذمہ داری ہم بھر رہے ہیں۔“ نوجوان نے کہا۔ ”ہم لوگ ہر قسم کے خطروں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ تم صرف ہماری مدد کا وعدہ کر لو۔ اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ تم اس علاقے سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔ ہمیں معلوم ہو گا کہ کہاں کہاں ہراس کے اڈے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ کن کن لوگوں سے مال کی سپلائی کا کام

لیا جاسکتا ہے۔ لیکن تم کس کے آدمی ہو؟
 "دور کا یہ نوجوان نے جواب دیا وہ اس لائن کا بہت بڑا آدمی ہے۔ گمان ہے کبھی اس کا نام سنا ہے۔"
 "ہمیں یہ ٹھیکیدار نے انکار میں اپنی گردن ہلانے میں نے یہ نام اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔"
 "تم جو اس علاقے سے باہر نہیں گئے ہو۔ اسی لئے تم اس کے نام سے ناواقف ہو۔ تم اس کے آدمی کو کبھی پہچان کر معلوم کر لو کہ دور کون ہے۔ پورا نمبر نہیں اس کے بارے میں بتا دو گا۔ اس سے زیادہ خطرناک آدمی تم نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ہو گا۔"
 "تم جی تو کم خطرناک نہیں ہو، ٹھیکیدار جلدی سے بولا۔
 "نہیں، میں اس کے مقابلے میں چیونٹی کی طرح ہوں۔ نوجوان نے کہا۔ وہ جب چاہے مسل کر پھینک سکتا ہے۔"
 "اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ وفقت بھی نہیں کی جاسکتی، ٹھیکیدار نے بولا۔
 "ہرگز نہیں، وہ دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہے۔ اس نے اگر ایک بار تمہیں اپنا دوست مان لیا تو پھر تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ چاہے وہ حکومت کا کتا بڑا آدمی ہو۔ وہ ایسے ساتھیوں کو دل کھول کر معاوضہ دینے کا عادی ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ دھوکا لگایا تو پھر اس کے منہ سے بچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم میرا ساتھ دے کر دور کو اپنا دوست بنا رہے ہو یا نہیں؟"
 ٹھیکیدار کی ہنسی پر ہل پڑے۔ یہ نوجوان جب سے اس لہجے میں آتا تھا اس وقت سے اس کی حقیقت کو مسلسل چیلنج کیا جا رہا تھا۔ وہ اس سے پہلے وہ بہت ٹھنک ٹھنک زندگی گزار رہا تھا۔ ہر دن ٹھوکہ والا دھندہ نہ ہی، گولے کی ٹھیکیداری میں بھی چھا خاصہ مل جاتا تھا۔ لیکن یہ نوجوان خود تو نازل ہوا، ایسا خطاب اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کی خوشخبری بھی لیتا تھا۔ اس وقت ٹھیکیدار کے ذہن میں بس یہی بات تھی کہ اگر وہ اس نوجوان کے ساتھ کام کرے ہر رخصتی ہو گیا۔ تو پھر اس کی اپنی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔
 "اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو ٹھیکیدار نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ایسی صورت میں تمہارے لئے بہت پریشانی پیدا ہو جائے گی۔ یہ میں دھمکی نہیں دے رہا ہوں کہ تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ دور کسی بلا کا نام ہے اگر تم جاؤ تو اس سے مل کر خود ہی اس سے بات کر لو۔ اس سے ملنے کے بعد ہی تمہیں اس کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ کیا مطلب؟ ٹھیکیدار نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ کیا وہ ٹھنک نہیں رہتا ہے؟
 "یہاں رہتا نہیں ہے بلکہ اس طرف آیا ہوں۔ یہ نوجوان نے بتایا۔ اس کا کام ہی یہی ہے۔ وہ پورے ملک میں میں محوم پھر کر اپنے ہرے مقرر کرتا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس سے مل ہی لو۔ یہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہو گا۔ ٹھنک ہے۔ تم میری ملاقات کر دو۔"
 نوجوان نے ہونٹوں پر ایک ایسی دھجی سی مسکراہٹ لینگ آئی جو ٹھیکیدار کی نگاہوں میں نہیں آ سکی تھی۔
 ڈاکٹر ہمیش نے ہوش میں آئے کے بعد اپنے آپ کو ایک کمرے میں پایا تھا۔
 یہ ایک چھوٹا سا لیکن سیٹھ سے سہا ہوا کمرہ تھا۔ اس کی دیواروں پر خوبصورت تصاویر تھیں، ایک طرف ایک کھڑکی بھی تھی جو اس وقت بند تھی۔ ایک دیوار کے پاس ایک بڑی سی میز بھی رکھی تھی۔ اس کمرے میں مہری سے علاوہ صوفے پر بھی تھے۔ دو دروازے تھے۔ ان میں سے ایک دروازہ شاید کچھ غلے کا تھا جبکہ دوسرا دروازہ باہر کی طرف کھلتا ہو گا۔ ہمیش نے ایک ہی نگاہ میں اس بلورے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔
 ہونٹوں میں آنے کے بعد اس نے کوئی گرائی نہیں محسوس کی تھی۔ اسے یاد تھا کہ وہ بے ہوش کر دینے والی گیس کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے ذہن پر اس گیس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس کے اعصاب بھی اس کے اختیار میں تھے۔ اور وہ خود کو پوری طرح چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔
 وہ بہتر سے اتر کر دروازے کی طرف آیا۔ دروازہ اس کی توقع کے مطابق بند تھا۔ اس نے کچھ دیر تک دروازے پر زور آزمائی کی اور جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا تو مایوس ہو کر ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ یہ اس کی زندگی

کا پہلا موقع تھا جب اسے کسی نے اغوا کیا تھا۔ اور وہ بھی بلا کسی حوالہ کے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا گیا ہے۔ وہ لڑکی اس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ اس نے اس کو پہلے بھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ پھر وہ لڑکی اسے کیوں اغوا لائی تھی۔
 وہ بھی ای ا دھیرے میں مبتلا تھا کہ دروازہ کھلاؤ جو شخص کمرے میں داخل ہوا تھا وہ ڈاکٹر ہمیش کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ ہمیش اسے دیکھ کر بڑی طرح جوکھا تھا۔ نوجوان نے والا وہی سادھو تھا جو ہمیش کو اس کی گاڑی کے پائل ملا تھا۔ اس کے حلقے میں صرف اتنا فرق تھا کہ اس وقت اس نے گروہ رنگ کی ایک دھوٹی پہن رکھی تھی جبکہ اس وقت وہ ایک معقول لباس میں ملبوس تھا۔ ہمیش اسے دیکھ کر کسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔
 "میرا خیال ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہو گا، سادھو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
 "بہت اچھی طرح، ہمیش نے اپنی گردن ہلانے اور اس کی ہونٹ کی کیا ضرورت تھی۔ تم کیا چاہتے ہو؟
 "تم نے میری بات نہیں مانی تھی نا ہی لئے مجھے برکت دینی پڑی ہے۔ سادھو نے کہا۔ اور یہاں تم کیسے نہیں ہو گے۔ بلکہ تمہارے دوسرے ساتھی ڈاکٹر بھی آئے، ہی اسے ہوں گے۔ میں نے نہیں کوا نہیں لانے کے لئے رونا دیا ہے۔ وہ بہت ہوشیار لڑکی ہے۔ کیوں؟
 "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس مریض کے بچے کیوں مٹے ہو؟ ہمیش نے بولا۔ تمہیں اس بات سے کیا دلچسپی ہے کہ اس کا علاج نہ ہو۔ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟
 "تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا لیکن اس سے تمہیں نہیں بتانا ہو گا کہ تم اس مریض کو کس کا چہرہ دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"
 "کیا؟ ہمیش کی حیرانی اور بڑھ گئی۔ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اب کسی حد تک خوفزدہ بھی ہو چلا تھا۔ پہلے ایک سیدھا سادھا ایک زخمی شخص کے علاج کا سلسلہ تھا۔ اب یہ مسئلہ پیچیدگی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ تمہیں کیسے معلوم؟ اس نے بولا۔ کھلا کر پوچھا۔
 "تم اس چیز میں مت پڑو۔ سادھو ایک دیوار کے ماتھے لگے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ "تم ایک ڈاکٹر ہو تمہارا

میدان ہم سے بہت مختلف ہے۔ تم ان معاملات کو نہیں سمجھ سکو گے۔ بس تم میرے سوالوں کے جواب دیتے جاؤ۔
 "میں اپنی دوست زملا کے بھائی کا روبرو دلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہمیش نے بتایا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے لئے اتنا ہنگامہ کیا جائے بلکہ مرجری میں یہ تو ہوتا ہی ہے۔ اس شخص کو کسی دھمکی کا چہرہ تو دینا ہی تھا۔
 "ہوں؟ سادھو نے ایک گہری سانس لی۔ وہ بڑی گہری لگا ہوں سے ہمیش کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ دیکھو ڈاکٹر ہمیش۔ بہتر ہے کہ میں نہیں سب کچھ بتا دوں۔ تاکہ تمہارے ذہن کی الجھنیں بھی ختم ہو جائیں۔ اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ٹھنک رہے نا؟
 "ہاں اگر تم بتا دو تو بہتر ہو گا۔ ہمیش ٹھنک لے میں بولا۔ اور اپنی اس حرکت کی بھی وضاحت کر دینا کچھ اس طرح کیوں لایا گیا ہے؟
 "سب سے پہلے تو تم میرا نام جان لو، سادھو نے کہا۔ میں کرسن رائی ہوں۔ میری عمر اسی ہے جتنی تمہیں عمری ہو رہی ہوگی۔ میں کوئی سادھو نہیں ہوں۔ لیکن میرے چہرے پر تمہیں جو داغی نظر آ رہی ہے یہ میری مصروفی نہیں ہے۔ میرا تعلق حکومت کے ایک انتہائی حساس شعبے سے ہے۔ ہم ان لوگوں پر لگا رکھتے ہیں جو لوگ غیر ملکی طاقتوں کے آگے ہٹا ہوتے ہیں اور ہمارے ملک سے قیمتی اور اہم راز چوری کر کے ان غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹوں کو دے دیا کرتے ہیں۔ خیر تو میرا فرض بھی یہی ہے کہ میں ایسے لوگوں کو گرفتار کر کے حکومت کے حوالے کر دوں۔ لیکن اس کے علاوہ میں نے ایک اور حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ حیثیت ہے ایک باپ کی۔ کرسن رائی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔
 "میں نہیں سمجھ سکا۔ ڈاکٹر ہمیش نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ باپ کی حیثیت سے تمہاری کیا مراد ہے؟
 "ڈاکٹر دیکھو۔ میں چونکہ ایک بہت ہی اہم عہدے پر فائز ہوں حکومت کا بڑا ایک نمبر میرے اختیار میں ہے۔ اسی لئے میرے وسائل بھی بہت ہیں۔ میں نے اسی لئے ایسے لوگوں کی ہمدستی کی کہ تمہیں مل لے رہی ہے جو میرے احکامات پر

پوری طرح عمل کرتے ہیں اور ان کی کارروائیاں حکومت کو نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ناقابل حل کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اپنے قرائع سے یہ معلوم کیا ہے کہ کم ڈاکٹروں کی غیر میں ایک غیر ملکی جاسوسی بھی ہے تو تمہیں اس پر حیرت نہیں ہونی چاہئے۔

”کیا یہ ڈاکٹر ہمیشہ ایک جگہ سے کھڑا ہو گیا یہ کیا کمرہ ہے ہو۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟“

”میں نے کہا تھا کہ شاید تمہیں اس پر یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ کمرش رانی نے کہا لیکن میں تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں کیونکہ تمہارے بارے میں میرے آدھیں نے پوری رپورٹ دے دی ہے۔ اور اس رپورٹ کے خالق تم ایک سیدھے سادے آدمی ہو۔ جو زمرلانی ایک لڑکے سے محبت کرتے ہو۔“

”تو کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے؟ ہمیشہ جہان رہ گیا تھا ہاں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اسی زمرلے کے گھنے ہرق اس مریض کی صورت منور ناکی ایک آدمی کی صورت جیسا بنا چاہتے ہو۔ اور اس سلسلے میں تم نے مرجن مورہ سے بھی بات کر لی ہے اور مرجن مورہ تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے کیونکہ میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”نہیں تم ٹھیک کہہ رہے ہو پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو کہ وہ منور زمرلہ کا بھائی ہے؟“

”یہ تو میں جانتا ہوں لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ منور بھی زندہ ہے۔ اور تمہاری زمرلہ بھی اس بات سے واقف ہے۔ کیا یہ ڈاکٹر ہمیشہ کا منہ کھلا رہ گیا تھا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولنے لگی۔؟“

”ہم ایک الجھی ہوئی صورت حال ہے ڈاکٹر ہمیشہ کمرش رانی نے کہا کہ تم صرف ایک ڈاکٹر ہو اسی نے اس قسم کی بات پھر سے ناواقف ہو گیا تم یہ بنا سکتے ہو کہ زمرلہ سے تمہاری پہلی ملاقات کس طرح ہوئی تھی میں یہ شرط لگانے کے لئے تیار ہوں کہ اس نے خود ہی اس ملاقات میں پہلی کی ہوگی؟“

”ہاں کچھ ایسی ہی بات ہوئی تھی ڈاکٹر ہمیشہ نے اکثر کہہ لیا لیکن یہ بات تو بہت ہلکی ہے۔ اس وقت تو اس مریض کا وجود بھی نہیں تھا۔“

”تم بھول رہے ہو ڈاکٹر ہمیشہ کمرش رانی مسکرا دیا میرے نہیں یاد ہونا چاہیے کہ اس زمانے میں تمہارے ہسپتال

میں ایک ایسا مریض لایا گیا تھا جس کی بنیادی بیماری اثرات کی وجہ سے نزلہ ہو چکی تھی۔ اور اس شخص کو اسی علاقے سے لایا گیا تھا جہاں سے یہ مریض دستیاب ہوا ہے۔“

”اوہ؟ ہمیشہ نے اپنے ہونٹ سکیڑ لئے۔ یہ تو واقعی بہت حیرت انگیز معلومت ہے۔“

”ہاں۔ اور شاید اس وقت ہی زمرلہ سے تمہاری ملاقات ہوئی ہوگی اب تم مجھے بتاؤ کہ اس وقت اس نے تم سے کسی خواہش کا اظہار کیا تھا؟“

”ہاں مجھے یاد آ رہا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ لیکن یہ بات اس وقت کی ہے جب ہم لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس مریض کی آنکھوں پر تابکاری کے اثرات ہیں۔ اس نے ایک عجیب خواہش کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے نرس بن کر اس مریض کی عیادت کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ وہ کوئی نرس نہیں ہے۔ لیکن اس نے مجھ پر زور دیا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اس سلسلے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت حالات اتنے عجیب تھے کہ میں اس کی خواہش پوری نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مریض کو بہت ہی عجیب حالات میں ہسپتال لایا گیا تھا۔ وہ کسی اثرات طبعی نما جیسے روشنی کی شعاع لگتے دیکھ کر اپنی بنیادی کھوپٹا تھا۔ اور ہم لوگ اس کی بہت حفاظت کر رہے تھے اس کے چاروں طرف پیرے لگا دیئے گئے تھے۔ اس کمرے میں صرف وہی لوگ جا سکتے تھے جنہیں خصوصی اجازت نامہ دے دیا گیا تھا۔“

”جانتے ہو اس نے تم سے ایسی خواہش کیوں ظاہر کی تھی۔ اس کا ارادہ نرس بن کر اس مریض کے پاس پہنچنا اور اسے ہلاک کر دینا تھا؟“

”میری تو کچھ نہیں میں نہیں آ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دماغ ہل کر رہ گیا ہو۔ تم نے مجھے کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔“

”انسان کی آنکھیں حتیٰ جلدی کھل جائیں۔ اتنا ہی اچھا ہے کہ کمرش رانی نے کہا یہ میں نہیں ہے سب کچھ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تمہارا لڑکا ڈبے داغ ہے۔ تم ایک عجیب وطن انسان ہو۔ جبکہ دوسروں کے بارے میں ابھی یہ بدوی نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی ان کی پورے طور پر جہان بن نہیں ہو سکی ہے۔ بہر حال اتنا جان لو کہ اس حیرت انگیز کہانی میں زمرلہ ایک

مگر دارا اگر رانی ہے؟“

”جھگڑان کے لئے مجھے اور الجھن میں مت ڈالو میں بہت پریشان ہو کر رہ گیا ہوں۔ کیا بہتر نہیں ہو گا کہ تم مجھے کچھ صاف صاف بتاؤ دو؟“

”اگر تم سب کچھ جانتا ہی جاہتے ہو تو میں تمہاری ملاقات ایسے آدمی سے کروانا چاہتا ہوں جو اس کہانی کا سبب ہے اہم کردار ہے۔ جس کے سامنے یہ سادے واقعات پیش نہیں ہوں جو حقیقت سے واقف ہے۔ جیسے معلوم ہے کہ مدے ہسپتال میں ہے ہوش بڑا ہوا مریض کون ہے جو یہ بھی اتنے کہ اس مریض کو جس علاقے سے لایا گیا ہے۔ اس اتنے کی تباہی بھول ہوئی تھی۔ وہاں یہی قیمت آئی تھی وہ میں سب کچھ جانتا ہے۔“

”کمال ہے؟ ہمیشہ بڑبڑایا کہ کیا نام ہے اس کا۔؟“

”داور۔ کمرش رانی نے کہا۔ اس آدمی کا نام داور ہے؟“

•

وہ دو دنوں کو لئے کی کانوں کے درمیان بنے ہوئے سے ہر چلے جا رہے تھے۔

اس نوجوان نے کچھ ٹھیکیدار کو کم طرح دھمکانے اور اپنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود ٹھیکیدار نے جانتے دل اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ اس داور سے ملے برطمن نہیں ہو سکتا تھا۔ نوجوان کے بیان کے مطابق وہ بہت ہی وسائل رکھنے والا آدمی تھا۔ اس کے ہاتھ بہت رنگ پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔ اور وہ سب کچھ تھا جو کسی بڑی تنظیم کو چلانے کے لئے درکار ہے۔ اس کے باوجود وہ شخص اس ٹھیکیدار کی مدد کے اصل کر رہا تھا حالانکہ وہ اگر جانتا تو ٹھیکیدار کی مدد دینے کے لئے اس علاقے میں براؤن ٹوکر کا جال بکھا سکتا تھا۔ اس نے وہ بات بھی جس نے ٹھیکیدار کو غیر مطمئن کر رکھا تھا۔

اس نوجوان نے ٹھیکیدار سے کہا تھا کہ وہ اسے داور سے ملانا چاہتا ہے۔ اور داور کچھ دنوں کے لئے اسی علاقے آیا تھا۔ اس کی عارضی رہائش گاہ کو لیری کے عقب میں فتح لے فیوٹر میں ہے۔ شیشہ نگر اس علاقے کا ایک نوبی نام تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کے کنارے کچھ کائنات بنے ہوئے تھے۔ نوجوان نے بتایا تھا کہ اس کا پاس وراں ہی مکانوں میں سے ایک مکان میں مقیم ہے ٹھیکیدار

نے اس کے ساتھ چلنے کی جانی بھری تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آدھیں کو بھی جوس کر دیا تھا۔ اس نے اپنے آدھیں سے کچھ دیا تھا کہ وہ دو دنوں جس وقت شیشہ نگر کے لئے روانہ ہوں کچھ لوگ ان کا تقاب کرتے رہیں۔ اور اس وقت ٹھیکیدار کے کچھ آدمی کچھ فاصلے سے ان دونوں کا تقاب کر رہے تھے۔

اس نوجوان نے یہاں آنے کے بعد جس انداز سے اپنی دھماکے پھینکا دی تھی اس کا تقاب کچھ اور تھا۔ لیکن ادھر وہ کچھ ہی حرکتیں کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ایسی بادی کہانی سنا دی تھی جس پر یقین ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور اب وہ اس کہانی کی مزید تصدیق کے لئے ٹھیکیدار کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

وہ جس راستے پر چل رہے تھے۔ وہ بالکل ویران راستہ تھا۔ اس کے دونوں طرف پتھر دیہے ہوئے میدان پھیلے ہوئے تھے جن پر خشک جھاڑیوں اور سوکھے درختوں کا ایک لاسٹائی سلسلہ پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ٹھیکیدار جانے کے لئے اس راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اور یہ راستہ اتنا خراب تھا کہ اس سے کوئی سواری بھی نہیں چلا کر سکتی تھی۔ انہی لئے انہیں اس راستے پر چلنا ہی چلنا پڑا تھا۔ اس سفر کے دوران اس نوجوان نے کچھ ٹھیکیدار سے کوئی بات نہیں کی۔ لیکن وہ بہت خوش اور ترنگ میں دکھائی دے رہا تھا جیسے اس کی کوئی دلی راہ پوری ہوئے والی ہو۔ اس کا یہی رویہ ٹھیکیدار کو اس کی طرف سے شکوک کئے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان آخر جانتا کیا ہے۔

وہ دو دنوں ایک گھنٹے کے جان یوا سفر کے بعد شیشہ نگر پہنچ گئے۔ وہ جیسٹل انجی کچھ فاصلے پر تھی جس کے کنارے وہ مکانات بنے ہوئے تھے جن میں سے کسی ایک مکان میں داور نامی کوئی ہراساں شخص ٹھیکیدار کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹھکان دور کرنے کے لئے وہ ایک ہوٹل میں ٹھس گئے۔

چلے بیٹے کے دوران ٹھیکیدار نے بالاکو دیکھ لیا۔ یہ بالاکو اسی کے لئے کام کیا رہا تھا۔ لیکن یہ نوجوان بالاسے واقف نہیں تھا۔ ان دونوں کے ہوٹل میں آنے کے فوراً بعد بالاکو بھی ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔ اور اسے دیکھ کر ٹھیکیدار نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ اس کے آدمی اس کی طرف

سے غافل نہیں ہیں۔ انہوں نے ان دونوں پر پوری نگاہ رکھی تھی، بالائیکھیدار کی طرف مئی خیر لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے ایک دوسری کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ نوجوان جانے کا اُتر دینے کے لئے ہوٹل کے ملازم کی طرف متوجہ ہو چکا تھا چائے پی لینے کے بعد وہ دونوں پھر کھڑے ہوئے چائے کی قیمت اس نوجوان ہی نے ادا کی تھی۔ ہوٹل سے نکل کر وہ چیل کی طرف چل پڑے ٹھیکیدار نے اس وقت دیکھ لیا تھا کہ بالا بھی ان کے ساتھ ہی ہوٹل سے باہر لگا تھا۔ ہوٹل کے باہر ایک درخت کے نیچے ٹھیکیدار نے اپنے ایک اور آدمی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اب اسے بدلتی طرح اطمینان ہو گیا تھا وہ اس جوان کے ساتھ تنہا نہیں تھا۔ اس کی محافظت کرے والے موجود تھے۔

وہ جوان ٹھیکیدار کو پھیل کے کنارے بنے ہوئے مکان کی طرف لے آیا۔ یہ ایک منزلہ مکانات تھے۔ جو بہت سلیقے سے بنائے گئے تھے۔ اور ان مکانات پر اس بچی والوں کا کوئی حق نہیں تھا۔ بلکہ ان کی نگہبان پیسے والوں کے لئے کی گئی تھی جو پھیل کے کنارے توڑے گئے تھے۔ اس پھیل کو مال کڈتے تھے۔ اس کے کنارے اونچے اونچے درخت تھے۔ ان درختوں کے درمیان وہ جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں جو تپان کھلاتی تھیں۔ اور یہاں توڑے گئے کٹے والے ٹکڑے اپنے ساتھ ہر قسم کی لسی توڑی بات بھی لے کر آیا کرتے تھے جھیل کی فضا رات گئے تک بدست ہوتی رہتی۔

نوجوان ٹھیکیدار کو اپنے ساتھ ایک ایسے مکان میں لے آیا جو بظاہر وہ مکان دکھائی دے رہا تھا نوجوان نے دروازے پر دستک دی تھی اور جب کوئی چاہا نہیں ملا تو وہ دروازے کو دھک دے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے ٹھیکیدار کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا ٹھیکیدار نے مکان میں داخل ہونے سے پہلے مکرر دیکھا۔ اسے بالا اور جو دکھائی دے گئے یہ دونوں اس کا تعاقب کرتے تھے یہاں تک چلے آئے تھے۔ ان دونوں کو یہ دیکھ کر ٹھیکیدار نے اطمینان ہو کر فرار کیا اور نوجوان کے بعد خود بھی اس مکان میں داخل ہو گیا۔

وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا تھا یہاں ضرورت کا ہر چیز موجود تھا۔ بھد کی بنی ہوئی کرسیاں اور میز ایک بڑی سی سہری۔ فرش پر بھی ہوئی قالین۔ وہ نوجوان اس کمرے میں نہیں تھا شاید وہ ٹھیکیدار کے آگے سے

پہلے ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ٹھیکیدار ایک کرسی پر بیٹھ کر نوجوان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ دوسرے کمرے سے بھی کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی ہے۔ یہ حیرت کی بات تھی۔ اس نے پریشان ہو کر زور سے آواز دی۔

”اسے بھائی کہاں ہو تم؟“

لیکن اس کی بجائے جواب میں خاموشی رہی تھی ٹھیکیدار کرسی سے کھڑا ہوا اور دوسرے کمرے کے دروازے تک پہنچ کر وہ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ لیکن اس کمرے میں کوئی بھی تھا۔ البتہ اس کمرے کا ایک اور دروازہ تھا جو شاید کسی اور کمرے میں کھلتا تھا۔ ٹھیکیدار اس دوسرے دروازے تک بھی پہنچ گیا۔ وہ دروازہ بھی پہلے کی طرح کھلا ہوا تھا۔ لیکن اس کے لئے کوئی کمرہ نہیں تھا بلکہ وہ دروازہ اس مکان کے باہر میدان میں کھلتا تھا۔

ٹھیکیدار مکان کے باہر آکر اوٹوں کی طرح اپنی پلکیں جھپکاتے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے وہ نوجوان اسے یہاں تک کیوں لایا تھا۔ اور اس طرح دھوکا دے کر غائب کہاں ہو گیا۔ اس شخص کی حرکتیں بوجھانے ہونے کے ساتھ ساتھ ٹھیکیدار کے لئے بہت پر افسوسناک ثابت ہوئی تھیں۔

”جہنم میں چلے“ ٹھیکیدار نے غصے سے ہونٹ چھینے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ ”میں اس کم بخت کو اب کیسے پکڑوں گا؟“

وہ جھلاتا ہوا زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا ایک چکر کاٹ کر مکان کے سامنے آگیا۔ بالا اور جو ابھی تک ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے ٹھیکیدار کو دیکھ کر وہ دونوں جلدی سے اس کے پاس آ گئے۔

”کہا ہو گیا مالک۔“ بھڑکنے لگا تھا۔ سب ٹھیکیدار کے پاس آئے۔

”کیا خاک ٹھیک ہو گا۔ وہ حرام زادہ بچا نے کہاں غائب ہو گیا ہے؟“ ٹھیکیدار نے بتایا۔

”غائب ہو گیا۔ کیا مطلب؟“

”مکان میں داخل ہونے کے بعد وہ دوسرے دروازے سے نکل کر کہاں چلا گیا ہے؟“ ٹھیکیدار نے کہا۔ ”اس نے عجیب حرکت کی۔“

”اس کے ایسا کیوں کیا مالک۔“ بالا نے پر غصہ انداز

میں اپنی گردن ہلائی۔ کوئی نہ کوئی جھڑپ ہے ورنہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے جو اس طرح بچوں کی طرح دھوکا دے کر بھاگ جائے۔ تمہارے خلاف کوئی گہری سازش معلوم ہو رہی ہے؟“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کسی سازش کی جارہی ہے۔ ٹھیکیدار نے جھلک کر کہا۔ ”سالانہ سرپڑی پتہ نہیں چل چلا رہا ہے۔ میں تو تم لوگوں کو اپنے ساتھ احتیاط لے آیا تھا۔ لیکن یہاں تو کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ وہ تو اطمینان سے غائب ہو گیا۔“

”کہیں اس نے معائب تو نہیں لیا تھا مالک۔“

”جھڑپ ہو سکتا ہے اکیلے غائب ہو گیا ہے۔“

”وہ اتنا بزدل آدمی نہیں ہے کہ تم سے ڈر کر بھاگ جائے۔ اس نے مجھے بہترین آدمیوں کو ذرا دیر میں زمین پر لٹا دیا تھا۔“

”تو پھر وہ کہاں چلا گیا۔“

”میں تو سمجھ میں نہیں آ رہا چلو اب واپس چلے آئیے۔ ہو سکتا ہے وہ جی میں آ جائے۔“

”یوں نہ ایک تقریر اس مکان میں دیکھ لیں مالک۔ اس نے رائے دی۔“ ہو سکتا ہے وہ کسی شعل خانے یا کسی اور جگہ میں ہو۔“

”کوئی فائدہ نہیں میں ابھی طرح دیکھ چکا ہوں۔ ٹھیکیدار نے بتایا۔ وہ کہیں نہیں ہے؟“

”پھر بھی ایک نظر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔“ بالا نے کہا۔ ”یہاں سے واپس تو جانا ہی ہے۔ تو چلے سے پہلے چلا۔“

”ٹھیک ہے۔ تم دیکھاؤ ہم لوگ۔“ ہمیں کھڑے ہیں۔“

”لیڈا نے اجازت دے دی۔“

بالا نے جھڑپ کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ لیکن ٹھیکیدار نے اپنی اجازت نہیں دی تھی۔ بالا اس مکان کی طرف چلا گیا۔ اگلے میں اس دن ویرانی ہی معلوم ہو رہی تھی ورنہ اطمینان ہو لوگ توڑے گئے آئے ہی رہتے تھے البتہ تھوڑے پھیل کے کنارے کچھ لوگ چیل قریب کرتے ہوئے اور دکھائی دے رہے تھے۔ ٹھیکیدار کا ذہن اس وقت پریشان تھا کہ اسے بھی احساس نہیں ہو سکا کہ بالا کو اسے کئی دیر ہو چکی ہے۔ وقت کا احساس اسے جڑے

دلا تھا۔

”کیا بات ہے مالک؟“ جڑے نے کہا۔ ”یہ بالائی پولیس نہیں آ رہا ہے؟“

”اچھا۔ ٹھیکیدار جو تک بڑا واقعی اس کو توئے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے۔“

”میں دیکھ آتا ہوں مالک۔“

”ایسا نہ ہو کہ تو بھی جا کر بالا کے ساتھ ہی بیٹھ جائے۔“

جلدی آجائے۔

جڑو بالا کی طرح وہاں جا کر بیٹھا نہیں تھا بلکہ کوڑی واپس آ گیا تھا۔ البتہ وہ بہت پریشان اور بولکھایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

”کیا بات ہوئی کمرے؟“ ٹھیکیدار نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا بتانا مالک؟“ جڑو نے بولکھا کہ بتانا ہی کوئی بھی نہیں۔ اس مکان میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ البتہ پچھلا دروازہ دھڑکھلا ہوا ہے۔“

”کیا یہ ٹھیکیدار پر غصے بھری گڑبڑ تھی؟“ یہ کیا کر رہے ہو تم؟“

”ہاں مالک۔ بالا بھی غائب ہو گیا ہے۔ جڑو نے بتایا۔

”جسے پڑے ہوئے جسم میں پہلی بار ایسی سی جنبش ہوئی تھی۔“

”جسے بھی بہت معمولی تھی۔ بہت خفیف سی لیکن اس جسم کی اس حرکت کو پاس کوئی ہوئی نہ اس رانا دنی نے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس وقت اس مریض کے کمرے میں تنہا تھا۔ اچھی ایک جو غیر ڈاکٹر اس مریض کو دیکھ کر دھڑکے سے باہر چلا گیا تھا۔ اس مریض نے شاید زندہ رہنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اسی لئے اتنی خراب حالت کے باوجود اس کی سانسیں چل رہی تھیں اور اس کے دل کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔ وہ بھی کبھی غصہ دے کے عالم میں گر پڑے تھے لیکن اس نے ایک ہلکی سی حرکت بھی کی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ تھوڑا سا اٹھا پھر گر گیا تھا۔“

”رانا دنی حیرت بھری لگا ہوں سے اس مریض کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اس مریض کے بدن میں غصہ و خروش مبتلا تھی۔ اس مریض کی قوت ارادی حیرت انگیز تھی۔ ایک تو

یہی پہلو اس کے لئے جبران بنتا تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس مریض کی اتنی دیکھ بھال کی جارہی تھی جیسے وہ بہت ہی اہم شخصیت ہو۔ قابل ترین ڈاکٹروں کی پوری نگرانی کے علاوہ اس کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی حفاظت کے بھی انتہائی انتظامات کئے گئے تھے اور خصوصی اجازت نامے کے بغیر کوئی بھی اس کمرے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا چاہے وہ اس ہسپتال ہی سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔

ان ہی سب باتوں نے راناؤنی کو الجھا دیا تھا۔ اس ہسپتال میں اس سے پہلے ایسا کوئی مریض نہیں آیا تھا۔ مریض نے پھر اپنا ہاتھ ملایا اور اس بار راناؤنی چونک اٹھی تھی۔ اسے اپنا فرض یاد آگیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے تہنیک کی تھی وہ اس مریض میں پیدا ہونے والی فدا کی تبدیلی کی بھی فوری طور پر خبر دے دیا کرے۔ اور اب اس نے مریض کے باسے میں سوچنے ہی میں اتنی دیر لگا دی تھی۔ اس نے خود کمرے سے جانے کی بجائے دوبارہ پرتی ہوئی تختی پر انگلی رکھ دی۔ وہ مریض کو تنہا چھوڑ کر کچھ نہیں جاسکتی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک دوسری نرس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نرس کو کچھ مریض کے کمرے میں آنے کے لئے خصوصی اجازت نامہ دیا گیا تھا۔ راناؤنی نے اس دوسری نرس کو مریض کے پاس رکھنے کی بات کی اور خود کمرے سے نکل کر ڈیوٹی روم کی طرف چل پڑی۔

چونکہ ڈاکٹر موجود تھے۔ لیکن ڈیوٹی روم تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے کمرل راجندر دکھائی دے گیا تھا۔ راناؤنی اسے دیکھ کر فوراً موند ہو گئی۔ کمرل بھی اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر درشتی کے آثار تھے۔

”کیا بات ہے۔ تم اس مریض کے کمرے سے باہر کیوں آ گئی؟“

کمرل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول دیا۔ ”سرمہ وہ میں میرا مطلب ہے کہ میں ڈیوٹی روم کی طرف بے تاملے جارہی تھی کہ ابھی ابھی مریض نے اپنے ہاتھ ہلا دیے تھے۔“

”اچھا، کمرل کی آنکھیں چمک اٹھیں پھر وہ اتنی تیز رفتاری سے مریض کے کمرے کی طرف چل دیا جیسے اس نے اگر ذرا بھی دیر کر دی تو اس نفاذ سے عروم ہو جانے کا راناؤنی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی کمرل کی ایسی کیفیت

اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کی ڈیوٹی کا آغاز تھا۔ وہ بھی کمرل کے ساتھ ہی مریض کے کمرے میں داخل ہوا۔ اتنا سوچتے ہی وہ خود بخود کمرل سے مریض کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ راناؤنی جس نرس کو مریض کے کمرے میں چھوڑ آئی تھی وہ اب باہر کھڑی تھی۔ کمرل نے اسے کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔ راناؤنی نے کمرے میں داخل ہونے کے لئے دروازہ کھولنے کی غرض سے ہاتھ آگے بڑھایا تھا کہ دوسری نرس نے اسے روک دیا۔

”کیا کر رہی ہو۔ کہاں جا رہی ہو؟“

”کیوں؟“ راناؤنی نے حیرت سے پوچھا۔ ”میری ڈیوٹی ہے اس کمرے میں۔ اسی لئے جا رہی ہوں۔“

”میری مالدو ابھی مت جاؤ۔ دوسری نرس نے کہا۔ کمرل بہت غصے میں معلوم ہوتا ہے۔“

”غصے میں؟“ راناؤنی کی حیرت بڑھ گئی۔ ”کیا کمرل کی وہ غصے میں کیوں ہونے لگا۔ اور وہ بھی ایک ایسے مریض سے جو خود زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔“

”یہ تو میں نہیں جانتی۔ دوسری نرس نے ایک گہری سانس لی۔ میں تو خود حیران ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ تم اگر جاؤ تو دروازے سے کان لگا کر اس کی آواز سن سکتی ہو۔“

راناؤنی کا جتس کمرل کے غصے کے خوف پر غالب آ گیا تھا۔ اس نے چور لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کمرے سے باہر نگران مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑے تھے۔ اور ان دونوں نرسوں کی طرف سے لاپرواہی سے دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ جھپٹتے ہوئے راناؤنی نے اپنا کان دروازے سے لگا دیا اور پھر فوراً ہی جھمک کر پرت آئی۔ دوسری نرس نے غصے کی ہمارا تھا کہ اسے کمرے کی آواز اس طرح آ رہی تھی جیسے وہ کسی کو ڈانٹ رہا ہو۔

”کیوں سن لیا تم نے؟“ دوسری نرس نے نہ سکتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں؟“ راناؤنی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”اور اب میں نا جا رہی ہوں۔ مجھ سے کچھ سپیش برداشت نہیں ہو سکتا۔“

وہی بھی میری اس کمرے میں ڈیوٹی ہے کمرل نے یاد دہانہ زیادہ یہی کہہ کر اسے گھر کے لئے نکال دے گا۔ وہ اس علاقہ اور کیا کر سکتا ہے؟

دوسری نرس نے راناؤنی کو روکنا بھی جانتا تھا۔ لیکن وہ دروازہ کھول کر کمرے میں آگئی۔ کمرے میں آنے کے بعد اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے لئے بہت حیران کن تھا۔ کمرل اس وقت اپنے ہوش میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ اس وقت مریض کے کمرے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنی دونوں ہاتھیں پیچھے رکھی تھیں۔ اور اس کی آنکھیں شلے برسر ہی تھیں۔ وہ غصے میں پھرا ہوا اس جسے دو حرکت پر اسے ہونے مریض سے مخاطب تھا۔ اس نے راناؤنی کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ وہ ہتھکڑیاں پیچھے کر لے کر جا رہا تھا۔

”تم چاہے کتنے دنوں کے بعد ہوش میں آؤ۔ چاہے اس کے لئے مجھے برسوں انتظار کرنا پڑے۔ لیکن میں تم سے اپنا حساب لے کر رہوں گا۔ سمجھو۔ تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں اس بے ہوشی کے عالم میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ لیکن افسوس میں یہ نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں جتاؤں گا کہ میں نہیں کیوں مل رہا ہوں۔ تمہارے جسم سے تمہاری لوبیاں کیوں نکلتی ہیں؟“

اس کے بعد مریض موت آ جانے کو سمجھے اس کا غم نہیں ہو گا۔ لیکن ابھی نہیں۔ ابھی میرے اور تمہارے درمیان بہت کچھ ہے۔ ہونا باقی ہے۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جو ہمیں نمٹانے ہیں۔ میں تمہارے صحت مند ہونے کا انتظار کروں گا۔“

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ راناؤنی اپنی جگہ جم کر رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کھڑی ہے یا لیٹا ہوا ہے۔ بالآخر اس نے ہی فیصلہ کیا کہ اسے دے پاؤں کر کے سے نکل لینا چاہئے۔ کمرل نے ابھی تک اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کی توجہ مریض کی طرف تھی۔ راناؤنی نے نوع غیبت جان کر کمرے سے نکلنا چاہا لیکن لو کھلا ہٹ میں وہ دوبارہ کے پاس رہ گئی۔ ہونی چوٹی الماری سے جانکر لی اٹھٹھٹ کر رہ گئی۔ کمرل کی حرکت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس نے ہٹ کر راناؤنی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں اس وقت اس طرح سرخ ہو رہی تھیں جیسے ان میں خون بھر ہوا ہو۔

”کیا بات ہے۔ پاؤں کر لیا؟“ تم کس وقت آئیں گے؟“

”بس بس۔ ابھی آئی ہوں سرمہ راناؤنی نے بول کھلا کر۔

”ابھی میری ڈیوٹی ہے۔“

”ہاں میں جانتا ہوں کہ اس کمرے میں تمہاری ڈیوٹی ہے۔ لیکن کیا تمہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ میں اس کمرے میں آج رہا ہوں؟“

”مجھے معلوم۔ معلوم تھا سرمہ راناؤنی کو اپنا دل ملنے میں اٹھا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کمرل کے سامنے سے کس طرح بھاگ نکلتے۔“

”تمہیں اپنی اس حرکت کا جواب دینا ہو گا۔ کمرل نے کہا۔ تم دوسری نرس کو اس کمرے میں چھوڑ دو اور ابھی اسی وقت میرے کمرے میں آ جاؤ۔ سمجھیں۔“

”جی۔ سمجھ گئی سرمہ راناؤنی نے بے بسی سے اپنی گردن ہلا دی۔“

کمرل راجندر اپنی گردن جھکاتے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد راناؤنی کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ پیروں سے جان لگا کر جا رہی تھی۔ اس نے کمرل راجندر کے متعلق بہت سی گمانیاں سن لی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ وہ بہت ہی سخت گیر آدمی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر کھڑک اٹھتا ہے۔ کمرل ہسپتال کے عملے میں شامل نہیں تھا۔ لیکن اس مریض کے لئے خاص طور پر اسے بھیجا گیا تھا۔ اور اس کی سرمرہائی میں سارا کام ہو رہا تھا۔ وہ سرمے ڈاکٹروں کو بھی اس کے تحت کر دیا گیا تھا۔

راناؤنی نے اس کے جس بڑے ہوئے مریض کی طرف دیکھا۔ اس کی وجہ سے اس پر بے آفت نازل ہوئی تھی۔ یہ مریض اب اور بھی ہراساں ہو گیا تھا۔ یہاں بے ہوشی کے باوجود کمرل جیسے آدمی کے اعصاب پر سوار تھا۔ دروازہ کمرل کی بچوں والی حرکت نہیں کرنا۔ کمرل نے اس آدمی کے کمرل کو ایسی کون سی تکلیف پہنچائی تھی کہ کمرل اس کے سامنے آئے سے باہر ہو گیا تھا۔ راناؤنی بہت دیر تک اس مریض کو دیکھتی رہی۔ اس مریض کے سرخ شدہ چہرے اور اس کے بدن پر ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے اس کی شناخت ہو سکتی تھی۔ پھر کمرل کے کس طرح اسے پہچان لیا تھا کہ کمرل کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہی اس کا دشمن ہے۔ کمرل نے اگر اس کی شناخت کر لی تھی تو پھر اس نے یہ بات دوسروں سے کیوں چھپائی تھی۔ یہ سب ایسے سوالات تھے جن میں سے کسی کا جواب بھی راناؤنی کے پاس نہیں تھا۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اس وقت اسے کمرل کے پاس جانا تھا۔ اس کے کمرے میں حاضری دینی تھی۔ اور اگر اس نے کوئی بات نہیں مانی تو کمرل کیسی آفت نازل ہو جاتی۔

کمرل اسے کمرے میں بڑی بے چینی سے شہل شہل کر اس کا انتظار رہی کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے درمیان

ایک موٹا سا سکار دیا ہوا تھا جو بنائے کپ کا بچہ جاکھ تھا۔ لیکن کرنل کو اس کی خبر ہی نہیں تھی۔ رانا وائی کرے میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہوئی اس وقت خوف سے اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اس نے یہاں آتے ہی سے ایک چوری مرس کو اس مریض کے کمرے میں بھیج دیا تھا اور خود کرنل کے پاس چلی آئی تھی اس کے پاؤں کانپ رہے تھے ہاں کرے نہیں کر سکا بھی رہی ہوئی تھیں۔ لیکن اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ کسی کرسی پر بیٹھ سکتی۔

”کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ اگر کرنل راجندر رانا وائی کی طرف دیکھ کر بولا۔ اس کا لہجہ کچھ نرم تھا۔

رانا وائی اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت بھی اس کے خوف کا وہ عالم تھا جیسے اس کے حلق میں گولہ ایک گیا ہو۔

”کیا تم مجھے پاگل سمجھتی ہو۔“ کرنل نے اچانک ایک غیر متوقع سی بات بول چھٹی۔

”نہیں نمز میں۔“

”تم نے اس کمرے میں جانے کے بعد کیا دیکھا تھا؟“

کرنل راجندر نے اپنے ہونٹوں میں دبا ہوا سکار ایک طرف لٹکے دیا تھا۔ مٹا دیا گیا دیکھا تھا؟

”میں نے سر آپ کو اس بے ہوش مریض سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ رانا وائی نے جلدی سے کہا۔

”ہوں۔“ کرنل نے ایک چھری سا سنائی۔ ”تو پھر اس سے تم نے کیا بھلا۔ کیا اندازہ لگا پایا۔“

”کچھ نہیں سر۔“ رانا وائی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکی تھیں تو بس دیکھ رہی تھی۔“

”ہاں۔ وہ آدمی میرا دشمن ہے۔“ کرنل نے اپنی دھڑکنے والی مٹھیاں بچھ لیں۔ اس کی وہی کیفیت ہوئی تھی جو کہ رانا وائی اس سے پہلے دیکھ چکی تھی۔ ”میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی لیکن تم۔“ اس نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ابھی انکھوں سے مجھے اس مریض سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔“

”جوا بھی سن نہیں سکتا جو کچھ بول نہیں سکتا جوائے جسم کو حرکت نہیں دے سکتا۔ اگر میں چاہوں تو اسی عالم میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں کسی کو پتہ ہی نہیں چلے لیکن میں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے پیشے کے تقاضے کے خلاف ہے۔ سمجھ نہیں۔ یہ میری فطرت کے بھی خلاف ہے۔“

رانا وائی نے صرف اتنا ہی سمجھا تھا کہ کرنل اس شخص سے پرانی دشمنی رکھتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان مخالفت کی ایسی بنیاد موجود ہے جس کی وجہ سے کرنل اسے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کی حریت سے چور ہے۔ ورنہ اس نے ہوشی کے عالم میں ہی وہ اس مریض کو ہلاک کر چکا ہوتا بس اتنی ہی بات رانا وائی کی سمجھ میں آ چکی تھی۔

”میں نہیں جاننے کہ تم کس مزاج کی لڑکی ہو۔“ کرنل نے رانا وائی کی طرف دیکھے ہوئے کہا۔ ”لیکن تمہارا چہرہ یہ بتا رہا ہے کہ تم اپنے فرائض اپنی طرح ادا کرنے کے قابل ہو۔ میرا اندازہ تمہارے لئے غلط نہیں ہو سکتا۔ تم اس وقت اپنی ڈیوٹی ادا کر رہی ہو۔ میرے احکامات اسی حد تک ماننے کی پابند ہو جس حد تک تمہارے فرائض کا تعلق ہے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اب میرا ساتھ بھی دو۔ دیکھو۔ لڑکی کھیل میں حصہ لینے والے دو قسم کے ہوا کرتے ہیں ایک تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی مرضی سے جان بوجھ کر کھیل میں حصہ لیتے ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں جنہیں اتفاقات اور حالات اس کھیل میں غنیمت اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس میں ان کی اپنی مرضی اور خواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ لیکن حالات انہیں کھیل کے میدان میں اتار دیتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ تم ان اتفاقا مریض کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔ تم نے مجھے اس بے ہوش مریض سے کچھ کہتے ہوئے دیکھ لیا پھر اس کھیل میں شامل ہو گئیں۔“

”میں میں سمجھی نہیں سر۔“ رانا وائی نے بول کھلا کر کہا۔

”میں صرف اتنا سمجھا چاہتا ہوں کہ اس کھیل میں اب تم بھی شامل ہو گئی ہو۔ حالانکہ ابھی تمہیں کچھ نہیں معلوم لیکن یہ کیا کیا جانے کے رقم نے ابھی انکھوں سے ایک قمران دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے ہمیں بھی اس کھیل میں براہِ عملہ بننا ہو گا۔ میرے ساتھ شریک ہو رہا ہرگز ہے گا۔ اور تمہاری مجبوری ہے۔“

”میں ابھی بھی نہیں سمجھ سکی جناب میں اس معاملے میں کیا کر سکتی ہوں۔ یہ معاملہ لو آپ کا ہے۔“

”نہیں۔ اب یہ معاملہ صرف میرا نہیں رہا۔ میں نے کہا تھا کہ رانا وائی میں تم بھی اس کھیل میں شریک ہو گئی ہو۔ یہ مسئلہ تمہارا بھی ہے اور تمہارے لئے یہ فزکی بات ہونی چاہیے۔“

”میں تم برا اعتماد کرنے لگا ہوں۔ تم ایک قلعہ لڑکی ہو۔ تم اگر سمجھ دینا چاہو تو کسی کی پروا نہیں کرو گی۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ اگر آپ مجھے اعتماد کے قابل سمجھتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بتائیں مجھے کیا کرنا ہو گا۔“

”مسب سے پہلے تو تم یہ جان لو کہ مجھے اس آدمی سے کون نفرت ہے۔ میں اس آدمی سے کیوں نفرت کرتا ہوں۔ میں اس پر اتنا غصہ کیوں ہوں۔ یہ آدمی جسے تم آج بستر پر لے ہوئے ہو دیکھ رہی ہو۔ اس مالک کا سب سے خطرناک انسان ہے۔ اس نے مجھے کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔ پورے ملک کے جرائم پیشہ لوگ اس کے نام سے بھرتے لگا۔ اس نے ہر طرف ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ لیکن چالاک اور ذہین انسان ہے کہ یہ بھی خود سامنے نہیں لیا۔ اس نے اپنا کام اپنے کارندوں سے لیا ہے۔ اس کے ظلم کا شکار ہونے والوں میں میرا اپنا چھوٹا بھائی بھی ہے جس کو اس نے بہت بے دردی سے ہلاک کیا تھا۔ میں ابھی تک اس کی موت کا داغ اپنے سینے پر لے رہا ہوں۔ اسی لئے جب یہ شخص میرے سامنے آیا تو میں خود ہر قابو نہیں رکھ سکا۔ میں کرنل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انسان بھی ہوں۔ ایک بھائی ہوں۔ تم نے کمرے میں کرنل کو نہیں بلکہ ایک بھائی کو دلوئے ہوئے سنا تھا۔ اب تو تم سمجھ گئی ہوں کہ میں اس شخص سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہوں۔“

”جی سمجھ گئی سر۔ لیکن رانا وائی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔“

”ہاں کچھ۔ کیا سمجھا جا رہی ہو۔“

”سر۔ اگر آپ ہر ذہن میں تو یہ بتا دیں کہ آپ نے اس کو شناخت کیسے کیا۔ کیونکہ اس کی حالت بہت خراب ہے۔“

”ہوں۔“ کرنل نے ہونٹوں پر سرکٹ اٹھائی۔ ”یہ تم نے اچھی بات بول چھی ہے۔ بات اتنی ہے کہ یہ شخص جس علاقے سے ملا ہے۔ اس جگہ اس کا ایک خفیہ اڈہ تھا۔ یہ ٹہروں کی کارروائی کرنے کے بعد اپنے اسی اڈے میں چلا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا پورا بدن سوچا ہے۔ اسی لئے ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور شخص ہو لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔ اس کا چہرہ مگر سوچا ہے۔ لیکن اس کا قد اور اس کا جسم تو اپنی جگہ برقرار ہے۔ اس کے جسم پر ان گنت زخم تو آئے ہیں۔ لیکن اس کی جسمات میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ وہ تو اسی طرح ہے کیوں۔“

”میں سر آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ جسمات میں تو کوئی کمی نہیں آئی ہو گی۔“

”بس اسی لئے میں نے اسے یہاں لیا ہے۔“

”لے بتایا۔ اور اب میں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”لیکن سر۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ چلنا وائی نے بول دیا۔

”میں تم سے صرف اتنی مدد چاہتا ہوں کہ تم جوڑی کی کے کمرے میں رات ہی رہو۔ اسی لئے وہ جیسے ہی ہوش میں آئے۔ تم سب سے پہلے مجھے اطلاع دینا۔ میں اسے یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اسے یہاں لیا ہے۔ اور اب وہ مجھے سے بڑھ نہیں سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنا انجام اس کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ اسے اپنے خوفناک انجام کا خیال آجائے۔ یہ بھی اس کے لئے بہت بڑی سزا ہو گی۔ میں اسے اس طرح مارنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دو گی۔“

”کیوں نہیں سر۔ اگر یہ ایسا ہی آدمی ہے تو میں آپ کا ساتھ دوں گی۔ لیکن سر۔ کیا اس کا نام بتائیں گے آپ۔“

”اس کا نام وشوانا تھا ہے۔“ کرنل نے بتایا۔ ہاں ایک بات اور۔ جو میں تم سے بتا رہا ہوں۔ میرے پاس اس کی ایک تصویر بھی ہے۔ میں اس تصویر کے مطابق اس کے چہرے کو بلا سٹل مگر جری کر دواؤں گا۔ تاکہ ہوش میں آنے کے بعد یہ خود کو پہچان بھی سکے۔“

●

وہ ایک طویل قامت آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر کلا کی روشنی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی اس طرح سرخ ہو رہی تھیں جیسے خون اگل رہی ہوں۔ وہ ایک جیتی جاڑی سے اترتا تھا اور اس کے جسم پر سوٹ بھی بہت قیمتی ہے۔ لیکن وہ جیتی سوٹ اس کی شخصیت سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ جیسے اسے زبردستی سوٹ پہنا دیا گیا ہو۔ جاڑی سے اترنے کے بعد وہ بڑے برا اعتمادی فیمون چلتا ہوا ہسپتال میں داخل ہوا اور کاونٹر پر پہنچا کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھا یا شخص اس کے تہیت چہرے کو دیکھ کر ہم سارے لپٹا تھا۔

”میں اس مریض کے لئے آیا ہوں جس کے لئے اشتہار دیا گیا ہے۔ اس کے لاؤنڈر والے کو بتایا۔ اس کی آواز بھی اس کی شخصیت کی طرح اکھڑ تھی۔

”اس مریض سے جناب جو کہ ٹیم لکھ گئے پاس سے۔“

”ہاں ہاں وہی اس آدمی نے اس کی بات کاٹ دی تو وہ آدمی میرا بھائی ہے“

”ایک منٹ سہ میں ابھی کرل راجندر سے پوچھ لینا ہوں۔ وہی انچارج ہیں“

”ٹھیک ہے بات کر لو اس سے لاہور والی سے کہا۔ کافر والے نے فون اٹھا کر کرل راجندر سے بات کر لی شروع کر دی۔ وہ اس دوران چوری چوری اس دیو کی آدی کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ رہبر پر رکھ دینے کے بعد اس نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

”آپ چلے جائیں سر۔ دوسری منزل پر کرل راجندر کافر ہے۔ روم نمبر بیس“

”ٹھیک ہے“ وہ آدمی غرا ہوا۔

وہ کرل کے کمرے میں آنے کے بعد کرل کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کرل اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ کرل نے گہری نگاہوں سے پوچھا۔

”وٹو“ وہ آدمی نے جواب دیا۔

”کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ آدمی تمہارا بھائی ہے۔“

”میں میں ثبوت کی کیا ضرورت ہے جناب؟“ وہ میرا بھائی ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔

”وٹو تو بوجھ چہا ہوں کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کیونکہ اس کا چہرہ مسخ ہو چکا ہے۔“ کرل نے کہا۔

”اس کی بائیں ران پر آدمی کی طرف ایک پیدائشی نشان ہے جناب“ اس آدمی نے کہا۔ ”میں اس نشان کو دیکھ کر بتا دوں گا کہ یہ نشان میرے بھائی کا ہے۔“

”تو تمہارے بھائی کا نام کرم ہے۔“ کرل نے کہا۔

”جی جناب“ اس نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔

”آپ اس کا نشان دیکھ لیں۔ آپ کو خود ہی معلوم ہو جائیگا۔“

”خیر وہ نشان تو بعد میں دیکھوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارا بھائی اس علاقے میں کیوں گیا تھا۔ اور ہمیں کیسے معلوم کر یہ وہی تمہارا بھائی ہے۔“

”میرے پاس اس کا بھی ثبوت ہے جناب“ اتنا کہ کر اس نے اپنی جیب سے ایک خط نکال کر دکھایا۔ ”یہ وہی جناب۔ یہ وہ خط ہے جو ٹیکہ گڑھ کی طرف جاتے ہوئے کرنا نے مجھے لکھا تھا۔ کرم ایک بار ٹھٹھ کاٹو ہے جناب حالانکہ میرے پاس محکمہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ بہت بڑا کارہا

ہے۔ میرا لاکھوں کا بزنس ہے۔ لیکن کرم ایک ایسا آدمی ہے کہ وہ بھی میرے ساتھ نہیں رہا۔ جیڈٹ اپنی مرضی سے چل رہا ہے۔ گانڈ بن کر اسے کما کما کر ملتا تھا۔ پھر حال اس خط میں اس نے لکھا ہے کہ وہ ایک انگریز و نیم فاسٹر کرل کے بیڈ روم گڑھ سے آگے جنگلات کی طرف جا رہا ہے۔ کیونکہ وہ فاسٹر کو شکار کا شوق ہے۔ پس جناب۔ اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ پھر جب میں نے اس کے بارے میں خبریں پڑھیں۔ اشتہارات دیکھ کر ایک امید پر مہیاں چلا آ یا ہوں کہ شاید وہی میرا بھائی ہو۔ آپ یہ خط دیکھ لیں۔ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔

کرل نے اس کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ اس خط میں وہی لکھا تھا جو اس شخص نے نہائی بتایا تھا۔ یعنی کرم کی و نیم فاسٹر کو لے کر ان جنگلات کی طرف جا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ تم آؤ میرے ساتھ“ کرل نے ابھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

مریض کے کمرے کے باہر آ کر کرل نے فی فٹوں کو اشارہ کرتے ہوئے اس آدمی سے کہا۔ ”اندر جانے سے پہلے ہمیں تلاش دی ہوگی“

اس دوران ڈاکٹر وٹو فی اور ایک نرس بھی کرل کے پاس چلے آئے تھے۔ جو اس آدمی کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کرل نے صورتحال حال سے انہیں آگاہ کر دیا۔ فی فٹوں نے اس آدمی کی تلاش کی۔ اس شخص نے بڑے آرام کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ اس کی جیبوں سے ہتھیار ختم کی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی۔

”جولو ٹھیک ہے۔ آؤ اندر آ کر کرل نے کہا۔

وہ سب مریض کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کے سامنے اس وقت رانا وٹو کے بھائی ایک دوسری نرس کی ڈروٹی تھی۔ اس آدمی نے بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر بہتر پرے بیٹھ بیٹھ ہوئے مریض کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کرل کی ہدایت پر مریض کی بائیں ران پر سے چادر ہٹا دی گئی تھی۔ اس پر کوئی نشان نہیں تھا۔

”محکمہ کا نشان ہے“ اس آدمی نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ یہ میرا بھائی نہیں ہے۔ اس نے کہا۔

”کیا تمہیں یقین ہو گیا۔“ کرل نے بڑے کڑے تیور سے پوچھا۔

”جی جناب۔ یقین آگیا۔ یہ میرا بھائی نہیں ہے۔ یہ

کوئی اور ہے۔ آپ لوگ معاف کریں میری وجہ سے آپ لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی“

”تمہیں اپنا نام پتہ بتا کر جانا ہو گا۔ کرل نے کہا۔

”جی جناب۔ میرے پاس کارڈ ہے۔ یہ لیں“ اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر کرل کی طرف بڑھایا۔

”ٹھیک ہے“ کرل کارڈ دیکھتے ہوئے ہنسنے لگا۔

”تم جاسکتے ہو“

وہ آدمی ہسپتال سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور کچھ فاصلے پر گاڑی روک لی۔ وہ یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا گیا ہے۔ اور جب تعاقب ہوگا تو اس کا تعاقب نہیں ہوا تھا تو اس نے گاڑی کی کھڑکی کا شیشہ اٹا کر اپنے ہاتھ کو دوبارہ جھکا دیا۔ سامنے والے فٹ ہاتھ سے ایک آدمی تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس آگیا۔ وہ بھی اپنی صورت سے کوئی خرم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نیلے رنگ کی جرسی پہن رکھی تھی۔ اس کی کلائی سے ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی۔

”کیا ہوا پاس۔“ اس نے کھڑکی کے پاس آ کر پوچھا۔

”ہسپتال سے ہوئے“

”ہاں ہو آیا“ اس آدمی نے جواب دیا۔ ”اور میں اسے دیکھ چکی آیا ہوں۔ میرا خیال صحیح نکلا۔ وہ بدلی نا تھا ہی ہے بالکل وہی“

”تو تمہارے کیسے نکالا جانے کا پاس“

”ابھی نہیں۔ ابھی اس کا وہاں علاج ہو رہا ہے۔ اس آدمی نے کہا۔ ”اگر ہم اسے لکال بھی لائے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہم اس کا علاج نہیں کر سکیں گے۔ اسی لئے جب وہ تیار ہو جائے گا اس وقت ہم اسے ہسپتال سے اٹھا کر لیں گے۔“

”لیکن آپ کو معلوم کیسے ہو گا کہ وہ تندرست ہو چکا ہے یا نہیں۔“

”تم سوالات بہت کرتے ہو گویا“ اس آدمی نے اسے جھڑک دیا۔ اس کا بھی بددلتہ تو کرنا ہی ہو گا۔ اور وہاں کروں گا۔ تم اس وقت اس گاڑی کو لے کر چلے جاؤ۔ میں اب اس میں آ جاؤں گا۔ اتنا کہ کر اس کا کہنا کہ چلی نشست پر ڈال دیا اور خود گاڑی سے اتر آیا۔

اس کے گاڑی سے اترتے ہی دوسرے آدمی نے ڈرائیونگ سیٹ میں اس کی اور گاڑی آگے بڑھانے کے لیے کہا۔ وہ شخص دوبارہ ہسپتال کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ ہسپتال کے

گیٹ کے سامنے والے فٹ ہاتھ پر کھڑا ہو گیا۔ کوٹ اتار دینے کے بعد اس کے چلیے میں تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے اپنی نگاہیں ہسپتال کے گیٹ پر جمائیں تھیں اور وہ ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد جب اس نے ایک نرس کو گیٹ سے نکلنے کے لئے دیکھا تو اس نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ وہی نرس تھی جسے وہ اس مریض کے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ وہ نرس گیٹ سے نکل کر فٹ ہاتھ پر ایک طرف چلنے لگی۔ تو وہ خود بھی سڑک عبور کر کے اس کے پاس پہنچ گیا۔

”ڈیوڈی ذرا بات تو سنیں“ اس نے بڑے نرم لہجے میں نرس کو آواز دی۔

نرس ٹھٹھ کر رہ گئی۔ اس نے جب اس آدمی کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا تو خوف سے اس کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔ اس نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا۔

”آپ گھرائیں نہیں دیو“ وہ بڑے نرم لہجے میں بولا۔

”میں آپ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچاؤں گا“

”کیا جانتے ہیں آپ۔“ نرس ٹھٹھ لگتی ہوئی بولی۔

”میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں“ اس نے کہا۔

”آپ شاید میری شکل و صورت سے خوفزدہ ہو رہی ہیں لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھ کو ان کے میری صورت ہی ایسی بنا دی ہے کہ فٹ مجھے غصہ بد معاش سمجھ لیتے ہیں اگر آپ بھی سمجھ رہی ہیں تو اس میں آپ کا کوئی دخل نہیں ہے۔“

”نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے“ نرس جلدی سے بول پڑی۔ اس کا خوف بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ”بہت نیچے میں آپ کی کیا سبب رکھتی ہوں“

”میں نے کہا کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اگر آپ بڑا دانا نہیں تو اس سامنے والے ریتوران میں چلی جائیں وہاں آپ مجھ سے کوئی خوف بھی محسوس نہیں کریں گی اور میں آپ سے بات بھی کر لوں گا۔ پس غصہ دیو کی بات ہے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا“

نرس کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوئی۔ وہ شخص اسے روڈ گزاس کے ایک چھوٹے سے ریتوران میں لے آیا۔ جو بہت پر سکون سا ریتوران تھا۔

”ہاں بتائیں کیا کام ہے آپ کو۔“ نرس نے کرسی پر بیٹھنے

کے بعد پوچھا۔

”آئی جلدی بھی کیا ہے۔ یہ بتائیں کیا پینا پسند کریں گی؟“
”نہیں۔ کچھ نہیں شکریہ۔“

”کیسے ہو سکتا ہے۔ یہاں بیٹھے کا ہمیں جرماں تو دینا ہی ہو گا۔ اس نے کہا۔

پھر اس نے نرس کے منہ کرنے کے باوجود چلے اور بسکٹ لائے کے لئے کہہ دیا۔ پھر اس نے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کیا آپ مجھے اپنا نام بتانا پسند کریں گی؟“
”میرا نام بدینی ہے۔“ نرس نے کہا۔

”دیکھیں بدینی دو بولی کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں اس مرض کے کمرے میں آئیوں گی؟“
”مجھے بتایا تو نہیں تھا لیکن اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ شاید کسی گوشاخ کرنے کے لئے گئے تھے۔ لیکن آپ کو مایوسی ہوئی؟“

”میں اپنے بھائی کی شناخت کے لئے گیا تھا۔ اس نے کہا۔ اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ وہ مرض پر لکھا ہوا تھا۔“
”کیا کہا بدینی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔“
”کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔“
”وہ میری فیوری تھی بدینی دو بولی؟“ اس آدنی نے ایک گہری سانس لی۔ ”اگر میں ان لوگوں کے سامنے اسے یہاں لیتا تو تندرست ہوجانے کے بعد اس کی زندگی عذاب ہوجاتی۔ ان کا نام معلوم ہوتے ہی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آجاتی۔“

”اوہ بدینی نے اپنے ہونٹ میلے۔ وہ اب کچھ پریشان دکھائی دینے لگی تھی۔“ آخر کیوں کہا آپ کا بھائی کوئی بزم ہے؟“
”نہیں۔ وہ ایک عجب وطن اور انسان دوست آدمی ہے۔ اس نے کہا۔ اے ای نے اسے یہ عذاب برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔“
”میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکی۔ آپ کہاں جاتے ہیں؟“
”دیکھیں بدینی دو بولی میں آپ کو فطرتی الفاظ میں اپنے بھائی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی صورت شکل اور قد و قامت سے کوئی غلطہ اور غیر عذرت شخص دکھائی دے رہا ہوں۔ لیکن میرا بھائی ایسا نہیں ہے۔ اس کا نام بدینی نا تھا۔ اس نے بہت ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ میں اسے جہاز میں کرما کرما کرتا ہوں۔ میں نے آپ کے کرل کو بھی ہی نام بتایا تھا۔ خیر تو کرما باہر ملک سے کیمیری میں رہی۔ اے۔ ڈی کہہ کے آیا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اس کے

نے ڈاکٹر محمد بھاکر کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے شاید ڈاکٹر محمد بھاکر کا نام ضرور سنا ہو گا۔ وہ ایک حیرت انگیز آدمی ہے۔ اس نے کیمیری کی ایک بہت زبردست جڑواہ بنواری ہے۔ اس جڑواہ میں اتفاقاً اس نے ایک ایسا کیمیل دریافت کر لیا جو شاید انجمن سے بھی زیادہ ہلکا ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ دریافت ایسی تھی کہ پوری دنیا میں ہلکا جی سستی تھی ڈاکٹر محمد بھاکر کو اپنی اس دریافت کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ اس نے میرے بھائی کرما کو بھی اس راز میں شریک کر لیا۔ میرا بھائی ایک عجب وطن اور انسان دوست آدمی ہے وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مذمتی دو بولی دریافت افشا ہوجائے۔ لیکن ہوا یہ کہ ڈاکٹر محمد بھاکر جیسا آدمی ملک روپے کے لالچ میں آگیا غیر ملکی طاقتوں نے اس دریافت کا راز حاصل کر کے ڈاکٹر محمد بھاکر سے سووا کر لیا۔ اس کی بھینک کر مائیک بوج کی ان نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ اس دریافت کے فارمولے کو لے کر غائب ہوجائے۔ اس نے یہی کیا۔ وہ فارمولے کو ٹیبلٹ کے مضامنی شکل میں روپوش ہو گیا۔ اس کی اس حرکت نے بڑی طاقتوں کے ایکٹوں کو تحفے سے باطل کر دیا۔ مجھے لگتا ہے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ مجھے لگتا ہے لوگ اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور سب سے بڑے دشمن خود ڈاکٹر محمد بھاکر تھے۔“
”کہا ڈاکٹر صاحب وہ فارمولہ دوبارہ نہیں لکھ سکتے تھے؟“
”بدینی نے سوال کیا۔ اس شخص سے اب اس کا خوف ختم ہو گیا تھا۔“
”نہیں دو بولی۔ شاید آپ کو سائنسی فارمولوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔“ وہ آدنی مسکرا دیا۔ ”یہ فارمولے کئی برسوں کی محنت کے بعد تیار کئے جاتے ہیں۔ پوری فاضل کی فاضل ہوتی ہے۔ اس میں نجی نے کتنے اشارے کتنی علامت ہوا کرتی ہیں۔ ایک بار کوئی فارمولہ لکھ جاتے تو اس کو دوبارہ تیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس فارمولے کے ساتھ بھی یہی ہو گا۔ جب فارمولہ لکھنے سے پہلے اس کو ڈاکٹر محمد بھاکر کے ہاتھوں لکھ گئے۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکا۔ اب یہی ہو سکتا تھا کہ کرما کو تلاش کیا جائے۔ بلڈا جوش و خروش کے ساتھ اس کی تلاش شروع ہو گئی۔ لیکن اسی دوران میں کرما والا واقف ہو گیا اور میرا بھائی نے بھی اس ہسپتال میں آگیا ہے۔“
”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کو شناخت کرنے کے بعد بھی شناخت نہیں کی؟“
”میں آپ کو بتا چکا ہوں نا اگر میں نے اسے اپنے بھائی کی حیثیت سے شناخت کر لیا تو حکومت اس کے پیچھے

پڑ جائے گی۔ اور میں نہیں چاہتا اور نہ ہی کرما کو یہ پسند ہو گا۔“
”آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ اگر وہ فارمولہ حکومت کے پاس چلا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ بدینی نے پوچھا۔
”آپ نہیں سمجھیں گی بدینی دو بولی بس اتنا سمجھیں کہ بعض دوستی اور انسانیت دوستی دو مختلف چیزیں ہیں بعض دوستی پوری انسانیت کو بچانے کے لئے وطن کے مفادات کو بھی نقصان پہنچانا پڑتا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس فارمولے کے ساتھ میں آجائے اس کے بعد ہماری حکومت کے دفاع میں فتور نہیں آجائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ایک بڑی طاقت بن کر کروڑوں کو اس کے نقصان پر آمادہ ہوجائے۔ ایسی صورت میں کیا ہو گا۔“
”یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ بدینی نے اپنی گردن ہلائی لیکن میری سمجھ میں اس بات کا کیا ہے کہ میں اس مسئلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟“

”بہت معمولی سی بات ہے۔ اس آدنی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جب میرے بھائی کو پتہ چلا۔ وہ بہت مند ہونے لگے تو اس کی خبر مجھے دے دینے کا بلکہ آپ پر شام مجھے اس کے بارے میں رپورٹ دیتی رہی۔ بس آپ سے اتنے ہی تعاون کی درخواست ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی بڑی بات سمجھ نہیں ہے۔“

”ہاں یہ تو واقعی کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ بدینی نے اس کی تائید کی۔“ لیکن آپ سے کہاں رابطہ ہو گا۔“
”میں اپنا فون نمبر دے جاؤں گا۔ آپ کا کام صرف اتنا ہو گا کہ فون پر ہمیں رپورٹ دیدیں۔ اگر آپ چاہیں تو اس تعاون کے عوض آپ کو“

”نہیں۔ نہیں شکریہ۔“ بدینی اس کا عندیہ بھانپ کر جلدی سے بول اٹھی۔ ”یہ کوئی اتنا بڑا کام بھی نہیں ہے۔“
”پھر تو آپ کی بہت ہرمانی ہوگی۔ یہ ہیں میرا بھائی۔“
”بدینی نے اس سے وہ کارڈ لے لیا۔ اس پر بلیک لٹاک ڈال کر گھڑی ہو گئی۔“

”ٹھیک اسی وقت ہوٹل کے باہر سے ہنگامہ مٹائی دیا۔ شے شمار گزاریاں بیگ رکی تھیں۔ لوگوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ بدینی دو بولی ہسپتال سے باہر آگئی ہسپتال کو اس وقت بہت سے نقاب پوشوں نے گھیر رکھا تھا۔ یہ نقاب پوش مختلف گاڑیوں سے انہر آکر ہسپتال کی طرف دوڑ رہے تھے۔“

39

”اس علاقے میں قیامت سی رہا ہو گئی تھی۔“
”قیامت ہمیشہ کروڑوں کے لیے برپا ہوا کرتی ہے۔ جبکہ طاقت رکھنے والے اپنی طاقت کے بل پر خود قیامت بن جاتا کرتے ہیں۔ اس وقت وہ نقاب پوش ہسپتال کے باہر قیامت مینے ہوئے تھے۔ اور اس بڑے ہسپتال پھیل گیا تھا۔ گاڑی والوں نے اپنی گاڑی کے درجہ تبدیل کر لیے تھے۔ پیدل چلنے والے بہم کرادھر ادھر ہو گئے تھے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہنگامہ کرنے والے تعداد میں گریہ بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ لیکن لوگوں میں ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ اپنا اپنا دامن بچالے جاتے ہیں۔ شہر شہر کی طرح رت میں مردہ ہا کر یہ سمجھتے گئے ہیں کہ خطہ ان کے سروں سے گزر گیا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔ خطہ ان کے ارد گرد بھوکے شیروں کی طرح منڈلاتا رہتا ہے۔“

ہسپتال کے گیٹ پر جو چوکیدار تعینات تھا، اس کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ ان نقاب پوشوں کو دیکھ کر کسی طرف بھاگ لیا تھا۔ ہسپتال کے احاطے میں بیٹھے ہوئے مرعی بھی فرار ہو گئے تھے۔ اب ہر طرف صرف ان نقاب پوشوں کی مکرانی تھی اور وہ احاطے میں ہسپتال میں، احاطے سے باہر ہر جگہ دندناتے پھر رہے تھے۔ یہ ایک منظر حملہ تھا اور ہسپتال کی تاریخ میں پہلی بار کسی ہسپتال پر کیا گیا تھا۔ اس ریسپتوران میں بیٹھے ہوئے لوگ اور اس کا علم بھی سہم گیا تھا۔ ریسپتوران کے مالک نے ریسپتوران بند کرنے کے لیے اپنے ملازمین پر زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ریسپتوران کے دروازے بند کیے جاسکتے، دشمن نے بدینی کو پرسکون رہنے کی تلقین کی اور دوڑتا ہوا ریسپتوران کے دروازے پر آگیا۔ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک وقت کئی آوازیں آئیں لیکن وہ ان سبھوں کو نظر انداز کرتا ہوا ریسپتوران کے دروازے پر پہنچ گیا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی تک پولیس نہیں پہنچی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ابھی تک کسی نے پولیس کو فون نہیں کیا تھا یا شاید پولیس ہمیشہ دیر سے آتا کرتی ہے۔ بہر حال یہاں بھی پولیس کی یہ وسایت برقرار تھی۔ کوئی بھی نہیں آیا تھا اور نقاب پوش حملہ آور ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے۔ ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ ان کا غنیمت کیا ہے۔ یہ کیا چاہتے ہیں۔

93

وشنو نے رستوران سے باہر آ کر ایک گاڑی کی آڑ لے لی تھی۔ اس کی نگاہیں ہسپتال کے گیٹ کی طرف جھی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے کوئی مہو کا بھیر یا اپنے شکار کو پس میں نہ پا کر بھڑک اٹھا ہو۔ اس نے اپنے ہونٹ جیسے رگے تھے اور بار بار اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف جانا اور واپس آ جاتا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد کچھ نقاب پوش ایک اسٹریچر پر لیے ہوئے ہسپتال سے باہر آ گئے۔ اسٹریچر پر بیٹھے ہوئے شخص کے جسم پر گرچہ چادر پڑی ہوئی تھی لیکن دشمنو کی بے تابی اور بڑھ گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اسٹریچر پر کس کو لایا گیا ہے۔ نقاب پوش کس لیے حملہ آور ہوئے تھے۔ اس نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے پستول دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ اس نے رازدارانہ لگا لیا تھا کہ وہ اکیلا ان حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ نقاب پوش اتنی دیر میں ان ونگیوں میں سے ایک ونگین تک پہنچ گئے تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ بہت ہی منظم طور پر واپس بھی ہو رہے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر تھی کہ وہ بہت ہی تربیت یافتہ لوگ ہیں اور انہیں خاص طور پر ایسی مقصد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ونگین اشارت ہوئے ونگین ان کی پر شور آوازوں نے پورے ماحول کو بھڑکادیا۔ پھر یکے بعد دیگرے وہ ونگین اس طرح چلی گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ان ونگیوں کے جانے کے بعد کچھ دیر تک سنا مارا۔ پھر زندگی اس طرح متحرک ہو گئی جیسے پرندوں سے بھر ہوئے کسی درخت پر پتھر مار کر سونے ہوئے پرندوں کو بیدار کر دیا جائے۔ ہر طرف سے لوگ اٹھ اٹھ کر ہر طرف جمع ہونے لگے۔ کوئی کھدروں میں دیکے ہوئے مریض بھی باہر نکل آئے۔ ہسپتال کا عملہ بھی واہلا کرنے لگے۔ گھاڑیاں بھی چلنے لگیں۔ راہ گیر بھی متحرک ہو گئے۔

پھر ان ہی آوازوں اور آواز فز کے درمیان پولیس کی گاڑیاں بھی شور کرتی ہوئی پہنچ گئیں۔ پولیس نے اپنی روایت برقرار رکھی تھی۔ دشمنو بھی گاڑی کے عقب سے باہر آ گیا۔ اس کے ہونٹ ابھی تک جھینپے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ پر شکنوں کا جال تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک شعلے روشن تھے۔ اس نے اب رستوران کی طرف بھی دھیان

نہیں دیا اور تیز قدموں ایک طرف چل پڑا۔ اب اس سرک پر اتنا شاش تھا کہ کسی کو اس کی طرف دھیان دینے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ اس نے سنا کر کوئی پولیس آفیسر میگافون کے ذریعے کچھ اعلان بھی کر رہا تھا۔ دشمنو کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ پولیس کس بات کا اعلان کر رہی ہے۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ کچھ دیر چلنے کے بعد کسی سواری کے انتظار میں کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور جب کوئی سواری اس طرف آتی ہوئی دکھائی نہ دیتی تو وہ دوبارہ تیز رفتاری سے چلنے لگتا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد اچانک کسی گاڑی کے پیوں کی آواز آنے لگی۔ وہ گاڑی اس کے قریب ہی آئی تھی۔ اس نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ سیاہ رنگ کی اس گاڑی کو کرخت صورت والا ایک آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دشمنو نے ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بڑی چھتری سے کرخت صورت والے کے برابر میں بیٹھ گیا۔ جلدی چلو کوٹھی کی طرف۔ اس نے کرخت صورت والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے باس؟“ کرخت صورت والا جلدی سے بولا۔ ”میں تو آپ ہی کی تلاش میں اس طرف آیا تھا۔“ ”بس اب خاموش رہو اور گاڑی کی رفتار بڑھا دو۔“ دشمنو غر آیا۔ ”میرے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ لوگ اس زخمی کو ہسپتال سے نکال لے گئے ہیں۔“

”اوہ۔“ کرخت صورت والے نے ایک گہری سانس لے کر ایک سیٹیر پر اپنے پر کا دباؤ بڑھا دیا۔ وہ ایک بہت بڑا خوبصورت اور آراستہ مکان تھا۔ اس مکان کے ہر کمرے میں اتنے قیمتی فرنیچر رکھے ہوئے تھے کہ ہر کمرے کے فرنیچر سے ایک چھوٹا موٹا گھر خریدا جاسکتا تھا۔ اس بڑے اور عالیشان مکان میں ملازمین بھی بہت تھے۔ اندر کا کام کرنے والے، باہر کا کام کرنے والے، بارگ کی دیکھ بھال کرنے والے، ڈرائیو ڈالنا اور نہ جانے کیا کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہ معلوم تھا کہ جب زرتاج بیگم کو غصہ آ جائے، اس وقت صاحب کی شامت آجاتی ہے۔ اور آخر صاحب اپنے کمرے سے بھی نہیں نکل سکتے۔ اور نہ ہی کوئی لازم اس وقت مکان کے

اندر جاسکتا تھا۔ اس وقت بھی زرتاج بیگم کو غصہ آیا ہوا تھا اور اختر اس کے سامنے سہا ہوا کھڑا تھا۔ وہ ایک طویل قامت خوبصورت جسم اور روانہ حسن سے مکمل انسان تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر کسی بچے جیسی معصومیت اور اتنا ہی خوف بھی تھا۔ جبکہ زرتاج تیس تیس سال کی ایک ایسی دلکش عورت تھی جس نے اپنی دلکشی کے سلسلے میں وقت کی پروا نہیں کی تھی یا وقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں پایا تھا۔ اس کے نقوش بے مدد و لفریب تھے۔ اس کی آنکھیں بھی اس کے نقوش کا ساتھ دے رہی تھیں اس کا جسم اتنا متناسب تھا جیسے گوشت پوست کو مجسمے کی شکل میں ڈھال دیا گیا ہو۔

”بناؤ تم باہر کیوں گئے تھے؟“ زرتاج بیگم اختر کی طرف دیکھتی ہوئی دہرائی۔

”بس۔ بس یونہی۔“ اختر اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

”جھوٹ مت بولو۔“

”میں سچ کہتا ہوں۔ تم ڈرائیو سے پوچھ لو۔ میں صرف پارک تک گیا تھا۔“

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم میری مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاؤ گے۔ پھر بھی تم نے میری بات نہیں مانی۔؟“

”مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں آمزہ ایسا نہیں کروں گا۔“

”نہیں۔ تم بار بار یہی کہتے ہو اور ہر بار غلطی کرتے ہو۔ آج میں تمہیں تنہا خانے والی نماز ضرور دوں گی۔“

”نہیں۔ نہیں، ایسا مت کرو۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔“ اختر کسی بچے کی طرح کانپ رہا تھا۔

”تمہیں مزاح تو ضرور ملے گی۔ چلو تنہا خانے کی طرف۔“

”نہیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔“

”میں کہتی ہوں چلو۔“ زرتاج دہرائی۔ ”تم میری بات ماننے سے انکار کر رہے ہو۔“

اختر نے پھر کچھ نہیں کہا۔ اس نے اپنی گردن جھکا لی۔ اور دھیرے دھیرے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ زرتاج اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئے، پھر تیسرے کمرے میں آئے۔ یہاں دیوار کے ساتھ ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ زرتاج نے اشارہ کیا اختر

نے آگے بڑھ کر وہ دروازہ کھول لیا۔ دروازے کے بعد سیڑھیاں تھیں۔ جو نیچے آتے چلی گئی تھیں۔ اختر نے یہاں مڑ کر رحم طلب لگا ہوں سے زرتاج کی طرف دیکھا۔ زرتاج نے اشارہ کیا۔ اختر کسی خوفزدہ جانور کی طرح سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ اس کے تہہ خانے میں اتر جانے کے بعد زرتاج نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

اس تہہ خانے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ فرش پر بھی کچھ نہیں بچھا تھا۔ اس کی دیواروں کے رنگ مختلف تھے۔ چھت اونچی تھی اور چھت پر ٹیوب لگے ہوئے تھے جن کی روشنی اس وقت تہہ خانے میں پھیلی ہوئی تھی اختر تنہا جانے کے وسط میں کھڑا ہو کر کچھ دیر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر ایک دیوار کے سہا سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی حالت بارش میں بے پناہ جھجکی اس ٹی کی طرح ہو رہی تھی جسے کہیں پناہ نہ مل رہی ہو۔ اس کے جسم پر ہلکی ہلکی لمرزش طاری تھی اس کی آنکھوں سے بے پناہ خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔

اچانک اس تہہ خانے میں کچھ آوازیں ابھرنے لگیں۔ یہ سرمرانی ہوئی آوازیں تھیں۔ جیسے بہت سے لوگ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ اختر ان آوازوں کو سن کر بھڑک کر سیڑھیوں کی طرف دوڑ پڑا۔ اوپر جانے والا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ لوٹ کر تہہ خانے کے وسط میں آ گیا۔ ان سرگوشیوں کا حجم اب بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سلا کی طرح پورے تہہ خانے میں پھیلنے لگیں۔ پہلے وہ سرگوشیاں واضح نہیں تھیں۔ لیکن اب واضح ہو گئی تھیں۔ تم پاگل ہو۔ وہ سرگوشیاں یہی کہہ رہی تھیں۔ تم پاگل ہو۔ ہر طرف اس کی گونج تھی۔ تم پاگل ہو۔ تم پاگل ہو۔

کچھ ہی دیر میں وہ تہہ خانہ اس طرح گونجنے لگا، جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ توپ چل رہی ہو، بم پھٹ

رہے ہوں۔ بس ایک ہی نکرار، تم پاگل ہو۔ اختر اب پورے تہہ خانے میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ ایک دیوار سے دوسری دیوار کی طرف، دوسری سے پھر پہلی کی طرف۔ وہ ان آوازوں سے بچنے کے لیے ان دیواروں میں ساجانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ دیواریں اس کے لیے شقی نہیں ہو رہی تھیں۔ ان دیواروں نے اس کا راستہ روک رکھا تھا۔ ”کہو میں پاگل ہوں۔“ ان آوازوں کی لے اب بدل گئی تھی۔ ”کہو میں پاگل ہوں۔ کہو، میں پاگل ہوں۔“

"ہاں۔ میں پاگل ہوں۔ پاگل ہوں۔" اختر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بار بار یہی دہرا رہا تھا: "ہاں۔ میں پاگل ہوں۔"

وہ اب باقاعدہ سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ اس کی سسکیاں تہہ خانے میں گونجتی، آوازوں میں گڑبڑ ہو رہی تھیں۔ پھر اس تہہ خانے میں صرف اس کی سسکیاں باقی رہ گئیں۔ آوازوں کا سمندر چانگ پلٹ گیا تھا۔ وہ آوازیں خاموش ہو گئی تھیں۔

اختر ان آوازوں کے دم توڑ دینے کے بعد خود ہی بڑھ چلا ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے، وہ ابھی تک میں پاگل ہوں۔ میں پاگل ہوں کی گردان کیے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد تہہ خانے کی سیڑھیوں پر تدموں کی آواز گونجنے لگی۔ اور تین آدمی تہہ خانے میں آئے۔ زرتاج ان کے پیچھے پیچھے تھی۔

"چلو صاحب کو اٹھا کر ان کے بیڈروم میں لے جاؤ؟" زرتاج نے اختر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ عینوں ملازمین شاید اس قسم کی صورتحال سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے ان کے بے جان چہروں پر کسی قسم کی حیرت نہیں تھی۔ انہوں نے بڑھ چلے ہوئے اختر کو اٹھالیا اور سیڑھیوں کی طرف چل پڑے۔ ان کی کاوش سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ مجاری بھر کر اختر کو اس طرح اٹھا کر لے جاتے ہوئے انہیں بہت دشواری محسوس ہو رہی ہے۔

نشتان بھی اختر کے بیڈروم تک ان ملازمین کے ساتھ ہی آئی تھی۔ وہ تینوں اختر کو مسہری پر ڈال کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد زرتاج نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اختر کے سر پر لے کر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر تک بڑی گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکانے لگے۔ اختر کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔ زرتاج نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے اس کے بالوں میں گنگھی کرنی شروع کر دی۔ انگلیوں کا لمس محسوس کر کے اختر نے آنکھیں کھول دیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" زرتاج نے پوچھا۔ اس کے بچے کا کھڑپا بھردی کے احساس میں دھل گیا تھا۔

"نہیں تم مجھے نزامت دو۔ میں برواشت نہیں کر سکتا۔"

"نہیں۔ نہیں، میں تمہیں نزات نہیں دوں گی۔" زرتاج نے اپنے ہونٹ سختی سے جھینچ لیے۔ "مجھے معاف کر دو، میں بہت بری ہوں۔"

"نہیں۔ تم بہت اچھی ہو۔ بُرا میں ہوں۔"

"ایسا مت کہو۔ میں تم پر بہت ظلم کرتی ہوں۔"

کیوں؟ لیکن میں کیا کروں۔ میں تو مجبور ہوں۔"

اختر معصوم اور حیران لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زرتاج کے ساتھ کون سی مجبوری ہو سکتی ہے۔

"اب تم آرام کرو۔ میں تمہارے لیے سوپ بھجوا دیتی ہوں۔"

اختر اپنی گردن ہلا کر رہ گیا۔ زرتاج اس کمرے سے نکل کر باہر آ گئی۔ اس نے ایک ملازم کو اختر کے لیے سوپ کا کپہ کر خود اپنے کمرے میں آ گئی۔ یہ وہی کپہ تھا جہاں کچھ دیر پہلے اختر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے بڑی احتیاط سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور لیٹر پر لیٹ کر روئے لگی۔ اس کی ہچکیاں دھیرے دھیرے بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اور ٹھیک اسی وقت اس کمرے میں ہلکی سی ٹوٹی ٹوٹی سی آواز گونج اٹھی۔ اس آواز کو سن کر زرتاج اس طرح اچھل کر بستر سے نیچے آ گئی جیسے اس کے بدن میں کرنٹ لگ گیا ہو۔

یہ آواز دیوار کے ساتھ بنے ہوئے ایک شیف سے آرہی تھی۔ اس نے شیف اپنی طرف کھینچ لی۔ اس کے اندر ایک عجیب ساخت کا ٹرانسٹیو رکھا ہوا تھا۔ وہ آواز اس ٹرانسٹیو سے نکل رہی تھی۔ زرتاج نے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی تو ٹوں ٹوں کی آواز بند ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز بلند ہوئی۔

"کوؤ بٹاؤ۔"

"۲۲۹ جناب۔" زرتاج نے مؤدب لہجے میں کہا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے اور اس کی آواز سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کچھ پہلے تک آنسو بہاتی رہی ہے۔

"ٹھیک ہے" دوسری طرف سے کہا گیا۔ کسی مرد کی آواز تھی، بھرپور اور بھری ہوئی آواز۔ ایسا لگتا ہے کہ آج کسی نے تم انسانی کمزوریوں کا شکار ہو گئی ہو؟"

"نہیں باس، زرتاج جلدی سے بولی۔ ایسا تو نہیں! اللہ ایک خیال ضرور دیا تھا۔"

"وہ کیا خیال تھا؟"

میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب اس کو مزاد فیرہ دینے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ وہی کہتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ وہی کرتا ہے جو ہماری خواہش ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے ریت کی دیوار کی طرح دھیر ہو گیا ہے۔

لیے اب اسے چھوڑ دیا جائے تو۔"

"تم نہیں سمجھتی ہو کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ دوسری طرف سے کہا گیا۔ تم نے شاید کبھی فولاد سے بنا ہوا انسان نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ فولاد سے بنا ہوا ہے۔ اس کے اعصاب نئے مضبوط ہیں کہ انہیں ہر چیز کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یوں سمجھ لو۔ وہ ایک سوئے ہوئے شکر کی طرح ہے۔ اور ایسے شکر کو ہر دھچک تھپک کر سلائے رکھنا پڑتا ہے ورنہ ایسے شیر بیلر ہو کر ایک مصیبت کٹری کر دیتے ہیں۔"

"سمجھ گئی باس۔" زرتاج دھیرے سے بولی۔ "میں اندر ایسے خیالات کو ذہن میں ہی نہ دے دوں گی۔"

"میں تمہارے لیے بہتر ہوگا اور میں نے تمہیں اس وقت اس لیے کال کیا ہے کہ جے جے ہسپتال سے اس دغی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"کیا؟" زرتاج نے حیران ہو کر کہا۔ یہ کیسے ممکن ہو گیا باس؟

"بہت آسانی سے۔" دوسری طرف سے جواب دیا۔

"ان احمقوں نے اس اہم مریض کی حفاظت کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ایسے مرتے ہوئے انسان میں کون دیکھ سکتا ہے اور ان کی آواز اور رائی نے اس مریض کو اغوا کر لیا۔ حملہ کرنے والے بڑے منظم انداز سے آئے اور اپنا کام کر کے واپس ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ہسپتال میں اس وقت سولے نرسوں اور ڈاکٹروں کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ اس لیے کوئی بھی ان کا راستہ نہیں روک سکا۔ اور یہ سارا کام نشوں میں ختم ہو گیا اب ہر طرف بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا باس۔" زرتاج نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"نہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔ وہ میری لگا ہوں ہیں۔"

"وہ کون لوگ ہیں باس؟"

"میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ پہلے میں خود اچھی طرح اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں اور تم اس دوران ایک ایسے محلے کی تیاری کرو جس میں تمہارے اختر کو استوال کیا جائے گا۔" میں نہیں سمجھ سکی باس۔

ایک بڑا مکان ہونا چاہیے۔ جس کے اندر ایک کمرے کے بیشتر پر کوئی دومی بڑی ہوئی ہے۔ اس مکان کے چاروں طرف سخت پہرے کا انتظام کرنا ہوگا۔ خوشنوار کتے بھی ہر طرف دوڑتے رہنے چاہئیں۔ محافظوں کے ہاتھوں میں اگر تم چاہو تو مصنوعی اسلحہ بھی دے سکتی ہو۔ اس کے بعد اختر کو اس مکان کے باہر لے جا کر چھوڑ دینا اسے بے ہدایت دے دینا کہ وہ فلاں کمرے میں رکھی ہوئی ڈمی اٹھا کر لے آئے۔ اس کے بعد اس کا کمال دیکھنا۔"

"اگر ان لوگوں نے اسے کوئی نقصان پہنچا دیا تو۔" زرتاج کے لہجے میں اندیشہ جھلک رہے تھے۔

"بزدلوں والی باتیں مت کرو۔" دوسری طرف سے اسے جھڑک دیا گیا۔ "میں نے اس کا انتخاب سوچ کر کچھ کر ہی کیا ہے۔ وہ ایک ویران جگہ تھی۔"

دو دروازے اور تین بچہ پاڑیوں کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ اور ان ہی بچہ پاڑیوں کے درمیان ایک ٹریک بنا ہوا تھا۔ یہ ٹریک قدرتی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس طرف سے گاڑیوں کی آمد و رفت رہتی ہو۔ یہ ٹریک بچہ پاڑیوں کے درمیان سے بن کھاتا ہوا کسی طرف نکل گیا تھا۔ جبکہ اس کے دوسرے سرے پر ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہوئی تھی۔ یہ عمارت بچہ پاڑیوں کے دامن میں تھی۔ اور بچہ پاڑیوں نے اس طرح اس عمارت کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا کہ دور سے دیکھنے پر وہ عمارت دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔ عمارت بنانے والوں نے اس عمارت کے لیے بہت ہی موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس عمارت کے ارد گرد جنگلی جھاڑیاں بھی موجود تھیں۔

اس عمارت کے چاروں طرف اس وقت کچھ مسلح لوگ اپنی اپنی جگہ بڑی مستعدی سے کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ جبکہ اس عمارت کے ایک کمرے میں قیامت مچی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں اس وقت آدمی موجود تھے۔ ان سبھوں کے چہرے سے خوف اور ہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان کے ہونٹوں پر بڑبڑاں جا چکی تھی۔ اور آنکھیں ویران تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی کچھ نہیں بول رہا تھا۔

صرف ان کی گہری گہری سانسیں تھیں جو کمرے میں اُڑ رہی تھیں۔
کی طرح ریگ رہی تھیں۔

پھر بہت دیر بعد ان میں سے ایک نے اپنی زبان کھولی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دوسروں سے مخاطب نہ ہو۔ بلکہ اپنے آپ سے کچھ کہہ رہا ہو۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ میرے ساتھ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یا تو ان لوگوں کا دماغ خراب ہے یا۔“

اس کی آواز کے ساتھ ہی سب کے سب بول پڑے تھے۔

”خاموش۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو چاہیے کہ سفید کی کے ساتھ اس معاملے پر غور کریں؟“ ان میں سے ایک نے کہا جو ادھیڑ عمر کا تھا۔

”ڈاکٹر کھنہ، آپ کھینک پتے ہیں۔“ سب سے پہلے بولنے والے نے ایک گہری سانس لی۔ اس طرح ہم لوگ کبھی یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔ ہمیں بہت سخت قید میں رکھا گیا ہے۔“

”میں نے اس زخمی کا معائنہ کیا ہے۔“ ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ اس کی حالت اتنی خراب ہے کہ اس کے زندہ رہنے کا امکان ہی نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی مفزع ہی اسے بچا سکتا ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی زخمی ہے جسے جے جے ہسپتال میں ڈاکٹر راجندر کی نگرانی میں رکھا گیا تھا۔ ایک اور شخص بول پڑا۔

”اگر یہ وہی ہے تو یہ لوگ اسے ہسپتال سے کھینک لائے؟“ ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ اور اس پر ہم لوگوں سے یہ تقاضا کیا جا رہا ہے کہ ہم اس کو ٹھیک کریں۔ یہ لوگ پاگل تو نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بنایا ہوگا۔ لیکن یہ ان کی حاکمیت ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اتنے شدید زخمی انسان کا علاج اس ویران مقام پر ہو۔ جہاں علاج کی کوئی بھی سہولت میسر نہیں ہے۔“

”لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ علاج کرنے کے لیے راضی ہو جائیں تو وہ اسی مقام کو ہسپتال بنا سکتے ہیں۔ یہاں ہر قسم کے آلات، مشینیں اور دوائی یہاں کی جاسکتی ہے۔“

”ہاں۔ ان لوگوں سے کوئی بعید نہیں معلوم ہوتا۔“ ایک شخص نے کہا جو خود بھی ایک بہت بڑا ڈاکٹر تھا۔

”ان کے وسائل بے پناہ معلوم ہوتے ہیں۔“
”سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زخمی میں آخر ایسی کون سی خوبی ہے؟“

”یہ سمجھنے سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کم اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے ہمیں فیصلہ کرنے کے لیے صرف آدھا گھنٹہ دیا ہے اور یہ وقت اب ختم ہو رہا ہے۔ ہر لوگ بہت خطرناک بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگا جا سکتا ہے کہ ہم سب مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر ہیں لیکن ہمیں سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ ان کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ ایک ویران مقام ہے۔ ہم نے اگر ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں ہماری فیا دہنسنے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ لہذا یہ ہماری پیشہ ورانہ دیانت کے خلاف ہو یا نہ ہو۔ ہمیں ہر حال میں اس زخمی کے علاج کی ہامی بھرنی ہوتی۔“

”کھنہ کی بات سن کر وہ سب خاموش ہو گئے۔ شاید انہیں کھنہ کی باتوں میں وزن محسوس ہو رہا تھا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکٹر کھنہ۔“ ایک نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”ہمیں ہر حال میں اس کیس کو ہاتھ میں لینا ہوگا۔ ہم اپنی ہی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں۔ بعد میں دیکھی جائے گی کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس طرح کما ز کم کچھ وقت ہی گزر جائے گا۔“

”تمہارا مشورہ درست ہے ڈاکٹر پانڈے؟“ کھنہ نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”اب ہم مشترکہ طور پر اس زخمی کو بچانے کی کوشش کریں گے۔“

وہ سب خاموش ہو گئے۔ شاید ان میں سے ہر ایک آنے والے وقت کے لیے پریشان تھا کچھ دیر سی۔

خاموشی کے عالم میں گزر گئی۔ پھر دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں چونکا دیا۔ وہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے

دشک کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور ایک غیر ملکی اندر آ گیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس کے قوی بہت مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ اس کا قد بھی بہت

طویل تھا۔ مجموعی طور پر وہ ایک وجہ آدمی تھا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں سے کوئی فیصلہ کر لیا ہو گا؟“ اس نے ڈاکٹروں کی طرف دیکھتے ہوئے صاف

ہندوستانی زبان میں پوچھا۔
”ہاں۔“ ان سب کی طرف سے کھنہ نے ترجمانی کی۔
”ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم تمہارے مریض کا علاج کریں گے۔“

”خوب۔“ اس غیر ملکی کے مونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ ریگ آئی۔ ”یہ فیصلہ تم لوگوں نے اپنے ہی حق میں کیا ہے۔ اب آ جاؤ میرے ساتھ۔ تم لوگوں کو فوری طور پر اس کا علاج شروع کر دینا ہے اور جس چیز کی ضرورت ہو بتا دوں۔ دنیا کی ہر دوا، ہر سامان چند گھنٹوں کے نوٹس پر پہنچ سکتا ہے۔“

وہ غیر ملکی ان ڈاکٹروں کو اس عمارت کے ایک ایسے کمرے میں لے آیا۔ جہاں کے ایک بستر پر اس زخمی کو لٹایا گیا تھا۔ وہ یہی زخمی تھا جو کرنل راجندر کی نگرانی میں تھا۔ اس زخمی کی ابھی تک وہی حالت تھی۔ وہ بڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ صرف اس کے سینے کے متوجہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس میں زندگی کی رقی باقی ہے۔

”ڈاکٹر کھنہ۔“ میرا خیال ہے آپ ہی یہاں کا چارج سنبھال لیں۔ ڈاکٹروں کی بھیڑ میں سے ایک ڈاکٹر نے کہا۔

”ڈاکٹر کھنہ اپنا سر ہلا کر اس مریض کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دوسرے ڈاکٹر اور ڈرگرو پھیل گئے تھے۔ اب سے کچھ دیر تک یہی ڈاکٹر آنے والے وقت کے اندیشے سے سچے ہوئے تھے لیکن اب ان کا پیشہ ورانہ تجسس اس زخمی مریض کو دیکھ کر جاگ اٹھا تھا۔ وہ سب کے سب

اس کی طرف اس طرح متوجہ ہو گئے تھے جیسے وہ کسی ویران مکان میں پراسرار لوگوں کے درمیان نہ ہوں بلکہ کسی ہسپتال کے آپریشن تھیر میں موجود ہوں۔ ڈاکٹر کھنہ نے

زخمی کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ جبکہ دوسرے ڈاکٹر اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کر رہے تھے۔

کھنہ نے اس غیر ملکی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا کہ وہ اس کے لیے فلم اور کاغذ دیا کرے۔ غیر ملکی کسی اور کو بلانے کے بجائے خود ہی دوڑا چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک رائٹنگ پیڈ اور قلم لا کر ڈاکٹر کھنہ کی طرف بڑھ دیا۔ ڈاکٹر کھنہ نے اس پر پوری فوریست لکھ دی۔ اس فوریست میں دو سائیں بھی تھیں اور شیشین

بھی تھیں جو اس کے خیال کے مطابق یہاں نہیں آ سکتی تھیں۔ بہت سے آلات بھی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی نہ جانے کیا کیا چیزیں تھیں۔

غیر ملکی اس فوریست کو لے کر اس کمرے سے باہر آ گیا۔ جہاں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اشارے سے ایک آدمی کو اپنی طرف بلا کر وہ فوریست اس کے حوالے کر دی۔

”ہمیں فوریست پر یہ سارا سامان آج شام تک ہی چاہیے۔ سمجھ گئے، چاہے جہاں بھی ہو۔“

اس آدمی نے وہ فوریست لے کر اپنی جیب میں رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ

غیر ملکی کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ پھر دوسرے لوگوں کو ہدایات دیتا ہوا، اس عمارت کے ایک اور کمرے میں آ گیا۔ اس کمرے میں قیمتی صوفی سیٹ رکھے ہوئے تھے۔

ایک طرف شراب کی بوتلوں سے بھرا ہوا ایک کینٹ تھا۔ صوفے پر ایک دوسرا غیر ملکی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جو پہلے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔

جبکہ پہلا شخص کینٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس نے ایک بوتل منتخب کر کے اس میں سے ایک گلاس میں تھوڑی سی شراب اٹھائی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا ہوا دوسرے غیر ملکی کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

”کیا نہیں یقین ہے کہ وہ بچ جائے گا؟“ دوسرے غیر ملکی نے پہلے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن میں اسے اس وقت تک مرنے نہیں دوں گا، جب تک مجھے سب کچھ معلوم نہ ہو جائے۔ چاہے وہ سسک سسک کر ہی زندہ کیوں نہ رہے۔“

”تم بہت ضدی آدمی ہو بڑا ڈر۔“ دوسرے نے ایک گہری سانس لی۔

”یہ منہ کی بات نہیں ہے۔“ پہلے نے کہا جس کا نام برناؤ تھا۔ ”زندگی اور موت کی بات ہے۔ جب معاملہ

یہاں تک آچکا ہو پھر اور کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ تم شاید نہیں جانتے کہ میں نے اس کے حصول کے لیے کتنی رقم خرچ کی ہے۔ ہندوستان آ کر اس ویرانے میں ایک عمارت

تعمیر کرنا، لوگوں کو اکٹھے کرنا، ہتھیار جمع کرنا یہ سب میں نے کس لیے کیا ہے۔ صرف اس لیے نا کہ میں وہ حاصل کروں جس کے لیے یہاں تک آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے

کہ ابھی اس کے علاج پر بھی لاکھوں خرچ کرنا ہے۔
”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ زخمی ہی تمہارا مطلوبہ آدمی ہے؟“
دوسرے نے پوچھا۔

”میں یوقوف نہیں ہوں جارح“ برناڈ مسکرایا۔
یورپ میں ہی تھا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ یوقوف
جس زخمی کو اٹھالائے ہیں، وہ سولے لیبارک کے اور کوئی
نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کو لیبارک کی قدر و قیمت کا اندازہ
نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سائنسی بستی کی تباہی
کے بعد اگر کوئی زندہ رہ سکتا ہے تو وہ صرف لیبارک ہی
ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں ساری روپوشی پائی
رہی ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اس نے اپنی ذہانت اور دولت
سے کام لے کر اس امتحان ملک میں ایک ایسی سائنسی
بستی تعمیر کی ہے جو ناقابل تسخیر ہے اور اس نے اپنے
آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے بے پناہ انتظامات کر رکھے
ہیں۔ اس نے جو رہائش گاہ اور لیبارٹری تعمیر کی ہے اسے
کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔ مہلک سے مہلک ہتھیار
بھی ان مقامات پر کنٹرول ہو جاتے ہیں۔

”اگر ایسا ہے تو پھر اس کی یہ حالت کس طرح ہو
گئی؟“

”میرا خیال ہے کہ لیبارک دھماکے کے وقت اپنی
رہائش گاہ اور لیبارٹری سے باہر تھا۔“ برناڈ نے کہا۔
”چلو۔ ایسی صورت میں تو اس کے پرچے اڑ جانے
چاہئیں تھے۔ پھر یہ زندہ کیسے رہ گیا؟“

”جو شخص اپنی رہائش گاہ اور لیبارٹری کے لیے ایسے
انتظامات کر سکتا ہے، کیا اس نے اپنی جان بچانے
کے لیے کچھ نہیں کیا ہوگا؟“ برناڈ نے کہا۔ ”جارح، تم
اس شخص کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہے۔ تم نے اپنی پوری
زندگی میں اس سے زیادہ ذہین انسان اور کوئی نہیں دیکھا
ہوگا۔“

”فرق کرو، اگر تمہاری بات مان بھی لی جائے تب
مجھے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم اس کو بچانے کی
جدد ہمت کیوں کر رہے ہو؟“

”آدمی اتنا بڑا جبار اس لیے کھیلے کہ اسے کچھ حاصل
ہونے کی امید ہوتی ہے۔ تم کو یہ نہیں معلوم کہ لیبارک
نے اتنی بے پناہ دولت کہاں سے حاصل کی تھی۔ وہ دولت
ماصل کرنے کے لیے کئی بڑی طاقتوں کا ایجنٹ ہو گیا تھا۔
اور ان طاقتوں کو اس نے ایک ایسی چیز فراہم کی تھی،

جس کے حصول کے لیے یہ طاقتیں ایک دوسرے سے
برسر پیکار ہیں۔“
”ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے؟“ جارح نے حیرت
ظاہر کی۔

”یورینیم۔“ برناڈ نے جواب دیا۔ یہ بہت پیچیدہ
اور الجھی ہوئی کہانی ہے۔ اس کا ایک ایک باب حیرت
انگیز ہے۔ یہاں سے بہت دور نیاپال کی کسی وادی میں
دستاگری نامی ایک بستی آباد ہے۔ اس بستی میں اور
چاہے کچھ ہونہ ہو لیکن وہاں یورینیم کے اتنے بڑے ذخائر
ہیں جن کا تم کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ وہاں کے رہنے
والوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی بستی کتنی دولت مند
ہے۔ اتفاق سے ایک سیاح کا اس علاقے سے گزر ہوا
اور اس نے نہ جانے کس طرح یورینیم کے ذخائر کا اندازہ
لگا لیا۔ باہر آ کر اس نے یہ راز فاش کر دیا۔ اس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ بڑی طاقتوں کے درمیان ان ذخائر کو حاصل
کرنے کے لیے مسابقت شروع ہو گئی۔ سازشیں شروع
ہو گئیں۔ کبھی ایک سردار کبھی دوسرا کبھی بغاوت
اور نہ جانے کیا کیا کسی دیوی کی آنکھوں کا چکر بھی چلا
دیا گیا۔ اسی دوران لیبارک ہندوستان میں وارد ہو گیا۔
اس کی ذہانت نے اس بستی کی افادیت کا اندازہ لگا لیا
لیکن اس ذہین انسان نے ایک دوسری چال چلی۔ وہ
خود اس بستی میں کبھی نہیں گیا۔ بلکہ اس نے اپنا بیڑ
مقرر کر دیے۔ اس نے پرلے سردار کے خلاف بغاوت
کو وادی اور اپنا ایک آدمی وہاں تسلط کروا دیا۔ اب
ہوا یہ کہ یورینیم کسی اور طرف جانے کے بجائے لیبارک
کی طرف آنے لگا۔ اور بڑی طاقتیں لیبارک کی محتاج ہو
کر رہ گئیں۔ یوں سمجھ لو کہ وہ یورینیم کا سولہ ایجنٹ بن
کر رہ گیا۔

”یہ تو تم عجیب بات بتا رہے ہو۔“ جارح نے کہا۔
”ہاں۔“ برناڈ نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔
”آقا دارا و قوت حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا
ہے۔ اب تم اس سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ لیبارک کے
پاس کس قدر بیش بہا دولت جمع ہوئی ہوگی۔ میرے خیال
میں زمین پر کسی بھی فرد واحد کے پاس اتنا بڑا خزانہ نہیں
ہوگا۔ جتنا بڑا خزانہ لیبارک کے پاس تھا۔“
”تو اب کیا فائدہ؟“ اس بستی کی تباہی کے بعد تو
سارا خزانہ خاک ہو گیا ہوگا۔“

”میں تمہاری غلط فہمی دور کر دوں“ برناڈ مسکراتے
ہوئے بولا۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ لیبارک کے پاس
وہ خزانہ نہیں تھا جسے تم لوگ سونا چاندی میرے جوارات
یا کرنسی نوٹ کہا کرتے ہو بلکہ اس کا سب سے بڑا خزانہ
یورینیم کا وہ ذخیرہ تھا جو اس نے کئی برسوں میں جمع کیا
تھا اور یہ ذخیرہ اتنا تھا کہ اس سے پورا ایک براعظم
خرید جاسکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ لیبارک نے وہ
یورینیم اس بستی میں نہیں رکھا تھا۔“
”کیا؟“ حیرت سے جارح کا منہ کھلا رہ گیا۔ ”یہ کیا کہ
ہے ہو؟“

”یہی تو اصل بات ہے۔ وہ خزانہ اس نے کہیں اور
چھپا دیا تھا۔ وہ انتہائی زیرک اور ہوشیار آدمی تھا۔
اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کبھی نہ کبھی اس کی بستی پر
مجھے زوال آ سکتا ہے، حالانکہ اس نے ہر قسم کے انتظامات
کر رکھے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اس کی عقلندگی
تھی کہ اس نے آنے والے دنوں کو اپنے سامنے رکھا تھا۔“
”اب سمجھ گیا کہ تم لیبارک کو کیوں بستی باب کرنا چاہتے
ہو۔ تمہیں لیبارک سے زیادہ اس کے خزانے سے دلچسپی
ہے۔ لیکن تمہیں لیبارک کے بارے میں اتنی باتیں معلوم
کہاں سے ہوئیں؟“

”ظاہر ہے کہ مجھے یہ بات لیبارک ہی کے کسی ایسے
خاص آدمی نے بتائی ہوں گی جو اس خزانے میں سے اپنا
حصہ بھی چاہتا ہوگا۔“
”کیا اس نے یہ بتایا تمہیں کہ لیبارک کا وہ خزانہ کہاں
ہے؟“

”نہیں۔“ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہی تو
وہ بات ہے جو مجھ میں معلوم نہیں ہو سکی۔ ورنہ اب شک
وہ خزانہ میرے ہاتھ میں آتا۔“

”چلو، اب ایک بات اور بتاؤ، کیا ثبوت ہے تمہارے
پاس کہ تم جس کو اٹھا کر لائے ہو وہ لیبارک ہی ہے؟“
”میں اس سوال کا جواب تمہیں پہلے بھی دے چکا
ہوں۔“ برناڈ نے کہا۔ ”اس کے ہوش میں آنے کے بعد
تمہیں پتا چل جائے گا کہ میرا اندازہ غلط ہے یا صحیح۔“
جارح نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اسی وقت دروازے پر
ایک ہلکی سی دھمک کے ساتھ ایک آدمی کمرے میں داخل
ہو گیا۔ وہ بہت ہی بوکھلا یا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

”جناب۔ ایک معجزہ ہو گیا ہے۔“ وہ سیدھا بھرے
انداز میں بولا۔

”کہو اس کرنے کی ضرورت نہیں۔ بتاؤ، کیا بات ہے؟“
”جناب اس مریض کے بدن میں حرکت ہوئی ہے۔“
آنے والے نے بتایا۔ ”ایسا گناہ ہے جیسے اسے ہوش آ
رہا ہو۔“

وہ کوئی شکاری پارٹی تھی جو ساز و سامان سے بھرے
ہوئے ایک ٹرک کے ساتھ ادھر ادھر جھنگلی پھر رہی
تھی۔ اس ٹرک میں پانچ آدمی تھے جو ٹرک کے پچھلے حصے
میں تھے۔ جبکہ سامنے دو آدمی بیٹھے تھے۔ ان میں سے
ایک ٹرک چلانے والا ڈرائیور تھا جبکہ دوسرا اس کے
ساتھ بیٹھا ہوا ڈرائیور تھا۔

دشمن کی نگاہیں سامنے کی طرف جی ہوئی تھیں۔
اس نے اپنے ہونٹ اتنی سختی سے بھیجنے رکھے تھے کہ اس
کی پیشانی کی رگیں اٹھ کر اٹھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھا
ہوا ڈرائیور بھی دشمن ہی کی طرح درشت فرار اور
خط ناک معلوم ہوتا تھا۔ جبکہ ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھے
ہوئے لوگ بھی اسی قسم کے تھے۔ ان میں سے ہر ایک
صحت مند اور شکاری سے کہیں زیادہ جرائم پیشہ معلوم
ہوتا تھا۔ دشمن نے ان لوگوں کا انتخاب بہت سوچ
سمجھ کر کیا تھا۔ ان میں سے ہر آدمی سو آدمیوں پر بھاری
نفا۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں جدید طرز کے ہتھیار اور گولہ
بارو بھی موجود تھا۔ دشمن پوری تیاریوں کے ساتھ
چلا تھا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے ہاتھ میں پکڑی
دوربین سے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اس
وقت ٹرک کی رفتار کم کر دی جاتی۔ دوربین آنکھوں سے
ہٹا کر وہ ڈرائیور کی طرف دیکھ کر انکار میں اپنی گردن
پلا دیتا اور رفتار ایک بار پھر تیز ہو جاتی۔

”ہمارے آدمیوں نے کہیں غلط اطلاع تو نہیں دے
دی باس؟“ ڈرائیور نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ دشمن جلدی سے
بول پڑا۔ ”اگر ان لوگوں کو اپنی زندگی پیاری ہے تو یہ
اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔“

”اب ایک بات میں اور پوچھنا چاہتا ہوں باس۔“
”پوچھو۔“
”فرم کریں اگر ہم نے اس زخمی کو تلاش بھی کر لیا

تو اسے لائیں گے کیسے؟۔ میرا مطلب ہے کہ اس کی حالت تو اس قابل نہیں ہوگی۔
 "اسے کہیں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وشنو نے کہا۔
 "ہیں یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ان لوگوں نے اس زخمی کے علاج کے لیے ہندوستان بھر کے ڈاکٹروں کو اغوار کرا لیا ہے۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ پہلے وہ لوگ ان ڈاکٹروں سے کام لے رہے تھے۔ اب ہم لیں گے۔"
 ڈرائیور اپنی گردن ہلا کر رہ گیا۔ ٹرک اب اونچے نیچے راستوں پر جھٹکے کھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ ایک ویران مکان تھا۔ جہاں سولے ویران چٹانوں اور دھوپ سے جھلی ہوئی زمین کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔
 "باس۔" ٹرک کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے آواز دی۔
 "کیا ہوا؟" وشنو نے کھڑکی سے سر نکال کر اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "کچھ لوگ بائیں طرف دکھائی دے رہے ہیں" اوپر والے نے کہا۔ ہمارے ٹرک کو دیکھ کر وہ ایک برٹے سے پتھر کے پیچھے چھپ گئے ہیں۔
 "ٹرک روک دو۔" وشنو نے ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ "ٹرک روکنا خطرناک نہ ہوگا باس؟"
 "جو میں کہتا ہوں وہ کرو سمجھیے" وشنو جھلا گیا۔
 ڈرائیور نے ٹرک روکنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ ٹرک روکتے ہی سب سے پہلے وشنو ہی بیٹھے اترے۔ اس نے اپنی دوڑیں ٹرک ہی کی سیٹ پر چھوڑ دی تھی۔ اور اب اس کے — ایک ہاتھ میں ایک ریلوے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر ٹرک کے پچھلے حصے میں موجود لوگ بھی نیچے آگئے۔ وہ سب ہی مسلح تھے۔
 "کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں دھوکا ہوا ہو؟" وشنو نے آواز دینے والے سے دریافت کیا۔
 "نہیں باس، دھوکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" آواز دینے والے نے کہا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ میری آنکھیں کتنی تیز ہیں۔ میں نے تین چار آدمیوں کا اندازہ لگایا ہے۔ وہ سب بائیں طرف موجود تھے۔ ٹرک کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب ایک برٹے سے پتھر کے پیچھے چلے گئے ہیں۔
 وشنو کچھ دیر تک اس چٹان کی طرف دیکھتا رہا۔

جس کی طرف اس شخص نے اشارہ کیا تھا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔ "ٹھیک ہے، اس چٹان کو گھیرے ہیں۔ لو۔" گولیاں چلانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی بکڑنے کی کوشش کرنا۔
 "اگر وہ کوئی اور لوگ ہوں گے باس تو؟"
 "کم سے کم اس طرح ہمیں اطمینان ہو جائے گا۔" وشنو نے کہا۔ "بس اب چلو۔"
 وہ سب تربیت یافتہ فوجیوں کی طرح چاروں طرف پھیل گئے۔ چٹان کی طرف سے ابھی تک کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ رینگتے، پوزیشنیں لیتے ہوئے اس چٹان کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ وشنو سب سے آگے تھا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چٹان کے قریب میں کوئی بھی نہ ہو۔ وشنو نے ایک جگہ رک کر اپنے اڈوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔ اور چٹان کی طرف دیکھ کر زور سے بولا۔
 "اے۔ تم لوگ باہر آ جاؤ ورنہ گولیوں سے تمہیں کر رکھ دیے جاؤ گے۔ میں صرف دس تک گنوں گا۔ اس کے بعد تمہیں موقع نہیں دیا جائے گا میں کتنی شرم کر رہا ہوں تم لوگ آ جاؤ باہر۔" اتنا کہہ کر اس نے کتنی شروع کر دی۔
 "ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔" وہ ابھی سات تک ہی پہنچا تھا کہ اس ٹیلے کے عقب سے تین آدمی اپنے ہاتھ اٹھاتے باہر آ گئے۔ وہ تینوں دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ اس کا اظہار نہ صرف ان کے لباس سے ہو رہا تھا بلکہ ان کے منہ سے تپتے ہوئے جیسے بھی یہی ظاہر کر رہے تھے کہ یہ صورت حال ان کے لیے غیر متوقع ہے۔ وہ تینوں ہی بے حد حیران ہوئے تھے۔
 "کوئی اور تو نہیں ہے؟" وشنو نے بلند آواز میں دریافت کیا۔
 "وہ تینوں خاموش رہے۔ وہ ان لوگوں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔
 "میں پوچھتا ہوں، کوئی اور تو نہیں ہے وہاں؟" وشنو نے دوبارہ دریافت کیا۔
 "نہیں جی۔" ان میں سے ایک نے گردن ہلا دی۔
 "اور کوئی نہیں ہے۔ بس ہم ہی تینوں تھے۔"
 "کون ہو تم لوگ؟"
 "ہم لوگ جی دھورالستی کے رہنے والے ہیں۔" یہی

نے کہا جس نے پہلے گفتگو کی تھی۔
 "کہاں ہے دھورالستی؟"
 "میں اس سے کچھ دور ہے جی۔ ہم لوگ ادھر سے گزر رہے تھے کہ آپ کا ٹرک آتے دیکھا اور چھپ گئے۔ بس جی، یہی ہمارا دوش ہے۔ ہم نے اور کچھ نہیں کیا۔ ہم مھاؤں کے لوگ ہیں جی، ہمیں معاف کر دو۔"
 "تم ہمارے ٹرک کو دیکھ کر کچھ کیوں تھے؟" وشنو نے پوچھا۔
 "وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی وشنو کے اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔" بتاؤ۔ تم لوگ ٹرک کو دیکھ کر کیوں چھپے تھے؟"
 "کیا بتاؤں سرکار۔ ہم نے سمجھا تھا کہ وہی لوگ آ رہے ہیں۔"
 "کون لوگ۔ صاف صاف بتاؤ؟"
 "وہ بہت خطرناک لوگ ہیں سرکار۔ انہوں نے ہماری بستی کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔ نہ جانے ہماری بستی سے انہوں نے اب تک کتنے آدمیوں کو غائب کر دیا ہے۔" وشنو نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں اپنی گردن ہلائی اور آگے بڑھ کر اس آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔
 "دیکھو جوان۔ تمہیں اپنا دشمن مت سمجھو تمہیں صاف صاف بتاؤ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو تمہاری بستی کو خالی کر رہے ہیں؟ وہ لوگ کدھر سے آتے ہیں؟ کہاں جاتے ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہوتی ہے؟ ان کے علیے کیا ہیں؟ تمہیں سب کچھ بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے کام آ ہی جائیں۔"
 وشنو کی باتوں نے اس شخص کے دل سے وشنو اور اس کے ساتھیوں کا خوف ختم کر دیا۔ اس کے چہرے سے اب اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔
 "تم لوگ میرے ساتھ آؤ" وشنو نے ٹرک کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم لوگ ٹرک میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ آ جاؤ۔ اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں کو وہیں رہنے کا اشارہ کیا اور خود وشنو کے ساتھ ہولیا۔ وشنو اسے لے کر ٹرک میں آ گیا۔ وشنو کے ساتھی بھی ٹیلے کے پاس ہی کھڑے رہے تھے۔
 "ہاں اب بتاؤ، کیا صورتحال ہے؟" وشنو نے

ٹرک کی انگی سیٹ پر اسے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔
 "کیا بتاؤں سرکار۔ یہ اب سے ایک ہمید پیلے کی بات ہے۔ اس وقت تک ہماری بستی میں بہت شادی تھی۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ علاقہ بالکل بخر ہے۔ اس لیے یہاں بستی باڑی تو نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم لوگ رہ رہ کر رہتے ہیں۔ ان ہی سے دودھ حاصل کرتے ہیں۔ اور ہمیں میں ایک بار کرشنا پور جا کر ریلوے آگے میں، اچھا خاصا گزرا ہوا جانا ہے۔ ہم لوگوں کی خواہشات بھی زیادہ نہیں ہیں۔"
 "اصل بات بتاؤ۔" وشنو نے اس کی بات کاٹ دی۔
 "ہوا یہ کہ اب سے ایک ہمید پیلے ہماری بستی کی طرف ایک ٹرک چلا آیا۔ اولی تو ایسی سی چیز کا ہماری بستی میں آتا ہی بڑی بات تھی۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس ٹرک میں مقامی لوگوں کے علاوہ ایک گورا آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔"
 "کیا؟" وشنو جلدی سے بول پڑا۔ "گورا آدمی کیا حلیہ تھا اس کا۔ وہ ادھر ٹرک تندرست سا آدمی تو نہیں تھا۔ جس کے آگے کے بال ارٹے ہوئے تھے؟"
 "ہاں۔" ان، بالکل ایسا ہی تھا۔ کیا آپ اس کو جانتے ہیں سرکار؟"
 "بہت اچھی طرح۔" وشنو نے اپنے ہونٹ میخ لپے۔ "میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ غیر اتم آگے سناؤ، پھر کیا ہوا؟"
 "اس گورے کے آدمیوں کے پاس ہتھیار بھی تھے۔" اس نے بتانا شروع کیا۔ "اس نے ہم لوگوں کو دھکیا انہیں دیں بلکہ یہ کہا کہ اسے مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ اور وہ اچھا خاصا معاوضہ ادا کرے گا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ غربت کے مارے ہوئے لوگ ذرا سے آکرے پر کس طرح کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں تو ہمارے گاؤں کے تقریباً دس بارہ آدمی تیار ہو گئے۔ گورے نے کہا تھا کہ ایک ہفتہ کا کام ہے۔ ایک ہفتے کے بعد ان لوگوں کو واپس کر دیا جائے گا۔ خیر، پہلے کھپ میں بارہ آدمی اس کے ساتھ چلے گئے۔ ایک ہفتے کے بعد وہ گورا پھر ہماری بستی میں آیا۔ اس نے بتایا کہ اسے اور لوگوں کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اور اس نے جو کام شروع کیا ہے۔ وہ دس بارہ دنوں تک فریڈ چلتا رہے گا۔ اس

نے ان لوگوں کے گھروں میں پیسے بھی دیے جن گھروں سے وہ پہلے آدمیوں کو لے گیا تھا۔ وہ بے چارے رقم پا کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ پھر دوسری کھپ میں بھی وہ بارہ تیرہ آدمی لپٹے ساتھ لے گیا۔ بس یہ ماجرا ہے سرکار۔ اب اس بات کو ایک مہینہ گزر چکا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ ہم لوگوں کی نگاہیں راستوں پر لگی رہتی ہیں۔ اس لیے جب ہم نے آپ کا یہ ٹرک دیکھا تو یہی سمجھ کر وہ لوگ پھر واپس آ رہے ہیں۔ ”اوہ۔“ وشنو نے ایک گہری سانس لی۔ ”تم میں سے کسی نے یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ گورا آدمی ان آدمیوں کو کس طرف لے گیا ہے۔“

”ہم میں سے تو کسی نے نہیں دیکھا باس۔ لیکن وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔“

”لیکن کیا؟“ پوری بات بتاؤ۔“

”ان میں سے ایک آدمی کسی طرح بھاگ آیا تھا اسی نے جو کچھ بتایا مجھے اس سے ہم لوگ اب جانے والوں کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔“

”کیا بتایا اس نے؟“

”اس نے بتایا ہے کہ ان لوگوں کو جہاں لے جایا گیا ہے، وہاں آدمیوں کو جانور بنا دیا جاتا ہے۔“

”کیا کیسا کر رہے ہو؟“

”جو اس نہیں۔“ بچہ ہے سرکار۔ یہ بات اسی نے بتائی ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے کئی آدمیوں کو جانور بنے ہوئے دیکھا ہے۔“

”مہیش اس وقت اپنے گھر پر ہی تھا۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ اس زخمی کو ہسپتال سے اخوا کر لیا گیا ہے۔ وہ اس خبر کو سننے ہی تیر کی طرح ہسپتال کی طرف چل پڑا۔“

اس وقت ہسپتال میں جگہ پر مچی ہوئی تھی۔ پولیس نے اس عمارت کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ خود ڈاکٹر مہیش کو بڑی مشکلوں سے اندر جانے کی اجازت مل سکی تھی۔

”ہر طرف افواہیں آ رہی تھیں۔ ڈاکٹر نرس اور ہسپتال کا دوسرا عملہ بوکھلایا بوکھلایا گھوم رہا تھا کسی نے مہیش کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ سب کے سب اپنی اپنی گردن پھرنے کی فکر میں مبتلا معلوم ہوتے تھے۔ اسی بھڑ میں مہیش کو پد پد دیکھائی دے گئی۔ پد میں وہ نرس تھی جس کی ڈیوٹی اس زخمی کے کمرے میں لگائی

گئی تھی۔ ہمیش نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔ پد میں خود بھی بہت پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ ”کیا معاملہ ہے پد؟“ مہیش نے اس کے پاس آنے کے بعد پوچھا۔

”میں تو خود کچھ نہیں جانتی سر۔ بس اتنا معلوم ہے کہ وہ لوگ آئے اور اس زخمی کو اٹھا کر لے گئے۔“

”کون لوگ؟“

”بہت سے نقاب پوش تھے سر۔ مختلف گھڑیوں پر آئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ہاتھ میں ہتھیار پکڑا ہوا تھا۔“

”کیا تم نے انہیں دیکھا تھا؟“

”ہیں سر۔ میرا مطلب ہے کہ نو سر۔“

”کیا مطلب؟“ کیا تم بہت بوکھلائی ہوئی ہو؟“

”کیا بتاؤں سر۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اچھا ہوا آپ مل گئے۔ اب میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔“

”بتاؤ۔ کیا بات ہے؟“ اس وقت کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہے۔ سب کے سب افواہوں کی کشتکار ہیں۔“

پد میں نے دھیرے دھیرے وشنو سے ملاقات اور نقاب پوشوں کے حملے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ یہ خوبصورت واقعات ہیں۔ ہمیش نے پد میں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”اچھا ہے، تم نے مجھے بتا دیا۔ اب کرنل راجندر سے اس کا تذکرہ مت کرنا ورنہ وہ تمہارے لیے خراب بن جائے گا۔“

”شکر ہے سر۔ آپ نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔“ پد میں جلدی سے بولی۔ ”اب اگر اس آدمی سے ملاقات ہو تو میں اس سے کیا کہوں گی؟“

”وہ اب تم سے کیوں ملے گا؟ کیونکہ وہ زخمی تو اس کے سامنے اخوا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زخمی میں ایسی کون سی بات ہے کہ جس کی خاطر اتنا ہنگامہ رچا گیا ہے۔“

”میں کیا بتا سکتی ہوں سر؟“ میں تو خود حیران ہو رہی ہوں۔ وشنو بھی شاید غلط بیانی ہی سے کام لے رہا ہوگا۔

”بہت ممکن ہے۔“ فیہر یہ بتاؤ، کرنل اس وقت کہاں ہے؟“

”وہ اپنے کمرے میں ہیں جناب۔“ پد میں نے بتایا۔

”خفیہ اور ناگاہی نے انہیں مجھوت بنا دیا ہے؟“

”میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ تم اپنا کام کرو

اور اس واقعے کو موصول جاؤ۔“

”پد میں ایک طرف چلی گئی۔ ہمیش کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ کرنل راجندر کے کمرے کی طرف چل پڑا ہسپتال میں ابھی تک افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ پولیس کے آفیسران نقاب پوش کرتے پھر رہے تھے۔ ہمیش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پولیس والے آخر کیا معلوم کر رہے ہیں؟ انہیں تو حملہ آوروں کے نقش قدم پر جانا چاہیے تھا۔ اس کے بجائے وہ ہسپتال میں اپنا وقت مٹانے کر رہے تھے۔ ایک پولیس آفیسر نے اس کا راستہ بھی روک لیا۔

”آپ شاید اسی ہسپتال میں ہیں؟“ اس نے بڑی شائستگی سے پوچھا۔

”جی ہاں۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ ڈاکٹر مہیش۔“

”ڈاکٹر صاحب۔“ کیا آپ اس واقعے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ جس وقت یہ واقعہ ہوا اس وقت میں اپنے گھر پر تھا۔ اطلاع ملتے ہی وہاں سے چل پڑا ہوں۔“

”مجھے یہ پتا چلا ہے کہ آپ بھی اسی پتیل میں شریک تھے، جو اس زخمی کے علاج کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”کیا آپ اس زخمی کے بارے میں کچھ بتا سکتی گے؟“

”وہ صرف ایک زخمی تھا۔ ڈاکٹر مہیش نے کہا۔

اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ ناقابل شناخت ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود اس کی قوت ارادی اسے زندہ رکھے ہوئے تھی۔ اور اس میں کچھ بہتری کے آثار بھی پیدا ہو گئے تھے۔“

”ہوں۔“ پولیس آفیسر نے ایک گہری سانس لی۔

”میں یہ سب کچھ پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں۔ آپ نے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔“

”آپ اس کے علاوہ اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ باہر والوں کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی کہ اس کی حالت مستحضر رہی ہے۔“

”کیا؟“ مہیش نے حیران ہو کر اس طرف دیکھا۔

”اب آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔“

”دیکھیں ڈاکٹر مہیش، پولیس یو قوف نہیں ہوتی۔

ہم اپنی ہوتی چیل کا تعاقب کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ وہ لوگ جس انداز سے حملہ آور ہوئے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آسان لوگ نہیں تھے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ پولیس یہاں دیر سے پہنچی ہے۔ اس وقت تک وہ لوگ اپنا کام کر کے واپس جا چکے تھے لیکن شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان حملہ آوروں نے بہت ہی سوچ سمجھے کر اس حملہ کی منصوبہ بندی کی تھی۔ انہوں نے نہ صرف اس ہسپتال کے بلکہ اس پاس کے فون کے تار بھی کاٹ دیے تھے۔ یہ پورا علاقہ مواصلاتی طور پر دوسرے علاقوں سے کٹ گیا تھا۔ اور یہ عمل حملے سے پہلے کیا گیا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اب ان لوگوں کا تعاقب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ معمولی لوگ نہیں تھے۔ جو اپنا نشان قدم چھوڑتے چلے گئے ہوں اور ہم آسانی سے ان پر جا کر ہاتھ ڈال دیں۔ وہ نہ جانے کہاں ہوں گے۔ اسی لیے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس ہسپتال سے نقبیں کا آغاز کرتے ہیں کیونکہ اس منصوبے کی جڑیں اسی ہسپتال میں معلوم ہوتی ہیں۔“

”مہیش اس پولیس آفیسر کی ذہانت کا قابل ہو گیا۔ وہ ایک جست و چالاک قسم کا خوبصورت آدمی تھا۔“

”آفیسر۔ میں آپ کی سونگ کا قابل ہو گیا ہوں؟“

”مجھے ڈی ایس پی پرویز ملک کہتے ہیں؟“ آفیسر نے اپنا تعارف کروایا۔ یہ علاقہ ہمارے ہی اندر ہے۔“

”یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری پولیس میں بھی آپ جیسے ذہین لوگ موجود ہیں۔ ہمیش نے کہا۔ آپ سوال کریں۔ میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ بتا دوں گا۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ پرویز ملک مسکرا دیا۔ ”میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ اس مریض کی اہمیت کیا تھی۔ کیونکہ یہ قومی نوعیت کا سوال ہے۔ اس میں جب حکومت دلچسپی لے رہی تھی۔ تو یقیناً کوئی مذکورہ اہمیت ہوگی۔ اب آپ مجھے اس مریض کے بیان آنے کے بعد سے لے کر اب تک کے حالات بتاتے جائیں۔“

”پہلے تو آپ بتائیں کہ آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا کہ اس منصوبے کی جڑیں اسی ہسپتال میں ہیں؟“

”سیدھی سی بات ہے جس وقت تک اس مریض کی حالت خراب رہی۔ اس وقت تک کسی نے مداخلت نہیں کی۔ لیکن جیسے ہی اس میں بہتری کے آثار پیدا ہوئے

اسے اظہار کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی زکوٰۃ ایسا شخص آپ کے درمیان موجود ہے جو اس مرض کے بارے میں حملہ آوروں کو رپورٹ دیتا رہا ہے۔
 ”یہ واقعی سوچنے کی بات ہے، ہمیشہ نے اپنی گردن ہلائی۔“ لیکن ایسا کون ہو سکتا ہے؟
 ”یہ معلوم کرنا ہمارا کام ہے۔ آپ تو ہمیں یہ بتاتے رہیں کہ اب تک کے کیا حالات ہیں؟“
 ہمیشہ کو اس مرض اور اس کے حوالے سے جو کچھ معلوم تھا، وہ اس نے بتا دیا۔ لیکن اس نے اس آفسر سے دو باتیں چھپائی تھیں۔ اس نے اس راگ نامی سادھو کا کوئی خوالہ نہیں دیا تھا۔ جس نے کسی دوا کا نام لیتے ہوئے بتایا تھا۔

کہ دوا اور اس زخمی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے اور راگ نامی ڈاکٹر ہمیشہ کی اس دوا سے ملاقات بھی کر سکتا ہے۔ اور دوسری بات اس نے یہ نہیں بتائی تھی کہ پرانی اور دشمن کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اس نے بتا دیا۔ ان باتوں کے علاوہ اور کوئی بات قابل ذکر بھی نہیں تھی۔

”آپ کچھ چھپاتے تو نہیں رہے؟“ ڈی ایس پی پرویز ملک نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”میرا خیال ہے کہ میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“
 ”آپ خیال ظاہر نہ کریں بلکہ یقین سے کہیں۔“

”میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ یہ خود بھی ایک قانون پسند آدمی ہوں اور قانون کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“

پرویز ملک کچھ دیر تک ڈاکٹر ہمیشہ کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے ہلکا سے ہلکا سے ڈاکٹر، میں اس وقت اصرار نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بعض اوقات معمولی سی کوئی بات بھی ہمیں جرم تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ بہر حال آپ اپنا پتا لکھوا دیں۔ ضرورت ہو تو آپ کو طلب بھی کیا جاسکتا ہے۔“

ہمیشہ اس ڈی این پولیس آفسر کی نگاہوں میں عجیبی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس پوچھ کچھ کا یہ سلسلہ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ اسی لیے اس نے فوراً ہی ڈی ایس پی کو اپنا پتا لکھوا دیا۔ ڈاکٹر ہمیشہ کا پتا اپنی ڈائری میں لکھ لینے کے بعد پرویز ملک ایک طرف چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ہمیشہ نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی تھی۔ وہ اب کرنل راجندر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے ڈی ایس پی کو ٹال تو دیا تھا لیکن وہ اندر سے پشیمان بھی ہو رہا تھا۔ اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس نے پرویز ملک کو سب کچھ بتایا کیوں نہیں اس نے باتیں چھپائی تھیں۔ ان باتوں کو چھپانے سے اس کا کیا فائدہ تھا؟ کچھ بھی نہیں بلکہ اس طرح باتیں چھپا کر وہ خواہ مخواہ ایک ایسے معاملے میں الجھ گیا ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اگر اسی وقت پرویز ملک کو سب کچھ بتا دیتا تو اس کے سر سے بوجھ اتر سکتا تھا لیکن وہ ایک بہت بڑی حماقت کر گزرا تھا۔

کرنل راجندر کی طرف جانے جاتے وہ پلٹ پڑا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ڈی ایس پی کو سب کچھ بتا دے گا۔ پولیس ابھی تک ہسپتال کے احاطے ہی میں موجود تھی۔ اس نے ایک سب انسپکٹر سے ڈی ایس پی کے بارے میں دریافت کیا۔

”وہ تو جا چکے ہیں۔ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔
 ”جا چکے ہیں۔“ اس نے حیرت سے دہرایا۔
 ”ہاں۔ ڈی آئی جی کی طرف سے اچانک طلبی ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اپنا چارج انسپکٹر راجندر کے حوالے کر کے یہاں سے جا چکے ہیں۔“

ڈاکٹر ہمیشہ کے ہاتھ سے ایک موقع نکل چکا تھا۔ وہ واپس کرنل راجندر کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ ہسپتال سے باہر جانے کے بعد پرویز ملک سے رابطہ قائم کرے گا۔ اور اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر دے گا۔

کرنل راجندر اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ اس وقت اس کے سامنے پولیس کا ایک آفسیر بھی تھا۔ راجندر اسے اپنا بیان لکھوا رہا تھا۔ ہمیشہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا اس وقت راجندر کا بیان ختم ہو رہا تھا۔ کرنل نے اس کی طرف توجہ نہیں تھی۔ وہ اپنا بیان مکمل کرنے پر مصروف رہا۔

پولیس آفسر کرنل کا بیان لکھ کر اس سے اجازت لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کے باہر چلے جانے کے بعد کرنل نے ہمیشہ کی طرف توجہ دی۔

”تم نے سن لیا یہاں کیا ہوا؟“
 ”یہ کرنل۔ میں گھر پر تھا کہ مجھے اس زخمی کے

اغوا ہونے کی اطلاع ملی۔“
 ”بہت ہی حیرت انگیز واقعہ ہوا ہے۔“ کرنل نے کہا۔
 ”مہاش ہم نے حفاظتی اقدامات کیے ہوتے۔ ہم نے اس زخمی کو اہمیت تو دی تھی لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے اس طرح اغوا بھی کیا جاسکتا ہے۔“

ہمیشہ سر ہلکا رہ گیا۔ اس کے لیے بھی یہ حیرت کی بات تھی۔ اس زخمی کو بے انتہا اہمیت دی جا رہی تھی۔ لیکن اس کی محافظت کی طرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرنل اب اعلیٰ حکام سے کس طرح چٹکارا پاسے گا۔ کیونکہ وہ زخمی اس کے اختیار میں تھا۔

”ان پولیس والوں نے بھی پریشان کر دیا ہے۔“ کرنل بڑبڑایا۔ ”ان لوگوں کو صحیح لائن پر نشان کر دینا ہی نہیں آتا۔ خاص طور پر وہ ڈی آئی پی، کیا نام ہے اس کا۔ پرویز ملک۔ مجھے تو وہ شخص بالکل پسند نہیں آیا۔ بالکل احمق معلوم ہوتا ہے۔ میں اس کیس پر سے لے بٹانے کی وٹش کر رہا ہوں۔“

”نہیں جناب۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک ذہین آدمی ہے۔“ ڈاکٹر ہمیشہ نے کہا۔
 ”ہونہہ ذہین؟“ کرنل نے برا سامنے بنایا۔ ”ان لوگوں کے پاس ذہانت کہاں سے آگئی؟“

ڈاکٹر ہمیشہ چونکہ کرنل کے مزاج سے واقف تھا، اس لیے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کرنل کے ساتھ رہا پھر اس سے اجازت لے کر باہر آ گیا۔ اب پولیس والے بھی جا چکے تھے۔ البتہ اس زخمی کے کمرے کے باہر کچھ پہریلوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ ان پہریلوں کو دیکھ کر اسے ہنسی آگئی۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ پولیس واردات کے بعد ہرے کا انتظام کیوں کر لیا ہے۔ یہ اس نے اکثر دیکھا تھا کہ اگر کسی جگہ کوئی دکان لٹ جائے تو اس لٹی ہوئی دکان کے باہر پولیس کے جوان متعین کر دیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ہمیشہ نے پرویز ملک سے ملنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ کرنل راجندر اس کے بارے میں چاہے جیسے بھی خیالات رکھتا ہو لیکن اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس زخمی کو پرویز ہی سلجھا سکتا ہے۔ وہ ایک ذہین آدمی تھا اور براہروی بھی وہیں ہی لوگوں نے کی تھی۔ ہمیشہ نے اپنے گھر کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اب پرویز ملک کی طرف جا رہا تھا۔ جو اس کے

علاقے کا ڈی ایس پی تھا۔ پرویز ملک اس وقت اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ اس نے معنی خیز انداز میں ڈاکٹر ہمیشہ کا استقبال کیا تھا۔

”آپ مجھے دیکھ کر حیران نہیں ہوئے؟“ ڈاکٹر ہمیشہ نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
 ”نہیں۔ کیونکہ میں آپ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔“ پرویز ملک نے جواب دیا۔
 ”وہ کیوں؟“

”میں نے تو اسی وقت محسوس کر لیا تھا کہ آپ اس زخمی کے حوالے سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ دوسری طرف میں نے یہ اندازہ بھی کر لیا تھا کہ آپ واقعی ایک شریف اور قانون پسند انسان ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کسی مصلحت کی بنا پر آپ بتلانا نہ چاہتے ہوں لیکن مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ آپ جیسے لوگ اپنے اندر کی آواز کو زیادہ دیر تک دبا کر نہیں رکھ سکتے۔“

”اس اعتماد کا بہت بہت شکریہ۔“ ہمیشہ مسکرا دیا۔
 ”بات واقعی کچھ ایسی ہی ہے۔ اب آپ کے سامنے اگر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے دل کا بوجھ اتر گیا ہے۔“
 ”بس تو بے فکر ہو کر گفتگو شروع کر دیں لیکن ذرا ٹھہریں۔ اس سے پہلے یہ بتا دیں کہ آپ کو کیا پلا یا جائے، کافی یا کوئی اور چیز۔“

”اس وقت تو جانے کی خواہش ہو رہی ہے۔“ پرویز ملک نے لکھٹی بجا کر اردی کو طلب کیا اور اس سے چائے کا کپہہ کر ہمیشہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”ہاں جی، اب فرمائیں، کیا بات ہے؟“

ڈاکٹر ہمیشہ نے زخمی کے ہسپتال کمرے سے لے کر پرنسپل تک سارے واقعات سننا دیے۔ پرویز ملک بڑے دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا۔ اس نے درمیان میں ایک بار بھی مداخلت نہیں کی تھی۔

”یہ تو بہت ہی عجیب واقعات ہیں۔“ پرویز ملک نے ہمیشہ کے خاموش ہو جانے کے بعد کہا۔ ”جو لوگ آپ سے اس دوران ملتے رہے ہیں ان کا ایک دوسرے سے بظاہر کوئی تعلق بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود ہر سب کے سب اس زخمی کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ ان کی ساری دلچسپی اس زخمی سے ہے۔ ان میں سے ہر کردار اپنی جگہ اہم ہے۔ ہم کسی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ آپ

سے جو معلومات فراہم کی ہیں ان کی روشنی میں ہمیں راز
کھول کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یقیناً جانے، اگر
آپ سے یہ سب معلوم نہ ہوتا تو ہم اندیشہ
میں ہی گھومتے رہتے۔
"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔" ہمیشہ نے
اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کرنل راجندر آپ کی
اتنی منافقت کیوں کر رہا ہے؟"
"میرا خیال ہے کہ یہ ایسی مشکل بات نہیں ہے جو کچھ
میں نہ آ سکے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ
آپ ہی کے درمیان کوئی شخص ایسا موجود ہے جو اس زخمی
کے بارے میں باہر پورٹ دیتا رہتا ہے۔"
"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"
"اور میرے اماندے کے مطابق وہ آدمی سولہاں
کرنل راجندر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

وہ سب کے سب دوڑتے ہوئے زخمی کے کمرے میں
چلے آئے۔
اس کمرے میں جارج اور برناڈ کے لوگ بھی موجود
تھے۔ برناڈ نے کمرے میں آتے ہی لوگوں کو اشارہ کیا۔
پھر اس کمرے میں سولہ ڈاکٹر کھتہ، جارج اور
برناڈ کے سوا اور کوئی نہیں رہ گیا تھا۔
وہ زخمی بستر پر ہی پڑا تھا۔ فوری طور پر اس کے
جسم میں گلوکوز میچانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے
صحت مند بازو میں ایک ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اور اس کے
چہرے پر ہلکی سی سرخی کے آثار تھے۔ جو اس بات کی
علامت تھے کہ مریض صحت یابی کی طرف لوٹ رہا ہے۔
اس کے چہرے کی پیلاہٹ دور ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ
گرچہ ابھی تک کچلا ہوا اور ناقابل شناخت تھا، اس
کے باوجود جہاں جہاں سے چہرے کا قصہ دکھائی دے
رہا تھا، وہ کسی مردہ انسان کی نہیں بلکہ زندہ انسان کا
معلوم ہوتا تھا۔
"بتاؤ کیا رپورٹ ہے؟" برناڈ نے کھتہ کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ دیر پہلے ہی ہوش میں آ گیا تھا۔" کھتہ نے کہا۔
"پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟"
"میں نے اسے غنودگی کا انجکشن دے دیا ہے۔"
کھتہ نے بتلایا۔

"میں وقوف انسان، یہ تم نے کیا کیا؟" برناڈ بھڑک
اٹھا۔ "مجھے اس سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔"
"دیکھیں مسٹر میں اس کا معالج ہوں۔" کھتہ نے کہا۔
"تم ہی نے اس کے علاج کی ذمہ داری میرے سپرد کی ہے۔
اسی لیے میں جانتا ہوں کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے اور
کیا بہتر نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو یہ ہوش میں آتے ہی
تمہارے سوالوں کے جواب دینے لگتا۔ تم کو شاید یہ اندازہ
نہیں ہے کہ یہ شخص کتنے عذاب میں مبتلا ہے۔ اس کا
پورا جسم زخم بنا ہوا ہے۔ اسی لیے میں نے اسے غنودگی
کا انجکشن دیا ہے تاکہ یہ درد کے احساس سے
غافل ہو جائے۔"
"سوری ڈاکٹر۔ برناڈ نے دھیرے سے مسکرا دیا۔
"میں ہی بعض اوقات بچوں جیسی باتیں کر سکتا ہوں۔
اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس کا حال کب تک بہتر ہوگی؟"
"میں ابھی کہہ نہیں سکتا۔ میں نے جو دوا تیاں
اور دیگر چیزیں منگوائی ہیں۔ ان کے آنے کے بعد ہی اس
کا علاج شروع ہو سکتا ہے۔"
"وہ چیزیں بھی آجائیں گی۔" برناڈ نے کہا۔
"میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"
"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"
"کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ اس مریض کی صحتیابی
کے بغیر ہم ڈاکٹروں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"
"بس اس مریض کے صحت یاب ہوتے ہی تم لوگوں
کو واپس جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔" برناڈ
نے کہا۔ "ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے نہیں رکھنا چاہتے۔ یہ
میرا وعدہ ہے۔"
"بتائیں کیوں؟ مجھے تمہاری اس بات پر پوری طرح
یقین نہیں ہے۔" ڈاکٹر کھتہ نے بے غوثی سے کہا۔ اس
کے باوجود ہم اس مریض کا علاج کریں گے۔ اس کی وجہ یہ
نہیں ہوگی کہ ہم تم سے زندگی کی ٹھیک دنگ رہے ہیں
بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ ہمارا فرض ہے
"تم بے فکر ہو ڈاکٹر، میں تمہارے جذبے سے خوش
ہوا ہوں۔" برناڈ نے کہا۔ "اور اگر تم نے اس مریض کو
صحت مند کر دیا تو ہم تمہارے لیے بہت کچھ کر گزریں گے"
کھتہ اپنی گردن ہلا کر رہ گیا۔ اس نے شاید برناڈ
کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ اب اس زخمی کی طرف

متوجہ ہو گیا تھا۔ برناڈ کچھ دیر تک گہری نگاہوں سے اس
کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جارج اور دوسرے لوگوں کو لے کر
کمرے سے باہر چلا گیا۔
اس کے باہر جانے کے بعد دوسرے ڈاکٹر دوبارہ
اس کمرے میں آ گئے۔ وہ سب ڈاکٹر کھتہ کے ارد گرد کھڑے
ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر کھتہ نے ان لوگوں کو برناڈ کی گفتگو کے
بارے میں بتا دیا۔
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری سلامتی کا انحصار اس
شخص کی سلامتی پر ہے۔" ایک ڈاکٹر نے زخمی کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔" کھتہ نے اپنی گردن ہلا دی۔ "اگر یہ صحت
ہو گیا تو ہمیں بھی جانے کی اجازت مل جائے گی۔"
"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" ایک ڈاکٹر بولا۔ "میں
تو اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ترس گیا ہوں۔ وہ مجھ سے
بہت محبت کرتا ہے۔"
"لیکن شاید تم کبھی اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ سکو گے۔"
کھتہ نے کہا۔
"کیا مطلب؟" وہ سب کے سب چونک کر اس کی
طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"
"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ معاف کرنا، میں تم لوگوں
کو دہشت زدہ نہیں کرنا چاہتا لیکن شاید تم لوگ اس
ترجیح حقیقت کا اندازہ کر لو۔ یہ لوگ اتنے بیوقوف نہیں ہیں
کہ اس زخمی کے صحت مند ہو جانے کے بعد ہمیں جانے
کی اجازت دے دیں۔ یہ کسی قیمت پر بھی اپنا راز فاش
کرنا نہیں چاہیں گے۔ اگر مریض صحت یاب ہو جاتا ہے
تو یہ ہماری کامیابی تو ہوگی لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا
کہ ہم نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں۔"
"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے مسٹر کھتہ؟" ایک نے پوچھا۔
"میں اگر کچھ کہوں تو یہ بات تم لوگوں کے لیے جیت انگیز
تو ہوگی لیکن اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی بھی
راستہ نہیں ہے۔"
"وہ کیا؟"
"ہمیں اس مریض کو موت کی نیند سلا دینا ہے۔" کھتہ
نے کہا۔
"کیا؟" سب کے سب حیران رہ گئے تھے۔
"ہاں۔ اگر تم لوگ دھیان سے میری بات سنو تو تمہاری

یہ حیرت دور ہو جائے گی۔ تم لوگ کوئی معمولی ڈاکٹر نہیں ہو
بلکہ تمہیں ہندوستان بھر سے اس مریض کے علاج کے لیے
منتخب کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات شاید تم بھی جانتے ہو کہ اس
مریض کی حالت کیسی ہے؟ اگر یہ زندہ رہ گیا تو کسی کام کا
نہیں رہے گا۔ اس کے اندرونی اعضا نا کارہ ہو چکے ہیں۔
ان میں اتنی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے کہ اس بے چارے کو ہوش
بھی آنا یا تب بھی یہ سسکتا ہی رہے گا۔ ہم ڈاکٹر ہیں۔
ہمارا کام زندگی بچانا ہے لیکن دوسری طرف ہمارا کام یہ
بھی ہے کہ ہم اپنے مریضوں کی تکلیفیں اور ان کے دکھوں
کو کم کر دیں۔ ان کی مدد کریں۔ اگر وہ کسی دکھ میں مبتلا
ہیں تو اس کو دکھ کو ختم کر دیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ
یہ لوگ اس مریض کو کسی ہمدردی میں اٹھا کر نہیں لائے۔
بلکہ ان کا مقصد کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر انہیں اس
مریض سے کوئی ہمدردی ہوتی تو یہ بھی اسے ہسپتال سے
اٹھا کر لے جاتے۔ بلکہ اس کے علاج کے مواقع فراہم کرتے رہتے۔
انہیں یہ معلوم تھا کہ یہ مریض کو اٹھا لائے ہیں، اس
بے چارے کا مکمل علاج کیا نہیں ہو سکے گا۔ اس کے باوجود
انہوں نے اس مریض کو اپنی خود غرضی کی جھبٹ چڑھا دیا۔
ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس بے چارے کا ہوش میں آنا ان
کے لیے عذاب ثابت ہو گا۔ اس کو اپنی تکلیفیں دی جائیں گی
کہ یہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے گا۔ یہ لوگ اس سے
کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسا راز جو اس مریض کے
سینے میں دفن ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم خود اسے ان
مشکلات سے نجات دلا دیں۔ اسے زندہ تو بیسے بھی نہیں
رہنا ہے۔"
"لیکن اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟" ایک ڈاکٹر
نے کہا۔ "تم تو کہہ چکے ہو کہ یہ مریض چاہے زندہ رہے
یا مر جائے ہمیں ہر حالت میں مرنا ہے۔ پھر جب ہم مرنا
ہوئے تو کیوں نہ اس کے علاج کی طرف توجہ دی جائے؟"
"یہ سوال تمہارا ٹھیک ہے لیکن اصل بات تو یہ ہے
کہ ہم کس حد تک کسی کے دکھوں کو کم کر سکتے ہیں۔ میرا
خیال ہے کہ ہمارا مقصد یہی ہونا چاہیے۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو۔" ایک اوجھڑا ڈاکٹر نے کھتہ
کی تائید کی۔ "ہمیں اس بے چارے کو غذا بولنے سے بچا
لینا چاہیے۔"
"تو پھر یہ طے رہا کہ ہم اس کو ہوش میں نہیں آنے
دیں گے۔"

وشنو کو اس دیہاتی سے بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ ان دیہاتیوں کو انہوں نے رخصت کر دیا تھا لیکن اسے تاکید بھی کر دی تھی کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے کیونکہ صرف اسی صورت میں ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔ دیہاتیوں نے شنو کی بات فوراً ہی مان لی تھی۔ کیونکہ وہ خود بھی اس عذاب سے بچنے کا اپنے کے خواہشمند تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ شنو نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔
 ”باس۔ اس دیہاتی نے ایک ایسے آدمی کا حوالہ دیا ہے، جو ان کی گرفت سے نکل بھاگا ہے کیوں نہ ہم اس سے مل لیں۔“

”اوہ۔ یہ تو میں بھولی ہی گیا تھا۔“ شنو جلدی سے بولا۔ ”چلو اس بستی میں چلتے ہیں۔“

وہ بستی زیادہ دور نہیں تھی۔ ایک گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس بستی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایسا گناہ تھا جسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے پوری بستی کینوں سے خالی کر دی ہو۔

مکان اپنی جگہ پر موجود تھے لیکن ان میں رہنے والے کھالی نہیں دے رہے تھے۔ جیسے اس بستی کے رہنے والے کہیں اور چلے گئے ہوں۔“

”یہ کیا سلسلہ ہے باس؟“ شنو کے ایک آدمی نے پوچھا۔
 ”مجھے خود نہیں معلوم۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بڑا ڈروری بستی کو اٹھا کر لے گیا ہو۔“

”یہ بڑا ڈروری کون ہے باس؟“
 ”وہی گوراجن کے بارے میں اس دیہاتی نے بتایا تھا۔“ شنو نے جواب دیا۔

”کیا تم اسے جانتے ہو باس؟“
 ”بہت اچھی طرح۔“ شنو نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ میرا اس کا بہت پرانا تعلق ہے۔ نہ جانے کتنے جنم کا توڑ ایک دوسرے کے ڈسے ہے۔ مجھے اندازہ تو تھا کہ اس آدمی کو اغوا کرنے میں جارج نامی ایک غیر ملکی کا ہاتھ ہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اصل کردار بڑا ڈروری ہے۔ وہ ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا لیکن اس ویرانے میں اگر اس نے اپنے آپ کو پوری طرح ظاہر کر دیا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمیوں کو کیوں جمع کر رہا ہے۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ کوئی بےوقوف آدمی نہیں ہے اس نے یوں ہی یہ کھراگ نہیں چھلایا ہوگا۔ نفعنا کوئی نہ کوئی گہری وجہ ہوگی۔ لیکن اس وقت تو معاملہ یہ ہے کہ یہ پوری بستی کہیں غائب ہو گئی ہے۔“

اس وقت یہ لوگ اس بستی کی ایک ایسی گلی سے گزر رہے تھے جس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اور اس بستی کی دکانیں بھی اس کی حیثیت کے مطابق ہی تھیں۔ گرد سے اٹی ہوئی دکانیں، تنگ گلیاں، کچے کچے مکانات، بس اس کے علاوہ اس بستی میں کچھ نہیں تھا۔

ان لوگوں نے اس بستی کا پورا چکر لگالیا۔ لیکن کوئی بھی نہیں مل سکا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس بستی کے جانور بھی نہیں غائب ہو گئے تھے۔ روزنام طور پر جانور تو دکھائی دے رہے تھے۔ چاہے وہ بستی کتنی ہی ویران کیوں نہ ہو گئی ہو۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے“ شنو نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم یہاں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے باس۔ لیکن اس بستی میں کئے کا فائدہ کیا ہوا؟“ شنو کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

”کوئی بات نہیں۔ ہم اپنی منزل کی طرف تو جا رہے ہیں۔ شنو نے کہا۔ میں نے سوچا تھا کہ اس بستی میں آنے کے بعد اس آدمی تک پہنچنے کے راستے آسان ہو جائیں گے۔ لیکن خیر، اب کیا کیا جائے؟ ہمیں اپنا سفر پھر شروع کر دینا چاہیے۔“

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ شنو اس بستی کے خالی ہو جانے پر بے حد حیران تھا لیکن اس نے اپنے ساتھیوں سے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اسے اس معاملے میں کسی ٹرٹر کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی جو اسے کھٹک رہی تھی۔

کچھ دور کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد اس نے اچانک ٹرک کو روک جانے کا اشارہ دیا اور پھر ڈرائیور واپس کی طرف مڑنے کا حکم دیا۔ ڈرائیور اس بات پر بہت حیران دکھائی دے رہا تھا۔

”اب کیا ہو گیا باس؟“ اس نے پوچھا۔ کوئی بات یاد آگئی کیا؟“

”ہاں۔ لیکن اس بار بستی میں تم لوگ نہیں جاؤ گے۔ اور اس ٹرک کو بھی کچھ فاصلے پر رکھ کر کیا جائے گا۔ میں اکیلا ہی بستی میں جاؤں گا۔“

اس ڈرائیور نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن شنو کے تیور دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ٹرک کو شنو کی ہدایت کے مطابق کچھ فاصلے پر روک دیا گیا۔ شنو نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رہنے کی ہدایت کی اور اکیلا ہی بستی کی طرف چل پڑا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس بار اس بستی میں ہر طرف چل پھل پہل کے آثار تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے جادو کے زور سے اس جادوگر نے اس بستی کو دوبارہ آباد کر دیا ہو۔ عورتیں، مرد، بچے سب ہی دکھائی دے رہے تھے۔

شنو کو دیکھ کر بستی کے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور اسے گھیر کر گھرے ہوئے۔ ان ہی لوگوں میں شنو نے اس دیہاتی کو پہچان لیا جس سے اس کی بات ہو چکی تھی۔ اس دیہاتی نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

”تم۔“ دیہاتی نے اس کی طرف انگلی اٹھائی۔ ”تم وہی ہو نا؟“

”ہاں میں وہی ہوں۔“ شنو نے اپنی گردن ہلا دی۔ میں کچھ دیر پہلے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تھا لیکن اس وقت یہ بستی بالکل خالی ہو رہی تھی۔“

”اوہ۔ تو وہ تم لوگ تھے۔“ دیہاتی نے کہا۔ ”ہم لوگ یہ سمجھے تھے کہ شاید وہ گور سے دوبارہ واپس آگئے۔“
 ”کون ہے یہ اجنبی؟“ ایک بوڑھے آدمی نے اس دیہاتی سے دریافت کیا۔

”وہ کرم کا۔“ یہ وہی آدمی ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتایا تھا۔ وہ ٹرک ان ہی کا تھا۔“

وہ کرم کا کائنات آگے بڑھ کر بڑی گرمی کے ساتھ شنو سے ہاتھ ملایا اور ان لوگوں کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ شنو نے اس دیہاتی کو اپنے ساتھیوں کو لائے بھیج دیا تھا۔ بوڑھے وکرم کا کی جھونپڑی میں اس کے علاوہ وہ دیہاتی بھی تھا جس کا نام جھوپٹ تھا۔ جھوپٹ کے علاوہ اور بھی بستی کے لوگ تھے۔ جن کے سوتے ہوئے چہرے یہ بتا رہے تھے کہ زندگی ان کے لیے بڑے بڑے غناہوں کے ساتھ آئی ہے یا ان لوگوں پر قیامت گزری ہے۔

ان لوگوں نے شنو کو جو کہانیاں سنائیں، ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہی باتیں تھیں جو جھوپٹان کو پہلے ہی سننا چکا تھا۔ وہ سب کے سب اس آفتاد سے بہت پریشان تھے۔

”تم لوگوں نے پولیس کو اطلاع دینے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“ شنو نے پوچھا۔

پہلی بات تو یہ ہے سرکار کہ اس پاس کوئی پولیس چوکی بھی تو نہیں ہے جہاں یہ اطلاع دی جاسکے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پولیس کے کچھ آدمی جیپوں پر گشت کرتے ہوئے یہاں تک آجاتے ہیں۔ پچھلے مہینے جو پولیس والے آئے تھے، پہلے ان کو بتا دیا تھا۔ لیکن انہوں نے ہماری بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ اٹھا ہمارا مذاق اڑانے لگے تھے۔“

”وہ پولیس والے بھی ان گوروں کے سامنے بے بسی ہو گئے ہوں گے۔“ شنو مسکراتے ہوئے بولا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں سرکار،“ جھوپٹ نے کہا۔ ”میں کچھ ایسا ہی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔“

”وہ آدمی کہاں ہے جو ان لوگوں کی قید سے نکل بھاگا ہے۔“ شنو نے پوچھا۔

”اس سے مل کر بھی آپ کو کچھ نہیں معلوم ہو سکے گا سرکار۔“ وکرم کا کانٹا کہا۔

”وہ کیوں؟“

”اس بے چارے کی حالت ایسی نہیں کہ وہ کسی کو کچھ بتا سکے۔ نہ جانے اس نے کیا دیکھا ہے کہ آنے کے بعد اس کا دماغ ہی الٹ گیا ہے۔ یہی کہی باتیں کرنے لگ گیا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ گورا آدمی، آدمیوں کو جانور بنادیتا ہے۔“

”آپ لوگ اس کی بات سمجھنے کی کوشش تو کریں۔ ہوں سکتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہو کہ وہ گورا تو میوں سے جانور جیسا سلوک کر رہا ہے۔“

”نہیں سرکار، اس کا کہنا ہے کہ وہ بچہ مچ کے جانور بن جاتے ہیں۔ بالکل اصلی۔“

”کیا اس آدمی کو یہاں نہیں بلوایا جاسکتا۔ اگر میں اس سے کچھ پوچھ لوں تو اس میں کیا حرج ہے؟“

”ٹھیک ہے۔ ہم اچھی اسے بلوادیے ہیں۔“ وکرم کا کانٹا اس جھونپڑی میں بیٹھ ہوئے ایک آدمی کو کہا۔ ”جاؤ دھنیا کو کپڑا لاؤ۔“

دھنیا کے آنے تک بستی وانوں نے دشمن اور اس کے ساتھیوں کے لیے لٹی لاکر دے دی۔ یہ ٹیکس تھی جو گاؤں ہی سے حاصل ہونے والے دودھ کے ذریعے تیار کی گئی تھی۔ وہ لوگ ابھی بستی کی کفارغ ہی ہوئے تھے کہ دھنیا آ گیا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران ہو رہی تھیں۔ اس کے کپڑے تار تار ہو رہے تھے۔ مجموعی طور پر وہ اپنے ہوش و حواس سے بے گار نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ جھوٹری میں آتے ہوئے بہت خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا لیکن اس کو ساتھ لانے والے کسی نہ کسی طرح اسے جھوٹری میں لے ہی آئے۔

”اؤ بھائی، ہمارے پاس آ جاؤ۔“ دشمنوں نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

”نہیں نہیں۔ میں نہیں آؤں گا۔“ اس نے جھڑک کر دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے لے کر پکڑ لیا۔

”مجھے چھوڑ دو۔“ وہ اپنے ہاتھ پاؤں جلائے لگا۔ لیکن وہ لوگ اسے کھینچتے ہوئے دشمنوں کے سامنے لے ہی آئے۔ دشمنوں نے اسے تسلی دے کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ بیٹھ تو گیا لیکن اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے موقع ملتے ہی اٹھ کر بھاگے گا۔

”گھبراؤ نہیں۔“ دشمنوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، دوست ہوں۔“

”نہیں نہیں۔ مجھے جانے دو، تم لوگ کسی کے دوست نہیں ہو سکتے۔“

”ایسا مت کہو۔ میں واقعی تمہارا دوست ہوں۔ ذرا دیکھو میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ دیکھو تو سہی۔ یہ سب تمہاری بستی کے لوگ ہیں۔ تمہارے اپنے لوگ اور میں ان کے ساتھ ہوں۔ پھر میں تمہارا دشمن کس طرح ہو گیا۔“

”تم۔ تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں۔ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مجھے جانے دو۔“

”خیر۔ تمہیں نہیں لیکن تمہاری بستی والوں کو تو مدد کی ضرورت ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو بھی جانور بنا دیا جائے۔“

”ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ لوگ آدمیوں کو جانور بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے میرے دوست کو جانور بنا دیا تھا۔“

”اس لیے تو کہ رہا ہوں کہ تم ہمارا ساتھ دو۔“

”میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو بہت جھوٹا آدمی ہوں۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ مجھے جانور بنا دیں گے۔“

”نہیں۔ وہ لوگ تمہارا کچھ نہیں لگاڑ سکتے۔ تم ہیں ہمیں وہ جگہ دکھا دو۔ اس کے بعد واپس آ جانا۔“

وہ کچھ الجھا ہوا دکھائی دینے لگا۔ دشمنوں نے وکرم کا کا کو اشارہ کیا۔ وہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے سمجھانے کے بعد وہ دشمن اور اس کے ساتھیوں کو راستہ دکھانے کے لیے راضی ہو گیا۔ مگر جو اس کے دل سے خوف ابھی تک دور نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے باوجود دشمنوں نے اسے اپنی باتوں سے رام کر ہی لیا۔

وہ ٹرک پھر چل پڑا۔ اس بار اس آدمی کو بھی دشمنوں نے اگلی نشست پر بٹھا لیا تھا۔ وہ ابھی تک کسی خوفزدہ جانور کی طرح بھڑک رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی گردن جھٹکنے لگتا۔ چاروں طرف متوجہ رہتا تھا۔ دیکھتا تھا گردن جھٹکا کر کچھ بڑبڑانے لگتا۔

”اس کی حالت تو بہت ہی خراب معلوم ہوتی ہے۔“

”باس۔“ ٹرک ڈرائیور نے دشمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ بہت دہشت زدہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس نے واقعی بہت بھیاںک مناظر دیکھے ہوں۔“

”لیکن یہ انسانوں کو جانور بنا دینے والی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔“

”میں بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔ لیکن کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔“

”بس بس۔ آگے مت بڑھنا۔“ وہ آدمی اچانک ڈرائیور نے ایک جھٹکے سے ٹرک روک لیا۔

”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے دوست۔“ دشمنوں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ جگہ بھی یہاں سے بہت دور ہے۔ یہاں سے ہم کو بائیں طرف چلنا ہوگا۔“

دشمن کی ہدایت پر ڈرائیور نے ٹرک کو اگے کچے راستے پر اتار دیا۔ یہ راستہ بل کھاتا ہوا پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تھا۔

دو جھٹکے کی مسافت کے بعد وہ لوگ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے کسی ٹرک کا آگے جانا محال نظر آ رہا تھا۔ اس راستے پر بے شمار جنگلی جھاڑیاں اور چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ جنہوں نے آگے بڑھنے کی راہ بند کر دی تھی۔

”اب یہاں سے پیدل چلنا ہوگا۔“ اس آدمی نے بتایا۔ ”ان جھاڑیوں کے ختم ہوتے ہی وہ جگہ ہے جہاں آدمیوں کو جانور بنا دیا جاتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم لوگ یہیں اتر جاتے ہیں۔“

دشمنوں سے پہلے اتر آ۔ اس کے بعد وہ لوگ بھی ٹرک سے نیچے آ گئے تھے۔ یہاں بالکل خاموشی تھی۔ جنگلی اور جھاڑیاں تو تھیں لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کسی قسم کا کوئی پرندہ بھی یہاں اڑتا ہوا یا منڈلاتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بالکل غیر راضی قسم کی خاموشی تھی۔ یہاں سے واپس جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔“

اس آدمی نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

”تم اکیلے واپس نہیں جا سکتے ہو۔“ دشمنوں نے کہا۔

”بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے آدمیوں کے پاس اسی ٹرک پر رہو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ پھر تمہیں واپس تمہاری بستی میں پہنچا دوں گا۔“ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔

”لیکن جلدی واپس آنا۔ مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔“

دشمنوں نے اپنے ساتھ صرف ڈرائیور کو لیا تھا۔ جس کا نام بلراج تھا۔ وہ دشمنوں کے اعتماد کے آدمیوں میں سے تھا۔ یہ دونوں باقی لوگوں کو وہیں چھوڑ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ہتھیار بھی رکھ لیے تھے۔

وہ جھاڑیاں بظاہر گنجان دکھائی دے رہی تھیں، لیکن قریب جا کر اندازہ ہوا کہ وہ کہاں کہیں سے جھڑکی بھی تھیں۔ اور ان کے درمیان سے داخل ہوا جا سکتا تھا۔ پہلے دشمنوں ہی ایک جھاڑی کو ہٹا کر دوسری طرف قدم رکھا۔ بلراج بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ دونوں۔

جھاڑیوں کو گرتے، ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ جھاڑیاں کچھ دور تک ہی تھیں۔ جھاڑیوں کے بعد جب دشمنوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کی مشکل آسان ہو گئی۔ یہ درخت بھی گرج رہے تھے دیوار بننے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ان کے درمیان راستہ موجود تھا۔

”باس۔ یہاں تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ بلراج نے چلتے چلتے پوچھا۔ کہیں اس نے غلط تو نہیں بتایا۔“

”ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے اس جنگل کے ختم ہونے کے بعد کوئی چیز دکھائی دے جائے۔“

تم شاید اس بات پر غور نہیں کر رہے کہ یہ ایک بڑا خطرہ ہے۔ یہاں اس قسم کے جنگل کا ہونا ناممکن سی بات ہے۔ اس کے باوجود ایک جنگل موجود ہے۔“

”ہاں۔ یہ جنگل انسانی ہاتھوں کی کارستانی ہے۔“

دشمنوں نے بتایا۔ اس لیے تم اگر غور کرو تو تمہیں ان درختوں کے درمیان ایک ترتیب نظر آئے گی۔“

”تو پھر یہ کام ان گوروں کا تو نہیں ہو سکتا باس، کیونکہ یہ جنگل تو بہت پرانا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو، یہ بہت پرانا جنگل ہے۔ اور ابھی یہ نہیں معلوم کہ کس نے یہ جنگل آگاہی ہے۔ بلراج آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔“

وہ درختوں کے درمیان سفر کرتے رہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد درخت چھوڑے ہوئے۔ اور پھر وہ دونوں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا خالی تھا۔ یعنی اس ٹکڑے پر نہ تو کوئی چھاری تھی اور نہ ہی کوئی درخت۔ اس ٹکڑے کے بعد پھر درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

وہ دونوں اس قطع زمین کے وسط میں پہنچے تھے کہ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔ یہ آواز غیر انسانی تھی۔ اور ان کی پشت سے آئی تھی۔ وہ دونوں بجلی کی سی تیزی سے، لٹکی طرح گھوم گئے۔ ان سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑا رکیچہ اپنے دونوں پیروں کے بل پر اپنے بازو پھیلانے کھڑا ہاتھ رکھا تھا۔

ڈاکٹر کھڈے کی باتوں نے ان لوگوں کو جبران کر دیا تھا۔ اس کمرے میں اب سولے گہری گہری سانسیں کے اور کوئی آواز نہیں تھی۔ سب کے سب کبھی ایک نظر اس زخمی پر ڈالتے اور کبھی کھڈے کے چہرے پر جس نے اتنی بڑی کہہ دی تھی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہاں ان ڈاکٹروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور یہی ڈاکٹر پتھر لے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد یہ پتھر پلانٹ ختم ہو گیا۔ اور اس کمرے میں

مرحوم شیان اُٹھنے لگیں۔ اب ان کا دھیان ڈاکٹر کھتہ کی طرف نہیں تھا۔ وہ آپس میں اظہار خیال کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی رلنے دوسرے کو ملے رہا تھا۔ یہ سلسلہ کچھ دینک جاری رہا پھر ڈاکٹر شنگر نے کھتہ کو مخاطب کیا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا ڈاکٹر کھتہ کہ آپ نے ہمیں کیسی کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ ہم نے اپنے بروقتن کے دوران کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہمیں ایک دن کسی کو بچانے کے بجائے مارنا پڑے گا۔

”یہ موت بھی زندگی ہی کی ایک قسم ہوگی۔“ ڈاکٹر کھتہ نے کہا۔ میں نے ساری صورتحال آپ لوگوں کے سامنے واضح کر دی ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ میری بات مانیں یا نہ مانیں لیکن اتنا ضرور جان لیں کہ یہ مرضی چلیے زندہ رہے یا نہ رہے ہمیں ہر حال میں ختم کر دیا جائے گا۔ انہوں نے ہمیں اس لیے یہاں نہیں رکھا ہے کہ ہم ان کے لیے ثبوت بن کر پوری دنیا میں دُشمن و دشمن بنیں۔

”آپ کہتے تو ٹھیک ہی ہیں لیکن کیا یہ ہمارے۔“

بروقتن کے خلاف نہیں ہوگا۔ میں خود بھی اس بات کو محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن یہ کیسے دوسروں سے مختلف ہے۔ آپ لوگ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف یہی دیکھ لیں کہ اگر یہ شخص زندہ بھی رہا تو اس کی کیا شناخت ہوگی۔ آپ نے اس کا چہرہ دیکھا ہے۔ کتنا بھانک ہو چکا ہے۔ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اچھے سے اچھا پلاسٹک سرجن بھی اس آدمی کے چہرے کو تندرست نہیں کر سکتا۔ اس کا پرانا پاپ واپس نہیں دلاوا سکتا۔ اس کا سنچ چہرہ کبھی اپنی اصلی حالت میں واپس نہیں آ سکتا۔ اگر اس کے رشتے دار اور دوست وغیرہ ہوتے بھی تو اسے کوئی نہیں پہچانے گا۔ اس کی آواز بدل چکی ہوگی۔ یہ جدر سے گزرے گا لوگ اس سے خوف کھائیں گے۔ اس کی طرف کوئی دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں کیا ہم ایسے زندگی دے کر اس کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے؟“

ڈاکٹر پھر خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر کھتہ کی ان باتوں کا ان میں سے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

کر دیا ہے۔ واقعی ایسے شخص کے لیے مرجانا ہی بہتر ہے۔“

”یہی مناسب ہے گا۔“ ڈاکٹر کھتہ دھیرے سے بولا۔ حالانکہ میرا دل دور ہوا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“

ان کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔ اس گہری خاموشی کے دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ اور کچھ لوگ اندر آ گئے۔ یہ سب بنا ڈکے آدمی تھے۔ ان آدمیوں نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے پیٹک اٹھا رکھے تھے آپ لوگوں کا منگوایا ہوا سامان اور دو امین الٹی ہیں۔ سب سے آگے اس شخص نے ڈاکٹروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”آنتی جلدی؟“ ڈاکٹر کھتہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

”یہ کس طرح ہو گیا؟“

”ہمارے پاس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ فزیر انداز میں بولا۔ خیر، اب تم لوگ اپنا کام شروع کر دو۔ برنا ڈکے آدمیوں نے اس کمرے کو اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان سے بھر دیا وہ دواؤں اور قیمتی آلات سے لے کر تولیہ اور واش مین تک اٹھا لائے تھے ڈاکٹر کھتہ اور دوسرے ڈاکٹر حیرت سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”یہ لوگ تو بہت حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے ڈاکٹر کھتہ کے قریب آ کر دھیرے سے کہا۔

”ہاں۔ حیرت انگیز اور خطرناک۔ نہ جانے یہ سارا سامان کہاں سے اٹھا لائے ہیں۔“

”اب کیا ارادے ہیں ڈاکٹر کھتہ؟“ ڈاکٹر اطہر نے پوچھا۔

”وہی جو پہلے کہہ چکا ہوں۔“

ڈاکٹر اطہر ابھی کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ برنا ڈکے ایک آدمی نے کمرے میں آتے ہوئے ڈاکٹر کھتہ سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب آپ میرے ساتھ چلیں۔ آپ کو باس نے بلایا ہے۔“

”کس لیے؟“

”یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ جب باس بلایا کرے تو پھر سوال نہیں کرتے؟ اس کا لہجہ خوفناک ہو گیا تھا۔“

ڈاکٹر کھتہ نے ایک نظر اپنے ساتھیوں کی طرف

دیکھا اور اس آدمی کے ساتھ ہولیا جو اسے بلانے آیا تھا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا جس کے چہرے پر خراشیں بکری ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں اس طرح ترنیا تھیں جیسے ان میں خون اتر آیا ہے۔ وہ آدمی کھتہ کو اپنے ساتھ ایک ایسے کمرے میں لے آیا جہاں سولے دو مدور سیوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”کہاں ہے تمہارا باس؟“ کھتہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس شخص نے جواب دینے کے بجائے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

”میں پوچھتا ہوں تمہارا باس کہاں ہے؟“ کھتہ نے دوبارہ کہا۔ ”تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔“

”تم اس سے بھی مل لو گے۔“ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ”لیکن اس سے پہلے تمہیں مجھ سے ملنا ہو گا۔“

کھتہ کچھ کہنے کے بجائے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس شخص کی حرکتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ ”دیکھو ڈاکٹر۔“ اس شخص نے کھتہ کو مخاطب کیا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے پاس وقت ہوگا۔ اس لیے مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ جلدی اور صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں۔“

”بولتے رہو۔ میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔“

”میں تمہیں اپنی جان پر فیصل کر رہا ہوں۔“

اس نے کہا۔ ”اگر باس کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں اس کا حوالہ دے کر تمہیں دھوکے سے بلالایا ہوں تو تم اندازہ کر سکتے ہو کہ میرا کیا حشر ہو گا۔“

”اوہ۔“ تو تم نے مجھے دھوکے سے بلایا ہے۔ آخر کیوں؟“

”وہی میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے آدمیوں میں واپس جاؤ۔ میرا مطلب ہے کہ اس کمرے میں جاؤ جہاں وہ زخمی موجود ہے اور اپنے دوسرے ساتھی ڈاکٹروں سے کہو کہ تم نے اس زخمی کو ہلاک کرنے کا ارادہ تبدیل کر دیا ہے۔“

”کیا۔؟“ کھتہ بوکھلا کر اٹھ اٹھا۔ ”تم۔“

”ہاں۔ میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں اور میں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ میں یہی چاہتا کہ اس ویرانے میں تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے۔“

اور تمہارے گھر والے تمہاری راہ دیکھتے رہ جائیں۔“

”کیا میں تمہاری اس مہربانی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟“

”تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا لیکن ابھی اس کا موقع نہیں ہے۔ ابھی وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں اور یقین رکھو۔ میں تمہارا دشمن نہیں بلکہ دوست ہوں۔ ساری باتیں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی تو فوراً اس کمرے میں جا کر مریض کے علاج کا اعلان کر دو۔ جاؤ۔ جلدی کرو۔“

کرنل راجندر!

ڈاکٹر ہمیش کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ نام اس کے ذہن میں ٹکرا کر پورے کمرے میں کسی ابا بیل کی طرح اڑتا پھیر رہا ہو۔ اس کے ذہن میں ایک گونج سی ہو رہی تھی۔ کرنل راجندر، اس نے پرویز ملک کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”کیا کہہ رہے ہو آفیسر؟“ ڈاکٹر ہمیش کچھ دیر بعد پرویز ملک سے مخاطب ہوا۔

”میں یہ بات کسی اور سے نہیں کہہ سکتا تھا۔“

پرویز ملک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن تم مجھے دوسروں سے مختلف معلوم ہوئے ہو۔ اسی لیے میں نے بتا دیا ہے۔ اس کے علاوہ شاید مجھے یہ امید بھی ہے کہ تم اس کہیں کو حل کرنے میں میرا ساتھ دو گے۔“

”میں تو ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن تمہارے ذہن میں یہ نام کس طرح آیا؟“

”گناہ گار اپنے رویے سے اپنی خطاؤں کا خود ہی اعلان کر دیتا ہے۔ یہ ادب بات ہے کہ نہ جانے والوں کو اس کا اندازہ نہ ہو سکے لیکن میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں۔“

کیونکہ میری زندگی ہی مجرموں کے درمیان گزری ہے۔ میں دلوں میں چھپی ہوئی تجویزیاں پکڑ لیا کرتا ہوں۔ کرنل راجندر کا رویہ ایسا تھا کہ جس نے مجھے تنگ میں مبتلا کر دیا۔ میں نے یہ سوال تقریباً ہر ایک سے کیا لیکن کسی نے بھی اتنے منفی انداز سے پھر کر میرے اس خیال کی ترویج نہیں کی، سولے تمہارے کرنل راجندر کے۔ وہ تو یہ سمجھنے ہی کو تیار نہیں ہے کہ اس کے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو اس مریض کے حالات کسی اور کو جا کر بتاتا رہے۔ اس کے اسی انداز نے

مجھے اس کی طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔

لیکن اس سے کرنل کا کیا فائدہ ہو گا؟

یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ لیکن اس کا بھی پتا چل ہی جائے گا۔ ابھی میں اس کے خلاف کچھ کرنے یا کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کیونکہ سیر پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ میرے مقابلے میں بہت با اختیار آدمی ہے۔ وہ میرے لیے مسائل بھی کھڑے کر سکتا ہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں تم میرا ساتھ دو۔

ٹھیک ہے، بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں؟

سب سے پہلے تو تم مجھے اس سادھو کے پاس لے چلو۔ جس نے تمہیں داؤد تک پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ وہ بھی اس کہانی کا اہم کردار معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مہیش خود بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اس کہانی کو اس کے اختتام تک پہنچانے میں پولیس کا ساتھ دے۔ یہ اگرچہ اس کی لاٹھ نہیں تھی۔ لیکن اس کے اندر جو حس کا مادہ تھا، وہ اسے بار بار اکسا رہا تھا۔ اس کے علاوہ یہ واقعات بھی اس کے ساتھ پیش آئے تھے۔ سادھو کی بھی اس سے ملاتھا اور پرمی نے اسی کو کسی وشنو کے بارے میں بتایا تھا۔

ٹھیک ہے آفیسر۔ تو پھر کب چلنا چاہیے؟

ابھی اور اسی وقت۔

سادھو تک جانے کے لیے پرویز ملک نے اپنی جیب استعمال کی تھی۔ اس جیب میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ راتے میں وہ دونوں اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ لیکن وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پائے تھے۔

کیا سادھو راگی اتنی آسانی سے کسی پولیس افسر کو داؤد کے بارے میں بتا دے گا؟، مہیش نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

”اگر وہ واقعی سادھو ہے تو پھر یقیناً بتا دے گا۔“

پرویز ملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب تم دیکھتے رہنا کہ ہم پولیس والے کیسے کیسے بہتر سے اختیار کرتے ہیں؟“

سادھو راگی اپنے فلیٹ ہی میں تھا۔ اور اس نے ان دونوں کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ مہیش کے ساتھ کسی پولیس والے کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے بجھ گئیں۔ پھر اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔

”میں اندر آنے کی آگیا نہیں دیں گے مہاراج؟“

پرویز ملک نے بڑے احترام سے پوچھا۔ ”آپ نے انہیں تو پہچان ہی لیا ہو گا۔“ اس نے مہیش کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ڈاکٹر مہیش ہیں جو ایک بار پہلے بھی آپ کے پاس آچکے ہیں۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ راگی نے بڑے رمان کے ساتھ اپنی گردن ہلا دی۔ ”آجاؤ۔“

وہ دونوں اس فلیٹ میں داخل ہو گئے جو قیمتی اور جدہ قسم کے فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔

”ہاں بتاؤ، میں تم دونوں کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

اس نے پوچھا۔

”مہاراج۔ میں اس داؤد سے ملنا ہے جس کا آپ نے حوالہ دیا تھا۔“

داؤد سے۔ سادھو راگی نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

”کون داؤد؟“

”آپ کو شاید یاد نہیں رہا مہاراج کہ آپ نے ڈاکٹر مہیش سے مذکورہ کیا تھا کہ اس رزمی کے بارے میں داؤد سب کچھ جانتا ہے۔“

”مجھے یاد نہیں کہ میں نے ایسی کوئی بات کی ہو۔“

”دیکھیں مہاراج، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“

پرویز ملک نے بتایا۔ ”آپ بڑے آدمی ہیں۔ جھگوان آپ سے راضی رہتا ہے۔ آپ چاہیں تو چل جائیں سب کچھ بدل جائے۔ آپ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ کم ہمت کچھ معلوم ہے لیکن کسی مصلحت کی بنا پر آپ اس وقت خاموش ہیں یا غافل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم بڑی امیدوں کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں۔ بس ایک خواہش ہے کہ آپ ہمارا ساتھ دے دیں۔ اگر آپ نے ساتھ دیا تو ٹھیک، اگر کارک دیا تو بایں ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ بس اس کے علاوہ مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا۔“

سادھو راگی کے چہرے پر کشمکش کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

”آپ کیا سوچنے لگے مہاراج؟“ اس بار مہیش نے اسے مخاطب کیا۔

”کچھ نہیں۔“ سادھو نے اپنی گردن ہلائی۔ ”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم لوگوں سے کیا کہوں، مگر خیر

یہ بتاؤ کہ اس وقت میں تم لوگوں کی کیا سیوا کروں۔ تمہیں چاہئے پلوؤں یا کچھ اور؟“

”رہتے ہیں مہاراج۔“ مہیش جلدی سے بول پڑا۔

”نہیں۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تم لوگ بھو میں تہلے سے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔ سادھو صوفے سے اٹھ کر ایک طرف چلا گیا۔

”پتا نہیں، یہ بتائے گا یا نہیں۔“ مہیش جلدی سے بول پڑا۔

”اگر اس نے کچھ بتا بھی دیا تو ہدایت ملنے کے بعد ہی بتائے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ یہ کچھ لانے کے بدلے کسی کو ہمارے بارے میں بتانے کے لیے گیا ہے۔ اگر تم تماشاً دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ میرے ساتھ۔“

پرویز ملک صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ اسی کمرے کی طرف چل پڑا جس کمرے کی طرف اس سادھو کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ڈاکٹر مہیش بھی اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اسے پرویز ملک کی ذہانت پر پورا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر پرویز ملک نے کوئی نثر بڑی محسوس کر لی ہے تو یقیناً کوئی نہ کوئی بات ہوگی۔

وہ لوگ جو کمرے میں داخل ہوئے، اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا البتہ اس کے بعد والے کمرے سے کسی کے دھیرے دھیرے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا لیکن اسے بھڑکایا گیا تھا۔ پرویز ملک نے اس کمرے کے دروازے سے اپنے کان لگا دیے۔ وہ کچھ دیر تک اندر سے آجھرنے والی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر یکدم اس نے اس کمرے کے دروازے کو دھکا دے دیا۔

دروازہ کھلتے ہی سادھو راگی پر نظر پڑی جو ایک الماری کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ پرویز ملک کو دیکھتے ہی اس نے بوکھلا کر اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور ٹھیک اسی وقت پرویز ملک نے اس پر جھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھ گتھ ہو کر فرش پر گر پڑے۔

سادھو بہت سخت جان معلوم ہوا تھا۔ اس نے پرویز ملک کو گڑگڑا کر رکھ دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرف پرویز ملک کو بے بس کر کے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ

نکال لے۔ لیکن اسی دوران پرویز ملک کو اس کے چہرے پر ہاتھ جانے کا موقع مل گیا۔ اس نے پوری قوت سے سادھو کے چہرے پر اپنی پتھیلی جا کر اسے پیچھے کی طرف دھکا دے دیا۔ سادھو کا توازن بگڑ گیا۔ وہ ایک پہلو کی طرف لڑکھا ہی تھا کہ پرویز اچھل کر کھڑا ہوا اور اس نے سادھو کی پشت پر ایک ٹھوکر رسید کر دی۔ اس ٹھوکر نے سادھو کی سانسیں روک دیں۔ اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آگئی تھیں۔ پرویز ملک نے دوسری ٹھوکر اس کے پہلو میں جمادی۔ اس ٹھوکر نے سادھو کو نیم بے ہوش کر دیا۔

پرویز نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سیٹول نکال لیا۔ پھر مہیش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”تم نے دیکھ لیا کہ میرا اندازہ کتنا صحیح نکلا؟“

”ہاں۔ مان گئے دوست۔“ مہیش اس کے قریب آگیا۔ ”لیکن یہ کیا کر رہا تھا؟“

”سیڑھی سی بات ہے۔ اس نے اپنے ٹرانسمیٹر سیٹ پر کسی کو اطلاع دینے کی کوشش کی تھی۔“ پرویز ملک نے بتایا۔

”ڈاکٹر مہیش ملک کر اس الماری کے پاس آیا۔ پرویز ملک کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ اس الماری میں واقعی ایک ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹرکر پرویز کی طرف دیکھا۔ پرویز ملک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور خود الماری کے پاس آکر اس نے ٹرانسمیٹر سیٹ کا ایک سوچ بند کر دیا۔

”ہو سکتا تھا کہ ہماری آوازیں دوسری طرف سنی گئی ہوں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں؟“ اور اس کا کیا ہو گا؟، مہیش نے فرش پر پڑے سادھو کی طرف اشارہ کیا۔

”ظاہر ہے کہ یہ بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔“ پرویز ملک نے کہا۔ ”خود سے نہیں تو زبردستی ہی نہیں۔“

”اتنا کہہ کر اس نے اپنے ہولسٹر سے اپنا مرسو ریلو نکال لیا اور اس کا گارن راگی کی طرف کر دیا۔

”دیکھو سادھو مہاراج۔ میرے ہاتھ میں اس وقت ریوا لور ہے اور میں تمہیں گولی مارنے والا ہوں۔“

راگی نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بے حد دہشت زدہ تھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں۔

”چلو اب شرافت سے کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔“ پرویز نے کہا۔ ”اگر تم نے جالائی لکھا تو میں بے دھڑک ٹولی مار دوں گا۔ اور مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔“

”نہیں۔ نہیں ایسا مت کرنا۔“ سادھوراگی بڑبڑا کر کھڑا ہونگیا۔ ”مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ وہ مجھے جان سے مار دے گا۔“

”جان سے تو میں بھی مار دوں گا۔“ پرویز نے کہا نااب یہ سوچ لو کہ اس وقت مرنا بے باعد میں۔“

سادھوراگی کے چہرے پر سناو کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ”ٹھیک ہے“ وہ اپنی گردن جھکے ہوئے بولا۔ ”میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ لیکن میری موت کی ذمہ داری تمہاری گردن پر ہوگی۔“

”فکر نہ کرو۔ تم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کی موت کی ذمہ داری میری گردن پر آچکی ہے۔“

سادھوراگی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ پرویز ملک نے اپنا ریو اور والپس رکھ لیا۔ وہ لوگ رائی کے فیلڈ کی عمارت سے باہر آگئے۔ سادھوراگی اب بالکل خاموش تھا جیسے اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہو یا اسے اپنے انجام کی پروا نہیں رہی ہو۔

مہیش کی کھاڑی سلسلے ہی ٹھہری ہوئی تھی مہیش نے آگے بڑھ کر ان دونوں کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور خود رائیوٹنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے بدن میں بہت سستی محسوس کر رہا تھا۔ یہ تجربہ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ وہ پرویز ملک کی ذہانت کا اور بھی قائل ہو گیا۔ یہ پولیس افسر لمحہ اپنی ذہانت کا ثبوت دیتا جا رہا تھا۔ اس نے سادھوراگی کے دوسرے کمرے میں جلتے ہی یہ بتا دیا تھا کہ وہ کسی سے رابطہ قائم کرنے جا رہا ہے۔ اور یہی بات ہوئی تھی۔

”کس طرف چلتا ہے؟“ مہیش نے پیچھے مڑ کر پرویز ملک کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”پولیس اسٹیشن کی طرف؟“

”نہیں آبادی سے باہر لے چلو۔“ پرویز ملک نے کہا۔ ”میں جو باتیں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں وہ پولیس اسٹیشن میں نہیں معلوم کی جاسکتیں۔“

”نہیں نہیں۔“ سادھوراگی اچانک کلبلائے لگا۔

”ایسا مت کرو۔ مجھے آبادی سے باہر لے جاؤ۔“ میں نہیں جاؤں گا تمہارے ساتھ۔“

”خاموش۔“ پرویز ملک زور سے دہرایا۔ ”ورنہ اسی گاڑی میں جان سے مار ڈالوں گا۔ مہیش، تم گاڑی چلاؤ۔“

پرویز ملک کے بچے نے خود اکثر مہیش کو بھی لرزادیا۔ وہ ایک بدلتے ہوئے تندخو اور خطرناک انسان کا لہجہ تھا۔ ڈاکٹر مہیش نے محسوس کیا کہ خود اس کے ہاتھ پاؤں بھی کانپنے لگے ہیں۔ اس نے پیچھے دیکھے بغیر ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ذہ اندخو قوی ہیکل ریچھ اپنے دونوں بازو پھیلا کر ان کے سامنے کسی دیوار کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ جلدی سے کسی درخت کی طرف دوڑ لگا دو“ وشنو نے بلراج کی طرف دیکھ کر کہا۔

بلراج نے اس کی ہدایت سے پہلے ہی قریبی درخت کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن قریب ترین درخت بھی اچھے خاصے فاصلے پر تھا۔ وہ ریچھ بھی وحشیانہ انداز سے غزواتا ہوا ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ چاروں ہاتھ پیروں کے بل چلنے لگا۔ پھر خوفناک ہوا کھڑا ہو جاتا لیکن وشنو نے اور بلراج نے اپنی رفتار اتنی تیز رکھی تھی کہ ہر لمحے ان کے اور ریچھ کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔

درخت کے قریب پہنچ کر وشنو ٹوک گیا۔ اس نے اپنا پستول جیب سے نکال لیا تھا۔ ریچھ گہری گہری سانسیں لیتا ہوا دوڑا چلا آ رہا تھا۔ پھر وہ ریچھ اچانک اس طرح ٹوک گیا جیسے پستول دیکھ کر اس پر خوف مسلط ہو گیا ہو۔ وشنو نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسی وقت وہ ریچھ اپنے دونوں بازو بلند کر کے ٹھہرا تھا۔ وشنو کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”یہ کیا ہوا باس؟“ بلراج نے حیرت سے پوچھا۔ بے وقوف انسان، یہ ریچھ نہیں ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”کیا۔ پھر۔ پھر یہ کون ہے؟“

”یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ وشنو نے پستول والے ہاتھ کو لہراتے ہوئے زور سے کہا۔ ”اے۔ آنا۔ اپنی کھال ورنہ میں تمہاری کھال میں گولیاں آنا دوں گا۔“ ریچھ دونوں بازو بلند کیے ہوئے کھڑا رہا۔ وشنو

نے اچانک گولی چلا دی۔ یہ گولی ریچھ کے پیروں کے قریب سے بہت سی مٹی اڑا گئی تھی۔ ریچھ نے جھٹک کر بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن وشنو کی دوسری گولی نے اس کا راستہ روک لیا۔

”نہیں نہیں۔ مجھے مت مارنا۔“ ریچھ اچانک شور کرنے لگا۔ ”اپنی کھال اتار کر پھینکو ورنہ۔“

ریچھ نے کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد اپنے جسم سے کھال علیحدہ کر دی۔ یہ کھال بڑی ہمارت کے ساتھ اس کے جسم کے گرد مڑھی گئی تھی۔ کھال اتار دینے کے بعد جردمی برآمد ہوا وہ ایک توی ہیکل لیکن معمولی شکل و صورت کا ایسا انسان تھا جس کے چہرے پر خوف اور بے چارگی نے گہری چھاپ لگا دی تھی۔

”ہاں۔ اب بتاؤ، کیا نام ہے تمہارا؟“ وشنو نے پوچھا۔

”میرا نام تسلی ہے مہاراج۔“ اس نے جلدی سے جواب دیا۔ ”لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں۔ مجھے نہیں ماننا، میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔“

”ریچھ کی کھال پہن کر گھوم رہے ہو اور کہتے ہو کہ معمولی آدمی ہوں۔“ یہ کھال تو زبردستی پہنائی گئی ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”میں ان کی بات نہیں سن رہا تھا۔ لیکن انہوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی۔ بہت ظلم کیے، بہت بری طرح مجھے مارا۔ میں ان کے آگے بے بس ہو گیا تھا۔“

”کن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟“ ”وہی جو مجھے اٹھا کر لائے تھے۔“ اس نے بتایا۔ ”اس جنگل میں تمہارے علاوہ اور کتنے ریچھ ہیں؟“ ”اس وقت تو میری ڈیوٹی ہے۔ دوسرا ریچھ میرا مطلب ہے کہ دوسرا آدمی رات کو آئے گا۔“

”تمہیں کہاں سے لایا گیا ہے؟“ ”جیران ٹکڑے۔“ اس نے بتایا۔ ”یہاں سے بہت دور ہے۔ میں تو اپنے گھر والوں کو دیکھنے کے لیے ترس رہا ہوں لیکن آپ کون ہیں؟“ آپ کہیں۔“ وہ کچھ کہتے کہ خاموش ہو گیا۔

”ڈرو نہیں۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں۔“ وشنو نے بتایا۔ ”تم مجھے ساری بات بتاؤ۔ یہاں کیا

ہوتا ہے۔ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے تمہیں ریچھ کی کھال کیوں پہنا رکھی ہے؟“ وشنو اس آدمی کو ایک درخت کے پاس لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے بلراج کو کمرانی کرنے اور چوس رہنے کی ہدایت کر دی۔

”کیا بتاؤں مہاراج؟“ تسلی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ”ہم غریب لوگوں کے ساتھ یہ سب ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہم مزدوری کا بول کر لایا گیا تھا اور یہاں آکر ہم پھنس گئے۔ ان لوگوں نے عجیب عجیب مال بچھا رکھے ہیں۔ ان کا آڈا اس جنگل سے بھی بہت دور ہے۔ آپ اس جنگل سے نکل بھی جائیں تب بھی دور دور تک ان کا آڈا آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ جنگل تو ان کے لیے چوکی کا کام کرتا ہے۔ یہاں سے وہ کمرانی کروایا کرتے ہیں۔ اس طرح کی چوکیاں انہوں نے چاروں طرف بنا رکھی ہیں۔“

”تمہاری زبان اور تمہارا لہجہ تو بہت صاف ہے تسلی۔“ ”ہاں مہاراج۔ میں بد فطرت بہت دنوں تک شہر میں بھی رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”اے گاؤں والپس لوٹا۔ سوچا تھا کہ سکون کے ساتھ زندگی گزار جائے گی کہ اس آفت میں پھنس گیا۔“

”بہتر ہے کہ تم درخت تفصیل بتاؤ، یہ سب کیا ہے؟“ ”میں نے یہاں رہ کر بہت سی باتیں معلوم کر لی ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن میں ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ یہاں سے نکل ہی نہیں سکتا ہوں۔“ ”کیوں؟“ اس وقت تو کوئی تمہاری نگہانی نہیں کر رہا ہے۔ تم جا چو تو یہاں سے جاسکتے ہو۔“

”نہیں مہاراج۔ آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے کمرانی کے کیسے کیسے طریقے اختیار کیے ہیں۔ ان کی نگاہیں بہت ڈونک دیکھتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے ان کے قبضے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ وہ میری ہی طرح اس جنگل میں اکیلا تھا۔ اس نے سوچا کہ موقع اچھا ہے، بھاگ لیا جائے۔ بس یہ سوچ کر وہ بھاگ لیا لیکن یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور اس کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ وہ میں بتا نہیں سکتا۔“

”ریچھ کی کھال پہنا کر اس جنگل میں تمہیں کس لیے

دکھا گیا ہے۔“

”اول تو مبارج یہ ایسا ویران اور غیر آباد علاقہ ہے کہ اس طرف کوئی آیا نہیں کرتا۔ اگر کوئی ابھی جائے تو ہم لوگ ریچھ بن کر اس کے حملے آجاتے ہیں اور وہ بے چارہ درگرجھاگ لیتا ہے۔“

”اب سمجھا۔“ وشنو نے گردن ہلائی۔ ”تو تم لوگوں کو جانور بنانے کا یہ مقصد ہے۔“

”نہیں مبارج۔“ وہ بولا۔ ”اس کے علاوہ ایک اور کام بھی لیا جاتا ہے۔“

”وہ کیا؟“

”اسمگلنگ۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیا۔“ اسمگلنگ؟“

”ہاں مبارج۔ یہ سارا کچھ اسی لیے تو چلایا گیا ہے۔“

”وہ بولا۔“ یہ سب اسمگلنگ کا ہی معاملہ ہے۔“

”کس چیز کی اسمگلنگ کی جاتی ہے؟“

”ہیروئن کی۔“

”کیا کبہ رہے ہو؟“

”پتہ نہ رہا ہوں مبارج۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو مزدوری کے لیے یہاں لایا گیا تھا۔ ہم بہت خوش خوشی آئے تھے۔ ہم نے سوچا تھا کہ کام مل گیا ہے۔ کچھ دن سکون سے گزر جائیں گے۔ ہم لوگوں کو تھکوان بھلا دے گا۔“

”لایا گیا تھا۔ ہم بہت خوش خوشی آئے تھے۔ مگر سارا دن چلتا رہا حالانکہ فاصلہ اتنا بھی نہیں تھا۔ لیکن یہ لوگ نہ جانے کہاں کہاں سے گھس کر لاتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہیں یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ یہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ آپ یہ علاقہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ نہ جانے کتنے میل تک اسی طرح ویران اور غیر آباد ہے۔“

”دور دور تک کوئی آبادی نہیں۔ پہاڑیاں بھی اداس اور ویران ہیں۔ ان پہاڑیوں کا یہ سلسلہ بھی بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان ہی پہاڑیوں کے درمیان میں ایک وادی ہے۔ یہ ان لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں ایک ایسی وادی مل گئی ہے جو ان کے لیے ایک محفوظ قلعے کا کام کرتی ہے۔ جن کے چاروں طرف چٹانوں کی اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ جن کو پار کر کے کوئی بھی وادی میں نہیں آ سکتا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے چاروں طرف پرے بھاڑ رکھے ہیں اور آنے والا بہت دور

سے دکھائی دے جاتا ہے۔“

”مجھے اس تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔“ وشنو نے کہا۔ ”تم کام کی باتیں بتاؤ۔“

”میں جب تک یہ سب نہیں بتاؤں گا، آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ خود اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کیسے ایسے انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ۔“

”اس کا جلد آدھوارہ کیا۔ ٹھیک اسی وقت گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ اور ایک بھانگ جگ کے ساتھ تلسی ایک طرف گر کر ترڑپنے لگا۔ وشنو فوراً ہی زمین پر لیٹ گیا تھا۔“

”جیہجی اور وشنو دونوں ہی گولی کی آواز سن کر زمین پر لیٹ گئے۔“

”تلسی غفلت میں مارا گیا تھا۔ صرف ایک بار اس کی جھنجھٹائی دی اس کے بعد سناٹا خالی ہو گیا۔ ان دونوں کو یہ امید تھی کہ اس گولی کے بعد دوسری گولیاں بھی چلیں گی لیکن کچھ نہیں ہوا۔ وہاں سبلے کی طرح ساٹا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے گولی چلنے والے نے ذمے لے لی تھی ایک کام ہو کر تلسی کو گولی مار کر واپس ہو جائے۔ تو اس نے تلسی کو گولی مار دی تھی اور اب ہر طرف خاموشی تھی۔“

”وہ دونوں بہت دیر تک زمین سے چپکے ہوئے لیٹے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ کھڑے ہو گئے۔ ان سے کچھ فاصلے پر تلسی کی لاش بڑی ہوئی تھی۔ پیچھے سے چلائی جانے والی گولی اس کی پشت کو ٹوڑتی ہوئی اس کے سر کی طرف لگی آئی تھی۔ اس بے چارے نے مرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔“

”یہ بے چارہ تو اپنی جان سے گیا باس۔“ جیہجی راج نے تلسی کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں۔“ وشنو نے ایک گہری سانس لی۔ ”اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ گولی چلانے والے کو صرف تلسی سے ہی دشمنی تھی۔ وہ یہیں نہیں مارنا چاہتا تھا۔“

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو باس؟“

”سیدھی بات ہے۔ اگر میں بھی مارنا ہوتا تو اب تک گولیاں چل رہی ہوتیں۔“

”لیکن یہ بے چارہ تو ایک سیدھا سادہ دروڑ آدمی تھا کسی کو اس بڑبڑ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔“

”نجانے کتنا ایسے بھیدیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتے۔“ وشنو نے کہا۔ ”بہر حال اب ہمیں واپس چلنا چاہیے بہت سی باتیں تو معلوم ہوئی تھیں۔ اب ہم کوئی باقاعدہ منصوبہ بنا کر آگے بڑھیں گے۔“

”وہ لوگ تلسی کی لاش کو وہیں چھوڑ کر واپس آگئے۔ دہلی کے سفر میں بھی کوئی ایسا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ جو کسی پر لڑی چلانے والے کی نشان دہی کر سکتا۔ ان کا ٹرک اپنی جگہ موجود تھا اور ٹرک میں بیٹھے ہوئے لوگ ان کی واپسی کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ ان دونوں کو واپس آتے دیکھ کر وہ سب ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔“

”ہم لوگ تو بہت پریشان ہو رہے تھے باس، ان میں سے ایک نے وشنو سے کہا۔ ہم نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی یہاں، وشنو نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”میرا خیال ہے کہ تم لوگ یہ ٹرک لے کر واپس چلے جاؤ۔ میں اور بلراج واپس جا رہے ہیں۔ اور باس اس آدمی کو بھی اپنے ساتھ لیتے جانا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔“ وشنو نے اپنے ساتھ آگے والے دہلی کی طرف اشارہ کر دیا۔

”نہیں۔“ نہیں ایسا نہ کریں۔“ دہلی کی جلدی سے بول پڑا۔ ”میرے کاؤں والے یہ انتظار کر رہے ہیں۔“

”بے وقوف مت بنو۔“ وشنو نے اسے جھڑک دیا۔ ”ہم تمہاری بھلائی کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ تم ہم لوگوں کو یہاں تک لے کر آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم ان کی نگاہوں میں آگے نہ ہو گے۔ اسی لیے بہتر ہے کہ تم کچھ دنوں تک ہمارے ساتھ ہی رہو۔ جو جب حالات درست ہوں گے تو ہم تمہیں واپس بھیج دیں گے۔ تمہیں قیدی بنا کر نہیں بلکہ ساتھ ہی بنا کر لے جایا جا رہا ہے۔“

”دہلی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اسی بہت جلدی میں بڑی تھی کہ وہ وشنو سے کچھ اور کہہ سکتا۔“

”وشنو نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ ان دونوں کے لیے ہتھیار اور گولے بارود اور کر دے دیں۔ اس کے آدمیوں نے فوری طور پر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وشنو اور بلراج نے یہ بارودوں کے علاوہ بہت سے کالونی بھی اپنی جیبوں اور کپڑوں میں مٹھو لیے تھے۔ کھانے پینے کی بہت سی چیزیں بھی انہوں نے ساتھ ساتھ ہتھیاروں کے علاوہ دی گئے ان کے ساتھ چلنے کی درخواست کی تھی۔ لیکن وشنو نے سختی کے ساتھ انہیں منع کر دیا۔“

”تمہیں میرے ساتھ رہنے کے فیصلے پر کوئی دکھ تو نہیں ہو رہا ہے۔ تم اگر چاہو تو ابھی واپس جاسکتے ہو۔“

”تم کہا کہہ رہے ہو باس؟“ بلراج جلدی سے بول پڑا۔ ”ایسا سوچنا بھی میرے لیے باپ ہے۔ تمہارا ساتھ تو ہمیں آخری ساتھیوں تک دیتا رہا ہوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ بلراج آؤ چلتے ہیں۔“

”وہ دونوں بھلاؤں کی باؤ بھلاؤں کے درمیان میں آگئے۔ جہاں درخت ایک خاص ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد وہ دونوں اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں تلسی کی لاش چھوڑ گئے تھے۔ لیکن وہ لاش اب غائب ہو چکی تھی۔ وہ دونوں لاش کو غائب دیکھ کر کھٹک کر رہ گئے۔“

”یہ کیا ہوا باس؟“ بلراج نے ہریشان ہو کر پوچھا۔ لاش کہاں چلی گئی؟“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ہم دونوں یہاں آگئے۔“

”نہیں ہیں۔“ وشنو نے اطمینان سے کہا۔ ”بلکہ ہم اس پاس کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی مصلحت کی بنا پر ہمارے سامنے نہیں آنا چاہتے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ہم دونوں یہاں آگئے۔“

”نہیں ہیں۔“ وشنو نے اطمینان سے کہا۔ ”بلکہ ہم اس پاس کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی مصلحت کی بنا پر ہمارے سامنے نہیں آنا چاہتے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ہم دونوں یہاں آگئے۔“

”نہیں ہیں۔“ وشنو نے اطمینان سے کہا۔ ”بلکہ ہم اس پاس کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی مصلحت کی بنا پر ہمارے سامنے نہیں آنا چاہتے۔“

”وہ لوگ ہمارے دوست ہیں دشمن؟“
 ”دوست ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دشمنو نے کہا۔ لیکن دشمن بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔“
 بلراج خاموش ہو گیا۔ دشمنوں نے چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اس پاس کوئی ایسی جگہ ہی نہیں تھی جہاں کسی کے چھپنے کا اندیشہ ہو سکتا۔ درخت بھی کچھ فاصلے پر تھے۔ البتہ جہاں پہلے تلخی کی لاش بڑی ہوئی تھی۔ وہاں کچھ قدموں کے نشانات دکھائی دے رہے تھے۔ جو اس بات کو ظاہر کر رہے تھے کہ تلخی کی لاش باقاعدہ اٹھا کرے ملانی گئی ہے۔ لیکن وہ نشانات بھی زیادہ دور تک نہیں تھے کچھ فاصلے کے بعد زمین ناموار اور سخت ہو گئی تھی۔ اور ایسی زمین بعد قدموں کے نشانات نہیں پر سکتے تھے۔
 ”ہمیں رکتا نہیں چلیے، دشمنو نے کہا۔ ہمیں آگے بڑھتے رہنا ہے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ ہم یہاں گھیرے جائیں۔“
 بلراج نے کچھ نہیں کہا۔ ان دونوں نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ وہ درختوں کے دوسرے جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جس کا فاصلہ وہاں سے اچھا خاصا تھا کچھ دور چلنے کے بعد قدموں کے نشانات پھر دکھائی دینے لگے۔ یہ نشانات درختوں کے جھنڈ کی طرف چلے گئے تھے۔
 ”اب ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ بلراج۔“ دشمنو نے کہا۔ ”وہ لوگ درختوں کے جھنڈ میں موجود ہیں۔“
 بلراج نے کچھ کہا جانا تھا کہ اسی وقت غصا گولیوں کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ یہ گولیاں ان دونوں کے اس پاس سے گزر رہی تھیں۔ ان کے قریب زمین میں دھن دھن کر گرا ڈال رہی تھیں۔ وہ دونوں اچھل اچھل کر بھی ایک طرف کبھی دوسری طرف جانے لگے تھے۔ بالآخر گولیاں کی جب یہ ہمرات ختم ہوئی تو سامنے والے درختوں کے جھنڈ سے کچھ آدنی لنگر کر ان کے سامنے آ گئے۔ ان لوگوں نے بند فٹیں اٹھا رکھی تھیں جن کے رخ ان ہی کی طرف تھے۔
 ”تم لوگ اپنے ہاتھ اٹھا کر آگے آ جاؤ۔“ ان میں سے ایک آدنی نے آواز لگا لی۔
 بلراج نے سوالیہ نگاہوں سے دشمنو کی طرف دیکھا۔ دشمنو نے اشارہ کیا اور وہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ اٹھا کر دھیرے دھیرے آگے بڑھ گئے۔ جھنڈ سے نکلے دونوں کی تعداد چھ تھی۔ ان سبوں نے شہری لوگوں کے لباس پہن

رکھے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک بلوری طرح جو کتا تھا وہ دونوں ان آدمیوں سے کچھ فاصلے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔
 ”کون ہو تم دونوں؟“ ان میں سے ایک نے دشمنو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”یہی سوال تم سے بھی کیا جا سکتا ہے۔“ دشمنو نے اطمینان سے جواب دیا۔
 ”زیادہ ہمارا اور ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔ ان میں سے ایک آدنی غزایا۔
 ”تم خاموش رہو۔ ورنہ میرے ایک دائمی والے ادھیڑ غصے کو لوگ دیا۔“ مجھے بات کر لینے دو۔“
 وہ شخص اپنے ہونٹ بصر کر ایک طرف ہٹ گیا۔ درمی والے نے دشمنو کی طرف دیکھا۔
 ”ہاں بتاؤ کون ہو تم دونوں؟ اس علاقے میں کیا کرنے آئے تھے؟“
 ”اگر میں سچ بتا دوں تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے؟“ دشمنو نے پوچھا۔
 ”یہ تو ہماری بات پر منحصر ہوگا۔“ دائمی والے نے کہا۔
 ”لیکن یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے کی کوشش مت کرنا۔“ بات صرف اتنی ہے کہ ہم لوگ مسافر ہیں۔“ دشمنو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”شاید تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگ ایک ٹرک پر گزر رہے تھے کہ جہازوں کے اس طرف میرے ایک ساتھی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ وہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں دور تک کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا۔ ہم نے ٹرک روکا۔ میں اور میرا یہ ساتھی کسی بھی کی تلاش میں جہازوں کے سلسلے کو عبور کر کے اس طرف آ گئے۔ ابھی ہم محتویاتی ہی دھڑ چلے تھے کہ ایک دیکھ ہمارے سامنے آ گیا۔ ہم نے اسے دیکھ کر دوڑ لگا دی۔ لیکن وہ ہمارے تعاقب میں لگا رہا۔ بالآخر ہم نے اپنی جان بچانے کے لیے جب اس پر ہتھیار اٹھائے تو پتا چلا کہ وہ ریسچو نہیں بلکہ ایک انسان ہے۔ وہ اپنی کھال انڈر کر ہمارے پاس آ گیا۔ ابھی ہم اس بات ہی پر کہہ رہے تھے کہ کسی طرف سے ایک گولی چلی اور وہ ہمارے ہاتھ پر لگا۔ ہم اس کی لاش چھوڑ کر اپنے ٹرک کی طرف واپس چلے گئے۔ پھر ہم نے سوچا کہ ہم نے ایک دیر لمبے میں ایک انسان کی لاش چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ کم از کم اس بے چارے کا گریمر تو ہونا ہی چاہیے۔ یہ سوچ کر ہم واپس آئے تو وہ لاش غائب ہو گئی تھی۔ ہم قدرے

اسے نشانات دیکھ کر آگے بڑھنے لگے کہ تم لوگ ہمارے سامنے آ گئے ہو۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔“
 ”یہ سب کچھ تم نے بھی دیکھا تھا؟“ دائمی والے نے کہا۔ ”وہ آدنی تم سے کیا کہہ رہا تھا؟“
 ”وہ کچھ عجیب سی کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک مزدور ہے۔ اور اس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ ریسچو کی کھال پہن کر اس علاقے میں گشت کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے عوض اسے باقاعدہ معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ بس اتنی سی بات ہو سکتی تھی کہ کسی نے اسے گولی مار دی۔“
 ”کیا اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ کون لوگ اس سے یہ کام لے رہے ہیں؟“
 ”نہیں۔“ اسے زیادہ کچھ بتانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔
 ”لیکن تم لوگ کون ہو جو اتنے خطرے کے باوجود وہاں یہاں آ گئے۔“ ہمیں تو واپس لوٹ جانا چاہیے تھا۔“
 ”تمہاری بات درست ہے۔ لیکن میں نے اپنی زندگی ایسے ہی کاموں میں گزاری ہے۔“ دشمنو نے کہا۔ ”اسی لیے مجھے خوف تو نہیں محسوس ہوا۔ لیکن حیرت ضرور ہوئی تھی۔ جس طرح اب تمہیں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔“
 ”بہت خوب۔“ دائمی والے نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”آدنی جہلے معلوم ہوتے ہو۔ اور اگر تم سچے ہو تو پھر تمہارے کام بھی آ سکتے ہو۔“
 ”جھوٹ بولنے کا مرض بزدلوں کو ہوا کرتا ہے۔“ دشمنو خشک ہلچے میں بولا۔ ”کیا تم ہمارے چہرے پر خوف دیکھ رہے ہو یا نہ نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بزدل نہیں ہیں۔“
 ”اکی لیے میں نے تو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔“
 ”دائمی والے نے مسی خیز انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سبوں کے درمیان اس کی حیثیت تیار دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ لوگ چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ جہاں انہوں نے اس میں بائیں شروع کر دیں۔ لیکن اس دوران بھی وہ ان دونوں کی طرف سے غافل نہیں رہے۔
 ”کچھ دیر کی بحث کے بعد دائمی والے نے بلتا آواز میں دشمنو کو مخاطب کیا۔
 ”ٹھیک ہے۔ تمہیں اس وقت ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ ہم بعد میں تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔“
 ”دشمنو شائے اچکا کر رہ گیا۔ اس نے اخباروں کے ذریعے

بلراج کو یہ سمجھا دیا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کی بات مان لی جائے۔
 ”اب تم دونوں ہمارے آگے آگے چلنا شروع کر دو۔“ دائمی والے نے کہا۔
 ”یہ بتاؤ کہ ہم کب تک اس طرح ہاتھ اٹھائے رکھیں گے؟“ دشمنو نے کہا۔
 ”کیا تم دونوں کے پاس ہتھیار ہیں؟“ دائمی والے نے دریافت کیا۔
 ”کیوں نہیں ہمارے پاس ہمارے ریلوے موجود ہیں۔“
 ”تو اپنے ہتھیار ہمارے حوالے کر کے تم دونوں اپنے ہاتھ گر سکتے ہو۔“
 ”ایسا مت کرنا پاس۔“ بلراج جلدی سے بول پڑا۔ ”اگر طرح تو ہم لوگ بے بس ہو جائیں گے۔“
 اس وقت ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔ بلراج۔“ دشمنو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کے علاوہ یہ لوگ اپنے وعدے کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ چلو اپنا ریلوے چھینک دو۔“
 ان دونوں نے اپنے ریلوے ایک طرف پھینک دیے۔ جنہیں فوراً ہی اٹھا لیا گیا تھا۔ اس کارروائی کے بعد ان کا سفر شروع ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک یہ لوگ سامنے چلتے رہے۔ پھر دائمی والے کے اشارے پر ریز تبدیل کر دیا گیا۔ اب وہ لوگ شمال کی طرف جا رہے تھے۔ یہ راستہ بھی خفے درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔ لیکن یہاں ایک ایسا راستہ بھی بنا ہوا تھا۔ جو یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس راستے سے لوگوں کی آمد و رفت ہوتی تھی ہے۔
 وہ سب ان دونوں کی طرف سے بہت جو کتا تھے۔ جیسے انہیں یہ خدشہ ہو کہ ہمیں وہ دونوں حملہ کر سکیں۔ دشمنو نے اپنے ہونٹ بیچھن رکھے تھے۔ اور دائمی والے کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چلا جا رہا تھا۔ جبکہ بلراج اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ دشمنو کا اندازہ تھا کہ اس وقت بلراج کس یقینیت میں ہوگا۔ اس کی خواہش ہوگی کہ دشمنو کی طرح اسے اشارہ کہے اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اس مزاح کا انسان تھا۔ انتہائی تیز رفتاری سے عمل کرنے والا۔ لیکن دشمنو نے کچھ سوچ کر ہی خود کو اور اسے قابو میں رکھا تھا۔ وہ ان لوگوں کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کے رویے کچھ عجیب

ستھ وشنو کے خیال میں یہ وہ لوگ نہیں تھے جو انسانی
کو جانوروں کی کھالیں پہنا کر نکلے پر معذور کر دیا کرتے۔ بلکہ یہ
کوئی اور تھے۔ اور وشنو کو یہی معلوم کرنا تھا کہ یہ کون ہیں
ان کا سفر بہت دیر تک جاری رہا۔ یہ سفر درختوں اور
جھلاؤں کے درمیان طے ہوتا رہا تھا۔ پھر جب یہ سلسلہ ختم
ہوا تو ایک پہاڑی دکھائی دی۔ یہ پہاڑی اس طرح سامنے
آگئی تھی جیسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے تخلیق کر دی
ہو۔

”آخر تم ہمیں کہاں لیے جا رہے ہو؟“ وشنو نے چلتے
چلتے دلاڑھی والے سے پوچھا۔

”اپنے مالک کے پاس“ دلاڑھی والے نے جواب دیا
”بس اس سے زیادہ اور کچھ مدت بولو چھٹا“
”چلو اپنا نام بتا دو۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں
ہے نا۔؟“

دلاڑھی والا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ میرا نام
بھنڈاری ہے سب لوگ مجھے بھنڈاری بابا کہتے ہیں۔
”اور میں وشنو ہوں“ وشنو نے بتایا۔ ”اور میرے
سامنے کا نام بلراج ہے۔“

بھنڈاری سر ہلکا کر رہ گیا۔ وشنو کو اس بات پر حیرت تھی
کہ وہ لوگ اسی پہاڑی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ انہوں
نے پہاڑی کو ایک دواڑ کی طرح راستے میں حائل دیکھ کر
بھی راستہ بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پہاڑی کے دامن میں آنے کے بعد ان لوگوں نے
بائیں طرف پگ ڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔ یہ پوری گڈنڈی
جھاڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک جگہ پہنچ کر یہ قافلہ اس
طرح رک گیا جیسے جھاڑیوں کے درمیان سے کوئی راہ نمودار
ہونے والی ہو۔ اور یہ ہوا بھی۔ ان میں سے ایک آدمی نے
آگے بڑھ کر جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کے درمیان
اچھا خاصا راستہ تھا۔

”چلو آگے بڑھو یہ بھنڈاری نے وشنو کو مٹکا دیا۔
وشنو نے دھڑک بھڑک کر ایک طرف دیکھا پھر جھاڑیوں کے
درمیان نمودار ہونے والے غلام میں اننگیا۔ بھنڈاری بلراج
اور دوسرے لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

دھلاڑی تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی ویرانے
میں آگئی۔ پھر بڑا ملک اس دوران بالکل خاموش رہا تھا جبکہ

سادھو راگی کبھی کبھی اس طرح گہری سانس لینے لگتا جیسے کل
کادم گھٹنے لگا ہو۔ لیکن اس دوران اس نے کبھی سوائے سانس
لینے کے اور کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ شاید اس میں اتنی بہت
ہی نہیں رہی تھی کہ پرویز ملک سے کسی قسم کا احتجاج کر سکتا
”آخر ہمیں جانا کہاں ہے؟“ ڈاکٹر ہمیش نے
کچھ دیر بعد ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

”بس سیدھے چلے چلو“ پرویز ملک نے ہدایت کی۔
”کچھ دیر چل کر ہر گز کے ایک بڑے درخت سے دائیں
طرف ایک راستہ اترتا چلا جاتا ہے۔ اس راستے پر گاڑی
اتار دینا۔ اس کے بعد ہمیں پھر بتا دوں گا۔“

”یاد کرو مجھ پر“ سادھو راگی اچانک بول پڑا۔ میں
بے قصور ہوں۔
”خاموش رہو“ پرویز ملک عزایا۔ ”ورنہ ہمیں پر گاڑی
گھونٹ دوں گا۔“

سادھو راگی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس کے
منہ سے اب دھیرے دھیرے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں
جیسے پانی میں بلند رہا ہو۔ پرویز ملک کے گھسنے کے
مطابق آگے چل کر ہر گز کے ایک عظیم الشان درخت کے
برابر سے ایک راستہ بائیں طرف کو اترتا چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر
ہمیش نے اسی راستے پر گاڑی اتار دی۔ یہ راستہ گاڑیوں کی
آمد و رفت کیلئے شاید زیادہ استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اسی
لیے گاڑی کو سسٹل جھکے لگ رہے تھے۔

”اب ایک جھونپڑی دکھائی دے گی“ پرویز ملک نے
کہا۔ وہیں گاڑی روک دینا۔

وہ جھونپڑی کبھی اچھا خاصا کمین تھا جو بنائے کن
لوگوں نے اس کو ویرانے میں تعمیر کر رکھا تھا۔ اس کمین
کا دروازہ بند تھا اور اس کے دروازے پر ایک موٹا سا
تالا لگا ہوا تھا۔ ڈاکٹر ہمیش نے پرویز کے اشارے پر گاڑی
اسی کمین کے سامنے لا کر روک دی۔ سب سے پہلے پرویز
ملک ہی اترے۔ اس نے سادھو کو بوجھنے کر گاڑی سے اٹھایا
تھا۔ جس کی حالت اب خیر ہو گئی تھی۔ وہ پورے بدن سے
اس طرح کانپ رہا تھا جیسے بھلا جھوٹا ہو۔ ہمیش بھی گاڑی
سے اتر گیا۔ خود وہ بھی پرویز ملک کے اس روپ سے
بے حد پریشان سا ہوا رہا تھا۔ اس نے پہلی دفعہ ایک پولیس
آفیسر کو ایسے غضب میں دیکھا تھا۔

پرویز ملک نے سادھو راگی کو دھککا دیا۔ وہ لڑکھاتا

ہوا جھونپڑی کے دروازے پر ڈھیر ہو گیا۔ اس دوران پرویز
ملک نے اپنی جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھول لیا
تھا۔ پھر اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ سادھو راگی کو
انٹھا کر کمین کے اندر دھکیل دیا۔ اس کے ساتھ دو بچی کمین کے
اندر آگیا۔ ڈاکٹر ہمیش بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہ ایک بڑا
سایکین تھا۔ جس میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ لیکن اس کھڑکی
کو بھی تختوں کی مدد سے بند کر دیا گیا تھا۔ پرویز ملک نے
بونی جیب سے لائٹ نکال کر کمین میں رکھا ہوا لمپ روشن
کر دیا۔ اس لمپ کی روشنی میں اس کمین کے خدوخال واضح
ہو گئے تھے۔

وہاں فریئر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ ایک طرف
دلوار کے ساتھ کھاس سپھوس کا لمبر بچھا ہوا تھا۔ اندر آنے
کے بعد پرویز ملک نے دروازہ بند کر لیا۔ اور سادھو کو
دھکا دے کر لمبر پر پھینک دیا۔ وہ سادھو کے معاملے میں
بہت درشت دکھائی دے رہا تھا۔

”چلو اب بتانا شروع کرو جہلناج“ اس نے سادھو
سے کہا۔ ”اگر غلط بیانی سے کام لیا تو اس جھونپڑی میں
تہاڑی قبر بنادوں گا۔ میں اس کو ویرانے میں نہیں رہا۔ یہ
لایا ہوں کہ تمہاری بیچن دیکھا جاہر نہ جاسکے۔ چلو اب شروع
ہو جاؤ۔“ سب کچھ۔ تمہیں یہ بتانا ہو گا کہ تم کس کے لیے کام کر رہے
ہو۔ اور تمہارا مقصد کیا ہے؟

”مقصد میں نہیں جانتا۔ راگی نے کہا۔
”چلو تو یہ بتا دو کہ کس کے لیے کام کر رہے ہو اور کیا
نام ہے تمہارا۔؟“

”انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ہسپتال ولے زنی
کو کسی طرح ہلاک کر دوں۔“ سادھو نے بتایا۔
”کس نے کہا تھا اور یہ بھی بتاؤ کہ سادھو بننے سے
پہلے تم کیا کرتے رہے ہو؟“

”میں سادھو ہی ہوں“ سادھو راگی نے بتایا۔ لیکن
”لیکن کیا کیا تم ایسے سادھو ہو جس نے دنیا کے
لیے اپنا دھرم تلک دیا ہو؟“

”میں کیا کروں؟ وہ بڑ بڑایا۔ مجھ سے یہ نہیں دیکھا
جاتا تھا کہ میں کو سادھو بننا نہ کی بھولو جا پا کر بنا ہوں اور
دوسرے لوگ عیش کرتے رہیں۔ اسی لیے میں نے مندر میں
رہنے کے باوجود اپنے ہاتھ پاؤں جھیلانے شروع کر دیے
بہت کچھ قور قور شروع کر دیا۔ جس کا پتا ان لوگوں کو نہیں گیا

اور وہ ہمارے پاس آئے۔
”وہ لوگ کون تھے؟“

”وہ تین آدمی تھے۔“ سادھو نے بتایا۔ ”وہ تینوں
بہت خطرناک معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام
راجن تھا۔ جو ان سب میں زیادہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

انہوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ زنجیں بہتال میں ایک بہت
بری طرح زخمی شخص کو علاج کے لیے لایا گیا ہے اور میرا
کام یہ ہو گا کہ میں کسی طرح ڈاکٹروں کو اس کے علاج سے
روک دوں۔ اور کوشش کروں کہ اسے کسی طرح ہلاک کر دیا
جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مجھ پر اس ہزار کی
پینشن کی تھی۔“

”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی“ پرویز نے کہا۔ ”انہوں
نے اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیوں کیا؟ وہ خود بھی تو یہ
کام کر سکتے تھے۔“

”میں نے کبھی ان سے یہ سوال کیا تھا۔“ سادھو نے بتایا
”اس کا انہوں نے بہت مناسب جواب دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ
میں ایک سادھو ہوں۔ اسی لیے ہزاروں لوگ کہیں بھی آ جا
سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس ہسپتال کے بہت سے ڈاکٹر
اور نرسیں مجھ پر بہت اعتماد رکھتے ہیں اسی لیے میں ان
ڈاکٹروں سے فریب ہو کر یہ کام آسانی سے کر واسکتا ہوں
جبکہ باہر کے آدمیوں کو اس میں بہت دشواریاں پیش آتی
گی۔“ ”کیا تمہارا اس ہسپتال میں آنا جانا ہوتا ہے؟“ پرویز
نے پوچھا۔

”ہاں۔ میں کئی بار وہاں گیا ہوں۔“
”لیکن میں نے تو نہیں کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ یوں



”یہ ایک اتفاق ہو سکتا ہے“ سادھو نے کہا۔
 ”خیر۔ تو تم نے اس معاملے میں کیا کہا؟“
 میں نے غصہ ڈاکڑوں سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ ان سے یہ کہنا رہا کہ وہ اس زخمی کا علاج نہ کریں ورنہ بھگوان ان سے ناراض ہو جائے گا۔ کیونکہ الشیخ کی یہ مرضی نہیں ہے کہ اس کا علاج کیا جائے اس کا مرجانا، یہ بہتر ہے۔
 ”میری باتیں تم نے مجھ سے بھی کی تھیں، ہمیشہ جلدی سے بولا۔“
 ”ہاں! سادھو نے اپنی گردن ہلا دی۔ یہ باتیں میں نے ہر کسی سے کہیں۔ جو اس زخمی کا علاج کر رہا تھا یا اس کے آس پاس موجود تھا۔“
 ”کیا ان لوگوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ اس زخمی کو کیوں مارنا چاہتے تھے؟“
 ”نہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے بھی نہیں بوجھا۔ کیونکہ مجھے تو اپنے معاوضے سے مطلب تھا جو انہوں نے آدھا سی وقت ادا کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں جب اسٹلوک پڑھنے کے لیے اس مریض کے کمرے میں جاؤں تو اس وقت اس کے بدن میں ایک سوئی چھوڑ دوں۔ وہ زہریلی سوئی انہوں نے مجھے دے دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹھیک دس منٹ کے بعد اس مریض کا دم مانت ہو جائے گا۔ اور کسی کو مجھ پر شک بھی نہیں ہوگا۔“
 ”ادہ خدا! ہر روز نے ایک گہری سانس لی۔ دلتی مکمل سازش تھی ان کم بختوں کی۔ واقعی ایک سادھو ہر کون شک کر سکتا تھا۔ اچھا تو پھر کیا ہوا؟ کیا تم اسٹلوک پڑھنے کے لیے اس کے کمرے میں نہیں گئے تھے؟“
 ”بس ایک بدموقع مل گیا تھا۔ سادھو نے یہی کہتے ہوئے جواب دیا۔“ اس وقت بھی اتفاق سے یہ ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔“ یہ اشارہ اس نے ڈاکٹر ہمیش کی طرف کیا تھا۔ لیکن سوئی چھوڑنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میں نے سوئی نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لی تھی۔ لیکن اسی وقت ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی۔ اور میں اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔ ورنہ اب تک اس زخمی کا کمرہ بزم ہو جاتا۔“
 ”بس لیا ڈاکٹر ہمیش تم نے؟“ ہر روز ملک نے ہمیش کی طرف دیکھا۔ ”آج کل یہ سادھو لوگ بھی کتنے خطرناک ہو گئے ہیں۔“

”ہاں دیکھ لیا۔ ڈاکٹر ہمیش نے کہا۔“ مجھے اپنے کالوں پر یقین نہیں کہ ہاں ہے۔ لیکن یہ ایسا برج ہے جس کو جیٹا لیا بھی نہیں جاسکتا۔“
 ”کیا کوئی ڈاکٹر تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوا تھا؟“ ہر روز ملک نے پوچھا۔
 ”ہاں! سادھو نے اپنی گردن ہلا دی۔“ ایک ڈاکٹر اسی وقت تیار ہو گیا تھا۔“
 ”کون ہے وہ؟“
 ”کرل راخنڈر۔ سادھو نے دھیرے سے جواب دیا۔
 ”مجھے پہلے ہی اس پر شک تھا۔ ہر روز بڑا بڑا لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ اتنا با اختیار آدمی ہے کہ اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ خیر۔ اس سے کسی اور اعلا سے غصے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اپنے ارادے ہمیش پر ہاتھ رکھ رکھے ہیں۔ پولیس میں آیا، کیا اس لیے ہوں کہ جرائم نویس حد تک کم کیا جائے کہ دکھاؤں، چاہے تھی، ی رکا د میں راستہ میں کیوں نہ آئیں۔ اب یہ کرنل راخنڈر ہے۔ یہ سادھو ہے۔ وہ لوگ بھی جنہوں نے اسے اس کام کے لیے اکٹا کیا تھا۔ میرے لیے ایک جینچ کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور مجھے ہر حال میں اس جینچ کا مقابلہ کرنا ہے۔“
 ”تم نے مجھ سے یہ کیوں کہا تھا کہ تم مجھے داؤد نانی کی ایسے آدمی سے ملو گے جو اس زخمی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے؟“
 ”بس۔ یوں۔ ایک بات میرے منہ سے نکل گئی تھی۔“
 سادھو جلدی سے بولا۔
 ”جھوٹ مت، لولو! ہر روز غرا یا۔ تم جیسا آدمی بس یوں ہی کوئی بات نہیں بول سکتا۔ بتاؤ تم نے کیوں کہا تھا یہ نام تمہارے ذہن میں کس طرح آیا۔؟“
 ”ایک بلدان ہی لوگوں نے اس بات کا اشارہ کیا تھا کہ شاید وہ زخمی داؤد ہے۔“ سادھو نے کہا۔ میرے لیے اس نام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ داؤد کون ہے۔ اور ابھی بھی کچھ نہیں جانتا ہوں۔ بس یہاں میرے ذہن میں تھا۔ اور میں نے ڈاکٹر ہمیش کی دیکھ بڑھانے کے لیے اس نام کا حوالہ دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ میں بتا رہا ہوں میری بات کا یقین کر لو۔“
 ”مجھے تمہاری بات کا یقین ہے سادھو مہاراج! ہر

ملک مسکرا دیا۔ کیونکہ اس وقت تم میں اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ جھوٹ بول سکو۔“
 ”دیکھو میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب مجھے جانے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ...“
 ”ابھی تو تم نے ایک بات بتائی ہی نہیں، ہر روز ملک نے اس کی بات کاٹ دی۔ تم نے یہ بتایا ہی نہیں کہ وہ کون کون نہیں کس نے دیا۔“
 ”ان ہی لوگوں نے دیا تھا۔“ سادھو جلدی سے بولا۔
 ”انہوں نے اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ ہاں یوں کہ میں جب ایک بار اپنی کوشش میں ناکام رہا تو انہوں نے مجھے ڈاکٹر ہمیش سے دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب بھی کوئی نئی بات سامنے آئے میں اس ڈاکٹر کے ذریعے ان سے رابطہ کر سکتا ہوں۔ پھر ہوا یہ کہ اس زخمی کو ہسپتال سے اغوا کر لیا گیا۔“
 ”کیا اسے ان ہی لوگوں نے اغوا نہیں کیا ہے؟ ہمیش نے پوچھا۔
 ”نہیں۔ وہ کوئی اور لوگ ہیں۔ کیونکہ اس کے اغوا سے راجن اور اس کے دوسرے ساتھی بھی بہت پریشان ہو گئے تھے۔ وہ بھی بہت بری طرح دکھلائے ہوئے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس زخمی کو کون اغوا کر کے لے گیا۔“ کرنل راخنڈر کا کمرہ روٹ رہا تھا۔
 ”کچھ نہیں۔ وہ اپنی جگہ مطمئن تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ مہاراج بات تو یہ ہے کہ کام ہو گیا۔ اب وہ چاہے کسی کے ذریعے بھی ہو۔ اسے اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ زخمی کو اغوا کرنے والے کون ہیں۔ اسے بس اس بات کی خوشی ہے کہ اس کے سر سے ایک بوجھ اتر گیا۔“
 ”کیا تم بتا سکتے ہو کہ کرنل اس زخمی کا دشمن کیوں ہو گیا تھا؟ ہر روز نے ڈاکٹر ہمیش سے دریافت کیا۔
 ”نہیں۔ اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں بھی اس کے سرور سے کو دیکھ کر حیران ہوا کرتا تھا۔ پہلے پہل تو اس نے زخمی کے علاج میں بہت دلچسپی لی۔ بہت مہر مہر رہا تھا۔ بہت ہی ہر جوش نظر آ رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کا رویہ تبدیل ہوتا چلا گیا۔ اور اب اندازہ ہوا کہ اس کی وجہ یہ سادھو مہاراج تھے جنہوں نے اپنی باتوں سے اس کے ذہن کو آلودہ کر دیا تھا۔“
 ”دیکھو اب تو مجھے چھوڑ دو۔“ سادھو نے پھر کہا۔ میں نے

کوئی بات نہیں چھپائی۔ سب کچھ بتا دیا ہے۔“
 ”اس کے باوجود تمہیں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ہر روز ملک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ دیکھو مہاراج! میری فطرت ایسی ہے کہ میں ہر مذہب کے رہنماؤں کا احترام کیا کرتا ہوں۔ اگر تمہاری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید میں اسے چھوڑ بھی دیتا۔ لیکن تم ایک سادھو ہو۔ مجھے کو تو تم نے دنیا تباہ دی ہے۔ لوگوں کو دھوکے دینے کے لیے تم نے اپنے نفس کو ہلاک کر رکھا ہے۔ لیکن اس کے برعکس تم کسی کتنے کی طرح دم ہلاتے ہوئے پھر رہے ہو۔ بڑی کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ ایک عام آدمی کے اندر اگر خرابی پیدا ہو جائے تو یہ معاملہ صرف اس کی ذات تک رہتا ہے۔ لیکن تم جیسے سادھو مہاراج اگر خراب ہو جائیں تو پورا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تمہیں چھوڑا نہیں جاسکتا۔“
 ”نہیں نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔“ سادھو اچانک کھڑا ہو گیا۔ ”میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“
 ”فی الحال تو ابھی فکر کرو۔“ ہر روز ملک نے ڈاکٹر ہمیش کی طرف دیکھا۔ ”ڈاکٹر تم ذرا باہر چلے جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ تم یہ منظر نہیں دیکھ سکو گے۔“
 ڈاکٹر ہمیش نے ہر روز ملک سے کچھ بوجھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے تیور دیکھ کر وہ باہر آ گیا۔ ابھی اسے باہر آئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کوئی چلنے کی آواز سنانی دی اور ایک دردناک جینچ فضا کا جگ جگ چر رہی ہوئی دو تیک تیر گئی۔ یہ آواز یقیناً سادھو راکی کی تھی۔ ڈاکٹر ہمیش اپنی جگہ پتھر کی طرح جم کر رہ گیا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ ہر روز ملک اس حد تک بھی جاسکتا ہے۔
 ہر روز ملک بھی باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ جیسے یہ سب اس کے لیے معمولی بات ہو۔
 ”چلو آؤ! ہر روز ملک نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ مقام لیا پھر ہٹے ہوئے بولا۔ ارے تم تو ٹھنڈے ہوئے جا رہے ہو۔ کیوں؟“
 ”بس یوں ہی! ہمیش اپنے ہونٹوں پر زبان بھیڑ کر رہ گیا۔“ کیا کیا تم نے؟“
 ”بس اب سادھو راکی کو بھول جاؤ۔“ ہر روز ملک نے اس کے شانے پر ہتھکی دی۔ ”اس کی کہانی ختم ہو چکی ہے۔“
 ”لیکن میرا مطلب ہے کہ اس طرح۔ تم تو خود بولیں

کے آفیسر ہو۔ نہیں۔۔۔“

”میں کچھ لگا کر کیا جانتے ہو۔ تم بھی گھومے نا کہ اس طرح کچھ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے تھا کیوں لیکن میں نہیں ہے۔ بتاؤں کہ اس طرح میں نے قانون کو تو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے لیکن دوسری طرف میں نے انصاف کے تقاضے بھی پورے کر دیے ہیں اس شخص کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ بس اب کچھ دست چلو چھنا۔ بھول جاؤ اس کو“

وہ دونوں گاڑی کے پاس آ گئے۔ ہمیشہ نے ڈاکٹر کو سببت پر بیٹھا جانا لیکن پرویز نے اسے منع کر دیا اس نے خود ڈاکٹر کو سببت سنبھال لی تھی۔ جبکہ ہمیشہ اس کے برابر والی سببت پر بیٹھا تھا۔ اب پرویز نے اپنے آپ کو کسی حد تک سنبھال لیا تھا۔ اس کے چہرے کی وحشت اب کم ہوئی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

”آخر اس زخمی میں ایسی کون سی بات ہے جس کے لیے سب پاگل ہو رہے ہیں؟“ ڈاکٹر ہمیشہ نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

”یہ اپنی نوعیت کا لوکا کیس ہے۔ پرویز ملک نے کہا۔ کمال۔۔۔ یہ ہے کہ ابھی تک ہم اس کی شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون ہے اس کے وجود بخانے کتنے لوگ اس کے عجیبے ہیں۔ کوئی اسے ہلاک کر دانا چاہتا ہے۔ کوئی اسے اغوا کرنے کے لیے ہے اور کوئی اس کی زندگی ہر قیمت پر بچانے کا خواہش مند ہے۔ یہ ایسا لوگ کہ دھندہ ہے جو ابھی تک میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکا ہے۔“

”کیا تم نے اس سے معلوم نہیں کیا کہ وہ لوگ میرا مطلب ہے کہ جن لوگوں نے اسے سادھو کو اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا وہ کہاں مل سکتے ہیں؟“

”ظاہر ہے کہ میرا سب سے پہلا کام بھی معلوم کرنا تھا اور وہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ پرویز ملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب مجھے تم سے کچھ باتیں بھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم میری باتوں پر دھیان دو گے۔“

”ہاں آفیسر۔ بتاؤ کیا کرنا ہے مجھے؟“

”سب سے پہلا کام تو یہی ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھو گے۔ کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ کوئی سادھو تم سے ملا تھا اور تم لوگ اسے اس ویرانے میں لے کر آ گئے

تھے۔ اور اس نے ہمیں کیا کیا بتایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں کرنل راجندر پر لگا رہی ہوگی۔ وہ ایک پر لور کردار کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اگر تم بھی یہ محسوس کرتے ہو کہ اس معاشرے سے براہیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے تو تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ اور اس تعاون کا طریقہ یہ ہوگا کہ تم کرنل راجندر کی نگہبانی کرو۔ یہ دیکھو وہ کس کن لوگوں سے ملتا ہے۔ ہوسکے تو اس کی باتیں سننا بھی کوشش کرو۔ میں اس دوران رہن اور اس کے آدمیوں کو گھیرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ویسے میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ بھی کسی اور کے لیے کام کر رہے ہوں گے۔ اور انہیں صرف استعمال کیا جا رہا ہے۔“

”میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں ڈاکٹر ہمیشہ نے ایک گہری سانس لی۔ تم جو مناسب سمجھتے ہو وہ کرو۔ پرویز ملک نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ گاڑی تیز چلتی ہوئی آتی تھی راہوں پر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے لگی تھی۔

ڈاکٹر کھنڈ زخمی کے کمرے میں واپس آ گیا۔

دوسرے ڈاکٹر ابھی تک زخمی کے آس پاس ہی موجود تھے۔ وہ سب کے سب جدید آلات کی مدد سے اس کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ کمرہ کسی ہسپتال کے انتہائی شہدادشت کے کمرے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کھنڈ کے واپس آنے کے بعد وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”کیوں بلایا تھا اس نے؟“ ڈاکٹر اظہر نے بلوچھا۔ کوئی خاص بات تھی کیا؟“

”کوئی خاص بات نہیں تھی، لیکن اب میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا ہے۔“ ڈاکٹر کھنڈ نے بتایا۔

”کیا مطلب؟“ سب کے سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ نہیں۔ برناڈ نے مجھ سے صرف ایک بات کی تھی اس نے کہا تھا کہ اس نے بہت سوج بوجہ کر تم ڈاکٹروں کا انتخاب کیا ہے۔ اور اسے امید ہے کہ ہم لوگ اس کی توقعات پر پورے اتریں گے۔ بس اتنا سننے ہی مجھے شرم سی آئے تھی میں نے غصے سے کہا کہ میں نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بہت غلط تھا۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے اصول اور پیچھے کے خلاف ہے۔ چاہے ہمارا انجام کچھ بھی ہو۔ ہمیں وہی کرنا ہے جس کے لیے ہمیں منتخب کیا گیا ہے۔“

”یہ بات ہوئی نا ڈاکٹر کھنڈ؟ ان میں سے ایک نے طینان سانس لی۔ ہم لوگ تو تمہارے فیصلے سے خود بہت بری طرح بچ گئے تھے۔ یہ اچھا ہو کہ تم نے خود اس بات کا تجربہ کر لیا۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اب بتاؤ ہم کہاں سے اپنا کام شروع کریں؟“

”ہمیں اس مریض کی بقا کے لیے جو کچھ کرنا ہے وہ کرنے میں آئے۔ اس وقت میرا خیال ہے کہ ضروری دوائی اور آلات پہنچ گئے ہیں۔ لہذا میں جلد ہی تن دی کے ساتھ پنا کام شروع کر دیتا ہوں۔ ہم یہ بھول جائیں کہ ہم کس حالات میں اور کس لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس طرف توجہ ہی نہیں دینی ہے۔ ہمیں یہ محسوس کرنا ہے کہ اس وقت ہم سب ایک بڑے سے ہسپتال میں کسی مریض کے علاج کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ بس۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ آپ لوگ اپنی اپنی ذمہ داری سنبھالیں۔ اس نے کمرے میں موجود ڈاکٹروں کو ان کے فرائض بتانے شروع کر دیے۔ کچھ دیر بعد وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس شخص نے اسے کیا ہدایات دی تھیں۔ اب وہ یہ سب کچھ اپنا فرض سمجھ کر رہا تھا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ برناڈ کے میں داخل ہوا وہ ایک طرف کھڑا ہو کر میری لگا ہوں سے اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے مطمئن انداز میں اپنی گردن ہلائی اور ڈاکٹر کھنڈ کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ کھنڈ اس کے پاس پہنچ گیا۔ ”کام کیسا چل رہا ہے ڈاکٹر؟“ برناڈ نے پوچھا۔

”تم خود دیکھ سکتے ہو نا ڈاکٹر کھنڈ نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

”ہاں۔ وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ برناڈ نے اپنی گردن ہلائی۔ تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا میں نے اس کے علاج کے لیے اپنی پوری کھول دی ہے۔ جتنا کچھ خرچ ہو میں اس کے لیے تیار ہوں۔“

”کیا میں یہ بلوچہ کرنا ہوں کہ اس زخمی میں آخر ایسی کون سی خاص بات ہے جس کے لیے تم اس قدر پریشان ہو؟“

”ہوں یہ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔ وہ کچھ دیر تک معنی خیز لگا ہوں سے ڈاکٹر کھنڈ کی طرف دیکھتا ہوا بھردھیر سے لولا۔ مشکک ہے۔ چونکہ تم اس کے علاج ہو۔ اس لیے تم سے کوئی بات چھپانی نہیں چاہیے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔“

ڈاکٹر کھنڈ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ برناڈ

اسے اپنے ساتھ لے کر ایک ایسے کمرے میں لگا ہوا ڈاکٹر کھنڈ نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑی سی میز تھی جس کے ارد گرد کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔

”یہ ہمارا امینک روم ہے۔“ برناڈ نے بتایا۔ ہمیں جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ ہم اسی کمرے میں بیٹھ کر غور و خوض کرتے ہیں۔“

برناڈ کے اشارے پر کھنڈ نے ایک کرسی سنبھال لی۔ برناڈ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

”تم نے شاید انگریزی فلموں میں ایسے سینٹ اپ دیکھے ہوں گے۔ برناڈ نے گفتگو شروع کی۔ کیا تمہیں یہ سب دیکھ کر بچان اور جوش نہیں محسوس ہو رہا ہے؟“

”اگر حالات دوسرے ہوتے تو شاید ایسا محسوس بھی ہوتا۔ کھنڈ نے کہا۔ لیکن اس وقت ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہماری سلامتی کا ہے۔ میں انفرادی سلامتی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ انھوں کو زندگیوں کو سلامتی کا سوج رہا ہوں۔ تمہیں شاید یہ اندازہ ہو کہ تم ہندوستان بھگے قابل ترین فرائض اور سرجن مہل اٹھا کر آئے ہو۔ اگر ان لوگوں کو کچھ ہو گیا تو جانے کتنے مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔“

”تمہیں یہ اندازہ کیسے ہوا کہ تم لوگوں کو کچھ ہو جائے گا۔ تم نے انگریزی فلموں کی بات کی ہے تو میں نے انگریزی فلموں میں ہی دیکھا ہے کہ جب صورتحال ایسی ہو تو چشم دید گواہوں کو زندہ نہیں رکھا جاتا۔ ہم لوگ تمہارے اور تمہارے اس گھر کو دھندے کے چشم دید گواہ ہیں۔ اسی لیے تم نہیں چاہو گے کہ ہم واپس جا کر تمہاری کمرانی شہرہ کر دیں۔“

”ڈاکٹر تم واقعی ایک زندہ آدمی ہو۔“ برناڈ مسکرا دیا۔ میں کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم نے مریض کے علاج کی فکر چھوڑ دی ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ چاہے اس کے نتیجے میں ہم لوگوں کو موت ہی کیوں نہ آجائے۔“

”خیر میں فی الحال تمہیں اس بارے میں یقین دلانا بھی چاہوں تو تم یقین نہیں کرو گے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں خود بھی یہ نہیں چاہتا کہ اتنے قابل قابل لوگ ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتر جائیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ اپنی پوری توانائیاں اور صلاحیتوں کے ساتھ زندہ رہو۔ اس میں بدلہ ہی فائدہ ہوگا۔“

”یہ سب قواعد کی باتیں ہیں۔ لیکن میں اپنے تجسّس

کی خاطر یہ ہاتھ بڑھا ہوں کہ اس رنجی میں ایسی کون سی بات ہے۔“

”ہاں۔ میں نے یہ بتانے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی نتیجے میں بتلدا ہوں۔ برائے نہ کہہ! تمہیں تفصیل بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ رنجی کس حالات میں اور کہاں ملا تھا۔ اس کے سلسلے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ حکومت اس کی طرف متوجہ ہو گئی اور اس کا علین شروع کر دیا گیا حکومت کے ساتھ ساتھ اور پارٹیاں بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اس کے حصول کی کوشش شروع کر دی۔ ان ہی پارٹیوں میں سے ایک ہماری پارٹی بھی ہے۔“

”سوال پھر یہ ہے کہ آخر کیوں؟“

”دیکھو میں تمہیں اس کا پس منظر بتاتا ہوں۔ بہر حال نے اپنی جیب سے سگریٹ کا ایک بیٹ نکال کر اس میں سے ایک سگریٹ منقوب کی اور دھیرے دھیرے کھینچنے لگے۔ ہونے بولنا جس وقت وہ دھماکا ہوا تھا۔ اس وقت ان اطراف میں داور بھی موجود تھا۔“

”میں یہ نام شاید پہلے کبھی سن چکا ہوں۔ داد ہے کون؟“

”ایک بہت ہی خطرناک اور دلیر شخص۔ جو اگر زندہ اور سلامت ہو تو ہزاروں پر ہماری پڑ سکتا ہے۔ اس کے باب نے بچپن میں اس سے من موڈ لیا تھا۔ یہ دو بھائی تھے۔ والد اور سلیم سلیم کے بارے میں ہمیں زیادہ نہیں معلوم لیکن داور نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اس کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت بھی بے مثال ہاتھوں میں ہوئی اور وہ دنیا بھر کے فنون حرب کا ماہر ہو گیا۔ اس کا باب دلاہری ایک ایک بہت بڑے گروہ کا سرخندہ رہ چکا ہے جس کے کروٹوں کی دولت جمع کرنی تھی۔ خیر اس وقت ہمیں داور کے بارے میں بات کرنی ہے۔ تو وہاں کہ داور کو ایک باجیل ہوئی۔ جہاں اس کی ملاقات ایک لوٹے شخص سے ہوئی۔ وہ شخص افروٹ کے ایک بہت طاقتور قبیلے کا سربراہ تھا۔ اس شخص نے داور کو نہ صرف مارشل آرٹ کی تربیت دی بلکہ اسے اپنا چاہا بھی بنالیا۔ اس قبیلے کی روایت کے مطابق کوئی بھی سرداری کو بھی جانی نہیں بنا سکتا ہے۔ اور اس کی تعلیم اور اس کا احترام ہر قبیلے پر واجب ہو جاتا ہے۔ تو داور بھی ہندوستان میں بیٹے بیٹے اس قبیلے کا سردار بن گیا۔ اس لوٹے نے نشان کے طور پر اس کے بازو پر گہرا نشان ثبت کر دیا۔

نشان جس کے پاس ہو وہ اس قبیلے کا سردار ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بڑا حاکم رہا۔ داور ایک قبیلے کا سردار لوہن گیا تھا لیکن اسے خود اپنی اس طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ اسی لیے وہ جیل سے رہائی کے بعد اپنے پرانے دھندوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ سب کچھ کرنے لگا جو شروع سے کرتا تھا۔ آ رہا ہے۔ اس دوران حالات اسے اس علاقے میں لے گئے جہاں وہ عظیم الشان دھماکا ہوا جس کے نتیجے میں وہ بری طرح زخمی و زخمی لوگوں کے رحم و کرم پر رہا ہوا ہے۔“

”چلو یہاں تک تو داور کی کہانی واضح ہو گئی۔ لیکن ابھی تک تم لوگوں کی دلچسپی کی وجہ سے مجھ میں نہیں آ سکی۔ اگر وہ زندہ ہو گیا تو اس سے تمہارا کیا فائدہ ہو گا۔“

”بہت فائدہ ہو گا۔“ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔

میں تمہیں غفلتوں میں اس دولت کی کہانی سناسکتا ہوں اس قبیلے میں موجود ہے۔ جسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اب ہماری کہانی کے دو پہلو ہو چکے ہیں۔ ایک پہلو یہاں تک سے متعلق ہے اور دوسرا پہلو داور کا ہے۔ کچھ ہاتھوں میں نہیں یہاں تک کے بارے میں بھی بتانا چاہوں وہ اپنی نوعیت کا ایک ذہین انسان تھا۔ تجا نے اس نے کیا دماغ پایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کیلئے شخص نے حتیٰ حیرت انگیز ایجادات کی ہیں۔ اپنی ایجادات، بڑا ملک بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں خرابی نہ تھی کہ وہ اپنی انکا اظہار جانتا تھا۔ اس کے دماغ میں حکمرانی کا ضبط تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ نہ صرف اس کی ایجادات کو دیکھ کر پاگل ہو جائیں بلکہ اس کی برستش بھی کرنے لگیں۔ یہ سوچ کر اس نے ایک ایسے خطہ زمین کی تلاش شروع کر دی جہاں وہ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتا۔ جہاں وہ اپنا ایک سائنسی غبار گاہ کر سکتا۔ اتفاق سے اس کی نگاہ انتخاب نے ہندوستان کو منتخب کر لیا اور وہ اپنے ساز و سامان سمیت ہندوستان چلا آیا۔ اس جیسے انسان کے لیے اتنے ساز و سامان اور اتنے وسائل کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لہذا اسے کوئی نہیں روک سکا اور اس نے یہاں آکر ایک بستی تعمیر کرنی۔ جو اپنی نوعیت کی ایک واحا بستی تھی۔ اس ہم میں اس کی بہن بھی اس کے ساتھ تھی۔ لیکن وہ فتنای مزاح کی لڑکی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے کارناموں پر خوش تو ہوتی تھی۔ لیکن وہ کبھی نہیں جانتی تھی کہ اس کا بھائی لوگوں کو کبڑے سکڑوں کی حیثیت دینے لگے۔ بہر حال وہ

اپنے بھائی کے ساتھ یہاں آئی اور ان دونوں اس میں حکمرانی شروع کر دی۔“

”لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔“

”میں اور ہمارا کار کا فیلو تھے۔ برناڈ نے بتایا ایک کی فزات کا ہمیشہ سے فخر دان رہا ہوں۔ ہم وہ اچانک اب ہو گیا۔ بہت دنوں کے بعد اس کے بارے میں پتا آکر وہ کہاں ہے اور کہاں رہا ہے۔ یہ بھی اس طرح معلوم ہوا ناگہرا کار اپنے ساتھ۔ یورپ سے بھی کچھ لوگوں کو لیتا آیا نا اور وہ اتفاق سے میرے ساتھ بھی تھے۔ انہوں نے ہمارے حالات اور اس کی بستی کے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک ایسی بات بتائی جس نے مجھے ہمارا کار اس کے منصوبوں میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔ ہوں نے بتایا تھا کہ ہمارا کار کے پاس کروڑوں ڈالروں کی دولت جمع ہو چکی ہے۔ جو اس نے بستی میں نہیں رکھی بلکہ کہیں اور جمع کر رکھی ہے اور وہ لوگ اس ذخیرے کا پتہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور جیسے ہی انہیں پتا چل گیا وہ مجھے اطلاع دے دیں گے۔“

”تو پھر تم اس دولت کے لالچ میں آ گئے۔“

”قلم ہے۔“ برناڈ نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔

دولت ہر انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ یہ اگرچہ ہو تو انسان اور اپنی سرشاری دنیا کرتی ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ خیر اتنا سنا ہے ہی میں نے ہندوستان آنے کی تیاری کر دی۔ پھر ان ساتھیوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ میں ہندوستان کے لیے روانہ ہو جاؤں۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس ذخیرے کا پتہ چلا لیا ہے۔ اتنا سنا ہے ہی میں نے اپنے وسائل اکٹھے کیے اور ہندوستان کے لیے روانہ ہو گیا۔ لیکن ہوا یہ کہ حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ میں بجائے ہندوستان آنے کے افریقہ چلا گیا۔“

”پس کس طرح ہوا۔“ ڈاکٹر کھنڈ نے بے ساختہ پوچھا۔

”بہت آسانی سے۔“ برناڈ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”پارے کو اٹھا کر لیا گیا تھا۔ اس طیارے کو افریقہ سے جا لیا جہاں ہمیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہماری زندگی کے لئے بڑے سخت تھے۔ میں کسی دوسری طرح جان بچا کر کھنگلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں کچھ ہوا تھا۔ میں اس کی تفصیل بتا کر نہیں لو کہ انہیں جانتا۔ کیونکہ وہ ایک غیر متعلقہ کہانی ہے۔ ان ہی چکر میں میں بڑے مگر میں قبیلے میں جا پہنچا جس کا سربراہ داور نامی وہ شخص ہے جو ہندوستان

میں موجود ہے۔ یہ بھی ایک دوسری داستان ہے کہ میں کس طرح وہاں پہنچا تھا میں مختصر نہیں سب کچھ بتاتا رہا ہوں۔ تو اس قبیلے میں پہنچ کر کچھ معلوم ہوا کہ داور کی کہانی کیا ہے؟ ان لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا سربراہ داور نامی ایک شخص ہے۔ اور وہ ہندستان میں موجود ہے انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اگر کسی طرح اس شخص کو یہاں تک لے آؤں تو وہ مجھے اپنی دولت دے جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے ان کی باتوں پر یقین نہیں کیا اس پر ان لوگوں نے مجھے اپنے قدم پر لیا اور دت دکھائے۔ ڈاکٹر تم یقین کر لیتے ہو کہ ان لواورات کی کیا اہمیت ہوگی۔ وہ کتنا بڑا خزانہ ہے۔ اگر ہزاروں لوگوں میں یہ تقسیم کر دیا جائے تو کئی کئی لاکھ عیش سے زندگی گزار دیا اور وہ عیش ہزاروں وہ لوگ اس پر بھجوا کر لے کر تیار تھے۔ جس کو انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ مکان کا احترام اور ان کا عقیدہ میں تو اس خزانے کو دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس شخص کو اس وقت کہیں سے ڈھونڈ کر اس قبیلے میں پہنچا دیتا۔ میں نے جب ان سے یہ معلوم کیا کہ وہ داور کہاں ملے گا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس بستی میں ملے گا جس کی طرف میں جا رہا ہوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟ ڈاکٹر کھنڈ نے یقین نہ کرنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ انہیں کیسے معلوم کہ تم کہاں جا رہے ہو؟“

”یہ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن اس سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں کچھ ہمیں بہت سی چیزوں کو اپنے شعور کی کوئی پر نہیں رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ان معاملات میں عقل ناکام ہو جاتی ہے۔ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں۔ وہ کسی بجائے سے نہیں ناپا جاسکتا۔ تم یقین کرو کہ اس تاریک براعظم میں ابھی تک ایسے اسرار موجود ہیں جو ہمیں حواس باختہ کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ سب کچھ ہمیں ان کے وح ڈاکٹروں نے بتایا تھا اور ہم ابھی تک وح ڈاکٹروں کے رموز کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ ان کے پاس ایسی کون سی قوت ہے جو ہمیں آنے والے واقعات سے آگاہ کر دیتی ہے۔ وہ ان وح ڈاکٹروں نے جس بستی کا نام لیا ہے وہی کئی جوہر نامک لے آباد کی تھی۔ یہ سن کر میری دلچسپی اور بڑھ گئی ان وح ڈاکٹروں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میں جس وقت ہندوستان پہنچوں گا اور اس بستی میں جاؤں گے کی کوشش کرنا

گا۔ اس وقت تک وہ بستی ایک پڑا سرادھ کا اور آگ کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہوگی۔ اس تباہی کے نتیجے میں کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ سوال نے اس شخص کے جس کا نام دادوسہ اور جو ان کا سردار ہے۔

”تم نے تو حیرت انگیز کہانی سنا دی“ ڈاکٹر کھٹنے کہا۔

گیا نہیں، یوں یقین ہے کہ یہ زخمی تمہارا وہی مطلوبہ شخص ہے۔“

”ہاں اس کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ برناؤ نے جواب دیا۔ میں خود سانس کا طالب علم ہوں۔ اصولاً مجھے ایسی خرافات پر یقین نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے غلط نہیں کہا۔ اسی لیے میں اس کے علاج پر بے پناہ دولت خرچ کر رہا ہوں۔“

”اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ہندوستان آنے کے بعد تم نے اتنے وسائل کہاں سے حاصل کر لیے؟“

”اس کا جواب بھی شکل نہیں ہے۔“ برناؤ نے کہا۔ میں خالی ہاتھ یہاں نہیں آیا ہوں۔ بلکہ میں بہت مناسب بندوبست کے ساتھ چلا تھا۔ میں نے انہیں انتظام کر رکھا تھا کہ ہندوستان پہنچنے ہی کے بعد اپنی خاصی رقم مل جائے۔ تاکہ میں اپنے پیسہ یہاں بٹا سکوں۔ تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم کے کاموں کے لیے بھرے گروہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو میں نے یہاں آنے کے بعد رقم حاصل کی اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ تمہیں شاید یہ جان کر افسوس ہو گا کہ پوری دنیا میں شاید تمہارا ملک ہی وہ واحد ملک ہے جہاں اتنی آسانی کے ساتھ لوگوں کو اپنا فرما کر وارنا یا جا سکتا ہے۔ انہیں رقم دکھاؤ پھر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ قانونی ہے یا غیر قانونی۔ وہ اس بات کی کچھ پروا نہیں کریں گے کہ وہ کسی ملکی کام کا نتیجہ رہے ہیں یا غیر ملکی کا۔ تو میں نے ان لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کیا۔ اس کے بعد ان میں سے عمارت حاصل کی اسٹیل حاصل کیے۔ وسائل اکٹھے کیے اور اس کے بعد اس کی طرف روانہ ہوئے والا تھا کہ وہاں وہ پراسرار دھماکا ہو گیا جس کی پشیم گوئی ان وح ڈاکٹروں نے کر دی تھی۔ اور مجھے یہ پتا چل گیا کہ اس بستی سے صرف ایک آدمی زندہ ملا ہے جسے علاج کے لیے ہسپتال میں رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد کسی ساری کہانی تم خود دیکھ سکتے ہو کہ اس کے بعد کیا ہوا ہو گا۔“

”ہاں“ ڈاکٹر کھٹنے نے اپنی گردن ہلا دی۔ اس کے بعد

جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ تم نے اپنے آپ کو کی مدد سے اس زخمی کو ہسپتال سے اٹھوایا اور ہم لوگوں کو پکڑ لائے تاکہ ہم اس کا علاج کر سکیں اور جب یہ ٹھیک ہو جائے تو اسے لے کر افریقہ روانہ ہو جاؤ۔ کیوں یہی بات ہے نا۔“

”بالکل یہی بات ہے۔ اب اس شخص کو ٹھیک کرنا تو تمہارے ہاتھ میں ہے۔“

”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ بقول تمہارے دوسری پارٹیاں بھی اس شخص کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ ان کی کیا وجہ ہے۔ وہ کون لوگ ہیں۔“

”سیدھی سی بات ہے کہ ان وح ڈاکٹروں نے یہ پیشکش صرف مجھے ہی کو نہیں بلکہ اور لوگوں کو بھی دی ہوگی۔ اور وہ سب کے سب اپنے طور پر اس کے حصول کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ سمجھ گیا۔ فرض کرو اگر یہ زخمی جانبر نہیں ہو سکا تو پھر کیا کر گئے۔“

”ایسی صورت میں اس کی لاش کو اس کے قبیلے تک پہنچا دوں گا۔ برناؤ نے کہا۔ کہے کہ انہیں یقین تو ہو جائے گا کہ میں نے ان کے سردار کو حاصل کر لیا تھا۔ یہ اودھات ہے کہ اس کی زندگی بچانے میں ناکام رہا ہوں۔ ایسی صورت میں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی طرف سے اچھی خاصی دولت مل ہی جائے۔“

”ہم لوگوں کا کیا انجام ہو گا۔“

”میں اس سوال کا پتہ بھی جواب دے چکا ہوں۔ تمہارا خدشہ اپنی جگہ درست تھا۔ ہم لوگ واقعی گواہوں کو زندہ رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم اور تمہارے ساتھی ہلاک کر دیے جائیں کیونکہ تم سب کے سب قابل ترقی لوگ ہو۔ اسی لیے اب میں نے یہ سوچا ہے کہ تمہیں موت تک قید رکھا جائے گا جب تک میں اس شخص کو لے کر اس ملک کی سرحدوں سے باہر نہ چلا جاؤں اس کے بعد تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔“

”کیا اس کی موت کی صورت میں بھی تمہارے ساتھ ہی سلوک ہو گا۔“

”ہاں۔ بشرطیکہ اس کی موت تمہاری بے پروائی سے نہ ہوئی ہو۔“ برناؤ نے کہا۔ تم نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہو۔ اس کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہو۔ کیونکہ مجھے معلوم

ہے کہ کچھ دیر پہلے تم نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا تھا۔ تم نے اپنے ساتھی ڈاکٹروں کو یہ بتایا تھا کہ اس زخمی کو ہلاک کر دیا جائے۔“

”کیا“ ڈاکٹر کھٹنے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ برناؤ کی اس بات نے اس کے چہرے کا رنگ تبدیل کر دیا تھا۔

”ہاں، میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی تھیں۔ برناؤ نے سکرلے ہوئے کہا۔ تم خود سوچو۔ جس شخص کے لیے اس زخمی کی اتنی اہمیت ہے کیا اس نے اس زخمی کی خدائی کے انتظامات نہیں کیے ہوں گے۔ میں اگر وہاں نہیں بھی ہوتا ہوں تب بھی میرے کان تمہاری آواز سن سکتے رہتے ہیں۔ پھر اس کے میں اتنا ہی افسانہ قلم کے ڈکٹا فون لے ہوئے ہیں جو ذرا سی آہٹ کو بھی میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔“

”ڈاکٹر کھٹنے نے اپنی گردن جھکانا اس کے دونوں ہاتھ اب واضح طور پر کاٹنے لگے تھے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہاری بات کو سن کر میرا کیا حال ہوا تھا۔“ برناؤ نے پھر کہا۔ میرا دل چاہا کہ میں اسی وقت تم لوگوں کو بھون کر رکھ دوں۔ پھر مجھے اس طرح تم نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اور اس مریض کے علاج کی باتیں کرنے لگے۔“

”ڈاکٹر کھٹنے نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اس شخص کا حال دیکھتا تھا جس نے ہون وقت ہر ڈاکٹر کھٹنے کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مجھے وہ شخص کون تھا اور آئندہ اس سے کیا امید کی جا سکتی تھی۔“

”وہ سرنگ اپنی خاصی طویل تھی۔“

”دشمنوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ دیر اداں سرنگ میں چلتا رہا تو اس کا دم ٹھٹھلنے لگے گا وہاں بالکل اذیت تھا۔ اس کے ارد گرد قدیم کی آوازیں تھیں جو اس سرنگ میں گونج رہی تھیں۔ یہ آوازیں ہندوستانی بلراج اور ان لوگوں کی تھیں جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اس سرنگ میں تاریکی تو تھی۔ لیکن ایک اچھی بات یہ تھی کہ وہ سرنگ بالکل عموماً تھی۔ اس میں کسی قسم کا ٹوٹا ہوا ٹھکانا نہیں تھا۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو یہاں کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی۔“

”کچھ دور کے سفر کے بعد بالآخر سرنگ بھی ختم ہو گئی۔“

”دشمنوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسی وادی میں کھڑا تھا جو پہلوں اور سروں سے مالا مال ہو رہی تھی۔ اس بجز مقام پر ایسی وادی کا وجود دشمنوں کے

لیے حیرت انگیز تھا۔ اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ سامنے ایک بہت بڑی چوٹی ٹھہری ہوئی تھی۔ مجھے یہ چوٹی کس طرح اس وادی میں بنائی تھی۔ ہلکے بالکل جادوئی نظر۔ دکھائی دے رہا تھا۔ اس وادی میں داخل ہونے کا اس سرنگ کے علاوہ بظاہر اور کوئی راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے باوجود ایک لمبی چوڑی چوٹی وہاں موجود تھی جو اپنی وسعت اور مکانت کے لحاظ سے شہر میں موجود کسی بھی چوٹی سے کم نہیں تھی۔“

”اس چوٹی میں کنگوے بنے ہوئے تھے جن کے عقب سے کچھ سر ہلکے اور ڈوبتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کا پھاٹک بھی بہت بلند اور کشادہ تھا۔ اس چوٹی کے اطراف پہلوں کے کٹے بھی تھے جو اس چوٹی کی شان کو دو بالاکر رہے تھے۔“

”یہ چوٹی یہاں کیسے آئی؟“ دشمنوں نے بڑی حیرانی سے سوال کیا۔“

”یہ ہمارے مالک کی چوٹی ہے۔“ ہندوستانی نے جواب دیا۔

”ان کے پرکھوں نے اس کی تعمیر کی تھی۔“

”کون مالک؟“

”یہ تمہیں چوٹی میں چل کر معلوم ہو جائے گا۔“ ہندوستانی نے کہا۔ ویسے ان کا نام سردار چوہان ہے۔“

”دشمنوں نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ اس دوران بلراج اس کے قریب پہنچ گیا۔“

”باس۔ یہ سب کیا ہے؟“ اس نے سرگوشی میں سوال کیا۔

”یہ میں خود نہیں جانتا۔“

”تم سے چوک ہو گئی باس۔ اگر تم پہلے ہی اشارہ کرتے تو ہم لوگ اڑ بھڑا کر یہی طرح نکل لیتے۔ لیکن یہاں تو اگر کچھ سن گئے ہیں۔ یہ تو کوئی جادو کی ٹکری معلوم ہوتی ہے۔“

”ہاں۔ میں بھی اسی لیے خاموش ہوں کہ مجھے اس ٹکری کا عہدہ جانتا ہے۔ بس اب خاموش ہو جاؤ ورنہ یہ لوگ تمہیں لے کر ہم ذرا کا منصوبہ بنائے ہیں۔“

”بلراج برا سامنے بنا کر خاموش ہو گیا۔ اس دوران ہنٹا چوٹی کے عظیم الشان پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ٹھیلے ان لوگوں کو آتا ہوا دیکھ لیا گیا تھا۔ یہ فاصلہ اسی طرح ٹھیلے ہوئے پھاٹک سے اندر آ گیا۔ اندر آنے کے بعد اس پھاٹک کو دوبارہ مندر کر لیا گیا تھا۔

”پھاٹک کے اندر بھی بہت سے لوگ موجود تھے ان

میں سے کچھ سنے تھے۔ چھانک کے سامنے ہی ایک پائیل بلخ
مٹھا جس کے درمیان پتھروں سے بنا ہوا ایک لاسہ جوبلی
کے برآمدے تک چلا گیا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف
پھولوں کے قطعے لگے ہوئے تھے۔ برآمدے تک جانے کے
لیے سیڑھیوں پر چڑھنا پڑا۔ ان کے بعد دروازے پر دروازے
کمرے اور وہ سب کچھ جو جوبلی میں ہو کر رہا ہے۔ دشمنوں
بلراج بہت جہت سے اس جوبلی کو دیکھ رہے تھے جو خود
لوہے کی طرح اس دہرائے میں آگ آئی تھی۔
”چلو آگے چلو“ بھنڈاری نے کہا۔ ”سرا کر تم لوگوں سے
سننے کے لیے رہے جہاں آؤ گے۔“
”لیکن تمہارے سرکار سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ بلراج اس
کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
”بہت زبان چل رہی ہے۔ کیوں!“ بھنڈاری کی آنکھیں
سرخ ہو رہی تھیں۔
”بلراج خاموش ہو جاؤ۔“ دشمنوں جلدی سے بول پڑا۔ یہ
لوگ ہمیں کسی غلط فہمی میں پکڑنے لگے ہیں۔ معاملہ صاف
ہوئے، اب ہمیں یہاں سے جانے دیا جائے گا۔ کیوں بھنڈاری
صاحب؟“
”یہ سب سرکار کے ہاتھ میں ہے۔“ بھنڈاری نے
خشک لہجے میں کہا۔ ”میں نہیں جانتا ان کا فیصلہ کیا ہوگا۔“
ان دونوں کو ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جسے
وسعت کے لحاظ سے چھوٹا مٹا ہال کہا جاسکتا تھا۔ اس
ہال میں قدیم اور جدید دونوں طرز کے فرنیچر موجود تھے اور
یہ فرنیچر نئی ہیروئن کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ذوق کی بھی تزئین
کر رہے تھے۔ ایک طرف دروازے پر روایتی انداز سے کچھ دیوے
لوگوں کی تصویریں فریم کی ہوئی تھیں۔ وہ دیوار کا رنگ نظر نہ
دے جوبلی کسی جاگیر دار کی جوبلی معلوم ہوتی تھی۔
ان دونوں کو اس کمرے میں تنہا نہیں چھوڑا گیا تھا۔
بلکہ ہر دروازے پر دو دو مسلح آدمی تعینات تھے جو بڑی خوش
لگا ہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ انھی ان دونوں
کو اس ہال میں آنے پر زامی دیر ہوئی تھی کہ ایک باہر آئی
ایک دروازے سے داخل ہوا تعینات ہر معمولی لوگ اسے پہچنے
ہی باادب ہو گئے۔ وہ یونیفارم پہن تھا۔ ان لوگوں کا دم پر لبر
مالک جس کے پڑکھوں نے اس دہرائے میں ایک پھر لڑائی
بنا دی تھی۔
وہ ایک ادھیڑ عمر کے ہوئے بدن کا آدمی تھا جس نے

چوڑی دار پا جامہ اور شہزادی جین رکھی تھی۔ اس لباس میں
اس کی شخصیت بہت دلکش معلوم ہو رہی تھی۔ وہ بڑے
سنے چلتا ہوا ان دونوں سے کچھ فاصلے پر آکر کھڑا ہو گیا۔
کی بڑی بڑی روشن آنکھیں اس طرح ان دونوں کا جائزہ
رہی تھیں جیسے وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں ان کے دل
تک اترنا چاہتا ہو۔ دشمن نے بھی اپنی نگاہیں اس کی آنکھوں
پر مرکوز کر دیں۔
”تم لوگوں کو یہاں تک آنے میں کوئی دشواری تو نہیں
ہوئی؟“ اس نے پھر سے ہونے لہجے میں پوچھا۔
”اگر کسی کو قیدی بنا کر یہاں تک لایا جائے اور اسے
یہ پوچھا جائے کہ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے
اس سے بڑا مذاق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“
”اوہ۔ تو تمہیں اس بات کا شکوہ ہے۔“ بہر حال ہمیں
افسوس ہے۔ لیکن اگر ہمیں یہ اندازہ ہو گیا کہ تم لوگ کوئی
ہو تو پھر تمہیں شہزادہ شان طور پر ہر نصرت کر دیا جائے
اس وقت تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“
”اس بات کا بہت بہت شک ہے۔“
”چلو بیٹھ جاؤ۔“ چوہان نے صوفے کی طرف اشارہ کر
اور اپنے بائیں میں بتانا شروع کر دیا۔
دشمنوں اور بلراج ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ دشمنوں
اسے بھی وہ کہاں سادی جو اس سے پہلے وہ بھنڈاری کو
سنا چکا تھا۔ چوہان خود سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔
دشمنوں کے خاموش ہوجانے کے بعد اس نے کچھ سوچتے
ہوئے کہا۔
”یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت ہمیں تمہاری کہاں بہ
کوئی جھول نہیں محسوس ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود کچھ
سوالات تھے۔ پریشان کر رہے ہیں۔“
”بالکل اسی طرح کچھ سوالات تھے۔ بھی پریشان کر رہے
ہیں۔“ دشمن نے کہا۔ ”پہلا سوال تو یہی ہے کہ تم کون ہواؤ
اس دہرائے میں کیا کر رہے ہو؟“
”اے“ جاگ دروازے کے پاس کھڑے ہوئے ایک
خفاظ نے دشمن کو لگا لگا کر ”ماک سے ذرا زبان سنبھال کر
بات کرو۔“
”نہیں بیٹیں۔ تم خاموش رہو۔“ چوہان نے ایک ہاتھ کے
اشارے سے اسے منع کر دیا۔ ”انہیں ہونے دو، پھر اس
نے دشمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”معاذ کرنا۔ یہ میرے

آدمی میرے بائیں میں بہت جذباتی واقع ہوئے ہیں۔
برداشت نہیں کر سکتے کوئی دوسرا ان کے ماک کے سامنے
اپنی آواز بلند کرے۔“ بہر حال میں تمہارے دونوں سوالوں کے
جواب دے دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں اس بات
کی تصدیق کر لیں کہ تم نے جو کہاں سنا ہے اس میں کہاں
تک صداقت ہے۔ اس تصدیق تک تم مجھے یہاں سے جانے کی اجازت
نہیں ہوگی۔“
”تم یہ تصدیق کس طرح کرو گے؟“ دشمن نے خشک لہجے
میں اس سے پوچھا۔
”یہ فکر ہو۔ میرے وسائل ایسے ہیں کہ تمہاری تصدیق
کی جاسکتی ہے۔ چاہے تمہارا تعلق ہندوستان کے کسی دور دراز
علاقے ہی سے کیوں نہ ہو۔“
”کیا تم ہمیں زبردستی اپنے جہاں رکھنے پر مجبور کر سکو
گے؟“ بلراج نے سوال کیا۔
”کیوں نہیں؟ چوہان مسکرا دیا۔ ”تم دونوں غفل مند دکھائی
دیتے ہو۔ تمہارے تیوری سے تمہاری دلیری اور بے جگری کا
اندازہ تو ہو رہا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ آدمی چاہے
کتنا ہی بے جگر اور بہادر کیوں نہ ہو۔ تمہیں ہتھیاروں کے
سامنے اس کی حیثیت سننی ہو جاتی ہے۔ اور تمہارے پاس
ہو سکتا ہے کہ اسلحہ موجود ہوں۔ لیکن اس وقت وہ اسلحہ
تمہارے پاس نہیں ہیں۔ اس لیے تم اپنی لاکھ کوشش کے
باوجود دیکھ رہے ہو کہ اس کو گئے۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے
میں یہ بھی بتا دوں کہ اس وقت تمہارے پاس تقریباً سو آدمی
موجود ہیں۔ اور یہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر
ایک لڑنے بھڑکنے کے فن سے پوری طرح واقف ہے۔ لہذا
یہ میری اجازت کے بغیر تمہیں یہاں سے جانے نہیں دیں
گے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے پاس خود
کتوں کی پوری ایک فوج موجود ہے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے
کتے تمہیں تلاش کریں گے۔ اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ تم وہاں
کر دو جو تم سے کہا گیا ہے۔“
”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہمیں دھکی دے رہے ہو؟“
دشمن نے کھری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
”تمہاری مرضی اگر تم اسے دھکی لے ہو تو میں کچھ نہیں
کہہ سکتا۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ تم
اس پر عمل کرو گے۔“

”فرض کرو مگر تمہاری باتیں غلط نکلیں تو اس بلراج
نے سوال کیا تھا۔“
”تو پھر سوچا جائے گا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے
چوہان صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے ہی اور اٹھنے کے
ہونے ہی غلط قریب آگئے۔ وہ ابھی تک اپنے ہاتھوں میں
رہا۔ اور پتوں سے ہونے لگے۔ جن کے رخ ان دونوں
کی طرف تھے۔
”ان دونوں کو ان کے کمروں میں پہنچا دو۔ یہاں نے
ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اور یاد رکھو۔ انہیں اس وقت
تک کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ جب تک میں نہ کہوں
ان کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔“
اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے کے بعد چوہان جس فنان
کے ساتھ کمرے میں آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا گیا۔ دشمنوں
بہت گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس نے
اپنی دونوں ستمیہاں پہنچ رہی تھیں۔ پتوں کو دانتوں سے دبایا
تھا۔ اس کے چہرے سے اس کے غصے کا اندازہ ہو رہا تھا۔
اس دوران چوہان کے آدمیوں نے ان دونوں کو کچھ کھیر لیا
تھا۔ انہیں مختلف کروں پر آمدوں اور غلام گروہوں سے
گزارتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس
کمرے میں پرانی طرز کی سہریاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف
ایک الماری تھی جس کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اس الماری
میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کمرے کے فرش پر قدم طرز
کی ایک قالین بھی پھی ہوئی تھی۔ اس کی ایک دیوار کے ساتھ
ایک بڑی سی کھڑکی تھی جو بند تھی۔ جبکہ دوسری دیوار کے
ساتھ ایک دوسرا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ ان دونوں
کو اس کمرے میں پہنچانے کے بعد باہری دروازہ بند کر دیا
گیا تھا۔
”یہ کیا چلایا ہو گیا ہے؟“ بلراج نے ایک مہری پر
بیٹھے ہوئے کہا۔ ”یہ ہم لوگ کہاں پھنس گئے؟“
”میں خود بھی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔“ دشمن نے دھیرے
سے کہا۔ ”یہاں کا اندازہ دھندہ میری سمجھ میں بھی نہیں
آ رہا ہے۔“
”تم نے خود ڈھیل دی باس۔ ورنہ ہم لوگ لڑ پھر کر یہاں
سے نکل سکتے تھے۔“
”یہ تمہاری خوش فہمی ہے بلراج۔“ دشمن نے کہا۔ ”اس شخص
نے اپنے آدمیوں کے بائیں میں غلط نہیں کہا ہے۔ اس

کے سامنے آدی تربیت یافتہ معلوم ہوتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ یہ سب سابق فوجی ہیں۔ اور ان لوگوں پر آسانی سے قابو نہیں پایا جاسکتا۔ اس کے علاوہ ان کی سرشت میں وفاداری موجود ہوتی ہے۔ جس کے وفادار ہو گئے۔ اس کے لیے اپنی جائیں تک بچھڑ کر سکتے ہیں۔ اکیلے ہی ہم فی الحال کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی باس۔ ہم لوگ چلے گئے کسی اور کام سے۔ اور یہاں آکر بیٹھیں گے۔ آخر ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو بیٹھنا نہیں چاہیے نا۔“

”کیوں۔ اس کوئی کونھوں کو دیکھ لیا جائے۔ بلراج نے کوئی کی طرف اشارہ کیا۔ ہو سکتا ہے کوئی راستہ مل ہی جائے۔“

”مکشش کے دیکھ لو۔“ وشنو مسکرا دیا۔ ”میں جب تک آرام کر لیتا ہوں، بہت تنگ کیا ہوں۔“

”وشنو اتنا کہہ کر دوسری سہری پر لیٹ گیا۔ جبکہ بلراج نے کوئی کھول لی تھی۔ پھر وہ گالیاں دیتا ہوا پیچھے ہٹ آیا۔ اس کوئی میں موٹی موٹی سلاخیں لٹی ہوئی تھیں۔ جن کو کسی طرح بھی کاٹنا یا ٹوڑنا نہیں جاسکتا تھا۔“

”تم نے ٹھیک کہا تھا باس۔“ بلراج نے وشنو کی طرف دیکھا۔ اور یہ دروازہ بھی تو ہے شاید کسی دوسرے کمرے کا ہیڈروم سے کمرے کا نہیں بلکہ غسل خانے کا ہوگا۔ وشنو نے بڑے اطمینان سے لیٹے لیٹے جواب دیا۔ ”تم چاہو تو جا کر دیکھ سکتے ہو۔“

”وشنو کا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا وہ واقعی غسل خانہ تھا۔ اور بلراج کے کہنے کے مطابق غسل خانہ بہت صاف ستھرا اور جدید طرز کا تھا۔“

”یہ سالاجان بھی بہت ادنیٰ چیز معلوم ہوتا ہے باس۔“ بلراج نے کہا۔ ”اس نے تو اس دیر لے میں کئی عمل بنا رکھا ہے۔“

”نجانے یہاں کیا کر رہا ہے۔ اور یہ جگہ ایسی ہے باس کہ کوئی اگر سو سال تک بھی یہاں چھپا رہے تو باہر دلوں کو بتا نہیں چل سکے۔“

”ہاں میں بھی یہی دیکھ کر پریشان ہو گیا ہوں۔ لیکن میرا مزاج تم سے مختلف ہے۔ میں بری لاشیاں یا لاشیں کو اپنے ذہن پر مسلط نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ہوا سے لڑنے لگتا ہوں۔ بلکہ

سب سے پہلے میں اپنے ذہن کو پرسکون کرتا ہوں۔ اور یہی میں تم سے بھی جتنا ہوں کہ تم بھی اپنے آپ کو پرسکون کر لو۔“

پرسکون ہو جانے کے بعد ہی راستے دکھائی دے گئے۔ ذہن کام کرنے لگے گا لہذا اس وقت خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔“

بلراج خاموش ہو کر دوسری سہری پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کمرے میں روشنی کا انتظام بھی تھا۔ اور روشنی کے لیے بلب لگے ہوئے تھے۔ چھت سے ایک دھنگا کچی لٹکا ہوا تھا۔ بلراج نے سہری سے اٹھ کر سوچ دیا تو کمرے میں موجود بلب جل اٹھے اور دھنگا گھومنے لگا۔

”یہ بھی حیرت کی بات ہے باس۔ اس دیر لے میں بجلی کھل سے آئی۔“

”جب یہ لوگ اس دیر لے میں ایک حویلی بنا سکے تو جبر پڑا کا انتظام بھی کیا جاسکتا ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”جبر بہت ہی بار سوج آدی سلیم ہوتا ہے۔ تمھے تو ایسا لگتا کہ اس کے پاس الہ دین کا چرخ ہے جس کی مدد سے اس دیر لے میں بھی گلزار بنائے ہوئے ہو۔“

بلراج نے کچھ گھسا جانا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور الٹی سی دھنگ سے ساتھ تین آدی کمرے میں آئے۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں ایک ٹسہ تھی جس میں کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ جبکہ بقیہ دونوں آدی ہستول ہوا تھے۔ وہ شاید پہلے آدی کی حفاظت کے لیے اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔

”ٹسہ دلتے شخص نے کمرے میں رکھی ہوئی ہیز پر ٹسہ رکھ دی۔“

”اسنے مالک سے کہو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“ وشنو نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ ہم اپنے مالک سے یہ نہیں کہہ سکتے۔“ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

”وہ کیوں؟“ وشنو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا بھائی پیغام بھی نہیں دے سکتے۔“

”نہیں۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔“ اسی آڈا نے شرمیلے میں جواب دیا۔ ”جب سرکار کی مرضی ہوگی وہ خود تم سے مل لیں گے۔ اور ابھی انہوں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا۔“

”وشنو ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بلراج بھی بڑے طرح ہنسی و تباہ کھا کر رہ گیا تھا۔

”تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو دروازے کو کھپ

مٹھا دینا۔“ اسی آڈی نے کہا۔ ”تم آجائیں گے۔“ اس کے وہ تینوں باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اس دروازے کو دوبارہ بند کر دیا گیا تھا۔

”اب کیا کرنا ہے باس۔“ بلراج نے سوالیہ انداز میں وشنو کی طرف دیکھا۔ ”یہ لوگ تو اپنے کندھے پر ہاتھ بھی نہیں رکھتے دیتے۔“

”کچھ نہیں۔ فی الحال تو ہمیں کھانا کھانا ہے۔ اس کے بعد آرام کرنا ہے۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ وقت آنے پر ہمیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ چلو کھانا کھا لو۔ کم سے کم تمھے تو زوروں کی بھوک محسوس ہو رہی ہے۔“

انہوں نے بڑی خاموشی سے کھانا کھا دیا۔ کھانے کے بعد وہ اپنی اپنی سہری پر لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد ان کی پلکیں بولیں ہوئی۔ چلی گئیں اور دونوں گہری غنڈ میں ڈوب گئے۔ دوسری صبح دروازے پر ہونے والی دھنگ نے انہیں

بیدار کر دیا۔ اندازے والے وہی تینوں تھے جو رات کے وقت آئے تھے۔ باس بار بھی ان میں سے ایک نے ٹسہ ہاتھ میں اٹھا رکھی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھ آئے والے دونوں آدی پہلے ہی کی طرح ہستول لے ہوئے اندر آئے تھے۔

”تم لوگ ناشتا کرو۔“ اس کے بعد سرکار نے تمہیں یاد کیا ہے۔“ اسی آڈی نے وشنو سے کہا جس نے رات کو بات کی تھی۔ چلو۔ تمہارے سرکار کو ہمارا خیال تو آیا۔ کیا تم نے ہمارا پیغام دے دیا تھا؟“

”نہیں۔ ہم نے کوئی پیغام نہیں دیا۔ سرکار نے خود ہی بلایا ہے۔“

ناشے سے فارغ ہو کر ان دونوں کو دوبارہ اسی ہال میں پہنچا دیا گیا جہاں چوہان سے ملاقات ہوئی تھی۔ چوہان یہاں بیٹھے سے موجود تھا۔ اس نے سفید رنگ کی دھوئی باندھ رکھی تھی جس پر سفید رنگ کا کراس کی شخصیت کو اور بھی متاثر کن بنا رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔

”تم لوگوں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔“

”قہر دلوں سے بار بار ایسی باتیں نہیں کی جاتیں۔“ بلراج نے تنک کر کہا۔

”تمہارا حق بہت تیز معلوم ہوتا ہے۔“ چوہان مسکرا کر لولا پھرا۔ اس نے وشنو کی طرف دیکھا۔ ”ہمارے آدھیوں نے کل رات تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اور

تمھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے مجھے غلط بہانی سے کام لیا۔“

”وشنو اتنا سننے ہی تن کر بیٹھ گیا۔ اس کے اعصاب میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہی حال بلراج کا تھا۔ بھی صوفے کے کنارے تک آگیا تھا۔ جبکہ اس باس میں موجود چوہان کے مسلح آدی ایک ایک قدم آگے آگے آئے تھے۔

”کیا غلط بیانی کی گئی نہیں ہے؟“ وشنو نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

”یہی کہ تمہارے کسی آدی کی طبیعت خراب نہیں ہوئی تھی۔“ چوہان نے کہا۔ ”تم نے ہمیں یہ بھی نہیں بتایا کہ تم لوگ کسی سستی سے ہو کر آ رہے ہو۔ اور وہاں تم لوگوں نے کیسی داستان سنی ہے۔ تم نے بات بھی چھپائی تھی کہ تم نے ایک

ہوئی کو راستہ دکھانے کے لیے اسے ساتھ لائے تھے۔ اور اس طرف تمہارا لگنا اتفاقاً نہیں تھا بلکہ تم جان لوچہ کر اس طرف آئے تھے۔ تم جس مرگ پر آئے تھے۔ اس پر اسلحہ لگا ہوا تھا۔ اور تم کوئی معمولی آدی نہیں ہو۔ بلکہ تمہارا پورا ایک گینگ ہے۔ جو خطرناک لوگوں پر مشتمل ہے۔ اور تم اس گینگ کے سربراہ ہو۔ اس کے علاوہ تم ایک خاص ہم پر

لگے ہو۔ تمہیں کسی ایسے زخمی کی تلاش ہے جسے کوئی سفید فام اغوا کر کے لے گیا ہے۔ کیوں یہی سب باتیں ہیں نا؟“

”تمہاری معلومات واقعی حیرت انگیز ہیں۔“ وشنو نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھ میں نہیں آتا کہ تم نے میرے بارے میں کہاں سے معلومات حاصل کر لیں؟“

”میں تمہیں اپنی معلومات کے ذرائع نہیں بتا سکتا۔“ چوہان نے کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔ کیوں؟“

”نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری غلط بیانی کے باوجود میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں۔“

”کیا؟“ وشنو نے بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھا۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ تم اس کے آدی نہیں ہو جس کی طرف ہمارا دھیان تھا۔ بلکہ تم کوئی اور ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارے دونوں کا دشمن ایک ہے۔ ہم دونوں کو ایک ہی دشمن سے واسطہ پڑا ہے۔ اسی لیے دونوں ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا“ وشنو نے کہا۔ ”میں کس طرح تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟“

”میں وہی جانتا ہوں۔ سب سے پہلے تم اپنے ذہن سے غلط فہمی دور کر دو کہ میں کوئی بڑا امرارت شخص ہوں یا میرے ہر کون نے اس پوشیدہ مقام پر ہر حوصلی کی غلط مقصد سے تعبیر کی تھی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میرے ہتھکے ایک طویل عرصے سے اس علاقے پر راج کرنے کے ہیں ہم لوگ اس علاقے کے حکمران تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اندرونی اور بیرونی سازشوں کا زہر پھیلنے لگا تھا۔ اس وقت میری کسی رہبابت سے جبر پڑ رہی تھی۔ اس وقت میری ہر کمزوری نے اس محفوظ مقام پر حوصلی اس شخص سے تعبیر کر لی تھی۔ جنگ میں انہیں شکست ہونے لگی تو وہ اپنی غزلیں اور نکل کو بی کر ہمارے آئیں گے۔ کیونکہ وہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں ہر دور دنیا کی نگاہ نہیں ہڑ سکتی۔ خیر یہ بعد سے ہر کون کو اس انداز سے اس عمارت کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن انہوں نے بسے استعمال میں رکھا۔ اس زمانے میں اس علاقے میں شکاری افراط تھی۔ وہ یہاں آکر شکار کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس حوصلی میں ان کا قیام کئی کئی دن تک ہوتا تھا اسی لیے انہوں نے ایسے ضروریات زندگی کی چیزوں سے آگاہ کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محلے باپ دلا نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس میں پریمتاتیں اور اسے اس دور کی موجودہ ہولتوں سے مرتز کد پتائی کے سوا کچھ بھی ہونے کے بعد جب یہ حوصلے میرے قبضے میں آئی تو میں نے اس میں پانی اور بجلی کی فراہمی کا انتظام کیا۔ اس میں اسٹون کے لیے سٹون بنوائے۔ ان کے علاوہ جدید کم کے فریج بھی لگا کر رکھ دیے۔ کتوں کا انتظام کیا۔ یہ میں نے تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ تمہارے ذہن سے یہ صاف ہو جائے کہ میں کوئی ہراساں شخص ہوں اور ہر حوصلی غلط کاموں کے لیے استعمال ہوا کرتی ہے۔“

”تمہاری باتوں نے مجھے مطمئن کر دیا ہے“ وشنو اس کے خاموش ہونے کے بعد بولا۔ لیکن مجھے جس راستے سے یہاں لایا گیا۔ وہ بہت تنگ سا راستہ تھا۔ پھر یہ اتنی بڑی چوٹی کس طرح بنائی گئی اور اتنا سارو سامان یہاں کہاں سے لایا گیا ہے جیسے سب کچھ جادو کے زور سے ہو گیا ہو۔“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، جو ان سکرادیا اور مجھے خوشی ہے کہ تم ایک ذہن انسان ثابت ہو رہے ہو۔ تم

سوال کی کہ دراصل یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ اس حوصلی میں داخل ہونے کا اور کوئی راستہ ہے یا نہیں۔ کیوں ہی بات ہے نا۔“

”ہاں۔ یہی بات ہے۔ وشنو بھی سکرادیا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ تم بھی کم ذہین نہیں معلوم ہوتے۔“

چوہان بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا: ”تمہارا اندازہ درست ہے۔ اس حوصلی میں داخل ہونے کا ایک اور راستہ بھی ہے۔ لیکن وہ راستہ تمہیں نہیں بتایا جائے گا۔ ویسے بھی یہاں موجود بہت کم لوگوں کو اس راستے کا علم ہے۔“

”خیر تم یہ بتاؤ کہ میں کس تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟ وشنو نے پوچھا۔

”دیکھو مجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ تم وہ نہیں ہو جو تم نے خود کو ظاہر کیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان لوگوں میں سے نہیں ہو جنہوں نے اس وادی کے سکون کو تلاش کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ تم ایک طرح ان کے دشمن ہو تمہارا کوئی آدمی شاید ان کے قبضے میں ہے۔ اور تم اسے ان کی قید سے چھڑانا چاہتے ہو۔“

”ہاں۔ کسی حد تک تمہاری بات درست ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”میں ان لوگوں سے الگ ہوں۔ بلکہ میں ان لوگوں کا دشمن بھی ہوں۔ میں اس سلسلے میں ایک غیر ملکی برٹاؤ کا نام لوں گا۔ میری اس سے بہت پرانی دشمنی ہے۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے اور میں اس حساب کو برا بھلا نہ مانتا ہوں اور اس کے علاوہ ایک ایسا شخص بھی اس کے قبضے میں ہے جس کی ضرورت مجھے ہے۔ میں اس زخمی کو اس کی قید سے رہا دلوانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس طرح تم سے میرا دشمن کچھ کم ہو لیکن تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تم کس طرح ان کے چکر میں آئے ہو؟“

”یہ بہت عجیب سی کہانی ہے دوست! جوہان نے ایک گہری سانس لی۔ ”صاف کرنا میں نہیں دوست تمہارا ہوں؟“ کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہو اگر تباہی کے قدموں سے کہ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ہم لوگوں کی رہبابت و دشمن تو ختم ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی ہماری سادھ پر قرار ہے۔ ابھی ہم ایک بہت بڑے علاقے کے جاگیردار ہیں۔ ابھی بھی ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ تم نے ہمارے ملازمین کی تعداد دو ڈھائی لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو اس حوصلی میں ہیں۔ ان کے

علاوہ ہماری جاگیر پر بھی بہت سے لوگ ہیں۔ بہر حال مجھے کئی چیزوں سے ہمارے آدمی غائب ہونے لگے تھے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ ہماری رہبشتانی کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے کوئی بھی ہم سے غیر وفادار نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں دھوکے یا زبردستی سے جلا گیا ہے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر سی وادی میں آنے کے بعد غائب ہوئے تھے۔ جیسے اس وادی نے انہیں نگل لیا ہو۔ میں نے اپنے طور پر اس راز کا پتہ لگانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اس دوران اس وادی سے متعلق بہت سی باتیں گشت کرنے لگیں۔ مثلاً کے طور پر یہاں رات کے وقت عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ بڑے بڑے ٹھکانے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ دیتے ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے ایسے جانوروں کا کوئی وجود تھا۔ یہ علاقہ بہت ہر سکون تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں اس سب کیا ہو رہا ہے۔ لیکن اس راز کی تہ تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اتفاق سے ایک ایسا آدمی میرے ہاتھ لگا گیا جو ان لوگوں کی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ اس نے جو کہانی سنائی وہ بہت حیرت انگیز تھی۔ اس نے بتایا کہ کچھ لوگ اسے دھوکے سے پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور ایک ایسی جگہ پہنچا دیا جو اس کے لیے بالکل اجنبی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہاں انسانوں کو جانوروں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کو پکڑ لیا جاتا ہے۔ ان سے مزدوری کرائی جاتی ہے۔ اور ان لوگوں کا سرغذا ایک غیر ملکی ہے۔“

”یہ وہی برٹاؤ ہو سکتا ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”یہ سارا گورکھ دھندہ اس کا پھیلا ہوا ہے۔“

”تم نے یہ نام دوسری بار لیا ہے۔“ چوہان اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یہی تم اس شخص کو اچھی طرح جانتے ہو؟“

”بہت اچھی طرح۔ میں بتا چکا ہوں کہ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اور میں اس دھوکے کی سزا دینی چاہتا ہوں۔“

”اگر تم مناسب سمجھو تو اس دھوکے کے بارے میں بھی بتا دو۔“ چوہان نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے اس طرح ہمیں صحیح واقعات کو پرکھنے کا موقع مل جائے۔ کچھ اندازہ ہو جائے کہ وہ شخص کیا کر رہا ہے۔ اس کے عزائم کیا ہیں؟“

”کیا فائدہ ہے باس؟“ بلراج اچانک بول پڑا۔ اس کہانی کو دہرائے سے کیا ملے گا۔ تم کو سیدھا سادہ حوالہ

کا دینا گرتی ہے۔ باس؟“

”میں اس کا روائی کے لیے جوہان صاحب کے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہوں۔“ وشنو نے کہا۔ ”ایک سے دو پہلے ہوتے ہیں بلراج۔“

”مٹیک ہے باس؟“ بلراج نے اپنا شانہ اچکا دیا۔ جیسی تمہاری مرضی؟“

”تمہارے اس ساتھی کو شاید مجھ پر منحوس نہیں آ رہا۔“

چوہان بلراج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”اس میں اس کا کچھ کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنے دھوکے کھائے ہیں کہ اسے انسانوں سے وحشت محسوس ہونے لگی ہے۔“ وشنو نے بتایا۔ ”پہلے اگر اس کے ذہن میں تمہاری بات آ جائے تو پھر یہ سب کچھ گزرے گا۔ کو بتا دو جانے گا۔ اس کی فطرت یہی ایسی ہے۔“

”میں یہ سمجھ رہا ہوں، جوہان سکرادیا۔“ ہمارا اس نے بلراج کی طرف دیکھا۔ ”میں تمہارے باس پر زور نہیں دوں گا۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔“

”میں نہیں سمجھتا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو چھپائی جائے۔“ یہ کہانی زیادہ دنوں کی نہیں ہے۔ میں گورکھ سے ہندوستان آ کر ہاتھ کاٹھا ہے۔ گورکھ کے اٹھارے واہن کے سیاسی مطالبات تھے۔ جن کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ بہر حال تو اس طبقے کو فروغ دے جایا گیا۔ جہاں اثر و برکت ہی بڑا اثر و برکت ہی۔ اثر و برکت پر مبنی تھی۔ اس لیے ہر آدمی جس کے ساتھ موجود تھے۔ جہوں نے باقاعدہ حاکم کر دیا۔ جس کے نیچے میں مقامی فوج بھی بلوائی تھی۔ اور اچھی خاصی جنگ کر رہا تھا۔ ہونے والے مسافروں کو اپنے لالے پڑ گئے۔ ان مسافروں میں ایک برٹاؤ بھی تھا۔ میں اور برٹاؤ کسی طرح اپنی جان بچا کر فرار ہوئے۔ باہر نکل آئے۔ جو کہ اس وقت ہم دونوں کا مسئلہ ایک ہی تھا۔ اسی لیے ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ ہاں میں یہ بتانا بھول گیا کہ برٹاؤ نے نانی شہر کے اٹھارے واہن سے گئے تھے۔ پھر وہاں کو کسی وقت مقامی انتقامی بے شہر میں اٹھارے واہن کر دی۔ اٹھارے واہن کے نافرمان ہوتے ہی مقامی باغیوں کے غول کے غول باہر آ گئے اور وہ پورا شہر میدان جنگ کی طرح ہو گیا۔ کسی کو کسی کا دھیان نہیں تھا۔ انہیں اس کی بھی پروا نہیں تھی کہ اس جہان کے مسافروں کے پیر کیا کرتا ہے۔ جب ہم دونوں نے یہ صورتحال دیکھی تو بہت ہی بھلا کسی طرف بھاگ گئے۔ کیونکہ پورا شہر کیوں کی زمین یا ہوا

مقتا کسی طرف سے بھی کوئی لڑائی نہ ہوگی بلکہ کسی بھی قوم
 دونوں اس شہر سے باہر آگئے۔ پھر کچھ ایسے حالات بنے کہ
 ہمیں ایک مقامی قبیلے نے بنا دے دی۔ وہ بہت بڑا اور
 بہت طاقتور قبیلہ تھا۔ اس کی بستی کیا تھی پورا ایک شہر تھا
 جہاں ہر قسم کے وسائل میسر تھے۔ اور اسی بستی سے ہماری
 اس پراسرار سفر کی داستان شروع ہوتی ہے۔ ہم اور ہرنڈ
 اسی بستی میں جا کر ایک دوسرے کے دوست بھی بنے اور
 ایک دوسرے کے دشمن بھی ہو گئے۔
 ”وہ کس طرح؟“ چوہان نے پوچھا۔ وہ اس کہانی میں
 بہت دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔
 ”ہم جس قبیلے میں سنبھے تھے اس کی کہانی بھی بہت حیران
 کن تھی، وہ سننے میں آیا۔ اس قبیلے کا سربراہ ایک ایسا شخص
 ہوا کرتا ہے جسے وہ لوگ کوبرا کا خطاب دیتے ہیں۔ ان کا
 موجودہ کوبرا ہندوستان میں تھا۔ یہ سب انہوں نے ہمیں
 بتایا تھا۔ تو اس موجودہ سربراہ نے اپنی زندگی ہی میں ہندوستان
 کے ایک آدمی کو اس قبیلے کی سربراہی عطا کر دی تھی۔ اس آدمی
 کا نام داور ہے۔ اور وہ ہندوستانی ہی ہے۔ پھر ان لوگوں نے ہم
 دونوں سے یہ استدعا کی کہ ہمارے سربراہ کو کسی طرح ان کے
 قبیلے تک پہنچا دیں۔ اس کے عوض وہ ہمیں اپنی دولت
 دیں گے جس کا ہم نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ ہم نے جب
 ان سے داور کی نشان طلب کی تو انہوں نے بتایا کہ ہندوستان
 کی ایک بستی میں پراسرار دھماکا ہو گا جس کے نتیجے میں وہ
 بستی تباہ ہو جائے گی۔ صرف ایک آدمی زخمی حالت میں ملے
 گا اور وہی داور ہوگا۔
 ”یہ کیا بات ہوئی انہیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ سب
 ہونے والا ہے؟“
 ”یہ سب ان کے وچ ڈاکروں کے کٹھے ہیں، وہ سنوئے
 بنایا۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن جب ان لوگوں نے مجھے
 میرے ماضی کی کچھ ایسی باتیں بتائی جن کا علم سوائے میرے
 اور کسی کو نہیں ہے تو مجھے ان پر یقین کرنا ہی پڑا۔ میری
 طرح ہرنڈ کو بھی اس کا یقین آ گیا تھا۔ ہر دونوں نے ایک
 دوسرے سے معاہدہ کر لیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ دونوں مل کر
 اسے تلاش کرنے اور فریاد پہنچانے کی کوشش کریں گے اس
 کے نتیجے میں جتنی دولت حاصل ہوگی وہ ہم دونوں آپس
 میں تقسیم کر لیں گے۔ اس کے بعد ہم نے واپسی کی راہ اختیار

صرف ایک زخمی ملا ہے جسے علاج کے لیے ہسپتال میں داخل
 کر دیا گیا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ زخمی اس داور کے علاوہ
 کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اس زخمی تک
 پہنچ سکتا۔ ہرنڈ اسے لے لے اور اب مجھے ان دونوں کی تلاش
 ہے۔ داور کی بھی اور ہرنڈ کی بھی۔
 ”یہ عجیب پہنچ دو پہنچ کہانی ہے“ چوہان اس کی طرف
 دیکھتے ہوئے بولا۔ تو ہم ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے ہر
 ملک چلے آئے۔
 ”ہاں۔ یہ عجیب بات ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہرنڈ نے
 یہاں کیا کھانا کھا پھل کھا ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے اگر اس کا
 مقصد صرف داور کو حاصل کرنا تھا تو اس کے لیے وہ لوگوں
 کا اعزاز اور لوگوں کو جانوروں کی کھالیں وغیرہ پہنانے کا کیا
 مقصد ہے؟ یہ معاملہ تو اس نے کچھ اور بھی شروع کر دیا ہے
 اس نے اگر داور کو حاصل کر لیا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ وہ
 داور کو لے کر یہاں سے چلا جاتا۔
 ”تمہاری کہانی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ ہرنڈ کو ہر
 اور ہندوستان سے لیے آیا ہے۔ لیکن تمہاری طرح خود میں
 بھی الجھ گیا ہوں، ہم نے جس آدمی سے اس کے خزانے کی
 داستان سنی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لوگ ادھر ادھر سے
 لوگوں کو پکڑ کر اس سے جبری مزدوری کر لیا کرتے ہیں اگر اس
 کی بات درست ہے تو پھر یہ داور وہی کہانی کہاں فٹ ہوئی
 ہے؟“
 ”میں نے یہ کہانی غلط نہیں سنا ہے۔“
 ”نہیں۔ غلط نہیں سمجھ رہا۔ بلکہ الجھا ہوا ہوں میں نے
 یہاں چاروں طرف اپنے آدمی پھیلادیے ہیں تاکہ یہ دیکھا جائے
 کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس طرح دوسروں کو اغوا کیا کرتے ہیں
 اس کے نتیجے میں کچھ ایسے لوگ سامنے آئے جنہیں جانوروں
 کی کھالیں پہنانا ہی نہیں۔ لیکن ہماری اطلاع کے مطابق وہ
 لوگ سیدھے سادے دیہاتی لوگ ہیں اور ان سے جبراً یہ
 کام لیا جا رہا ہے۔ اور اس کام کی وجہ یہ معلوم ہوئی ہے کہ ان
 طرح دوسرے سیدھے سادے لوگوں کو اس طرف آنے سے
 روکا جا سکے۔ انہیں اس حد تک خوفزدہ کر دیا جائے کہ وہ
 اس طرف نہ آسکیں۔“
 ”بس یہی ایک بات میری سمجھ میں بھی آ رہی ہے۔ وہ
 نے کہا اب ہمیں حالات کا اس وقت تک اندازہ نہیں

ہو سکتا جب تک ہم ہرنڈ اور اس کے آدمیوں پر ہاتھ نہ
 ڈالیں۔ اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اس مقام تک
 پہنچنا ہوگا جہاں ان لوگوں کو جمع کیا جا رہا ہے۔ میں اور میرا
 دوست بڑا اسی مقصد سے اس طرف آئے تھے کہ تمہارے
 آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اور ہمارا کام ادھر رہ گیا۔
 ”چلو اس طرح تمہیں ایک فائدہ یہ ہوا کہ تم اب وہاں
 رہے۔ بلکہ اس ہم میں میں اور میرے ساتھی بھی تمہارے
 ساتھ ہیں۔“
 ”وہ سنوئے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک اسی وقت چوہان
 کا ایک آدمی دوڑتا ہوا آکرے میں چلا آیا۔ اس کی ساتیں
 زور زور سے پھول رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ اس طرح
 لرز رہے تھے جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن اس
 کی زبان اس کا ساتھ نہ دے رہی ہو۔
 ”سرکار ہرکار وہ بھولی ہوئی سانسوں کے درمیان
 بولا۔
 ”پہلے خود کو ہوش میں لاؤ اس کے بعد بتاؤ کیا ہوا
 ہے؟“ چوہان نے غصے سے پوچھا۔
 وہ شخص گڑبڑا کر کہہ گیا پھر دھیرے دھیرے بہت
 سنبھل کر کہنے لگا۔ ناگ بھٹی میں آگ لگ گئی ہے سرکار۔
 ”کہا؟“ چوہان اس طرح اچھل پڑا جیسے اس کے بدن
 میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ ”کیا بگڑا کر رہے ہو۔؟“
 ”میں کہہ رہا ہوں سرکار۔ ناگ بھٹی میں آگ لگ رہی
 ہے۔“
 چوہان نے اس کے بعد دشمنوں اور بڑا کی طرف
 دھیان ہی نہیں دیا۔ وہ دوڑتا ہوا اس ہال سے باہر چلا
 گیا تھا۔ جبکہ یہ دونوں محقق کی طرح کھڑے ہوئے ایک
 دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔
 وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی۔
 اس نے ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی جو ان
 کے متناسب جسم پر بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اس کے گلے
 میں سوئے کا ایک لاکٹ تھا جو دور ہی سے اپنے قیمتی ہونے
 کا اعلان کر رہا تھا۔ اس نے ہر فیوم بھی ایسی لگا رکھی تھی جو
 اس کے برابر سے گزرنے والوں کو معطر کیے دے رہی تھی۔
 اس نے جس وقت سے ہسپتال میں قدم رکھا تھا ان

وقت سے ہسپتال کا بورڈ اسٹاف اس کے ارد گرد گھومتا دکھائی دے رہا تھا۔ ہر شخص کسی نہ کسی بہانے سے اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ ان سمجھوں سے بے نیاز ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی کرنل راجندر کے آگے کانٹھا کر رہی تھی۔

کرنل راجندر جس وقت اپنے کمرے میں پہنچا اسی وقت اسے اس لڑکی کے بارے میں بتلایا گیا تھا جس نے اپنا نام نہ لیا تھا۔

”کہا کام ہے اسے؟“ کرنل راجندر نے اس شخص سے پوچھا جس نے لڑکی کے بارے میں بتایا تھا۔

”اس نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ بہت دیر سے بیٹھ رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ہر حال میں آپ سے مل کر رہی جائے گی۔“

”ہوں۔ مشکبک ہے۔ اسے بھیج دو۔“

وہ لڑکی بچھڑی دیر بعد کرنل راجندر کے کمرے میں موجود تھی۔ کرنل بھی اسے دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا۔

”تشریف رکھیں؟“ اس نے اپنے آپ پر قہر قابو کرتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی اس کا شکر یہ ادا کرتی ہوئی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”بتائیں، میں آپ کی کیا سیدھا کر سکتا ہوں؟“

”مجھے اپنے بھتیجے سریندر لال سے ملنا ہے۔ لڑکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کے بھتیجے! میں نہیں سمجھ رہا۔ کیا وہ اسی ہسپتال میں ہیں؟“

”اس ہسپتال میں تھے لیکن آپ کی غفلت کی وجہ سے وہ دور چلے گئے ہیں۔ اور اس کی ساری ذمہ داری آپ پر ہے۔“

”میں نہیں سمجھ رہا کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”میں اس زخمی کی بات کر رہی ہوں جو آپ کے یہاں زیر علاج تھا۔ اور جسے کچھ لوگ اغوا کر کے لے گئے ہیں۔“

لڑکی نے کہا۔

”کیا ایسا کرنل بری طرح چونک رہا؟ تم کہنا چاہتی ہو؟“

”کہا وہ تمہارا شوہر تھا؟“ اس کا ہوا چانک تبدیل ہو گیا تھا اب اس کے لیے میں نرمی کے بجائے دہشت تھی۔ لیکن اس

لڑکی پر اس کا کوئی اثر نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

”ہاں۔ وہ میرا شوہر تھا۔ لڑکی نے بے خوفی سے جواب دیا۔ اور اسے تم لوگوں نے کہیں غائب کر دیا ہے؟“

”ہوش میں رہ رہا ہے کہ کرنل اچانک برا ہو گیا تھا۔“

”تھکتے تھکتے تھک رہے تھے کہ وہ تھکا ہوا ہو گیا تھا۔“

”کتنے ثبوت چاہیں۔ میں ایک درجن ثبوت دے سکتی ہوں۔“

”اگر وہ تمہارا شوہر تھا تو پھر وہ اس لڑکی کی طرف کیوں گیا تھا؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہ سنا سکتی ہو۔“

”کیوں نہیں؟“ لڑکی نے اپنے ہینڈ بیگ سے اٹھارہ کا ایک شمار لکال کر کرنل کی طرف بڑھا دیا۔ ”لیں اسے پڑھ لیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کس حد تک غلط یا صحیح کہہ رہی ہوں۔“

لیں پڑھ لیں۔“

کرنل نے صفحے سے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے اٹھارہ کا وہ شمار لکال اٹھا۔ جو سریندر لال نامی کسی صفحے پر ایک فیچر شائع ہوا تھا۔ جو سریندر لال نامی کسی آدمی کا لکھا ہوا تھا۔ وہ فیچر گزشتہ کے بارے میں تھا اس میں کئی تصویریں بھی تھیں وہ تصویریں وہاں کے جنگلات اور مختلف قدرتی مناظر کی تھیں۔ یہ وہی بستی تھی جو ایک دھماکے کے نتیجے میں تباہ ہو چکی تھی۔ اس فیچر کا عنوان تھا: ”غیر گزشتہ ایک ایسا علاقہ جہاں بھولوں کا راز ہوتا ہے۔“

”کیا ہے سب؟“ کرنل نے اٹھارہ کے صفحے سے نظریں ہٹا لیں۔ کیا لکھا ہے اس میں؟“

”میں نے کہا نا کہ اس میں آپ کے سوالوں کے جواب ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ آپ اس فیچر کو پڑھ لیں۔ آپ کو خود پتا چل جائے گا۔“

کرنل راجندر نے اس لڑکی کے کہنے پر اس فیچر کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس میں بیگز گزشتہ نامی علاقے کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ اس علاقے میں گزشتہ کئی مہینوں سے عجیب عجیب واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ مقامی لوگوں کے بیان کے مطابق وہاں راتوں کو آتی تھری تھری دکھائی دیتی تھی جیسے کوئی شہر آباد ہو گیا ہو۔ شور و غل کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور تحقیق کے لیے اس طرف جانے والوں کا ہوتا نہیں

چلتا تھا۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں اس علاقے کے بارے میں خبردار کی گئی تھیں۔ پھر ہر کے علاوہ کچھ تصویریں بھی تھیں جو اس علاقے کے مختلف مناظر کی تھیں۔

”مشکبک ہے۔ میں نے یہ فیچر پڑھ لیا۔ کرنل راجندر نے فیچر پڑھ لینے کے بعد اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اس سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟“

”یہ فیچر میرے شوہر سریندر لال نے لکھا تھا۔“

”بتایا۔“

”چلو مان لیا۔ لیکن اس زخمی سے تمہارے شوہر تک کی کہانی کیلئے؟“

”کہانی یہ ہے کہ کرنل صاحب میرے شوہر سریندر لال کے لیے اس طرف گئے اور زخمی حالت میں واپس آئے۔“

”میں نے یہ کبھی مان لیا کہ تمہارے شوہر اس علاقے کی طرف گئے تھے۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ جو زخمی تمہارے یہاں سے غائب ہوا ہے وہ تمہارا شوہر ہی تھا۔ اس کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟“

”یہ جو کوئی شاید نہیں بتاؤ۔“

”اگر اس زخمی کو شناخت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا پورا چہرہ ناقابل شناخت ہے۔“

”یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ کرنل صاحب کل سے پہنچا نہیں جاسکتا ہے۔“

”بتلانا۔“

”اگر کیا مطلب؟“

”کرنل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”بہتر ہے کہ تم صاف بتاؤ۔“

”میرے شوہر اس علاقے میں اکیلے نہیں گئے تھے۔ بلکہ ایک اور آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس آدمی کا نام میرے شوہر نے ہمیشہ بتایا تھا۔ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے۔

”میں نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست ریش کو اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق ریش بہت دیر اور ذرا آگے گئے۔ میرے شوہر گرجہ ایک بار پہلے بھی اس علاقے کی طرف جا چکے تھے۔ اور وہاں سے واپس براہوں نے وہ فیچر لکھا۔ جو آپ نے ابھی پڑھ لیا ہے لیکن اس بیان کا ارادہ جنگل میں دور تک جانے کا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس جنگل میں کچھ ہو رہا ہے۔ وہ انسانوں کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قانون سے بھاگتے ہوئے کچھ لوگوں نے اس علاقے میں اپنا آڈہ قائم کر لیا ہو۔ اور وہ دوسروں کو روکنے کے لیے اس قسم کے شہدے

دکھا رہے ہوں۔ میرے شوہر کا کہنا تھا کہ اس بار وہ اور ریش دونوں مل کر اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کی کوشش کر رہے گئے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی بھی کوشش کی۔ لیکن وہ بہت ہرجوش ہو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ان کی زندگی کا سب سے دلچسپ کارنامہ ہو گا۔ ہر حال ایک دن وہ اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔ ریش بھی ان کے ساتھ تھا۔“

”کیا تم نے اس وقت ریش کو دیکھا تھا؟“

”دیکھتے نہیں۔“

”میں میرے شوہر کا کہنا تھا کہ ریش ان سے اسٹیشن ہی پر مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ میں کیا کہہ سکتی تھی۔ وہ چلے گئے اور میں ان کی واپسی کی راہ دیکھتی رہی۔ شروع شروع میں ان کے کچھ خطوط آئے۔ پھر خط آئے بند ہو گئے۔ میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کہاں جاؤں؟ کس سے پوچھوں؟ کچھ دن اسی طرح پریشانی میں گزار کر گئے۔ پھر ایک صبح دروازے پر دستک ہوئی اور جب میں نے دروازہ کھولا تو ریش دروازے پر موجود تھا۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ریش ہے؟“

”ظاہر ہے کہ اس نے اپنا تعارف کر دیا۔ پھر وہاں پہنچا ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔“ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ کپڑے اس کے جسم پر اس طرح بھول رہے تھے جیسے برسوں پرانے ہوں۔ اس کا پورا چہرہ سوجھا ہوا تھا۔ جگر خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے قبر سے نکل کر آیا ہو۔ اس کی کمروری کا یہ عالم تھا کہ اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا تھا اور وہ جگر اور دروازے کے پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔ میں نے کچھ گلیں سے اسے اٹھا کر اندر لائی۔ میں نے اسے جانے وغیرہ پلوائی۔ کچھ دیر کراہ کر نے کا موقع دیا۔ تاہم جا کر اس کی حالت سمجھنے لگی تھی۔ پھر اس نے اپنی اور میرے شوہر کی کہانی سنائی۔ اسے سن کر میرے اور مان خطا ہو گئے۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں جنگل میں داخل ہونے تک بالکل محفوظ تھے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے غلط فہمی فاصلہ طے کیا، ہو گا کہ انہیں پکڑ لیا گیا وہ کئی آدمی تھے جنہوں نے انہیں پکڑا تھا۔ لوگ چیختے چلاتے رہ گئے لیکن انہوں نے ایک نہیں سنی اور ان دونوں کو ایک زمین

دور کرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ ریش کے کنبے کے مطابق وہ کرہ جنگ ہی کے کسی جتھے میں بنایا گیا۔ پھر اس کے بعد ان دونوں پر لشکر دشوار کر دیا گیا۔ یہ دونوں اپنے بارے میں بتانا چاہتے تھے لیکن ان لوگوں کی عمری اور ان کی بے رحمی کا یہ عالم تھا کہ وہ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ ان ہراساں ایسا لشکر دیکھ گیا کہ ان دونوں کی حالت غبر ہو گئی۔ وہاں کوئی بھی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ دو تین دنوں کے بعد ان دونوں کو اس تہ خانے سے نکال کر ایک کیمپ میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اور بھی بہت سے آدمی جوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ ان دونوں کو اس کیمپ میں الگ الگ مقام پر رکھا گیا تھا لیکن شام کے وقت جب قیدیوں کی حاضری لی جاتی تو یہ دونوں ایک دوسرے سے مل لیتے تھے۔ اسی دوران ریش کو ایک ایسا آدمی مل گیا جو کیمپ سے فرار کا منصوبہ بنا رہا تھا اس کا منصوبہ تقریباً تیار تھا۔ لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ میرا شوہر ان کے اس منصوبے میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کبھی اور تھا میرے شوہر نے جب یہ سنا تو بے جاہ دل مسوس کر رہ گیا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن جلدی کس طرح انہوں نے میرے نام ایک خط لکھ رکھا تھا۔ وہ خط انہوں نے ریش کے حوالے کر دیا کہ وہ اگر اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے تو یہ خط جھنگ پہنچا دے۔ تو ریش وہی خط دیکھنے کے لیے میرے پاس آیا تھا۔ نیلا اساکر کر خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھیں اس وقت بہت اداس ہو گئی تھیں۔

کرل گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس نے میز کی دراز سے سگار کا کس نکال کر اس میں سے ایک سگار منتخب کر کے اسے سلکا یا اور دھبے دھبے کش لیتے ہوئے کرسی سے اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے اس کی بے قراری کا اظہار ہو رہا تھا۔

”یہ تو ہے عجیب کہانی سناؤ!“ کرل نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”وہ ریش کہاں ہے؟“

”میں نہیں جانتی“ نیلا نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ وہ اتنا خوفزدہ تھا جیسے دنیا بھر کی باتیں ان کے تعاقب میں ہیں۔ میں نے اس سے اس کا پتا چھانچا جہاں لیکن اس نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ اس کی کوشش یہی

تھی کہ وہ کسی طرح میرے شوہر کا خط میرے حوالے کرے کہیں بھاگ لے۔ اور اس نے یہی کیا۔ اس نے وہ خط میرے حوالے کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

”اوہ!“ کرل نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ اس کا ٹھکانہ کہاں تھا؟“

”اب ایسی بات بھی نہیں ہے کرل صاحب!“ نیلا نے کہا۔ ”مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا۔ لیکن وہ میں بعد میں بتاؤں گی۔“

”نیلے میں اپنے شوہر کی باتیں کر لوں!“

”جلو بتاؤ تمہارے شوہر کو کیا ہوا؟“ کرل کا اضطراب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ”اور ہاں۔ میرا سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ تمہیں کیسے معلوم کہ وہ زخمی تھا اور شوہری تھا۔ کیونکہ اس میں اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے، ہو سکتا ہے کہ بیٹری ان میں سے کوئی ایک ہو!“

”نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جو خط لکھا ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زخمی سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہو سکتا!“

”اوہ۔ ہو کیا لکھا ہے اس خط میں!“

”یہ لیں۔ آپ خود ہی پڑھ لیں۔“ نیلا نے اپنے میگ سے ایک خط نکال کر کرل کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے فوراً ہی چھٹ لکھا تھا۔ وہ انگریزی میں لکھا ہوا ایک خط تھا جس کے ہر لفظ پر ایک جھٹکے والے لیکن انتہائی عجور انسان کی بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ سر پندر لال نے لکھا تھا۔

نیلا!

بس اتنا ہے کہ کسی طرح زندہ ہوں ہوتا ہے کہ اپنے جھٹکے کرنے والوں کو ہر کی خبریں نہیں بتائی جاتیں۔ لیکن تمہیں اس لے بتاتا ہوں کہ تم ایک حوصلہ مند عورت ہو۔ تم جانتی ہو کہ کس طرح صبر کیا جا سکتا ہے اور کس طرح اپنے آپ کو آئینہ آنے والے وقت کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

تم بھی اپنے آپ کو تیار کر لو میں تمہیں یہ بڑی خبر سن رہا ہوں کہ میں شاید واپس نہ آسکیں۔ کیونکہ حالات نے مجھے اپنے شیخے میں جکڑ لیا ہے۔ بہت مشکل سے خط لکھ رہا

ہوں۔ اپنے دوست کو دے رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ یہ خط تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے یا پھر تم زندگی بھر میری راہ ہی دیکھتی رہ جاؤ۔ تمہیں بہت سی باتیں ریش سے معلوم ہو چکی گی مجھ پرے انتہا شدہ دیکھا جا رہا ہے۔ اور اب مجھے اپنا تصور کا پتا چل گیا ہے۔ میرا قصور ہے کہ میں نے اس علاقے کے بارے میں ایک پتھر تیار کیا تھا۔ اسی کی سزا مجھے دی جا رہی ہے ان لوگوں نے۔ مجھ سے یہ کہا ہے کہ وہ مجھے ہلاک نہیں کریں گے بلکہ بہت بری طرح سزا دیں گے مجھے بری طرح زخمی اور کتہہ کر دیا جائے گا یہ ہے جسے کو اس طرح سزا کر دیا جائے گا کہ شناخت ہی نہ ہو سکے۔ اس کے بعد وہ لوگ مجھے کیمپ سے نکال کر جنگ کی سرحد پر بھیج دیں گے۔ پھر میری قسمت ہوگی کہ کوئی مجھے دیکھے اور میرا علاج ہو سکے۔ یا پھر میں تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا۔ لیکن میرے صحت یاب ہونے کے بعد بھی زندگی میرے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔ کیونکہ میں اتنا بھانک ہو چکا ہوں گا کہ لوگ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ بھگوان تمہاری رکشا کرے۔ اب اجازت دو۔ میں کسی قدر صبر کر لوں گا کہ سن رہا ہوں شاید کوئی اس طرف آ رہا ہے۔

تمہارا سر پندر لال!

کرل نے خط پڑھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے ملنے پر شک میں نمودار ہو گئی تھیں۔ نیلا نے وہ خط دوبارہ اپنے پاس میں رکھ لیا تھا۔

”اب تو واقعی مجھے بھی تمہارے بیان پر یقین ہونے لگا ہے۔“ کرل کچھ دیر بعد بولا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ وہ زخمی سوائے میرے شوہر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“ نیلا نے اس لیے میں پھر کہا۔

”ہاں۔ لیکن ابھی بھی کچھ چیزیں مت یقینی ہونی ہیں مثلاً وہ دھماکا کیوں ہوا؟ کس چیز کا دھماکا تھا؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمہارا شوہر کیوں اغوا کر لیا گیا؟ اس میں

ایسی کون سی خاص بات تھی؟“

”معلوم کرنا تو آپ لوگوں کا فرض ہے کرل۔ یہ نیلا تلخ ہو کر بول رہی تھیں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرا شوہر آپ کے پاس تھا اور آپ نے اسے کہیں گم کر دیا۔“

”ہاں مجھے بھی تمہاری اس برائیت کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھ پر ہاں۔ مجھے یاد رہا ہے۔ تم نے اس ریش کے بارے میں کیا کہا تھا۔ کہنے کے بعد تھا کہ تم اس کے ٹھکانے سے واقف ہو گئی ہو۔ کہاں ہے وہ؟“

”جہاں سے بہت دور!“ نیلا نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ قصہ کچھ دنوں ہے کہ ریش جس وقت میرے شوہر کا خط لے کر میرے پاس آیا تھا۔ اس وقت تو اس نے اسے دیکھ لیا۔ تو کسی میرے مانی کا نام ہے۔ وہ بہت جیسٹ پلڈ قسم کا آدمی ہے۔ نچانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ بجائے میرے پاس آنے کے ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو گیا اور ریش کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ میرے پاس اتنی خستہ حالت میں کون آیا تھا۔ ریش کے باہر نکلتے ہی اس نے تعاقب شروع کر دیا اور بالآخر اس طرح اس نے ریش کا ٹھکانہ دیکھ لیا۔“

”اوہ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی!“ کرل کا اضطراب اپنے ہاتھوں کو ملتا ہوا بولا۔ ”بتاؤ وہ کہاں ہے؟“

”شہر سے کچھ فاصلے پر کھیتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ نیلا نے بتایا۔ ایک طرف ایک خشک تالاب ہے۔ بہت پرانا تالاب کے کنارے ایک پرانا سامان بنا ہوا ہے۔ ریش اسی مکان میں ہے۔“

”کیا تم مجھے وہاں تک لے جا سکتی ہو؟“

نیلا کے چہرے پر ہر پکی ہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ کرل کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔

”اس میں سوچنا کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ریش سے مل کر کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تمہارے شوہر کی کھوج میں مدد دے سکے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر میں تیار ہوں۔“ نیلا نے کہا۔

”جیسے کب چلنا ہو گا؟“

”ابھی اور اسی وقت۔ اس کام میں دیر نہیں کی جا سکتی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آنے والے لمحات میں کیا ہو جائے۔ تم ابھی میرے ساتھ چلو!“

”ٹھیک ہے۔ میں تیل ہوں، نیلا کر سی سے کڑی ہوئی
میں اپنی روح پر یہ بوجھ زیادہ دیر تک برداشت نہیں
کرسکتی“

کرل نے پیش کے ٹھکانے تک جانے کے لیے اپنی
گاڑی کا انتخاب کیا تھا۔ نیلا اس کے برابر بیٹھی تھی جب کہ
ڈرائیونگ سیٹ کرل نے ہی سنبھال لی تھی۔
”کس طرف چلوں؟“ کرل نے گاڑی اسٹارٹ کرنے
ہوئے بوجھا۔

”بس شہر سے باہر نکال لیں“ نیلا نے بتایا ”آگے چل
کر میں راستہ بتاتی جاؤں گی۔“

کرل نے گاڑی ایک جھٹکے سے بڑھا دی۔ اس وقت
اس کا چہرہ انتخاب حس ہو رہا تھا کہ اس پر کسی قسم کے تاثرات
کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ اس کی نگاہیں سامنے کی
طرف جی ہوئی تھیں۔ اور وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا جا
رہا تھا۔

”آپ کو چاہیے تھا کہ آدھوں کو بھی اپنے ساتھ لے
لیتے“ نیلا نے بچہ دہر بعد کہا۔

”وہ کیوں؟“ کرل اس کی طرف دیکھے بغیر غرایا۔
”جائے وہاں کیسے حالات پیش آئیں۔ وہاں کتنے
آدمی ہوں“

”ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تھلا
وہ ہمیش بہت خوفزدہ ہے۔ اور اسی خوف کی وجہ سے
وہ ادھر ادھر جھپٹا بھرتا رہا ہے۔ اسی لیے اس ویران مقام
پر اس کے ساتھ کسی آدمی کے ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا
ہوتا۔ لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اس کا ٹھکانہ کس طرح دیکھ
لیا تھا؟“

”میں اپنے مالی کے ساتھ وہاں تک چلی گئی تھی، نیلا
نے بتایا۔ لیکن میں اس مکان کے قریب نہیں گئی بلکہ
سے دیکھ کر واپس آئی“

”یہ تم نے اچھا کیا۔ اور اب ہم دونوں اس مکان میں
داخل ہوں گے۔ تھلا کام صرف اتنا ہو گا کہ تم اس کے دل
سے خوف کو ختم کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے دیکھ کر وہ بھگ
اٹھے۔ اسی لیے تم اسے قابو میں رکھو گی۔ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے“ نیلا نے گردن ہلا دی۔
اس دوران وہ لوگ شہری حدود سے باہر آچکے تھے

اب سڑک کے دونوں طرف گھٹیوں کے سلسلے شروع ہو
چکے تھے۔

”آگے چل کر ایک کچی راستہ آئے گا“ نیلا نے بتایا یہی
راستہ ہر گاڑی سوزنیے گا۔ کچھ فاصلے پر وہ خشک تالاب
ہے جس کے کنارے وہ مکان بنا ہوا ہے۔“

کرل نے کچھ نہیں کہا۔ وہ گاڑی چلانے میں مصروف
رہا تھا۔ کچھ دور چل کر نیلا کے کہنے کے مطابق وہ کچی راستہ
دکھائی دے گیا۔ اس نے اسی راستے پر گاڑی اٹار دی اس
وقت وہ پورا علاقہ سنسان ہو رہا تھا۔ گھٹیوں میں کام کرنے
ہوئے کسان بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک خشک تالاب دکھائی دے
گیا۔ اور اس تالاب کے کنارے سرخ اینٹوں سے بنا ہوا ایک
پرانا سا مکان دوری سے نظر آ رہا تھا۔ ایک مناسب مقام
پر پہنچ کر کرل نے گاڑی روک دی۔ اور کچی نگاہیں سے مکان
کا جائزہ لینے لگا۔ مکان میں زندگی کے کوئی آثار موجود نہیں تھے صرف
سناٹا تھا۔ اس مکان کا دروازہ کچھل سمٹ تھا۔ البتہ جہاں
اس نے گاڑی روک لی تھی اس رخ پر ایک کھڑکی تھی جو بند
دکھائی دے رہی تھی۔

”چلیں کرل“ نیلا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”ہم ابی منزل تک پہنچ گئے ہیں“

”نہیں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں نے
کہا نا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ کو تمہارے ساتھ دیکھ کر خوفزدہ
ہو جائے۔ اسی لیے تم پہلے اتر کر اسے ذہنی طور پر تیار کر دو۔
مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری بات مان لے گا۔“

کچھ ہی لمحوں کے بعد نیلا گاڑی سے اتر کر مکان کی
طرف بڑھ گئی۔ کرل اسے چلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ نیلا کی
واپسی بہت دیر بعد ہوئی تھی۔ واپسی میں اس کی رفتار
بہت تیز تھی۔ قریب آنے کے بعد اس نے پھوٹی ہوئی
سائیکل کے درمیان بتایا۔

”چلیں کرل۔ رہنمائی موجود ہے۔ میں نے اسے آپ
کے پاس میں سب کچھ بھجوا دیا ہے۔“

کرل گاڑی سے اتر کر اس کے ساتھ ہولیا۔
مکان کے دوسرے رخ پر ایک دروازہ تھا جو اس
وقت پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ سب سے پہلے کرل اس کھلے
ہوئے دروازے سے اندر آیا۔ اس کے بعد نیلا نے قدم رکھا

اور اسی وقت قیامت ٹوٹ پڑی۔ لیکن یہ قیامت نیلا کے
لیے نہیں بلکہ صرف کرل کے لیے تھی۔

وہ ایک بڑا ہال تھا۔

اس ہال میں کئی مچھلیاں لگی ہوئی تھیں جن کی وجہ
سے اس ہال میں قیامت کی پیش گوئی تھی۔ مختلف گروہوں میں
بٹے ہوئے لوگ چھوٹی چھوٹی نشستوں پر کام کر رہے تھے
مٹی عدد میز پر تھیں جن پر وہ مشین لگی ہوئی تھیں میزوں
کے ساتھ ساتھ فرش پر نالوں کے لیے عمائدیکش بھی
رکھے ہوئے تھے۔ اور ان میں کچھ بھر کر انہیں ہیک کہا جا رہا
تھا۔

اس ہال میں ہوا کے گزر کے لیے ادھر کی طرف روشن
دان بنے ہوئے تھے۔ جن میں لمبے کی مٹی کی سلاخیں
لگی ہوئی تھیں۔ اس ہال میں کام کرنے والوں کی تعداد ایک
ساحٹ کے قریب تھی۔ اور ان کی نگرانی کے لیے کچھ لوگ فخر
تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں اسٹین گنیں اٹھا رکھی تھیں
ان کی نگاہیں کام کرنے والوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔
کام کرنے والے بسنے میں ہندے ہوئے تھے۔ ان کے

چہروں ہی سے ان کی زندگی سے بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا
ان کے چہرے تپے ہوئے تھے۔ بدن لالہ ہو چکے تھے اس
کے باوجود وہ کام کیے جا رہے تھے۔ ایک منتقل خوف نے
انہیں مصروف رکھا تھا۔ وہ زندگی کو بھگت رہے تھے اس
زندگی کو جو اس ہال کی جی ہوئی اور کیف فضا میں بہت ہی
بے چارگی کا شکار تھی کبھی کبھی ہال کا دروازہ کھلتا اور کچھ لوگ
اندر آ کر کام کی رفتار کا جائزہ لیتے اور مطمئن ہو کر چلے جاتے
اسی ہال میں ایک ایسا شخص بھی کام کر رہا تھا جو دوسرے
لوگوں کی نسبت بڑی حد تک بر سکون تھا مگر چکر لگنے کی اس
کا بھی حال خراب کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی گرد و غبار
کی تہہ جی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اس کے انداز یہ ظاہر کرتے
تھے کہ ان کی زندگی سے دلچسپی کم نہیں ہوئی۔ وہ جیسے
کے ہنسرے واقف ہے۔ اس کی روش آنکھیں، ہنار ہی
تھیں کہ اس نے ہر قیمت پر زندہ رہنے کا ہتھ بھر رکھا ہے۔
اس نے جو صلہ نہیں ہلا ہے۔ یا اسے آئندہ کہ وہ اس
جہنم سے نکلے میں کامیاب ہو جائے گا۔

کچھ دیر بعد ہال کا دروازہ کھلا اور ایک قوی برکا آدمی
داخل ہوا۔ ہال میں موجود دوسرے نگران اسے
دیکھ کر مودب ہوئے تھے۔ لیکن وہ کسی کی طرف دھیان دینے
بغیر اس آدمی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا جس کے چہرے سے
ابھی تک زندگی کی توانائی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے
ایک نظر اس قوی شکل شخص کی طرف دیکھا پھر اپنے کام
میں مصروف ہو گیا اس طرح جیسے اس کے نزدیک صرف
بے کام کی اذیت ہو۔ وہ قوی شکل گہری نگاہوں سے ان
کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔
”ہوں“ قوی شکل نے ہنکاری لی۔ ابھی تک تم میں
دم ختم باقی ہے۔ کیوں؟“
وہ میں جانا ہوں کہ میں تم لوگوں کی مجبوری ہوں۔ اس
آدمی نے اپنا ہاتھ روک کر قوی شکل کی طرف دیکھا۔ اسی لیے
مجھے آئندہ کے میں تمہارے اس جہنم سے نکلنے میں کامیاب
ہو جاؤں گا۔ تم لوگ زیادہ دیر تک مجھے یہاں نہیں روک
سکتے۔“
”اگر میرے بس میں ہوتا تو تمہاری یہ قید زندگی بھر کی
بھی ہو سکتی تھی۔“ قوی شکل غرا۔ ”لیکن کیا کروں؟“
اس آدمی کے ہونٹوں پر بڑی پرسکون سکرات پرگ
آئی تھی۔
”چلو تمہیں باس یاد کر رہا ہے۔“
وہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ جوا کر ایک طرف ہٹ گیا
مجھے معلوم تھا کہ یہ موقع جلد ہی آنے والا ہو گا۔
”بہتر ہے تم خاموش رہو۔ ورنہ میں باس کے حکم کی
بروا نہیں کروں گا۔“ قوی شکل نے کہا۔
”چلو۔ یہ بات بھی اگر تمہارے باس کو بتا دی جائے
تو کیا رہے؟“
قوی شکل جزم ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں شعلہ بن گئیں
تھیں وہ اس طرح اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے
اسے پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا ہو۔ پھر اس نے اپنے آپ کو قابو
پاتے ہوئے اس آدمی کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور وہ
دونوں ہال سے باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گئے
اس آدمی کو قوی شکل کے ساتھ جانا ہوا دیکھ کر کام کرنے والے
آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے لیکن جب ان کی نگرانی کرنے
والوں نے اپنی اپنی اسٹین گن کے دسے کو تھپ مٹھایا تو
یہ سرگوشیاں اس طرح دم توڑ گئیں جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ

ہو۔ وہ بھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ہال سے باہر آ گئے جہاں ایک گیلری تھی اور گیلری میں کلاں کھا رہا تھا۔ گیلری کے آخر میں ایک ریمز تھا جس کے بیچے دو عدد سٹج فڈ کھڑے تھے قوی ہیکل کو دیکھ کر وہ دونوں ہی ادا ہو گئے۔ قوی ہیکل ان کی طرف دھیان دے بغیر ریمز طے کرنے لگا۔ وہ آدنی اس کے پیچھے چلے جا رہا تھا۔

ریمز طے کرنے کے بعد وہ دونوں اوپر آ گئے یہاں بھی دو میز فڈ موجود تھے۔ اور سامنے ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ جس کے باہر دو عدد دروازے اور ایک جیب کھڑی تھی۔ جیب اور دروازوں کے آس پاس بھی کچھ لوگ موجود تھے قوی ہیکل نے جلتے جلتے رک کر اس آدنی کی طرف دیکھا اور درشت لہجے میں بولا۔

”میں تم سے پھر کب رہا ہوں سادون اگر میرا کبھی تم پر بس چلا تو تم اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں رہ سکو گے“

”میرا بورا نام سادون نہیں سادون کا رہتا ہے“ اس آدنی نے سر کراتے ہوئے جواب دیا اور تمہاری اطلاع کے لیے میں یہ بتا دوں کہ میں تم سے بہت خوفزدہ رہتا ہوں کیونکہ تم یہاں کے باس کے دائیں ہاتھ ہو۔ جبکہ میری حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لیے تمہارا اس طرح مجھے دھمکیاں دینا اچھا نہیں لگا۔ یہ تمہاری حیثیت سے بہت کم ہے نہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے“

قوی ہیکل حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھلا بھرا اس طرح جلدی سے بند کر لیا جیسے عین وقت پر اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

وہ دونوں اس عمارت کے پاس آ گئے جہاں کچھ لوگ پہلے سے کھڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پھر قوی ہیکل کی طرف دیکھ کر گردن ہلا دی قوی ہیکل سادون کو لپٹے ساتھ اس عمارت میں لے آیا کئی کدوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک دروازے کے پاس آ کر رک گئے کدے سے کسی عورت اور مرد کے بولنے کی آواز سن آئی تھی قوی ہیکل نے آگے بڑھ کر دروازے پر پہلے سے درخت دی جس کے جواب میں اندر سے غراں ہوئی آواز آئی۔

”آگاہ۔ دروازہ کھلا ہے“

قوی ہیکل نے دروازے کو دھکا دیا اور سادون کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ سادون بڑے اطمینان سے کدے میں داخل ہو گیا۔ یہ کدہ جنگ کے طہرہ استعمال میں آنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اس میں صوفے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک جانب ایک میز تھی۔ میز کے برابر کب لورڈ ڈیانا تھا۔ اس وقت اس کدے میں ایک غیر ملکی موجود تھا جس کے سامنے والے صوفے پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ عورت بھی غیر ملکی ہی تھی۔ لیکن اس نے مقامی لباس پہن رکھا تھا۔

”میں سادون کو لے آیا ہوں باس“ قوی ہیکل نے اس غیر ملکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ“ قوی ہیکل نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

قوی ہیکل سادون کو کنبہ توڑ لگا ہوں سے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔ سادون کے اطمینان میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”بیٹہ جاؤ سادون“ غیر ملکی نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا میں اس جہرانی کی وجہ بالوچر سکتا ہوں؟“ سادون نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم اس حال میں صرف اپنی ضد سے سنبھے ہو بغیر ملکی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ درہم قویہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ مل کر کام کرو۔ ہمارا ساتھ دو۔ کیوں رہنا؟ اس نے عورت کی طرف دیکھا۔

”اور کیا؟“ عورت نے بھی جلدی سے لپٹی گردن ہلا دی ہم اس کے دشمن نہیں ہیں“

”تو پھر یہ کہاں کی دوستی ہے کہ تم نے مجھے قید کر لیا مجھے جھٹوں پر کام کرنے کے لیے چھوڑ دیا تاکہ میں وہاں جنم کے عذاب سے گزرنے کا تجربہ حاصل کر سکیں؟“ قوی ہیکل نے بولا۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو“ غیر ملکی جلدی سے بولا۔ ”ہم نے اس لیے کیا تھا کہ تم نے ضد کر لی تھی۔ تم ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے“

”تو پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آج تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں؟“

”مجھے یقین تو نہیں ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس دوران

نے اپنی ضد ترک کر دی ہو“ سادون مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسخی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”خیر۔ یہ بتاؤ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ اس نے لہجہ دہر لہجہ بولا۔

”یہ ہونی ناہم کی بات۔ یہ بتاؤ کچھ پینا لہزہ کرو گے؟“ سادون نے کوئی جواب نہیں دیا غیر ملکی نے ریشا کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر اٹھلائی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا انڈروو سوخ استعمال کرو“ غیر ملکی نے کہا۔ ”ہم دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں“

”تم بھی کسی باتیں کرتے ہو؟“ سادون زہر بھرے لہجے میں بولا۔ ”ایسا شخص جسے آئی آسانی کے ساتھ قید کر لیا جائے بھلا انڈروو سوخ والا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو ایک معمولی کھلوا ہوں۔ جسے تم بڑی آسانی سے اٹھا کر لے آئے ہو اور جسے تم نے اس کے ماضی سے اس کے دلوں سے لائق کر دیا ہے“

”نہیں سادون ابھی بھی کچھ نہیں جانتا“ غیر ملکی جلدی سے بولا۔ ”وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو“

”یہ بات مجھے معلوم ہے کہ وقت میرے ہاتھ میں ہے“ سادون نے کہا۔ ”اس لیے تمہارے قیدیوں میں سب سے زیادہ مطمئن انسان میں ہی تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم دوسرے مارکر چلو۔ میری دشمنی سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“

”اسی لیے تو میں نے بلایا ہے نہیں؟“ غیر ملکی جلدی سے کہا۔ ”میں تمہاری لامحبت سے واقف ہوں۔ بس تم میرا ساتھ دو“

”ٹھیک ہے“ سادون نے گردن ہلا دی۔ ”لیکن میری شرط اپنی جگہ قائم ہے“

”چلو تم اس مسئلے پر بھی متوجہ لیتے ہیں؟“ غیر ملکی نے کہا۔ ”آج رات تم بھی سو کر لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری شرط میں کچھ پیدا ہو جائے۔ دوسری طرف میں بھی صلاح و مشورہ کر لیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم صبح ہونے تک کسی نتیجے تک پہنچ ہی جائیں“

”تو پھر مجھے اجازت دو“ سادون کھڑا ہو گیا۔ ”میرا خیال ہے کہ آج رات اور اس صبح میں میں گزارنی ہوئی“

”نہیں نہیں۔ تمہارے لیے ایک کمرہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تم اب اس کمرے میں رہو گے“

”تو پھر مجھے اس کمرے سے ایک پہنچا دیا جائے۔ میں بہت تنگ کیا ہوں“

”ابھی نہیں۔ ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوا ہوں“ سادون نے کہا۔ ”اور ویسے بھی اتنے دلوں سے تمہارے پاس ہوں کہ ایسی چیزوں کا ڈالو جنہوں ہی گیا ہوں۔ اس لیے فی الحال اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری پہلیا کل پھر ختم ہو جائیں۔ اس وقت کیا کروں گا؟“

اس وقت ریشا ایک شرے میں مشروب کی ایک بوتل ادا کر لے آئی تھی۔ اس نے شرے لاکر میز پر رکھ دی۔

”نہیں۔ مجھے مدت دینا“ سادون نے ریشا کو منع کر دیا۔ ”ورنہ عادتیں خراب ہو جائیں گی۔“ اتنا کہہ کر اس نے غیر ملکی کی طرف دیکھا۔ ”ہاں۔ تو میرے رہنے کا بند و بست کہاں کیا ہے تم نے؟“

غیر ملکی صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ ”تم آؤ میرے ساتھ ہیں تمہیں چھوڑنا ہوں“

ریشا کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا کہ اس نے بڑی مضبوطی سے اپنے ہونٹوں کو جھنجھک رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے پر ماری تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ غیر ملکی اسی وقت سادون کو اپنے کمرے سے باہر لے گیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد ریشا نے ایک گلاس میں اپنے لیے مشروب انڈرلڈ اور دھیرے دھیرے چمکیاں لینے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے اعصاب پر سکون ہو گئے تھے۔

غیر ملکی بھی کچھ دیر بعد اس کمرے میں واپس آ گیا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ ریشا غیر ملکی کو دیکھتے ہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں نہیں آتا کہ تم اس شخص کی خوشامد کیوں کر رہے ہو؟ تم نے دیکھا نہیں کہ کتنا مغرور آدنی ہے۔ اگر وہ کسی دن ڈانٹ کے تجھے چھوڑ دیا تو وہ اسے پس کر رکھ دے گا“

”تم لوگ نہیں سمجھتی ریشا، غیر ملکی نے اپنے لیے گلاس میں مشروب انڈرلڈ ہونے کہا۔ مجھے خود ہی یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص ہمارے لیے اس قدر اہم ثابت ہوگا۔ میں یہ تو جانتا تھا کہ یہ آدنی کام کا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی اتنی لامحبت ہے“

”نہیں نہیں۔ تمہارے لیے ایک کمرہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تم اب اس کمرے میں رہو گے“

”تو پھر مجھے اس کمرے سے ایک پہنچا دیا جائے۔ میں بہت تنگ کیا ہوں“

”ابھی نہیں۔ ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوا ہوں“ سادون نے کہا۔ ”اور ویسے بھی اتنے دلوں سے تمہارے پاس ہوں کہ ایسی چیزوں کا ڈالو جنہوں ہی گیا ہوں۔ اس لیے فی الحال اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری پہلیا کل پھر ختم ہو جائیں۔ اس وقت کیا کروں گا؟“

اس وقت ریشا ایک شرے میں مشروب کی ایک بوتل ادا کر لے آئی تھی۔ اس نے شرے لاکر میز پر رکھ دی۔

”نہیں۔ مجھے مدت دینا“ سادون نے ریشا کو منع کر دیا۔ ”ورنہ عادتیں خراب ہو جائیں گی۔“ اتنا کہہ کر اس نے غیر ملکی کی طرف دیکھا۔ ”ہاں۔ تو میرے رہنے کا بند و بست کہاں کیا ہے تم نے؟“

غیر ملکی صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ ”تم آؤ میرے ساتھ ہیں تمہیں چھوڑنا ہوں“

ریشا کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا کہ اس نے بڑی مضبوطی سے اپنے ہونٹوں کو جھنجھک رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے پر ماری تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ غیر ملکی اسی وقت سادون کو اپنے کمرے سے باہر لے گیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد ریشا نے ایک گلاس میں اپنے لیے مشروب انڈرلڈ اور دھیرے دھیرے چمکیاں لینے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے اعصاب پر سکون ہو گئے تھے۔

غیر ملکی بھی کچھ دیر بعد اس کمرے میں واپس آ گیا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ ریشا غیر ملکی کو دیکھتے ہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں نہیں آتا کہ تم اس شخص کی خوشامد کیوں کر رہے ہو؟ تم نے دیکھا نہیں کہ کتنا مغرور آدنی ہے۔ اگر وہ کسی دن ڈانٹ کے تجھے چھوڑ دیا تو وہ اسے پس کر رکھ دے گا“

”تم لوگ نہیں سمجھتی ریشا، غیر ملکی نے اپنے لیے گلاس میں مشروب انڈرلڈ ہونے کہا۔ مجھے خود ہی یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص ہمارے لیے اس قدر اہم ثابت ہوگا۔ میں یہ تو جانتا تھا کہ یہ آدنی کام کا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی اتنی لامحبت ہے“

”تو پھر مجھے اجازت دو“ سادون کھڑا ہو گیا۔ ”میرا خیال ہے کہ آج رات اور اس صبح میں میں گزارنی ہوئی“

”نہیں نہیں۔ تمہارے لیے ایک کمرہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تم اب اس کمرے میں رہو گے“

”تو پھر مجھے اس کمرے سے ایک پہنچا دیا جائے۔ میں بہت تنگ کیا ہوں“

”ابھی نہیں۔ ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوا ہوں“ سادون نے کہا۔ ”اور ویسے بھی اتنے دلوں سے تمہارے پاس ہوں کہ ایسی چیزوں کا ڈالو جنہوں ہی گیا ہوں۔ اس لیے فی الحال اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری پہلیا کل پھر ختم ہو جائیں۔ اس وقت کیا کروں گا؟“

اس وقت ریشا ایک شرے میں مشروب کی ایک بوتل ادا کر لے آئی تھی۔ اس نے شرے لاکر میز پر رکھ دی۔

”نہیں۔ مجھے مدت دینا“ سادون نے ریشا کو منع کر دیا۔ ”ورنہ عادتیں خراب ہو جائیں گی۔“ اتنا کہہ کر اس نے غیر ملکی کی طرف دیکھا۔ ”ہاں۔ تو میرے رہنے کا بند و بست کہاں کیا ہے تم نے؟“

غیر ملکی صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ ”تم آؤ میرے ساتھ ہیں تمہیں چھوڑنا ہوں“

ریشا کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا کہ اس نے بڑی مضبوطی سے اپنے ہونٹوں کو جھنجھک رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے پر ماری تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ غیر ملکی اسی وقت سادون کو اپنے کمرے سے باہر لے گیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد ریشا نے ایک گلاس میں اپنے لیے مشروب انڈرلڈ اور دھیرے دھیرے چمکیاں لینے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے اعصاب پر سکون ہو گئے تھے۔

غیر ملکی بھی کچھ دیر بعد اس کمرے میں واپس آ گیا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ ریشا غیر ملکی کو دیکھتے ہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں نہیں آتا کہ تم اس شخص کی خوشامد کیوں کر رہے ہو؟ تم نے دیکھا نہیں کہ کتنا مغرور آدنی ہے۔ اگر وہ کسی دن ڈانٹ کے تجھے چھوڑ دیا تو وہ اسے پس کر رکھ دے گا“

”کیا اہمیت ہے اس کی؟“ ٹرٹل نے تنک کر پوچھا۔
 ”تمہیں تو معلوم ہی ہے ریتا کہ ہم لوگ یہاں کس قسم کا مال تیار کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے سارے وسائل اس فیکٹری کو قائم کرنے میں صرف کر دیے ہیں۔ جو دن رات ابھرنے والی فیکٹری جس اور کوئین تیار کرنے میں لگی رہتی ہے۔ یہ فیکٹری کتنی منفعت بخش ہے۔ اس کا تمہیں بخوبی اندازہ ہو گا۔ آج پوری دنیا منشیات کی پیدائش میں ہے۔ وہ جگہ جہاں جلدی دنیا میں رائج ہے۔ کروڑوں اربوں ڈالر کے سودے دن رات ہو کر رہے ہیں۔ لیکن صرف فیکٹری قائم کر لینا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مال کی تیاری اگر اہم ہے تو اس سے زیادہ اہمیت مال کی کھیت ہے سمجھیں۔“
 ”یہ تو سمجھ گئی۔ لیکن اس سلسلے میں بیساون کس کام آسکتا ہے؟“
 ”سادوں کی حیثیت میگنا قبیلے کے سردار جیسی ہے۔“
 ”وکرٹل نے بتایا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قبیلہ سرحد کے پاس آباد ہے۔ اور یہ قبیلہ اگر تعاون کرے تو ہم اہل محلہ کے بار بھی جاسکتا ہے۔ اور اس قبیلے کے تعاون کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سادوں کو اپنے اختیار میں لے لیا جائے۔ پھر راضی ہو کر یا پھر اپنا مال بڑی آسانی کے ساتھ سرحد کے پار بھیج سکتے ہیں۔ جہاں ہمارے گالک موجود ہیں اور وہ بڑی سے بڑی رقم کے عوض ہمارے مال کی خریداری کو تیار رہتے ہیں۔“
 ”کیا یہ بات تمہیں پہلے سے نہیں معلوم تھی کہ سادوں کی حیثیت کیا ہے۔؟“
 ”معلوم تھی۔“ وکرٹل نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”لیکن اس وقت ہم نے یہ سمجھا تھا کہ ہم سادوں کو لالچ دے کر اپنی طرف کر سکتے ہیں۔ ہم نے اس کو لالچ دیا۔ لیکن یہ ہماری باؤں میں نہیں آیا۔ یہ انکار کرنا تھا۔ پھر ہم نے سوچا کہ اس کو قتل کر لیا جائے تاکہ یہ جہر اور تشدد کے لیے ہمارا ساتھ دینے پر راضی ہو جائے۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکا۔ یہ شخص اس کے بعد بھی جھکنے پر راضی نہیں ہوا۔ دوسری طرف ہمارا یہ بھی خیال تھا کہ اگر ہم نے سادوں کی غلامی موجودگی میں ان میگنا قبیلے کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا تو وہ لوگ سادوں کی بدولت اپنے گھرمائے ساتھ ہو جائیں گے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ دولت کا لالچ بھی انہیں عملدہ ساتھ دینے پر راضی نہیں کر سکا۔ جو ہر کوئی ہم نے

پھر سادوں سے رجوع کیا اور اب وہ بڑی حد تک نرم ہو چکا ہے۔ وہ ہمارا ساتھ دینے کے لیے کسی حد تک تیار ہے۔“
 ”لیکن تم لوگوں نے انسانوں کو جانوروں کی کھالیں پہنا کر سرحد سے پار بھیجنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کا کیا ہوا؟“
 ”ریتا نے پوچھا۔“
 ”وہ ایک اعتقاد منسوب تھا۔ وکرٹل نے ہراساں نہ بنایا۔“
 ”میں نے برتاؤ دے گا کہ کیا تھا۔ یہ بے وقوفی ورت کر دیا۔ کل کے دور میں ایسی ایسی چیزیں نہیں جلتیں۔ لیکن اس پر تو عامی سادیوں کا بھوت سوار تھا۔ وہ اپنی ضد بڑا کر رہا تھا کہ اس نے کہا کہ اس کی بیوی پیدا ہوئی کہ اس کا منصوبہ ناکام ہو جائے۔ سرحد پر تعینات محافظان انسانوں کو جانور سمجھ کر اس سے باز پرس نہیں کر سکتے تھے۔ اور اس طرح یہ لوگ محفوظ رہتے تھے۔ ان کے بارے میں کچھ پتا چل گیا کہ اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ لیکن ہوا کیا ہے۔ یہ منصوبہ کس بڑی طرح ناکام ہوا۔ کھلا کون اتنی کسی انسان کو جانور کی کھال پہنے دیکھ کر کچھ نہیں جانتے گا۔ چار پانچ آدمی جب گولیوں سے مر گئے تو پھر برتاؤ کو ہوش آگیا۔ اور اس نے یہ کارروائی ترک کر دی۔“
 ”لیکن جہاں تک میں سمجھتی ہوں وکرٹل کہ تم بھی ایک حماقت ہی کر رہے ہو۔“ ریتا نے کہا۔
 ”وہ کس طرح؟“ وکرٹل نے چوک کر اس کی طرف دیکھا۔ ہاتھ کیسی حماقت کر رہا ہوں؟“
 ”تم جو سوچو کہ ہم سادوں تک تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تمہارا جبر و تشدد بھی اسے اس بات پر راضی نہیں کر سکا تھا۔ لالچ بھی اس کے کام نہیں آیا پھر اچانک اس نے اپنے ارادہ کیوں بدل دیا؟ اس کے مزاج میں یہ تبدیلی کہاں سے آئی۔؟“
 ”اوہ۔“ وکرٹل نے اپنے ہونٹ مسکرائے۔ ”میں تو اس طرف دھیان ہی نہیں دے رہا تھا۔ تم نے بہت اچھی بات کی ہے۔ ریتا۔ واقعی۔ سادوں کا اس طرح اچانک بدل جانا حیرت کی بات ہے۔ آخر اس نے اپنا ارادہ کیوں بدل دیا۔ ان دنوں ہم اس پر کوئی سوچتی بھی نہیں کر رہے تھے۔ اس کے باوجود۔“
 ”تو تمہیں اس بات کا پتا چلنا چاہیے تھا۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس پر بھروسہ کر لو۔ اور وہ تمہیں نقصان پہنچا جائے۔“
 ”اب اس کے دل میں جھانک کر کس طرح دیکھیں؟ میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ شاید وہ ہمارے ساتھ تعاون پر راضی ہو گیا

”ہے۔“ اگر تم اجازت دو تو میں اس سے برازاں اٹھا سکتی ہوں۔“
 ”ریتا نے کہا۔“
 ”تم؟“ وکرٹل حیرت زدہ تھا۔ ”وہ کس طرح؟ تم اس سے کس طرح معلوم کر لو گی۔؟“
 ”تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس میں بڑی قوت ہو اگر کرتی ہے۔ ذرا سی ادائیگیں۔ ذرا سی باتیں اور انسان سو مگر طرح چکھتا جاتا ہے۔“
 ”ہوں۔“ وکرٹل نے ریتا کی طرف دیکھتے ہوئے ہنکاری کی۔ ”تم شاید یہ ٹھیک سمجھتی ہو۔ لیکن وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے۔ میگنا قبیلے کا سردار ہونے کے باوجود اس نے شہر میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لوگوں سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ پانچ کے ساتھ کیسا رو بہ رکھا جاسکتا ہے۔ اسی لیے ہوسکتا ہے کہ تم اسے قتل کر کے میں ناکام ہو جاؤ۔“
 ”یہ بڑے دلیبری ہے۔“ ریتا نے کہا۔ ”تم بہت بھجہ ہو چھوڑ دو۔ تم دیکھ لیتا میں کس طرح اسے بے دام غلام بنا کر رکھ دوں گی۔“
 ”تمہیک ہے۔“ وکرٹل اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ”میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ میرے لیے بہت اچھا ہو گا۔ میں تو خود ہی چاہتا تھا کہ ایسا کوئی راستہ نکل آئے۔“
 ”تو میں جلی۔“ ریتا صوفے سے کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ”آپ تم دیکھتے رہنا کہ کیا انقلاب برپا ہوتا ہے۔“
 ”جاؤ۔ میں نے اسے آخری کرے میں بھرا لیا ہے۔“
 ”وکرٹل نے بتایا کہ باہر دو آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔“
 ”اگر تم اسے اعتقاد میں لینا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی نگرانی ختم کرنی ہوگی۔“ ریتا نے کہا۔ ”وہ میرے لیے بہت دشواریاں ہو جائیں گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھ پر بھی اعتقاد دے کرے۔“
 ”ہاں۔“ وکرٹل نے ہر خیال انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔ ”تمہارا ہوشوہ بھی درست ہے۔ تم جاؤ۔ میں اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دیتا ہوں۔“
 ”ریتا جس وقت آخری کرے میں پہنچی اس وقت سادوں سوئے کی تیاری کر رہا تھا۔ ریتا دوڑا نہ ہو سکا۔ ہر گھبراہٹ سے وکرٹل نے اپنے کے بعد کرے میں داخل ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر سادوں کی

”تمہیں ایک لمحے کے لیے چکیں۔ کچھ کہنے کے لیے اس نے اپنے ہونٹ کھولے پھر اس نے خود بخود بولنا پڑا۔ وہ اب حیرت کی بجائے بڑی دلچسپی سے ریتا کو دیکھ رہا تھا۔“
 ”کیا مجھے دیکھ کر حیران نہیں ہوئے۔؟“ ٹرٹل نے بڑی رسائیت سے بول چھا۔
 ”میں نے حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔“ سادوں نے خشک ہنچے میں کہا۔ ”تم یہ بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا کام پڑ گیا۔“
 ”میں تمہارے لیے آزادی کی نوید سن کر آئی ہوں۔“
 ”لیکن مجھے ایسی کسی نوید کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”یہ کیا کہہ رہے ہو۔؟“ کیا تم آزاد ہونا نہیں چاہتے کیا اپنے لوگوں میں واپس جانا نہیں چاہتے؟“
 ”میں نہیں جانتا۔ لیکن کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اس کے لیے میں کسی عورت کی مدد قبول کروں گا۔ میں آزاد ہو رہا ہوں۔ اور تمہارے سامنے اس سلسلے میں تمہارے وکرٹل سے بات بھی ہو چکی ہے۔ اب تم کہہ دیجئے میرے پاس آئی ہو۔؟“
 ”میں جانتی ہوں کہ تم لوگ عورتوں کی مدد نہیں لیا کرتے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم وکرٹل سے کیسا معاہدہ کر رہے ہو۔ تم اس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو گئے ہو۔ لیکن میری اس پیش کش کا وکرٹل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“
 ”کیا یہ سادوں اس بار حیران ہوا تھا؟“ یہ کیا کہہ رہی ہو کیا تم کچھ اور کہنے آئی ہو۔؟“
 ”ہاں۔ میں صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ جب تمہیں آزادی مل جائے تو میری آزادی کی بھی کوٹیشن کر لینا۔ حالانکہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے فوجیاً اجنبی ہیں لیکن شاید تمہارے دل میں کسی جبر و عورت کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود ہو۔“
 ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟“ سادوں نے پوچھا۔ ”تم اور مجھ کو میرا خیال ہے کہ یہ کوئی نیا حال ہے جو وکرٹل تمہاری مدد سے مجھ پر ڈالنے کی کوٹیشن کر رہا ہے۔“
 ”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تم سے رنج و کدوری ہوں۔ تم میرے بارے میں کہا تھا تو اب یہی ناگ میں وکرٹل کی غیو ہوں اور اس کا دل ہملانے کے لیے اس کے ساتھ رہتی ہوں ان سے زیادہ تم میرے بارے میں اور کچھ نہیں جانتے نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اکی وکرٹل ہوں جو زبردستی کی ہو

حالات نے مجھے اس کے قریب رہنے پر مجبور کر دیا ہے اگر میرے بس میں ہو تو میں ابھی اور سی وقت سب کچھ آگ لگا کر یہاں سے چلی جاؤں۔

”مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا ہے، ساون نے کہا میں نے وہ دیکھ لیا ہے کہ اس کے ہر کام میں تہمدی مرضی شامل رہتی ہے۔ یہاں کا بظاہر وہی مالک ہے، لیکن اسے فعال رکھنے والی تم ہو۔ وہ تم ہی سے توانائی حاصل کرتا ہے۔ تم اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہو۔ میں نے خودی میں جھوٹوں کے حال پر سنیے ہوئے دیکھا ہے اور اب خود کو مجبور بہ رہی ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”بہت آسانی سے۔“ ریشا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”جبوریوں کے کئی روپ ہوا کرتے ہیں ساون۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ جو عورت اپنے چہرے پر غاڑہ کر کے تماشا خانے کے لیے مسکرا رہی ہو۔ تو اس کی اس مسکراہٹ کے پیچھے کتنے درد چھپے ہوتے ہیں۔ تم لوگ تو ظاہری بالوں کی طرف دھیان دیتے ہو صرف تم ہی نہیں بلکہ ہر ایک کی یہی نگاہ ہوتی ہے وہ اس سے آگے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ بہت پہلے میری مل جھ سے کہا کرتی تھی کہ میری ریٹا ڈارلنگ تو ہر سس ہے۔ وہ راج کبھی کے۔ میری دو بہنیں تھیں۔ میری ماں مجھ سے بہت پیار کرنا کرتی تھی۔ میں ان دونوں سے زیادہ خوبصورت اور ذہین تھی۔ میری ماں مجھے ہر سس کہا کرتی۔ لیکن اسے کہا معلوم تھا کہ تقدیر اس وقت مسانداز اڑا رہی ہوتی تھی۔ میں ہر سس تو نہیں بن سکی۔ البتہ ایک طوائف ضرور بن گئی۔ تم مجھے طوائف بھی کہہ سکتے ہو۔ کوئی عورت جب اپنی مجبوری کے لیے کسی سے سودا کر لے تو وہ اسی وقت طوائف ہو جاتی ہے۔ چاہے یہ سودا ایک آدمی سے ہو۔ یا صدائوں سے۔ تو حالات نے مجھے وکٹری آغوش میں دھکیل دیا۔ وہ مجھ سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ اور میں اس کے اشاروں پر رقص کرتی رہی۔ میرے اندر بھی ہونی ریٹا ہر سس کو موت آئی اور میں صرف ایک داشتہ بن گئی۔ ایک ایسے شخص کی داشتہ جو معاشرے میں زہر پھیلانے کا کاروبار کیا کرتا ہے۔ اور میں اسے برا سمجھتے ہوئے بھی اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ اب تہمدی زبان صحیح بول رہی ہے۔“

ساون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”تمہارے لیے سے

تہمدی سچی کا اندازہ ہو رہا ہے۔“

”کیا تم ابھی میرا ساتھ نہیں دو گے؟“

”کیوں نہیں؟“ ساون جلدی سے بولا۔ ”اگر تمہارا دھوکہ صبح ہے تو میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔“

”تو پھر سلاؤ پاتھ ڈیرٹا نے مسکراتے ہوئے ایک خاص انداز سے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

ساون اس کی طرف بڑھا اور اسی وقت کر کے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور وکٹر دوڑتا ہوا اندر چلا آیا۔

تو وہ قیامت صرف کرل راجندر کے لیے تھی جبکہ اس کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی نیلا ہر اس قیامت کا کوئی اثر نہیں بڑا تھا۔

وہ کئی آدمی تھے جنہوں نے کرل کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ جبکہ نیلا ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی طماننت بھری مسکراہٹ تھی۔

”یہ سب کیا چہرے؟“ کرل نے اسے دہلا کر پوچھا۔

”لوگ۔“

”درا آہٹ بات کر۔ کرل یہاں میں سے ایک نے کہا۔ آپ کے شوہر کرنے سے ہم ذمہ نہیں جاتیں گے۔ بلکہ ایسی کو تشش ہی نہ کر سکتے ہیں۔“

”تم جانتے ہو میں کون ہوں۔“ کرل پھر اسی انداز میں بولا۔ ”تم لوگوں کو اپنی اس حرکت کا مزہ چکھنا ہو گا۔“

”یہ تو جلدی بات ہے کرل؟“ وہی آدمی جس نے کرل سے پہلے بات کی تھی مسکراتے ہوئے بولا۔ ”نی ایل تو تم اپنی غیر مٹاؤ۔“

”تم تو مجھ رہی تھیں کہ اس مکان میں وہ زنجی بڑا ہولناک کرل نے نیلا کی طرف دیکھا۔ پھر یہ لوگ کون ہیں؟“

”ہم سب ایک ہی تھیں۔“ وہی آدمی نے جتنے بے نیلا کے بجائے اس کی آدنی سے جواب دیا۔

”کیا؟“ کرل کا منہ کھلا رہ گیا۔ ”کیا یہ عورت بھی تہمدی سامتی ہے؟“

”جی جناب۔“ نیلا نے شوخ لہجے میں کہا۔ ”ہم سب ایک ہی ہیں۔ اور ہاں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ لوگ دراصل تم واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے ذرا محتاط رہیے گا۔ آپ نے کوئی جالائی دکھائی اور ان لوگوں نے آپ کی کھال اتاری۔“

”تم ذلیل، کمینہ،“ غصے کی شدت سے کرل کے منہ سے فوٹ اڑنے لگا تھا۔

”خاموش رہو؟“ وہی آدمی زور سے دہلا۔ ”اب اگر تم نے یہ کہا تو میں اپنی بے رحمی دکھانے میں زیادہ دیر نہیں لے سکوں گا۔“

کرل جڑ بڑھ کر رہ گیا۔ صورتحال اس کے لیے خطرناک دھمکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوں کیا جا رہا ہے۔ یہ دھوکا اسے کیوں دیا گیا ہے۔ یہ لڑکی بچا چکی ہے؟

اسے زبردستی دھکیل کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اس کمرے میں اتنی تاریکی اور گھٹن تھی کہ اندر آتے ہی کرل دم گھٹنے کا احساس ہونے لگا۔ وہ گھبرا کر پلٹا لیکن اتنی دیر میں دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

”مکھو دروازہ۔“ وہ دروازہ دھونے لگا۔ ”میں کھتا ہوں کھو دروازہ۔ ذلیل۔ کمینہ۔“

”مجھیں دوسرے کمرے کے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ دروازہ دھونے کے کرل کے ہاتھوں میں درد ہونے لگا۔ اس نے اپنی کوشش ترک کر دی تھی۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ بہت ہی غلط باتوں میں پڑ گیا ہے۔ ان لوگوں نے کسی خاص مقصد سے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ اس کمرے میں تاریکی اتنی شدید تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ کرل نے اپنے دونوں ہاتھ آگے دھکیل کر ایک ایک قدم بڑھتا شروع کر دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس کے ہاتھ دیوار سے ٹکرائے۔ وہ انداز سے دوسری طرف دھڑا۔ اس طرف بھی دیوار آ گئی تھی۔ اس نے اپنا رخ پھر تبدیل کیا۔ کچھ دھڑکے بعد میری دیوار بھی آ گئی۔ وہ پھر لپٹا۔ اس دفعہ وہ آبی دروازے کے پاس آ گیا تھا جس کے ذریعے اندر آیا تھا۔

پھر کرل کو ایک اور بات کا اندازہ ہو گیا۔ وہ کمرے بالکل خالی تھا۔ اس میں فریج نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کوئی لٹر کوئی کرسی کچھ بھی نہیں تھی۔ بس ایک کمرہ تھا۔ تنگ اور گھٹا ہوا جہاں اسے لاکر قید کر دیا گیا تھا۔ اور قید کرنے والے اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے دیواروں کو ٹٹولنا شروع کیا لیکن کچھ بھی نہیں۔ کوئی سوچ کوئی بات کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے انداز سے جھٹا ہوا پھر دروازے کے پاس آ گیا۔

اس نے دروازے پر ہاتھ پھیرا اور فراہ بہت مضبوط تھا۔ قدیم طرز کے اس دروازے کو بہت مضبوط اور موٹی لکڑی سے بنایا گیا تھا اور آسانی کے ساتھ اسے توڑا نہیں جاسکتا تھا۔

کرل نے ڈھال ہو کر دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اگر اس کمرے میں روشنی کا انتظام ہوتا تو شاید اسے اتنی دھشت نہیں ہوتی۔ لیکن اندھیرے نے اس کے اعصاب پر ہتھوڑے برساتے شروع کر دیے تھے۔ اندھیرا اور گھٹن لیکن نہیں اس کمرے سے ہوا کا گڑبڑ ہو رہا تھا۔ دروازہ اتنی دیر میں اس کا دم گھٹ کر رہ گیا۔ کوئی نہ کوئی دروازہ تھی۔ جس کے ذریعے ہوا آ رہی تھی۔ لیکن وہ دروازہ کہاں تھی۔

وہ پھر کھڑا ہوا اور دیواروں کو دوبارہ ٹٹولنے لگا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ۔ ایک ایک انگ لیکن وہ دروازہ نہیں مل سکی۔ اگر کوئی دروازہ بھی تو وہ جھٹا اور دیواروں کے درمیان کھینچ گئی۔ اوپر کی طرف۔ جہاں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ تنک ہار کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اس طرح دھوکا کھایا تھا۔ اس لڑکی نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا۔ اس نے کرل کو ایسی کھانی سنا دی جس میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ ایک نکل کھانی تھی۔ کرل کی جگہ کو بھی ہوتا تو اس کھانی پر یقین کر لیتا۔ سب کچھ اپنی اپنی جگہ آگئی تھی۔ میں سمجھنے کی طرح جڑا ہوا تھا۔ ہر کردار ہوتا ہوا تھا۔ کرل اسی لیے اس کے دھوکے میں آ گیا تھا۔

لیکن اب کیا ہو! سوال تو یہ تھا کہ اسے یہاں سے نجات کس طرح ملے۔ یہ دھوکا اسے کیوں دیا گیا تھا؟ ہوتے ہوئے اس کے دماغ کی رکیں پھٹنے لگیں۔ لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔ تنگ آکر اس نے سوچنا شروع کیا کہ اوپر وہیں دیوار کے پاس بیٹھ گیا۔

نکلنے والی دیر تک لیٹا رہا تھا۔ یہاں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ صبح ہے یا شام ہو رہی ہے۔ البتہ بیٹ میں آنکھنے والی آگ ہے ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بہت دیر سے جھوکا ہے۔ اور اسے یہاں بھی لگ رہی ہے۔

ہاں۔ زندہ رہنے کے لیے ہوا کے ساتھ ساتھ پانی بھی

ضروری تھا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اسے پاس محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن اسے قید کرنے والے اسے قید کر کے بھول گئے تھے۔ انہیں یاد نہیں کہ اس کا تھا کہ انہوں نے کسی جیب سے جانگے انسان کو بے بسی میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ دوبارہ اس کا ہاتھ لے کر کھڑا ہو گیا۔

آہستہ آہستہ اندانے سے ایک بار پھر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مضبوط دروازہ اسی مضبوطی کے ساتھ بند تھا جس نے دونوں ہاتھوں کی مضامیں بنا کر اس دروازے پر برسانی شروع کر دیں۔ زور سے۔ خوب زور سے۔ پوری قوت کے ساتھ۔ پوری شدت کے ساتھ۔ لیکن کوئی رد عمل نہیں جواب میں صرف خاموشی ہی۔ ایسی خاموشی جو اس کے وجود میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ زور زور سے چلنے لگا۔ پکارتے لگا۔ لیکن اس کی آواز نہ ہوئی تھی۔ یہ سناٹا اس کی رگوں میں اترا ہوا اس کے دل کی دھڑکنوں کو کڑوا رہا تھا۔

”جھگڑاؤں میں کہاں کہیں گیا ہوں؟“ اس نے غصے سے اپنے سر کے بال لٹو لیے۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ہلنے لگے۔ یہ آنسو قطرہ قطرہ اس کے گالوں سے ہونے لگے اس کے ہونٹوں تک آئے اور اس نے اپنی زبان پھیر کر ہونٹوں سے آنسوؤں کا ڈالٹھ محسوس کیا۔ اس سے اس کی بیاس تو نہیں بچھ کی تھی۔ لیکن وقتی طور پر قرار آ گیا تھا۔ لیکن وقتی قرار بھی بالآخر رخصت ہو ہی گیا۔

اس کی زبان پھر ترنٹے لگی۔ اب حلق میں کانٹے سے اترنے لگے تھے۔ یہ کانٹے اس کے حلق سے ہوتے ہوئے اس کی روح تک میں اترا رہے تھے۔ اس کے وجود کو اندر سے جلی کر رہے تھے۔ گھائل کر رہے تھے۔ دوسری طرف اس کا کھونا ہوا ہیٹ اندر کی طرف دھسنا رہا تھا جیسے ہیٹ کی جگہ کوئی کھونا نمودار ہوئے لگا ہو۔ اس نے قہر پ کر دو قہر ہاتھوں سے اٹھ پٹ ڈالیا۔

کچھ بھی نہیں۔ اس کی یہ تکلیف اس طرح ختم نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس شدت میں اضافہ ہو گیا۔ اسے لول لگا جیسے اس کے ہیٹ سے کوئی گولہ اٹھ کر اس کے حلق میں آ کر اٹک گیا ہو۔ اس نے گولے کو نگلنا چاہا۔ لیکن اسی وقت تک زور کی لگائی آئی اور اس نے قے کر دی۔

خالی سینہ۔ خالی ہیٹ۔ خالی وجود۔ وہ ل کر رہ گیا

میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ وہ اس جگہ سے اٹھے بھی جا سکتا۔ وہ اپنی ہی غلاظت میں پھنک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ یہ نیند کا غلبہ نہیں تھا بلکہ اس کے بدن میں تیزی سے نمودار ہوتی نا توانی تھی۔ وہ لڑکھڑایا اور دیوار سے ٹکراتا ہوا فرش پر گر پڑا۔

ہو گیا۔ اور بھی کئی گھنٹے۔ کئی دن۔ کئی ہفتے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ جس آنکھیں تھکتیں اور اندر ہر طرف اندھیرا معلوم ہوتا۔ یہ اندھیرا اب اس کے وجود کا حصہ بنا جاتا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس اندھیرے سے الگ بھی کوئی چیز ہوا کرتی ہے۔ ایک بار اس کے ذہن میں روشنی کا تصور آیا تھا لیکن اس نے اپنے سر کو زور زور سے جھٹک کر خود کو اس بے معنی تصور سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ بجائے روشنی کیا ہونے لگا؟ کہاں ہونی ہے۔ اب تو اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ اور یہاں کس طرح آ گیا ہے۔ وہ کون لوگ تھے جو اسے یہاں تک لے آئے تھے۔ اور اس کا نام کیا ہے۔

ہاں۔ اب اسے اپنا نام بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ چلنے اس کا نام کیا تھا۔ لیکن یہ نام کیا چیز ہے۔ کس کام آیا کرتی ہے۔ کیا زندہ رہنے کے لیے کسی نام کا ہونا ضروری ہے؟ لیکن یہ نام کیا چیز ہے؟ یہ کس کے پاس ہوتی ہے۔

اندھیروں کے درمیان ایک عجیب سا احساس، جیسے اندھیرے کی دبیز دیوار کو کسی نے چاؤ سے دو حقوں میں تقسیم کر دیا ہو۔ ایک ایسا احساس، جو اس کی آنکھوں کے لیے تھا تھا۔ ایک عجیب مزہ جیسا کہ ہوتی چیز۔ اس کی آنکھیں اس چیز کی تاب نہیں لاسکتی تھیں۔ اس نے اپنے وہ ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے جن کی کھال تک لٹک رہی تھی حلاکت ایسا کہ میں بھی اسے بہت دشواری ہوئی تھی۔

”اس کی تو حالت غیر ہو گئی ہے جناب!“ اس کے کانوں سے کسی کی آواز سنائی۔

”مٹھک ہے۔ اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔“ یہ دوسری آواز تھی۔

چلنے۔ یہ لوگ کس کے لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ کس کی حالت غیر ہو چکی ہے۔ شاید یہ لٹھکوا اس کے لیے کئی لیکن نہیں۔ اس کے لیے تو کسی کی بھاری نہیں ہونی چاہیے

غلطی بات ہے۔ بہرہ ور فرش سے بلند ہونے لگا۔ اس فرش سے جس چاروں طرف وہ خود بخود غلاظت میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بدلے کے کچھ طرح ہٹ کر رہا تھا۔ لیکن کرل کے لیے ان دن کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اصل اہمیت تو اس بات کی تھی کہ وہ زندہ ہے اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے؟

اسے اٹھا کر مختلف مرحلوں سے گزرا جا رہا تھا۔ وہ ایک کا صرف احساس کر سکتا تھا۔ یہ احساس اس کے ہونے والا تھا اس کی رگوں تک میں اترا ہوا تھا شاید بنت اور اطمینان بھری زندگی کسی کو کہتے ہیں۔ شاید ایسا کیا بھی صاف کیا گیا۔ کپڑے پہننے لگے پھر غلاظت کی قوت بخش مشروب اس کے حلق میں اٹھ گیا۔ اور اب احساس تھا۔ ایک نئی زندگی دیتا ہوا احساس۔

بھرا سے نیند آئی۔ یہ مرحلہ بھی بجائے کتنی دیر کا تھا ہے کچھ یاد نہیں تھا۔ بے دلد ہونے کے بعد زندگی بخش مل اس پر سے پھر گرلے گئے۔ ان مراحل نے اسے یاد ناسرور کیا۔ دھیرے دھیرے۔ جیسے سورج کی کرنیں اسے دھیرے دھیرے نمودار ہوتی ہیں اور ہر طرف اچال پھر دیتی ہے۔ یاد آ گیا کہ وہ کون ہے۔ اور اس کے ساتھ کیا رہا تھا۔

وہ کرل راجندر تھا۔ اور نیلا نام کی ایک لڑکی اسے دکا دے کر اپنے ساتھ چلی کی مدد سے قید کر گئی تھی۔ وہ ہڑا کر اٹھ بیٹھا۔

وہ لڑکی اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی۔

اس وقت وہ ایک ایسے کمرے میں تھا جو خوبصورت پرے آراستہ تھا۔ اور وہ خوبصورت لڑکی اس وقت بھی اس خوبصورت فریج کا کوئی جز ہی معلوم ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر راجندر کا خون کھولنے لگا۔ لیکن اسے لڑکی کے ہمارے میں بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر حیرت آئی تھی۔ بے پناہ حیرت۔ اس حیرت نے اسے گنگ لرد دیا تھا۔ وہ بدوئے تھا۔ ڈی۔ ایس۔ جی۔ بروریز۔

وہ چلنے کی طرح دلیر اور لومڑی کی طرح چالاک تھا۔ وہ بیدل بھی چلتا تو اس کی رفتار اچھی خاصی تیز ہوتی تھی۔ وقت وہ ایسی جہازوں کے درمیان سے گزرا تھا بالکل بچر اور خشک تھیں۔ وہ کھڑکی تھوڑی دیر درگ کر ماحول کا جائزہ لیتا اور پھر تیز رفتاری سے

آگے بڑھ جاتا۔ اس کے دونوں پہلوؤں سے ریواور لٹک رہے تھے۔ اس کے شانے پر ایک دھڑا مارندہ دھکی تھی۔ کمرے ایک تنگ بھی بندھا تھا۔ جبکہ اس نے اپنی پشت پر کھانے پینے کی چیزیں بھی ایک باسکٹ میں لاد رکھی تھیں۔

اچھا خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے خشک محسوس کی۔ اور ایک مناسب جگہ بیٹھ کر اس نے اپنی پشت سے بندھی ہوئی باسکٹ اتاری اور کھانا شروع کر دیا۔ باسکٹ میں ایک بڑا سا تھوڑا سا بھی تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے پانی کے دو چار ٹھونٹ لیے اور ان چیزوں کو دوبارہ سمیٹ کر آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد اس کے پاؤں رگ گئے۔ اس نے بجلی کی کسی تیزی سے اپنے ہونٹ پر سے ایک ریواور کھینچی اور اسے لول کے بل کھوم گیا۔ اس کے سامنے ایک دیہاتی کھڑا ہوا حیرت اور خوف سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کون ہو تم؟“ اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔

”میں بالے رام ہوں سی۔“ دیہاتی نے گھبرا کر جواب دیا۔

”کہاں رہتے ہو تم؟“

”وہ جی اس طرف ہماری بستی ہے۔“ بالے رام نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔

”تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے تھے؟“

”نہیں جی۔ میں تو ابھی بھڑک رہا ہوں کہ ادر ضرور آ کر رہا ہوں؟“

”کہاں میں تمہاری بھڑک رہا ہوں؟“

”اس کو مٹی کے پیچھے ہیں جی۔“ بالے رام نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے علاوہ اور اس طرف کون بھڑک رہا ہے جی؟“

”ہے۔“ اس طرف تو جی، میں صرف اکیلا آ کر رہا ہوں۔“

”کیوں اتم اکیلے کیوں آتے ہو۔“

”بس جی۔ یہ میری عادت ہے مجھے اکیلے رہنا بہت پسند ہے۔ میں اکیلے میں باسری بجا کر رہا ہوں۔“

”کہاں ہے تمہاری باسری؟“

”اس طرف ایک درخت ہے۔ جی میں وہ باسری اسی درخت کے پاس رکھ آیا ہوں۔“

”کیوں؟“

”میں نے آپ کو دوسرے آتا ہوا دیکھا جی میں نے سمجھا کہ آپ کوئی سافری ہیں جو راستہ بھول گئے ہیں میں ہی لیے آپ کی مدد کر لے آیا تھا کہ آپ نے مجھے ہر پستول نکال لیا۔“ تمہیں کیسے معلوم کہ پستول ہے؟“

”کیسے نہیں معلوم جی۔ فلیس نہیں دیکھی ہیں کیا ہر مہینے ہماری بستی میں ایک منڈا دنگا کرتا ہے؟“

”اوہ! وہ جالاک اور دلچسپ سگڑا دیا۔“ میں نے اس طرف تو دھیان ہی نہیں دیا تھا۔“

”تم کو کہاں جانا ہے باؤ جی؟ بایں رام لے لو چلا“

”مجھے نے دراصل کچھ آدمیوں کی تلاش ہے؟“ اس نے جواب دیا۔

”کن لوگوں کی۔ مجھے بھی تو بتائیں شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔“

”ہاں تم واقعی مدد کر سکتے ہو۔“ اس نے اپنی گردن ہلائی۔ ”میں کچھ ایسے لوگوں کی تلاش میں ہوں جو شہر سے آئے ہیں اور جن کے ساتھ سوار ہاں وغیرہ بھی ہیں اور جو بندو گلیں وغیرہ لے کر چلتے ہیں۔“

”میں سمجھ گیا۔“ دیہاتی جلدی سے بول پڑا۔ ”میں نے ایسے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے۔“

”کہاں دیکھا ہے جلدی بتاؤ۔“

”میں وہاں تک تو نہیں جاؤں گا۔“ دیہاتی نے کہہ دیا۔ ”لیکن تمہیں کچھ فاصلے تک ضرور لے جاؤں گا۔ تم وہاں سے خود ہی چلے جانا۔“

”ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرو۔ اور سنو میں تمہیں بہت سا انعام بھی دوں گا۔“

”مجھے انعام کی ضرورت نہیں ہے جی۔ تم بس ان لوگوں سے میری بھولی اور رانی کو واپس دلا دینا۔“

”بھولی اور رانی یہ کون ہیں؟“

”یہ میری بکریاں ہیں جی۔ بایں رام نے بتایا۔ وہ لوگ زبردستی ان بکریوں کو لے گئے۔ انہوں نے میری بکریاں مجھ سے چھین لی تھیں۔ مجھے ان پر بہت غصہ ہے جی۔ لیکن میں کروڑ آدمی ان کا کھانا لگا دینگے ہوں۔“

”گھبراؤ نہیں۔ تم مجھے ان کا راستہ دکھاؤ۔“ میری تمہاری بکریاں ان سے واپس دلا دوں گا۔“

”تو پھر آپ میرے ساتھ۔“ دیہاتی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ شخص اس دیہاتی کے ساتھ چل پڑا۔ دیہاتی کے کہنے کے مطابق اس کی بکریاں واقعی ایک ٹیلے کے عقب میں موجود تھیں۔ اس دیہاتی نے آواز میں دے دے کر اپنی بکریاں سنائی مشروط کیا۔ بکریاں اس کی آواز پر دوڑی جلی آتی تھیں۔

”کہاں بکریوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔“

”ہاں جی میں آپ کو راستہ بتا کر اپنی بکریاں آگے لے جاؤں گا۔“ میں تمہیں ایک جگہ بتا دوں گا۔ وہاں میں تمہارا انتظار گزار ہوں گا۔“

اس شخص نے اس بات پر اپنی گردن ہلا دی بھرے لوگ ایک طرف چل پڑے۔ اور ابھی تھوڑی ہی فاصلے پر ہوا تھا کہ وہ پورا ماحول انجان آوازوں سے گونگن اٹھا۔ یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے زلزلہ برپا ہو رہا ہو۔ اس دیہاتی کی بکریاں بھڑک بھڑک کر بھاگنے لگیں اور ہر طرف ایک افراتفری مچ گئی۔

وہ عجیب قسم کی گھبراہٹ سی تھی۔ ایسا مہم ہوتا تھا جیسے تمہیں کوئی پہاڑی اچانک ہی پھٹ پڑی ہو۔ گردوغبار کا ایک طوفان تھا۔ جوان کے سر سے گزر رہا تھا۔ وہ شخص خطرہ محسوس کرتے ہی قریب کے ایک بڑے پتھر کی اوٹ لے چکا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو اس گردوغبار کے ساتھ برس پڑے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو پتھر سے بالکل چپکالیا تھا۔ دروازہ کا بھی وہی حشر ہوتا تھا۔ جو اس غریب دیہاتی کا ہوا تھا جو بالکل اپنی بکریوں ہی کی طرح بھڑک کر ایک سمد بھاگ اٹھا تھا۔ اور بدحواسی میں کسی پتھر سے ٹھوکر کھا لٹیب میں لڑکھ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب گردوغبار کا یہ طوفان مٹا۔ پتھر کی اوٹ سے باہر نکلا۔ اس کی چونکا نظریں۔ اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ اس سمت جا رہا تھا۔ دیہاتی کے ملنے کی توقع تھی۔ لٹیب اترنے ہی تھوڑے فاصلے پر اس کی نظر دیہاتی پڑی۔ جس کا سر پھٹ چکا تھا۔ شاید لڑھکتے وقت کامر کسی پتھر سے رگڑ کھا گیا تھا۔ وہ جب اس کے

زور سے بھاگا تو اس کی تجربہ کار آنکھوں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کی دل کی دھڑکیں اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہیں۔ اس نے جھک کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ کہ شاید بندگی کی کوئی رقع پانی ہو۔ مگر بے سود۔ وہ دنیائے عالم جن جنیوں سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس شخص نے اس کی آنکھوں کو اپنی آنکھوں کے پورے بند کیا ہی تھا۔ اچانک کچھ سرسراہٹیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں۔ وہ سانپ کی طرح سرعت سے پلٹا۔ اور یہ محسوس کرنے لگی کہ یہ آوازیں اوپر کی سمت سے آرہی ہیں۔ وہ وہیں سے چپک گیا۔ وہ چونکہ نشیبی علاقے میں تھا۔ اس لیے اس کے دیکھنے والے جانے کے امکانات تھے مگر آہستہ آہستہ وہ سرسراہٹیں جب دور جاتی محسوس ہوئیں۔ تو وہ اٹھا اور جھک کر بڑی ہوشیاری سے اوپر سماعت چڑھنے لگا۔ اس کے رینگنے کا انداز بالکل پہاڑی گڑبڑ کی طرح تھا۔ جو وقفہ وقفہ سے اپنا سر اٹھا کر اچانک خطرے کا جائزہ لیتا اور پھر اوپر کی جانب رینگنے لگتا۔ چند ہی لمحوں بعد اس نے اپنا سر اٹھا دیا۔ اس کو کافی دور ایک شخص نظر آیا۔ جو پہاڑی کے ہموار راستے پر اسٹے اطمینان سے چلا جا رہا تھا جیسے وہ پہاڑوں ہی کا باشندہ ہو۔ اس دلیر شخص نے ایک لمحہ سوچا۔ اور پھر ہوشیاری کے ساتھ اس کے ناقب میں چل پڑا۔

اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ گردوغبار کا یہ طوفان پہاڑی کے کسی حصے کو ڈانٹا مائنٹ سے اڑا دینے کے نتیجے میں نمودار ہوا تھا۔

وہ اس شخص کے پیچھے پیچھے بڑی ہوشیاری کے ساتھ لگا رہا۔ آخر یہ ایک میل تک کامیابی سے وہ ان ناقب کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ شخص غار وار جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ چند لمحوں انتظار کے بعد وہ دلیر شخص جو کتنے لمحوں میں ان جھاڑیوں کی سمت بھونک بھونک قدم لگا رہا تھا۔ اس نے گھر دھڑکا۔ جھاڑیوں کے اس جھنڈ کے اندر گھس کر رہا۔ اور جسم پر خراشیں لگنے لگیں۔ مگر وہ حق الاہکان خانوگی کے ساتھ خدا کے خاص و شوالی کے اس جھنڈ کو عبور کر چکا تو

اس کی نظروں کے سامنے دوڑ دوڑ تک چلیں میدان تھا۔ جس کو دیکھتے ہی وہ ٹھنک کر رک گیا۔ اس کے انداز سے کے مطابق اس پر اسرار شخص کو زیادہ سے زیادہ ہزار ہزار کی دھڑکیں ہونا چاہیے تھا جس کے تعاقب میں وہ ان غار وار جھاڑیوں میں داخل ہوا تھا۔ مگر تا حد نظر چلیں اور ویران میدان یا پھر پہاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اتنی جلدی دنیا کی تیز ترین شے بھی اس طول میدان کو عبور نہیں کر سکتی تھی۔ کچھ وہ ایک آدمی۔ اس دلیر شخص کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ ایک لمحہ چپ چاپ کھڑا رہا اور پھر ہلکا ہلکا ہی اس کے ذہن میں یہ ایک خیال بجلی کی طرح گونڈا لگا۔ وہ شخص انہیں جھاڑیوں میں نہیں چھپ تو نہیں گیا۔ کیا اس کو اپنے ناقب کا شریک تھا۔ یقیناً وہ انہیں جھاڑیوں میں نہیں کہیں موجود ہے۔ اس کے ذہن نے فیصلہ دیا۔ اور اس نے اپنی کمر سے ہندے خنجر کو نکال کر اپنی انگلیوں کی گرفت میں جبکہ دیا۔ اس کی گرفت کا انداز تھا جیسا کہ وہ خنجر زنی کلمہ ہے۔ وہ واپس جھاڑیوں میں داخل ہو گیا اور بڑی ہی ہوشیاری سے جاؤں طرف کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس کی عقابی نظریں ہر اہر ان جھاڑیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جو ایک آدمی کو اپنی آنکھوں میں چھپا سکتی تھیں۔ چند قدم چل کر اس کی نظریں ایک ایسی جھاڑی کی سمت اٹھ کر رہ گئیں۔ جو بے ترتیب انداز میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور خاصی تھنی تھی۔ چائے کیوں اس کو جھاڑی کی ترتیب انسانی ہاتھوں کا گھر نہ تھی۔ وہ دبے پاؤں بڑی احتیاط کے ساتھ اس سمت بڑھا۔ اور پھر اس کا خدشہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔ اس جگہ جھاڑیوں کو باقاعدہ ایک ترتیب کے ساتھ گولا میں لگایا گیا تھا۔ اور یہ سو فیصدی انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا۔ پھر ایک ہائی سٹیگرٹا ہٹ سن کر کہ کھنٹ وہ زمین سے چپک گیا۔ اور لڑی لگا لگا اس گڑبڑا ہٹ کی سمت مرکوز کر دی جہاں ان تھنی جھاڑیوں کا قطع تھا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں کہ اس جگہ ایک خداداد سائنس کار تھا۔ اور جھاڑیوں کا وہ قطع کسی خاص میکینزم کے تحت تزییناً دو فٹ دائیں سمت ہٹ چکا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس خلا سے ایک آدمی

ابھر کر باہر نکلا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک بڑے پتھر کے پیچھے ہاتھ ڈالا اور وہی ہلکی سی گڑبڑ دوبارہ گونئی۔ اور وہ خلا پھر پڑ ہو گئی۔ جھاڑوں کا تختہ اس جگہ پر موجود ہوا۔ جہاں وہ چند لمحے پیشتر موجود تھا۔ خلا سے ابھرے والے شخص نے کندھے پر لٹکل چلا اور مطمئن انداز میں ایک سمت بڑھ گیا۔ چند لمحوں تک زمین پر بے حس و حرکت تھے رہنے کے بعد وہ شخص اٹھا اس بڑے پتھر کے پاس جا پہنچا۔ جس کے نیچے غالباً کوئی کل دبا کر اس شخص نے خلا کو بند کر دیا تھا۔ اس نے پتھر کے نیچے ہاتھ ڈالا اور پھر اس کا ہاتھ ایک گھری ہوئی ہینڈل نمائے سے مکرایا اور اس کو کھاتے ہی وہی ہلکی سی گڑبڑ گونئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ علاقہ دوبارہ نمودار ہو گیا۔ دلیر شخص نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر وہ دبے قدموں کے ساتھ اس خلا میں اتر گیا۔ یہ خلا ابھرا ایک تاریک سرنگ کی جی جودھ رنگ چلی گئی تھی۔ اس نے خلا سے آتی ہوئی روشنی کی کرنوں میں اس جگہ کا جائزہ لیا۔ اور پھر دائیں سمت سرنگ کی دیوار پر توجہ دیا۔ جیسا ہی ہینڈل نظر آیا۔ جیسا کہ وہ سرنگ سے باہر پتھر کے پیچھے پوشیدہ دیکھ چکا تھا۔ اس نے ہینڈل کھما یا اور خلا بند ہو گیا۔ خلا کے بند ہونے ہی میں تاریکی سی چھا گئی۔ چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو وہ آگے بڑھے لگا۔ سرنگ کا اختتام ایک کنواں نما گڑھے پر ہوا۔ جس میں باقاعدہ اوپر جانے کے لیے آہنی سیڑھیاں موجود تھیں بالکل اس طرح کی جیسے کہ کنوئیں وغیرہ میں اترنے کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ مختصر اس نے اپنی کمر میں آڑس لیا تھا اور اس بار اپنی دور مار بندوق ہاتھ میں لے کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ ایک کنواں تھا۔ پرانا کنواں جیسے کہ عام طرہ پر بڑی بڑی چوٹیوں میں ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ کنواں کی منزل پر پہنچے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے ایک عظیم الشان چوٹی نظر آئی۔ جو ایک ایسی وادی کے گرد سر اٹھائے ہوئی تھی جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس بھر مقام پر ایسی ہی بھری وادی کا وجود بذات خود ایک حیران کن منظر تھا۔ اس پر اس عظیم الشان عمارت کی تعمیر دیکھ کر تو وہ ہکا بکا سا

رہ گیا۔ اسے یہ جادوئی منظر کی طرح معلوم ہو رہا تھا جوئی میں داخل ہونے کا اس سرنگ کے علاوہ لفظ راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے باوجود وسیع و عریض جوئی اس کی نگاہوں کے سامنے موجود اس نے چاروں طرف کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ اس کنوئیں سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہ یہ جگہ خطرناک ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس تنگ جگہ میں وہ کسی کی طرح گھیرا جا سکتا تھا۔ جوئی کے آس پاس کوئی مو نہیں تھا۔ نہ کوئی پھر بدر نہ مکین... اور ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ منجائے کیوں اس دلیر کو یہ خاموشی بڑی بڑا سراسر ہی گھبراہٹ کی تھی جس کسی خطبے کا اعلان کر رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن اس خطرے کی نشاندہی کرنے سے قاصر تھا۔ بالآخر اس کنوئیں میں سے باہر قدم لگا لیا اور وہی وہ مندرجہ ہی تھا۔ کہ دفعتاً ایک فائری آواز گونئی اور ایک جھپٹہ بندوق اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی اور یہ دیکھ کر وہیں ساکت ہو گیا کہ ایک دواغی والا شخص جوئی کے دروازے کی دائیں سمت کھڑا تھا۔ اور اس ہاتھوں میں ایک جدید رائفل تھی۔ جس کا رخ اسی سمت تھا۔ میرا نام اقبال ہے اور میں راستہ بھٹک کر ادھر ہوں۔ اس دلیر شخص نے گھبرائے بغیر سکون سے جواب دیا۔ مگر تم لوگ کون ہو؟

”ہم دواغی والے شخص نے طنز پر مسکراتے ہوئے لولا۔ اسی جلدی کیا ہے ہمارے بارے میں جا۔ کی... اپنا چہل چلنے گا۔ فی الحال تو تم اپنی پشت باسکٹ اور خنجر اتار کر ہمارے حوالے کر دو“

کوئی راستہ نہ پا کر مجبوراً اقبال نا ہی شخص نے باسکٹ گرا دی اور پھر خنجر نکال کر زمین پر ڈال دیا۔

”گڈ دواغی والا شخص مسکرایا۔ اب چپ چاپ چلو۔ ہمارے سرکار بڑی بے چینی سے تمہارے منہ میں۔ اس نے جوئی کے کشادہ بھاگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اقبال چپ چاپ ان کے پیچھے چلی میں داخل ہو گیا۔

”کیسے کیا حال ہیں جناب کرنل راجندر صاحب ڈی۔ ایس۔ پی پرورد ملک نے طنز پر الفاظ میں اخطا طلب کیا۔

”تنت۔ تم۔ اور یہ لڑکی نیل...“ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

”جی! یہ پولیس الپٹرکاری نیل ہیں۔ فرام اپیشل برائٹ ابراج اور خاص طور پر تمہیں گھرنے کے لیے ان کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔“ پرورد مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”کرنل! یہ بات تو اب تم پر واضح ہو گئی ہوگی کہ تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ تمہارے بچے کے تمام راستے میں بند کر چکا ہوں۔ صرف ایک راستہ کھلا ہے صرف ایک...“ وہ غلامانی انداز میں کسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”اور وہ راستہ صرف یہ ہے کہ تم سے جو بچہ ہلچا جائے وہ سچ سچ بتائے چلو۔ شاید قانون تمہارے بارے میں بعد روانہ ہو یہ اختیار رکھتا ہے۔ ورنہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ دوسری صورت کس بھروہی تاریک کر وہی قید تھائی اور بھوک اس کے سسکتے تھے تمہارا مقدمہ بن جائیں گے۔“

”نہیں۔ نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ کرنل راجندر نے کہا۔ ”قانون تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔“

”قانون؟“ پرورد مسکرایا۔ ”بے شک۔ قانون کے تحت پابندیوں کی بندش سے چمکتے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر کان بھول کر سن لو کہ یہاں کا قانون میں نہیں۔ یہ سب لوگ جو یہاں موجود ہیں۔ میرے ہر خیال میں۔ اور ہم لوگ قانون کی سر بلندی کے لیے اس کے بارے میں ہی بھی کسی قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی پرورد کا چہرہ غصے سے سرخ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غصے سے لگنے لگی تھیں۔

”تم تمہارے کونے پر تو ملک و قوم کی حفاظت کا قانون کی سر بلندی کی ذمہ داری رکھی گئی تھی۔ تمہیں دردی اس لیے عطا نہیں کی گئی تھی کہ تم ملک کے خوں کی اعانت کرو۔ جرائم پیشہ افراد کے ساتھ تعاون کرنا۔ راجندر اتم کو وہ سزا دی جائے گی جس کا تو بھی بہت بھیاں ہے۔“

”لیکن تم تمہارے کسی سوال کا جواب میں نہیں دوں تم مجھے عدالت میں پیش کیوں نہیں کر دیتے۔“

”لا راجندر نے پرورد ملک سے کہا۔

”تو تم ایسے باز نہیں آؤ گے۔ خاویا اس نے مجھے تنوید شخص کو قیاب طلب کرتے ہوئے آواز دی۔

”کرنل صاحب کو اسی کمرے میں دوبارہ بند کر دو۔“

”ایک ان کے اسکو وائٹ نہیں ہوتے ہیں۔“

”نہیں۔ نہیں۔ بھگوان کے لیے ایسا مت کرو۔“ کرنل راجندر کہہ کر چیخا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں۔“

”ہوں۔“ پرورد مسکرایا۔ ”تو پھر ٹھیک ہے شروع ہو جاؤ۔“

”تم ٹھیک کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔“ ”کرنل نے سوچے ہونٹوں پر زبان پھیرنے ہوئے بول دیا۔

”اپنی کہانی تم خود ہی سناتے چلو۔ تم کن ٹوٹوں کو اس زخمی کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتے رہے ہو۔“ وہ زخمی کہن تھا یا تم ان کے چنگل میں کیسے پھنسے۔“

”ٹھیک ہے۔ راجندر نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ میں تمہیں تمام واقعات سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ لیکن یقین چاہو۔ میں بھی انجانے میں ان کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔ اس میں میرا قصور نہیں بلکہ حالات نے مجھے سمجھنے سمجھنے کی ہمت ہی نہیں دی تھی۔“

”اس کا فیصلہ تمہاری کہانی سن کر کیا جائے گا۔“

”پرورد بزم ملک نے کمری پر ہنسنے ہوئے کہا۔

”چند ماہ قبل میری پوشنگ سرحدی علاقے کے اطراف میں کی گئی تھی۔ دنوں غیر متوقعہ اشیا کی اسٹنگ کا دوبارہ اسے عروج پر تھا۔ اور بالکل میں غیر ملکی اشیا کا کافی مقدار میں دستیاب ہو رہی تھیں شروع شروع میں تو اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی مگر جب ہیروئن کی لعنت بڑی تیزی سے پھیلنے لگی تو حکومت کو تشویش ہوئی اور سرحدی علاقے میں میری ڈیوٹی لگا دی گئی۔ کہ ایک خبر کی اطلاع کے بموجب اسی سرحدی علاقے میں اسٹنگنگ کا زور تھا۔ بہر حال ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ ایک بڑی مقدار میں ہیروئن اسمگل کی جائے گی۔ خبر کی اطلاع پر میں نے فوراً کارروائی کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔

”اور متوقعہ راستے کو قہرے میں لے لیا گیا۔ لیکن اس روز کسی بھی غیر معمولی حرکت سے سادہ نہیں بڑا۔ یہاں تک کہ ایک جڑیا کے بچے کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی گئی۔ مگر ہمیں نیل و حرام

واپس لوٹنا پڑا۔ پھر یہ خیال آیا کہ شاید کسی وجہ سے سیلان ملتوی کر دی گئی ہو، لیکن دوسرے ہی دن جس خبر نے ہمیں اطلاع دی تھی اس کی لاش پانی کی گئی۔ تو مجھے تشویش ہوئی کیونکہ میں تو اس کی دوسری اطلاع کالے چینی سے منظر تھا۔ یہ بات تو قطعی ثابت ہو چکی تھی کہ ہماری صفوں میں دشمن کا کوئی آدمی موجود تھا جس نے اس خبر کی خبر استمکر کو دے دی تھی۔ اور نتیجے کے طور پر اس عزیز کو اپنی جان سے ہاتھ دھوئے پڑے۔ اس واقعے کے غالباً تیسرے روز ایک فوجی اور خوبصورت لڑکی گیتا جس نے خود کو اس خبر کی بہن بنا تھا۔ مجھ سے ملاقات کی اور ملاقات کے دوران کچھ ایسے انکشافات کیے جو اس گروہ کا قلع قمع کر دینے میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ اس نے بتا دیا کہ میرے سے قبل اس کے بھائی نے ایک خط کے ذریعہ اسے یہ ہدایت دی تھی کہ اس کی کسی ناگہانی یا اتفاقی موت پر وہ مجھ سے ملاقات کرے اور اس خفیہ مکان کی نشاندہی کرے۔ جہاں بچوں اس کے اس گروہ کے خلاف کچھ سرعام مل سکتے تھے، کرنل راجندر نے لمبی سانس لی اور پوچھا "تھوڑا سا پل میں جاؤ گا؟" ضرور! پھر وہ بزم ملک کے قریب کھڑے ایک شخص کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ پانی کا گلاس وہ ایک ہی سانس میں خالی کرتے ہوئے کھینچ لگا۔ میں گیتا کے شکم سے ہراس کے ساتھ اس خفیہ مکان کی طرف چل پڑا جس کے بارے میں اس کے بھائی نے آگاہ کیا تھا۔ وہ قریب ہی کی ایک چھوٹی سی بستی کا ایک مکان تھا۔ گیتا نے اس مکان کا نا لاکھولا۔ اور ہم اس میں داخل ہوئے۔ وہ دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ مگر اس میں ضرور زندگی کی ہر شے موجود تھی۔ ایک کمرے میں جو غالباً بیڈ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ایک شاہکار مہری بھی ہوئی تھی۔ جس پر گیتا نے مجھے بٹھا دیا۔ اور خود ایک الماری سے ایک لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا اس لفافے میں موجود خبر پر دیکھ کر کچھ شہ پرہیز کیونکہ وہ خبر جس میں کچھ لوگوں کے نام اور پتے لکھے تھے۔ اس خبر کے ہاتھ کی تحریر نہ تھی۔ کیونکہ میں اس کی تحریر اچھی طرح پہچانتا تھا۔ میں ابھی اس کی شش و پنج میں مبتلا تھا۔ کہ گیتا ایک ڈرے میں کچھ تراب وغیرہ

لے آئی۔ اور اس نے ایک ہامیری طرف بڑھا دیا، وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا اور پھر پشیمان سے بھرپور اپنے میں بولا: ڈی ایس۔ پی صاحب! مردگنا ہی ہونٹا کیوں نہ ہو مگر ایک عورت کے سامنے اس کی ساری ہوشیاری دھری رہ جاتی ہے۔ اور پھر عورت کی کسی؟ وینس کے مجھے جیسی۔ پرکشش اور میرے بدن کی مالک، حالانکہ اس خبر پر کو دیکھ کر میرے ذہن میں خطرات نے سر اٹھا رکھا۔ مگر اس کے خوبصورت ہاتھوں نے مجھے شراب کا جام پیش کیا تو میں بغیر کسی تردد کے اسے ایک ہی سانس میں چڑھا گیا اور اس پھر...! میرے ہوش دھاس میرا ساتھ چھوڑنے لگے ایک عجیب سی سناہٹ میرے بدن میں تیرتی تھی۔ نکلے گا شراب میں کیا شے ملی ہوئی تھی۔ جس نے میرے کمرے میں سی سی بھری تھی۔ میں نے گیتا کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر بڑی قاندار مسکراہٹ کھیل رہی تھی، ایک تو ویسے ہی کیا تم قیامت تھی وہ اس کی مسکراہٹ نے اور ستم ڈھا دیا۔ اور میرے اندر ہوس کا ناگ بھنگالے لگا وہ خود سپردی کے انداز میں میری طرف بڑھی تو میں سب کچھ بھول کر اس کے سنگ مرمر جیسے حسین بدن کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ شاید اسی سہانے کا اثر تھا کہ میں اس مکان میں آنے کا مقصد تک بھول چکا تھا اور غافلے کب تک میں ان خوابناک لمحوں سے اٹھنا نہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ پھر کب میری آنکھ لگ گئی۔ وہ بارہ جب میری آنکھ کھلی تو رات کا وقت تھا۔ اس کا گداز جسم میرے پہلو میں تھا۔ میں نے اپنے ذہن کو چھٹکا اور اٹھ بیٹھا۔ میرے بدن پر عجیب سی چیچھاہٹ تھی، بالکل ایسا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرائے تھے۔ اور جب میں نے لپٹ آن کی؟ وہ ایک نورک کرکے گا تو گیتا کا عریاں بدن اس کے اپنے خون میں نہا ہوا تھا۔ کسی نے بڑی بے دردی سے اس کے گلے کو کسی نیز دھا آگے سے کاٹ دیا تھا۔ میں فوجی ہوں لیکن قتل و غارت گری میرا پیشہ ہے۔ مگر یہ سفاد قتل دیکھ کر تو ایک لمحے کو میں بھی تڑپ اٹھا۔ اور پھر ایک میری نظر اپنے جسم اور ہاتھوں پر پڑی۔ اور یہ دیکھ کر ہراس ہوش اڑنے کے میرے بدن پر بھی خون کے قطرے سے جے ہوئے تھے۔ اور یہ چیچھاہٹ اسی خون کی وجہ سے میں

نے محسوس کی تھی۔ میری وردی وہیں دھن پر پڑی تھی ان حالات میں میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا مجھے پھلنے کی کامیاب پلاننگ کی گئی تھی۔ میں نے جلدی سے میری پر پڑی چادر سے جسم کو پونچھا اور پھر تیزی سے وردی اٹھاں بڑھا خالی ہو کر جس میں بھر ہوا اور پھر اٹھا اس وقت میرا منہ جڑا رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کا وقت نہ تھا میں نے سرعت سے وردی پہنی، ہی تھی کہ اچانک دروازے پر ایک شخص نمودار ہو گیا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے کرنل راجندر!" اس نے اپنے ہاتھ میں میرا رول اور مقام رکھا تھا۔ بدعنوانی تم مجھ ہی گئے ہو گے کہ یہ ایک جال تھا۔ حسین جال جس میں آخر کار تم بڑی طرح پھنس چکے ہو یہ وہ شخص تھوڑا انداز میں مسکرایا۔

"شٹ اپ!" میں اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے چلا یا۔ "میں تم لوگوں سے ٹمٹ لوں گا!"

"ہا ہا ہا!" وہ شخص بڑے زور سے ہنسنے لگا۔ "میرا کوہن ہڑا! فی الحال تو اس لفافے میں موجود ان تصاویر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرو کرنل راجندر! جو تمہاری ہوس پرستی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ تم نے نہ صرف اس معصوم لڑکی کے جسم کو ناپاک کیا بلکہ اپنے راز کے ڈر سے اس کی جان بھی لے لی! وہ ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کھینچ لگا۔ ہمارے پاس کی طرف سے یہ ایک پیش کش ہے۔ تمہاری نجات کی پیش کش۔ اب تم جا سکتے ہو۔ اس لفافے میں موجود ہدایات پر عمل کرو گے تو کچھ بھی نہیں ہو گا ورنہ... تم خوب سمجھ سکتے ہو کہ تم ایک ایسی دلیل میں گردن گردن دھنسنے چکے ہو۔ جو نہ صرف تمہاری عزت کو لنگھ سکتی ہے بلکہ تم جیسے جوان اور متعدد شخص کی زندگی بھی نکل سکتی ہے!"

کرنل راجندر کی آواز بھرانے لگی۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر وہ بزم ملک کو پیٹ کر تے ہوئے کھینچ لگا۔

"ڈی۔ ایس۔ پی صاحب! بس اس دن سے میں ان کے ہاتھوں میں مھلوتا بن چکا ہوں۔ کیونکہ اس لفافے میں ناقابل تردید شواہد و ثبوت موجود تھے جن کے منظر عام پر آ جانے سے دنیا کی کوئی عدالت میرا

اعتبار نہ کر سکتی تھیں۔ اس کے ساتھ میری عریاں تصاویر بڑے خود خراشوں کے لمحے اور پھر اس کا قتل یہ سب کچھ مجھے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لیے کافی تھا!"

"اس زخمی شخص کے بارے میں تمہیں کس نے ہدایات دیں تھیں؟ پھر وہ بزم ملک نے پوچھا۔

"جب وہ بدترین دھماکا ہوا تھا۔ تو حکومت کی ہلوری سفینری کو حرکت میں آنے پر مجبور ہونا پڑا اور جب متاثرہ علاقے سے ایک زخمی شخص کو لایا گیا تو لاچار حکومت کو اس شخص میں دیکھی یعنی بڑی کہ وہ جس جگہ پایا گیا تھا۔ وہ پورا علاقہ نہ صرف کسی ناگہانی سے تباہ ہو چکا تھا۔ بلکہ وہاں نالکاری اثرات بھی پائے گئے تھے۔ اسی لیے حکومت نے اپنے طور پر ملزم کی حکام کو بھی اس معاملے کی تفتیش کرنے کی ہدایت دی یہ بالکل ایک اتفاق تھا کہ جس ٹیم کو اس معاملے کی تفتیش کے لیے چنا گیا میں اس کا سربراہ تھا۔ اس واقعے کے دوسرے دن ہی مجھے حسب سابق ایک لفافہ ملا جو ایک پراسرار گروہ کے پاس کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور جس میں یہ ہدایت درج تھی کہ میں کسی بھی طرح اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس زخمی شخص تک رسائی حاصل کروں اور اس زخمی کو کسی بھی طرح افوا کرتے میں ان کے ساتھ تعاون کروں۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ اطلاع بھی دیا گیا تھا کہ اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے پر مجھے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا جائے گا۔ اور میرے خلاف وہ تمام ثبوت جو ان کے پاس ہیں۔ میرے حوالے کر دیے جائیں گے۔ میرے پاس سوائے ان کی ہدایات، ہر عمل پر ہونے کے کوئی اور راستہ نہ تھا۔ میرے لیے انہوں نے کسی شخص کے ہاتھوں ایک پارسل بھی روانہ کیا تھا جس میں ایک انتہائی جدید اور چھوٹا سا ٹریڈر تھا۔ اور جس پر وقتاً فوقتاً مجھے ان سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایات دی گئیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ہسپتال پر حملہ تمہارے ہی ایما پر کیا تھا؟ پھر وہ منسے پوچھا۔

"ہاں! میں نے ان کو تمام تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے اس زخمی کو وہاں سے نکال لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔"

”کیا تمہارے دل میں اس زنجی کے بارے میں کچھ جاننے کا جھٹس پیدا نہیں ہوا۔“

”اس بارے میں میں نے ایک دن ٹرانسیربرہی ان سے پوچھنے کی جسارت کی تھی، نتیجے میں انہوں نے نہ صرف مجھے ڈانٹ دیا، بلکہ میرا راز افشا کر کے کی بجی دھکی دی تھی۔“

”تم نے ان کے کسی آدمی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”ہاں، ان کے بارے میں کچھ تفصیلات حاصل کر سکتے۔“

”ان لوگوں کا طریقہ کار اتنا پراسرار ہے کہ میں ان کی پرچھا نہیں تک نہیں پہنچ سکا۔ شروع میں میں نے بہت کوشش کی تھی مگر ناکام رہا۔“

”اوہ وہ ٹرانسیربرہی انہوں نے نہیں دیا تھا۔“

”اوہ۔ وہ چونک اٹھا ہاں وہ میرے پاس ہے۔ بلکہ یہاں اس وقت بھی موجود ہے۔“ یہ کہہ کر کرٹل نے اپنی جیب ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کے پاکٹ کے چم کے برابر ایک پلاسٹک کا چوکور پیکٹ نکال کر پرویز کے سامنے میز پر ڈال دیا۔

”تم ان سے اس ویر رابطہ کس طرح قائم کرتے ہو؟“

”پرویز ملک نے اس ٹرانسیربرہی کا بخور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”میں... نہیں۔ وہ خود ہی جب چاہتے مجھ سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ انہیں جب بھی ضرورت ہوتی تو ہر سرخ بن جل بچہ کر سگلتا نشر کرنے لگتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مالک کا سونچ ان کر کے ان سے بات کروں میرے ایک بار یہ پوچھنے پر کران سے اشتہار کے وقت رابطہ کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے مجھے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسا فی الحال ممکن نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہوئی نہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔“

”ٹرانسیربرہی ہمیشہ ایک ہی شخص کی آواز ہوتی تھی یا آوازیں بدلتی رہتی تھیں۔“

”صرف ایک دو بار مختلف آوازیں محسوس ہوئیں درنہ زیادہ تر ایک ہی شخص کی آواز مجھ سے خطاب ہوتی تھی یا کرٹل راجندر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”ہوں پرویز ملک نے ہنگامہ بھرا اور وہ خاموشی

سے ٹرانسیربرہی کا بخور مطالعہ کرنے لگا۔ اچانک ہی ٹرانسیربرہی کا سرخ بن جلنے لگا۔ اور پھر اسی کے ساتھ ہر ایک اس میں سے ہلکی ہلکی ٹوٹی ٹوٹی آواز بھی آنے لگی۔

”... وہ... وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔“

کرٹل راجندر ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

”میرے وہ پرویز ملک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”نیل اچم دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے ٹرانسیربرہی پر اس کال کو دیا کہ اس کی فریڈو کسی معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ اس طرح ہمیں ان کا سرخ بن جل مل سکتا ہے۔ اور تم کرٹل! مالک کا سونچ ان کر کے ان سے رابطہ قائم کرو۔ اپنے لیے اور آواز ہر قدر پورے بخور اور انہیں احساس نہ ہونے پائے کہ تم ٹریپ کیے جا چکے ہو۔ ورنہ...“

کرٹل نے گردن ہلاتے ہوئے ٹرانسیربرہی کا سونچ ان کر دیا۔

”ہیلو...“ ٹرانسیربرہی ایسی آواز ابھری جیسے کوئی کھٹکھٹا بھیڑیا غار میں ہو۔

”ہیلو... ڈی۔ ایس۔ جی پرویز ملک صاحب آپ اپنی لیڈی الیکٹرونکس کو واپس بلا لیں، یہ صرف ٹرانسیربرہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔“

”آواز سے متحیرانہ انداز ظاہر ہو رہا تھا۔ اس میں ڈکٹا فون بھی پوشیدہ ہے جو ہزار گز کے فاصلے تک کی ہر آواز اپنے اندر جذب کر کے ہمارے کانوں تک پہنچا دیتا ہے۔“

”تم کون ہو؟“ پرویز ملک نے اپنی کوشش کیا کہ ہونے دیکھا تو جھٹکا لگ گیا۔

”ہا۔ ہا۔ ہا۔ ٹرانسیربرہی ہلکا سا قہقہہ نشر ہوا۔ بھائی انیشی جنس کا ایک قابل اور ذہن افسر اور ایسا اتحاد سوال۔ ہم بہر حال ہمارے بارے میں تمہارا یہ جاننا ضروری نہیں کہ ہم کون ہیں۔ جتنا تم جان چکے ہو اس اتنا ہی کافی ہے۔ اس سے زیادہ جاننے کی خواہش رکھنے والے کی دھڑکنیں ہمیشہ کے لیے روک دی جاتی ہیں۔ اور تم... مسٹر پرویز ملک... دوسری طرف سے لڑنے والا تمہارے میں عزائم؟“

”تم اس زنجی کو بھول جاؤ اور اس سلسلے میں اپنی سرگرمیاں بند کر دو۔ تمہارے لیے یہ ایک پرمکھوض مشورہ ہے۔ تم دلیبر ہو اور مجھے دلیبر لوگ پسند ہیں۔ اس لیے تمہیں اپنی جان بچانے کا ایک

موقعہ دے رہا ہوں۔ اس ٹرانسیربرہی سے فوری طور پر دور ہٹ جاؤ۔ اس میں ایک جھوٹا سا سگر بڑا جگمگم چھپا ہوا ہے۔ جو میری گفتگو ختم ہونے کے بیس سیکنڈ بعد خود بخود پھٹ جائے گا۔ تمہاری وجہ سے ہمیں اپنا یہ جدید اور قیمتی ٹرانسیربرہی ہٹا کر رہا ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ تم اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکو۔ خدا حافظ! ٹرانسیربرہی سے خدا حافظ کے الفاظ سنتے ہی پرویز ملک چلا ہوا بھاگا اور کمرے میں موجود لوگ بے تحاشہ ہر نظر کر دوڑنے لگے۔ ابھی مشعل سے انہوں نے بجاس گز کا فاصلہ ہی طے کیا ہو گا کہ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اور وہ کمرہ زمین بوس ہو گیا جس کمرے میں وہ ٹرانسیربرہی ہوا تھا...!

”زرتاج کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے۔ اس نے ٹرانسیربرہی کا سونچ ان کی کیف کی اندر دھکیل دیا اور پھر اختر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اختر اپنے کمرے میں بدستور سو رہا تھا۔ وہ بڑی دیر تک دروازے سے لٹی۔ اس کے معصوم چہرے کو دیکھتی رہی پھر آواز سے کہے کا دروازہ بند کر کے واپس اپنے ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ وہ پیسٹھوں کا سپور اختر کی کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ”ہیلو“ دوسری طرف سے کسی نے عزائم ہونے لہجے میں پوچھا۔

”لو۔ ٹو۔ ناہین از میر زرتاج نیگم بارعب آوازیں بولی۔

”یس یس ما دام۔ میں آپ کا خادم بول رہا ہوں دوسری طرف سے کوکھانی ہوئی آواز سنائی دی۔

”مجھے ایک کشادہ ہنگے کی تلاش ہے جس میں کم از کم باقی کرے ہوئے جائیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ نصف درجن خوشخوار کتوں کا انتظام بھی کرنا ہے۔ جرنل شیپرڈ ہوں تو بہتر ہے۔“

”آپ کو یہ جگہ کس مقصد کے لیے چاہیے میڈم؟“

”موزبانہ لہجے میں پوچھا گیا۔

”زرتاج ناہین از میر زرتاج نیگم بڑے اٹھوے اور سخت لہجے میں بولی۔ ”کیا تمہیں مقصد بتا ضروری ہے۔“

”اوہ۔ ٹو۔ میڈم۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔“

”گھبرائے ہوئے لہجے میں بتایا گیا۔“ بلکہ میں تو صرف

اس لیے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ایسا مکان تلاش کیا جائے جو آپ کی ضرورت کے پیش نظر موزوں ثابت ہو سکے۔“

”اوہ! زرتاج نیگم کے لہجے کی سختی نے دم توڑ دیا۔“ دراصل ایک شخص کو ہناہ دی ہے جس کو ہر حال میں اغوا کیے جانے کے امکانات ہیں میں چاہتی ہوں کہ وہ ایک ایسی رہائش گاہ ہو جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ آبادی سے الگ تھاگ اور اس کی حفاظت کا بھی پورا پورا بند و بست ہونا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے میڈم۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔“

ٹھیک باخ روز راجندر زرتاج نیگم ایک خوبصورت اور کشادہ ہنگے کے ٹیٹ پر موجود اس کا لفظی جائزہ لے رہی تھی۔ واقعی اس مقصد کے تحت اس سے زیادہ موزوں جگہ وہ خود بھی بتواتر شاپاس جیسا ہی ہوتا۔ لوہے کا مضبوط گیٹ جس میں بھالے لگے ہوئے تھے اور ان کے پہلوں کا رخ آسمان کی جانب تھا۔ ان پر باقاعدہ دھات کی ٹیٹ تھی۔ چہار دیوار پر تیز لوکپل آبی کانوں کا ایسا حال بچھا گیا تھا کہ چہار دیواری کو عبور کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی بائیں جانب ایک کشادہ دروازہ ہوا تھا اور جہاں کچھ پہریدار موجود تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں خوشخوار جرنل شیپرڈ کی زنجیریں تھامی ہوئی تھیں۔ قد اور جیم کتے، اپنی لائی لائی زبانیں لکالے باپ رہے تھے۔ ان کی خوفناک شکلوں سے ہی ان کے خوشخوار ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ پہریداروں نے زرتاج نیگم کو دیکھ کر موزبانہ انداز میں سر جھکا دیا تھا گیٹ کے دائیں جانب ایک خوبصورت لان تھا جس میں مومی پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاہیاں ایک خاص ترتیب کے ساتھ چلی ہوئی تھی۔ اور چہار دیواری سے تقریباً دو گز کے فاصلے پر مختلف پھولوں کے درخت چہار دیواری کے ساتھ ساتھ ایک قطار کی صورت میں چلے گئے تھے جس سے نہ صرف باہر سے اندر عمارت کی سرگرمیاں نظر نہیں آسکتی تھیں بلکہ عمارت کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ باخ موزوں کی یہ عمارت واقعی ایک مضبوط قلعے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اس کا دل انہی نے خشنے کے تحت دھڑک اٹھا کیا اختر ان تمام احتیاطی تدابیر اور خوشخوار وحشی کتوں کی موجودگی کے باوجود وہ ڈی لائن میں کامیاب ہو سکے گا۔

جسکی توقع اسکے پاس کوئی تھی نہیں شاید وہ کامیاب نہ رہے اور... اور... اور اس امر کے آگے کچھ نہ سوچ سکی۔ اس رہائش گاہ کا جائزہ لینے کے بعد اس نے کچھ ضروری ہدایات دیں اور واپسی کے لیے نکل گئی۔

گھر آکر وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی اور دروازہ بند کرنے کے بعد بستر پر بندھال سی پڑ گئی اس کی طبیعت میں بوجھل پن تھا۔ وہ رہ کر اس کا خیال اختر کی طرف چلا جاتا۔ اور وہ سوچ سوچ کر کہیں جاتی کہ اس کے پاس کے حکم کے مطابق اختر کو اس رہائش گاہ سے ڈفی اڑانی ہے۔ جہاں سکیں کی مرضی اور اجازت کے بغیر پرندہ بھی داخل نہیں ہو سکتا تھا جیسے کہ اسے اس بھولے بھالے جیسے اور معصوم شخصیت کے مالک اختر سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔

اس کی دس سالہ جراثیم پختہ زندگی میں اس سے پہلے بھی کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا تھا۔ جس میں وہ کسی انسانی جذباتی کمزوری کا شکار ہوئی ہو۔ مگر جب سے اختر اس کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ اس کے جذبات اٹھ پھیل ہوئے تھے۔ اختر غیر محسوس انداز میں اس کے قریب آچکا تھا۔ بالکل قریب۔ اس کے دل و دماغ بہر اس کی شخصیت نے جا دوکر دیا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا وہ بڑبڑاتی۔ اس کی پلکوں کے گوشے تم ہو چکے تھے۔

اس ایک بار جو فیصلہ کر لینا ہے اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ میں۔ مجھے معاف کر دینا اختر معاف کر دینا۔ اس کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہہ رہے تھے۔ اور ٹھیک اسی وقت کہیں میں ہلکی سی ٹون ٹون کی آواز گونجی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پاس اس سے ٹرانسپیر پر رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جلدی جلدی ایسے آنسو پونچھے اور اپنے منتشر اعصاب کو سلیٹی ہوئی شبانہ تک جا پہنچی۔ اور اسے اپنی جانب کھینچ کر ٹرانسپیر کے ایک بن بن لنگی رکھ دی۔ ٹون ٹون کی آواز بند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز گونجی۔

”کوڑ بٹاؤ“

”لو ٹوناٹین جناب! زرتاج بیگم نے موڈ باندھ لیا میں کھلا اس نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا تھا۔ کیا تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔“

”جی ہاں! رہائش گاہ کا انتظام ہو چکا ہے۔ اس

کے ایک میڈروم میں ایک انسان کی ڈفی رکھ دی گئی ہے۔ اس عمارت میں چھ عدد دو خوار کتے اور چھ سلیخ افراد اس کی حفاظت کے لیے مستعد ہیں وہ عمارت اب ایک چھوٹے سے قلعے کی صورت کر چکی ہے۔ جہاں ہماری مرضی کے بغیر ایک چوہا بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ زرتاج بیگم لکھا ہوا خوشگوار بچے میں بولی تھیں۔ میرے خیال میں تو پاس! اگر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا ہی مقصود تھا۔ تو ایک گولی کافی تھی اتنا کھڑک پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”لو ٹوناٹین! دوسری طرف سے تنہا کے انداز میں کہا گیا۔ تم مجھ سے گفتگو کرتے وقت ہوش میں رہا کرو۔ تم جانتی ہو کہ میرے ہر کام میں ایک مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اگر اسے مارنا ہی ہوتا تو واقعی اس کے لیے ایک ہی گولی کافی تھی۔ مگر... تم نہیں جانتی تو۔ ٹوناٹین وہ کیا شے ہے۔ وہ اتنی اعصاب کا مالک ایک ایسا انسان ہے جو کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ لامرئی کی طرح چالاک اور شہر کی کو خوار... میں نے بلا وجہ ہی اس پر قابو حاصل کرنے کے لیے لاکھوں روپے بہرہ بردار نہیں کیے ہیں۔“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا پاس! زرتاج بیگم نے فحش زورہ اچھ میں معذرت کی۔ بلکہ میرا ذہن اس ذلے کے پس پردہ اس مصلحت کے بارے میں جانا چاہتا تھا۔“

”مجھ کو کہ میں نے جن طریقوں سے اس طوفان بلا خیز کو اپنے قابو میں کیا ہے۔ آج اس کا رد عمل دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان طریقوں نے اس کی صلاحیتوں کو رنگ تو نہیں لگا دیا۔ اگر اس کی صلاحیتیں واقعی ان طریقوں سے متاثر ہوئی ہیں تو وہ میرے لیے بالکل ناکارہ ہے اور ناکارہ لوگوں کے لیے میرے گروہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔“

”بھول آپ کے اگر وہ واقعی آپ کے معیار پر پورا اترتا تو پھر۔ زرتاج نے جان بوجھ کر بھلا دھور چھوڑ دیا تھا۔“

”تو پھر۔ تم دیکھو گی کہ وہ زرخیز شخص کس طرح ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے۔“

”میں سمجھی نہیں۔“

”ٹوناٹین! اس آواز نے زرتاج بیگم کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا: میں نہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ بے ہسپتال سے اس زرخیز شخص کو کسی باری نے اڑا کر لیا تھا اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ باری میری نظر میں ہے۔ ان کی تمام سرگرمیوں سے میں واقف ہوں۔“

”جی۔ ہاں! زرتاج بیگم نے بڑبڑایا۔“

”تو اس اختیار کے لیے دوسرا حکم اس زرخیز شخص کو عطا کرنے کے مسئلے میں ہو گا۔“

”اگر اختر زندہ بچا تو...“ وہ افسردہ سے بے بسی یوں۔

”میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کو اس کی سلاستی کی کچھ زیادہ ہی فکر ہے۔“

”نہیں پاس! وہ بول کھلا کر بولی۔

”ٹھیک ہے۔ تم اس عمارت میں مختلف اور نیا جب جگہوں پر پولشڈ طور سے ٹی۔ وی کمرے فٹ کر دو دو۔ اور ان میں اینٹی ڈارک لینسز فٹ ہونے چاہئیں تاکہ اندھیرے میں بھی واضح طور پر وہ تمام مناظر کی عکاسی کرتے رہیں۔ یہ کام تم زبرد و فائو بولن کے سپرد کر سکتی ہو۔ جو ان معاملات میں ماہر ترین شخص ہے اور ہاں کل رات اختر اس ڈفی کو لانے روانہ ہو جائے بہت بہتر پاس۔“

”اور ہاں! اس کے بعد تم تیار رہنا۔ میرا خاص آئی نہیں اسٹیشن روم کیمپ نمبرون ڈی پر لے جانے گا۔ جہاں تم ایک بڑی اسکرین پر اختر کی کارگزاری ملاحظہ کر سکتی ہو۔ اس محلے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور زرتاج نے ٹرانسپیر کا سوئچ آف کر کے شیاف دوبارہ اندر دھکیل دیا۔

زرتاج بیگم اس وقت ایک وسیع اور کشادہ کمرے میں ایک بڑی اسکرین کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی جس پر اس وقت بجلیاں سی تھیں رہی تھیں اس کا ذہن بدستور اختر کی طرف سے متغیر مند تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اختر کو اس قلعے تمام مکان سے ایک انسان کی ڈفی لانے کا حکم دے آئی تھی۔ ٹھیک بارہ بجے شب اختر کو اس مکان میں داخل ہونا تھا اور اب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونا بھی ہے یا نہیں یہ سوال اس کے ذہن میں چکر رہا تھا۔ اچانک اسکرین پر روشنی کے جھلکے تیز ہونے لگے اور پھر آہستہ آہستہ اس پر۔ اس مکان کا عکس اچھرے لگا اور پھر

مکان کے مختلف حصے دکھائی دیے گئے۔ اور پھر اچانک ہی اسکرین پر برگٹ کے دائیں جانب لان کا عکس واضح ہونے لگا اور پھر وہ خوف سے لڑنے لگی لان میں اٹھنا کھینچا کرتے ہوئے وہ دو خوار کتوں کو دیکھ رہی تھی۔ باقی کتے شاید دوسری سمت سے نظر آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ اور اب اسکرین پر مکان کے باہری حصے کی تصویر نمایاں تھی۔ اور پھر یہ دیکھ کر اس کا دل دھڑک اٹھا کہ گیٹ کے باہر دو سے ایک سیاہ سیاہ۔ آہستہ آہستہ مکان کی جانب بڑھنا نظر آ رہا تھا۔ اسکرین پر اب اس سناٹے کا منظر واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں اختر تھا۔ وہ محسوس چہرہ فحش صفت اختر جس کی معصومیت نے اس کے اندر ہل چل پیدا کر دی تھی۔ اختر گیٹ کے قریب آ کر گر گیا تھا۔ اس نے محتاط لہروں سے ادھر ادھر کا جائزہ لیا اور چند لمحوں میں کھڑا کچھ سوچا رہا اور پھر وہ مکان کے چار دیواری کے ساتھ ساتھ آخری سرے تک چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چند لمحوں ہی گزار دیے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ کس طرف سے اندر داخل ہونا چاہیے۔ اچانک اس نے اس انداز میں اپنا منہ اوپر اٹھایا جیسے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسکرین پر اس کا پورا چہرہ فحش تھا۔ اور اس بار زرتاج نے صاف دیکھا کہ جسے کوئی جانور اپنے منہ سے پھٹا کر فضا میں کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بالکل اسی انداز میں اختر نے فضا میں کچھ سوچا تھا۔ اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے گردن ہلاتی اور پھر مکان کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسکرین پر کتوں کی ہلکی سی آواز آجری شاید کتوں نے بھی کسی اجنبی کی بوسہ کھنکھائی۔

”پاس نے واقعی پورا انتظام کر رکھا ہے! اسکرین سے کتوں کی آواز آ رہی ہوئی غراہٹ سن کر اس نے سوچا شاید کتوں کے ساتھ ایسے حساس مانگر و فون بھی مکان میں ڈٹ کر دیے گئے تھے جو وہاں کی ہلکی سی آواز کو بھی سنیے کہنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ مکان کے عقبی حصے کا جائزہ لے کر اختر کچھ سوچنے لگا۔ شاید اس کا ذہن کتوں سے ملنے کا کوئی طریقہ سوچ رہا تھا اس نے کندھے پر ہاتھ ہوا تھپتا انداز ایک ریشم کی پتی مگر مضبوط رسی کا پٹھا لکھا اور پھر اچانک ہی اس کی نظر

ایک کافی بنی برہم تھی۔ جو دفعتاً کسی طرف سے اُدھر نکل آئی تھی۔ اور اس سے تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر ایک کر نماں سے اپنا بوجھ جاتے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے کسی شکار کو غصہ کرنے کے بعد اپنے بچوں پر لنگ خون کو جاتا چاٹ کر صاف کر رہی ہو۔ اس نے لپٹا تھیلے میں ڈال کر کندھے پر لٹکا لیا۔ اور بجلی کی کاتیر کی کے ساتھ وہ بنی پر چھینٹا اور دائیں ہاتھ سے اس کو اپنی گرفت میں لے کر اس مکان کے اندر اچھال دیا۔ اس آفت ناگہانی پر غریب بنی کی غیر معمولی چھینک گونجیں اور وہ اسکرین سے اوجھل ہوئی۔ اسکرین بدستور اختر کا احاطہ کیے ہوئے تھی شاید اس سلسلے میں اختر کی تمام حرکات و سکنات کو ظہن کر کے کی ہدایت دے چکا تھا۔ بنی کو مکان کے اگلے سرے کی طرف اچھالتے ہی چاقی جو ہند اختر تھیلی چہار دیواری تک بھاگتا تھا، اور دوسرے ہی لمحہ وہ اچھلا اور کسی کس میں کام کرنے والے شخص کی طرح فضا میں قلابازی کھائی اور پھر اس کے پیر چہار دیواری پر جا پکے۔ ربر کے موٹے سول کے جوتوں اور پھر اس کے پیچھے سے اندازے اس کے پیروں کو زخمی ہونے سے بچا لیا اور پھر وہ اسی برقی قدری کے ساتھ چہار دیواری کے قریب ایک درخت کی شاخیں پکڑ کر کسی مندر کی طرح اوپر چڑھتا چلا گیا۔

اس نے خونخوار کتوں کو بنی میں لپٹا کر اپنا مقصد بھی حاصل کر لیا تھا کیونکہ بنی کے لان میں گرتے ہی وہ سب کے سب اس پر چھینٹ پڑے تھے۔ اور ایک ساعت کے لیے ان کی توجہ بنی خال کی طرف مبذول کر کے وہ ایک گھنے درخت کے پتوں میں خود کو گھسپا چکا تھا۔ اسکرین پر اس وقت صرف درخت اور اس کی مٹی شاخوں کا منظر ابھرا ہوا تھا۔ اور اس کے مالک پر کتوں کی غراہٹ آمیز بنی جلی آوازیں گونج رہی تھیں۔ جو شاید بنی کا تپا پڑ کر کے کے بعد اسی درخت کے نیچے منہ اوپر اٹھائے بھونک رہے تھے۔ آہستہ آہستہ اسکرین پر کتوں کی لٹاویں نظر آئیں جو مسلسل بھونک رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے مٹی فظ بھی دوڑے چلے آئے تھے۔

”یہ سب کے سب اس درخت کے نیچے جمع ہو کر بھونک رہے ہیں“ ان میں سے ایک خوشبش ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

”اف فوہ! ان کتوں نے تو ناگ میں دم کر دیا ہے“

ذرا سا پتہ کھڑا کرتے تو یہ بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔ ابھی ابھی ایک لے جاری بنی کو چہرہ بھانڈ کر رکھ دیا۔ دوسرا لے پرواہی کے انداز میں گھنے لگا میرے خیال میں تو ایک اُدھ بنی اور اس درخت پر موجود کوئی جس کے چکر میں سب یہاں جمع ہو کر غرار رہے ہیں۔ ”ٹھیک ہے“ پہلے والے شخص نے ٹھکانے میں کہا۔ ”تم لوگ ہوشیار رہو اور طرف گشت جاری رکھو اور ان کسٹرون کو بھونکنے دو“ اس نے کتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”چند منٹ بعد خود ہی خاموش ہو جائیں گے“ وہ پانچوں اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے دائیں لٹ گئے۔ اور وہ بھی کیٹ کی جانب بے کرے کی طرف چل پڑا۔ چند لمحوں میں اسکرین پر ان مٹی فظوں کا عکس جھلکا رہا اور پھر آہستہ آہستہ اسی درخت کا سین نظر کرنے لگا جس پر اختر نے بناہ بنی تھی۔ کتے بدستور درخت کے نیچے موجود تھے۔ مگر اب ان کی غراہٹوں میں وہ جوش و خروش شامل نہیں تھا۔ شاید وہ جان چکے تھے کہ دشمن ان کی پہنچ سے بہت دور ہے۔

زرتاج سانس روکے اس تمام کاروائی کو دیکھ رہی تھی کبھی اس کے دل میں اٹھانے خدشے جنم لینے لگتے اور کبھی وہ اختر کی پھر مٹی حاضر و معاضد مٹی اور بہترین قوت فیصلہ کی وجہ سے اطمینان کا سانس لیتی۔ اختر آستے آستے شاہ درخت کا مالک ہو سکتا ہے وہ کبھی اس پر یقین نہیں کر سکتی تھی۔ مگر وہ خود اپنی آنکھوں سے شاہد کر رہی تھی۔ ظاہر ہے یقین نہ کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ تو کیا اختر دہری شخصیت کا مالک ہے؟ اس کے ذہن میں ایک سوال کلک رہا۔

مگر اس سے قبل کے وہ کسی نیچے پر پہنچتی اسی کی آنکھیں اسکرین پر درخت کی ایک شاخ پر سمٹے ہوئے اختر کے سہولے پر پڑیں۔ جو خود اس کے حرکت کرنے کی وجہ سے نمایاں ہوا تھا۔ وہ تو اس سے قبل بھی اس شاخ کا منظر لے وی پر منعکس ہوا تھا۔ مگر درخت کے پتوں اور شاخوں کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آ سکا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے جھپٹے نے ایک موٹی سی شاخ کے دونوں طرف اپنے پیر لٹکا لیے اور پھر تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ریٹیم کی ڈوری کا وہی پتہ دوبارہ نکال لیا۔ جس کو وہ پہلے بھی استعمال کرنے کا ارادہ کرتے رہ گیا تھا۔ کتے ایک ہاں پھر جو کتے انداز میں غرارے لگے تھے۔ مگر وہ ان

سے بے پروا رہ کر ڈوری سے الجھا ہوا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد ڈوری کے اگلے سرے پر ایک بڑا پھندا بنا کر وہ مٹوں کی جانب متوجہ ہوا اور آہستہ آہستہ اس شاخ سے نیچے کی سمت سرکنے لگا۔ اس کو حرکت کرتے دیکھ کر کتے بھر ہو شیار ہو گئے۔ اور ان میں وہی جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ بلکہ اس بار تو ایک جھپٹے کے نیچے زیادہ ہی جوش کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھندیل دونوں ٹانگوں پر کھڑے ہو کر گلے دونوں نیچے درخت کے تنے پر گاڑ دیے۔ اور ٹھیلے اختر بھی کسی ایسی ہی لے کا منظر تھا اس نے دائیں ہاتھ کو جنبش دی اور دوسرے ہی لے ریٹیم کی ڈوری کا پھندا اس کی اوپر بھاگتی ہوئی متوجہ تھی سے گزرتا ہوا اس کی گردن تک جا پہنچا۔ اور جیسے ہی کتے نے اس بلکے بے اماں سے چٹکانا پائے کے لیے پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں اگلے پاؤں زمین پر لٹکا لیے چاہے تو ایک جھپٹے کے ساتھ پھندا گردن کے گرد تنگ ہو گیا اور اس کے دونوں اگلے پاؤں خلا میں لپک کر گرے گئے۔ اس کے حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں بلند ہوئیں مگر پھر ان غراہٹوں نے بھی دم توڑ دیا۔ اور اب اس کا تڑپنا بل کھاتا جسم ہوا میں لہراتا ہوا آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا تھا۔

زرتاج اس ذہانت پر عیش غش کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ خود ایک ذہن غور تھی۔ اتنی ذہین کہ اپنے گروہ میں غور ہوئے کے بعد جو اس نے ایک مقام حاصل کر لیا تھا۔ مگر اختر کے اس انوکھے طریقہ کار نے اس کو بھی چونکے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ اختر کو جس قسم کی پوزیشن سے نمٹنا تھا۔ وہ نہ صرف خطرناک تھی۔ بلکہ جان لیوا بھی ایک دو گتے ہوئے تو وہ خنجر یا کسی تیز دھار آئے کی مدد سے ان سے نمٹ سکتا تھا۔ لیکن ہوتے ہوئے بھی وہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ فائر کی آواز ان مٹی فظوں کو ہوشیار کر دیتی، جو اس وقت کیٹ کے بائیں سمت میں واقع اس کشادہ کرے کی سر و فضا میں بے فکر کی کے ساتھ گرم گرم چلنے کی ہلکی ہلکی چسکیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے اس صورت حال میں اس کی ہم نام ثابت ہو سکتی تھی۔ گو کہ ان مٹی فظوں کو جو رائفلیں اور بے لاء ہوز دیے گئے تھے ان میں اصلی کلر تو نہیں تھے۔ جن سے اختر کی جان کو کسی قسم کا خطرہ درپیش ہوتا۔ مگر اختر کو کیا معلوم۔ اس کو تو اس ڈر لے کی حقیقت کا پتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ان مٹی فظوں

تک کو نہیں معلوم تھا۔ کہ ان کو جو کاروس ہٹا کیے گئے ہیں وہ محض پناہوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ زرتاج کے دماغ پر مختلف خیالات نے پورش کر دی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسکرین پر نگاہ ڈالی۔ جہاں اب اس کے کی لاش رستی کے پستے سے نکال کر ایک شاخ پر لٹکانی جا چکی تھی۔ پھر وہی پھندا اختر کا وہی الٹا طریقہ کار۔

آخر ایک جھپٹے کے صبر آزما اور سنی خیر لمحات نے بعد زرتاج نے دیکھا کہ اختر اب تک تین کتوں کی لاشوں کو درخت کی مختلف شاخوں پر لٹکا کے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اور اب کتے بھی شاید اس کے اس بھیل کا سبب جان چکے تھے۔ اس لیے اس کے پھندے سے کتر لے لگے تھے۔

اختر کافی دیر تک وہی طریقہ دہراتا رہا۔ مگر جب مزید کامیابی نہ ہوئی تو اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اور پھر اس نے رستی کو سمیٹ کر دوبارہ اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ اور ایک لمبا پچھلا خنجر نکال کر دائیں ہاتھ میں پکڑا اور بے دھرمک درخت کی پچلی شاخ سے زمین پر کو پڑا۔ ایک تو وہ ربر کے جوتے پہنے ہوئے تھا۔ دوسرے اس کے قد میں تے نرم نرم ٹھاس ہونے کی وجہ سے اس کے کودنے کی آواز اتنی مدھم تھی کہ چند گز کے فاصلے تک بھی بمشکل پہنچی ہوگی۔ وہ ان مٹی فظوں کی طرف سے اتنا فکر مند نظر نہیں آتا تھا۔ زمین پر کودتے ہی اس نے تیزی کے ساتھ زمین پر لوٹ لگا کر خود کو ان کتوں کے جبروں سے بچا دیا۔ جو یک لحظت ہی اس پر چھینٹ پڑے تھے۔ اور بجلی کی مٹی تیزی کے ساتھ اس کے ہاتھ کی گرفت میں دبے ہوئے خنجر نے حرکت کی اور سب سے قریب آنے والے کتے کے حلقوں کو ادھیڑتا ہوا لٹک گیا۔ اس غریب کے منہ سے ہلکی سی خرخراہٹیں نکلیں اور وہ وہیں پر پختیاں کھانے لگا۔ مگر اسی اثنا میں بنی دونوں کتوں کو اس کے قریب آنے کا موقع مل چکا تھا۔ ان میں سے ایک نے اس کی دائیں ٹانگ پر ہمارا گروہ جس تیزی سے اس کی ٹانگ کی طرف جھپٹا تھا۔ اس سے بھی کچھ تیزی سے اس کے منہ پر ایک بھونک پڑی اور نہ جانے کتنی قوت سے وہ بھونک رہی تھی کہ وہ ٹھیک ٹھیک فضا میں بلند ہوا اور تقریباً بیس فٹ کی دوری پر جا کر پھندے سے گرا اور پھر

وہ وہیں بھر کئی کی طرح گھومنے لگا شاید اس کا نچلا دھڑلے کا ہر چوکا تھا۔ البتہ آخری کتے نے موقع پلے ہی اگلے کے پیروں کو اپنے خو خوار جبروں کی گرفت میں لے لیا تھا۔ شاید آخر کی قسمت ہی اسی تھی جو وہ مضبوط لانا لکھ لوث پہنچے ہوئے تھا۔ اس نے جھک کر اپنا خون آلود جبر کتے کے دائیں پہلو میں پیوست کر دیا۔ تقریباً آٹھ پاؤں لمبا خنجر شاید سیدھا اس کے دل میں ترزو ہو گیا تھا اس کے جبروں کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور وہ مردہ ہو کر گر پڑا۔ اختر نے بائیں پیر کے زخم کو دیکھنے تک کی تکلیف گوارہ نہیں کی۔ اور نہ ہی اس کے چہرے پر کسی قسم کی تکلیف یا پریشانی کے آثار پیدا ہوئے۔ وہ خواب اس کتے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ جس کا نچلا دھڑلے کا ہر چوکا تھا۔ مگر وہ زندہ تھا۔ اور وہ فداوار جانور لگے دونوں پیروں کی مدد سے اپنے نکلے دھڑلے کو کھینچ کھینچ کر برابر آخر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے دردناک اور تیز آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اختر نے اس نے زبان جانور کو اس تکلیف دہ حالت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلانے کے ارادے سے اپنا خنجر اٹھا پایا، مگر چونکہ کمرہ رک گیا۔ ایک محافظ اس طرف آ رہا تھا۔ اختر کی تمام حکمت بیدار ہو چکی تھیں۔ وہ اس محافظ پر نظریں تباہ آہستہ آہستہ دے قوموں پیچھے ہٹا اور قریب کے ایک درخت کی آڑے لے۔

وہ محافظ کچھ عرصہ آواز میں کتوں کو یادگار بنا چلا آ رہا تھا۔ شاید اس سردی میں اس کو اٹھنا ناگوار نظر آ رہا تھا۔ جون ہی وہ اس زخمی کتے کے پاس پہنچا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ شاید دوسرے کتوں کے لیے جس و حرکت اجسام کو دیکھ کر اسے کسی خطرے کا احساس ہو چکا تھا۔ اس کا ہاتھ ایک دم کندھے سے لگی راتھل پر جا پڑا۔ اور اس سے قبل کہ وہ اپنے کندھے سے راتھل اٹار سکتا۔ ایک ریشمی پھندا ہوا میں بہر یا اور اس کے حلقوں کے گرد تنگ ہو گیا۔ محافظ کے دونوں ہاتھ اس کی اپنی گردن کی جانب لپکے۔ مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ کسی کا حلقہ اس کی گردن کے گرد گس کر انتہائی قوت کے ساتھ کھینچنا چاہتا تھا۔

”گڈ۔ گڈ۔“ ویری گڈ۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے تھپا لے جاتے ہوئے طنز پر لہجے میں لہلاہا تو بھر بس ریتا صلحا

آپ نے تو سادوں سے وہ راز اٹھانے کی حافی بھری تھی اور خود اپنے انداز اس کے سامنے اگل دیا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنسا۔

ایک ایک وکٹر کو سامنے پا کر رہتا ہوا کما کما کر گئی تھی۔ سادوں بھی کچھ کم حیرت زدہ تھا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے اس کمرے میں ڈاکٹرا فون چھپا رکھے ہیں۔ وہ اپنی حیرت پر قابو پا رہا ہوا بولا۔

”تو تم کیا سمجھتے تھے میں یوں ہی تمہیں آرا دھوڑ دیتا؟ نہیں سڑ سڑاؤں گمار سنا۔ وہ تر بھی لگا ہوں سے رہتا کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میرا بیٹہ کچھ اس قسم کی محتاط طبیعت کا حامل ہے کہ کبھی کبھی تو میں خود اپنے سامنے پر شک کرنے لگتا ہوں پھر تم ہر قسم طرح اعتقاد کر سکتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری اسی محتاط طبیعت کے طفیل مجھے اپنی آستین میں پلنے والی ایک ناگ کے خیالات کا بھی علم ہو گیا۔

ریتا کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے نکلے ہوئے دستوں سے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصے دھب لگے تھے۔ ”کیا مذاق ہے وکٹر؟ وہ تقریباً چیخنے ہوئے بولی۔ یہ سب تمہاری ناچ میں تھا۔ میں لوہا گرم کر چکی تھی۔ مگر۔ تم۔ تم۔ وہ جیسے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

”نہیں۔ ہر قسم ریتا ڈاکٹر لگا۔ اب اس اداکاری کی کوئی ضرورت نہیں۔“ وکٹر سختی سے دھاڑا۔ ”تم خود بخود کر چکی ہو کہ تم ایک ایسے شخص کی داغ و باز ہو جو معاشرے میں زہر پھیلا رہا ہے۔“

”یہ سب تو میں نے سادوں کے دل کو موم کرنے کی خاطر کیا تھا۔ مجھے اس کی ہمدردی حاصل کرنی تھی۔“ ہاں۔ تم اپنی زندگی کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھ کر ہی تو اس کی ہمدردی حاصل کر سکتی تھیں۔ اگر واقعی سادوں کو دھوکا دینا ہوتا۔ تو اسے اپنی زندگی کے اصل حالات سے واقف نہ کریں۔ بلکہ کوئی بھی کہانی گڑھی جاسکتی تھی۔ مگر تمہیں تو یہاں سے فراں ہونے کا ایک اچھا موقع ہاتھ لگ رہا تھا۔“

”نہیں۔ وکٹر۔ نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ غلط فہمی ہو گئی ہے تمہیں۔“

”غلط فہمی! ہاں غلط فہمی! ہو نہیں سکتی ہے بلکہ ہو گئی تھی۔ میں سچ سچ تمہیں چاہنے لگا تھا۔ گو تم واقعی میری زندگی میں ایک داغ کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ میں مگر آہستہ آہستہ تم میرے حواسوں پر چھاتی چلی گئیں تھیں۔ وہ گلو گیسٹے میں بولا۔ ”مگر اب تم میرا وہ روپ بھی دیکھ سکو گے۔ جو آج تک تم نے نہیں دیکھا۔“

”بہتر۔“ وہ غصے سے بھری آواز میں چیخا اور دوسرے ہی لمحے ایک مستحق قوی ہیکل شخص کمرے میں آ گیا۔ اس چہرہ پر کما کر کہ وہ ہر پانچ میں قید کر دو۔ اس نے حکم دیا۔ اور ہاں سب لوگوں کو میرے اس حکم کی اطلاع پہنچا دی جائے تاکہ یہ حراذ میری مدد چڑھیں ہونے کے طفیل کسی قسم کی رعایت حاصل نہ کر سکے۔“

سادوں ابیری سے اس بدلتی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حقیقت کیا ہے۔ وہ کیا دہ عورت اپنے بیان کے مطابق واقعی اسے قریب دے کر حقیقت آگوانا چاہتی تھی یا درحقیقت یہ اس کے دل کی آواز تھی۔

اس نے پیڑ کے ساتھ کمرے سے نکل کر ریتا پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس سے نگاہ ملنے ہی سادوں کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کی آنکھیں چرخ چرخ کر گھر رہی ہوں۔ سادوں مجھے ہی لو۔ سادوں مجھے اس درد سے بچاؤ۔ اسی کشمکش میں وہ پیڑ کے ساتھ کمرے سے نکل چکی تھی اور اس وقت اس کے کمرے میں وکٹر تنہا ہی موجود تھا اور وہ مسلسل اس کے چہرے کے آثار پر حواس سے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کیوں؟ سڑ سڑاؤں! کیا میرے اس فیصلے سے تمہیں بھی کوئی تکلیف پہنچی ہے۔“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔ ”دہ۔ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔ وکٹر اس پر غور کر لیا۔ سادوں کی کیفیت بول رہا تھا۔

”ہوں؟“ وکٹر نے ہنسا بھرا ”تمہیں اس سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہونے لگی ہے۔“ جبکہ پہلے تو تم نے اس پر فریادیں کر تے ہوئے نہیں دی تھی۔ اور پھر وہ ایک انگریز لڑکی ہے۔ تمہاری ہم وطن بھی نہیں۔ پھر اس کے لیے اس ہمدردی کی وجہ۔“ وہ وکٹر پر خیال انداز میں بڑبڑایا۔

”بات رنگ و نسل اور قومیت کی نہیں۔ وکٹر بلکہ ایک مظلوم ہستی کی ہے جسے تم نے اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا۔ وہ تمہارے گناہوں کی تارکیوں میں اتر گئی تھی۔ اب اگر اس کے سینے میں روشنی کی ایک کرن بجی ہے تو یہ اس کی فطرت ہے۔ اس کا حق ہے۔ اسے چھوڑ دو۔“ اسے چھوڑ دو۔“

”ٹھیک ہے سڑ سڑاؤں! کما سنا۔“ وہ بڑی خیانت سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ”اگر تمہیں اس سے کسی خاص قسم کی دلچسپی پیدا ہو چکی ہے۔ تو ایک راستہ ہے۔ اس کی زندگی کے محفوظ رہنے کا۔“ وہ جان بوجھ کر کرک گیا۔

”کیا۔۔۔ وکٹر۔ وہ کون سا طریقہ ہے۔“

”میں اسے تمہارے پیڑ دیکھ دیتا ہوں۔ تم اسے لے کر اپنے گھر جا سکتے ہو۔ مگر شرط وہی ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ مکمل تعاون۔۔۔ وہ ایک خواہنے جملے کا اثر دیکھنے کے لیے رکا اور پھر کہنے لگا۔ تم اپنے قبیلے میں سردار کی حیثیت رکھتے ہو۔ سب لوگ تمہارے حکم پر چلتے ہیں۔ بس سرحد پار ممال مال پہنچانے میں ہماری مدد کر دیا کرنا۔ اور ریتا تمہاری ہے۔۔۔ لیکن اگر۔۔۔“ وہ بھرچ بھرچا ہوا گیا۔

”لیکن اگر تم۔۔۔“

”لیکن اگر تم ہمارے ساتھ تعاون پر راضی نہیں ہوتے تو تمہارے ساتھ جو سلوک ہوگا۔ وہ تو ہو گا ہی۔ مگر تم ریتا کا حال نہ دیکھ سکو گے۔ کبھی چار کتوں کے درمیان گوشت کی ایک بونی کا حشر دیکھا ہے۔ وہ چھارے لیتا ہوا کہنے لگا۔ بس میرے ذاتی مفادوں کے لیے ایک دوسرے کو تم۔“ اسے تصور کر لو۔ اور ریتا کو گوشت کی ایک بونی عذاباً تم پر مطالب سمجھ چکے ہو گے۔ وہ شہتے شہتے ایک ٹوکڑا اور پھر سادوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تو میرا ٹھیک ہے سڑ سڑاؤں! اب تم کل شام تک فیصلہ کر لو کہ کیا چاہتے ہو؟ میں اب کل شام ہی تم سے ملاقات کر لوں گا۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

وکٹر کے باہر جاتے ہی سادوں کے ذہن پر غمتی خیالوں نے یروش کر دی۔ وہ اک عجیب بچہ نشین میں پھنس گیا تھا۔ بے شک وہ یہاں سے لپکنا چاہتا تھا۔ لیکن ان شرائط پر نہیں جو وکٹر نے پیش کی تھیں۔ وہ اگر ایک زندہ ضمیر کا مالک نہ ہوتا تو پہلے ہی وکٹر کی شرائط کو تسلیم کر کے رہائی حاصل کر سکتا تھا۔ مگر اس کے ضمیر نے

یہ گولڈنڈ کیا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے نئی نسلوں کی تباہی قبول کرے۔ وہ خوب اچھی طرح واقف تھا کہ اس کی مدد کے بغیر وہ کٹر لیگھنا قبیلے کے ذریعے منشیات سرحد کے پار نہیں پہنچا سکتا تھا تب تک معاملہ اس کی اپنی جان تک محدود رہا۔ وہ پتھر کی چٹان کی طرح دھڑکے ملتے میں حائل رہا۔ مگر اب... وہ تھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اب بات صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہی تھی۔ بلکہ اس میں ایک مظلوم عورت کی ذات بھی ملوث ہو چکی تھی۔ بے شک ریٹا جرم پیشہ تھی۔ مگر اس سے تفصیلی ملاقات کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس میں ریٹا کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ شخص ایک بے بس عورت تھی جو حالات کے تحت کوئی مرضی کے سانچوں میں ڈھل گئی تھی مگر ایک شریف انسان کے اندر چاہے وہ کتنا ہی بڑا جرم کیوں نہ بن جائے، اگلے کی ایک کرن ضرور ہوتی ہے اور جب کسی حادثے یا واقعے سے شائبہ ہو کر وہ کرن اس انسان کے سینے میں بھجوتی ہے تو اس کا بے حس ضمیر بے دار ہونے لگتا ہے اور شاید رہائش کے سینے میں آجائے کی وی کرن پھوٹ رہی تھی۔ جس کے تحت وہ سادوں کے سلنے اپنے تمام عجب گناہ گناہ تھی۔ اور وہ وہی طرح جانا تھا کہ کوئی عورت اپنے عیب جب کسی مرد پر عیاں کرنے تو وہ صرف اسے اپنا ٹھیکتی، عمدہ یا ایک سچا دوست سمجھ کر ہی ایسا کرتی ہے۔ اور شاید سادوں کے عزم و ولولے اور سچی دھچکنے والی شخصیت میں اسے اپنی نجات کی ایک کرن نظر آئی تھی۔

”لو کیا وہ مظلوم عورت جس نے اسے اپنا نجات دہندہ تصور کر کے اس پر اعتماد کیا تھا۔ اس کے ملتے ان خونی و نرندہ صفت ہمیلوں کے حوالے کر دی جانے گی؟ کیا اس کی غیرت یہ برداشت کر سکتی ہے؟ نہیں، کوئی نہیں“ اس کے دل میں ایک بے قراری سی پیدا ہوئی۔ وہ اپنی سہری سے اٹھ کر گھر سے نہیں ہٹلے لگا اس کا ذہن تیزی سے ریٹا کی نجات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ناجی نے کیوں اسے اس انگریز عورت سے ہمدردی ہو چلی تھی۔ اور وہ ہر وقت بہر اس کو کیا چاہتا تھا۔ اور پھر اچانک اس کی آنکھیں کسی خیال کے تحت جھک اٹھیں۔ اس نے مطمئن انداز میں اپنا سر ہلایا۔ اور سہری پر اکر لٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی کرے

میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تھے۔

ڈاکٹر کھڑے زخمی شخص کے کمرے میں واپس آچکا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر اس کے گرد اس طرح جمع ہو گئے جیسے وہ اس کے بے قراری سے منتظر ہوں۔ ”ہاں ڈاکٹر کھڑے... اس نے تمہیں اس زخمی کے بارے میں کئی حقائق سے آگاہ کیا۔“ ڈاکٹر اظہر نے پہل کر کے ہوئے سوال کیا۔

”ذرا صبر سے کام لو! اس نے اپنا اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے کہا: سب سے پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ زخمی کی حالت کس بارے میں تم سب کی کیا رائے ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ان میں ایک چونک کر بولا: ”اس زخمی کی حالت کے بارے میں ہم سے زیادہ تم جانتے ہو۔“

”مجھ...؟“

”میرا مطلب یہ نہیں... وہ جھجھلائے ہوئے انداز میں بولا: بلکہ میں تم سب کی الگ الگ بے لاگ رائے جانا چاہتا ہوں۔ بغیر کسی خوف و خدشے کے آپ سب باری باری اس زخمی کے بارے میں اپنی قیمتی رائے کا اظہار کریں۔ یا توں سمجھ لیں کہ آپ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اس مریض کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں یہ زندہ و نجات سے گایا نہیں... جواب صرف زبان ہاں یا نہیں میں دیتا ہے“

”لیکن یہ سب...“

”ڈاکٹر اظہر ہلینے...“ کھڑے نے اس کی طرف التجا پز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: ”اگر یہ لوگوں نے مجھے اپنا سربراہ مانا، ہی لیا ہے تو پھر جو میں کہوں اس پر عمل کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جو تجسس کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے، اس کا اعلیٰ زخمی کے بارے میں ہتہا کر وہ معلومات اور تفصیل جانتا ہے پھر بھی میں آپ سے چند منٹ صبر کی درخواست کر رہا ہوں گا“

”ٹھیک ہے ڈاکٹر کھڑے“ اظہر نے کہا: ”میرے خیال کے مطابق تو کہ اس شخص کے بدن میں زندگی کے آثار نمایاں ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ مگر اس کا زندہ بچنا محال ہے۔ ہاں وہ کہہ لیں کہ اس کی شیع زندگی کا کوئی بچنے سے پہلے بھڑکنے لگی ہے“ اس کے ہچے میں مایوسی

فی۔ اور پھر ایک ایک کر کے ان سبھی نے اپنی اپنی رائے ظاہر کر دیا تھا۔ اکثریت ان ڈاکٹر کی تھی جو اس کی رگی سے نہ صرف مایوس ہو چکے تھے جبکہ حیرت زدہ تھے کہ وہ زندہ کیسے ہے۔

”مجھے اسی بات کا خدشہ تھا۔ ڈاکٹر اظہر! ڈاکٹر کھڑے ایک سرور آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”جیسے میں سمجھا نہیں“ اظہر نے استغیا ہیہ لہجے میں ”بس“ سمجھ لیں آپ لوگ! وہ تمام لوگوں کو غنا باب نے ہوئے کہنے لگا: کہ ہم سب کی زندگی اس زخمی اس کی سانسوں کی مرہون منت ہے۔ ہمارے دلوں ہر گھن اس کی سانسوں کی دھڑ سے بندھی ہیں اور ہر کی سانسوں کی دھڑ لڑتی اور اوپر ہمارے دھڑ میں ہو ہیں“

”کہتے ہوئے اس نے برناڈ سے اپنی گفتگو کا مدد بیان کر دیا۔

”ادب!“ وہ سب کے چہروں کا بخور جائزہ لینا لگا: ہمارے محبت کا بس ایک سیمی راستہ ہے کہ ہم نا تندی کے ساتھ اس مریض کے علاج میں مل گے، اور اس کی موت کے امکانات کو اپنے ذہن سے لہر پھینک دیں۔ ہمیں صرف یہ سوچنا ہے کہ اگلی دو چار کی زندگی کے کئی سال باقی ہیں... وہ بڑے شہابی طریقے سے ان کے ذہنوں پر برقی مایوسی کی مٹا رہا تھا۔

”بس اب تم لوگ جت جاؤ۔ بھگوان جو کرے گا“

”کی کرے گا“

ڈاکٹر کھڑے نے الفاظ نے واقعی ان سب پر سرسرا کر دیا تھا۔ وہ ایک نئے عزم و ولولے کے ساتھ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور راجی اپنی ڈیوٹی نبھانے انہیں اس مریض کی زندگی کے لیے جدوجہد کرنے پے پورے چوبیس گھنٹے گزار چکے تھے۔ اور اس نا انہوں نے اس کے کئی چوبیس گھنٹے بھی تھے۔ مریض کے بلڈ گروپ کا خون انہیں وافر میں ہتہا کر دیا گیا تھا۔ اور جلد بہترین شیشی جگر ضروریات کا سامان بھی موجود تھا۔ لہذا انہیں شیشی کے دوران کسی خاص وقعت کا سامنا نہیں رہا تھا۔ مگر ایک دشواری ان کے سامنے ابھری

ہوئی تھی۔ کہ مریض کے جسم کی وہ تمام نسیں جن کے ذریعے اسے رقیق غذا فراہم کی جا رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ہلکے ہوئی جا رہی تھیں۔ پہلے نٹکی سے ناک کے ذریعے غذا کی فراہمی روک دی گئی تھی۔ اور بازو کی نٹس کے ذریعے غذا کا حملول اس کے جسم میں آنا لگیا لیکن بازو کا ایک زخم رہنے لگا۔ اور اب انہوں نے نٹس کی نٹس کے ذریعے غذائی سلسلہ بحال کر دیا تھا۔ مگر یہ ہتھا کر اگر صورتحال میں جلد ہی کوئی تبدیلی نہ آئی ہوگی تو پھر... ان سب میں اس پھر کے آگے کچھ اور سوچنے کی ہمت ہی نہ تھی۔

”ہم نے یہ جو آپریشن کر کے، یہیں ان کا زندگی اُٹھ چوبیس گھنٹے میں، اس شخص کے ہوش میں آنے کی صورت میں مل سکتا ہے جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں پہلے اس شخص میں جس وقت ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اس کا ہوش میں نہ آنا ہی بہتر تھا۔ اس وجہ سے اسے بے ہوشی کا انکشاف نہ دیا گیا تھا۔ مگر اب...“ وہ اپنے بل پڑے ملتے پرائیوٹ مارتا ہوا بولا: ”اس کا ہوش میں آنا ضروری ہے بہت ضروری...“ اور پھر یہ کہتے کہتے وہ اچانک بی رگ گیا۔ جیسے دفعتاً اس کو کچھ خیال آگیا ہو۔ اپنی لمبہ دروازہ آہستہ سے کھلا ایک شخص اندر آگیا کھڑے اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ وہ وہی بے چوڑے جسم اور سرخ سرخ آنکھوں والا آدمی تھا جس نے اس کو باس کے بلانے کا بہاد کر کے زخمی شخص کے ہلاک کر دینے کے ارادے کو تبدیل کر دینے کی ہدایت دی تھی اور جس نے خود کو ان سب کا دوست بھی کہا تھا۔

خونی آنکھوں والے شخص نے شخص نے کہے میں داخل ہوئے ہی ڈاکٹر کھڑے کو اپنی ناک پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر اس سے قریب آ کر چپکے سے اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا دیا اور خاموشی سے واپس ہٹ گیا۔

اس کے چلنے کے بعد کھڑے کو ہوش آیا اور اس سے قریب آ کر اس کے ساتھ چوبیس میں سے کوئی بول ڈیٹا اس نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا اور کاغذ کی تہ کھول کر دیکھا۔

”ڈاکٹر کھڑے! یہ تو تمہیں معلوم ہی ہو گیا

ہو گا کہ اس کمرے میں جگہ جگہ ٹون لہب ہیں۔ جو اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ ایک دوسرے کمرے میں باس کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے میں کاغذ کا سہارا لے کر تھمتے سے درخواست کرتا ہوں کہ تم ٹھیک پندرہ منٹ بعد اسی کمرے سے نکل کر اپنے سونے کے کمرے کے حلقہ کاغذ روم میں پہنچ جانا میں اس بات کا اطمینان کر چکا ہوں کہ وہ جگہ قطعی محفوظ ہے اور ہم وہاں آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کھنہ نے خاموشی سے وہ کاغذ جیب میں رکھ لیا۔

ڈاکٹر اطہر کے چہرے پر انھن کے آثار دیکھ کر اس نے کاغذ نکالا اور ایک کاغذ پڑا اس کے میں ڈاکٹر فون نصب ہیں اس لیے محتاط رہو۔ اس شخص کے بارے میں ابھی مجھ سے کچھ دریافت نہ کرنا۔ تمہاری تسلی کیلئے اتنا بتا دوں کہ وہ ہملا دوست ہے۔ اور عملی مدد پر آمادہ ہے۔ لیکر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اطہر نے خاموشی سے اس کی تحریک بڑھی۔ اور امید کی ایک کرن نے اس کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑا دی۔ پھر اس نے یہ تجربہ دوسرے ساتھی کی طرف بڑھا دی۔ اور باری باری وہ سب کھڑے ہو کر سرسار خاموشی کا سہلب سمجھ گئے۔ وہ کاغذ لے کر اپنی جیب سے لائبرل نکالا اور اسے شعلے کی نذر کر دیا۔ اس شخص کی تحریک کے ساتھ ہی اسی نے یہ ہی عمل کیا تھا۔

”میں بہت تنگ چکا ہوں“ وہ نفاہت سے کہنے لگے میں بولا۔ اور میرے خیال میں آپ لوگ بھی آرام کریں تاکہ کل صبح ہم سب تازہ دم ہو کر اپنی لڑائی جگہ زمینیں صرف ایک بار دو ڈاکٹر یہاں ٹھہر جائیں۔ تاکہ مریض کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی کمری سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی سمت چل پڑا۔ جہاں وہ اس پرلرل دوست کی ہدایت کے مطابق اس سے گفتگو کر سکتا تھا اپنے کمرے میں آکر اس نے اپنے کپڑے بدلے اور باہر روم میں داخل ہو گیا۔ دروازے کی چٹخنی اس نے کھلی چھوڑ دی تھی۔ اور اس کی توقع کے عین مطابق کسی نے آہستہ سے ایک پٹ کھولا اور پھر جلدی سے دروازے

کو لاک کر دیا۔ وہ اس کا وہی پر اصرار دوست تھا اور دسے قدروں انتہائی خاموشی کے ساتھ باقاعدہ دم میٹر داخل ہوا اور کھنہ کو موجود پاکر آہستہ سے باہر روم کا دروازہ بند کر دیا۔

”اب کمرے میں نصب پوشیدہ ڈکٹا فون کے خط سے چھٹکارہ پا کر ہم یہاں آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں اس نے لیکر کسی تہیہ کے اندھم آواز میں کہا۔ مسہر پہلے تو میں یہ سوچنا چاہوں گا کہ آپ مجھ پر اعتماد کیا ہیں یا نہیں۔“

”اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا تو کیا اس وقت میں یہاں موجود ہوتا۔“ ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ واقعی تم نے اس وقت مجھے بلا کر جو مشورہ دیا تھا۔ حالات نے ثابت کر کے وہ ایک دوستانہ مشورہ تھا۔ تم ہمارے فتن ہوو۔ ”تو بس ڈاکٹر یوں سمجھ لو کہ میرے کہنے پر عمل کر کے تم نقصان میں نہیں آہو گے۔ میں کون و کیا کسی موزوں وقت پر مٹاؤں گا۔ لیکن میں جو بھی تمہارا اندر د ہوں۔ اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔“ میں میرا بھی فائدہ ہے۔ کیا فائدہ ہے۔ یہ ابھی ہر مناسب نہیں۔ وہ ایک لمحہ رکا اور پھر کہنے لگا۔ اگر وقت مجھے تم سے صرف یہ کہنا ہے کہ مریض اگر اس میں آجائے تو اس کی اطلاع ممکنہ حد تک برتاؤ کو نہیں ملے گا۔ اور بالفرض اگر کسی طرح سے یہ چھپاؤ ممکن ہو سکے تو پھر اس کو خواب اور دوا کے ذریعے یہ کہہ کر دینا کہ اس کی زندگی کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ یا تم ایک ماہ ڈاکٹر ہو اس سلسلے میں کون سی ایسی پیش کر سکتے ہو جس سے ممانڈ مطمئن ہو جا۔ تم بہتر سمجھتے ہو کہ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کو زخمی سے کسی قسم کی بات چیت کرنے سے بچاؤ۔ تاکہ ٹال دیا جائے۔ یہ کہہ کر وہ مڑا اور ڈاکٹر کھنہ کو کھار چھوڑ کر کمرے سے گزرنا ہوا چلا گیا۔

اس کے تانے کے بعد کھنہ بھی اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اس کے اعصاب سخت تنگ کے باعث چٹخنے لگے تھے اس کی آنکھوں میں نیند کا شمار نہ آتا تھا۔ چند لمحوں بعد اس کے خزانے کمرے کی کھلی نفا میں گونجنے لگے تھے۔ برتاؤ اس وقت ایک کشادہ کمرے کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے گرد کچھ اور افراد بھی

جو موجود ہاں انداز میں بیٹھے اس کے ہونے کے منتظر تھے۔ جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ بائزوں کے جھبیس میں جن کی اسٹینک کا جو طریقہ ہمارے اپنا تھا۔ ناکام ہو چکا ہے۔ کے چہرے پر افسردگی کے اثرات پھیلے۔ اور فی الحال ان کی سہلائی قطعی بند کر دی گئی ہے۔ کیونکہ حکومت نے یہی علاقے برگشتہ بڑھانے کا حکم دے دیا ہے۔

”باس! ان میں سے ایک مودبانہ بچے میں بولا۔

”بھیک کہہ رہے ہیں مگر۔۔۔“

”تم ابھی بات جاری رکھ سکتے ہو۔“ برتاؤ نے کچھ نرمی سے کہا۔ ”میں یہ کہنا چاہتا ہوں باس! کہ اس سلسلے میں سہلانا کے اس نوجوان ساون کمار کا کالعدم حاصل کر لینے تک کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔ اس نے قدر سے ہوتے کہا۔ اگر ہم اس نوجوان کا کالعدم حاصل کرنے کا کام چاہتے ہیں تو بڑی آسانی سے سرحدی علاقے پہنچنا جاری رکھی جا سکتی ہے۔“

”ہاں! برتاؤ نے خیال انداز میں بڑبڑایا۔ میرے باپ بھی یہی بات تھی۔ اور اسی وجہ سے میں نے دیکر دیکر اس کو اصرار کیا تھا۔ مگر وہ تو ایسے ہی اصرار سے کہ جس سے میں ہموک نہیں دیتا۔ حالانکہ اسے ہر کالارے دیا گیا۔ وہ نہ مانا تو پھر اس پر سختیاں کی گئیں۔ مگر ایک اس کی طرف سے کوئی امید افزا اطلاع نہیں ملے۔“

”پھر آپ کا جو حکم ہو، ہم کجا آوری کے لیے تیار ہیں۔“ انھن نے زبان کھولی۔

”میں اس سلسلے میں دوسرے اور مشورہ کروں۔“ برتاؤ نے کہا۔

”ابا! بچہ تم لوگوں کو مطلع کر دوں گا۔ فی الحال تو ایک سہل ہمارے سامنے کھڑا ہو رہے۔ جس کی وجہ سے مجھے ان کو یہاں اٹھانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے چہرے کے اثرات ظاہر ہوتے لگے۔

سہلنا لیا ہے اور کر نے خاص طور پر زخمی شخص کے اغوا کی تفتیش کے لیے اسے روانہ کیا ہے۔ میں اس شخص کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ اور میری معلومات کے مطابق وہ ایک ایسا ذہین و فہم ہے جو ہمارے ہی ہونے کے لیے اپنا جواب نہیں دیتا۔ اور جرموں پر ایک سخت ایسے ٹوٹ پڑتا ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کا راستہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ جہلنے خاموش رہا اور وہ سب ساکت اس کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

”اس کی غصہ کا سبب اس کی شاندار کامیابیاں ہیں۔ اس کی دس سالہ ازمیت کے دوران کوئی بھی کہیں ناکل بند ہونے کی توقع تک نہیں پہنچا۔ اس کے سپرد تو جی نڈر کی کی تھی اس نے بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ اسے انجام دیا۔ بلیس ڈیپارٹمنٹ اسے شاہین کے نام سے رکھتا ہے۔ کہ وہ آسمان کی بندی سے اپنی غفالی نگاہ اپنے شکار پر جمائے رکھتا ہے اور ایک سخت اپنے شکار پر اس کی بے خبری میں چھٹ پڑتا ہے۔“

اس کے گرد کوئی جاں بچھا کر اسے کرنل راجندر کی طرح نہ ہنسا لیا جاتے باس! بھونرے چہرے والے شخص نے رائے پیش کی۔

”ہمیں۔۔۔ وہ اب ہوشیار ہو چکا ہے۔ اور ایسے کسی جاں میں اس کو چھانٹنا ممکن نہیں۔“

”تو پھر اس کے آگے بڑھی پھینک کر دیجی جائے۔“ دوسرے نے بھی اپنی رائے ظاہر کی۔

”تم نے شاید غور سے میری بات نہیں سنی۔“ برتاؤ کے لہجے میں سختی آگئی تھی۔ جس شخص نے اپنی کارکردگی کے معاملے میں کہیں کوئی شتم نہ چھوڑا ہو۔ بھلا اسے تو قلع کی جاکتی ہے کہ مال و دولت کا لالچی ہو گا یا نہ۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں نہیں! اگر ایسا ہوتا تو کم از کم ایک آدمی کی فائل تو اس کو بند کرنے پر مجبور ہونا ہی پڑتا۔ مگر اس کا شاندار ادارے داغ دیکھا۔ جسے سچے سچے اعلان کر رہا ہے کہ وہ کوئی ایسا سربراہ نہیں ہے جو دھن کے آگے، دولت کی بھی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔“

”بھیک ہے باس! قدامت و شخص تیکھے لیے میں بولا۔

ہاں! یہی واحد راستہ ہے۔ اس کی گرفت سے بچنا کہ وہ کروا لیا تھا حبش دیتا ہو کہنے لگا۔ "میں اس پر ہاتھ ڈالنا خطرات بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے تم میری کسی ساقط رکھنا اور جان تک ہو سکتے اسے لگاتار کی حمایت نہ کرنا۔" وہ تنبیہ کرنا ہو کہنے لگا۔ "اس مسئلے میں تمہیں جتنے آدمی دیکھ رہے ہیں ان کا انتخاب میں تم پر ہی چھوڑتا ہوں۔" اس نے ملن انداز میں گردن ہلاتی۔ "لیکن ستر مہلت رام ایک لمحہ بھٹے کے اندر اس ڈی ایس بی کی آجھیں چاہیں۔" عقالی آجھیں۔ باہا باہا، برناؤ دیکھ وقت بہت مار کر نہیں بڑا۔ اس کے قبضے میں ایسی درندگی شامل تھی کہ ایک لمحے کو وہ بھی اہم کر رہ گئے۔

دارمسی والہ، اقبال نامی اس دشمن کو ایک جھڑپ سے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ اقبال کو ایک کمرے میں قید کر گیا تھا۔ جہاں وہ بیٹھا ہوا حالت کے اس طرح اچانک رخ بدل لینے پر کافی افسوس مل رہا تھا۔

حالانکہ اس کی چھٹی جس نے بروقت اسے جانے نہ دیا کا احساس دلانا چاہا تھا۔ میٹروالات البیاد پر اس درویش اختیار کر گئے تھے کہ اسے ہاتھ پیر چلائے بغیر ہی خود کو ان لوگوں کے حوالے کر دینا پڑا۔ یہ بھی حویلی میں داخل ہوتے وقت اسے ایک نادار موعظہ ملاحظہ دارمسی والا شخص غیر ارادی طور پر اس کے پیرسکون ردیے سے متاثر ہو کر ایک لمحے کے لیے اس کے قریب سے گزرا تھا اور وہ اس وقت اس دارمسی والے شخص کے ہوسٹ میں لٹے رہا اور کوئی بچنے کا پانسہ پلٹ سکتا تھا۔ سزا اسے تو خود ہی ان لوگوں کی تلاش تھی۔ سزا اس لیے وہ ان پہاڑیوں کے دشوار گزار علاقے میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔

اچانک ہی کچھ قدموں کی آہٹیں کمرے کے دروازے کی سمت آکر ٹھہر گئیں اور پھر دارمسی والے شخص نے دروازہ کھولا اور اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "جلو سرکار نے نہیں یاد کیا ہے؟"

"یہ سرکار کون ہیں؟ ان کا نام کیا ہے؟" سرکار سرکار ہیں؟ دارمسی والا مسخرانہ انداز میں مسکرایا۔ "ہمارے لیے تو سرکار ہی ہیں۔ باقی تو خود ان سے پوچھ لینا۔" اس کو پھر ایک ایسے سرے میں پہنچا دیا گیا جیسے چرٹا

موتال کہا جاسکتا تھا۔ اور یہ ہاں مشرقی و مغربی کے عیسوی امتزاج کا نمونہ نظر آ رہا تھا۔ ایک طرف مغربی طرز کا جدید فرما موجود تھا۔ اور دوسری طرف مشرقی انداز کا ایک سخت جبر پر سفید برق پاندی بھی تھی۔ اور گاؤں کے نیچے ہوتے تھے دو اور ہر کچھ بارعب افراد کی تعداد بھی بڑھتی تھیں۔ اور محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پچھلے زمانے کے کسی جاگیردار کی حویلی میں آ گیا ہو۔

اقبال کو کمرے میں تنہا نہیں چھوڑا گیا تھا۔ بلکہ کمرے کے ہر دروازے پر سخت سنتری موجود تھے۔ جو بڑے مستعدی سے اپنی جگہ کھڑے اس کو گھور رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے بغض و غضب کی چنگاریاں بھٹکتی رہتی تھیں۔ چند ہی منٹ بعد ایک انتہائی بارعب، ادھیر عرق منوں سے اندر داخل ہوا۔ چوڑی دار پاتا نامہ اور شیروانی یہ ملبوس وہ واقعی کسی ریاست کا راجہ نظر آ رہا تھا۔

"شاید ہی ان کا سرکار ہے؟" اقبال نے سوچا۔ اس کے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی۔ دارمسی والے نے وہ انداز میں سر جھٹکا کہ کہا تھا۔ "سرکار! یہ بھی راستہ بھٹک کر یہاں آ گئے ہیں۔" ایک منٹ بعد ڈیڑی ہوئے وہ شخص بارعب لیے میز پر تانے بیچے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "اس کی نگاہیں آؤ گئے جیسے برج گئیں۔"

"کون ہو تم؟" اس نے شائشہ لیے کہا۔ "میں بنا چکا ہوں۔" اقبال نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "وہ میں سن چکا ہوں۔" اس کے ہلچے کی شائشہ برقرار تھی۔ "میرا نام سرور چوہان ہے اور یہ سب میرا درویشی اور قہر نام کہا ہے۔"

"اقبال!" "تو سننا اقبال!" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ "تم کسی کی تلاش میں یہاں تک آ گئے ہو۔" "میں میں سمجھا نہیں۔" "اقبال واقعی چوہان؟" "دیکھو میاں اب تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہارا کیڑا ٹھٹ اس بات کی گواہی ہے؟" "تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں کسی کی تلاش میں آ نکلا ہوں؟ اس کے لیے میں غلطی تھی۔" "جس وقت بھنداری نے مجھے تمہارے میں یہ کہا تھا کہ سرکار یہ بھی راستہ بھٹک کر یہاں آ گئے ہیں؟"

تم لفظ سمجھی، ہر غیر محسوس انداز میں چوہان کے ساتھ اور پھر ایک دم پرسکون ہو گئے تھے۔ "لفظ بھی ہر چہ ان کی بات کی علامت تھی کہ تمہیں کسی شخص کی تلاش تھی۔ اور تمہارا پرسکون انداز بتا رہا ہے کہ..."

"بہت خوب؟" اقبال تو حیفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولے۔ "واقعی تمہارا مشاہدہ ذہین تجربہ رکھتا ہے۔" اخی بایک دینی سے کسی شخص کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنا اور پھر اس سے سو فیصد ٹھیک نتیجہ اخذ کرنا واقعی کمال کی بات ہے؟

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب تو بتا دو کہ تمہیں کس شخص کی تلاش ہے؟" سرور چوہان نے سکرانے ہوئے پوچھا۔ "ان کی..." اقبال اچانک دروازے کی طرف ہٹیں ہاتھ اٹھا کر بولے۔ "واقعی اس نے دروازے پر اپنے مطلوبہ شخص کو دیکھ لیا ہو۔ اور غیر ارادی طور پر سرور چوہان کے ساتھ ہی ساتھ ان سب کی نظریں دروازے سمت اٹھ گئیں۔" سرور چوہان اس اتنی ہی ہمت اقبال کے یہ کاتی تھی اس نے ہلکی سی تیزی سے سرور چوہان کی طرف اشارہ کیا۔ "اور دوسرے ہی نے اس نے ایک قدم سے اس کی گردن پھرتے ہوئے داییں ہاتھ میں بے خبری ٹپک اس کے زرخیز پیر رکھ دی۔ شکل سے بے سبک کا دو وقت تھا جس میں اس نے ہڈی پلٹ دی تھی۔" اب "وہ دوسرے چیمپا اگر تم لوگوں نے ڈرامہ کی بازیاد دکھائی تو تمہارے سرکار کے کام سے؟" اس کے ہلچے میں درندگی تھی۔ "اپنے ہتھیار پھینک دو۔ اگر اپنے رکارڈ کی زندگی سے پیاس ہے؟" وہ عزائمے ہوئے بچے میں بولے۔

بھنداری اور اس کے پیر پر اس عجیب صورتحال پر ہر چہ اسے رہ گئے تھے۔ وہ عجیب کشمکش میں گرفتار تھے۔ اقبال نے ان کے سرکار کو اپنی ڈھال بنالیا تھا اور اس کے ہاتھ میں دیے ہوئے ٹوک سرور چوہان کے گلے لادھرتے کے لیے تیار تھی۔ بھنداری نے آخر کار بے بسی ہو کر اپنی لٹل بھینک دی۔ اسی کے ساتھ باقی لوگوں بھی ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے۔ وہ سرور چوہان کی گردن سے اپنے ہاتھ کی گرفت لڑائی سی ڈھیل کر رہا ہوا۔ لولا۔ "سرور چوہان! انہیں حکم دو کہ دو منٹ کے اندر

اندراں آ دیوں کو لے آئے۔" وہ سخت ہلچے میں کہنے لگا۔ "دشمن اور بطرح کوہ؟" سرور چوہان نے ہنسی بھینی آواز میں پوچھا۔ "گڑا تم واقعی بیٹے ذہین ہو؟" اقبال نے بخیر ٹوک پر دباؤ کم کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے میرے ساتھ مکمل تعاون کیا تو تم گھلنے میں نہیں رہو گے۔" "بھنداری! ان دونوں کو بلا لاؤ۔ خبردار کوئی کوڑہ مت کرنا۔ یہ میرا حکم ہے۔" اس کے ہلچے کا رعب دلپس آچکا تھا۔

بھنداری کے کمرے سے نکلے، ہی اقبال نے زمین پر ہڈی رائل پر جھٹک کر لیا تھا اور اس کی نالی کا رخ سرور چوہان کی سمت تھا۔ مگر یہ دیکھ کر وہ چپک اٹھا کہ سرور چوہان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ "مشفقانہ مسکراہٹ جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی غیر معمولی کارکردگی پر خوش ہو رہا ہو۔"

اقبال بے چین سا ہونے لگا۔ اس کی چھٹی جس پھر سے لے دار ہوئی تھی۔ "اگر اجازت دو تو میں بیٹھ جاؤں۔" وہ تم نے اتنی سختی سے گردن دہائی تھی کہ سخت تکلیف ہو رہی ہے؟" سرور چوہان گردن جھٹکتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے؟" اقبال نے اجازت دے دی لیکن وہ پوری طرح ہوشیار کھڑا تھا۔ اس کی رائل کا رخ ابھی تک چوہان کی طرف تھا۔ سرور چوہان اجازت ملنے ہی صوفے کی سمت بڑھا اور نہ حال ہی حالت میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ صوفے کے پتے پر رکھ لیا تھا اور دیکر ہاتھ سے گردن سہلار رہا تھا۔

اور پھر وہی خطرہ سامنے آ گیا جس کی پیش گوئی ان کی چھٹی جس اتنی دیر سے کر رہی تھی۔ اچانک اس کے سروں تلے زمین لٹل گئی۔ محاورے میں حقیقتاً وہ جس جگہ تھا تھا وہ حقتاً اچانک ہی ایک جھٹکے کے ساتھ زمین میں دھنس گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ لٹل بیت نیچے خلا میں گر رہا تھا۔ اس کے گرد اس کے کالوں میں چوہان کے قبضے کی آواز گونجی اور پھر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہی سوچی گھاں پیوس کے ایک دھیرے پر آگرا۔ گھاں کے ڈھیر نے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹنے سے بچائی ورنہ جانی اور جانی سے وہ گر رہا تھا۔ بکا فرش ہوتا۔ لوس کا کھاتم ہو چکا تھا۔ اس نے ادھر نظر اٹھائی۔ اس جگہ جہاں سے وہ گر رہا تھا

تقریباً چار فٹ لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا ایک چکرور خلا نظر آیا تھا۔ جس میں سے ہلی ہلی کسی روشنی کی کرنیں گزرتی رہیں۔ اس نے اس تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ اس کا حرف ایک دروازہ تھا۔ جب نہ تھا۔ اس کے علاوہ کسی کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہتر خادایہ، ہی خطے سے ٹپنے کے لیے بنایا گیا ہو۔

چوہان کی سکا ہٹ نے اس کے کانوں میں خطے کی گھنٹیاں بجا دی تھیں مگر وہ سوج بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح کے عجیب و غریب خطے سے واسطہ پڑے گا۔ وہ توان بہریداروں اور چوہان پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اونٹن اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے اور گھاس کے ڈھیر پر بیٹ گیا۔

تو رہا بندہ منٹ، ہی گڑ سے ہوں گے کہ اس تہہ خانے نما کے دروازے پر کچھ آئیں ابھریں اور وہ سب کچھ اچھو گیا۔ پھر آہستہ سے دروازے کی کنڈی ہلنے کی آواز اس کی سماعت سے نکلی۔

”دروازے کی کنڈی کھول دی گئی جوان ارنفل بھیگ کر ہاتھ ادا ہوا تھا بے باہر نکل آؤ۔ دروازہ چلا کی لوکان بار نہیں بچو گے“ باہر سے بھنڈاری کی آواز سانی دی اس نے عجیب ارنفل وہیں پھینکی اور ہاتھ ادا ہوا تھا۔ تن پر نقد ہر باہر نکل آیا یہ ایک تنگ راستہ تھا۔ اور پھر ”یاس گز لے اس راستے کا اختتام ایک ایسے ہی کنوئیں پر ہوا۔ جس میں وہ پہلے بھی پھنس چکا تھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کنوئیں میں لگی ایسی سرسریاں چھنے لگا۔ اور جس وقت اس نے کنوئیں کی منڈی سے سر اٹھا یا جبکہ اکرہ گیا۔ اس کے سامنے وہ ٹوٹا اور براج کھڑے سکا رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی دوستانہ لڑائی میں سرور چوہان بھی کھڑا سکا رہا تھا۔

”ہاں آؤ شو“ سرور چوہان کی طرف دھڑکتے ہوئے بولا۔ ”یا اقبال ہے۔ میرا جائزہ سامعی“ پھر اقبال کی سمت دھڑکتے ہوئے کہا ”اجاؤ بھئی“ سرور چوہان ہمارے دشمن نہیں دوست ہیں“

وہ لوگ بال، بال پیچھے تھے۔ ڈی، ایس، پی پرویز ملک نے طے کے اڑتے ہوئے گرد و غبار کو دیکھا۔ واقعی

ٹرانسمیٹ میں کوئی طاقتور ہم تھا۔ جس نے اس مضبوط ٹکڑے کے بٹنے کے لیے آڑا دیے تھے۔ اس عمارت کے دوسرے حصوں کو بھی سخت نقصان پہنچا تھا۔ پرویز ملک نے اپنے کپڑوں پر جی گرد بھاری اتنی ہی دیر میں آپٹریس نیل اور اس کے دیگر ساتھی اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور پھر پرویز ملک کو ہی سب سے پہلے کرنل راجندر کا خیال آیا تھا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ کرنل راجندر ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کے بارے میں پوچھا۔ تو اس کے ایک سپاہی نے بتایا۔ کہ کمرے سے چھلانگ لگاتے وقت اس نے کرنل راجندر کو ہتھوڑی سے دوڑتے ہوئے میز سے ٹکرا کر گرتے دیکھا تھا۔ اور پھر اسے نہیں معلوم کہ وہ نکلے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یا کمرے کے طے میں دب کر رہ گیا تھا۔

جب گرد و غبار کچھ کم ہوا، تو وہ سب اس طے میں کرنل راجندر کو تلاش کرنے لگے۔ اور کافی جدوجہد کے بعد بالآخر وہ مل گیا۔ مگر اس حالت میں کہ اس کا سر بالکل بچک چکا تھا۔ اور جسم کے دوسرے حصے بھی بڑی طرح پٹے پٹے تھے۔ پرویز ملک نے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور دو منٹ کے لیے وہاں خاموشی چھائی۔

پرویز ملک کے لیے یہ کیسی ایک چیلنج کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس کے بے درخ اور شاندار ریکارڈ کے لیے ایک دھتے کی شکل اختیار کرنے لگا تھا۔ اس نے دن کی بھگ دوڑ اور جانفشانی کا رت چلی گئی تھی۔ وہ جہاں سے چھلانگ دہا وہ دوبارہ آکر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی لہریں بلوں کی صفائی سرسرا رہی تھیں۔

”سر“ آپٹریس نیل نے اس کی پریشانی محسوس کر لی تھی۔ ”ہم اپنی تعینات کانسٹرکٹور دارہ اس ہسپتال کی طرف موڑ دیں جہاں سے اس زخمی کو اغوا کر لیا گیا تھا تو مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی سرسرا مل سکتا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے جے جے، ہسپتال۔۔۔۔۔؟“ پرویز ملک کی نگاہیں چمکنے لگیں تھیں۔

”اوہ ہاں“، یقیناً تمہارا خیال اچھا ہے۔ وہ تو صنف نگاہوں سے نیکو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ”یکے بعد دیگرے ناکامیوں نے شاید میرے دماغ کو تنکا مارا ہے۔ جب

ملا وجہ میں فکر مند ہو رہا تھا، اس کے چہرے پر شگفتگی برپا تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد ہی پرویز ملک جے جے ہسپتال ج چکا تھا۔ اور اس بار نیل اس کے ساتھ تھی۔ وہ سیدھا مٹریس کے کمرے پر پہنچا تھا۔ ڈاکٹر مینش کو اطلاع تو اس نے باوجود مصروفیت کے انہیں اندر بلا دیا تھا۔

”ہیلو ڈی، ایس، پی صاحب! وہ خوش دلی سے بولا۔ کیسے تکلیف کی۔۔۔۔۔؟“

”بس یوں ہی۔ اور صبر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے اوقات کرنا چاہوں“ پرویز مسکرا کر بولا۔ ”بہت کراہا ہوا ہے۔ آپ پدھارے، وہ مخصوص الفاظ ادا کرتے ہوئے بولا۔

”پتہ کیا پتہ ہے۔ گھر یا پتھر؟“

”جو پتہ ہو۔ ڈاکٹر، پرویز نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا۔

ڈاکٹر مینش نے چپراسی کو چاہنے لائے کا حکم دے دیا جائے کے دوران پرویز نے آپٹریس نیل کا تعارف دیا۔ ڈاکٹر مینش نے کرا دیا تھا۔ اور پھر مطلب کی بات پراتے گئے اس نے کہا۔

”ڈاکٹر مینش! میں ایک خاص سلسلے میں کچھ تمہارا اون چاہتا ہوں“

”جی! کیوں نہیں ڈی، ایس، پی صاحب! انانوں کے اتھ بھر کر تعادلوں کرنا بہتر وقت شہری کا فرض ہے“

”نہ بلا تھجک جواب دیا۔ مگر۔۔۔۔۔ کس قسم کا تعادلوں۔؟“

”دراصل میں یہاں کے ان اشراف مزے کا نام لے رہا ہوں۔ مگر کرا چاہتا ہوں۔ جو کسی مذہبی طور پر حال اس زخمی فص سے ملوث رہے ہوں۔

”ہوں،“ ڈاکٹر مینش نے ہنکارہ بھرا۔ اور پھر اس نے ہیل بھا کر چپراسی کو بلایا اور مشر پانڈے کو بلانے احکم دیا۔

”میں نے جس شخص کو یہاں بلوایا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔ اس کے سپرد نہ صرف اسے اشات کی نگہ رانی ہے بلکہ وہ ہسپتال سے متعلق دیگر لوگوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔“ ڈاکٹر مینش نے کہا۔ اور اسی وقت بل بھاری بھر کم شخص کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ دلا تے لیجیے۔ مشر پانڈے شریف لے آئے ہیں۔ اور مشر پانڈے ان سے ملے وہ پرویز ملک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”آپ، ڈی، ایس، پی پرویز ملک ہیں۔ اور اس شخص کے اغوا کی تعینات کر رہے ہیں“

”بڑی خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر۔۔۔۔۔“

پانڈے نے گرم خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں بھی آپ کی تعریف میں ڈاکٹر مینش سے بہت کچھ سنا چکا ہوں“ پرویز ملک مسکرا کر بولا۔

”اوہ! یہ تو بس یوں ہی شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ بڑی صاف اردو میں بات کر رہا تھا۔

”دراصل ڈی، ایس، پی صاحب کو کچھ خاص معلومات درکار ہیں۔ جو ان کی تعینات میں انہیں بڑی سہولت جتا کر سکتی ہیں۔“ ڈاکٹر مینش نے وضاحت کی۔

”جی، فرمائیے، وہ پرویز ملک سے براہ راست مخاطب ہوا۔ آپ کے ساتھ تعادلوں کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

”بات یہ ہے پانڈے جی! کہ اس شخص کے اغوا کے سلسلے میں دوران تعینات میرے ہاتھ کچھ سراغ لگے تھے۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ ہسپتال پر جو حملہ کیا گیا تھا۔ وہ بڑے ہی منظم انداز میں اور بہت درست پلاننگ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور اس کے پیچھے چند ملک دشمن عناصر کا ہاتھ ہے۔ جن کے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ اور ان کی پہنچ دور تک ہے۔ میں اس سازش کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور میرے ہاتھ ایک مہرے بھی لگے۔ مگر افسوس کہ کسی وجہ سے میں ان سے وہ معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ جن سے میری تعینات آگے بڑھتی۔

پانڈے بڑے غور سے پرویز کی بات سن رہا تھا۔ پتا چلے ہر امر قابل فکرمے کہ وہ لوگ عین موقع پر اس زخمی کو نکال کر تین آسانی سے غائب ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یقیناً ہسپتال کے کچھ لوگوں کی مدد ضرور حاصل کی ہو گی یا پھر ان کے کچھ لوگ پہلے سے یہاں موجود رہے ہوں گے جنہوں نے اس گروہ کی باقاعدہ راہنمائی کی اور انہیں تمام تر سہولیات پہنچائیں۔

پرویز ملک مختصر آہنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

”اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ میں آپ سے ان مشتبہ افراد کے نام دیتے نوٹ کرنا چاہتا ہوں۔ جو آپ کی دست میں اس حادثے میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ ان میں ہو سکتا ہے۔ اشانی کے لوگ بھی شامل ہوں۔ اور کچھ باہر کے لوگ بھی۔ جن کی حرکات و سکنات پر آپ کو کچھ ہلکا سا بھی شبہ ہوگا۔ پرویز، پانڈے کو تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”یہ تو بڑا مشکل مسئلہ ہے جناب! وہ گردن ملتا ہوا بولا۔“ فرض کیجیے میں ایک دو لوگوں پر شبہ ظاہر بھی کروں۔ تو کس بنادیں؟...؟“ محض اپنے خیال کی بنا پر...؟“ نہیں! ڈی، آئی، جی صاحب! یہ تو آپ مجھے پھنسانے کی بات کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو جب معلوم ہو گا تو میرے ان سے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔“ وہ ایک لمحہ مضطرب ہوا۔

آپ میری بات سمجھ رہے ہیں۔ ناں؟“

”اس سلسلے میں آپ کو قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ جو معلومات بھی ہم کو ہم پہنچائیں گے وہ صرف اس محررے تک محدود رہے گی۔ پرویز ملک نے منظم لہجے میں کہا۔

”نہیں جناب! اس سلسلے میں تو مجھے معاف ہی رکھیں۔ بات اپنے ہی اسٹاف کے لوگوں تک پہنچی تو میری پوزیشن کتنی نازک ہو جائے گی۔ آپ کو اس کا احساس نہیں؟“

”مشر پانڈے! ایک دفتر دار پولیس آفسر کی حیثیت سے میں آپ کو یقین دلانا چاہوں گا ان معلومات کے پس پردہ آپ کا نام ہمیشہ مخفی رہے گا۔ ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ پولیس کے ساتھ تعاون کرنے والے شخص کا واسطہ کر لیا جائے۔“

”بلکہ تجربے سے پڑ جائے کہ آئندہ وہ قانون کی مدد کرنے سے باز آجائے۔ پرویز بولا اور پھر میں نے تو اپنے طور پر آپ سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ اور آپ کے نزدیک جو مشتبہ شخصیات ہیں ان کے بارے میں جاننا چاہیے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے طور پر اگر پوچھ پچھ کر ہی ضرور کریں تو آپ کے ہاں اسٹاف کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ ہمارا کافی وقت ضائع ہو جائے گا۔ جب کہ ہمارے پاس وقت کی کمی ہے۔

لیکن اگر آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کے طور پر ان مشتبہ افراد کی لسٹ ہمارے حوالے کر دیں تو ہم اپنے طور پر ان کے حالات کا جائزہ کر کے اپنے ٹھکانے کو دور کر سکتے ہیں۔“

”ہمیں ان مشتبہ افراد میں حقیقتاً اس گروہ کا کوئی فرد شامل ہی ہو لیکن ہو سکتا ہے اس تک دو میں شاید کوئی سرائے ایسا مل جائے کہ ہماری پیش قدمی میں جان بڑ جائے۔“ پرویز ملک نے پوری وضاحت مناسب سمجھتے ہوئے پانڈے کو قائل کرنا چاہا جو بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”ٹھیک ہے سر!“ وہ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اگر آپ یہ یقین دلاتے ہیں کہ میرا نام پوشیدہ رہے گا تو میں آپ کو ان چند لوگوں کی فہرست منور بنا کر بھی دے دیتا ہوں جن کی حرکات و سکنات میں کچھ غیر معمولی کیفیات

کا مشاہدہ میں نے کیا تھا۔“ یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر ہمیش کے کمرے سے نکل گیا۔

ڈاکٹر ہمیش جس نے ان دونوں کی گفتگو سنی تھی... اب وہ پرویز ملک کو تنہا نظر سے دیکھ رہا تھا۔

”ڈی۔ ایس۔ پی صاحب! واقعی میں آپ کی عقل و فرست کا تو پہلے ہی سے قائل تھا جب آپ نے اس جوگی فقیر اور پھر کرنل راجندر پر جس ہوشیاری سے ہاتھ ڈالا تھا لیکن آج آپ کے صبر و تحمل اور دونوں کو تسخیر کرنے والی جادو اثر گفتگو کا بھی قائل ہو گیا ہوں۔“ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ ”آپ اسے ڈرا دھمکا کر بھی ان افراد کی فہرست طلب کر سکتے تھے مگر آپ نے اپنے نرم رویے اور شائستہ الفاظ سے بالآخر اسے قائل کر دیا۔“ ڈاکٹر ہمیش واقعی اس سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

”یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو ڈاکٹر! میں واقعی اسے ڈرا دھمکا کر کچھ نادیا الفاظ سے مخاطب کر کے بھی اس کو اس کام پر مجبور کر سکتا تھا مگر وہ صرف اپنی جان چھلانے کے لیے بونہی چند ایک لوگوں کے نام لکھا دیتا۔ لیکن میرے رویے نے اس کے دل میں بیدار شدہ ٹھکانے کو دور کر دیا تو وہ بذات خود قانون کی سر بلندی کے لیے اس کے ساتھ تعاون کرنے کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا۔ اور اب دیکھنا۔“

”دجائے کیوں مجھے یقین ہے کہ پانڈے کا تعاون ہماری تحقیق کے مندرجہ ذیل کے کھولنے کا پانڈے نے واپس آنے میں پھر زیادہ یا ذرا دیر لگا دی تھی مگر جب اس نے مشتبہ افراد کی ایک مکمل فہرست پرویز ملک کے حوالے کر دی تو اس کے انتظار کی کوفت ختم ہوئی۔“

”ان افراد کے ناموں کے آگے میں خصوصی طور پر وہ وجوہات مختصر درج کر دی ہیں جس کی وجہ سے میری نگاہیں وہ مشتبہ دکھائی دیتے ہیں۔“ اس نے فہرست چیتے ہوئے کہا۔ ”اور فہرست میں میرے آخری نام مس پدمی کا ہے جو یہاں اسٹاف نرس کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ وہ ایک نئے کوچہ کا ہے جس کے بارے میں مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ اس زخمی سے دلچسپی رکھنے والے ایک شخص سے واقف تھی بلکہ اس کی واقفیت دوستی کے رشتے میں بدل گئی تھی اور جب تک وہ زخمی یہاں رہا وہ اس شخص کے ساتھ اکثر و بیشتر دیکھی جاتی رہی ہے۔“

”ڈی۔ ایس۔ پی پرویز ملک کی آنکھوں میں چمک اُٹی جو بڑی توجہ سے پانڈے کی باتیں سن رہا تھا۔

”بہت خوب پانڈے جی! آپ نے ہم پر واقعی دلچسپی

نہا ہے۔ لیکن ایک بات میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں؟“

”مضرور!“ وہ پرویز ملک سے نظریں چرائے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ان درجن بھراؤ کی لسٹ میں صرف پدمی کے بارے میں ہی آپ اتنے اعتماد سے جو شبہ ظاہر کر رہے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟“

”جی! میرا شبہ ہے۔“ وہ بوکھلا کر رہ گیا۔

”نہیں پانڈے جی!“ پرویز ملک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”محسن ہر انسان کی کمزوری ہے اور یقیناً وہ آپ کو کچھ غیر معمولی حسین اور خوبصورت لگتی ہوگی۔“

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈی۔ ایس۔ پی صاحب!“ وہ اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطروں کو پونچھتا ہوا بولا۔

”اور چونکہ وہ آپ کو حسین لگتی ہے اس وجہ سے آپ اس کی حرکات و سکنات اور سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں۔“

”پرویز کے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ طاری تھی۔

”اور اس کی ذات میں غیر معمولی دلچسپی رکھنے کی بنا پر ہی وہ شخص آپ کی نظروں میں آ گیا۔ جو اس زخمی شخص سے دلچسپی رکھتا تھا۔“

”پانڈے نے جڑ بھڑکایا اور اس نے ”حسین نرس کی ٹوہ میں گئے رہنے کی وجہ سے آپ کو کوئی ایسی بات معلوم ہو گئی جس کے نتیجے میں آپ کا شکایت تین میں بدل گیا جس کا اظہار آپ ابھی کر رہے تھے ہیں۔“

”پانڈے تو حیرت سے منہ بچاڑے پرویز کو تنگ کر رہا تھا۔ ڈاکٹر ہمیش کی آنکھوں کے دہسے بھی پھیل گئے تھے۔

”میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ ان کی ملاقات کا پتا آپ کو کیسے چلتا تھا۔ صرف اتنا بتا دیجیے کہ آپ ان دونوں کو زیادہ تر کس جگہ ملاقات کرتے دیکھا کرتے تھے۔“

”ہسپتال کے قریب ہی ایک ہوٹل میں ان کی ملاقات ہو کر تھی۔“

”دونوں کی ملاقات کا کوئی خاص وقت مقرر تھا۔ یا مختلف اوقات میں ملاقاتیں ہوتی تھیں؟“

”مختلف اوقات میں!“ پانڈے جلدی سے بولا اور پھر اپنی ناک کھجاتے ہوئے کہنے لگا۔

”اب مجھے اجازت دے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔“

”مجھے کچھ دوسرے کام ہیں۔“

”ٹھیک ہے مگر پانڈے! آپ کے تعاون کا شکریہ!

اب آپ جاسکتے ہیں۔“

ڈاکٹر ہمیش نے پرویز کی آنکھوں میں محبتی شرارت دیکھ لی تھی۔ پانڈے کے جانے کے بعد اس نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ پانڈے ایک دم کیوں بوکھلا گیا تھا؟ اور اس کے چہرے سے احساس مذمت بھی ظاہر ہو رہا تھا؟“

”مجنا اب اس عمر میں بھی حسین لڑکیوں یا کم از کم پدمی کے حسن میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی خاص خاص لمبروفیات کا بھی آپ کو علم رہتا تھا۔ اور اسی غیر معمولی دلچسپی اور اس کی ٹوہ میں گئے رہنے سے ان پر یہ انگشتاں ہوا کہ وہ شخص اس زخمی آدمی سے غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اسی لیے بوکھلائے تھے کہ ان کی حسن پرستی کا بھانڈا پونچھنے لگا تھا۔ پرویز ایک قہقہہ مارے ہوئے بولا۔ اور ہمیش بھی اس کے ساتھ ہنس پڑا تھا۔

پرویز نے ڈاکٹر ہمیش کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور انسپکٹر فیض نیک کو اسٹے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑا۔ اب اس کے ذہن میں اسٹاف نرس پدمی کا پتا گھوم رہا تھا۔

اندیکھ دیکھ دیکھ کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت نے ریشمی رتی کے حلقے سے اس کی گردن اس طرح پکڑ لی تھی کہ وہ بے بسی سے ہاتھ پر جھلا کر رہ گیا۔ پھر اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔ جندی منٹ کے بعد اس کے ہاتھ پر دھیس پڑ گئے۔ شاید وہ بے ہوش ہو چکا تھا یا پھر اس کی روح، جسم سے پرواز کر چکی تھی۔ در تاج بیکم کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کی ایک ہی ٹھٹھکی سے کسی معصوم بچے کی طرح خوفزدہ ہو جانے والا اختراسی ذہین اور سفاک شخصیت کا حامل ہو گا۔ اس نے اپنے شکار کی گردن کو عقب سے اتنی تیزی اور مہارت کے ساتھ رتی میں پکڑ دیا تھا۔ کہ اس غریب کی آواز بھی نہ نکل سکی تھی۔ اور اب اس کے وہ تمام خدشے ایک ایک کر کے دم توڑ رہے تھے۔ جو اختراکی جان کو لاحق تھے۔ اور اب اسے یہ اطمینان ہوتا جا رہا تھا کہ اختراکی حاصل کرنے میں کامیاب رہے یا نہ کامیاب اس کی جان منور بیچ جائے گی کیونکہ وہ خونخوار خظروں سے تو کامیابی کے ساتھ منٹ ہی چکا تھا۔ اب اس کی کامیابی کی راہ میں حائل ہونے والے صرف وہ مانع محافظ بچے تھے۔ جو اس وقت گریٹ سے ملحقہ کمرے میں بیٹھے گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

یوں تو وہ جانتی تھی کہ ان کی لاشوں میں مصنوعی

کار توں بھرے ہوئے تھے۔ ملازمے یہ بھی معلوم تھا۔ کہ ان لوگوں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ وہ بہترین ملازمے تھے۔ جو دو کرائے اور خیر زنی کے ماہر آب تک تو اختران سے اپنی حکمت عملی کے تحت ایک ایک کر کے

منظر اہا تھا۔ مگر اب تو ان پانچوں سے تنہا بھڑانا گزیر ہو چکا تھا۔ کیا اختر تہا ان تمام لڑکوں کو شکست دے سکتا ہے؟ ایک نکتہ اس کے ذہن میں اس سوال نے خرا بھالایا۔

”ہاں اس کی ذہانت، اس کی حکمت عملی اس بات کی گواہی دے رہی تھی۔ اور اب نہ تاج کو یہ انتظار تھا۔ کہ وہ ان پانچوں پر قابو حاصل کرنے کے لیے کون سی حکمت عملی اختیار کرتا ہے؟“

اختر۔ اس محافظ کی لاش گھسیٹ کر درختوں کی آڑ میں لے جا چکا تھا۔ جہاں وہ چھپا ہوا مردہ محافظ کے جسم سے اس کے کپڑے اُتار رہا تھا۔ ایک لمحہ تو نہ تاج یہ دیکھ کر کھینچی رہ گئی۔ بھلا اس کے کپڑے اُتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس نے سوچا۔ اور پھر کیا ایک اس کے ذہن میں چھٹا کا سا ہوا اُس محافظ کے کپڑے اُتارنے کا مطلب اس کی سمجھ میں چکا تھا واقعی اختر، قدم، قدم پر اپنی ذہانت کے کل لکھارہا تھا اس نے محافظ کے کپڑے پہن کر اسی انداز میں لائف لندھے سے لٹکائی اور واپس اس کمرے کی طرف چل پڑا۔

وہ پانچوں اس وقت کمرے میں موجود تھے۔ اور شاید جانے کے آخری گھونٹوں کو حلق سے اُتار رہے تھے۔ ”یہ پیش کہاں جا کر بیٹھ گیا؟“ ان میں سے ایک تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ ”کتوں کی بھی آواز میں نہیں آئیں؟“

”ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو؟“ دوسرے شخص نے توجہ دلانے پر اس کی تصدیق کی۔

”چلو، اٹھو! دیکھتے ہیں، اور سب اپنی اپنی رائفیں ..

لیکن پھر ہوائیوں۔ اگر اس غریب کو کچھ پوچھنے کی محنت ہی نہ مل سکی۔ دروازے میں داخل ہونے والے شخص کے چہرے پر بلب کی روشنی پڑنے سے ہی وہ چونک اٹھا۔ اور اس سے قبل کہ اس کا ہاتھ لائف لندھے سے اُتارنا۔ وہ شخص ان سب کو اپنی رائف کی زد میں لے چکا تھا۔

”ہیئر ز اپ! کسی نے بٹنے کی کوشش بھی کی تو کھوپڑی میں پھلتا ہوا اسپرڈ انار ڈول گا،“ وہ انتہائی سفاکی سے بولا۔ ”اب تم لوگ ایک، ایک کر کے اپنی رائف زمین پر ڈال دو۔ اور سنو، وہ پھر تہی انداز میں غرایا۔ کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ“

وہ سب کئے میں رہ گئے تھے۔ اختر نے اسٹین غینز موقع اور پھر بلور انداز میں قابو پایا تھا کہ انہیں اس کے خلاف کچھ کرنے کی حسرت ہی نہ گئی۔ اختر کا بوجہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے اس کی بات ماننے میں تامل کیا تو وہ اندھا دھند گولیاں برساتی شروع کر دے گا۔

”کیا تم لوگوں نے میری آواز نہیں سنی؟“ اختر غرایا۔ ”صرف ایک منٹ کے بعد میں تم لوگوں کو بھونا شروع کر دوں گا۔“ موت نازل ہونے کے لیے ایک منٹ بہت ہی کم محنت تھی۔ بس اتنی کہ ایک سانس ڈرا گہری لے لی جائے۔ ان لوگوں نے مجبور ہو کر اختر کے کہنے کے مطابق اپنی اپنی رائف ایک طرف ڈال دی۔ فرش پر رائفوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

اختر نے اس وقت اپنے ہونٹ پیچھے رکھے تھے مگر اس کی عقابانی نگاہیں ان بڑی ہوتی تھیں۔

”شاباش!“ وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”اب تم لوگ سامنے والی دیوار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ اس لیے سفاک لہجے میں کہا۔

ان لوگوں نے معنی تیز لگا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اختر کی طرف پشت کر کے دروازے تک کر کھڑے ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ بھی خود بخود اوپر اٹھ چکے تھے۔ ان کے دلوار سے لگتے ہی اختر نے جھپٹ کر فرش پر بڑی رائفیں اٹھائیں اور کمرے سے باہر پھینک دیں اور پھر خود بھی کمرے سے باہر نکلا اور جھپٹ کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

”خدا کی پناہ! مسکون کے سامنے بیٹھی ہوئی زرتاج بیکم نے

اپنی دونوں مٹکیاں پیچھے لیں۔ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ ایک سیدھا سادا انسان اتنا خطرناک نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ کتنی ہی طرح حالات پر قابو پالے گا۔ وہ کچھ دیر پہلے تک اختر کی طرف سے برلشان تھی۔ اس مکان میں اختر کا راستہ روکنے کے لیے جتن کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ انتہائی بے رحم اور خطرناک لگتے تھے لیکن اب اسے ان لوگوں کی سلامتی کی فکر ہو گئی تھی۔ اختر نے جس انداز سے ان پر قابو حاصل کیا تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ اگر ان میں سے کسی نے اختر سے مقابلہ کرنے کی حثیت کی تو وہ شاید اسے ادھر کر رکھ دے گا۔ زرتاج نے

اس سے پہلے انسانی مہارت اور خوشخبری کا ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں اس مسکون پر مرکوز کر دیں جس میں وہ منظر اپنی پوری دفاعیت کے ساتھ موجود تھا۔

اختر ابھی تک اس کمرے کے باہر کھڑا تھا جس میں اس نے پہلے دیکھا تھا۔ وہ کچھ دیر تک ایک ایک طرف اس دروازے کی طرف اس طرح دیکھتا رہا جیسے اس کی نگاہیں دروازے کی حد کو پار کر کے دوسری طرف دیکھ رہی ہوں پھر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ لگ آئی۔ اور اس نے ایک رائف اٹھائی۔ اور اس دروازے کی طرف اس کا رخ کر کے اچانک ٹریگر دبا دیا۔ گچھ ان رائفوں میں معنوی گولیاں کئی گنی تھیں اس کے باوجود وہ اتنی بے قوت گولیاں تھیں کہ ان کے چلنے سے ابھی تاحی آواز عیاں ہو سکتی تھی اور اگر کسی انسانی جسم پر ماری جائے تو انسان کو زخمی بھی کر سکتی تھیں۔ اس کی رائف سے چلی ہوئی گولی اس دروازے سے لگ کر چٹکتی تھی۔

اختر نے اپنے سر کو جھٹکا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہو کہ گولی نے اپنا کام کیوں نہیں کیا پھر اس نے رائف کو ادھر ادھر پھینک کر دیکھا اور ایک طرف اچھال کر پھینک دیا۔ مسکون کے سامنے کچھ کرنا شاید کھینچنے والی زرتاج کے بدن پر چوٹیاں سی لگنے لگی تھی۔ کیا اختر کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ رائفیں معنوی گولیوں سے بھری ہیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اس موضوع پر سوچ نہیں سکی کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ اختر کی طرح دے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے پاس پہنچ گیا تھا۔ زرتاج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اختر کو کیا دکھائی دے رہا ہے جو وہ اس قسم کی فضاؤں میں کیسے جا رہا ہے۔ اس نے کچھ سوچ کر ایک دوسرے میں دبا دیا۔ اب

اسکون پر اس کے کاندر وہی منظر تھا جس کمرے میں اختر نے ان محافظوں کو بند کیا تھا۔

ان محافظوں میں سے ایک دروازے کے پاس کھڑا ہو کر اپنے ہاتھ میں دے لے ہوئے خنجر کی لک کے ذریعے دھاک کی کندی کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ دوسرے بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کی اس جدوجہد کو دیکھ رہے تھے۔

اس دروازے کے بالکل اوپر ایک بالائی سی درختی جس کے اندر خنجر کی لک کو داخل کر کے دروازے کی کندی کو پیچھے کر دیا جاسکتا تھا۔

زرتاج نے جلدی سے پہلا ہٹن دیا یا منظر بدلا اور اسکون پر اب اختر نکلنے لگا۔ اختر جس وقت سے اس فہم پر روانہ ہوا تھا۔ دلچسپیاں اسی وقت سے شروع ہو گئی تھیں۔ وہ جتنی دیر اور ہوشیاری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس انداز نے ہر لمحے ایک نئی معنوی پیدا کر دی تھی۔ ہر لمحہ ایک نیا خوف۔ ایک نیا انداز۔ ایک نئی جرأت۔ ایک نئی کامیابی۔ اسکون سے پہلے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ اختر اب اس دروازے کے ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھا رکھا تھا۔ پھر اچانک وہ چلی کی سی تیزی کے ساتھ مڑا اور دوسرے ہاتھ سے کندی کھول کر اس نے اوپر اٹھائے ہوئے ہاتھ سے اس آدمی کو کمرے سے باہر پھینک دیا۔ جو خنجر کی لک کے ذریعے کندی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اس شخص کو اتنی زور کا جھٹکا دیا تھا کہ وہ فٹ بال کی طرح اچھلا اور بعد سے زمین پر گر پڑا۔ اور اتنی دیر میں کہ زرتاج اپنی بلیکس تک جھپٹ کئی اختر نے اس دروازے کو دوبارہ بند کر دیا تھا۔

”دندہ قتل!“ زرتاج نے بے ساختہ تائیاں بجا تی شروع کر دیں۔ ”ویل ڈن اختر۔ ویل ڈن!“

اور اب دوبارہ اختر نے اس شخص کو دلچسپ کیا تھا۔ وہ خنجر اس کے ہاتھ سے پہلے ہی چھوٹ کر ایک طرف جا گرا تھا۔ اختر اسے اتنی زور سے پھینچ رہا تھا کہ اس کے لیے خود کو بھٹانا محال ہو گیا تھا۔ اختر اس کے ساتھ کچھ عجیب ہی برتاؤ کر رہا تھا۔ پھر جب اختر نے اس پر سر پائی گرفت ختم کی تو وہ کسی مردہ جھپٹ کی طرح گر پڑا۔ اس کے اندر اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی ہو سکتا۔

”ہاں اب بناؤ،“ اختر غرایا۔ رائفوں میں لٹکی گولیاں کیوں بھی گئی ہیں؟“

(181)

وہ آدمی گری گری گری سانس لے رہا تھا۔ اس کے حواس اس کے قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ اس کے باوجود اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے کے تناظر نے یہ بظاہر کر دیا کہ اختر کا یہ سوال اس کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اس کو بھی نہیں معلوم تھا کہ رانفلوں میں کیسی گولیاں رکھی گئی ہیں۔
 "بتاؤ۔ رانفلوں میں مصنوعی گولیاں کیوں ہیں؟" اختر پھر غرتابا ٹھیک ٹھیک بتانا۔ ورنہ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں کیسا آدمی ہوں؟"

"میں۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم خود میری جگہ میں نہیں آ رہا کہ رانفلوں میں مصنوعی گولیاں کیوں رکھی گئی ہیں۔ تم یقین کرو۔"

"ہوں؟" اختر نے ایک گری سانس لی۔ "جلو نہیں کر لیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس مکان میں کتنے کرے ہیں اور ہر کرے میں کیا کیا چیزیں رکھی ہیں؟"
 "اس میں بہت سے کرے ہیں۔" اس آدمی نے رٹے ہوئے طوے کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ "کوئی کرہ لائبریری کے طور پر استعمال ہوتا ہے کسی کرے کو خواب کا نیا کیا ہے۔ مری جگہ میں نہیں آتا کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کیا نہیں کسی خاص کرے کی تلاش ہے؟"

"ہاں۔ کیا یہاں کوئی ایسا بڑا کرہ بھی ہے جس میں کوئی زخمی یا بے ہوش انسان موجود ہے؟" اختر نے پوچھا۔ اس آدمی نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا تھا۔
 "بتاؤ؟" اختر اس کی طرف ایک قدم بڑھ گیا۔ "بتاؤ وہ کون سا کرہ ہے؟"

"ہاں سائیک کرہ ایسا ہے؟" اس نے جلدی سے کہا۔ "اس کرے میں ایک زخمی انسان موجود ہے۔ کم از کم ہمیں یہی بتایا گیا ہے۔ اور اس کی حفاظت کے لیے ہم کو یہاں رکھا گیا تھا۔ لیکن تم نے ہم سب پر قابو پایا۔ ہم کسی کو مرنے دکھانے کے قابل نہیں رہے؟"

"تیر۔ یہ سب باتیں چھوڑ دو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا ہوں کہ تم کو کون ہو نہیں یہاں اس نے رکھا ہے۔ کول رکھا ہے۔ تم نہیں سمجھ اس کرے تک پہنچا دو۔ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں چاہتا؟"
 "آؤ چلو؟" وہ آدمی اپنے سر کو جھٹکنے لگا۔ وہ ابھی تک

فٹن پر اگڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اختر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا ہاتھ تمام کر ایک جھٹکنے سے اسے اٹھا دیا۔ اس وقت بھی اس کی بے پناہ طاقت کا اظہار ہوا تھا۔ اس نے اتنی آسانی کے ساتھ اس کو سبک کر دیا کہ وہ آگے گر کر گر دیا تھا۔ جیسے اس کے سامنے کوئی تپتے ہوئے ہو۔

"تم بھی کہاں کے آدمی ہو دوست؟" اس کا محافظ نے سناؤشی لگا ہوں سے اختر کی طرف دیکھا۔
 "بس اب مجھ اس جگہ پہنچاؤ؟" اختر نے کہا۔

زرتاج نے اپنی نگاہیں اس کو دیکھیں۔ اس نے اسے نہیں معلوم تھا کہ اس بڑے کرے میں اختر کے لیے ایک اور آزمائش اس کا انتظار کر رہی ہے۔

دو دلوں کے بعد یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ یہ پورا ایک قافلہ تھا جس میں بے شمار ترک اور دوسری گاڑیاں تھیں۔ ہر گاڑی میں دو چار آدمی موجود تھے۔ اکثر غریب شان سے حاملہ کی بستی کی طرف روانہ ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی فوج کہیں حملہ کرنے جا رہی ہو۔ ترکوں پر نشہ اور اشیا کے علاوہ اچھا خاصا اسلحہ لدا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ جانے والوں میں سب کے سب گرنے کے غنڈے تھے جنہیں معاوضے دے کر اس ہم نہیں شامل کیا گیا تھا۔

سب سے اگلی جیب پر دو ترکو دو آدمیوں کے ساتھ اس کی پچھلی جیب پر دو ترکو دو کے علاوہ ساون اور ریٹائٹ اس جیب کے بعد تھی ترک تھے۔ سب سے آخر میں ایک اور جیب تھی جو محافظت کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اس نے کچھ لوگ تیکڑی کی نگرانی کے لیے بھی چھوڑ دیے تھے۔

ساون اس وقت معمول سے کہیں زیادہ پریشانی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے سے اس کی پریشانی اندازہ ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" تم کچھ پریشان ہو گیا؟" ریٹائٹ نے پوچھا۔
 "ہاں؟" ساون نے گردن ہلا دی۔ "میں سمجھا تھا کہ اس کے ساتھ حضور سے سے لوگ جائیں گے لیکن یہاں تو بڑا فوج جا رہی ہے۔ اور میں اس قسم کے ہنگامے کے ساتھ ساتھ میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ بستی ولسے میں ہے سب دیکھ کر جنگ برآمد نہ ہو جائیں۔ انہیں سمجھانا بہت ہی مشکل ہو جائے گا؟"

"میں خود بھی دیکھ رہی ہوں کہ یہ اس کی حماقت۔"

ریٹائٹ نے کہا۔ کسی کو شک نہیں ہوتا ہو تو اسے شک ہوئے۔ اس قسم کے کام بہت خاموشی سے کیے جاتے ہیں۔ اور وہ پورا لاؤشکرے کر جا رہا ہے۔ یہ قافلہ فوراً ہی لگا ہوں میں آجائے گا؟"

"اس نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ آخر اتنے آدمیوں کی ضرورت کیا ہے؟" ساون دھیرے سے بولا۔ "میں نے اس سے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بستی کے قریب پہنچ کر سب کچھ بتا دے گا۔"
 "اگر اس سے نیچل جینگ ہو گئی تو؟" ریٹائٹ نے خدشہ ظاہر کیا۔
 "تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟" یہ اس کا معاملہ ہے وہی ٹٹا رہے گا؟"

اس قافلے نے شام ہونے پر ایک جگہ پڑاؤ کر لیا۔ ساون کی حیرت پر حیرتی ہی جا رہی تھی۔ پڑاؤ جبران لوگوں نے ترکوں سے خیمے اتارنا تاکہ ہر طرف قیامت کر دیے اور درمی دہریں خیموں کا شہر آباد ہو گیا تھا۔ جن کے درمیان لوگوں کی آمد و رفت ہو رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ساون کو کچھ عورتیں بھی دکھائی دے گئیں۔ ان میں سے بعض بعض تو بہت خوبصورت اور جدید لباسوں میں ملبوس تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کی اسمگلنگ کر رہا ہے جس میں عورتوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ان عورتوں کے رقبے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پلنگ کے لیے آئی ہوں۔ رنگ برنگ کپڑے۔ ٹیپ ریکارڈر، موٹیفی اور کھلنے پلنے کا بہت سا سامان۔ ساون ان سب کو دیکھ دیکھ کر لکھا جا رہا تھا۔

مسٹر کے درمیان اس کی دیکھنے سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ اس کی جیب ساون کی جیب سے آگے ہی تھی۔ لیکن پڑاؤ پر رک کر کوئلہ پتے آدمیوں کے درمیان چلا گیا تھا جب کہ ریٹائٹ اور ساون ایک طرف آکر بیٹھ گئے تھے۔ یہ صورت حال ساون کی طرح ریٹائٹ کے لیے بھی حیران کن تھی۔
 "کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ساون نے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہماری طرح میں بھی حیران ہوں۔ کوئلہ سے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ وہ نہ جانے کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اور اس نے بہت سی عورتیں بھی متنی کر لی ہیں۔ مجھے تو اب تک رہا ہے جسے ان عورتوں میں سے ایک کو میں بھیجتا تھا۔ یہی ہوں۔ دیکھو اس کا نام یاد نہیں آ رہا ہے؟"

ساون گری گری گری لگا ہوں سے قافلے والوں کو کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ لوگ بڑی مہارت کے ساتھ خیمے لگانے میں مصروف تھے۔ ایک طرف آگ روشن کر کے کھانا پکانے کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ ایک آدمی کچھ دیر کے بعد ساون اور ریٹائٹ کے پاس آکر بولا۔

"آپ لوگوں کے لیے بھی خیمے کا بندوبست کر دیا گیا ہے؟" اس نے ایک خیمے کی طرف اشارہ کیا۔ اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے؟"

"سنو؟" ریٹائٹ اس آدمی کے چلے جانے کے بعد اپنا کانک ساون کا بازو پکڑ لیا۔ "مجھے یاد آ گیا؟"

"نہیں نے کہا تھا نا کہ مجھے اس عورت کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ لیکن اب اس کا نام یاد آ گیا ہے۔ وہ فلم کی ایک بہت اچھی فنکارہ ہے۔ لاؤ جی؟"

"اچھا؟" ساون نے حیرت سے اپنے ہونٹ سیٹھ لیے۔ یہ تو تم نے عجیب بات بتائی کسی فلم کی فنکارہ سے دیکھ کر کیا لگتی ہے؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا میرا خیال ہے کہ یہ بھی کوئلہ کی کوئی چال معلوم ہوئی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر اتنا اچھا ٹھٹھا کیا ہوگا؟"

"چلو؟" انہی احوال اپنے خیمے میں چلتے ہیں؟" ساون نے کہا۔ "دیکھیں تو یہی خیمے کے اندر کیا کیا ہے؟"

اور خیمے کے اندر بھی بہت کچھ تھا۔ دو دو لستر۔ میز۔ دو کرسیاں۔ میز پر قہر ساس میں پانی اور ضرورت کی لٹروں کا ہر شے۔ "یہ تو کامل ہو گیا؟" ریٹائٹ جوں طرف دیکھتی ہوئی بولی پکڑ کے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے؟"

"دیکھو۔ تم نہیں دیکھو۔ میں ذرا حالات معلوم کرنے کی کوشش کرنا ہوں؟" ساون نے کہا۔ "میرے چلنے پھرنے بڑے کوئی پابندی نہیں ہے؟"

"نہیں۔ میں اکیلی نہیں رہوں گی؟"

"اے۔ ہو۔ نہیں کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک کوئلہ کو میری طرف سے فائدے کی امید ہے۔ وہ اس وقت تک تم پر ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ دیکھو کہ میرے سفر کے بعد تم کتنی ہوگی۔ دیکھو تو میں خود بھی تنگ کیا ہوں۔ لیکن اس ہر ورن کی یہاں سے دھو دلی نے مجھے بھی انجن میں ڈال دیا ہے۔ میں کوشش کرنا ہوں کہ کہیں سے کوئی سراغ ہاتھ لگ جائے۔"

رہا کہ اس خیمے میں چھوڑ کر سادون باہر گیا۔ قالے والے ابھی تک اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ اس کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔ وہ عیلول اور لوگوں کے درمیان چلتا رہا۔ یہ بڑا ذہین و غلام طور پر بنایا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف وہ ٹھک اور چپ کھڑے کر دیے گئے تھے جن کے ذریعہ یہ قافلہ یہاں تک پہنچا تھا۔ اس طرح اس وسیع و عریض میدان میں ٹھکوں اور چیمبروں کا ایک بڑا سادارہ بن گیا تھا جس کے اندر خیمے لگا دیے گئے تھے۔ ٹھکوں اور چیمبروں کے حصار کے باہر یقیناً پھرے داروں کو مقرر کیا گیا ہوگا۔ اسی لیے سادون کو کسی نے نہیں روکا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ ٹھکوں اور چیمبروں کے حصار سے باہر نہیں جاسکے گا۔ وہ چلتے چلتے ایک خیمے کے پاس پھر کر گیا۔ اس کے اندر سے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے جس سے مجبور ہو کر اپنے کان خیمے کی دیوار سے لگا کر اندر دھونے والی گفتگو سننے لگا۔ اس کے اندر دو آدمی ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

”ہم نے شیڈول بہت ٹائٹ رکھا ہے جناب؟ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ پس جانتے ہی کام شروع ہو جائے گا اور ایک خیمے کے اندر ختم“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں بھائی؟ یہ دوسری آواز تھی۔ کیونکہ ہر دو گھنٹہ زیادہ خرچ برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ ایک خیمے میں تمام ڈنڈ ڈور مکمل کر لینا“

”حکومت کریں۔ یہ ہو جائے گا۔ پہلے لے کہا۔ اسی لیے تو میں سارا بوٹ ساتھ لے آتا ہوں“

سادون خیمے کی دیوار سے الگ ہٹ گیا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر یہ لوگ کون تھے۔ وہ کھڑے ساتھ کیسے آدھوں کو لایا تھا جو ہر دو گھنٹہ اور ڈنڈ ڈور وغیرہ کی باتیں کر رہے تھے۔ اصولاً تو انہیں سنگٹنگ اور نشانیات کی باتیں کرنی چاہیے تھیں۔

سادون اس خیمے سے آگے بڑھ گیا۔ اب زیادہ تر خیمے نصب کیے جا چکے تھے۔ پھر اسے وہ کھڑکھائی دے گیا جو کسی آدمی سے ایک طرف کھڑا ہو کر باتیں کر رہا تھا۔ سادون پلک کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ذہن میں خلفشار چلا ہوا تھا۔ وہ گھڑنے سے آگے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھل گئی۔ اس نے اپنے ساتھ والے آدمی کو رخصت کیا۔ اور سادون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا بات ہے خیر تو ہے۔ تم پریشان محسوس ہو رہے؟“

”نہیں۔ میں پریشان نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ مجھے تیرانی ہو رہی ہے۔“

”اوہ؟ وکٹر ہنس بڑا۔ تم یقیناً اس لاؤشکر کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو گے؟“

”ہاں۔ سادون میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم میری بستی کی طرف اتنی بڑی فوج لے کر کیوں جا رہے ہو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بستی والے مجھ سے بھی بدگمان ہو جائیں؟“

”نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ ان کی بدگمانی دور کرنے کے لیے ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ سارا سامان اور قافلہ جو تم دیکھ رہے ہو وہ صرف میرے آدھوں کا نہیں ہے بلکہ یہ ایک فلم بوٹ ہے جو فلم کی شوٹنگ کے لیے جا رہا ہے۔“

”اوہ؟ سادون نے ایک لمبی سانس لی۔ کسی حد تک یہ بات میری سمجھ میں بھی آ رہی تھی۔ لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اس سے بہت فائدہ ہے ہوں گے فلم والے اپنا کام کرتے رہیں گے اور ہم اپنا۔ اس بوٹ کی وجہ سے کسی کو شک نہیں ہوگا کہ ہم کہاں رہے ہیں اور تمہاری بستی کی طرف آنے کا مقصد کیا ہے۔ اس فلم کی شوٹنگ کے لیے باقاعدہ اجازت لے لی گئی ہے۔ وہ یہ جا رہے بہت دنوں سے کسی لوکیشن کی تلاش میں تھے۔ تو اتفاق سے مجھ سے ملاقات ہو گئی اور میں نے انہیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دے دی۔ اس طرح یہ قافلہ میرے ساتھ چل رہا ہے۔“

”تم بہت تیز آدمی ہو وکٹر؟ سادون نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کیا معلوم کہ میں کتنی بڑی تنظیم چلا رہا ہوں مگر اپنے ذہن کی میدار رکھوں تو بہت جلد تیار ہو جاؤں۔ اب تم مجھ کو دیکھو پھر اور اگر تم ہو تو اس فلم کی ہیروئن لاؤ جی سے تمہاری ملاقات کرادوں۔“

”نہیں۔ میرے لیے ایک ریشا کافی ہے۔ سادون نے کہا۔

”اوہ ریشا میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ اس نے تو تمہارا واس پکڑ لیا ہے۔ نہ جانے کیوں اس نے یہ سمجھ لیا کہ میں نے زبردستی اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہوں۔ بے وقوف اگر وہ؟“

”سے کہتی تو میں خود اسے جانے کی اجازت دے دیتا۔ کیونکہ اس کی طرف سے مجھے کوئی خطرہ تو ہے نہیں۔ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یاد رکھو اگر زندگی میں کامیابی حاصل کرنا

ہے تو ایسے کرداروں کو اپنے دامن کی گرد بکھا کرو۔ آگے بڑھے اور پھر بروائی سے جھاڑ دیا۔ پس اس کے علاوہ ان کی اندر کوئی حقیقت نہیں ہے۔“

سادون کھری نکا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو ریشا اس کے انتظار میں تھی۔

”تم نے اتنی دیر لگا دی؟ وہ جلدی سے اس کے پاس آگئی۔ مجھے تو خوف محسوس ہونے لگا تھا۔“

”تمہارا اندازہ درست تھا ریشا؟ سادون ہنسنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ لڑکی لاؤ جی ہی ہے۔ وکٹر فلم کی کسی بوٹ کو لوکیشن کے بہانے ہماری بستی کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس طرح کسی کو شک نہیں ہوگا۔ فلم بھی بنی رہے گی اور اس کا کام بھی ہوتا ہے گا۔“

”میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اس نے یقیناً کوئی ایسا پتہ چلا دیا ہوگا۔“ ریشا نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”کیا میرے بارے میں پوچھ رہا تھا؟“

”نہیں۔ تم اب اس کے ذہن سے نکل گئی ہو۔ تمہیں آزادی مل گئی ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ صرف ہکا ہے۔ تم خود سوچو مجھے اتنی آسانی سے کہاں جانے دے گا۔ میں اس کے ساتھ رہی ہوں۔ اس کے بغیر رازوں اور کارناموں سے واقف ہوں۔ پھر وہ کس طرح یہ گوارا کرے گا کہ میں اس کی چنگل سے آزاد ہو کر کہیں چلی جاؤں نہیں سادون۔ تم وکٹر کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔ ایسے لوگ نرم دل نہیں ہوتے جیسا وہ خود کو ظاہر کر رہا ہے۔“

سادون بھی سوچ میں پڑ گیا۔ ریشا کی بات میں وزن تھا۔ وہ کچھ واقعی ایسا آدمی نہیں تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ ریشا کو جانے کی اجازت دے دیتا۔ یقیناً اس نے ریشا کے لیے کوئی بات سوچ رکھی ہوگی۔ اور اس وقت کا انتظار کر رہا ہوگا۔

جب تک اس کا کام ختم ہو جائے۔ وہ بھی صرف سادون کی وجہ سے خاموش تھا۔

”تم گمراہ کرو؟“ سادون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے۔ میں نہیں شہر فرار کروادوں گا۔“

”وہ کس طرح؟“ ریشا نے دلچسپی سے پوچھا۔

”اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ واقعی ایک حسین لڑکی تھی۔ اور ایسی لڑکی کے لیے پائندے جیسے آدمی کی دلچسپی اچھ

”اسنے آدھوں کے ذریعے۔ اپنی بستی میں پہنچ کر مجھے طاقت حاصل ہو جائے گی۔ میرے آدمی نہیں شہرے باتیں گے۔ جہاں نہیں ایک مکان میں پہنچا دیا جائے گا جس کا علم وکٹر کے رفیقوں کو بھی نہیں ہوگا۔ تم وہاں رہو گی پھر میں ہی تم سے آکر مل لوں گا۔“

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ ایک نئی امید سے ریشا کا چہرہ چمک اٹھا۔

خیمے کے دروازے پر اسی وقت کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دونوں جو تک کر دووازے کی طرف دیکھنے لگے۔ لاؤ جی دوڑتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی۔ اس سے پہلے کہ دونوں اس سے کچھ کہہ سکتے وہ دھال ہو کر ایک طرف گری ہوئی تھی۔

پدینی کو گمان بھی نہیں تھا کہ پولیس اس میں دلچسپی لینے لگی۔

پروہرنے پدینی کا پتا معلوم کر لیا تھا۔ پائندے اسے یہ بتا چکا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ دوڑتی جا رہی ہے جو اس زخمی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اور جس نے ایک دفعہ ہسپتال میں آکر اس زخمی کو اپنا بھائی ظاہر کیا تھا۔ پہلے تو پروہرنے یہ سوچا کہ وہ بیلہ ہی کے ذریعے پدینی کو گھیرنے کی کوشش کرے۔ پھر اس نے اپنا یہ ارادہ تبدیل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب اس کام میں دیر نہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنی یہ کارروائیاں تیز کر دینی تھیں۔ اسی لیے وہ براہ راست ہی پدینی کے کمرے پر پہنچ گیا جو ہسپتال ہی کے اچالے میں عقبی سمت واقع تھا۔ پدینی اپنے سامنے ایک پولیس آفیسر کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی تھی۔

”پریشان نہ ہوں شہر بھئی جی؟ پروہرنے نرم لہجہ میں اسے مخاطب کیا۔ میں آپ کو کسی گھنٹہ میں آؤں گے۔ لیے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ آپ سے کچھ باتیں کروں گا۔ اس کے بعد پولیس ہو جاؤں گا۔“

”آ۔ ہاں آپ آئیں اندر آ جائیں۔ پدینی جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔

پروہرنے اندر آ کر ایک کرسی منتخب کی اور اس پر بیٹھ کر گہری نکا ہوں سے پدینی کو دیکھنے لگا۔ پدینی کے بارے میں اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ واقعی ایک حسین لڑکی تھی۔ اور ایسی لڑکی کے لیے پائندے جیسے آدمی کی دلچسپی اچھ

از قیاس نہیں تھی۔

از قیاس نہیں تھی۔

از قیاس نہیں تھی۔

از قیاس نہیں تھی۔

”دعا ہے۔ میں آپ کی کیا سیدھا کر سکتی ہوں؟“ پدینی بڑے سچے ہوئے انداز میں اس سے بولی۔ اس دوران وہ اس کے سامنے والی کرسی پر گر کر بیٹھ گئی تھی۔

”میں تم سے صرف یہ بولتی ہے کہ مجھ سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟“ پرور بڑے کہا۔ یہ نام اس کے ذہن میں پھانک آ گیا تھا۔

”کون رنج؟“ پدینی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ ایک بہت بڑا آدمی ہے۔ اب تک کسی آدمی کو قتل کر چکا ہے۔ پچھلے دنوں ہی وہ سون پور کی جیل سے فرار ہوا ہے۔ اور ہماری اطلاع کے مطابق وہ تمہارے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ تم دونوں کبھی بار ایک ہو کر ایک ساتھ دکھائی دیے ہو؟“

”کیا؟“ خوف سے پدینی کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کی آنکھیں پٹی ہو گئی تھیں۔ تو اس کا نام رنج ہے۔ لیکن اس نے تو یہ ”ہاں“ کیا کیا بتایا تھا اس نے؟ ”پرور بڑے کرسی سے اٹھے کی طرف جھک آیا۔

”اس نے اپنا نام دشو بتایا تھا۔“ پدینی بولی بڑی اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی ڈاکو یا قاتل ہے تو میں کسی اس سے نہیں ملتی، پدینی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”پرور بڑے ہی دل میں مسکرا دیا اس کی ترکیب کا کیا رہی تھی۔ پدینی نے خود ہی اس شخص کے بارے میں سب اٹھ دیا تھا۔

”ٹھیک ہے پدینی جی؟“ اس نے کہا ”تم اپنے آپ کو خصال لو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں برلشان کرنے کے لیے نہیں آیا اس لیے اتنا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اب تم مجھے یہ بتا دو کہ اس شخص سے کیسے اور کہاں تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟“

پدینی نے اسے دشو سے ملنے کا پورا واقعہ بتا دیا۔ پرور بڑے غور سے اس کی داستان سننا رہا تھا۔

”بہت خوب؟“ پدینی کے خاموش ہو جانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”کیا اس رنجی کے غائب ہو جانے کے بعد تمہیں یہ خیال نہیں ہوا کہ شاید اس دشو ہی نے اسے غائب کر دیا ہو؟“

”میں نے ایک آدھ بار ایسا سوچا تھا؟“ پدینی نے کہا۔

”لیکن وہ رنجی جس وقت غائب ہوا اس وقت دشو میرے ساتھ ہی ہوں میں سوچتا تھا؟“

”ہوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ کام اس نے اپنے آدمیوں سے کروایا ہوگا۔ ایسے لوگ براہ راست کسی معاملے میں ملوث نہیں ہو کرتے۔“

”لیکن وہ رنجی۔ میرا مطلب ہے کہ اس رنجی سے اس کا کیا تعلق تھا؟“

”جی تو وہ سوال ہے جس کا جواب میں تلاش کرنا ہے؟“ پرور بڑے کہا۔ ”کیا تم نے اس دوران یہ بتا جانے کی کوشش نہیں کی کہ دشو کون ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیونکہ وہ تو ایک بڑا امر کر دار ہے۔ اس کے سامنے آتا تھا؟“

”ہاں۔ اسی لیے تو میں نے اس کا کھوج لگانے کی کوشش کی تھی؟“ پدینی نے جواب دیا۔ ”میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ حالانکہ میں ایک ٹرس ہوں۔ یہ سب ہر کام نہیں ہے۔ لیکن تجسٹ کا مادہ تو شخص میں موجود ہوتا ہے اسی لیے ایک دن میں نے اس کا تعاقب کیا تھا؟“

”پھر کیا ہوا؟“ پرور بڑے سانس نہ کر سکی سے کھڑ ہو گیا۔ بتاؤ

”کہا تم نے اس کا پتا چلا یا؟“

”ہاں؟“ پدینی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟“

”کیا؟“ پرور بڑے اس سے اس کے پاس آ گیا۔ ”شباباش۔ تم نے کمال کر دیا۔ بتاؤ کہاں ہے اس کا مکان؟“

”مومن روڈ پر؟“ پدینی نے جواب دیا۔ ”میرے خیال میں وہ کوئی گودام ہے۔ جہاں میں نے کئی ٹرک ہی ٹھکڑے چوڑے دیکھے تھے؟“

”تم واقعی بہت عقل مند لڑکی ہو؟“ پرور بڑے اس سے بولا۔ ”کیا تم مجھے وہ جگہ دکھا سکتی ہو ابھی اسی وقت؟“

”کچھ دیر بعد میری ڈیوٹی شروع ہونے والی ہے جناب؟“ پدینی نے بتایا۔

”تم اس کی فکر مت کرو میں ڈاکٹر ہمیش سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ آج کے لیے تمہیں رہیں گے۔ لیکن اب تہی سے اٹھ جاؤ۔ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے؟“

”لیکن میری آپ سے ایک درخواست ہے جناب؟“ پدینی نے کہا۔

”وہ کیا؟“

”آپ مجھے اس کے سامنے نہیں لائیں گے۔ دیکھیں نا وہ چاہے قاتل ہو یا ڈاکو ہو۔ اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ میرا احترام کرتا ہے۔ اس لیے جب میں ایک خبر کے روپ میں اس کے سامنے

پہنچوں گی تو اس کے دل پر کیا اثر کرے گی میں ایک ٹرس ہوں ہر کام دوسروں کے درو کو ختم کرنا ہے۔ ان کے درو کو ٹھکانا نہیں ہے؟“

”میں سمجھ گیا۔ پرور بڑے مسکرا دیا۔ ”تم واقعی ایک اچھی ٹرس معلوم ہو رہی ہو۔ اس لیے تمہاری خواہش کا احترام کیا جائے گا؟“

”ہاں۔ لیکن مجھے اس سفر کے بعد، لوگ مومن روڈ پہنچ چکے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سے پرور بڑے ڈاکٹر ہمیش کو فون کر کے پدینی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ یہ سفر پرور بڑے جیب میں ہوا تھا۔ اس وقت پدینی اور پرور بڑے علاوہ اس جیب میں اور کوئی نہیں تھا۔

”میں نے اس دن اس گودام میں بہت سے آدمیوں کو دیکھا تھا؟“ پدینی نے بتایا۔ اس لیے میرے خیال میں آپ کا تہنا جانا اچھا نہیں ہوگا؟“

”فکر مت کرو۔ میں ابھی گودام میں داخل ہونے نہیں جا رہا۔ پرور بڑے کہا۔ ”میں صرف اس ٹھکانے کو ایک نظر دیکھ لینا چاہتا ہوں؟“

پدینی خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اس نے رائے بتانا شروع کر دیا۔ ”ٹھیک ہے۔ اب یہاں سے موٹر لیں۔ اس جگہ سے بائیں طرف چلیں گے۔ اور ہاں۔ یہ ہے وہ گودام پرور بڑے اس گودام کے سامنے گاڑی روک دی اس وقت صرف اس پورے علاقے میں سٹاپا ہو رہا تھا بلکہ گودام کے آس پاس بھی بڑی ویرانی تھی۔ گودام کا پڑا کٹ کھلا ہوا تھا۔ لیکن گودام کے اچالے میں بھی خاموشی تھی۔ وہ دونوں بہت دیر تک جیب میں بیٹھے ہوئے گودام کی طرف دیکھتے رہے۔ لیکن انہیں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گودام کو خالی کر دیا گیا ہو۔

”میرا خیال ہے کہ اس گودام کو آج کل استعمال نہیں کیا جا رہا؟“ پرور بڑے کہا۔

”ہاں۔ مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے؟“

”اسی لیے اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں اس گودام کا جائزہ لے لینا چاہیے؟“

”اس سے پہلے کہ پدینی کچھ کہہ سکتی۔ پرور بڑے اپنی جیب گودام کے کھلے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑا دی۔

”مردو چوہاں ان تینوں کو اس رات میں واپس لے گیا۔ اقبال کے اندام میں اب سیٹل جیسی بے پروائی تھی کچھ دیر پہلے تک وہ انتہائی چوکنا تھرا تھا اور خند خود

رہا تھا۔ لیکن اب صورتحال اچانک تبدیل ہو چکی تھی۔ یہاں دشو اور بلراج تھے۔ اور جب وہ دونوں مطمئن تھے تو پھر اس کے برلشان ہونے اور فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سب بال بال اگر بیٹھ گئے۔

”تو یہ تمہارا ساتھی ہے؟“ مردو چوہاں نے اقبال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی؟“ وہ کس طرح؟“ دشو نے پوچھا۔

”تم نے سنا ہوگا کہ ایک آدمی لڑا کر کہا تھا کنگا بھی آگ لگ گئی ہے۔ تو ہمارا گودوڑ وہاں تک پہنچ گیا۔ آگ کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی اجنبی ہماری حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ میں نے اسی وقت باہر نکل کر اپنے آدمیوں کو تمہارے اس دوست کے لیے روانہ کر دیا تھا۔

”ہوں۔ اب سمجھا؟“ دشو نے ایک گہری سانس لی۔

”خیر تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”وقت کا انتظار کر رہا ہوں؟“ چوہاں نے کہا۔ ”میں غافل نہیں ہوں اور نہ ہی مطمئن ہو گیا ہوں میں نے اپنے آدمی اور دھڑے وارڈ کر دیے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کی معلومات کتنی درست ہوتی ہیں۔ دوسرے طرح تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم کر آئے ہیں ابی طرح مجھے یہ بھی پتا چل جائے گا کہ وہ کون کون ہے؟“

”ہیں۔ کہاں سے حملہ کرتے ہیں۔ ان کا ذکر کہاں ہے اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ جب یہ سب ہمیں معلوم ہو جائے گا تو اس کے بعد ہمارے خلاف بہت کچھ کر سکیں گے۔

”اور اس وقت تک تمہارا کیا ہوگا؟“ بلراج نے تنگ کر لیا۔ ”پوچھا؟ کیا ہم لوں ہی ہاتھ پر یا ہتھ دھرے بیٹھ لیں گے؟“ اقبال نے چوہاں کی طرح پھر دشو کی طرف دیکھا پھر خاموش رہا۔ یہاں کے معاملات ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ لیکن بلراج کے اس سوال نے اس کے ذہن میں خطے کی کھینچاں بجا دی تھیں۔ اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ شاید لوگ یہاں پابند کر دیے گئے ہیں؟

”ظاہر ہے کہ اور کیا ہو سکتا ہے؟“ چوہاں نے کہا۔ ”میں جانے کی اجازت اس نے نہیں دوں گا کہ تم ہمارے کام آ سکتے ہو۔ اور اب تمہارا ساتھی بھی تم میں اگر شامل ہو گیا ہے۔ جو خود بھی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ہم تمہارے تجربوں سے فائدہ اٹھائیں گے تو عدلیہ ہم کامیاب ہو جائے گی؟“

”اگر ہم جانا چاہیں تو لیا تم ہمیں روکنے کی کوشش کر مگے۔“

دشمن نے گہری نگاہوں سے بلراج کی طرف دیکھا جو چوہان سے بحث کرنے میں لگا ہوا تھا۔ لیکن اس نے بلراج کی بات میں دخل نہیں دیا۔ اس سے بات ظاہر ہو رہی تھی کہ بلراج جو کچھ کہہ رہا ہے وہ دشمن کو سوجھ سے الگ نہیں ہے۔ جبکہ اقبال بالکل خاموش تھا۔

”ہاں۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمہیں جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔“ چوہان نے کہا۔ ”ہمارے آؤنی تمہارا راستہ روک لیں گے۔“

”اگر ہم چلے ہی جائیں تو پھر کیا ہو گا؟“

”میں نے کہا نا کہ تم لوگ کامیاب سے نکلنا نا ممکن ہے۔ ہمارے آدمیوں کے علاوہ یہاں چاروں طرف خود رکے منڈلا رہے ہیں۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے تمہیں پھانسی رکھ دیں گے۔“

اقبال ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں چوہان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

”تمہیں اقبال نہیں؟“ دشمن چیخ اٹھا۔ ”کچھ مدت کرنا بیٹھ جاؤ۔“

اقبال نے گہری نگاہوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھا پھر ایک جھٹکے سے بیٹھ گیا۔

”تمہاری دلیری اور جہالت میں کوئی شک نہیں جو ان چوہان اقبال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ تم نے کچھ دیر پہلے مجھ پر قابو بھی پالیا تھا۔ لیکن وہ جگہ مختلف تھی۔ صورتحال مختلف تھی۔ لیکن اب ایسا نا ممکن ہے کہ اچھا ہوا کہ تم بیٹھ چکے ہو۔ ورنہ اس ہال کی ہر دیوار سے گولیاں بارش کی طرح برسے لگتیں۔“

اقبال نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ پھر پہلو پر کر رہ گیا۔ چوہان نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا ورنہ دشمن انا پریشان نہیں ہوتا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہاں کتوں کی پوری فوج موجود ہے۔ جو صرف دو آدمیوں کا حکم ملتے ہیں ایک میں اور دوسرا نا گاہی تو تم لوگ دیکھ ہی چکے ہو کہ ہاں لوگ اسے دیکھا بند کر دے۔“

دشمن نے کچھ نہیں کہا۔ اقبال اور بلراج بھی خاموش رہے تھے۔ چوہان نے اپنے ایک آدمی کو بلا کر ناکامی اس آدمی کو طلب کر لیا۔

ناگہ آتا تو اسے دیکھ کر دشمن کی بے پروائی رخصت ہو گئی تھی۔ وہ اتنا ہی خوشخوار آدمی تھا کسی جنگی جھٹکے کی طاقت و اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے کسی آدمی کی گردن پر بھڑیے کا چہرہ لگا دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے جسم سے بدبو بھی اٹھ رہی تھی جو کتوں کی جنت کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔ وہ کسی نشینی انسان کی طرح چوہان کے سامنے آ کر جھٹک گیا۔

”ناگہ! چوہان نے اسے مخاطب کیا اب سیدھے کھڑے ہو کر ان ہمالوں کو دیکھو۔“

اس نے سیدھے کھڑے ہو کر اپنی خوشخوار نگاہیں ان پر مرکوز کر دیں۔ اس کی آنکھوں سے شعلے پکٹتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ تمہاری اولادوں کی موجودگی میں یہاں سے نکل جائیں گے چوہان نے کہا۔

اس شخص نے اپنے ہونٹ کیلے۔ پھر ہونٹ پھیلانے اپنے دانتوں کی نمائش کرنے لگا۔ اس کے دانت کسی بھڑیے کے دانتوں کی طرح سفید سفید اور اندر کی طرف مڑے ہوئے تھے۔ ہاں ان کتوں کو اپنی اولاد بچتا ہے۔ چوہان نے ان تینوں کو بتایا۔ اور یہ بذات خود اتنا طاقت ور ہے کہ اگر ہاتھ کو بھی اپنی گرفت میں لے لے تو وہ بھی اس سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ یہ ابھی نہیں اپنی طاقت کا مظاہرہ دکھانے لگا۔

چوہان کے اشارے پر ناگہ ایک دیوار سے لٹکی ہوئی پٹیل کی ایک بڑی سی مثال اُتار دی۔ اب وہ تینوں بڑے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں انگوٹھے مثال کے کنارے پر جمائے اپنی سانسیں روکیں اور ایک زوردار آواز نکالتے ہوئے اس مثال کو گاہ کے کسی پیرے کی طرح پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ اس کی طاقت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ چوہان نے اس کے بابے میں جج ہی کہا تھا۔ وہ اگر واقعی کو بھی پکڑ لیتا تو شاید وہ بھی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا۔

وہ سب ہی اس کی یہ طاقت دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اقبال بھی پہلو ہٹنے لگا تھا۔ جبکہ بلراج کے جسم پر ہاتھ کی پکیٹی طاری ہو گئی تھی۔ لیکن دشمن کا یہ وہ دونوں مختلف رہا تھا۔ وہ اگر پریشان بھی تھا تو اس نے اپنی پریشانی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

”ناگہ! چوہان نے ایک سرگرمی کے ساتھ اسے مخاطب کرتے ہوئے ان تینوں کی جانب اشارہ کیا۔ اب ذرا ان ہمالوں کو ان کے کروں میں بہنچا دو۔“

ناگہ نے اپنے دانت نکال دیے۔ اس حکم کو سن کر شاید اسے دل خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں بازو پھیلائے اور دھیرے دھیرے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ اقبال بڑھکڑا ہوا گیا۔

”تمہیں اقبال؟“ دشمن نے اسے منع کر دیا۔ ”تم کچھ مدت کرنا سے میری طرف آنے دو۔“

ناگہ کسی پھوپھے ہوئے سانپ کی طرح ان دونوں کی طرف دھڑک رہا تھا۔

اس پھوپھے ہوئے مضبوط ترین اور تند خوان انسان کی آنکھیں چری ہوئی تھیں۔ اور ان سے فوں فوں کی ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے واقعی کوئی سانپ ہی بھڑک رہا ہو۔ اس کے دونوں بازو ان دونوں کو پیس دینے کے لیے پھیلتے ہوئے تھے۔ بلراج بولکھا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خوفزدہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اس کے بدن پر کیسی طاری تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اس شخص کی طاقت کا مظاہرہ دیکھ رہی تھا۔ اس نے انا اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ اس پھوپھے ہوئے شخص کی گرفت میں آگیا تو وہ اسے سرخ بنا کر رکھ دے گا۔ اور اس سے بچاؤ کی یہی ترکیب تھی کہ اس کی گرفت کے دائرے سے دور رہا جائے۔ اپنے آپ کو اس کے پھیلتے ہوئے ہاتھوں کی زد سے بچا لیا جائے۔

”چلو ہوا گو باس۔“ وہ حلق بھاڑ کر چلا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک طرف جھلانگ لگا دی تھی۔ اقبال نے بھی غیر ارادی طور پر اس کی پیروی کی تھی۔

دشمن بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ بلراج کی طرح بولکھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پیرکون رکھا تھا۔ وہ بڑی گہری نگاہوں سے ناگہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے بھی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اگر ہاتھ بائیں تک نہ پہنچی تو وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اس وقت اس کا ذہن بڑی تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔

بلراج نے یہ محسوس کرنے کے بعد کہ دشمن نے اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا تھا۔ جیغ و ہنگام شروع کر دی۔ وہ دشمن کو اس شخص کے سامنے سے ہٹا لینا چاہتا تھا۔ لیکن دشمن اس کی جیغ و ہنگام پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ناگہ پر لگی ہوئی تھیں۔

ناگہ بھڑکنا ہوا دشمن کے پاس آیا۔ اور دشمن نے اچانک اپنے سامنے رکھی ہوئی نیز کو ٹھوکر مار دی۔ یہ ٹھوکر اتنی زوردار تھی کہ وہ نیز پوری قوت کے ساتھ ناگہ سے جا ٹکرائی لیکن

جس قوت سے وہ میز ناگہ کو بھی تھی اسی قوت کے زور سے بلراج پر وہ میز درمیان سے اڑھی ہو گئی۔ ناگہ کے ولادی جسم نے اس میں کچھ بھی جھٹکے کر دیے تھے۔ اب پہلی بار دشمن کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اس نے اپنی گردن ہٹا کر ادھر ادھر دیکھا۔ نیک لکھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ناگہ کی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر چوہان کھڑا ہوا تھا۔ انا اندازہ سے سکا رہا تھا۔ اور چوہان سے الگ بلراج کھڑا تھا۔ جو دشمن کے والی قیامت کے خوف سے سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ چوہان کو قابو میں کر کے اس سے کہتا کہ وہ ناگہ کو کچھ دے۔ لیکن اس طرح کرے میں چوہان کے کچھ سلسلہ سلسلے بھی موجود تھے جو بلراج کی درازی پیش قدمی پر اسے گولی مار سکتے تھے۔

دشمن نے آخری کوشش کے طور پر ناگہ کے پیٹ میں اچانک ایک ٹھوکر سید کر دی۔ لیکن خود ہی تڑپ کر رہ گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے ٹوٹ پوسٹ کے کسی انسان کو نہیں بلکہ لوبہ کی کسی دھان کو ٹھوکر ماری ہو۔ اس کا پیر جھنجھکا کر رہ گیا۔ درد کی ایک لکیر سی اس کے ہلورے بدن میں دوڑی چلی گئی۔ ناگہ کی پھینکار اور تیز ہو گئی اور اس نے دشمن کو ایک ہاتھ پکڑ کر اسے جھٹکا دے دیا۔

دشمن کی فٹ بال کی طرح اٹا ہوا سامنے والی ایک دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی ہمت کوشش کی تھی۔ لیکن ناگہ کی بے پناہ قوت کے سامنے وہ ایک معمولی تنکے کی طرح ہمو کر رہ گیا تھا۔ اس کے دیوار سے ٹکراتے ہی بلراج پوری قوت سے جیغ بڑھا تھا۔ اس نے اپنے بائیں کی طرف دوڑنا چاہا لیکن اسی وقت چوہان کے کچھ سلسلے اس کی راہ میں آ گئے اور اسے رکنے پر مجبور کر دیا گیا۔ وہ جیغ دنا ب کھا کر رہ گیا تھا۔

ابھی اس حرکت کے بعد ناگہ سامنے لگا۔ اس کی ہنسی بھی اتنی ہی خنک تھی جتنا خود اس کا وجود پھر وہ پہلے ہی کی طرح اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے دشمن کی طرف بڑھنے لگا۔ دشمن نے اچھی تک فرس پڑھا ہوا تھا۔ دیوار سے ٹکرانے کے عمل نے اس کے ہوش اٹا دیے تھے۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ سر کے بل نہیں جھک رہا اور اس کی کھوپڑی کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوئی۔ وہ اپنی سر کے بل جھکایا تھا۔ اسی لیے اس کی کمر میں چوٹ آئی تھی۔

دشمن فرس پڑھا ہوا گہری گہری سانسیں لیتا رہا

اس دوران ناگا پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس بار اس کے قدموں کی آہٹ پلٹے ہی دشمنوں نے گراہ کر روٹ بدلی اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر زور سے جھٹکا دیا۔

اس جھٹکے کے ساتھ ہی ناگا پھر چھینکوں کے دورے سے بڑھ گئے تھے۔ پہلی چھینک دوسری چھینک کی تیسری چھینک اور اسی دوران دشمنوں کا کھڑا ہوا۔ اس نے کھپے ہوئے ہی ناگا کے پیٹ پر ایک لات رسید کر دی۔ ناگا ہر کوئی اثر نہیں ہوا۔ دشمنوں نے دوسری ٹھوکر ماری۔ ناگا نے اپنے ہاتھ چلائے لیکن مسلسل پیدا ہونے والی چھینکوں نے اسے بے حال کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ فضا ہی میں ٹھوم کر رہ گیا۔ دشمنوں نے تیسری ٹھوکر بھی ماری۔

”باس شاباش۔ ویل ڈن۔ شاباش“ بلراج اچھل اچھل کر شوکر لگا تھا۔

پھر کچے بعد دیکھے کئی اور ٹھوکریں۔ بالآخر ناگا اچھل کر گر پڑا۔ اس کی چھینکیں رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں اور دشمنوں کی تیسری سے اس کو ٹھوکر مارے جا رہا تھا۔ ناگا کی ناک اور منہ سے اب خون بھی بہنے لگا تھا۔ اس کے غرائے اور چھینکائے کی آوازیں انتہائی وحشاد تھیں۔ ان جھیب آوازوں سے بھرا کر خون گونج رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بیک وقت جہت سے جانوروں کو نیم ذبح کر کے اس کمرے میں ڈال دیا گیا ہو۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سیدھا منہ رکھا تھا اور مسلسل چھینکے جا رہا تھا۔ جبکہ دشمنوں کی ٹھوکریں رکنے کا نا ہی نہیں لے رہی تھیں۔ پھر پھر ناگا اس وقت ختم ہوا جب اس نے گردن ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے بے ہوش ہونے ہی کے بعد اس کے منہ میں خاموشی طاری ہو گئی۔ یہ خاموشی بے پناہ حیرت لے خاری کی تھی۔ یہ حیرت جو جان کے چہرے سے اور اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ یہ حیرت ان لوگوں کو بھی جو اس کمرے میں کھڑے ہوئے یہ سمجھا کہ جنگ دیکھ رہے تھے۔ یہ حیرت خود بلراج کو بھی۔ جو آنکھیں پھاٹے ہوئے اپنے پاس کو دیکھ رہا تھا۔ سب سے پہلے بلراج ہی کی حیرت ختم ہوئی وہ دھڑا ہوا دشمنوں کے پاس آگیا۔ اس نے کہنے ہی دشمنوں کا ہاتھ اٹھا لیا تھا۔

لیا تھا۔ پھر۔ پھر گریٹ باس۔ پھر اگر بٹ بھڑکتی شدت سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

دشمنوں اب پہلے کی طرح ہر سکون ہو چکا تھا۔ یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ابھی بھی ایک خونریز جنگ لڑ رہا تھا ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ تھی۔ جو عام طور پر دکھائی دیتی۔ اس کے انداز سے کسی قسم کے بچان یا جوش کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

”تم کیا ہو؟“ چوہان نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا ”تم نے کیا کیا اس کے ساتھ؟“

”یہ ایک انسان نما حیوان ہے جو جان صاحبہ“ دشمنوں نے تلخ ہو کر جواب دیا۔ اور میں ایک مکمل انسان ہوں اور آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی حیوان انسان کی ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ بھی میری ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکا اور میں نے اسے مار کر ماریا۔

”میں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی شکست بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی صرف ایک انسان کے ہاتھوں۔ میں تمہاری اس ذہانت کی داد دے دوں گا۔ لیکن میں یہ سیکھتا ہوں کہ تم نے یہ کمال اس طرح کر دکھا یا ہے کہ ناممکن کر دکھا یا ہے۔ آخر یہ ہو اس طرح۔ تم نے اس کے چہرے پر کیا پھینکا تھا؟“

”اگر میں نے یہ بتا دیا تو اس کے بعد پہلے سے زیادہ بے دست پا ہو کر رہ جاؤں گا۔ دشمنوں نے کہا۔ اسی لیے تم یہ مت بولو۔ جو بس یہ دیکھ لو کہ میں نے تمہاری ناک کو توڑ رکھ دیا ہے۔ تم اس پر بہت فخر کیا کرتے تھے۔ اور تمہارا یہ شاہکار اس وقت بے ہوش بڑا ہوا ہے۔ یہ اس وقت کسی بچہ سے زیادہ بے ضرر ہے۔ میں اگر چاہوں تو اس کی گردن مروڑ کر رکھ سکتا ہوں اور یہ اپنی جان بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو؟“ چوہان نے ایک گہری سانس لی ”میں نے تمہارا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم اس کے ہاتھوں زخمی ہو جاؤ۔ میرا منہ صرف یہ تھا کہ تم اتنے دہشت زدہ ہو جاؤ گے۔ اور میں نے لکھنے والے طور پر تمہارے ذہن میں نہ آئے گا۔ لیکن تم نے ناگا کو تو لڑوڑ کر رکھ دیا ہے۔ بہر حال اس کے باوجود میں یہ کہنا ہوں کہ تم لوگ یہاں سے اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک میں اجادت نہ دوں۔“

”اب تم پھر گمان کیے جا رہے ہو چوہان صاحب“ بلراج بہت دیر کی خاموشی کے بعد بول پڑا۔

”یہ بد گمان نہیں حقیقت ہے۔“

”اگر یہ حقیقت ہے تو ہم اس حقیقت کو بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بات اقبال نے ہی کہی تھی۔“

ہم سب کے سب اس باتیں ہیں اس کی جس نے عین یقین کیا ہے۔ ہم میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی بدگمانی کو دیکھنے کے لیے کسی اور کو ہلاک کر دے۔ ہمیں اس لیے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اسی لیے بہتر یہی ہو گا کہ ہم اپنا زخم ایمان داری سے انجام دیتے رہیں۔“

یہ بات ڈاکٹر اظہر نے ان لوگوں سے بھی جو اس کے ارد گرد موجود تھے۔ اس وقت کھڑے برٹانڈ کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا۔ اور زخمی کے کمرے میں صرف باقی ڈاکٹر اور مریض رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر اظہر کی باتوں نے مرجھانے ہوئے ڈاکٹروں کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی تھی۔

”آخر ہم لوگوں کو بھی تو اپنی زندگی محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہے؟“ ڈاکٹر تیراڈی نے کہا۔ ”سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ یہاں ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟“

”دیکھو۔ یہاں آنے کے بعد ہم سب ان ہی سوالات میں ٹھس ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اظہر نے سمجھانے کی کوشش کی پھر ایسا ہوا کہ جو کچھ ہم لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہم نے اسے مقررہ سمجھ لیا۔ ہمارے یہ جان لیا کہ ہم اپنی سی کوشش کرتے بھی نہیں تب بھی یہاں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی لیے بہتر یہ ہے کہ کم از کم اپنا فرض ہی ادا کر دیں۔ اور ہمارا فرض اس وقت یہ ہے کہ اس کو بچانے کی کوشش کریں۔ کامیابی ناکافی خدشہ کے ہاتھ میں ہے۔“

”میرے خیال میں تو اس کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ ایک اور ڈاکٹر نے کہا۔ تم خود ہی دیکھو اس کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ اس کے جسم کا کون سا حصہ ہے جو شکستہ نہیں ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ یہ ابھی تک زندہ کس طرح ہے۔ اسے تو بہت پہلے مرجانا چاہیے تھا۔“

”اس کی قوت ارادی نے اسے زندہ رکھا ہے۔ ڈاکٹر اظہر بولا۔ اس کے علاوہ شاید خدا بھی اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ بہر حال ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یہاں مریض کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق اس میں بہتر کیے کا اثر پیدا ہونے لگے ہیں۔“

وہ سب اب مریض کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کیونکہ اس کے علاوہ یہاں ان کے لیے اور کوئی مصروفیت نہیں تھی

ایک مریض کئی ڈاکٹر اور نرسوں اندیشہ زخمی کے مستندہ چہرے ہر اب بھی کبھی مریض اس طرح جھٹکنے لگی تھی جیسے سیاہ بادلوں کے نیچے شفق چھپی ہوئی ہو۔ بادل ہٹ جائیں تو شفق ایک لمحے کے لیے دکھائی دے جائے۔ پھر بادل اس کے سامنے آجائیں۔ یہ گرجہ زیادہ ہی کامیابی نہیں تھی لیکن اسی ایک اشارے نے ان ڈاکٹروں کو ہر امید کر رکھا تھا۔

”یہ دیکھو ڈاکٹر! ایک ڈاکٹر نے اظہر کو مخاطب کیا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں گر گئی تھیں۔“

اسی وقت ڈاکٹر کھنڈہ بھی وہاں آگیا۔ اس نے آتے ہی ڈاکٹر کی ٹیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک مریض کے پاس رہتا اور دوسرا آرام کرتا۔ پھر دوسری ٹیم مریض کے پاس آجائی اور پہلی آرام کرنے چلی جاتی۔ اس طرح ان لوگوں کا کام آسان ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر کھنڈہ ڈاکٹر گیتا اور دوسرے ڈاکٹر پہلی ٹیم میں تھے۔ ڈاکٹر اظہر کو دوسری ٹیم کا نگران بنایا گیا تھا۔ خود ڈاکٹر کھنڈہ ان دونوں کی نگرانی کے لیے تھا۔

پہلی ٹیم کو مریض کے پاس چھوڑ کر ڈاکٹر کھنڈہ اظہر اور دوسرے ڈاکٹروں کے پاس آ کر اس کمرے میں بھلا آیا۔ چوہان لوگوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہاں آ کر اس نے اپنی اور برٹانڈ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے انہیں آگاہ کیا۔ وہ سب ہی اس کہانی کو سن کر حیران رہ گئے تھے۔

”یہ برٹانڈ جیسا آدمی اس قسم کی توہمات میں کیوں مبتلا ہو گیا۔“ ایک ڈاکٹر نے سوال کیا۔

”سیدھی بات ہے۔ دولت یا ڈاکٹر کھنڈہ نے جواب دیا۔ ”اور وہ بھی اتنی بے بسی کہ برٹانڈ نے اپنے سارے وسائل صرف کر دیے ہیں۔ وہ گھائے کا سودا کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ بہت متوجہ سمجھ کر اقرار قریح خرچ کر رہا ہے۔ اور اسے یہ بھی امید ہے کہ مریض صحت یاب ہو جائے گا۔“

دوسری شام کو ان لوگوں نے مریض کی طرف سے ایک اچھی خبر حاصل کی۔ وہ خبر یہ تھی کہ مریض نے کراہ کر صرف کرکٹ بدلنے کی کوشش کی تھی بلکہ کچھ بڑھاپا بھی تھا۔ لیکن اس وقت اس کے قریب موجود ڈاکٹروں کی سمجھ میں اس کی بڑھاپا نہیں آ سکی تھی۔ یہ خبر برٹانڈ کو سنائی گئی تو وہ بھی خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

”میں نے کہا تھا کہ تم لوگ اگر سخت کرنے سے تو کمپلیٹ مل جائے گی۔“ اس نے کھنڈہ سے کہا۔ ”میں تم لوگوں کی کارکردگی

سے بہت خوش ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ اگر اسی طرح کام کرتے رہے تو ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ پوری طرح چوڑی میں آجائے گا۔

ڈاکٹر نے اور دوسرے ڈاکٹروں کو بھی اس بات کا یقین تھا۔ ایک مہینہ ان کی آنکھوں کے سامنے رونما ہو رہا تھا۔ زندگی سے نفرت پیدا ہو کر ایک شخص میں زندگی کے اتنا بے ہوش ہو چلے تھے اور وہ بھی اتنی تیزی کے ساتھ کہ یہ لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

دوسری بار اگلی صبح اس نے آنکھیں کھول کر دیکھ کر کہا تھا ڈاکٹروں کی سمجھ میں صرف اتنا آ سکا تھا کہ وہ آگ لگ کر رہا تھا۔ اور یہ لفظ قہرین قہاس بھی تھا کیونکہ وہ آگ ہی کے سمندر سے گزرتا ہوا ان کے ہاتھوں تک آیا تھا۔ آگ ہی نے اس کی یہ حالت کر دی تھی۔ بہر حال اس غیر متوقع کامیابی نے ڈاکٹروں کے حوصلہ اور ہند کر دیے اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ تن دی کے ساتھ اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

دوسری طرف برناڈا کا رویہ بھی ان ڈاکٹروں کیساتھ تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ اب بہت دوستانہ بنے ہیں ان سے باتیں کیا کرتا۔ ان کے ساتھ پیچھے اور ادھر ادھر کی گپ شپ کیا کرتا۔ ان ڈاکٹروں کے لیے پابندی تو ابھی تک برقرار تھی۔ لیکن اس کی نوعیت اب پہلے جیسی شدید نہیں رہی تھی۔ بلکہ انہیں اس بات کی آزادی حاصل ہوئی تھی کہ وہ اس عمارت سے باہر نکل کر تھوڑی بہت چہل قدمی بھی کر لیا کریں۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت بھی کوئی کوئی نگران ان کے قریب رہا کرتا تھا۔

ان لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ وہ عمارت آبادی سے اس قدر فاصلے پر جوہے کے باوجود ہر قسم کی سہولیات سے مزین تھی۔ برناڈا نے دنگل میں منگل کا سا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ اس نے اس زنجی کے لیے اس عمارت میں ایک جدید قسم کا آپریشن تھیٹر قائم کر دیا تھا۔ جہاں یہ ڈاکٹر حضرات اپنے تجربہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان کے دلوں سے وابستگی کی امید تو بے باق ہو چکی تھی۔ وہ شاید اسی لیے وہی کا کوئی ذکر اپنے ہونٹوں پر نہیں لاتے تھے۔ یا انہوں نے فہم کر لیا تھا۔ لیکن ان ہی ڈاکٹر میں ایک ایسا بھی تھا جو ابھی تک مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں فرار کے راستے تلاش کرتی رہتی تھیں۔

اس کا نام ڈاکٹر کرن ساگر تھا۔ شاید وہ اس ٹیم کا سب سے کم عمر ڈاکٹر تھا۔ اسی لیے وہ اس قدر بے ہوش تھا وہ زیادہ تر خاموش رہا کرتا۔ لیکن اس کی آنکھیں اندرونی خیال سے جھپکتی رہتی تھیں۔ وہ بڑے عرصے پہلے ارد گرد کا جائزہ لیتا رہتا۔

اس وقت جب ڈاکٹروں کو چہل قدمی کی اجازت ملی تو وہ بھی معمول کے مطابق سب کے ساتھ عمارت سے باہر آکر اس میں بظاہر اسی کوئی بات نہیں تھی جو نگرانوں کو اس کی جانب سے مشکوک کرتی۔ اس دن کرن نے اپنے دل کی ایک فیصلہ کر رکھا تھا۔ اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ فرار کی کوشش کرے گا۔ اسے دوسرے ڈاکٹروں کی بھی پروا نہیں تھی۔ اس کے خیال میں یہ سب بزدل اور مایوس دل والے لوگ تھے جنہوں نے برناڈا کے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ اور جیسے ہی نگران کی توجہ دوسری طرف ہوئی اور دوسرے ڈاکٹر اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہوئے وہ ان کے درمیان سے نکل آیا۔ اس نے چالاکی سے سیدھا نہیں چلا بلکہ فوراً ہی عمارت کی پشت پر پہنچ گیا۔ سامنے کی طرف دور دور تک ایک طویل و دریاں کا پھیلا ہوا تھا۔ اسی لیے اس طرف جانے میں اس کے دیکھ بے جانے کا امکان تھا۔ جبکہ پیچھے کی طرف کچھ فاصلے پر خود وہ جھاپیاں آگئی ہوئی تھیں۔ جھانپوں کا یہ سلسلہ بہت دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

مکان کی پشت پر آئے، یہ وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ اس نے احتیاط کیا تھا۔ ورنہ جھٹ بڑھنے سے نگرانوں میں سے کوئی اس کی طرف دیکھ بھی سکتا تھا۔ لیکن اس کی بااحتیاط اس نے فضول تھی کہ چھت پر کھڑے ہوئے نگران بھی اپنی خوش گلیوں میں مصروف تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے کسی کو یہ توقع بھی نہیں ہوئی کہ ڈاکٹروں میں سے کوئی اس طرح فرار حاصل کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔

کرن کچھ دیر تک اسی طرح زمین پر لٹتے کے بل لیٹا رہا۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے جھانپوں کی طرف رہنما شروع کر دیا۔ وہ دیکھتا تھا ان جھانپوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ اس کی پہلی کامیابی تھی۔ اس نے بہت بڑی جرات کا ثبوت دیا تھا۔ اسے اندازہ تھا اگر اسے گرفتار کر لیا گیا تو اس کا کیا حال ہوگا۔ لیکن اسے اس کی

ی پروا نہیں تھی۔ وہ لوگ جسم قسم کی زندگی گزار رہے تھے اس سے تو یہ بھی بہتر تھا کہ کوئی انہیں انجام سامنے آجائے بلکہ وہ کتنا ہی مرگاہوں نہ ہو۔

تو اس نے پہلی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اسے علم تھا کہ اس کے کامیاب فرار کے بعد وہاں رہ جانے والے انکوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ان بے زیادہ تنہا رہ جائیں گے۔ ان سے چہل قدمی کی آزادی چھین لی جائے گی۔ اور یہی نہ جانے کیا کیا ہوگا۔ لیکن وہ اسی اندیشے سے ناگوں کے قبضے میں نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسرے ڈاکٹروں کے لیے اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ شہر چلے ہی پولیس جبر سے گا۔ اگر ان کی زندگی ہوئی تو وہ بے رحم جلدی کے ساتھ جھانپوں کے درمیان آکر وہ کھڑا ہو گیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ اور کون سا شہر کس سمت واقع ہے۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہ اگر چلنا شروع کرے تو کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جائے گا۔

لیکن وہ ابھی اس عمارت سے کچھ ہی فاصلے پہنچا تھا کہ ایک ٹھنک کر رک گیا۔

اس کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ اور گاؤں کے ایک ٹاپ کا ایک آدمی اس لاش کا سامنا رہا تھا۔

کرن شہر کی طرف ہر ایک جھانپوں کی میں چھپ گیا تھا۔ اس میں بھی کہ وہ کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر چھانپوں کی طرف میں کھڑا ہو جائے۔ اس کے خیال کے مطابق لاش کا نشانہ کرنے والا آدمی برناڈا کے آدمیوں میں سے نہیں تھا۔ اس کا حلیہ یہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی اوصہ۔ اور کرن کی رج وہ بھی اس لاش کو دیکھ کر حیران ہو رہا ہے۔ کرن ڈاکٹر تھا۔ اور اسی لیے یہ اندازہ لگانا اس کے لیے دشوار نہیں تھا۔ وہ لاش لقمہ ہا پندرہ دن پرانی تھی۔ گوشت خور کیڑوں نے اس لاش کے جسم سے گوشت غائب کر دیا تھا۔ اس رج وہ بہت بھیانک منظر پیش کر رہی تھی۔

وہ کب تک جھانپوں کے پیچھے چھپا رہا تھا۔ کبھی تو اسے باہر نکلنا ہی تھا۔ اور اس وقت اگر وہ شخص اسے دیکھ لیتا تو۔

اس نے اپنے بچاؤ کے لیے کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ اس کے سامنے ایک بڑا سا ٹوکھا بچہ پڑا ہوا تھا۔ وہ بھراس کے بالکل قریب تھا۔ صرف ہاتھ آگے بڑھنا تھا اور وہ بھراس کے ہاتھ میں آجاتا۔ اس نے بھتر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور یہی اس کی غلطی ہو گئی۔

گاؤں کے جیسا انسان بھتر سے پٹا اور اسی عمل میں اس نے پستول نکال کر فرار ہو چکا۔ دبا اس کا نشانہ اس بلا کا تھا کہ کرن کے سامنے رکھا ہوا بھتر کی گھڑوں میں تقیم ہو گیا۔ اس کا بڑھتا ہوا ہاتھ بند ہو کر رہ گیا تھا۔ اس شخص نے پستول کا رخ جھانپوں کی طرف کیا اور کرن کو کھلا کر دونوں ہاتھ اٹھائے جھانپوں سے باہر آگیا اس شخص کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ بڑی گہری نگاہوں سے کرن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کرن سمجھا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ "کون ہو تم؟" اس نے کرن کی طرف دیکھتے ہوئے پھر خود ہی بول پڑا۔ میرا خیال ہے کہ تم برناڈا کے ساتھی تو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کے کسی آدمی کا غیر مسلح دکھائی دینا ناممکن ہے۔ پھر تمہارے چہرے سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ اس قسم کا کھیل تمہارے لیے اجنبی ہے اور برناڈا جیسے شریف آدمی کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ اسی لیے بہتر ہے کہ تم خود ہی اپنے بارے میں صحیح بتا دو۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ کرن نے ایک گہری سانس لی یہ اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ بلکہ ہم لوگوں کو زیرِ شکنجہ یہاں لایا گیا ہے۔"

"ہم لوگوں کو کیا مطلب ہے؟" اس نے اپنی جگہ آنکھیں سیکڑیں۔ "کیا تمہارے علاوہ اور بھی ہے کوئی؟"

"ہاں بہت سے ہیں۔ کرن نے جواب دیا۔ "مہرب کے سب ڈاکٹر ہیں جنہیں ملک کے مختلف حصوں سے اکٹھا کر لیا ہے۔ ہم بھون کو زیرِ شکنجہ یہاں لایا گیا ہے۔ پستول دکھا کر نشانہ کر کے۔ آج میں موقع پا کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا کہ تم سامنے آ گے۔"

"ہوں؟ تمہاری گہرائی دلچسپ معلوم ہوتی ہے؟" اس

نے ادبی گردن بلایا کیا تم لوگوں کو کسی زخمی کی دیکھ بھال کے لیے جمع کیا گیا ہے؟

”ہاں“ کرشن نے جواب دیا۔ ہم جس وقت یہاں آئے تھے۔ اس وقت اس کی حالت بہت نازک تھی لیکن اب سنبھلتی جا رہی ہے۔

”بہت خوب، وہ شخص مسکرا دیا۔ تم نے ایک اچھی خبر سنائی ہے۔ اب تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے سب کچھ بتا دو۔ میں بوری کہانی سننی چاہتا ہوں۔“

کرشن نے اسے اب تک کے سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے کرشن کی کہانی سننا رہا تھا۔ اب تم ہاتھ کر سکتے ہو یا اس نے کرشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہاری کہانی سے مطمئن ہو گیا ہوں۔

”اور تم کون ہو؟“ کرشن نے ہاتھ کراتے ہوئے پوچھا۔

”میں اس برناڈ کا دشمن ہوں۔ اس نے کہا۔ تم مجھے طوفان کے نام سے پکار سکتے ہو۔“

”طوفان؟“ کرشن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”یہ کیا نام ہے؟“

”بس یہی میرا نام ہے۔ میں طوفان کی طرح حملہ کرتا ہوں اور تباہ کر کے رکھ دیتا ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ برناڈ کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے۔“

”میرے اندازے کے مطابق اس عمارت میں کم از کم پچاس مسلح جوان موجود ہیں۔“ کرشن نے بتایا۔

”ہوں۔ میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ طوفان نے کہا۔

”اس کے باوجود تم اکیلے اس طرف چلے آئے؟“

”ہاں میں اکیلا ہی کام کیا کرتا ہوں۔ طوفان نے کہا۔

”جو احوال ہے کہ میں اکیلا ہی بہت سوں پر بھاری ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس موقع پر ہوش مندی سے کام لیا جائے۔ اور جب تم جیسا ساتھی مل گیا ہے۔ تو کیوں نہ اس منہری موقع سے فائدہ اٹھا لیا جائے؟“

”کیا مطلب؟“ کرشن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

”میں چاہتا ہوں کہ تم اس عمارت میں داخل چلے جاؤ۔ طوفان نے کہا۔ تمہارا واپس جانا ہی بہتر ہوگا۔“

”وہ کیوں؟“ میں اب کیسے جا سکتا ہوں؟ ایک تو میں بڑی مشکوک سے اس جہنم سے نکلا ہوں اور تم دوبارہ مجھے اسی جہنم میں بھیجنا چاہتے ہو؟“

”ہاں کیونکہ بغیر تمہارے گئے ہوئے تمہارے ساتھی آدھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ جنہیں ابھی وہاں سے نکلے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ اسی لیے تمہاری ہیرا حاضری محسوس نہیں کی جا رہی ہوگی۔ تم آسانی سے واپس جا سکتے ہو۔ لیکن اس بار تم کچھ چیزیں اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو میں تمہیں دوں گا۔“

”میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا چاہتے ہو؟“

”دیکھو۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں اس زخمی کے لیے آ رہا ہوں۔ اب یہ بات بھول جاؤ کہ میں اکیلا ہوں اور برناڈ کے آدمیوں کی تعداد بے شمار ہے۔ میں یہ کام کیا کر سکتا ہوں یا نہیں۔ یہ سب سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ اب یہاں آکر بیٹھا چلا ہے کہ وہ زخمی تم ڈاکٹروں کے تعاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ اب اس کے ساتھ تعاون ختم کر دو۔ اس کی زندگی بچانے کی حد و چند ٹرک کر دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دواؤں خود مر جائے گا۔ اور میں اسے اس مقصد کو حاصل کر لوں گا جس کے لیے آتی دور دراز کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ اور اگر وہ مرلیض زندہ رہا تو تم یقین کر لو کہ میں تم سے ایک ایک کو چن چن کر ہلاک کر دوں گا۔ اور یہ صرف دھمکی نہیں ہے۔“

کرشن ساگر تجھے میں گرفتار ہو گیا۔ وہ برناڈ اور اس کے آدمیوں سے بچ نکلا تھا تو یہ معصیت اس کے سامنے آئی تھی۔ اور اس شخص کے تصور یہ بتا ہے مجھے کہ یہ جو کچھ کہتا ہے اس پر عمل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ مرلیض مر جائے اور اس علاقہ نہ کیا جائے؟ اس نے طوفان سے پوچھا۔

”ہاں۔ میں یہی کہہ رہا ہوں۔ اور اس پیغام کو دوسرے ڈاکٹروں تک پہنچانے کے لیے تمہارا واپس جانا ضروری ہے۔ ورنہ ایک فساداری موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم ان لوگوں کے ہاتھوں نہیں سے لیکن میرے ہاتھوں اپنے مارے جاؤ گے۔“

”فرض کریں میں واپس جا کر برناڈ کو تمہارے بارے میں بتا دوں تو؟“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ فان نے کہا۔ تم جس وقت برناڈ سے میرا نام لو گے اس وقت اس کی لوہا دیکھنے کے قابل ہوگی۔ وہ لوہا کراس زخمی کو یہاں سے

کھینچ منتقل کرانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ زخمی بدعمرات سے کھلے میدان میں آجائے گا۔ جہاں میں اس کے استقبال کے لیے موجود رہوں گا۔“

”میں تم سے ایک بات کہنی چاہتا ہوں۔“

”کیا بات ہے؟“

”تم اگر مجھے میرے دشمن کے روپ میں میرے سامنے آئے ہو، لیکن تمہارے حوصلے کو دیکھ کر خیریت ہو رہی ہے تم کیسے آدمی ہو کہ نہیں کسی پر وہاں نہیں ہے۔ تم کو اس بات کا بھی ڈر نہیں ہے کہ برناڈ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ بہت سے مسلح اور خوشحال لوگ ہیں۔ تم اس کے باوجود اپنے فیصلے پر اصرار کرتے ہوئے ہو۔“

”تمہاری یہ بات پسند آتی؟“ طوفان مسکرا دیا۔ لیکن میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ مجھے اس کی کبھی پروا نہیں ہوئی کہ میرے سامنے کتنے آدمی ہیں بس اب تم اپنے دشمن پر روانہ ہو جاؤ۔ میں ہر حال میں اس زخمی کو مرنا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

رہا وہ سادوں دھن نے بے ہوش لاجوئی کو اسٹارٹر پر لٹا دیا۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔

”کیا بات ہوئی؟“ ریتانے نرم لہجے میں دریافت کیا۔

”تم کسی سے خوفزدہ ہو کر کبھی تنہا نہیں کیا؟“

”ہاں۔“ لاجوئی نے متوجہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔

”مجھے اوپ کمر سے خطرہ ہے۔“

”یہ تم کس کی بات کر رہی ہو؟“ سادوں نے پوچھا۔

”الوپ کمر۔“

”تم لوگ اسے نہیں جانتے۔ وہ پہلی بار اس فلم میں کام کر رہا ہے۔“ لاجوئی نے جواب دیا۔ وہ بہت خبیث انسان ہے۔ یہ اس کی پہلی فلم ہے اور پہلی ہی فلم اسے ولن کا جاس مل گیا ہے۔“

”کیا وہ اسی لیے تمہیں مار دینا چاہتا ہے کہ پہلی ہی فلم میں اسے ولن کا جاس مل گیا ہے؟“

”نہیں۔“ لاجوئی کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی کراہٹ رہی۔

”آئی۔ یہ بات تو میں نے بولی ہی کہہ دی تھی۔ وہ مجھے کسی اور وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن میں اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ میں جس سے بھی کہتی ہوں۔ وہ میرا مذاق اڑاتا ہے۔ میری بات کا یقین ہی نہیں کرتا ہے۔“

”آخر کیوں۔ تمہاری بات کا یقین کیوں نہیں کیا جاتا۔“

”کیونکہ اس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ مجھے ہلاک کر دے۔“ لاجوئی نے کہا۔

”یہ تم نے ہمیں اور اٹھا دیا۔ جب تک تم ہمیں پوری بات نہیں بتاؤ گی۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اور نہ ہی ہماری کچھ میں آئے گا۔“

”آخر کیوں؟“ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟ میں تم لوگوں سے واقف نہیں ہوں مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ کون تھے۔“

”ہم لوگوں کی داستان انہی ہے جس پر شاید تم یقین بھی نہ کرو۔“ سادوں نے کہا۔ ”جو کہ تم مجھے ایک بے ضروری عورت معلوم ہو رہی ہو۔ اسی لیے بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم دونوں قیدی ہیں۔“

”قیدی؟“ لاجوئی نے چونک کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ اس دوران بغیر ہر بیٹھ گئی تھی۔ کس کے قیدی کیسے قیدی۔“

”یہ ایک طویل اور لمبی ہوئی کہانی ہے جو شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔“ سادوں نے کہا۔ ”کچھ کچھ سڑک چرچلی سے۔“

”لو لڑکی نہیں۔ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ اس لڑکی کے لیے۔“

”ہو سکتا ہے کہ تم اس کے لیے کوئی بہتر راستہ نکال سکو تاکہ یہ عذابوں سے چھٹا رہا۔“

”اس موقع پر ریتانے کچھ جپا جپا ہر خاموش ہوئی۔“

”ہاں۔ ہاں۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو ضرور سننا ہو سکتا ہے کہ میں کسی کام ہی آ جاؤں۔“

”تم تو خود کسی سے جان بچا کر پھر رہی ہو۔“ ریتانے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم ہمارے کس کام آؤ گی؟“

”لاجوئی بھی مسکرا دی۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ تم جس انداز سے میری مدد کر سکتے ہو اور جس طرح میں مدد کرنا چاہتی ہوں وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور ویسے بھی آدمی آدمی کے کام آتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔“ سادوں نے کہا۔ ”تمہارے روپ میں مجھے امید کی ایک کرن دکھائی دیتی ہے۔“

”میں سب کچھ بتاؤں گی۔“

”میں اس کے ہر موڑ پر لاجوئی کی خوبصورت آنکھیں حیرت سے پھیلی جا رہی تھیں۔“

”سبھی سمجھو“ وہ ساون کے خاموش ہونے کے پلے یقین نہیں آتا کہ تم لوگ اتنے خطرناک جال میں پھنس گئے ہو گے۔“

”نہیں، تم لوگ نہیں بلکہ صرف میں“ ساون نے کہا۔
”مگر وہ بڑا بڑا سادی ہر کی ذمہ داری میرے سر ہے، جبکہ تم لوگ اپنی لونٹ کے ساتھ خوشگ میں مصروف ہو گئے ہو، پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے، کون ساھیل کھلا جا رہا ہے، جبکہ میں مستقل سولی پر ہارنگا ہوں گا۔“

”تو پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“ لاجوتی نے پوچھا۔
”ابھی تک میرے ذہن میں کوئی بات نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہ اپنے قبیلے میں پہنچ کر مجھے کوٹاٹی حاصل ہو جائے گی، جبکہ رہتا ہے کی طرح نے آسرا ہے گی، میں اس کے ساتھ تو ہوں گا، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میرے قبیلے والے اس کے معاملے میں میرے ساتھ تعاون نہ کریں، اس کے علاوہ خود مرنا بھی اس کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا، اسی لیے اس کو بے شمار دشواروں کا سامنا کرنا پڑے گا ہاں اگر تم چاہو تو کسی طرح اسے اپنے لیے جاسکتی ہو پھر میں اس سے آکر مل لوں گا۔“

”رہتا۔ میں تمہاری مدد کے یقیناً خوشی حاصل کروں گی، لاجوتی رہتا کی طرف مخاطب ہو کر بولی، لیکن فی الحال تو میں خود عذاب میں مبتلا ہوں۔“

”تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟“ ساون نے پوچھا۔ وہ شخص الوپ کا تھا، کیوں دغمن ہے۔“

”الوپ دراصل بہت دولت مند آدمی ہے، لاجوتی نے بتانا شروع کیا، یہ فلم جو بنا رہا ہے، یعنی جس کا سرمایہ لگا ہوا ہے، اس کا نام ریش میں شگل ہے۔ وہ پہلے ہی بد فلمیں بنا چکا ہے، لیکن اس کی کئی فلمیں بیک وقت دیکھ کرے نا کام ہوئی، جس کی وجہ سے اس کی معاشی حالت پہلی جیسی نہیں رہی ہے، اس کے باوجود وہ فلمیں بنا رہا ہے اس فلم کا ڈائریکٹر بھی بہت ذہین انسان ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم پس منظر کے بجائے اصل کہانی بتانا شروع کر دو؟“ ساون نے کہا۔

”پس منظر جانے بغیر یہ کہانی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اسی لیے میں بھی مختصر بتا رہی ہوں، تو پھر اسے بہتر کا نام بد رہی نا تھ ہے۔ اگر تم لوگوں کو فلم سے دلچسپی ہو تو تم نے یقیناً اس کا نام سنا ہوگا۔ تو جب ریش میں شگل

نے فلم بنانے کا اعلان کیا تو یہ الوپ کا راس کے پاس آیا، اس نے بے پیش کش کی کہ وہ فلم میں سرمایہ لگانے کو تیار ہے، بشرطیکہ اس فلم کا ولن اسے بنایا جائے اور ہر سٹو لاجوتی ہو۔“

”یہ تو عجیب بات ہوئی، میرٹانے کہا، لوگ تو ہیرو بننے کی خواہش کرتے ہیں اور وہ ولن بننا چاہتا ہے؟“ ہاں۔ یہی تو عجیب بات ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس فلم کے لیے کہانی اسی نے منتخب کی ہے اور اس کہانی میں ایک موٹا ایسا آنت ہے جب وہ مجھے ہلاک کر دیتا ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی، وہ اگر تمہیں ملنا ہی چاہتا تھا تو براہ راست بھی مار سکتا تھا۔ اس کے لیے اتنا جھنجھٹ کر کے کیا ضرورت تھی؟“

”یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے۔“ لاجوتی نے کہا، ”ارادے اگر جیسے ہوئے ہوں تو وہ اور زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، سامنے کے ارادوں سے تو یہ بھی جاسکتا ہے، لیکن پوشیدہ ارادوں کی دہشت ہی کچھ اور ہو کر رہی ہے، لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ تمہیں مارنا چاہتا ہے۔ اگر اس کہانی میں ایسا کوئی واقعہ ہے، مگر تو اس سے یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہیں ہلاک کرنے والا ہے۔“ اس نے ریش میں شگل کے دوران ایسا کرنے کی کوشش کی ہے۔“ لاجوتی نے بتایا۔

”تمہاری کہانی سمجھ میں نہیں آ رہی، میرٹانے کہا۔ ایک طرف تو تم یہ کہتی ہو کہ ابھی اس فلم کی شوٹنگ بھی شروع نہیں ہوئی، پھر یہ ریش میں شگل کے مرا حل کہاں سے آگئے؟“

”تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن یہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ یہ الوپ کلا انتہائی چالاک اور فطین انسان ہے۔ اس نے ریش میں شگل اور بد رہی نا تھ کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ اس وقت تک بہتر پروڈیوسر نہیں دے سکتا، جب تک وہ ہیروئن کے پریکٹس نہ کرے جو نگر ریش اور بد رہی نا تھ دونوں اس کے ذہن احسان ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس کی تجویز مان کر مجھے ہدایت کی کہ میں الوپ کے ساتھ ریش میں شگل کرتی رہوں تو اس طرح وہ ریش میں شگل کے دوران کئی ہڈ مجھے ہلاک کر دینے کی کوشش کر چکا ہے۔ باور بات ہے کہ یہ منصوبہ ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”میری سمجھ میں ابھی بھی کچھ نہیں آیا،“ ساون نے کہا، سوال تو یہی ہے کہ اس نے تمہیں سامنے کے لیے اتنا جھنجھٹ طریقہ کیوں اختیار کیا، یہ تو بالکل بڑا ہی بات ہوئی، تم جب چاہو اس پروڈکشن سے الگ ہو سکتی ہو، پھر اس کا منہ تو دھرا دھرتے جاؤ۔“

”یہی تو مسئلہ ہے کہ میں یہ نہیں کر سکتی، لاجوتی نے وجہ سے جواب دیا، میں نے معاملہ پر سامن کرنے کے بعد ان لوگوں سے ابھی خاصا ایڈوائس بھی لے لیا ہے، جن کی وجہ سے میں اخلاقی اور قانونی طور پر ان کی پابند ہو کر رہتی ہوں۔“

”وہ ریش میں شگل کس قسم کی ہوتی ہے۔؟“ میرٹانے دریافت کیا۔

”یہ لفظوں میں یہاں نہیں کر سکتی، لاجوتی نے کہا، اگر تم دونوں اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ لو تو تمہیں یقین ہو جائے کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، وہ بالکل سچ ہے۔“

”جہاں یہ بتاؤ کہ اب ہم لوگ تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں، میں تم دونوں پر اعتماد محسوس کرنے لگی ہوں، اسی لیے میں نے یہ سب کچھ تمہیں بتا دیا ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں میری مدد کرو۔“

”تمہاری مدد صرف اسی صورت میں کی جاسکتی ہے جب ہم اپنی آنکھوں سے یہ ریش میں شگل دیکھ لیں۔ اگر میں نے یہ محسوس کر لیا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے تو میں اپنی مجبور دلوں کے باوجود تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ فیصلہ وعدہ ہے۔“

اسکریں روشن تھا اور اس روشن اسکریں پر اختر اور اس محافظ کی نقل و حرکت دکھائی دے رہی تھی، جو اختر کے اشاروں پر چلنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا، وہ دونوں مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے اس ہال کی طرف بڑھ رہے تھے اور زرتاج یہ سوچ رہی تھی کہ اس بظاہر معصوم نظر آنے والے آدمی کے سینے میں کیسے خوفناک طوفان اٹک رہا ہے، اس کی معصوم صورت کے پیچھے کیسی دہشت ناک پوشیدہ ہے۔ اس کے بازوؤں میں کیسی بے پناہ قوت ہے اس کے انداز میں کیسی برقی رفتار ہے۔ وہ کتنی تیزی سے حملہ کرتا ہے اور کیسی جرات سے غالب آ جاتا ہے۔ زرتاج یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ دونوں اس دوران بڑے

کسے میں پہنچ چکے تھے، جہاں کے دوڑنے کے ساتھ ایک بڑی سی سہری تھی، اور اس سہری پر کوئی دینا ہوا دکھائی دے رہا تھا، اور زرتاج کے علم کے مطابق وہ ایک انسان شہر والی ڈی تھی، ریش میں ایک بے جان جسم، جو اتنی خوبصورت اور جمالت سے انسان ساخت میں ڈھال گیا تھا کہ اس پر اصل کا لگا ہوا تھا، وہ بڑے غور اور دلچسپی سے اس ڈی کا جائزہ لے رہی تھی، اسکریں پر اس وقت اس ڈی کا پھر آجڑا اور پھر یکنگت اس کے ذہن میں ایک زورور دھماکا ہوا، وہ چہرہ اس کا شاسا تھا، اس نے مضطرب انداز میں ایک بٹن دبایا، اور اسکریں پر ڈی کا چہرہ واضح ہونے لگا، اسکریں اس کے ہونے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھا، ابھی وہ اس حیرت انگیز مشاہدہ پر استعجاب میں مبتلا رہی تھی کہ دفعتاً اس کے ذہن کو پھر ایک جھٹکا لگا، اس کی نظروں نے اس ڈی کی پلکیں میں لرزش محسوس کی تھی، اس نے غور کیا تو ڈی کا عمل تنفس بھی اس کی نظروں میں چھپنے لگا اور پھر اس کی سمجھ میں سب کچھ آچکا تھا، یہ شخص ایک ڈی تھی، اب وہ جان چکی تھی کہ اس بہتر بہترین لینا ہوا ہے۔ وہ ضرغام تھا، ایک انتہائی خطرناک انسان، وہ سیدھی سرکس میں ملازم تھا، جہاں وہ شہر میں کوسدھانے کا کام کیا کرتا، پھر اس کے پاس نے ضرغام کو اسے گروہ میں شامل کر لیا تھا، اور اب وہ خود کسی پیرے ہوئے تفریحی طرح ہو گیا تھا، زرتاج جانتی تھی کہ ایک طرف ضرغام میں آدمیوں پر بھاری ہے، آخری اسٹیشن تھا، اور زرتاج پر نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اس آزمائش میں بھی برآمدات کے لایا نہیں، نچانے کیوں باس نے اسے اس تبدیلی سے لاعلم رکھا تھا۔

دروانے کے پاس پہنچ کر وہ آؤ فی رک گیا، جو اختر کو یہاں تک لے آیا تھا۔
”یہی ہے وہ زخمی جیسے تمہارا سے اٹھا کرے جاؤ گے؟“ اختر کے ساتھ آنے والے محافظ نے بستر کی طرف اشارہ کیا، ”اور اسی کی حفاظت کے لیے ہمیں یہاں مقرر کیا گیا ہے۔ ہمارا کام تو یہ تھا کہ ہم اس زخمی کو تم سے بچانے کی کوشش کرتے، لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔“
”بس اب خاموش ہو جاؤ،“ اختر نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا دیا، میں اس زخمی کو اٹھانے جا رہا ہوں، لیکن اس سے پہلے تم اپنا ارادہ بتاؤ۔“

کہا مطلب ہے؟" محافظ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ اگر ایسا کوئی ارادہ ہے تو جانا دو!"

"میں نہیں، میں یہ محافظ کو کھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا ہوں۔ ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں نے یہ اندازہ کر لیا ہے کہ میں تمہارے راستے میں نہیں آسکتا!"

"تھک چکا ہے۔ تو بھرنا مٹا دیکھتے ہو؟" اختر یہ کہتا ہوا اس بستر کی طرف بڑھ گیا۔

زرتاج کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی ہلکی ٹانگ نہیں جھپک رہی تھیں۔ وہ جیسے سانس لینے تک بے چارہ تھی۔ اس نے دیکھا کہ اختر بڑے بڑے قدموں کے ساتھ چلتا ہوا اس سہری کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اسی وقت بجلی سی کو ندا تھی۔ زرتاج نے اپنے ہونٹ بیچھ لیے تھے۔ بستر میں جا دے کے نیچے لیٹا ہوا مضرغام نہ صرف تڑپ کر اٹھا تھا بلکہ اس نے اختر کے سینے پر ایک زوردار سی ٹھوکر بھی سید کر دی تھی۔ وہ ایسی ٹھوکر تھی جس کی شدت سے اختر ایک طرف اچھل کر جا کر۔

اس کے گرتے ہی مضرغام ایک وحشانہ سانچہ بلند کرنا ہو بلتر سے پیچھے آیا اور اس نے اختر پر چھلانگ لگا دی۔ زرتاج نے اس بوری ہم کے دوران پہیلی بار اختر کو حیران عموں کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اختر نے اس کی جھپٹ سے سے پچھنی کو کشش کی تھی۔ لیکن مضرغام کی لگاؤ تھی ٹھوکر شاید اس کے سینے میں تکلیف دے رہی تھی۔ اسی لیے وہ کمرہ کر گیا۔ جبکہ اس کی اس کمزوری کا مضرغام نے اس طرح فائدہ اٹھایا کہ وہ اس پر کسی ہلاکی طرح چھا گیا تھا۔

اس نے کسی شخص کی سی تیز رفتاری کے ساتھ اختر پر ٹھوکر برسائی شروع کر دی۔ ایک ٹھوکر۔ دوسری ٹھوکر۔ تیسری ٹھوکر۔ اختر کے ہاتھ پاؤں۔ اور کر پر ٹھوکروں کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ لڑھکتا پھرتا تھا۔ اس دوران اختر کے ساتھ آنے والا شخص موقع دیکھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

اختر لڑھکتا ہوا ایک دلہانہ کے ساتھ ہالکا۔ اب مزید دھمکنے کی گئی نہیں تھی۔ مضرغام نے اس وفد اس کے چہرے پر ٹھوکر مارنا چاہا لیکن اختر نے اپنی گردن ایک طرف کر کے اپنے چہرے کو اس متوقع ٹھوکر سے بچا لیا۔

مضرغام نے دوسری ٹھوکر ماری کی کو کشش کی اور اس وفد اختر نے اپنے دونوں گھٹنے سیکڑ کر اپنے چہرے سے لگالے۔ مضرغام کا پیر اختر کے دونوں گھٹنوں کے درمیان والے خلا میں پھنس کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اختر نے کروٹ بدلی تھی۔

خدا کی پناہ یہ ایسا دو ٹھوکر زرتاج نے ساختہ اپنی کمر سے کھڑی ہو گئی۔ وہ موج ہی نہیں سکتی تھی کہ اختر کی اس حرکت سے ایسا ہو جائے گا۔ اختر کے کروٹ بدلنے ہی مضرغام کا تلو اس کے دونوں گھٹنوں کے درمیان آ کر جھول گیا۔ اس کے تلوے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

وہ ایک کرناک جھج کے ساتھ تڑپ کر ایک طرف جا کر۔ اس کے گرتے ہی اختر اچھل کر اٹھا ہوا تھا۔ زرتاج اس کے چہرے پر چھائی ہوئی دہشت کو دیکھ کر اسکرین کے سامنے کا پیر کر رہ گئی تھی۔ اختر نے کھوکھوتے ہوئے ہی مضرغام کو ٹھوکری ماری شروع کر دی۔ اس سے پہلے مضرغام نے بھی اپنے گھٹنوں کی ماری تھیں۔ لیکن اس کے انداز میں اتنی برقی ڈیڑی نہیں تھی۔ جبکہ یہاں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اختر کے بلوں سے بدن میں بجلی کے کوئٹے لپک رہے تھے۔ ایک دو تین مضرغام کی چیخوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ پھر اس کی گواہ کم ہوتی چلی گئی۔ بالآخر اس نے اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ زرتاج یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ مر چکا ہے یا بے ہوش ہو گیا ہے۔

اب اس کمرے میں سناٹا تھا۔ اس کمرے کے دیواروں اور سانچوں کے درمیان اختر ایک فاع کی طرح کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے تھے۔ اور گہری لگاؤ سے بے حس و حرکت بیٹھ رہا تھا۔ مضرغام کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ کچھ دیر پہلے یہ شخص مضرغام کی ٹھوکروں کی زد میں تھا۔ نجائے اس نے اتنی قوت برداشت کہاں سے حاصل کی تھی۔ پر سکون انداز اور ہر سکون چہرہ۔

اختر کچھ دیر تک مضرغام کے پاس ہی کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس سہری کی طرف بڑھنے لگا جس پر کچھ دیر پہلے تک مضرغام لیٹا ہوا تھا۔ وہ سہری اب غالی تھی۔ وہ اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ نجائے وہ سہری میں کہا دیکھنے کی کو کشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی لگاؤ اس دوران سے اس کی طرف جماد میں جہاں سے اس کے ساتھ آنے والا محافظ باہر گیا تھا۔ زرتاج نے دیکھا کہ اس دروازے کی طرف دیکھتی

اس کی آنکھوں میں جھپک سی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ایسی جھپک تھی جو کسی جانور کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے کسی شکار کو آتا ہوا دیکھ لے۔ زرتاج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ وہ دروازہ تو بند تھا۔ پھر اختر کو کیا دکھائی دے رہا تھا؟

دیکھتے ہی دیکھتے اختر نے ایک جست لگائی اور اچھل کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ بالکل ایسا ہی اس نے اس وقت بھی کیا تھا۔ جب اس نے محافظوں کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک دروازے کے پاس کھڑا رہا۔ پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھل دیا۔ وہ چاروں محافظوں پر موج دھکتے۔

زرتاج نے اپنی سانسیں روک لیں۔ اختر کے لیے اب ایک بنا مرد خد شروع ہونے والا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے برقی رفتاری کے ساتھ پیٹے والے محافظ کے گردن پر ہاتھ ڈال کر اسے کمرے میں بیچھن لیا۔ وہ لوگ بھی بے ہوش تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی جنگ و جدل میں گزاری تھی۔ وہ دوسروں پر غالب آنے کا فن جانتے تھے۔ لیکن اختر کا عمل اتنا غیر متوقع اور چابک تھا کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائے۔ اختر نے جس آؤنی کو جھٹکے سے بیچھن لیا تھا۔ وہ لڑھکتا ہوا کمرے کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی اختر نے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے بقیہ لوگوں پر چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ بے دریغ کسی چھتے کی طرح ان پر جا پڑا تھا۔ اس عمل کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے کئی چپچیں سانی دس اور زرتاج نے جلدی سے دھڑا ہٹ دیا۔ اب وہ کمرہ اسکرین پر مٹا جس کمرے میں وہ محافظ موجود تھے۔

وہ سب کے سب فرش پر گرے ہوئے تھے اور اختر انہیں بھلا لگتا ہوا دوسرے دروازے کی طرف دوڑ رہا تھا۔ زرتاج کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ رنگ آئی۔ یہ اختر کی ہوشیاری کا ثبوت تھا۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان لوگوں سے بھی الجھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے شاید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اسی لیے وہ ان لوگوں کو فرش پر ڈھیر کرنے کے بعد ایک طرف دوڑ پڑا تھا۔

زرتاج نے محافظوں کی طرف توجہ رکھنے کی بجائے ایک اور ہٹن دیا۔ یہ ہٹن اس کمرے سے باہر کے کمرے کے منظر کو واضح کرتا تھا۔ لیکن یہ کیا۔ اختر اس ہٹن کے

”ہاں۔ وہ اخترا سکریٹن سے اوجھل ہو گیا ہے،“ نیکاج نے جلدی سے بتایا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہاں میں تو اسے دانا کر رہی تھی۔ لیکن وہ مجھے کس طرف نکل گیا ہے؟“

”میں جانتا ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ کیونکہ میں خود بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن تم فکر مت کرو۔ وہ مجھ نہیں جاسکتا۔ اس مکان سے باہر میرے آدھوں کی بوری ٹیم موجود ہے۔ وہ اسے کہیں نہیں چلے دیں گے۔“

”تو ذرا ہی گئی تھی؟“

”تو وہ وقف ہوئے؟ دوسری طرف سے ہنسنے ہوئے کہا گیا۔ ”کہا تم نے، سمجھتی ہو کہ میں نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔“ مجھے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ان بھوں پر غالب آجائے گا۔ وہ ان لوگوں کو ڈھکے کے باہر نکل آئے گا۔ میں خوش ہوں۔ میرا تجربہ بے حد کامیاب رہا۔ مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ اس نے میرے آدھوں کا کیا حشر کیا ہے۔ ہر کام کی کیا گت بنائی ہے۔ مجھے ان میں سے کسی کی پروا نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ سوگند جمع کرنے سے بہتر ہے کہ ایک شیر کو رکھ لیا جائے۔ وہ ان کیداروں پر بھاری پڑ جائے گا۔ بہر حال تمہارا کام کام ختم ہوا۔ تم آرام کر سکتی ہو۔“

کر دینا بہت شکریہ ہاں۔ زرتاج نے ٹرانسمیٹر پر ٹرانسمیٹر اور اسکریٹن سیٹ کے پاس سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ آج وہ ایک عجیب سے جذبے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اخترا جس وقت اس کے پاس لایا گیا تھا اسی وقت اس کی وجاہت نے اسے متاثر کر دیا تھا۔ پھر اس کی معصومیت نے اس کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ اذات اس کی بے پناہ دلیری نے اسے گرویدہ کر لیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی بھر جس قسم کے مضبوط ہمارے کی تلاش میں رہی ہے ایسا ہمارا سولنے اخترا کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ وہ اس کو اپنے سینے میں سمیٹ کر رکھ لینا چاہتی تھی۔ وہ اپنے تصور میں غیاب صرف اخترا ہی کی ہو کر رہی تھی۔ صرف اخترا کی۔

اسی وقت ٹرانسمیٹر کے اشارے نے اسے جڑ کا دیاہ چیلوں تک خالی خالی لگا ہوں سے اس الماری کی طرف

دیکھتی رہی جہاں سے وہ اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے الماری کھولی۔ ٹرانسمیٹر کا بلبل بار بار چل اور بچ رہا تھا۔

”یس ہاں۔ اس نے ٹرانسمیٹر آن کرتے ہوئے دیا فٹ کیا۔“

”اخترا کا کوئی پتا نہیں چلا۔“ دوسری طرف سے اس کے پاس کی آواز سنائی دی۔ تمام آدھیوں کو الرٹ کر دینا ہر حال میں اسے تلاش کرنا ہے۔“

ساؤن اور ریٹا اس وقت ایک درخت کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔

اتفاق سے دوسرے ہی دن لاجوئی نے انہیں یہ بتایا تھا کہ آج انوپ کمار اس کے ساتھ پھر رہیں گے۔ والاس نے اور اس نے فلم کے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کو ان بات کے لیے راضی کر لیا ہے کہ یہ رہیں۔ وہاں سے میں کی جائے۔ فلم کا پروڈیوسر اور ڈائریکٹر جو ٹکرا اس کے مرہون احسان ہیں۔ اسی لیے اس کی بات رو نہیں کی جاسکتی۔

”لیکن تم اس بڑے کے لیے کیوں تیار ہو گئیں۔ ڈیڑا نے بوجھا۔“ جیکہ تمہیں یہ احساس ہے کہ وہ اس رہبر سٹل کے دوران جان لینے کی کوشش کرتا ہے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں تم لوگوں کے پھر سے بہرہ نیا ہوئی۔“ لاجوئی نے بتایا۔ تم نے کہا تھا کہ جب تک تم اپنی آنکھوں سے اس رہبر سٹل کو نہیں دیکھو گے تو تمہیں مجھ پر یقین نہیں آئے گا۔“

”ہاں۔ میں نے یہ بات کی تھی،“ ساؤن نے کہا۔ پھر حال تم جب یہاں سے چلے لو تو ہمیں بتا دینا۔“

لاجوئی کچھ دیر ان کے خیمے میں بیٹھ کر فالپس چلی گئی تھی۔ اس کے چلنے کے بعد وہ دونوں سوچ بچار میں ڈوب گئے۔ یہ دونوں ہی اس کی مدد کرنی چاہتے تھے لیکن وہ خود بھی جہاں قیدی تھے خود مجبور تھے۔ اور ایک غیر شخص دوسرے مجبور کی کیا مدد کر سکتا تھا؟ وہ جانتا تھا کہ اگر وکٹر سے بات کی گئی تو اس کا رویہ کچھ اور ہو جائے گا۔

اس نے ابھی تک ان لوگوں کو اس کیمپ میں نقل و حرکت کی آزادی دے رکھی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ان سے رہایت واپس لے لے۔ اس کے علاوہ وکٹر ایسا آدمی تھا جسے لاجوئی سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اگر ساتھ بھی دیتا تو فلم کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کا ساتھ دیتا۔

کیونکہ ان ہی لوگوں کے ذہن نے اسے اپنا مقصد حل کرنا تھا۔ بہر حال ساؤن نے لاجوئی سے وعدہ کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ ہر قیمت پر اپنے اس وعدے پر قائم رہنا چاہتا تھا۔

”بچہ بھی ہو میں لاجوئی کو اس انوپ کمار سے محفوظ رکھنا ہوگا۔“ ساؤن نے کہا۔ ”میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کس طرح؟“ ریٹا نے بوجھا۔ ”وکٹر نے تو ہمارے چاروں طرف اپنے آدھی لگا رکھے ہوں گے۔“

”یہ بات تو ہے۔ لیکن ہمارے لیے گھوٹنے پھرنے کی پابندی نہیں ہے۔“ ساؤن نے کہا۔ ”میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ چالاکی اور دباؤ بیچ سے ناواقف ہوں۔ لیکن اب محسوس کر رہا ہوں کہ یہ حربے اختیار کیے بغیر کام بھی نہیں چل سکتا۔“

”کیا مطلب؟“ ریٹا نے ابھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیسی چالاکی کرنے والے ہو؟“

”میں نے اس کیمپ میں گھومتے پھرنے کے دوران ایک ایسا شہید دیکھ لیا ہے۔ جہاں ہر قسم کے پڑے رکھے ہوئے تھے۔ خانہ بدوشوں کے لباس سے لے کر کوٹ پتلون تک موجود ہیں۔ تم نے تو خود دیکھا ہوا گا۔ اس کیمپ میں خانہ بدوشوں کے لباس میں بہت سے مرد اور عورتیں گھومتے پھرتے رہتی ہیں۔ ہم بھی اگر ویسا ہی لباس پہن کر کیمپ سے نکل لیں۔ تو پھر کوئی بھی ہمیں پہچان نہیں سکے گا۔ اور ہم آسانی کے ساتھ اس کیمپ سے نکل کر مدد کر سکیں گے۔“

”تم میں بھی اب ان ہی لوگوں کی طرح چالاکی آتی جا رہی ہے۔“ ریٹا سکرا دی۔ ”دیکھو کیسی ترکیب سوچنی ہے تم نے؟“

”یہ بہتر بھی ان ہی لوگوں نے مجھے سکھا یا ہے۔“ ساؤن نے کہا۔ ”وہ مجھے یہ معلوم تھا کہ بہرہ واپس بدلنا کسے ہوتے ہیں۔“

یہ طے ہو جانے کے بعد ساؤن اپنے خیمے سے باہر گیا۔ وہ لباس حاصل کرنے کے چکر میں تھا۔ اس نے یہ ملے نہیں کہا تھا۔ اس کیمپ میں واقعی بہت سے خانہ بدوشوں کے لباس میں تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ اصل خانہ

بدوش ہیں یا فلم ہی سے متعلق لوگ ہیں۔ ساؤن پر جو کچھ بکھرا کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔ اسی لیے وہ آسانی سے گھوم پھرتا تھا۔ وکٹر بھی نہ جانے کس معاملات میں الجھا ہوا تھا کہ کیمپ تک جانے کے بعد اس نے ساؤن اور ریٹا سے ملاقات کی بہت کم کی تھی۔ لیکن یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ان کی طرف سے غافل بھی ہو گیا ہو۔ اس نے یقیناً اپنے آدھی ان کی نگرانی کے لیے لگا دیے ہوں گے۔ ساؤن کو اس وقت ان ہی آدھیوں کی نگاہوں سے بچ کر اس خیمے تک پہنچنا تھا جہاں اس نے ملبومات کے ڈھیر دیکھے تھے۔

کیمپ میں معمول کے مطابق چہل پہل تھی۔ ساؤن انہیں پہچانتا تو نہیں تھا۔ لیکن ان ضرور احساس تھا کہ ان میں بہت سے فلمی لوٹ کے لگے تھے اور کچھ وکٹر کے آدھی جن کی نگاہیں اس کی جانب یقیناً تھکان ہوئی تھیں۔ وہ بہت دیر تک، یوں ہی ادھر ادھر کھڑا رہا۔ ان لوگوں کو دیکھتا رہا جو فلم بننے کے خیال سے بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ان لوگوں میں بہت جوش اور بھیاں دکھائی دے رہا تھا۔ ساؤن یہ دیکھ کر حیران تھا کہ آٹھ گھنٹے کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر نے اتنے آدھیوں کا مذاق کس طرح کیا ہوگا۔ پھر اتنے لوگوں کے لیے اخراجات کتنے ہوتے ہوں گے۔ بہر حال یہ سب باتیں اس کے سوچنے کی نہیں تھیں۔

وہ ادھر ادھر جھنگتا رہا۔ وہ موقع پا کر اس خیمے میں داخل ہونا چاہتا تھا جس کے اندر ملبومات رکھے تھے۔ وہ مچر بہت دیر سے اس خیمے کے گرد منڈلا رہا تھا۔ لیکن اسے ابھی تک موقع نہیں مل سکا تھا۔ کونڈ کوئی وہاں ضرور دکھائی دے جاتا۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ وہ مایوس ہو گیا۔ لوگ ملبومات کے اس خیمے کے پاس پہنچنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات میں اس وقت خیمے میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا جب کیمپ کے لوگوں پر نیند مسلط ہو گئی ہو۔ وہ ابھی کے آواز سے مڑا اور اس وقت ایک نیم خیمہ سا آدمی اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک سخت چہرے والا آدمی تھا۔ جس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے منہ سے بدلے کے جھکے اٹھ رہے تھے۔ وہ ساؤن کے سامنے کھڑا ہوا۔ آہستہ آہستہ لہر بھی رہا تھا۔

”اے۔ تم ادھر ادھر کیا گھومتا پھر رہا ہے؟ اس نے
لوکھڑائی ہوئی آواز میں ساون کو سختی سے پکارا۔
میرے کپڑے لے آؤ۔“
ساون نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ پھر کچھ سوچ کر
خاموش ہو گیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شخص اپنی بات کی مزید
وضاحت کر دے۔
”نہ نے سنا نہیں؟ اس نے پھر کہا۔ جاؤ میرے کپڑے
لے آؤ۔“

”کہاں ہیں آپ کے کپڑے؟“ ساون نے نرم لہجے میں
دریافت کیا۔

”اے۔ تم گنہگار ہوؤ گشت کا آدمی ہے،“ وہ غصے سے بولا
”تم کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ انوپ کمار کے کپڑے کہاں ہوتے
ہیں؟“ اوہ؟“ ساون نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ انوپ کمار
تھا۔ ساون خود اس کو دیکھتا اور اس سے ملتا جانتا
تھا۔ اور انوپ کمار اس کے سامنے آیا بھی تو ایک ایسے انداز
میں جو ساون کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ ساون شاید اسے
ہر دو گشت سے متعلق کوئی معمولی آدمی سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے وہ
اسے درشت لہجے میں ساون کو لپٹنے کپڑے لانے کا حکم دیتے
تھا۔
جدا ہوا تھا۔ ساون کا دل چاہا کہ وہ انکار کر دے۔ اس سے کہہ دے
کہ وہ اس کا غلام نہیں ہے۔ پھر اچانک ایک خیال نے اس
کی زبان روک دی۔ وہ خود بھی تو اس خیمے میں جانا جانتا
تھا۔ جس کی طرف انوپ کمار اشارہ کر رہا تھا۔ یعنی وہ جس
موقع کی تلاش میں تھا وہ موقع اچانک ہی اسے حاصل
ہو گیا تھا۔“

”میں خیمے میں نہیں جا سکتا جناب؟“ اس نے کچھ
سوچنے کے بعد بولیں، ”ایک بات کہہ دی؟“ وہ دروازے
پر بیٹھا ہوا آدمی غصے اندر نہیں جانے دے گا۔“
”کیسے نہیں جانے دے گا؟“ انوپ کمار نے لگا۔ ”تم
جاؤ۔ اس سے کہہ دینا کہ انوپ کمار نے جو کپڑے آج پیک
کر لئے ہیں وہ دے دے۔“

ساون دل ہی دل میں سکا دیا۔ یہ ایک حیرت انگیز
اتفاق تھا۔ اس کے بیک وقت دونوں کام ہو گئے تھے۔
یعنی اس نے انوپ کمار کو بھی دیکھ لیا تھا اور اس خیمے میں
جانے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ لاگوئی نے انوپ کے ہاتھ
میں جو کچھ کہا تھا وہ درست ہی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ
وہ دیکھنے ہی سے درشت مزاج اور تند خو تھا۔ اس کے

چہرے پر اس کی سفاکی ایک مستقل روپ بن کر نظر آنے
لگی تھی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں یہ ظاہر کر دیتی تھیں کہ
شخص اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کسی کا خون بھی
کر سکتا ہے۔ لاگوئی اگر اس سے خوفزدہ تھی تو پھر اس کا
خوف بے فنی نہیں تھا۔

بہر حال وہ اس بار بڑی خود اعتمادی کے ساتھ اس
خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ جس کے دروازے پر ایک آدمی ایک
کرسی پر ایک بلا سار جڑیلے بیٹھا تھا۔
”میں انوپ کمار صاحب کے کپڑے لینے آیا ہوں۔ ہمارے
لے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”کیسے کپڑے؟“ اس نے اپنی گردن اوپر اٹھائی۔ اس
وقت ساون کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ لیکن وہ
شخص ساون سے واقف نہیں تھا۔ وہ اسے ہر دو گشت
ہی سے متعلق کوئی آدمی سمجھتا تھا۔ کیسے کپڑے چاہیں انوپ
کمار صاحب کے؟

”وہ جو انہوں نے پیک کر کے رکھے ہیں؟“ ساون نے
انوپ کمار کی بات دہرا دی۔

”اوہ۔ وہ کپڑے۔ جاؤ۔ اندر نہ کہ اوپر کاغذ کا ایک
بندل رکھا ہے۔ وہی ہیں ان کے کپڑے۔“

اجازت ملنے کی دہر تھی کہ ساون فوراً ہی خیمے میں داخل
ہو گیا۔ اس خیمے میں وہ پہلے ہی جھانک چکا تھا۔ اسی
لئے اسے معلوم تھا کہ اس میں کپڑوں کے انبار رکھے ہوئے
ہیں۔ اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر اسے
سامنے کپڑے کسی ایک ہی خیمے میں کیوں موجود ہیں لیکن
اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ یہ ملیسوسات پروڈکشن کے
کام میں استعمال ہوتے ہیں۔ بہر حال وہ خیمے میں داخل ہو
گیا۔ جہاں ہر طرف رنگ رنگے ملیسوسات کا ڈھیر لگا ہوا
تھا۔ انوپ کمار کے کپڑے ایک بندل میں بندھے ہوئے
سباٹے ہی رکھے تھے۔ لیکن ساون کو علاقائی لباسوں کی
تلاش تھی۔ کچھ دیکھ کے بعد اس نے دو عدد علاقائی لباس
اٹھا کر انہیں بھی ایک بندل میں باندھا اور کاغذ میں لپیٹ
کر انوپ کمار کے بندل کے نیچے رکھ کر باہر لے آیا۔ یہ اس
نے دلیری کا کام کیا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ اگر اسے
چیک کر لیا گیا تو وہ کہہ دے گا کہ یہ لباس بھی انوپ کمار
ہی نے منگوائے تھے۔ پھر بعد میں جو ہوتا دیکھا جاتا لیکن
یہ اتنی قیامت کا کچھ بھی نہیں ہوا۔ خیمے کے دروازے پر

ہوا آدمی کسی سے گپ شپ میں مصروف تھا۔ اسی
مادون اس کی نگاہیں پکڑا۔ پھر دونوں بندل لیے ہوئے
پلے میں کامیاب ہو گیا۔

سب سے پہلے اس نے خانہ بدوشوں والا لباس ریٹا
لے کر پھر انوپ کمار کے خیمے میں پہنچ گیا۔ جہاں
سب کے نقشے میں بدست پڑا ہوا تھا۔ ساون نے اس
باس کا بندل اس کے سر پر لے رکھا اور اپنے خیمے میں
آ گیا۔
دوسرے دن لاگوئی گھرائی ہوئی ان کے خیمے میں
ہوئی۔ اور اس نے بتایا کہ انوپ کمار اسے رہبرسل
ہے لے جا رہا ہے۔

”ٹھیک ہے۔“ ساون نے اسے تسلی دی۔ ”تم نے فکر نہ
رکھے۔ ساتھ چلی جاؤ۔ ہم لوگ تم سے زیادہ دھن نہیں
اگے۔“
لیکن تم لوگ وکٹر کے آدمیوں کی نگاہوں سے کیسے
لوگے۔“

ہم نے اس کا انتظام کر لیا ہے؟“ ساون نے بتایا۔ پھر
نے خانہ بدوشوں والا لباس دیکھا۔ ہونے لاگوئی کو
بہا حاصل کرنے کی پوری کھانا اور اپنے منصوبے کے
میں بتا دیا۔ لاگوئی نے یہ سب کر اٹھیا۔ ان کی سانس
بآپ وہ اور ریٹا ایک درخت کے پیچھے چھپ کر انوپ
لاگوئی کو دیکھ رہے تھے۔ ساون کو اب احساس
تھا کہ لاگوئی کا مشہدہ درست ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ
رہبرسل کے لیے اتنی دور آنا سوائے حافض کے اور
نہیں تھا۔ یا اس کے ارادے خطرناک تھے۔

کچھ لاگوئی، آج ہمارے آخری رہبرسل ہوگی۔“ انوپ
نے سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ ان
پہنچ سکتی تھی۔

”یک ہے؟“ لاگوئی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”میں
ورک رہبرسل سے تنگ آچکی ہوں۔ سمجھ میں نہیں
ہے دل میں کیا ہے۔ اور تم کیا چاہتے ہو۔ غصے تو
رکھنا اور پروڈکشن پر بھی حیرت ہوئی ہے۔ آخر
نے تمہیں اتنی آزادی کیوں دے رکھی ہے کہ تم خراب
لے آتھا کہ رہبرسل کے لیے کسی دیر لے میں لے لے
کیسی رہبرسل ہے؟“

”میں تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔“ انوپ کمار
بہ تمہارا ڈانٹ بکڑ اور ہمدردی سے دونوں بہرے

سامنے عبور ہیں۔ ہاں اگر تم چاہو تو اس ظلم میں کام
کرنے سے انکار کر سکتی ہو۔“

”شاید تم اسے کہہ رہے ہو کہ تم جانتے ہو کہ میرے
لے یہ ممکن نہیں رہا۔“ لاگوئی نے کہا۔ ”میں نے نہ صرف
ایک عرصت پر سائن کر دیے ہیں بلکہ ایک والس کے طور
پر ابھی خاصی رقم بھی لے لی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے
آج تک ایسا نہیں کیا۔ یہ میرے کہہ رہا ایک داروغہ بن جانے
کا پھر یہ کہ میں شوٹنگ کے چکر میں شہر سے اتنی دھڑا چکی
ہوں۔ اسی لیے میرا واپس جانا ممکن نہیں ہے۔ تم یہ سب
ابھی طرح جانتے ہو۔ اسی لیے میری عبور بولوں سے فائدہ
اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو؟“

”اب جاوے جو بھی سمجھ لو؟“ انوپ کمار نے بے پروائی سے
کہا۔ ”تم کو واپسی منظور نہیں۔ تو اس رہبرسل میں رہنا
دو۔ میں جس طرح کہتا ہوں وہ کرو۔“

ساون کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ لاگوئی
کے لیے میں اتنی بے خوفی کہاں سے آتی تھی۔ وہ انوپ کمار
جیسے شخص سے اس قدر بھل کر کس طرح بات کر رہی تھی۔ وہ
جانتی تھی کہ ساون اور ریٹا حسب وعدہ کسی مشکل وقت
میں اسے بچانے کے لیے اس کے ارد گرد ہی نہیں موجود
ہوں گے۔

”ٹھیک ہے۔“ جتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ لاگوئی نے اچھا
”لیکن اتنا سوچ لو کہ آج کے بعد میں تمہارے ساتھ اس
احتمال پر قسم کے رہبرسل کے لیے نہیں آؤں گی۔ چاہے مجھے
اپنا ایک ریٹ منسوخ ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے۔ چاہے کچھ
بھی ہو جائے۔“

”میں بھی آج کے بعد تمہیں زحمت نہیں دوں گا۔“
انوپ نے کہا۔ ”خیر اب تم دوڑنا شروع کر دو۔ ساتھ ساتھ وقت
تک دوڑنے کے بعد واپس اور بائیں لہرائے ہوئے دوڑنا
یعنی آگ زنگ کی صورت میں۔ پھر میں تم پر گریبان چلاؤں
میں شروع کر دوں گا۔ تم یہ ظاہر کرو گی کہ ایک کوئی تمہارے پیرو
میں لگی ہے اور تم گر جاؤ گی۔“

”تمہارے ریٹا اور میں گولیاں کیسی بھری ہوئی ہیں؟“
لاگوئی نے پوچھا۔

”میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں تم پر مصنوعی گولیاں برساتے
والا ہوں؟“ انوپ کمار نے جواب دیا۔ ”میرا مطلب ہے کہ یہ
گولیاں مصنوعی تو ہوں گی۔ اس کے باوجود یہ اتنی خطرناک
ہیں کہ اگر گگ گگ گگ کو گشت بھڑا سکتی ہیں۔“

”تمہارا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا رہبر ہل کے لیے مصنوعی اور بے ضرر گولیاں استعمال نہیں کی جاسکتی؟“

”نہیں! انوب نے قطعی فیصلہ کن اعلان میں اپنی کمر ہلا دی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم تو خود ایک سمجھی ہوئی اداکارہ ہو۔ تم ابھی طرح حافی ہو کہ حقیقت اور تصنع میں کتنا فرق ہو کر رہا ہے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ راولپور میں مصنوعی گولیاں بھری ہوئی ہیں تو تمہارے چہرے کے تاثرات پس پردہ ہی نہیں گئے۔ ان میں کوئی جان پیدا نہیں ہو سکے گی۔ کوئی خاص تاثر نہیں بھرے گا لیکن جب یہی گولیاں حقیقی ہو جائیں تو پھر تم خوف اور دہشت کی ایسی اداکاری کرو گی جو بے مثال ہوگی!“

کچھ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ سادوں نے اپنی منہیاں بیچ لی ہیں۔ اب کھیل شروع ہونے والا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ انوب کمر لا جوئی کے ساتھ کس قسم کی رہبر ہل کیا کرتا ہے۔ اور یہ رہبر ہل واقعی کتنی خطرناک ہے۔ لا جوئی کے سارے اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔

”یہ کھیل شروع ہونے والا ہے۔ رہتا اس نے گر گئی کہ اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“

”یہی میں سوچ رہی ہوں۔ یہ ریٹائزیشن بھرے لیٹیں ہوں۔ تم بھی براہ راست اس کے سامنے نہیں جاسکتے۔ اس کی بالوں سے یہ بھتا جا رہا ہے کہ اس کے پاس رہا اور وجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غصے میں آکر تمہیں بھی ہلاک کر ڈالتے۔“

”کاش اس وقت میرے پاس بھی کوئی ہتھیار ہوتا لہذا میں نے کہا۔ پھر تو اب تک میں اس شخص کا قصہ ختم کر چکا ہوں یہ شخص مجھے پہلی ہی نگاہ میں پس پردہ نہیں آتا ہے۔“

”ہاں۔ صورت ہی سے بے رحم اور کینڈ صفت آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”ریشے رانے دی۔ لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ اب کیا کیا جائے؟“

”میرے ذہن میں ایک ترکیب آرہی ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“

”میں اس کے سامنے پہنچ جاتا ہوں۔ اور اس سے کہتا ہوں کہ ہنگل صاحب نے اسے بلایا ہے۔“

”یوں ہنگل؟“

”سننے والی فلم کا ڈائریکٹر سادوں نے بتایا۔ اس طرح وہ مجھ پر کوئی شبہ بھی نہیں کرے گا۔ اور وہ مجھے ہنگل کا آدمی

بجھنے لگا۔ کیونکہ کل ہی میری اور اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اور میں نے اس کے کپڑے لاکر اس کے خیمے میں رکھے تھے۔ میں اگر حوالہ دوں گا تو وہ فوراً پہچان لے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ کوشش کر کے دیکھو۔ یہ ریشے رانے پہچانیں ہر حال میں لا جوئی کو اس کے ہاتھ سے بچا لے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں چاؤں گی۔ بلکہ میں چھپی رہوں گی۔ تاکہ معاملہ کوئی اور رخ اختیار نہ کرے تو میں کسی طرح تمہاری مدد کر سکوں۔“

”ہاں۔ یہی مناسب ہے۔ سادوں نے ایک گہرا سانس لیا۔ تم تو دیکھتی رہنا میں اب جا رہا ہوں۔“

اس دوران انوب کمر لے لے لا جوئی کو دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے رہا اور نکال لیا اور اس کا رخ لا جوئی کی طرف کیا ہی تھا کہ سادوں درخت کے عقب سے نکل کر چلا آیا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔

”انوب صاحب۔ انوب صاحب۔“

انوب کمر کا ہاتھ ٹھک گیا وہ بڑی حیرت سے سادوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف لا جوئی بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

”کیا بات ہے۔“ انوب غرایا۔ ”کون ہو تم۔؟“

”صاحب۔ وہ آپ کو ہنگل صاحب نے بلایا ہے؟“

”فدا گارمیں پوچھتا ہوں کون ہو تم۔؟“

”اتنی جلدی بھول گئے صاحب۔ میں بھی اس فلا کا آدمی ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا۔ کل میں نے آپ کو کپڑے لاکر دیے تھے۔“

”خیر۔ یہ بتاؤ تمہیں کیسے معلوم کہ ہم یہاں ہیں؟“

”پتا نہیں جی۔ ہنگل صاحب کو معلوم ہو گا۔ انہوں نے ہی مجھے اس طرف بھیجا ہے۔“

انوب اپنے ہونٹ چبانے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اس کی ناکا کی کچھ لہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا رہا اور ابھی جیب میں رکھ لیا اور پاؤں پختہ بنا کر ایک کیمپ کی طرف چل پڑا۔ اس کے جاتے ہی لا جوئی دوڑتی ہوئی ان جھوٹوں کے پاس آ گئی۔

”اگر تمہیں ذرا بھی دے ہو جانی تو شاید یہ میرا آخری دن ہوتا۔“

”ایسا تو یہی نہیں سکتا تھا۔ سادوں نے کہا۔ میں نے اس کی حرکتوں پر پوری نگاہ رکھی تھی۔“

”اور تمہاری خاطر سادوں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔“

”ریشے رانے بتایا۔ وہ جس وقت کیمپ پہنچے گا۔ اس

وقت اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ جھوٹ لہلا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس آدمی کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ جس نے انوب سے غلط بیانی کی ہے اور باب بہ بات و کثر تک پہنچے گی تو نہ جانے سادوں کے ساتھ کیا جائے۔“

”اوہ۔۔ تو بہت جبر ہوا۔ لا جوئی نے اپنے ہونٹ جکڑے۔ میں نے واقعی تم لوگوں کے لیے ایک عذاب لڑا کر دیا ہے۔ پھر کسی خیال سے اچانک اس کی آنکھیں ملک اٹھیں۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں ایک روشن پہلو پر نظر نہیں کر رہے ہو۔“

”اس وقت ہم تنہا اس کیمپ سے بہت فاصلے رہیں۔ اور ہماری نگرانی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔“

”تو پھر؟“

”پھر یہ کہ تم تنہا اس کیمپ سے نکل آئے ہیں اور یہ آسانی سے فرار ہو سکتے ہیں۔“

”کہاؤں دو دنوں سے جو کہ لا جوئی کی طرف دیکھا ہر ایک وقت دونوں خوشی سے اچھل اٹھتے۔“

”ہمارے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں تھا۔ سادوں نے بات واقعی اس سے اچھا موقع کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور میں اس سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے۔“

”یہ بات ہم دونوں کی حد تک تو صحیح ہے لیکن شاید ہمارے لیے پریشان کن ہجائے۔“ رہتا نے لا جوئی سے کہا۔

”دیکھو اس کیمپ میں ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔ جبکہ تمہارے بارے مفادات والے ہیں تمہاری چیزیں ہوں گی تمہارے پیسے ہوں گے۔ تمہارا اعلیٰ مستقبل ہو گا۔“

”یہ سب کچھ میرے پاس ہی ہے۔ لا جوئی نے کہا۔ تم یا بھتی ہو کر میں اپنی رقم اپنے ساتھ لیے گھومتی رہتی ہوں۔ وہ سب شہر کے بینکوں میں جمع ہے۔ ان کے علاوہ اعلیٰ مستقبل ان لوگوں کے علاوہ بھی روشن ہے۔ اور ماں تک اس کیمپ کا سوال ہے تو سوائے چند جوڑے اسوں کے میرا وہاں اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بس انوب سے ان بچ جانے تو یہی میرے لیے بہت بڑی بات ہوگی۔“

”اوہ۔ پھر تو ہمیں فوراً اس منصوبے پر عمل کرنا چاہیے۔“

”اب سوال یہ ہے کہ ہم جہاں کس طرف بڑھنا چاہیں۔“

”شہر کی طرف؟“ سادوں نے جواب دیا۔ ”میرا اپنے قبیلے اطراف جانا ہے تو قوی ہوگی۔ میرے بغیر کوئی بھی میرے ساتھ نہیں جائے گا۔ وہ شہر میں واپس آئے گا۔“

جہاں میں اس کے استقبال کے لیے موجود رہوں گا۔“

”اس معاملے میں میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ لا جوئی نے کہا۔ شہر میں میرے پاس بے شمار وسائل ہیں۔ تم دونوں چاہو تو میرے یہاں رہ سکتے ہو۔“

”پر وہ نہ جیب گودام کے گھلے ہوئے ٹکٹ کی طرف دوڑا دی تھی۔“

ٹکٹ کے اندر آنے کے بعد بھی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ وہاں کوئی مقامی نہیں جو ان کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتا۔ اس کے برابر پہنچتی ہوئی پستی تشریف بھری لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں ایسا تو نہیں کہ تم کسی غلط جگہ پر آ گئی ہو۔ پورے لے اعلیٰ کے اندر جیب کو روکتے ہوئے پوچھا۔“

”ہرگز نہیں۔ یہ جگہ اچھی طرح جان ہے۔ پستی نے کہا۔“

”وہ شہر میں آیا تھا۔ یہاں اس کے آدمی بھی موجود تھے۔“

”چلو اتر کر دیکھ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ گودام خالی کر دیا ہو۔ اور ہمیں کوئی ایسا مراعات مل جائے جس کی مدد سے ہم دشمن اور اس کے آدمیوں تک پہنچ سکیں۔“

پستی سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ دونوں جیب سے اتر آئے اور گودام کی مرکزی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ اس وقت پورے بہت چوکتا ہوا رہا تھا۔ وہ خود آگے تھا جبکہ پستی کو اس نے اپنے پیچھے پیچھے آنے کی ہدایت کر دی تھی۔ گودام کی مرکزی عمارت کا دروازہ بند تھا۔ اس میں ایک بڑا سا تال لگا ہوا تھا۔ جبکہ اس دروازے کے برابر میں ایک کھڑکی آدھی کھلی ہوئی تھی۔ دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن وہ کھڑکی پر وہ دیکھنے کے قفسے بند تھی۔

”ہم اس کھڑکی کے ذریعے عمارت میں داخل ہو سکتے ہیں۔“

”پر وہ نہ لے اشارہ کیا۔ اگر تم چاہو تو ہمیں رک کر میرا انتظار کرو۔“

”نہیں میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ یہ منی نے جلدی سے کہا۔“

”مجھے یہاں خوف محسوس ہو رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تو میں وہ ڈرم لے کر دھاکا دھاکا یہاں آتا ہوں۔“

”پر وہ نہ لے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

”جو کچھ فاصلے پر پہنچا تھا۔“

”اس ڈرم کو کھڑکی کے نیچے رکھ کر وہ دونوں ہادی ہادی اس کھڑکی کے ذریعے گودام کی عمارت میں داخل ہو گئے۔“

وہ جس جگہ اترے تھے وہ ایک بڑا سا ہال تھا جس میں کسی زمانے میں گندم وغیرہ کی بوریاں رکھی جاتی ہوں گی کیونکہ وہاں کے فرش پر جگہ جگہ گندم چھڑکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ دو چار بوریاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس ہال کی چھت خاصی بلند تھی اور ایک طرف ایک اور دروازہ تھا جو کھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ پر ویز نے اپنا ہتھول لیے ہاتھ میں لے لیا اور دبے قدموں اس دوسرے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ یہی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ پر ویز نے دیر تک اس کھلے ہوئے دروازے کے پاس کھڑا ہوا اندر کی آہٹ لیتا رہا پھر جب کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دی تو وہ اس دروازے کو پھونک کر دوسری طرف آگیا۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا لیکن یہ کمرہ خالی نہیں تھا۔ اس میں ایک آدی موجود تھا۔ وہ شخص دیوار کے ساتھ کڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اور پر ویز کو آتے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ پر ویز کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر خوف سے لرزے لگا تھا اس کے لیے میں ایک بڑا سا روشن دان تھا جس کے ذریعے وہ کمرہ پوری طرح روشن ہو رہا تھا۔ اور اس روشنی میں پر ویز کو وہ شخص بہت ہی مظلوم اور بے بس محسوس ہوا تھا اس کے کپڑے تک جھول رہے تھے۔ اس کی آنکھیں وحشت زدہ ہو رہی تھیں۔

”کون ہو تم؟“ پر ویز نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

”میں گریب آدی ہوں سرکار! اس شخص نے اپنے ہاتھ جوڑ لیے۔ مجھ پر رحم کرو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ پر ویز نے بدھنی کی طرف معنی خیز لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی اور اس شخص سے مخاطب ہوا: ”گھبراؤ نہیں۔ میں تم پر کوئی ظلم کرنے نہیں آیا۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”یہاں میں اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں سرکار مجھے یہاں لاکر رکھا گیا ہے۔ میں تو ایک سیدھا سادا دیہاتی ہوں۔ یہ لوگ مجھے اٹھا کر لے آئے۔“

”کون لوگ نہیں اٹھا کر لے آئے۔“

”میں ان کے نام تو نہیں جانتا۔ لیکن ان کا جو سردار ہے وہ بہت زبردست آدی معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ دور رہ کر بھی اس کے سامنے ہر کام کرتے ہیں۔ اس سے بہت ڈرتے ہیں یہ لوگ۔ اور وہ ہے بھی بہت کھڑنگا آدی میں اپنی بستی سے لکل کر ایک طرف جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں

پکڑ لیا۔ مجھ سے پوچھا کہ اس بستی میں آس پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں باہر کے آدی دکھائی دیتے ہوں۔ میری ہر نوایک ویرانے میں ہے سرکار۔ اس کے ارد گرد کچھ سنا رہتا ہے۔ لیکن ادھر کچھ کچھ دلوں سے باہر کے کچھ آدی دکھائی دے رہے تھے۔ اور میری بد قسمتی کہ میں ان آدین کے بارے میں جانتا تھا۔ اس نے جھٹ مجھے اپنی گاڑی پر بیٹھا لیا اور یو لوجا چلوں کہ وہ جگہ دکھا دو۔ میں نے کھوا جگہ دکھانے کے بعد میری جان چھوٹ چلے گی۔ لیکن میں نے وہ جگہ دکھا دی تو اس نے اپنے آدینوں سے میرے لیے کہا کہ اس کو ٹرک میں ڈال کر شہر لے جاؤ اور اپنا ہمارا رکھو۔ پس سرکار۔ وہ لوگ مجھے ٹرک میں اٹھا کر یہاں لے آئے۔ اور اس دن سے میں اس قید میں بیٹھا ہوا ہوں۔ کیا تم اس آدی کا حلیہ مانتے ہو؟“ پر ویز نے پوچھا۔

”کیوں نہیں۔ اس کی صورت تو میری آنکھوں پر بسی ہوئی ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے وشنو کا حلیہ بتا دیا۔ اسے۔ تو اسی وشنو کا حلیہ ہے۔ پڈنی نے اضافہ کے عالم میں پر ویز کا بازو پکڑ لیا۔

”ہاں۔ مجھے کبھی بھی شبہہ تھا۔ پر ویز نے کہا کہ اگر کامطلب یہ ہوگا کہ وشنو یہاں موجود نہیں ہے۔ وہ یہاں سے کسی ہم پر جا چکا ہے۔ لیکن وہ ہم کیا ہو سکتی ہے بہر حال اس کا پتا تو بعد میں چلے گا۔ فی الحال تو اس کو اس کی بستی تک پہنچانا ہے۔“

”تمہاری بڑی مہربانی ہو گی سرکار! وہ دیہاتی ہوا بول پڑا بھروسے گھر والے رو رو کر مگرے ہوں گے۔“

”چلو۔ یہاں سے نکلو۔ تمہاری کہانی راستے میں آلوں گا۔“

پر ویز اس خوفزدہ دیہاتی کو لے کر اس کو دام باہر آگیا۔ واپسی کے لیے بھی انہوں نے کھڑکی کی راہ اختیار کی تھی۔ پر ویز اسے اور بدھنی کو انسپکٹر نیل کے گھر آیا تھا۔ یہاں آئے کے بعد بدھنی اگر پر ویز کی طرف خوفزدہ بھی تھی تو نیل کو دیکھ کر ہر سکون ہو گئی تھی۔ اس اعتماد بال ہو گیا تھا۔

نیل کے فلیٹ میں سب سے پہلے اس دیہاتی کی دیکھ بھال کی گئی۔ پر ویز نے ایک ملازم کے ذریعے اس کے لیے لباس خرید کر منگوا لیے اور غسل کرنے کے لیے غسل خانے میں دھخیل دیا گیا۔ نہاد دھوکا اس کی حا

بہتر ہو گئی تھی۔ لیکن اس پر جھاپا ہوا خوف ابھی تک دور نہیں ہوا تھا۔ نیل نے اس کے لیے کھانے کا انتظام بھی کر دیا تھا۔

”ہاں بے تباؤ! پر ویز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گفتگو شروع کی۔ کیا ان لوگوں نے تمہارا خیال نہیں رکھا تھا؟“

”نہیں۔ ان لوگوں نے میرا بہت خیال رکھا سرکار! بنی نے کہا۔“

”تو پھر تمہاری یہ حالت کس طرح ہو گئی؟“

”یہ تو دوسرے آدینوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بنی نے بتایا۔ یہ دوسرے لوگ بہت بے رحم اور بے دروہ ہیں۔“

”صاف صاف کہو۔ کون دوسرے لوگ؟“

”میں سب بتا دیتا ہوں سرکار! بنی نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے آپ کو بتایا کہ اس آدی نے مجھے شہر کی طرف بھیج دیا تھا۔ اس کے ساتھی مجھے اس گڑھ میں لے آئے۔ جہاں سے آپ نے مجھے چڑھایا ہے یہاں بھی بہت سے آدی تھے۔ سب کے سب خطرناک دکھائی دیتے تھے۔ لیکن کچھ بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ میرا بہت دھیان رکھتے تھے۔ کھانے پینے کا پورا انتظام تھا۔ پس چکرے متاکہ میں کہیں لکل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اور کوئی تکلیف نہیں تھی۔ جو آدمی مجھے لے کر یہاں آیا اس کا نام بلرام تھا۔ وہ بہت طاقتور تھا۔ ہر کار۔ ہر ٹھکانہ مار کر دیوار توڑ سکتا تھا۔ تو اس بلرام کا رویہ بھی بہت اچھا تھا۔ وہ مجھے میرا دھیان رکھا کرتا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی گولیاں چلتی ہوئی نہیں سنی ہوں گی جیسے وہ فوجیں ایک دوسرے کے آئے سامنے آئی ہوں۔ ہر طرف ہنگامہ مچا تھا۔ بہت شور مچ رہا تھا۔ کچھ مجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ جاکر دیکھتا۔ جس کمرے میں تھا اسی میں چکا بیٹھا رہا۔ اس کے بعد جی بالکل سناٹا چھا گیا بالکل سناٹا۔ گولیاں چلتا بند ہو گئیں۔ لوگوں کا شور ختم ہو گیا۔ پھر میں انتظار ہی کرنا پڑا۔ لیکن میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔ اس وقت صبح نہ شام۔ اسی طرح پانچ دن گزر گئے۔ اور آج آپ چلے آئے جس جی یہ ہے میری کہانی۔

”کمال ہے! پر ویز بڑھاپا ہو گیا۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو

کہ تم مسلسل پانچ دنوں تک وہاں بھوکے پیاسے رہے تھے؟ یہ تو میں نہیں کہتا جی۔ کیونکہ وہاں سخت بھت کھاتے پیتے کا سامان تھا جو ایک دو دن تک چلنا رہا پھر ختم ہو گیا۔“

”عجب آدی ہو۔ تم نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ تمہیں تو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کو دام خالی پڑا ہے۔“

”ہاں جی مجھے اس کا اندازہ تھا۔ اس کے باوجود میں نہیں نکل سکا کیونکہ میں بہت ڈرا ہوا تھا جی۔ میں ایک سیدھا سادا دیہاتی آدی ہوں۔ میں نے ابھی تیس پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہاں تو ڈر کے مارے نیکی حالت خراب تھی۔ میں کو دام سے باہر کس طرح آتا؟“

”ہوں! پر ویز نے ایک گہری سانس لی۔ پھر تو کہیں یہ بھی نہیں معلوم ہو گا کہ حملہ کرنے والے کون تھے؟“

”نہیں جی۔ میں تو دیکھا بیٹھا رہا تھا۔ میں ان لوگوں کو کیسے دیکھتا۔“

”اچھا جن لوگوں نے تمہیں قید کیا تھا۔ ان میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہو۔“

”ہاں جی ایک کا نام مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ برجہ نام تھا اس کا۔ لہذا جوڑا آدی تھا جی۔ ہر وقت پستول لیے رہتا تھا جی۔“

”برجہ! پر ویز نے پُرخیال انداز میں اپنی گردن ہلائی پھر نیل کی طرف دیکھا۔ ”کیا تمہاری یادداشت میں اس کا نام کوئی آدی ہے۔“

”نہیں مجھے بھی یاد نہیں آ رہا۔ نیل نے جواب دیا۔ نیل پالیس کے ریکارڈ میں اس کا تذکرہ ہوا۔“

”کیا اس وشنو نے بھی برجہ کا نام تو نہیں لیا۔ پڈیز نے پڈنی سے پوچھا۔

”پڈنی کا جواب بھی انکار میں تھا۔ پر ویز نے کھٹے ہونے کا شہلہ شروع کر دیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ جن لوگوں نے اس دیہاتی کو قید کیا تھا ان لوگوں پر کسی اور گروہ نے حملہ کر دیا تھا۔ لیکن اس کو قید کرنے والے کون تھے اور اس پر حملہ کرنے والے کون تھے۔ یہ ایک ایسی پہلی تھی جس کا سراغ اب تو ان میں سے کسی آدمی کو قابل میں کر کے حاصل کیا جاسکتا تھا یا پھر اسی کو دام میں اس نے کار لا موجود تھا۔ اس کو دام کا کوئی ڈکون تو مالک ہو گا۔ کوئی تو اسے استعمال کرتا ہو گا۔ پھر اس کے ذریعے وشنو اور اس کے آدینوں تک رسائی کی

”اب میرے لیے کیا حکم ہے سرکار؟“ ہنسی کی آواز نے اسے چونکادیا۔ وہ بڑی رحم طلب لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں ایک دو دن ہمیں رہنا ہوگا؟ پرور نے کہا۔“ اس کے بعد تو تمہیں تمہاری بستی تک پہنچا دیں گے۔“

”او بھگوان! دھیانی پریشان ہو کر لڑاؤ میں نے فوجی اس کو راستہ بتا کر اپنی موت ہی بلا لی۔“

”سین سر“ یہ سہیل نے کسی خیال کے تحت پرور کو غلط کیا۔ کیوں نہ ہو اسی راستے پر چلنا شروع کر دیں جس راستے پر دشمن اپنے ساتھی کے گریباہے۔

”اوہ ہاں؟ پرور چونک پڑا۔ یہ تو ہو سکتا ہے لیکن ہے کہ دشمن اور اس کے ساتھی سے ہماری مدد بھی ہو چلے گی۔ ٹھیک ہے۔ میں ذرا گودام کے مالکان کا پتا چلانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہم لوگ اس سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔“ اسنا کہہ کر اس نے دیہاتی کی طرف دیکھ کر دوست، تمہیں ایک بار پھر وہ راستہ بتانا ہوگا۔ لیکن پہلے تمہیں کسی اور کو بتانا تھا۔ اس بار ہمیں بتاؤ گے کیوں ٹھیک ہے نا؟

اخترا نے یہی راہ بتانا ہوا۔ آگے نکلا آیا اور پھر چلنے کی اسوج کر اس نے کرائے کی بارڈھ کی طرف چھلانگ لگادی تھی۔ یہ عمل اس نے انتہائی برقی رفتار سے کیا تھا۔ اس میں اس کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بس اس کے ذہن میں آیا کہ جھانڈوں کی طرف چھلانگ لگا دو اور اس نے چھلانگ لگادی۔ ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں اس کی چوٹی جس نے اس کی رہائی کی ہو۔ لیکن وہ ان جھانڈوں میں چھلانگ لگانے کے بعد وہیں بیٹھا رہا۔ اُن نے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بس اس کی لگا پیں عمارت کے دروازے اور عمارت کے طرف ہی ہوتی تھیں جہاں لوگوں کی جھاگ دوڑ رہی ہوئی تھی۔ یہ لوگ شاید اسی کی تلاش میں تھے۔ خور درندوں کی طرح گھومتے پھرتے تھے لیکن ان میں سے کسی کا دھیان ان جھانڈوں کی طرف نہیں گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ جھانڈوں کی ہمت نہ کر سکتا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طرف تاریکی بھائی ہوئی تھی۔

ایک دوسرے کو آوازیں دیتے رہے اور وہ یہیں دیکھا ہوا بیٹھا رہا۔ اسے یاد نہیں کہ وہ کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا تھا۔ اذخالی الذہن، جیسے یہ ساری جھاگ دوڑا کر کسی کے لیے ہو رہی ہو۔ ان کا ذہن دار کوئی اور ہو۔ اس کی خالی نگاہیں اس طرح برآمدے اور دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں جیسے اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہو کوئی بات نہ ہو۔ کوئی تاثر نہ ہو۔ کوئی جذبہ نہ ہو۔

اس کی یہ کیفیت اچانک ہی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ ان لوگوں سے مقابلہ کرتے ہوئے جتنا پر جوش اور ترقہ دکھائی دے رہا تھا۔ اب وہ سب کچھ اس طرح ختم ہو گیا تھا جیسے کوئی مٹین چلتے چلتے اچانک رک جائے۔ وہ کسی دشمن کی طرح رکھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر یہی اذخالی کے تاثرات تھے۔ وہ بہت دیر تک ان ہی جھانڈوں کے درمیان بیٹھا رہا۔ پھر اس سے جھانڈوں سے لگا اور اسی لیے نیازی کے ساتھ چلتا ہو گیا۔ اس سے باہر آکر کسی نے اس کی راہ نہیں روکی تھی۔ کوئی بھی اس کے راستے میں مزاحم نہیں ہوا تھا۔

کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ خالی خالی انداز میں ایک طرف چلتا رہا۔ اسے یہ بھی اعلاہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس کی منزل کہاں ہے، اور وہ خود کون ہے، یہ سب کچھ اس کے ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ ایک خونی اور جان بیوا امتحان کے مرحلے سے گزر چکا ہے۔ وہ نے نیازی کی کیفیت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ اس طرح چلنے کے دوران وہ کچھ آدمیوں سے ٹکرا بھی گیا۔ لیکن ان سے معذرت کیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ وہ بچانے لگتی دھڑک اسی طرح چلتا رہا تھا۔ پھر ایک کار اس سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی۔ اور اس میں دس دو آدمی ان کے پاس آ گئے۔

”بھائی صاحب“ ان میں سے ایک نے اسے مخاطب کیا۔ کہاں جا رہے آپ کو؟“

”مجھے“ اخترا نے اپنی پکیں جھپکائیں۔ ”مجھے نہیں علم کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ بس چل رہا ہوں۔“

ان دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر گردن ہلا دی۔

”آپ ایسا کریں۔ ہم نے سامنے چلیں۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دیں گے۔“

”کیا ہے؟“ اخترا نے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ کیا ہے گھر تک پہنچا دو گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ میرا گھر کہاں ہے۔؟“

”ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے۔“ پہلے والے نے کہا۔ آپ میں تو ہماری سمجھت۔“

اخترا نے چون چرا ان کے ساتھ ہو لیا۔ وہ دونوں تتر کاڑی تک لانے جس کی ڈرائیونگ پہ ایک اور آدمی تھا۔ خدا ان دونوں میں سے ایک نے جلدی سے اخترا کے پہ کاڑی کا پھلدار وازہ کھول دیا۔ اخترا نے کسی جھک کے زری کی بجھلی پہ بیٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے فرار ہو کر کے ساتھ والی نشست سمجھائی تھی جبکہ دوسرا اخترا کے برابر بیٹھا تھا۔ ان ے بیٹھنے ہی گاڑی ایک طرف روانہ ہو گئی۔

”آپ آگہاں سے رہے ہیں۔؟“ اخترا کے ساتھ والے نے دریافت کیا۔

”مجھے یہ بھی یاد نہیں۔“ اخترا نے جواب دیا۔ بس چلا جا ہوں۔“

”کیا آپ کو یہ یاد ہے کہ آپ کون ہیں۔؟“

”میں شاید مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں کون ہوں۔ البتہ، لوگ مجھے اخترا کہہ کر پکارتے تھے۔“

”کون لوگ؟“

”میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کون لوگ تھے۔“ اخترا نے کہا۔ ”میرا بچا ہے۔“

”پہلی بتائیں کہ ایسا کیوں ہے۔؟“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اخترا نے کہا۔ ”میں سب کچھ معلوم ہے۔“

”پہلی بتائیں کہ اس وقت ہم آپ سے مل گئے۔“

”آپ سمجھنے سے صحیح جائیں گے۔“ اخترا نے شہرہت بے لگے۔

اخترا نے ایک گہری سانس لے کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر میٹ سے لگا دیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت آنندھیال کی سیل رانی تھیں۔ اسے کچھ یاد آئے۔

نا پھر وہ جاتا تھا۔ جیسے قصور چلتے چلتے اچانک دھنسا جائے جیسے ذہن پر گہری چھا جائے۔ ایک ایسی دھند ہو جاتی جسے اس پر دیکھنے کی ہمت نہیں دیتی تھی۔ یہ جلتی ہوئی آگ کی تصویر۔

تھی۔ اس تصویر میں وہ آگ بھڑک بھی رہی تھی۔ اس کے شعلے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ اور اس کی تپش جسم کو قسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایسی تپش تھی جس نے ہر مومن تن سے خار سے جاری کر دیے تھے۔ سورج شاید سوا گھنٹے پرانے تھا۔ پھر پھر گئی ہوئی آگ کے درمیان دھماکے شروع ہو گئے۔ یہ دھماکے حواس کو غرق کر دینے والے تھے۔ ان دھماکوں نے اعصاب کی دھجیاں بکھر دی تھیں۔ ان کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ پھر اخترا نے ایک جھری سے گرا کر کھینچ کر دیں۔ وہ گاڑی اس وقت ایک بنے سے مکان کے

کیا نوڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ سامنے کی طرف ایک دہلیز تھی۔ جس کو ٹھوکر کرنے کے بعد لکڑی کا ایک منقش سا دروازہ تھا۔ اس مکان کی طرز تعمیر پوری معلوم ہوئی تھی۔ اس وقت دروازے سے نیچے کی سہڑھیوں پر دو آدمی کھڑے تھے۔ جنہوں نے اس گاڑی کو دیکھ کر استعجاب

کرنے والے انداز میں اپنے ہاتھ پلانے اور لکڑی والی دروازہ کھول دیا۔ گاڑی کو میٹر ٹھوکر کے پاس روک لیا گیا تھا۔

”اتریں جناب۔“ آگے بیٹھے ہوئے شخص نے بڑے احترام کے ساتھ اخترا کو مخاطب کیا۔

”کیا یہی میرا گھر ہے۔؟“ اخترا نے پوچھا۔

”فی الحال اسی کو اپنا گھر سمجھیں۔“ اس نے جواب دیا۔

”آپ ایک دو دن یہاں آرام کریں گے۔ پھر آپ کو آپ کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔“

اخترا نے کچھ کہنا جانا پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پہلی جیسی لالچائی بکھر گئی تھی۔ وہ ان کے کہنے کے مطابق گاڑی سے باہر آ گیا۔ جہاں سے اسے اس مکان کے عالیشان ڈرائیونگ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ جہاں ایک صوفے پر ایک ادھیڑ عمر لیکن بہت وجہ اور تندرست آدمی اپنے ہاتھ میں پائپ لیے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ دونوں جب اخترا کو یہ ہوئے ڈرائیونگ روم میں داخل ہوئے تو اس شخص نے گہری لگا پوں سے ان کا گاہر لیا پھر پائپ اپنے منہ میں لگا لیا۔ ان دونوں میں سے ایک نے اخترا کو اشارہ کیا اور وہ بڑی بے پروائی کے ساتھ ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ شخص اس ادھیڑ عمر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”کیا بات ہے۔؟“ ادھیڑ عمر نے گردن اٹھاتے ہوئے

سوال کیا ہو کہ وہ ہے یہ وہ اسے ساتھ کیوں لے آئے ہو۔ پتا ابی یادداشت کھوج کا ہے جناب اس نے جواب دیا۔ اسے اپنا نام بھی یاد نہیں رہا۔ اس کی ساری شناخت اس کے ذہن سے نکل چکی ہے۔
 ”تو پھر میں کیا کروں؟“
 ”یہ شخص آپ کے بہت کام آسکتا ہے۔ اس کے ہمد وہ کس طرح؟“

”ابھی کچھ دیر پہلے میری وکرم سے ملاقات ہوئی تھی اس نے بتایا۔ اس نے اس شخص کے بارے میں جتنی بھی تفصیلات بتائی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔“
 ”پتا نہیں تم کیا کر رہے ہو؟ اوہ میرے برابر سامنے بنایا ہے میں تو کسی وکرم کو بھی نہیں جانتا۔“
 ”میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتا ہوں جناب۔ آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ اس شہر میں ایک ایسی تنظیم بھی موجود ہے جو بلیک کیٹ کہلاتی ہے۔ یہ بہت خطرناک اور شاید سب سے بڑی تنظیم ہے۔ یہ لوگ ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ ہر حال میں ایک خانے والا یعنی وکرم اس تنظیم میں شامل ہے۔ لیکن اس کی حیثیت بہت مہم کی وہ جو دو کمرے کا ماہر ہے اور اس لیے اسے اس تنظیم میں شامل کیا گیا ہے۔ وہ مدد و ہمد کے کام آتا ہے۔ اس لیے یہ کو شاید یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ اس تنظیم کا مقصد کیا ہے اور اس میں کون لوگ شامل ہیں۔ ہر حال کچھ دیر پہلے ہی میں نے وکرم کو بہت بری حالت میں دیکھا۔ اس کے کپڑے چھٹے ہونے لگے۔ اور اس کا جسم ہولناک ہو رہا تھا۔ وہ اتنا دھنست زدہ تھا کہ بے جاہر اپنی تنظیم کی عمارت سے نکل کر بھاگا چلا آ رہا تھا۔ حالانکہ ایسے موقعوں پر یہ لوگ تنظیم کے مرکز سے دور نہیں جاتے۔ لیکن وہ جلا جلا ہوا تھا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو ایسا لگتا تھا جیسے ہزاروں بلائیں اس کا تعاقب کر رہی ہوں۔ اسے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ اس شخص کی اس طرح فرار پر اس کی تنظیم اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گی وہ تو بس بھاگ لپٹنا چاہتا تھا۔ میں نے گاڑی روک کر اسے ہر شکل گاڑی میں بیٹھ کر ہر صاف مندر کیا اور ایک ڈائریکٹر کے پاس لے گیا۔ جہاں اس کی مرہم بھی وغیرہ کی گئی اور وہاں اس نے جو کہانی سنائی وہ بہت حیرت انگیز تھی۔

”اچھا۔“ اوہ میرے پاس ایٹھ بیٹھ گیا۔ وہ کہاں کی کہانی دے گا۔ اس کہانی میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ کیا کہانی

ہے۔ اس کی یہ حالت اس شخص نے کی تھی اس نے خائوش بیٹھ ہوئے آخری طرف اشارہ کیا۔ پھر اس نے آخر کے ساتھ اس پیشانی کے والے سامنے واقعہ اس ادھیر شخص کو بتائے۔ وہ یہ سب سن کر صوفے سے کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر وہ اس طرح آنکھیں پھیلا کر آخر کی طرف دیکھنے لگا جیسے یقین کر لینا چاہتا ہو کہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا شخص انسان ہی ہے۔

”نامن۔ حیرت انگیز۔ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ اس کے چہرے پر تو ایسی معصومیت ہے جیسے یہ کچھ جانتا ہی نہ ہو۔“

”جی جناب۔ اس آدمی نے اپنی گردن ہلانے کی بجائے یہی بات سنے۔ وکرم نے یہ بتایا تھا کہ یہ آدمی اس مکان میں ہنگامہ برپا کر دینے کے بعد کہیں روٹوں ہو گیا ہے۔ نمانے کیوں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایسے شخص کو ایک نظر ضرور دیکھنا چاہیے۔ جو ایک وقت کی حدود خود بخود گتوں اور پھر سے ہونے والوں پر قیام پالست اور یہ سوچ کر میں نے روشن کر اپنے ساتھ گاڑی میں بیٹھا اور اس مکان کا چکر لگاتے لگاتے دیر بعد یہ آدمی ایک طرف جاتا ہوا دکھائی دے گیا۔ لیکن اس کی جال بھی حیرت انگیز تھی۔ عام حالات میں ایسے کسی شخص کو چھتے چھتے اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ چلنا چاہیے تھا لیکن یہ اس طرح چل رہا تھا جیسے اسے کسی کی پروا ہی نہ ہو۔ لائق امداد میں جیسے ان معاملات سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہیں رہا ہو۔ وکرم نے اس کا حکم بنا دیا تھا۔ اسی لیے میں نے اسے دیکھ ہی پہچان لیا۔ لیکن غصے میں رہا۔ پھر روشن نے میری توجہ اس طرف مبذول کرانی کہ یہ آدمی ٹرانس میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس کے چلنے کا انداز یہ بتا رہا ہے کہ اسے کچھ نہیں معلوم کہ یہ خود کون ہے اور اسے کہاں جانا ہے۔ ہم بہت دیر تک گاڑی اس کے پیچھے دوڑا کہ اس کی نگرانی کرتے رہے۔ پھر ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ شخص اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے تو ہم اسے گاڑی میں بیٹھا کر یہاں تک لے گئے۔“
 ”کمال ہے۔“ وہ اوہ میرے شخص بڑ بڑایا۔ پھر آخر کے پاس کھڑا ہوا اور بڑی نرمی کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ ”نام۔ پتا نہیں؟“ آخر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔ ”دیا۔ مجھے تو اپنا نام بھی یاد نہیں آ رہا۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“ اس نے آخر کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ دیا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کیا تم ہمارے ساتھ رہنا پسند کرتے۔ جہاں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم بڑے ناز سے رہو گے۔ تمہاری دیکھ بھال کی جگہ کی تمہارا ج کیا جگہ کا؟“

”علاج۔“ آخر بڑ بڑایا۔ کس چیز کا علاج؟ کیا ہوا ہے۔“
 ”میں نہیں سمجھتا۔“
 ”میں نہیں سمجھتا۔“ آخر نے کہا۔ ”اوہ میرے کہنا میں کچھ کروں ہو گے۔“ ایسی حالت میں گھر جاؤ گے تو آخر نے بریشیاں ہو جائیں گے۔ اسی لیے کچھ دن یہاں رہو تو تمہارے لیے بھی اچھا ہوگا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔“
 ”متم کہتے ہو تو ٹھیک ہی ہوگا۔“ آخر وہ حیرت سے بڑبڑایا۔
 ”تو کچھ نہیں معلوم۔“
 ”روشن! اوہ میرے دوسرے آدمی کو مخاطب کیا۔ پنے ہمان کو کہنے والے کے میں نے جاؤ۔ اور ہر طرح ان دیکھ بھال کرنا انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اور مناسب سمجھو تو عدل کر ان کے ساتھ کر دینا۔ وہ ان کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جناب۔ میں عدل کی کو بھیج دوں گا۔“
 ”شن نے کہا۔ پھر وہ آخر کے پاس آ گیا۔ ”آئیے جناب۔ جلیں مارے ساتھ۔“
 ”آخر اس کا تعلق انداز میں کھڑا ہو گیا۔ روشن اسے ایک موٹے سے سے سے سجا کے گھر میں لے آیا تھا۔
 ”یہ ہے جناب آپ کا گھر۔“ روشن نے کہا۔ ”دو بار پر لکھی کا پتہ بھی لگا ہوا ہے۔ جب بھی آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے اس گھر کو دبا دیجیے گا۔ دلیہ ہم آپ کے لیے ایک سب آدمی کو بھیج رہے ہیں۔ وہ ہر طرح آپ کا خیال رکھے گا۔“

”روشن! آخر کو اس کے میں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ کمرے کے دروازے کو بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد نترنے نے نیبازی کی کیفیت کے ساتھ اس کے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر غصے سے انداز میں بستر پر لیٹ گیا۔
 کچھ دیر بعد دروازے پر ایک آدمی نمودار ہوا۔ وہ نتر کو دیکھ کر ٹھٹھکا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں یوں پٹی پٹی تھیں جیسے اس نے کوئی ان ہونی چہرہ دیکھی ہو۔ پھر وہ پاگوں کی طرح آگے بڑھا اور آخر سے بہت گیا۔“

”باس تم کہاں چلا گیا تھا۔“ ابن سالار تباہ ہو کر رہ گیا تھا کہ دادور مر گیا ہے۔ پرتو ابن کو یقین نہیں آتا تھا اور ان تم سالار ابن کے سامنے ہے باس۔ ابن کے سامنے ہے۔“

”اختیار بڑی لائق سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو اسے مسلسل دادور کر رہا تھا۔ کیا اسے جانا تھا۔“
 ”میری تو سمجھ میں نہیں آتا باپ کے کہ تیرے کیا ہو گیا ہے۔“ عدل نے کہا۔ ”اپنے سالار دعا مانگ مانگ کر خلاص ہو گیا اور تیرا حقوڑا سوچا ہے۔ کیا اب اپنے بار کو بھی نہیں جانتا؟ کیا کیا اسے بھی جان پہچان نہیں رہی؟“
 ”اختیار! میں جھپکا جھپکا کر اس کی طرف دیکھتا رہا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص اسے کس نام سے پکار رہا ہے۔ دادور کس کا نام ہو سکتا ہے؟ اس کا نام تو اختیار ہے۔ پھر یہ شخص اسے دادور کیوں کر رہا ہے؟ ہملا اس شخص کو اس کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے لیکن بات چلے کچھ نہیں ہو۔ یہ شخص اسے برا نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ ایک عجیب قسم کی آشنائی کا احساس ہو رہا تھا جیسے مدتوں وہ اس کے ساتھ رہا ہو۔ لیکن کہاں ہو یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔“

”باپ! کچھ تو آپن سے بولو، دادور نے کہا۔ ”تیرے کو کیا ہو گیا ہے؟ استاد! تو سالار ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ ہمارے قسم۔ تیری تلاش میں پورا ہندوستان اس طرح دیکھ لیا جیسے کوئی ماں سالار اپنے بچے کو تلاش کرتی ہے۔ یا کلین گیا تھا مانی باپ۔ بالکل باطل۔ تم تو سالار تنگاری میں جا کر لائب ہو گیا تھا۔ پرتو ابن کے ساتھ بہت برا ہو رہا تھا۔ ابن کا تیرے علاوہ اور کوئی آسرا نہیں تھا نا۔ پھر جب استاد تو ہی نہیں فضاک ہو گیا تو ابن کیا کرتا تیرے کو یاد نہیں گا کہ ابن کو ایک عورت اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ سالار بڑی جودار عورت تھا۔ وہ ابن کو رکھنے کے واسطے لوٹا تھا مانی باپ۔ لیکن ابن وہاں سے پھوٹ گیا اور تیرے کو تلاش کرنا ہوا۔ ابھی ابھی پرتو وی کھولی آباد کیا اور ہر انداز و ہندہ شروع کر دیا۔ لیکن ابن کا مجھی میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ابن کو ایک آدمی ملا۔ وہ سالار ابن کو بتایا کہ تم فیملی گڑھ کی طرف کسی کام سے گئے ہو۔ اور سالار تم فیملی گڑھ کے پاس کسی لسنی کو فضاک کرنے والے ہو۔ پتا نہیں وہ کون آدمی تھا استاد! لیکن سالار

جانتا تھا۔ تو اب یہ سنتے ہی بے کرار ہو گیا اور بڑے گریہ کی طرف دوڑ لگا دی۔ پھر راستے ہی میں ابن کو یہ خبر ملی کہ وہ بستی سالانہ ہو گیا ہے۔ اور تم بھی اس بستی میں تھے۔

ابن کا دل بیٹھ کر رہ گیا۔ ابن تم سے مایوس ہو گیا۔ اسی چکر میں ان لوگوں سے مل لیا۔ یہ سالانہ ہفت اچھا لوگ تھے۔ یہ ابن کو پہلا دیا اور ابن ان کے ساتھ بیٹھنے لگا۔ اور آج تمہارا منہ اسانے اگلیا ہے۔ لیکن تم اپنی اسٹوری بھی تو بتاؤ آخر تمہارے کو کیا ہو گیا ہے اور سالانہ کے من میں لوٹے لوٹے درد ہو گیا ہے؟

لیکن اختر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ عبدل کی طرف دیکھتا رہا تھا جبکہ عبدل متک بارگہ خود ہی خاموش ہو گیا تھا۔ وہ دادر سے کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ وہی اومیر عمر آدمی اس گھر سے میں داخل ہو گیا۔ عبدل اسے دیکھتے ہی مودب سا ہو گیا تھا۔

”کیا باتیں ہو رہی ہیں جہاں سے؟“ اومیر عمر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تم کو نہیں معلوم وکرم بابو یہ سالانہ ہے“ عبدل نے کہا۔ یہ سالانہ ابن کا استاد دادر ہے۔ ایک اگلیا بھلا ہوا پر بھلا ہے۔ لیکن اس ٹیم بھلے نے کیا ہو گیا ہے کہ کچھ لوٹتا ہی نہیں ہے۔ سالانہ چپ چپ ہے۔“

”اوہ۔ تو وہی دادر ہے تم نے جس کے قہقہے سنائے ہیں؟“ اومیر عمر نے حیرت ظاہر کی۔

”بالکل وہی۔ برو برو وہی۔ ابن سالانہ دھوکا کھا ہی نہیں سکتا۔ اچھا جندگانی اس کے ساتھ گوارا ہے۔“

”تم آو میرے ساتھ“ وکرم نے اس کے شلے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”فکر مت کرو۔ وہ یہاں بالکل ٹھیک ہے اس کی دیکھ بھال ہوتی رہے گی۔ تم آو۔“

عبدل نے ایک نظر دادر کی طرف دیکھا پھر وکرم کے ساتھ ہولیا۔ وکرم اسے اسی کمرے میں لے آیا تھا جہاں روشن دادر کو بے چینی تھا۔

”بیٹھ جا عبدل“ وکرم نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں جانتا تھا کہ دادر کو تمہارے علاوہ دگر کوئی نہیں پہچان سکتا۔ کیونکہ اس پوری دنیا میں تمہارے علاوہ اس کے قریب اور کوئی نہیں رہا ہے۔ وہ ہر ایک وقت بہت خوش قسمت ہے اور قسمت بجا ہوا کہ یہاں چلا آیا۔“

”وکرم بابو۔ تم سالانہ اس طرح اس کو جانتا ہے۔“ عبدل

نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے باب دلاور کی وجہ سے“ وکرم نے جواب دیا۔ ”تم کو شاید یہ معلوم ہو گا کہ دادر کا باب کیسا پیارا آدمی تھا۔ میں سمجھتا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ اب ہر جگہ ہے۔ اس نے دادر اور اس کی ماں کے ساتھ کیسا شکر کیا تھا۔ پھر اس نے اپنا گروہ بنالیا اور روز بروز دولت مند اور طاقتور ہوتا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ پورے شہر میں اس سے زیادہ طاقتور اور دولت مند کوئی نہیں تھا۔ اس کی تنظیم دنیا بھر کے دھندے کی طرف تھی سب سے بڑا کام اس ملک تھا اسی زمانے کی بابت ہے کہ میں بھی دلاور کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ بلکہ میں قابل اعتماد آدمی اور دوست تھا۔ ہم دونوں نے مل کر ایسے ایسے کام کیے کہ پورا ملک بے نشان ہو گیا پوری پولیس ہماری تنظیم کے پیچ لگ گئی۔ لیکن ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے ہاتھ بہت لمبے تھے دادر کے پاس سب کچھ تھا۔ لیکن اندر سے وہ کچھ کھلا ہوتا جا رہا تھا۔ جلتے ہوئے وہ کس لیے اندر سے اتنا لوٹ گیا تھا اپنی بیوی اور بچوں کے لیے۔ اس نے ان پر ظلم کیے تھے۔ انہیں اتنی بڑی دنیا میں بے سہارا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن جب ان کی یاد آتی تو زب کر رہ جاتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے پاس لے آئے لیکن وہ نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اس دوران تمہارا دادر جوان ہو گیا۔ اور اس نے انفرادی طور پر راجہ طاقت حاصل کر لی جنہی طاقت بچا اس آدمیوں میں ہوا کرتی ہے۔ اس شخص نے ہمیشہ میں دھاک بیٹھا دی تھی ایک دو بار اس کا دلاور کے گروہ سے بھی ٹکراؤ ہوا اور اس نے اس گروہ کے آدمیوں کو اچھا خاصا نقصان پہنچایا لیکن اسے شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ اس نے جن لوگوں کو شکست دی ہے۔ وہ اس کے باب کے آدمی ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتا ہے وکرم بابو؟“ عبدل نے ایک گہری سانس لی۔ ”ابن کو بھی یہ ساری کہانی معلوم ہے۔ دادر نے قسم اٹھا لی تھا کہ وہ اپنے باپ سے بدلے لے گا۔ وہ جانتا تھا اس کا باپ کیا کر رہا ہے، اس کے پاس کتنا دولت اور کتنا دلاور اگلیا ہے، پھر بھی وہ جان کا بچا ہے تباہ کرنا چاہتا تھا۔ چلو آگے۔ لو لو آگے۔ کیا اسٹوری ہے؟“

”آگے کی اسٹوری یہ ہے کہ دلاور ایک ذہین آدمی بھی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس جیسوں کی زندگی طویل

نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی ان کا اقتدار زندگی بھر برقرار رہتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ان کی جگہ آجاتا ہے۔ غرض میں ہوتے ہیں۔“

”تم ہمارے بھی آتے ہیں۔ اور تنظیم کے اندر بھی ہوتے ہیں۔ تو اس نے یہ کام کیا کہ اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ ایسی جگہ محفوظ کر دیا جہاں کسی کی نظر نہ پہنچ سکے اس نے سوائے میرے اور کسی کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ اس نے یہ دولت اپنے دو لوگوں بیٹوں کے لیے جمع لی تھی۔ اس نے ان دو لوگوں کے نام اور حلیے بھی مجھے بتا دیے تھے۔ میں تو خود چونکہ دادر کے کارناموں سے واقف ہو گیا تھا۔ اسی لیے میں جانتا تھا کہ دادر کون ہے اور کس حلیے کا آدمی ہے۔“

”بابا۔ دلاور کو کیسے معلوم ہو کہ اس کا بیٹا جوان ہو کر کس نمائندہ کا ہو گیا ہے؟“ عبدل نے کہا۔ ”اس نے تو اپنے بیٹے کو دکھایا بھی نہیں تھا۔“

”تم ٹھیک کہتے کہ اس نے دادر کو اس کے بچپن میں دیکھا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ جوان ہونے کے بعد دادر کیسا ہو گیا ہے۔ لیکن شاید یہ یاد ہو گا کہ دادر ایک بار اس کے سامنے بھی آیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ دشمن کی جھٹ سے۔ دو لوگوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ دادر نے دلاور کا ایک ٹک لوٹ لیا تھا۔ اسی سلسلے میں دو لوگوں کی ملاقات ہوئی تھی لیکن ان دو لوگوں کو نہیں معلوم تھا کہ ان کے درمیان کس قدر ہے۔ لیکن دلاور اس کے بعد سے پریشان رہنے لگا تھا وہ مجھ سے کہا کرتا کہ بچانے کیوں اسے یہ یقین ہوتا تھا کہ دادر اس کا بیٹا ہے۔ شاید اسی کو خون کی کشش کہتے ہیں بہر حال۔ دلاور نے اس کے بعد جب چھان بین کی تو پتا چلا کہ اس کا خیال صحیح تھا دادر ہی اس کا بیٹا تھا بس یہ یقین ہو جانے کے بعد وہ تو پٹ اٹھا۔ لیکن ہوا یہ کہ دلاور اس زمانے میں بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس نے رتاگری کے معاملات میں دخل و مباشرت کر دیا تھا اور ان کے داروں کے ساتھ ہنگاموں میں سلوک تھا جو رتاگری کے واقعات میں اہمیت رکھتے تھے دلاور نے اس کی تلاش میں اپنے آدمی بھی روانہ کیے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی دادر تک نہ پہنچ سکا۔ اس دوران ملکہ گروہ کی سائنسی بستی کامرلہ پیش آگیا۔ مجھے پتا چلا کہ دادر سائنسی بستی کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ ہاں اس

دوران دلاور ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہو گیا تھا اس نے مجھ سے یہ کہا کہ میں اس کی موت کے بعد اس کی دولت اس کے دونوں بیٹوں یعنی دادر اور ملکہ کو دے دوں اس طرح اس نے مجھے اپنا راز دار اور راجہ دولت کا امین بنا دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد دلاور کا انتقال ہو گیا۔ اب مجھے ہی کو اس کی سربراہی حاصل کرنی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ میرے خلاف بھی ہنگامے شروع ہو گئے۔ میں گرجے بہت مضبوط آدمی تھا۔ لیکن دھوکے سے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس صورتحال سے میں اتنا پریشان ہوا کہ میں نے کمپنی چھوڑ دیا اور یہاں آکر ابھی ایک دوسری تنظیم قائم کر لی۔ اس دوران مجھ کو دادر اس سائنسی بستی کا پتا معلوم ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں دادر تک پہنچ سکتا۔ اس بستی میں ایک خوفناک دھماکا ہوا اور وہ بستی تباہ ہو گئی۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ اس دھماکے میں دادر بھی ہلاک ہو گیا ہو گا۔ لیکن اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ جو آدمی یہاں لایا گیا ہے وہی دادر ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی۔“

”میں تم سے سچ کہتا ہوں بابا کہ وہی دادر ہے۔“ عبدل جلدی سے بولا۔ ”ابن نے یہ بتا دیا کہ ابن ساری جندگانی اس کے ساتھ گوارا ہے۔ ابن کو معلوم ہے کہ اس کی آنکھیں کیسی ہیں۔ اس کی ناک کیسی ہے۔ اس کا منہ کیسا ہے۔ ابن سب جانتا ہے۔“

”یہی سب تو جیران کرنے والی باتیں ہیں۔ وکرم نے ایک گہری سانس لی۔ ”ظاہر ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول سکتے یا تمہیں دھوکا نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر وہ کون ہے جسے ہسپتال سے اخراج کر لیا گیا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ عبدل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”یہ کوئی دوسرا اسٹوری ہے کیا؟“

”ہاں۔ بالکل دوسری کہانی ہے۔ وکرم نے کہا۔ اور اسی دادر ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ ہوا یہ کہ بستی میں دھماکے کے بعد وہاں سے صرف ایک آدمی ملے لیکن اس کی حالت ایسی ہے کہ جیسے اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں۔ اس کا چہرہ سخ ہو چکا ہے۔ اس کے بدن پر ایسی کوئی علامت بھی نہیں ہے جس کی مدد سے اسے شناخت کیا جاسکے لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ وہ اس انجام تک پہنچنے کے باوجود زندہ تھا۔ اس نے زندہ رہ کر

ڈاکٹروں کو حیران کر دیا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر ایسی کوئی طاقت ہے جو اس شخص کو زندہ رکھے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ چونکہ ایسے علل سے ملا تھا جہاں تالکاری کے اغرات تھے اس لیے اس کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دی گئی۔ لیکن اس دوران اس ہسپتال میں عجیب واقعات پیش آنے لگے۔ اور حکوت و لوری طرح اس زخمی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”وہ کیا واقعات تھے وگرم ہسپتال کے مریضوں نے پوچھا تھا اس اسٹوری میں تو مزہ آکر لیا ہے۔“

”اس مریض کو ہسپتال سے انکار کرنے کی کوششیں کی گئیں اور بالآخر اسے انکار کر لیا گیا۔ وگرم نے بتایا کہ اس وقت تک اس زخمی پر دھیان نہیں دیا تھا لیکن بعد میں جب یہ پتا چلا کہ بہت سی بارشیں اس زخمی میں دھپسی لے رہی ہیں تو میں بھی شک ہو گیا آخر ایک زخمی شخص سے کسی کو کیا دل چسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے اس زخمی پر تو نہیں لیکن اس میں دھپسی لینے والے دوسرے لوگوں پر اپنے آدمیوں کو لگا دیا میں یہ تسلیم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ زخمی کو کیوں انکار کرنا چاہتے ہیں پھر یہی دلیل برتاؤ نا فی ایک غیر ملکی نے مقامی آدمیوں کی مدد سے اس زخمی کو انکار والیا اور اسے ایک دہرائے میں رکھ دیا ان کے بعد کچھ اور بارشیں بھی نظر آئیں ان کیوں اور وہ سب کی سب زخمی میں دھپسی لے رہی تھیں۔ میری حیرت جتنی جاری تھی۔ پھر مجھے یہ پتا چلا کہ انہوں نے اس زخمی کو اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ ان کے خیال میں داور ہے۔“

”کیا یہ عدل اچھل پڑا وہ داور ہے۔ یعنی وہ زخمی لیکن وہ داور کیسے ہو گیا! داور تو“

”تم پہلے پوری کھانی تو سن لو“ وگرم نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”پھر کوئی سوال کرنا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ بارشیں داور میں کیوں دھپسی لے رہی تھیں داور سے انہیں کیا مطلب تھا! دوسری بات یہ تھی کہ انہیں یہ کس طرح یقین آ گیا کہ یہ زخمی ہی داور ہے۔ کیونکہ وہ زخمی تو پہچانا بھی نہیں جاتا تھا۔ پھر اس جنگ میں ان تیلوں نے اپنے وسائل کیوں جو تک دیے۔ ہمیں یہ سب کچھ ہونے کی طرف برتاؤ اس کے علاج پر لاکھوں روپے خرچ کر چکا ہے۔“

”وہی تو پوچھتا ہوں مائی باب کہ آخر ایسا کیوں! اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی کا ستارہ بروست آدمی

ہے لیکن دوسرے لوگوں کا اس سے کیا مطلب ہے؟ میں خود بھی یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا تھا! وگرم نے کہا: ”یہ ایسا معرکہ تھا کہ جو سمجھ میں نہیں آتا تھا پھر اچانک ایک دن مجھے یہ پتا چل گیا کہ ان لوگوں کو دراصل داور کی تلاش نہیں تھی۔“

”تو پھر کس کی تلاش تھی۔؟“

”وگرم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا: ”ان لوگوں کو پوچھ کر اس کی تلاش تھی۔“

”وگرم کے مالکان کا پتا نہیں چل سکا لیکن یہ لوگ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔“

”پرویز نے اس سفر کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اسے خاص اختیارات دیے گئے تھے جن کی رو سے وہ اس شخص کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنے کا سختی قرار دے دیا گیا تھا جو اس کی راہ میں آنے کی کوشش کرے۔ حکومت خود بھی اس مسئلے کو حل کر لینا چاہتی تھی۔“

”اس سفر میں بارہ افراد اس کے ساتھ تھے ان کی رہنمائی بنی ہی کر رہا تھا۔ وہ دہرائے جواس راستے سے واقع تھا جو راستہ اس نے مشن داور اس کے سامنے کو دکھا یا تھا۔ ہنسی کے علاوہ اس قافلے میں نمل اور پٹی بھی شریک تھیں۔ اس قافلے میں جو مرد شامل تھے وہ ہلیر کے بہترین اداکاروں تھے جن کا اختیار پرویز کے ہاتھوں میں دے دیا گیا تھا۔ وہ سب اس کے حکم کے پابند تھے۔ ان لوگوں نے سفر کی وافر ضروریات کے علاوہ اسٹیلوں کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔“

”شہر سے ایک دن کے فاصلے کو طے کر کے یہ قافلہ آگے اس مقام پر پہنچ گیا جو ہنسی کے بیان کے مطابق دشمن کے غائب ہونے کا مقام تھا۔“

”بس سرکار! اس نے جھاڑیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوئے کہا: ”یہی وہ جھاڑیاں ہیں جن سے وہ دشمن داور اس کا سامنے کر رہا کہ دوسری طرف گئے تھے۔ ہم نے ان سے کہا بھی تھا کہ اس طرف عجیب عجیب جنازہ دکھائی دیتا ہے۔ جو آدمی کو چیر بھاڑ کر برابر کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر اسے میری ایک نہیں سنی۔ اور اسے سامنے کو لے کر چلا گیا۔ لیکن اس نے اپنے دوسرے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مجھے شہر لے جائیں۔ تو جناب! ہمیں شہر میں بنا

ر دیا گیا جہاں سے آپ لوگ مجھے پھر یہاں تک لے گئے ہیں۔“

”شٹیک ہے۔ ہنسی۔ تمہارا بہت بہت شکریہ ہے۔ پرویز نے اس کے شانے پر پھینکی دی۔ تم یہاں سے جا سکتے ہو۔ ہنسی بہت ہی محزون دکھائی دینے لگا۔ ایک عرصے کے بعد اسے رہائی ملنے والی تھی۔ اس کے لیے بہت بڑی ٹبر تھی۔ پرویز نے اسی وقت کچھ رقم اس کے حوالے کی اور اسے جانے کی اجازت دی۔ ہنسی ان لوگوں کو پرنا مہارنا ہوا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔“

”آپ یہاں سے ہمارے سفر کا دوسرا اور خطرناک مرحلہ شروع ہو رہا ہے۔ پرویز نے اپنے آدمیوں سے کہا میں یہاں کے بارے میں پہلے بھی رپورٹیں مل چکی ہیں لیکن ہم نے نہ جانے کس مصلحتوں کی بنا پر اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ بہر حال اب حکومت نے توجہ دی ہے اور ہم لوگ یہاں دکھائی دے رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان جھاڑیوں کے اس طرف ہمارے لیے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ ہو سکتا ہے کہ خطرے ہی خطرے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا کوئی وجود نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی کچھ لگا ہوں ہمیں دیکھ رہی ہوں۔ ہماری نگرانی کر رہی ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار رہنا پڑا۔“

”تم تیار ہیں سر! ان میں سے ایک نے کہا: ”آپ حکم آؤ دیں۔“

”بس فی الحال تو تم لوگ ساتھ ساتھ رہو گے اور اس وقت تک خود کوئی کارروائی نہیں کر گے۔ جب تک میں نہ کہوں۔“

اس کے بعد یہ قافلہ جھاڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا دونوں ٹریکوں کو درمیان میں رکھا گیا تھا۔ پرویز نے اپنے شوق کی وجہ سے پرویز کے ساتھ چلے آئے تھے۔ جبکہ نمل کی ڈیوٹی پرویز کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔ جھاڑیوں کے پاس آکر ان لوگوں نے راستے بٹلے شروع کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس سفر میں کام آنے والا سامان تھا۔ خواہ اسٹیل کے ذریعے ان کی پشت پر بندھا تھا۔ جھاڑیاں بہت گھنی اور کانٹے دار تھیں۔ ان لوگوں کے لیے راستہ بنانا بہت دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اور یہ جھاڑیاں گہرائی میں بہت دور تک چلی گئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان جھاڑیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یا یہاں

سوائے جھاڑیوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ان کے کپڑے کاٹوں میں الجھ رہے تھے اور ان کے جسموں پر خراشیں پڑ رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ بڑے جارحانہ تھے۔ بالآخر یہ جھاڑیاں ختم ہوئیں تو وہ ایک وسیع و عریض میدان میں آ گئے۔ اس میدان کے انتہائی جانب بھوسے رنگ کی جھاڑیوں کا ایک سلسلہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ میدان گر چہ بگڑ چکا تھا۔ لیکن درخت بھی دکھائی دے رہے تھے۔

”یہ عجیب پر اسرار جگہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہنسی نے پرویز کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنی رائے دی۔“

”تم شٹیک کہتی ہو۔ پرویز سرکار! یہ حالانکہ یہاں خود درخت کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جو بہت عجیب اور حیرت انگیز ہو۔ ایسے میدان نہیں لاکھوں مل جا رہے۔ ایسے درخت ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر ہمیں اس جگہ کے بار بار اور خوفناک ہونے کا احساس ہو رہا ہے تو یہ غلط نہیں ہے۔“

”یہ تیس نہیں سمجھی جناب! یہ ہنسی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔“

”ایسا احساس اس جگہ ہوتا ہے جہاں بہت خون بہہ چکا ہوں۔ پرویز نے کہا: ”میں ایسا محسوس کر رہا ہوں جیسے یہاں ہی پھر خون بہا گیا ہے۔“

”ہنسی کا پکر کر رہ گئی۔ اسی نے ایک آدمی خرچ اٹھا۔“

”وہ دیکھیں جناب۔ وہ اس درخت کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔“

”ک جاؤ تم لوگ۔ پرویز نے اپنا ہاتھ ادا پر اٹھا دیا۔ سب کے سب رک گئے۔ ان کی نگاہیں ایک درخت کے پاس لگی ہوئی تھیں۔ جہاں کوئی چیز بڑی ہوتی تھی لیکن اتنے فاصلے سے وہ چیز صاف دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر وہ سب آہستہ آہستہ پرویز کی قیادت میں اس چیز کی طرف بڑھنے لگے۔“

وہ ایک لاش تھی۔ لیکن وہ کسی انسان کی لاش نہیں تھی۔ بلکہ انسان نما کسی ایسے جانور کی لاش تھی جس کا قد انسان ہی کے برابر تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کے کیٹف پھیلے ہوئے تھے اور اس کی پشت میں گولیوں کے کئی سوراخ تھے۔ جن سے خون نکل نکل کر مچھل چکا تھا۔ وہ لاش اونچے بڑی ہوتی تھی۔

”ہو کوئی جانور نہیں انسان کی لاش ہے“ برو نے لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا: اس نے جانور کی لاش نہیں رکھی ہے“

اس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر لاش پلٹ دی۔ پر دیر نے تنہیک ہی کہا تھا۔ وہ ایک انسان کی لاش تھی۔

”تو یہ بد قسمت ابھی روزی حاصل کرنے کے چتر ہیں اس طرح مار دیا گیا“ برو ویز لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ کیا مطلب سر؟ نیلم نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ بے چارہ ہنسی کی طرح کوئی مقامی دیہاتی معلوم ہوتا ہے۔“ برو ویز نے کہا: ”ان مقامی لوگوں کو روز گار کا جھانسر دے کر مہربان لایا گیا اور انہیں غنات جانوروں کی کھالیں پہنا دی گئیں اور ان سے کہا گیا کہ وہ اس علاقے میں ٹھہرتے رہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مقامی سیدھے ساتھ دیہاتی لوگ اس طرف نہ آسکیں اور غنات کھانا کمریں پھر کھانے کیوں اس بے چارے کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا ہے؟“

”انہیں جانوروں کی کھالیں کس لیے پہنائی گئی تھیں سر؟“ ایک نے دریافت کیا۔

”ہم یہی معلوم کرنے کو اس طرف آئے ہیں“ برو ویز نے کہا: ”جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ اس علاقے میں یقیناً کوئی ایسی چیز ہے جسے وہ لوگ بیرونی دنیا کی لگا ہوں سے چھپانا چاہتے تھے۔ لیکن اب محسوس ہوتا ہے جسے کام ختم ہو گیا ہو یا لیے اس بے چارے کو ہلاک کر دیا گیا“

”تو تو بہت برا ظلم ہے جناب۔“ پدینی دھیرے سے بولی۔

”انسان اپنے مفادات کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا کرتا ہے۔ وہ بہت بے رحم اور خود غرض ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اس لاش کو چھو کر ایک طرف چلے گئے لیکن اس علاقے میں اسی قسم کی بچھاؤ لاشیں بھی دکھائی دے گئیں وہ بھی انسانی لاشیں تھیں جن کے خنجر پر جانوروں کی کھالیں پہنا دی گئی تھیں۔ پر دیر کے خیال میں یہ سب مقامی آبادیوں کے بد نصیب لوگ تھے۔ انہوں نے اس وادی میں اپنا سفر جاری رکھنا لاشوں کے علاوہ انہیں اور کوئی نہیں مل سکا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ وادی زندوں کی نہیں بلکہ مردوں کی کوکین

انہیں شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ کچھ آنکھیں ان کی عکرا کر رہی تھیں۔ یہ آنکھیں درختوں کے اوپر تھیں۔ درخت کے درمیان تھیں۔ اور بڑے بڑے پتھروں کے عقدے میں تھیں۔ یہ سب لوگ سچے تھے لیکن ان میں سے کسی نے اس قافلے پر گولی چلانے کی کوشش نہیں کی وہ بس اس قافلے کو دیکھتے رہے تھے۔

ایک طویل سفر کرنے کے بعد قافلہ جب ایک جنگ پہنچا جہاں انسانی آبادی کے آثار دکھائی دے رہے تھے تو اسی جنگ پہنچا گولی سنائی ہوئی ان کے قریب گزری۔ اس گولی نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا یہ خطرے کی پہلی گھنٹی تھی۔ وہ سب کے سب برو ویز کے اشارے پر زمین پر گرت گئے جیکہ برو ویز دھمکتا ہوا آدمیوں سے کچھ دور چلا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ گولی با سے چلائی گئی ہے۔ اور گولی چلانے والا اتنا بے وقوف ہو سکتا کہ اسے ایک جانب لڑھکتے ہوئے نہ دیکھ لے اس نے یہ حرکت بس یوں ہی ایک موہوم میڈیا پرک تھی۔ اور اس کا نتیجہ دیکھنے کا منظر تھا۔

یہ نتیجہ بہت عجیب ثابت ہوا۔ دوسری گولی نہیں بجائے کیوں گولی چلانے والے نے بس ایک ہی گولی پر لگا دیا تھا۔ برو ویز بہت دیر تک یوں ہی لیٹا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے کھڑا ہو گیا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ گولی چلانے والا اشارہ ان لوگوں کو فراموش ہی کر گیا تھا۔ برو ویز کو وہ آدمی دکھائی دے گا جس نے گولی چلائی تھی۔

وہ ابیلا ہی تھا۔ اور وہاں سے زیادہ فاصلے پر بھی نہیں تھا۔ وہ ایک درخت کی شاخ پر تھا۔ اس کے ہاتھ پر حرکت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

”تم لوگ یہیں رہنا“ برو ویز نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی ”میں اس آدمی کے پاس جا رہا ہوں“ برو ویز نے اپنا روالو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دھیرے دھیرے اس درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ جس کی شاخ پر وہ آدمی دکھائی دے رہا تھا۔ درخت کے قریب پہنچ کر برو ویز کو ہاتھ چل گیا کہ دوسری گولی نہ چلے گی اور کئی تھی۔ وہ آدمی سخت اذیت میں مبتلا تھا۔ خائے اس طرح اس درخت کی ایک شاخ اس کے بدن میں تھرا دی ہوئی تھی۔ اور وہ اس شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔ وہ شاخ اس کے ایک ران کے درمیان سے آریا ہو رہی تھی۔ یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ برو ویز دھشت زدہ ہو کر اس

کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کے ساتھ کیا گزری ہوگی؟ وہ مردہ تو نہیں تھا۔ لیکن موت سے بدتر حالت تھی اس کی اس کے ہاتھ میں ایک روالو رہا ہوا تھا۔ شاید اسی روالو سے اس نے گولی چلائی تھی۔

”ہے بھگوان کیا ہوا ہے اس کو؟ نیلم کی آواز آئی۔ برو ویز نے مڑ کر دیکھا۔ نیلم اور دوسرے لوگ بھی اس دوران درخت کے پاس آ گئے تھے۔ ان سبھوں کی نگاہیں اوپر لگی تھیں۔

”رام اور ہاشے“ تم دونوں اوپر جاؤ اور احتیاط کے ساتھ اس آدمی کو اتار لاؤ۔ برو ویز نے اپنے دو آدمیوں کو حکم دیا۔ اسے اتار کیسے چلے جناب؟ ”شاخ کاٹ دو۔ ایک آدمی اس کو سنبھالے رہے۔ برو ویز کے دونوں آدمی تیزی سے اوپر چلے گئے اس شخص کو اوپر سے نیچے لائے، شاخ کاٹنے میں ان کی حالت خیر ہوئی تھی۔ ہی احتیاط سے کام لینا پڑا تھا۔ سب سے پہلے تو اس شاخ کو اس کی ران کے دونوں اطراف سے کاٹا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے نیچے اتار لیا۔ نیچے اتارنے کے بعد یہ محسوس ہو گیا تھا کہ اس کی حالت کتنی خراب ہے۔ یہ اس کی قوت ارادی تھی یا کھانے کوں سادہ تھا جس نے اب تک اسے زندہ رکھا ہوا تھا۔ نیچے اتارنے پر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

”کچھ دیر نہیں آنا کہ اس کا لگایا جلتا ہوا پرو ویز نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب پرو ویز نہیں بچے گا۔“

”میں بھی یہی سمجھتا ہوں سر“ برو ویز کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ ”جائے جس طرح پوری شاخ کی گوشت کے اندر گھس کر دوسری طرف نکل گئی۔“ ”ہم نے دونوں طرف سے شاخیں کاٹ کر دی ہیں سر لیکن شاخ کا ایک بڑا ٹکڑا اس کی ران میں پھنس رہا ہے۔ گوشت کے اندر پھنسا ہوا ہے۔ ہاشے نے بتایا۔ ”خائے“ بے چارہ کب یہاں اس حال میں ہو گا؟ ”نیل نے کہا اس دوران پدینی اس شخص کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔ وہ بھی جانتی تھی کہ یہ شخص زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔

”میں نے کسی شخص کی ایسی حالت میں اس سے قبل کسی نہیں دیکھا“

برو ویز اپنے آدمیوں کی طرف کی دیکھتے ہوئے بولا: تم لوگوں کا خیال کچھ بھی ہو لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص درخت کی ایک شاخ میں جڑاؤ کس طرح ہو گیا۔ اگر کوئی حادثہ تھا تو کیا حادثہ تھا؟ یہ شخص کس سے خوفزدہ ہو کر درخت پر چڑھ گیا تھا؟ جہاں اس کی یہ حالت ہوئی حیرت انگیز حادثہ ہے۔ ایسا لگتا ہے یہ درخت برہمچا ہو اور درخت کی شاخ اچانک اس کی ران میں سے برقی ہوئی دوسری طرف گزری ہو۔ میں نے ایسا کب اس سے پہلے نہ بھی سنا تھا۔ البتہ دوسری جنگ عظیم میں جاپانی اپنے قیدیوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر سڑک کر دیا کرتے تھے اور ان کے نیچے زمین پر ایک خاص قسم کے ٹوپیلے پالت کا بولار کھدوا جاتا تھا۔ وہ بولار اقل رات اس قیدی کی پشت کو بھارتنا ہوا دوسری طرف لٹک جاتا تھا۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ کیونکہ یہ کسی اور قسم کا درخت ہے۔ یہ ایک عام سادرخت ہے۔ اور اس کی شاخ ”جناب“ یہ ہوش میں آ رہا ہے؟ پدینی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

برو ویز نے جو تک کر زخمی اور بدنی کو دیکھا۔ پدینی اسے پانی پلا رہی تھی۔ اس سے پہلے اس نے کسی دوا کے کچھ قطرے اس کے منہ میں ڈال دیے تھے۔ برو ویز جلدی سے اس زخمی کے پاس پہنچ گیا۔ جوانی بی بی چکا تھا۔ پدینی نے دوبارہ اس کے سر کو زخمین پر رکھ دیا تھا۔ اس نے اب اپنی آنکھیں کھول دی تھیں اور ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کا جسم جھٹکے بھی لینے لگتا تھا۔ اس کی جرح ران سے اب خون نہیں نکل رہا تھا۔ لیکن باہر خون کے قطرے پڑے ہوئے تھے۔ برو ویز جلدی سے دوا لیا ہو کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور بڑی زخمی سے اس کے منہ کو چھوئے ہوئے بولا۔

”دوست جلدی سے بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہاری یہ حالت کس نے کر دی؟ کیا حادثہ ہوا تھا؟ تمہارے ساتھ؟“ ”لیکن تم۔ تم لوگ کون ہو؟ اس زخمی نے اٹکے اٹکے دریا فت کیا۔

”مہرا نام برو پنہے۔ میرا تعلق پولیس سے ہے“ برو ویز نے جلدی سے جواب دیا۔

”ہوں بیڑ زخمی نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھے تمہارا ہی انتظار تھا“

رینا سادان اولاجوتی کے لیے یہی راستہ تھا کہ وہ دوڑ لگا دیں۔

سادان نے جھوٹ بول کر انوب کمار کو بڑا ڈکی طرف بھیج دیا تھا۔ لیکن انوب کو جلد ہی معلوم ہو جانا کہ اس سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ایسی صورت میں وہ نہ گامہ بریا کر سکا تھا۔ دوسری طرف وکٹر بھی موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رینا اور سادان کہیں تقریباً کھینے گئے ہیں۔ انوب کی چیخ و کار سے بھی متوجہ کر سکتی تھی۔ پھر وہ اپنے بڑوں کو ان لوگوں کی طرف روانہ کر دیتا اسی لیے بچت کا اب بھی طریقہ تھا کہ وہ دوڑنا شروع کر دیں۔ قدرت نے انہیں آواز کا ایک موقع فراہم کیا تھا۔ اور انہیں اس موقع سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے تھا۔ بلکہ ان لوگوں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

وہ اس وقت ایک ایسے میدان میں تھے جہاں ہر طرف جھاڑ جھکڑ کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سادان کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی اس نے زندگی میں بہت دشواریاں برداشت کی تھیں۔ بہت سختیاں جھیلی تھیں۔ وہ اپنے قبیلے میں رہائش کے دنوں میں ملے ہوئے میدانوں میں پھرتا ہی چلا کرتا تھا۔ لیکن اصل مسئلہ دونوں لڑکیوں کا تھا۔ بلکہ لاجوتی کا تھا۔ رینا پھر بھی سوت جان لڑکی تھی۔ اس نے بھی دشواریاں اٹھائی تھیں۔ لیکن لاجوتی بہت نازک تھی۔ اس نے قانونوں پر چلنا سیکھا تھا۔ اور لڑکیوں میں سفر کرنا بھی اسی لیے اس کا پھیل چلنا زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ عزم و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتی جا رہی تھی۔

”میں نہیں آتا کہ تم لوگ ملک کے کس حصے میں رہ رہے ہو۔ چلے چلے کہا۔ یہاں کوئی دکھائی بھی نہیں دے رہا ہے۔“

”کوئی گاؤں مل جائے تو پتا چل جائے گا۔ سادان نے جواب دیا۔ لیکن مجھے لاجوتی کی فکر ہے۔ اس چڑی کی ہماری وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑی ہے۔“

”نہیں ہم سب ایک دوسرے کے لیے پریشان ہو رہے ہیں۔“ لاجوتی جلدی سے بولی۔ ”یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت میں صرف تم دونوں کے لیے تمہارے ساتھ فرار ہو رہی ہوں۔ لیکن اگر میں کیپ میں رہ جاؤں تو انوب کمار کی دہشت مجھے مار دے گی۔ اسی لیے ہم سب ایک

دوسرے کی وجہ سے اُلھے ہوئے ہیں۔“

لاجوتی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ معاملہ ایک کا تھا۔ لاجوتی کا بھی تھا اور سادان اور رینا کا بھی تھا۔

”تمہارے انوب کمار کی حرکت میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ سادان نے لاجوتی کا دھیان ہٹانے کے لیے پوچھا۔ ”مجھے تو وہ شخص کوئی نفسیاتی مریض معلوم ہوتا ہے۔“ لاجوتی نے کہا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ میرے طور ظم ساز اس کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ وہ جو کنبلے دی کر جاتا ہے میں نے فلموں میں کام کیا ہے۔ لیکن ایسی ریمپل کبھی نہیں دیکھی جیسی رہبر سل وہ میرے ساتھ کیا کر رہا تھا۔“

”وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔“ سادان بولا۔ لیکن اس کے لیے اس نے جو طریقہ اپنایا تھا وہ حیرت انگیز تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک جنونی شخص ہے۔ اس دوران وہ لوگ اپنی خاصی دور لگ آئے تھے۔ وہ اب جس راستے پر چل رہے تھے۔ اس کے دونوں طرف انسان یا بھتوں کی بنائی ہوئی کتاریاں تھیں۔ لیکن انہیں کوئی دوبہ دھڑکا نہیں تھا۔ ان کتاریوں میں سہرا لگا ہوا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس علاقے میں تو تفصیل دکھائی دے رہی تھیں اور نہ ہی انسان دکھائی دے رہے تھے۔

”شام ہونے سے پہلے پہلے ہمیں کوئی ایسی جگہ مل جانی چاہیے جہاں ہم رات گزار سکیں۔“ سادان نے کہا۔ ہاں۔ اب تو میں بھی بڑی طرح تھک گئی ہوں۔ رہنا اپنی گرد بانی ہوئی بولی۔ ”بھوک بھی لگ رہی ہے۔“

”سین تو پھیا مس عسوں کر رہی ہوں۔“ لاجوتی نے بتایا۔ ”حلق میں گانے پڑ گئے ہیں۔“

”لعنت ہے۔ کوئی کنواں بھی دکھائی نہیں دے رہا۔“ سادان بڑبڑایا۔ پھر خود ہی بولا۔ ”اگر یہ قطار وہ علاقہ ہے تو پھر کنواں کہاں سے ہوگا۔“

وہ لوگ اچانک ٹھٹک کر رک گئے۔ ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز زیادہ دور کی نہیں تھی لیکن اس وقت وہ لوگ جہاں موجود تھے۔ وہاں ایک بہت بڑا شیل تھا۔ آواز اس شیل کے عقب سے ابھری تھی۔ وہ لوگ ٹھٹے ہو گئے۔ ان کے کان اس شیل کی طرف لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد شیل کے عقب میں دوبارہ کچھ ہوا۔ اس بار آواز نہیں بلکہ آوازیں تھیں۔ ملی جلی آوازیں۔ جیسے بہت

سے لوگ بیک وقت کچھ بول رہے ہوں۔

”ہمیں ہم لوگ غم پھر کر اپنے کیپ کی طرف توجہ دینا چاہیے۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ سادان نے کہا۔ ”میں نے ریگڈوں، جنگلوں اور میدانوں میں زندگی گزارنے کے لیے میرے بھٹکے کامکان ہی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس وقت اس کیپ سے بہت فاصلے پر ہیں۔“

”لو بھرے آوازیں کیسی ہیں؟“ رینا نے پوچھا۔ ”اب چاہے کیسی بھی آوازیں ہوں۔“ مجھ سے جہاں نہیں جا رہا ہے۔ لاجوتی وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

”ٹھیک ہے۔ تم دونوں ہمیں رہو۔ میں شیل پر چڑھ کر دیکھتا ہوں۔“ سادان نے کہا۔

وہ دونوں اس کی طرف دیکھتی رہیں اور وہ تیزی کے ساتھ شیل پر چڑھتا چلا گیا۔ شیل کی دوسری طرف خانہ بدوشوں کا کوئی کارواں نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں شیل کو عبور کر کے اس کارواں میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں مرد بھی تھے، عورتیں بھی اور بچے بھی۔ جوان اور بوڑھے تھے۔ وہ سب کے سب بڑی حیرت اور دلچسپی سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خاندانوں نے عارضی خیمے بنا رکھے تھے۔ جن کے درمیان ان کی کھوپڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اور درمیان میں چادر لٹائی پڑی ہوئی تھیں جو ان کے لیے چوپال کا کام دیتیں۔ وہاں تخی کے چوپالے روشن تھے جن سے لڑکیوں کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ خانہ بدوش عورتیں کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔

ان عینوں کو دیکھ کر وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کی نگاہوں میں ان کے لیے دلچسپی کے ساتھ شکوک بھی دکھائی دے رہے تھے۔

”کیا ہمیں کچھ کھانے پینے کو مل جائے گا۔“ سادان نے ان کے ایک بوڑھے آدمی کو مخاطب کیا۔ جوابی حیثیت میں دوسروں سے ملتا دکھائی دے رہا تھا۔

”ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔“ بوڑھا جلدی سے بولا۔ بیٹھ تم لوگ چار پائوں پر بیٹھ جاؤ۔“

یہ نہ تھا کہ لوگ چار پائوں پر بیٹھ گئے۔ وقتی طور پر یہ معذور تو ہو گئے تھے۔ لیکن سادان کے ذہن میں ابھی تک اندیشے سانبوں کی طرح رینگ رہے تھے۔ ان لوگوں نے گرچہ اچھا خاصہ سفر طے کر لیا تھا لیکن وہ ابھی تک ان کی دھڑکن سے باہر نہیں جاسکے تھے۔ ان کے پاس تیر فرسار

گاڑیاں تھیں اور وہ کسی بھی وقت یہاں آسکتے تھے۔ جبکہ ان لوگوں نے پہل سفر کیا تھا۔ اس نے ان خاندانوں کو اعتقاد میں لینا ضروری تھا۔ تاکہ وہ ان کو پناہ دے سکیں۔

وہ بوڑھا بھی لوگوں کے ساتھ آکر بیٹھ گیا جبکہ دوسرے لوگ بوڑھے کے اشارے پر دور رہ گئے تھے۔

دو عورتیں ان کے لیے گلاسوں میں بکری کا دودھ پیر روٹیاں لے آئی تھیں۔ ان لوگوں نے بہت ہی رغبت سے سے چینیڑیں کھائی تھیں۔ بھوک میں انہیں یہ سب کچھ ایسی نعمت کی طرح معلوم ہوا تھا جو نچائے کتنی صدیوں کے انہیں حاصل ہوئی تھی۔

”ہاں۔ بتاؤ کون ہو تم لوگ۔“ بوڑھے نے ان سے سوال کیا۔ کہاں جا رہے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟

”ہم لوگ مسافر ہیں بابا۔“ سادان نے کہا۔ ہم لوگ اپنے راستے پر جا رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ہم پر حملہ کر کے ہمارا سارا سامان لوٹ لیا۔ ہم بڑی مشکلوں سے جان بچا کر اوڑھ آئے ہیں۔ تم ہمیں ایک رات کے لیے پناہ دے دو۔ صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”اس علاقے میں تو جوڑوؤں کو نہیں ہوتے۔ پھر تم لوگوں کو کس نے لوٹ لیا؟“ بوڑھے نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

”یہی تو نہیں معلوم۔“ سادان نے جواب دیا۔ وہ بہت سے لوگ تھے۔ انہوں نے ہمارا سب کچھ چھین لیا ہے۔“

”ہوں۔“ بوڑھے نے ایک چھری سا سلی پکڑ کر دیا۔ ”ہو! ہوا! ٹھیک ہے۔ بس ایک رات کے لیے تم لوگ رہیں سکتے ہو۔ ہم لوگ خود خانہ بدوش ہیں۔ ہمارے پاس ہمالو کے لیے زیادہ کھانا نہیں ہوئی۔ بس ایک رات اور کل صبح تم لوگ روانہ ہو جاؤ گے۔“

”میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔“ سادان جلدی سے بولا۔ ”یہی تمہاری ہماری ہوتی۔“

”میں کلیسا سے کہہ دیتا ہوں وہ تمہارا خیال رکھے گی۔“ بوڑھے نے دوسروں کو اشارہ کیا اور وہ سب بھی ان کے قریب آ گئے تھے۔ بوڑھے کے اشارے پر وہ سب ان کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ان کے سینے کے بعد بوڑھے نے سادان کی کھائی دیکھ دی۔ سادان نے محسوس کیا کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے شاید بوڑھے ہی کی طرح اس کہاں پر لپٹیں نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ خاموش رہے تھے۔

جس لڑکی کا نام کلیسا تھا۔ وہ اپنے نام کے عکس بہت خوبصورت ثابت ہوئی تھی۔ سادہ نے نہیں کیا کہ وہ لڑکی ان کے یہاں آنے کے وقت سے ہی ان کی طرف لڑنے دے رہی تھی۔ وہ کسی بہانے ان کے ارد گرد منہ لائی رہتی اور جب بوڑھے نے ان لوگوں کی میزبانی کے فرائض اس کے سپرد کیے تو اس کی خوشی کی انتہاء نہ رہی تھی۔ ان تینوں کو کپڑے کے بنے ہوئے ایک خیمے میں رات بسر کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس خیمے میں بستر کے طور پر گھاس پھوس بچھی ہوئی تھی۔ گرچہ یہاں غیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ان تینوں کو یہاں سکون مل رہا تھا۔ یہ پہلی رات تھی جو وہ کسی خوف کے ملنے کے بغیر گزار رہے تھے۔ اس خیمے میں ان کے لیے چراغ بھی روشن کر دیے گئے تھے اور رات کے کھانے کے لیے بکری کا دودھ اور دو ٹھیلے دی گئی تھیں۔ شاید ان غریبوں کے پاس ان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”زندگی بھی کیسے کیسے کھیل دکھاتی ہے سادہ نے بیٹا نے کہا۔“ تم ذرا لاجوئی کو دیکھو۔ اس نے زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا کہ کسی ایسی بزرگات بسر کر رہی ہو گی جہاں ہر فن تانہ کی پھیل ہوگی اور بستر بھی نہیں ہو گا۔

”میرا خیال ہے کہ زندگی اسی کا نام ہے۔“ لاجوئی نے جھڑپ سے بولی۔ ”اور اس میں بھی ایک لطف ہے جو بہت کم کو نصیب ہوا کرتا ہے۔“

وہ تینوں کچھ دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتے رہے ان کے سامنے فی الحال اور کوئی منصوبہ نہیں تھا کہ کسی طرح شہر پہنچ جائیں۔ جہاں ایک نئے انداز سے کسی خوف کے بغیر زندگی گزارا جاسکتی تھی۔ جہاں لاجوئی کے وسائل تھے۔ رات کو سوتے سے پہلے بوڑھا ایک باز پھر ان کے پاس آیا تھا۔ وہ ان کی کوئی ضرورت پوچھنے آیا تھا۔ ”نہیں بابا بابا، میں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ سادہ نے کہا۔ ”تم سے بس ایک درخواست ہے۔“

”بولو کہ کیا چاہتے ہو۔“

”میں ایسا نہ ہو کہ ہم لوگ سوتے رہیں اور ہمارے دشمن بکس خاموش رہو۔“ بوڑھے نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”نہیں یہ نہیں معلوم کہ ہم خاندانوں کو جب کسی کو پناہ دیتے ہیں تو پھر اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی بھی لگا دیتے ہیں۔ آئندہ سے ایسا

منت کہنا۔ جاؤ سو رہو۔ رام تمہاری بھنک کرے گا۔“ وہ دونوں کو پھر اس لیے سو گئی تھیں کہ بڑی طرح تنگ جی تھیں۔ لیکن سادہ تنگن کے باوجود بیدار تھا۔ اسے غنبد بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس کی جبلت اسے یہ بتا رہی تھی کہ اس پاس کوئی نہ کوئی خطہ ضرور ہے۔ لیکن وہ اس خطے کی نشاندہی نہیں کر پا رہا تھا۔ اس ایک طرح کی بے چینی تھی جو اسے بے قرار کر رہی تھی۔ اس کی بے چینی جب حد سے بڑھ گئی تو وہ خیمے سے باہر نکل آیا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ ایسا سناٹا جو روح تنگ میں اترتا ہوا غصوں ہو رہا تھا۔ خانہ بدوش بے خبر سے بولے تھے۔ ان کی بکریاں بھی خاموش تھیں۔ جیسا انہوں نے بھی گائے والے خطے کو محسوس کر لیا ہو۔ پھر اس دیرانہ اندھیرے میں ایک سایہ حرکت کرتا ہوا دکھائی دے گیا۔ یہ سایہ کسی خیمے سے نکل کر دوسرے خیمے کی طرف جارہا تھا۔ عام حالات میں یہ کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کسی کام سے دوسرے خیمے کی طرف جارہا ہو۔ لیکن سادہ اس وقت اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ اسی لیے اس سائے کی نقل و حرکت اسے پر افسوس محسوس ہوئی۔ پھر نجانے کیا سامع کر وہ بھی اس طرف چل پڑا جس طرف وہ سایا گیا تھا۔

وہ بھی کپڑوں کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا خیمہ تھا۔ جس کے اندر وہ سایہ غائب ہو گیا تھا۔ سادہ اس خیمے کی پشت پر پہنچ گیا۔ دوسری طرف مہلان تھا۔ اسی لیے ان کے دیکھے جانے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ اس نے خیمے کے پاس پہنچ کر اپنے کان خیمے کی دیوار سے لگا دیے۔ پھر وہیں اوندھے منہ زمین پر لیٹ گیا۔ اس طرح وہ امانت کے ساتھ اندر کی آواز سن سکتا تھا۔

”اے بٹھا سو گیا رہے؟“ کسی عورت کی آواز تھی۔ ”تو بے ہوش ہو کر سوتے رہے؟“

سادہ اس آواز کو سن کر چونک اٹھا۔ یہ جانی پہچانی آواز معلوم ہو رہی تھی۔ یہ اسی لڑکی کی آواز تھی جس کا نام بوڑھے نے کلیسا بتایا تھا۔

”ہاں۔ آں۔ کیا بات ہے۔“ کسی مرد کی غنودگی ہوئی آواز تھی۔ ”کیا بات ہے۔ اس وقت یہاں کیوں آئی ہے؟“

”اے بات تو سن۔ یہ وہی لڑکی والی ہے۔“ کلیسا کی آواز ابھری۔ جس کے لیے اس آواز نے کہا تھا کہ آگاہ

ادھر آنکھ لے لو اس کو بتا دیا جائے۔“

”مجھے کیسے معلوم؟“ مرد نے کہا۔ ”تو تو سب کو یہی کہتی ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟“

کلیسا نے کہا۔ ”حالانکہ بابا کو بھی معلوم ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ مجھے بھی معلوم ہے۔ پھر بھی انجان بن رہا ہے۔“

”مجھے تو یقین نہیں آتا کہ وہ لوگ اسی طرف آئیں گے۔“

”کیوں؟“

”تو تو باگل ہو گیا ہے۔“ کلیسا غصے سے بولی۔ ”اس نے یہی کہا تھا کہ وہ تین ہیں۔ ایک مرد اور دو عورتیں۔ اس نے لڑکی والی کی تصور بھی دکھائی تھی۔ تو تو اس کے باوجود انہوں پر بھتی باندھے ہوئے ہے۔ اس نے کہا تھا نا کہ جو بھی ان کے آگے کی خبر دے گا۔ اسے ایک ہزار روپے ملیں گے۔ تو تو دس سو ایک ہزار روپے کم ہوتے ہیں کیا؟“

”ہو سکتا ہے کہ بابا وقت کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ اب اس آدمی کے پاس جا کر اسے بتا دے۔ میں تو جی ہوں کہ بابا کے جانے سے پہلے تو پہنچ جاتا۔“

سادہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے کالوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ معاملہ اب صاف ہو گیا تھا۔ صورتحال یہ تھی کہ ان کے یہاں تک سنبھلنے سے پہلے کوئی اور پہنچ گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وکٹرو یا اس کا کوئی اور ساتھی یا فخر ساز اور ڈائریکٹر ہو سکتا ہے۔ یا شاید توپ کمار اور اس نے یہاں آ کر ان لوگوں کو لالچ دے دیا ہو تو پھر نے بھی شاید اسی لیے انہیں رکھنے کی اجازت دے دی ہو کہ رات کے وقت جب یہ تینوں گہری غنبد میں ہوں وہ اس وقت ان لوگوں کو بلا کر لے آئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ کہیں قریب ہی ہوں گے تاکہ فوری طور پر انہیں بلایا جاسکے۔

خطرہ گویا ان کے سروں پر منڈل لارہا تھا۔ سادہ عجلت جلدی اس خیمے میں آگیا۔ جوان کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ رشتا اور لاجوئی گہری غنبد میں ڈوبی ہوئی تھیں اس نے جلدی جلدی ان دونوں کو بیلا کر لیا اور صورتحال کی وضاحت کر دی۔ وہ دونوں بھی بہت پریشان دکھائی دینے لگی تھیں۔

”اب کیا کریں؟“ لاجوئی نے نرمی سے آواز میں

پوچھا۔

مہریشان ہونے سے کام نہیں چلے گا۔ اس وقت اندھیرا ہے۔ ہم بے آسانی نکل سکتے ہیں۔ ہاں اگر دن ہوتا تو ہم چھین کر رہ جاتے۔“

وہ تینوں خاموشی سے خیمے سے باہر آگئے۔ براہ ان دونوں کو خیمے کی پشت پر لے آیا۔ جس طرف وہ ٹیلا تھا جس سے ان کے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ اس ڈیرے میں ابھی تک خاموشی تھی۔ انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسی لیے وہ تینوں بڑی آسانی سے خیمے سے باہر آگئے۔ ان کے پاس سادہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اسی لیے لعل و حرکت میں بھی آسانی رہی تھی۔

وہ تینوں ٹیلے سے ان کے پھر وہ مری طرف آگئے۔ سادہ نے دور تک اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور وہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کس طرف جانا ہے۔ بس انہیں حلد سے جلد یہاں سے دور نکل جانا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ انہوں نے اپنے عقب سے آتی ہوئی آواز سنی۔ ان تینوں نے ایک وقت مڑ کر دیکھا تھا۔ ٹیلے پر سے بہت سے لوگ اترنے ہوئے طے آ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کے ہاتھوں میں سفلیں روشن تھیں۔ جن کی روشنی بتا رہی تھی کہ یہ وہی خانہ بدوش ہیں اور اس وقت ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔

”اب کیا کیا جائے؟“ لاجوئی نے روٹا ہوا کہا۔

”اندھیرا ہے۔ ابھی تک انہوں نے ہمیں دیکھا نہیں ہے۔“ سادہ نے کہا۔ ”بس دوڑنا شروع کر دو۔“

اور تینوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی وہ زیادہ دور دوڑ بھی نہیں پلے تھے کہ اچانک کوئی ان کے سامنے آگیا۔

”تمہارا بات اب کی کھڑی ہوئی؟“ دیکھا۔ ”عجلت و کرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“ یہ تو برا کون ہے۔“

”کوہر تمہارا رستا دکاؤں ہی ہے۔“ وکرم نے بتایا۔ ”میں نہیں آتا کہ اوڑھے تمہیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ اسے موجودہ دور کا گہرا بنا دیا گیا ہے۔“

”اے۔۔۔ اس نے۔۔۔“ کوہر اسٹوری بھی سنا تھا۔

عجلت بولا۔ ”پرنتوزابن کو رعبین نہیں آیا کہ سال آج کے فجر

میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک لوٹھا بابا کسی کو جیل میں مل جلے اور وہ اسے اپنے قبیلے کا سردار بنا دے اور وہ قبیلہ بھی سالہا افریقہ میں ہوگا۔

”یہ حق ہے عبدالہ“ وکرم نے ایک گہری سانس لی بعض اوقات حقیقت افسانوں سے زیادہ دلچسپ اور جڑت نگیز ہو کر رہتی ہے۔ تمہارا دور واقعی ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار ہے۔ اس قبیلے کے پاس اس وقت اتنی دولت ہے کہ ہندو دنیا کا آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم نے شاید داور کے بازو پر سانپ کا نشان بھی دیکھا ہوگا۔ یہ نشان داور کو برا بھلا نہ جاننے کی علامت ہے۔ اسے کوہرنا دیا گیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قبیلے کے لاکھوں افراد اس کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے تیار ہیں۔“

”چلو۔ یہ سب مان بھی لیا جائے تو اس خوف کا داور سے کیا تعلق ہو تا ہے۔“ عبدالہ نے پوچھا۔

”یہ دراصل ہوس کی دوڑ کی کہانی ہے“ وکرم نے کہا۔ ”ہر بارنی داور کے لیے نہیں بلکہ داور کو حاصل کرنے کے لیے دوڑ رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ وہ دوسرے کو دھکا دے کر گرا دے اور خود گائے بڑھ جائے۔ یہ سلسلہ چل رہا ہے اور جب تک انہیں یقین نہیں ہو جاتا کہ داور ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے وہ اتنی طرح جدوجہد کرتے رہیں گے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر بارنی اصل داور کو چھو کر اس زخمی کے پیچھے کیوں پڑی ہے۔ انہیں کیوں یقین ہے کہ وہ زخمی ہی داور ہے ان یقین کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”یہ تو اب ان کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے۔ اور ان کے منہ میں یہ نہیں آتا کہ ان لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر انہوں نے داور کو پکڑ لیا تو بہت دولت مل جائے گی انہیں۔“

”یہ پیش کش داور کے قبیلے والوں کی ہے“ وکرم نے بتایا۔ ان کا کہنا ہے کہ جو کوئی بھی ان کے سردار کو ان کے پاس لائے گا وہ اسے اتنی دولت دیں گے کہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ ان کے پاس سونے اور چھرات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ مجھے بھی یہ بات اٹھا پتا چلی ہے۔“

”چلو۔ یہ سب ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ اب اپن لوگ کیا کریں؟ اساتو کو کچھ لوٹنا ہی نہیں ہے۔“

”وہ آگ اور بارود کے سمندر سے نکل کر آیا ہے“ وکرم

نے کہا۔ اسی لیے اس کے ذہن پر ابھی تک اس قیامت کا خوف طاری ہے۔ اور اسی خوف نے اس کی یادداشت گم کر دی ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ وہ اپنا نام بھول گیا ہے۔ اپنا نامی فریڈن تھا۔ لیکن سوال پھر وہی ہے کہ وہ آخر اس تباہی سے بچ نکلنے میں کامیاب کس طرح ہو گیا۔ یہ تو ایک نامکون سی بات ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہوٹے یادداشت کی گمشدگی کے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ اس کے سامنے اعضا سلامت ہیں۔ جسم پر کسی زخم کا نشان بھی نہیں ہے۔ پھر دیکھنا یہ ہے کہ اس تباہی سے بچ نکلنے کے بعد یہ کہاں کہاں بھٹکتا رہا ہے؟ اس نے اس طرح اپنی زندگی گزار دی ہے۔

”ہاں سیٹھ یہ بات تو ہے“ عبدالہ نے اپنی گردن ہلانے پر کہا۔ ”ابھی تک کام نہیں کرتا ہے لیکن اپن کو اس زخمی پر بھی حیرت ہوتا ہے۔ آخر وہ سالہا کون ہے؟“

”وہ بھی ایک ایسا معرے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے“ وکرم نے کہا۔ ”اس زخمی کی قوت برداشت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ جہاں تک میرے ذرائع کا تعلق ہے۔ تو مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس زخمی کے پرچے ہو چکے ہیں۔ اس کے جسم کا ہر عضو قابل شناخت ہے اس کے باوجود وہ زندہ ہے۔ کم از کم اپنے اعضاء ہونے تک زندہ تھا تو ایسی قوت برداشت مجھے غیر انسانی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی اور قوت نے اسے زندہ رکھا ہے۔ شاید کسی سائنسی...“ وکرم ہلنے، ہلنے، ہلنے لگا۔ جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے ٹھٹھا ہو گیا۔ عبدالہ میں نے اس زخمی کا منہ چل کر لیا ہے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔“

”میرے کو بھی بتاؤ سیٹھ۔ وہ سالہا کون ہے“ عبدالہ نے پوچھا۔

”بسمارک“ وکرم نے مٹھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ وہ زخمی سولے بسمارک کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی کسی سائنسی قوت کے بل پر زندہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی کوئی دوا استعمال کر لی ہو کہ بڑی سے بڑی تباہی بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ وہ سو فیصد بسمارک ہے۔ عبدالہ وکرم نے عبدالہ کو بسمارک کی کہانی سنائی تھی۔ اسی لیے عبدالہ آنکھیں میچاڑے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ”میں سمجھتا ہوں سیٹھ کہ تم برابر لو لیتا ہے“ عبدالہ نے کہا۔ ”وہ سالہا وہی شیطان سائنسدان جان پڑتا ہے جس

کو موت ہی نہیں آتی۔ باپ سے وہ سالہا زندہ ہو کر بچ رہا تھا۔ یہی چاچا ہے گا۔ ایسا دلا والا آدمی کو تو زندہ نہیں رہنا چاہیے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو عبدالہ۔ اسے واقعی زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بڑا ڈاکہ کسے کہاں لے گیا ہے۔ سیٹھ ہم نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن اب بسمارک کی زندگی اور موت کی کشمکش کو اسان کرنا ہوگا۔ ہمیں ہر حال میں بڑا ڈاکہ سنبھال کر بسمارک کو ہلاک کر دینا ہے۔ اس ایک انسان کی موت لاکھوں کے تحفظ کی ضمانت بن جائے گی۔“

”چلو یہ معرہ تو سالہا ٹھٹ گیا“ عبدالہ نے ایک گہری سانس لی۔ یعنی یہ بتا چل گیا کہ وہ سالہا شخص کون ہے لیکن اب یہ کیسے پتا چلے گا کہ سالہا اپنا داور مارتا دے دن کہاں رہا؟ وہ زندہ کیسے رہ گیا؟ اب ان کے منہ میں ایک بات آتی ہے۔ سیٹھ۔ اگر تم مان لو تو سالہا یہ بھی بتا چل جائے۔

”ہاں ہاں کہو۔ کیا بات ہے؟“

”نہیں۔ سیٹھ تو یہ بتاؤ کہ تم سالہا بسمارک کو مارنے کے لیے اتنا ہر لیشان کیوں ہے؟ تم تو خود ایک گرہہ کا لیلہ رہے۔ تم کو دوسرے انسانوں کی جنگ کا کیا ہوا؟“

”یہ ٹھیک ہے کہ میں ایک برادری ہوں میں نے بھی اپنی ایک تنظیم بنائی ہے۔ جو مشرفین کی تنظیم نہیں ہے۔ لیکن تمام برادریوں کے باوجود میں نے کبھی زمین کا سودا نہیں کیا میں اپنے ملک کو کسی اور کے ہاتھوں تباہ ہونے دے نہیں دیکھ سکتا۔ ہم برے لوگوں میں بھی کوئی نہ کوئی اچھا پہلو ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور شاید یہی میرا اچھا پہلو ہے کہ میں وطن کو تباہ ہونے دے نہیں دیکھ سکتا۔ بسمارک اتنا خطرناک ہے کہ وہ وطن کو تباہ کر سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ اس وقت بری طرح زخمی ہے۔ حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے باوجود اس کی مثال اس خیمہ کی سی ہے جو سو رہا ہے اور غوسہ دقت بھی دیدار ہو کر تباہی مچا سکتا ہے۔ اور جس وقت وہ اپنے آپ میں آگیا اس وقت وہ ایک معمولی سی چیز کو بھی ہم سے زیادہ ہولناک بنا کر رکھ دے گا۔ اور اسے انکار کرنے والے اپنا سر پیٹ کرہ جائیں گے۔ ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ وہ داور کے دھوکے میں کس کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔“

”وکرم سیٹھ۔ اگر اپن چل کر اس سالہا برناڈ کو تباہ دے تو کیا برناڈ اسے مار نہیں دے گا۔ کیونکہ ایسا آدمی لوگوں کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”ہاں۔ ہو سکتا ہے کہ برناڈ کی سمجھ میں میری بات آجائے۔“ وکرم نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ غلطی سے کس کو اٹھا کر لایا ہے۔ تو وہ کبھی بسمارک کو ہلاک کر دے۔ لیکن اس کے لیے مجھے خود ہی بڑا ڈاکہ جانا ہوگا۔ میرے گئے بغیر کام نہیں بنے گا عبدالہ۔“

”اپن بھی تمہارے ساتھ چلے گا۔“

”کہوں نہیں۔ تم بھی میرے ساتھ رہو گے۔ اور اس دوران داور کی سیس رہا نہیں ہوگی۔ تم اس کی طرف سے بے فکر رہنا۔ وہ اب کہیں نہیں جائے گا۔ اور ہاں۔ تم ابھی کوئی بات بتانے والے تھے۔ وہ کیا بات تھی؟ تم داور کے لیے کچھ کچھ رہے تھے۔“

”اپن یہ بول رہا تھا کہ سیٹھ تم سالہا اس بلیک کیٹ والوں سے کیوں نہیں بوجھتا۔ داور کو لانے والا تو وہی لوگ ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہ لوگ داور کو کہاں سے لایا تھا۔“

”یہ تم نے ٹھیک کہا۔“ وکرم خوش ہو گیا۔ بہت اچھا مشورہ ہے تمہارا۔ بلیک کیٹ والے تو میرے ذہن سے مل ہی گئے تھے۔ میں آج ہی اس کے ایک خاص آدمی کو پکڑوا کر لایا ہوں وہ پھر سب کچھ بتا دے گا کہ داور کو کہاں نے کہاں سے تلاش کیا اور وہ اس سے کیا کام لینا چاہ رہے تھے۔ پھر میں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ داور کی اصلیت سے واقف ہیں یا نہیں۔“

عبدالہ خاموش رہا۔ وکرم نے اسی وقت روشن کو بلا کر اسے حکم دیا کہ وہ فوری طور پر بلیک کیٹ کے کسی آدمی کو پکڑ لائے۔ عبدالہ بڑی حیرت سے اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جو ایک بڑا آدمی تھا۔ لیکن اس کے سینے میں وطن کے لیے بہت اچھے جذبے تھے۔ مجھے لوگ کسی بھی نیت کے مالک ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی حرکتوں سے اپنے ملک کو چاہے خود تباہ کر دیں۔ لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی دوسرا ان کے ملک کو تباہ کرے گی کی کوشش کرے۔ لیکن عبدالہ کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب سیاسی بائیں

ہوا کرتی ہیں اور سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا وہ تو صرف اتنا جانتا تھا کہ اسے اور اس کے دوست داہ کو زندہ رہنا چاہیے۔ چاہے کسی طرح بھی ہو۔

روشن نے ایک آدھی گھنٹہ کے اندر میں بہت پھرتی کامیاب ہر گیا تھا۔ عبدال اس کی کارکردگی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ایک قوی بیل آدھی تھا جس کے چہرے پر بہت گہنی موچیں تھیں۔ مگر کچھ ہی آدھی اسے دھکے دیتے ہوئے وکرم کے سامنے لائے تھے۔ لیکن اس کی درشت مزاجی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ کسی شہر کی طرح خراب تھا جیسے دھوکے سے فائدہ کر دیا گیا ہو۔

”یہ وولف ہے باس، روشن نے وکرم کو بتایا۔ پھر ٹپے کی صفت رکھتا ہے۔ اسی لیے اسے وولف کہا جاتا ہے۔ یہ بلیک کیٹ کا خاص آدھی ہے۔“

”بیٹھ جاؤ وولف، وکرم نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا پھر روشن کی طرف دیکھا، ”متم اتنی جلدی اسے کہاں سے لے آئے؟“

”اس کا فلیٹ قریب ہی ہے باس، روشن نے کہا۔ میں بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کا تعلق بلیک کیٹ سے ہے۔ آج اپنے حکم دیا تو میں اپنے آدمیوں کو لے کر اس کے فلیٹ پہنچ گیا۔ اس کی بد قسمتی سے کہ اس نے ہماری دستک کے جواب میں دروازہ کھول دیا اور ہم اسے یہاں لے آئے۔“

”اس حرکت پر تم سبھی کو کچھنا پڑے گا۔ وولف غرایا۔ تم اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اپنے ہتھیار چھپ کر مجھ سے مقابلہ کر لیں۔“

”تم نہیں جانتے کہ تم اس وقت کس کے سامنے کھڑے ہو؟ روشن نے وکرم کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ہمارے باس سیٹھ وکرم ہیں۔“

پھر ایسا ہوا جیسے صابن کا جھاگ بیڑ لگا ہوا۔ وکرم کے نام میں کیا تاثر تھا؟ وولف اپنی غائب ہجول گیا وہ اب کسی خوفزدہ خرگوش کی طرح دکھائی دینے لگا تھا۔ ”معاف کرنا تجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سیٹھ وکرم ہیں۔“ وہ وکرم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ میں نے صرف آپ کا نام سنا تھا۔ اسی لیے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ وکرم نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔“

کرشن ساگر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے وہ طوفان نانی اس آدھی کے کہنے پر دوبارہ اس عمارت میں واپس آ گیا تھا جہاں برناڈا اس کے آدھی اور ڈاکٹروں کی پوری ٹیم مع زخمی کے موجود تھے۔ اس کی گمشدگی اور واپسی کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تھا۔ شاید ان لوگوں نے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اسے طوفان کی ہمت اور جد سے زیادہ بڑی ہوئی خود اعتمادی پر مبنی بھی آ رہی تھی۔ اس نے یہ جانتے ہوئے بھی کرناڈا کی پوری ٹیم موجود ہے۔ برناڈا کو چیلنج سمجھا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس زخمی کو مردہ دیکھنا چاہتا ہے۔ آخر کیوں ایک زخمی سے لیے خطرناک شخص کی کیا دشمنی تھی وہ اس زخمی کو مردہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ طوفان کس طرح برناڈا اور اس کے خونخوار ساتھیوں کا مقابلہ کر سکے گا۔ اسی قسم کے کئی سوالات لیے وہ اس عمارت میں واپس آ گیا۔ اور یہاں ایک بیل بچی ہوئی تھی۔

یہ بیل اس کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس زخمی تھی جو مکمل طور پر ہوش میں آ گیا تھا اور ڈاکٹروں کی پوری ٹیم اس کمرے میں موجود تھی کھڑے بھی اسی کمرے تھا اور برناڈا بھی مریض کو ہوش میں دیکھنے کے لیے اس کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی حیرت انگیز قوت ارادی اور زندگی سے قیمت اسے موت کے دروازے سے واپس لے آئی تھی۔

ڈاکٹر کرشن ساگر بھی اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں سب کے سب مریض کو کھیرے میں بے ہوش تھے۔ حالانکہ ڈاکٹروں کے نزدیک یہ بات غلط تھی مریض کے کمرے میں اتنی بھیڑ نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اس وقت وہ سب اتنی ہی جوش ہو رہے تھے کہ انہیں اصول کی بھی پروا نہیں رہی تھی۔

زخمی اپنے بستر پر جھٹ لپٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں نہ صرف کھلی ہوئی تھیں۔ بلکہ ادھر ادھر دیکھ بھی رہا تھا۔ لیکن ان آنکھوں میں کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ نہ خوف کے نہ جہت کے اور نہ ہی اپنے اوپر گردنے والی لکچڑوں کے۔ وہ بالکل بے بس آنکھیں تھیں۔ خالی خالی اور غیر متعلق سی۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ لرز رہے تھے جن سے لے کر لپٹ قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اتنا ہی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ

پروں کو بھی جھپٹ دے سکتا تھا۔ میڈیکل سائنس نے اس زخمی کے سلسلے میں ایک ناقابل تصور کارنامہ کر رکھا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے ڈاکٹر؟“ برناڈا نے اچانک کھڑے کو مخاطب کیا۔ ”جو کچھ بھی کہ رہا ہو اس وقت اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کھڑے مریض کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کا ذہن ابھی تک سنبھل نہیں پایا ہے۔ لیکن جس طرح یہ اپنی زندگی کی طرف لوٹنے اسی طرح اپنے ذہن کی طرف بھی لوٹ آئے گا۔ بس کچھ دنوں کے بعد اس کے ذہن سے غبار چھٹا شروع ہو جائے گا۔ اور یہ ذہنی طور پر بھی درست ہو جائے گا۔ میں اور کسی کے سلسلے میں ایسا بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن یہ ایک حیرت انگیز انسان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے کس طرح اپنی موت پر فرخ پائی ہے۔ ایسا شخص زیادہ دنوں تک ذہنی طور پر غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر؟“ برناڈا نے ابی گردن ہلائی۔ ”میں تم لوگوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تم نے واقعی ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔“

”ہم نے ایک مریض کی خدمت کی ہے۔“ ڈاکٹر اظہار نے کہا۔ اس خدشے سے بے نیاز ہو کر تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ میں رہائی نصیب ہوتی ہے یا نہیں ہوتی آجاتی ہے؟ ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارے سامنے ایک مریض تھا اور ہم نے اپنے پیشے کے تحت اپنا فرض ادا کیا ہے۔“

”گھبراؤ نہیں۔ تم لوگوں کو رہائی مل جائے گی۔ ہمارے لئے سکرٹے ہوئے کمرے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“

”میں یہ جانتا ہوں کہ ایک دفعہ سو باقی سب لوگ اس کمرے سے باہر چلے جائیں۔“ ڈاکٹر کھڑے نے ان بھجوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مریض کے پاس بھیڑ نہیں ہونی چاہیے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ برناڈا نے کہا۔ اور سب سے پہلے وہی اس کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد دوسرے ڈاکٹر بھی باہر آ گئے۔ ڈاکٹر کرشن بھی ان میں ہی شامل تھا اسے برناڈا نے طوفان کے بلے میں بات کرنی تھی۔ اسی لیے اس نے گوریڈو میں برناڈا کو آواز دے کر روک لیا۔ ”کیا بات ہے ڈاکٹر؟“ برناڈا نے اس کی آواز پر جھپٹتے ہوئے پوچھا۔ ”کوئی خاص کام ہے کیا؟“

”ہاں بہت ہی خاص کام ہے۔ کرشن نے کہا۔ میں

ایک آدھی کا پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا یہاں کس آدھی کا پیغام آ سکتا ہے؟“

”اس آدھی کا نام طوفان ہے۔“ کرشن نے بتایا۔ کم از کم اس نے اپنا نام بھی بتایا تھا۔

”طوفان؟“ برناڈا کا منہ کھلا رہ گیا۔ ”طوفان؟“ اس نے گوشی کی۔ وہ اچانک بے پناہ خوفزدہ معلوم ہونے لگا تھا۔ گویا طوفان کا۔ یہ کہنا صحیح تھا کہ اس کا نام کم از کم کرناڈا کی حالت خراب ہو جانے کی اور واقعی اس کی حالت غیر ہوئی تھی۔ کیا کہتے ہو وہ۔ وہ یہاں کیسے آ گیا۔“

”میں یوں ہی پھلتا ہوا تھی جسے کی طرف چلا گیا تھا۔“ جناب کرشن نے کہنا شروع کیا۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ تو وہ ایک درخت کے عقب سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ وہ بہت ہی بھرتا آدھی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایک لمبے میں مجھے قابو میں کر لیا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ میں واپس جا کر آپ کو یہ پیغام دے دوں کہ آپ اپنے آدمیوں کے ساتھ فوراً اس عمارت کو خالی کر دیں۔ ورنہ وہ پوری عمارت کوتاہ کر کے رکھ دے گا۔

”بہی کہا تھا اس نے؟“ برناڈا نے خوف بھری نظر میں سرگوشی کی۔ اس نے یہی کہا تھا کہ کیا حلیہ تھا اس کا؟

”کرشن نے اسے طوفان کے حلیے اور اس کے لباس سے آگاہ کر دیا۔“

”ہاں۔ بالکل وہی۔ وہی ہے۔“ برناڈا خوف بھرے انداز میں اپنے سر کو جھپٹنے لگا۔ اب مجھے یہاں سے جانا ہوگا ہر حال میں یہ عمارت خالی کرنی ہوگی۔ ورنہ۔۔۔“

کرشن حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ برناڈا جیسے آدھی کا یہ خوف اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کے پاس تو بے پناہ دماغ تھے۔ دولت تھی۔ خونخوار لڑاکوں کی۔ پوری ایک جہاں اس کے ساتھ تھی۔ ہر قسم کے اسلحے بھی ان کے پاس موجود تھے۔ اس کے باوجود صرف ایک آدھی سے اتنا دہشت زدہ ہو رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اس نے ابھی تک برناڈا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ طوفان اس زخمی کو ہلاک کرنے آیا تھا یہ خبر سن کر تو مجھے اس کی اور کیا حالت ہو جائی کرشن بھی یہ بات چھپا گیا تھا۔

”اب کیا ہوگا؟“ برناڈا نے دونوں کو ملنے لگا تھا۔ ”بیو بہت برا ہوا۔ وہ یہاں بھی آ گیا۔ اب میں کیا کروں عمارت کس طرح خالی ہو سکتی ہے؟“

وہ اس انداز سے اپنے آپ سے گفتگو کر رہا تھا جیسے اس نے کرشن کی موجودگی کو فراموش کر دیا ہو۔ طوفان کے خوف نے اس کے حواس کلم کر دیئے تھے۔

”میرے لیے کیا حکم ہے جناب؟ کرشن نے اسے غفلت کیا؟ ہم لوگ کیا کریں؟“

”اوہ تم! برناڈ نے اس طرح چونک کر کرشن کی طرف دیکھا جیسے اسے پہلی دیکھ رہا ہو۔ پھر پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا: تم اپنے ساتھیوں کو بتا دو کہ وہ یہاں سے نکلنے کے لیے ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ اور باہر مریض کو کبھی بڑی احتیاط کے ساتھ اس عمارت سے باہر نہ نکالنا ہے۔ اس کی دوائیں اور تمام ضروری سامان بھی ساتھ جائے گا۔“

”میں ایک بات چاہتا ہوں جناب۔ کہ آخر صرف ک کوئی نے آپ کو اتنا خوفزدہ کیوں کر دیا ہے؟ آپ اپنے لوگوں سے کہیں وہ اسے پکڑ لیں گے جس طرح ہمیں پکڑ لائے تھے؟ ہمیں تم یہ نہیں جانتے، تم جاؤ اپنے آدمیوں کے پاس۔ میں اپنے آدمیوں کو یہاں سے چلنے کے لیے کہہ دیتا ہوں جلدی کرو۔“

برناڈ کی بوکھلاہٹ قابل دید تھی۔ کرشن کی حیرت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ برناڈ جیسے آدمی کا اگر صرف طوفان کا نام نہ کر یہ حال ہو رہا تھا تو نہ جلتے طوفان علیٰ طور پر کیسا ہو گا؟

برناڈ اس کے بعد کرشن کے پاس نہیں بٹھرا۔ بلکہ وہ دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ شاید وہ اپنے آدمیوں کو خبردار کرنے کے لیے گیا تھا۔ کرشن کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا پھر ڈاکٹروں کو صورتحال سننے آکا کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکٹر لو اپنے اپنے کمرے میں تھے۔ لیکن ڈاکٹر ٹھٹھا صاحب اس نے بھی کے پاس تھے۔ جواب مکمل طور پر ہوش میں آچکا تھا۔ کرشن، مارگے جلدی جلدی ان دونوں کو ساری بات بتا دی۔ وہ دونوں بھی یہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ لگے تھے ”آخر اس شخص میں ایسی کون سی بات ہے جس نے برناڈ کو اتنا بے حواس کر دیا ہے؟“ گھٹنے کے کھانے

”یہی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس نے موت کو سامنے دیکھ لیا ہو۔ اس نے فوری طور پر تمام ڈاکٹروں کو ایک جگہ جمع کر دیا جو جانے کو کہہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مریض کو کبھی اس عمارت سے ہٹا لینا چاہتا ہے۔“

”اس کا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے، مریض کی حالت اس قابل کہاں ہے کہ اسے حرکت دی جاسکے۔ وہ تو اس طرح اس کی جان لے لے گا۔“

”یہ میں نہیں جانتا۔ اس کا یہی کہنا ہے۔ اس نے کہنے کے مریض کے ساتھ ساتھ ضروری دوائیں اور دیگر سامان بھی عمارت سے باہر نکال لیا جائے۔ کرشن نے بتایا ”اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقع پر ہم لوگوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ ڈاکٹر اٹھرنے کہا کیا ہم لوگ برناڈ کا ساتھ دیتے ہوئے بے عمارت خالی کر دیں یا ہمیں بیٹھے کر طوفان کا انتظار کرتے رہیں جو واقعی طوفان ثابت ہو رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم لوگوں کو برناڈ کی بات ماننے سے انکار کر دینا چاہیے؟ اسے اس مریض سے دلچسپی ہے تو اس مریض کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ہم لوگ اس طوفان کو صورتحال سے آگاہ کر دیں گے۔ اور ویسے بھی وہ طوفان برناڈ اور اس کے ساتھیوں کے لیے آہستہ ہے۔ ہم لوگوں سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟“

”یہ تم ٹھیک کہتے ہو؟“ گھٹنے نے بھی اس کی تائید کی۔ ہم کیوں اس چکر میں نہ پڑیں؟ لیکن کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہو جائے کہ اگر ہم نے برناڈ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو ہمارے ساتھ اس کا کیا رویہ ہو سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اسے آدمیوں کو ہمیں ہلاک کرنے کا حکم دے دے؟ ”ہاں۔ یہ خطہ ادنیٰ جگہ موجود ہے۔“ اٹھرنے نے کہا۔ لیکن اس سے پہلے ہم کیوں نہ یہ معلوم کر لیں کہ یہ طوفان آخر کونسا خطرناک ہے؟

ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ برناڈ بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

”چلو۔۔ چلو جلدی کرو۔ وہ اپنے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ تم لوگ باہر جاؤ۔ میں نے اس مریض کو منتقل کرنے کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ ہمارے آدمی اس مریض کو اوپر اس کے ساتھ دوسری طرہری چیزوں کے یہاں سے نکال لیں گے۔ تم لوگ اس کی فکر مت کرنا۔“

”آخر تمہیں ہو گیا ہے؟“ گھٹنے نے برناڈ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم اتنے ہیرانے ہوئے کیوں ہو۔؟“

”تم لوگ باہر آؤ۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

برناڈ نے کہا: تمہیں یہ اندازہ نہیں کہ طوفان کس چیز کا نام ہے۔ آؤ باہر آ جاؤ۔“

وہ تینوں باہر آ گئے۔ باہر آنے کے بعد انہیں معلوم ہوا دوسرے ڈاکٹروں کے علاوہ برناڈ نے اپنے سسٹمز میں بھی میدان میں جمع کر رکھا تھا۔ ان ڈاکٹروں کی طرح برناڈ دوسرے آدمیوں کو بھی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ نے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے چاہے تھے۔ ان میں سے کئی ایسے تھے جنہوں نے یہ سن لیا تھا کہ ایک باہر کسی طوفان نانی آدمی کی وجہ سے اس قدر نشان زدہ ہے۔ وہ اب برناڈ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں اس طوفان سے محفوظ لینے کی اجازت دی جائے۔

”تمہیں؟“ برناڈ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مخاطب کیا۔ ”میں تم لوگوں کو خودکشی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ طوفان سے مقابلے کا مقصد یہ ہو گا کہ تم اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا فائدہ کر لو۔ تم میرے اپنے ہو۔ اسی لیے میں نہیں چاہوں گا کہ کسی کا کوئی نقصان ہو جائے۔ اس نے ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم جلد از جلد اس عمارت کو خالی کر دیں اسی لیے مارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم وہی کریں جو ہم سے کہا گیا ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو یہ ہمارا ہی حافق ہوگی۔“

”آخر یہ سلسلہ کیا ہے جناب؟“ ایک ڈاکٹر نے برناڈ سے دریافت کیا۔ ”تم ایک شخص کی وجہ سے اس قدر ہلے ہوئے کیوں ہو؟“

”ٹھیک ہے۔“ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں یہ بتا دیتا ہوں۔ کیونکہ تم لوگوں کو بتائے بغیر میں اس عمارت کو خالی بھی نہیں کر سکتا۔ میں اس سے انتہائی بے بس ہو گیا ہوں۔ خیر قوت بات یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص اس طوفان کا کچھ نہیں لگاؤ سکتا۔ اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ اس نے برناڈ کے ایک آدمی نے کہا۔ ”خود ایک انسان ہے۔ کوئی بلا تو نہیں ہے۔“

”تم اسے بلا ہی سمجھ لو۔“ برناڈ ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کے اندر ایک حیرت انگیز خونی ہے اور وہ خونی یہ ہے کہ تمہاری گولیاں اور تمہاری تلواریں وغیرہ اس کا کچھ نہیں لگاؤ سکتیں۔ تم چاہے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دو۔ اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ یقین نہ کرنے والی آواز سن کر ایک مہرے سے دوسرے مہرے تک سب ہی سرگوشیاں کرتے تھے۔

”میں تم سے اسے کہہ رہا ہوں۔“ برناڈ نے کہا۔ ”میں کوئی پاگل یا دیوانہ نہیں ہوں۔ جو اس قسم کی باتوں پر یقین کر لوں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا مظاہرہ میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔“

”آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔“ برناڈ نے ڈاکٹر گھٹنے سے مخاطب کیا۔ ”تم تو ایک ان ہوئی بات کر رہے ہو۔“

”حالانکہ میرے پاس تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے۔ لیکن میں یہ تفصیل ضرور بتاؤں گا۔ تاکہ تم لوگ بھی یوں صدی کے ایک بہت بڑے تجربے کے بارے میں جان سکو۔“

برناڈ نے کہا: ”میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بھی طوفان کی لگائیں ہماری طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ وہ یہ دیکھ رہا ہو گا کہ ہم کہاں تک اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ میں اپنے آدمیوں کو اس عمارت سے باہر اس لان میں سمیٹ کر لے آیا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری یتھ ٹھیک ہے۔ میں اس کے منہ سے یہ عمل کر رہا ہوں۔ اسی لیے شاید میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں تم لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے طوفان کے بارے میں بتا دوں۔ تاکہ تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میری پریشانی بلاوجہ نہیں ہے۔ وہ ایک انسان ہے۔ لیکن اس کی مصروفی طور

پر غلطی بھی کی گئی ہے۔ ایک بار ایک زمین سائنسدان نے اس پر تجربہ کیا تھا کہ اسے لافانی کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ سائنس دان نے اس شخص کی حیائیں میں اضافہ کر دیا۔ پھر اس کے جسم کے اندرونی نظام میں کئی تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس کے بعد اس کے متعدد آدرش کئے گئے۔ جن میں اس شخص کے جسم کو الیکٹرونک کا بنانا گیا۔ بتا نہیں کیسے کیسے تجربوں کے بعد وہ شخص ایک ایسی بلا بن گیا جس پر گولیاں اور ہتھیار وغیرہ کوئی اثر نہیں کر سکتا۔ میں یہ غلط نہیں کہہ رہا ہرے خوف کی بھی وجہ سے کہ ہم لوگوں کو مارتا رہے گا اور ہم اس کا کچھ نہیں لگا سکیں گے۔ ” یہ بالکل ناممکن بات ہے برناؤ نے کھتے کہا اور انسان کا نظام اتنا نازک ہوتا ہے کہ وہ بیرونی کسی چیز کو اپنے اندر قبول نہیں کر سکتا۔

” شاید تم نے س سائنسدان کا نام نہیں سنا جس نے اس شخص پر تجربہ کیا تھا۔ اس کا نام بسمارک تھا۔ اپنے عہد کا سب سے بڑا سائنس دان۔ اس نے مسلسل دس برسوں تک اس شخص پر تجربات کیے۔ ایک دو دن کی بات نہیں بنتی۔ مسلسل دس برس، ہر تجربے کے بعد دیکھا جاتا تھا کہ اس شخص کے رویے میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ کوئی خرابی ہوتی تو اسے دھک دیا جاتا۔ تمہارے سامنے جو زخمی ہے وہ بھی اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ طوفان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ بیہوش و سرسوں کے بعد وہ ایسا ہو گیا کہ انسان اسے مار نہیں سکتا تھا۔ ہر کوئی اس کے ذریعے بہت دولت حاصل کی۔ وہ اس کے ذریعے بینکوں میں ڈاکے ڈالوا کرتا تھا۔ یہ شخص بے خوف ٹھس جاتا اور سب کچھ ٹھس کرتے آتا۔ جبکہ وہاں موجود لوگ اور پولیس اس کا کچھ نہیں لگا پاتی تھی اس پر گولیاں برساتیں جاتیں اور یہ مسکراتا رہتا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک دن یہ شخص خود بسمارک ہی سے ماری ہو گیا۔ یہ ظاہری طور پر باقی ہو کر بسمارک کے سامنے تو نہیں آیا لیکن اس نے بسمارک کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں۔ بسمارک اس سے اتنا تنگ آ گیا کہ اسے ملک چھوڑنا پڑا۔

” لیکن آپ کو کیسے معلوم کہ یہ وہی آدمی ہے برناؤ ہی کے کسی آدمی نے اس سے بلوچھا۔ یہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔

” نہیں یہ وہی ہے اور میں بھی جانتا ہوں کہ وہ یہاں

کیوں آیا ہے؟ برناؤ نے کہا بسمارک نے اسے اس کا نام دیا تھا۔ اسلوم یعنی طوفان، تو یہ طوفان اب مردوں پر آگیا ہے۔ ہمارے ہتھیاروں کے باوجود اسے کچھ نہیں لگا سکیں گے اور یہ ہمیں مار کر ملامت لگا۔ اس نے عمارت خالی کرنے لیے کہا ہے تو ہمیں کی بات مانی ہی ہوگی۔ ورنہ دوسری صورت میں ہمارا منظر ہوگی۔

” کیا اس شخص کو کسی طرح ختم نہیں کیا جاسکتا کسی نے سوال کیا۔

” کیوں نہیں۔ لیکن اس کی طاقت کو ختم کرنے صرف بسمارک کے پاس تھا۔ برناؤ نے بتایا یہ طوفان بھی اس راز واقف ہے۔ اسی لیے وہ کبھی بذات خود بسمارک کے سامنے نہیں آیا بلکہ درپردہ سے لٹھ پہنچاتا رہا ہے۔ اس کے آدمیوں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔ ” کیا وہ تم سے واقف ہے برناؤ؟ ” کھتے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

” ہاں۔ وہ مجھ سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ برناؤ نے جواب دیا۔ ” آج میں ایک اور راز کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ انکشاف یہ ہے کہ میں اور بسمارک ساتھ تھے۔ ایک دوسرے کے سامنے کام کیا کرتے تھے پھر بسمارک میرے خلاف ہو گیا۔ اور مجھے اپنی جان پر کھانچا پڑا۔ کیونکہ میں کسی بھی طرح اس کی ذہانت اس کے وسائل کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح طوفان بھی مجھے جانتا تھا اسی لیے وہ میرا عقبہ کرتا ہوا یہاں تک آپہنچا ہے۔

” طوفان آخر تم سے کیا چاہتا ہے۔؟

” وہ جو کچھ چاہتا ہے۔ وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ برناؤ نے کہا۔ ” میری بدقسمتی یہ ہے کہ وہ زخمی ابھی تک بلوچے جو اس میں نہیں آسکا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت نہیں ہوتی تو طوفان کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ طوفان کے رُخ کو پھیر سکتا تھا۔ کیونکہ طوفان کی ہلاکت کا مارا صرف اسی کے پاس ہے۔

” کیا مطلب؟ ” ایک وقت بہت سی آوازیں گونجیں۔

” ہر ترے کہ اس وقت میں اس کے بارے میں بھی بتا دوں۔ برناؤ نے ایک گہرا سانس لی۔ یہ زخمی وہی

راک ہے۔ وہی مایہ ناز سائنس دان جس نے پوری پاپر حکمرانی کا خواب دیکھا تھا۔ اور خود بے بس ہو کر لیتا ہے۔ لیکن اس کا ذہن کسی وقت بھی جاگ سکتا ہے۔ یہی وقت بھی اس کا ذہن میدان ہوگا۔ اس وقت پوری یا کو ایک قیامت کا سامنا کرنا ہوگا۔

” لڑو اس بسمارک کے لیے ٹھوم رہے ہو۔ کھتے نے تلخ لہجہ میں کہا۔ تم نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ درست ہے کہ وہ بے حد ذہین ہے۔ لیکن اس کی ذہانت بے جا کر سکتی ہے۔ تمہارے ہی کہنے کے مطابق وہ مت نازل کر سکتا ہے۔ لیکن تم نے تو ہمیں کوئی اور ہی انسانی مانتی تھی۔

” ہاں۔ اس وقت میں نے غلطی سے اسے انوکھا تھا۔ اس نے اسے داور سمجھا تھا۔ کیونکہ ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ وہ داور کو کسی طرح ایک خاص قبیلے تک پہنچا دیں۔ ہمیں اتنی دولت دی جائے گی جو تصور میں نہیں آسکتی۔ اس وقت میں نے سامنے اسے انتظامات کر لیے بے غماض بہت خرچ کی۔ اور وہ سب کچھ کیا جو تم لوگوں کے سامنے ہے۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ زخمی نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ لیکن یہ کوئی اور کون ہے؟ میں اپنی قوت ارادی کہاں سے آئی کہ دھجکتاں مچانے کے باوجود زندہ ہے۔ پھر اچانک یہ انکشاف آیا کہ یہ زخمی بسمارک ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب طوفان کی آمد نے بھی اس کے بسمارک کے لیے نقصان ہی کر دی ہے۔

” تو یہ طوفان یہاں کس لیے آیا ہوگا؟ ” ایک نے دریافت کیا۔

” بسمارک کو ہلاک کرنے، ” برناؤ نے جواب دیا۔

” اگر ایسا ہے تو پھر اس آدمی کو عمارت خالی کر دینے کا حق ہے۔ وہ تو جب جی چاہے عمارت میں داخل ہو کر بسمارک کو ہلاک کر سکتا ہے۔

” یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ زخمی بسمارک کو کھلے میدان میں لے آئیں۔ اور وہ ہمیں پھب کر بسمارک کی طرف کھینچتا ہے۔ اسے ہم لوگوں کی کوئی پروا نہیں ہے اسے مل خوف سونے ہوئے غریب سے ہے۔ تم لوگوں نے نکال دیا۔ وہ دیکھا ہوگا۔ وہ شیر کوئی گولیاں مار دیں گے باوجود

مطمئن نہیں ہوتے۔ انہیں اس کے حملے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اسی لیے وہ اگر اس کے قریب بھی جاتے ہیں تو بہت ڈرتے ڈرتے۔ بہت ہوشیار ہو کر یہی حمل طوفان کا ہے۔ وہ دیکھ لینا چاہتا ہے کہ بسمارک کی وہی حالت ہے جو اس نے سنی ہے یا اس نے غلط سنی ہے۔ جب اسے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ بسمارک واقعی حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس وقت وہ اطمینان سے بسمارک کو ہلاک کر دے گا۔ وہ اسی لیے ہم سب کو کھلے میدان میں لانا چاہتا ہے۔

” برناؤ کی باتیں سب کی سمجھ میں آگئی تھیں۔ خود کرشن بھی سمجھ گیا تھا کہ طوفان نے عمارت خالی کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ وہ اس زخمی کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ ” میری سمجھ میں ہے نہیں آیا ہونا کہ جب تمہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ زخمی کون ہے تو پھر تم نے اس کی اتنی حفاظت کیوں کی۔ تم بسمارک کو کیوں بچانا چاہتے ہو؟

” سیدھی سی بات ہے ایک امید کے لیے۔ ” اس نے جواب دیا۔ ” اور وہ امید یہ ہے کہ شاید اس طرح بسمارک میرے ساتھ ہو جائے۔ صحت مند ہونے کے بعد وہ میری خدمات کا اعتراف کرے۔ اور اس اعتراف کے طور پر وہ اپنی صلاحیتیں میرے فائدے کے لیے وقف کر دے۔ اگر وقف نہ بھی کرے تب بھی کم از کم وہ اتنا فائدہ ضرور پہنچا سکتا ہے کہ میری آئندہ نسلیں تک فراغت کی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ بہت ہی چھوٹا اور کھٹا سا منصوبہ ہے، لیکن یہی حقیقت ہے کہ یہی سوچ کر میں نے بسمارک کا علاج کروایا تھا۔ لیکن اب سب کچھ فضول ہے۔ میں اسے ہلاک ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ اگر وہ خود تندرست ہوتا تو شاید اب تک طوفان کو اپنے راستے سے ہٹا چکا ہوتا لیکن اب وہ بھی اپنے بکاؤ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے میرے لیے اب سب سے بہتر یہ ہے کہ میں بسمارک کو کھلے میدان میں لے جا کر خود دونوں اور خود یہاں سے چلا جاؤں۔ تم سمجھو کوئی نہ کر ڈاکٹر حضرت میری طرف سے اب آواز نہیں۔ وہ جہاں چاہے جاسکتے ہیں۔ اب ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں نے یہ بادی نفاذ بیجا بتی تھی۔ لیکن طوفان کی آمد نے مجھے ہرا دیا ہے۔ میری طرف سے تم سب لوگ جاسکتے ہو۔ کہیں بھی چلے جاؤ۔

” سب کے سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ شک

خردہ ہوا اس شخص کا تھا جس نے اپنی گردن اگڑانے رکھی تھی۔ جو زمین پر پاؤں نہیں رکھتا جس نے کھانے کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے تھے۔ لیکن ان خوابوں کی تعبیر بہت بھانک بھانک ہونے والی تھی۔ وہ اب ایک بہت معمولی انسان بن گیا تھا۔ اور صرف ایک شخص کی وجہ سے اسے تباہ کرنے کے لیے کوئی فوج نہیں آئی تھی صرف ایک آدمی آیا تھا۔ اور اس نے بازی ہلک دی تھی۔

وہ سب کے سب اس عمارت کو خالی کرنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ہر ایک بھاگ دوڑ میں لگ گیا تھا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر اس عمارت سے سامان نکال نکال کر باہر لا رہے تھے۔ ایک اسٹرچر پر زخمی لہلہا کو بھی اٹھا کر لے آیا گیا تھا۔ جسے عمارت کے باہر والے ایک میدان میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس وقت برنا ڈاؤر اس کے ساتھیوں کی توجہ کسی پر نہیں تھی۔ برنا ڈاؤر طوفان کے بارے میں بتا کر اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو گئے تھے ان کی بس یہی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح جہاں سے نکل لیں۔ طوفان نام کے اس شخص کا گرجہ دوڑ دوڑنگ کوئی بتا نہیں تھا۔ لیکن اس کی دہشت ہر طرف پھیلی ہوئی غصوں ہو رہی تھی۔ اگلا تو یہی کہ وہ عالم تھا کہ سماج کی طرف سے بھی ان کی توجہ ہٹ گئی تھی۔ وہی شخص جس کے علاج کے لیے انہوں نے آسمان زمین ایک کر دیا تھا۔ اب وہی ان کی توجہ سے بے نیاز ایک کھلے میدان میں اسٹرچر پر بٹھا ہوا تھا۔ صرف ڈاکٹر دھتے ڈاکٹر اظہر اور ان کے ساتھی ڈاکٹر تھے جنہوں نے اس اگلا توڑی کے وقت بھی اسے گھیر رکھا تھا۔

”اب ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے سر“ کرشن ساگنے ڈاکٹر دھتے سے سوال کیا۔

”ہم اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں کہ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اتفاق سے ہمیں آزادی مل گئی ہے اور ہمیں اس کا فائدہ اٹھالینا چاہیے“

”مجھ میں نہیں آتا کہ برنا ڈاؤر جیسے شخص نے ہماری طرف سے اپنی توجہ کیوں ہٹائی ہے“

”ظاہر ہے کہ اب ہمارا کوئی مصروف نہیں رہا۔ اس نے ہمیں زخمی کے علاج کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ اور جب زخمی ہی کے بارے میں اسے یقین ہو گیا ہے کہ اس کی

موت آنے والی ہے تو ہمارا مقصد ہی ختم ہو گیا۔ وہ بڑا بھرم ہے۔ اور جب کوئی بڑا بھرم بارمان لیتا ہے تو کہہ ہی حالت ہوتی ہے۔ وہ دو کوڑی کا ہکرہ پاتا ہے۔ اس وقت برنا ڈاؤر بھی دو کوڑی کا ہکرہ لگیا ہے۔ خوش قسمتی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

”مجھ میں نہیں آتا کہ صرف ایک شخص ڈاکٹر اظہر بڑا پایا۔ یہ تو بالیدنگ انسان جیسی بات ہوئی جس کوئی اختیار بھی آخر نہیں کر سکتا۔“

”کہانیوں اور حقیقت کے درمیان بہت کم فاصلہ ہوا کرتا ہے ڈاکٹر اظہر ڈاکٹر دھتے نے کہا۔ اب میرا منہ ہے کہ آپ لوگ اپنا وقت ضائع نہ کریں اور یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ ابھی اور اسی وقت“

”تو آپ بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہے ہیں نا کہ“

”جو بڑا ڈاکٹر نے پوچھا۔

”نہیں۔ میں اس زخمی کے ساتھ رہوں گا۔ کھتے نے جواب دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ داؤد ہے یا اسماعیل۔ یا کوئی اور ہے۔ میرے نزدیک صرف یہ ایک زخمی ہے اور اس کا علاج اور دیکھ بھال میرا فرض ہے۔“

”کمال کہتے ہیں ڈاکٹر ابھی“ اظہر نے کہا۔

”برنا ڈاؤر جیسا آدمی اپنے ساتھیوں کو لے کر طوفان کے ڈر سے اس زخمی کو چھوڑ کر بھاگ رہا ہے تو پھر آپ کس طرح اس کی حفاظت کر سکیں گے اس کے ساتھ رہنا سولے حماقت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔“

”لیکن میں یہ حماقت ضرور کروں گا۔ کھتے نے پھر زور دیتا ہوا۔ لولا اور میں ایک سٹریڈ ڈاکٹر ہوئے کی حیثیت سے تم لوگوں کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔“

ڈاکٹر اظہر اور دوسرے ڈاکٹر ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے کہ اس میدان میں اچانک گولیاں کی آوازیں گونج اٹھیں۔

”شنو بلراج اور اقبال بڑی طرح جھپٹتے تھے۔ جو بان لے انہیں اس بڑی طرح ٹپکنے میں جھٹلا تھا کہ نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ شخص ان کی طرف سے مطمئن ہی نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اسے اتفاق نہیں ہو گیا تھا کہ یہیوں اس کے برابر اسٹیشنوں سے اتفاق نہیں رہتے۔ اس کے باوجود انہیں رہا کرنے کے لیے تیار

نہیں تھا۔ وشنو نے جس انداز میں ساگا جیسے شخص کو دیکھا۔ اس انداز سے جو بان کو شائر لوگیا تھا اس کے باوجود اس نے اپنے آدمیوں کو لاکر یہ حکم دیا تھا کہ ان تینوں کو قید کر دیا جائے۔ اس وقت اس نے بلراج کے کہنے پر بلراج جیلنگ بھی کر دیا تھا کہ وہ لوگ اس کی قید سے نکل کر دکھاؤں ان تینوں کو ایک ہی مقام پر بند کیا گیا تھا۔ یہ بھی اس کے اعتماد کی دلیل تھی۔ گویا وہ انہیں بے باور کرنا چاہتا تھا کہ وہ تینوں مل کر اس کا کچھ نہیں لگا کر سکیں گے۔

بلراج اور اقبال تو اس وقت بستر پر بیٹھے تھے جبکہ وشنو بڑی بے تانی سے نکل رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ صرف سوچ رہا تھا۔

”باس اس بار تو تم بہت بڑی طرح جھپٹے ہو بلراج نے کچھ دیر بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہمارا یہاں سے نکلنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے بلراج“ وشنو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”تم جب چاہے یہاں سے نکل سکتے ہیں جو بان نے مجھے میں غلطی کی ہے۔“

”وہ کس طرح“ اقبال نے جلدی سے پوچھا۔

”میلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے لیے یہاں سے نکلنا کیوں مشکل ہے“ وشنو نے دریافت کیا۔

”اس کی وجوہات تو سامنے ہیں“ اقبال نے کہا۔

”پہلی اور سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ہم نپتے ہیں۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صرف تین ہیں جبکہ جو بان کے آدمیوں کی تعداد کسی طرح بھی سو سے کم نہیں ہوگی اور سب کے سب مسلح تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی کوٹھری میں بند کیا گیا ہے جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اتنے تو خوراک تھے۔ جو ہماری بودیاں توجہ لیں گے۔ ہم انسانوں سے توجہ سکتے ہیں۔ لیکن ان سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔ ان کے علاوہ ہم ایسی جگہ میں ہیں جو بھول بھلیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اس کوٹھری سے نہیں نکل سکتے۔“

”بالکل یہی باتیں میرے ذہن میں بھی ہیں“

بلراج نے کہا۔ ”یہی دشواریاں ہمارے راستے میں ہیں اب تم سناؤ تم کیا کہتے ہو؟“

”تم لوگوں کا کہنا بالکل صحیح ہے۔ یہاں واقعی اتنی ہی دشواریاں ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے باوجود ہمارے لیے یہاں سے نکلنا مشکل نہیں ہے۔ میں نے تم جیسے لوگوں کی قیادت کی ہے۔ تم مجھے باس کہتے ہو۔ اسی لیے یہ مناسب نہیں معلوم ہونا کہ میں تم لوگوں کے ہاتھ کسی حقیر چوہے کی طرح کسی چترے میں بے بسی سے قید رہوں۔ میں نے اب تم لوگوں کے ساتھ یہاں سے نکلنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں یہاں اب تک صرف اس لیے تھا کہ یہ دیکھ لوں کہ جو بان کتنے ہے اور اس کے دشمن کون ہیں ان کے وسائل کیا ہیں۔ لیکن یہ معاملہ آسانی سے سلجھتا نظر نہیں آتا۔ خود اس چترے میں ہماری منزل بھی گھو گئی ہے۔ اسی لیے ہمارا اب یہاں سے نکلنا ہی بہتر ہے۔“

”اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو باس تو پھر کھجک ہی ہو گا۔ بلراج یقین نہ کرنے والے انداز میں بولا۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ یہاں سے نکلنے کے کس طرح“

”سب سے پہلا مرحلہ تو اس کوٹھری سے نکلنے کا ہے۔ اقبال نے کہا۔ ”یہ اپنے کار دروازہ اتنا مضبوط ہے کہ ہم اگر دس برس بھی کوشش کرتے رہیں تو اس کو توڑ نہیں پائیں گے اس میں جتنا لڑ لگایا جائے اس کی جانی جو بان کے پاس ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ مسلح بہریدار بھی۔ پھر خوراک تھے کھڑے ہیں۔ ان سب دشواریوں پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔“

”بڑی آسانی سے“ وشنو مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں علی مظاہرہ کر کے دکھاتا ہوں۔“

”وہ دونوں حیرت سے اسے باس کی طرف دیکھنے لگے۔ ویسے ان دونوں کو اس شخص کی صلاحیتوں پر بھرپور سمجھا وہ جانتے تھے کہ یہ شخص نالین کوٹھن مانے کا ہنر جانتا ہے۔ وشنو نے ان کے دیکھنے ہی دیکھتے ہوئے کے دروازے پر زور سے دستکیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ دیکھتا بھی جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد باہر کی طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔

”کیا بات ہے کیوں شور کر رہے ہو۔“

”تم اپنے سردار کو ہلا کر آؤ۔ ان سے ایک ضروری بات کرنی ہے“ وشنو نے کہا۔ ”جلدی کرو۔ وہ بات تمہارے سردار کے فائدے کے لیے ہے۔“

”لیکن اس وقت قورات ہو چکی ہے سردار آرام کر رہے

ہوں گے۔

”کچھ بھی ہوا نہیں جا کر بتا دو۔ ورنہ بعد میں جو ہوگا اس کی ذمہ داری تم ہی لوگوں پر عالم ہوگی۔“
”ٹھیک ہے۔“ دوسری طرف سے کچھ سوچ کر کہا گیا۔
”میں مردار کو جا کر بتا دیتا ہوں۔ اب آئیں یا آئیں یہ ان کی مرضی۔“

کوٹھری سے باہر خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ شخص مردوں کو بلانے کے لیے جلا گیا۔ دشمنوں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”جانی کا مسئلہ تو حل ہونے والا ہے۔ یعنی چوہان اگر یہ دروازہ کھول دے گا۔ اب میری بات ذرا غور سے سن لو۔ چوہان کے آتے ہی تم لوگ سانس روک لینا اور جتنی تیزی کے ساتھ یہاں سے نکل کر دوڑ سکتے ہو دوڑ لینا لیکن یاد رہے کہ سانسیں نہیں لینی ہیں بس سانسیں بند کیے ہوئے دوڑتے چلے جانا ہے۔ سمجھ گئے؟“

ان دونوں نے اس کی بات سمجھی ہو یا ابھی ہو لیکن جلدی سے ایسی گردیں ہلا دیں۔ ان کے پاس نے انہیں ایک حکم دیا تھا ان کے لیے یہی بہت مختصر دشمنوں دونوں کو بچھا کر دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا جبکہ یہ دونوں اس کی ہدایت کے مطابق سانس روک کر دوڑ لگنے کو لگا

تیار ہو چکے تھے۔ بالآخر باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ دروازہ کھلا اور چوہان اندر گیا۔ اس کے اندر آتے ہی دشمن نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف جھٹکا دیا اور نرسے چلایا: ”دوڑو۔“

ان دونوں نے اپنی سانسیں روک لیں اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ان کا خیال تھا کہ کسے سے باہر آتے ہی بہر مدار ان سے اٹھ جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بہر مدار موجود تو تھے لیکن ان سے لکھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے آپ کو بے ہوش ہونے سے بچانے کے لیے لیکن وہ بے ہوش ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اقبال اور بلراج دوڑ رہے تھے اور بہر مدار اور دوسرے لوگ بے ہوش ہو کر گرے جا رہے تھے۔ اس وقت ان کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اس واقعے پر حیرت کا اظہار کر سکتے۔ انکی نگاہوں کے سامنے ایک ان ہونی ہو رہی تھی۔

انہوں نے اپنے عقب میں دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ وہ دونوں ہی بیک وقت مڑے۔ دشمن بھی دوڑتا چلا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ ان

دونوں کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ سانسیں سینے میں گھٹی ہوئی تھی۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ سینہ بھٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا بہر مدار کو بے ہوش ہونے دیکھ کر انہیں خوشی تو ہوئی تھی لیکن بے ہوش اذیت نے خوشی کے احساس کو کم کر دیا تھا وہی سے نکل کر یہ دونوں باہر آ گئے جہاں کتنے حصار خانے موجود تھے۔ اور یہی اصل مرحلہ تھا۔ لیکن یہاں بھی صورتحال مختلف نہیں تھی۔ کتنے بھی بہر مداروں کی طرح ایسی آبی جگہ اس طرح لڑھکے ہوئے تھے جیسے انہیں اس چانگ موت نے آسپا ہو۔ یہ دونوں ان کو توں کو پھلانگتے ہوئے چوبلی کے مرکزی گیٹ کی طرف دوڑ پڑے۔ اب دشمن بھی ان کے قریب آچکا تھا اور اپنے ہاتھ سے مسلسل دوڑنے سے ہٹے کا اشارہ کیے جا رہا تھا۔

ان کے لیے کہیں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کوئی نہیں تھا جو ان کا راستہ روک سکتا وہ گیٹ سے بھی باہر نکل آئے اور دشمنوں کے باطل قریب پہنچ گئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک طرف لڑھک گیا وہ دونوں بھی زمین پر لڑھک گئے تھے۔

نجانے وہ سب کتنی دیر تک اسی طرح زمین پر لیٹے اپنے سانسوں کو بحال کرتے رہے تھے۔ سیدھ دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرے تھے۔ ذہن میں سنسنی، رنگ نالی تھی۔ ہاتھ بہروں سے جان لگی جا رہی تھی۔ کچھ عجیب کیفیت تھی۔ اتنی دیر تک سانس روک کر دوڑنے کا تجربہ انہوں نے پہلی بار کیا تھا کچھ حیرت انہیں ہوش آیا ان کے اعصاب بحال ہوئے تو کچھ اجد دیگرے اٹھ بیٹھے سب سے پہلے دشمنوں کی کھڑا ہوا تھا اس کے بعد وہ دونوں کھڑے ہوئے۔ اذیت بھرے لے گر رہے تھے اور اب حیرت نے ان کی زبانیں لنگ کر دی تھیں۔ وہ دونوں دشمن کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے کسی آسیب کو دیکھ رہے ہیں۔

”سب کہا تھا باس؟ بلراج نے سوال کیا۔“ کیا ہوا تھا ان لوگوں کے ساتھ؟ تم نے ان کے ساتھ کیا کر دیا۔“
”میں نے کہا تھا کہ ہم جب چاہے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ تو دیکھ لو کہ ہم نکل آئے۔“ دشمن نے کہا۔

”یہ تو ٹھیک ہے باس۔ لیکن آخر اس طرح؟“
”زہریلی گیسوں کے ذریعے۔“ دشمن نے جواب دیا۔

”زہریلی گیس؟“

”نہم انہیں بے ہوش کر دینے والی گیس بھی کہہ سکتے ہو۔“ دشمن نے بتایا۔ ”میں شاید نہیں معلوم کہ میں اس قسم کی چیزیں ایسے پاس رکھتا ہوں۔ جو بظاہر بے ضرر نظر آتی ہیں۔ لیکن ان کی تباہ کاریاں بہت وسیع ہوتی ہیں۔ ساگا والے معاملے میں تم نے دیکھ لیا ہوگا۔ اسی طرح میرے پاس زہریلی گیسوں کے کپسول تھے۔ جو دیکھنے میں عام کپسولوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان کی تباہ کاریاں بہت دور تک ہوتی ہیں۔ وہ کپسول کہ اگر کم دس فرلانگ کے دائرے میں موجود ہر جاندار کو بے ہوش کر سکتے ہیں۔ اس کا مظاہرہ تم نے دیکھ لیا ہوگا۔ یعنی ایک مقام پر اگر ان کپسولوں کو بھجوا جائے تو اس کے ارد گرد دس فرلانگ تک دیکھتے ہی دیکھتے ہر جاندار بے ہوش ہو جائے گا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور خطرناک ایجاد ہے۔ میں نے اسی لیے تم لوگوں کو تاکید کر دی تھی کہ تم اپنی سانسیں بند کر کے دوڑو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تم بھی بے ہوش ہو کر لڑھک چکے ہوئے۔“

”واہ باس۔ یہ تو مال ہے۔ لیکن تم نے ان کپسولوں کو پھانسا اس طرح؟“

”بہت آسان طریقہ ہے۔ بس چنگی سے مسل دینا پڑتا ہے۔ اور وہ اپنا کام دکھانے لگتا ہے۔ جس طرح تم نے دیکھ لیا ہے۔“

”باس اگر گیٹ؟ بلراج نے آگے بڑھ کر دشمن کا ہاتھ چوم لیا۔“

”میری تعریف کے بجائے یہاں سے نکلنے کی سوچو۔“
دشمن نے کہا: ”ایک گھنٹہ کے بعد کپسولوں کا اثر نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔ اور وہ لوگ ہوش میں آنے لگیں گے ہوش میں آتے ہی وہ لوگ ہمارا تعاقب شروع کر دیں گے۔ ہمیں انسانوں کی اتنی ہر دانت نہیں ہے لیکن تم ان کے ساتھ نہیں۔ اصل خطر ان کی طرف سے ہے۔“

”لیکن ہم جائیں گے کس طرح باس؟“ اقبال نے پوچھا
”جو کہ تو سمجھ سکتی ہو۔ یہاں سے نکلنے کا لہجہ تو دکھائی ہی نہیں دیتا۔“

”میں نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھی ہیں۔“ دشمن نے کہا: ”اور اس اندھیرے میں بھی وہ درہ تھے۔ یاد ہے جہاں سے ہمیں یہاں لایا گیا تھا۔ اس دسے تھے نکلنے کے بعد پھر وہاں سے لیے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“
بلراج اور اقبال ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

یہ دونوں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود دشمن کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ایک بے مثال آدمی تھا۔ بے پناہ بہادر، طاقتور، زار و دہیں۔ اس نے سچ ہی کہا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ اس کی آنکھیں واقعی کھلی رہتی تھیں۔ ورنہ وہ اتنی بڑی تنظیم کا مالک نہیں ہوتا۔ ان کا سپر پھر شروع ہو گیا۔ گرچہ رات کا وقت تھا لیکن دشمنوں کی آنکھیں بن گیا تھا۔ وہ اس طرح جلا جا رہا تھا جیسے مدتوں سے یہیں رہنا آیا ہو اور یہ دونوں اس کی نقیبہ کر رہے تھے۔ راستہ بہت ہی چڑیج تھا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ تمام راستے میں درخت اور جھاڑیوں کے ایسے سلسلے تھے جو ایک ہی طرح کے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں بھٹکنے کا اور آخر میں موجود تھا۔ لیکن دشمن جیسے اندھیرے میں بھی روشنی آنکھیں لیے جا رہا تھا۔ بالآخر کئی گھنٹوں کے سوکے بعد یہ تینوں وہ درہ عبور کر گئے جس کے ذریعے وہ چوبلی کے علاقے میں داخل ہوئے تھے۔ اب ان کے سفر کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

”بہت بہت مبارک باد باس۔ بلراج نے کہا: ”تم ہمیں دسے سے باہر لے گئے ہو۔ ہم چوہان کے چنگل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔“

”ہاں۔ لیکن شاید تم لوگوں کو یہ احساس نہیں ہو سکا ہوگا کہ میں نے راستہ گم کر دیا تھا؟“ دشمن نے کہا۔ ”ابھی لیے اس دسے تک پہنچنے میں اتنی دیر لگ گئی۔ ورنہ ہمیں بڑھ بہت پہلے ہی کلاس کر لینا چاہیے تھا۔“

”خیر جو ہو اسو ہوا۔ اب یہ بتائیں ہمیں کیا کرنا ہے؟“ اقبال نے پوچھا۔

”چلتے رہنا ہے۔“ دشمن نے جواب دیا۔ ”کیونکہ اب تک چوہان اور اس کے آدمیوں کو ہوش آ گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے تعاقب میں چل پڑے ہوں۔“

”اب تو چلنے کی ہمت نہیں ہے باس۔ بلراج نے کہا: ”چلتے چلتے حالت خراب ہوئی ہے۔“

”وہ تو ہے۔ لیکن ہمارے بیڑہ جلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم انہیں خود تک پہنچنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ بلکہ وہ صرف بے ہوش ہونے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس آدمیوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ جو سب کے سب جدید اسلحوں سے لیس ہیں۔ ہم لاکھ بہادر اور ہوشیار بھی ہیں۔ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھ لینا چاہیے کہ ہم اتنے آدمی

کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہوش میں آنے کے بعد چوہان غصے سے بھڑک رہا ہوگا۔

لیکن یہ بات گہری، جی باس یا بلراج نے کہا۔ یہاں اتنا رہ کر کیا فائدہ ہوا۔ ہمیں یہ بھی نہیں پتا چل سکا کہ یہ چوہان آخر ہے کون۔ یہ چاہتا کہ یہاں اس نے ہمیں کبوں قید میں رکھا سوا تھا۔ اس کے دشمن کون ہیں؟

ہاں، اس شخص نے خواجواہ ہماری منزل کوئی روٹی وٹو غصے سے بولا۔ درناں تک ہم ان لوگوں تک پہنچ چکے تھے۔ ہمارا وقت بھی بہت ضائع ہو گیا ہے۔ یہ حال اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنا ہے اور ہم نئے سفر سے اپنا سفر شروع کر رہے ہیں؟

یہ لوگ پھر چل پڑے۔ اونچے نیچے راستوں سے ہوتے ہوئے ان کا سوجاری رہا۔ پھر بہت دوزخ لگنے کے بعد ایک محفوظ مقام پر وٹو نے انہیں رک جانے کے لیے کہا۔ وہ لوگ نڈھال ہو کر گر پڑے تھے۔ ان کے قریب وٹو بھی بیٹھ گیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے ہر خطے سے بے نیاز ہو کر اپنے پاؤں پھیلا دیے۔ بنام تختن نے ان پر نیند مسلط کر دی۔ بہت جلد انہیں نیند آ گئی۔

سو کر وہ دوسری صبح ہی اُٹے۔ میدان ہمارے تھے۔ رات خیریت سے گزر چکی تھی۔ کوئی خطرہ ان کے قریب نہیں آیا تھا۔ دن کی روشنی انہیں یہ بتا رہی تھی کہ وہ اس جگہ پہنچ چکے ہیں۔ جہاں سے جہازوں کے ایک سلسلے کے بعد انہوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

اب ہم سڑک تک آچکے ہیں باس؟ بلراج نے خوش ہو کر کہا۔

ہاں، وٹو نے ابی گردن ہلا دی۔ ہم یہاں سے واپس جاسکتے ہیں۔ لیکن اس ناکا می کا مجھے احساس ہے۔ گائیڈ کو اس سفر نے سولے پریشانیوں کے اور کچھ بھی نہیں دیا ہے۔

وہ لوگ پھر آگے بڑھ گئے۔ لیکن زیادہ دیر نہیں چلے ہوں گے کہ اچانک کچھ لوگوں کی آوازوں نے انہیں بڑی طرح چونکا دیا۔

تو وہ بوڑھا اس طرح اچانک سامنے آ گیا تھا جیسے کوئی آسیب چلا آیا ہو۔

وہ تینوں ہی خشک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ ان کی منزل کوئی نہ ہوگی ہے۔ مشعل

بردار لوگ چلے آ رہے تھے۔ بوڑھا ان کے سامنے ٹھہرا۔ ان کے لیے فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ ان کی ساری فکرت بے کار تھی۔ ساون کا دل چاہا کہ وہ اس بوڑھے پر ٹکر کر اسے راستے سے ہٹا دے۔ وہ اہل کرور بوڑھا تھا اور ساون بڑی آسانی سے اس پر قابو پا سکتا تھا۔ لیکن بوڑھے نے شاید ساون کا یہ ارادہ بھانپ لیا تھا۔ اسی لیے وہ جلدی سے بولا۔

”تم شہری لوگ فیصلہ کرنے میں بہت جلدی کرتے ہو اور بعد میں پکھلتے رہ جاتے ہو۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ساون نے اس کی طرف دیکھا۔

”تمہیں اس طرح ہمارے ڈیرے سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی بالہ؟“ بوڑھے نے کہا۔ ”کیا تم لوگوں کو ہم پر ہمسوس نہیں تھا؟ ہم تجاے غریب تھے۔ لیکن جب ہم کسی کو بناہ دیتے ہیں تو پھر اپنی بروراء نہیں کرتے۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہمارا اپنا کیا نقصان ہو رہا ہے۔ ارے تم لوگوں نے اپنے تمہو سے بھانپنے سے پہلے ہم سے پوچھ کر لیا ہوتا۔ ہم کو بتا دیتے۔“

”کیا بتاتے تم کو؟“ ساون پھٹ پڑا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے کہ تم نے ہم لوگوں کا سو ذرا کہا ہے۔“ وہ قوف ہو کر بوڑھا جلدی سے بولا۔ ”بھلے ماں! سودا کرنے کیلئے کچھ لوگ آئے تھے۔ لیکن تم نے ذرا ہم سے بھی قوروجہ لیا ہوتا کہ ہم نے تمہارا سودا کیا یا نہیں؟ اگر ہم نے تو تم لوگوں کی خاطر اپنے اس بیٹے کو بھی مار دیا ہے جو ہماری روایت کے خلاف جارہا تھا۔“

”کیا؟“ ان تینوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو بالہ؟“

”خشک کہہ رہا ہوں،“ بوڑھے کی آواز بھاری تھی۔ ”لو دیکھ لو۔ یہ لوگ تمہارے پیچھے نہیں آ رہے ہیں بلکہ اس کا گریا کر م کرنے آ رہے ہیں۔“

وہ تینوں سناٹے میں رہ گئے۔ مشعل بردار جلوس ان سے کچھ فاصلے پر آ کر گر گیا تھا۔ لوگ ایک دائرہ بنا کر گھومنے لگے تھے۔ یہ لوگ شاید اپنی روایت کے مطابق اس کا گریا کر م کرنے آئے تھے۔ ساون کو علم نہیں تھا کہ بوڑھے نے کس طرح اپنے بیٹے کو ہلاک کیا ہوگا۔ لیکن وہ تصور کی کہ اس سے دیکھ رہا تھا کہ رات کا وقت ہے۔ بوڑھے کا بیٹا اپنے اپنے تمہو سے لکل کر چوری چوری اس شخص کے ٹھکانے کی

طرف جارہا ہے جس نے ساون لا جو تھی اور سٹاک اطلاع دینے والے کو انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر چلا ہوگا کہ بوڑھا اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ بوڑھا اسے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے سمجھانا ہے۔ لیکن چوہان نہیں مانتا۔ اس کا موقف ہے کہ گھر آئی کشتی کو ٹھکانا نہیں چاہیے۔ اس پر بوڑھا لطیف میں آ جاتا ہے۔ اس کی غیرت اسے اسکاٹے ہے اور وہ اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کا خون کر دیتا ہے۔ کس کے لیے ہائے لوگ کے لیے جو اس کے لیے بالکل اجنبی ہیں۔ جنہیں اس نے پہلے بھی نہیں دیکھا۔

”اب تم لوگ چلے جاؤ۔“ بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں ساون کو مخاطب کیا۔ ”میں یقین دلاتا ہوں کہ اب کوئی تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔ لیکن تم ہمارے ڈیرے واپس نہیں جاسکتے۔ میں کب تک اپنے آدمیوں کو قابو میں رکھوں گا؟ یہی کاکیا بھروسہ؟ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تمہارے خلاف ہو جائیں۔ پھر میں زندگی بھر مشندر رہوں گا۔ اب چلے جاؤ تم لوگ۔“

وہ تینوں سناٹے میں رہ گئے۔ روایت کی یا سدا کی کا یہ انداز انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک انوکھی مثال ان کے سامنے آئی تھی۔ وہ تینوں کچھ دیر تک عجیب سی نگاہوں سے اس بوڑھے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آگے بڑھ گئے۔ بوڑھا اپنے آنسوؤں کو پونچھتا ہوا مشعل بردار لوگوں کی طرف چلا گیا تھا۔

”چلو“ ساون نے ان دونوں سے کہا۔ ”ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔“

وہ تینوں پھر آگے بڑھ گئے۔ ان سے ایک غلطی یہ ہوئی تھی کہ انہوں نے بوڑھے سے دریافت نہیں کیا تھا کہ انہیں کس سمت سڑکنا ہے۔ افزائری میں ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی۔ اور اب انہیں بخانے کنڑا طویل سڑک نام تھا۔ تختن نے ان کے جسموں کو لوڈ دیا تھا۔ لیکن جب مجبوریاں منہ کھولے سامنے کھڑی ہوئی تو پھر تختن کی پروا نہیں کی جاتی۔ انہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ رات اس ڈیرے میں گزار کر دوسری صبح تازہ دم ہو کر اپنا سفر بھر شروع کر دیں گے۔ لیکن انہیں رات گزارنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی تھی۔

رات ہی کو ان کے ساتھ ایسا حادثہ پیش آیا تھا کہ انہیں اپنا سفر پھر سے شروع کرنا پڑا تھا۔

ساون کو ابھی طرف سے کوئی پریشان نہیں تھی۔ لیکن سدا دونوں لوگوں کا تھا۔ جو چلتے چلتے لوٹنے لگے تھے۔ ان کے اعصاب جواب دہ تھے۔ جارہے تھے۔ تاروں کی روشنی میں راستہ پوری طرح واضح دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ خابہ وٹو کے مشعل برداروں کی روشنیوں دوڑے سدا کی طرح جھلکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ جو لمحہ پہلے مدح ہوئی جانی تھیں۔ بوڑھے نے انہیں وہاں سے روانہ کر کے مشعل بردار کا ثبوت دیا تھا۔ ورنہ قبیلے والے ان کے خلاف کچھ بھی کر سکتے تھے۔ بوڑھے کے بیٹے کی موت کی ذمہ داری انہوں نے ان تینوں پر عائد کر دی ہوگی۔ سدا

کو کھانا نام کی لڑکی کا خیال آنے لگا۔ جو اس نوجوان کی محبوبہ یا منگیت تھی۔ جس نے ان تینوں کو دشمنوں کے حوالے کر کے روپے حاصل کرنے کے خواب دیکھے تھے۔ اور اب اس کی لاش برہین کر رہی ہوگی۔ پھر وہ آدی کوں تھا۔ جو ان تینوں کا سوداگر رہا تھا۔ اسے ان لوگوں سے کیا دلچسپی تھی۔ وہ آدی کوں کو لڑا جو جتنی کی فلم ریونٹ کا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ انوب کار کے ہونے کا بھی امکان نہیں تھا۔ وہ کوئی اور ہی تھا۔ بہر حال وہ جو کوئی بھی تھا ان کا دوست نہیں تھا۔ اب صبح ہونے والی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں بہت تنہا چکی تھیں۔ وہ چل کیا رہی تھیں اپنے آپ کو کھینٹ رہی تھیں۔ اس کے باوجود بدنامی ہوئی تھی صبح نے ان کے حوصلے بڑھا دیے۔ روشنی خوف کے احساس کو کمر دیا کرتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ روشنی ہوتے ہی ان میں زندگی کا نیا حوصلہ دار ہو گیا تھا۔

”شکر ہے کہ آجالا دیکھنے میں آیا۔ لاجوتی نے آسمان کی طرف گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر ساون سے غافل ہوئی۔ کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ہم کتنی دور نکل آئے ہوں گے؟“

”نہیں“ ساون نے جواب دیا۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا حالانکہ میں ایسے ہی علاقوں کا رہنے والا ہوں۔ لیکن یہاں آکر میں سمجھتا ہوں کہ اندازہ نہیں لگا پایا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی اتنا ہی سہارا ملے گا تو اب جا کر نام کسی سرگرم پریسنگ پائیس گے۔“ ربتا نے کہا۔

”تمہیں یہ اندازہ کس طرح ہو گیا؟ لاجوتی نے پوچھا۔“

”سیدھی سی بات ہے۔ اگر تم کسی سرگرم کے قریب ہوئے تو کوئی نہ کوئی آتا جاتا ہوا ضرور دکھائی دے جاتا۔ یا کسی گاڑی کی اولاد ضرور آتی۔ لیکن یہاں تو سوائے ویرانی اور سانپوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ہم لوگ اس علاقے میں نکل آئے ہیں؟“

وہ لوگ کچھ دیر کے لیے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی جگہ پر بیٹھ کر سو جائیں۔ لیکن بلند ہوتے ہوئے سورج کی کرکٹیں بڑی بے رحم ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے علاوہ اب انہیں بھوک اور پیاس کا کھانا بھی تنگ کرنے لگا تھا۔ انہوں نے ڈھیر سا وقت بغیر کچھ کھانے کو تلاش کیا اور اس دوران چلتے بھی نہ تھے جاتے کتنی دیر تک۔ یہ عجیب سی بات تھی کہ جب پریشانیوں میں ہوں تو وقت کا احساس بھی نہ ہوتا ہے۔

کچھ بتا بھی نہیں چلتا کہ لے گزر گئے یا صدیاں گزری ہیں ان کے ساتھ کبھی یہی ہو رہا تھا۔ سفر کچھ اوسط ہو گیا۔ ان کی تھکن کچھ اور بڑھ گئی لیکن ابھی کسی بھی منزل کا کوئی واضح نشان ان کے سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ اب ایسے علاقے سے گزر رہے تھے جہاں اپنے اپنے درخت تھے۔ ان درختوں کے درمیان چھاپا سے بچھے ہوئے میدان تھے۔ ان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

پھر اچانک ساون حلقہ چلتے رک گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا تھا۔

”نیوں۔ کیا بات ہے۔ لاجوتی نے گھبرا کر پوچھا۔“

”میں کچھ آوازیں سن رہا ہوں۔“ ساون نے بتایا۔

ان دونوں کو بھی وہ آوازیں آنے لگی تھیں وہ آوازوں کے تپیں کرنے کی آوازیں تھیں جو سامنے والے درختوں کے ایک جھنڈ کے عقب سے آرہی تھیں۔

”بھاگوں جانے یہ کون لوگ ہیں۔“ ربتا بڑبڑاتی ہو کر ایسا نہ ہو کر وہی۔“

”ہو سکتا ہے۔“ ساون نے گردن ہلا دی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور ہوں۔ تم لوگ اب اس کے سامنے روک۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔ اگر یہ وہی لوگ ہوں تو ظاہر ہے کہ ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑے گا اگر یہ کوئی اور لوگ ہوں تو ہمیں مدد مل جائے گی۔“

ربتا اور لاجوتی وہیں کھڑی رہیں۔ ساون درختوں کے اس جھنڈ کی طرف بڑھ گیا جس کے عقب سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ان کی نگاہوں سے آدھل ہو گیا تھا۔ لیکن کچھ دیر بعد وہ واپس آتا ہوا دکھائی دے لگا۔

”نہیں۔ یہ کوئی اور لوگ ہیں یا اس نے پہلا انکشاف دوا کر لیا ہے۔ اور اس وقت وہ لوگ جاوڑ کی کھال والے ایک بہریدار کی لاش کے پاس کھڑے ہیں۔“

”اوہ یہ بتا جو کچھ اچھی۔“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم لوگ وکٹر کے علاقے کی طرف آئے ہیں۔ کہیں یہ لوگ اسی کے آدی نہ ہوں۔“

”نہیں وہ کوئی اور ہیں۔“ ساون نے بتایا۔ میں نے چھب کر ان کی پائیں سن لی ہیں۔ جانوروں کی کھال والے آدی کی لاش کے ساتھ ساتھ ایک اور آدی کی بھی ان کے پاں بیٹھا ہے جو بری طرح زخمی معلوم ہوتا ہے۔ میں اسے دیکھ

تو نہیں سکا۔ لیکن ان کی بالوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی ران میں درخت کی کوئی شاخ پیوست کر دی گئی ہے۔ اور یہ کام ساگانے کیا ہے۔“

”یہ تو میں نہیں جانتا۔“ ساون نے جواب دیا۔ لیکن یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ وکٹر کے آدی نہیں بلکہ کوئی اور ہیں۔ اسی لیے بہتر ہو گا کہ ہم ان کے پاس پہنچ جائیں۔“

ساون کے اس فیصلے کے لیے مزید کوئی بحث کی گئی نہیں تھی۔ اسی لیے یہ تینوں درختوں کے اس جھنڈ کی طرف چل دیے۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے آوازیں اور واضح ہوتی جا رہی تھیں پھر وہ لوگ درختوں کے عقب سے نکل کر ان لوگوں کے سامنے آگئے۔ درختوں کے عقب والے لوگ ان تینوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک آدی تیزی سے آگے بڑھا اور ان کے قریب پہنچ گیا۔

”کون ہو تم لوگ۔“ اس نے ساون کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہم بڑی مشکلوں سے یہاں تک پہنچے ہیں۔“ ساون کی بجائے لاجوتی نے جواب دیا۔ ہمیں قید کر لیا گیا تھا۔“

”وہ آدی جو کچھ کہتا ہے لاجوتی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کیا آپ میرا مطلب ہے آپ کی شکل۔“

”ہاں۔“ لاجوتی کے ہونٹوں پر ایک پھسکی مسکراہٹ آئی۔ میں لاجوتی ہوں۔ طبعی اداکار۔“

اس دوران باقی لوگ بھی ان کے قریب آگئے تھے۔

”میں پیرو بیز کال ہوں۔ ڈی ایس بی۔ پیرو بیز کال۔“

پیرو بیز کال کے ساتھ ٹیل اور پینٹی نے بھی لاجوتی کو پہچان لیا تھا۔ وہ سب ہی اس ملاقات پر بہت حیران ہوئے تھے۔ ٹیل اور پینٹی نے لاجوتی اور ربتا کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ جبکہ پیرو بیز نے ساون کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ وہ سب وائیں درخت کے پاس بیٹھ گئے۔ اس دستان وہ شخص موت اور زندگی کی کشمکش سے آزاد ہو چکا تھا جس کی ران میں درخت کی ایک شاخ پیوست تھی۔ پیرو بیز اس کے ساتھ بیٹھنے والے ان لوگوں کے سامنے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں رکھ دیں تھیں۔

کھانا کران تینوں کی جان میں جان آگئی تھی۔ اتنی پریشانیوں کے بعد انہیں آرام کے لیے حاصل ہوئے

تھے ہاں اب بتاؤ۔ پیرو بیز نے ساون سے پوچھا۔ تم لوگوں کے ساتھ کیا گزری ہے؟“

ساون نے انہیں اپنے قید سے کرا لاجوتی اور ربتا کے ساتھ فرار کے واقعات بتا دیے۔ وہ سب بڑی حیرت سے ان کی کہانی سنتے رہے تھے۔

”اوہ۔ تو اب یہ معاملہ صاف ہو گیا کہ جانوروں کی کھالیں پہنا کر ان لوگوں کو یہاں کیوں رکھا گیا تھا؟“

”ہاں۔“ ساون نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”اس کا مقصد ان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا کہ دیہاتیوں کو اس علاقے سے دور رکھا جائے۔“

”تو منشیات تیار کرنے والی فیکٹری اس علاقے میں ہے۔“ ٹیل نے پوچھا۔

”ہاں۔“ ساون نے جواب دیا۔ اور اس وقت وہاں بہت کم لوگ ہوں گے۔ کیونکہ زیادہ تر اس قافلے میں شریک ہیں جو ہمارے قبیلے تک جا رہا ہے۔“

”تم لوگوں کی آمد نے ہماری بہت سی باتیں دور کر دی ہیں۔“ پیرو بیز نے کہا۔ ان لوگوں کے خلاف ہم نے بڑھ کر اور کسی کو بھی کاٹا نہیں سکتا تھا۔ یہاں سے اپنے ٹرائیڈ کے ذریعے مزید لٹری طلب کر لیتا ہوں۔ مجھے خصوصی اختیار دیے گئے ہیں۔ میں اگر چاہوں تو ان لوگوں کو پکڑنے کے لیے پورے ہندوستان کی پولیس سے بھی کام لے سکتا ہوں اور بہر حال اس سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ جرم چلے جتنا بھی ہو شیدا اور خطرناک کیوں نہ ہو۔ اسے ایک نایک دن قانون کی گرفت میں آئے۔ اب وکٹر کے ساتھ ساتھ تینوں اس انوب کار کو بھی پکڑنا ہو گا جو لاجوتی کے پیچھے پر لگا تھا اس کی گرفتاری کے بعد کچھ اور معاملات سامنے آئیں گے۔ دراصل ہر جرم کا دوسرے جرم سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔ کسی ایک کو پکڑ لیا جائے تو سارے مسئلے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ ایک کے بعد ایک راز کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کو نئی زندگی اور آزادی مبارک ہو۔ ہمیں یہاں سے شہر روانہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر جب ہم ان لوگوں کو گرفتار کر کے شہر واپس آئیں گے تو ہم لوگ گواہی کے لیے تیار رہنا۔“

”جہاں تک میرا سوال ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔“ ساون نے کہا۔ کیونکہ ان لوگوں کا رخ میرے قبیلے کی طرف ہے۔ اور اپنے قبیلے کو کیا نایم فرض ہے۔

ہاں اگر یہ دونوں چاہیں تو واپس جاسکتی ہیں۔ ویسے بھی ان پریشانیوں نے انہیں بری طرح تھکا دیا ہے۔
پھر یہی طے پایا کہ لاجوئی اور ریشا پٹری کی طرف چلی جائیں۔ جبکہ سادوں کو اس غم کے ساتھ ہی رہنا تھا تو لاجوئی کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ ہی رکھنے والی تھی پرویز نے اپنے آدمیوں کے ذریعے فوری طور پر ان دونوں کو گھر بھیجنے کے انتظامات کروا دیے۔ لاجوئی اور ریشا پٹری چلے جانے کے بعد پرویز نے سادوں سے بلوچھا۔

”کیا تم کسی سالگان یا کسی آدمی سے واقف ہو؟“
”نہیں“ سادوں نے انکار میں گردن ہلادی۔ ”میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔“

”اس شخص نے مرنے سے پہلے ہمیں یہ بتایا تھا کہ وہ ساگا کے خوف سے اس درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن ساگا یہاں بھی اس کا تعاقب کرتا ہوا اپنی اپنی اور اس نے اس آدمی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر درخت کی ایک ٹوکی شاخ پر دوسے مارا کہ درخت کی وہ شاخ اس کی دان میں اترتی چلی گئی۔ اور وہ اس میں آگ کر رہ گیا۔ لیکن اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ساگاناں وہ آدمی نے اپنا طاقتور ہے۔“
”ہاں۔ یہ بات تو ہے۔ لیکن میں نے کوئلے کے آدمیوں میں ایسے کسی آدمی کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ایسا کوئی نام سنا ہے۔“

”آپ یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ جب کوئلے کے آدمیوں نے ان کو ہلاک کر دیا۔ تو پھر اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیوں کر دیا۔ ان بے چاروں کو مارنے کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“
”نہیں ایسا تو نہیں ہے جناب کہ اس علاقے میں کوئی اور پارتی نہیں ہو“ سادوں نے خیال ظاہر کیا۔ ”ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے جانوروں کی کھالوں والے ڈھونڈ کھلا دیے اور ساگاناں ہی لوگوں کا آدمی ہو؟“

”ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔“ پرویز کی آنکھیں جھک چکی تھیں اگر ایسا ہے تو میں اس دوسری پارتی کا بھی پتہ چلا نا ہوگا۔ فی الحال تو ہم انہیں تلاش نہیں کر سکتے۔ نیلم نے کہا ”ہوسکتا ہے کہ وہ دوسری پارتی یہاں سے کسی طرف چلی گئی ہو یا اسے ہم پہلے کوئلے اور اس کے آدمیوں کے پیچھے روانہ ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران وہ لوگ کچھ اور آگے بڑھ گئے ہوں؟“

”نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سادوں کو سنا اور لاجوئی کے جانے کے بعد انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو گا۔“ پرویز سوچتے ہوئے بولا۔ ”کیونکہ سادوں کے لپیٹ و کڑبے کاں ہو گیا ہے۔ اور لاجوئی کے لپیٹ و کڑبے کے نہیں کر سکتے۔ اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ واپس آ رہے ہوں گے کیونکہ ان کی فیکٹری یہیں ہے۔“
”تو پھر اس وقت تک ہمیں کیا کرنا ہو گا؟ سادوں نے بلوچھا۔

”انتظار۔“ پرویز نے جواب دیا۔ ”ان لوگوں کا بھی اہر پولیس کی مزید کمک کا بھی۔ میں ان لوگوں کو نوٹ لکھنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا۔ ہر طرف سے گھیر کر انہیں پکڑا جاتا گا۔ دیکھنا یہ ہے جرم زیادہ ذہین ہوئے ہیں یا قانون۔“
اسی دوران آج ایک ایک طرف سے کچھ لوگ نکل کر ان کے سامنے آ گئے۔ یہ لوگ درختوں کے اسی جھنڈے کے عقب سے نکلے تھے۔ جہاں سے سادوں اور دنیا، لاجوئی کو دلاؤں تھیں۔ ان کی بھی تعداد تین تھی۔ اور ان میں سے ایک بہت ہی قوی سیکل، فڈا اور بھلی تن قوش کا آدمی تھا۔ پرویز اور اس کے ساتھی ان تینوں کو دیکھ کر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ وہ سب گہری نگاہوں سے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر قوی سیکل آدمی کے بڑھتا ہوا بولا۔

”میں نہیں پہچان گیا ہوں۔ قوی سیکل پرویز؟“
”تم کون ہو؟“ پرویز نے اس کی طرف دیکھتے بھستے بلوچھا۔
”وشنو! اس نے جواب دیا۔“ ہو سکتا ہے کہ تم نے میرا نام نہ سنا ہو؟“

”نہیں سن رکھا ہے۔“ پرویز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ”اور تم ہماری ہی تلاش میں اس طرف آئے تھے؟“
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے۔“ وشنو نے اپنی کھنٹھائی میں اس موقع پر تم سے بحث نہیں کروں گا۔ لیکن تمہارے بارے میں کچھ جان لو۔ میں اگرچہ ایک جرم ہوں مگر یہی بدی ایک تنظیم ہے لیکن اپنی زمین اور اپنے وطن کا دشمن نہیں ہوں۔ میں اس کی حفاظت کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں اور کرتا رہا ہوں۔“

”مجھے یہ بھی معلوم ہے۔“ پرویز نے کہا۔ ”تمہارے ساتھ یہ دو آدمی کون ہیں؟“
”میرے ساتھ بلراج اور اقبال۔ ہم لوگ اس طرف جانوروں کی کھالوں والے انسانوں کا پتہ چلانے آئے تھے۔“

”یہ سچی کہ میں کوئلے کی ایک ایسے آدمی کے تعاقب میں تھا جو اس ملک کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن یہاں کریم مراد چوہان نامی ایک آدمی کے پیشگی میں پھنس گئے تھے۔ لہذا بہت معتبر اور معزز نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی گزریا بہت بڑا سر نہیں۔ اس نے ہم لوگوں کو قید کر لیا تھا۔ اس کے پاس بے شمار خطرناک لوگ موجود ہیں جو بوری طرح مسلح ہیں۔ خاص طور پر ان کا ایک آدمی ساگا بہت خطرناک تھا۔“ ساگا پرویز کو جک اٹھا۔ ”ہاں۔ میں یہ نام دوسری بار سن رہا ہوں کیا وہ بہت طاقتور شخص ہے؟“

”نہیں کیسے معلوم؟“ وشنو نے بلوچھا۔
پرویز نے مے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے اس کی گہائی سنا دی۔

”ہاں۔ وہ اتنا ہی طاقتور انسان ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”مے کیا بلکہ تھا۔ وہ میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے، پھر اس نے پرویز کو ساگا سے ہونے والے مقابلے کے بارے میں بتا دیا۔ اسے یہ بھی بتا دیا کہ چوہان کی حویلی میں کیا کچھ ہے۔ اور وہ اس طرح لوگوں کو قید رکھنے کے لیے انتظامات کیا کرتا ہے۔“

”میں یہ سمجھتی ہوں مراد ہم لوگوں کو باقاعدہ ایک بڑے محلے کی تیاری کر رہی ہے۔ نیلم نے کہا۔ اب ایک طرف تو کوئلے اور اس کے ساتھی ہیں اور اب دوسری طرف پرویز چوہان بھی سامنے آ گیا ہے۔ یہ بھی خطرہ ہے کہ خطرناک نہیں معلوم ہوتا۔“

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ پرویز ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جب ہم اس علاقے میں پولیس بھجوا دیے تو یہاں کوئی رہے نہیں تو چوہان کو بھی کیوں چھوڑا جائے جہاں تک وشنو اور ان کے ساتھیوں کا تعلق ہے۔ تو ان کے لیے عدالت فیصلہ کرے گی۔ لیکن اتنا ضرور ہو گا کہ اس کے ساتھ اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہیں جنہوں نے خطرناک جرموں کو کرنا شروع کیا ہے۔ میں ہماری مدد کی تھی۔“

وہ ایک بحری جہاز تھا جس کے ایک کیمپ میں دوا اور عبدل دونوں موجود تھے۔
دوا کو اس وقت سوراہا تھا جبکہ عبدل اس کے سامنے والی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ دوا ہوا ہوا تھا۔ زندگی واقعات بہت تیزی سے رونما ہوئے تھے۔ زندگی

کھلی ہوئی کتاب کی طرح عبدل کے سامنے تھی۔ کیسے حیرت انگیز واقعات تھے۔ وہ حیرت سے جھاسے اور دوا نے ایک ساتھ سر کیے تھے۔ کیسے کیسے کردار تھے جو ان کی زندگی میں داخل ہوئے اور غائب ہو گئے۔ کچھ لپکے ہوئے تھا۔ اور اب یہ لوگ ایک نئے جرم کے ایک نئی دنیا کی طرف سفر کر رہے تھے۔

عبدل اور دوا کو جس وقت برناڈ کے پاس پہنچے اس وقت دوا نے غیب افرا تفری جی ہوئی تھی۔ برناڈ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے طوفان نامی شخص نے اپنی فوج کی خوشی میں گولیاں برساتی شروع کر دی تھیں۔ پھر چلے گیا ہوا کہ ان کی ہمارک کے بدن میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ڈاکٹر کو کہہ بتا دیا کہ اس کی تخلیق کوئی طوفان کو صرف ریت کے ذریعے مارا جا سکتا ہے طوفان کو ریت کا طوفان ہی مار سکتا تھا۔



نیکا

عمران ڈائجسٹ کے مقبول ترین سلسلوں میں سے ایک اور بزرگ دست سلسلہ ایک دل ہلا دینے والے سفر کی حیرت انگیز داستان ایک لالہ بانی اور حاسن نوجوان کی آپ بیتی، اس کا سفر جاری تھا کہ ایک مدت قیام کے دوران اسے عجیب غریب خلیے کا ایک بوہڑا نظر آیا۔

اور پھر۔؟
قدم قدم پر رونگٹے کھڑے کرنے والی ایک عجیب کہانی ایک حصے میں مختل

قیمت، ۳۰ روپے، ڈاک خرچ ۶ روپے
نگوانے کا پتہ،

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

۳۰، اردو بازار — کراچی

وہاں سب کچھ ہی حیرت انگیز تھا۔ طوفان جیسے شخص کا وجود جیسے موت نہیں آسکتی تھی۔ بسارک جیسا نئی جس کے بدن کی دھجیاں ہوجی تھیں۔ طوفان کی ہلاکت کا راز بتا گیا تھا۔ تجلے اس کو اس موقع پر کیسے ہوش آگیا تھا۔ لیکن وہاں تو انہوں نے واقعات کے ڈھبہ لگے ہوئے تھے۔ بسارک یہ راز ظاہر کرنے کے بعد مر گیا تھا

جیسے وہ صرف یہی بتانے کے لیے زندہ رہا تھا۔ پھر طوفان کی فائرنگ اور اس کے قہقہے۔ اس کے بعد برناڈ کا اپنے آدمیوں کو یہ حکم دینا کہ وہ طوفان کی طرف ریت اچھائی شروع کر دیں۔ لہذا طوفان کو دائرے میں لے کر سب کے سب اس کی طرف ریت اچھالنے لگے تھے۔ یہ ایک بے وقوفی کا عمل بھی ہو سکتا تھا۔ ایک مرتے ہوئے شخص کا ہڈیاں بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہی عمل کارآمد ثابت ہوا۔ ریت کے ذرات طوفان کے کالوں اس کے نعتوں اور اس کے طعن میں اترنے لگے۔ اور اس کے اندر کی مشینیری جام ہونے لگی۔ وہ جھج جھج کر گالیاں دیتا رہا۔ گولیاں چلائیں لیکن یہ لوگ انجام کی ہر دیکھے بغیر اس پر ہل پڑے تھے۔ برناڈ کے کئی آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ لیکن انہوں نے طوفان کو ہار کر دیا تھا۔ وہ آدمی کیا تھا۔ خود بھی ایک مشین کی طرح تھا۔ بسارک نے اس کے اندرونی نظام میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نازک اور بے چیدہ آلات بھی فٹ کر دیے تھے۔ ریت کے ذرات نے ان آلات کو متحد کر دیا۔ ان کی حرکت ختم ہو گئی۔ اور طوفان کسی ایسے رولٹ کی طرح گر پڑا جس کا اندرونی نظام ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔ ایک انتہائی خطرناک شخص کو ایک معمولی سے نسخے نے اس کے انجام تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن حاصل کیا ہوا کچھ بھی نہیں اس کے ساتھ ہی بسارک نے بھی دم توڑ دیا تھا۔ اور یہ کہانی ختم ہو گئی تھی۔

نجانے برناڈ ڈاکٹروں اور برناڈ کے آدمیوں نے کیا کیا ہو گا۔ لیکن وکرم اور عبدل واپس آ گئے تھے۔ ذہن میں ایک غلطی لیے ہوئے کہ حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔ چاہے کتنا ہی زور کیوں نہ لگایا جائے۔ چاہے پوری دنیا کو ٹپس منہس کر دیا جائے۔ انجام خالی ہاتھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

وکرم کے یہاں ایک اور حیرت انگیز خبر ان کا انتظار کر رہی تھی۔

ایک قوی سیکل افریقی ان کے انتظار میں تھا۔ اس کا نام وشاوا تھا۔ وہ اس قبیلے کا خاص آدمی تھا جس قبیلے نے داور کو کو برا بھلا کیا تھا۔ وہ اپنی امانت ان لوگوں سے واپس لینے آیا تھا۔

”تمہیں کیسے معلوم کہ تمہارا کوبرا ہم لوگوں کے پاس ہے؟“ وکرم نے پوچھا۔

”ہمارے وح ڈاکٹروں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ یہ ہم ہی تھے جنہوں نے بہت سے بڑے لوگوں کو اس زخمی کے سچے لگا دیا تھا۔ تاکہ وہ سب کے سب اس زخمی کو کو برا سمجھ کر اس میں اٹھے ہیں اور ہمارا کوبرا تم تک پہنچ جائے۔ تم ستاروں کی چال سے ناواقف ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ یہ کیسے کھیل ہیں۔ اب کوبرا تمہارے پاس ہے۔ اور میں اسے لینے آیا ہوں۔ تم اس کی فکرت کرو کہ سفر کے انتظامات کسی طرح ہوں گے۔ اور ہمارا کوبرا اکیلا نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ اس کا یہ ساتھی بھی ہو گا۔ اس کا اشارہ عبدل کی طرف تھا۔

”کیا تم ہمیں یہ بتا سکتے ہو کہ تمہارا کوبرا اتنی بڑی قیامت سے کیسے محفوظ رہا۔؟“ وکرم نے پوچھا۔

”میں نے کہا کہ یہ سب ستاروں کے کھیل ہیں۔ اس کے لیے تم کو اچھے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا بہت سے کہ تم نے اتنے دلوں تک ہمارے دہراؤ اپنی حفاظت میں رکھا۔ ہم معاوضے کے طور پر تمہیں ہر سہ کچھ دے سکتے ہیں۔“

لیکن وکرم نے کچھ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

تیسرے دن افریقہ کے لیے ایک بحری جہاز بردان کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

عبدل بھی داور کے ساتھ تھا اور اس کے سامنے بیٹھا ہوا مسافر رہا تھا کہ تجا نے زندگی اب افریقہ جا کر کیسے گل کھلائے گی؟ ہو سکتا ہے کہ وہاں سے ایک نیا سفر شروع ہو جائے یا پھر یہ کہانی ہی ختم ہو جائے۔ کون جائے۔۔۔